مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستۂ تفاسیر جدید

مرتب
حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی

پسند فرمودہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

اول مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر ابن کثیر
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری تعلیمات

گلدستہ تفاسیر

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۵-۶

جدید گلدستۂ تفاسیر

سورۃ المؤمنون تا سورۃ القمر

مرتب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی

مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اول مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزمان شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061- 4540513 4619240

گلدستہ تفاسیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تاریخ اشاعت..... محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

ناشر.....ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت.....سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے

قانونی مشیر

قیصر احمد خان

(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ چوک فوارہ ملتان۔ اسلامی کتاب گھر۔ چیاباں سرسید روڈ۔ راولپنڈی
ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور۔ دارالاشاعت اردو بازار کراچی
مکتبہ سید احمد شہید۔ اردو بازار لاہور۔ مکتبۃ القرآن نیو ٹاؤن کراچی
مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور۔ مکتبہ دارالاخلاص قصہ خوانی بازار پشاور
مکتبہ رشیدیہ۔ سرکی روڈ۔ کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U K 119-121 HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTERE BOLTON BL1 3NE. (U K)

''گلدستہ تفاسیر''

دورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد

اس دور میں پاک و ہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہو سکے اس دور میں علوم قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔

علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرمادیں کہ ہر بات سہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث وا تفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک و ہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک و ہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء ہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اے پاک و ہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہو سکتا ہے فقہی نقطہ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کر کے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کر کے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہو کر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کر کے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہو رہا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر اس میں شامل ان میں ہو جاؤں ۔۔۔ سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہو سکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقترنین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال وارد مدرسہ معدن الرحیم ملتان)

کلمات مبارکہ

از حضرت اقدس استاد العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

ہمارے مشفق و مہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہو جس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اور اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہو سکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء وطلباء اور عوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہو تو اس جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشیں، اور اس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعث بخشش ونجات بنادیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ [illegible]

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کر دیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالیٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

اجمالی فہرست

(جلد-۵-۲)

سورۃالمؤمنون	۴۹
سورۃ النور	۸۶
سورۃ الفرقان	۱۷۲
سورۃالشعراء	۲۲۱
سورۃ النمل	۲۵۸
سورۃ القصص	۳۱۳
سورۃ العنکبوت	۳۵۹
سورۃ الروم	۳۸۷
سورۃ لقمان	۴۱۷
سورۃ السجدہ	۴۴۲
سورۃ الاحزاب	۴۵۶
سورۃ سبا	۵۶۹
سورۃ فاطر	۶۰۵
سورۃ یٰس	۶۲۴
سورۃ الصافات	۶۴۹

سورۃ صٓ	۶۸۸
سورۃ الزمر	۷۱۳
سورۃ المؤمن	۷۵۹
سورۃ حٰمٓ	۷۹۳
سورۃ الشوریٰ	۸۲۳
سورۃالزخرف	۸۵۸
سورۃ الدخان	۸۸۸
سورۃ الجاثیہ	۹۰۰
سورۃ الاحقاف	۹۱۳
سورۃ محمد	۹۳۹
سورۃ الفتح	۹۶۶
سورۃ الحجرات	۱۰۰۷
سورۃ قٓ	۱۰۳۲
سورۃ ذاریات	۱۰۵۱
سورۃ الطور	۱۰۶۵

فہرست عنوانات

سورۃ المؤمنون تا سورۃ الاحزاب

سورۃ المؤمنون	۴۹	رکوع ادا کرنا	۵۳	وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت	۵۷
خشوع کا معنی	۴۹	شرمگاہوں کی حفاظت	۵۳	شانِ الٰہی	۵۷
نماز میں خشوع	۴۹	قضائے شہوت کی حرام صورتیں	۵۴	عبداللہ بن سعد کا واقعہ	۵۷
پہلی دس آیات	۴۹	ماملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں	۵۴	سب کو موت آئے گی	۵۷
حضور ﷺ کے اخلاق	۴۹	متعہ کی حرمت	۵۴	پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے	۵۷
کامیابی کی چابی	۴۹	حلق حرام ہے	۵۴	سات آسمان	۵۸
نماز میں داڑھی سے کھیلنا	۵۰	امانتداری اور ایفائے عہد	۵۴	پورا نظام قابو میں ہے	۵۸
لفظ "قد" کا استعمال	۵۰	دو قسم کے عہد	۵۴	آب رسانی کا نظام	۵۸
فلاح کیا ہے؟	۵۰	سب سے پہلے نماز کا حساب	۵۴	زمین میں پانی کا ذخیرہ	۵۸
بخیل جنت میں نہ جائے گا	۵۱	نمازوں کی حفاظت	۵۴	اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے	۵۸
جنت کی چیزیں	۵۱	محبوب عمل	۵۴	باغات اور پھل	۵۹
تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت	۵۱	آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت	۵۵	زیتون کا درخت	۵۹
جنت میں داخل نہ ہوں گے	۵۱	بہترین عمل	۵۵	علمی لطیفہ	۵۹
خشوع کے متعلق مختلف اقوال	۵۱	جنت کے وارث	۵۷	زیتون کے فوائد و خصوصیات	۵۹
بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے	۵۲	ہر ایک کی دو منزلیں	۵۵	طورِ سینا	۶۰
شیطان کا جھپٹا	۵۲	فردوس	۵۵	زیتون کا سالن	۶۰
نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا	۵۲	مہاجرین و انصار	۵۵	حیوانات کے فوائد	۶۰
تعلق الا خشوع	۵۲	مخنث مٹی کا بنا ہوا	۵۵	وسائل نقل و حمل	۶۰
حضرت عبداللہ بن زبیر	۵۲	رحم مادر میں	۵۶	ربط آیات	۶۰
اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز	۵۲	مختلف مراحل	۵۶	حضرت نوح کی دعوت اور سرداران قوم کا جواب	۶۱
نماز میں پتھر نہ ہٹائے	۵۲	روح حیات	۵۶	سرداروں کا تبصرہ	۶۱
حضور ﷺ کی حضرت انسؓ کو نصیحت	۵۲	انسان پیدائش سے انجام تک	۵۶	بارگاہ الٰہی حضرت نوح کی درخواست	۶۱
فضولیات سے پرہیز	۵۲	زندگی کے تغیرات	۵۶	تنور کا مطلب	۶۲
لغو کے درجات	۵۳	روح حقیقی اور روح حیوانی	۵۶	آغاز عذاب	۶۲
لغو کے متعلق اقوال	۵۳	متناسب صورت	۵۷	کشتی سے برکت کا اترنا	۶۲

عنوان	صفحہ
حضرت نوحؑ کی عظمت	۶۲
حضرت ہودؑ یا حضرت صالحؑ کی دعوت	۶۲
قوم کا عقیدہ	۶۳
سرداروں کا فیصلہ	۶۳
بعث بعد الموت کا انکار	۶۳
انکار آخرت	۶۳
پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت	۶۳
پیغمبر کی دُعاء	۶۳
عذاب کی اطلاع	۶۳
قوم کی ہلاکت	۶۴
قوموں کے انجام	۶۴
رسولوں کو جھٹلانے کی سزا	۶۴
فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر	۶۴
ایمان سے انکار کا بہانہ	۶۵
بنی اسرائیل کا دستور العمل	۶۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۶۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۶۵
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی	۶۵
ربوہ کا مطلب	۶۵
بعض گمراہ مصنفین کی تردید	۶۵
صحابہ و تابعین کے اقوال	۶۵
اکل حلال اور صدق مقال	۶۶
حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری	۶۶
انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں	۶۶
طیبات فقط حلال چیزیں ہیں	۶۶
ایسا کھانا جو غافل نہ کرے	۶۶
عمل صالح	۶۶
خلاصہ کلام	۶۶
حضور ﷺ کی عظمت	۶۶
حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خطاب	۶۷
اللہ باخبر ہے	۶۷
اختلاف امت کے اسباب	۶۷
پیغمبر کا کام	۶۷
آسمانی کتابوں میں تحریف	۶۷
فرقہ پرستوں کو چھوڑیئے	۶۷
فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی	۶۸
ایک پرانا وہم	۶۸
عقل کے کورے	۶۸
مؤمن کی شان	۶۸
آیات پر یقین	۶۸
توحید پر ایمان	۶۸
نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا	۶۸
اصل نیکی	۶۹
نیکی میں پیش قدمی کرنا	۶۹
انسان کو اس کی طاقت کے مطابق	۶۹
مکلف بنایا گیا ہے	۶۹
انسان کسی اور طرف مشغول ہے	۷۰
عذاب آتے تو چلاتے	۷۰
غزوۂ بدر اور قحط کا عذاب	۷۰
اپنی غفلت و اعراض کو یاد کرو	۷۰
پیغمبر کی باتوں پر توجہ دیتے تھے	۷۰
قرآن پر غور نہیں کیا	۷۰
پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی	۷۱
پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے	۷۱
فقط خواہش پرستی انکار کرا رہی ہے	۷۱
ان کی خواہش پرستی کیلئے حق نہیں بدل سکتا	۷۱
ہدایت آپہنچی ہے	۷۱
مفاد پرست انکار کر رہے ہیں	۷۲
پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا	۷۲
پیغمبر تو صراط مستقیم کی طرف بلاتا ہے	۷۲
احسان فراموش اور ناشکرے	۷۲
اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو	۷۳
آخرت کی حاضری	۷۳
دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں	۷۳
رجعت پسندی اور اندھی تقلید	۷۳
سب اللہ کے قبضہ میں ہے	۷۳
خوف خدا کرو	۷۴
عرش الٰہی	۷۴
اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا	۷۴
تم پر کیا جادو ہے	۷۴
دلائل کے باوجود انکار حق	۷۴
اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا	۷۵
اللہ شراکت سے پاک ہے	۷۵
ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے	۷۵
اعلیٰ اخلاقی قدریں	۷۵
شیاطین سے بچنے کا طریقہ	۷۶
شیاطین سے حفاظت کی دُعاء	۷۶
نیند آنے کیلئے دُعاء	۷۶
موت آئے گی تو پچھتائیں گے	۷۶
موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو	۷۷
جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اسے ملنا چاہتا ہے	۷۷
عمل صالح کرنے کا نسخہ	۷۷
کافر کی درخواست رد ہو جاتی ہے	۷۷
گناہگاروں کی قبریں	۷۷
عالم برزخ کے عذاب پر تنبیہ	۷۷
ناکام تمنا	۷۷
کافر واپس آکر بھی نیکی نہ کریں گے	۷۷
عالم برزخ	۷۷
کوئی کسی کو نہ پوچھے گا	۷۸
حضور ﷺ کا رشتہ برقرار رہے گا	۷۸
بدعتیں ایجاد کرنے والے	۷۸
حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح	۷۸
چہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ	۷۸
قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں	۷۸
نسب پر فخر بے کار ہے	۷۹
معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے	۷۹
مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہونگے	۷۹
حضور ﷺ کی دُعاء	۷۹
ہونٹ سوج جائیں گے	۷۹

اور زبان کو پاؤں روندیں گے	۷۹
میدان حشر کے مختلف احوال	۷۹
مؤمنین کاملین اور کفار	۷۹
ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا	۸۰
میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے	۸۰
میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں	۸۲
مؤمن بندہ اور اس کے اعمال کا	۸۱
کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ	۸۱
اعمال کے درجات	۸۱
جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں	۸۱
قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا	۸۱
ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی	۸۱
کچھ گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تولے جائیں گے	۸۱
مت مغربیہ کے چہرے آگ نہیں جلائے گی	۸۱
پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا	۸۲
[illegible] جائیں	۸۲
منکروں کو جتلایا جائے گا	۸۲
منکروں کا اعتراف	۸۲
وہاں قربانی نہیں کی جائے گی	۸۲
دنیا میں مؤمن پر ہنستے تھے	۸۲
مؤمنین کے صبر کا اجر	۸۳
دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی	۸۳
دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی	۸۳
کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے	۸۳
تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا	۸۳
اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا	۸۳
اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے	۸۴
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ	۸۴
جن کا علاج	۸۴
عرق ہونے سے تحفظ کی دعاء	۸۴
دعائے مغفرت	۸۵
آخری آیت کا ورد رکھنا چاہئے	۸۵
اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط	۸۵
نبی اور امت کی دعاء	۸۵
مجاہدین کا ورد	۸۵
پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے	۸۵
سورۃ النور	۸۶
سورۂ نور کے مضامین	۸۶
سورۃ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت	۸۶
حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ	۸۶
جس اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے	۸۶
زانی کی سزا	۸۶
زنا اور قتل عمد اور مرتد کی سزائیں	۸۷
تورات کا حکم باقی رکھا گیا	۸۷
ان احکام کی حفاظت فرض ہے	۸۸
وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں	۸۷
کوڑے مارنے کا طریقہ	۸۸
امام مالک اور امام شافعی کا مسلک	۸۸
جلاوطنی حد زنا کا حصہ نہیں ہے	۸۸
حد کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا	۸۸
صوابدیدی عمل ہے	۸۸
ترک معصیت اور ترکیہ کیلئے ہجرت	۸۸
سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے	۸۹
حضرت عمرؓ کا خطبہ	۸۹
تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں	۸۹
حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری	۸۹
حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے	۸۹
اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا	۸۹
ایک صحابی کی یہودی کی سنگساری	۹۰
ایک خاتون کی دوہری سزا	۹۰
ایک شخص کی دوہری سزا	۹۰
احصان کا معنی اور شرائط	۹۰
یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ	۹۰
سابقہ شریعتوں کے احکام	۹۰
زنا کی تعریف	۹۱
ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں	۹۱
شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے	۸۶
شبہ اشتباہ	۹۲
حد کا مطلب	۹۳
وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں	۹۲
مریض پر حد جاری کرنا	۹۳
حاملہ عورت پر حد	۹۳
زنا کی سزا کاریاں	۹۳
جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے	۹۳
ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں	۹۳
آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی	۹۳
احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز	۹۵
مانع نہ بننے دو	۹۵
اگر فاطمہ بنت محمد سرقہ کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا	۹۵
حدود میں نرمی نہ کرو	۹۵
حد سے آگے بھی نہ بڑھو	۹۵
سزا بر سر عام ہو	۹۵
بر سر عام سزا کی حکمت	۹۵
زانی کی طبیعت کا تجزیہ	۹۶
زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے	۹۶
مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے	۹۷
حرام نکاح اور حرام فعل	۹۷
پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا	۹۷
محصنات کا مطلب	۹۷
حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۹۸
مؤمنوں والا کلمہ	۹۸
ثبوت تہمت کی شرائط	۹۸
ایک شبہ اور جواب	۹۸
محصنت کون ہیں	۹۹
زنا کی تہمت لگانے کی سزا	۹۹
تہمت لگانے والا فاسق ہوا	۹۹
توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے	۹۹
توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی	۹۹
حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو	۱۰۰

عویمر کے واقعہ کی تفصیل	۱۰۱	الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ	۱۱۰
لعان کیلئے دو شرطیں	۱۰۲	کوڑوں کی سزا	۱۱۰
لعان کا طریقہ	۱۰۳	عبداللہ بن اُبی کی بکواس جاری	۱۱۰
لعان کے بعد تفریق واجب ہے	۱۰۴	آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول	۱۱۰
لعان سے نکاح ٹوٹ نہیں ہو جاتا	۱۰۴	اہل بدر کی فضیلت	۱۱۰
زنا کار عاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا	۱۰۴	ایک مسلمان کا طرز معاشرت	۱۱۰
غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے	۱۰۵	حضرت ابوایوبؓ کا کمال	۱۱۱
قانونِ الٰہی رحمت و فضل ہے	۱۰۵	بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے	۱۱۱
حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ	۱۰۵	ایک اہم اور ضروری تنبیہ	۱۱۱
مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی	۱۰۶	انسداد فواحش کا قرآنی نظام	۱۱۱
سفر کیلئے حضور ﷺ کا معمول	۱۰۶	بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے	۱۱۲
غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت	۱۰۶	ایک اہم تنبیہ	۱۱۲
میرا پیچھے رہ جانا	۱۰۶	اللہ کے فضل نے بچالیا	۱۱۲
حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ	۱۰۶	جرم کی سنگینی	۱۱۲
قافلہ کے ساتھ شمولیت	۱۰۶	تمام نیکیوں کا مدار	۱۱۲
واپسی پر میری علالت	۱۰۶	تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا	۱۱۳
حضور ﷺ کے التفات میں کمی	۱۰۶	حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی کیلئے	۱۱۳
تہمت تراشی کی خبر	۱۰۶	ایسی بات کیوں کہی گئی؟	۱۱۳
والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا	۱۰۷	یہ بہت بڑا بہتان تھا	۱۱۳
حضور ﷺ کا منافقین سے تحقیق کرنا	۱۰۷	خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو	۱۱۳
برسرِ منبر بہتان تراشوں کی تردید میں	۱۰۷	اللہ کی طرف سے راہنمائی	۱۱۳
حضور ﷺ کا خطاب	۱۰۷	مدکاری کی خبروں کا چرچا کرنا لے	۱۱۳
میرا رات دن روتے رہنا	۱۰۷	اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے	۱۱۴
حضور ﷺ کی تسلی	۱۰۸	اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا	۱۱۴
حضور ﷺ کے سامنے میرا بیان	۱۰۸	شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو	۱۱۴
مجھے اپنی براءت کا یقین تھا	۱۰۸	اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا	۱۱۴
وحی اترنا	۱۰۸	احسان و مروت کی تعلیم	۱۱۵
خوشخبری	۱۰۸	حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ	۱۱۵
حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات	۱۰۸	پاکدامن خواتین پر تہمت گناہِ کبیرہ ہے	۱۱۶
افک کا معنی اور مطلب	۱۰۹	ازواج مطہرات میں سے کسی	۱۱۶
طوفان اٹھانے والے	۱۰۹	پر تہمت لگانا کفر ہے	۱۱۶
حضرت عائشہؓ کا حسن خلق و مروت	۱۰۹	قیامت کے دن مجرم کی رسوائی	۱۱۶
الزام سے متاثر شخصیات کیلئے تسلی	۱۰۹	مؤمن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی	۱۱۶
زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی	۱۱۶		
وفی رقی مکمل سامنے آئے گا	۱۱۷		
برائی کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے	۱۱۷		
حضرت عائشہؓ کی براءت	۱۱۷		
حضور ﷺ کی ازواج جنتی ہیں	۱۱۷		
حضرت عائشہؓ کی مایہ ناز خصوصیتیں	۱۱۸		
صدیق کی بیٹی صدیقہ	۱۱۸		
حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت	۱۱۸		
جبرئیلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام	۱۱۸		
تمام ازواج مطہرات پر فضیلت	۱۱۸		
تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۱۱۹		
حضرت عائشہؓ کی بلاغت و سلاست	۱۱۹		
چار شخصیتوں کی براءت	۱۱۹		
کسی کے ہاں جانے کے آداب	۱۱۹		
استیناس کا مطلب	۱۱۹		
حضور ﷺ کی نصیحت	۱۱۹		
سلام کے بغیر داخلی اجازت نہ دو	۱۲۰		
جاہلیت کا طریقہ	۱۲۰		
اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا	۱۲۱		
اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے	۱۲۱		
ایک برا طریقہ	۱۲۱		
بہرحال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت	۱۲۲		
داخل ہونا جائز نہیں	۱۲۲		
اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۲۲		
تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۲۲		
کسی کے گھر جھانکنا منع ہے	۱۲۳		
جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے	۱۲۳		
غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ	۱۲۳		
بدنظری حرام ہے	۱۲۴		
اچانک نظر پڑنا	۱۲۵		
نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے	۱۲۵		
دیور موت ہے	۱۲۵		
عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا	۱۲۵		

عنوان	صفحہ
غیر جگہ زینت ظاہر کرنا	۱۲۵
عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں	۱۲۵
انسداد فواحش اور حفاظت عصمت کا ایک اہم باب	۱۲۵
برہنہ ہونے سے بچو	۱۲۶
آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے	۱۲۶
زینت کو ظاہر نہ کرنا	۱۲۷
عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے	۱۲۷
ضرورت و مجبوری کا حکم	۱۲۷
اوپر کے کپڑے	۱۲۷
چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے	۱۲۷
سینہ چھپانے کی تاکید	۱۲۷
محرم رشتہ داروں کا حکم	۱۲۸
خاوند کا حکم	۱۲۸
محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو	۱۲۸
خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا	۱۲۸
آواز سنانا	۱۲۸
آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا	۱۲۹
اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے	۱۲۹
عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا	۱۲۹
بارہ قسم کے محارم	۱۳۱
غلام اور باندی	۱۳۹
مخنث وغیرہ	۱۳۱
عورت عورت سے قرآن سیکھے	۱۳۱
خوشبو لگا کر باہر نکلنا	۱۳۸
آئندہ کیلئے توبہ کر لو	۱۳۲
حضور ﷺ کی توبہ و استغفار	۱۳۱
بیوہ و رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو	۱۳۲
نکاح کرنے کا مسنون طریقہ	۱۳۲
نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف	۱۳۳
حالات میں حکم مختلف ہے	۱۳۳
تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے	۱۳۳
ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح	۱۳۳
اسلام میں سب سے پہلی قسطیں	۱۳۴
حفاظت عصمت کا نسخہ	۱۳۴
لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح	۱۳۴
بغیر نکاح رہنے کی ممانعت	۱۳۴
جوانوں کو حکم	۱۳۴
نکاح میری سنت ہے	۱۳۵
پیغمبروں کی چار سنتیں	۱۳۵
بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح	۱۳۵
اس امت کے سب سے افضل آدمی	۱۳۵
حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۱۳۵
مناسب رشتہ آئے تو نکاح کر دو	۱۳۶
اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان	۱۳۶
غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں	۱۳۶
تو ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو	۱۳۶
رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو	۱۳۷
نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو	۱۳۷
جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو	۱۳۷
غلام اور لونڈی کی آزادی	۱۳۸
حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی	۱۳۹
اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو	۱۳۸
جدید مادہ پرستانہ نظریات	۱۳۸
اور قرآن کا نظریہ ملکیت	۱۳۸
غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو	۱۳۸
لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ	۱۳۹
مجبور و محکوم قابل رحم ہے	۱۳۸
قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے	۱۳۹
اللہ کے نور سے جہان آباد ہے	۱۳۸
طائف میں حضور ﷺ کی دعاء	۱۳۸
نور کا مطلب	۱۴۰
مذکورہ مثال کا حاصل	۱۴۰
مؤمن نور الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے	۱۴۱
دلوں کی چار قسمیں	۱۴۱
نور نبی کریم ﷺ	۱۴۱
روغن زیتوں کی برکات	۱۴۲
مؤمن کے دل کا نور	۱۴۲
حضور ﷺ کا نور	۱۴۲
مہر نبوت	۱۴۳
عالم کفر میں زلزلہ	۱۴۳
یہودی تاجر کی خبر	۱۴۳
راہب کی پیش گوئی	۱۴۳
حضرت عباس کے مسلمان	۱۴۳
ہونے کا خاص سبب	۱۴۳
فرشتے جھولا جھلاتے تھے	۱۴۳
حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں	۱۴۳
حضور ﷺ کا سب سے پہلا کلام	۱۴۳
بادل کا سایہ	۱۴۳
حضور ﷺ کی موجودگی میں	۱۴۳
چراغ کی ضرورت نہیں تھی	۱۴۳
بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے	۱۴۴
خشک وادیاں سرسبز ہو گئیں	۱۴۴
شق صدر	۱۴۶
حضور ﷺ کی برکت سے قحط دور ہو گیا	۱۴۴
راہب نے حضور ﷺ کو پہچان لیا	۱۴۴
راہب مسلمان ہو گیا	۱۴۵
فرشتے سایہ کرنے لگے	۱۴۵
علامہ سہیلی کی توجیہہ	۱۴۵
حضرت ابن عمرؓ کا قول	۱۴۸
محمد بن کعب کا قول	۱۴۵
وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے	۱۴۵
نور اصل اور نور نسل	۱۴۸
حضرت ابی بن کعب کی تفسیر	۱۴۵
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول	۱۴۶
صوفی کا دل	۱۴۶
حسن اور ابن زید کا قول	۱۴۶
بعض علماء کا قول	۱۴۶
انسان کی پانچ علمی اور اکی قوتیں	۱۴۶
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح	۱۴۷

ذات اور صفات	۱۴۸
ایجاد اشیاء	۱۴۸
اولیاء کی نورچینی	۱۴۸
تاریکی کے بعد نور	۱۴۸
نور کے برتن	۱۴۸
قرآنی تمثیلات	۱۴۸
مسجدوں کی تعمیر و تعظیم	۱۴۸
پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں	۱۵۱
اللہ کی محبت کا راستہ	۱۵۰
بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے	۱۵۰
مسجدوں کی شان و شوکت اور زینت	۱۵۱
فضائل مساجد	۱۵۰
مساجد کے پندرہ آداب	۱۵۱
وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں	۱۵۱
وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں	۱۵۱
مسجد میں جانے کی دعاء	۱۵۲
عورتوں کا مسجد میں آنا	۱۵۲
نمازوں کی تاکید	۱۵۲
اللہ کے بندے	۱۵۲
بازار والوں کی فضیلت	۱۵۲
عہد رسالت کے دو کاندار	۱۵۳
عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے	۱۵۳
قیامت کا دن	۱۵۳
فریب خوردہ لوگ	۱۵۳
تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)	۱۵۳
پرندے قدرت کی نشانی ہیں	۱۵۴
ہر مخلوق اپنے وظیفہ پورا کر رہی ہے	۱۵۴
رات دن کا نظام	۱۵۵
آنکھ والو عبرت حاصل کرلو	۱۵۵
مخلوقات کی مختلف قسمیں	۱۵۶
واضح نشانیاں موجود ہیں	۱۵۶
منافقین کا وطیرہ	۱۵۶
دل بیمار ہیں	۱۵۷
منافق غلط شک میں مبتلا ہیں	۱۵۷
سچے مسلمان کا کام	۱۵۷
کامیاب کون ہوگا؟	۱۵۷
رومی کسان کا عجیب واقعہ	۱۵۷
منافقوں کی جھوٹی قسمیں	۱۵۱
اطاعت و تصدیق کی ذمہ داری پوری کرو	۱۵۸
اطاعت رسول کے ثمرات	۱۵۱
دور خلافت کی فتوحات	۱۵۱
بارہ خلفاء	۱۵۰
خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل	۱۵۰
حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب	۱۶۶
حضرت شیعا کا خطاب	۱۶۰
دور خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا	۱۶۰
خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے	۱۶۱
قاضی شوستری کی تحریر	۱۴۸
مثالی دور حکومت	۱۶۱
حضرت علی اپنے پیشرو خلفاء کو حق سمجھتے تھے	۱۶۱
شیعوں کی کتاب سے ثبوت	۱۶۱
کسریٰ کا خاتمہ	۱۶۲
امن و چین کا دور	۱۶۲
اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید	۱۶۲
خلافت کے تیس سال	۱۶۳
فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی	۱۶۳
بارہ خلفاء قریشی ہوں گے	۱۶۳
ناشکری کرنے والے	۱۶۴
قاتلین عثمان	۱۶۴
رافضی و خارجی	۱۶۴
یزید بن معاویہ	۱۶۴
مقبول بندوں کا طریقہ	۱۶۴
مردود لوگوں کی لسٹ	۱۶۴
مسئلہ استیذان کا تتمہ	۱۶۴
حضرت اسماء کی ناگواری پر آیت کا نزول	۱۶۵
غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب	۱۶۵
نابالغ لڑکا	۱۶۶
بوڑھی خواتین کا مسئلہ	۱۶۶
عورتوں کیلئے اظہار زینت ممنوع ہے	۱۶۶
خفیہ قتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہیں	۱۶۰
معذوروں کیلئے عذر پیری اور اپنے معاملات کا طریقہ	۱۶۶
اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے	۱۶۶
پاکیزہ ترین مال	۱۶۶
وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے	۱۶۷
ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے	۱۶۸
غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے	۱۴۸
سلام کا طریقہ	۱۴۸
خالی گھر پر سلام کا طریقہ	۱۶۹
مسلمان کے حقوق	۱۶۰
محبت کا نسخہ	۱۶۶
سوار پیدل کو سلام کرے	۱۴۸
ایک کا سلام جماعت کا سلام ہے	۱۶۹
رخصت ہونے کی اجازت	۱۶۹
حضور ﷺ جسے چاہیں اجازت دیں	۱۶۹
اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ	۱۶۹
حضور ﷺ کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے	۱۷۰
دیہاتیوں کی اصلاح	۱۷۰
حضور ﷺ کی بددعاء سے ڈرتے رہو	۱۷۰
یہودیوں کی گستاخیاں	۱۷۰
نبی کریم ﷺ کی مجلس کے خصوصاً	۱۷۰
اور عام معاشرت کے بعض آداب و احکام	۱۷۰
منافقین کی گستاخیاں	۱۷۱
نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہئے	۱۷۱
اللہ تعالیٰ سے کوئی کام نہیں چھپ سکتا	۱۷۱
عورتوں کو سور نور سکھاؤ	۱۷۱
سورۃ الفرقان	۱۷۲
حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب	۱۷۲
قرآن کی قرأتیں	۱۷۲

برکت کا مطلب	۱۷۲	جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب	۱۷۹	قوم نوح کا کردوت	۱۸۷
قرآن کو فرقان کیوں فرمایا	۱۷۳	حقیقت حال	۱۸۰	کنوئیں والی قوم	۱۸۷
کامل و مکمل بندہ	۱۷۳	مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائینگے	۱۸۰	عیب نجار	۱۸۸
قرآن کا پیغام عالمگیر ہے	۱۷۲	کافروں کے اعتراض کی تردید	۱۸۰	اول جنت میں جانے والا غلام	۱۸۸
تخلیق ربانی کا اعجاز	۱۷۳	کشمکش دنیا امتحان ہے	۱۹۰	بہتر قرن	۱۸۸
حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے	۱۷۳	شکر کی توفیق کا نسخہ	۱۸۲	قرن کا مطلب	۱۸۸
مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں	۱۷۳	پیغمبروں کا فقر	۱۸۰	قوم لوط کی بستیاں	۱۸۸
علم و حماقت کی انتہاء	۱۷۲	منکر تکبر کے مریض ہیں	۱۸۱	عبرت آموزی میں رکاوٹ	۱۸۹
جھوٹے معبودوں کی عاجزی	۱۷۴	گھبراؤ نہیں وقت آرہا ہے	۱۸۱	استہزاء بازی	۱۸۹
کافروں کی بے سروپا باتیں	۱۷۴	مؤمن کی روح کا اعزاز	۱۸۲	عذاب آنکھیں کھول دے گا	۱۸۹
قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے	۱۷۵	غرور خاک ہو جائے گا	۱۸۲	خواہش نفس کے بندے	۱۸۹
کافروں کی کور مغزی	۱۷۵	ہباء کا معنی	۱۸۲	چوپایوں سے بدتر انسان	۱۸۹
قرآن تو علیم و خبیر کا اتارا ہوا ہے	۱۷۵	اہل جنت کے مزے	۱۸۲	چوپایوں کا بولنا	۱۹۰
اللہ کی بخشش و مہربانی	۱۷۵	جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت	۱۸۲	دھوپ اور سائے کا نظام	۱۸۲
حضور ﷺ پر کافروں کی چہ میگوئیاں	۱۷۵	اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال	۱۸۳	حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۱۸۰
کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں	۱۷۵	فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی	۱۸۳	رات اوروں کا خالق	۱۹۱
کافروں کا ایک بیہودہ خیال	۱۷۶	قیامت کے دن کی سختی	۱۸۳	حسن تخلیق	۱۹۱
دیکھو کافروں کی گمراہیاں	۱۷۶	کافروں کی بے انتہا حسرت	۱۸۴	مرد و رعیتوں کی زندگی کا نظام	۱۹۱
اللہ دست بقدار ہے مگر منکروں کی محروم ہیں	۱۷۶	عقبہ کا انجام	۱۸۴	طہور کا معنی	۱۹۲
حضور ﷺ پر فقر پسندی	۱۷۶	گمراہوں کی دوستی کا انجام	۱۸۴	نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے	۱۹۲
کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے	۱۷۷	صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ	۱۸۴	کثیر پانی	۱۹۲
شرارت پسندوں کا عذاب	۱۷۷	نیک و بد ساتھی کی مثال	۱۸۵	استعمال شدہ پانی	۱۹۲
حضرت ربیع کا خوف آخرت	۱۷۷	بدبخت قوم	۱۸۵	رکا ہوا پانی	۱۹۲
دوزخ کی دہشت	۱۷۷	قرآن کے ترک کی صورتیں	۱۸۵	میت کا غسل	۱۹۳
دوزخ میں مجرموں کی جگہیں	۱۷۷	ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں	۱۸۵	ناپاک زمین کو پاک کرنا	۱۹۳
دوزخ کی تنگی	۱۷۷	اللہ آپ ﷺ کی مدد کرے گا	۱۸۵	آب پاشی کا نظام	۱۹۳
لوہے کے صندوقوں میں بند ہونگے	۱۷۸	دشمنوں کا اعتراض	۱۸۶	ناشکرے لوگ	۱۹۳
سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا	۱۷۸	قرآن پاک کی فضیلت	۱۸۶	بادل کے فرشتے	۱۹۳
مؤمنوں کا انعام	۱۷۸	قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں	۱۸۶	بارش ہر سال یکساں برستی ہے	۱۹۴
اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا	۱۷۸	قرآن شافی جواب دیتا ہے	۱۸۶	آپ ﷺ زور و شور سے منکرین	۱۹۷
میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال	۱۷۹	گمراہی پسندوں کا انجام	۱۸۹	کا مقابلہ کرتے ہیں	۱۹۴
معبودوں کا عابدوں سے اظہار براءت	۱۷۹	تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا	۱۸۶	ختم نبوت کی حکمت	۹۷
نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا	۱۷۹	قوم فرعون کا حق سے انکار	۱۸۷	کافروں کی طرف نہ جھکیں	۱۰۳

۱۹۴	میٹھا و کڑوا پانی ایک ساتھ	۲۱۳	اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کرنا	۲۱۰	اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں
۱۹۵	میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت	۲۱۳	جہنم کے گڑھے	۲۱۰	تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے
۱۹۵	اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ	۲۱۳	جہنمیوں کی آہ وزاری	۲۱۱	سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ
۱۹۶	ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش	۲۱۳	خرچ میں میانہ روی	۲۱۱	انسان کا مبداء کیا ہے؟
۱۹۶	پیغمبر کا کام	۲۱۳	صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد	۲۱۱	انسان کا معیار رحمٰن کے بندوں کی چال
۱۹۶	رسالت کا اجر	۲۱۴	محتاجی سے تحفظ	۲۱۲	رحمٰن کے بندوں کا قائل
۱۹۷	اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں	۲۱۴	اعلام	۲۱۲	سلام کی برکات اور آداب
۱۹۷	اللہ کی قدر جاننے والے	۲۱۴	سب سے بڑا گناہ	۲۱۳	رحمٰن کے بندوں کی تنہائی
۱۹۷	بے قدرے لوگ	۲۱۴	فنائے قلب کا مقام	۲۱۵	رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبارت
۱۹۷	سجدہ فقط اللہ کو ہے	۲۱۴	توبہ کا فائدہ	۲۱۵	مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان
۱۹۷	آسمان کے بُرج	۲۱۵	گناہ پر نیک بندوں کی ندامت	۲۱۶	رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت
۱۹۸	موسموں کی تبدیلی کا نظام	۲۱۵	حضرت ماعزؓ کی آہ	۲۱۸	حقوق العباد کے مارے میں رحمٰن کے
۱۹۸	تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی	۲۱۵	ایک خاتون کی توبہ	۲۱۸	یتیموں کا طریقہ عمل
۱۹۸	موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار	۲۱۵	اہل محبت کے بعض اعمال واقوال	۲۱۹	توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ
۱۹۸	فیثاغورس کی تحقیق کی تائید	۲۱۵	سونے کا وظیفہ	۲۲۰	رحمٰن کے بندوں کی معاد
۱۹۸	غلط دعویٰ	۲۱۶	برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی	۲۲۱	**سورۃ الشعراء**
۱۹۸	علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ	۲۱۶	چار قسم کے جنتی	۲۲۱	اعجاز قرآن
۱۹۹	علم فلکیات کی تاریخ	۲۱۶	ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ	۲۲۱	امت کیلئے حضور ﷺ کی دل سوزی
۱۹۹	ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر	۲۱۶	ایک حاتون کا واقعہ	۲۲۱	نزول آیت کا زمانہ
۱۹۹	راکٹ کی ایجاد	۲۱۶	مسلمان گناہ گار کی توبہ	۲۲۱	آیت سے معلوم شدہ احکام
۱۹۹	خلائی سفر	۲۱۷	حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ	۲۲۱	حکمت الٰہی
۱۹۹	قطب نما کے پس پردہ قوت	۲۱۷	جھوٹ سے پرہیز	۲۲۲	محروم ہدایت لوگ
۲۰۰	نظام کائنات کا پیغام	۲۱۷	جھوٹے گواہ کی سزا	۲۲۲	تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے
۲۰۰	آسمان کا چراغ	۲۱۷	گمراہ کبیرہ	۲۲۲	تھوڑا سا غور کرکے حق تک رسائی ممکن ہے
۲۰۰	رات ودن کا نظام	۲۱۷	قاضی شریحؒ رحمہ اللہ کا عمل	۲۲۲	قدرت الٰہی
۲۰۰	حضرت عمرؓ کی فراست	۲۱۸	جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز	۲۲۲	ربط مضامین
۲۱۱	بدلتے حالات کا سبق	۲۱۸	غور وفکر کی عادت	۲۲۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو
۲۱۱	اللہ کے سچے بندے	۲۱۸	صالح اہل وعیال	۲۲۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ
۲۱۱	مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات	۲۱۹	نیکی کی امامت	۲۲۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین وتسلی
۲۱۲	جاہلوں سے سلوک	۲۱۹	مؤمنین کا انعام	۲۲۳	آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام
۲۱۲	رات کی عبادت گذاری	۲۱۹	جنت کے درجات	۲۲۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت
۲۱۲	رات کی نماز کی فضیلت	۲۱۹	جنت کے بالاخانے	۲۲۴	فرعون کا جواب
۲۱۳	خوف آخرت	۲۱۰	سلامتی کے تحفے	۲۲۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں	۲۲۴
لفظ ضلال کا مفہوم	۲۲۴
دعوائے نبوت	۲۲۴
فرعون کے احسان کا تجزیہ	۲۲۴
ربُّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال	۲۲۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۲۲۴
فرعون کی چالاکی	۲۲۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب	۲۲۵
فرعون کا دوسرا پینترا	۲۲۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور ناقابل انکار دلیل	۲۲۶
فرعون کی دہشت گردی	۲۲۶
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج	۲۲۶
فرعون کی بدحواسی	۲۲۷
فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا	۲۲۷
فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور	۲۲۷
جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج	۲۲۷
جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا	۲۲۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح	۲۲۸
فرعون کی سیاسی چالبازیاں	۲۲۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۲۲۸
جادوگروں کے ایمان کی پختگی	۲۲۸
ہجرت کا حکم	۲۲۹
تعاقب کی تیاری	۲۲۹
فرعون کے دعوے	۲۲۹
فرعونیوں کی بدبختی	۲۲۹
بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا	۲۲۹
دریائے قلزم کے کنارے پر	۲۲۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ	۲۲۹
عصائے موسیٰ علیہ السلام سے پانی میں	۲۳۰
راستے بن گئے	۲۳۰
فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی	۲۳۰
حق کی کامیابی کی دلیل	۲۳۰
حضور علیہ السلام کو تسلی	۲۳۰
دعوت ابراہیمی	۲۳۰
قوم کا جواب	۲۳۰
حضرت ابراہیمؑ کا سوال	۲۳۰
قوم کا جواب	۲۳۰
حضرت ابراہیمؑ کا اعلان جنگ	۲۳۱
اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے	۲۳۱
رازرسانی اور زندہ موت کا مالک اللہ ہی ہے	۲۳۰
موت اور بیداری کا فرق	۲۳۸
مقام عصمت کی وضاحت	۲۳۸
حضور علیہ السلام کا واقعہ	۲۳۸
حضرت ابراہیمؑ کی دعا	۲۳۳
حضرت ابراہیمؑ کا والد کیلئے استغفار	۲۳۳
پاک دل	۲۳۳
کافروں اور منافقوں کی رسوائی	۲۳۳
شرک اور شک سے پاک دل	۲۳۴
کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی	۲۳۴
تندرست دل	۲۳۴
جنت و دوزخ کا نظارہ	۲۳۴
فرضی معبود کہاں ہیں	۲۳۴
اصنام کا رسم مائل پرستوں کا آپس میں جھگڑا	۲۳۴
کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی	۲۳۵
کافروں کی ناکام حسرت	۲۳۵
قصہ ابراہیمؑ کا سبق	۲۳۵
حضرت نوح کی دعوت	۲۳۵
ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے	۲۳۵
پیغمبر بے لوث ہوتا ہے	۲۳۵
طاعات پر اجرت لینے کا حکم	۲۳۶
قوم کے سرداروں کا اعتراض	۲۳۶
قوم نوح کا احمق پن	۲۳۶
غریبوں کو دھکے نہیں جا سکتے	۲۳۶
قوم والوں کی دھمکی	۲۳۶
حضرت نوح کی دعا	۲۳۶
قوم عاد کی عمارت پرستی	۲۳۷
کبوتر بازی	۲۳۷
ذلت والا کام	۲۳۸
بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے	۲۳۷
ایک انصاری صحابی کی حضور علیہ السلام سے ناراضگی	۲۳۷
موت سر پر کھڑی ہے	۲۳۸
حضور علیہ السلام کا عمل	۲۳۸
گزروں پر ظلم سے باز آؤ	۲۳۸
جبابرین	۲۳۸
اپنے انجام کو سوچو	۲۳۸
قوم والوں کی بے حسی	۲۳۸
حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ	۲۳۸
عوام سے خطاب	۲۳۸
سرداروں کی بے رواہی	۲۳۹
حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی	۲۳۹
اونٹنی کے ساتھ ظلم	۲۴۰
قوم لوط کی بدکاری	۲۴۰
فطرت کی خلاف ورزی	۲۴۰
غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے	۲۴۱
قوم والوں کی دھمکی	۲۴۱
حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت	۲۴۱
حضرت لوط علیہ السلام کی دعاء	۲۴۱
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۲۴۱
عذاب کی صورت	۲۴۱
لوطی کی سزا	۲۴۱
مدین والے	۲۴۲
حضرت شعیبؑ کی تبلیغ	۲۴۲
فساد فی الارض	۲۴۲
قوم کا جواب	۲۴۳
حضرت شعیبؑ کی وضاحت	۲۴۳
زلزلے اور آگ کا عذاب	۲۴۳
خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے	۲۴۳

عنوان	صفحہ
نزول قرآن	۲۴۳
وحی کی صورتیں	۲۴۳
حضور ﷺ کا امتیاز	۲۴۴
حضور ﷺ کی فصاحت	۲۴۴
قرآن پاک کے متعلق عقیدہ	۲۴۴
نزول قرآن عربی میں ہوا	۲۴۴
نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا ناجائز ہے	۲۴۵
قرآن کے اردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں	۲۴۵
سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے	۲۴۵
مضامین قرآن کا تسلسل	۲۴۵
علمائے یہود کا علم	۲۴۵
مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہونگے	۲۴۶
عجمی کا مطلب	۲۴۶
اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت	۲۴۶
حقانیت قرآن	۲۴۶
جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی	۲۴۶
لمبی عمر نعمت ہے	۲۴۶
مہلت کے بعد عذاب آتا ہے	۲۴۷
قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے	۲۴۷
شیاطین کی ناکہ بندی	۲۴۷
قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے	۲۴۷
قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم	۲۴۸
حضور ﷺ کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا	۲۴۸
کوہ صفا سے سب کو بلانا	۲۴۸
قوم والوں سے خطاب	۲۴۸
ابولہب کی ہلاکت	۲۴۹
ایک ایک کو خطاب	۲۴۹
حضور ﷺ اور امت کی مثال	۲۴۹
حضرت علیؓ کی فضیلت	۲۴۹
اللہ پر بھروسہ رکھو	۲۵۰
حضور ﷺ کا ساجدین میں تقلیب	۲۵۰
حضور ﷺ کے آباؤ اجداد کا مومن ہونا	۲۵۰
صداقت و عظمت قرآن و پیغمبر	۲۵۱
شیطان کی جھوٹی روایات	۲۵۱
کاہنوں کی باتیں	۲۵۱
ستاروں کا ٹوٹنا	۲۵۲
پیغمبر شاعر نہیں ہے	۲۵۲
دربار فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ	۲۵۲
شعر کی تعریف	۲۵۳
اچھے اشعار	۲۵۳
کون سے اشعار برے ہیں	۲۵۳
خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا	۲۵۳
ہر علم اور فن مذموم ہے	۲۵۳
اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی	۲۵۳
گمراہی کی علامت ہوتی ہے	۲۵۳
شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے	۲۵۳
شعر گوئی کی مذمت	۲۵۴
بے عمل خطیب	۲۵۴
غاوی کون ہیں	۲۵۴
شعراء کی گمراہیاں	۲۵۴
زبانی و خیالی باتیں	۲۵۵
پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں	۲۵۵
اچھے شعراء	۲۵۵
حضرت عبداللہ بن رواحہؓ	۲۵۵
حضرت حسان بن ثابتؓ	۲۵۵
لبید کا کلام	۲۵۶
امیہ بن صلت کے اشعار	۲۵۶
حضور ﷺ کا ایک ارشاد	۲۵۶
حضرت صدیق و فاروق و حیدر رضی اللہ عنہم	۲۵۶
حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی	۲۵۶
ظالموں کو دھمکی	۲۵۷
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا وصیت نامہ	۲۵۷
سورۃ النمل	۲۵۸
دنیا پرستی کے مریض	۲۵۸
لوح محفوظ	۲۵۸
قرآن کے احکام واضح ہیں	۲۵۸
دنیا پرستوں کو چھوڑیے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں	۲۵۹
علم و حکمت	۲۵۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال	۲۵۹
روایت بالمعنی کی دلیل	۲۵۹
جدوجہد توکل کے منافی نہیں ہے	۲۵۹
ادب کا لحاظ	۲۵۹
نور الٰہی کا ظہور	۲۶۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام	۲۶۰
آگ میں کیا تھا	۲۶۰
اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے	۲۶۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف	۲۶۱
پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا	۲۶۱
کوتاہی کے بعد توبہ و اصلاح	۲۶۲
پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے	۲۶۲
قوم والوں کا انکار اور عذاب	۲۶۲
حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے علوم	۲۶۳
نعمتوں کا شکر	۲۶۳
علم کی فضیلت	۲۶۳
حضرت سلیمانؑ کے فضائل	۲۶۳
انبیاء کے مال کی وراثت نہیں ہوتی	۲۶۳
حضرت سلیمان اور حضور ﷺ کا درمیانی عرصہ	۲۶۴
پرندوں کی بولیاں	۲۶۴
حضور ﷺ کو جانوروں کی بولیوں کا علم	۲۶۵
اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے	۲۶۵
بشرطیکہ تکبرانہ ہو	۲۶۵
مختلف پرندوں کی نصیحتیں	۲۶۵
حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال	۲۶۶
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول	۲۶۶
حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۲۶۶
حضرت داؤدؑ کی وفات	۲۶۶
ایک اللہ والے کا عجیب قصہ	۲۶۶

عنوان	صفحہ
حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر	۲۶۷
حضرت سلیمانؑ کی حکومت	۲۶۷
چیونٹیوں کی وادی پر گذر	۲۶۸
حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات	۲۶۸
مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر	۲۶۸
چیونٹی کا اعلان	۲۶۸
چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام	۲۶۸
حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے	۲۶۹
چیونٹی کا انداز خطاب	۲۶۹
حضرت سلیمان اور ان کے لشکر	۲۶۹
کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن	۲۶۹
اہل معرفت کا قول	۲۶۹
حضرت سلیمانؑ کا تعجب اور خوشی	۲۶۹
انبیاء کی ہنسی	۲۷۰
توفیق شکر کی دعاء	۲۷۰
عمل صالح کیلئے قبولیت کی دعاء	۲۷۰
ہدہد کی غیر حاضری	۲۷۰
حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے	۲۷۱
اپنے نفس کا محاسبہ	۲۷۱
طیور میں سے ہدہد کی تخصیص کی وجہ	۲۷۱
اور ایک اہم عبرت	۲۷۱
حضرت عبداللہ بن عباس پر سوال اور اس کا جواب	۲۷۲
کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے	۲۷۲
مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے	۲۷۲
قوم سباء	۲۷۲
انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے	۲۷۲
کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے	۲۷۲
چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے	۲۷۳
ہدہد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ	۲۷۳
کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے	۲۷۴
ملکہ سباء	۲۷۴
کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے	۲۷۴
عورت کی حکمرانی	۲۷۴
بلقیس پیدائش سے حکمرانی تک	۲۷۵
بلقیس کی ماں	۲۷۵
بلقیس کا لاؤ لشکر	۲۷۵
بلقیس کا تخت	۲۷۶
قوم سبا کا شرک	۲۷۶
جانوروں کی فطری معرفت	۲۷۶
حضرت سلیمانؑ کا خط	۲۷۶
قاصد شاہی کے آداب	۲۷۶
تحریر اور خط بھی عام معاملات میں	۲۷۶
حجت شرعیہ ہے	۲۷۶
مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے	۲۷۷
انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے	۲۷۷
خط بلقیس کے پاس	۲۷۷
بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ	۲۷۷
حضرت سلیمانؑ کا خط کس زبان میں تھا	۲۷۷
خط نویسی کے چند آداب	۲۷۷
حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز	۲۷۸
کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا	۲۷۸
خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے	۲۷۸
خطوط میں بسم اللہ لکھنا	۲۷۸
آیت قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک	۲۷۹
کے ہاتھ میں دینا جائز ہے	۲۷۹
خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز	۲۷۹
میں لکھنا چاہئے	۲۷۹
خط کی جامعیت	۲۸۰
درباریوں کا مشورہ	۲۸۰
بلقیس کا فیصلہ	۲۸۰
بلقیس کے تحائف	۲۸۱
بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات	۲۸۱
حضرت سلیمانؑ کے انتظامات	۲۸۱
بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری	۲۸۱
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کر دیئے	۲۸۲
حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کر دیئے	۲۸۲
کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول	۲۸۲
حضرت سلیمانؑ کا جواب	۲۸۲
حملہ کی اطلاع	۲۸۳
بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے ہاں	۲۸۳
حاضری کی تیاری	۲۸۳
حضرت سلیمانؑ کا رعب	۲۸۳
بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام	۲۸۳
بلقیس کی حاضری دربار سلیمان میں ایک دیو کا دعویٰ	۲۸۴
آصف بن برخیا	۲۸۵
معجزہ اور کرامت میں فرق	۲۸۵
تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف	۲۸۵
آصف بن برخیا کی دعاء	۲۸۶
فضل الٰہی کا شکر	۲۸۶
[illegible]زاری کا نفع	۲۸۶
تخت کے رنگ و روپ میں تبدیلی	۲۸۷
تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت	۲۸۷
بلقیس کی دانائی	۲۸۷
بلقیس کے یقین کا اظہار	۲۸۷
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا	۲۸۸
بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی	۲۸۸
نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا	۲۸۸
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی	۲۸۸
بلقیس کے اسلام کا اعلان	۲۸۹
حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح	۲۸۹
بلقیس کی ایک بدگمانی	۲۸۹
قوم ثمود میں گروہ بندی	۲۸۹
حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم	۲۸۹
قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام	۲۹۰
قوم ثمود کے نو سردار	۲۹۰
حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام	۲۹۰
جھوٹ کی برائی	۲۹۰

ان کا فساد اور ہلاکت	۲۹۹
آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی	۲۹۱
قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر	۲۹۲
ایمان والے کامیاب ہوئے	۲۹۲
حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت	۲۹۲
قوم والوں کا جواب	۲۹۲
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۲۹۳
پتھروں کی بارش	۲۹۴
وعظ توحید	۲۹۴
مشرکوں کی حماقت	۲۹۳
اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں	۲۹۳
جو خالق ہے وہی معبود ہے	۲۹۳
ادتار	۲۹۴
زمین کا فرش کس نے بنایا	۲۹۴
نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے	۲۹۳
دریاؤں کا انتظام کس نے بنایا	۲۹۴
اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے	۲۹۵
مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے	۲۹۵
مضطر کون ہے؟	۲۹۵
ے کس کیلئے حضور ﷺ کی بتلائی ہوئی دعاء	۲۹۵
مضطر کی دعاء اخلاص کی بناء پر مرور	۲۹۵
قبول ہوتی ہے	۲۹۵
تین دعائیں	۲۹۵
دعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو	۲۹۶
ایک بے کس و مجبور کا عجیب واقعہ	۲۹۶
ایک بزرگ کا عجیب واقعہ	۲۹۶
قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟	۲۹۷
غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟	۲۹۷
جنگل اور دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے	۲۹۷
معنوی ستارے	۲۹۷
ہوا و بارش کون بھیجتا ہے	۲۹۷
یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے	۲۹۷
کس نے ابتداء پیدا کیا اور کون	۲۹۷
دوبارہ زندہ کرے گا	۲۹۷
آسمان و زمین سے تمہیں روزی کون دیتا ہے	۲۹۲
تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی	۲۹۲
دلیل ہے تو پیش کرو؟	۲۹۲
اللہ کے معبود ہونے پر ایک	۲۹۸
دوسری طرح کی دلیل	۲۹۸
علم غیب کا مسئلہ	۲۹۲
ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم	۲۹۲
قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں	۲۹۹
کم عقلوں کا انکار قیامت	۲۹۹
منکروں کی دلیل	۲۹۹
قیام قیامت کی دلیل	۲۹۹
منکروں کو دھمکی	۳۰۰
جو منکر ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں	۳۰۰
حضور ﷺ کی شفقت	۳۰۰
معرکہ بدر مشرکین پر عذاب	۳۰۰
مہلت اللہ کا فضل ہے	۳۰۰
سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں	۳۰۱
اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ	۳۰۱
آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں	۳۰۱
مردہ دلوں کا حال	۳۰۱
مسئلہ سماع اموات	۳۰۱
نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟	۳۰۲
باتیں کرنے والا جانور	۳۰۳
قیامت کی دس نشانیاں	۳۰۳
دابہ کوہ صفا سے نکلے گا	۳۰۳
قیامت کی سب سے آخری علامت	۳۰۳
دابۃ کی آنکھ کی اور لاٹھی	۳۰۳
دابۃ الارض کی چیخ	۳۰۴
دابۃ الارض کا رنگ و روپ	۳۰۴
تین چار دابہ نکلے گا	۳۰۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا	۳۰۵
مؤمن و کافر کا امتیاز	۳۰۵
گناہ گاروں کی تقسیم	۳۰۵
غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا	۳۰۵
منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے	۳۰۵
رات دن کے نظام پر غور کی دعوت	۳۰۶
حشر کی دلیل	۳۰۶
صور کا پھونکا جانا	۳۰۶
وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی	۳۰۶
سور ایک سینگ ہے	۳۰۷
حضور ﷺ کا فکر آخرت	۳۰۷
صور والا فرشتہ	۳۰۷
کل فجات	۳۰۷
شہداء کی فضیلت	۳۰۷
جبریل، میکائیل، عزائیل اور حاملین عرش	۳۰۷
سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے	۳۰۸
حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۳۰۸
متعدد بار صور پھنکنا	۳۰۹
پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے	۳۱۰
تمام پڑے اجسام کی حرکت	۳۱۰
بڑی بڑی اہم باتیں	۳۱۰
روحوں کا جسم میں سرایت کرنا	۳۱۰
صانع حقیقی کی کاریگری	۳۱۰
نیک عمل اور اس کا بدلہ	۳۱۱
بڑی گھبراہٹ	۳۱۱
معظم و محترم گھر	۳۱۱
کامل فرمانبرداری	۳۱۱
قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی	۳۱۲
ہر کسی کو اپنے لئے راہ راست کی ضرورت ہے	۳۱۲
راہنمائی کے منصب کا شکر	۳۱۲
آیات الٰہیہ	۳۱۳
سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو	۳۱۲
سورہ کے مضامین کا ربط	۳۱۳
اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا	۳۱۳

عنوان	صفحہ
سورۃ القصص	۳۱۴
مؤمنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی	۳۱۴
سورۂ قصص کا تعارف	۳۱۴
قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط	۳۱۴
بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل	۳۱۴
حضرت ابراہیمؑ کی پیشگوئی	۳۱۴
فرعون کا حساب	۳۱۴
اللہ کمزوروں کو غالب کرنے والے تھے	۳۱۴
مصر و شام کی حکومت	۳۱۵
فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کی شکست	۳۱۵
حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو الہام	۳۱۵
اُمِّ موسیٰؑ کو تسلی	۳۱۵
مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب	۳۱۶
حضرت موسیٰؑ کی ولادت اور دایہ	۳۱۶
حضرت موسیٰؑ تنور کی آگ میں	۳۱۶
صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی	۳۱۶
بالآخر بڑھئی مسلمان ہو گیا	۳۱۶
حضرت موسیٰؑ فرعون کے محل میں	۳۱۷
فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو بیٹا بنا لیا	۳۱۷
فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج	۳۱۷
بچے کے نام	۳۱۷
حضرت آسیہ	۳۱۷
حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے دل کی کیفیت	۳۱۸
حضرت موسیٰؑ کی بہن اپنے	۳۱۹
بھائی کے حالات کی جاسوسی	۳۱۹
حضرت موسیٰؑ کو دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں	۳۲۰
حضرت موسیٰؑ کی بہن کی تفتیش	۳۲۰
حضرت موسیٰؑ کو علم و حکمت کی عطاء	۳۲۱
حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں قبطی کی موت	۳۲۲
قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا	۳۲۳
قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت	۳۲۳
اسرائیلی کی دوسری لڑائی	۳۲۴
راز کا فاش ہونا	۳۲۴
فرعون کے مشورے	۳۲۴
حضرت موسیٰؑ کا مدین کی طرف سفر	۳۲۵
مشکلات سفر	۳۲۵
مدین پہنچنا	۳۲۵
دو حیاء والی بیبیاں	۳۲۵
بیبیوں کی مشکل	۳۲۵
حضرت موسیٰؑ نے بکریوں کو پانی پلوایا	۳۲۶
مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد	۳۳۱
حضرت موسیٰؑ کی اللہ سے دعاء	۳۲۶
حضرت موسیٰؑ کی حالت	۳۲۷
وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت	۳۲۷
موسیٰؑ بیٹھتے تھے	۳۲۷
قوم شعیب حضور ﷺ کی خدمت میں	۳۲۷
ایک بی بی کی واپسی	۳۲۷
حضرت موسیٰ کیلئے حضرت شعیب کا پیغام	۳۲۸
ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں	۳۲۸
نیکی پر اجرت کا مسئلہ	۳۲۸
حضرت موسیٰؑ کو	۳۲۸
حضرت شعیبؑ کی تسلی و امان	۳۲۸
حضرت موسیٰؑ کی قوت و امانت	۳۲۸
حضرت شعیب کی صاحبزادی کی دانائی	۳۲۸
تین زیرک آدمی	۳۲۸
ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے	۳۲۹
کے لئے دو اہم شرطیں	۳۲۹
حضرت موسیٰؑ کی شادی	۳۲۹
بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ	۳۲۹
خدمت کو حق مہر بنانا	۳۲۹
بیع کے متعلق ایک مسئلہ	۳۲۹
موسیٰؑ کے نکاح کا حق مہر	۳۲۹
معاہدہ نکاح کی تکمیل	۳۳۰
حضرت شعیبؑ کا گریہ شوق	۳۳۰
حضرت شعیبؑ کی لاٹھی	۳۳۰
لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ	۳۳۰
حضرت موسیٰؑ کی بکریاں	۳۳۱
تکمیل مدت اور مصر واپسی	۳۳۱
صحرائے سینا میں نور نظر آنا	۳۳۱
کلام الٰہی	۳۳۲
خوف کا علاج	۳۳۲
سند نبوت	۳۳۲
حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت	۳۳۳
حضرت موسیٰؑ کی درخواستوں کی منظوری	۳۳۳
حضرت موسیٰؑ کی دعاء	۳۳۳
اور فرعون کی مرعوبیت	۳۳۳
حضرت موسیٰؑ پر جادو کا الزام	۳۳۳
فرعون کی دلیل	۳۳۳
حضرت موسیٰؑ کی تقریر	۳۳۳
فرعون کی حماقت	۳۳۳
فرعون کا تکبر اور ہلاکت	۳۳۴
مراسی کے امام	۳۳۵
حکمت عملی کی تبدیلی	۳۳۵
تورات کے مضامین	۳۳۵
سابقہ کتابوں کا مطالعہ	۳۳۵
ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت	۳۳۶
خواب غفلت سے بیداری کا انتظام	۳۳۶
طور مدین کی تاریخ جو اور تور میں دہرائی گئی	۳۳۷
امت محمدیہ کو ندا	۳۳۷
تبلیغ و دعوت کے بعض آداب	۳۳۷
پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے	۳۳۷
قوم کی کٹ حجتیاں	۳۳۸
مشرکین ہدایت سے خالی	۳۳۸
خواہش کے بندے	۳۳۸
نزول ہدایت کا تسلسل	۳۳۹
انصاف پسند اہل کتاب	۳۳۹
حضرت نجاشیؓ کی رعایا کے چند لوگ	۳۳۹
اہل کتاب کا سابقہ ایمان	۳۳۹
دوہرا ایمان اور دوہرا اجر	۳۳۹

دوہرے اجر والے لوگ	۳۶۱
اہل علم کے اوصاف	۳۶۱
جاہلوں سے برتاؤ	۳۶۱
جناب ابوطالب	۳۴۱
شرکیوں کا عذر	۳۴۲
عذر کا جواب	۳۴۲
حرم دور جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی	۳۴۲
حرم میں ہر قسم کے پھل	۳۴۳
اللہ کے عذاب سے ڈرو	۳۴۳
قانون قدرت	۳۴۳
دنیا کا سامان فانی ہے	۳۴۴
تقلید کون؟	۳۴۴
مؤمن وکافر برابر نہیں	۳۴۴
خدائی کے جھوٹے حصہ دار	۳۴۴
جھوٹے معبودوں کا عذر	۳۴۵
مصنوعی معبود رد سے عاجز ہونگے	۳۴۵
گمراہیوں کی حسرت	۳۴۵
رسالت کا سوال	۳۴۶
آخرت کی کامیابی ایمان وعمل صالح ہے	۳۴۶
تخلیق وانتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے	۳۴۶
فضیلت کا معیار صرف اختیار عطا ومدی ہے	۳۴۶
اللہ گواہ ہے	۳۴۷
معبود صرف اللہ ہے	۳۴۷
دل کی روشنی کی نعمت	۳۴۷
رات کی نعمت	۳۴۸
اعمال کے گواہ	۳۴۸
تب ان پر حق واضح ہوگا	۳۴۸
ربط مضامین	۳۴۸
قارون ملعون	۳۴۹
چادر لٹکانا	۳۴۹
قارون کے خزانے	۳۵۰
حضرت حیوہ مصری کی کرامت	۳۵۰
دولت پر اترانا	۳۵۰
حصول مقصد پر خوشی	۳۵۰
اترانے کی سزا	۳۵۲
مال ووسائل کا صحیح استعمال	۳۵۱
دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ	۳۵۱
زمین میں فساد نہ کر	۳۵۲
قارون کا تکبر وخود غرضی	۳۵۲
کیمیا گری کا علم	۳۵۲
بری خصلتیں	۳۵۲
دولت کس نے دی؟	۳۵۲
سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں	۳۵۳
قارون کی ٹیپ ٹاپ	۳۵۳
دانا اہل علم کی نصیحت	۳۵۴
صبر کا پھل	۳۵۴
قارون کی سرکشی کا آغاز	۳۵۴
قارون نے عبد طالب کر لیا	۳۵۴
قارون کی حضرت [illegible] سے جدل	۳۵۴
قارون نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا	۳۵۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف	۳۵۵
فرعون کی تدبیریں ناکام	۳۵۵
قارون کی ہلاکت	۳۵۵
قارون کی ہلاکت سے عبرت	۳۵۶
حقیقت سے آگاہی	۳۵۶
اصل خوش بختی	۳۵۶
تواضع کرنے والا حاکم	۳۵۶
مستقل قانون	۳۵۷
دنیا وآخرت کی کامیابی متقین کیلئے ہے	۳۵۷
منصب نبوت محض رحمت خداوندی ہے	۳۵۸
جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے	۳۵۸
دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے	۳۵۸
فانی اور باقی	۳۵۸
اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے	۳۵۸
سورۃ العنکبوت	۳۵۹
ایمان کا امتحان ضروری ہے	۳۵۹
آزمائش کی صورتیں	۳۵۹
حضرت نوحؑ کا آزاد کردہ غلام حضرت لوطؑ	۳۵۲
سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں	۳۶۰
اللہ کے جان لینے کا مطلب	۳۶۰
ایذا دینے والے کا فر مذاب میں مبتلا ہونگے	۳۵۰
اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کریگا	۳۶۱
اللہ بے نیاز ہے، عبادت ومحنت کا	۳۶۱
نفع خود بندے کو ہے	۳۶
اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے	۳۶۱
اللہ کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا	۳۶۱
حضرت سعد بن ابی وقاص کی	۳۶۱
والدہ کی بھوک ہڑتال	۳۶۱
والدین کی اطاعت کی حد	۳۶۲
حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۳۵۲
مؤمن کے درجات کا کمال	۳۶۲
گمراہ دل مؤمن	۳۶۲
منافقوں کی حالت	۳۶۳
مؤمن منافق ایک ہو کر رہے گا	۳۶۳
مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں	۳۶۳
کافروں کے جھوٹے دعوے	۳۶۳
نیکی اور بدی کا داعی	۳۶۳
اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں	۳۶۴
حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت	۳۶۴
طوفان نوح	۳۶۴
نجات یافتہ لوگ	۳۶۴
کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان	۳۶۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت	۳۶۵
معیشت کی اہمیت	۳۶۵
قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں	۳۶۵
اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کرلو	۳۶۵
اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں	۳۶۵
دوسری مخلوقات میں غور کرو	۳۶۶
عذاب ورحم کی صورتیں	۳۶۶

عنوان	صفحہ
اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا	۳۶۶
مایوس رحمت	۳۶۶
قوم ابراہیمؑ کی دہشت گردی	۳۶۷
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ	۳۶۷
اہل حق کی کامیابی کی مثال	۳۶۷
آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تقریر	۳۶۷
مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی	۳۶۷
امت محمدیہ میں انقلابات	۳۶۷
حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت	۳۶۶
حضرت عثمانؓ کی ہجرت	۳۶۸
اولاد ابراہیم	۳۶۸
دنیا میں سب سے پہلی ہجرت	۳۶۹
بعض اعمال کی جزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے	۳۶۹
صحابہ کرامؓ کی ہجرت حبشہ	۳۶۹
حضرت لوطؑ کی تبلیغ	۳۶۹
قوم لوط کی بدکاریاں	۳۶۹
قوم والوں کا حضرت لوط کو جواب	۳۷۰
حضرت لوط علیہ السلام کی دعاء	۳۷۶
ہلاکت کے فرشتے	۳۷۰
حضرت ابراہیمؑ کا تعجب	۳۷۰
فرشتوں کا جواب	۳۷۱
فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس	۳۷۱
قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات	۳۷۱
حضرت شعیبؑ کی تبلیغ	۳۷۱
فساد فی الارض	۳۷۱
عقل پرستوں کی غلط فہمی	۳۷۲
عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے	۳۷۲
قارون، فرعون اور ہامان	۳۷۹
مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں	۳۷۲
اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا	۳۷۳
مشرکوں کی حیثیت	۳۷۳
مکڑی اور مشرک	۳۷۳
حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے	۳۷۴
قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب	۳۷۴
اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟	۳۷۴
تلاوت قرآن کے نتائج	۳۷۴
نماز برائیوں سے روکتی ہے	۳۷۵
اہل سرازی کی تحقیق	۳۷۵
ناقص نمازیں	۳۷۵
عنقریب نماز برائی سے روک دے گی	۳۷۶
انصاری نوجوان کی توبہ	۳۷۶
اللہ کی یاد	۳۷۶
فضائل ذکر کی احادیث	۳۷۶
(۱) سب سے بہتر عمل	۳۷۰
(۲) سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ	۳۷۶
(۳) افضل آدمی اور افضل عمل	۳۷۷
(۴) آگے بڑھ جانے والے	۳۷۷
(۵) زندہ مردہ آدمی	۳۷۷
(۶) اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں	۳۷۷
(۷) جنت کے باغ	۳۷۷
(۸) فرشتوں کا سرمایہ فخر	۳۷۷
(۹) غافلوں میں ذاکر کی مثال	۳۷۷
(۱۰) عذاب سے نجات	۳۷۸
(۱۱) فرشتوں اور رحمتوں کا نزول	۳۷۰
(۱۲) اللہ تعالیٰ کی ہمراہی	۳۷۸
جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے	۳۷۰
اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ	۳۷۸
کیا اس آیت میں موجودہ تورات و انجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے	۳۷۸
موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً	۳۷۶
تصدیق کی جائے نہ مطلقاً تکذیب	۳۷۹
بداخلاقی کا جواب نرمی سے	۳۷۶
ظلم اور معاہدہ شکن کافر	۳۷۰
اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد	۳۷۹
سابقہ کتب پر ایمان	۳۷۹
اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے	۳۸۰
قرآن کریم مخلوط کتاب	۳۶۶
سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے	۳۸۰
جو قرآن کا منکر ہے وہ تورات کا بھی منکر ہے	۳۸۰
صداقت قرآن کی دلیل	۳۸۰
قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت	۳۸۱
حضور ﷺ کی صداقت	۳۸۱
امت محمدیہ کا ایک وصف	۳۸۱
منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے	۳۸۱
قرآن کافی نشانی ہے	۳۸۱
شان نزول اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر	۳۸۱
دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا	۳۸۱
حضور ﷺ کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے	۳۶۹
سب سے بڑی بدبختی	۳۸۲
اس امت کے کافروں کا عذاب	۳۸۲
عذاب کا وقت	۳۸۲
کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں	۳۶۹
جہنم کہاں ہے	۳۸۲
مال عذاب بنے گا	۳۸۳
ہجرت کا حکم	۳۸۳
آخر سب کچھ چھوڑنا ہے	۳۸۳
ایمان واعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۳۸۳
اللہ رزاق ہے جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے	۳۸۳
کوے کے بچوں کی پرورش	۳۸۴
سفر وسیلہ ظفر	۳۸۴
سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے	۳۸۴
کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی	۳۸۴
حضور ﷺ کا گذر اوقات	۳۸۴
کامل توکل کا انعام	۳۸۴
ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا	۳۸۵
رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے	۳۸۵
بندوں کے ایمان کی حفاظت	۳۸۵
آخرت کی فکر ضروری ہے	۳۸۶
انسان کی احسان فراموش طبیعت	۳۸۶

عنوان	صفحہ
حقیقت ماننی پڑتی ہے	۳۸۶
اہل مکہ کیلئے امن کی نعمت	۳۹۶
سب سے بڑی ناانصافی	۳۹۶
اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ	۳۸۶
بارگاہ الٰہی کا قرب	۳۸۷
سورۃ الروم	۳۸۷
عرب سے قریب کی زمین	۳۸۷
ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی	۳۸۷
اہل روم کا تعارف	۳۸۸
رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ	۳۸۸
رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی	۳۸۹
ابتدائے اسلام کے وقت کی	۳۸۹
بین الاقوامی طاقتیں	۳۸۹
فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی	۳۸۹
حضرت ابوبکرؓ کی مشرکین سے شرط	۳۸۹
مسئلہ قمار	۳۹۰
فارسیوں کا مقابلہ اور ابی بن خلف کی	۳۹۰
حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث	۳۹۰
ابی بن خلف کی موت	۳۹۱
حضرت ابوبکرؓ کی جیت	۳۹۱
رومیوں کے غلبہ کے اسباب	۳۹۱
مسلمانوں کی خوشی کا دن	۳۹۲
اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے	۳۹۳
لوگوں کی ظاہر پرستی	۳۹۳
معیشت میں پڑ کر آخرت سے	۳۹۳
غفلت دانائی نہیں	۳۹۳
تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے	۳۹۳
اپنے آپ میں غور کرو	۳۹۳
غور و فکر کا حاصل	۳۹۴
ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو	۳۹۴
اہل مکہ کیلئے دعوت فکر	۳۹۴
قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں	۳۹۵
گناہ کا اثر	۳۹۵
جھوٹے معبودوں کا انجام	۳۹۶
نیک و بد کے فیصلہ کا دن	۳۹۵
نیکیوں کا انعام	۳۹۶
تحبیر کا معنی و مطلب	۳۹۷
جنت میں خوش کلامی	۳۹۶
گانا سننے کی سزا	۳۹۶
مسئلہ سماع	۳۹۶
یاد الٰہی اور پانچ نمازیں	۳۹۷
پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں	۳۹۶
تمام گناہ معاف	۳۹۶
سب سے بڑا عمل	۳۹۷
زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھارے کلمے	۳۹۷
سبحان اللہ کیا ہے؟	۳۹۷
چار وزنی اور بڑھیا کلمے	۳۹۸
سب سے اعلیٰ کلام	۳۹۸
حضرت ابراہیم کو خلیل کا نام کیسے ملا؟	۳۹۸
رات کے نقصان کا ازالہ	۳۹۸
نیند نہ آنے کا علاج	۳۹۸
قدرت الٰہی کی کارسازیاں	۳۹۸
مٹی سے تخلیق انسان	۳۹۹
پہلی آیت قدرت	۳۹۹
توالد و تناسل کا نظام	۳۹۹
دوسری آیت قدرت	۳۹۹
سامان راحت	۳۹۹
شکل و صورت اور بولیوں کا اختلاف	۴۰۰
تیسری آیت قدرت	۴۰۰
انسان کی دو حالتیں	۴۰۰
چوتھی آیت قدرت	۴۰۰
سونا اور تلاش معاش رہ توکل کے منافی نہیں	۴۰۰
بارش کا انتظام	۴۰۱
آسمان و زمین کا بقاء	۴۰۱
آسمان و زمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے	۴۰۱
اول و آخر پیدا کرنا برابر ہے	۴۰۱
اونچی شان اللہ کی ہے	۴۰۲
شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال	۴۰۲
خواہش پرستی کا نقصان	۴۰۳
آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں	۴۰۳
فطرت انسانی	۴۰۴
ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے	۴۰۴
مشرکوں کے بچے	۴۰۴
فطرت کو مسخ نہ کرو	۴۰۴
آخر کار فطری سعادت و بدبختی غالب آتی ہے	۴۰۴
طبیعت نہیں بدل سکتی	۴۰۴
قبول حق کی استعداد	۴۰۵
فرقہ پرستی دین فطرت کے خلاف ہے	۴۰۵
اہل بدعت	۴۰۵
اہلسنت والجماعت	۴۰۵
شیطان کا حربہ	۴۰۵
مشرکین کی گروہ بندی	۴۰۵
مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے	۴۰۶
بندوں کی حالت	۴۰۶
مؤمن کی حالت	۴۰۶
شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے	۴۰۶
مشرک اور مؤمن کا فرق	۴۰۷
ہر حال میں راضی رہنا چاہیے	۴۰۷
ضرورت مندوں کی خبر گیری	۴۰۷
مال کے مستحقین	۴۰۷
زکوٰۃ اور سود کا فرق	۴۰۸
اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی	۴۰۸
عدل و انصاف کی برکت	۴۰۸
خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح	۴۰۸
مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے	۴۰۹
بحر و بر کا فساد	۴۰۹
بحر و بر کا مطلب	۴۰۹
ہابیل کے قتل کا اثر	۴۰۹
فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں	۴۰۹

عنوان	صفحہ
گناہوں پر تنبیہ	۴۰۹
آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں	۴۱۰
مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان	۴۱۰
یا سراء و عذاب میں فرق	۴۱۰
شرک کی شامت	۴۱۰
فساد کا علاج	۴۱۰
قیامت کا دن	۴۱۰
نیک و بد کا امتیاز	۴۱۰
نیک عمل کا ثواب	۴۱۰
اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ	۴۱۰
نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں	۴۱۱
اللہ کی رحمت جنت میں لے جائیگی	۴۱۱
مسلمان کی آبرو کی حفاظت	۴۱۱
حضور ﷺ کی دعاء سے بارش	۴۱۲
بحری راستے	۴۱۲
دنیا میں بھی حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے	۴۱۲
مؤمنین کی مدد اور اس کی شرط	۴۱۲
بارش کے نظام سے عبرت	۴۱۳
رحمت الٰہی کے کرشمے	۴۱۳
مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی	۴۱۳
کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں	۴۱۴
سماع موتیٰ کا مسئلہ	۴۱۴
انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ	۴۱۵
قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی	۴۱۵
حقیقت کھلے گی	۴۱۵
برزخی زندگی	۴۱۵
مشرکین کی غلط سوچ	۴۱۵
مشرکین کے خیال کی تردید	۴۱۵
قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا	۴۱۵
کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی	۴۱۶
تفہیم قرآن	۴۱۶
صلہ و عناد کا انجام	۴۱۶
دعوت کیلئے صبر و تحمل ضروری ہے	۴۱۶
کامل وضو نہ کرنے کا اثر	۴۱۶
سورۃ اللقمان	۴۱۷
سرمایہ ہدایت و رحمت	۴۱۷
حکم زکوٰۃ	۴۱۷
فضولیات کے خریدار	۴۱۷
قریش کا سردار نضر بن حارث	۴۱۷
گانا سکھانے کا پیشہ	۴۱۸
گانا گانے کی سزا	۴۱۸
حضرت مکحول کا تقویٰ	۴۱۸
اطلاعی ڈھول	۴۱۹
مسئلہ سماع	۴۱۹
غیر واقعی کلام ممنوع ہے	۴۱۹
شادی کے موقع کی خوشی	۴۱۹
عید کی خوشی	۴۲۰
گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں	۴۲۰
لہو و لعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام	۴۲۱
جائز کھیل	۴۲۱
شراب، جوا اور طبلہ سارنگی	۴۲۱
خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر	۴۲۱
کے مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں	۴۲۱
قرآن سے اعراض	۴۲۱
زمین کی مضبوطی	۴۲۲
زمین کا حسن	۴۲۲
مشرکین کے معبود جھوٹے معبود ہیں	۴۲۲
حضرت لقمان کی باتیں	۴۲۲
حضرت لقمان کی خوش گفتاری	۴۲۳
خاموش رہنا حکمت ہے	۴۲۳
تین کالے بزرگ	۴۲۳
حکمت تک پہنچانے والے اعمال	۴۲۳
نعمتوں کی شکر گذاری	۴۲۳
حکمت اور شکر	۴۲۴
شکر کے حکم کی نوعیت	۴۲۴
شکر کا معنی اور اقسام	۴۲۴
زبان و عمل سے شکر	۴۲۴
جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء	۴۲۴
حضرت لقمان کی بھلی عادتیں	۴۲۴
حضرت لقمان کا بیٹا	۴۲۵
حضرت لقمان کی نصیحتیں	۴۲۵
امام خلیل بن احمد کی دعاء	۴۲۵
شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے	۴۲۶
ظلم کیا ہے	۴۲۷
والدین کے ساتھ حسن سلوک	۴۲۷
بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت	۴۲۷
اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر	۴۲۷
یس میں حضرت معاذؓ کا پہلا خطبہ	۴۲۷
شرک و گناہ میں والدین کی نافرمانی ہر دا ہی جائز ہے	۴۲۸
حضرت سعد بن مالک اور انکی والدہ کا قصہ	۴۲۸
والدین سے حسن سلوک کی حدود	۴۲۸
حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے والد کا واقعہ	۴۲۸
والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے	۴۲۹
حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا اتباع کرو	۴۲۹
چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے	۴۲۹
خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا	۴۲۹
حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال	۴۲۹
دانے اور پتھر سے مراد	۴۳۰
امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۴۳۰
دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو	۴۳۰
صبر و استقامت کی اہمیت	۴۳۰
تکبر و بدخلقی نہ کرو	۴۳۰
حضرت سلیمانؑ کی شان	۴۳۰
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ	۴۳۰
حضرت حسنؓ کا مقولہ	۴۳۰
تکبر عقل کا دشمن	۴۳۱
تکبر و نفاق کا علاج	۴۳۱
حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز	۴۳۱
کو عار دلانا	۴۳۱

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا	۴۳۱
حضرت معاذؓ کا رونا	۴۳۱
قحط سے بچو	۴۳۱
حضرت لقمانؑ کی کچھ اور نصیحتیں	۴۳۱
میانہ روی اختیار کرو	۴۳۲
اونچی آواز سے پرہیز	۴۳۲
آداب معاشرت	۴۳۲
حضور ﷺ کے اخلاق واوصاف	۴۳۲
یہود ونصاریٰ کی گمراہ روی	۴۳۲
حضرت عمرؓ کی رفتار	۴۳۲
گدھے کی آواز کی قباحتیں	۴۳۳
حضرت لقمانؑ پر حجیت حد اوندی کا خطبہ	۴۳۳
تسخیر کائنات	۴۳۳
سورج کا سجدہ	۴۳۳
ظاہر و باطنی نعمتیں	۴۳۳
بے سند حجتیں	۴۳۴
اندھی تقلید	۴۳۴
اتباع کی قسمیں	۴۳۴
مضبوط حلقہ	۴۳۴
کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو	۴۳۵
تھوڑے دن کی مہلت ہے	۴۳۵
اللہ غنی تمام صفات وقدرت کا مالک ہے	۴۳۵
ہر چیز کا خالق ومالک اللہ ہے	۴۳۵
اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں	۴۳۶
اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال	۴۳۶
اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی	۴۳۶
بے مثال صفات الٰہی	۴۳۷
پابندی وقت	۴۳۷
اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۴۳۷
اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد	۴۳۷
بحری جہاز	۴۳۷
صبر وشکر کا موقع	۴۳۷
صبر وشکر والے لوگ	۴۳۸
سمندر کی موجوں میں شرک بھی	۴۳۸
اللہ کو پکارتا ہے	۴۳۸
مشکل کشائی کے بعد کی حالت	۴۳۸
جھوٹے عہد	۴۳۸
قیامت کی دہشت سے بچاؤ کا ساماں کرو	۴۳۸
کوئی لب نہ ہلا سکے گا	۴۳۹
دھوکے میں نہ پڑو قیامت آکر رہے گی	۴۳۹
پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے	۴۴۰
غیب کے پانچ خزانے	۴۴۱
حضرت سلیمانؑ سے درباری کی	۴۴۱
موت کا عجیب واقعہ	۴۴۱
خلیفہ منصور کا خواب	۴۴۱
حضور ﷺ کے علوم	۴۴۱
متعلقات حیات اور متعلقات معاد کا علم	۴۴۲
سورۃ السجدہ	۴۴۲
شک وشبہ سے پاک کتاب	۴۴۲
سورۃ کی فضیلت	۴۴۳
ربط	۴۴۳
کافروں کی بیہودہ باتوں کا تجزیہ	۴۴۳
ایمان دعوت توحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے	۴۴۳
عمرو بن نفیل	۴۴۳
ورقہ بن نوفل	۴۴۳
کہاں بھاگ سکتے ہو؟	۴۴۴
احکام الٰہیہ کی تعمیل اور کائنات کی ترتیب	۴۴۴
زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور	۴۴۴
آسمانوں کے درمیان کی مسافت	۴۴۴
زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا	۴۴۴
مؤمن پر قیامت کی آسانی	۴۴۵
اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت	۴۴۵
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے	۴۴۵
حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تقریر	۴۴۵
قدرت کاملہ کا ثبوت	۴۴۵
مخلوق کی عزت افزائی	۴۴۵
نعمتوں کا شکریہ	۴۴۶
کافروں کے شبہات	۴۴۶
موت کا فرشتہ	۴۴۶
موت کے قاصد	۴۴۶
حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات	۴۴۶
جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے	۴۴۷
موت کے چار فرشتے	۴۴۷
سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی	۴۴۷
موت کے بعد روحوں کا مقام	۴۴۷
حضور ﷺ کی ملک الموت سے ملاقات	۴۴۸
عزرائیلؑ کی الزام سے براءت	۴۴۸
مجرموں کی رسوائی	۴۴۸
بے کار حسرت	۴۴۸
حکمت الٰہی کے تقاضے	۴۴۸
ہر ایک کے دھکانے	۴۴۹
جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست	۴۴۹
اہل ایماں کا خوف	۴۴۹
مؤمنوں کی نمازیں	۴۴۹
مخصوص حضرات کیلئے اعلان	۴۵۹
جنت میں لے جانے والا عمل	۴۵۰
امر کا سر ستون، کوہان اور ٹخ	۴۵۰
افضل نفلی نماز راہ رو سے	۴۵۰
اللہ کے دو محبوب بندے	۴۵۰
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار	۴۵۰
صحابہ کی شان	۴۵۱
عشاء وفجر کی جماعت کی فضیلت	۴۵۱
اللہ سے راضی اور اللہ سے ڈر	۴۵۱
راتوں کی عبادت کا انعام	۴۵۱
جنتیوں کی حوریں	۴۵۱
ان دیکھی ان کی نعمتیں	۴۵۲
جہنمیوں کی سزا	۴۵۲
دنیا کا عذاب	۴۵۲
حضور ﷺ کو تسلی	۴۵۳

تین گناہوں کی تعذیب	۴۵۳
شب معراج کے تقاضے	۴۵۳
حضرت موسیٰ (حضرت یونس سے ملاقات	۴۵۳
صبر امامت دلاتا ہے	۴۵۳
کسی قوم کا مقتدا و امام بننے کیلئے دو شرطیں	۴۵۴
مسلمانوں کو تنبیہ	۴۵۳
حق و باطل کا فیصلہ	۴۵۳
نجد زمین مضر کی آبادی کا انتظام	۴۵۳
دریائے نیل کی کینٹ کی رسم	۴۵۴
دریا کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط	۴۵۵
عبرت غور و فکر	۴۵۵
سکرین کی جلد بازی	۴۵۵
ابھی موقع ہے فائدہ اٹھا لو	۴۵۵
آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں	۴۵۵
سورۃ کی فضیلت	۴۵۶
کاہگار کی سزا	۴۵۶
سورہ کی وکالت	۴۵۶
تمام سورتوں پر فضیلت	۴۵۶
شب قدر کی عبادت کا ثواب	۴۵۶
سورۃ الاحزاب	۴۵۶
کافروں کیلئے بھی پکے وکھلے کی صورت نہیں	۴۵۶
سورہ احزاب کی آیات	۴۵۷
تقویٰ کی اہمیت	۴۵۷
سورۃ کے مضامین	۴۵۷
آنحضرت ﷺ کا اعزاز	۴۵۷
صرف وحی کی اتباع کریں	۴۵۷
بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں	۴۵۷
پچھلی سورۃ سے ربط	۴۵۸
سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات	۴۵۸
رسوم جاہلیت کی تردید	۴۵۸
ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے	۴۵۸
ابو معمر قہری	۴۵۹
منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید	۴۵۹
ظہار کا حکم	۴۵۹
لے پالک بیٹے	۴۵۹
حضرت زید کنا حارثہؓ	۴۶۰
بھول چوک معاف ہے	۴۶۰
دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا	۴۶۳
مجتہد کی خطاء	۴۶۰
مؤمنین کا حضور ﷺ سے تعلق	۴۶۶
حضور ﷺ کی اطاعت واجب ہے	۴۶۱
حضور ﷺ کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے	۴۶۱
مؤمن زیادہ آفت میں حضور ﷺ سے قریب ہے	۴۶۹
ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں	۴۶۱
امہات المومنین کی دیگر رشتہ دار	۴۶۱
ازواج مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے	۴۶۲
نسبی رشتہ داری	۴۶۳
دینی اخوت موالات کی بنیاد وراثت منسوخ	۴۶۳
انبیاء سے میثاق	۴۶۲
عہد کس وقت لیا گیا	۴۶۳
میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا	۴۶۲
حضور ﷺ کی عظمت	۴۶۳
میثاق کا مقصد	۴۶۳
غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد	۴۶۳
غزوۂ خندق کا مختصر حال	۴۶۳
امداد کی ہوا اور ملائکہ کی ہوا	۴۶۴
غزوۂ خندق کب پیش آیا	۴۶۴
مشہور پہلوان کا قتل	۴۶۴
یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا	۴۶۴
یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ	۴۶۵
یہودیوں کا بھی غطفان سے معاہدہ	۴۶۵
لشکروں کی روانگی	۴۶۵
مسلمانوں کے اقدامات	۴۶۵
خندق کے کام کی تقسیم	۴۶۶
ایک سخت چٹان	۴۶۶
چٹان سے روشنی	۴۶۶
فتوحات کی پیشین گوئی	۴۶۴
منافقوں کے دل کا کھوٹ	۴۶۶
حالات کی سختی	۴۶۷
حضرت سلمانؓ کو نظر لگنا	۴۶۷
حضرت عبادہؓ کی طرف سے دعوت کا انتظام	۴۶۷
رسول اللہ ﷺ کا معجزہ	۴۶۷
کافروں کی چڑھائی	۴۶۸
کعب بن اسد کی عہد شکنی	۴۶۶
اطلاعی رسالہ	۴۶۳
صورت حال کی شدت	۴۶۳
منافقوں کا خوف	۴۶۶
کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی	۴۶۹
حضرت زبیرؓ کا سوئے قریظہ کی طرف جانا	۴۶۹
صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند حوصلے	۴۶۹
بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی	۴۷۰
حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ	۴۷۰
نوفل بن عبداللہ کا انجام	۴۷۰
حضرت سعد بن معاذ کا عقیدہ	۴۷۰
حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری	۴۷۱
یہودیوں کے شب خون کا امداد	۴۷۱
حضرت سعد کا حضور ﷺ سے تعلق	۴۷۱
سخت سردی میں حضور ﷺ کا خود نگرانی کرنا	۴۷۱
ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست	۴۷۱
صحابہ کے نعرے	۴۷۲
مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ	۴۷۲
غزوۂ خندق کی شدت	۴۷۲
نمازوں میں تاخیر	۴۷۲
نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعائیں	۴۷۳
کافروں کی شکست کیلئے دعاء	۴۷۳
ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر	۴۷۳
کافروں میں پھوٹ	۴۷۴
سردی کی شدت میں حضرت حذیفہؓ کا	۴۷۴
جاسوسی کیلئے جانا	۴۷۴

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا	۴۷۵
مشرکین کی پسپائی	۴۷۵
حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا	۴۷۵
فرشتوں کا اثر	۴۷۵
رحمۃ للعالمین کا اثر	۴۷۵
حضرت حذیفہؓ سے فرشتوں کی بات چیت	۴۷۵
حضرت زبیرؓ کی فضیلت	۴۷۵
کافروں کی داغی پسپائی	۴۷۵
واپس شہر لوٹنے کی دعاء	۴۷۶
انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت	۴۷۵
اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں	۴۷۶
خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی	۴۷۵
غزوۂ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب	۴۷۶
غیر یقینی حالات	۴۷۶
منافقوں کی بزدلی	۴۷۷
یثرب	۴۷۷
منافقوں کا مشورہ اور بہانے	۴۷۷
رسول اللہ ﷺ کی ایک جنگی تدبیر	۴۷۷
حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید	۴۷۷
منافقوں کی اندرونی کیفیت	۴۷۸
منافقوں کی عہد شکنی	۴۷۸
موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا	۴۷۸
اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا	۴۷۹
منافقوں کی مدافعتی اللہ کو معلوم ہے	۴۷۹
منافقوں کی منافع پرستی	۴۷۹
منافقوں کے عمل بے جان ہیں	۴۸۰
منافقوں کی بزدلی کا عالم	۴۸۰
حضور ﷺ کا واجب تقلید استقلال	۴۸۰
حضور ﷺ کی سیرت عمل نمونہ ہے	۴۸۰
حضرت عمرؓ کا اتباع سنت	۴۸۱
مخلص مسلمانوں کی شان	۴۸۱
مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا	۴۸۱
حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد	۴۸۲
حضرت مصعب بن عمیرؓ	۴۸۰
حضرت طلحہ بن عبید اللہ	۴۸۲
عمل کا بدلہ	۴۸۴
کفار کی ذلت و ناکامی	۴۸۳
لڑائی کے بغیر فتح	۴۸۳
یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا	۴۸۳
بنو قریظہ کے مقتولین	۴۸۳
یہودیوں کی زمینیں	۴۸۴
غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ	۴۸۴
خندق سے واپسی	۴۸۴
فرشتے کی آواز	۴۸۴
فقط حملہ کی دیر ہے	۴۸۴
فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار	۴۸۵
حملے کا اعلان	۴۸۵
جھنڈا	۴۸۵
غزوہ بنو قریظہ کب ہوا	۴۸۵
حضور ﷺ کی سواری	۴۸۵
جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم	۴۸۵
بنی قریظہ کی گالیاں	۴۸۶
یہودی کہہ مکرنیاں	۴۸۶
چھواروں کا کھانا	۴۸۶
محاصرہ کا آغاز	۴۸۶
یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین	۴۸۶
کعب بن اسد کی حق پر ستانہ تجویز	۴۸۶
قوم یہود کا انکار	۴۸۶
کعب کی دوسری تجویز	۴۸۷
ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام	۴۸۷
عمرو بن سعدو نے عہد پورا کیا	۴۸۷
حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ	۴۸۸
حضرت فاطمہؓ کی فضیلت	۴۸۸
حضرت ابولبابہؓ کا خواب	۴۸۸
یہودیوں کی شکست	۴۸۸
قبیلہ اوس کی سفارش	۴۸۹
حضرت سعدؓ کا بطور جج تقرر	۴۸۹
حضرت سعدؓ کا فیصلہ	۴۸۹
حضرت سعدؓ کی دعاء	۴۹۰
یہودی مردوں کا قتل	۴۹۰
یہودیوں کا سردار حیی	۴۹۰
قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم	۴۹۰
کعب بن اسد سے حضور ﷺ کی گفتگو	۴۹۰
قتل کا اصول	۴۹۱
رفاعہ کی جان بخشی	۴۹۱
ایک یہودی عورت کا قتل	۴۹۱
زبیر بن باطا کی عجیب داستان	۴۹۱
مال کی تقسیم	۴۹۲
کچھ قیدیوں کی فروخت	۴۹۲
حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن کی تجارت	۴۹۲
مال بچے میں عبدائی کی ممانعت	۴۹۳
شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں	۴۹۳
مناقب سعد بن معاذ	۴۹۳
مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے	۴۹۴
ازواج مطہرات کا معاملہ	۴۹۴
ازواج مطہرات کو اختیار	۴۹۵
اختیار دینے کا سبب	۴۹۵
ازواج مطہرات کا اجر	۴۹۵
ازواج مطہرات کی تعداد	۴۹۶
حضرت عائشہؓ اور تمام ازواج نے حضور ﷺ کو اختیار کر لیا	۴۹۶
ازواج مطہرات کی قدر افزائی	۴۹۶
اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل	۴۹۶
حضرت عائشہؓ کی دانائی	۴۹۶
عورت کو اختیار طلاق کا مسئلہ	۴۹۶
ازواج مطہرات کے مطالبہ کے محرکات	۴۹۷
حضور ﷺ کی خوشی	۴۹۷
امہات المؤمنین کا عظیم درجہ	۴۹۸

تعظیم مرتبہ کے لوازمات	۴۹۸	اہل بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں	۵۰۵	جامع، مصدق، صفاً اور حافظ	۵۱۲
عمدہ داری اور حسن معاشرت	۴۹۸	سیاق احکام کا مقصد	۵۰۶	حضرت زید، حارثہ اور حضرت زینب کا واقعہ	۵۱۳
امہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے	۴۹۸	حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۵۰۶	حضرت زینبؓ کی شادی	۵۱۳
امہات المؤمنین پر انعامات	۴۹۸	خلاصہ کلام	۵۰۶	اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ	۵۱۳
مقام عظمت کا تقاضا	۴۹۹	حضرت علیؓ، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم	۵۰۷	تبنیت کی فرمانی یا کفر ہے یا فسق	۵۱۳
فضیلت والی خواتین	۴۹۹	بھی اہل بیت میں داخل ہیں	۵۰۷	کاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے	۵۱۳
چار فضیلت والی خواتین	۴۹۹	ازواج و اولاد سب اہل بیت ہیں	۵۰۷	دینی مصلحت کفو سے افضل ہے	۵۱۳
تمام خواتین سے افضل	۴۹۹	گناہ گندگی ہے	۵۰۷	حضرت زیدؓ اور حضرت زینب میں ناموافقت	۵۱۳
حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت	۴۹۹	مستعمل پانی	۵۰۷	حضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے منع فرمایا	۵۱۳
تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں	۵۰۰	شیعوں کا غلط استدلال	۵۰۰	حضرت زیدؓ نے طلاق دی	۵۱۵
عیم مرد سے بات کرنے کا طریقہ	۵۰۰	عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب	۵۰۸	حضور ﷺ کا میلان طبع	۵۱۵
اجنبی عاتوں سے نرم گفتگو کرنیوالے کی سزا	۵۰۰	عورت کیلئے قرب الٰہی	۵۰۸	حضور ﷺ کا حضرت زید کو مشورہ	۵۱۶
بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے	۵۰۰	عورت کی افضل نماز	۵۰۸	موجب اجر ہے	۵۰۰
غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع	۵۰۰	دور جاہلیت کے کرتوت	۵۰۹	انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے	۵۰۰
مخالفت کی بیماری	۵۰۰	حضرات حسنین کی فضیلت	۵۰۹	حیاء کی اہمیت	۵۱۶
عورتوں کیلئے گھروں سے باہر سب کی	۵۰۰	ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت	۵۰۹	حضور ﷺ کا حضرت زینب کو پیغام	۵۱۷
تماثیل ممنوع ہے	۵۰۰	رجس کا معنی	۵۰۹	دعوت ولیمہ	۵۱۷
ضرورت کے تحت نکلنا	۵۰۱	حضرت علیؓ کا تعلق	۵۰۹	حضرت زینب کا اعتراض	۵۱۷
شیعوں کی علط فہمی	۵۰۱	مختلف اقوال میں تطبیق	۵۰۹	حضرت زینب سے حضور ﷺ	۵۱۷
"تبرج" کا معنی	۵۰۱	اسلوب قرآن کی دلالت	۵۰۹	کے نکاح میں حکمت	۵۱۷
جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء	۵۰۱	تطہیر کا مطلب	۵۰۹	آسمان پر نکاح	۵۱۸
حضرت علیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار	۵۰۲	صحابہ کرامؓ کی فضیلت شیعوں کی کتب میں	۵۰۹	اعلان نکاح	۵۱۸
حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سفر بصرہ	۵۰۲	شیعوں کی تاویل	۵۱۰	حضرت زیدؓ کی طلاق اور حضور ﷺ	۵۱۸
اور اس کے مقاصد	۵۰۲	تعمیم قرآن و سنت کا حکم	۵۱۰	کے نکاح کے اسباب و اغراض	۵۱۸
شیعوں کا طوفان	۵۰۲	قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت	۵۱۰	منہ بولے بیٹے کی بیوی	۵۱۹
فتنہ بازوں کی کارروائی	۵۰۲	امر الٰہی	۵۱۰	حضرت خلیبؓ کا نکاح	۵۱۹
واقعہ جمل پر حضرت عائشہؓ	۵۰۳	ایمان دار خواتین کا	۵۱۱	منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی	۵۱۹
اور حضرت علیؓ کا افسوس	۵۰۳	خواتین کی ذمہ داری	۵۱۱	مطلقہ سے نکاح جائز ہے	۵۱۹
تحفظ عصمت کیلئے شرعی قوانین	۵۰۳	سب سے بڑا مجاہد	۵۱۱	پیغمبروں کیلئے حرمت نکاح	۵۲۰
مکستانی خاتون کا بے پردگی ماتم	۵۰۴	عذاب الٰہی سے نجات	۵۱۱	حرم نبوت	۵۲۰
بے پردگی کے نقصانات	۵۰۴	افضل و اعلیٰ آدمی	۵۱۲	حضور ﷺ کی وراثت نہ ہونے کی حکمت	۵۲۰
ارکان اسلام کی پابندی	۵۰۵	عالم و ذاکر کی مثال	۵۱۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہونگے	۵۲۰
ازواج مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ	۵۰۵	مومن و مسلم، قانت، صادق، صابر،	۵۱۲	سلسلہ نبوت میں حضور ﷺ کی مثال	۵۲۰

خلیق آدم سے کئی نبی آپ ﷺ خاتم تھے	۵۳۱
اعلیٰ صفت	۵۳۱
آپ ﷺ خاتم نہیں بھی ہیں خاتم الرسل بھی	۵۳۱
قادیانیوں کی تحریفات اور ان کا رد	۵۳۱
ایک بیہودہ تمثیل	۵۳۲
آنے والی امت کے ہدایت کا انتظام	۵۳۲
نبوت کی تمام قسمیں ختم ہو گئیں	۵۳۳
قادیانی کے تین گمراہ روایات	۵۳۴
اجماع امت	۵۳۴
منکر ختم نبوت کافر ہے	۵۳۴
ختم نبوت کی احادیث کی راویٔ صحابہ	۵۳۵
حضور ﷺ ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں	۵۳۴
مسیلمہ قادیانی کا پندیان	۵۳۴
بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت	۵۳۴
اللہ کا علم کافی ہے	۵۳۵
حضور ﷺ کے اسمائے گرامی	۵۳۵
عظیم الشان نعمت کا شکر	۵۳۵
ہمہ وقتی عبادت	۵۳۵
صبح شام کی خصوصیت	۵۳۷
نماز میں توجہ کی اہمیت	۵۳۶
ذکر کی کثرت	۵۳۶
حضور ﷺ کی دعاء	۵۳۶
جامع عبادت	۵۳۶
قابل حسرت مجلس	۵۳۶
ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ	۵۳۶
"صلوٰۃ" کا معنی	۵۳۷
مؤمنوں پر مہربانی	۵۳۷
مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے	۵۳۷
امت کیلئے حضور ﷺ کی گواہی	۵۳۷
انبیاء کیلئے گواہی	۵۳۷
امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد	۵۳۸
نور اعظم	۵۳۸
دعوت حق کی دشواریاں	۵۳۸
داعی اور قوم کی مثالیں	۵۳۸
روشن چراغ	۵۳۸
نور نبوت اور اس کے خوشہ چین	۵۳۹
تورات میں حضور ﷺ کے اوصاف	۵۳۹
حضرت شعیاء علیہ السلام کی تقریر	۵۳۹
خوشخبریاں سناؤ، آسانی کرو	۵۳۹
حضور ﷺ کی زبان مبارک اور دل مبارک	۵۳۰
حضور ﷺ کا نور اور چراغ کی روشنی	۵۳۰
تورات کی عبارت	۵۳۰
کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں	۵۳۱
کافروں کی ایذاؤں کو اہمیت نہ دیں	۵۳۱
حضور ﷺ کے کمالات اور ذمہ داریاں	۵۳۱
ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ	۵۳۱
نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے	۵۳۱
عدت مردوں کا حق ہے	۵۳۲
غریب عورت	۵۳۲
خلوت سے قبل طلاق کے احکام	۵۳۲
طلاق کے وقت متعہ یعنی کی تفصیل	۵۳۳
حضور ﷺ کا نکاح کا مہر مقرر کیا	۵۳۳
غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں حضور ﷺ	۵۳۳
کی خصوصیت	۵۳۳
بیویوں کے بارے میں حضور ﷺ کی خصوصیت	۵۳۳
ازواج سے تعلق حضور ﷺ کی خصوصیت	۵۳۴
حضور ﷺ کی بیعفت حیات مبارکہ	۵۳۴
اور تعدد ازواج کی حکمت	۵۳۴
بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح	۵۳۵
حضور ﷺ کی ازواج مطہرات	۵۳۵
آنحضرت ﷺ نے انسانیت کی	۵۳۵
قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرمادیا	۵۳۵
ازواج میں باری کے تعلق	۵۳۵
حضور ﷺ کو اختیار	۵۳۵
ازواج کا عمومی پہلو	۵۳۶
حضور ﷺ کی اخلاقی عظمت	۵۳۶

اختیار کے مختلف پہلو	۵۳۶
دور جاہلیت کا ایک غلط رواج	۵۳۷
تعدد ازواج کا مسئلہ	۵۳۷
حضور ﷺ نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا	۵۳۷
حضور ﷺ کو اختیار دینے کی حکمت	۵۳۷
ازواج مطہرات کیلئے آسانی	۵۳۷
حضرت جعفر کی بیوہ	۵۳۸
احمق سردار	۵۳۸
حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا	۵۳۸
نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا	۵۳۹
حضور ﷺ کی مجلس کیلئے آداب	۵۳۹
پردے کا حکم	۵۳۹
حضرت عمر فاروقؓ کی رائے	۵۳۹
حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت	۵۴۰
مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو	۵۴۰
ں کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب	۵۴۰
حضور ﷺ کی مروت	۵۴۰
اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام	۵۴۱
حضور ﷺ کی حیات میں یا وفات	۵۴۱
کے بعد ازواج مطہرات میں سے	۵۴۱
کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے	۵۴۱
ایک شبہ کی صورت	۵۴۲
تحریم ازواج کی وجہ	۵۴۲
انسداد فواحش کا اسلامی نظام	۵۴۳
ضروری تنبیہ	۵۴۳
پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام	۵۴۳
حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو ابداء دینے کا خیال بھی اتنا دکھ دیتا ہے	۵۴۵
امہات المؤمنین سے نکاح پر وعید	۵۴۵
محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے	۵۴۶
رضاعی رشتوں کے محرم	۵۴۶
حضور ﷺ پر درود وسلام اور اس کا مفہوم	۵۴۶
حضرت علیؓ کی تثانی ہوئی دعاء	۵۴۷

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب	۵۴۷
آخری قعدہ میں درود پڑھنا	۵۴۸
ہر دفعہ حضور ﷺ کے نام پر درود	۵۴۸
کے واجب ہونے کے دلائل	۵۴۸
رسول اللہ ﷺ پر صلوۃ وسلام کی فضیلت وکیفیت	۵۴۹
ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں	۵۴۹
حضور ﷺ کا قرب کا حصول	۵۴۹
سلام پہنچانے والے فرشتے	۵۴۹
سلام کا جواب	۵۴۹
دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول	۵۴۹
تمام فکر دور ہو جائیں گے	۵۵۰
مجر پور بدلہ	۵۵۲
ستر رحمتیں	۵۵۰
حضور ﷺ کی شفاعت	۵۵۰
حضور ﷺ کی حوضی	۵۵۰
دعاء کی قبولیت	۵۵۰
تعداد درود کی رحمتیں	۵۵۰
احد پہاڑ جتنا ثواب	۵۵۰
صبح شام دس مرتبہ درود	۵۵۰
روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل	۵۵۰
گناہوں کی صفائی	۵۵۱
جمعہ کو درود کی کثرت	۵۵۱
کتاب میں درود لکھنے کا ثواب	۵۵۱
انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوۃ وسلام کا مسئلہ	۵۵۱
صحابہ کرامؓ کی عظمت	۵۵۲
نماز کیلئے حضور ﷺ کی تعلیم فرمودہ دعاء	۵۵۲
صلوۃ وسلام کا طریقہ	۵۵۳
رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی سزا	۵۵۳
یہودی اور عیسائیوں کی ایذا رسانی	۵۵۳
ابن آدم کی نالائقی	۵۵۳
رسول اللہ ﷺ کو ایذاء کی صورتیں	۵۵۳
اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب	۵۵۳
حضرت صفیہؓ بنت حیی کی فضیلت	۵۵۳

حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۵۵۳
اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت	۵۵۴
توہین رسالت کے مجرم کی سزا	۵۵۴
کامل مسلمان	۵۵۴
عبداللہ بن اُبی منافق	۵۵۴
حضرت علیؓ کی فضیلت	۵۵۵
آوارہ گرد منافق	۵۵۵
بہتان تراش منافق	۵۵۵
پردہ کا حکم	۵۵۵
عورت پردہ کرکے ضروری کام کیلئے	۵۵۵
گھر سے باہر جاسکتی ہے	۵۵۵
پردہ کا طریقہ	۵۵۵
حضور ﷺ کی صاحبزادیاں	۵۵۶
چادر اوڑھنے کی صورت	۵۵۶
باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں	۵۵۶
جوان عورت کا چہرہ اور [illegible] کی	۵۵۶
طرف دیکھنا ممنوع ہے	۵۵۶
پردہ کے دو درجے	۵۵۶
آزاد عورتوں کا امتیاز	۵۵۶
منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ	۵۵۷
منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سدباب	۵۵۷
فسادیوں کا قلع قمع	۵۵۷
کفار کیلئے قانون	۵۵۸
منافق ومرتد کی سزا	۵۵۸
ایذا دہرساں افواہیں پھیلانا حرام ہے	۵۵۸
اللہ تعالیٰ کا قانون	۵۵۸
اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو	۵۵۸
دستور الٰہی اٹل ہے	۵۵۸
قیام قیامت کا علم	۵۵۸
ملعون گروہ کا عذاب	۵۵۹
آخرت کی حسرت	۵۵۹
بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو	۵۵۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں	۵۶۰

حضرت موسیٰ پر برناء کی تہمت	۵۵۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت	۵۶۹
آنحضرت ﷺ پر ایک گرانی	۵۶۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت	۵۶۰
سیدھی بات کہو	۵۶۱
انسان کی تکلیم رسوداری	۵۶۱
حضرت آدمؑ پر اطاعت کی پیش کش	۵۶۲
زمین وآسمان کی حالت	۵۶۲
انسان کی خطاء	۵۶۲
ذمہ داری کی اہمیت	۵۶۲
امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ	۵۶۲
چار بنیادی اوصاف	۵۶۲
امانت داری دل کی صفت ہے	۵۶۲
قرب ورضائے الٰہی کا شوق	۵۶۲
عرض امانت کا وقت	۵۶۳
ادائے امانت فرض ہے	۵۶۳
آیت امانت کی شیعی تفسیر	۵۶۳
حضرت حکیم الامت تھانوی کا ارشاد	۵۶۳
حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد	۵۶۳
امانت کے متعلق علماء کے اقوال	۵۶۳
جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ	۵۶۴
حضرت آدم علیہ السلام	۵۶۴
امانت کی تشبیہ	۵۶۴
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق	۵۶۵
علامہ بیضاویؒ کی تحقیق	۵۶۵
انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب	۵۶۵
ترکید ضروری ہے	۵۶۶
منافق، کافر اور مؤمن کا انجام	۵۶۶
بارِ امانت کا نتیجہ	۵۶۷
شرعی ذمہ داری کی غرض	۵۶۷

☆ ☆ ☆

فہرست عنوانات

سورۃ سبا تا سورۃ القمر

سورۃ سبا	۵۶۹
دنیا و آخرت میں تعریف فقط اللہ ہی کی ہے	۵۶۹
اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے	۵۶۹
یہ سب چہل پہل اللہ کی رحمت سے ہے	۵۶۹
انکار قیامت	۵۶۹
قیامت ضرور آئے گی	۵۶۹
ایک ایک ذرہ کا علم اللہ کو ہے	۵۷۰
ایک وقت ہزاروں اموات	۵۷۰
غیبت کرنے والے	۵۷۰
نبی کی وجہ سے عذاب	۵۷۱
صفت علم غیب کی تخصیص	۵۷۱
قیامت کیوں ضروری ہے	۵۷۱
ایمان والوں کو عین الیقین حاصل ہوگا	۵۷۱
کافروں نے عقیدۂ آخرت کا استہزا کیا	۵۷۲
یہی گمراہ ہیں	۵۷۲
جس نے کائنات بنائی وہ توڑ بھی سکتا ہے	۵۷۲
کافروں کو ڈرانا	۵۷۲
نظام کائنات میں نشانیاں ہیں	۵۷۲
داؤدؑ کو نبوت اور حکومت عطا کرنا	۵۷۳
داؤدؑ کی خوش آوازی	۵۷۳
حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام	۵۷۳
کے تذکرہ کی حکمتیں	۵۷۳
تسبیح کرنے میں پہاڑوں	۵۷۳
اور پرندوں کی رفاقت	۵۷۳
لوہے کو موم کرنا	۵۷۴
داؤدؑ نے زرہوں کا کام کیسے شروع کیا	۵۷۴
ہاتھ کی کمائی	۵۷۴

حکایت	۵۷۵
لقطہ مجرد ہو لازم ہو جاتا تھا	۵۷۵
سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو	۵۷۵
ملا، قاضی اور متقی بیت المال سے لے سکتے ہیں	۵۷۵
حقیقی رزاق سے غفلت	۵۷۵
پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو	۵۷۵
ہوا کی تسخیر	۵۷۶
تخت کے اڑنے کی رفتار	۵۷۶
یہ معجزہ کیسے ملا	۵۷۶
تانبے کا چشمہ	۵۷۶
جنات کا مسخر ہونا	۵۷۶
تسخیر جنات کا مسئلہ	۵۷۷
نافرمان جنات کی سزا	۵۷۷
جنات کا کام	۵۷۸
بیت المقدس کی تعمیر	۵۷۸
نمازوں کا مختلف ثواب	۵۷۸
تین مسجدوں کا سفر	۵۷۹
سلیمانؑ کی تعمیر کی بربادی	۵۷۹
جس لیے تصویریں بناتے تھے	۵۷۹
شریعت اسلامیہ کی خصوصیت	۵۷۹
تصویر کی ممانعت کے اسباب	۵۸۰
تصویر بنانے والے	۵۸۰
فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے	۵۸۰
جن اور انسان	۵۸۱
مساجد میں محراب	۵۸۱
عمل سے شکر ادا کرو	۵۸۱

دوامی شکر والے بہت کم ہیں	۵۸۱
نماز داؤدی	۵۸۲
حضرت سلیمانؑ کی موت	۵۸۲
سلیمانؑ کی عبادت	۵۸۳
دیمک کا شکریہ	۵۸۳
جنات کی غیب دانی کا دعوی	۵۸۳
سلیمانؑ کی عمر	۵۸۳
موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں	۵۸۳
سلیمانؑ کی دعائیں	۵۸۴
تعمیر کی تکمیل سلیمانؑ کی کوشش	۵۸۴
جنات کے علم کی حقیقت	۵۸۴
ایک عجیب درخت	۵۸۴
سلیمانؑ کو موت کا علم پہلے ہو گیا	۵۸۵
سبا کا تعارف	۵۸۵
قوم سبا کے باغات	۵۸۵
سد مآرب	۵۸۵
سبا سے شام تک کی آبادی	۵۸۵
سبا کی آل اولاد	۵۸۶
سبا میں بارہ یا تیرہ پیغمبر آئے	۵۸۶
العمامات الہیہ کا تقاضا	۵۸۶
پانی کا نظام اور باغات	۵۸۷
ناشکری اور بے پروائی کا نتیجہ	۵۸۸
سیل عرم	۵۸۸
تدبیر کی شکست	۵۸۸
پسپائی اور بھاگو	۵۸۸
چوہوں کے ذریعے تباہی	۵۸۸

ایک کافر کی چالاکی ۵۸۸
کفر کی سزا ۵۸۹
مؤمن کی سلامتی ۵۸۹
تجارتی سفر کی آسانیاں ۵۹۰
قوم سبا کی مستی ۵۹۰
پوری قوم پتھر بنی ۵۹۰
صبر و شکر والوں کیلئے عبرت ۵۹۱
مؤمن کی شان ۵۹۱
قوم نے ابلیس کا مقصد پورا کر دیا ۵۹۱
مؤمن شیطان کا اتباع نہیں کرتا ۵۹۱
انسان کیلئے امتحان ۵۹۲
اہل مکہ سے خطاب ۵۹۲
بت ایک ذرے کے مالک نہیں ۵۹۲
کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ چلے گی ۵۹۲
فرشتوں کی تابعداری ۵۹۳
فرشتوں کی گھبراہٹ ۵۹۳
روزی رسان ۵۹۴
اب بتلاؤ کون سچا ہے ۵۹۴
دونوں سچے نہیں ہو سکتے ۵۹۴
اپنی عاقبت کی فکر کرو ۵۹۴
در اد کھلاؤ تو اپنے معبود! ۵۹۴
نہیں نہیں اللہ کے برابر کوئی نہیں ۵۹۵
حضور ﷺ کی عام رسالت ۵۹۵
حضور ﷺ کی خصوصیات ۵۹۵
کہتے ہیں قیامت کب آئے گی ۵۹۶
ضرور آئے گی ۵۹۶
محشر میں پتہ چلے گا ۵۹۶
جھوٹوں کا بیڑوں پر الزام ۵۹۶
پھر سب شرمائیں گے ۵۹۷
خلق اور بیڑیاں ۵۹۷
اعمال کی سزا ۵۹۷
آگ سارا گوشت جلا دے گی ۵۹۷
سردار لوگ پیغمبر کے مخالف رہے ہیں ۵۹۷
مال و اولاد پر فخر ۵۹۷
روزی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے ۵۹۸
قرب الٰہی کا ذریعہ ۵۹۸
مال کے مصارف ۵۹۸
عمل کا مدار ۵۹۸
منکر و مخالف عذاب میں ۵۹۸
خرچ کرنے سے نہ گھبراؤ ۵۹۹
خرچ کرنے سے دولت بڑھتی ہے ۵۹۹
کاٹ کھانے والا زمانہ ۵۹۹
بدتر لوگ ۵۹۹
ملائکہ سے خطاب ۵۹۹
فرشتوں کا جواب ۵۹۹
عابد و معبود دونوں عاجز ہیں ۶۰۰
کافروں کی بدگمانی ۶۰۰
کفار مکہ کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے ۶۰۰
ان سے زیادہ طاقتور قومیں ہلاک ہو گئیں ۶۰۰
اللہ کیلئے کچھ غور و فکر کرو ۶۰۱
حضور ﷺ کی سچائی واضح ہو جائیگی ۶۰۱
حضور ﷺ ہر قسم کے دنیاوی مفاد ۶۰۱
سے بالاتر ہیں ۶۰۱
قریشی سرداروں کو دعوت ۶۰۱
غور و فکر کی لائن ۶۰۱
میں کسی معاوضہ کا نہیں مانگتا ۶۰۲
اللہ کا حق اور بندوں کا حق ۶۰۲
حق آ گیا اس سے فائدہ اٹھاؤ ۶۰۲
گھر گھر تک اسلام پہنچ کر رہے گا ۶۰۳
باطل حق کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا ۶۰۳
جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا ۶۰۳
ان کی پکڑ کا وقت قریب ہے ۶۰۳
اس وقت کا ایمان کسی کام نہ آئے گا ۶۰۳
اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا ۶۰۳
اب دنیا میں واپسی نہیں ہو گی ۶۰۳
ایک بنی اسرائیلی نوجوان کا عجیب واقعہ ۶۰۳
کافروں کی روح دنیاوی لذتوں ۶۰۴
میں اٹکی رہتی ہے ۶۰۴
نیکوں کا انجام برائی ہے ۶۰۴
سورۃ فاطر ۶۰۵
بغیر نمونہ کے بنانے والا ۶۰۵
فاطر کا معنی ۶۰۵
فرشتوں کی مصروفیات ۶۰۵
فرشتوں کی ساخت ۶۰۶
اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ۶۰۵
سرسید احمد خان کی علمیت ۶۰۶
اللہ کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا ۶۰۶
حضور ﷺ کی دعائیں ۶۰۶
بارش کے وقت حضرت ابوہریرہؓ کا عمل ۶۰۶
معبود حقیقی صرف اللہ ہی ہے ۶۰۶
آسمان و زمین ۶۰۶
متعصب ہمیشہ رہے ہیں ۶۰۷
شیطان سے بچنا ضروری ہے ۶۰۷
محبت کا تقاضا ۶۰۷
نیک و بد برابر نہیں ہیں ۶۰۷
مردوں کو زندہ کریں گے ۶۰۸
مردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت ۶۰۸
عزت ذلت کا مالک اللہ ہے ۶۰۸
صحرہ کلام ۶۰۸
پاک کلمات اور عمل صالح ۶۰۹
بغیر عمل کے ایمان بیکار ہیں ۶۰۹
قبولیت کی شرط ۶۰۹
حق کے مخالف ناکام ہوں گے ۶۱۰
انسان کا توالد و تناسل ۶۱۰
ہر ایک کی عمر مقرر ہے ۶۱۰
زیادتی عمر کے اسباب ۶۱۰
غلبہ اسلام کے لطیف اشارے ۶۱۱
مچھلی کا حکم ۶۱۱
مردوں کیلئے موتیوں کا استعمال ۶۱۱
اللہ کا شکر ادا کرو ۶۱۱
مغرب کے فاسفروں کا شوشہ ۶۱۱
خود ساختہ خداؤں کی بے بسی ۶۱۲

انبیاء اور فرشتے مشرکین سے بیزار ہیں	۶۱۲	خلافت کا حق ادا کرو	۶۳۰	مُردہ کا زندہ ہونا	۶۳۱
سب اللہ کے محتاج ہیں	۶۱۲	تمہاری ناشکری	۶۳۲	شہزادی کا زندہ ہونا	۶۳۱
انسان سب سے زیادہ محتاج ہے	۶۱۲	عقل سے کام لو	۶۳۲	بادشاہ کی بدبختی	۶۳۱
اللہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لا سکتا ہے	۶۱۲	کوئی دلیل لاؤ	۶۳۲	بستی کی تعیین کوئی ضروری نہیں	۶۳۱
کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا	۶۱۳	شیطان کے دھوکہ میں مبتلاء ہو	۶۳۲	یہ تینوں قاصد تھے پیغمبر نہیں تھے	۶۳۱
قرابت درشتہ کا واسطہ نہیں چلے گا	۶۱۳	حرکت آسمان و زمین	۶۳۳	قاصدوں کی دعوت	۶۳۰
ڈرنے والے	۶۱۳	اللہ تعالیٰ کی بُردباری اور بخشش	۶۳۳	تینوں قاصدوں کے نام	۶۳۹
ہر کسی کا اپنا فائدہ ہے	۶۱۳	مشرکین کی فریب کاریاں	۶۳۳	بستی والوں کا جواب	۶۳۲
مؤمن اور کافر برابر نہیں	۶۱۳	تقریر و سزا کا الٰہی قانون	۶۳۳	بستی والوں کی بے عقلی	۶۳۰
پیغمبر کی ذمہ داری	۶۱۳	اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں	۶۲۳	قاصدوں کی تعلیم	۶۳۹
عجیب قدرت کا مظاہرہ	۶۱۳	حکمتِ الٰہی	۶۲۴	پیغمبرانہ دعوت و اصلاح	۶۳۲
قدرت کی نیرنگیاں	۶۱۳	وقت آنے دو سب کو پتہ لگ جائے گا	۶۲۳	حبیب کے ساتھ بستی والوں کا سلوک	۶۳۳
اہل علم کی شان	۶۱۵	**سورۃ یٰس**	۶۲۳	خلافت [illegible]	۶۳۴
آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ خوف	۶۱۵	سورۂ یٰسین کے فضائل	۶۲۳	حضرت حبیب کی مثال ایک صحابیؓ	۶۳۴
عالم کی فضیلت	۶۱۵	یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے	۶۲۵	قوم سے ہمدردی	۶۳۴
علماء کی تین قسمیں	۶۱۵	اعجاز قرآن کی گواہی	۶۲۲	کفر و ظلم کی سزا	۶۳۴
عالم کون ہے اور علم کیا ہے	۶۱۵	اللہ تعالیٰ ربوبیت بھی ہے مہربان بھی	۶۲۶	تاریخ کی پکار	۶۳۵
طلب علم کی فضیلت	۶۱۶	آنحضرت ﷺ کی ذمہ بہت مشکل کام	۶۲۶	مکہ والوں کیلئے عبرت	۶۳۵
ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے	۶۱۶	سرمایہ پرستی و جہالت کے طوق	۶۲۷	مجرمین کا اجتماع	۶۳۵
قرب خداوندی کا ذریعہ	۶۱۷	عداوت و جہالت کی دیوار	۶۲۸	بعث بعد الموت کی دلیل	۶۳۵
اللہ تعالیٰ قدردان ہے	۶۱۷	یہ نصیحت کے لائق نہیں	۶۲۸	عجوز	۶۳۶
منتخب بندے	۶۱۷	یہ مطیع مسدی کی صفات سے عاری ہیں	۶۲۸	احد کا شکر واجب ہے	۶۳۶
حدیث ابی الدرداءؓ	۶۱۲	"رحمٰن" کہنے کا نکتہ	۶۲۹	غافلوں کیلئے تنبیہ	۶۳۶
اہل جنت کے زیور	۶۲۲	ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں	۶۳۲	قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ	۶۳۰
مہاجرین کی فضیلت	۶۲۰	سب عمل محفوظ ہیں	۶۳۹	انقلابات جہاں	۶۳۶
کلمہ طیبہ کی فضیلت	۶۲۰	قدموں کے نشان بھی لکھے جاتے ہیں	۶۲۲	سورج کا طلوع و غروب	۶۳۷
دنیا عملوں کا گھر ہے	۶۳۰	لوح محفوظ	۶۲۳	حضرت قتادہؓ کی تفسیر	۶۳۷
جنت راحت کا گھر ہے	۶۳۰	انطاکیہ والوں کا قصہ	۶۳۹	طلوع و غروب کا نظام	۶۳۷
موت کی موت	۶۳۱	حضرت عیسیٰ کا دو قاصدوں کو روانہ کرنا	۶۳۰	چاند کی منزلیں	۶۳۷
ناکام حسرت	۶۳۰	انطاکیہ کا بادشاہ	۶۳۰	چاند اور سورج حکم الٰہی سے بغاوت	۶۳۸
کوئی عذر کام نہ دے گا	۶۳۱	قاصدوں کا تید ہونا اور کوڑوں کی سزا پانا	۶۳۰	نہیں کر سکتے	۶۳۸
ساٹھ سال کی عمر اور سفید بال	۶۳۰	شمعون کا مدد کیلئے جانا	۶۳۰	آسمانوں کی تعداد اور فاصلہ	۶۳۸
گناہ چھوڑنے کی ترکیب	۶۳۰	بادشاہ کے سامنے تینوں کے بیانات	۶۳۹	دسمائل نفل و حمل	۶۳۰
اللہ تعالیٰ غیب دان ہیں	۶۳۰	اندھے کا بینا ہونا	۶۳۰	سب کچھ رحمت الٰہی سے ہے	۶۳۹

عنوان	صفحہ
منکرین کی بے پرواہی	۶۳۹
مشرکین کی حماقت	۶۳۹
مال خرچ کرنے کا حکم	۶۴۱
مطلب پرستی کھلی گمراہی ہے	۶۴۱
منکرین کی ڈھٹائی	۶۴۰
قیامت آنے کو ہے	۶۴۱
دونوں کا وقفہ	۶۴۱
کافروں کی جبری حاضری	۶۴۱
جہنم اور قبر کے عذاب کا موازنہ	۶۴۱
جہنم کی ایک وادی	۶۴۱
سچا وعدہ	۶۴۱
انصاف کا دن	۶۴۱
عیش و نشاط کا ماحول	۶۴۲
صوفیاء کا مقام	۶۴۲
اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام	۶۴۴
دیدار الٰہی	۶۴۲
انبیاء کی دعوت	۶۴۲
جہنم کی سرزنش	۶۴۳
انسانوں کی نالائقی	۶۴۳
الٰہی عدالت کے گواہی	۶۴۳
طاقت کی دلیل	۶۴۴
دنیا فانی ہے	۶۴۴
زندگی کے مختلف مراحل کا پیغام	۶۴۴
قرآنی تعلیمات حق ہیں	۶۴۴
اشعار کی قسمیں	۶۴۶
قرآن زندہ دلوں کی کتاب ہے	۶۴۶
آیات تکوینیہ	۶۴۶
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری	۶۴۶
آنحضرت ﷺ کو تسلی	۶۴۷
ناچیز قطرہ کی جرأت	۶۴۷
خالق کیلئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں	۶۴۸
آگ کا درخت	۶۴۸
بحر و بر میں پھیلی ہوئی راکھ	۶۴۸
خالق کی قدرت	۶۴۹
حکومت کس اللہ ہی کی ہے	۶۴۹
سورۃ الصافات	۶۴۹
سورت کے مضامین	۶۴۹
صف باندھنے والے	۶۴۹
نماز میں صفوف کی درستی	۶۵۱
برائی سے روکنے والی قوتیں	۶۵۰
مخلوق کی قسم	۶۵۱
فرشتوں اور نیک لوگوں کی گواہی	۶۵۱
مشارق اور مغارب کا رب	۶۵۱
آسمان کی زینت	۶۵۱
فلاسفہ کا قول	۶۵۱
شیاطین کی روک تھام	۶۵۱
کاہنوں کے کاروبار کا پس منظر	۶۵۲
شیاطین کیلئے دائمی عذاب	۶۵۲
موجودہ سائنسدانوں کا خیال	۶۵۱
مقصد اصلی	۶۵۲
انسان کا دوبارہ زندہ کرنا	۶۵۳
کافروں کی بے وقوفی	۶۵۳
کافروں کی ہٹ دھرمی	۶۵۳
اتمام حجت	۶۵۴
ہم مشربوں کا اجتماع	۶۵۴
بار پرس	۶۵۴
جہنم کے سات پل	۶۵۴
کافروں کی ذلت	۶۵۵
جھوٹے معبودوں کی بیزاری	۶۵۵
بے وقوفی کی انتہاء	۶۵۶
مخلص بندے	۶۵۶
اہل جنت کا رزق	۶۵۶
نگاہیں نیچی رکھنے والی	۶۵۶
حوروں کا حسن	۶۵۷
اہل جنت کی باہمی گفتگو	۶۵۷
اعلیٰ مقصد کا حصول	۶۵۸
جنت اور جہنم میں پہلی پیشکش	۶۵۸
زقوم کی بدصورتی	۶۵۹
دوزخیوں کا مطعم	۶۵۹
اندھی تقلید	۶۵۹
ہر دور میں ڈرانے والے آتے ہیں	۶۶۰
حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم	۶۶۰
نوح علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے نبی تھے	۶۵۱
سب انبیاء ایک جماعت ہیں	۶۶۱
اپنے والد اور قوم کو نصیحت	۶۶۱
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لائحہ عمل	۶۵۱
علم نجوم کی شرعی حیثیت	۶۶۲
توریۃ کا شرعی حکم	۶۶۴
لوگوں کی میلہ سے واپسی	۶۶۴
علم کلام کا ایک مسئلہ	۶۶۴
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ	۶۶۵
خواب اور قربانی	۶۶۵
شام اور مکہ میں آمد و رفت	۶۶۸
بیٹے کی رائے	۶۶۸
وحی غیر متلو کا ثبوت	۶۶۸
قربانی سے پہلے بیٹے کی باتیں	۶۶۹
شیطان کی کارروائی اور مایوسی	۶۶۹
کنکریوں کا مارنا	۶۶۹
صداقت ابراہیمی	۶۷۰
علامہ انور شاہؒ کی عجیب توجیہ	۶۷۰
نیکی کا بدلہ	۶۷۱
مینڈھا	۶۷۱
اولاد ابراہیم میں برکت	۶۷۲
حضرت الیاس علیہ السلام	۶۷۲
بنی اسرائیل کی گمراہی	۶۷۲
بادشاہ	۶۷۳
نیک ہمسایہ ملکہ کے ظلم کا شکار ہوا	۶۷۳
بادشاہ کا افسوس	۶۷۳
حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت	۶۷۳
بادشاہ کا انکار و عداوت	۶۷۳
شہزادے کا بیمار ہونا	۶۷۴
حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت حق	۶۷۴

بادشاہ کا فریب	۶۷۴
دھوکے باز دوں پر آگ کا برسنا	۶۷۵
دوسرا دھوکہ اور ہلاکت	۶۷۵
حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی	۶۷۶
شہزادے کی صحت	۶۷۹
یونس علیہ السلام کا زندہ ہونا	۶۷۵
حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء	۶۷۷
ایک بیمار لڑکے کا صحیح ہونا	۶۷۷
الیاس علیہ السلام کی دعاء سے بارش برسنا	۶۷۸
بادشاہ اور ملکہ کی ہلاکت	۶۷۸
حضرت خضر و حضرت الیاس کی رفاقت	۶۷۸
حضرت الیاس علیہ السلام	۶۷۹
بعل بت	۶۷۹
حضرت الیاس علیہ السلام پر سلامتی	۶۸۰
مکہ والوں کیلئے عبرت	۶۸۰
حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش	۶۸۰
قرعہ اندازی کا حکم	۶۸۱
انبیاء کا مقام	۶۸۱
مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت	۶۸۱
افضلیت انبیاء کا مسئلہ	۶۸۲
قوم یونس کی تعداد	۶۸۳
قادیانی کی تلبیس کا جواب	۶۸۲
سب اللہ کی مخلوق اور محتاج ہیں	۶۸۳
بے تکا عقیدہ	۶۸۳
جن اللہ سے ڈرتے ہیں	۶۸۴
جن کا معنی	۶۸۴
اخلاص و بندگی کام آئے گی	۶۸۴
سب اللہ کے اختیار میں ہے	۶۸۴
انسان اور ملائکہ کا فرق	۶۸۵
نماز میں صف بندی	۶۸۵
بے حقیقت تمنائیں	۶۸۵
آخرکار فتح حق والوں کی ہوتی ہے	۶۸۶
اہل باطل کی شکست قریب ہے	۶۸۶
جب عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلیں گی	۶۸۶
تیسرا حملہ	۶۸۷
تمام مضامین کا خلاصہ	۶۸۷
سورۃ ص	۶۸۹
قرآن کی شہادت	۶۸۸
ماضی کے متکبرین کا انجام	۶۸۸
کافروں کا جھوٹا فلسفہ	۶۸۸
انوکھی بات	۶۸۹
کافروں کی تردید	۶۹۰
یہ مشرکین بے طاقت گروہ ہے	۶۹۹
مشرک کچھ نہیں	۶۹۰
والا و تاد کا مطلب	۶۹۰
کافروں کا حصہ	۶۹۰
حضرت داؤد کا واقعہ یاد کرو	۶۹۱
عبادت کا پسندیدہ طریقہ	۶۹۲
نماز چاشت کا حکم	۶۹۹
نماز چاشت کی فضیلت	۶۹۹
حضرت داؤد کی حکومت	۶۹۳
حضرت داؤد کے اوصاف	۶۹۳
فصل الخطاب	۶۹۴
حضرت داؤد کی آزمائش	۶۹۴
آزمائش کی تشریح	۶۹۴
حاکم کے آداب	۶۹۵
جھگڑا	۶۹۵
شراکت	۶۹۶
آزمائش کا سبب	۶۹۶
حضرت داؤد کی توبہ	۶۹۷
حضرت داؤد کی شان	۶۹۷
خلافت کے تقاضے	۶۹۸
خلیفہ اور بادشاہ کا فرق	۶۹۸
اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے	۶۹۸
خدا کی یاد میں غفلت	۶۹۹
امیر کو عدالت طور ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے	۶۹۹
ایک عبادت کے وقت	۶۹۹
عادل حکمران	۶۹۹
خلیفہ وقت سے حساب	۶۹۹
آخرت کو سامنے رکھو	۷۰۰
قیام قیامت کی حکمت	۷۰۰
کتاب کے نزول کی حکمت	۷۰۰
حضرت سلیمان اور ان کی آزمائش	۷۰۱
سلیمان کے گھوڑے	۷۰۲
حضرت سلیمان کا استغفار	۷۰۲
آزمائش کی ایک اور صورت	۷۰۲
بے مثال حکومت	۷۰۳
انبیاء کی درخواست کا طریقہ	۷۰۳
حضور ﷺ کی شان	۷۰۳
حکومت اور اقتدار کی دُعاء	۷۰۳
حضرت سلیمان کی جنوں پر حکومت	۷۰۴
جنات کی زنجیریں	۷۰۴
بے مثال حکومت	۷۰۴
حضرت ایوب کی بیماری	۷۰۴
صبر کا پھل	۷۰۵
صبر کے بدلے میں رحمت	۷۰۵
قسم پوری کرنے کی مخصوص ترکیب	۷۰۵
مقام صبر سے ترقی	۷۰۶
حضرت الیسع علیہ السلام	۷۰۶
محل مدح	۷۰۶
جنت میں کھانے کا مقصد	۷۰۷
رویہ بینا کے درمیان عمر کا تناسب	۷۰۷
لا رہبانیت	۷۰۷
دوزخیوں کی گفتگو	۷۰۹
آیات کی لطیف تفسیر	۷۰۸
ایک حسرت	۷۰۸
فقراء مومنین کی آخرت	۷۰۸
دوزخیوں کا جھگڑا حق ہے	۷۰۹
پیغمبر کا کام	۷۰۹
قیامت کا حتمی علم کسی کو نہیں	۷۰۹
عالم بالا کی بحث	۷۰۹

ملاء اعلیٰ سے کفارات کا مطلب	۷۱۱	ہجرت اور جہاد	۷۱۹	مشرک و موحد کی مثال	۷۲۲
اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا انجام	۷۱۰	گناہوں اور فتنوں سے فرار	۷۲۰	مشرک غلام کی طرح ہے	۷۲۹
قدرت	۷۱۱	صابرین کی فضیلت	۷۲۰	مؤمن موحد کی مثال	۷۲۹
پیغمبر کی خیر خواہی	۷۱۲	عاشقانِ الٰہی	۷۲۰	اکثر لوگ نہیں سمجھتے	۷۳۰
تکلف اور تصنع کی مذمت	۷۱۲	حضور ﷺ کی اولیت	۷۲۲	قیامت میں سب کا آمنا سامنا ہوگا	۷۳۰
سورۃ الزمر	۷۱۳	نافرمانی موجب عذاب ہے	۷۲۰	مرد و عورت کا جھگڑا	۷۳۱
سورۃ زمر کی فضیلت	۷۱۳	توحید پر استقامت	۷۲۱	ہمسایوں کا مقدمہ	۷۳۱
قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا	۷۱۳	کافروں کو جہنم	۷۲۱	دنیا ہی میں حقوق ادا کرو	۷۳۱
اللہ کی بندگی اور دعوت میں لگے رہو	۷۱۳	مشرکین خسارے میں ہیں	۷۲۰	مفلس کون ہے	۷۳۱
عمل کی مقبولیت	۷۱۳	انجام بد سے ڈرو	۷۲۲	اہلسنت کا مسلک	۷۳۱
مشرکین کا فیصلہ ہو جائے گا	۷۱۳	مؤمن کیلئے خوشخبری	۷۲۲	قیامت کے دن حقوق	۷۳۱
مشرکین عرب کا حال	۷۱۴	اعمل کردار والوں کیلئے بشارت	۷۲۲	صحابہ کرامؓ کا تعجب	۷۳۱
سرکش و بدباطن تباہ ہو گئے	۷۱۳	کامیابی کا راستہ	۷۲۳	مظلوم کا حق ظالم سے	۷۳۲
اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے	۷۱۳	بدبخت آدمی	۷۲۳	جسم اور روح کا جھگڑا	۷۳۲
فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہنا	۷۱۵	جنت تیار ہے	۷۲۴	سب سے بڑا ظالم	۷۳۳
نظام کائنات	۷۱۵	جنت کے محل اور ان کے حقدار	۷۲۲	سب سے بڑا بے انصاف	۷۳۳
اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے	۷۱۵	نظام آب پاشی	۷۲۴	حضور ﷺ جیسے نبی	۷۳۳
تخلیق انسانیت	۷۱۵	پانی کا محفوظ کر دینا پانی سے بڑی نعمت ہے	۷۲۴	ڈرنے والوں کی شان	۷۳۴
دوسری مخلوقات	۷۱۵	کھیتیوں میں نصیحت	۷۲۵	غلطیوں کی معافی	۷۳۴
انسانی پیدائش	۷۱۶	عقل والوں کیلئے نصیحت	۷۲۵	بڑے گناہ بھی معافی کے قابل ہیں	۷۳۴
اللہ تعالیٰ کی بے نیازی	۷۱۶	خوش بخت و بدبخت	۷۲۵	اللہ کا بندہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا	۷۳۴
اللہ کی سخت پکڑ	۷۱۷	شرح صدر	۷۲۵	جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کا محافظ ہے	۷۳۵
اللہ عادل ہے	۷۱۷	قساوت قلبی سب سے بڑی سزا ہے	۷۲۶	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۷۳۵
رسول اللہ ﷺ کی براءت	۷۱۷	قرآن میں صاف مضامین	۷۲۶	قومی اور نسبی ہونے کا طریقہ	۷۳۶
سب کے عمل سامنے آئیں گے	۷۱۷	اولیاء اللہ کاملین کی حالت	۷۲۷	خدا پرست ہی غالب ہوگا	۷۳۶
انسان کا عجیب طبیعت	۷۱۸	مؤمنوں کا خوف اور فضیلت	۷۲۷	ہر حال میں آنحضرت ﷺ کو نبی ہوگا	۷۳۶
مہلت کو نجات نہ سمجھو	۷۱۸	صحابہؓ اور غیر صحابہ کا فرق	۷۲۷	آپ ﷺ اپنا فرض ادا کر چکے	۷۳۶
مؤمن کی شان	۷۱۸	فرشتوں کا خوف	۷۲۷	پیغمبر کی ذمہ داری	۷۳۷
علم تقویٰ کی بنیاد ہے	۷۱۸	انسان کی ہمت	۷۲۷	نبی اور رسول	۷۳۷
رات کی عبادت	۷۱۹	ہدایت اللہ ہی سے مانگو	۷۲۸	تقویٰ کا معنی	۷۳۷
کامیاب کرنے والی دو صفتیں	۷۱۹	محشر میں کافر کی حالت	۷۲۸	بعض اہل علم کا قول	۷۳۷
قناعت کا معنی	۷۱۹	ماضی سے سبق حاصل کرو	۷۲۸	خواب کے سچا اور جھوٹا ہونے کی وجہ	۷۳۸
نیکی کا مدار صرف ملے گا	۷۱۹	قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں	۷۲۹	سونے اور جاگنے کا مسنون طریقہ	۷۳۸
ہجرت کی فضیلت	۷۱۹	خلق قرآن کا مسئلہ	۷۲۹	اہل فکر	۷۳۸

بتوں کی سفارش کی حقیقت	۷۳۸	قرآن پر عمل کرو	۷۴۸
سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے	۷۳۹	کافر کی حسرت	۷۴۸
غیر اللہ کی محبت والے	۷۳۹	بے وقت توبہ	۷۴۸
اللہ ہی سے دُعا کیجئے	۷۴۰	عذر لنگ	۷۴۸
آنحضرت ﷺ کی دُعاء	۷۴۰	ناکام کوشش	۷۴۹
دربار الٰہی میں فریاد	۷۴۰	ہدایت کے مکمل اسباب موجود ہیں	۷۴۹
آنحضرت ﷺ کی سکھلائی ہوئی دُعاء	۷۴۰	حق کو جھٹلانے کا انجام	۷۴۹
جنت میں پہنچانے والی دُعاء	۷۴۰	تکبر کرنے والوں کا حشر	۷۴۹
کافروں کی نجات نہیں ہوگی	۷۴۱	متقیوں کا انعام	۷۴۹
کافروں کیلئے ناگہانی عذاب	۷۴۱	تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں	۷۴۹
انسان کی جفا	۷۴۱	مقاصد کی تفسیر	۷۵۰
نعمت امتحان ہے	۷۴۲	کافروں کے لئے خسارہ ہی ہے	۷۵۰
کافروں کی لاعلمی اور ضد	۷۴۲	اہل ایمان کی فلاح	۷۵۰
مشرک بھاگ نہیں سکتے	۷۴۲	تیسرے رکوع کی فضیلت	۷۵۰
روزی اللہ کی مرضی سے ملتی ہے	۷۴۲	انتہائی حماقت	۷۵۱
تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہیں	۷۴۲	فقط اللہ کی عبادت کرو	۷۵۱
اللہ تعالیٰ کی شان کریمی	۷۴۹	شرک سے اعمال غارت	۷۵۱
لوگوں کو مایوس نہ کرو	۷۴۳	مرتد ہونا	۷۵۱
بنی اسرائیل کے گنہگار	۷۴۴	مشرکین نے اللہ کی قدر نہیں کی	۷۵۱
حضرت ابوہریرہؓ کی نعمت	۷۴۴	عظمت شان الٰہی	۷۵۲
مشرک کی بخشش نہیں ہے	۷۴۵	زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لینے	۷۵۴
اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد	۷۴۵	کی کیفیت کا بیان	۷۵۲
اللہ تعالیٰ کی رحمتیں	۷۴۵	تین چیزیں	۷۵۳
اللہ تعالیٰ مال سے بھی زیادہ مہربان ہے	۷۴۵	صور اسرافیل	۷۵۳
آخرکار مؤمن جنت میں جائے گا	۷۴۶	علامات قیامت	۷۵۳
ثواب کیلئے ایمان شرط ہے	۷۴۶	قیام قیامت	۷۵۴
معافی کے ذرائع	۷۴۶	جلوہ افروزی	۷۵۴
گنہگار مؤمن اور کافر کے مزدیک	۷۳۹	اللہ تعالیٰ کا نور	۷۵۴
سب سے زیادہ عظمت والی آیت	۷۴۴	پیغمبر کی شہادت	۷۵۵
حضرت ابوایوبؓ انتقال کے وقت	۷۴۷	امت محمدیہ کی گواہی	۷۵۵
حضرت آدمؑ کی درخواست	۷۴۷	کے مطابق بدلہ ملے گا	۷۵۵
کرم کی انتہاء	۷۴۷	کافروں کی ذلت	۷۵۵
توبہ کی توفیق	۷۴۷	اقرار بدبختی	۷۵۶

تکبر کا نتیجہ	۷۵۶		
جنتی اور جہنمی آدمی	۷۵۶		
روزہ داروں کا دروازہ	۷۵۶		
اچھی طرح وضو کرنے والے	۷۵۶		
آنحضرت ﷺ کی شان	۷۵۶		
جنت میں پہلی جماعت	۷۵۶		
حنتیوں کا استقبال	۷۵۷		
جنت کی حوریں	۷۵۷		
باغ و بہار	۷۵۷		
جنتیوں کا اعزاز	۷۵۷		
اہل جنت کی پاکیزگی	۷۵۷		
جنت میں اہل جنت	۷۵۸		
عدالت الٰہی کا منظر	۷۵۹		
تخلیق کائنات	۷۵۹		
سورۃ المؤمن	۷۵۹		
توبہ	۷۵۹		
سورۂ غافر کی فضیلت	۷۵۹		
لوگوں کی اصلاح	۷۶۰		
دشمن سے حفاظت	۷۶۱		
ایک عجیب واقعہ	۷۶۱		
ناحق جھگڑا	۷۶۱		
خطرناک سختیاں	۷۶۱		
منکرین کا انجام	۷۶۲		
حق کے منکر	۷۶۲		
ان منکروں پر بھی عذاب	۷۶۲		
مؤمنین کا شرف	۷۶۳		
عرش کے حامل فرشتے	۷۶۳		
عرش کی بناوٹ	۷۶۳		
فرشتوں کی فضیلت	۷۶۴		
عالمانہ دُعاء	۷۶۴		
امیہ بن ابی الصلت کے اشعار	۷۶۴		
رحمت و بخشش	۷۶۴		
عزیز و اقارب کی وجہ سے نجات	۷۶۵		

عنوان	صفحہ
برائی سے حفاظت	۷۶۵
کفر کی ۱۰	۷۶۵
دو موتیں دو حیاتیں	۷۶۶
اعتراف جرم	۷۶۶
منکرین کا اقرار	۷۶۶
کافروں کی حسرت	۷۶۶
عظمت و وحدانیت کی نشانی	۷۶۷
کافروں کی پرواہ نہ کرو	۷۶۷
ہر ضرورت کا کفیل	۷۶۷
روح سے مراد	۷۶۷
ملاقات کا دن	۷۶۸
منادی کی پکار	۷۶۸
آدھے دن میں سب کا عذاب	۷۶۹
قیامت کی دہشت	۷۶۹
سفارش	۷۶۹
آنکھ کی خیانت	۷۶۹
فیصلہ کا اختیار	۷۷۰
اللہ کا پیغمبر غالب ہوگا	۷۷۰
معجزات موسوی	۷۷۰
فرعون و قارون	۷۷۰
فرعون کی دہشت گردی	۷۷۱
منکرین کے منصوبے	۷۷۱
فرعون کی چالبازی	۷۷۱
خوف اقتدار	۷۷۱
حضرت موسیٰ کا عزم	۷۷۲
فرعون کا نام نہ لینے کی حکمت	۷۷۲
مرد مؤمن	۷۷۲
صدیق اکبرؓ کا جذبہ ایمان	۷۷۲
آنحضرت ﷺ کو سخت ترین ایذاء	۷۷۳
چند صدیقین	۷۷۳
طاقت سے دھوکہ نہ کھاؤ	۷۷۴
فرعون کی رائے	۷۷۴
تکذیب انبیاء کی سزا	۷۷۴
پکار کا دن	۷۷۴
خوف دور کرنے کی دعاء	۷۷۴
موت کے مرجانے کا اعلان	۷۷۴
منتشر ہونے کا دن	۷۷۵
خوش بختی اور بدبختی کا اعلان	۷۷۵
فضول بھاگ دوڑ	۷۷۶
عناد کی سزا	۷۷۶
حضرت یوسفؑ سے استدلال	۷۷۶
سب سے بڑی زیادتی	۷۷۶
غرور کی سزا	۷۷۷
خیانت کرنے والا حکمران	۷۷۷
فرعون کی بے شرمی	۷۷۷
مسلسل برائی کا نتیجہ	۷۷۷
آخرت کو نہ بھولو	۷۷۷
آخرت کی ایک جھلک	۷۷۸
عجیب معاملہ	۷۷۸
قوم کی دعوت	۷۷۸
مرد مؤمن کی دعوت	۷۷۸
قوم کی بے عقلی	۷۷۹
بے وقت پشیمانی	۷۷۹
ادائے فرض کے بعد خدا کے سپرد	۷۷۹
آخری نتیجہ	۷۷۹
آل فرعون	۷۷۲
عذاب قبر	۷۸۰
عالم برزخ پر ایمان	۷۸۰
برزخ و قبر کیا ہے	۷۸۰
قبر کی حیات	۷۸۰
قبر میں مؤمن و کافر کی حالت	۷۸۰
ثواب و عذاب قبر کے دلائل	۷۸۱
[illegible]	۷۸۱
ایک طالب علمانہ اشکال اور اس کا حل	۷۸۱
جھوٹے لیڈروں کا انجام	۷۸۲
داروغوں سے درخواست	۷۸۲
اب وقت نکل چکا ہے	۷۸۲
دنیا میں مدد	۷۸۳
اللہ تعالیٰ کی سنت	۷۸۳
اہل حق کا اعزاز	۷۸۳
سوالدار کی تفسیر	۷۸۴
قابل عبرت	۷۸۴
آپ ﷺ کو ضرور فتح ہوگی	۷۸۴
تکبر	۷۸۴
موت کے بعد زندگی	۷۸۵
مؤمن اور بدکار	۷۸۵
مخصوص تین چیزیں	۷۸۵
اللہ تعالیٰ کی شان	۷۸۵
چار باتیں	۷۸۵
تکبر کرنے والوں کا حشر	۷۸۶
قابل تعجب آدمی	۷۸۶
دعاء کی حقیقت	۷۸۶
فضائل دعاء	۷۸۷
قبولیت دعاء کا وعدہ	۷۸۷
قبولیت دعاء کی شرائط	۷۸۷
رات اور دن کا نظام	۷۸۷
ناشکری	۷۸۸
معبودیت کی دلیل	۷۸۸
بہتر صورت اور بہتر رزق	۷۸۸
حضرات سلف کا عمل	۷۸۹
تیمم کیا ہے	۷۹۰
غلطی کا اعتراف	۷۹۰
وعدۂ الٰہی	۷۹۱
مختار کل اللہ تعالیٰ ہے	۷۹۱
عذاب الٰہی	۷۹۲
پیغمبروں پر استہزاء کا انجام	۷۹۲
اب پچھتائے کیا ہوت	۷۹۳
سورۃ حم	۷۹۳
نعمت کتاب	۷۹۳

قرآن کی زبان	۷۹۳
اکثریت کا اعراض	۷۹۴
قرآن پاک کا معجزہ پر اثر	۷۹۴
اکثریت کا جواب	۷۹۶
حجاب کا معنی	۷۹۵
پیغمبر کا خطاب	۷۹۵
انما انا بشر کا مطلب	۷۹۶
مشرکوں کا انجام	۷۹۶
زکوٰۃ کا مطلب	۷۹۶
زکوٰۃ کو خصوصیت	۷۹۶
زکوٰۃ نہ دینے کا مطلب	۷۹۶
مؤمنین کا اجر	۷۹۶
مقام تعجب	۷۹۷
آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب	۷۹۷
ہر خطۂ زمین کی خصوصیات	۷۹۷
ضروریات انسانی کا کودام	۷۹۸
پیدائش زمین کی مدت	۷۹۸
دخان کیا ہے	۷۹۸
نظام کائنات	۷۹۸
تعیین ایام کی احادیث	۷۹۹
تخلیق زمین و آسمان	۷۹۹
زمین و آسمان کی تخلیق کے دن	۷۹۹
اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کیا حکم دیا	۸۰۰
آسمان کی زینت	۸۰۰
کفار مکہ کو تنبیہ	۸۰۰
جامع المرسل کا مطلب	۸۰۰
عقبہ والے واقعہ کی تفصیل	۸۰۰
قوم عاد	۸۰۲
عذاب	۸۰۲
قوم عاد پر عذاب کس وقت ہوا	۸۰۲
رضا اور ناراضی کی علامت	۸۰۲
کوئی وقت منحوس نہیں ہے	۸۰۳
عذاب آخرت	۸۰۳
قوم ثمود	۸۰۳
اہل ایران	۸۰۳
قیامت میں مجرموں کے گروہ	۸۰۳
اعضاء کی گواہی	۸۰۳
کیا کیا چیزیں گواہی دیں گی	۸۰۴
ان کی گواہی	۸۰۴
اعضاء کو ملامت	۸۰۴
تعجب خیز بات	۸۰۴
تین کم سمجھ آدمی	۸۰۴
ہاوانی	۸۰۵
دل کا چور	۸۰۵
عذاب کسی طرح ٹلے گا	۸۰۵
جیسا کمان ویسا عمل	۸۰۵
اعراض کا نتیجہ	۸۰۶
آواز حق	۸۰۵
کافروں کی پک پک	۸۰۶
تلاوت قرآن کے وقت	۸۰۶
برے کام کی جزاء	۸۰۷
اہل ایمان واستقامت کا انعام	۸۰۷
استقامت کے معنی	۸۰۸
اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضاء	۸۰۸
سب سے آسان آیت	۸۰۹
استقامت کی دعاء	۸۰۹
اسلام کے بعد سب سے اہم بات	۸۰۹
دنیا و آخرت کی رفاقت	۸۰۹
مؤمنوں کیلئے بشارتیں	۸۰۹
دیدار الٰہی	۸۱۰
جنت میں تحاسد نہ ہوگا	۸۱۰
اللہ تعالیٰ کی مہمانی	۸۱۱
اہل استقامت کا اعلیٰ مقام	۸۱۱
داعی کے آداب	۸۱۱
اذان کی فضیلت	۸۱۱
اذاں کا جواب	۸۱۲
اذان واقامت	۸۱۲
داعی کے اخلاق	۸۱۳
برائی کے بدلے اچھائی کرو	۸۱۳
شیطان کا مقابلہ	۸۱۳
شیطان کی کوشش	۸۱۳
عظمت الٰہی سے دلائل	۸۱۴
اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں	۸۱۳
چاند، سورج اور پورا نظام کائنات	۸۱۵
اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے	۸۱۵
سجدہ کس مقام پر ہے	۸۱۵
زمین کی خاصیات	۸۱۵
لحد کا انجام	۸۱۶
الحاد کیا ہے	۸۱۶
کفر و الحاد کی گرم بازاری	۸۱۶
الحاد کی دو قسمیں	۸۱۷
اہل حق کی جماعت موجود رہے گی	۸۱۷
اللہ تعالیٰ کی بخشش و سزا	۸۱۷
قرآن پاک کی تحریف	۸۱۸
آنحضرت ﷺ کو تسلی	۸۱۸
خوئے بدرا بہانہ بسیار	۸۱۸
کتاب عمل	۸۱۹
مسخ شدہ فطرت والے	۸۱۹
عمل کی اہمیت	۸۱۹
ایام قیامت کا علم	۸۱۹
علم الٰہی	۸۲۰
جھوٹے عابد و معبود	۸۲۰
انسانی طبیعت کی نیرنگیاں	۸۲۰
کافر اور مؤمن کی حالت	۸۲۱
انسانی امراض کا علاج	۸۲۱
قدرت کے نمونے	۸۲۲
آیات آفاقی	۸۲۲
فریب نفسی	۸۲۲
سورۃ الشوریٰ	۸۲۳

عنوان	صفحہ
شانِ حکمت	۸۲۴
حم عسق	۸۲۳
پھٹ پڑنے کی وجہ	۸۲۳
فرشتوں کی دعاء	۸۲۳
فرشتوں کی تسبیح وتحمید	۸۲۳
اللہ تعالیٰ کی مہربانی	۸۲۴
اللہ تعالیٰ حفیظ ہیں	۸۲۴
آنحضرت ﷺ کا "مکہ" کو خطاب	۸۲۴
"مکہ" علمائے محققین کی نظر میں	۸۲۴
حضرت ابراہیم کی مکہ میں آمد	۸۲۴
آنحضرت ﷺ کی خصوصیات	۸۲۵
قیامت یقینی ہے	۸۲۵
اثبات تقدیر	۸۲۵
قدرت اور حکمت	۸۲۶
کافروں کا عذاب	۸۲۶
اللہ کو مددگار بناؤ	۸۲۴
حکم صرف اللہ کا ہے	۸۲۷
اس کی مثل کوئی نہیں	۸۲۷
اللہ کا دیکھنا، سننا	۸۲۷
تمام خزانوں کا مالک	۸۲۸
اولوالعزم انبیاء	۸۲۸
آنحضرت ﷺ کی اولیت	۸۲۸
دین اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے	۸۲۸
اقامت دین فرض ہے	۸۲۸
جہالت وبدبختی کی انتہاء	۸۳۰
ہدایت کے دو طریقے	۸۳۰
نفسانیت کے کرشمے	۸۳۰
حضور ﷺ کا فرض	۸۳۱
اہل کتاب کے جھگڑے	۸۳۱
ترازو	۸۳۲
میزان کا معنی	۸۳۲
مومن اور منکر	۸۳۲
خدا اور رسول کی محبت	۸۳۳
اللہ تعالیٰ کی نرمی	۸۳۳
رزق میں دو طرح کی مہربانی	۸۳۳
ثواب میں زیادتی	۸۳۴
اعمال کا مدار نیتوں پر ہے	۸۳۴
اس امت کیلئے خوشخبری	۸۳۴
ہدایت فقط اللہ کی طرف سے ہے	۸۳۴
دو شیزاؤں کی بارش	۸۳۵
دعوت کا عجیب انداز	۸۳۵
مودۃ فی القربیٰ کا معنی	۸۳۵
اہل بیت کی فضیلت	۸۳۵
فرقہ شیعہ کی غلط تفسیر	۸۳۷
ذوی القربیٰ کی محبت	۸۳۷
شیعوں کا غلط استدلال	۸۳۸
حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۸۳۹
ہر تکلیف پر نیکی ملتی ہے	۸۳۹
نیکی کے بڑھنے کی صورت	۸۴۰
تصدیق رسالت	۸۴۰
باطل کو مٹانا اور حق کو ثابت کرنا	۸۴۰
شیطانی خیال کا ازالہ	۸۴۰
اللہ کا معاملہ	۸۴۱
توبہ کی حقیقت	۸۴۱
اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے	۸۴۱
اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں	۸۴۲
ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں	۸۴۲
اعلیٰ ترین دعاء	۸۴۲
دعاء قبول نہ ہونے کی وجہ	۸۴۲
حکمت کا تقاضا	۸۴۷
تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں	۸۴۳
تقسیم رزق میں حکمت الٰہی	۸۴۳
حضرت آدم کی تمنا	۸۴۳
علامہ [illegible] کی رائے	۸۴۳
نعمتوں کی تقسیم میں حکمت قدسی	۸۴۴
بہت بڑھیا آیت	۸۴۵
تکلیف آنے کی حکمت	۸۴۵
ہوا بھی اللہ کے تابع ہے	۸۴۶
دنیا کے سامان سے دھوکہ	۸۴۶
حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ	۸۴۷
مشورہ	۸۴۷
مشورہ کا ادب	۸۴۷
اسلام حقیقی جمہوریت کا پانی ہے	۸۴۸
مومن کی شان	۸۴۸
عفو وانتقام میں معتدل فیصلہ	۸۴۸
بدلہ	۸۴۹
گالی گلوچ	۸۳۵
معاف کرنا	۸۴۹
معاف کرنے کی فضیلت	۸۴۹
فضیل بن عیاض کی اپنے خادم کو نصیحت	۸۵۰
توفیق اللہ کی طرف سے ہے	۸۵۱
کافروں کی حسرت	۸۵۱
گنہگاروں کی حالت	۸۵۱
ایمان نہ لاکر اپنی حوریں کھودیں	۸۵۱
انسانی طبیعت	۸۵۲
مصیبت، رحمت کا تقاضا نہیں ہے	۸۵۲
اللہ ہی مالک ومختار ہے	۸۵۳
اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی	۸۵۳
وحی کا مفہوم	۸۵۴
نزول وحی کی کیفیت	۸۵۴
وحی کی حقیقت	۸۵۴
الہام اور اس کی صورتیں	۸۵۵
الہام انبیاء اور الہام اولیاء	۸۵۶
روح سے مراد	۸۵۷
روح القدس کی بات	۸۵۷
تفاصیل وحی کے ذریعہ	۸۵۷
ایمان سے کیا مراد ہے	۸۵۷
نور ہدایت	۸۵۷
انجام کو سوچو	۸۵۸

سورۃ الزخرف	۸۵۸
قسم کھانے کا مطلب	۸۵۸
قرآن کو واضح کہنے کا مطلب	۸۵۸
برتر و محکم کتاب	۸۵۹
اُمّ الکتاب ہونے کا تقاضا	۸۵۹
نزولِ ہدایت بند نہیں ہو سکتی	۸۵۹
آنحضرت ﷺ کیلئے پیغام تسکین	۸۶۲
سامانِ عبرت	۸۶۰
زمین کی نافرمانیت	۸۶۰
بعثت بعد الموت	۸۶۰
دو قحطوں کے درمیان مدت	۸۶۱
آبِ حیات کی بارش	۸۶۱
سب کا خالق	۸۶۱
جانوروں اور سواریوں کی نعمت	۸۶۱
انسانی صلاحیت کی نعمت	۸۶۱
سوار ہونے کا وقار	۸۶۱
سواری کے وقت دعاء	۸۶۲
اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فعل	۸۸۲
صاحبِ عقل کا کام	۸۸۲
کافر و مؤمن کا فرق	۸۶۲
سفرِ آخرت کی یاد	۸۶۲
مشرکین کے دعویٰ کی عقلی تردید	۸۶۳
مشرکین کی بے عقلی	۸۶۳
ضعیف الرائے	۸۶۳
عورتوں کیلئے زیور کی اجازت	۸۶۳
فرشتوں کی توہین	۸۶۴
مشرکین کے دعوے	۸۶۸
بے وقوفانہ دلیل	۸۶۳
پیغمبر کی دعوت	۸۶۵
کافروں کی ہٹ دھرمی	۸۶۵
حضرت ابراہیمؑ کی عزیمت	۸۶۵
تقلید کرنی ہے	۸۶۶
بدعقیدہ لوگوں سے براءت	۸۶۶
اولاد کی اصلاح کی فکر ضروری ہے	۸۶۶
اولاد کی اصلاح کا کارگر عمل	۸۶۶
مشرکین پر افسوس	۸۶۲
نبوت روحانی مرتبہ ہے	۸۶۷
کافروں کے نامزد عظیم آدمی	۸۶۷
کافروں کا اعتراض	۸۶۷
مال و دولت کی زیادتی	۸۶۷
مالک اللہ ہے تم نہیں	۸۶۸
معاشی مساوات کی حقیقت	۸۶۸
فرائض و حقوق کا تعین	۸۶۸
تقسیم معیشت کا قدرتی نظام	۸۶۸
تقسیم معیشت کا کام	۸۶۸
تقسیم حقوق و فرائض	۸۶۹
اسلامی مساوات کا مطلب	۸۶۹
اسلام کے معاشی نظام میں مساوات	۸۶۰
نبوت میں مرضی کو دخل نہیں	۸۶۹
اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی	۸۷۰
مؤمنین کیلئے آخرت ہے	۸۷۰
دنیا کی قیمت	۸۷۸
دنیا کو بے عقل جمع کرتا ہے	۸۷۱
اہل اللہ کا بلند مقام	۸۷۱
حضرت عمر رضی اللہ عنہ ثانیؓ	۸۷۱
طلبِ معیشت	۸۷۱
دنیا کی محبت کا مطلب	۸۷۲
حق سے منہ موڑنے کا عذاب	۸۷۲
عقل کے دشمن	۸۷۲
بے وقت حسرت	۸۷۳
عذاب میں تخفیف نہ ہوگی	۸۷۳
آنحضرت ﷺ کو تسلی	۸۷۳
اعزاز و ترقی کا سامان	۸۷۳
مستقبل پہ بشارت	۸۷۴
آنحضرت ﷺ کی قوم کا شرف	۸۷۴
قریش اور عرب کی فضیلت	۸۷۴
قرآن کے بارے میں پوچھ ہوگی	۸۷۵
آنحضرت ﷺ کی دعوت کوئی انوکھی نہیں	۸۷۵
تمام انبیاء کا اجتماع	۸۷۵
انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم	۸۷۸
قوم کی فرمائش	۸۷۶
فرعونیوں کی دھوکہ بازی	۸۷۶
بنی اسرائیل کی بدعہدی	۸۷۶
حاکم مصر	۸۷۷
نیل کی نہریں	۸۷۷
فرعون کا تجزیہ	۸۷۷
اہل مصر کا دستور	۸۷۷
فرعون کی عیاری	۸۷۷
انتقام کی صورتیں	۸۷۸
مشرکین کا واویلا	۸۷۸
مشرکین کی عادت بد	۸۷۸
جھگڑے کی نحوست	۸۷۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۸۷۹
کوئی معبود نہیں بن جاتا	۸۷۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشان ہدایت	۸۷۹
مسئلہ نزول عیسیٰ	۸۷۶
قیامت کی دس نشانیاں	۸۸۰
نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث	۸۸۰
امتوں کے فرقے	۸۸۱
عیسیٰ کی تعلیم	۸۸۱
فرقہ بندی	۸۸۱
منکرین کی ہلاکت کا اعلان	۸۸۲
ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے	۸۸۲
قیامت کی ہیبت	۸۸۲
اچھے اور برے دوست	۸۶۲
دوستی درحقیقت وہی ہے	۸۸۳
مؤمنوں کیلئے اعلان	۸۸۳
ایمان و اسلام	۸۸۳
دیدارِ الٰہی	۸۸۴

جنت میں گھوڑے اور اونٹ	۸۸۴
جنت کے پھل	۸۸۴
دوزخیوں کی ناامیدی	۸۸۵
دروغ جہنم	۸۸۵
دوزخیوں کی پانچ دعائیں	۸۸۵
کفار کی تدبیریں	۸۸۶
ہم سب جانتے ہیں	۸۸۶
عقیدہ اولاد کی تردید	۸۸۶
پاک ذات	۸۸۷
عنقریب گرفت ہوگی	۸۸۷
مضبوط رسی اللہ ہے	۸۸۷
سفارش	۸۸۷
نبی کی مخلصانہ التجاء	۸۸۷
کافروں پر غضب	۸۸۸
داعی حق کا وطیرہ	۸۸۸
سلام کہنے کا مطلب	۸۸۸
سورۃ الدخان	۸۸۸
فضیلت سورت	۸۸۸
شب برات	۸۸۸
ابن صیاد کا سن	۸۸۹
دخان علامت قیامت ہے	۸۸۹
رات میں برکت کی وجہ	۸۸۹
مبارک رات کونسی ہے	۸۸۹
دستور الٰہی	۸۹۰
شب قدر اور شب برات	۸۹۰
فرشتوں کے کام	۸۹۱
رحمت وحکمت الٰہی	۸۹۱
ربوبیت الٰہی	۸۹۱
مشرکین کی بے توجہی	۸۹۱
واضح دعوی	۸۹۱
قیامت کی علامات	۸۹۲
بے موقع پچھتاوا	۸۹۲
اب پچھتائے کیا ہوت	۸۹۲
مشرکین کی مدگرداری	۸۹۲
بڑی پکڑ	۸۹۳
قوم فرعون کی آزمائش	۸۹۳
دعوت موسوی	۸۹۳
فرعونی دھمکیوں کا جواب	۸۹۴
حضرت موسیٰ کی دعا اور حکم الٰہی	۸۹۳
فرعون کی ہلاکت کا سامان	۸۹۴
تمام دریاؤں کا سردار	۸۹۴
بنی اسرائیل کیلئے غنیمت	۸۹۴
فرعونیوں کے باغات	۸۹۴
مؤمن اور کافر کی موت	۸۹۴
کافر پر آسمان زمین نہیں روتے	۸۹۴
آسمان میں ہر بندہ کیلئے	۸۹۴
آسمان کے رونے یا نہ رونے کی وجہ	۸۹۹
بنی اسرائیل کی فضیلت	۸۹۵
اکابر بعثت	۸۹۵
بادشاہوں کے القاب	۸۹۵
تبع کا ایمان لانا	۸۹۶
کعبۃ اللہ پر غلاف کی ابتداء	۸۹۶
تبع کی دو بہنیں	۸۹۶
تبع کو برا بھلا مت کہو	۸۹۶
عاد وثمود کا حشر	۸۹۷
کارخانہ کائنات	۸۹۷
آسمان وزمین میں غور	۸۹۷
رحمت الٰہی	۸۹۷
زقوم	۸۹۷
آگ میں درخت اگنا ممکن ہے	۸۹۷
رقوم کی تحقیق	۸۹۸
کافروں کی ذلت	۸۹۸
ابوجہل کا دعوی	۸۹۸
کافروں کی ذلت	۸۹۸
جنت میں ابدی نعمتوں کا اعلان	۸۹۸
جنت کا لباس	۸۹۹
حور کی بناوٹ اور حسن	۸۹۹
دنیائی عورتوں کا حسن	۸۹۹
جنت میں ہر قسم کا پھل ہوگا	۸۹۹
دائمی زندگی	۸۹۹
بڑی کامیابی	۹۰۱
جنت کا ملنا اللہ کی رحمت ہے	۹۰۰
وقت بتادے گا	۹۰۱
سورۃ الجاثیہ	۹۰۱
ایمان کی دلیل	۹۰۱
انسان کی تدریجی بناوٹ	۹۰۱
غور کی ضرورت	۹۰۱
اللہ کی بات سے بڑھ کر کوئی نہیں	۹۰۱
غرور اور غرور	۹۰۱
تسخیر کائنات	۹۰۰
غور کرو	۹۰۳
ایام اللہ	۹۰۳
درگذر کا یہ حکم	۹۰۳
بنی اسرائیل پر انعامات	۹۰۴
امتوں میں فرقہ بندی کی علت	۹۰۴
صراط مستقیم	۹۰۵
قانون شریعت کے اجزاء	۹۰۵
سچے مسلمان	۹۰۵
بصیرت افروز حقائق	۹۰۵
مؤمن وکافر	۹۰۶
حضرت تمیم داریؓ کا قیام اللیل	۹۰۶
نیک لوگ بروں کے برابر	۹۰۶
زمین وآسمان کا پیغام	۹۰۶
چار چیزیں دین کی اصل ہیں	۹۰۷
بدبخت	۹۰۷
سب سے بڑا نسب	۹۰۷
ایک بیماری جو خود اپنی واہمی ہے	۹۰۷
علم کی وجہ سے خوف	۹۰۷
بے وقوفانہ استدلال	۹۰۸

مشرکین اور فلاسفہ کی نادانی	۹۰۸	رسول اللہ ﷺ کے علم غیب	۹۱۷
دہر کا معنی	۹۰۸	علمائے یہود کی گمراہی	۹۱۷
زمانہ کو برا کہنے کا نتیجہ	۹۰۹	حضرت عبداللہ بن سلام	۹۱۸
علم کے حصول کے دو طریقے	۹۰۹	سب سے پہلی بات	۹۱۸
مشرکین کا مطالبہ	۹۰۹	تین باتیں جن کا علم نبی کے علاوہ	۹۱۹
قیامت میں حقیقت کھلے گی	۹۰۹	کسی کو نہیں ہو سکتا	۹۱۹
سب کو اعمال نامے دیئے جائیں گے	۹۱۰	حضرت عبداللہ بن سلام کی فضیلت	۹۱۹
حضرت سفیان ثوریؒ کی معافری کو نصیحت	۹۱۰	کافروں کی خود رائی	۹۱۹
نامۂ اعمال اور لوح محفوظ	۹۱۰	قدیم سچائی	۹۲۰
اعمال کی رپورٹ	۹۱۱	ایمان واستقامت پر بشارت	۹۲۱
مؤمنین کا انعام	۹۱۱	والدین کے حقوق	۹۲۱
کافروں کا حال	۹۱۱	ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے	۹۲۱
مشرکین پر اتمام حجت	۹۱۱	ماں کی مشقت	۹۲۱
بھولنے کی سزا	۹۱۱	ماں سے حسن سلوک کی وجہ	۹۲۱
غلط خیال	۹۱۲	دودھ پلانے کی مدت	۹۲۲
کافروں کیلئے تمام مواقع ختم	۹۱۲	چالیس سال کی زندگی	۹۲۲
اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو	۹۱۲	حضرت ابوبکرؓ کی رندگی	۹۲۲
سورۃ الاحقاف	۹۱۳	سعادت مندی	۹۲۳
کائنات کا پیغام حال	۹۱۳	حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت	۹۲۳
کافروں کی بے فکری	۹۱۳	حضرت عثمانؓ کی فضیلت	۹۲۳
زمین وآسمان کس نے بنائے	۹۱۳	نافرمان اولاد	۹۲۴
مشرکین کے سب دلائل	۹۱۳	نافرمان کی گستاخ کلامی	۹۲۴
ایک باطل گمان کی تردید	۹۱۳	والدین کی کاوش	۹۲۴
اپنے دعوی کی دلیل لاؤ	۹۱۴	بدبختوں کا انجام	۹۲۵
سب سے بڑی گمراہی	۹۱۴	بدبختوں کا نقصان	۹۲۵
کافروں کے معبود	۹۱۴	اہل جنت واہل دوزخ	۹۲۵
کافروں کی بے پرواہی	۹۱۵	کافر کی نیکیوں کا اجر	۹۲۵
بہتان طرازی	۹۱۵	آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا حال	۹۲۶
اللہ سب کو جانتا ہے	۹۱۵	حضرت معاذ کو نصیحت	۹۲۷
تباہی سے بچنے کا موقع	۹۱۶	حضرت عمرؓ کی حالت	۹۲۷
میں کوئی انوکھی چیز نہیں لایا	۹۱۶	سابقہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق	۹۲۸
آنحضرت کی نبوت کے بے شمار دلائل	۹۱۶	ہوا کے رخ کی دعاء	۹۲۸
پیغمبر کا کام	۹۱۶	یہود کی دعوت	۹۲۹
کافروں کا مطالبہ	۹۲۹		
قوم عاد پر عذاب کے آنے کی کیفیت	۹۲۹		
عذاب	۹۳۰		
کفار مکہ کو نصیحت	۹۳۱		
بدنصیبی	۹۳۱		
استہزاء کا نتیجہ	۹۳۱		
قوم ثمود اور قوم لوط	۹۳۱		
مشرکین کو عبرت کی دعوت	۹۳۱		
اے بتوں کو بلاؤ	۹۳۱		
اب بت کہاں گئے	۹۳۲		
جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے	۹۳۲		
جنات کا مسلمان ہونا	۹۳۲		
جنوں سے بھی بڑھ کر سرکش ہیں	۹۳۲		
جنات کے قرآن سننے کا واقعہ	۹۳۳		
آنحضرت ﷺ کی دُعاء	۹۳۳		
جنوں کے پاس تشریف لے جانا	۹۳۳		
نصیبین کے جن	۹۳۳		
ایک کاہن کی گواہی	۹۳۴		
حضرت عمرؓ کی گواہی	۹۳۴		
سواد بن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ	۹۳۴		
لیلۃ الجن کا قصہ	۹۳۵		
ایک شہید جن صحابی	۹۳۵		
مؤمن جنوں کے جنت میں جانے کا مسئلہ	۹۳۶		
چھ مرتبہ جنات حاضر ہوئے	۹۳۶		
توراۃ کی گواہی	۹۳۶		
قرآن کی راہنمائی	۹۳۶		
جنوں کی اپنی قوم کو دعوت	۹۳۶		
اسلام کا سے گناہ معاف ہو جاتے	۹۳۷		
خدا کے باغی کا کہیں ٹھکانہ نہیں	۹۳۷		
یہود کے عقیدہ کی تردید	۹۳۷		
موت کے بعد زندگی	۹۳۷		
کافروں کا اقرار	۹۳۸		
حضور ﷺ کو تسلی	۹۳۸		

عنوان	صفحہ
محمد الف ثانی کا ارشاد	۹۳۸
اہل عزم کا مقام	۹۳۸
ایک نبی کا صبر	۹۳۸
عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا	۹۳۹
حجت پوری ہو چکی	۹۳۹
سورۂ محمد	۹۳۹
راہ حق سے روکنا	۹۳۹
خود فریبی	۹۳۹
اعمال بغیر ایمان کے مقبول نہیں	۹۴۰
سچا دین	۹۴۰
ایک لطیف مفہوم	۹۴۰
واضح بیان	۹۴۰
باطل سے مقابلہ	۹۴۱
جنگی قیدیوں کا مسئلہ	۹۴۱
امام المسلمین کو چار اختیار	۹۴۱
اسلام پر اعتراض اور اس کا جواب	۹۴۲
اسلام کا نقطہ نظر	۹۴۲
اسلام نے غلاموں کو تمام معاشرتی حقوق دیئے	۹۴۲
غلاموں کی آزادی	۹۴۲
جنگی قیدیوں کو غلام بنانا	۹۴۳
حرب اور آزار کا مطلب	۹۴۳
احکام اسلام کا مقصد	۹۴۳
ظلم کے خلاف جہاد	۹۴۳
قتل و جہاد کی حکمت	۹۴۳
جہاد کی ایک حکمت	۹۴۳
مشروعیت جہاد	۹۴۴
شہید کامیاب ہیں	۹۴۴
تین شہید	۹۶۲
اُحد کے دن کی صورتحال	۹۶۴
شہید کیلئے دو نعمتیں	۹۴۵
جن کا قرض اللہ تعالیٰ ادا کریں گے	۹۴۵
خوشبو سے مہکائے ہوئے	۹۴۵
مؤمنوں کی ہمت افزائی	۹۴۵
کافروں کی بربادی	۹۴۵
ہلاکت کا سبب	۹۴۶
اہل مکہ کیلئے عبرت	۹۴۶
اللہ مؤمنین کا مددگار ہے	۹۴۶
رجزیہ نعروں کا تبادلہ	۹۴۷
حیوانوں جیسی زندگی	۹۴۷
یہ کافر کس پر اتراتے ہیں	۹۴۷
مؤمن و کافر برابر نہیں	۹۴۸
اعلیٰ ترین جنت کی دعاء	۹۴۸
جنت کا پانی، دودھ اور شراب	۹۴۸
جنت میں دریا	۹۴۸
جنت کی نہریں	۹۴۸
جنت کا دودھ شراب، شہد	۹۴۹
جنت کا سہری نظام	۹۴۹
جوہر حیات، غذائے لطیف	۹۴۹
مؤمن اور منافق کا سننا	۹۵۰
منافقت کی سزا	۹۵۰
سچائی کی برکت	۹۵۰
قیامت آنے کو ہے	۹۵۰
توبہ میں تاخیر نہ کرو	۹۵۱
قیامت قریب ہے	۹۵۱
قیامت کی نشانیاں	۹۵۱
وہ کام جن کی وجہ سے مصیبت آئیگی	۹۵۱
ہر ایک کا گناہ	۹۵۱
استغفار کا حکم دینے کا مطلب	۹۵۲
کلمہ لا الہ الا اللہ پر مرنے والا	۹۵۲
ایک حدیث کی صوفیانہ تشریح	۹۵۲
دل پر رکاوٹ	۹۶۳
سورۂ محکمہ	۹۵۳
منافقوں پر حکم جہاد کا اثر	۹۵۴
جہاد کا حکم	۹۶۳
مخلص ہونے کا تقاضا	۹۵۴
فساد نہ پھیلاؤ	۹۵۴
حضرت عمرؓ کا واقعہ	۹۵۵
کفر فساد عالم کا ذریعہ	۹۵۵
صلہ رحمی کی فضیلت	۹۵۵
آیت کی وضاحت	۹۵۶
ایک نوجوان کا واقعہ	۹۵۶
شیطان کے چکر میں ہیں	۹۵۷
شیطان کے دو کام	۹۵۷
منافقوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ	۹۵۷
نفاق کا مرہ	۹۵۸
اعمال غارت کرنے والا راستہ	۹۵۸
منافقوں کا خبث باطن	۹۵۸
ظالموں پر لعنت	۹۵۸
حضرت عمر فاروق کا استنباط	۹۵۸
لعن یزید کی بحث	۹۵۸
نور فراست	۹۵۸
مختلف روایتوں میں تطبیق	۹۵۹
چھتیس منافقوں کے نام	۹۵۹
امتحان	۹۵۹
کافر و منافق اپنا ہی نقصان کرتے ہیں	۹۶۰
کفار قریش کی مدد کرنے والے	۹۶۰
کام ضائع نہ کرو کا مطلب	۹۶۱
نفلی روزہ توڑنا	۹۶۱
احناف کے دلائل	۹۶۱
محارب کافر	۹۶۲
مسلمانو! کم ہمت نہ ہو	۹۶۲
صلح اور اس کی شرط	۹۶۲
گھبراؤ نہیں	۹۶۳
دنیا پرست نہ ہو تقویٰ اختیار کرو	۹۶۳
اللہ تم سے مال طلب نہیں کرتا	۹۶۳
اللہ کے دینے میں مخصوص حصہ	۹۶۳
دینے کا نفع تمہیں ہے	۹۶۳
اپنا مال اور وارثوں کا مال	۹۶۳
دو فرشتوں کی دعاء	۹۶۴

اللہ محتاج نہیں تم سب	۹۶۴
اللہ تمہارا محتاج نہیں	۹۶۴
امام عظم کی فضیلت	۹۶۵
دین کا قیام	۹۶۵
اللہ تعالیٰ کی الاعلیٰ ہے	۹۶۵
سورۃ الفتح	۹۶۹
صلح حدیبیہ	۹۶۷
اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب	۹۶۷
راہ ہدایت میں ترقی	۹۶۵
صحابہ کیلئے انعام	۹۶۹
مقال سولیوں کی تردید	۹۸۰
منافقوں اور مشرکوں کیلئے سزا	۹۸۰
نزول اطمینان	۹۶۹
ایمان بڑھنے کا مطلب	۹۶۹
تمام امت کے تمام اعمال پر حضور ﷺ	۹۷۰
گواہی دین کے	۹۷۰
تیاری اور روانگی	۹۷۰
حضور ﷺ کے ہاتھ میں بیعت	۹۷۰
مشائخ طریقت کی بیعت	۹۷۱
واقعہ حدیبیہ	۹۷۱
عمرہ کا احرام باندھنا	۹۷۲
آنحضرت کا خطاب	۹۷۲
مسلمانوں کا باہم مشورہ	۹۷۳
نماز خوف کا حکم	۹۷۳
ایک بدقسمت شخص	۹۷۳
صحابہ کی جاں نثاری کے مظاہرے	۹۷۳
حدیبیہ میں قیام	۹۷۳
آنحضرت کا معجزہ	۹۷۳
بدیل بن ورقاء کی آمد	۹۷۴
عروہ کی اپنے رفقاء کی طرف واپسی اور تاثرات	۹۷۵
عروہ کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آجانا	۹۷۵
آنحضرت ﷺ کا قریشیوں کے	۹۷۵
پاس اپنا قاصد بھیجا	۹۷۵
حضرت عثمان کی سرداران قریش سے ملاقات	۹۷۶
حضرت عثمان کی وفا شعاری	۹۷۶
قریش کے سردار کی گرفتاری	۹۷۶
قریش کی معذرت	۹۷۷
صلح کی شرائط اور صلح نامہ	۹۷۸
تیائل کی حمایت	۹۷۸
حضرت عمرؓ کی گفتگو	۹۷۶
معجزہ	۹۷۰
حضرت ابوجندلؓ کا واقعہ	۹۷۶
صحابہؓ کی اوامی	۹۸۰
حضرت ام سلمہؓ کی دانائی	۹۸۰
حضرت کعب بن عجرہ کا احرام	۹۸۰
ابوبصیر کا واقعہ	۹۸۱
آنحضرت ﷺ کی دعاء کا اثر	۹۸۱
آنحضرت ﷺ کا خط	۹۸۲
حضور ﷺ کے وعدہ کا پورا ہونا	۹۸۲
صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں	۹۸۲
منافقوں کے اندیشے اور بہانے	۹۸۳
ہمہوئی ظاہرداری	۹۸۳
منافقوں کے دل کا چور	۹۸۴
غزوۂ خیبر	۹۸۴
منافقوں کی چرب زبانی	۹۸۵
اسلام کی تین شرطیں	۹۸۵
حضرت علیؓ کا دور خلافت	۹۸۶
حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط	۹۸۶
جنگجو قوم سے مراد	۹۸۷
بیعت رضوان	۹۸۷
حضرت عثمانؓ کی فضیلت	۹۸۸
صحابہ کرام پر طعن و تشنیع	۹۸۸
تجرد رضوان	۹۸۸
خیبر کی بستیاں	۹۸۹
غنیمت مال	۹۸۹
غزوۂ خیبر	۹۹۰
مقام اصطباء میں قیام	۹۹۰
خام خیالی	۹۹۰
نافرمان کیلئے جنت نہیں ہے	۹۹۱
عافیت کی دعاء مانگو	۹۹۱
بخار اور اس کا علاج	۹۹۱
غذائی سامان کی قلت	۹۹۱
دو بدو مقابلہ	۹۹۱
فتح کیلئے راستہ بنانا	۹۹۱
یہودان چھاؤنی پر حملہ	۹۹۲
آنحضرت ﷺ کی تکلیف	۹۹۲
فاتح کے ہاتھ میں جھنڈا	۹۹۲
حضرت علیؓ کی فضیلتیں	۹۹۳
دو بدو مقابلہ، حضرت علیؓ کی شجاعت	۹۹۳
قیدی عورتیں اور حضرت صفیہؓ	۹۹۳
حضرت صفیہؓ کا خواب	۹۹۴
دعوت ولیمہ	۹۹۴
آخری دو قلعے صلح غنیمت	۹۹۴
کنانہ اور ربیع کا معاملہ	۹۹۴
خیبر کی زمینیں	۹۹۵
پیداوار کی منصفانہ تقسیم	۹۹۵
یہودیوں کی غداری اور خیبر	۹۹۵
یہودیہ عورت کی چالبازی	۹۹۵
رسول اللہ ﷺ کی شہادت	۹۹۶
حضور ﷺ کا درگذر	۹۹۶
مختلف روایات میں تطبیق	۹۹۶
حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی	۹۹۶
فدک کا قصہ	۹۹۷
فتح مکہ کی اشاعت	۹۹۷
مشرکین کی زیادتیاں	۹۹۸
مکہ میں موجود مسلمین	۹۹۸
جاہلیت کا تعصب	۹۹۹
صحابہ کرام کی عظمت	۹۹۹
روافض کی تردید	۱۰۰۰

حضور ﷺ کا خواب	۱۰۰۰
تعبیر خواب میں تاخیر کی مصالح	۱۰۰۰
غلبہ کامیابی اسلام ہی کا مقدر ہے	۱۰۱۶
مخالفین اسلام کیلئے صحابہ کی سختی	۱۰۰۲
شیعوں کی تردید	۱۰۰۲
کافروں پر سخت ہونے کا مطلب	۱۰۰۰
آپس میں محبت کی وجہ	۱۰۰۲
خدا پرستی	۱۰۰۲
سجدوں کی نشانی	۱۰۰۲
تورات وانجیل میں صحابہؓ کی مثال	۱۰۰۳
چند افراد سے لاکھوں تک	۱۰۰۲
مرحلہ بہ مرحلہ ترقی	۱۰۰۵
صحابہ کرامؓ کی فضیلت	۱۰۰۵
انجیل میں صحابہ کی مثال	۱۰۰۵
صحابہ کرام سے بخشش	۱۰۰۲
صحابہ کرام کیلئے وعدہ	۱۰۰۶
تمام صحابہ عدول ہیں	۱۰۰۶
صحابہ کرام کی تنقیص گناہ عظیم ہے	۱۰۰۷
سورۃ الحجرات	۱۰۰۷
حضور ﷺ کے آداب وحقوق	۱۰۰۷
ادب ملحوظ رکھنا چاہئے	۱۰۰۸
آنحضرت کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے	۱۰۰۸
عید قمار سے پہلے قربانی نہ دو	۱۰۰۸
رمضان سے پہلے روزے رکھنا	۱۰۰۸
مجلس نبوی کے آداب	۱۰۰۹
احادیث کی مجلس	۱۰۰۹
روضۂ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند	۱۰۰۹
آواز سے سلام وکلام کرنا ممنوع ہے	۱۰۰۹
پیغمبر کی گستاخی کفر ہے	۱۰۱۰
ادب کی بنیاد	۱۰۱۰
حضرت ثابت بن قیس کا حال	۱۰۱۰
واقعہ سوئیم	۱۰۱۱
حضرت ثابتؓ کی شہادت	۱۰۱۱
ہجرات امہات المومنین	۱۰۰۰
خطیب اور شاعر آمنے سامنے	۱۰۰۰
عقلمندی کا تقاضا	۱۰۰۲
تراعات کا اسداد	۱۰۱۳
احکام ومسائل	۱۰۰۲
صحابہؓ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ	۱۰۰۰
حضرت ولید بن عقبہؓ کا معاملہ	۱۰۱۵
حق کو اپنی رائے کے تابع نہ بناؤ	۱۰۱۶
ایمان کی محبت	۱۰۱۶
کفر، فسوق اور عصیاں کا معنی	۱۰۱۶
باہمی اختلاف ختم کرنے کا لائحہ عمل	۱۰۱۷
اصلاح کی پوری کوشش کرو	۱۰۱۶
باغی گروہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا	۱۰۱۹
باغی گروہ کے قلع قمع کے مسائل	۱۰۱۹
آداب معاشرت	۱۰۰۰
مسلمان کی پردہ داری کا ثواب	۱۰۲۲
پوشیدگیاں نہ ٹٹولو	۱۰۲۲
تحسس، تجسس اور تدابر	۱۰۲۲
کتے کے ساتھ بھی استہزاء نہ کرو	۱۰۲۳
ظاہر پر حکم نہ لگاؤ	۱۰۲۳
برے لقب سے پکارنا	۱۰۲۳
بعض القاب کا استثناء	۱۰۲۳
کسی کو برا سمجھنا گناہ ہے	۱۰۲۴
پہلے اپنا عیب دور کرلو	۱۰۲۴
تہمت لگانے کی سزا	۱۰۲۵
بدگمانی اور اس کے نتائج	۱۰۲۵
ظن ممنوع اور ظن مشروع	۱۰۲۵
ایک مشہور مقولہ کا مطلب	۱۰۲۶
غیبت کیا ہے؟	۱۰۲۶
غیبت کی گندگی	۱۰۲۶
غیبت کی سزا	۱۰۲۷
غیبت کی تلافی	۱۰۲۷
تقویٰ فرمانبرداری کی بنیاد ہے	۱۰۲۷
بہتری اور برتری کا معیار	۱۰۲۸
آنحضرت ﷺ کا خطاب	۱۰۲۸
نسب پر اترانے والوں کا انجام	۱۰۲۸
ایمان کی کمزوری کی علامت	۱۰۰۲
مؤمن کی تین قسمیں	۱۰۳۰
اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا	۱۰۳۰
اسلام اور ایمان	۱۰۳۰
خدا کے سامنے باتیں نہ بناؤ	۱۰۳۱
سورۃ ق	۱۰۳۲
سورۃ "ق" کی خصوصیات	۱۰۳۲
قرآن کی عظمت واعجاز	۱۰۳۳
اللہ کا قدیم علم	۱۰۳۳
سچ کی تکذیب	۱۰۳۳
آسمان کی سلامتی	۱۰۳۴
دانائی کا سامان	۱۰۳۴
عبرتی نصیحت	۱۰۳۴
یزہ کی طرح آسمانی جسم آئے گا	۱۰۳۵
اسرافیل کی ندا	۱۰۳۵
ایک آدمی کا واقعہ	۱۰۳۵
اصحاب الرس کون لوگ ہیں	۱۰۳۶
قوم ثمود	۱۰۳۶
قوم عاد	۱۰۳۶
تبعون اور اس کی قوم	۱۰۳۶
اخوان لوط	۱۰۳۷
تکذیب انبیاء کا انجام	۱۰۳۸
ان آدمی کی نالائقی	۱۰۳۸
وسوسہ کا معنی ومراد	۱۰۳۹
عام وخاص قرب	۱۰۳۹
قرب سے کیا مراد ہے	۱۰۳۹
اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے	۱۰۴۰
دونوں فرشتے ایک دوسرے کے نگران ہیں	۱۰۴۱
اسرار ورموز	۱۰۴۱
رسول اللہ ﷺ کی کیفیت	۱۰۴۲

عنوان	صفحہ
موت ہر انسان کی قیامت ہے	۱۰۴۲
موت سے بھاگنے والے کی مثال	۱۰۴۲
فرشتہ تیار کھڑا ہے	۱۰۴۲
جب صور پھونکا جائے گا	۱۰۴۲
محشر کی پیشی	۱۰۴۳
محشر کی ڈانٹ	۱۰۴۳
جہنم میں ڈالنے کا حکم	۱۰۴۳
سخت ترین عذاب کے مستحق	۱۰۴۴
اعمال لکھنے والے فرشتے اور شیطان	۱۰۴۴
گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی سزا ملے گی	۱۰۴۴
اللہ کے ہاں ظلم نہیں ہے	۱۰۴۵
جہنم کی طلب	۱۰۴۵
جنت کا نظارہ	۱۰۴۵
جنت کے مستحقین	۱۰۴۵
خلود کا اعلان	۱۰۴۶
"مزید" کا مطلب	۱۰۴۶
کفار اقوام کی بربادی	۱۰۴۷
نصیحت پانے والے	۱۰۴۸
یہاں کون سا دل مراد ہے	۱۰۴۸
قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد	۱۰۴۸
آپ صبر کرتے رہیں	۱۰۴۹
نماز فجر اور عصر کی تاکید	۱۰۴۹
نماز تہجد	۱۰۴۹
فرض نماز کے بعد تسبیحات کی فضیلت	۱۰۴۹
عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے	۱۰۵۰
موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے	۱۰۵۰
یوم محشر	۱۰۵۰
حضرت قتادہؓ کی دعاء	۱۰۵۱
سورۃ ذاریات	۱۰۵۱
قیام قیامت کی شہادتیں	۱۰۵۱
انجام کائنات	۱۰۵۲
آسمان کا نظم ونسق	۱۰۵۲
قیامت میں جھگڑنا حماقت ہے	۱۰۵۲
متقیوں کو خوشخبری	۱۰۵۳
پوری رات عبادت کرنے والے	۱۰۵۳
اللہ تعالیٰ کی عنایتیں	۱۰۵۳
حضور ﷺ کی نماز تہجد	۱۰۵۴
قبولیت دعاء کا عمل	۱۰۵۴
آنحضرت ﷺ کی دعاء شبانہ	۱۰۵۴
جنت میں داخل ہونے کا عمل	۱۰۵۵
جنت کے محلات کس کیلئے ہیں	۱۰۵۵
غور وفکر	۱۰۵۵
آیات آفاقی	۱۰۵۵
رزق اور جنت آسمان میں	۱۰۵۶
قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کا ارشاد	۱۰۵۶
دیہاتی کا قصہ	۱۰۵۷
حضرت ابراہیمؑ کے مہمان	۱۰۵۷
مہمان کا اکرام	۱۰۵۸
آداب مہمانی	۱۰۵۹
حضرت ابراہیمؑ کا اندیشہ	۱۰۵۹
حضرت سارہ کا تعجب	۱۰۵۹
فرشتوں کا جواب	۱۰۵۹
فرشتوں کا مقصد	۱۰۵۹
قوم لوط	۱۰۵۹
نجات والا گھرانا	۱۰۶۰
فرعون کا پاگل پن	۱۰۶۰
عذاب کی آندھی	۱۰۶۱
حضرت صالحؑ کی تنبیہ	۱۰۶۱
قوم ثمود کی تباہی	۱۰۶۱
دلیل قدرت	۱۰۶۱
خدا کا محرم	۱۰۶۲
ہر چیز کے جوڑے	۱۰۶۲
اللہ کی طرف دوڑنے کا مطلب	۱۰۶۲
ایک تاریخی حقیقت	۱۰۶۳
حضرت علیؓ کا قول	۱۰۶۳
تخلیق جن وانس کا مقصد	۱۰۶۳
اللہ روزی رساں ہے	۱۰۶۴
عبادت میں سستی نہ کرو	۱۰۶۴
رزق کیلئے کوشش	۱۰۶۴
سورۃ الطور	۱۰۶۵
سورۂ طور کی فضیلت	۱۰۶۵
بیت معمور	۱۰۶۶
ابلتے ہوئے دریاء	۱۰۶۶
حضرت عمرؓ پر اللہ کے کلام کا اثر	۱۰۶۶
جبیر بن مطعم پر اس آیت کا اثر	۱۰۶۷
قیامت کی دہشت ناکیاں	۱۰۶۷
ذلت کے ساتھ جہنم میں داخلہ	۱۰۶۷
اب کسی صورت چھٹکارا نہیں ہے	۱۰۶۸
جنتیوں کی مجلس	۱۰۶۸
بچوں کا کیا ہوگا	۱۰۶۹
اولاد کے استغفار ودعاء کا اثر	۱۰۶۹
شراب طہور	۱۰۷۰
کم ترین درجہ کا جنتی	۱۰۷۰
جنتیوں کی شاہانہ ملاقاتیں	۱۰۷۰
حضرت عائشہؓ کی دعاء	۱۰۷۰
نہ ماننے کے ہزار بہانے	۱۰۷۲
پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے	۱۰۷۲
کیا یہ منکر کوئی سند رکھتے ہیں	۱۰۷۲
کیا کوئی اور حاکم ومعبود ہے	۱۰۷۳
ان معاندوں پر قہر برسے گا	۱۰۷۳
آپ انتظار کریں	۱۰۷۴
آپ تسبیح وتحمید میں لگے رہیں	۱۰۷۴
آیت کا مطلب اور کفارۂ مجلس	۱۰۷۴
گناہ والی مجلس	۱۰۷۴
فجر کی دو سنتیں	۱۰۷۵

☆ ☆ ☆

گلدستۂ تفاسیر

جلد-۵

سُورۃ المؤمنون
تا
سورۃ سبا

سورۃ المؤمنون

سورۃ مومنون مکہ میں اُتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جس نے اسکو خواب میں پڑھا اس کے دل میں زیادہ دیر تک عبادت میں کھڑے رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی محبت ہوگی اور ایک ایسے مرض کا خوف ہے جو بڑا خطرناک ہے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہرباں نہایت رحم والا ہے

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ

کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی

فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

نماز میں جھکنے والے ہیں

خشوع کا معنی

"خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف و ہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا، چنانچہ ابن عباسؓ نے "خاشعون" کی تفسیر "خائفون ساکنون" سے کی ہے اور آیت تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ بھی دلالت کرتی ہے کہ "خشوع" میں ایک طرح کا سکون و تذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں "خشوع" کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے۔ اور ایک جگہ آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ میں قلب کی صفت بتلائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور اعضائے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔

نماز میں خشوع

جب نماز میں قلب خاشع و خائف اور ساکن و پست ہوگا تو خیالات ادھر اُدھر بھٹکتے نہیں پھریں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف و ہیبت اور سکون و خضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً مانو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر اُدھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اسی قسم کے بہت افعال و احوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح و مقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوۃ کے لئے شرط نہیں۔ ہاں قبول صلوۃ کے لئے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہرحال انتہائی فلاح اور اعلیٰ کامیابی ان ہی مومنین کو حاصل ہوگی جو خشوع و خضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی دس آیات

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطابؓ کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے کہ تازہ آئی ہوئی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے اللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَاَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَاَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَاٰثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَارْضَ عَنَّا وَارْضَنَا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص ان پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائیں۔ (ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن باسوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کر کے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

کامیابی کی چابی

اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مومنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات (۱ تا ۱۱) کے اندر آیا ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان سات اوصاف کے حامل اور ان سے متصف اور ان پر قائم ہیں گو دنیا میں وقتی تکلیف ان کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار ان کی تکلیف جلد دور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دنیا میں نیک نام انہیں کا باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

نماز میں خشوع، خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو، یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے ان کے مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں مثلاً حضرت مجاہد نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے حضرت علی نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشہ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشہ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد والنسائی وابو داؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی السنن الکبریٰ مظہری)

نماز میں داڑھی سے کھیلنا

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب ھذا لخشعت جوارحہ۔ (رواہ الحاکم والترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اسکے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ

امام غزالی، قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع کے بغیر گزر جائے تو نماز ادا ہی نہ ہوگی دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسمیں شبہ نہیں کہ خشوع روح نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور اسکا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامت نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس امت سے اٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہانتک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ کذا فی مجمع الزوائد (بیان) (معارف حقی عظیم)

شان نزول

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں اپنی نظر کو اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ بیشک ان مومنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان میں ادھر ادھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ "قد" کا استعمال

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لما کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے۔ قد اگر ماضی ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قرب حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آ جاتا ہے۔ (قد قام ابھی کھڑا ہو گیا۔ قد اکل ابھی ابھی وہ کھا چکا) مومنوں کو اللہ کے فضل سے فلاح کی توقع تھی قد کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کے لئے بشارت ہوگئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چلے)۔

فلاح کیا ہے؟

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور (کسی قابل خوف چیز سے) نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی

اس جگہ فلاح اخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گذرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، رور قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گذرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو جائے اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

رہی فی الجملہ نقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو وہ (آخرت میں) ضرور فلاح یاب ہوگا (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمایا ہے فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ جو ذرہ (یا چھوٹی سرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان، توحید تمام نیکیوں کا سرگروہ ہے (اس لئے ہر مؤمن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہگار ہو) اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

بخیل جنت میں نہ جائے گا۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل اگائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت و جلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قرب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی

جنت کی چیزیں

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا، پھر فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنۃ میں حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلاستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی چھتریاں موتی ہیں اور اس کی مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت مؤلف نے کہا ہو سکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مؤمن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مومنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مومنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مؤمنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں) بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مومن ہوں گے جو ان صفات کے حامل ہوں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو مومن اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہگار مؤمن بغیر توبہ کے مر جائیں وہ جنت میں بالآخر ضرور داخل ہوں گے اللہ کو اختیار ہے کہ سزا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمادے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب دیئے جنت میں بھیج دے۔

خشوع کے متعلق مختلف اقوال

خَاشِعُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ کیا، عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز کرنے والے۔ حسن نے کہا ڈرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور ایسے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علی کا قول آیا ہے (نماز میں) ادھر ادھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم نہ ہو کون سا کس طرف ہے اور کون سا کس طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا خشوع سے مراد ہے سکون۔ اور حسن عیینہ علی۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ پر نظر رکھنا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ نہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز

سے ادھر ادھر نہ ہٹے۔ دائیں بائیں نظر نہ گھمائے۔ کسی طرف مائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریوں کو (جو زمین پر پڑی ہوں) کو الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابودرداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قولی اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا، کامل یقین اور پوری توجہ و یکسوئی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع، خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یا خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی، اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق اجزائے بدن سے ہوتا ہے۔

بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے۔

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر نظر کو متوجہ نہیں کرتا جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد، وابوداؤد، والنسائی، والدارمی۔

شیطان کا جھپٹنا:

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، فرمایا یہ ایک جھپٹنا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا:

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہ آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لوگوں کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ رواہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعاء کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجہ۔

نفاق والا خشوع

حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق کی نماز

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا تھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نماز میں ادھر ادھر جھکتے دیکھا تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں، اور فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہیے، یہودیوں کی طرح ادھر ادھر نہ جھکے نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا حسن تکمیل ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

نماز میں پتھر نہ ہٹائے

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ کو نصیحت

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی سنن کبیر

یہ بھی حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر ادھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبوری ہو تو نفل میں (ایسا کر سکتا ہے) فرض میں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ
اور جو	بھی بات پر دھیان نہیں کرتے

فضولیات سے پرہیز:

یعنی فضول بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور کمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ ان کو وظائف عبودیت سے

اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو — چو بگذشت بر عارف جنگجو
گر ایں مدعی دوست نشناختے — بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(تفسیر عثمانی)

لغو کے درجات

لغو کے معنے فضول کلام یا کام جسمیں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر اسکا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مؤمن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لغو کے متعلق اقوال

اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور مُعْرِضُوْنَ آخرت میں ضرر پہنچانے والے امور کے ارتکاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بیکار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سب و شتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝
اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

زکوٰۃ ادا کرنا

یعنی ان کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے یؤدون الزکوٰۃ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا ان کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس روحہ نے "دیا کرتے ہیں" کہہ کر ادھر اشارہ کر دیا۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو "طہارت" (پاکیزگی) یا تزکیہ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ کو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ و صدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (توبہ۔ رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی، ابن کثیر نے اس کا جواب دیا ہے کہ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، ہاں مقادیر نصب وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں پہنچ کر ہوئی واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝
اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ
مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال یا ندیوں پر
فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝
سو وہ ہی ہیں حد سے بڑھنے والے

شرمگاہوں کی حفاظت

یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آ گئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لا یسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیۃ الکریمۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصد زندگی بنانا نہیں اسکا درجہ اتنا ہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

قضائے شہوت کی حرام صورتیں

فقہ۔ علی ہذا آدیک ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضاء شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اسمیں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے اس سے نکاح بھی حکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ یعنی کسی مرد یا عورت سے بھی جائز طور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور کے نزدیک استمناء بالید یعنی اپنے ہاتھ سے منی خارج کر لینا بھی اسمیں داخل ہے۔ (تفسیر بیان القرآن۔ قرطبی۔ بحر محیط وغیرہ۔ (معارف القرآن)

مامملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں:

حضرت مؤلف نے فرمایا کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے صرف باندیاں مراد ہیں۔ کیونکہ عورتوں کو عقلی دین سے ناقص العقل چیزوں کے حکم میں داخل سمجھا جاتا ہے اس لئے مؤنث کی ضمیریں بے عقل چیزوں کی طرف راجع کر دی جاتی ہیں پس لفظ ما کا اس جگہ آکر ہونا دلالت کر رہا ہے کہ اس سے باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں میں خلاصہ یہ کہ عورتوں کے لئے اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے۔

متعہ کی حرمت

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا۔ کوئی شخص انجانے شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر رقم کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ عورت اس کے لئے کھانا تیار کرے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ آیت یٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ نازل ہوئی تو سوائے ان تین قسموں کے سے عورت حرام ہو گئی۔ (رواہ الترمذی۔ جن عورتوں سے متعہ کیا جاتا ہے وہ بیویاں یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقہ شیعہ کے مرد یہ بھی نہ ان کو شوہر کی میراث ملتی ہے نہ شوہر کو ان کی میراث۔ (اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم حسب صراحت آیت حلال نہیں ہے) اور زوجین کے درمیان توارث صراحت قرآنی کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

حلق حرام ہے:

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید (حلق) بھی حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ

اور جو ... اپنے قرار ... ہیں

امانتداری اور ایفائے عہد

یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں کے۔ (تفسیر عثمانی)

امانتوں سے مراد ہیں، وہ چیزیں جو بطور امانت مومنوں کے پاس رکھی جائیں انکو ان چیزوں کا امین بنا دیا جائے۔

دو قسم کے عہد

عہد (وعدہ) دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ سے بندوں سے لیا اور بندوں سے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ، اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آدمی آپس میں کرتے ہیں۔ امانت، دیانت، تجارت اور دوسرے معاملات جن کا تعلق باہم انسانوں سے ہوتا ہے دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ

اور جو ... اپنی نمازوں کی ... کرتے ہیں

نمازوں کی حفاظت

نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مؤمنین متقین کی چھ صفات و خصائل بیان کیں۔

(۱) خشوع و خضوع سے نماز میں پڑھنا یعنی جان اور دل سے اللہ کی طرف متوجہ۔

(۲) باطل لغو اور بیکار باتوں سے علیحدہ رہنا۔

(۳) زکوٰۃ یعنی مال حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔

(۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا۔

(۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔

(۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور جس قدر مہتم بالشان چیز ہے اس سے شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

محبوب عمل

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا ماں

باپ سے سبقت کرتا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری و مسلم)

آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت

چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی)۔ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لاؤ نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو انکی یہ بات گراں گذری۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے اے بلال اٹھو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

بہترین عمل حدیث شریف میں ہے سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے دیکھو وضو کی حفاظت صرف مومن ہی کر سکتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ
وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے ٹھنڈی چھاؤں کے
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین وانصار

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ سورہ مؤمنون مکی ہے اور شروع سورت میں جس مؤمنین مفلحین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء) (مطارب کاندھلوی)

جنت کے وارث

ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں، جو الفردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خدا سے جب جنت مانگو جنت الفردوس مانگو وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش ہے (صحیحین)

ہر ایک کی دو منزلیں

فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو منزلیں ہیں ایک منزل جنت میں ایک جہنم میں۔ جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے۔ کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے لئے جو انعامات تھے وہ ان سے چھین کر سچے مؤمنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لیکے آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابو بردہ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرایا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا الخ اور آیت میں ہے۔ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا

فردوس فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں بعض سلف کہتے ہیں کہ اس باغ کو جس میں انگوری بیلیں ہوں، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی یہی لوگ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الْوٰرِثُوْنَ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ یہ الوارثوں کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے ان کا بیان ہے پہلے بالتعیین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعیین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندیٔ شان ظاہر ہو گئی۔ (شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مؤمنوں کو دیدی جائے گی۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ
اور ہم نے بنایا آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے

منتخب مٹی کا بنا ہوا کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور دیسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سلالۃ سے مراد ہوا نطفہ)۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ

پھر ہم نے رکھا اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانہ میں

رحم مادر میں

یعنی رحم مادر میں جہاں سے کہیں ہل نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر بنائیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت

مختلف مراحل

یعنی کچھ حصہ گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۂ "حج" میں اسی کے قریب کیفیت تخلیق انسان کی بیان ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مضغہ گوشت کی بوٹی اتنی جو چبانے کے بقدر ہو۔ گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغہ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا لباس پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ

پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک ہی صورت میں

روح حیات

یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، کہولت اور بڑھاپے کے بہت سے احوال و ادوار گذرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفخ روح کیا ہے

نفخ روح، اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے ہاں اگر آیت میں انشاء (پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)۔

انسان پیدائش سے انجام تک

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار احکام دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (اچھے برے) اعمال اور مدت زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مؤمن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن (تخلیقی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور انہی اعمال پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ بخاری و مسلم

مسئلہ اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس پہنچ کر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے آیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روح سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ضمان کا تعلق تخلیق اول سے ہی ہوگا۔

زندگی کے تغیرات

عوفی کی روایت حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا، پھر چیخنا، پھر دودھ پینا، پھر آہستہ آہستہ بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ ترک کر کے کچھ غذائی چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے دھیرے دھیرے جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور ملک ملک میں گھومنا پھرنا سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبہ فناء پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثم کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

روح حقیقی اور روح حیوانی

یہاں خلقاً آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک

ابوالعالیہ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالباً مراد اس روح سے روح حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اسکو لفظ ثم سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روح حقیقی جسکا تعلق عالم ارواح سے ہے، وہیں سے لاکر اس روح حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جسکی حقیقت کا پہچاننا انسان کے بس کا نہیں اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے "؟" فرمایا اور سب نے بلی کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخ روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روح حیوانی کیساتھ روح حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمایا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیات انسان اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روح حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے اور روح حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ (معارف القرآن)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾

سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والے

متناسب صورت

خوبصورتی سے تمام اعضاء وقویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اس کی ساخت میں حکمت کے موافق نہایت موزوں ومتناسب بنائی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے، جب یہ آیت اُتری کہ ہم نے انسان کو بیختی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارک اللہ احسن الخالقین نکلا، اور وحی پھر اُتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ الٰہی

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (تخلیق کے گذشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صانعوں سے بڑھ کر ہے۔

تَبٰرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔

عبداللہ بن سعد کا واقعہ

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی کی کتابت بھی کرا لیا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح لکھ دو یہ یوں ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر اسلام سے پھر گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی مباح الدم قرار دیا اور حکم دیدیا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ پھر ارشاد فرمایا، اچھا۔ (عبداللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا، نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبداللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔ (فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ کی تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر تم اس کے بعد مرو گے

سب کو موت آئے گی

یعنی تمہارا وجود راتی اور خانہ زاد نہیں، مستعار اور دوسرے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجہ سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ بھلا کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾

پھر تم قیامت کے دن کھڑے کیے جاؤ گے

پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے

جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کریگا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر

ثابت کر دیں کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ بولی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ
اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے اوپر سات رستے

سات آسمان:

"طرائق" کے معنی بعض مفسرین ونغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ فہذا کما قال کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح - رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں۔ بعض معاصر مصنفین نے "سبع طرائق" سے سات سیاروں کے مدارات مراد لیے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طرائق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ ہر اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی کو بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گذرگاہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾
اور ہم نہیں ہیں خلق سے بے خبر

پورا نظام قابو میں ہے۔

ہر چیز پورے انتظام واحکام اور خبرداری سے بنائی ہے اور اس کی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم وقدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم وبرہم ہو جائے۔ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا (حدید رکوع) (تفسیر عثمانی)

الخلق سے مراد ہے مخلوق کوئی ہو۔

غفلین، یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت ومصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچانے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ
اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ناپ کر

آب رسانی کا نظام

نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے اور نہ اتنا کم کہ ضروریات کو کافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بقدر کی بڑھا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسان ایسا ضعیف الخلقت ہے کہ جو چیزیں اس کے لئے مدار زندگی ہیں اگر وہ مقدار مقدر سے زائد ہو جاویں تو وہی اس کیلئے وبال جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان وحیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آ جاتا ہے اور انسان اور اسکے سامان کے لئے وبال وعذاب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پانی سے مراد بارش کا پانی بقدر یعنی مناسب مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ
پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں

زیر زمین پانی کا ذخیرہ۔

یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنواں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین میں ٹھہرانے کا مطلب بعض اہل علم نے یہ بیان کیا کہ تالابوں اور حوضوں اور گڑھوں میں ہم نے پانی کو جمع کر دیا تاکہ بارش نہ ہو تو لوگ اس سے کام چلائیں۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ اس سے زمین کا پانی پینا مراد ہے پانی کو زمین چوس لیتی ہے۔ زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾
اور ہم اس کو لے جائیں تو لے جا سکتے ہیں

اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے

یعنی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی دسترس نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو، یا خشک کرتے ہوا میں اڑا دیں، یا کھاری اور کڑوا کر دیں، تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذَهَابٍ بِهٖ اس کو لے جانا، زائل کر دینا۔ مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین

کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

تَعْذِرُوْنَ بلاشبہ ہم پانی کو فنا کر دینے پر بھی اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی کو فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

جنت سے جاری شدہ دریاء:

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا نازل کیے ہیں۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے بیشی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل نے یہ دریا طور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے۔ اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے۔ آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم کو اور سنگ اسود کو اور مقام ابراہیم کو اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھا لے گا۔ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ اس آیت کا یہی مطلب ہے جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ

پھر اگا دیئے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے

فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ

واسطے اس میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو

باغات اور پھل

یعنی ان کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ

اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے

بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ

تیل اور روٹی ڈبونا کھانے والوں کے واسطے

زیتون کا درخت

یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت ملکوں کے لوگ سالن کی جگہ اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس درخت کا ذکر خصوصیت سے فرمایا کیونکہ اس کے فوائد کثیر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے۔ اسی لئے سورۂ "تین" میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت و برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

علمی لطیفہ

تفسیر قرطبی میں اس جگہ حضرت عبداللہ بن عباس سے اسی آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ ان سب میں چھوٹے تھے ان سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے، زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذا، سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۂ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں نہیں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اب یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

زیتون کے فوائد و خصوصیات

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سینا اور سینین اس مقام کا نام ہے جس میں کوہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے

اور بعض نے کہا کہ طوفان نوح سے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اگا وہ زیتون تھا۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

طور سیناء

سیناء کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں، مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت۔ یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قتادہ، ضحاک اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت۔ ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے۔ کلبی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا سیناء۔ خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کر دی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پورا نام اس پہاڑ کا ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو نداء دی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پورا نام ہے۔

زیتون کا سالن تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں یعنی اس کے اندر روغن بھی جو مالش کے کام میں آتا ہے اور چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آ جاتا ہے اور ادام عام سالن کو کہتے ہیں جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا

اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کرنے کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے ان میں بہت فائدے ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

اور بعضوں کو کھاتے ہو

حیوانات کے فوائد نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہوا یعنی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت کچھ فائدے تمہارے لئے ان کی ذات میں رکھ دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

وسائل نقل و حمل یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان بار کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ربط آیات: کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرماتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے کشتی بنوائی جو طوفان عظیم کے وقت مومنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرما دیئے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جس طرح اوپر کی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور ہے اسی طرح خداوند رحمان نے تمہاری روحانی حوائج و ضروریات کا سرانجام کرنے کے لئے ابتدائے دنیا سے وحی و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرما دیا۔ یا یوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کی تکمیل کے لئے یہاں سے سلسلہ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور ان کے متبعین کی خوش انجامی اور مکذبین و معاندین کی بدانجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو کافر تھے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ

اس کی قوم میں یہ کیا ہے آدمی سے جیسے تم

یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے۔ تم نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور سرداران قوم کا خطاب۔

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کر دے۔

الملاء سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا۔ کہ یہ نوح علیہ السلام تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۙ
تو اتارتا فرشتے

سرداروں کا تبصرہ:

یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب اچھوتا بنایا ہے ورنہ خدا کسی کو رسول بنا کر بھیجتا تو کیا یہ ہی اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یُرِیْدُ یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یا کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝
ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں

یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر وہ بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا واقعی کسی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گذر گئی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ
اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے
فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝
سو اور دیکھو اس کی ایک وقت تک

معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم کے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کر سکے کھلا جنون نہیں تو اور کیا ہوگا بہتر ہے چند روز صبر کرو اور انتظار کرو شاید کچھ دنوں کے بعد اسے ہوش آ جائے اور جنون کے دورہ سے افاقہ ہو یا یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝
بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

بارگاہ الٰہی میں حضرت نوحؑ کی درخواست۔

یعنی جب نوحؑ کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمائیے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا
پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے
وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ
اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور اُبلے تنور تو تو ڈال لے
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ
کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ

یہ قصہ پہلے سورۂ "ہود" وغیرہ میں گذر چکا ہے، ہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

تنور کا مطلب وَفَارَ التَّنُّوْرُ (تنور ابل پڑا) اس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی یکانے کے لیے بنالی جاتی ہے اور یہی معنے معروف و مشہور ہیں۔ دوسرے معنے میں تنور یورپی ریں کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ علامہ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کہ کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی اُبلنے لگا۔ (معارف ملتقی اعظم)

آغاز عذاب: حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے۔ حضرت نوح کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی نمودار نکلا بیوی نے آکر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دا میں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ نما) پہاڑی پر آپ رہتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ

مگر جس کی قسمت میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے بات

یعنی کافروں کو، جو اوپر تیرے کہنے کے سوں سوار مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور مجھ سے بات نہ کر ان ظالموں کے واسطے بیشک اس کو ڈبونا ہے

یعنی حکم قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اٹل ہے، ضرور ہو کر رہیگا۔ اب ظالموں میں سے کسی کو بچانے کے لئے ہم سے سعی۔ سفارش نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

پھر جب چڑھ چکے تو اور تیرے ساتھ کشتی پر تو کہہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

شکر ہے اللہ کا جس نے چھڑایا ہم کو ان ظالم لوگوں سے

یعنی ہم کو ان سے علیحدہ کر کے عذاب سے مامون رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ

اور یہ کہہ اے رب اتار مجھ کو برکت کا اتارنا اور تو ہے

خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

بہتر اتارنے والا

کشتی سے برکت کا اترنا

یعنی کشتی میں اچھی آرام کی جگہ دے اور کشتی سے جہاں تو اترے جہاں وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شامل حال رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا برکت کا اترنا۔ کشتی میں برکت کا اترنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا، اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے کے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا۔ مترجم) اور نسل و رزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادت رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

حضرت نوح کی عظمت

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے اور اس امر کی طرف ایما ہے کہ حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں کو اپنے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں نشانیاں ہیں اور ہم ہیں جانچنے والے

کہ کون ان نشانوں کو دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے کون نہیں لیتا۔ لما قال تعالیٰ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قمر رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر پیدا کی ہم نے ان کے پیچھے ایک جماعت اور

یہ ذکر عاد کا ہے یا ثمود کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں

حضرت ہود اور حضرت نوح کی دعوت

یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

کہ بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ

پھر کیا تم ڈرتے نہیں اور بولے سردار

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ

کافر تھے اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آرام دیا تھا

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں

قوم کا عقیدہ یعنی ان سے متعلق۔ یعنی کہ مرنے کے بعد ایک دن خدا سے ملنا ہے۔ اس دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ

اور کچھ نہیں یہ ایک آدمی ہے جیسے تم کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۙ

اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو

یعنی عطاء کوئی بات اس میں تم سے سوا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۙ

اور اگر تم نے کہنے پر آدمی سے اپنے برابر کے تو تم ہو نقصان میں

سرداروں کا فیصلہ یعنی اس سے بڑی خرابی اور کیا ہوگی کہ اپنے جیسے ایک معمولی آدمی کو خواہ مخواہ مخدوم و مطاع ٹھہرا لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۔ اگر تم نے اپنے جیسے آدمی سے (کہنے پر چلے اور) فرماں بردار بن گئے تو یقیناً اس وقت گھاٹے میں رہو گے۔ کہ اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار ہو گئے اور خود اپنے کو ذلیل کر دیا۔ وہ لوگ عجیب بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا تو انکار کرتے تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا کر کے اپنے دیندار ہونے کا اظہار کرتے تھے۔ (تفسیر صغیر)

اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا

کیا تم کو وعدہ دیتا ہے کہ تم مر کر خاک اور ہڈیاں

اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۙ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۙ

تم کو نکالا جائے گا کہاں ہو سکتا ہے کہاں ہو سکتا ہے جو تم سے وعدہ ہوتا ہے

بعث بعد الموت کا انکار یعنی کسی قدر بعید از عقل بات کہتا ہے کہ ہڈیوں سے پرزے مٹی کے ذرات میں مل جانے کے بعد پھر قبروں سے آدمی بن کر اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا

نہیں کچھ یہی جینا ہے ہمارا دنیا کا مرتے ہیں اور جیتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۙ

اور ہم نہیں اٹھائے جانے والے

انکار آخرت یعنی کہاں کی آخرت اور کہاں کا حساب کتاب۔ ہم تو جانیں یہ ہی ایک دنیا کا سلسلہ اور یہ ہی ایک مرنا اور جینا ہے جو ہم کی آنکھوں کے سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا آگے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

نہیں وہ مگر ایک مرد ہے باندھ لایا ہے اللہ پر جھوٹ

پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت

کہ میں ان کا پیغمبر ہوں اور وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے عذاب و ثواب دیگا۔ یہ دونوں دعوے ایسے ہیں جن کو ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ خواہ مخواہ جھگڑے اور دردسری کرنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۙ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ

اور اس کو ہم نہیں ماننے والے دعا کی اس نے

بِمَا كَذَّبُوْنِ ۙ

کہ اب بدلہ دے مجھ کو جھٹلانے

پیغمبر کی دعاء

یعنی آخر پیغمبر نے کفار کی طرف سے ناامید ہو کر دعا کی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۙ

فرمایا اب تھوڑے دنوں میں وہ ہو رہیں گے

عذاب کی اطلاع یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس سے حد پھلانگ گئے، اور وہ پچھتانا نفع نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ

پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے ٹھیک

اس سے بظاہر مترشح ہوتا ہے کہ یہ قصہ "ثمود" کا ہے۔ وہ چنگھاڑ سے مرے تھے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً

پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

قوم کی ہلاکت جیسے سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے اس طرح عذاب الٰہی کے سیل میں بہے چلے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

"ہم نے ان کو خس و خاشاک بنا دیا" یعنی ہلاک کر دیا جیسے سیلاب کے اوپر کوڑا کرکٹ بہہ کر آ جاتا ہے۔ ہم نے اس کوڑے کی طرح ان کو کر دیا۔ جو شخص ہلاک ہو جائے عرب اس کے متعلق کہتے ہیں سال۔ الوادی۔ نالہ کا سیلاب اس کو بہا لے گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

تو دور ہو جائیں گنہگار لوگ

یعنی خدا کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾

پھر پیدا کیں ہم نے ان سے پیچھے جماعتیں اور

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

[illegible] پیچھے رہے

قوموں کے انجام

یعنی ہر ایک قوم جس نے پیغمبروں کی تکذیب کی ٹھیک اپنے اپنے وعدہ پر ہلاک کی جاتی رہی، جو میعاد کسی قوم کی تھی ایک منٹ اس سے آگے پیچھے نہ ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا

پھر بھیجے [illegible] رسول لگاتار [illegible] ان کا رسول

كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

اس کو جھٹلا دیا پھر چلاتے تھے ہم ایک کے پیچھے دوسرے [illegible] کہانیاں

رسولوں کو جھٹلانے کی سزا

یعنی [illegible] تاکہ [illegible] اور عذاب میں بھی ایک کو دوسرے کے پیچھے چلتا کرتے رہے۔ ادھر پیغمبروں کی بعثت کا اور ادھر ہلاک ہونے والوں کا بھرا لگا دیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی تباہ و برباد کر دی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ آج ان کی داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی ان کی داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے، جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو دور ہو جائیں جو لوگ نہیں مانتے

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

دے کر اور کھلی سند فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پھر لگے [illegible]

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

بڑے اور وہ لوگ زور پر چڑھ رہے تھے

فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر

اس لئے خدا کی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ [illegible] دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کھلی دلیل، جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد عصا ہو، سب سے پہلا معجزہ یہی تھا اسی لئے اس کو مستقل طور پر ذکر کیا۔ اسی سے متعدد معجزات صادر ہوئے تھے مثلاً وہ سانپ بن جاتی تھی۔ جادوگروں نے رسیوں سے جو سانپ بنائے تھے ان کو یہ لاٹھی نگل گئی تھی۔ اسی کی ضرب سے سمندر کا پانی پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا تھا اسی کی ضرب سے پتھر سے چشمے جاری ہو جاتے تھے یہ پڑاؤ کرنے کے وقت چاروں طرف گھوم کر لشکر کی حفاظت کرتی تھی۔ یہی رات میں شمع کا کام دیتی تھی، یہی پھلدار درخت بن گئی تھی یہی چشموں کے اندر سے پانی نکالنے کے لئے رسی ڈول کا کام دیتی تھی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد دلائل ہوں اور سلطان سے مراد معجزات ہوں، یہ دونوں سے مراد معجزات ہوں یہ سب شان نبوت تھے اور حضرت موسیٰ کے دعوے کی دلیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

سو بولے کیا ہم مانیں گے اپنی برابر کے دو آدمیوں کو

وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝

اور ان کی قوم ہمارے تابعدار ہیں

ایمان سے انکار کا بہانہ:

یعنی موسیٰ و ہارون کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے ان میں کہ وہ آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ

پھر جھٹلایا ان دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں

بنی اسرائیل کا دستور العمل

یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ "آل عمران" اور سورۃ "مریم" میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝

اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی تھرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی

لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سنکر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں ان کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے ان کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ "انجیل متی" میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رود نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور "ماء معین" رود نیل ہے بعض نے۔

ربوہ کا مطلب: "ربوہ" (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض گمراہ مصنفین کی تردید

بہرحال اہل اسلام میں کسی نے "ربوہ" سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض رائفین نے "ربوہ" سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغبافی ہے۔ ٹلہ "خان یار" شہر سری نگر میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت "تاریخ اعظمی" کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ "لوگ اس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا" اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بیحیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی انکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ "یوز آسف" کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ و تابعین کے اقوال

ربوہ زمین میں اونچی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا، یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

ضحاک نے کہا غوطۂ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ربوہ سے رملہ مراد ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے)۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو ہم

اکل حلال اور صدق مقال

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہ ہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک اعمال پر مواظبت اور اپنی اُمتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا عامۂ مؤمنین کو دیا گیا۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، پہننا حرام کا ہو، اسے اپنی دعا کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اگا ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔

انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں

ام عبداللہ بنت شدادؓ فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تاکہ آپ اس سے اپنا روزہ افطار کریں دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری تلری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے کہلوایا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خرید کیا ہے۔ پھر آپ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طیبات فقط حلال چیزیں ہیں

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعت اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لئے نفیس و مرغوب، اس لئے طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

نکتہ علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اسمیں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں مگر ان کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی ان کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف معنی اعظم)

ایسا کھانا جو غافل نہ کرے

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے۔ اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی سیری کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

عمل صالح۔ نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنا جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی ایسا قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

خلاصہ کلام۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گذشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر مظہری)

پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیغۂ جمع سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کو ہو رسول اللہ اور علمائے امت کے درمیان ایک برزخی

درجہ رکھتا ہے اور علمائے امت، رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خطاب

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب رسول میں دو پناہ گزیں ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا تاکہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی پیروی کریں۔ بیان قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۵۱﴾

حکم کرتے ہو میں جانتا ہوں

اللہ باخبر ہے یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام کھلے چھپے احوال و اقوال سے باخبر ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ یہ سبھوں کو مخاطب کر کے امتوں کو بتایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ

اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب

فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ

سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر کر لیا اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے

اختلاف امت کے اسباب

یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین و ملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور خدا کی خدی راہیں نکال لیں۔ اسی طرح ارادا واہوا کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق انبیاء نے نہیں سکھلائی۔ ان کے یہاں ارمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔

پیغمبر کا کام

لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اُس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اُس کا سنوار فرمایا پیچھے لوگوں نے جانا الگ حکم خدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتا دیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا"۔ اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اسی پر اترائے ہوئے ہیں، یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصولی اختلاف دین بنا لیا۔ اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کی اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے، دوسرے انبیاء و احکام کا انکار کر دیا، جیسے یہودی، اور عیسائی اور صابی۔ بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بت پرست۔ مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت ہو گا جب تَقَطَّعُوْۤا کو قطعوا کے معنی میں مانا جائے۔

آسمانی کتابوں میں تحریف

بعض علماء نے زُبُرًا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبرت الکتاب میں جلی حروف میں کتاب لکھی، ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کر دو کتابیں بنا ڈالیں۔ حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

ہر فرقہ جو اُن کے پاس ہے اُس پر سمجھ رہے ہیں

یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۵۴﴾

سو چھوڑ اُن کو اُن کی بیہوشی میں ایک وقت تک

فرقہ پرستوں کو چھوڑ دیجئے

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایات میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر دیں ہر فرقہ اپنے ہی عقائد و خیالات پر دل جمائے بیٹھا ہے کسی طرح اُس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے کہ اپنی غفلت و جہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ گھڑی آ پہنچے جب ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے

سروں پر منڈلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا غمرۃ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی۔

حَتّٰی حِیْنٍ ایک خاص وقت تک یعنی وقت موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر یا آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ (تفسیر مظہری)

اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۙ
کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم ان کو دیئے جاتے ہیں مال اور اولاد
نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ
سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں

ایک پرانا وہم یہ ہی خیال اُنکا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ (سبا۔ رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و معوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝
یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

عقل کے کورے:

یعنی سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط انکی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں امہال و استدراج کی بناء پر ہے جتنی ڈھیل دی جا رہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۚ وَاُمْلِیْ لَهُمْ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ (اعراف رکوع ۲۳)

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۙ
البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں

مؤمن کی شان:

یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح مگر اللہ سے مامون نہیں ہمہ وقت خوف خدا سے ارزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصریؒ کا مقولہ ہے "اِنَّ الْمُؤْمِنَ جمع احساناً و شفقةً وَاِنَّ الْمُنَافِقَ جمع اساءةً و امناً"۔ (مؤمن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بیفکر ہوتا ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۙ
اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں

آیات پر یقین: یعنی آیات کونیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُدھر سے پیش آئے میں حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۙ
اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

توحید پر ایمان: یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۙ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرک جلی کرتے ہیں نہ شرک خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدت مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جا سکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ
اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں
اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۙ
اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا:

یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَاۤ اٰتَوْا یعنی جو کچھ خیر، خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت

عائشہؓ یہ آیت یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کار خیر کرنا مراد ہے)۔

وجلۃ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا۔ وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔

ابن ابی ملیکہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا، شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو روزے کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝

وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ ان پر پہنچے سب سے آگے

اصل نیکی

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (آل عمران۔ رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوئی نہ کہ اموال و اولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (تفسیر مظہری)

نیکی میں پیش قدمی کرنا

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اُخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حسن سلوک)۔ اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مؤمن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مومن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدر کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام بشارتیں پہنچتی رہتی ہے۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کی وجہ سے جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ) مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کی قول ہے کہ لھا سٰبقون میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لما نھوا عنہ میں لام بمعنی الیٰ ہے اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ

اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھ ہوا ہے

يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہو گا

انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے

یعنی اوپر جو اعمال و خصائل بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دیا کریں۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جنکو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت

کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اُس پر ڈالا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ

کوئی نہیں اُن کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام

مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ

لگ رہے ہیں اس کے سوائے کہ وہ اُن کو کر رہے ہیں

انسان کسی اور طرف مشغول ہے

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کے دل شک و تردد اور غفلت و جہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا، باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جنکو وہ سمیٹ رہے ہیں۔ ایکدم کو اُن سے جدا نہیں ہوتے اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام اُنکی استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ ان کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ

یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تھی، ملیں گے چلانے

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ

مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے

عذاب آئے تو چلاتے ہیں

یعنی جب دنیوی یا اُخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو مدد میں دکھلایا گیا جہاں اُنکے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک اُن کا نوحہ کرتی رہیں سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے، کچھ ہن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی، آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دیکر دعاء کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اُٹھایا۔ اس وقت نہ "لات ومنات" کام آئے نہ ہبل ونائل۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر اور قحط کا عذاب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللھم اشد وطاتک علی مضر واجعل ھا علیھم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم) (قرطبی ومظہری) (معارف معنی اعظم)

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى

تم کو سنائی جاتی تھی میری آیتیں تو تم ایڑیوں

اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ

پر اُلٹے بھاگتے تھے اس سے تکبر کر کے ایک

اپنی غفلت و اعراض کو یاد کرو

یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔ (تفسیر عثمانی)

سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ

قصہ گو کو چھوڑ کر چلے گئے

پیغمبر کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے

یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ با کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اُس کا مزہ چکھو چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں

قرآن پر غور نہیں کیا یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور و فکر نہیں کرتے۔ ورنہ

حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلاشبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں اُن کی بیماریوں کا صحیح علاج بتایا گیا ہے۔ (تفہیم القرآن)

أَمْ جَآءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَآءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

یا آئی ہے ان کے پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس

پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی

یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین و اشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ اور زیادہ اس لغت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر لبیک کہتے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی۔

(تنبیہ) شاید یہاں "آبا، اولین" سے آبا البعد بن مراد ہوں۔ اور سورۂ "یٰسٓ" میں جو آیا ہے لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أُنذِرَ آبَآؤُهُمْ وہاں آبا، اقربین کا ارادہ کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾

یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والے کو سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں

پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے

یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب پر تلے ہوئے ہیں کہ ان کو پیغمبر کے حال سے آگاہی نہیں۔ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور حلیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفر نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ یعنی ان کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تاکہ یہ لوگ اسکے نام و نسب اور عادات و خصال اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنائیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گذرا، آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق و امین کہا کرتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ ۚ بَلْ جَآءَهُم بِالْحَقِّ وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَٰرِهُونَ ﴿٧٠﴾

یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس
سچی بات اور ان میں کو سچی بات بری لگتی ہے

فقط خواہش پرستی انکار کر رہی ہے:

یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے کہتے تھے، دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ انکی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بری لگتی تھی اور قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَٰوَٰتُ وَالْأَرْضُ وَمَن فِيهِنَّ ۚ

اور اگر سچا چلے ان کی خوشی پر تو خراب ہو جائیں
آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے

ان کی ہر خواہش پرستی کیلئے شے حق نہیں بدل سکتی

یعنی سچی بات بری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر سچا خدا ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدا ہی کہاں ہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے، وہ کبھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام عقلی کے مزاحم اور باہم گر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں عقل و ہوس کی کشمکش اور اہوائے مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ أَتَيْنَٰهُم بِذِكْرِهِمْ

کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو اُن کی نصیحت

ہدایت آ پہنچی ہے:

جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے تو اُن جملہ مذکورین کو ہم نے کہا "لَسْنَا عِبَادَ الْمُخْلَصِيْنَ" ۔ (صافات رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾

سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان میں نہیں کرتے

مفاد پرست انکار کر رہے ہیں

جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ

باتوں سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا

پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا

یعنی دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو

عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے۔

یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اچھ پیچ نہیں ٹیڑھا تر چھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا اُن ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی جانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کار اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنا لے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا

اور اگر ہم اُن پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی اُن کو تو بھی پڑے رہیں بہکتے

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اپنی شرارت میں بھٹکتے ہوئے

احسان فراموش اور ناشکرے۔

یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں۔ تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعاء سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعاء سے کھلا۔ شاید یہ اسی کو فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے اُن کے نقصان کو دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و القیاد اختیار کرنیوالے نہیں کما قال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (انفال رکوع ۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

اور ہم نے پکڑا تھا اُن کو آفت میں پھر عاجزی کی

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اپنے رب کے آگے اور نہ تڑگڑائے۔

مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لیکر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا آیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو جایا کرتی تھی اس کو روک دیا قریش بھوکے مرنے لگے یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دونوں جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباؤ اجداد کو تو تلوار سے قتل کر

دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے مذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾

تب اس میں ان کی آس ٹوٹے گی

اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور اسی نے بنا دیے تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو:

کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھ سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اس کے کام میں لاتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ

اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے

آخرت کی حاضری:

ہاں ہر ایک کو شکر گذاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے ہلنا

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں

دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے غلط جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں جیسا کہ قیامت میں ہوگا۔ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا

کوئی بات نہیں جو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾

جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ

وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور کچھ بھی نہیں یہ بھلیں ہیں پہلوں کی

رجعت پسندی اور اندھی تقلید

یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کئے چلے جا رہے ہیں، وہی رقیانوسی شگوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے۔ یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کئے جائیں گے ایسی روز از عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہونہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب آن ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

جانتے ہو اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں

سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشت خاک

اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو، بتاؤ۔ مخاطب کی اہانت اور تحقیر اس سوال سے مقصود ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے، تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ عقل صریح اور نقل صحیح اس کی گواہ ہے اس لئے ان کو کہنا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

تو کہہ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک اس بڑے

الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

تخت کا اب بتائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں

خوف خدا کرو۔ اتنا بڑا شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھر کھینچے۔ کیا یہ انتہائی گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کو ایک ذرہ کے مقدار سے عاجز قرار دینے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے۔ اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی طرح بنا کر بتایا (ابوداؤد)۔ اور حدیث میں ہے ساتوں آسمان و زمین اور دن کی کل مخلوق کرسی کے مقابلے پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا پس لمبائی چوڑائی وسعت عظمت حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ اور بالا ہے اسی لئے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن کچھ نہیں اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا تاوا تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو

اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا

ہر چیز پر اسی کا اختیار چلتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے لیکن کوئی دوسرا اس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اسکے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اس کے عذاب و تکلیف سے بچالے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے اسکو کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا اس کو کوئی بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (قرطبی)

(معارف مفتی اعظم)

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آپڑتا ہے

تم پر کیا جادو ہے جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہو کہ ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف و اقتدار ہوئی تو آخر تمہارے بدن کی ہڈیاں اور ریزے اس کے قبضہ اقتدار سے نکل کر کہاں چلے جائیں گے کہ ان پر وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

بلکہ نہیں ہم نے اس کو پہنچایا سچ اور وہ البتہ جھوٹے ہیں

دلائل کے باوجود انکار حق

یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے وہ بہو صحیح اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ایک پر ایک

اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا

یعنی زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہی ہے نہ اُسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اُس کی حکومت و فرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک یا اختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط و محکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت "لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا" کے فوائد میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

(جب کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الٰہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعدد آلہہ کے وقت باہمی جنگ و جدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔ مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آ سکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ
اللہ برا ہے ان کی بتلائی باتوں سے

کیا خدا کی شان یہ ہوتی ہے کہ اُس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اُس کے حکم سے باہر ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
جاننے والا بھیجے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتلاتے ہیں

اللہ شراکت سے پاک ہے یعنی جس کی قدرت عامہ و تامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب و شہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود و مستعار ہیں؟ استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝
تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝
تو اے رب مجھ کو نہ کریو ان گنہگار لوگوں میں

ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دعاء کرے

یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آ کر رہے گی۔ اس لئے ہر مؤمن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر یہ دعا مانگے کہ جب ظالموں پر عذاب آئے تو الٰہی مجھ کو اس کے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "واذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنی غیر مفتون" مطلب یہ ہے کہ خداوندا ہم کو ایمان و احسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ العیاذ باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً" (انفال۔ رکوع ۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سناتا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیاطین سے حفاظت کی دعاء

مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ خدایا جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ (ابن کثیر)

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝
اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ
بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝
جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں

اعلیٰ اخلاقی قدریں:

یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور ان کی بیہودہ گو اس سے مشتعل نہ ہوں۔ اُس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝

اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے

شیاطین سے بچنے کا طریقہ

پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین الجن اُس طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کوئی تدبیر یا نرمی اُن کو رام نہیں کر سکتی۔ اُس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تو وہ قادر مطلق اُن کی چھیڑ جانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ مُنہ کا جواب دے اُس سے بہتر۔ (تفسیر عثمانی)

همزات روندنا، یا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسے بھی پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفثہ** پڑھا کرتے تھے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ پس ہر ایک کام کے شروع میں خدا کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے، کھانا پینا، جماع، ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی **اللّٰهُمَّ انی اعوذ بک من الهرم و اعوذ بک من الهدم و من الغرق و اعوذ بک ان یتخطفنی الشیطن عند الموت** اے اللہ! میں تجھ سے بُڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔

نیند آنے کیلئے دُعاء

مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا سکھاتے تھے کہ بیتحاشا جاگ ہو جانے کی مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں **بسم اللہ اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ و عقابہ و من شر عبادہ ومن همزات الشیاطین و ان یحضرون** حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہشیار ہوتے انہیں تو یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے نا سمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذیؒ اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے **اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضب اللہ و عقابہ و من شر عبادہ ومن همزات الشیاطین و ان یحضرون** (معارف مفتی اعظم)

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں

یعنی کسی حال میں بھی شیطان کو میرے پاس نہ آنے دیجئے کہ مجھ پر وہ اپنا اثر کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گھاؤں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچے اُن میں کسی کو موت کہے گا اے رب

ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو چھوڑ آیا

موت آئے گی تو پچھتائیں گے

یعنی اب ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفعہ کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں اُن کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معاینہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اُس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے ان کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطائیں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ **وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ** (منافقون۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹا دیں۔ مؤمن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔

جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا بُرا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مؤمن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بُری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ (تیسیر مظہری)

عمل صالح کرنے کا نسخہ

حضرت حماد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آ چکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دیدی جائے تاکہ میں نیکیاں کر لوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دیدی ہے تو اب مجھے چاہئے کہ دل کھول کر نیکیاں کر لوں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعت خدا میں بسر کرو۔

کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے میں تو بہ کر لوں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

گناہگاروں کی قبریں

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہ ہوتی ہیں۔ ان کی قبروں میں انہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پائنتوں ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈسنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹنا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ بس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔

عالم برزخ کے عذاب پر تنبیہ

مِنْ وَّرَآئِهِمْ کے معنے کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آ جائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ بس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالم برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ناکام تمنا

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کر لوں۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّآ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا

ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے کہ وہی کہتا ہے

کافر واپس آ کر بھی نیکی نہ کریں گے

یعنی اجل آ جانے کے بعد اس کام کیلئے ہرگز واپس نہیں کیا جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔ وہ ہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام رکوع ۳) یہ اُس کی بات ہے جو زبان سے بتا رہا ہے اور علمہ حسرت و ندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہ ہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا ہے کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

اور ان کے پیچھے پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں

عالم برزخ

یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گیا۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ

سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک پڑا چکھتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے بعد قیامت اور حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیاوی حیات اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ اسلئے نہیں کہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے لوٹ کر کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث ونشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ

پھر جب پھونک ماریں صور میں تو یہ قرابتیں ہیں ان میں

يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ

اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

کوئی کسی کو نہ پوچھے گا

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت کی گھڑی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق کو ایک میدان میں لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی سے بیزار رہے گا۔ ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ (عبس۔ رکوع ۱) اسکے بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض قرابتوں سے کچھ نفع پہنچ جائے کما قال تعالیٰ والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما اتیتھم من عملھم من شیء (طور۔ رکوع ۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "الا نسبی و صھری" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اس کے عمل کا حساب ہے۔" (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتے داری نہ ٹوٹے گی۔

بدعتیں ایجاد کرنے والے

اس حدیث کی اصل بخاری ومسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دیگا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر سامان ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

مسند امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر سبب ونسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ (تفسیر ابن کثیر)

پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے۔ یعنی نفخہ بیہوشی جس کے متعلق فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور اس روز ان کے درمیان (دنیا والی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو یک دم سب (اٹھ کے) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ اور ایک دوسرے کی جانب رخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔

قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ

کر علی الاعلان سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی ندا دے گا، یہ فلاں ابن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آ جائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت فَلَآ اَنْسَابَ الخ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جملہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

نسب پر فخر بے کار ہے

فَلَآ اَنْسَابَ یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے، قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور نسلی) فخر نہ کر سکے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ کار آمد اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ سب اتنے وحشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں مدا کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے بچے نکلیں گے (یعنی کوثر تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلاؤ، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے، یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا کہے گا جب تک میرے ماپ اندر نہ جائیں گے، میں اندر داخل نہ ہوں گا۔ رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر النیلی۔ ابوداؤد کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ابن عساکر نے بسند صحیح حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہوں گے

مؤمنوں کی نسبی رشتہ داریاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ تھے، اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مؤمنوں کے رشتے نا بلے منقطع نہ ہوں گے۔)

بغوی نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن و کے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جہاں میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کامیاب نکلے

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور جس کی ہلکی کلی تول سو وہی لوگ ہیں جو مار بیٹھے اپنی جان

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ

دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی ان کے مرکو آگ اور وہ

فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝

اس میں منہ بگڑے ہوئے ہوں گے

ہونٹ سوج جائیں گے اور زبان کو پاؤں روندیں گے

جلتے جلتے بدن سوج جائیگا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپری تک پہنچ جائیگا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں لٹکتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللھم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب) (تفسیر عثمانی)

میدان حشر کے مختلف احوال

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا ملبہ تم ہو جائیگا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری)

مؤمنین کاملین اور کفار

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ الخ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہ ہی فلاح پانے والے ہیں اور جسکا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مؤمنین

کاملین اور کفار کا ہے اور انبیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کا ملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا اُن کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن ہے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا، تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ بروایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف، منتی اعظم)

نکتہ: موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑا نیچے کا جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے۔ خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

(۱) میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے
(۲) میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں

(۱) بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبریل نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبریلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا، اور جنت، دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھائے جانے کا یقین کرنا۔ اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بری تقدیر اللہ ہی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی برائی ہوتی ہے اللہ نے اسکا علمی اندازہ پہلے سے کر لیا تھا) جبریلؑ نے کہا اگر میں ایسا کر لوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں، جبریلؑ نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں بر شرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان و زمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمان کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابو الشیخ ابن جان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول یہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

(۴) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے۔ ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا نہیں، اے میرے رب۔ (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا، کیوں نہیں، میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم، ملتفانہ ہوگا (اس نیکی کا عدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده ورسوله لکھا ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی، چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اڑ جائے گا (یعنی اٹھ جائیگا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

(۵) بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا اله الا الله کی گواہی کو رکھا جائے تو لا اله الا الله کی شہادت والا پلڑا جھک جائے گا (وزنی نکلے گا) رواہ الطبرانی۔

ابن عبد الرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لا کر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو دوسرا پلڑا ہلکا رہے گا پھر باطلوں کی طرح ایک

چیز لا کر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے گی وہ وزنی نکلے گی، پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دے گا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے حق تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

(۲) ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن علما، کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

مؤمن بندہ اور اسکے اعمال کا کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ نہ

میں کہتا ہوں کہ مؤمن بندہ کو مع اس کے نیک اعمالناموں یا مع مجسم اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے بُرے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم بُرے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا مؤمن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

اعمال کے درجات

مگر مؤمن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا مدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے، اچھے عمل بھی ہوں اور بُرے عمل بھی ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی یہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا، یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا درن ہلکا بھاری ہوگا۔

جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں:

اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا

قرآن میں صرف مؤمنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گناہگار مؤمنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سارے مؤمن صالح ہی تھے۔ سب صحابہ تھے، کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرنے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی:

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتے کو میزان پر مقرر کیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا، فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بدنصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے مکمل وزن نہ ہونا۔

گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تولیں گے

میں کہتا ہوں شاید گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس بحث کی کسی قدر تحقیق کر دی ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ یعنی

ان کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مومن کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر بخشش کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا

اس مرد و یہ اور ضیاء نے حضرت ابودرداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو ہنکا کر لے جایا جائے گا تو آگ کی ایک لپٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر اکٹھا چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

شکلیں بگڑ جائیں گی

وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آ جانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو ہموں ڈالے گی کہ اوپر کا ہونٹ بالائی جانب کو اٹھا جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نچلا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔

مناوی نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے آیت وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝
کیا تم کو میری آیتیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے

منکروں کو جتلایا جائے گا

یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے گویا جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لو سچ تھیں یا جھوٹی؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝
بولے اے رب ہم پر ہماری کم بختی نے اور ہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝
اے ہمارے رب نکال لے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار

منکروں کا اعتراف

یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستہ سے بہک کر اس امدی ہلاکت گڑھے میں آ پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ اور اگر کرم ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے پھر کبھی ایسا نہ کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ
فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا
مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا
میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف
وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
نرا ہم کو اور رحم تو ہر ہے اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے

وہاں فریاد تمہیں سنی جائے گی

یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا بھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بحر، فیر و شیخی کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے ہم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ کتوں کی طرح بھونکیں گے۔ نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے، قرطبی نے کہا، جب اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی، بالکل مراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ
پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے اس کے پیچھے میری یاد
وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ
اور تم ان سے ہنستے رہے

دنیا میں مومنوں پر ہنستے تھے

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب کے آگے دعا و استغفار کرتے تو تم کو ہنسی

سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور اُن کے نیک حصلتوں کا استہزاق اڑاتے تھے کہ اگلے پچھلے پڑ گئے تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت اس حرکتوں پر ٹوکتا اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

میں نے آج دیا اُن کو بدلہ اس کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

مؤمنین کے صبر کا اجر:

پیارے مسلمانو نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل اُن کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا

فرمایا تم کتنی دیر رہے دنیا میں برسوں کی گنتی سے بولے

لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾

ہم رہے ایک دن یا کچھ دن سے کم تو پوچھ لے گنتی والوں سے

دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی

یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی کہا ہوگا "زمین میں رہنا" یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر۔ یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئیگی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذا فی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی

(۱) دکھ اور تکلیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گذرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے۔ (۲) پچھلی مدت تو گذر چکی تھی اور حومدت گذر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گذری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں رہنے کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مراد نہ ہو کیونکہ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾

فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو اگر تم جانتے ہوتے

کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے

یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات کو پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور اور جرو کہ انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کے رائل وفانی لذتوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لو انکم تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ وملامت بھی ہے یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تکمیل خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھو دیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا راہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخرت میں یہ دنیا اس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ احمد وابن ماجہ ومسلم عن المستورد۔ (تفسیر مظہری)

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ

سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم

إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾

ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے

تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا

یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اُس کی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ

سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم

إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ

نہیں اسکے سوائے مالک اُس عزت کے تخت کا

اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا

جب وہ بالا و برتر شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں

اور مجرموں کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْمَلِكُ الْحَقُّ حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے (اور جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت (اور شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہو سکتا۔

اَلْعَرْشِ الْكَرِيْمِ عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں
لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ
اس کے پاس سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک

یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکیدی ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائیکہ اس (عقیدہ و عمل) کے خلاف دلیل موجود ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے، یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود خدائے تعالیٰ فیصلے کرتے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا۔ وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بد بخت ہو گیا وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو خدا کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ عذاب خدا سے بچ جائے گا جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے اگلے ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیر الوارثین کے دربار میں حاضری دے گی، لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو تمہارے پھل پک رہے ہیں تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں تمہاری اجل نزدیک آ گئی ہے تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں نہ کوئی بستر ہوگا نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے ہو وہ دوسروں کا ہو جائے گا جو آگے بھیج چکے اسے سامنے پاؤ گے نیکیوں کے محتاج ہو گے بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اس کی باتیں سامنے آ جائیں۔ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے، اس سے پہلے جوابدہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتنا کہا تھا جو رونے کے غلبے نے آواز بلند کر دی منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ و زاری شروع ہو گئی۔

جن کا علاج

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اسے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں۔ وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا عبداللہ تم نے اس کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتلا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے علاج دیا، واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی ناایمان یا یقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

غرق ہونے سے تحفظ کی دعاء

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے بسم اللہ الملک الحق

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ابن کثیر)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

دُعائے مغفرت:

یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

آخری آیات کا ورد رکھنا چاہئے:

فَحَسِبْتُمْ سے ختم سورۃ تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا ورد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکاً و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اُس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں اللّٰھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیرا و انہ لایغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم

تم سورۃ المؤمنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ ونرجو منہ اکمال بقیۃ الفوائد۔

(تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرما دے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر تکلیف دہ ضرر رساں چیز سے حفاظت ہو جائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرما دیگا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط شروع سورت میں اہل ایمان کے لئے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔

نبی اور امت کی دُعاء: اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ

مجاہدین کا ورد: فَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا الخ

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجہ ابن السنی وابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن — روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے فَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجہ الحکیم و الترمذی وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیہ و اخرون عن ابن مسعود (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸، وتفسیر قرطبی ص ۱۵۷ ج ۱۲) (معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ المؤمنون ختم ہوئی

سورۃ النور

جس نے اس کی خواب میں تلاوت فی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر کو بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کیلئے کسی سے محبت کریگا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے گا، دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامات سیرین)

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا

سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہرباں نہایت رحم والا ہے

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا

یہ ایک سورت ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس پر رحم کی اور اتاریں اس میں

اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

باتیں صاف تاکہ تم یاد رکھو

سورۂ نور کے مضامین۔

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور سنت کی اہم تفہیمات واصلاحات پر مشتمل ہے اس کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ "افک" سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل اور مخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے ایسی خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوکر میں نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک ومحترم حیثیت ایسی نہیں جسکے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی دراسہال روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا "سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا" گویا تمہیں سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف تعلیمیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں، اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان اُن کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک مسلک کے لئے اُس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین ودنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت۔

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے ایسے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اُس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنیوالے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی مخالفت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کردی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود ایک بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم لیکر آتا ہے اور اُسکے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے، دنیا میں جتنے قتل وخونریزی کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اُس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم وبے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حد شرعی بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے۔

جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ کی عصمت اور براءت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے

مِائَةَ جَلْدَةٍ

سورہ ۲۴ آیت ۲

زانی کی سزا یہ سزا اُس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو

اسکے پچاس ذرے لگتے ہیں، اس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ) ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اس کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں "تورات" کے حوالہ سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔

زناء اور قتل عمد اور مرتد کی سزا میں تورات کا حکم باقی رکھا گیا

چنانچہ نبی کریم نے اس کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا "اللّٰهُمَّ انی اوّل من احیا امرک اذ اماتوہ" (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف ان یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے ان سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسا کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ "بقرہ" میں بیان کیا گیا۔ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ پھر ان ہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔

ان احکام کی حفاظت فرض ہے۔

شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ کی برائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ الخ اس سے یہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروا کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض رائعین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ و تابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شد و مد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔

(تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جسکی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئے تو وہاں لکھا جائے گا۔ (تفسیر حقانی)

وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے ہمیشہ کا شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ (تفسیر ابن کثیر)

کوڑے مارنے کا طریقہ فَاجْلِدُوا کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو ادھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔

مسئلہ ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے، پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطاب کے عہد (خلافت) میں۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی، لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں (سرے پر) گھنڈی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

نکتہ زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ

اکثر مردوں کے سامنے خود نمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں رانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السارق کا ذکر السارقۃ سے پہلے کیا۔

مسئلہ علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور رانیہ آزاد، عاقل، بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں دی جا سکتی۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا نا کتھرانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچانے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دیدی، پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریاں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انیسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) انیس اُٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لونا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کرے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک:

امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے، اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے ماتی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی۔

جلاوطنی حدّ زنا کا حصہ نہیں ہے

طحاوی نے لکھا ہے کہ حد زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا رجر و توبیخ نہ کرے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (رماء) واجب قرار دے سکیں۔ ہاں اقتضاء حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید مسیب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شراب خوری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا، ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمرؓ کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

حدّ کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا صوابدیدی عمل ہے:

اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے مصلحت حاکم شہر بدر کرنا جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تغریب اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے پہلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے (کہ حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اس کو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کو دو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضبناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبدالرزاق نے بواسطہ معمر از ایوب نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص کو) شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

ترک معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت:

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبہ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو (کچھ مدت کے لئے) ترک وطن کا حکم دیدیتے تھے تاکہ اس کی

نفسانیت کا علیٰ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آ جائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلائے معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کیے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دیدے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اس پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دلیل کرتے ہیں کہ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کا خطبہ

یحییٰ کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی برحق ہدایت کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی (آیت یہ تھی) الشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابوداؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گذر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے 'رلگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے (اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔

صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورۃ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا لکھی تھی۔

تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت (مسلمین) کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچے سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ البزار والحاکم۔ حاکم نے اس کو بر شرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابو داؤد۔ بخاری نے حسب روایت ابوقلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابوقلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے (ناحق) قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم والبخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجۃ من حدیث ابی ہریرہ۔

حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا

صحیحین میں حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا

چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے تو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا، انیس اٹھ کر جا، اگر عورت اعتراف کرلے تو اس کو سنگسار کردے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارنا اور پھر سنگسار کرنا۔

ایک صاحب کی بیوی کی سنگساری:

طحاوی نے حضرت ابو واقد لیثی اشجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا امیر المؤمنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ حسب الحکم ہم نے جا کر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور کہا میرے شوہر نے سچ کہا، ہم نے یہ اطلاع حضرت عمر کو جا کر دیدی۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا)۔

ایک خاتون کی دوہری سزا:

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ عورت کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہو گیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ناکتخدا کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوا دیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہو گیا تو آپ نے اس کو رجم کرا دیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔

ایک شخص کی دوہری سزا:

طحاوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے مار دیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرا دیا۔

احصان کا معنی اور شرائط:

احصن سے مراد ہے نکاح کر لینا اور المحصنت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔

زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط شرعاً ضروری ہے اس سے مراد ہے کاحی ہونا یعنی صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن و حفاظت میں داخل ہو جاتی ہے، نتیجہ تزویج محصن ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کو کتخدا اور غیر محصن کو ناکتخدا (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علماء نے احصان رجم کی شرائط میں سے زانی کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت حسی بھی کر لی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں باجماع علماء ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا) عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بلکہ اللہ کی طرف سے احکام کا مکلف اور مامور ہونے کی ضروری شرط ہے، احصان رجم ہی میں ان کا خصوصی ذکر مناسب نہیں اور آزاد ہونا ہر سزا کی تکمیل کی شرط ہے، رجم ہی کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جائیں گے بلکہ آدھی سزا دی جائے گی، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے؟ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم تعزیر کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتہر کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کر دینے کا حکم ہے۔ توریت لاؤ۔ توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس نے اول و آخر کی عبارت پڑھ دی عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آ گئی۔ اس پر یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم نافذ فرما دیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد و امام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں کے احکام

میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام

ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آ گیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابوحنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی ناسخ کے شریعت سابقہ کا حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث۔ زانی ذانیہ، شیخ شیخہ، ثیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مؤمن کو بھی شامل ہیں۔

مسئلہ اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ و امام شافعی و امام احمدؒ کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہوگا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل رہتا ہے عورت کو راضیہ بکارا کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔

زنا کی تعریف

مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے (یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے) جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے دُبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت واللذان یاتیانها منکم فاذوهما کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں:

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر لیا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ) کے ختم کا انتظار کئے بغیر یا اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشترک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہو گئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہگار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ملک ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی ملک کی طرح ہے چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔ (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مظلم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔

شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطۂ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرواؤ اگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ دیکھئے نے اس حدیث کو موقوفاً بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کرو اور حد کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حد کو معطل نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔

اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کے سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے رواہ ابن ابی شیبہ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر شبہات کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کر دوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کروں۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو اقوال اس

سلسلہ میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھو لیا ہوگا شاید تو نے دبا لیا ہوگا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعز کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی ورپردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

عامدیہ عورت (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح سراحۃ سے (جس نے رجما کا اقرار کیا تھا) فرمایا تھا، شاید تو سو رہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آ پڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اسی سے کرا دیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

شبہ اشتباہ یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے حو واقع میں دلیل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کر لی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتہ ولاوت سے اور بی بی سے رشتہ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو میں طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کر لی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمت قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کر لی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حد زنا جاری ہوگی۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں گذارش کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے۔

حد کا مطلب حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ دیکھو تہمت زنا لگانے کی سزا شرعاً اسی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت رنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے غیبت، رنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید وجابر۔ (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں۔)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے سوا وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو یعنی ان سے نکاح حلال سے ہو خواہ ایسی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی پوتی نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول وفروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول وفروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حد زنا کو ساقط کر دیتا ہے۔

مسئلہ اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دی تو رد شدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دیے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص (ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں) اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوت زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر کی

روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ماعز نے حاضر ہو کر ایک بار زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کر دیا، ماعز پھر آئے اور دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعز سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سنگسار کریں گے مگر ماعز نے چوتھی بار بھی اقرار کیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا (کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے) سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعز متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہو کر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

مسئلہ حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ: چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

ابوداؤد نے حضرت یزید بن نعیم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگتے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعز کو جا لیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

مریض پر حد جاری کرنا:

اگر مریض زنا کرلے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو شاخیں ہوں لیکر ایک مرتبہ اس گچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر شاخ اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسا کہ بغوی نے شرح السنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرور ہتا تھا، وہ پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو صحت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو شاخیں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو کامل (وہ) ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابوامامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ بحوالۂ ابوسعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابوامامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابوامامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

حاملہ عورت پر حد

حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نا کتخدا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے میں اتنی مدت کی تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت

پھر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آ تب عامدیہ نے (مدت پوری کر کے) دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچے کے ہاتھ میں روٹی کی کرچ تھی، عورت نے عرض کیا یارسول اللہ اب میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کر سکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کر سکتا ہے ہاں اگر مدعی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کر سکتا۔

نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) اقامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل گرا دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

امام شافعی نے بحوالہ امام مالک مرسل روایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً و مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر تے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود (زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مال نے (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔ (تفہیم مظہری، اردو جلد ششم)

زنا، کی تباہ کاریاں

باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا کہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے ہی مٹ گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آ سکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

فعل رما ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بیحیائی اور بے پروائی سے ہو سکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ ودیعت فرمایا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

نکتہ فاجلدوا لفظ جلد کوڑا مارنے کے معنے میں آتا ہے وہ جلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا اکثر چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا زدوں کی ضرب اس حد تک ہونی چاہئے کہ اسکا اثر انسان کی کھال تک رہے۔

جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حد زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرط ضروری ہے جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادت زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، ان پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم قائم ہو کر حد قذف اسی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کی جاتی ہے اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی ان کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کر سکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ششم)

آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہو گئی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا وہ پوری آیت اس طرح ہے الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم (اخرجہ نسائی وصححہ ابن حاکم)

(ترجمہ) شادی شدہ مرد یا عورت جب (دیکھو صحیح البخاری ص۱۰۰۲ ج۲) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ

اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں

إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر

احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ بننے دو

یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام وحدود جاری کرنے میں کچھ پس وپیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کر دو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعۂ عالم کے حق میں حکمت ورحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے احکام وحدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی قریش کے لئے اس معاملہ نے بڑی پریشان کن حیثیت اختیار کر لی انہوں نے مشورہ کیا کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کر دیتا، سب نے کہا سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کر رہے ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (منبر پر) کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حدود میں نرمی نہ کرو

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ زور ناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں اور بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کر سکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور زنا کا جرم شراب خوری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

حد سے آگے بھی نہ بڑھو

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا، اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارنا، آپ کے ایک بیٹے نے کہا لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے (کوڑے) مار دیئے اور درد پہنچا دیا۔ (اتنا ہی کافی ہے) (تفسیر مظہری)

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ

اور دیکھیں ان کا سزا کچھ لوگ مسلمان

سزا برسر عام ہو

یعنی سزا تنہائی میں نہیں۔ مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے کیونکہ اس رسوائی میں سزا کی تکمیل وتشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے۔ اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اس کی حالت پر رحم کھا کر عفو ومغفرت کی دعا کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

برسر عام سزا کی حکمت

فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کیلئے اسلام نے ڈور ڈور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ ریڈیو کی آوازیں عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھ لی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس طور سے

رنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھانے کا موجب ہو سکتی ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ
بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت سے یا مشرک عورت سے اور بدکار عورت سے
لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ
نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک

زانی کی طبیعت کا تجزیہ

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے اُن کا تعلق ازدواج و ہمسری قائم کیا جائے اُن کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک مشرکہ سے اُن کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ (سورۂ نور)۔

کند ہمجنس باہمجنس پرواز کبوتر با کبوتر باز با باز

اُن کی حرکت کا طبعی اقتضاء تو یہ ہی تھا۔ اب یہ خدا کا ناطہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح و حکم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو بالکل باطل نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لا ینکح" کے معنی وہ لئے گئے جو "السلطان لا یخدف" وغیرہ محاورات میں لئے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فافہم واستقم۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لایا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا۔ ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا چاندنی چھٹی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دیکر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کر دی ہے۔ جب دروازوں پر گئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے جیسے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرایا کرتا ہے۔ لوگوں میں جاگ ہو گئی اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے والدان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ انکی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں ادھر اُدھر ڈھونڈھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھول دیئے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تُو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دارقطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر

ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کر لے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کر لے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔

جمہور فقہاء امت امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اور یہ حرام کر دیا ایمان والوں پر

مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے

یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت کیسے کرے گا۔ حدیث میں ہے "لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن" یا یہ مطلب ہو کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حرم" کے معنی وہ ہوں گے جو وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ میں یا "وَحَرَّمَ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا" میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

حرام نکاح اور حرام فعل

کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے، زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہوگی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
پھر نہ لاویں چار مرد شاہد

پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا

یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا مدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہ ہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے ان ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کر دیئے اور ان کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃً لفظ زنا کی کسی پاک دامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہے تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ۔ یرمون کی یہ تفسیر تمام علمائے تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا، میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صلاح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی

محصنات کا مطلب:

باجماع علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بالزنا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا من اشرک باللہ فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر اس کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کر لی ہے اس کی طرف اس نے گذشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر

حد قذف جاری کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بانی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے ام المومنین! آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی اور باکرہ سے نکاح نہیں کیا اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

مؤمنوں والا کلمہ:

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ اپنے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکیزگی کی شہادت قرآن کریم میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھا لائے تھے۔ حضرت زینبؓ نے پوچھا یہ تو بتلاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس جس نے پاک دامن صدیقہؓ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو سزا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتدا اٹھائی ہے خواہ ادھر ادھر پھیلاتا رہا ہے اس کے لئے سخت تر عذاب ہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ ٹھیک قول یہی ہے۔

ثبوت تہمت کی شرائط:

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ۔ پھر نہ لائے چار مرد گواہ، یعنی متہم بالزنا نے اگر زنا کا انکار کیا ہو اور تہمت زنا لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکا ہو تو تہمت لگانے والے کے کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کر دے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ ثبوت زنا مکمل ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کر دیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش کیے اور سب گواہ مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن تہمت لگانے والا بھی مستحق سزا نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہر حال موجود ہے۔ گواہوں کے ساتھ ساتھ آنے کی شرط محض احتیاطاً لگائی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت زنا لگانے والے) پر حد قذف لازم کرنے کے لئے یہ شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ اگر گواہ اجتماعی شکل میں شہادت نہ دیں یا ساتھ ساتھ نہ آئیں تو قاذف پر حد جاری کر دی جائے) اسی طرح اگر متہم بالزنا نے ایک بار اقرار کر لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہوگی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شاہد ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف کے سزا یافتہ ہوں یا شاہدوں میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہوگا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ غلام تو نہ شاہد بننے کا اہل ہے نہ شہادت دینے کا اس کی شہادت سے تو زنا کے شبہ کا ثبوت بھی نہ ہوگا زنا کا ثبوت تو ادائے شہادت سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہوگی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے متہم بالزنا پر حد زنا بھی جاری نہ ہوگی، کیونکہ فاسق شہادت ادا کرنے اور شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت میں کسی قدر ضعف ہے اس لئے فاسقوں کی شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اللہ کی قائم کی ہوئی حد معطل نہ ہو اور مجرم آزادی کے ساتھ جرم نہ کریں) اس نیت خیر کے لئے زنا کی (اور ہر جرم کی) شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (پھر گواہوں کی گواہی صرف بدنام کرنے اور مسلمانوں کی آبرو ریزی کے جذبہ کے زیر اثر مانی جائے گی بلکہ واقع میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسی کوڑے مقرر کی جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس کے اس فعل خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا ان کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کرے گا۔

ایک شبہ اور جواب

رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم

پہنچے گا نہ ایسے محرم کبھی سزایاب ہو سکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم و سنگساری کی سزا دینے کے لئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد و عورت کو یکجا قابل اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابل سزا جرم ہیں لیکن حد شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے اس لئے جس شخص نے دو مرد و عورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جرم جاری کر سکتا ہے۔

محصنت کون ہیں

یہ لفظ "احصان" سے مشتق ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جاوے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت کے ساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم و سنگساری جاری ہو گی۔ (معارف حقی اعظم)

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا
تو مارو ان کو اسی کوڑے اور نہ مانو
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
ان کی کوئی گواہی کبھی

زنا کی تہمت لگانے کی سزا

یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً اسی کوڑے۔ بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں (غلام نہ ہوں) اگر گواہ غلام ہوں تو باجماع فقہاء ہر ایک کی سزا آدھی ہو جائے گی، یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم آیت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس لئے قاذف اگر غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہو گی)۔ اللہ نے زانی یا بدیوں کے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (تفسیر مظہری)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۚ
اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

تہمت لگانے والا فاسق ہوا

اگر واقع میں جان بوجھ کر جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو ان کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبروریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے اور علماء نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ
مگر جنہوں نے توبہ کر لی اس کے پیچھے اور
اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵﴾
سنور گئے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے

یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہ ہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح۔ ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول، عبدالرحمن بن زید بن جابر، حسن بصری، محمد بن سیرین اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔ کما فی الدر المنثور و ابن کثیر۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی

امام ابوحنیفہ نے فرمایا الا الذین کا استثناء گذشتہ آخری جملہ کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کر لیں گے اور اپنے احوال کو درست کر لیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ
اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی (منکوحہ) کی بیوی

یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحما سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچا تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا شرعی ثبوت پیش کرو) ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے ہلال نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بلاشک وشبہ سچا ہوں اللہ ضرور (کوئی حکم ایسا) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی، اس وقت جبرئیل آیات ذیل لے کر نازل ہوئے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ان کان من الصادقین تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت دی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی یعنی لعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی لوٹ سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) لوٹ جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہو اور آنکھیں سرگیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کر لینا کہ) وہ شریک بن سحما کا ہے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

ابن عویمر کی بیوی کا واقعہ

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر کلابی نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو مرد فارغ ہو کر جا چکے گا) بتایئے وہ کیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یارسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زناکار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر اسی کی طرح سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو، حضرت ہلال کا واقعہ

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آپ برا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھا لیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی۔ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یارسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دھاڑ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ

ہلال بن امیہ کا قصہ ہو گیا حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی۔ (غزوۂ تبوک کو تین شخص باوجود قدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کر دیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دے دیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخر ان کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرما دی، واقعہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آ کر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بار گذری، دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا، اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہو گئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ ابو یعلی نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کر دی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے) رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرا دو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا، شہادت دو

ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا، ہلال اللہ سے ڈر دنیوی عذاب، آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کر دینے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں، پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کرنے دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے، یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے کچھ جھجکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کہنے لگی خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی، چنانچہ اس نے پانچویں شہادت دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہوگا تو) عورت کا ہوگا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بچہ کو ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہوگا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہوگا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

عویمر کے واقعہ کی تفصیل:

بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا کہ جب آیت وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ نازل ہوئی۔ اور منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمایئے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھ لے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اس کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے

وارث تو نہ چڑھا ہوگا۔ ابن عاصم کے ایک بچا زاد سے تھے جس کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد کا ذکر ہے کہ) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار حود شریک بن سحما کو دیکھ پایا (اب کیا کروں) عاصم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور آئندہ حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اگذشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر خولہ اور شریک سب عاصم کے ہی عم (یعنی ایک ہی دادا کی اولاد) تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اس کو بہتان تراشی کا نشانہ نہ بنا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر بیٹھا اور چار مہینے سے میں حمل کے قریب بھی نہیں گیا۔ ان تو اگر حمل سے تو سی اور کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے کیا مجھ سے بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ عویمر بڑا غیرت مند آدمی ہے اس نے دیکھا میں اور تو ایک ایر تک بیدار رہتے اور یا ہم ماتیں کرتے رہتے، اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے وہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی تھی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے کہا جو عورت کہہ رہی ہے وہ حق میں کہتا ہوں، اس پر اللہ نے آیت وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ نازل فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا کر دے، منادی نے ندا کر دی تو بڑی بھیڑ جمع ہو گئی آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا، اٹھ اور کھڑا ہو کر اللہ کو گواہ کر کے کہہ کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً بالکل سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر یہی شہادت دی۔ پھر دوسری شہادت میں عویمر سے کہا، میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں بالکل سچا ہوں، پھر تیسری شہادت میں عویمر سے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اس عورت کو جو حمل ہے وہ میرا نہیں کسی اور کا ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر سے کہا میں اللہ کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بالشک میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ عویمر سے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا، جزنی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا میں حد ائی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے، پھر دوسری شہادت میں خولہ سے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے، پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے، پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے رنا تی حالت میں مبتلا نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ٹوٹے۔ تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرا دیا، فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت کے معاملے میں کچھ رائے ہوتی، پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت کو دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ سو بال بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) دو شریک بن سحما کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں، اعضا، کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے (ملکہ وہ عویمر کا ہوگا) حضرت ابن عباس سے فرمایا خولہ کے بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

لعان کیلئے دو شرطیں

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جب تک دو شرطیں نہ ہوں لعان جاری نہ ہوگا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہل شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت رنا لگانے والے) کو حد لگائی جا سکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو عاقل ہو بالغ ہو اور (اس سے پہلے) اس کی طرف رنا تی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف کو حد زنا لگائی جا سکتی ہو اور مرد غلام ہو یا کافر ہو یا تہمت رنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسا مرد تہمت رنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جا سکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

دار قطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمن رمری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد ذمی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ، بخاری، ابوحاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان بن عبدالرحمن کچھ نہیں ہے (یحییٰ ہے نا قابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دار قطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطاء خراسانی کی روایت سے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ یعنی ... مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، یا مدنی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد۔ یحییٰ اور دارقطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابوحاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے بھی بروایت عطاء یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید بن زریع بھی ضعیف ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث اگر متعدد طریقوں سے مروی ہو (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب کے دادا کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحۃً اس نے اقرار کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جا سکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحۃً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حد قذف جاری کی جا سکے۔

اگر شوہر لعان کر لے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کر لے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔ ہم کہتے ہیں لعان اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کر لے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ

اور عورت سے ٹل جائے گی بار یوں کہ وہ گواہی دے چار گواہی

بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ

اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب

اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہے

لعان کا طریقہ

یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اولاً اس سے چار گواہ طلب کئے جائیں گے اگر پیش کر دے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ اگر گواہ نہ لا سکا تو اس کو کہا جائے گا کہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ خود اس کی یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوتیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہے ہوں گے کہ "اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار" اگر الفاظ مذکورہ بالا کہنے سے انکار کرے تو حبس کیا جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو حد قذف لگے گی جو اوپر گزری۔ اور یا پانچ مرتبہ وہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ لئے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ "یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے" اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کریں گے۔ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی اور یا الفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور "لعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت اور دواعی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کر دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں "لعان" کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آیات میں مذکور ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکار ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زنا ثابت ہوگی، اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی الحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

لعان کے بعد تفریق واجب ہے

و یقین کے لعان کر چکنے کے بعد دونوں میں تفریق کر دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا۔ تمہارا حساب اللہ کے ذمے ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دامن انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس حلت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے تماس کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے، واو پر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دوامی) تفریق کرا دی جائے کہ آئندہ کبھی دونوں نہ مل سکیں۔ دار قطنی نے حضرت علی اور حضرت ابن مسعود کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، ثبوت حرمت فسخ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو مہر سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارہ ظہار ادا کرنے سے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستور شرع کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن و خوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تا کہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے، جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے تفریق واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابوحنیفہ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کراتے امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستور شرع کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کر دینے کا فیصلہ کر دے تسریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے۔ یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

مسئلہ اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہوگی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ بچہ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو)

نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلالی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، بیوی اس وقت حاملہ تھی۔ عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شوہر نے کہا میں غفار النسل سے ہی اس (عورت) کے قریب نہیں گیا ہوں (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) غفار النسل کا یہ معنی ہے کہ شاخ تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو سینچا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہوا تو بڑی رگ نکلی ہوئی تھی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے۔

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) پھر وہ سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے کچھ دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعوی کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے، بدو دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہوگا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی و

ابن حبان والحاکم۔ دارقطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوبکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ۔ اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارکباد کی برابر مدت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت کے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس لئے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اس کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی رحمت

وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝

اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

قانون الٰہی رحمت و فضل ہے

یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجود یہ کہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا کہ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ بے محل سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی گئی کہ شاید توبہ کر لے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کر لینا یہ اثر صفت توابیت کا ہوا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ

جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان

حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ

یہاں سے اس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۶ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ تشریف لا رہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں، ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ حمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہؓ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ حمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ ان کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض حمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آ کر پہچانا کہ حضرت عائشہ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ جس سے ان کی آنکھ کھل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوانؓ نے اونٹ ان کے قریب لا کر بٹھلا دیا۔ یہ اس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملایا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بد باطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بلنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس قسم کے

افسوسناک تذکرے کرنے لگے۔ عموماً مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے واہیات تذکروں اور شہرتوں سے سخت صدمہ تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور بغیر تحقیق کچھ نہ کہتے مگر دل میں خطا رہتے۔ ایک ماہ بعد ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس شہرت کی اطلاع ہوئی شدت غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی تھیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورۂ نور کی یہ آیتیں اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ ان سے دور تک نازل فرمائیں جس پر عائشہ صدیقہ فخر کیا کرتی تھیں اور بلاشبہ جتنا فخر کریں تھوڑا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا، بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول

عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت:

چنانچہ ایک جہاد پر آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی، میرا نام نکل آیا، مجھے آپ نے ساتھ لے لیا، یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوئی میرا ہودج ہی اٹھا کر (اونٹ پر) رکھا جاتا تھا اور نیچے اتارا جاتا تھا (مجھے باہر نکلنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اس طرح ہم مدینے سے چل دیئے۔

میرا پیچھے رہ جانا

جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی، ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری نہیں ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا کھانا تھوڑا کھاتی تھیں اس لئے لوگوں نے ہودج کی خفت محسوس نہ کی پھر میں تو کمسن لڑکی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیئے لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر ضرور آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ قافلہ کے ساتھ شمولیت

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی نے لشکر سے پیچھے بہت دور قیام کیا تھا (کیونکہ لشکر کی کوئی گری پڑی چیز تلاش کرنے اور نگرانی رکھنے پر ان کو مامور کیا گیا تھا) وہ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب الحکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا، خدا کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا، اپنی اونٹنی انہوں نے میرے پاس لا کر بٹھا دی اور ان کا ڈھنگنا باندھ دیا، میں اٹھ کر اونٹنی پر سوار ہو گئی وہ مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چلتے رہے ہمارا لشکر ٹھیک دوپہر کے وقت ایک جگہ ٹھہر گیا تھا، میں اس طرح لشکر تک پہنچ گئی۔

واپسی پر میری علالت

میرے معاملہ میں جس (تہمت تراش) کو ہلاک ہونا تھا وہ (غلط افواہیں پھیلا کر) مارا گیا۔ اس تہمت تراشی کا سب سے بڑا ذمہ دار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، میں مدینے پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بیمار رہی لوگ الزام تراشوں کی باتوں میں مشغول تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی

بیماری کے زمانے میں مجھے پتہ نہیں تھا صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تھے تم لوگ کیسے ہو پھر واپس چلے جاتے اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی، لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔

تہمت تراشی کی خبر

جب میں اچھی ہو گئی مگر کمزور تھی تو ایک رات کو ام مسطح کو ساتھ لے کر میں

مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب خیاں بنانے سے (بدبو سے) ایذا ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں اور ہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف کو لوٹے، ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی تو کہنے لگی اس کے منہ سے نکلا مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بری بات کہی، کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی" میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی سنائی بات بتائی، اس کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔

والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا

جب گھر لوٹ کر آئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ لوگ کیسے ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی، آپ نے اجازت دے دی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا اماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں چہیتی ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ کے لئے اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک گزرا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہ کوئی بات ایسی نہیں دیکھی کہ میں قلۃ جیسی تر سکوں ہاں اس اتنی بات ضرور ہے کہ وہ چونکہ کم سن لڑکی ہے سو جاتی ہے آٹا گوندھا سوار کھا رہتا ہے مکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔

برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بری بات معلوم نہیں ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی لوگ ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے، (تمہیں پتا ہے) یہ سن کر سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو کچھ کہا پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اوس کے قبیلہ میں سے ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی، یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی او رسعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ والوں میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تو نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اسکو ضرور بالضرور قتل کریں گے تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خاموش اختیار کر لی۔

میرا رات دن روتے رہنا:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو نہ تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے

اجازت دے دی وہ آ کر بیٹھ گئی اور میرے ساتھ رونے لگی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمہ شہادت پڑھا پھر فرمایا، عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبریں پہنچی ہیں اگر تو ان سے پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرما دے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر، بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا طلبگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں، آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جان گئی کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جمائی ہے اور اس کو سچ ماننے لگے ہو، اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے اچانہ جانو گے اور اگر میں تمہارے سامنے اقرار کر لوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ (پس میں بھی یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

مجھے اپنی براءت کا یقین تھا

میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرما دے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھایا جائے گا۔

وحی اترنا

خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوئی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے (آپ کی پیشانی سے) ٹپکنے لگتے تھے۔

خوشخبری

کچھ دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور ہنستے ہوئے جو لفظ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا، عائشہ خوش ہو جا اللہ نے تیری پاک دامنی کا اظہار کر دیا، میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤں گی نہ اللہ کے سوا کسی کا شکر کروں گی، اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا ابشری یا عائشة اما اللہ فقد امرأک یعنی اے عائشہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔

حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات

امام بغویؒ نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہؓ بھی (بطور تحدیث بالنعمۃ) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

پہلی خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبریل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہؓ) اور بعض روایات

میں سے کہ جبرئیل امین اپنی ہتھیلی میں یہ صورت لے کر تشریف لائے تھے۔

دوسری خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔

چوتھی خصوصیت

بیت عائشہؓ ہی میں آپ مدفون ہوئے۔

پانچویں خصوصیت

آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

چھٹی خصوصیت

آسمان سے ان کی براءت نازل ہوئی۔

ساتویں خصوصیت

وہ حلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہؓ کی فقیہانہ اور عالمانہ تحقیقات اور فاضلانہ تقریر کو دیکھ کر حضرت موسیٰ بن طلحہ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہؓ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (رواہ الترمذی) (معارف متنی اعظم)

افک کا معنی اور مطلب

افک انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے موڑ دینا، الٹ دینا، حضرت عائشہؓ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں، صدیق اکبرؓ کی بیٹی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ مسلمانوں کی ماں تھیں ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی، پس اس کے برعکس جس نے آپ کے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت کو ہی الٹ دیا۔ یہ قلب حقیقت ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ
تمہیں میں ایک جماعت ہیں

طوفان اٹھانے والے

یعنی طوفان اٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان بتلاتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ ان کی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان ان کے جال میں نہیں پھنسے۔ (تفسیر عثمانی)

عصبۃ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت۔ ان کا کوئی واحد نہیں۔ کذا فی النہایۃ منکم یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا، انہوں نے سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہیں کیا، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کئے، مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا کہ اللہ نے عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)۔

حضرت عائشہؓ کا حسنِ خلق و مروت

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

(ترجمہ) میرے ماں باپ اور میری آبرو تم سے محمد کی آبرو کو بچانے والے ہیں۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو پر میرے والدین اور آبرو قربان۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ
تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لئے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کا گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت مکروہ، رنجدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لئے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کیا حال جا سکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں

کو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللہ الحمد علی ذلک (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ
مر آدمی کے لئے اس میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا
وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ
اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے

الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر گناہ سمیٹا اور سزا کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے، بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سن کر جھٹلا دیتے ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب کو درجہ بدرجہ کم و بیش الزام دیا۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جیسا کہ روایات کثیرہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی لات و حواری سے یاد کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کوڑوں کی سزا

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر تہمت تراشی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک (پر حد قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں سزائے تازیانہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی اور آخرت میں جتنی سزا اللہ کو منظور ہوگی مل جائے گی۔

عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا، پھر میں سوار ہو گئی صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گذر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے عام لشکر سے الگ اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ عام مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی کہنے لگا یہ عورت کون ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے، عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی اور نہ وہ اس سے بچا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔

آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول

بعض کا قول ہے کہ: الذی تولی کبرہ سے چار شخص مراد ہیں، عبداللہ بن ابی بن سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو والذی تولی کے بجائے والذین تولوا (بصیغہ جمع) ہوتا، اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے، بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیے ہیں (اس لئے ان پر آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہو سکتا)

اہل بدر کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر سے فرما دیا تھا جو چاہو تو واللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وکلا وعد اللہ الحسنی اور ہر ایک کے لئے اللہ نے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ عذاب نہ ہوگا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو) مسروق نے کہا، میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہؓ کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حصانٌ ورانٌ ماتزنُ بریبۃ
وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

(ترجمہ) وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شبہ کی بات سے متہم نہیں کی جا سکتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ
کیونکہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا تو مسلمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں
بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ
نے اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

ایک مسلمان کا طرز معاشرت

مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جب سنے کہ لوگ ایک نیک شخص پر یوں ہی رجما بالغیب بری تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے میں ایسے خیالات کو راہ نہ دے بلکہ ان کو جھٹلائے۔ پیغمبر

علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے اللہ پیٹھ پیچھے اس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کرلے۔

حضرت ابوایوبؓ کا کمال

جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا۔ ایک روز اُن کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کرسکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیقؓ کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک وصاف اور طاہر ومطہر ہیں، اُن کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے آخری جملے ﴿وَقَالُوا هَٰذَا اِفْكٌ مُّبِيْنٌ﴾ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہوجائے اُس وقت تک اس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب وگناہ کی بات اس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا عین تقاضائے ایمان ہے۔

بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے

اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد وعورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہوجائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رسوا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ

مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حسن ظن رکھنے کی ہدایت اور اس کے خلاف بے دلیل باتوں کی تردید کو واجب قرار دیا ہے اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ کردی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہو تو توبہ کرلینا چاہئے۔ (ماخوذ از تفسیر عثمانی)

وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حسن ظن رکھنے کا حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا۔ کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اس کے مقتضے پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ ما علمت علی اھلی الا خیرا رواہ البخاری۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضی پر عمل اور حسن ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد (بھی) رفع ہوجاوے وہ اس وقت ہوا جب آیات براءت نازل ہوگئیں۔

ہر مسلمان کو گناہوں سے پاک صاف سمجھنا اصل شرعی ہے جو دلیل سے ثابت ہے اسکے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹا سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مؤمن مسلمان پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہٰذا یہ بہتان ہے۔

انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام

قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پاوے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تاکہ اس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حد زنا اُس پر جاری کرکے اس شہرت ہی کو سبب انسداد بنادیا جائے۔ اور جہاں ثبوت شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کردینا اور شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کم کردے اور جرائم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز ہر اخبار میں نشر ہوتی رہتی ہیں نوجوان مرد اور عورتیں اُن کو دیکھتے رہتے ہیں روزانہ ایسی خبروں کے سامنے آنے اور اُس پر کسی خاص سزا کے مرتب نہ ہونے کا لازمی اور طبعی اثر یہ ہوتا ہے کہ دیکھتے دیکھتے وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے اسی لئے قرآن حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو اس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آجائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ (مفتی اعظم)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا
پھر نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے
بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ
شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے

بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے

یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدوں کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

اگر کوئی کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش کر دے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے تو عنداللہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
وہ آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی

اللہ کے فضل نے بچالیا

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر خطا معاف کر دی ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر آ جانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے) تو جس ناریبا اور پر معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آ جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ
جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور کہنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ
خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے

جرم کی سنگینی یعنی عذاب عظیم کے مستحق کیوں نہ ہوتے جبکہ تم ایسی بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ انکل پچو باتیں نکالتے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر اصل یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت بڑا سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا یہ وصل جرم سے بھی بڑا جرم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نیکیوں کا مدار حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جن کے لئے اللہ آسان کر دے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) ساجھی نہ بناؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو، کعبے کا حج کرو۔ آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں، (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے، خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا سر اور ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے، پھر فرمایا، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمایئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا، معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ
یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے

دل میں کوئی برا وسوسہ گزرے تو پھر یہ جائز نہیں کہ ایسی ناپاک بات زبان پر لائی جائے۔ چاہئے کہ اس وقت مومن اپنی حیثیت اور دیانت کو ملحوظ رکھے اور معاف کر دے۔ ایسی بے سر و پا بات کا زبان سے نکالنا مجھ کو زیب نہیں دیتا اے اللہ تو پاک ہے۔ کس طرح لوگ ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔ بھلا جس پاکباز خاتون کو تو نے سید الانبیاء اور راس المتقین کی زوجیت کے لئے چنا کیا وہ (معاذ اللہ) خود بے آبرو ہو کر پیغمبر کی آبرو کو بٹہ لگائے گی (حاشا ثم حاشا) ہو نہ ہو دشمنوں نے ایک بے تصور پر بہتان باندھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہمارے لئے یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو پاک ہے (تیرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی کیلئے ایسی بات کیوں کہی گئی

مَا یَکُوْنُ لَنَا یعنی ہمارے لئے جائز نہیں، سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کے متعلق ایسے بات کہنی تو سچے مسلمانوں کے لئے بہت ہی شاق تھی ویسے بھی کسی پاک دامن پر زنا کی تہمت لگانی فاسق بنا دیتی ہے آئندہ ایسے شخص کی شہادت قابل پذیرائی نہیں رہتی اور تہمت تراش مستحق سزا ہو جاتا ہے۔

سُبْحٰنَکَ یعنی اے اللہ تو اس بات سے پاک ہے۔ تیرے نبی کی بیوی زانیہ ہو، کیونکہ بیوی کی زنا کاری تو شوہر کی آبرو کو تباہ کر دیتی ہے۔ ہی لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے۔

یہ بہت بڑا بہتان تھا

ھٰذَا بُهْتَانٌ عظیم یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ سننے والا اس کو سن کر حیران رہ جاتا ہے جس پر دروغ گندی کی جاری ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی طرف ایسی رذیل حرکت کی نسبت سننے والے کو متحیر بنا دیتی ہے جس پر دروغ تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری ہونے) کا اندازہ قائم کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَعِظُکُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ
اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر کبھی ایسا کام نہ کرنا اگر تم ایمان رکھتے ہو

خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو

یعنی مومنین کو پوری طرح چوکس اور ہشیار رہنا چاہیئے۔ مدعا طعن منافقین کے حیلوں میں کبھی نہ آئیں۔ ہمیشہ چشمہ علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی عظمت شان کو ملحوظ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ کہ ایسی حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے ایسی بات کہنا جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو۔ خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے اس طور پر خیر کی یاد دہانی کرنا کہ دلوں میں رقت پیدا ہو جائے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد دلاتا اور سزا سے ڈراتا ہے۔

یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اور ڈراتا ہے کیونکہ اس کو تمہارا پھر ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔

مجاہد نے یعظکم کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے دوبارہ ایسی حرکت کرنے سے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو نصیحت مانو ایسی حرکت پھر کبھی نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

حوشیہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو فہم کرتے ہیں وہ مومن کہاں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ
اور کھولتا ہے اللہ تمہارے واسطے پتے کی باتیں اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا ہے

اللہ کی طرف سے راہنمائی

یعنی بتلا دیا کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے معلوم ہوا کہ منافقین ہے جو ہمیشہ پیچھے دھنس رہے۔ اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذا فی الموضح) عموماً مفسرین نے آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین لئے ہیں۔ اس وقت صفات علم و حکمت کے ذکر سے یہ غرض ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ حکیم مطلق ہے اس لئے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیلے ہو بدکاری کا
فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
ایمان والوں میں

بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنے والے

یعنی بدکاری پھیلے بدکاری کی خبریں پھیلیں۔ یہ چاہنے والے منافقین تھے لیکن ان کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا کہ اگر فرض کرو کسی کے دل میں ایک بری بات کا تھوڑا گزرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی کہہ گزرا تو چاہیئے کہ اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا نہ پھرے۔ اگر خواہی نہ خواہی کسی مومن کی آبروریزی کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اُسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑے گا۔ کمافی حدیث احمد رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

ان کے لئے عذاب ہے [illegible] دنیا اور آخرت میں

دنیا میں حد قذف رسوائی اور قسم قسم کی سزائیں اور آخرت میں دوزخ کی سزا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے

یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے کہ تم نہ جانتے ہو۔ اور اسی کے علم میں ہے کہ کس کا جرم کتنا ہے اور کس کی کیا غرض ہے۔ (تنبیہ) حب شیوع فاحشہ، حسد و کینہ وغیرہ کی طرح اعمال قلبیہ میں سے ہے۔ مراتب قصد میں سے نہیں۔ اس لئے اس پر ماخوذ ہونے میں اختلاف نہ ہونا چاہیے۔ قتلہ لہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور (اے لوگو!) تم نہیں جانتے۔ اس لئے تم کو تو ظاہری امور کا اتباع کرنا چاہیے تھا، اگر الزام لگانے کی اس کا مقصد نہیں وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کو قائم کرانا اور زمین سے بگاڑ دور کرنا چاہتا ہے، لیکن اگر شرعی گواہ نہ ہوں تو الزام لگانے والا اچھی نیت نہیں رکھتا۔ حدود الٰہیہ کو قائم نہیں کرا سکتا۔ مسلمانوں کی آبروریزی کرنا اس کا مقصد ہے اس لئے حد قذف اس پر جاری کرو۔ خواہ واقع میں سچا ہو حقیقت خدا جانے۔ اللہ کے حکم کے موجب وہ جھوٹا ہے تم ظاہری احکام کے پابند ہو اللہ نے ایسے لوگوں کو بہتان تراش کہا، اور تہمت تراشی کی سزا مقرر کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت

وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿٢٠﴾

اور یہ کہ اللہ بڑی رحمت والا ہے مہربان تو کیا کچھ نہ ہوتا

اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا

یعنی یہ طوفان تو ایسا اٹھا تھا کہ نہ معلوم کون کون اس کی نذر ہوتے لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے تائب ہونے کی توبہ کو قبول فرمایا اور بعض کو حد شرعی جاری کر کے پاک کیا اور جو زیادہ خبیث تھے ان کو ایک گونہ مہلت دی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ کے قصہ میں کچھ اصل اندازی کی تھی۔ شرط کی جزاء محذوف ہے، یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا کہ تمہاری بیخ و بن اکھڑ جاتی اور آخرت میں تم کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیتا۔

اللہ نے اس آیت میں دوبارہ عذاب سے ڈرایا ہے اور اپنی رحمت کا تذکرہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ بڑا اہم اور جرم سخت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں اور لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سے مراد ہے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دوامی دوزخ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ میں مراد ہیں حسان اور مسطح اور حمنہ۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

اے ایمان والو نہ چلو قدموں شیطان کے

وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ

اور جو کوئی چلے گا قدموں پر شیطان کے [illegible] تو

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

یہی بتلائے گا بے حیائی اور [illegible]

شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو

یعنی شیطان کی چالوں سے ہشیار رہا کرو۔ مسلمان کا یہ کام نہیں ہونا چاہیے کہ شیاطین الانس والجن کے قدم بقدم چلنے لگے۔ ان ملعونوں کا تو مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو بے حیائی اور برائی کی طرف لے جائیں تم جان بوجھ کر کیوں ان کے بھرے میں آتے ہو۔ دیکھو شیطان نے ذرا سا چرکہ لگا کر کتنا طوفان کھڑا کر دیا اور کتنی سیدھے سادھے مسلمان کس طرح اس کے قدم پر چل پڑے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَى

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت تو نہ سنورتا

مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ

تم میں ایک شخص بھی کبھی اور لیکن اللہ سنوارتا ہے کس کو چاہے

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢١﴾

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا۔

یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ کر چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستہ پر نہ رہنے دیتا۔ یہ تو

خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر بہتیروں کو محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہ ہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ سنوارے جانے کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہئے۔ وہ سب کی توبہ وغیرہ کو سنتا اور ان کی قلبی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ

اور قسم نہ کھائیں کرنے والے تم میں سے اور کشائش والے

أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ

اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ

اللہ کی راہ میں اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے

أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

کہ اللہ [illegible] معاف [illegible] بخشے [illegible] مہربان

احسان و مروت کی تعلیم

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ

حضرت عائشہؓ پر طوفان اٹھانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہوتے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے ہیں قصہ "افک" سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطح کی امداد نہ کروں گا۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بڑی جوانمردی تو یہی ہے کہ برائی کا بھلائی سے دیا جائے۔ محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر قسم کھائی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ خطا کاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہئے۔ گویا اس میں "تخلق باخلاق اللہ" کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب سنا "أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ" کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے تو فوراً بول اٹھے۔ بلیٰ یا ربنا انا نحب (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) یہ کہہ کر مسطح کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر عثمانی)

أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے درگزر کرنے اور حسن سلوک کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے۔ یعنی تم سے بھی تو اللہ کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دے تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

شیخین وغیرہ کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم میں تو دل سے خواستگار ہوں کہ اللہ میرے قصور بخش دے۔ اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطح کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلہ رحم جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ لے لے بلکہ واصل رحم وہ شخص ہے کہ اگر کوئی تم سے اپنا رشتہ توڑے تو تم اس کو جوڑے رکھو۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر اور دوسرے چند صحابیوں نے قسم کھائی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ہے ان کو کچھ نہیں دیں گے اس پر آیت مذکور کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم تنبیہ حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت کے قضیہ میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیات براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر منکر قرآن ہے جیسا کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک و شبہ کرنے کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماع امت کافر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ

جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر ایمان والیوں کو

لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

ان کو پھٹکارے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب

پاکدامن خواتین پر تہمت گناہ کبیرہ ہے

صحیحین کی حدیث میں ہے۔ "اجتنبوا السبع الموبقات الشرک باللہ وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قذف محصنات مطلقاً مہلکات میں سے ہے۔

ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگانا کفر ہے

قرآن میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا قذف تو کسی درجہ کا گناہ ہوگا، ملا نے تصریح کی ہے کہ ان آیات سے رسول کے بعد جو شخص عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم کرے وہ کافر مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قذف المحصنہ یھدم عمل مائۃ سنۃ" (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللہ (تفسیر عثمانی)

عوام ابن حوشب نے قتیبہ بن کامل کے ایک شیخ کے حوالہ سے نقل کیا کہ حضرت ابن عباس سے فرمایا آیت مذکورہ حضرت عائشہ اور دوسری امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی اس میں توبہ نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے اس کے لئے اللہ نے توبہ کی گنجائش رکھی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے آیت الا الذین تابوا من بعد ذلک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم الخ تلاوت کی اور فرمایا ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر کیا گیا اور (آیت مذکورہ بالا میں) ان لوگوں کے لئے توبہ کا ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح طبرانی نے ضحاک بن مزاحم کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ

جس دن کہ ظاہر کریں گی ان پر ان کی زبانیں اور ہاتھ

وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾

اور پاؤں ان کے جو کچھ وہ کرتے تھے

قیامت کے دن مجرم کی رسوائی

یعنی خرمن عمر سے دانہ اور ثمر تمنا چاہے گا۔ مگر جو زبان اور ہاتھ پاؤں بولیں گے اور ان میں سے ہر عضو اس عمل کو ظاہر کرے گا جو اس سے ذریعہ سے کیا گیا تھا (الطیبی) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار گواہوں کا اس سے مطالبہ تھا جو پورا نہ کر سکا۔ اس کے بالمقابل یہاں یہی پانچ چیزیں ہوں گی۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت کے گواہ ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اسکے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے، یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے اعمال جس سے بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب بندے کے سامنے لائے جائیں گے مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے یہ کئے تھے میں نے یہ کئے تھے، اقرار کرانے کے بعد اللہ اس پر پردہ ڈال دے گا اور معاف فرما دے گا وہ گناہ اس طرح چھپا رہیں گے کہ روئے زمین پر کوئی مخلوق اس کو نہ دیکھ سکے گی ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں تمہیاں سوں کی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور ماہم بیان کریں گے۔ منافق کو جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے بھلے کام فرشتے سے مجھ پر لکھوا دیئے ہیں۔ فرشتے کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابوموسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی ران بولے گی، پھر ابوموسیٰ سے آیت الیوم نختم علی افواھھم الخ تلاوت کی۔

ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس روز منہ پر مہر لگا دی جائے گی اس روز انسان کی سب سے پہلی بڑی ہوگی بولنے لگے گی دائیں کی ہاتھیں کہیں گی میں نے یہ کیا ہے بائیں کی ہاتھیں کہیں گی میں نے یہ کیا ہے پاؤں کہیں گے میں نے یہ کیا ہے۔ احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے منہوں پر دہانے چڑھے ہوں گے (کہ منہ بند ہوں گے بول نہ سکیں گے) سب سے پہلے آدمی کی ران اور ہتھیلی کلام کرے گی۔ مسلم نے روایت ماری تمام اس باب میں

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی کے عمل (کی شہادت دینے کے لیے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کام نہ کر سکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ ان کے ارادے کے خلاف بھی ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہو جائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے جسمانی اعضاء ان لوگوں کے خلاف شہادت دیں گے جو اعمال ناموں کی تحریر کے منکر ہوں گے (اور اعمال نامہ کے اندراج کو غلط بتائیں گے اور جھگڑا کریں گے۔ ایسے لوگوں کے خلاف اعضائے جسم شہادت دیں گے۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر گذشتہ آیات کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا جیسا کہ قتادہ کا خیال ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ
اس دن پوری دے گا ان کو اللہ ان کی سزا جو چاہے اور جان لیں گے
أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾
کہ اللہ وہی ہے سچا کھولنے والا

رتی رتی عمل سامنے آئے گا

جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ
گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندوں کے
وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ
اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے

بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے

یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں کے لائق ہیں۔ اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے نقلہ فی موضح القرآن۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ کے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے کہ "الخبیثات" اور "الطیبات" سے یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے "أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ" سے ظاہر ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کی براءت

ابن زید نے کہا، خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی اکثر گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہؓ پاک ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہؓ اور ان جیسے لوگ ان افتراء پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کو ناپسند ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر۔

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ
وہ لوگ بے تعلق ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں

یعنی ستھرے آدمی ان باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٢٦﴾
ان کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

یعنی برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی خطاؤں یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہاں مفسد لوگ جس قدر ان کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں وہاں اس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی وہ روز روشن سے زیادہ واضح ہے حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدباطن عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے تو باتفاق علماء امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم

صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار علماء تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبرأۃ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

(نکتہ) خاتمہ پر اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ بصیغہ جمع ذکر فرمایا سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

(معارف القرآن کا ملخص)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ان کے (یعنی عائشہؓ اور ان جیسے لوگوں کے) لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مایہ ناز خصوصیتیں

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہؓ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہؓ کی تصویر ایک ریشمی کپڑے میں (لپیٹ کر) لائے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت عائشہؓ کی تصویر اپنے ہاتھ میں لائے تھے۔ (۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضور والا کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ (۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ (۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی اسی حالت میں) وحی آجاتی (اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا) (۶) حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کی صراحت آسمان سے نازل ہوئی۔ (۷) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ (۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھی۔ (۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

صدیق کی بیٹی صدیقہ

مسروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے کوئی وعید اتنی سخت نہیں نازل ہوئی۔ جتنی حضرت عائشہ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا فرشتہ ایک ریشمی کپڑے میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کر دے گا۔

جبریل کا حضرت عائشہؓ کو سلام

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبرئیل ہیں تم کو سلام کر رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا علیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

تمام ازواج مطہرات پر فضیلت

یہ بھی حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (باری کی اس تعیین سے) ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہونا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں نے دو گروہ (جدا جدا) ہو گئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کریں کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ اگر کسی شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں مت ستاؤ۔ سوائے عائشہؓ کے اور کسی عورت کی چادر میں (اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) میرے پاس وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو ایذا دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) فاطمہؓ کو اسی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گذارش کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے۔ سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے)۔ فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا۔ صحابہ کو جب کسی حدیث (کے سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی تو ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت عائشہؓ کی بلاغت وسلاست

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ سلیس بیان والا کسی کو نہیں پایا۔ رواہ الترمذی۔

چار شخصیتوں کی براءت

بیضاوی نے لکھا ہے اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ سے پاکی (یعنی تہمت سے براءت) عنایت کردی۔

(۱) یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچہ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

(۳) مریم کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

(۴) عائشہؓ کو ان مذکور آیات کے ذریعے سے اور مختلف پرزور طریقوں سے۔ حضرت عائشہؓ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی مؤکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا اور اعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت وشان کا اظہار بھی مقصود ہے۔ (مسیر عسکری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

اے ایمان والو مت جایا کرو کسی گھر میں اپنے گھروں کے سوائے

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ

جب تک بول چال لو اور سلام کرلو ان گھر والوں پر یہ

خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

بہتر ہے تمہارے حق میں تاکہ تم یاد رکھو

کسی کے ہاں جانے کے آداب

یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں یوں ہی بے خبر نہ گھس جائے لیا جائے وہ کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی، حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں ان ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں (ربط) شروع سورت سے احکام زنا وقذف وغیرہ کے بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی کے گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے اس لئے ان آیات میں مسائل استئذان کو بیان فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر کے آدمیوں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آ جاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے، میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔ (تفسیر عسکری)

استیناس کا مطلب

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابوایوب کے بھتیجے حضرت ابوسودہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے، فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ کہے اور کھنکھارے (تاکہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دے دے۔ (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے آنس، صد وحشت (کو کہتے ہیں) آنس الشیء کسی چیز کو دیکھا جانا، احساس کیا آنس الصوت آواز کو سنا، خلیل نے کہا استیناس کا معنی دیکھنا۔

حضور کی نصیحت

تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا یعنی گھر والوں کو السلام علیکم کہو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے! جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو

حضرت کلدہ بن حنبل کہا کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، نہ اجازت طلب کی نہ سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آ سکتا ہوں، (رواہ ابو داؤد، الترمذی)۔

حضرت عبادی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخلے کی) اجازت نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

یعلوی سے منقول ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں ایک شخص سے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر۔ جب مشورہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلبی کی حضرت ابن عمر نے اجازت داخلہ دے دی۔

امام بخاری نے الادب المفرد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ ان سے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا السلام علیکم کیا میں گھس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھلاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم ادخل یعنی کیا میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اتنے میں یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سن لیے اور اس طرح کہا السلام علیکم ادخل تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتاذنوا لمن لم یبدا بالسلام یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ (مظہری)

ترمذی میں ہے حضرت ابن عمرؓ حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لا سکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا السلام علیکم، کیا میں اندر آ جاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آ جاؤ۔ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے کبھی اُس قدم پر فرمایا یوں کہو کہ آ جاؤ۔ اس نے کہا کہ آ جاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ کے پاس چار عورتیں گئیں اجازت چاہی کیا ہم آ جائیں؟ آپ نے فرمایا تمہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔

حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی پھر یہی آیت پڑھ سنائی

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود جب میرے پاس گھر میں آتے تو کھنکھار کر آتے کبھی سفر سے واپس آنے پر باہر کسی سے باتیں کرنے لگتے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہدؒ نے تنحنحوا کے معنی بھی یہی کیے ہیں کہ کھنکھار دینا، تھوک دینا وغیرہ۔ امام احمد فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب اس اپنے گھر میں جانا چاہے باہر سے ہی کھنکھار دے یا جوتیوں کی آہٹ سنا دے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بے اطلاع گھر آ جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کو پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ بستی کے پاس لوگ اتریں تاکہ مدینہ میں خوب مشہور ہو جائے شام کو اپنے گھروں میں جانا ان کے لیے کہ اس اثنا میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کر لیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر (بلند آواز سے کہے، یا کھنکھار دینا جس سے گھر والے معلوم کر لیں کہ فلاں آ رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسئلہ اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابو سعید کی روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آ جائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابو داؤد۔

دوسری روایت میں آیا ہے کسی کو بلوانے کیلئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ یعنی اچانک اندر گھس پڑنے سے یا رسم جاہلیت سے یہ طریقہ بہتر ہے۔

جاہلیت کا طریقہ حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے سلام علیک کے) کہتے تھے انعم اللہ بک عینا اللہ تم کو ٹھنڈک چشم رکھے۔ انعم صباحا صبح بخیر، جب اسلام آیا تو اس نے ہم کو ایسا کہنے کی ممانعت کر دی۔ رواہ ابو داؤد۔ (مظہری)

مسئلہ ان آیات میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسے کہ عام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی اس میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جاتیں تو پہلے اُن سے استیذان کرتیں۔ حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں

اکثر حضرت صدیقہ عائشہؓ کے پاس حاضر ہوا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ: اسی آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس، سب کو استیذان واجب ہے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہئے۔

اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ کے طلب گار ہوتے تھے۔

امام مالک نے موطا میں مرسلاً عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے وقت بھی استیذان کروں آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اس شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت لئے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہئے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیت قرآن میں عبر ہو ملکم آیا ہے اس میں بیتکم سے مراد وہ بیوت اور گھر ہیں جن میں انسان تنہا وحدی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اس میں نہ ہوں۔

مسئلہ: جب گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریق سنت یہ ہے کہ وہاں بھی اچانک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکھار سے کسی طرح پہلے باخبر کر دے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکھار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) (مظہری)

اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے

پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آ کر یہ الفاظ کہے۔ السلام علی رسول اللہ السلام علیکم ابدخل عمر یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے (رواہ قاسم بن اصبغ وابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ (ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے السلام علیکم ھذا ابوموسی السلام علیکم ھذا الاشعری (قرطبی) اس میں بھی پہلے اپنا نام ابوموسیٰ بتلایا پھر مزید صراحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوگی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

خطیب ہمدانی نے اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا انا (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام انا ہو پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابر عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں، تو جابرؓ نے یہی لفظ کہہ دیا انا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زجر وتنبیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

ایک برا طریقہ

اس سے بھی زیادہ برا یہ طریقہ ہے جو آج کل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ نام سے دروازہ پر دستک دیتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُنس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُن سے بچائے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے

اور دستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

مسئلہ کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو عادۃً اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورت شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب یہ ہے کہ اس سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ ٹیلیفون پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لیا جائے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ فوراً معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کسی بھی حال میں اور اپنے ضروری کام میں ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے۔ کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں آیا ہے ان لزورک علیک حقا یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے کہ اس سے بات کرو اور بلا ضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
پھر اگر نہ پاؤ اس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ
جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو

بہر حال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جائز نہیں

اگر یہ معلوم ہوا ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے گھر میں بدون مالک و مختار کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آ جائے ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک گھر والا آ کر تم کو اجازت نہ دے دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آ جاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے، بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض ان باتوں یا چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جس کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا ڈھے رہا ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو۔ (مثلاً چوری ہو رہی ہو یا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو) (تفسیر مظہری)

وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا
اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ
هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ
اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے

اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ:

یعنی ایسا کہنے سے برا نہ مانو بسا اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح یار خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے پاس ابو موسیٰ اشعری آئے اور کہا، مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا (آدمی کہہ کر واپس چلا گیا) حسب الطلب میں حضرت عمر کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (باہر سے) سلام کیا لیکن (اندر سے) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا، میں لوٹ آیا۔ اب جو ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا، میں تو آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرما دیا تھا، اگر تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اس ارشاد پر شہادت پیش کرو۔ (اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے ساتھ چل کر شہادت دے دے) حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا، میں اٹھ کھڑا ہوا، اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت دے دی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت

میں دیا گیا ہے) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حسن نے کہا، پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ سلام و اجازت طلبی ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ الفاظ مذکور کہنا واپسی کیلئے اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انس راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حضرت سعد نے چپکے سے جواب دے دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا، لیکن اپنا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں (مجھے دل سے خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی اور برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت وسلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد سب لوگ سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سعد نے کشمش پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزول رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مسئلہ اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباس ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

کسی کے گھر جھانکنا منع ہے

اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جھانک کر دیکھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البغوی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے

جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے

وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ وقالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا

نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں

غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری

غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ:

یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چندے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت داخلے کا حکم آیت مذکور میں دیا گیا ہے ان سے مراد کون سے مکان ہیں علماء کے اقوال اس میں مختلف آئے ہیں قتادہ نے کہا ان سے مراد وہ دوکانیں جو ٹھہریاں اور مکان ہیں جو قافلوں کے لئے بنا دیئے جاتے تھے، قافلے آتے جاتے وہاں ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لئے لوگ داخل ہوتے ہیں یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا بازار کی دوکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ ابن سیرین جب بازار کی کسی دوکان پر جاتے تو فرماتے السلام علیکم، میں داخل ہو جاؤں، پھر (جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے) (تفسیر مظہری)

شانِ نزول حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جا بجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (رواہ ابن ابی حاتم۔ مظہری)

مسئلہ رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے کچھ شرائط اور پابندیاں ہوں اس کی پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر اگر بغیر پلیٹ فارم کے جانے کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ایرڈروم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ اسی طرح مساجد۔ مدارس۔ خانقاہوں۔ ہسپتالوں وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے۔ ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ

اور اللہ کو معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

اس نے تمہارے تمام کھلے چھپے حالات کی رعایت سے یہ احکام مشروع کئے ہیں جن سے مقصود فتنہ و فساد کے مداخل کو بند کرنا ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنے دل میں اسی غرض کو پیش نظر رکھ کر عمل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو برہنہ دیکھنے کے لئے گھروں میں بلا اجازت داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

کہہ دے ایمان والوں کو نیچی رکھیں اپنی آنکھیں

بدنظری حرام ہے بدنظری عموماً زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں اگر ایک مرتبہ بے ساختہ مرد کی کسی اجنبی عورت پر یا عورت کی کسی اجنبی مرد پر نظر پڑ جائے تو دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ کیونکہ یہ دوبارہ دیکھنا اس کے اختیار سے ہوگا جس میں وہ معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ اگر آدمی نگاہ نیچی رکھنے کی عادت ڈال لے اور اختیار و ارادہ سے ناجائز امور کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا کرے تو بہت جلد اس کے نفس کا تزکیہ ہو سکتا ہے چونکہ پہلی مرتبہ دفعۃً جو بے ساختہ نظر پڑتی ہے۔ از راہ شہوت و نفسانیت نہیں ہوتی۔ اس لئے حدیث میں اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں بھی مِنْ اَبْصَارِهِمْ میں مِنْ کو تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حسن کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی لعنت ہے (نامحرم کو) دیکھنے والے پر اور جس عورت کو دیکھا جائے اس پر۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان یَغُضُّوْا امر کا صیغہ ہے۔

مومنوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ کسی کو نہ دیکھیں سب کی طرف سے آنکھیں بند رکھیں، بلکہ جس کو دیکھنے کی اجازت نہیں اس کی طرف نظر اٹھانے کی ممانعت ہے بلکہ نامحرم کی طرف بالارادہ دوسری بار دیکھنے کی بندش ہے۔ پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت بریدہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا علی یہ پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ کرنا پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی۔

اچانک نظر پڑنا

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کرو۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوامامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے رواہ احمد۔ (تفسیر مظہری)

نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت اُم سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں جو ابن اُم مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اُترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو کہ اسے نہ دیکھو۔

دیور موت ہے صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیور جیٹھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تو موت ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا:

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا ہاں! فرمایا کیا تم نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرے۔

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا:

ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔

عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں:

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم ادھر اُدھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ یہ سن کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ اُن کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ
اور تھامتے رہیں اپنے سترہ

یعنی حرامکاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ الا عند من اباحہ الشارع من الازواج وما ملکت ایمانھم

انسداد فواحش اور حفاظت عصمت

عورتوں کے لئے حجاب اور پردہ کے احکام کی پہلی آیات وہ ہیں جو سورۂ احزاب میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آنے کے وقت نازل ہوئیں، جس کی تاریخ بعض حضرات نے ۳ھ اور بعض نے ۵ھ بتائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں ۵ھ کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ ۵ھ میں یہ عقد ہوا ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی آیت حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورۂ نور کی یہ آیات قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ ۶ ہجری میں ہوا۔

غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہتہً داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اُس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں اُن سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا سے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا اُن کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سننا۔ ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ کل ما عصی اللہ بہ فھو کبیرۃ وقد ذکر الطرفین۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں لیکن آیت میں ان کے دو طرف ابتدا و انتہا

گویا کر دیا گیا استدا، نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتظار نا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه۔ (ابن کثیر)

(ترجمہ) نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں سے ہے جو خدا کے خوف سے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (ابن کثیر)

برہنہ ہونے سے بچو

بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، برہنہ ہونے سے بچو تمہارے ساتھ (مرد تک) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ لہذا تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

اس میں خوب ستھرائی ہے اس کے لئے جو اللہ کو حضرت خوب سمجھ کر کرتے ہیں

آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے:

یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال ان سب امور سے بے لہذا اس کا خیال کر کے مذکورہ اور مقدم کی مذکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن - رکوع ۳) حضرت شاہ صاحب نے "ما صنعون" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آرہے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تاکہ تم راہ کیہ ہو سکے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

اور کہہ دے ایمان والیوں کو بچی رکھیں وہ اپنی آنکھیں

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھائیں اپنا سنگار

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

مگر جو کھلی چیز ہے ان میں سے

زینت کو ظاہر نہ کرنا

سنگار عرف میں خارجی اور کسبی آرائش کو کہتے ہیں جو متاع لباس یا زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ "سنگار" کے بجائے "رعنائی" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ رعنائی کا لفظ ہر قسم کی خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے، خواہ وہ جسم کی پیدائشی حالت سے متعلق ہو یا پوشاک وغیرہ خارجی چیز سے خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت کو کسی قسم کی خلقی یا کسبی رعنائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر رعنائش کا ظہور غیر اختیاری ہے، اس سے ظہور کو بسبب عدم اقتدار یا ضرورت کے روک نہیں سکتی، اس کے مجبوری یا بصرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کہنیوں تک ہتھیلیاں' الا ما ظهر منها میں داخل ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ اگر ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے بڑا سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان کے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلا یا مہندی کا جل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا لیکن، اصح یہ ہے کہ "الا ما ظهر منها" سے صرف عورتوں کو بصرورت ان کے کھلا رکھنے کی اجازت ہوتی۔ نامحرم مردوں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ آنکھیں، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت سے بیشتر ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مومنین کو سنا دیا ہے، معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف سے اس کو دیکھنا بھی جائز ہو آخر مرد و زن کے لئے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت بالا میں عورتوں کو ان کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ نیز یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ اپنے گھر کے اندر بھی باہر عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کن حالات میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ "حجاب" یعنی شریعت نے اس کو کن حالات میں گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ سورۂ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے خواہ مخواہ کی تاطل اور مراجعت نفس سے زیادت، وسعت نہیں۔ (تنبیہ ۲)

شانِ نزول ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا، (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں اس لئے جو کچھ وہ پاؤں میں پہنے ہوئی تھیں (یعنی پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آ رہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بُری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آ گئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد والوداؤد والترمذی۔

مسئلہ ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کے ستر کو، مرد، مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ رواہ مسلم۔

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں۔ زیور کپڑے، سنگھار یعنی سج دھج اور سنگھار کو پردہ سے نہیں ہے کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔

عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے:

حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے۔

ضرورت و مجبوری کا حکم

ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے، برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آ سکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مراد معنی دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں۔ بیضاوی کے نزدیک زینت سے یہی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اوپر کے کپڑے

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ماظہر منہا میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقع یا لمبی چادر جو برقع کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہوگی کہ زینت کی کسی چیز کو ظاہر کرنا جائز نہیں بجز ان اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقع وغیرہ۔

چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقع وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبۂ ہوی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ

اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے [illegible]

سینہ چھپانے کی تاکید:

بدن کی خلقی زیبائش میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے مزید تستر کی خاص طور پر تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم کو مٹانے کی صورت بھی بتلا دی۔ جاہلیت میں عورتیں خمار اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ

گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ اوڑھنی تو سر پر سے لاتر کر بیان پر ڈالنا چاہیے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ چوری طرح مستور رہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت خاص و کے استثناء کے بعد ارشاد ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر، خمار کی جمع ہے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان، چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر ڈال لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن جبیر۔ روح) آگے دوسرا استثناء ان مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں دوسرا محارم میں جن کی طبائع کو حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں ان سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ

اور نہ کھولیں اپنا سنگار مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے

محرم رشتہ داروں کا حکم

چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں پھر فرق مراتب ہے مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے دوسرے محارم کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ادائے زینت کے درجات میں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر ستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا، اتنا محارم سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خاوند کا حکم

إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں کے لئے، زینت کا مرتبہ ی نظر تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کر لے۔ دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں۔ رواہ ابن ماجہ والطبرانی والبیہقی عن ابن مسعود

عن ابن عباس والنسائی عن الحسن بن سفیان والطبرانی فی الاوسط عن ابی امامۃ

ابن ماجہ نے بسند حسن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذا جامع احدکم زوجہ او جاریتہ فلایطر دلی فرجھا فان ذلک یورث العمی" قال ابن الصلاح جید الاسناد کذافی شرح الجامع الصغیر

جب کوئی اپنی بیوی اور باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ دیکھنا بینائی پیدا کرتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند بہت عمدہ ہے۔

مسئلہ: کسی ہیجڑے صاحب کا تماشا میں ہیجڑے نہیں چاہتا ہیجڑا ان کا شوہر یا باپ یا بھائی ان کے ساتھ نہ ہو اور فقط موٹر چلانے والا اس موٹر میں موجود ہو تو یہ خلوت مالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے۔

محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت وان محارم کے سامنے ظاہر کرنا اور کھولنا جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳۔

جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے جانے اور جنبے کا علم ہو جائے اور اکٹھے پازیب کی آواز مردوں کی شہوت کو برانگیختہ کرنے کا سبب ہے۔

خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا

اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور مذکار ہے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والحاکم وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

آواز سنانا: پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا کان ناجائز اور حرام ہے۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا نکالنا مثلاً اجنبی مرد سے باتیں کرنا یا گانا بجانا وہ بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے تو عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاجماع ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے جس کا یہ حکم

واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بالاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ ولد الوگان مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ رہے۔

نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے۔

اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت ونفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سدباب کرنا چاہتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ
یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
یا اپنی عورتوں کے

یعنی جو عورتیں اس کے پاس آنے جانے والی ہیں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدذات عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ (تیسیر عثمانی)

اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھائیوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورۂ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں بروقت آمد ورفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول وفروع سے صلبی تعلقات کو طبعاً لوگ بُرا سمجھتے ہیں پھر حیا اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا کہ خدمت کے وقت جو حصۂ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر پنڈلیاں، ماتھ اور سینہ۔ پیٹ اور پشت کو دیکھنا اور انہیں، ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے۔ عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے۔ آیت میں ماپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ والدالنص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اس پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا۔ دونوں رشتے برابر کے ہیں اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام وانخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضائے احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔

آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا (بُری نیت سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (بُری نیت سے) پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً۔

اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مسلمہ ہو یا غیر مسلمہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانو تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ قسم کے محارم

تنبیہ یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنے میں استعمال ہوا ہے جو شوہر پر بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ مستثنیات کی جو سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگرچہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلاف اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا ما رای منی ولا رایت منہ یعنی نہ آپ نے میری خاص عضو کو دیکھا نہ میں نے آپ کے۔

دوسرے اپنے باپ ہیں۔ جس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پردادا سب داخل ہیں چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی۔ لیکن ماموں، خالہ یا چچا، تایا اور پھوپی کے لڑکے جن کو عام عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھائیوں کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں سے حقیقی اور علاتی اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ پہلے لفظ نسائھن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کا جواب جصاص نے یہ دیا ہے کہ لفظ نسائھن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارھویں قسم اَوِ التَّابِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ معقل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت و دلچسپی ہی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابن جریر نے ابوعبداللہ، ابن جبیر، ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اس لئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت و شہوت رکھتے ہیں، نہ ان کے اوصاف حسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کردیں بخلاف مخنث قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصاف خاص سے تعلق رکھتے ہوں ان سے بھی پردہ واجب ہے جیسا کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک مخنث ازواج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور امہات المومنین اس کو غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ جو اس آیت میں مذکور ہے داخل سمجھ کر اس کے سامنے آجاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے اس کو روک دیا (روح المعانی)

اسی لئے ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غیر اولی الاربۃ کے لفظ میں داخل نہیں ان سب سے پردہ واجب ہے۔ اس میں غیر اولی الاربۃ کے لفظ کے ساتھ جو التابعین کا لفظ مذکور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے معقل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ ان کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ایسے معقل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے معقل بدحواس ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں قسم اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات و صفات اور حرکات و سکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاص نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ کرتے ہوں (ذکرہ عن المجاہد) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
یا اپنے ہاتھ کے مال کے

غلام اور باندی

یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور ائمہ اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور ٹانگیں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا) (تفسیر مظہری)

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا کارِ [illegible] رہنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے

یعنی نکمے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے غرق ہوں، شوق نہ رکھتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں، جو محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

مخنث وغیرہ۔ صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں نر کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی مرد قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ خو مرد جو فعلوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلن رہتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور یہ شمول قطعی ہے۔ اور آیت التابعین غیر اولی الاربۃ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظر بچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔

میں کہتا ہوں اصلی وطبعی مخنث جس کے پاس آلۂ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں، مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورتوں کی مثل پستانوں میں دودھ اتر آئے، یا حیض آتا ہو یا عمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا مخنث عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے اظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر تفتیش مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت کو نمایاں کر سکیں گی۔ واللہ اعلم۔

صحیحین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ! اگر کل کو اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرما دے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے حسن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑتی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار رانوں پہلو کی طرف اور چار باہیں پہلو کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس اندر نہ آئیں۔ (تفسیر سلیمی)

وَالطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ

یا لڑکوں سے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو

یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی سراپا کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

اور نہ ماریں یہ میں پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے

مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ

جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار

یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہئے کہ زیور وغیرہ کی آواز اجانب کو آواز صلیل ان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کے لئے محرک ہو جاتی ہے۔

عورت عورت سے قرآن سیکھے۔

بیضاوی نے انوار میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے۔ اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے۔ کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے امام کو نماز میں اگر سہو ہو جائے تو اس کو متنبہ کرنے کے لئے بجانے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تالی بجانے کا حکم دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر تو کوئی چیز ایسی ڈالی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مردوں میں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرم مردوں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہوگا اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے اور اسی بنا پر ذوالرل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجۂ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کرے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات رول حجاب کے بعد بھی بس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (حصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا:

ان حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب ضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے یہ قتلہ دو بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو زانیہ کہا گیا ہے۔

مرین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝
تاکہ تم بھلائی پاؤ

آئندہ کیلئے توبہ کرلو

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیئے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اے مسلمانو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے تمام اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم خطاکار ہیں اور خطاکاروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ والدارمی۔

بعض اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ نے جس اخلاق و آداب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی تم کو ہدایت کی ہے اس کی تعمیل کی طرف رجوع کرو۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو۔ اسلام کی وجہ سے اگرچہ پچھلے دور کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے لیکن جب بھی ان جاہلانہ کاموں کی یاد آ جائے ان پر ندامت تو بہر حال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمالنامے میں بکثرت استغفار پائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ و استغفار:

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اغر ابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آ جاتی ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رب اغفرلی وتب علیّ انک انت التواب الغفور۔ رواہ الترمذی و ابن ماجہ و ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ
اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر

بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو

اوپر استیذان، غض بصر اور ستر وغیرہ کے احکام بیان ہو رہے تھے تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی تین کاموں میں دیر نہ کر نماز فرض کا جب وقت آ جائے۔ جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔" جو تو میں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقاء نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرہ عورتوں کے اولیاء اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کا نکاح کر دیا کریں۔

وَالْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ الآیۃ ایامی ایم کی جمع ہے جو ہر اس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو۔ خواہ اول ہی سے نکاح نہ کیا ہو یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو گیا

ہو۔ ایسے مردوں وعورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے نکاح کا انتظام کریں۔

نکاح کرنے کا مسنون طریقہ

آیت مذکورہ کے طرز خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلاواسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین ودنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی، اسی لئے بعض روایات حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلاواسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جبکہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

لفظ ایامی میں بالغان مرد وعورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلاواسطہ ولی سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے اس کو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور منعقد ہو جائے ہاں خلاف سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب وسعت ہوں، مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مُردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے۔ (مظہری)

اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کر سکتے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں، ان روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مباح نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنت انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنت انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنت انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحۃً سنت المرسلین اور اپنی سنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالت اعتدال میں ہو کہ نہ غلبۂ شہوت سے مجبور ومغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل وعیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لئے نکاح افضل ہے اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء امت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل وعیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالت اعتدال اس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترک نکاح افضل ہے۔ (معارف معنی اعظم)

صدیق اکبرؓ کا قول ہے کہ تم نکاح کے بارے میں خدا کا حکم مانو وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔

تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے، وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلا ہو (ترمذی وغیرہ)

ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا جس کے پاس بجز تہبند کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔

باوجود اس فقیری اور مفلسی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کرا دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے اپنی بیوی کو یاد کرا دے۔

اسلام میں سب سے پہلی قسطیں

حضرت عمرؓ کے غلام ابوامیہ نے مکاتبہ کیا تھا۔ جب دو اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو۔ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں اس عمر کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے۔ کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا انجمے ہی والیس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے۔

حفاظت عصمت کا نسخہ

عکرمہ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہوا سے چاہئے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے غنی کر دے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ

اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح

یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دو۔ (تیسیر جلالی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد میں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت و اہلیت ہو۔

مسئلہ اگر جوش شہوانی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور نکاح پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پا سکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر معصیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلاء معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوق نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریقہ نکاح کے تکلف ہونے کا یقین ہو تو نکاح حرام ہے اگر حق تلفی کا خطرہ و یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوش شہوانی (کے وقت) جو نکاح فرض ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر مثل ادا کرنے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوش شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہگار ہوگا۔

بغیر نکاح رہنے کی ممانعت

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور کوئی ماندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا نہیں۔ فرمایا تو خوش حال (مالدار) بھی ہے عکاف۔ جی ہاں فراخ حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے۔

یا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں خولوگ مجرد ہیں وہ بُرے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔

حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن متقی لوگوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامی نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح نہ روکیں نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے۔ بعض کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا ترک اللہ سکتا ہے اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

جوانوں کو حکم

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ جوانان تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے اور جس میں (مالی) استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے، روزہ اس

کے لئے ثبوت شکم ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا، متفق علیہ من حدیث ابن مسعود۔

نکاح میری سنت ہے

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

پیغمبروں کی چار سنتیں

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ میرا نہیں مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)

ترمذی نے ایوب کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں۔ حیا، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے۔

بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح

صحیحین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابے امہات المومنین سے (اللہ دن خانہ) پوتیدگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فروگذاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرما دی ہیں۔ ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

اس امت کے سب سے افضل آدمی

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے ابن عباسؓ نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیویاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے افضل تھے آپ کی بیویاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ اوپر گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے لئے نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے کو تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تقیر اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آ سکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آ سکتا تھا ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور اس کا ثبات فکر و نظر ہمایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق و موانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو استوار راسخ القدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرے اور اہل و عیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تقیری اوقات میں فرق آ جائے گا، اس کے دل کی دنیا ناجائز ہو جائے گی وہ پراگندہ خاطر ہو کر ذکر اللہ کی کثرت نہ کر سکے گا اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اس وقت ہے جب اس تو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پر کشش اسباب دنیا اور پر فریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے اور دنیا کے متاع میں صالحہ عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے، رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے اور

تجارت، زراعت وغیرہ دوسرے معاملات اور پیشے قرض کفایہ ہیں۔ اگر سب لوگ ان کو چھوڑ دیں گے تو معاشی انتظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، رواہ الترمذی عن ابی سعید الخدری وحسنہ وابن ماجہ عن حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنہ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالعرض ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور وہ کھانا خدا وندی اور سنت کے مطابق کرنے سے اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ وغیرہم سب ہی نے نکاح کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے۔ رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا، گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر تمام آقا سے یا مالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے مزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں یہی مفہوم آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ کا ہے۔

مناسب رشتہ آئے تو نکاح کر دو

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور اخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی و لعنت اور ناکامی کا یہ نتیجہ پیدا ہوگا) رواہ الترمذی۔

اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان

حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تورات میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ سال کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں تو انکے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ یعنی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں، ان کے نکاح کرا دیا کرو۔ یہ خطاب ان کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنے میں آیا ہے یعنی ان میں جو شخص نکاح کی صلاحیت و استطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرا دینے کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بیوی کے حقوق زوجیت اور نفقہ و مہر مؤجل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف

یعنی نیک لوگوں کے حلقے میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے اپنے کو اور صالحین ہی میں ہو سکتا ہے۔

بہر حال ایسے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں ان کے نکاح کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ ان کا نکاح کر دیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ ان کے نکاح کر دیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں ملکہ اجازت دے دیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہو سکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیر ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق آپ کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں خود نکاح کرانا ان کے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے

رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو:

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر و افلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (توبہ۔ رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لیے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اُدھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہر حال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا، نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو، اللہ نے جو حکم تمہیں غنی بنانے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنا کا طلبگار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنا طلب کرو۔ نکاح کر کے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بزار، خطیب اور دار قطنی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو۔ وہ خوشحالی لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلاً عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواستگار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ویل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾
اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى
اور اپنے آپ کو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک
يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
کہ مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو

یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لائیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ ان کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر ان میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ

فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا

اور تم ان کو مکاتب بنا لو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان میں بھلائی ہے

غلام اور لونڈی کی آزادی

یعنی کسی کا غلام یا لونڈی کہے یا مزید توثیق کے لئے لکھوانا چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو کما دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہیے کہ قبول نہ لے اور لکھ دے (اس معاملہ کو مکاتبہ کہتے ہیں (اور یہ غلاموں کے آزاد کرانے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ مالک کو اس وقت قبول کرنا چاہیے جبکہ وہ سمجھے کہ اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہیے۔ تا وہ آزاد ہو کر اپنی فلاح کے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور کہیں لکھا کرنا چاہے تو اختیار خود کالعدم کر لے۔ غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔ (تدبر شاہ)

بغوی نے لکھا یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیئے، چاہیے غلام نے (کمائی کر کے) سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے وجوبی نہیں مکاتب بنانا واجب نہیں)

حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی

بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر دُرّہ لے کر حضرت انس پر چڑھ دوڑے۔ اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو

خَيْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اکثر حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اس کو مکاتب بناؤ ورنہ جو اس قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہو گی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اس کے آزاد ہوتے سے دوسرے مسلمانوں کو کسی قسم کے نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو اور صحیح بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

جدید مادہ پرستانہ نظریات اور قرآن کا نظریۂ ملکیت

آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا مادہ اور اس کی محبت و جمال کی صرف معاش کے جال میں پھنس گئی ہے ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دھارا صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق کے دور سے ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل عقلاء دنیا کے دو نظریئے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں ان کے تصادم نے اقوام دنیا میں تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

قرآن کریم نے اصول یہ بتایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جس چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے ملک دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریق کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی لگا دیئے ہیں جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (مستفاد)

وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ

اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے

غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو

یہ دولتمند مسلمانوں کو فرمایا کہ ایسی لونڈی غلام کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے، تا وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں حوالہ فی الرقاب کا ایک مدلب سے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور مجبور نہ کرو تم اپنی چھوکریوں کو بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کیم مانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہوگئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون رو دکوب کرتا تھا، یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کیلئے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اور لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی قیود بڑھائی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہر حال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضاء و رغبت سے کریں یا زور زبردستی اور ناخوشی سے۔ ہاں اگر لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زور زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے

اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بخشنے والا مہرباں ہے

مجبور و محکوم قابل رحم ہے

یعنی زنا ایسی بری چیز ہے جو جبر و اکراہ کے بعد بھی بری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مکرہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان لوگوں کا جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ

ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ان لوگوں کو

قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے

یعنی قرآن میں سب کچھ نصیحتیں احکام اور گذشتہ اقوام کے عبرتناک واقعات بیان کر دیئے گئے ہیں۔ تاظہ اکاؤ رکھنے والے سن کر نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا اس کی مراد یہ ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے حوالہ سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ الک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءۃ ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیق کی براءۃ اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسف، مریم وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہ کا بھی بیان کر دیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ خود حالات اور تاریخ گذشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ تندی تہمت تراشی کرے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی

اللہ کے نور سے جہان آباد ہے

یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور و جود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع النور سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے تمام طویات و سطحیات اس کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کے جمہ منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کو سکھایا تو یہ دعا زبان پر تھی۔ اغوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ ان تحل بی غضبک او تنزل بی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "انت نور السموات والارض" کہہ کر پکارا کرتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے اور اخیر میں بطور خلاصہ فرماتے "واجعل لی نورا یا واعطنی نورا یا واجعلنی نورا" یعنی میرے نور کو بڑھا بلکہ مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ ثم القی علیہم من نورہ فمن اصابہ من نورہ یومئذ اھتدی ومن اخطاہ ضل (فتح الباری ص ۴۳۱) یعنی جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع۔ بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالی کا رسالہ "مشکوۃ الانوار" دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

نور کا مطلب

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذات باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارض مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مضاف کو محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہو تو اسے تو کہتے ہے زید عدل یا اعلیٰ ترین کرم کہہ لیتے ہیں۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

جب کسی رات کو عبداللہ مرد تے جایا جاتا ہے تو مرد کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصل ظہور و وجود ہستی ہے جس طرح اصل حق، عدم و نیستی ہے، پس نور السموت سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ ذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

باصرہ (قوت بینائی) پر بھی اس کا اطلاق اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ ادراک اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو، بہر حال اعلیٰ ترین مدرک ہے آنکھ اپنا ادراک نہیں کر سکتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے۔ یہی حقائق پر غور و تدبر اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت ہدایت خود اور اپنا ختیار کامل سے اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضان ادراک ہوتا ہے کبھی بلا واسطہ اور کبھی ملائکہ و انبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ مثال کا حاصل

اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مؤمن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر اس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مؤمن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مؤمن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مومن ہی اٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مؤمن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اس کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کو اور اس کی تعظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے مجسم وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ

مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو

فِيْ زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ

ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارا چمکتا ہوا تیل جلتا ہے

مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا

اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور

غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ

مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ

اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

چیز کو جانتا ہے

مؤمن نور الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے:

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مومنین مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت و عرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مومن فانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو یہ شیشہ اس کا قلب ہوا جس کا تعلق عام بالا سے ہے۔ اس شیشہ (قندیل) میں معرفت و ہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف و شفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح و شام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف و صاف ہوتا ہے غرض اس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھلائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک اسی حسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے القاء سے بدو فطرت میں مومن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرۂ مبارکہ کو لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مومن کا شیشۂ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اس میں قبول حق کی ایسی زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیا سلائی دکھائے ہی جل اٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی و قرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے کس کو نہیں ان عجیب و غریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی ایک روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع و محل کو پوری طرح جانتا ہے کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں و جامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح و شام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔ (تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف و عمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب واضح رہے کہ "یوقد" اور "ولو لم تمسسہ نار" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اس کی جگہ وحی و قرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحبؒ نے "مثلہم کمثل الذی استوقد نارا" پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "انما مثلی ومثل الناس کرجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ جعل الفراش وھذہ الدواب التی تقع فیھا الخ" (تفسیر خیالی)

دلوں کی چار قسمیں

مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو صاف اور روشن، ایک غلاف دار بندھا ہوا ایک الٹا اور اولدھا، ایک بھرا ہوا الٹا سیدھا، پہلا دل تو مومن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا، پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں مثل ترکاری کے درخت کے ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں مثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے ابھار دیتا ہے اب جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مثل نورہ کمشکوۃ الایۃ کعب احبار جو تورات و انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوۃ آپ کا سینہ اور زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب

مبارک اور مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی الٰہی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرۂ مبارکہ ہے (رواہ البغوی والترمذی عن عمرؓ مرفوعا۔ مظہری) (سعادت مفتی اعظم)

مؤمن کے دل کا نور

مَثَلُ نُورِهٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو انداز کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات و صفات کی طرف راستہ پاتا ہے عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ عقل بشری حق کو حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے۔ اللہ نے فرمایا، فَهُوَ عَلٰى نُورٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مثل نورہ فی قلب المؤمن بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت و صفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جما دیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے، سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

مِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوٰۃ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کوّۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوٰۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوٰۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا، یعنی نور قندیل کی طرح ہے جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ اسم آلہ بروزن مفعال ہے، صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ (کے فانوس) میں ہو۔ زجاج نے کہا شیشے کے اندر دور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ جھلکتی ہے، اسی لئے لفظ زجاجہ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ فِيْهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ شیشے کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔ دری میں یا نسبتی ہے۔ دُر موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی اور حسن میں موتی کی طرح۔

يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُونَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ماموراچھا ہوتا ہے۔ چونی سے جڑ تک اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد الترمذی والحاکم عن ابی اسید ورواہ ابن ماجہ والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا ہے۔

ابونعیم نے الطب میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں کے لئے شفاء ہے جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے، شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی بجائے خود چمک پھر آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دوہرا نور ہے۔ بلکہ چند در چند درے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سوراخ اور آر پار راستہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت عمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مہر نبوت ابونعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی بٹوے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہوگئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

عالم کفر میں زلزلہ بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آ گیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور سادت نہیں خشک ہوگئی۔

یہودی تاجر کی خبر حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہو گیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ریال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچے اور نومولود بچے کی پشت کھول کر دیکھی یہودی کی نظر جب منہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا ارے ارے تجھے کیا ہو گیا، یہودی کہنے لگا واللہ بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔

راہب کی پیش گوئی

مواہب لدنیہ میں عمیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عمیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا اور عجم پر بھی اس کا اقتدار ہوگا یہ زمانہ اس کی پیدائش کا ہے۔

حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا خاص سبب

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولنے میں پڑے سوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولنے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں

ابویعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی صمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھنا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی! ذرا ٹھہر تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلہ کے لئے بار ہو گئی تھی بار بار ان کو روکنا پڑتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے کہا، اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

بادل کا سایہ حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تاکہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں (جنگل میں) اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ (کہیں) مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیماء نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی (ان کے اوپر) ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں چراغ کی ضرورت نہیں تھی

شمائل مجدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے۔

بت اور حجرِ اسود تعظیم سے جھک گئے

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف گئیں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگِ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگِ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چھو گیا۔

خشک وادیاں سرسبز ہو گئیں

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود سنتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرا رضاعی بھائی جب کسی وادی پر جا کر کھڑا ہوتا تھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آ جاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی تھی اور جنگلی جانور آپ کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے تھے۔

شقِ صدر

غلامۂ السمیر میں ہے کہ آپ کی اماں نے بیان کیا ایک بار آپ ہمارے اونٹوں کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قرشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ پھاڑ دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً اُن کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ لیے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا، کیا واقعہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں۔ پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر وہ سرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا اور ان کو صاف کیا یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ماتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ماتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو محسم نور ہے اس نور کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگا دی مہر لگاتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا تور تھا پھر دل کو لوٹا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی ٹھنڈک اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی لکیر (محل ایض) کے آغاز سے زیرناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا اور اشکاف فرما گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دُور ہو گیا

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، لوگ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً اِدھر اُدھر سے بادل آ گیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اس واقعہ کی طرف ابو طالب نے دیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے "ان کا رنگ گورا ہے اس کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور راندوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔"

راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا

غلامۂ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابو طالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس ۲۵ سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہو پایا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے

میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قرشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

راہب مسلمان ہو گیا

بعض روایات میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی (نبی) ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہی امی ہاشمی عربی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

فرشتے سایہ کرنے لگے

محض روایت میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہو گئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی (اور سورج کی تپش) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہؓ نے میسرہ کا حسب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔

علامہ سہیلی کی توجیہہ

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً پانچسو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت کسی ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا پھر درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آرام لیتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیلی کی توجیہ ٹھیک ہے لیکن یہ توجیہ لفظ قطُّ کے خلاف ہے قطُّ کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص بھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول:

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "مشکوٰۃ" سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور "زجاجۃ" سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور "شجرۂ مبارکہ" سے مراد ہیں حضرت ابراہیمؑ اور "شرقی غربی" نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور "نور علیٰ نور" کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیمؑ کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور۔

محمد بن کعب کا قول۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا "مشکوٰۃ" حضرت ابراہیمؑ تھے اور "زجاجۃ" حضرت اسمٰعیلؑ اور "مصباح" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیراً میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیمؑ یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاءؑ آپ ہی کے نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی، یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔

وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے۔

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی وحی آنے کے بعد تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے)

نور اصل اور نور نسل

نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل و نور نسل کے ساتھ شامل ہو گیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہو گیا۔

حضرت ابی بن کعب کی تفسیر۔

ابو العالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے، جامہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنے سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو

اعتراف کا کرتا ہے بات کہتا ہے تو سچی کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ چھوجانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالائے نور ہو جاتا ہے۔

صوفی کا دل

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتویٰ دے دیا رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آجاتا ہے تو اس کے اندر یقین و ہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ ''نور علی نور'' کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن اور ابن زید کا قول:

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے، جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا سینہ اور زبان ہے، مبارکہ درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء کا قول

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام و خیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں ٹمٹماتا رہتا ہے)

انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش و معاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے، ماخ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لا سکے۔

(۳) قوت عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرد اور استنباط کر لیتی ہے)

(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔ آیت زیر تفسیر میں یہی پانچوں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ کو جانتی ہے اپنے پیچھے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا مالذات نہیں۔

قوت خیالیہ، اس قاروری یا شیشے کی طرح ہے جو ہر قسم کی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوت عاقلہ ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوت متفکرہ ایک مبارک درخت ہے جس کے محمل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی، کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت دنگر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف و شفاف ہے، غیر سوخ، بیحار اور کسی سے سیکھے کے خود ہی معارف و علوم کی نورانیت سے جگمگا جانے کے

تریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوت عقلیہ کی تمثیل ہو، ہر شخص کی قوت عقلیہ وعملیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبول علم کی ان میں صلاحیت واستعداد ہوتی ہے اس وجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدماء فلاسفہ حسب صراحت بہ ہروی وشیخ ابن سینا قوت عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح

حضرت مجدد الف ثانی کے اشہب البامی پر مبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مثل نورہ نور سے مراد ہے وجود عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانہ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے یا یوں کہاں جائے کہ ماہیات ممکنات پر وجود وخداوندی پرتو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل جو ظلمت میں آجاتا ہے اس پر چاند اور سورج کا نور عکس ریز ہوتا ہے۔

مِشْكٰوةٍ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضاف محذوف ہے۔

فِيْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پرنور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات واسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادی تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدء تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفات کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائض کو بھی یعنی وہ اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفات سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جہالت نقیض علم ہی کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرا ہونا سمع کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا بالاختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائض کی تصویریں صفات سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سلب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادیٔ تعین ہوتے ہیں یہی حقائق امکانیہ کی ظرفی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جاسکتی ہے اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیات امکانیہ کے وجود وظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جاسکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قارورہ روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ چمکا جاتا ہے

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نور اللہ (کے چہرہ) کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب کو کھول دے تو اس چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک سماوی مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوار وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نور وجود کو حاصل نہیں کر سکتیں۔ اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں الا انبیاء واولیاء اپنی استعداد وصلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ یعنی نور مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہو جاتا ہے شیشہ کو دیکھ کر دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کر پاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رقّ الزّجاج ورقّت الخمر فشابها وتشاكل الامر

(ترجمہ) شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں۔

فكأنّما خمر ولا زجاج وكأنّما زجاج ولا خمر

(ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے۔

ظلال وصفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظری فریب میں مبتلا ہو گئے۔ ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیات میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے تو پذیرا نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا۔ لیس فی جُبّتی سوی اللّٰہ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا مُلْكَ سُلَيمان ولا بلقيس ولا ادم فی الكون ولا ابليس

(ترجمہ) عالم وجود میں ملک سلیمان ہے۔ ملقیس نہ آدمی نہ ابلیس۔

والکل صورٌ وانت المعنی یامن ھو للقلوب مقناطیس

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں، مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ حلوہ آفریں اور حلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

ذات اور صفات

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہا ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفات کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کر لیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہو سکتے ہیں اس لئے اس کو شان بصارت کہا جائے گا۔

نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور ماہیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیون ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

ایجاد اشیاء: اس توجیہ پر اس آیت میں ایجاد اشیاء کی طرف اشارہ ہوگا وجود خارجی وظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہوگا اور اس بات کا ثبوت ہوگا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قاف کی آیت: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا راستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض و سماء اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت کا راستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قریبٌ من المحسنین اور آیت اللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ میں در پردہ اسی نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔

مؤمن کے دل میں نور کی مثال

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفات الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے اور صفات خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے اور درخت بھی وہ ہے جو شرقی ہے نہ غربی، یعنی صفات الٰہیہ ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

اولیاء کی نور چینی

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفات الٰہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتو افگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

(۱) ظہور (۲) بطون۔ ظہوری حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات ولایت سری یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایت علیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثلة من الاولین اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وقلیلٌ من الآخرین صدیق مرتبہ صفات و شیون سے ترقی کر کے مرتبۂ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات و شیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علی نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجۂ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے۔

تاریکی کے بعد نور

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا

ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد والترمذی۔

نور پڑنے اور پہونچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذات گرامی کو اللہ نے رحمت عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نور حکمت اور ایمان کو بھر دیا، اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چمکارا جان لیا جائے اپنے دل کو اس رحمت عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے تاکہ اپنا دل بھی بقدر نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صحبت ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پالی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پالی حقیقت ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نور ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہل ضلالت کا ہے۔

نور کے برتن

حضرت ابو عنبسہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ لینے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی

قرآنی تمثیلات:

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے تاکہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالم مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آ جائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے لیکن یہ قرب جسمانی نہیں، مادی نہیں، بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جا سکتا ہے نہ عقل نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے۔ یہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم حضوری ہو سکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے ان حدیث قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع به (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علم وجدانی کے حصول کا براہ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالم مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جس کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا، ائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع الی اللہ کے زینے پر آگے بڑھاتا ہے اس کو اپنی ذات دائرۂ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرۂ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرۂ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حد وہ صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور معقولہ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھانے کے لئے کوئی لفظ کہیں۔ ربانی اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو آفاقی اور آنفسی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ

ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا

مسجدوں کی تعمیر و تعظیم

ان کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ (تفسیر بغوی)

فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے۔ مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیمؑ بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، یعنی بنا رہے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنا دے گا۔ (متفق علیہ من حدیث عثمان)

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ تُطَهِّرَ بَیْتِیَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بری باتیں نہ کی جائیں۔

پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں

بغوی نے بروایت صالح بن حسان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے بنایا، بیت المقدس کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان نے بنایا، مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا، مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوت کو یہدی اللہ لنورہ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایت الٰہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا، بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃؓ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی محبت کا راستہ

جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے

قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (قرطبی)

بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے

صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اس کو مسجد سے نکال کر بقیع میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس کو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ ان کی بدبو ماری جائے۔

مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت

رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک یہی ہے کہ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت اور تعمیری بلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر اصل کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی میں نقش و نگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اہل صحابہ کا تھا کسی نے ان کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر و تزئین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا ان کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک اگر نام ونمود اور شہرت کے لئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و مستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔

فضائل مساجد

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اس کا ثواب اس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو

شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں ان کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنا دیجئے۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا گھر میں یا دکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کر کے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کر کے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، ان پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت علم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ۔ (معارف القرآن)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مسجدوں میں آ کر حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں گے اور وہاں دنیا کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمہ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب

علماء نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو ان کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین کہے (لیکن یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں۔) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء و نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ ش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخائے تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و اماں کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب و احکام ایک مستقل رسالہ بنام "آداب المساجد" میں جمع کر دیئے ہیں جن کو ضرورت ہو اس کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں

تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے فرمایا کہ فی بیوت کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیم قرآن تعلیم دین یا وعظ و نصیحت یا ذکر و شغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب و احترام لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ

اور وہاں اُس کا نام پڑھے کا

تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تو تیری تجارت میں نفع نہ دے اور جب کسی کو گم شدہ چیز کو مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ تعالیٰ کرے نہ ملے (ترمذی) ارشاد ہے کہ بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے۔ مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں، مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لایا جائے نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو اور دیوانوں کو اور خرید و فروخت کو اور لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حدوں کے جاری کرنے کو اور تلواروں کے تنگی کرنے کو روکو، ان

کے دروازوں پر دھونی رمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کی جگہ یہ ہے کہ وہ اپنی دکانیں تو عشاء کے وقت بند کر دیں اور گھر جا کر سو رہیں، اور پھر فجر کے وقت اٹھ کر اپنی دکانوں پر پہنچ جائیں۔ (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

سائب بن یزید کندی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ۔ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں کے ہو؟ انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد ہی میں اونچی اونچی آوازوں سے لڑ رہے ہو؟ (بخاری)

مسجد میں جانے کی دُعاء

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر اللّٰھُمَّ افتح لی ابواب رحمتک پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر اللّٰھُمَّ اعصمنی من الشیطٰن الرّجیم پڑھے

عورتوں کا مسجد میں آنا

صحیحین میں ہے کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور اندھیرے کے قدرے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ حدیث فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکالی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پا لیتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ سوا سرائیلی کی عورتیں روک دی گئیں (بخاری و مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ

یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام

نمازوں کی تاکید

یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ "غدو" سے صبح کی نماز مراد ہے اور "آصال" میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور اس الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج (کرنا) اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

وہ مرد جنہیں غافل ہوتے سوداگری میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

(یاد) قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

اللہ کے بندے

یعنی معاش کے دھندے اُن کو اللہ کی یاد اور احکام الٰہیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مقید لین دین مراد ہے اور اس کے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ جوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ لوگ اٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد اور مالک سے لو لگانا اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا۔

لغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روک کے نہیں فوراً ادا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بازار والوں کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے

بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔

عہد رسالت کے دُکاندار

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں مو پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے

لفظ رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد اور بیہقی میں حضرت ام سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خير مساجد النساء قعر بيوتهن یعنی عورتوں کی بہترین مساجد اُن کے گھروں کے تنگ وتاریک گوشے ہیں۔ (معارف القرآن اعظمی)

يُخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾

ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں

قیامت کا دن

یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھ لیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک واقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی۔ کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں گی کہ دیکھیے کس طرف سے پکڑے جائیں یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ

تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادہ دے اُن کو اپنے فضل سے

یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل وتعیین ابھی نہیں کی جا سکتی۔

وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾

اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

یعنی اس کے ہاں تیا کمی ہے اگر جنتیوں کو بے حد وحساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔ (تسہیل)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو

الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا

پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کچھ نہ پایا

وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٣٩﴾

اور اللہ کو پایا پاس اُس کے پھر پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد لیتا ہے حساب

فریب خوردہ لوگ

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے رسم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عند اللہ مقبول ومعتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاس شدت تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا۔ ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب وحسرت کے وقت اللہ نے اُس کا سب حساب ایکدم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل وکفر وظلم ومعصیاں کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں ان کی مثال آگے بیان فرمائی۔ اُن کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور نہ بریدہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اُن تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

یا جیسے اندھیرے گھرے دریا میں جس کی آتی ہے اس پر ایک لہر اس پر ایک لہر

مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ

اس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک

تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اُس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک

چڑھی آتی ہے۔ پھر سب کے اوپر گھٹا یا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ (تیسیر جیلانی)

إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ يَكَدْ يَرَىٰهَا

جب نکالے اپنا ہاتھ تقریب نہیں کہ دیکھ سکے

یعنی اپنا ہاتھ نکالے تو آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں پہچانتا۔ (تیسیر جیلانی)

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ﴿٤٠﴾

اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کے واسطے نہیں کسی سے روشنی

اوپر مومنین کے ذکر میں جو یَهْدِی اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ آیا تھا یہ جملہ اس کے مقابل ہوا یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور دریا کی تہ میں گر کر انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لئے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔ (تیسیر جیلانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَن فِى

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں

ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلطَّيْرُ صَٰٓفَّٰتٍ

آسمان اور زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

پرندے قدرت کی نشانی ہیں:

شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لئے کیا کہ وہ اس وقت آسمان اور زمین کے بیچ میں تعلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ (تیسیر جیلانی)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ وَتَسْبِيحَهُۥ

ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد

ہر مخلوق اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے

یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ اطاعت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں ربع کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وابها تصلوة الخلق۔ (یہی باقی مخلوق کی نماز ہے) (تیسیر جیلانی)

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر افہام و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت اُن کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ میں اس مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں، عبادت کسی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے، جس میں ارشاد ہے اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔

وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ

اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں

یعنی ان کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ (تیسیر جیلانی)

وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ

اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پہنچ جانا ہے

اللہ کی حکومت سب پر محیط ہے

یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام مخلوقات و مخلوقات پر حاوی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُزْجِى سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُۥ

تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل کو پھر اُن کو ملا دیتا ہے

ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ رُكَامًا فَتَرَى ٱلْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَٰلِهِۦ

پھر اُن کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے اس کے بیچ سے

نظام بارد و باراں: یعنی ابتداء میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے پھر بادلوں کی تہ پر تہ جمادی جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِن جِبَالٍ فِيهَا مِن بَرَدٍ

اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے

فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَن مَّن يَشَآءُ

پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے

یعنی جیسے رہیں میں پتھروں کے پہاڑ ہیں بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اسی کے موافق ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ سماء سے بادل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ اولے برساتا ہے جس سے کھیتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے خطوط رکھے جاتے ہیں مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی بناء پر من جبال من برد مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهِ مَن يَشَآءُ وَيَصْرِفُهُ عَن مَّن يَشَآءُ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیاں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔ (تفسیر مظہری)

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ

ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو

رات و دن کا نظام: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اسی کی قدرت سے آتا ہے اور وہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور ان کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے، میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیہما) (تفسیر مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ

اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو

آنکھ والو عبرت حاصل کرلو

یعنی چاہیئے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و انقلابات کی باگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کامل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہون قدرت و مشیت ہے) الابصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم۔ (تفسیر مظہری)

وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّآءٍ

اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے

اس کے لئے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ - کا فائدہ دیکھنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کا جوہر وجود

واللہ خلق کل دابۃ من ماء اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے۔ کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ارسطو اور شیخ ابن سینا نے انہی کو انسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیقی دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

لیکن بعض علمائے اسلام قائل ہیں کہ سنگ بنیاد پانی ہے پانی جم کر پتھر بنا۔ پانی تحلیل و تبخیر کے ذریعہ ہوا بن گیا۔ پھر ہوا آگ ہوگئی سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول پانی کو پیدا کیا پھر اس کے کچھ حصہ کو بنا دیا جس سے فرشتے بنے اور کچھ حصہ کو آگ میں تبدیل کر دیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور کچھ حصہ کو مٹی بنا دیا گیا جس سے حضرت آدم کی ساخت ہوئی اور مٹی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ

پھر کوئی ہے کہ چلتا ہے اپنے پیٹ پر

مخلوقات کی مختلف ہیئتیں

جیسے سانپ اور مچھلی فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ سو کچھ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ گنڈار وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے دو پاؤں پر

جیسے آدمی اور طیور۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ

اور کوئی ہے کہ چلتا ہے چار پر

جیسے گائے بھینس وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیئے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت و مشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ

ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتلانے والی اور اللہ چلائے

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

جس کو چاہے سیدھی راہ پر

واضح نشانیاں موجود ہیں:

یعنی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیے کوئی آدمی نہ بہکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے اُن کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آ گئے پھر پھر جاتا ہے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں مانے والے

منافقین کا وطیرہ:

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان و اطاعت کا کیا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع سے ایمان و انقیاد موجود ہی نہ تھا جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اُس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شان نزول

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا اگر کسی سے کچھ نزاع ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں) فلاں شخص سے چل کر فیصلہ کراؤ۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

اور جب ان کو بلایئے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں فیصلہ چکا ہے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

تبھی ایک فرقہ کے لوگ ان میں منہ موڑتے ہیں اور اگر ان کو

الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝

کچھ پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر

یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اُس

وقت اگر دوسرا فریق کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرالو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً بلا رورعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا حالانکہ پہلے سے یہ دعوی کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لائے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعوی کہاں گیا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اُس وقت بہت جلدی سے گردن خم کا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا۔ محض ہوا پرستی ہوئی۔

أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

کیا ان کے دلوں میں روگ ہے

دل بیمار ہیں روگ یہ کہ حد اور رسول کو سچ مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ کہیں ہر چلیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پاؤں نہیں اٹھتا۔ (تفسیر نعیمی)

أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ

وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ

اور اس کا رسول بلکہ یہی وہ ہی لوگ ہے بے انصاف ہیں

منافق غلط شک میں مبتلا ہیں

یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک وشبہ ہے؟ یا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کریں گے؟ اس لئے ان کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے اُن معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا۔ آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر نعیمی)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ

ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائیے ان کو اللہ

وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ

اور رسول کی طرف فیصلہ دے کر اس میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

اور وہ لوگ کہ یہی کا بھلا ہے

سچے مسلمان کا کام یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں اُن کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں ظاہراً ان کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعنا و اطعنا" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر نعیمی)

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ

اس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

کامیاب کون ہوگا؟ یعنی جو فی الحال فرمانبردار ہو گزشتہ تقصیرات پر نادم ہو کر اور خدا سے ڈر کر توبہ کرے اور آئندہ برے راستہ سے بچ کر چلے۔ اُسی کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (تفسیر نعیمی)

رومی کسان کا عجیب واقعہ تفسیر فرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظمؓ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دہقانی آدمی بالکل آپ کے سامنے برابر آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله، حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی کہ من یطع اللہ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے ورسولہ سنت نبوی کے متعلق ہے۔ ویخش اللہ گزشتہ عمر کے متعلق ہے ویتقہ آئندہ

باقی عمر کے متعلق ہے۔ جب انسان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولٰئک ھم الفائزون کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ
اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی تاکید کی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو
لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ
سب کچھ چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں کھاؤ حکمبرداری چاہیے جو دستور ہے
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝
البتہ اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

منافقوں کی جھوٹی قسمیں

یعنی منافقین بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلانا چاہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جائیں۔ لئے تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں لٹا کر الگ ہو جائیں۔ اس پر فرمایا کہ اس قدر منہ بھر قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت سے چکی کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو۔ اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیے کہ سچے مسلمانوں کے دستور کے موافق حکمبرداری کر کے دکھلاؤ زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کسی کی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا۔ وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا
تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے
فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ
تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر
تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام لانے والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

اطاعت و تصدیق کی ذمہ داری پوری کرو:

یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے، سو اس نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق و قبول حق کا ہے اور یہ کہ اس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کر دے گا اُن کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے
مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
اگلوں کو اور جما دے گا اُن کے لئے دین اُن کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے
لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ
اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ
شریک نہ کریں گے میرا کسی کو

اطاعت رسول کے ثمرات

یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے لوگوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اُس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر آسمانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور خشکی و تری میں اس کا سکہ بٹھلا دیں گے۔ اُس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا۔ ان مقبول و

معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خالص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں وہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرک جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرک خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک ذات کے غلام ہوں گے، اُسی سے ڈریں گے اُسی سے امید رکھیں گے۔ اُسی پر بھروسہ کریں گے اسی کی رضا میں اُن کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس اُن کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ الٰہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ مدت تک مسلمان اسلام وقتاً فوقتاً اُس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنی گئی ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارق عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔ اَللّٰھُمَّ احشُرنَا فِی زُمرَتِہٖ وَاَرزُقنَا شَھَادَہ فِی سَبِیلِکَ اِنَّکَ وَاسِعُ المَغفِرَۃِ وَذُوالفَضلِ العَظِیم

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت و منقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ وَحَتّٰی الجَرَاحِ مِن المَشَارِقِ وَ المَغَارِبِ اِلٰی حَضرَۃِ اَمِیرِ المُومِنِینَ عُثمَانَ بنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ وَذٰلِکَ بِرَکَۃِ تِلَاوَتِہٖ وَدِرَاسَتِہٖ وَحِفظِہٖ لِاُمَّۃِ عَلٰی حَظِّ القُرَّاءِ وَ لِھٰذَا ثَبَتَ فِی الصَّحِیحِ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الاَرضَ فَرَاَیتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَسَیَبلُغُ مُلکُ اُمَّتِی مَازُوِیَ لِیَ مِنھَا فَنَحنُ نَقُولُ فِیمَا وَعَدَنَا اللّٰہَ وَرَسُولُہٗ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُولُہٗ فَسَاَلَ اللّٰہَ الاِیمَانَ بِہٖ وَبِرَسُولِہٖ وَالقِیَامَ بِشُکرِہٖ عَلَی الوَجہِ الَّذِی نُرضِیہِ عَنَّا" (تفسیر ابن کثیر)

دورِ خلافت کی فتوحات:

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظام خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے اسماً علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کہیں نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملک شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملک مصر اور ملک فارس کا اکثر حصہ۔ انہیں کے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافت عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلاد مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرق اقصیٰ میں بلاد چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت ان تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافت عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرمادیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافت راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قائم رہی اور حضرت علیؓ مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوئی۔

بارہ خلفاء

ابن کثیرؒ نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل سے ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تاقیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ رہا یہ نقص نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے، اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصلاح کے پیمانے پر اس وعدۂ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے اِنَّ حِزبَ اللّٰہِ ھُمُ الغَالِبُونَ یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل۔

یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عنداللہ

ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی اُمت سے فرمایا تھا اس کا پورا پورا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق و صحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ کسی کہیں پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری اُمت ذلت و خواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے اُن کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں "اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اُس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی، خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جائے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا اُمت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکام دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلان عثمان نے کی تھی اُن کے بعد روافض اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں گروہ بنا لئے۔ اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علیؓ کی شہادت کا عظیم حادثہ پیش آیا نسئل اللہ الهداية وشكر نعمه۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شعیاؑ کا خطاب

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ شعیا نبی کی طرف وحی خدا تعالیٰ آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا تا میں تیری زبان سے جو چاہوں گا نکلواؤں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بحکم خدا تعالیٰ یہ خطبہ بیان ہوا، اے آسمان سن اے زمین خاموش رہ اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرتا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے، وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کر دے، ویرانے کو بسا دے، صحراؤں کو سرسبز بنا دے، فقیروں کو غنی کر دے، چرواہوں کو سلطان بنا دے، ان پڑھوں میں سے ایک اُمی کو نبی بنا کر بھیجے جو نہ بدگو ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ بازاروں میں شور و غل کرنے والا ہو، اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرا ہو، اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان میں نہ پہنچے میں اسے بشیر و نذیر بنا کر بھیجوں گا وہ زبان کا پاک ہوگا، اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی، بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے، غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے، ہر ہر بھلے کام سے میں اسے سنواروں گا، ہر ہر خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا، سکینت اس کا لباس ہوگی، نیکی اس کا وطیرہ ہوگی، تقویٰ اس کی ضمیر ہوگا، حکمت اس کی باتیں ہوں گی، صدق و وفا اس کی طبیعت ہوگی، عفو درگذر کرنا اور عمدگی و بھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی، حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کی ملت ہوگی، احمد اس کا نام ہوگا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) گمراہی کے بعد اس کے ذریعہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا جہالت کے بعد علم چمک اٹھے گا، پستی کے بعد اس کی وجہ سے ترقی ہوگی، انجان پنا اس کی ذات سے پہچاننے سے بدل جائے گا کمی زیادتی سے بدل جائے گی، فقیری کو اس کے ذریعہ میں امیری سے بدل دوں گا، اس کی ذات سے جدا جدا لوگوں کو میں ملا دوں گا، فرقت کے بعد الفت ہوگی، پھوٹ کے بعد ایکا ہوگا، اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا، مختلف دل جداگانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی، بے شمار بندگان خدا ہلاکت سے بچ جائیں گے اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی، بھلائیوں کا حکم کرنے والی برائیوں سے روکنے والی ہوگی، موحد مومن مخلص ہوں گے، خدا تعالیٰ کے جتنے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں یہ سب کو مانیں گے کسی کے انکاری نہ ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دورِ خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا

حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور علیہ روم سے نو سال بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغہ میں

بھی حضرت علی اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج البلاغہ حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے نکلا نکلا اور جہاں پہنچا پہنچا، اللہ نے خود فرمادیا، وعد اللہ الذین امنوا منکم الخ پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتحیاب بنائے گا۔

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ اور جس دین کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جماؤ عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے

فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں، نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا معاویہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام ماننا رعایا پر واجب ہے کیونکہ جب شروع آیت میں وعدہ کی اسناد اللہ کی طرف ہے اور بعد میں یستخلفنھم میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفہ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

قاضی شوستری کی تحریر

قاضی نور اللہ شوستری احقاق الحق میں لکھتے ہیں حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ معوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریر

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مثالی دور حکومت

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو فتوحات بلاد عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین و ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگان دین کی خلافت۔ وعدہ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے تو پھر اور کس کی خلافت وعدہ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہل اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے۔ احکام شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا اور کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل خوار ہوئے اور اہل اسلام کے باج گزار بنے اور جہاد کا بازار گرم ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔

حضرت علی اپنے پیشرو خلفاء کو حق پر سمجھتے تھے

حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے اہل سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیر خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کافر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔ (معارف القرآن)

شیعوں کی کتاب سے ثبوت

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اہل فارس کی لڑائی میں جانے کے لئے حضرت امیرؓ

سے مشورہ کیا تو حضرت امیر نے: سب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذا الامر لم نكن نصرته بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعده وابده حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله تعالى ونحن نعلم انه منجز وعده وناصر جنده الخ

(تقویم ۱۳ سنہ ۱۳ تعمیر رامامت وزعامت الخ ص ۴۰)

بے شک اس دین کو فتح لشکر کی کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے ان کو شکست ہوئی۔ بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ عطا کیا اور لشکر اسلام اللہ کا لشکر اور اس کی فوج ہے کہ خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور ظاہر اور روشن ہوا جیسا کہ ظاہر اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسے کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور تمام اہل اسلام کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق شانہ نے نبی امی فداہ نفسی وابی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ ہائے خداوندی ابوبکر وعمر وعثمان کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲

مصطفےٰ رو وعدہ نصر الطاف حق — گر بمیری تو نمیرد ایں سبق
چار یارت شہر ہا گیرند جاوداں — دین تو گیرد زماہی تا بماہ

کسریٰ کا خاتمہ

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اور نواحی عرب میں حوبت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خیبر جو یہودیوں کا اڈہ وگڑھ تھا ختم ہو چکا تھا اور تجر کے جوسی اور نواحی شام کے کچھ عیسائی حزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے نصری اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے سر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت (اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے ہتھیار ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا: کانج گیا اور بے خوف وخطر توحید حق پھیل گئی اور کفر وشرک ونور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض حکموں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور ومغلوب ہو گئی اور عثمان غنی کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اور اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق ومغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔ (معاہدہ کا مطلع)

امن وچین کا دور

ابوالعالیہ نے کہا اللہ نے اپنی نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرما دیا، سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلمان اسی چین سے رہے پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے دور میں بھی امن وچین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمان کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنستا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

آیت مذکورہ کا شان نزول

ابوالعالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر کریں، پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا لڑنے کا بھی حکم مل گیا، لیکن (مرطرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا کیا ہمارے لئے کوئی دن بھی ایسا آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر امن کو پھیلا دیا یعنی ملکی فتوحات عطا فرمائیں)

اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت ہوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی حالت کی تحت پر بھی آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود بہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے ان سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ ائمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ کچھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

خلافت کے تیس سال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابوبکرؓ خلافت کو تھامے رہے، پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آ کر راستہ میں لوٹا جانے کا شکوہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا البتہ اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لو گے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا دی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم لوگ فتح کر لو گے، میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا، کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لو گے کہ آدمی مٹھی بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کو تلاش میں لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا اپنے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کر کے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگرد سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پا لو گے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ خلفاء قریشی ہوں گے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں۔ پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہؓ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعز بن مالکؓ کو رجم کیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت و سلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا۔ اور یہ بارہ خلفاء ہوں گے سب کے سب قریشی ہوں گے حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے کچھ ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں اتنا یقینی ہے کہ حضرت امام مہدیؒ بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جن کی کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم و ناانصافی سے بھر گئی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر کاٹ کھانے

والا ملک ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان

ناشکری کرنے والے

یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور اصل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل و شرف سے منکر ہوا۔ ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رءوف رحیم (تفسیر عثمانی)

قاتلین عثمان فاولئک هم الفاسقون سو یہی لوگ (ایمان یا دائرہ اطاعت سے) خارج ہوں گے بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خداداد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا، جب حضرت عثمانؓ کو انہوں نے شہید کر دیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جو ان کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ خوف ان پر طاری ہو گیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

بغوی نے سعید بن ہلال کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبید اللہ بن سلام نے حضرت عثمانؓ کی بابت فرمایا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک (اللہ کے حفاظتی) فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اب اگر تم عثمانؓ کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ جو شخص عثمان کو شہید کرے گا خدا کی قسم جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا اللہ کی تلوار نیام کے اندر سے اگر اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم پھر تم سے (ہٹا کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیونکہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا (اسکے انتقام میں) ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا (اسکے بدلہ میں) پینتیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔

رافضی و خارجی میں کہتا ہوں اللہ نے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت عطا فرمائی رافضیوں اور خارجیوں کے مختلف گروہوں نے اس کی ناشکری کی۔

یزید بن معاویہ

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت ومن کفر بعد ذلک میں یزید بن معاویہ طرف اشارہ ہو یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا یہ ساتھی خاندان نبوت کے ارکان تھے عزت رسول کی بے عزتی کی اور اس پر فخر کیا اور کہنے لگا آج بدر کے دن کا انتقام ہو گیا اسی نے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لشکر کشی کی اور حرہ کے واقعہ میں مدینہ کو غارت کیا اور وہ مسجد جس کی بناء تقویٰ پر قائم کی گئی تھی اور جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا گیا ہے اس کی بے حرمتی کی اسی نے بیت اللہ پر سنگباری کے لئے منجنیقیں نصب کرائیں اور اسی نے اول خلیفہ رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عبید اللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور ایسی ایسی ناریا حرکتیں کیں کہ آخر اللہ کے دین کا منکر ہو گیا اور (اللہ کی حرام کی ہوئی) شراب کو حلال کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

رسول کیا کہ تم پر رحم ہو

مقبول بندوں کا طریقہ

یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی ان ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہ ہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعب زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ اللھم ارزقنا متابعۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم وتوفنا علیھا والحقنا بالصالحین آمین۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

نہ خیال کر کہ یہ جو کافر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی

مردود لوگوں کی شکست

یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جبکہ نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا اگر تمام خدائی میں ادھر ادھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے یقیناً ان کو جہنم کے جیلخانہ میں جانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

مسئلہ استیذان کا تتمہ

یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر

تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسماءؓ کی ناگواری پر آیت کا نزول

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا۔ حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ

اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار قسم کی

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ

سمار سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ

اور عشا کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت ہیں کھلے کے ہیں تمہارے

غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب

ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے کبھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تینوں وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیئے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجازت کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول۔ نحوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر کو بلانے کے لئے بھیجا، غلام حضرت عمر کے پاس (گھر کے اندر) پہنچا ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر کو اس حالت میں دیکھنا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔

جوانی کو نہ پہنچے سے مراد یہ ہے کہ جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں (مراہق بھی نہ ہوں) جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ۔ آیت مذکور کا اقتضاء ہے کہ مذکورہ تینوں اوقات میں غلام کا اپنے آقا کے پاس بلا اجازت (تنہائی میں) جانا ممنوع ہے خواہ غلام چھوٹی عمر کا ہی ہو لیکن ہوشیار ہو باشعور۔ اور باندی (اوقات مذکورہ میں بلا اجازت) اپنی مالکہ کے پاس نہیں جا سکتی ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو بنگلے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شرعاً مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہیئے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ

کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ ان پر ان وقتوں کے پیچھے

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس

یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں اُن میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیئے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

نابالغ لڑکا یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حد بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم ان ہی مردوں جیسا ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت

"یَضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ" سے مراد چادر اور برقع ہے جس کو عورتیں باہر جاتے وقت اوڑھتی ہیں۔ "غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ" میں تبرج کی تشریح ہو چکی ہے۔ "وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ" میں تعفف کی تشریح ہو چکی ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ

حکمت والا ہے اور جو عورتیں بیٹھ رہی ہیں گھروں میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو

نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ

توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ

بے جتائے کرکھاتی بچھیں اپنا سنگار اور ان سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے

بوڑھی خواتین کا مسئلہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جواں عورتوں کے ستر کے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَوَاعِدُ یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں۔ ربیعہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا البتہ اسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولا جا کر نہیں۔ سر، چہرہ اور دونوں ہاتھیں کھول سکتی ہے۔

عورتوں کیلئے اظہارِ زینت ممنوع ہے

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور قلعہ مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھرمٹ۔

لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (حضور کو پسند نہ تھی کہ عورت سنگھار تر کے غیر محرم میں سوار ہو۔ صاحب مدارک لکھتے ہیں کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت۔ ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں بغیر تخلّی سے یہی مذموم اظہار زینت ہے۔

اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ کے بعد غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ کی قید کا اصافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہار زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہر حال گناہ اور حرام ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے

خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں

یعنی یہ تو فتنہ کی روک تھام کے ظاہری انتظامات ہیں باقی پردے کے اندر جو باتیں کی جاتی ہیں اور فتنے اٹھائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سے بھی بخوبی واقف اور جانتا ہے۔ اسی کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرتا ہے

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ

نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

معذوروں کیلئے عذر پذیری اور ان سے معاملات کا طریقہ

یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ ان کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ اور جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور مخلص لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو، اور واقعی بعض اشخاص کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو عادت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھاتے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے

اور مناسب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس بناء پر ساتھ کھلانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور و محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، ازراہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے کہ اس کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا، کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کر دی گئی کہ خواہی نہ خواہی اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ

تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے

یعنی تمہارے زیر تصرف دے دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب السنۃ واس ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پاکیزہ ترین مال ابن ماجہ نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی سے ہے مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبۃ

اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بنا پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھا لینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صریح اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہو گئی ہو یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت و رواج کے پیش نظر ہے (حصہ کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریحی یا غیر صریحی اجازت کے بغیر کچھ کھا لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط خاطر ہوتا ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے کچھ مال چرایا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے۔ اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ

نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً

پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھو

یعنی اپنایت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اُس کے خاوند کا ہو۔ اُس کی مرضی حاصل کرنی چاہیے اور مل کر کھاؤ یا بعد یعنی اس کی بھرار دل میں رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقیید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا حوار بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ خلو ہے۔ البتہ اگر کوئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر حقانی)

شان نزول ابوحی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھا لیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ وہ پیتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آ جاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا۔ آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھا لیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے

امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے جس کی گنجائش تمہاری مملوکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور ورد ونے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور رکھا پی سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سلام کا طریقہ تحیۃ بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ سلموا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدم کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہو گا آدم نے جا کر السلام علیکم کہا فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

حضرت ابوامامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قریب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے، پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ سے مراد ہے اچھی خوبصورت،

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہو گی او رجب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان والعلمی وحمزۃ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسلام (میں) کون سا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا، یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو، متفق علیہ۔

قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر حالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا، بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

خالی گھر پر سلام کا طریقہ

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے "السلام علینا من ربنا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصلحین السلام علی اھل البیت ورحمۃ اللہ" "ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ "السلام علینا وعلی عباد اللہ الصلحین

مسلمان کے حقوق:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یہ یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہر حال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی والترمذی۔ اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

محبت کا نسخہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا، تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتاؤں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
اور جب ہوتے ہیں اس کیساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
جب تک اس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وہ ہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو

اوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اٹھ کر نہیں جاتے۔ یہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحاق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چار روز کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابو سفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آ کر احد کے ایک طرف نقمین میں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا دی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے، لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے۔ جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ یا پیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتا۔ اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آ جاتا تھا اس پر یہ آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ
پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
اس میں سے تو چاہے اور معافی مانگ اس کے واسطے اللہ سے، اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اجازت دیں

یعنی غور و فکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ محبت نبوی سے ترجمان اور صورۃً تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے ان مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تا آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

لمن شئت یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے، اجازت کی درخواست تو ہر ایک کر سکتا تھا۔ لمن شئت کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح حلیۂ وقت (کے اقتضائی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں، مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی

حکم ہے۔ جب امام کے ساتھ لوگ کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے اجتماع کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے کہ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دے دے نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جنبی ہو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد وغیرہ میں ہے جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخر وقعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

مقاتل بن حیان فرماتے ہیں، جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے بعد باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں ظریں بچا کر سرک جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

مت کرو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے

یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر لبیک کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعاء معمولی انسانوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبت میں حضور کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ عام لوگوں کی طرح "یا محمد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اُٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کی اصلاح

ابونعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے، اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔

فائدہ یہ تشریح آیت کے سیاق و سباق کے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دعاء کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضا منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعاء کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے ڈرتے رہو

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس سے آیت کا (تشریحی) معنی اس طرح بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعاء سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ان کی بددعاء موجب (عذاب) ہے دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔

یہودیوں کی گستاخیاں

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو) تم کو موت آ جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا، السام علیکم و لعنة اللّٰه وغضب علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو، سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا۔ میری دعا ان کے بارے میں قبول نہ ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصاً اور عام معاشرت کے بعض آداب و احکام

آیات مذکورہ میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی، مثلاً جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ

جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کر لیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں اسی ضمن میں ان منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب وہ روشن ہوئی پتنگوں پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ ادھر اُدھر اس میں گرنے لگے اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رُکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کولیاں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا

اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو سرک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

منافقین کی گستاخیاں یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گزرتا تھا۔ وہ اکثر موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت لے کر اٹھ جاتے یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے اس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے کیا چھپاتے ہو خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

سو ڈرتے ہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اُن کے حکم کا اس سے کہ آپڑے

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک

تافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہئے

یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں اُن کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ سے پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی کسی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ

سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اس کو معلوم ہے

مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا

جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اس کی طرف تو بتائے گا

عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾

ان کو جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ سے کوئی کام چھپ نہیں سکتا

یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اس کی زمین و آسمان میں سے کسی کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال موجودہ سے باخبر ہے ایسے ہی اس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اُس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اُس کا درد رُخ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ:

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو مالداروں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (ملکہ) ان کو چرخہ کی اور سورت نور کی تعلیم دو۔ اللہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام سے سچ فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

ثم سورة النور بفضل الله وتوفيقه، اللهم نور قلوبنا بالايمان والاحسان ونور قبورنا واعتم لنا نورنا واغفرلنا انك على كل شئ قدير وبالاجابته جدير

الحمد للہ سورۃ النور ختم ہوئی

سورة الفرقان

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ
بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب

حق و باطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب

"فرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق و باطل کا آخری فیصلہ اور حرام و حلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے یہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، ملوصفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و رافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت و اصلاح کا تکفل اور ان کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

تبارک بڑی خیر والا ہے۔

قرآن کی قرأتیں:

امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جا کودوں لیکن میں رکا رہا، جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا، یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قراءت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔

غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے فرمایا، ہشام پڑھو، ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی، پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، فرمایا، یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف) (تفسیر مظہری)

تبارک کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے، برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آئی ہے۔

برکت کا مطلب تبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنے خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن کو فرقان کیوں فرمایا:

فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنے اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق و باطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور معجزہ کے ذریعہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ (معارف معنی اعظم)

عَلٰى عَبْدِهٖ
اپنے بندہ پر

کامل و اکمل بندہ یعنی اپنے اس کامل و اکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ
تاکہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا

قرآن کا پیغام عالمگیر ہے:

یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر و عصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین و معاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لئے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور

"للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اترا بلکہ تمام جن وانس تک ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

للعلمین۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سارے عالم کے لئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت و رسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں
وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ
اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی
فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝
سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر

تخلیق ربانی کا اعجاز

یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اُس سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ماپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار آن کو یہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ اِنَّهٗ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (تفسیر عثمانی)

حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بیٹا تھا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً۔ انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا، جو خواص وافعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کر دی۔ جیسے انسان میں فہم ادراک غور وتفکر تدبیر، نوع در نوع صنعتوں کے اختراع اور گوناگوں افعال واعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کر دی۔

بعض علماء نے تقدیر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدت زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کر دیا۔ اب (اس دنیا میں آ کر) یہ چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازہ تخلیقی کے خلاف نہیں ہو سکتیں۔ (تیسیر مظہری)

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔ تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور برائی کا خالق۔ مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو (اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں

اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے اجزاء کی ساخت اور شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت کے ساتھ اُس کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت اُس کام کے مناسب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو اُن کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل و صورت، نرمی، سختی اُس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق مادہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اُس پر رکھا جاتے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ اتنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں کیونکہ اس سے بھی صدہا چیزیں متعلق ہیں کہ اس کو کھود کر پانی بھی نکالا جا سکے۔ اس میں بلیاویں کھود کر بڑی اونچی عمارتیں اس پر کھڑی کی جا سکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود نہیں پہنچتا اُس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت وعمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الٰہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ ایک ایک مخلوق کو دیکھو ان میں سے

ہر ایک قدرت و حکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالی نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے عنوان الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا

اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اس سے سوا کتنے حاکم جو کچھ نہیں بناتے کچھ چیز

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ

اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور کسی مالک اپنے حق میں

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

نہ برا کھنے کے کسی بھلا اور نہ کسی مرنے کسی جینے کے اور نہ کسی اٹھنے

ظلم وحماقت کی انتہاء

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب و حیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک الکل حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لئے گئے۔ جو گویا خدائی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ ان بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے گھر کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں نہ مارنا جلانا ان کے قبضہ میں ہے، نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ ایسی عاجز و مجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات و شئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق مشرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی عاجزی

اَيْ يَصْنَعُوْنَ شَيْـًٔا جو نہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض کو نہ عمل و فعل کو نہ حالت کو۔ جو ممکن خود مستقل بالذات ہوا اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور جو خارجی میں اگر دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی سرخی قسم کی محتاج ہے۔

وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مخلوق ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ و معانی میں عموم سے تمام باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بت ہیں۔

نفع و نقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء

وَلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اور نہ وہ قابو رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم میں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا و جزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ

اور بولنے لگے جو منکر ہیں اور کہنے لگیں ہے یہ مگر طوفان باندھا اپنے

وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ

اور ساتھ دیا ہے اس کا اس میں اور لوگوں نے

کافروں کی بے سروپا باتیں

یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ پھر ان کے ساتھی لگے اس کی اشاعت کرنے بس کل حقیقت اتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انکار نبوت کفر ہے

عمر حدت کے ساتھ کھولو کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ انکار توحید کی طرح انکار رسالت بھی کفر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ کے ماننے کے معنی کیا ہیں؟ اہل وفد نے کہا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہے۔ فرمایا (اللہ کی توحید کو) ماننا یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی شہادت دو۔

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ مجاہد نے کہا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے ان کی مراد یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبد بن الحضر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ یحفص نے کہا مکہ میں کچھ غلام تھے جن کے نام تھے، جبر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے یہی لوگ مراد تھے۔ مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر طبری)

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝

سو آ گئے ہے احمق اور جھوٹ پر

قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے

یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت و صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب و افتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیائے فصیح و بلیغ عالم و حکیم بلکہ جن و انس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم و معارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء دیکھ کر آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا

اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جس کو اس نے لکھ رکھا ہے

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام

کافروں کی کور مغزی

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرا لی ہیں۔ وہ ہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی اور رٹی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے اُن ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اول نہار کے وہ وقت مقرر تھے صبح اور شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرتے کو۔ اُن کو کافر یوں کہنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کہہ اس کو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں

قرآن تو علیم و خبیر کا اتارا ہوا ہے۔

یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمپنی کی بنائی ہوئی نہیں، بلکہ اُس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطہ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، اخبار غیبیہ، احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدوں توفیق الٰہی کے عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی بخشش و مہربانی:

یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا، موضح القرآن، پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود اُن کے جرائم کا تحصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اُس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ

اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے

وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ

اور پھرتا ہے بازاروں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کی چہ میگوئیاں

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھاتے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اُس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے کھکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

بعوی نے لکھا ہے، کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو۔ بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں:

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے، افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہیے)۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝

کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اُس کے ساتھ ڈرانے کو

اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا

یا ڈالا جاتا اس کے پاس خزانہ یا ہوتا اس کے لئے کوئی باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے

کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال:

یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرے اور رعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو کھٹکا پڑتا۔ یہ کیا کہ کمپنی کی حالت میں اکیلے دکھے کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ نہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور مینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدۂ جلیلہ پر معاذ اللہ ایسی معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی

یعنی میاں کی یہ ٹیوشن اور اتنے اونچے دعوے؟ تجڑا اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھو گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا

دیکھ کیسی ٹھلاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

اب پا نہیں سکتے راہ

دیکھو کافروں کی گمراہیاں

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن، کبھی شاعر، کبھی مجنوں، یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی لئے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کو کوئی راست بات ہاتھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی حتاب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا

بڑی برکت ہے اُس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر

مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

باغ کہ بچے بہتی ہیں اس کے نہریں

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

اور کر دے تیرے واسطے محل

اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں!

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے، وہ چاہے تو ایک باغ کیا، بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کیے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت عیشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہوگی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔

قصور: مضبوط مکان۔ عرب مرپختہ مکان کو قصر کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے وادیٔ مکہ کو میرے لئے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی۔ میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا

رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہہ دیا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

کچھ نہیں وہ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اس کے واسطے کہ

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾

جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ

کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے

یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آ کر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾

جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا

شرارت پسندوں کا عذاب

یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک پھنکاروں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ الخ۔

حضرت ربیعؓ کا خوف آخرت

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ربیعؓ وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دوکان آئی آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا اسے دیکھنے لگے۔ حضرت ربیعؓ کا تو برا حال ہو گیا عذاب خدا کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور کو دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سنتے ہی حضرت ربیعؓ بے ہوش ہو کر گر پڑے چارپائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا گیا صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہؓ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیعؓ کو ہوش نہ آیا۔

دوزخ کی دہشت

حضرت عبید بن عمیرؓ فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرائے گی اور شور و غل اور چیخ و پکار اور جوش خروش شروع کرے گی اس وقت تمام مقرب فرشتے اور ذی رتبہ انبیاء کانپنے لگیں گے یہاں تک کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے کہ خدایا! میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک زنجیر

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾

میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت کو

دوزخ میں مجرموں کی جگہیں

یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے کہ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی تنگی

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ جکڑ کر ڈالا جائے گا تو

وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔

تنگ مقام میں ڈالے جانے کی عرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے بھی ابن اسید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا، فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس کو دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے لوری میں۔

ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ (ابن عمر) فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے لوری میں۔

لوہے کے صندوقوں میں بند ہوں گے

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا، پس کوئی بھی سوا اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سوید بن غفلہ کی روایت سے بھی ابو نعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

مقرنین یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے رنجیروں سے جکڑے ہوئے۔ بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جنس میں بندھے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ و تاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھالا کسی سوراخ میں اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت، ثبور، ہلاکت کو حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کہ کھینچے گا اور یا ثبور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یا ثبور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَّاحِدًا وَّادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾

مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو

یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ ان میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ

تو کہہ کہ یہ بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہوا پرہیزگاروں سے

یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کر لو کہ یہ بہتر ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ

وہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ ان کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں

اور چاہیں گے وہی جو ان کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنوں کا انعام

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مؤمن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہو سکتے) (تفسیر عثمانی)

خَالِدِينَ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا

رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ہوا

اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا

وعدا مسئولا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسا کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى رَبِّكَ یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے تخلف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور، عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر جبر سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے

وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفا، کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور جس دن جمع کر بلائے گا ان کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے

فَيَقُولُ ءَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ

پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾

یا وہ آپ بھٹکے راہ سے

میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال

یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

یَعْبُدُوْنَ سے مراد ہیں تمام باطل معبود عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ ریاء صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوتا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ ما کا استعمال ے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن الدان بتوں کو زندہ کرے گا اور بولنے پر قدرت عطا کرے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقامات گناہ گویا بنا دیئے جائیں گے۔

اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا، یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ وہ خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودان باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ

بولیں گے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑ لیں

مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ

کسی کو تیرے بغیر رفیق

معبودوں کا عابدوں سے اظہار براءت

یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ تم کو اپنا معبود و حاجت روا سمجھیں۔ (تفسیر مظہری)

نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا

سُبْحٰنَكَ یعنی بطور تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودان باطل اگر ملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہری ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہو سکتا تھا اور اگر مخاطب جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تخلیقاً قدرت ہی نہیں دی گئی پھر وہ کیسے گمراہ کر سکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرما دیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ پھر ہم کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں، یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی، اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے، دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب

یہ جواب انبیاء ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا۔ لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جمادات، ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے۔

وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ کُنَّا مُشْرِکِیْنَ قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے شیطان کے کہنے سے ہم نے تیرا شریک ٹھہرایا تھا وَمَا اَضَلَّنَا اِلَّا الشَّیْطٰنُ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا

لیکن تو ان کو کھانا پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ

الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾

بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے

حقیقت حال۔ یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی ہوا استعداد سے خود ہی تباہ ہوتے تو پھر رہے تھے ہلاکت ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے کسی نصیحت پر کان نہ دھرا پیغمبروں کی ہدایت و ارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے آپ نے اپنی تو ارش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے، اُلٹے مغرور مفتون ہو کر کفر و عصیان پر تل گئے۔ گویا جو امر تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ

سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے:

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا کہ لو ان کی اعانت پر تم کو بڑا بھروسہ تھا وہ خود تمہارے دعاوی کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے اعلانیہ بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبود ہی تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بِمَا تَقُولُونَ یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یا کہتے ہو کہ ہمارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا اس بات کی تکذیب تمہارے معبودوں نے ہی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا

اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو

یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جس کو جو سزا ملنے والی ہے اس کا پورے مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا

اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم و گناہ مراد لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ

اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب

لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ

کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

کافروں کے اعتراض کی تردید

یہ جواب ہوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے۔ ان کو فرشتہ بنا کر نہیں بھیجا جو کھاتے پیتے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شان تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ

اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت بھی رہتے ہو

کشمکش دنیا امتحان ہے

یعنی پیغمبر ہیں کافروں کا ایمان جانچنے کو۔ اور کافر ہیں پیغمبروں کا صبر جانچنے کو۔ اب دیکھیں کافروں کے سفیہانہ طعن و تشنیع اور لغو اعتراضات سن کر تم کس حد تک صبر و استقلال دکھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا، قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے اور کہتے تھے ذرا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تو دیکھو، جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں، کمینے ہیں ذلیل طبقے کے ہیں، اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا اَتَصْبِرُونَ کیا اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے۔ صبر نہ رکھو گے تو غم و الم میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔ (تفسیر مظہری)

شکر کی توفیق کا نسخہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی) اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ حسرت ہو نیچے کو دیکھو کہ تسلی ہو اور شکر کی توفیق ہو۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد۔ (تفسیر مظہری)

پیغمبروں کا فقر

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیرے ذریعہ سے اور لوگوں کو آزماتے والا ہوں۔ مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو میرے

ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے۔ اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا، فصلوات اللہ وسلامہ علیہ و علی الہ واصحابہ اجمعین (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے ٹھاٹھ، مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھرائی کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ پھرا کرتے۔ (مظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر وفاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی ہزاروں حکمتوں اور عام انسانوں کی مصالح کی بنا پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر ان کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال و دولت سے کوئی دلچسپی ہی نہیں رکھتے فقر وفاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ (معارف معنی اعظم)

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾

اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

یعنی کافروں کا کفر وایذاء، وہی اور صابروں کا صبر وتحمل سب اس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا

اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ

أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا

اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو

منکرین آخرت کی بیہودہ گوئی

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب وکتاب دینا ہے وہ سزا کے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر معاندانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہم کلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید وتصدیق کر رہا ہے کما فی موضع آخر قَالُوا لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام رکوع ۱۵) وفی سورۃ الاسراء أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا رکوع ۱۰۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا

بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سرچڑھے میں بڑا شرارت ہیں

منکر تکبر کے مریض ہیں

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت وسرکشی کی حد ہو گئی کہ یاد جو ایسی سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اس دن

لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾

گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روکدی جائے کوئی آ

گھبراؤ نہیں وقت آ رہا ہے

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہوگی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اس وقت حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ ان تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رُک سکتا ہے فرشتے بھی حِجْرًا مَّحْجُورًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت وکامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (انفال۔ رکوع ۷) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام رکوع ۱۴) گویا یہ کیفیت اُسکے بالمقابل ہوگی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدہ۔ رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی

سے اور کسی ناخوشگوار امر میں مبتلا ہوتے ہیں تو حجرا محجورا کہتے ہیں چنانچہ جرم مرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی روح کا اعزاز:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مؤمن کی روح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو اللہ تعالیٰ کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تھم سے نازاں تھیں سے۔ شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوگی سبحانک اللھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک خدایا تو پاک ہے تو قابل ستائش و تعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی تو بردباری برتتا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور چار کی تسبیح یہ ہوگی۔ سبحانک اللھم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک خدایا تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَدِمْنَآ إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا ۝

اور ہم پہنچیں ان کے کاموں پر جو انہوں نے کئے تھے پھر ہم نے کر دیا اس کو خاک اڑتی ہوئی

غرور خاک ہو جائے گا

یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر ان کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر اُدھر اُڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص و ایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔ رکوع ۳) وغیرذلک من الآیات۔ (تفسیر عثمانی)

هَبَآءً مَّنثُورًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

ہبآء کا معنی

حضرت علیؓ نے فرمایا، ہباء ان روزنوں کو کہتے ہیں جو روشندانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں، مگر ہاتھ سے اس کو چھوا نہیں جا سکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں۔ حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی۔ منثور کا معنی ہے پراگندہ۔ (تفسیر مظہری)

أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ۝

بہشت کے لوگوں کا اُس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی

اہل جنت کے مزے:

یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے اور جن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش و آرام کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت

حوی کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابونعیم نے الحلیہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم ہو جائے گا پھر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے) بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے اس روز حساب شروع دن میں ہی ہو جائے گا۔ (تفسیر ظہری)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت اہل جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، یہ وہ وقت ہوگا جو یہاں دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہوگا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ ٱلسَّمَآءُ بِٱلْغَمَٰمِ وَنُزِّلَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ تَنزِيلًا ۝

اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور اُتارے جائیں فرشتے اتارنا کر

اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال:

قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کئے لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابورزین کی حدیث میں عماء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غمامہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ ٱللَّهُ فِى ظُلَلٍ مِّنَ ٱلْغَمَٰمِ وَٱلْمَلَٰٓئِكَةُ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے۔ پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگا۔ زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر ادھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ

وَجَآءَ رَبُّکَ وَمَلَکٌ صَفًّا صَفًّا وَجَآءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ وَالْمَعْشَرَ مِنَ الْاِنْسِ

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ

فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ وَالْمَلَکُ عَلٰی اَرْجَآئِهَا

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

ابوبکر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ عرش کو اترتا دیکھ کر اہل محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی جسم کانپ اٹھیں گے دل ہل جائیں گے۔ عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی کہ جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ای عن الغمام۔ قرطبی۔ معنے یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آوے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرد اگرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخۂ صور کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ یہ نزول غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین و آسمان دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ وَکَانَ یَوْمًا

بادشاہی اس دن سچی ہے رحمن کی اور ہے وہ دن

عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا

منکروں پر مشکل

فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی:

یعنی ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔ رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں ان کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر تہیدست را دل پراگندہ تر

(تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی سختی

وَکَانَ یَوْمًا عَلَی الْکٰفِرِیْنَ عَسِیْرًا اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے، عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آ کر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دو گے عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا (اور اُبی سخت کافر تھا) اُبی کو عقبہ کے کلمۂ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمۂ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دے دی

اور اس نے کھانا کھالیا ابی نے کہا میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، عقبہ نے جا کر ایسا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بھی اگر مکہ کے باہر تجھے پالیا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن بندھوا کر قتل کر دیا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے، اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، چنانچہ عقبہ نے جب دار الندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں مکہ کے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ قید کر لیا گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو عقبہ کے قتل کر دینے کا حکم دیا اور مقابلہ کے وقت ابی کے بھالا مارا پھر ابی مکہ کو لوٹ گیا اور مر گیا۔ عقبہ اور ابی کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَٰلَيْتَنِي
اور جس دن کاٹے کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا
کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ

کافروں کی بے انتہاء حسرت:

یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا راستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکائے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، عقبہ بن ابی معیط نے اس کو سرزنش کی اس پر یہ آیت خَذُولًا تک نازل ہوئی، شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا، دانت پیسنا یہ سب کتابی الفاظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

عقبہ کا انجام بد:

ضحاک نے کہا، جب عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آ پڑا۔ جس سے دونوں رخسارے جل گئے۔ اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا۔ عقبہ مسلمان ہو گیا امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت وافسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستہ سے روکا اس نے اس کا کہا مان لیا اور گناہ وکفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر دیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ اگ آئیں گے وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا اور یوں ہی ہاتھ اگتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا (تفسیر طبری)

يَٰوَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا
اے خرابی میری کاش کہ میں نے پکڑا ہوتا میں [illegible]

گمراہوں کی دوستی کا انجام

یعنی جن کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو واقعہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ

مسند احمد ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتصاحب الا مؤمنا ولا یاکل مالک الا تقی (مظہری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے، یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المرء علی دین خلیله فلینظر من یخالل (رواہ الخمسون)

(ترجمہ) ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا

من ذکرکم باللہ رویتہ وزاد فی علمکم منطقہ وذکرکم بالاخرۃ عملہ رواہ البزار (فرطبی)

ترجمہ وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ

اس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے

وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿۲۹﴾

اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میرے دل میں گھر کر لے۔ مگر اس کمبخت کی دوستی نے تباہ کیا اور دل کو ادھر متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغا باز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بُری طرح رسوا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک و بد ساتھی کی مثال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا، یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ الترمذی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا

اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرا لیا ہے

هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

اس قرآن کو جھک جھک

بد بخت قوم:

یعنی صدی معاندین نے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا تب پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوندا میری قوم نہیں سنتی، انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تاکوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا۔

قرآن کے ترک کی صورتیں:

اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ "فسال اللہ الکریم المنان القادر علی مایشاء ان یخلصنا مما یسخطہ ویسعدنا فیما یرضیہ من حفظ کتابہ وفہمہ والقیام بمقتضاہ آناء اللیل واطراف النہار علی الوجہ الذی یحبہ ویرضاہ انہ کریم وھاب"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرما دیں۔ (قرطبی) (حدیث صحیح الفہم)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ

اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں:

حق کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِیًا وَّنَصِیْرًا ﴿۳۱﴾

اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا:

یعنی کافر پڑے سر کھایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یا یہ

مطلب ہے کہ اللہ جس کو چاہیے گا ہدایت کر دے گا اور جن کو ہدایت نصیب نہ ہوگی ان سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اترا

عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ

ان پر قرآن سارا ایک جگہ ہو

دشمنوں کا اعتراض

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا گیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا، اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی فضیلت:

لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملا اعلیٰ میں اترا لوح محفوظ سے پورا کا پورا آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے ولا یاتونک الخ اور آیت وقرانا فرقناہ الخ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝

اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر

قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں

یعنی یہ کیا ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح مضبوط ہوتا رہا اور جن مصالح و حکم کی رعایت اس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی خدا گانہ شان نزول کو دیکھ کر اس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبریل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی، وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ

اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو

بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا

ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول

قرآن شافی جواب دیتا ہے

یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتلا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح معتدل اور بے غل و غش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہو گئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ

جو لوگ کہ گھیر کر لائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے اپنے منہ پر دوزخ کی طرف

اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

انہی کا برا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے

گمراہی پسندوں کا انجام

یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہو گئی اور علویات کو چھوڑ کر سفلی خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا عبرت کے لئے اس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا منہ کے بل چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ رواہ ابو داؤد والبیہقی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے

جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹائیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔ یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں ہو گئے اور رین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لئے ان کا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوامد ھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لئے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ

اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اس کا بھائی

هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو

قوم فرعون کا حق سے انکار:

یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۚ وَقَوْمَ نُوْحٍ

پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو

لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ

جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو

قوم نوحؑ کا کرتوت

ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوح کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

ہم نے اُن کو ڈبایا اور کیا ان کو لوگوں کے حق میں نشانی اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گھر گھاس

عَذَابًا اَلِيْمًا ۚ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ

کے واسطے عذاب درد ناک اور عاد کو اور ثمود کو اور رکنوئیں والوں کو

کنوئیں والی قوم

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے" روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "والملخص الاقوال انهم قوم اهلكهم الله بتكذيب من ارسل اليهم" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ایک اُمت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا۔" (تفسیر عثمانی)

اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیبؑ کی قوم، جس نے ایک کنویں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ حانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنویں کے گرد اگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے ان کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔ حضرت شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔ زمین سب کو کھا گئی، کنویں کو بھی، ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کو فتح پر رہتا تھا، پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آ پڑتا تھا اور اُچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ

سوا کہ ایک بجلی اس پر ٹوٹ پڑی۔ لیکن چھ مدت کے بعد قوم والوں سے حنظلہ کو شہید کر دیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔

حبیب نجار

بغوی نے لکھا ہے، ارسدی کا بیان ہے رس نطاکیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا، حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورۂ یٰسین میں آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ اعراف وغیرہ میں اصحاب المؤتفکہ کی بابت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ ثمودیوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ فلیج والے تھے جس کا ۱۲ سورہ یٰسین میں ہے۔ اس عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ آذر بیجان کے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ عکرمہ فرماتے ہیں انہیں کنویں والے اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔

اوّل جنت میں جانے والا غلام:

ابن اسحاق محمد بن کعب سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنویں میں اوندھے منہ میدان میں ڈال دیا، اور اس کے منہ پر ایک بڑی ساری چٹان رکھ دی کہ یہ وہیں مر جائیں۔ یہ غلام جنگل میں جا تا لکڑیاں کاٹ کر لاتا انہیں بازار فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنویں پر آتا۔ اس پتھر کو سر کا دیتا ہوں آدمیوں سے کھسک نہ سکتا تھا۔ لیکن خدائے تعالیٰ اس کے ہاتھوں اسے سرکا دیتا۔ یہ ایک رسی میں ٹوکرا، روٹی اور پانی اس پیغمبرؑ کے پاس پہنچا دیتا جسے وہ کھا پی لیتے مدتوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ گیا لکڑیاں کاٹیں، چٹیں، جمع کیں، گٹھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ سوا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ڈال دی سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا اسے یہی خیال تھا کہ وہ ذرا سی دیر کے لئے سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں حسب عادت کھانا خریدا اور وہیں پہنچا دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا۔ یہاں یہ ہوا تھا کہ قوم کے دل ایمان کی طرف راغب ہوئے انہوں نے جا کر اپنے نبیؑ کو کنویں سے نکالا سب کے سب ایمان لائے پھر تیئی اپنی وفات فوت ہو گئے نبی علیہ السلام بھی اپنی زندگی میں اس حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن ان کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس نبیؑ کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مرسل ہے اور اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ

اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے

الْاَمْثَالَ ۖ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿٣٩﴾

مثالیں اور سب کو کھود پیس کے غارت کر ڈالا

یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا جب کسی طرح نہ مانا تو تتبیع الہلاک دیا۔ (تفسیر حقانی)

بہتر قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن تو صحابہ تھے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا۔ اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

قرن کا مطلب سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ

اور یہ لوگ آتے ہیں اس بستی کے پاس جس پر برسایا

قوم لوط کی بستیاں۔

یعنی قوم لوط کی بستیاں جس کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ (تفسیر حقانی)

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے حدیث حرکات میں مبتلا تھے۔ ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں سر راہ پڑتی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ

کیا دیکھتے نہ تھے اس کو

یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ (تفسیر حقانی)

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿٤٠﴾

کہیں پر امید نہیں رکھتے تھے اٹھنے کی

عبرت آموزی میں رکاوٹ

یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب اُن کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اُٹھیں اور خدا کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ عبرت تو وہ ہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو۔ (تسہیل)

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ
اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھے کرنے کیا یہی ہے جس کو
بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ
بھیجا اللہ نے پیام دے کر یہ تو ہم کو بہکا ہی چکتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم
اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ
جمے رہتے ان پر

استہزاء بازی

یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر استہزاء کہتے ہیں کہ کیا یہ ہی بزرگ ہیں جن کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ کیا ساری خدائی میں سے یہ ہی اکیلے رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زورِ تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (العیاذ باللہ)

وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ
اور آگے جانا لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب
مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
کون بہت بچھڑا ہوا ہے راہ سے

عذاب اب آنکھیں کھول دے گا

یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ
بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا اختیار کیا اپنی خواہش کا کہیں
تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝
تو بیٹھتا ہے اس کا ذمہ

خواہش نفس کے بندے

یعنی آپ ایسے ہٹ دھرم لوگوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جس کا معبود ہی محض خواہش ہو کہ جدھر خواہش نے کئی ادھر ہی جھک پڑے جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔ (تسہیل)

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے۔ یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا۔ خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشات نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بعضوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو ان کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا، ان کی پوجا کرنے لگا۔ (تسہیل مظہری)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ جہاں کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی ڈنڈوت کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (تسہیل ابن کثیر)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ
یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں
اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ ۭ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
اور چوپایوں برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے

چوپایوں سے بدتر انسان

یعنی کیسی ہی نصیحتیں سنائیے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر انہیں سننے یا سمجھنے سے کیا واسطہ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نافع و مضر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا

انسان کے احسانات کو سمجھا نہ پہلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اُس سے کوسوں دُور بھاگے اور جو قوتیں خدا تعالیٰ نے عطا کی تھیں اُن کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل و فہم سے کام لیتے تو اس کارخانۂ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت و حقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح و تمجید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

چوپایوں کا بولنا

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے، لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ! بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تو اس پر ایمان لے آیا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا اچانک ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا، بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑا لیا، بھیڑیے نے کہا، قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہیں ہوگا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

قائدہ ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی انسانیت اور خواہشات کا روحانیت (عقل پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس و خواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ
تو نے نہیں، دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو ان
سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۚ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ
کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیں ہم

اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝

تے اس کو اپنی طرف کھینچ کھینچ سمیٹ کر

دھوپ اور سائے کا نظام

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا، مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ (قصص ع ۷) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ بٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔ اپنی طرف کھینچ لیا کا یہ مطلب ہے کہ اپنی اصل کو جا لگتا ہے سب کی اصل اللہ ہے (موضح الفرقان) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر نہار میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہ ہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ اول عدم تھا، پھر نور وجود میں آیا، پھر آخر کار کتم عدم میں چلی جائے گی۔ اور اسی جسمانی نور و ظل کے سلسلہ پر روحانی نور و ظلمت کو قیاس کر لو۔ اگر کفر و عصیان اور جہل و طغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوۃ کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جا سکتی ہے ظل سے مراد عالم امکان ہے عالم امکان کا وجود، خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واسعہ کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو جو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات و فناء کی آماجگاہ بنا دیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب کو اس کے لئے راہنما بنایا، یعنی جب اللہ کی صفات واسعہ کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و

مشاہدات سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفائی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات و ذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے کہ نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارے میں ہے) (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ

اور وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو

سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۱۶﴾

آرام اوروں کو بنا دیا اُٹھ نکلنے کے لئے

رات اور دن کا خالق

یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اُجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر اُدھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اُٹھ کھڑا ہوگا اور یہ ہی حالت اُس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل و غفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اُٹھ بیٹھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن تخلیق

یہاں کئی چیزیں قابل غور ہیں اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون و تناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اُس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کر لیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اُس پر کاربند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اُسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اُس کیلئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ

اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۱۷﴾ لِّنُحْيِيَ بِهٖ بَلْدَةً

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا کہ زندہ کر دیں اس سے

مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿۱۸﴾

مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اُس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو

مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام:

یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مُردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اُڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک غیبی بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل و عصیان کی موت سے مر چکے تھے وحی الٰہی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنس کی تھیں روحانی

بارش کے پانی سے دھل کر پاک و صاف ہو جاتی ہیں اور معرفت و وصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طہور کا معنی

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے، جب تک پانی نہ پائے تو اہ دس سال گزر جائیں رواہ احمد وابوداؤد والترمذی عن ابی ذر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

باطہور قول کی طرح مصدر ہے، مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھوڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوداؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو غیر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو (سوتے میں) کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

کثیر پانی۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا، جو شخص آب کثیر استعمال کر رہا ہے اگر اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ پانچوں نمازیں (درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات وایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے ہیں، شرطیکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا اس پر آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الخ۔ الی آخرہ نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

استعمال شدہ پانی۔

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے میں بیمار تھا۔ بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے آ کر وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا، مجھے فوراً ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت فرائض نازل ہوئی۔ متفق علیہ

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا رکھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی، پھر وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے پیا۔ متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی تصوف تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے (لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ (رواہ البخاری)

رُکا ہوا پانی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ایسا نہ کرے کہ رکے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کر کے پھر اسی سے وضو کرے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رُکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال کے بعد یا کی کا شخص ہو جانا تو ناقابل تصور ہے صرف دوسری کی شق باقی رہی یعنی وہ طاہر تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آ مینگنہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا یا پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے نبیذ خیساندہ پانی میں کوئی چیز بھگوئی ہوئی یا عد خاص تک پکائی سوئی یا کوئی سیال چیز بہت زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبیعت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں لیکن اگر آمیزش

سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

میت کا غسل:

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار اس سے زیادہ بار بھی مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا فرمایا، کافور شامل کر دینا۔

براء نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ناپاک زمین کو پاک کرنا:

دار قطنی نے عبدالجبار کے طریق سے بروایت ابن حنیفہ از یحییٰ بن سعید بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو حافظ ابن حجر نے کہا، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ
اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں
فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ مدام ناشکری کیے

آب پاشی کا نظام:

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں علی الدوام کہیں بدیر جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اگلے گھرا اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو، اللہ بارش کا رخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعودؓ تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نیچے آسمان (یعنی بادل) میں مینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے۔ اور جب سب نافرماں ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

ناشکرے لوگ

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کئے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے، حضرت زید بن خالدؓ جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوگئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ (کی تاثیر) سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

بادل کے فرشتے

ایک مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو خدا تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برسا، ہم تعمیل ارشاد کر دیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے ٹھہرا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مؤمن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے۔

جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا وہ میرے ساتھ کافر ہوئے اور تاروں کے ساتھ مؤمن ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش ہر سال یکساں برستی ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ حکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کر دی کسی میں کم کر دی۔ بعض اوقات کسی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے تو بھی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے الٰہی کو عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۝ فَلَا

اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو

تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝

کہا مت مانو منکروں کا اور مقابلہ کرو ان کا اس کے ساتھ بڑے زور سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم تزور وشور سے منکرین کا مقابلہ کرتے رہیں

یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو ایک ہی بستی میں کئی کئی نبی ہوں۔ مگر اس کو منظور نہیں یہ ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن و تشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور و شور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ختم نبوت کی حکمت۔

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ملکا ہو جاتا لیکن آپ کو معلمت عطا کرتے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

بدر سے مراد ہے پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

کافروں کی طرف نہ جھکیں

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ سو اس نعمت کے شکریہ میں آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور و شور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا نہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد و توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کر کے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں ہر طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا

وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا

اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ

وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

اور آڑ روکی ہوئی

میٹھا و کڑوا پانی ایک ساتھ

بیان القرآن میں دو معتبر یونانی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چار نام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت

کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا مقتضی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے ذابھیل ملک ضلع سورت سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان مشاہدہ کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجری میں چلائے اور دونوں رو رکاکر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے، پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مرہ ہے وہ اُسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلک والراجح عندی ہوالاول۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت

بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور مدھ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہیئے کہ اس نے میٹھے پانی کی چوطرف ریل پیل کر دی کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔ مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس لے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں اِدھر اُدھر بہتے نہیں۔ لیکن موجیں مار رہے ہیں تلاطم کر رہے ہیں۔ بعض میں مدوجزر ہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آجاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا پھر اترنا شروع ہوا۔ ان تمام سمندروں کو اسی حد انتہائی نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مر جاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مزہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِجْرًا مَّحْجُوْرًا پر دو سخت روک کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ

مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے سمندر میں آ کر گرتی ہیں وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقی کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ۔ دُنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دُور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے شیریں اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ یہاں القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے جا نگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا مقتضی ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ، اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ذابھیل ملک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مدوجزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر

کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جُوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا

اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر بھرایا اس کے لئے خدا اور سسرال

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿٥٤﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر

مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ

وہ چیز جو نہ بھلا کرے اُن کا نہ برا اور ہے کافر

عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿٥٥﴾

اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیر رہا

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش

دیکھ لو کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسلیں چلائیں اور داماد اور سسرال کے تعلقات قائم کئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا کہنے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اُس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تاکہ اغواء و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ

اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ میں نہیں مانگتا

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ

تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے

إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٥٧﴾

اپنے رب کی طرف راہ

پیغمبر کا کام

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارات سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کو کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

رسالت کا اجر: اللہ کے امر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجر رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجر تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ شاید کوئی سر پھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیل زر و مال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مالی کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی، پھر اس طرز ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہو گئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مآل کے اعتبار سے رسول کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعودؓ کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مولفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ضیاء نے اتنا ٹکڑا حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر اس سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ

اور بھروسہ کر اوپر اس زندہ کے جو نہیں مرتا

اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں

یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ و دعوت وغیرہ) ادا کئے جائیے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پروا نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝

اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد و ثنا کرتے رہیے۔ ان مجرموں سے وہ خود نمٹ لے گا۔

اور جب تیرا پروردگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذو الجلال حی لایموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہئے اور سبحانک اللھم وبحمدک یا سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم پڑھتے رہئے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پروا نہ کیجئے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ

چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ۝

وہ بڑی رحمت والا سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو

اللہ کی قدر جاننے والے:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اُسے کیا جانیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اپنی شئون و کمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے انت کما اثنیت علی نفسک لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیے، خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا

اور جب کہیے ان سے سجدہ کرو رحمن کو کہیں

وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝

رحمن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے ان کا بدکنا

بے قدرے لوگ یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمت شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بیحیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت و انقیاد کی طرف توجہ دلائیے اسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

سجدہ فقط اللہ کو ہے:

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کر سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح و حمد بیان کرتا رہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج

آسمان کے بُرج

یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مراد ہوں جو اہل ہیئت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، ان کا نام برج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت علی اور ابن عباس اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی دو بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہو گئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

موسموں کی تبدیلی کا نظام:

ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب اُمور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ انکشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضا و ابر و باراں، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات سے اور عالم انسان اور انسانی علوم و فنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف اُن کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اسقدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار

علماء اہل حق قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جعل فی السماء بروجا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔

فیثاغورس کی تحقیق کی تائید:

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے اور تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔

غلط دعویٰ لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخلہ ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَسْبَحُوْنَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ

زمانہ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماء سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ اور عرب و عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔

اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے مادل علیه القرآن هما بعضد الهيئة الجديدة القويمة البرهان جس میں ہیئت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہیئت جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

میں نے بیئت جدید کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں۔ اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف زرخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اُس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقل سلیم اور نقل صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

علم فلکیات کی تاریخ:

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثا غورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کروتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایکسو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہپر خوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔

فیثا غورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثا غورس کا نظریہ گوشہ گمنامی میں پڑا رہا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہ نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔

گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی مین کیلر اور اطالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ارسطو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثا غورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں آنکی نیوٹن کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات و ایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آگرنے کا سبب وہ قیس جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکز عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب وکشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر راکٹ کی ایجاد

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان محمد البیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلانوردی خلاپیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

خلائی سفر:

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اردو ترجمہ امریکہ کے اردو ماہنامہ سیر بین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیر بین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہی وہ ایک واحد شئی ہے جو خلا میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو اس سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔'' آگے لکھا ہے کہ ''اس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات و پیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔''

قطب نما کے پس پردہ قوت:

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ۔

''لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعین رخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو

قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔"

آگے سب سیر و سفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے

"عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجود یہ کہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔"

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات۔

نظام کائنات کا پیغام

بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لئے آسمان زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و بلیات پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا، اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو — نینگیختن علت از کار تو
مہندس بسے جوید از راز شاں — نداند کہ چوں کردی آغاز شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم — کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا ؎

سخن از مطرب و می گوئی و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات ارضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ ان سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جا سکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جا بجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔

تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا
اور رکھا اس میں چراغ

آسمان کا چراغ

یعنی سورج شاید نور و حرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (نوح رکوع ۱)

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً
اور چاند اجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے

رات و دن کا نظام

گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا اور رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

خِلْفَةً یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فراست:

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں (پورا) کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ

حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا

تھا۔ یا فرمایا۔ میں نے اس کو ادا کرنا چاہا، اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾

اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھا یا چاہے شکر کرنا

بدلتے حالات کا سبق

یعنی چاند، سورج وغیرہ کا اُلٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے اُس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اُسی کے دست قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اُس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔

خلفۃ کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی وہ ظلماتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا

اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

اللہ کے سچے بندے

یعنی مشرکین کی طرح رحمان کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل وقول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاء وتصنع سے بیماروں کی طرح قدم اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عباد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمت کاملہ کا وعدہ کرلیا ہے اور یہ بھی مخلوق خدا پر کامل طور پر مہرباں ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پر سکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے نہ اترانا۔ لغت میں ہون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قول رسول میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مؤمن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ نرمی ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ ..... عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا تک۔ پس تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر۔ (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنیٰ اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمٰن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات

آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوف خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت وسکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہون کا مفہوم اس جگہ سکینت ووقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلا ضرورت ہو تو خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہ یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن

کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے تکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ مومنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں ناواقف اُن کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر اُن پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ اُن کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملی نہیں اور آخرت میں اُس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اُس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اُس کے لئے تیار ہے۔ (ابن کثیر ملخصاً)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿۶۳﴾

اور جب بات کرنے لگیں اُن سے بیوقوف لوگ تو کہیں صاحب سلامت

جاہلوں سے سلوک۔ یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صلح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ اُن میں شامل ہوں نہ اُن سے لڑیں۔ اس کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا۔

اَلَا لَا یَجْهَلْ اَحَدٌ عَلَیْنَا فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِیْنَا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ حسن بصری نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت سوتی ہے (اور رات میں حالت وہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا ﴿۶۴﴾

اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

رات کی عبادت گذاری

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت ریاء سے دشوار ہوتی ہے ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر دوسروں کو دکھانے کی ہو سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی علامت گر کی علامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت (وغیرہ)

رات کی نماز کی فضیلت:

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی یا قیام مصدر بھی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی شعب الایمان۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابوامامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا (یعنی اظہار پسندیدگی فرماتا) ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں ثبات کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ (رواہ السیوطی فی شرح الاسۃ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے عشاء (کی نماز) کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں (تو گویا) اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری، حضرت عثمان بن عفانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم و احمد (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم سے دوزخ کا عذاب

جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ إِنَّهَا سَاءَتْ

بیشک اُس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بری جگہ ہے

مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾

ٹھہرنے کی اور بری جگہ رہنے کی

خوفِ آخرت۔

یعنی اتنی عبادات پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بے فکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤدؑ) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابونعیم (تفسیر مظہری)

جہنم کے گڑھے۔

حضرت عبید ابن عمیر فرماتے ہیں کہ جہنم میں گڑھے ہیں کوؤں جیسے ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو جہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں ہونٹوں پر سروں پر جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور بھکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال تھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔

جہنمیوں کی آہ وزاری۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یاحنّان یامنّان تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائے گا جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی نرے حال سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں جا کر جناب باری تعالیٰ میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ حکم خدا تعالیٰ جائیں گے اور اسے لا کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خدایا نہایت برے کی بھی بری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔

خدا تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب تو اسے اس کی جگہ واپس کر آؤ۔ تو یہ گڑگڑائے گا عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین خدا جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے مجھے تو تجھ سے رحم وکرم کی ہی اُمید ہے۔ خدایا بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحیم و رحیم خدا کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا زیادہ میں اور نہ تنگی کریں

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران

خرچ میں میانہ روی:

یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت اُس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اپنی گزران میں میانہ روی کرنا انسان کی سمجھداری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے جو افراط تفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ اہمیری میں فقیری میں عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہ خدا میں کتنا ہی چاہو وہ اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں تو حکم خدا تعالیٰ سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے اور بزرگوں کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ اسراف ہے۔

صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد

صحابہ کرامؓ مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش و زیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت رب کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی

غرض کئی قبائل ستہ حصہ دن کو چھپاتا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرلی۔
حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی کو جو چیز پسند آئے وہ خرید لے۔ (ابن مفسر رحمہ اللہ) (تفسیر مظہری)

محتاجی سے تحفظ

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما عال من اقتصد یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ البیہقی۔ س کثیر)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے

مثلاً قتل عمد کے بدلہ قتل کرنا یا بدکاری کی سزا میں زانی شخص کو سنگسار کرنا یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مارڈالنا یہ سب صورتیں الا بالحق میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں ﴿۶۸﴾

اثام یعنی بڑا سخت سزا دیا جس کی سزا مل کر رہے گی بعض روایات میں آیا کہ "اثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں سخت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ عنہا۔ (تفسیر مظہری)

سب سے بڑا گناہ: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

ابن جریر، طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس اوقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں بھی وہ اتھاہ تک پہنچے گا۔ راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا، جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا کچ لہو بہہ کر جاتا ہے انہی دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے؟ صَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا (تفسیر مظہری)

فنائے قلب کا مقام

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے، فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا، اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصلی وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضائے وجود۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿۶۹﴾

دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر

یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم دم بڑھتا رہے گا۔ (تفسیر مثالی)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ﴿۷۰﴾

توبہ کا فائدہ:

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور ظہر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے مناسب نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظهر من بعض الاحادیث۔ (تفسیر مثالی)

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں گئے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن مسیب بحوالہ ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابوذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں (کی پیشی) کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے

یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ پچھلیاں نظر آنے لگیں رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جو نیکی دو اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لگیں) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو اپنی نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ بھی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دو طرح سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے، فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلبگار ہوتے ہیں آخر رحمت الٰہی کی ان پر آتی اور ایسی بارش ہونے لگتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا نزول ان پر نہ ہوتا اور اس مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کئے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلبگار ہوں گے اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم عن حدیث ابی سریرہؓ۔

حضرت ماعزؓ کی توبہ

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سمالے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے)

ایک خاتون کی توبہ

ایک عورت قبیلہ غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند ٹالنا چاہا مگر وہ نہ مانی آخر اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرایا حضرت خالد بن ولید نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ کس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (کس وہ ٹیکس جو عشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ لیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار۔ رواہ مسلم فی قصۃ ماعز والغامدیۃ عن بریدۃ۔

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت (و توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہل محبت کے بعض اعمال واقوال

محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیار شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ، ترک تعلقات آب و گل) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا اس سے صدور خاص محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی ان ظاہری لغزشوں کو اللہ جمیل سے تبدیل کر دے گا۔

صاحب روح نے فرمایا ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود ۔۔۔ گیرد کاملے ملت شود

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

اولیاء را ہست از حق دستگیر ۔۔۔ لطف ہا دارد کہ عقل از کار مرد

شاید حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ قیامت کے دن بعض گناہوں سے متعلق حکم ہوگا کہ ان کے چھوٹے ماں کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ اس سے اشارہ اسی طرف ہے کہ اوپر والا قول کبائر کی طرف سے کیونکہ کبائر سے جو ان کا صدور ہوتا ہے وہ غلبہ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے ان کو جھوٹے گناہ کہا جا سکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادۃً معصیت نہیں بلکہ) غلبہ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقصد و خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخشدے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان

ہوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ دے جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اللہ اکبر اور چونتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہے پھر سو ۱۰۰ مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی

حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی برائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ ناامید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی برائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنتی

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے پھر شاکرین یعنی شکر خدا کرنے والے پھر خائفین یعنی خوف خدا رکھنے والے پھر اصحاب یمین جن کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ملے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں مدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے مکمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ خدایا ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب مدیاں لکھی ہوتی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عملنامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے۔ علی بن حسین زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ برائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہو گا مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیاں کر دے گا۔

ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ

حضرت مکحولؒ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف ۱۰۰ سال جن کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب خدا میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کہہ دیا کہ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له اللہ تعالیٰ تیری تمام برائیاں گناہ بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری برائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا، رضی اللہ عنہ۔ (ابن جریر)

ایک خاتون کا واقعہ:

ایک عورت حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی اس سے بچہ ہو گیا میں نے اسے مار ڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بری بات کہی کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا والذين لا يدعون مع الله الخ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے پیچھا چھڑا۔ دی کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کے وہ عورت پھر آئی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کر دیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا

اور جو کوئی توبہ کرے اور کام نیک کرے وہ پھرتا ہے اللہ کی طرف پھرنا جیسا حق ہے

مسلمان گناہ گار کی توبہ

پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام

میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے نہ نرے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعَمِلَ صَالِحًا اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک و معاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلبگار ہوا۔

فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ کی تعیین بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ سے عذاب کو ہٹا دینے والا اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جس گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابقہ آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زنا کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل و زنا کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا۔ اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر وَمَنْ تَابَ میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر لے تو اس کو واجب اللہ توبہ کرنا چاہئے وَلٰكِنَّ يَتُوْبُ اگرچہ خبر ہے لیکن یہ بھی امر ہے۔ بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ:

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت بَدَّلَ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبہ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہوگئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہوگا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ

اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں

جھوٹ سے پرہیز:

یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے گواہ کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے الٰہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو (کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ بھی پہچان جائیں کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

گناہ کبیرہ۔ مذکورہ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انس کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور فرمایئے، فرمایا اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو۔ اور جھوٹی بات کہنی۔ جھوٹی شہادت دینی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے۔ مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیر کا مقصد ہے (مجرم کو) باز داشت اور یہ باز داشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مارنے اور قید کرنے میں زجر و باز داشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور وہی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہئے (تاکہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جرأت کر سکے) رہا حضرت عمرؓ کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا۔ (آئینی نہ تھا۔ آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)۔

قاضی شریح رحمہ اللہ کا عمل:

امام ابوحنیفہ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے

امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریحؒ جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم مارا ہوا شخص ہوتا تو شریحؒ اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں سے کہدو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مدکورہ بالا پیام کہلا بھیجتے ابن ابی شیبہ نے بھی شریحؒ کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے ر ریک شہادت روسے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز

بعض علماء نے لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بیہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بیہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے۔ فتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بیہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنیفہ نے فرمایا، لغو اور رگڑے کے وقت پہ حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں بھی ہے کہ سچے مؤمن کو چاہیئے کہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دو پر شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے جھوٹ اور جھوٹی بات کہنا۔ سو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے؟ اسی لئے آگے بیان ہوا کہ اگر اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے منہ پھیر کے گزر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کھیل کے پاس سے گزرے تو منہ پھیر کے ہوئے لغیز کے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے بزرگ کریم ہو گئے۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴿۷۲﴾

اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی گناہ میں شامل نہیں، اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل ہوں سے بڑیں۔

(تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے کرم فلان عما یشینہ فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں اکرم نفسہ عنہ اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا

اور وہ لوگ کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن کے رب کی باتیں۔ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿۷۳﴾

ان پر بہرے اندھے ہو کر

غور و فکر کی عادت

بلکہ نہایت فکر و تدبر اور اعیان سے سنیں اور سن کر متاثر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔ (طبری بتغیر)

یعنی بغیر گوش ہوش سے سنے اور بغیر چشم حقیقت بیں سے دیکھے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے

وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک

صالح اہل و عیال

یعنی بیوی بچے ایسے عطا فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مؤمن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل و عیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول

پاتے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔ (تفسیر جلالین)

قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمان بردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾

ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا

نیکی کی امامت

یعنی ایسا بنا دے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ کہ ہم نہ صرف بذات خود مجتہدی، بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قتادہ شامی نے فرمایا کہ مقصود یہ ہے کہ تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کر ہا ہے کہ دنیا کے متقی لوگ بھی ہمارے عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست وامامت کی طلب خود بڑے کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لایریدون علوا میں اس ریاست واقتداء کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت وجاہ کے لئے ہو۔ واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مومنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا، آگے ان کی جزاء آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔ (معارف معتی عظم)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

ان کو بدلہ ملے گا بالاخانوں سے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے اور پہنچے ان تک

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿۷۵﴾

ان دوماں، بقا اور سلام کہتے ہوئے

مومنین کا انعام

یعنی جنت میں اونچے کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعاء وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہی کلمات سلام و دعا، ان کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے درجات

بخاری ومسلم میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرق یا مغرب افق سے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا تو انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا۔ فرمایا، کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ انسان ان مراتب تک پہنچ سکتے ہیں) حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

جنت کے بالاخانے احمد حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور ترمذی بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابومالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دے گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے ہوں گے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں سلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابومالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، ان لوگوں کے لئے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم کلام کرتے ہیں، متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تم کو جنت کے بالاخانوں کے متعلق نہ بتاؤں، صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فرمایئے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر یقیناً کچھ بالاخانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت نشانیاں دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ایہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سلام کو پھیلایا کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ترے کی کس میں طاقت ہے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل وعیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا (اس سے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان

کے اور ہر مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے اس نے (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشا اور فجر کی نماز جماعت سے پڑھ لی تو بیشک اس نے رات ایسے وقت نماز پڑھی کہ یہودی عیسائی اور دوزخی اس وقت (آرام سے) سوتے ہیں۔ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شک نہیں کہ جنت کے اندر کچھ بالاخانے ایسے ہیں کہ ان کے اندر سے اور ان کے اندر سے (یعنی) اگر ان کے اندر والا تو بالاخانہ سے نیچے والی چیزیں اس سے دیکھ لیتا ہوں گی اور اگر بالاخانوں سے پیچھے (باہر) والا تو اندر کی چیزیں اس سے مخفی نہ ہوں گی۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول یہ بالاخانے کن کے لیے ہوں گے فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا، مسلسل روزے رکھے سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے ہوں۔ عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے، فرمایا، سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر قیامت کے دن جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا تو یہ کلمات آگے پیچھے ہوں گے اور نجات دلانے والے ہوں گے عرض کیا گیا، مسلسل روزے رکھنے کا کیا مطلب ہے فرمایا، جس نے رمضان کے روزے رکھے اس نے بلاشبہ (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے فرمایا جس سے اپنے عیال کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا مراد ہے فرمایا اپنے (مسلمان) بھائی کی مصاحبت اور اس سے سلام کرنا عرض کیا گیا لوگوں کے سوتے کی حالت میں نماز، فرمایا مطلب، فرمایا عشا کی مار۔

حکیم، ترمذی نے حضرت سہل بن سعد ساعدی مرفوعاً روایت سے اس آیت نے ذیل میں بیان کیا ہے کہ بالاخانہ سرخ یاقوت، سبز زبرجد اور سفید موتی کا ہوگا جس میں یہ کوئی پھاٹک و کھڑکی نہ ہوگی۔

سلاماً کے معنی تحفے، ملقیٰ، یلقون فیہا تحیۃ وسلاما اور ان کو اس عزت میں (فرشتوں کی طرف سے) تحائف اکرام اور سلام ملے گا۔

یعنی بالاخانوں کے اندر فرشتے تحیہ و سلام کے ساتھ استقبال کریں گے مراد یہ ہے کہ ان کے لئے اللہ سے سلامتی و عافیت کی دعا دیں گے یا یہ مراد ہے کہ ان کو ہر آفت سے سالم رہنے اور ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت دیں گے۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا جائے گا۔ احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر وہ فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن سے (دنیا کے) مرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے (اور باقی لوگوں سے مکروہات سے (مسلمانوں کا) بچاؤ ہوتا ہے (لیکن ان کی خوبیہ حالت ہوتی ہے کہ) وہ اپنی ضروریات کو اپنے سینے میں لے کر مر جاتے ہیں اور زندگی بھر ان کو پورا نہیں کر سکتے۔ اللہ اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم دے گا کہ جاؤ ان کو سلام کرو۔ (ان کا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے تیرے برگزیدہ بنائے ہوئے ہیں۔ پھر تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور اس کو سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت کرتے تھے میرا کبھی کسی کو شریک نہیں ساتے تھے اور جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی حفاظت کی جاتی تھی اور انہی کی وجہ سے مکروہات سے بچاؤ ہوتا تھا لیکن وہ ایسی حالت میں مر جاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے سینوں تلے اندر ہی رہ گئیں اور وہ ضروریات پوری نہ کر سکے تھے۔ حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس جائیں گے اور دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے **سلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ** ۔ بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب ہے کہ ان کو موت یعنی فنا (دائمی اور سلام یعنی مرآت سے سلامتی پیش کش کی جائے گی۔ (ت۔ ط)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا

ہمیشہ رہیں اس میں خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور رہنے کی

یعنی ایسی جگہ تھوڑی دیر ٹھہرنا ملے تو بھی غنیمت ہے ان کا تو کہنا کیا۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاۗؤُكُمْ

تو کہہ کیا کچھ قدر کرتا ہے تمہاری میرا رب اگر نہ ہو تمہاری بندگی

اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں

یعنی تمہارے نفع نقصان کی باتیں تمہاری ہیں۔ بندے اچھے ہوں یا برے اللہ کو خدا کو اس کی پروا، ماں اس کی اتھا پر جم کر تمہارے نہ اچھا کرو اور جو بڑے ہو رہے ہو تو منہ بھیٹے لئے تیار ہو جاؤ جو تم پر ہونے والی ہے۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا

سو تم تو جھٹلا چکے اب آئے گی ہوئی سے منہ بھیر

تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے

یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے۔ یہ تکذیب عنقریب ان سے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا۔ آخرت کی ابدی باتوں سے پہلے دنیا میں بھی اب جلد منہ بھیٹ ہونے والی ہے یعنی اُحد کی جنگ (چنانچہ یہ ۳ھ میں اس منہ بھیٹ کا نتیجہ دیکھ لیا۔ تم سورۃ الفرقان وللہ الحمد والمنہ۔ ت۔ ط)

اللہ ہی مدد اور اس کی توفیق سے سورت فرقان کی تفسیر ۲ سر ۱۳۵۲ھ کو ختم ہوئی۔ (ت۔ ط)

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ

از: تلمیذ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذہب کی بنیاد تین چیزیں ہیں ایک مبداء، ایک معاد، ایک معاد، مبداء کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی، معاد کا مطلب یہ کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، میعاد کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کس طرح زندگی گزاری جائے تو اس رکوع میں مبداء کا بھی ذکر ہے کہ وہ کون ذات ہے جو تمہاری اصل ہے معاد کا بھی ذکر ہے کہ تمہارا انجام کیا ہونا ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ درمیان کی زندگی کس طرح گذارنی ہے۔

انسان کا مبداء کیا ہے؟

ابتداء یہاں سے کی گئی ہے کہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا برکت والی وہ ذات ہے جس نے آسمان میں بُرج قائم کئے، منزلیں قائم کیں اور ان منزلوں میں سے سورج اور چاند کو گزارا، جس سے رات اور دن پیدا ہونے لگے موسم بننے لگے، سردی گرمی اور برسات آنے لگی۔

یہ گویا مبداء کا ذکر ہے کہ اصل ابتداء جس ذات سے ہے، اس کی قدرۃ آسمانوں زمین میں بھی کام کر رہی ہے۔ آسمان بنا دیئے، چاند سورج پیدا کر دیئے اور ان میں برکت پیدا کر دی۔

انسان کا میعاد رحمٰن کے بندوں کی چال

اسکے بعد دس احکام شروع کیے کہ اس کی رضا کے لئے کس طرح زندگی گزاری جائے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندوں کا دنیا میں کیا ڈھنگ ہونا چاہئے؟

رحمٰن لغت میں اور شریعت میں بھی اس ذات کو کہتے ہیں جو ساری نعمتوں کا مالک ہو، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں دینے پر قادر ہو، ہر نعمت اس کے قبضے میں ہو، ساری نعمتوں کا والی، وارث اور مالک ہو، تو اس رحمٰن کے بندے کس طرح سے دنیا میں زندگی بسر کریں فرمایا، رحمٰن کے بندوں کا ڈھنگ یہ ہونا چاہئے کہ جب وہ زمین میں چلیں تو نرم چال چلیں اس میں ہدایت دی گئی کہ زندگی کی ہر ادا تواضع اور خاکساری پر مبنی ہو، کبر و نخوت پر مبنی نہ ہو، تکبر اور اپنے کو بڑا بنانا نہیں بلکہ چال سے واضح ہو کہ کوئی خدا کا بندہ چل رہا ہے، یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی جبار قہار جا رہا ہے یہ انسان کی شان نہیں ہے۔ اور انسان کی شان یہ کیوں نہیں ہے؟

اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کلکم بنو آدم و آدم من تراب تم سب آدم کی اولاد ہو۔ آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے مٹی کا یہ کام نہیں ہے کہ اچھل اچھل کر اوپر جائے، یہ جب تک پست اور پامال رہے گی جب ہی تک اس کی قدر ہوگی مٹی جوتوں میں روندی جاتی ہے مگر چوں نہیں کرتی جب ہی تک اس کی قدر ہے کہ جس طرح ہم تصرف کریں بلا چون و چرا اس تصرف کو قبول کرے اگر مٹی اُڑ پڑی، کسی کی آنکھ میں پڑی وہ لعنت کرے گا کسی کے کپڑے پر گرے گی وہ کپڑے کو جھٹک دے گا کہے گا کمبخت گرد کہاں سے آگئی تو مٹی نے ذرا اچھلنے کا نام لیا تو اس پر لعنتیں برسنا شروع ہو گئیں۔

تو جس مٹی سے انسان پیدا کیا گیا، اگر وہ اینٹھنے لگے، غرور کرنے لگے، کبر و نخوت اختیار کرنے لگے ہر شخص اس انسان کو برا کہے گا اور جو تواضع و خاکساری اختیار کرلے اور مٹی بن کر رہے، سب اس کو سر پر بٹھائیں گے کہ یہ بڑی کیمیا معلوم ہوتی ہے کسی بھی مجلس میں جو بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ وہیں اس کو سزا مل جاتی ہے اور جو تواضع کا کلمہ بولتا ہے، سب اس کی قدر کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ شانہ کی عادت کریمہ بھی یہ ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کر کے یوں کہے کہ اے اللہ میرے سے کچھ نہیں بن پایا، میرے بس میں کچھ نہیں، تیرا فضل ہے کہ یہ کام تو نے مجھ سے کرایا، یا میرے اندر یہ طاقت نہیں تھی حق تعالیٰ شانہ فوراً فرماتے ہیں کہ نہیں عمل تو نے ہی کیا تھا مسجد کی طرف چل کر تو ہی گیا تھا حج کیلئے بیت اللہ کی طرف تو نے ہی سفر کیا تھا تو نے سب کچھ کیا اور اگر کوئی کبر و نخوت سے یوں کہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے عبادت کی، میں نے یہ کام کیا، فرماتے ہیں کہ نالائق تو نے کیا کیا؟ ارادہ ہم نے تیرے اندر پیدا کیا، اعضاء، روح اور طاقت ہم نے دی، تو نے کیا کیا؟ جو تو دعویٰ کرتا ہے اسے پست کر دیتے ہیں اور جو دعویٰ چھوڑ کر کہتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، اے فرماتے ہیں کہ تو نے سب کچھ کیا، اس لیے سنت اللہ یہ ہے کہ جو آدمی خاکساری برتے، عجز و نیاز برتے، بندگی کی شان سے آئے، اسے اونچا اٹھاتے ہیں، اسے عزت دیتے ہیں اور جو تو اور اکڑنے لگے اسے پٹخ دیتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ ؎

پستی سے ہو سر بلند اور مر کشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و قرار میں

تو انسان کی فطرت یہی بنائی گئی کہ تیرے سامنے مٹی ہے اگر وہ ابھرتی ہے تو تو لعنت بھیجتا ہے یہ جوتیوں کے نیچے رہتی ہے تو تو عزت کرتا ہے؟ جس چیز سے تو ہمارے تیرا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ جتنی تو خاکساری برتے گا تیری عزت ہوگی جتنا تو غرور کرے گا، اتنا ہی تجھے پست کر دیا جائے گا تو پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ رحمٰن کے بندوں کی زندگی کا ڈھنگ کیا ہونا چاہئے جب گھر سے باہر نکلیں اور چلیں تو زمین پر ملکی چال چلیں نخوت و کبر کی چال نہ چلیں اس دوسرے موقع پر قرآن کریم نے فرمایا وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

اپنی چال میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو اور تمہاری آواز بلند نہ ہو، زور سے چلانا بہت بری حرکت ہے۔ آواز بلند کرنا بہت زیادہ شور مچانے والا آدمی بدتہذیبی کی علامت ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ کسی کی آواز ہی حلقہ بلند ہو، وہ دوسری بات ہے لیکن ارادتاً ہر آدمی چاہے یہ سمجھے کہ دوسرے کے اوپر اپنی آواز کا رعب ڈالنے کے لئے یہ معمول ہے۔ ایسی صورت میں وقت اعتدال کے ساتھ آواز بلند کرنے تو بولنے اور چلنے دونوں میں اعتدال ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کا جو نقشہ حدیث میں آتا ہے کہ یمشی کانما ینقلع آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے چلتے تھے کہ نیچے ڈھلان تھی، اس طرح کہ گردن تو اٹھی ہوئی جس وجاہت کی چال کہتے ہیں ساتھ میں قوت اتنی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوہ اندھ، نشیب سے اتنی قوت سے قدم پڑتا تھا تو قوت بھی سہ شاعت بھی اور جاہ و جلال کی طرح تیز رفتاری بھی سو وقار بھی اور تواضع بھی ہو، نہ یا، وں نی چال چلے جیسے کوئی مریض جا رہا ہے کہ ذرا کوئی تھپکیر مار دے تو گر پڑے۔ یہ بھی نہیں اور نہ اچھل کر چلے جیسے کوئی متکبر جا رہا ہے۔ بیچ کی چال ہو کہ اس سے ہو، اری اور جاہ سازی بھی نہ جھلکے۔ مطمئن ہونا کا یہ مطلب نہیں کہ آہستہ آہستہ چلے، بلکہ یہ کہ تواضع سے بھی چلے تیز چلے کو یا یہ سلطنت بتلایا گیا کہ سب گھر سے نکلو تو ایسی چال چلو، اس لیے کہ مسلمان نے فکر اکیس بنایا گیا کہ جس طرح ان کا جی چاہے چل دے، قدموں پر نگاہ ہونی چاہیے کہ یہ کس طرح سے چلیں اس لیے کہ مؤمن کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ حاضر و ناظر ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا ﴿أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ﴾ ﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ﴾ ﴿كِرَامًا كَاتِبِينَ﴾ ﴿يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾۔

تم میں آدمی تنہائی میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرگوشی کر کے تو چھپا خدا وہاں موجود ہوگا، یہ نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا سننے والا کوئی نہیں تم چار ہو گے یا نچواں خدا ہوگا تم ریوڑ ہو گے تب خدا موجود، تم ہو گے تب خدا موجود، جب اللہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے تو آدمی کو ہر جگہ ادب سے چلنا پڑے گا۔ بے ادبی وہ ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ مسجد میں خدا ہے اس لیے میں ادب کرتا ہوں اور سڑک پر گویا خدا نہیں تو میرا جی جس طرح چاہے چلوں یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے، ہر جگہ کے مناسب ادب ہوگا اور تجربہ و یاد رکھنے کی چیز کی جائے گی تو زندگی گزارنے کی پہلی بات یہ ہے کہ تم ہر گئی میں قدم قدم پر نگاہ رکھیں کہ ہماری چال کیا ہے۔

رحمٰن کے بندوں کا قال

اس کے بعد آگے فرمایا چلتے چلتے لوگوں سے ملاقات ہوتی، تو اس میں اچھے بھی ملتے ہیں اور برے بھی۔ کچھ تو ایسے ملتے ہیں جو بڑے متہذب اور شائستہ ہیں آپ نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا، انہوں نے آپ کا شکریہ ادا کیا آپ نے اس کا شکریہ ادا کیا محبت بڑھ گئی اور بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ وہ جھگڑے اور فساد کی بات اٹھاتے ہیں کہ کسی بری نگاہ سے دیکھ لیا یا کسی کیسے کہنی کس بات پر ایسے موقع پر سواری رفتار یہ ہوتی چاہئے اس پر فرمایا

﴿وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا﴾ اگر جاہل ملیں ان جاہلانہ حرکتیں کریں تو تم ان کے ساتھ جاہل مت ساتھ سلام کہو یعنی سب وہ جاہلانہ بات کریں، ہیں ان سے کہہ دو کہ بھی تمہارا سلام کہنے کا یہ مطلب نہیں جانتے تمہارے لیے کچھ ریا نہیں ہمارے لیے بھی اور اگر آپ بھی جھگڑے میں لگ گئے تو وہاں ایسی خاصی لڑائی چل جائے گی جھگڑا اٹھ جائے گا اور جھگڑا اٹھانا بہت آسان ہے مگر ان کا مٹانا بہت مشکل ہے اس لیے سہ وقتی نہ پنا ہے تو فرمایا کہ جب چھوٹا چال میں نرمی پیدا ہو، چال ہلکی ہو، ایسا ہو کہ آنی محبت کی نگاہ سے دیکھے گا آپ سے لڑی جھگڑا نہیں کرے گا جھگڑا جب کرے گا جب آپ متکبرانہ انداز سے جائیں اور جب تواضع سے گئے تو اول تو سب عزت دیں گے لیکن پھر بھی اگر کوئی بے وقوف آدمی مل جائے اور جاہلانہ باتیں کرے تو آپ کہیں گے۔ قالوا سلاما یعنی ایسی بات نہیں جانتے سلام سے یہ مراد نہیں ہے تمہارا سلام نہیں ہے تم جاؤ تمہارا کام جائے۔

سلام کی برکات اور آداب

ان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام ایک ایسی عظیم چیز ہے جو جھگڑوں کو ختم کر دیتی ہے سلام آپ نے کہہ دیا اچھا جانا ہے اور آپ سلام کہہ دیں تو چاہے بھی ہوں گے وہ بھی جھک جائیں گے کہ یہ بڑا اچھا آدمی ہے سلام کہتا ہے۔

اس واسطے فرمایا گیا اگر باہم دشمنیاں بھی ہوں، عداوتیں بھی ہوں، جھگڑے بھی ہوں تو آپ سلام کریں گے دشمنیاں دھل پڑ جائیں گی وہ علیکم السلام کہنے پر نہ ہو گا کس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے بھی سلامتی ہو جب تم نے سلامتی کی دعا دی ہے تو جھگڑا اٹھنے کا کیوں؟ تو خود کہہ رہا ہے کہ تمہیں سلامتی حاصل ہے، تو دعا بھی دے اور اوپر سے جھگڑا بھی اٹھائے؟ اس سلام نے ساری دشمنی ختم کر دی۔

اس لئے حدیث میں فرمایا گیا کہ افشوا السلام علی من عرفت ومن لم تعرف سب کو سلام کہو، جن سے تمہاری عادت ڈالو، خواہ جان پہچان نہ ہو۔

آج کے زمانہ کا تمدن یہ ہے کہ جب تک تم آدمی کا تعارف نہ کرا لے یا تعارف نہ ہو، ۱۵ یہ مسئلہ امت میں پیدا ہو گیا ہے کہ اگر تعارف نہ ہو تو سلام نہ کرو، اخلاق تو اتنا ہی جانتی ہوں گے آپ سمجھتے ہیں کہ کوئی تعارف والے پہلے سے ان تعارف حاصل کر لے تو اچھا مسلمان ہے اس

میں اسلام بھرا ہوا ہے۔

ہمارا تعارف بھی اسے حاصل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں جب دونوں کے اندر ایک رشتہ مشترک ہے، پھر تیسرے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ تعارف کرائے، اگر گھر میں دو حقیقی بھائی موجود ہوں وہ دونوں یوں کہیں کہ کوئی تیسرا تجھے والا آکر تعارف کرائے کہ یہ آپ کے حقیقی بھائی ہیں اور یہ آپ کے حقیقی بھتیجے ہیں تب آپ کلام کریں گے آپ کہیں گے کہ میری رشتہ داری ہے مجھے کیا مصیبت ہے کہ میں تیسرے آدمی کو بلاؤں کہ بھئی میرا تعارف کرا دو، یہ تکلف اور بناوٹ ہے تو نسبتی رشتے سے زیادہ قوی رشتہ اسلام کا ہے دو حقیقی بھائی اتنے قریب نہیں ہوتے جتنے دینی رشتہ کی وجہ سے دو مسلمان قریب ہوتے ہیں اس لیے ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چوتھا آدمی تعارف کرائے۔

ہاں اس میں البتہ اس زمانے میں ایک مصیبت پڑ گئی کہ ہم صورت سے یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں؟ بعض اوقات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن سوچتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے یا یہودی ہے یہ مصیبت آ کے پڑ گئی اس سے معلوم ہوا کہ ہیئت اور وضع بھی ایسی ہو جس سے دور سے سمجھ لیا جائے کہ مسلمان آ رہا ہے تاکہ سلام و کلام کی نوبت آ جائے۔

بہر حال اس حدیث میں ہدایت کی گئی کہ پہچان پہچان کر سلام نہ کرو اس واسطے کہ تعارف کرانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی ہوا اس کا تو تعارف ہو گیا اور اگر کوئی چھوٹا موٹا آدمی آئے تو اس کا کوئی تعارف نہیں کراتا گویا آپ کا سلام بڑے آدمی کو تو ہوگا چھوٹے کو نہیں ہوگا، یہ خود ایک تکبر ہے کہ چھوٹوں کو حقیر لگایا جائے اور بڑوں کے واسطے جھکے۔

اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سواری پر سوار جا رہا اور لوگ سڑک پر سامنے بیٹھے ہوں تو سوار ہونے والے کا فرض ہے کہ وہ بیٹھنے والوں کو سلام کرے، اپنے اندر خاکساری پیدا کرے ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے جس میں یہ انتظار ہو کہ یہ مجھے سلام کریں کیونکہ یہ میرے سے چھوٹے ہیں یہ چھوٹائی بڑائی کہاں کی؟ آدمی خود ہی چھوٹا ہے بڑا اللہ ہے سب سے بڑی ذات وہ ہے اس کے سامنے سب چھوٹے ہیں اس لیے ہر شخص یہ سمجھے کہ میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے جب یہ سمجھے گا تو سلام کی ابتداء کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو یہ انتظار نہ کریں کہ دوسرا مجھے سلام کہے اسی کو فرمایا گیا

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمٰن کے بندے جب چلیں تو خاکساری کی چال چلیں اور جب لوگوں سے ملیں تو سلام کی عادت ڈالیں اگر نیک لوگ ہیں تو سلامتی کی دعاء ہوگی اگر برے اور جھگڑالو لوگ ہیں تو یہ سلام رخصت کا ہوگا کہ بھئی ہمارا سلام ہم جاتے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے تو سلام ہر صورت میں انسان کے لیے رہا۔

پھر یہ اتنی پاکیزہ چیز ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا

تحیة الیهود بالاصابع و تحیة النصاری بالاکف وتحیة المسلمین السلام علیکم یہودیوں کا سلام انگلیوں سے ہے، نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے ہے اور مسلمانوں کا سلام السلام علیکم ورحمة اللہ و برکاتہ ہے تو یہود و نصاریٰ کا سلام اشارہ محض ہیں اور مسلمانوں کا سلام ایک مستقل دعاء ہے کہ تم پر سلامتی ہو اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں تم پر نازل ہوں ہر مسلمان جو دوسرے کو دعاء دے اس سے اس کی خیر خواہی اور محبت ظاہر ہوگی تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔

وہ مثل مشہور ہے کہ کسی آدمی کے سامنے کوئی جن آ گیا تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو کھا جائے گا اس نے آگے بڑھ کر کہا ماموں جان السلام اس نے کہا بھائے وعلیکم السلام اور کہا کہ میرا ارادہ تجھے کھانے کا تھا لیکن تو نے ماموں کہا اور سلام کیا میرے دل میں رحم آ گیا میں نے چھوڑ دیا اب تو آزاد ہے جہاں چاہے جا چلا جا۔ تو سلام نے جان بچائی یہی صورت دشمن کی بھی ہے اگر کسی سے پکی دشمنی ہے آپ کہیں السلام علیکم وہ پسیج جائے گا دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی تو یہ بہت بڑی نعمت اور عظیم دعاء ہے۔

تو زندگی گزارنے کے طریقے میں پہلی چیز چال ہے دوسری چیز قال ہے کہ قال میں دعاء ہو چال میں تواضع ہو اور جھگڑالوؤں سے بھی جب کلام کرو وہ سلام کے ساتھ کرو کہ سلامٌ علیکم لا نبتغی الجاهلین ہمارا سلام ہو ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

گویا اسلامی شریعت نے رہن سہن کیلئے ابتدائی دو چیزیں بتلائیں ایک زبان کو قابو میں رکھو، دوسرے قدم کو قابو میں رکھو بے ڈھنگا چلو بھی مت اور کلام بھی مت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی تنہائی

یہ تو لوگوں کے ساتھ معاملہ ہے اب آگے اور چلے تو آ گئی مسجد یا تنہائی آ گئی یا رات کا وقت آ گیا جس میں لوگوں کے ساتھ اختلاط نہیں پھر کیا کرے آگے کی ہدایت دی۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ رات گزارتے ہیں تو سجدہ اور قیام کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سو بھی جاتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام و رکوع میں ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں، اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں گویا خلق کے آگے مہذب بن کر آتے ہیں اور خدا کے سامنے عابد بن کر آتے ہیں یہاں عبادت کی ضرورت ہے، وہاں شفقت کی ضرورت ہے، شفقت کا تو یہ ہے کہ سلام کرے اور عبادت کا اثر یہ ہے کہ سجدہ و رکوع کرے، ناک اور پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدے میں رگڑے۔

یہ گویا جانی عبادت بتلائی گئی جب تم اپنے گھر میں آؤ یعنی مسجد میں تو بھی عبادت کرتے ہیں اس کو تو ساری دنیا جانتی ہی ہے لیکن اگر گھر میں عبادت کے لئے آدھ عبادت کتنے ہیں رات گزارنے کی نماز میں رات اس طرح تنہا ہو تا ہے جب یہ یقین تو وہ تن تنہا ہے اس کے ساتھ دل تڑپ رہے ہیں جاگتا ہوا ہو گا تکلیف سے دستوں میں بیٹھے گا، باتیں بھی کرے گا اور جب سو گیا تو ایک الگ آدمی اگر ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے تن تنہا ہے اس وقت ہر ایک کا رابطہ اللہ کے ساتھ ہے بندوں کے ساتھ نہیں اس واسطے اس موقع کا اوب بتلایا کہ جب تم تن تنہا ہو اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو اس وقت خشوع و قیام اور طاعت و عبادت کو اپنا شیوہ بنا لو تاکہ تمہاری بندگی نمایاں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ثلث درجات تین چیزیں ہیں جس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں عند اللہ بھی اس کا رتبہ اونچا ہے اور خلقت کے نزدیک بھی اس کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

افشاء السلام، و اطعام الطعام، و الصلوة بالليل و الناس نيام

سب سے پہلی چیز افشاء السلام ہے یعنی مخلوق کو سلام کرنا ہے اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور اتنی بلندی کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہو گا امت اللہ جائے یہ بندہ آخرت میں جائے گا دنیا میں یہ ہے کہ کثرت سلام سے لوگوں کے دلوں میں عزت و وقار پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز فرمائی اطعام الطعام، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، اس میں مسکین، مریض، سائل، مسافر، مہمان بھی آتے ہیں کھانا کھلانا سب کے لئے عام ہے یعنی حقوق قائم کرنے کو یہ فرمایا گیا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں خواہ کوئی سائل بن کر آئے، مہمان بن کر آئے یا ان میں سے کوئی نہ ہو آپ کو معلوم ہے کہ فلاں حاجت مند ہے۔ اٹھو آپ اس کو کھانا کھلائیں اس سے بھی درجات بلند ہوتے ہیں۔

تیسری چیز رات کو نماز پڑھنا، جب کہ دنیا پڑی سو رہی ہو اس لیے کہ یہ نماز انتہائی خلوص کی ہو گی، اس میں نام و نمود کا جذبہ ہو گا نہ ریا، و شہرت پسندی کا ہو گا نہ لوگوں کو دکھلاوے کے لیے ہو گی دکھلاوے بھی کس کو، سب تو سو رہے ہیں، لوگوں کو کچھ خبر نہیں ان وقت تو نماز پڑھتا ہے تو بجز اس کے کہ اللہ ہی کی محبت اس کو اٹھا کر کھڑا کرے اور کچھ نہیں۔

حماد لکھتے ہیں کہ جس کو بھی جو کچھ ملا ہے وہ رات کی نماز سے ملا ہے دنیا کی بھی جو بھی رات کی نماز سے، آخرت ہی سے، وہ بھی رات کی نماز سے۔

ان کثیرہ الا علی الخاشعین، قرآن میں سکون و آرام کا وقت رات ہی کا وقت ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تہجد آداب صالحین میں سے ہے کیونکہ دن میں ریاکاری اور دکھلاوے کا وہم ہو سکتا ہے رات کی نماز میں دکھلاوے اور ریاکاری کا احتمال ہی نہیں غرض جس کو جو ملا وہ رات کی نماز سے ملا۔

حدیث میں ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں کہ ان سے اللہ کو ہنسی آتی ہے جیسی ہنسی اس کی شان کے مناسب ہے یہ ایسی ہنسی نہیں جیسے ہم اور آپ ہنستے ہیں اس لیے کہ وہ جسم سے پاک ہے مگر ہماری جسمانی ہنسی کی حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں کوئی خوشی پیدا ہو جب ہنسی آتی ہے غم دل میں ہو اور اسے تو کوں ہنسا کرتا ہے تو رو رہا غم کی اور ہنسنا خوشی کی علامت ہے۔ غرض خوشی ایک کیفیت ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے ہنسی رکھ دی چونکہ ہمارے پاس بدن ہے تو جب اندر خوشی ہے تو باہر بدن پر ہنسی آتی ہے حق تعالیٰ چونکہ بدن و صورت سے پاک ہیں اس لیے جب اس کو بیان کریں گے تو کہیں گے ہنسی درست ہے مگر ہنسی کا وہ مطلب نہیں ہو گا جو ہمارے ہاں ہوتا ہے۔

تو حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ایک میدان حج میں جب بھٹکے سر ننگے پاؤں، گرد پڑا ہوا، مال بکھرے ہوئے، اتاشن بڑھے ہوئے، نہ خوشبو اور نہ زینت اور لبیک لبیک کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کو اس موقع پر ہنسی آتی ہے کہ کیا چیز ان کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے، بیوی بچے چھوڑے، وطن چھوڑا، آخر یہ کیوں فقیروں کی طرح سے پھر رہے ہیں؟ میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں حق تعالیٰ مستے ہیں اور ملائکہ سے کہتے ہیں کہ تمہیں گواہ کرتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت کی، یہ میری محبت میں گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں میں کریم ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ گھر بار چھوڑیں اور میں توجہ نہ کروں میں نے ان سب کی مغفرت کی تو خوش ہو کر مغفرت فرماتے ہیں اس خوشی کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری ہنسی کب آتی ہے؟ جب مکلم تکبیر کہتے اور لوگ ادھر ادھر دوڑ کے آ رہے ہیں کہ صف اولیٰ میں جگہ ملے، ہر ایک کہتا ہے مجھے ملے گویا ایک قسم کا جھگڑا ہے اور آگے پیچھے ہوتے کی دوڑ ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر میں آئے ہیں ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہاں کوئی مٹھائی روٹی نہیں مل رہی، یہ آخر کیوں دوڑ رہے ہیں، یہ میری محبت میں دوڑ رہے ہیں، یہ میرا دیدار جان کر آئے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائیں اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔

اور تیسرا موقع کون سا ہے؟ فرمایا گیا کہ خاوند اور بیوی پڑے ہوئے سو رہے ہیں اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں ان سے بیوی کے منہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارا وہ بڑا کے اٹھی اس نے کہا کیا مصیبت آ گئی ہے خاوند نے کہا دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد کا وقت ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ ایک محبوبہ ہے اس کے پاس لیٹی ہوئی ہے آرام سے میٹھی نیند سو رہی تھی ایک دم گھبرا کے اٹھی کہ بارش تو نہیں آ گئی، خاوند نے کہا بارش تو نہیں مگر دو رکعت پڑھ لے تو یہ آگے سے کہتی ہے کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھے دو رکعت

چھے فی توفیق ہوگئی اس نے بھی تھوڑے سوسو، دو تین پچیس پچیس روپوں کے حوالے منی پر چیمپئنما، دیالو وہ بیدار ۱۰ الحمد تو یہ موقع بھی حق تعالیٰ کی قسمی کا ہوتا ہے چونکہ یہ قسموں چیزیں درجات کے بلند ہونے کا باعث ہیں اور اللہ کی انتہائی رضا کا وقت ہے اس والے اس کو قسمی سے تعبیر کیا گیا تو یہ جو فرمایا گیا ہے ۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا کہ جب رات تہائی میں گزرتے ہیں تو کبھی سجدہ و رکوع میں اور کبھی تلاوت میں ہیں اس پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہیں کسی کو یوں نہیں کہہ سکتے کہ دیکھو میں بڑا عابد زاہد ہوں کسی کو دکھلانے کے لئے یہ نہیں اظہار یہ صرف مجھے، مکلا ئے اور میری رضا کے لئے اٹھا ہے میں کریم ہوں میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

اب گویا تین باتیں ہوئیں گھر سے نکلو تو تواضع کی چال چلو، قال ہو تو سلامتی کا کلمہ ہو، بے تکلفات نہ ہوں، جاہلانہ باتیں نہ ہوں اور رات گزار و تنہائی میں جب کسی انسان سے سابقہ نہیں تو سجدہ و قیام اور اللہ کے حضور عاجزانہ کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی زبان سے عبادت:

اور یہ تو عمل ہے کہ قیام کر لیا، سجدہ کر لیا اور قلب کے جذبات کیا ہونے چاہئیں؟ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ دل میں خوف بھرا ہوا، زبان پر اس کو ادا کرے اور یہ دعا کرے اے ہمارے پروردگار ہم سے جہنم کا عذاب ہٹا دے، اس کو ہمارے سے دور و دور رکھ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اس لیے کہ یہ عذاب گلے کا ہار ہے جب لٹک جائے گا تو ان کا علاج ہونا مشکل ہوگا کسی کے بس میں نہیں ہوگا کہ اس عذاب کو دور کرے اللہ کی طرف سے جب عذاب آتا ہے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے آخرت تو آخرت دنیا میں بھی حق تعالیٰ اگر کسی کو عیاذاً باللہ مبتلا کر دیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملتی جب تک اللہ ہی پناہ دے کسی قوم کو گھیرے تو چار طرف سے راستے بند ہو جاتے ہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا، بچاؤ کی تدبیر نہ اللہ ہی پناہ دے اور مخرج پیدا کر دے اور آخرت میں تو اسباب کا دخل نہیں، وہاں تو سارا فارغ ہے مسبب الاسباب کا ہے اس لیے بڑا ڈر وہاں کا ہے۔

اس لیے ۔ یہاں اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو تم سے کم خیال تو باندھ لے گا کہ شاید کل کو چھٹکارا ہو جائے شاید پرسوں کو، وہاں تو خیال پر بھی پابندی ہوگی کہ راحت کا آدمی سوچ بھی نہیں سکتا تو انتہائی قید و بند ہے، کہ دل بھی گرفتار، زبان بھی گرفتار، ہاتھ پیر بھی گرفتار کوئی پناہ کی جگہ نہیں یہ ہے عذاب جہنم اس لیے فرمایا گیا کہ تم ایک تو دن سے عمل کرو لمبی سجود اور قیام کرو اور ایک زبان سے یہ دعاء پڑھو۔ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا

غرض پہلے قدموں کو لیا کہ انہیں ٹھیک ڈالو کہ چال درست ہو، پھر بدن کو لیا کہ سجدے اور قیام میں لگو پھر زبان کو لیا کہ سلامتی کی بات کرو اللہ سے دعا میں کرو اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۔ اس لیے کہ جہنم جسے کہتے ہیں دو حد ترین ٹھکانا ہے اللہ اس سے پناہ دے اور نجات عطا فرمادے۔ اب گویا قول، بدن اور قدم کی سب عبادتیں آگئیں۔

مالیات کے سلسلہ میں رحمٰن کے بندوں کی شان

اب اس سے آگے انسان کے وسائل اور اسباب ہیں جن کو مالیات کہتے ہیں نقد، سامان، گھر بار یہ سب اموال ہلاتے ہیں جب ہم اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو ہمارا سامان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جان اور بدن سے عبادت کریں مال سے نہ کریں، مال اسی کی چیز ہے اس نے ہمیں دے دیا یہ اس کا فضل ہے مگر اصل مالک دے دے تو فرمایا جب بدن سے فارغ ہو گئے بدن کا قدموں کا، زبان ہاتھ، پیر اور سونے جاگنے کا ڈھنگ معلوم ہو گیا اب ایک چیز رہ جاتی ہے جو مالیات ہیں اس کے بارے میں فرمایا

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ۔ جب اللہ ان کو مال و دولت دے تو وہ اعتدال کیساتھ خلیفے نہ تو بخیل ہیں کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ سے نہ نکلے نہ فضول خرچ ہے جا اپنی دولت خرچ کر کے محض اپنے نفس کی راحتوں میں گنوا دیں اعتدال کے ساتھ چلیں نہ اسراف ترین نہ تقتیر ترین اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں تقتیر امساک اور بخل کو کہتے ہیں جس طرح اور جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا نہ تو اپنے ہاتھ کو اتنا سکیڑ کر تہہ ہاتھ مونڈھے کو لگ جائے کہ دینے کے لیے کچھ نہیں اور نہ اتنا پھیلاؤ کہ جو کچھ ہے سب دے ڈالو، بخل کو بھیک مانگنے لگو، دونوں چیزیں ممنوع ہیں درمیانی چال یہ ہے کہ دو بھی اور نہ بھی دو، یعنی یہ پہچان کر کہاں دینا چاہئے کہاں نا جائز ہے کہاں، فلاں نے کہاں ناموزوں ہے کہاں، دینا حق ہے، آہاں دینا حق ہے، اور واعظ کہیں تماشے میں مت دو، وہاں بخیل بن جاؤ یہی بہتر ہے اور اگر محل خیر ہو، یہاں دینا بہتر ہے جب آدمی اعتدال کے ساتھ خرچ کرے گا تو حدود معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی، کہ کہاں خرچ کروں کہاں نہ کروں؟

اسلام کا اصول ہی اعتدال ہے، عمل میں بھی اعتدال ہو، چنانچہ یہ اسراف ہے کہ آدمی نفل پڑھنے پر آئے تو ساری رات پڑھتا رہے اور جب چھوڑے کھا کے تو فرضوں کی بھی خبر نہیں یہ اچھی چیز نہیں، عبادت کرے، نفل بڑھے، مگر اس طرح کہ پھر عمر بھر اس کو نبھاوے فرائض تو ادا کرے مگر نوافل پڑھے تو اس کو پھر عمر بھر نبھائے۔

اسی کو فرمایا گیا۔ خیر الامور ما دیم علیہ۔ آدمی کا بہترین عمل وہ ہے جس پر وہ ہمیشگی کر سکے مثل مشہور ہے کہ "نہ دوڑ کے چلے نہ اکھڑ کے گرے" چلے تو آدمیوں کی طرح چلے نہ دوڑے نہ بالکل ضعیف بن جائے، بیچ کی چال چلے اسی کو فرمایا گیا کہ نفل، تلاوت، ذکر کرنے میں اعتدال ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا جی چاہتا ہے کہ ایک قرآن روز ختم کیا کروں گا؟

فرمایا ہرگز نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا، کم کرو۔

عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دو دن میں ایک ختم کر لیا کروں گا؟

فرمایا نہیں، یہ نبھ نہیں سکے گا۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں چاہتا ہوں کہ دس پارے روز پڑھوں اور ہر تیسرے دن ختم کروں؟

فرمایا نہیں نبھ سکے گا۔

پھر عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کروں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خوشی سے اس کی بھی اجازت نہیں دی مگر جب اصرار دیکھا تو فرمایا اچھا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بڑھاپے کا زمانہ آیا اب مجھے قدر ہوئی کہ پانچ پارے روز بھی نہیں پڑھ سکتا تھا تو میں کہتا تھا کہ اگر میں روز کا ایک قرآن شریف شروع کر دیتا تو چھوڑ کے بن پڑتی اور محرومی اختیار کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی سچی بات فرمائی تھی کیسی پاک نصیحت فرمائی تھی، یہ بھی منشا نہیں تھا کہ پانچ پارے روزانہ پڑھوں، مقصد سمجھانا تھا۔ اب ان پانچ کا سمجھانا بھی مشکل ہو رہا ہے، اس لیے آدمی کام اتنا کرے جو نبھ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، یہ مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے، دیکھا کہ چھت میں ایک رسی لٹک رہی ہے فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟

عرض کیا گیا کہ ام سلمہ عبادت کرتی ہیں جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہیں، اونگھ آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا لے کر بیٹھتی ہیں پھر عبادت کرنے لگتی ہیں۔

فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے جب نیند آئے پڑ کے سو جاؤ جب سو کر اٹھو بشاشت ہو پھر اللہ کو یاد کرو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ نیند آ رہی ہے، اونگھ آ رہی ہے کہیں رسی کی آڑ، کہیں دیوار کی آڑ اس تصنع اور بناوٹ کی ضرورت نہیں اتنا کام کرو جتنا نبھ جائے، تو اقتصاد یعنی عمل میں میانہ روی یہ معتبر ہے خواہ جان کے خرچ کرنے کا عمل ہو یا مال کے خرچ کرنے کا اعتدال ہونا چاہئے۔

رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت

یہاں تک گویا اعمال آ گئے، چال ایسی ہو سلام کرنا ایسا ہو وغیرہ یہ گویا ہاتھ، پیر اور زبان کی عبادت آ گئی آگے قلب کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس مبدا اور معاد کے درمیان میں جو زندگی گزارو تو دل کیسا ہونا چاہئے، دل کی عبادت کیا ہو؟ تو فرمایا وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو پکاریں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کسی کو ساجھی نہ ٹھہرائیں نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں اور نہ ہی افعال میں، ذات بھی اس کی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، صفات و کمالات بھی اس کے یکتا ہیں کہ کوئی اس جیسا نہیں، افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔

ذات لامحدود ہے پس اس کی حد نہیں، اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ایک حد ہے سب سے بڑی مخلوق انسان ہے مگر اس کی ایک حد ہے، ڈیڑھ گز کے اندر ہے اس سے باہر نہیں ہے ہم ایک حد میں ہیں اس سے آگے نہیں ہیں، آپ اپنی حد میں ہیں اس سے باہر نہیں میں اپنی حد میں ہوں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں جاؤ وہ موجود کہیں پہنچ جاؤ وہ موجود ہے، آسمانوں، زمینوں اور ان کی تہوں میں گھس جاؤ تب اللہ موجود ہے اس کے وجود کی کوئی حد نہیں ہے، تو اللہ کے سوا کون ہے کہ اس کے وجود کی حد نہ سوچ جسے دیکھو اس کی ایک حد ہے پہاڑ ہیں گو کتنے بڑے ہیں مگر ایک حد میں ہیں سمندر میں ان کی ایک حد ہے جہاں کنارہ آ گیا سمندر ختم ہو گیا آگے زمین شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ سمندر ہر جگہ موجود، آسمانوں، زمینوں، فضا میں بھی ہے ایسا نہیں ہے اپنے دائرے کے اندر ہے زمین اپنے دائرے میں ایک حد میں ہے حد سے آگے کچھ نہیں ہے اور اللہ کی ذات اس کی کہیں حد ہی نہیں ہے، کسی عالم میں پہنچو اللہ کی ذات موجود ہے اس جیسی دوسری ذات نہیں وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

اسی طرح اس کی صفات بھی یکتا ہیں، مثلاً اس کی صفت علم ہے آپ کا علم ہوگا کہ سو مسئلے معلوم ہوں گے، ہزار ہوں گے، دس ہزار معلوم ہوں گے اس کے بعد پھر جہالت آگے کچھ معلوم نہیں، لیکن اللہ کی ذات کا علم لامحدود ہے کوئی ذرہ نہیں ہلتا کہ اسے علم نہ ہو، کوئی پتہ نہیں حرکت کرے گا کہ اس کے علم میں نہ ہو، آپ کی اور ہماری قدرت ایک حد میں ہے ہم یہ لاؤڈ اسپیکر اٹھا لیں گے، جائے نماز تہہ کر کے اٹھا لیں گے لیکن اگر کوئی کہے کہ مسجد کو اٹھا لو آپ ہم کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قدرت میں نہیں ہے ہمارے بس میں نہیں ہے، ایک جن مسجد کو اٹھا لے گا لیکن اس کو اگر کہا جائے کہ ساری زمین کو اٹھا لے وہ کہے گا میرے قبضے میں نہیں، ملائکہ علیہم السلام زمین کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیں جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں الٹ دیں لیکن ان سے کہا جائے کہ آسمانوں کو پلٹ دو، وہ کہیں گے میری قدرت ہی نہیں غرض بڑے سے بڑے طاقت والے کی طاقت کی ایک حد ہے، مگر اللہ کی طاقت کی کوئی حد نہیں ہے، قدرت علم، سماعت، بصارت ساری صفات اس کی ایسی ہیں۔

ایسے ہی وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی بھی فعل نہیں کر سکتا وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو بنا دیتا ہے، کوئی اور دوسرا نہیں کر سکتا، اس نے چاند سورج بنائے، ہمارے آپ کے بس میں نہیں ہے ساری زمین کے حکماء ملیں چاند تو بڑا اونچا ہے زمین کا ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہ خاصیتیں ہوں جو اللہ کی زمین میں ہیں زمین کے ٹکڑوں کو جوڑ توڑ کر کچھ بنا لیں گے لیکن

خود زمین کی ایجاد کریں ایک ذرہ بھی نہیں کر سکتے ساری دنیا کے تمام سفر جمع ہو جائیں سورج کی ایک کرن بھی نہیں بنا سکتے اور اللہ نے بنایا، معلوم ہوا اس جیسا فعل کوئی نہیں کر سکتا۔

تو ذات، صفات اور افعال سب کچھ یکتا اور بے مثل ہے اس لیے جب جھکیں گے تو اس کے آگے جھکیں گے اگر اس کا کوئی شریک اور ساجھی ٹھہرا لیں تو یہ کیسے درست ہوگا؟ کیوں کہ جب اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں تو عبادت میں کون شریک ہو سکتا ہے؟ سب عبادتیں اسی کے لئے ہوں گی سجدہ، رکوع اور فریاد اسی کے سامنے کریں گے، رزق، اولاد اسی سے مانگیں گے، اس کی ذات کے سوا دینے والا کوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اتنے مقدس بندے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری کائنات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں لیکن عبدیت کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم خود اپنی زبان سے کہو۔

قُلْ اِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۔

اے پیغمبر اعلان کر دو کہ میں نہ تمہارے نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا۔

حضرت فاطمہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کر کے فرمایا

یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنک من الله شیئا

اے فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبضے میں کچھ نہیں ہے، تیرے اندر ایمان اور عمل ہوگا تو نجات پا جائے گی میں نجات نہیں دلا سکوں گا، نہ دنیا میرے قبضے میں ہے نہ آخرت، جب سید الاولین والآخرین یہ فرما گئیں کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو میں اور آپ کیا چیز ہیں؟ پوری مخلوق کیا چیز ہے؟ جو اس سے نسبت لے، بالکل کسی کے بس میں کچھ نہیں، تو اسی کو مانو جس کے بس میں سب کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت قحط پڑا، ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں، تاکہ میری اصلاح حال ہو بچے بھوکے مر رہے ہیں میں جا کر بادشاہ سے کہوں گا اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں تو چوب دار سے کہا کہ ذرا ٹھہر جایہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور وہ مانگ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ چودھری صاحب کیوں آئے؟

چودھری صاحب نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا یہ کیا بات تھی اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا اس نے کہا اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے؟ اس نے کہا میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت نہیں میں اس سے کیوں نہ مانگوں، جس سے تو مانگ رہا ہے جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں ہوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں وہی سب کے کام کرتے ہیں، نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔

آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑ لی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔

ہارون رشید ایک دفعہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہی کا حوض جوتایا تو ہارون رشید نے کہا آج جس کو جو جی چاہے مانگے اسے وہی دوں گا بس لوگ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دے دو اس نے کہا دے دیا کسی نے کہا مجھے فلاں صوبے کی گورنری دے دیجئے اس نے کہا دے دی کسی نے کہا مجھے وائسرائے بنا دیجئے اس نے کہا بنا دیا کسی نے کہا مجھے قلعہ دے دیجئے اس نے کہا دے دیا جو جس نے مانگا ہارون نے حکم دیا کہ وہ اسے دے دیا جائے۔

ہارون رشید کی پشت پر باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے گردن پھیر کر باندی سے کہا کہ تو نے کچھ نہیں مانگا سب درباری مانگ رہے ہیں۔

باندی نے کہا ان بے وقوفوں کو سمجھے دیجئے بعد میں بھی مانگوں گی۔

اس نے کہا اچھا یہ میرے وزراء، امراء سب بے وقوف، پاگل اور احمق ہیں۔

ہارون رشید کو یہ معلوم ہوا کہ اس نے میرے سارے وزراء، امراء کو اس نے پاگل بنا دیا، ان امراء کو بھی برا لگا مگر امیر المومنین کی باندی تھی اس لیے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا بہر حال اس نے کہا کہ پہلے یہ احمق نمٹ لیں اس کے بعد میں بھی آپ سے مانگوں گی جب سب درباریوں کی مرادیں پوری ہو گئیں ہارون نے کہا اب مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں مانگوں گی آپ دے سکیں گے ہاں میں دوں گا، میرا اعلان ہے ضرور دوں گا اس نے ہارون رشید کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں تو آپ کو مانگتی ہوں جب آپ میرے ہو گئے تو ملک، قلعے، دولت اور خزانے بھی کچھ میرے ہیں یہ سب بے وقوف تھے اس لیے کہ جس نے خزانہ لیا اسے خزانہ مل گیا آگے کچھ بھی نہیں، قلعہ مانگا قلعہ مل گیا، باقی کچھ نہیں کسی نے گورنری مانگی گورنر بن گیا باقی کچھ نہیں، تو انہوں نے ایک ایک چیز مانگی اور میں نے وہ چیز مانگی کہ ساری چیزیں میرے قبضے میں آ جائیں۔

یہی شان اللہ اور اہل دنیا کی ہے مثلاً اہل دنیا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ کو لکھ پتی بنا دیجئے، یا کروڑ پتی بنا دیجئے تو وہ بنا دیئے گئے کسی نے کہا کہ مجھے جاگیر دے دیجئے فرماتے ہیں حق تعالیٰ کر دے وہی اللہ والے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہو جایئے تو سب کچھ میرے قبضے میں ہے وہ کروڑ پتی بھی ہے، لکھ پتی بھی ہے، تو دانش مندی کی بات یہ ہے کہ جڑ بنیاد کو آدمی پکڑ لے۔

اس لیے آدمی کو اگر مانگنا چاہئے تو اللہ سے مانگے اس سے کیا مانگے جو خود

مانگے، اللہ او محتاج ہو، اسی لیے فرمایا گیا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ جس سے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو تنہا اللہ کی ذات کو پکارتے ہیں کسی اور کو ساجھی نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ اللہ کا کوئی اور مددگار تو نہیں ہے۔ جب انسان آسمان بنایا تھا تو کسی سے پوچھ کر کہا تھا کہ کام تم کر دو تاکہ میں کر لوں گا۔ جب پیٹ میں بچے کو بنایا تھا تو کسی سے مدد مانگی تھی کہ آؤ تم بھی شریک ہو جاؤ۔ جب یہ نہیں تھا تو شریک ہو جانے کا تو سوال ہی نہیں کہ جس کی کام اور تخلیق میں کوئی شریک نہیں ہے تو عبادت میں بھی شریک ہو گئے وہ تنہا ہیں تو تنہا وہ معبود بھی ہوگا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تنہا آپ ہی کی عبادت کریں گے تنہا آپ ہی سے مدد مانگیں گے۔ مسلم کو اللہ نے یہ شان دی ہے کہ اس کا سر خدا کے سوا کسی اور کے آگے نہیں جھکتا، یہ ذلت پیش کرے گا تو اللہ کے سامنے پیش کرے گا بندہ کے آگے۔ لیکن ہمارے لیے دنیا میں نہیں بھیجا گیا اسی واسطے شریعت نے بھیک مانگنے سے ممانعت فرمائی ہے کوئی کسی کے آگے بھیک نہ مانگے اس لیے کہ مانگنے سے زیادہ ذلت کسی چیز میں نہیں ہے۔ بھیک مانگنا اپنے کو بے آبرو کرنا ہے بندے کو حق نہیں ہے کہ اپنے جیسے بندوں کے آگے بے آبرو ہو۔

ایک دوستی میں مانگنا ہے جیسے آپ کسی سے بے تکلفی میں یوں کہیں کہ بھئی یہ چیز مجھے دے دیجیے تعلق کو بڑھاتا ہے، یہ جائز ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا

اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ

اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ

فرماتے ہیں اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے تم اپنے گھروں میں [illegible] تمہارا جی چاہے کھا سکتے ہو ماں کے گھر سے مانگ کر کھا سکتے ہو [illegible] مانگنا تعلق کی علامت ہوگا باپ، حقیقی بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ یا ایسے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے ہاں سے بھی مانگ کر کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں ان سے مانگ کر کھا لو گے تو وہ یہ سمجھیں گے کہ جب انہوں نے اپنا سمجھا جب تو مانگا کوئی دیا ہے تو یہ مانگنا نہیں بلکہ اس طرح بے تکلفی سے اگر کوئی مانگ لے تو یہ بجائے بے آبروئی کے آبرو کا ذریعہ بنتا ہے اور تعلق کے اچھے کام کا ذریعہ بنتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے البتہ بھیک مانگنا یعنی محتاج و مفلس بن کے کسی کے آگے تاکہ تم ہمارا کام پورا کر دو ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے اس ذلت کے اظہار سے ممانعت کی گئی ہے وقار کے ساتھ مانگنا جو ہے اس کی ممانعت نہیں ہے بہر حال سوال میں چونکہ ذلت تھی اور ایسی ذلت صرف اللہ کے آگے اختیار کی جا سکتی ہے غیر کے آگے نہیں اس لیے اس کی ممانعت کی ہے اور مانگو تو صرف خدا سے مانگو، فرمایا اس سے کرو، اولاد، رزق، صحت سب کچھ اس سے مانگو اس لیے کہ ہر چیز کے خزانے اسی کے قبضے میں ہیں اس لیے فرمایا

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ رحمن کے بندے وہ ہیں کہ جب وہ پکارنے بیٹھتے ہیں تو اللہ کے سوا کسی کو شریک نہیں کرتے تنہا اسی کو پکارتے ہیں۔

حقوق العباد کے بارے میں رحمن کے بندوں کا طرز عمل

تو یہاں تک چال ڈھال، زبان، ہاتھ، پیر، مال و دولت اور دولت کی [illegible] عبادت آگئی اب آگے دوسرے کے ساتھ معاملہ، دوسرے کے حقوق بتلایا گیا اس بارے میں رحمن کے بندوں کی کیا شان ہے؟

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

رحمن کے بندے وہ ہیں جو ناحق قتل نہیں کرتے کسی کی جان لے لی، کسی کی گردن اڑا دی، یہ رحمن کے بندے کی شان نہیں ہے یہ فساق و فجار کی شان ہے کہ دوسرے کو ایذاء پہنچائیں۔ اپنی بڑائی جتلانے کے لیے دوسروں کی حقارت چاہیں معاملات میں دوسروں کو حقیر سمجھیں یہ متکبر کی شان ہے ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، وہ دنیا میں اپنے آپ کو سمجھیں کہ ہم بہت بڑے ہیں لیکن دنیا ہی میں ایسے لوگوں کا انجام برا ہو جاتا ہے جو دوسروں کی تحقیر کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔

ہاں البتہ حق کے ساتھ قتل کرنا، پھر قتل کرنا فرض ہے جیسے قصاص میں قتل [illegible] کسی نے ناحق قتل کیا تھا [illegible] قتل کرنا جائز ہے [illegible] مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دیا جائے [illegible] کو پتھروں سے قتل کیا جائے [illegible] آپس میں کوئی دشمنی ہے [illegible] قتل کی [illegible] حق ہے [illegible] اتفاق نہیں [illegible] ڈالا تھا جو قتل کر دیا [illegible] ادھر سے بھی نکل آئی قتل و عداوت شروع ہو گئی یہاں کوئی حق نہیں تو یہی فرمایا گیا جس کی نسبت رحمن کی طرف ہوئی اور وہ رحمانی ہو [illegible] فساق و فجار [illegible] کہ وہ بیلوں کی طرح [illegible] ہاتھ [illegible] حوصلہ آگیا اس نے بیٹھ مار دیا یا شہر [illegible] کھانے کے لیے چاہے [illegible] کام [illegible] ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ مومن کون ہے؟ مومن کی علامت کیا ہے؟

فرمایا المؤمن من امنه الناس على دمائهم و اموالهم "مومن وہ ہے کہ لوگ اس سے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی آبرو کے بارے میں مطمئن ہو جائیں کہ یہ مومن ہے کہ یہ ہماری جان نہیں لے سکتا، یہ ہمارے مال کو ضائع نہیں کر سکتا اور ہماری آبرو کو برباد نہیں کر سکتا لوگوں کو اتنا اطمینان پیدا

سوجائے پھر سمجھا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے۔

پھر امن الخاص میں لفظ بھی عام ہے کہ لوگ مطمئن ہوں خواہ مسلم یا غیر مسلم ہوں، ہر ایک کو اطمینان ہو جائے کہ بھئی یہ مؤمن ہے اس کا کام یہ نہیں کہ مار دھاڑ کرتا پھرے یا آبرو ریزیاں کرتا پھرے دنیا اس سے مطمئن رہے کہ یہ صالح آدمی ہے اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

اور اگر آپ کسی سے کھٹکتے رہیں کہ بھئی کہیں یہ چھری نہ مار دے یہ مؤمن کیا اچھا خاصا ہائیل ہے چل جب سڑک پر چلتا ہے تو آپ دامن بچا کر چلتے ہیں کہ کہیں پیشاب نہ کر دے کہ کوئی چھینٹ نہ آجائے کہیں سینگ نہ مار دے تو اگر مؤمن سے بھی کوئی یوں بچنے لگے کہ بھئی جیب بچاؤ کہیں جیب نہ کتر لے کہیں جیب سے فونٹین پین نہ نکال لے جائے تو یہ مؤمن کیا ہوا مؤمن کا یہ کام نہیں ہے۔

اس لیے فرمایا کہ رحمن کے سچے بندے وہ ہیں جو نفس انسانی کے درپے نہیں ہوتے قتل و غارت کرتے نہیں پھرتے ہاں خدا کا حکم آجائے حکم کیلئے قصاص لے لیں تو قتل کر دیں ایسے ان کا کام نہیں ہے۔

وَلَا يَزْنُوْنَ آبرو ریزی نہیں کرتے۔

سب سے بڑی آبرو ریزی زنا کاری ہے، کہ ایک عورت کی آبرو ختم کر دی اور اس در پے ختم کر دی کہ عمر بھر کیلئے بے آبرو ہوگئی اس سے اگر بچہ پیدا ہوا وہ ولد الزنا ہوگا تو پوری برادری کہے گی کہ یہ حرام کا بچہ ہے اس کو اپنی مت دو اس سے معاملہ مت کرو تو اتنا عظیم اس نے گناہ کیا کہ ایک عورت کی پوری زندگی برباد کر دی سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت اور آبرو باقی نہ رہی ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔

پھر آبرو ریزی ایک کی کی اور امن ساری سوسائٹی سے اٹھا دیا دوسروں کو جرأت ہوگی کہ وہ بھی یہ حرکت کریں تو دنیا کے اندر بدامنی پھیل گئی آبرو باقی نہ رہی تو ایک کی آبرو جائے گی اور دوسرے کو اس نے آبرو ریزی کرنے کی جرأت دلائی اس واسطے فرمایا گیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، تو فقط یہ نہیں ہے کہ قتل کیا جائے بلکہ اس کا نصف حصہ زمین میں گاڑ کر پبلک اکٹھی ہو اور پتھر مار مار کر اسے سنگسار کیا جائے ظاہر میں تو یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وحشت والی سزا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جرم کی نوعیت کو دیکھو کہ ایک شخص کی آبرو صالح کی سوسائٹی برباد کی دنیا سے اس نے امن اٹھا دیا ایسے شخص کو تو اس سے زیادہ سزا ہونی چاہئے۔

اس لیے فرمایا گیا کہ رحمن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ نہ وہ کسی کی جان گنواتے ہیں نہ کسی کی آبرو گنواتے ہیں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

پھر بھی اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اُسے اثام میں ڈالا جائے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اثام ایک وادی اور جہنم میں جنگل ہے اتنی شدید عذاب ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اس میں اسکا ٹھکانا بنایا جائے گا۔

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ ، وہ گنتا عذاب اس کے اوپر بڑھتا ہوا ہوگا، اس لیے کہ جیسے اس نے دنیا میں آبرو ریزی کر کے آبرو کو تہہ و بالا کیا کہ پھر آبرو ابھر ہی نہ سکے اس طرح عذاب بھی تہہ بہ تہہ ڈالا جائے گا تا کہ وہ ابھر ہی نہ سکے اسے بھی وہاں امن نہیں ہوگا، وہ مستقل فیہ مہانا اور ایک لمبی مدت تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ یہ عذاب بھگتے گا۔

توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ

اِلَّا مَنْ تَابَ ۔ سوائے اس کے کہ کوئی توبہ کرے اس سے آخرت کا عذاب ٹل جائے گا دنیا میں تو عذاب آگیا کہ اسے سنگسار کر دیں گے لیکن ابھی آخرت کی توبہ باقی ہے اگر توبہ کر لی وہاں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جو توبہ کرے اور توبہ کے بعد نیک راستے پر چلنے لگے فضول حرکتوں کو ترک بھی کر دے، پھر فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوں گے بلکہ اس کی نیکیاں مدیوں کو بھی مٹا دیں گی اس کی نیکیاں غالب آجائیں گی اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا اور اس تبدیلی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص میدان محشر میں حاضر ہوگا، حق تعالیٰ اسے بلائیں گے وہ بے چارہ یا تو توبہ کر کے گیا ہوگا یا توبہ نہ کی ہوگی تو حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا۔ اسے فرمائیں گے قریب ہو جا وہ قریب ہوگا فرمائیں گے اور قریب ہو جا، یہ بے چارا ڈر رہا ہے کپکپا رہا ہے، ہیبت روا اور ڈر رہا ہے فرمائیں گے اور قریب ہو جا، اتنا قریب آئے گا کہ حدیث میں ہے اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ بات چیت ہوگی حق تعالیٰ اس کو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ یاد دلائیں گے فرمائیں گے یہ حرکت کیوں کی؟ اور اس کا دل اچھل اچھل کر منہ کو آرہا ہوگا کہ اب میری نجات کی کوئی صورت نہیں اور حکم ہوگا جاؤ جہنم میں اس لیے کہ ابھی تو چھوٹی چھوٹی برائیاں پوچھ رہے ہیں جو میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں ان کی نوبت آگئی تو کیا ہوگا؟ یہ معمولی باتیں تھیں ان کو پوچھ لیا ہے۔

عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی عرض کرے گا اللہ میاں میں نے اپنی بدبختی سے ایسی حرکتیں کیں بہت سے بدیاں گنوانے کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے ان سب کے بدلے ہم تجھے نیکیاں دیتے ہیں اور تیرے نامۂ اعمال میں وہ لکھی جاتی ہیں اب وہ حیران ہوگا کہ یہ تو وہ سرا قصہ ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ میرے لیے ہلاکت ہے، یہاں تو بدیوں کو نیکیوں سے بدلا جا رہا ہے اب خود ہی کہے گا اللہ میاں، وہ جو بہت بڑی بدی میں نے کی تھی وہ تو آپ نے پوچھی ہی نہیں، فرمائیں گے حق تعالیٰ وہ کیا تھی؟ بندہ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے اس کے بدلہ میں اتنی نیکیاں دیں پھر کہے گا ایک تو اس سے بھی بڑی تھی وہ آپ نے پوچھی ہی نہیں فرمائیں گے وہ کیا تھی؟ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے حق تعالیٰ اسکے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں تو رحمت متوجہ ہو جائے تو ہلاکت کی کوئی صورت نہیں اور غضب خدا نخواستہ متوجہ ہو جائے تو نجات کی کوئی صورت نہیں۔

آگے فرمایا وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اس سے پہلے تو وہ گنہگاروں سے معاملہ تھا اب آگے اصول بیان کیا جس سے وہ بھی قصور ہو دو

تہ ار جون ۔۔۔ ذکا اردا، اس کے لیے تندیلی ہوگی ہے دس ہے کہ وہ
اسے مایوں نہ ہو تو کا اردا، اس وقت ہو گا جب آفتاب مغرب سے
طلوع نہ ہوگا۔ قیامت کی ۔۔۔ ان علامات نمایاں ہوں گی اور یہ کا خاتمہ قریب
ہوگا ان وقت آنا اردا، ہو گا اس لیے اگر ہر ہر ان سے بھی مصیبت میں
۔۔۔ آن ال سے بچی تو ۔۔۔ لے آج بھی معافی مل جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے زنا کیا اور اس کے دل میں ندامت اور
شرمندگی آئی اس نے ہاتھ اٹھا، کہا اے میرے پروردگار! فرماتے ہیں کہ
اگلی اس سے یہ نہیں کہا کہ مجھے حشر دینے حق تعالیٰ فوراً فرماتے ہیں۔ اعلم
اس لیے ہوا۔ یعنی یہ جان لیا کہ ان کا بھی ولی ہے جو اس کو پکڑ کر لے گا
یہ جان لیا فرماتے ہیں جب یہ جان لیا تو فضل ان کے کہ یہ مغفرت مانگے اس
کی مغفرت ہو جاتی ہے اور حدیث میں ہے کہ مغفرت مانگ لیا اور اب کچھ
نہ کیا پھر ندامت ہوئی کچھ آ جو کر کہا یا رب حق تعالیٰ فرماتے ہیں گے اچھا اب
جی سمجھ گیا کہ ہے رب اچھا مغفرت مانگنے سے پہلے مغفرت کر دیتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسے لوگو تم کتنا ڈرتے رہتے
تھے جاؤ تمہیں اللہ نے بخش دیا تھا تمہیں تخلیق کے تھا۔ ماں کی ایک حد
ہے مگر اس کی رحمت کی کوئی حد انہیت نہیں ہے اس لیے یہ اسوال فرما دیا کہ
مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ۔ اسے حد ایک اور سوا معاملہ
ارشاد فرمایا وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ۔ جس کے
بندوں کی شان یہ ہے کہ جب ان سے جھوٹی معاملہ پڑتا ہے تو وہ جھوٹ میں
نہیں پڑتے اور برے بھی جھوٹی گواہی دینے میں تو جھوٹ نہ دے جھوٹی
گواہیوں اور جھوٹی مقدمہ بازیوں میں نہیں پڑتے اور جب وہ ہودہ اور لغو
فضلوں سے گزرتے ہیں تو سادگی اور عزت سے گزر جاتے ہیں ادھر متوجہ نہیں
ہوتے ۔۔۔ اس سے گزرا جاتے ہیں۔

اور اہل ۔۔۔ ا وقت یہ مانگتے ہے کہ ۔۔۔ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا
۔۔۔ وَذُرِّيَّاتِنَا اے ہمارے ۔۔۔ پروردگار ہمیں ہماری بیویوں سے اور
اولاد سے وہ صالح اور پاک اولاد ۔۔۔ اور ہمیں صالح اور پاک لوگوں سے آگے چلنے
والے بنا کہ ہم خود اپنی اولاد اور بیویوں کو راہ راست پر لے آئیں۔

اور یہ بھی فرمایا گیا ۔۔۔ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا
اور ان کے دلوں پر ایسی سمجھ اور علم اتنا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی آیتیں ان
کے سامنے پڑھی جاتی ہوں تو فوراً قلب کی سلامتی کی مدد سے ان کا مطلب
سمجھتے ہیں۔ دین پر استقامت کی وجہ سے ان کا مطلب سمجھتے ہیں دین پر
استقامت کی وجہ سے ان میں سمجھ پیدا کر دی جاتی ہے وہ ان آیات کو اندھے
بہروں کی طرح قبول نہیں کرتے بلکہ سمجھ داری کے ساتھ شنوا دجنا سو کر قبول
کرتے ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اللہ کا مطلب ہے۔

رحمٰن کے بندوں کی معاد۔

۔۔۔ نے فرماتے ہیں فَيَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ ۔ یعنی اللہ کے ۔۔۔ میں جن کو
مالائی سمرلوں میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقبولیں عالم آخرت میں سمجھا جائیں گی
مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ انعامات اور باعزت ان کو عطا کیے جائیں گے
اور ان کو ابدی زندگی دی جائے گی گویا یہ ہماری مقامات معاد سے جہاں ہم کو
جانا ہے اور ایک دو جگہ ہے جہاں سے ہم آئے تھے یعنی اللہ کی ذات
بابرکات اور اس کا حکم وہ ہمارے لیے مبدا، تھا جس سے تمام شی ابتداء ہوئی
اور یہ (جزائے غرفات) ہماری معاد ہوگی اور بیچ میں زندگی گزارنے کا یہ
طریقہ ہے کہ جان، ماتھ، پیر، روح اور حالیات کی بھی حفاظت ہو، ہر چیز
اللہ کے حکم کے مطابق ہو صرف کرنے کا جذبہ ہمارے اندر ہو اور یہ جب ہی
ہوگا جب شریعت سامنے آئے اس کا علم اور تعلیم تمام سامنے آئے جس
کے ذریعے ہم ہاتھ، پیر، قلب، ماتھ، روح وغیرہ والوں راستے پر ڈال سکیں

توبہ جو ابتداء میں کہا گیا تھا کہ تین سوال ہیں ان کا خطرت سے پیدا ہوتے
ہیں کہ کہاں سے آئے؟ کہاں جا رہے ہیں؟ کس طرح سے ہدایت ہو؟ تو
جہاں سے ہم آئے وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس سے ہم
سے آئے اس کے وجود سے ہمیں پر تو ملا تو ہمارا وجود ہوا یاں سے علم دیا کہ تو
جا رہا ہو گئے تو اصل اللہ کا حکم، امر ہے اور کہاں جا رہیں گے؟ یہ معاد ہے کہ
لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے دنیا میں جو راحت ہم کو ملتی ہے اور بیچ میں ہم
اس کے لیے کے مطابق ہوں گزاریں اور اس کا کیا کیسے سامنے آئے؟
اس کے رسول ان کا لایا ہوا لے آئے ہیں جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں
جس پر ہم کو چلنا ہے جب ان غلیظ چیزوں پر آجائیں جب ہی فطرت و تسلی
ہوتی ہے انتہا آدمی انداز سے کہا ہے ہاتھ ہی ۔۔۔ ملے جس سے اپنا دور سے
اور یہ پتہ ہو کہ ۔۔۔ میں تمام سے پاؤں بس یہ ۔۔۔ انہیں ہی ملتی اس سے ان
کو ملی پیدا ہوئے ۔۔۔ انہیں سے ان کی فطرت میں سکون لگی نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے اگر یوں کہے کہ میں اپنے ہی چلتے رہیں گے تو آخرت
آئے گی نہ قیامت آئے گی نہ یہ عالم ختم ہوگا تو پھر یہ الجھن پیدا ہوگی کہ جس
چیز کی ابتداء ہوئی ہے اس کی انتہا بھی ہوئی ہے جب اس عالم میں ایک ابتداء
ہے تو ایسا اس کی یہ ہے کہ یہ عالم کے ہر ہر حرکتی ابتداء ہے تو اس کی بھی ابتداء
ہے جب ابتداء ہے تو انتہا بھی ہوگی تو یا عقل اسے محسوس کرتی ہے کہ مال اور
اس کا نفس مجبور کرتا ہے کہ نہ مان تو سوں پیدا نہیں ہوگا لیکن انسان مان لیتا ہے تو
سکون قلب پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی ایک راستے پر لگ گیا اسے پھر طمانیت
اور بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ (حسنات ص۱۰۱ ص۳)

الحمد للہ سورۃ الفرقان مکمل ہوئی

سورة الشعراء

جس کے خواب میں اپنی تلاوت کی اصلی تعبیر یہ ہے کہ اسلام رزق حاصل کرنے میں دقت ہوگی اور کوئی چیز بغیر مصیبت کے نہ پائے گا اور صفر کو دوست رکھے گا اور فاقہ کم اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

طٰسٓمٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

اعجاز قرآن: یہ ان سب کا اعجاز کھلا ہوا ہے اسلام واضح ہیں اور حق و باطل سے الگ الگ کرنے والی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت: حاکم نے مستدرک میں حضرت مقاتل بن حیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طٰسٓمٓ والی سورتیں اور حٰمٓ والی سورتیں مجھے الواح موسیٰ سے عطا کی گئیں۔

طٰسٓمٓ کا معنی

طٰسٓمٓ بخوں سے بروایت علی رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا طٰسٓمٓ کی تفسیر سے ما حاجر میں۔ علی بن طلحہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ قسم ہے اور اللہ کے ناموں میں سے ایک اسم ہے (یعنی اللہ نے اپنے اس نام کی قسم کھائی ہے) قتادہ نے کہا قرآن کے ناموں میں سے ایک نام طٰسٓمٓ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝

شاید تو گھلا جاتا ہے اپنی جان اس بات سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے

امت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی

یعنی ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو اس قدر گھلائے دیتے ہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی جان کو ہلاک کر دیں دلسوزی اور شفقت کی بھی آخر ایک حد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لعل بخعک: اس نے تم میں اپنی جان ہلاک کر دیں
جان پشت میں ایک گ ہوتی ہے جو گردن میں بھی آتی ہے۔

نزول آیت کا زمانہ

اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب اہل مکہ نے رسول اللہ کی تکذیب کی اور آپ کو بہت سخت شاق ہوئی تو یہ کہ حضور کو بہت زیادہ تمنا اور رغبت تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اس بات کا غم ہو کہ کہیں خدانخواستہ مجھ سے اس کی باز پرس نہ ہو۔ اس صورت میں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیام تسلی ہے۔ لعل بمعنی امید ہے یعنی اس جگہ جس کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے یعنی اپنی جان پر آپ رحم کریں اور غم میں نہ پڑیں آپ اگر غم کریں گے تو شاید آپ غم کی وجہ سے اپنی جان ہلاک کر دیں۔ درحقیقت غم ہی ان کا مؤمن ہونا کیوں چاہتے۔ (تفسیر مظہری)

آیت سے معلوم شدہ احکام

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کافروں کے بارے میں اور یہ معلوم بھی ہوا جیسا کہ ان کی تقدیر میں ایمان نہ لکھا ہو تب بھی اس کی تعمیل نہ کرنی چاہیے اور یہ معلوم ہوا کہ مشقت میں اعتدال چاہیے اور جو شخص عبادت میں اپنے اوپر بہت اہتمام نہ کیا جائے۔ (ماخوذ معارف)

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

اگر چاہیں ہم اتاریں ان پر آسمان سے ایک نشان

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝

کہ جھک رہیں ان کی گردنیں اس کے آگے

حکمت الٰہی

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا حکمت ہے جہاں بندوں سے اختیار و تسلیم اور سرکشی کو آزمایا جاتا ہے۔ اسی لئے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر لیا جائے۔ ورنہ اگر چاہتا تو کوئی ایسا آسمانی نشان دکھلاتا کہ اس کے آگے زبردستی سب کی گردنیں جھک جاتیں۔ بڑے بڑے سرداروں کو بھی انکار و انحراف کی قدرت باقی نہ رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان جیسے تمہیں دیدہ ور آدمی حق کو سمجھنا چاہے تو بآسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی بھی طلب حق کا ان لوگوں سے مواقع نہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نصیحت

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝

نئی حس سے منہ نہیں موڑتے

محروم ہدایت لوگ:

یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ رحمٰن اپنی رحمت وشفقت سے جب اُن کی بھلائی کے لئے کوئی پند ونصیحت بھیجتا ہے یہ اُدھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بُری چیز سامنے آ گئی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

سو یہ تو کھلا چکے اب پہنچے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر غصے ہوتے تھے

تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب واستہزاء بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنے کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اُس چیز کی حقیقت کھلے گی جس کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اُگائیں ہم نے اس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں اس میں البتہ نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور اس میں بہت لوگ نہیں مانتے والے

تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے

یعنی یہ مکذبین اگر ایک پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبدا ومعاد کی معرفت حاصل کرنے کے لئے کافی ہو سکتی تھی۔ کیا دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب وغریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت وحکمت رکھنے والے صانع نے اس پُر رونق چمن کی گلکاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے اور وہی جب چاہے اسے ویران کر سکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

قدرت الٰہی

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا مگر رحم کھا کر تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔

ربط مضامین: آگے غیرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرماتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے اُن کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ وبرباد کیا۔ اُن میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورۂ اعراف اور سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اُس قوم گنہگار کے پاس

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝

قوم فرعون کے پاس کیا ڈرتے نہیں

تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے کہ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ

بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رک جاتا ہے

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝

میرا جی اور نہیں چلتی ہے میری زبان سو پیغام دے ہارون کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ

یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا۔ ممکن ہے اُن وقت طول اور جزیں ہو تو طبیعت رک جائے، دل نہ کھلے اور زبان میں کچھ لکنت پہلے ہی سے ہے۔ بگدل ہو کر بولنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے اس لئے میری تقویت و تائید کے لئے اگر ہارون کو مجھ سے زیادہ فصیح اللسان میں میرا شریک حال کر دیا جائے تو بڑی مہربانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ

اور ان کو مجھ پر ایک گناہ کا دعویٰ

یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ

سو ڈرتا ہوں کہ مجھ کو مار ڈالیں

یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرے کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ

حق تعالیٰ نے فرمایا کبھی نہیں تم جاؤ ہماری نشانیاں ہمارا ساتھ تمہارے سنتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین و تسلی

یعنی یہ محال ہے کہ ہاتھ لگا سکیں۔ جاؤ اپنی استدعا کے موافق ہارون کو بھی ساتھ لو اور ہمارے وعدے تکلم و معجزات مثلثات لے جاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہوتے ہیں تم کو لیا اور دلاسا دیں گے تم خود موقع بموقع تمہارے ساتھ ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ

سو تم فرعون کے پاس جاؤ اور کہو ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں پروردگار عالم کا

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

کہ بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل

آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام

بنی اسرائیل کا وطن حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسفؑ کے سبب سے مصر میں آ رہے، وہاں ایک مدت گزری۔ اب اُن کو حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا، فرعون اُن کو نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ ان سے خادموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزادی کا مطالبہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت

لغوی نے لکھا ہے دعوی نے بنی اسرائیل کو چار سو برس تمام بنائے رکھا، اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ سو اسی ہزار تھی (یعنی چھ لاکھ اسی ہزار) غرض موسیٰ مصر کی طرف جیسے ہارون وہاں موجود ہی تھے موسیٰ نے ہارون کو حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اون کی چوغہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے الٰہی کے سر پہ میں تو بڑا لشکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں یہ سن کر موسیٰ و ہارون کی ماں آ گئی اور چیخ پڑی کہنے لگی فرعون تو تجھے قتل کرنے کے لئے تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو مروا ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کی ایک نہ مانی اور رات کو دونوں فرعون کے دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان کے کہنے سے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازہ پر کون ہے

ایک روایت میں آیا ہے کہ دربانوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا اور پوچھا تم دونوں کون ہو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں رب العالمین کا قاصد ہوں فوراً دربان نے فرعون سے جا کر کہا، ایک پاگل دروازے پر کھڑا آ رہا ہے میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یوں ہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو بلا لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن جب حضرت فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر فرعون سے کہا یہاں ایک آدمی ہے جو کہہ رہا ہے کہ میں رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے کہا اندر آنے دو۔ ہم ان سے کچھ دل لگی ہی تو کریں گے۔ دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ فرعون حضرت موسیٰ کو پہچان گیا۔ کیونکہ آپ نے اسی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ (تفسیر مظہری)

در بہ بست، دشمن اندر خانہ او — قصہ فرعون رمز افسانہ بود

رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں۔ وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان دھار رہا ہے ہیچ ہے تو مردہ ہے میں تیرے لئے ہدایت کا تریاق لے کر آیا ہوں ایک کھونٹ پی

لے لر مدد ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا

بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اور لڑکا سا

فرعون کا جواب۔

یعنی تو وہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے بالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مطالبات کرتا اور اپنی بڑائی منواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس

اتنے برسوں تک کبھی یہ رخ نہ کیے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ

اور کر گیا تو اپنی وہ کرتوت جو تو کر گیا

یعنی جو کرتوت تو کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اسے ہم بھولے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور تو ہے ناشکر

یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر الٹا ہمیں کو جتلانے لگا کہ تم نے میری وجہ سے اس وقت تو کبھی (العیاذ باللہ) ان ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

کہا کیا تو تھا میں سے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر

یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا اس کا دم نکل جائے گا۔ فوکزہ موسیٰ فقضی علیہ (قصص۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم

وَمَا فَعَلْتُهَا اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً اور قصداً سے نہ تھا بلکہ اس قبطی کو ان کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں، حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے، اس معنی کی تائید حضرت قتادہؓ اور ابن زید کی روایات سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں۔ اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (دعوۃ دین ص ۱۰)

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا

پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے علم

وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام لانے والا

دعوائے نبوت۔

یعنی بیشک میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت و حکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بھاگنے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف و سطوت تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے۔ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو

فرعون کے احسان کا تجزیہ:

یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلاتا ہے تجھے ریب نہیں، بیا کیا ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے اس قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی تو نے، جبر و گرفت مظالم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی، ان حالات کا تصور کرتے ہوئے شرمانا چاہیے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے تجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے رد نہ چھوڑ دیا اور پالا اور دوسرے اسرائیلی بچوں کی طرح قتل نہیں کیا، تو یا حضرت موسیٰ نے فرمایا، بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلا رہا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو

تو نے غلام بنائے رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعون کی تردید و توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا ہی تھا بلکہ اس بات پر منتہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی لیکن ظلم کے مقابلے میں باطلم کے نتیجہ میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو عدد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فرعون کا جواب

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے تو تو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو تجھے آب حیات دے کر بھیجا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لئے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾

بولا فرعون کیا چیز ہے پروردگار عالم کا

ربُّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے اقتضاء میں اپنے کو رب العالمین کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون حجود و تعنت اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے کیونکہ اس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو ابتدائی جہل و بلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر جلالین)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے یعنی فرعون نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جا سکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے خصوصی افعال اور آثار کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

اگر تم یقین کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

یعنی آسمان و زمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہ ہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو فطرۃً انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ (میر جلالی)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

بولا اپنے گردوالوں سے کیا تم سن رہے ہو

فرعون کی چالاکی

فرعون جان بوجھ کر بات کو رلانا چاہتا تھا اپنے حوالی موالی کو ابھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی مات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا، سنتے ہو موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے؟ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب

یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں، وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تمہارا رب بھی نہ تھا اس

وقت زمین و آسمان کی تربیت و تدبیر کر رہا تھا۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝	
بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے	

فرعون کا دوسرا اعتراض

یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے۔ اور ہماری شوکت و حشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ	
کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ اُنکے بیچ میں ہے	
اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝	
اگر تم سمجھ رکھتے ہو	

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور ناقابل انکار دلیل

حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح نمرود کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق و مغرب کا مالک اور تمام سیارات طلوع و غروب کی تدبیر ایک محکم و مضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو سمجھ سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا عاجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہو گیا اور بحث و جدال سے گزر کر دھمکیوں پر اتر آیا۔ جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت موسیٰ ایک بات کہے جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو اُبھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آ جائے۔" (تفسیر عثمانی)

یعنی روز انہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقہ سے پہنچا دیتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے احتمالی سعید ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ "اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گے کہ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اللہ کے بارے میں) ممکن نہیں۔

حضرت موسیٰ نے پہلے گفتگو میں نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح بے کام میں بھی درشتی اختیار کر لی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب ہن نہیں پڑتا تو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب لاجواب ہو گیا تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ	
بولا اگر تو نے بھی کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر دوں گا تجھ کو	
مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝	
قید میں	

فرعون کی دہشت گردی

اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں "مصر" میں کوئی اور خدا نہیں۔ اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بولا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

الْمَسْجُوْنِيْنَ میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی قیدی کو ایک تنہا اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا اور لڑھکتا سوراخ میں کے اندر چلا جاتا تھا۔ فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے اس نے اپنے رب ہونے پر استدلال کیا اور صاحب علم کا انکار کرنے لگا اس لئے طور سے "لَئِنِ اتَّخَذْتَ" کہا تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے اللہ کا ہونا بجیب بات ہے۔ (تفسیر)

قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۝	
کہا اور اگر میں لے آؤں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی	

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج

یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ اگر ایسے نشان دکھلا دوں تو یا پھر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاْتِ بِهٖٓ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ	
بولا تو وہ چیز لا اگر تو سچ کہتا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا	
فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا	
سو اسی وقت وہ اژدہا ہو گیا صریح اور اندر سے نکالا اپنا ہاتھ سو	
هِيَ بَيْضَاۗءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗٓ	
اسی وقت وہ سفید چمکتا دیکھنے والوں کے سامنے بولا اپنے گرد	

إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم

سے یہ تو کوئی جادوگر ہے بڑا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو

مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِۦ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾

تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے سو اب کیا حکم دیتے ہو

فرعون کی بدحواسی

یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہو گیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

قَالُوٓا۟ أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَٱبْعَثْ فِى ٱلْمَدَآئِنِ حَٰشِرِينَ ﴿٣٦﴾

بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نیک

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ ٱلسَّحَرَةُ لِمِيقَٰتِ

لے آئیں تیرے پاس توڑا جادوگر بڑا ہوا پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر

يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿٣٨﴾

ایک مقرر دن کے

یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾

اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہو گے

لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ ٱلسَّحَرَةَ إِن كَانُوا۟ هُمُ ٱلْغَٰلِبِينَ ﴿٤٠﴾

شاید ہم راہ قبول کر لیں جادوگروں کی اگر ہوں وہ غالب

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا

یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خود غرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصافاً کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جادوگروں سے مراد وہی جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ لعل امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ ہارون اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارون غالب ہو گئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلے لگیں یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَ ٱلسَّحَرَةُ قَالُوا۟ لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا

پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے بھلا کچھ ہمارا حق بھی ہے

إِن كُنَّا نَحْنُ ٱلْغَٰلِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ

اگر ہو ہم کو غلبہ بولا ہاں اور تم اس

إِذًا لَّمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾

وقت مقربوں میں ہو گے

فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور

یعنی نہ صرف مالی انعام و اکرام بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان "اعراف" اور "طٰہٰ" میں گزر چکا ہے۔

قَالَ لَهُم مُّوسَىٰٓ أَلْقُوا۟ مَآ أَنتُم مُّلْقُونَ ﴿٤٣﴾

کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم کو ڈالنا ہو

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج

یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں، اس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔ (تفسیر جلالین)

اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ، اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا لیکن اس کا باطل ہونا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ اور بے دینی کے دلائل پیش کرو تاکہ میں ان کو باطل ثابت کر سکوں ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضامندی نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَأَلْقَوْا۟ حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا۟ بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ

پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال

إِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ

ہم ہی فتح ہے

جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا

بعض نے بعزۃ فرعون کو قسم کے معنی میں لیا ہے یعنی فرعون کے اقبال کی قسم ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ یہ کلمہ ان جادوگروں کے لئے بمنزلہ قسم ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں رائج ہو گئی ہیں جو اس سے زیادہ شنیع اور قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری ڈاڑھی کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں، بلکہ ان سے متعلق یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے میں جو گناہ عظیم ہے۔ ان لاعلموں کی سچی قسم بھی گناہ میں اس سے کم نہیں (کذا فی الاصل) (معارف مفتی اعظم)

فَأَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ

پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا پھر تب ہی وہ نگلنے لگا جو سانگ انہوں نے بنایا تھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح

شیخ اکبر نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں انہوں نے بنائی تھیں، موسیٰ کا عصا ان کو نگل گیا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

پھر اوندھے پڑے جادوگر سجدہ میں بولے ہم نے مان لیا جہاں کے رب کو

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی

أَنْ اٰذَنَ لَكُمْ إِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

میں نے ہم کو اس کا تم کو مقرر کیا تو وہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا جادو

فرعون کی سیاسی چالبازیاں

یعنی موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہے، آپس میں سازش کر کے آئے ہو کہ تم یہ کرنا ہم یوں کہیں گے اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "تمہارا بڑا" کہا رب کو یعنی موسیٰ اور تم ایک استاد کے شاگرد ہو" واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

یعنی فرعون کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ جادوگروں کے ایمان لانے سے خلف جائیں گے اور خیال کرنے لگیں گے کہ جادوگروں کے سامنے حق کا ظہور ہو گیا اس لئے وہ ایمان لے آئے پس قوم کو دھوکہ دینے اور حقیقت کو مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (کی اس کرشمہ سازی) کا یقین کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ جادوگر جو عمر بھر جادوگری کے نظر میں مبتلا، اس پر مزید فرعون کے دعوائے خدائی کو ماننے والے اور اس کی پرستش کرنے والے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر اپنی پوری قوم کے خلاف، فرعون جیسے ظالم جابر بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان کر دیں یہی ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں بلکہ ایمان کا وہ گہرا رنگ چڑھ جانے کا مظاہرہ ہے کہ قیامت و آخرت گویا ان کے سامنے نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے لگا ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی ہر سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ کہہ دیا یعنی جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی درحقیقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کا معجزہ ہے جو معجزہ عصا اور ید بیضاء سے کم نہیں، اسی طرح کے بہت سے واقعات ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ہیں کہ ایک منٹ میں بستر کے کافر میں ایسا انقلاب آ گیا کہ صرف مومن ہی نہیں ہو گیا بلکہ غازی اس شہید ہونے کی تمنا کرنے لگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ

سو اب معلوم کر لو گے اللہ کا کون کا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

مِنْ خِلَافٍ وَّلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِيْنَ قَالُوْا لَا ضَيْرَ

اور سولی پر چڑھاؤں گا تم کو سب کو نہیں

إِنَّا إِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ

ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

جادوگروں کے ایمان کی پختگی

یعنی بہرحال مرنا خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے شہادت کا درجہ ملے گا یہ سب قصہ میں "سورۂ اعراف" وغیرہ میں گزر چکے ہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَا أَنْ كُنَّا

ہم عرض رکھتے ہیں کہ بخش دے ہم کو رب ہمارا تقصیریں ہماری اس واسطے

أَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کہ ہم ہوئے پہلے قبول کرنے والے

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے بعد جمرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو دست سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ چل نکل میرے بندوں کو راتوں رات پیچھا کریں گے

ہجرت کا حکم

یعنی جب ایک مدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے حق کو قبول نہ کیا اور "بنی اسرائیل" کا ستانا نہ چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور تمہارا پیچھا کریں گے (گھبرا نا نہیں)۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں لشکر

تعاقب کی تیاری

تاکہ تمام قبطیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی

فرعون کے دعوے

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ حالانکہ ان کی ہستی کیا ہے، جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور وہ مقرر ہم سے دل جلے ہوئے ہیں

باہم کو غصہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور ہم سارے ان سے خطرہ رکھتے ہیں

تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی معیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾

پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں اور چشموں سے

وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح

فرعونیوں کی بدبختی

یعنی اس طرح قبطی گھر بار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے۔ جیسیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نکال باہر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اسی طرح اور ہاتھ لگا دیا ہم نے یہ بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا

یا تو اس کے بعد ہی یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی ان کی سلطنت میں شامل ہوا۔ واللہ اعلم پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَاۤءَا الْجَمْعٰنِ

پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلتے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دو فریق

قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے

دریائے قلزم کے کنارے پر

یعنی بحر قلزم کے کنارہ پہنچ کر بنی اسرائیل پار ہونے کی فکر کر رہے تھے کہ پیچھے سے فرعونی لشکر نظر آیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب ان کے ہاتھ سے کیسے بچیں گے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن دبائے چلا آ رہا ہے۔

قَالَ كَلَّآ اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾

کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ

یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اس کی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راہ نکال دے گا۔ ناممکن ہے

کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ

پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝۶۳

پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ

عصائے موسیٰ سے پانی میں راستے بن گئے

پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ ان میں کو گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (کذا فی موضح القرآن)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۴ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ

اور پاس پہنچا دیا ہم نے اُسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو

مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝۶۵ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝۶۶

لوگ تھے اس کے ساتھ سب کو پھر ڈبو دیا ہم نے ان دوسروں کو

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آ گیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آ گیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۶۷

اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ ان میں ماننے والے

حق کی کامیابی کی دلیل

یعنی جب اکثروں نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی خزیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۶۸

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یہ سنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور سنا دے اُن کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو

وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۷۰

اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو

دعوتِ ابراہیمی

یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝۷۱

وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں

قوم کا جواب

یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت و عقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا ظلل (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں" بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝۷۲

کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا سوال

یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ

ان کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا

یعنی کیا پوجنے پر کچھ نفع یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے؟ پھر ایسی عاجز و لایعقل چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾
بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قوم کا جواب

یعنی ان منطقی بحثوں اور کج بحثیوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾
کہا بھلا دیکھتے ہو جس کو پوجتے رہے ہو
اَنْتُمْ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾
تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

یعنی ان کا پوجنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اس کی عبادت کیسی؟

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ
سو وہ میرے عدو ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اعلانِ جنگ

یعنی لو میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہونگا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا الآیۃ (انعام۔ رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ (یونس رکوع ۸) وقال ہود (علیہ السلام) فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت موثر و لطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں اُن کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اٹھا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا دشمن کہنے سے در پردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ مؤثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصد ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا۔ اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾
مگر جہاں کا رب

کہ وہی میرا معبود دوست اور مددگار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباء اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا) (تفسیر مظہری)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿۷۸﴾
جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھلاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے

یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے اللہ نے فرمایا ابتداء ایجاد سے انتہا موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہاء داخلہ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ
اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں

فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝

تو وہی شفا دیتا ہے ۔ وہ جو مجھ کو مارے گا ۔ پھر جلائے گا

راز، شافی اور زندگی و موت کا مالک اللہ ہی ہے

یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا، سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہ ہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔

ادب کا لحاظ۔ بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مریض کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول کو نقل کیا ہے اور فرمایا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی بھرپور طاقت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضاء ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضاء معرفت یہی تھا۔ مترجم

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کو اپنا فعل اسی لحاظ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) ہر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

موت اور بیماری کا فرق

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض و اسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں ان کے بعد موت کا غیر محسوس ورود ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل کمال کے لئے موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت و نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچانک موت مومن کے لئے راحت اور کافر کے لئے مواخذہ ہے۔ رواہ احمد والبیہقی عن عائشہ مرفوعاً دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں (انتہائی) کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں بھی اخلاط (سودا، صفراء، بلغم، خون) اور عناصر (آگ پانی مٹی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو جبراً اللہ کی قدرت سے ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن

یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطاء و تقصیر ہو جائے تو اُسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم نے غلبہ حضور سے دعاء شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقام عصمت کی وضاحت

جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور ہر گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گناہگار، خطا وار ہوں مگر وہ تو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (گو پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر و فنا کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شرور کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گناہگار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ

ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اسلئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے فرمایا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور) کچھ تو ہوا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے نہ گناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی رب اغفرلی خطیئتی اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسار نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء

کی قسم ہے اسلئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش — کس نتواند کہ بجا آورد

رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِي بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء

یعنی مزید علم و حکمت اور درجات قرب و قبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اللھم فی الرفیق الاعلی" اس دعاء سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی عنایت کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور و مضطر نہیں، ہمہ وقت اس کے فضل و رحمت سے کام چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ ۝

اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور امت ہو اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور ان کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور یہ فرمایا کہ میں ابراہیمؑ کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیمؑ کا ذکر خیر اہل ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور امت محمدیہ تو ہر نماز میں "کما صلیت علی ابراھیم" اور "کما بارکت علی ابراھیم" پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر اور قبول عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی امتیں اگر میری ثناء کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْعَلْنِي مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝

اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے

یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاغْفِرْ لِأَبِيْ إِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں

ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعاء باپ کی موت کے بعد کی۔ مگر دوسری جگہ تصریح آ گئی کہ جب اس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ أَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ (توبہ رکوع ۱۴) اور اگر انہ کان من الضالین میں کان کا ترجمہ تھا کے بجائے ہے سے کیا جائے پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطائیں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براءت کا اظہار فرمایا۔

(فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہو گا، اس کی پوری تفصیل سورۂ توبہ میں مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ

اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال

وَّلَا بَنُوْنَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا

پاک دل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر و نفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہو گا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ برے مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال و اولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات و خیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں اور منافقوں کی رسوائی

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے

تجھ چپکے چپکے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی (ان) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ ان پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ویسا ایسا کیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے اس عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر سیدھے ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ البتہ کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

شرک اور شک سے پاک دل

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک دل ہے گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (لغزش یا چھوٹے بڑے ہر قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔

بدعت سے پاک دل

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں ہر مومن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشاپوری نے کہا سلیم (سالم۔ خالی) دل اس کا ہے جو ہر بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی (آیت میں) اہل سنت والجماعت (مراد ہیں)

کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچائے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال و اولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے قرابتداروں کے لئے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے کچھ بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کی کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

تندرست دل:

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے، جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو، یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا ہے، کافر کا دل بیمار ہوتا ہے۔ (معانی مظہری)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغَاوِيْنَ

اور پاس لائیں بہشت کو واسطے ڈرنے والوں کے اور نکالیں دوزخ کو سامنے سے بہکنے والوں کے

جنت و دوزخ کا نظارہ یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آئے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور و محظوظ ہوں گے۔ اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے پاس لے آئیں گے تا داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف کھا کر لرزنے لگیں۔

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور کہیں ان کو کہاں ہیں جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا

هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۙ

کیا مدد کرتے ہیں تمہاری یا بدلہ لے سکتے ہیں

فرضی معبود کہاں ہیں یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں گئے کہ نہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں نہ بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۙ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ

پھر اوندھے ڈالیں اس میں ان کو اور سب سے اوندھے اور ابلیس کے لشکر کو

اَجْمَعُوْنَ ۝ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝

سبھوں کو کہیں گے جب وہ وہاں باہم جھگڑنے لگیں

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ

قسم اللہ کی ہم تھے صریح غلطی میں جب ہم تم کو برابر کرتے تھے

بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ۝

پروردگار عالم کے اور ہم کو راہ سے بہکایا سو ان گنہگاروں نے

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ

پھر کوئی نہیں ہماری سفارش کرنے والے اور نہ کوئی دوست محبت کرنے والا

انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا

یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر سب دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیا جائے گا۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے کہ واقعی ہم سے بڑی سخت

غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے اس بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بات کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی کا اظہار کرے۔ سچ ہے الْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ (زخرف۔ رکوع ۶) (تفسیر ماجدی)

نکتہ شفاعتیں کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔

(۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔

(۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی:

اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کوئی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں

کافروں کی ناکام حسرت:

یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام رکوع ۳)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ ان میں نہیں ماننے والے

قصہ ابراہیمؑ کا سبق:

یعنی ابراہیمؑ کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفس واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے دعوت و عبید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تا کہ سننے والے گوش قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا نوح کی قوم نے

الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

پیغام لانیوالوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی نہایت صدق و امانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام پہنچا کر میں تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے:

روایات میں آیا ہے کہ حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ ابوسعید یہ تو بتایئے کہ اللہ نے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ نِ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ عَادٌ نِ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد و اعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

اسی پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

پیغمبر بے لوث ہوتا ہے:

یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

طاعات پر اُجرت لینے کا حکم

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم اور تبلیغ پر اجرت لینا درست نہیں ہے اس لئے سلف صالحین نے اجرت لینے کو حرام کہا ہے لیکن متاخرین نے ان کو بحالت مجبوری جائز قرار دیا ہے۔ (معالم، ابن کثیر)

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ

بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں حالانکہ تیرے ساتھ ہو لئے ہیں کمینے

قوم کے سرداروں کا اعتراض

یعنی تھوڑے سے کمینے اور بیچ قوم کے لوگ اپنی نمود کے لئے تیرے ساتھ ہو گئے ہیں، بھلا یہ کیا اونچے کام کریں گے اور ہمارا افضل و اشرف کب اجازت دے سکتا ہے کہ ان کمینوں کے دوش بدوش تمہاری مجلس میں بیٹھا کریں، پہلے تو آپ ان کو اپنے یہاں سے کھسکایئے پھر ہم سے بات کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

قوم نوح کا احمق پن

قوم نے تو جواب دیا ہے پچھلے طبقہ والے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سنار مکہ مکرمہ نے کہا کپڑا بننے والے اور موچی۔ قوموں کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ وہ بیت بخیف العقل احمق تھے ان کے پیش نظر صرف حقیر متاع دنیا تھا وہ نادار مسلمانوں کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے کہ محض مال کے لالچ اور کچھ اونچا اٹھنے کے لئے وہ ایمان لائے ہیں۔ غور و خوض اور فکر و بصیرت کے بعد مسلمان نہیں ہوئے ان لوگوں کا تمہاری دعوت قبول کرنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہاری دعوت و نصیحت غلط اور باطل ہے ایسے کمینوں کے ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۚ اِنْ حِسَابُهُمْ

کہا مجھ کو کیا جانا ہے ان کا جو کام وہ کرتے ہیں ان کا حساب پوچھنا

اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۚ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ

میرے رب کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ایسے لوگوں کو نہیں ہوں نکالنے والا

غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے

یعنی تجھے ان کا صدق و ایمان قبول ہے، ان کے پیشے یا حیثیت اور اندرونی خامیوں سے جانچنے کا یہ مطلب۔ اس کا فیصلہ اور حساب تو پروردگار کے یہاں ہوگا۔ باقی میں تمہاری خاطر سے غریب ایماندروں کو اپنے پاس سے دھکے نہیں دے سکتا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ

میں تو بس یہی ڈر سنانے والا ہوں کھول کر

یعنی میرا فرض تم کو آگاہ کر دینا تھا سو کر چکا تمہاری لغو فرمائشیں پوری کرنا میرے ذمہ نہیں

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ

وہ بولے اگر تو باز نہ آئے اے نوح تو ضرور تجھ پر پتھراؤ کیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی

یعنی بس اب ہم کو اپنی نصیحت سے معاف رکھو اگر اس روش سے باز نہ آئے تو سنگسار کئے جاؤ گے۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۖ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا

کہا اے میرے رب میری قوم نے مجھ کو جھٹلایا سو فیصلہ کر دے میرے اور ان کے بیچ میں ٹھیک فیصلہ

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعاء

یعنی میرے اور ان کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیجئے۔ اب ان کے راہ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور بچا لے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو الگ کر کے ان کو بچا لے اور ان کو ہلاکت سے

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اس لدی ہوئی کشتی میں

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ

پھر ڈبو دیا ہم نے اس کے پیچھے اس باقی سب لوگوں کو

اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

بیشک اس بات میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۔ كَذَّبَتْ عَادُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست مہربان یہ جھٹلا چکے

الْمُرْسَلِيْنَ ۚ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ

پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کے بھائی ہود نے کیا تم کو ڈر نہیں

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ۚ	
میں تمہارے لیے پیغام لانے والا معتبر ہوں سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو	
وَ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى	
اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اللہ جہان کے	
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۟ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ۟	
مالک پر کیا بناتے ہو ہر اونچی جگہ میں پر ایک نشان بیٹھے تم	
وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۟	
اور بناتے ہو کارگیر ہوں شاید تم ہمیشہ رہو گے	

قوم عاد کی عمارت پرستی:

ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط مکانات بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے مگر نام ہو جائے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے مال ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی بڑی کاریگریاں دکھلاتے گویا یہ سمجھتے تھے کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ لیکن آج (دیکھنے والوں نے) کھنڈر بھی باقی نہیں۔ (ضیاء القرآن)

کبوتر بازی

سعید بن جبیر نے کہا قوم عاد والے کبوتر بازی کرتے تھے کبوتروں کے لئے اسوں نے برج بنا رکھے تھے۔ حضرت ہود نے ان کے اس فعل کو پسند نہیں کیا اور ان برجوں کے بنانے کو لعو قرار دیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

ذلت والا کام

میں کہتا ہوں کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے محلات اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ یہی ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ اَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے بڑی بڑی لاٹھیں بنانے والی عاد ارم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ چونکہ یہ عمل فضول اور بے نتیجہ تھا اس لئے حضرت ہود نے اس کو پسند نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تعمیری عمل پسند نہیں تھا اسی لئے حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو کچی اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند جید۔ من حدیث جابر۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لعل تشبیہ کے لئے ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ یہ فرمایا کانکم تخلدون یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (کمافی الروح)۔

بلا ضرورت عمارت بنانا مذموم ہے

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات کرنا شرعاً مذموم ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ النفقة كلها في سبيل الله الا البناء فلا خير فيه یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی سو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں اور اس معنی کی تصدیق حضرت انسؓ کی دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان كل بناء وبال على صاحبه الا ما لا يعني الا ما لا بد منه (او واذ) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا تھا۔ (تفسیر طبری)

ایک انصاری صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے (یعنی بازار کو گئے) ایک گول اونچا گنبد (نما مکان) کو دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھے غیر معمولی دکھائی دیتا ہے کیا وجہ ہے صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارے بنائے ہوئے گنبد کو دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً الٹے پاؤں واپس ہوا اور جا کر گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پھر باہر تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو بات بتا دی اس نے جا کر گنبد ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی۔ سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ: لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرتا رہ۔ رواہ البخاری۔

موت سر پر کھڑی ہے

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں۔ فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آ جائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

حضرت ابن عباس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی قریب ہی ہے حضور فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾
اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پکڑ مارتے سو ظلم سے
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ

یعنی ظلم و ستم سے مریدوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جور و تعدی کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو ظلم و تکبر سے باز آؤ اور میری بات مانو۔ (تفسیر عثمانی)

جبارین

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمَدَّكُم
اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے
بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٤﴾ إِنِّي أَخَافُ
تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں ڈرتا ہوں
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣٥﴾
تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے

اپنے انجام کو سوچو

یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیئے ہیں؟ کیا اس علم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو میں تم کو نصیحت کر چکا اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

قَالُوا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ الْوَاعِظِينَ ﴿١٣٦﴾
بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ ہے تو نصیحت کرنے والا
إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿١٣٨﴾
اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

قوم والوں کی بے حسی

یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور سر نے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اسے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعدہ و وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)

إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا خود نسب اور دین ہے۔ یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آتی

ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنٰهُمْ

پھر اس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو غارت کر دیا

یعنی سخت آندھی بھیج کر ان کا قصہ بھی پہلے اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢٨﴾

اس بات میں البتہ نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں مانے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٩﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ثمود

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٣١﴾

نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٣٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣٣﴾

میں تمہارے پاس پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٣٤﴾ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هٰهُنَا آمِنِينَ ﴿١٣٥﴾

اسی جہان کے مالک پر یہ چھوڑے رکھیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں جو ہے

فِي جَنّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٣٦﴾ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گاہا ملائم ہے

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِينَ ﴿١٣٧﴾

اور تراشے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣٨﴾

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اس عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے؟ اور پہاڑوں کو تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کئے ہیں ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یا یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا لیں گی؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٣٩﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ

اور نہ مانو تم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿١٤٠﴾

ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے

عوام سے خطاب

یہ عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ نہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٤١﴾

بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

سرداروں کی بے پرواہی

یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نہی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿١٤٢﴾

سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

یعنی اگر تو نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کہ کوئی ایسا نشان دکھلا جسے ہم بھی تسلیم کر لیں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالح نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

قَالَ هٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ

کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لیے باری ایک دن کی

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت

سے حضرت صالح کی ماں سے وہ چھوٹی پھرتی جس جنگل میں چرتے یا جس تالاب پر پانی پیتے حاتی سب مواشی علاحدہ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اس پانی پر وہ جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾

اور مت چھیڑو اس کو نرمی طرح سے پھر پکڑ لے تم کو عذاب ایک بڑے دن کی

یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہوگی۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

پھر کاٹ ڈالا اس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے

اونٹنی کے ساتھ ظلم

ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے اپنے ایک آشنا کو بسایا۔ اس نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیئے۔ اس کے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا

پھر آ پکڑا ان کو عذاب بے شک اس بات میں نشانی ہے اور

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

نہیں ہیں بہت لوگ ان میں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ

رحم کرنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو

اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾

ان کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ

میرا بدلہ نہیں اسی پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾

جہان کے مردوں پر

قوم لوط کی بدکاری

یعنی سارے جہان میں سے مردوں تمہاری شہوت رانی کیلئے رہ گئے، یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔ (تیسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام ان کا نام لوط بن ہاران بن آزر تھا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا یہ لوگ سدوم اور اس کے آس پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی خدا تعالیٰ کے عذابوں میں پکڑے گئے سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک وشوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَّا خَلَقَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے بہت کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہوگا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔ (تیسیر مظہری)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ

اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں تمہارے رب نے تمہاری بیبیاں

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

بلکہ تم لوگ ہو حد سے بڑھنے والے

فطرت کی خلاف ورزی

یعنی یہ خلاف فطرت کام کرتے آدمیت کی حد سے بھی نکل چلے ہو۔

(تفسیر عثمانی)

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صحبت مباشرت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُوْنَ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھے ہوئے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔ (تفسیر مظہری)

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے

لفظ من ازواجکم میں حرف من اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہو سکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف من کو تبعیض کے لئے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیویوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلاف فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے، غرض اس دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ اپنی زوجہ سے خلاف فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذا فی الروح)

(معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ

بولے اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی

یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں

حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت

اسلئے ضرور اس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لوط نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اسی لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے۔ من القالین کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت کرنے والی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ

اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی دعاء

یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط کو جب معلوم ہو گیا کہ میری نصیحت و دعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دیا جائے تاکہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔ (تفسیر مظہری)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو مگر ایک دھیا رہ گئی رہنے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی

یہ ان کی بیوی تھی جو ان بدمعاشوں سے مل رہی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ عجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس فعل سے راضی تھی اور کافرہ تھی۔ لوط علیہ السلام کی یہ کافر بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اس کے لئے لفظ عجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر یہ عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو عجوز کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا کہ پیغمبر کی بیوی امت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت کثیر الاولاد ہو اس کو بڑھیا کہہ دینا کچھ مستبعد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا

پھر اٹھا مارا ہم نے ان دوسروں کو اور برسایا ان پر ایک برساؤ

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ

سو کیا برا برساؤ تھا ان برائے ہوؤں کا

عذاب کی صورت

یعنی ان کی بستیاں الٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا برساؤ کیا۔ سو ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ان کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطی کی سزا:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ اس آیت سے ثابت ہوا

کہ لوطی پر دیوار گرانے یا بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جاری رہے جیسے حنفیہ کا مسلک ہے کیونکہ قوم لوط اسی طرح ہلاک کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر آسمان میں پھینک دیا گیا تھا (شامی کتاب الحدود) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾
بیشک اس بات میں نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ نہیں ماننے والے
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ
اور بیشک رب تیرا ہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ان کے
لْـَٔیْكَةِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۰۵﴾
رہنے والوں نے بھیجے ہوؤں کو

مدین والے

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اصحاب ایکہ وہی قوم مدین ہے ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے اسی نسبت سے اصحاب الایکہ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیبؑ کو اخوہم سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اگر مدین کہتے تو اخوہم کہنا ضروری تھا۔ جب اصحاب الایکہ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے اخوہم فرمانا حضرت شعیبؑ کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال مدین اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے اور شعیبؑ اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیبؑ کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔ (تفسیر ماجدی)

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّیْ لَكُمْ
جب کہا ان کو شعیبؑ نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو پیغام
رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ
پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں
عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۸۰﴾
تم سے اس پر کچھ صلہ میرا صلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

اَوْفُوا الْكَیْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَزِنُوْا
پورا بھرا کرو ناپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو
بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ﴿۱۸۲﴾
سیدھی ترازو سے

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ

یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کر لیتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کر دو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا
اور مت گھٹا دو لوگوں کو اُن کی چیزیں اور مت پھرو
فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۱۸۳﴾
ملک میں خرابی ڈالتے ہو

یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ (تفسیر عثمانی)

فساد فی الارض:

مفسدین دانستہ تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً ایسا کام نہ کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سعی اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کہا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی نہ قصاص نہ کوئی تاوان۔ (تفسیر مظہری)

ادائیگی کے حقوق

ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم یعنی نہ کمی کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں مراد یہ ہے کہ معاہدے کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہے۔ امام مالک نے موطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا۔ وجہ پوچھی تو اس نے پیچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا طففت یعنی تو نے تولنے میں کمی کر دی۔ چونکہ ہمارا کوئی تولنے کی چیز نہیں اس لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالک فرماتے ہیں کہ وعا وتطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ کسی کے حق

میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّمَآ

اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو

اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے

قوم کا جواب: یعنی دعوے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

سو ڈالدے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے

اگر سچا ہے تو آسمان کا یا بادل کا کوئی ٹکڑا گرا کر ہم کو ہلاک کیوں نہیں کر دیتا۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

حضرت شعیبؑ کی وضاحت

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ کس جرم پر کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیے۔ عذاب دینا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام ہشیار کر دینا تھا، سو کر چکے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑ لیا اُن کو وقت سے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

عذاب بڑے دن کا

زلزلے اور آگ کا عذاب

سائبان کی طرح اتر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین کو بھونچال آیا اور سخت ہولناک آواز آئی، اس طرح سب قوم تباہ ہو گئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے:

عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آ گئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ (کذا روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ معارف مفتی اعظم)

یوم الظلہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آ گئے اس وقت آسمان پر ایک بدلی آئی اور بدلی کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اسی بدلی کو ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں مانے والے

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا اور یہ قرآن سے اتارا

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰي قَلْبِكَ

ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا اسے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝

کہ تو ہو ڈر سنا دینے والا

نزول قرآن

آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اتارا، جبریل امین لے کر اترے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہ ہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا، چنانچہ وحی قرآنی آئی اور سیدھی تیرے دل میں اترتی چلی گئی۔ تو نے اس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا، شاید عَلٰي قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلۃ الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آ کر بات کرنا) ان میں

ہے قرآن آتی وہی اصل پہلی کیفیت کے ساتھ آتی تھی۔ (ت)

وحی کی صورتیں

بلکہ دونوں حالتوں میں محققین نے دو فرق پائے تھے۔ پہلی حالت میں جبکہ کوشش سے منقطع ہو ملیت کی طرف جاتا تھا "یا ان وقت آلات حسدانیہ و ملکات عقلیہ سے صرف روحی قوتوں اور قدسی حواس سے کام لیتے تھے دل سے کانوں سے وحی کی آواز سنتے تھے اور دل کی آنکھوں سے دیکھتے دیکھتے جب اس الٰہی قوتوں سے ان علوم کو تلقی کرتے تھے جو محفوظ رکھتے تھے خلاف اس حالت کے جس میں کہ ملیت سے نزول فرمائے کی طرف آمادہ ہوتا تھا اس وقت جبکہ اس کی حواسی آنکھوں سے فرشتہ کو دیکھتے اور ان ہی ظاہری کانوں سے آواز سنتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی کی پہلی قسم کو احادیث میں فرمایا "ھو اشدہ علیہ" (وہ مجھ پر بہت بھاری ہوتی ہے) کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشریت سے ملیت کی طرف معبود ہوتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز

قال ابن الشیخ فھو علیہ افضل الصلاۃ والسلام مخصص بھذہ الرتبۃ العلیۃ والکرامۃ السنیۃ من سائر الانبیاء فان کتبھم انزلت علیھم بالالواح والصحائف جملۃ واحدۃ فھی منزلہ علی صورھم وظاھرھم علی قلوبھم حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ وکذا فی روح المعانی ص ۳۰۶ ج ۶ (ت عارف کاملی)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

علی عربی ... نہ

یعنی اتارا نہایت صحیح واضح اور شگفتہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ علی وجہ الکمال سے مراد یہ نہیں کہ صرف معانی قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیئے پھر آپ نے ان کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ بلکہ الفاظ اور معانی سب وحی ربانی سے قلب مبارک پر القا کئے گئے۔ (منہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے نہایت فصاحت سے اپنے اوصاف بیان کئے جس پر عرض کر دیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کامل وجہ کی فصیح و بلیغ زبان بولتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں میری زبان ایسی پاکیزہ کیوں نہ ہو گی قرآن بھی تو میری زبان میں اترا ہے۔

امام غریب توری فرماتے ہیں وحی عربی میں اتری ہے یہ اور بات ہے کہ نبی نے اپنی قوم کے لئے ان کی زبان میں ترجمہ کر دیا قیامت کے دن ہر نبی کی زبان اس کی قوم کی زبان ہو گی۔ (ابن ابی حاتم عن جبیر)

قرآن پاک کے متعلق عقیدہ

قال ابن الشیخ فالقرآن کلام اللہ وصفتہ القائمۃ بہ کسائر صفاتہ الالفاظ المرکبۃ من الحروف العربیۃ وبرلہ الی جبریل وجعلہ مما لایلا تتصرف فی حقائقہ ثم نزل بہ کما ھو علی قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتعرفہ وتحفظ بحلقہ وسور ناوارہ وتحلی بحصلہ فھمہ وتمکن من تفھمیہ الخ حاشیہ شیخ زادہ ص ۴۷۹ ج ۳

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور وہ حروف ہیں جو عربی زبان کے ہیں ہم نے اس کی ہدایت کے لئے اس کو وقت وقت پر اپنے ملائکہ میں سے روح القدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو اتارا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا۔ (دیکھو حاشیہ شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ اور جلو تفسیر روح البیان ص ۳۰۶ ج ۶)۔

تمام امت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ ماہین الدفتی المصحف کلام اللہ یعنی مصحف میں جو دو تختوں کے درمیان اللہ کا کلام ہے اور جو شخص اس مصحف کو کلام اللہ ماننے سے پہلے اس کا کاغذ، سیاہی، وہ لکھنا جن الفاظ قرآنی کو ہم پڑھتے ہیں اور جن حروف قرآنیہ کو اپنے مصاحف میں لکھتے ہیں اگرچہ حادث اور مخلوق ہیں لیکن تمہارے لئے یہ ہرگز جائز نہیں کہ ہم مطلق قرآن کو یا کلام اللہ کو مخلوق اور حادث کہیں۔ کلام الٰہی حوادث باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ باشرہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت اور کتابت یہ سب مخلوق اور حادث ہیں قرآن جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں اور عدم صفت میں فرق ہو جائے مطلق کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب) (ت عارف کاملی)

نزول قرآن عربی میں ہوا

اس آیت کا محض اتنا سا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے اس قرآن کو آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو آپ کے کانوں پر نازل ہوتا دل پر نازل نہ ہو سکتا کیونکہ غیر عربی الفاظ کے معنی آپ سمجھا دیتے۔ آدمی بھی چند زبانوں سے واقف ہوتا ہے اور عربی اس کی مادری زبان میں بات کرے تو فوراً اس کا ذہن مطلب کی طرف متوجہ ہوتا

ہے الفاظ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی اور اگر مادری زبان کے علاوہ کسی دوسری یعنی مولی زبان میں اس سے کام لیتا ہے تو اول اس کا ذہن الفاظ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر الفاظ سے معانی کی طرف انتقال وہی ہوتا ہے۔ (سیر عبری)

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا جائز ہے

امت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی۔ اردو۔ انگریزی میں پڑھ لینا بدوں اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جواز میں توقع کا قول منقول ہے اس سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں

اسی طرح قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں جیسے آج کل بہت سے لوگ صرف اردو ترجمہ قرآن کو اردو کا قرآن اور انگریزی کو انگریزی کا قرآن کہہ دیتے ہیں یہ ناجائز اور بے ادبی ہے قرآن کو بغیر متن عربی کے کسی دوسری زبان میں بنام قرآن شائع کرنا اور اس کی خرید و فروخت سب ناجائز ہے اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "تحذیر الاخوان عن بعض رسوم القرآن" میں مذکور ہے۔

سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے

مستدرک حاکم میں حضرت مقاتل بن حیان کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ درکر اول سے دی گئی ہے اور سورہ طٰہٰ اور طواسین یعنی مفتی سورتیں طس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں یہ سب سورتیں الواح موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورۂ فاتحہ مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔ اور طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ سورہ ملک تورات میں موجود ہے۔ الحدیث اور تتبہ اسمٰعیل ربیع الآخر میں تو حوذ آن کی تصریح یہ ہے ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی یعنی مضامین سورت حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں لیکن تمام آیات و روایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قرآن کتب سابقہ میں بھی موجود تھے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آنے سے پہلے تھے قرآن کا نام دے دیا جائے۔ نہ امت میں کوئی اس کا قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے، بلکہ عقیدہ جمہور امت کا یہی ہے کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآن کا نام ہے۔ صرف معانی قرآن کا نام ہے۔ اور کوئی شخص قرآن جی کے الفاظ مختلف لغتوں سے تین رایک عبارت بنا دے مثلاً کوئی یہ عبارت بنا لے الحمد للہ العزیز الرحیم الذی لہ ملک السموات وھو رب العلمین خالق کل شی وھو المستعان یہ مارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو فی دوسری زبان میں بیا نے عالمین وہی قرآن نہیں۔ (معارف سنی اعظم)

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۹۶﴾	
اور یہ الہامات پہلوں کی	کتابوں میں

مضامین قرآن کا تسلسل

یعنی قرآن کی اور اس کے لانے والے نبی کی خبر پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہے انبیائے سابقین نے اپنی پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ باوجود بہت سی تحریف و تبدیل کے اب تک بھی ایک حصہ ان قسم کی پیشینگوئیوں کا پایا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مخاطب ہو سکتا ہے کہ اس قرآن کے بیشتر مضامین اجمالاً یا تفصیلاً اگلی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص توحید، رسالت، معاد وغیرہ مضامین جن پر تمام کتب سماوی اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۹۷﴾	
کیا ان کے لئے نشانی نہیں یہ بات کہ اس کی خبر رکھتے ہیں پڑھے لکھے بنی اسرائیل کے	

علمائے یہود کا علم

یعنی علمائے بنی اسرائیل خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے سے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں اس حق کا اقرار کیا ہے اور بعض اصناف پر تو اسی علم کی بناء پر مسلمان ہو گئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ، غرض ایک منصف فہیم سے لئے جس کا مال حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو اس چیز میں بڑی نشانی ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے اندر میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کرنے سے نہ رکیں۔ (تفسیر عثمانی)

علمائے بنی اسرائیل سے مراد بقول عطیہ پانچ علماء تھے عبداللہ بن سلام۔ ابن یامین۔ ثعلبہ۔ اسد۔ اسید۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا، یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ بھی ہے اور

ہم تو ریت میں ان کے اوصاف و خصوصی احوال پاتے ہیں۔ (تفسیر سلطانی)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ
اور اگر ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر اتارتے اور وہ اس کو پڑھ کر
مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ
سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے

مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے

یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کر لیا ہو گا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے جس کا مثل تمام جن و انس بھی مل کر نہیں لا سکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی و شقاوت اور بد بختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان ناطق پر اتارا جاتا، تب بھی یہ لوگ اس کے ماننے والے نہ تھے۔ اُس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی کہہ لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اترتا تو یقین کرتے فرمایا کہ دھوکہ والے کا کبھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہے نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

عجمی کا مطلب

الاعجمین اعجم کی جمع ہے، عجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسلاً عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے۔ عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسلاً غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بنا پر آیت کا یہ معنی ہو گا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔ (تفسیر سلطانی)

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ
جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت

یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قوی کو شرارت اور سرکشی میں لگا بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے مطابق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار و تکذیب کے اثر کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی۔

حقانیت قرآن

لیکن بہت سے مفسرین نے سلکناہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہو سکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لا سکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تا آنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں، اُس وقت مانیں گے کہ ہاں پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی، مگر اُس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ فَيَقُوْلُوْا
پھر آئے ان پر اچانک اور ان کو خبر بھی نہ ہو پھر کہیں
هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ
کچھ بھی ہم کو مہلت نہ دی

جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی

یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جا سکتی ہے کہ اب توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں اور پیغمبروں کا اتباع کر کے دکھلائیں دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرتے لگے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ
کیا عذاب ہمارا جلدی مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچائے تو ہم ان کو برسوں
ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ
پھر پہنچے ان پر جس کا ان سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا ان کے جو برتتے تھے

ساری زندگی کی مہلت گنوا دی

یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہو گی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ (نازعات۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

لمبی عمر نعمت ہے

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر

دراز ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں ان کو عمر دراز کی عافیت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہری نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ الآیۃ اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے

نهارك بالغرور سهو وغفلة ولیلك نوم والتردی لك لازم
فلا انت فی الایقاظ یقظان حازم ولا انت فی النوم ناج وسالم
وتسعی الی ماسوف تکره غبة کذلك فی الدنیا تعیش البهائم

(ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے، نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝

اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

مہلت کے بعد عذاب آتا ہے

یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی ایک دم نہیں الٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ العیاذ باللہ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝

اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں

قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبرئیل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ ان کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔

وَتَرَكْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَيَّةٍ ۚ يَّتَّخِذُ مِنْهَا خَشْعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر رکوع ۳) روایت میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝

ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے

شیاطین کی تاکہ بندی

یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اچک سکتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن۔ رکوع ۱) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (جن۔ رکوع ۲ وقال تعالیٰ) لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدہ۔ رکوع ۵)

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۃ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝

سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پھر تو پڑے عذاب میں

قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے

یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک و شب خدا کی اتاری ہوئی ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ

اور ڈرا اپنے قریب کے رشتہ داروں کو

قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ سنایا کہ اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی! اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ حکم سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کروں مجھے معلوم تھا کہ اگر میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہوگا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آ کر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تائے (چچے) ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب کم وبیش چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لا کر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھائیے سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا لیتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور کے کچھ کہنے سے پہلے ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لا کر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گذشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جائے لوگ یہ سن کر سب کے سب جھجکے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

کوہ صفا سے سب کو بلانا:

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولاد فہر اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آ سکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے ابولہب بھی آ گیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

قوم والوں سے خطاب۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے

اور فرمایا اے گروہ قریش۔ (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچا لو) میں اللہ (کے عذاب) سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آ سکتا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

ابولہب کی ہلاکت۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباحا (اے لوگو ہشیار ہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے) ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اس لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ (اعمش کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار بجاشیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کروں اس نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیزیں ان کے لئے حرام قرار دیں میں نے ان کو حکم، یا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ ہاں اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو (کچل کر) روئی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعہ سے دوسروں کی بھی میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر تا کامیاب ہو گا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا اہل جنت تین ہیں۔

(۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابتدار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے روکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا سرا لالچ خود اسے کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے۔ اور وہ شخص جو بدا خلاق اور فحاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ایک کو خطاب

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا کہ اے قریشیو اپنی جانیں جہنم سے بچا لو۔ اے کعب کے خاندان والو اپنی جانیں آگ سے بچا لو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو اپنے تئیں خدا کے عذابوں سے چھڑا لو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو خدا کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنت محمدؐ اپنی جان کو دوزخ سے بچا لے۔ میں خدا کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بیشک تمہاری قرابت واری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھا اور دوڑ کر اپنے والوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تاکہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علیؓ کی فضیلت:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنے اہل بیت کو جمع کیا یہ تیس شخص تھے جب یہ کھانا پی چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا فرض اپنے ذمے لے اور میرے عدہ سے دھ سے پورے کرے وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا۔ تو ایک شخص نے کہا کہ آپ تو ایک سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون کھڑا ہو سکتا ہے! تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اور اپنے بازو نیچے کر ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے

گناہوں سے بیزاری

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ

پھر اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کاموں سے

یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اس سے تو بیزار ہو جا، اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح) (خازن جلالین)

اللہ پر بھروسہ رکھو

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ

اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر

یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر عنایت رکھتا ہے۔ (تفسیر جلالین)

توکل کا معنی ہے اپنا کام (تعلق طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا ترمانہ عقلا جائز نہ نقلا صحیح۔ ہاں اگر جنس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا ہو بھروسہ کرنے والے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگران ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی لئے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتبار رکھو جو اپنے دشمنوں سے خود ان کو مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الموحسنہ جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔ (تبیان القرآن)

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ

جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے اور تیرا پھرنا، ناریوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلب

یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوسلین کی جمع لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا خاص (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں تقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مراد ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک ہی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر جلالین)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر گھماتے پھرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو مار کے اندر طرح خشوع سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ فرما لیتے تھے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بالشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ البیہقی۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء اجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء و اجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ رہا وہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا

اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اس امر پر کہ

حضور کے سارے آباء واجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

وینقل احد نورا عظیما تلاءلا فی وجوہ الساجدین
تقلب فیھم قرنا فقرنا الی ان جاء خیر المرسلین

ہر ایک نور عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلینؐ پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مومن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت و منفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ
بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں
الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝
شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

صداقت وعظمت قرآن وپیغمبر

یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے اور ساری دنیا سے لوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان اُن پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر بدمعاشوں اور بدکاروں پر کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے کہ یہ اس کو برا جانتے ہیں۔ جھوٹے دغا بازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ بھلا سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق و امانت، اتقاء، پاکبازی، خدا ترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوائے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ الصادق الامین آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

"شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو پکے گناہگار پر۔"

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ شریر دروغ گو ہیں۔ نہ گناہگار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی و قولی) مناسبت و موافقت ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝
لا ڈالتے ہیں سنی سوئی بات اور سب اُن میں جھوٹے ہیں

شیطان کی جھوٹی روایات

یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ نا تمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں، یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے یُلْقُوْنَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں، کہ شیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی غیبی بھنک کان میں پڑ جائے یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکائے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اُدھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کی باتیں

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) ہیچ ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر لے بھاگتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس (ایک صحیح بات) میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس

بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں کان اسکے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں جو کچھ فرمایا وہ حق ہے وہی برگ، برتر، عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے، (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار درس لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے، تمام یعنی چاروں انگلیوں اس طرح ترتیب دے کر بتایا کہ ایک انگلی دوسری کے اوپر اور دوسری تیسری کے اوپر تیسری چوتھی کے اوپر تر کے دکھائی۔ (مترجم) نیچے والا اس اپنے سے نیچے والے کو بتاتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے یہاں تک۔ تب سے نچلا شیطان ساحر یا کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اوپر والا نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پہلے ہی ایک انگارہ (لوٹنے والا ستارہ) اس پر آ گرتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پہنچنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری

ستاروں کا ٹوٹنا

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا اس رسی نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (تارے) کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح (کی آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے یہ فرمایا پھر (تسبیح وار) ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے پوچھتے چلے آتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن چھپنے کے اس کوشش کر لے جو ہتا ہے اس طرح سنا چاہیں اپنے دوستوں کی طرف لا ڈالتے مارتے ہیں (کاہن لوگ) جب اس بات کو اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾

شاعروں کی بات پر چلنے والے وہی جو بے راہ لوگ ہیں

پیغمبر شاعر نہیں ہے

بالعموم لوگ پیغمبر کو بھی کاہن کے ساتھ بھی شاعر سمجھا رہا کہ شاعری کی باتیں تخیل پر مبنی ہوتی ہیں تحقیق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اس لئے ان کی باتوں سے ہدایت کا کوئی مکمل یا دقیق خاکہ اور نقشہ کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی حالانکہ اس پیغمبر کی صحت میں قرآن کی سینکڑوں آیتیں گواہی اور پیروی کرتی ہیں۔ (تیسیر مظہری)

دور فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت نعمان بن عدی بن حملہ کو عمر کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا تھا وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا کہ تیاسیوں کو یہ اطلاع نہیں ہوتی کہ ان کا محبوب میسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دو شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص دسر دو دہیا ہیں ہاں آرنیر کی دوست سے وہ تیرے تو ان سے بڑے اور کھرے ہوئے جام مجھے پلائے لیکن ان سے چھوٹے جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ خدا کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ وہ برا مانیں گے اور سزا دیں گے۔ یہ اشعار حج حج حضرت امیر المومنین تک پہنچے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیج کر میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ کے بعد حم کی تین آیتیں الیہ المصیر تک لکھ کر پھر تحریر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے مجھے سخت رنج ہوا۔ میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں۔ چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی کہ امیر المومنین اللہ نہ میں نے کبھی شراب پی نہ ساز رنگ اور گانا بجانا دیکھا سنا یہ تو صرف شاعرانہ تخیلات تھے۔ آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں

پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے مروّجہ کبھی شاعروں میں کسی جرم سے اطمینان پر کوئی قابل عمل مواخذہ جائے گا اس لئے کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ ہاں وہ قابل ملامت اور لائق سرزنش ضرور ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

شعر کی تعریف

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں معنی دقیق اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی مجرد وزن، قافیہ اور قافیہ کچھ شرط نہیں اس مطلق میں بھی ایسے ہی مضامین کو دلالہ شعریہ اور تقاضا شعریہ کہا جاتا ہے اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی نغمہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزوں مقفی کو شعر کہنے لگے۔ اس مقصد پر ان آیات قرآن مِنْ قُلُوْبِهِمْ شَاعِرٌ - شَاعِرٌ مَجْنُوْنٌ - بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موزون دار، قافیہ دار کلام لانے والے کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہ تھا اس لئے کہ وہ شعر کے طرز و طریق سے واقف تھے، اور ظاہر ہے کہ قرآن اشعار کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ فصیح و بلیغ عرب، بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے لحاظ سے کہتے تھے مقصد ان کا در اصل آپ کو نعوذ باللہ جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے اس لئے اولہ کاذبہ کو اولہ شعریہ کہا جاتا ہے خلاصہ یہ کہ جیسے موزوں اور مقفی کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح نظمی اور تخیلی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

اچھے اشعار: تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ آیت متعدد کفار شعراء عشر و جواب علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبداللہ بن زبعری مسعود شور قاد، ہبار شاعر تھے اور قاضی ربیر بن بکار کے اختصار ایک مستقل کتاب میں جمع تھے۔ پھر قرطبی نے لکھا کہ ابو عمرو نے فرمایا ہے اشعے مسلمان پر مشتمل تھے اہل علم اور اہل عقل میں سے کوئی بر ہمیں ملتا، بیوقوف اکثر ہوتا ہے جو اس سے مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ملتا جس نے خود شعر کہے ہوں یا دوسروں سے اشعار نہ پڑھے ہوں اور سنے ہوں۔

کون سے اشعار مُراد ہیں

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاری نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس بات میں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے۔ لان یمتلی جوف رجل قیحا یریہ خیر من ان یمتلی شعرا، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب وکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آ جائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو مثل کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ (قرطبی)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر عدی بن الحملہ کو ان کے عہدے سے اس لئے برخاست کر دیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمر و جن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کر لی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کر دے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے تبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے تبعین ان کے فعل کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا، وجہ یہ ہے کہ عموماً اتباع [illegible] گمراہی علامت اور نشانی ہوتی ہے متبوعین کی گمراہی کی لیکن [illegible] تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا [illegible] وقت [illegible] متبوع کی گمراہی [illegible] متبوع کو [illegible] طرح [illegible] دروکنے کی [illegible] اتباع [illegible] اور اتباع [illegible] گمراہی متبوع کی ایک وجہ ہے اور اتباع کسی [illegible] گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی، مثلاً ایک [illegible] مسائل میں کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور ان میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا ان میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے

اے عشق مسیحا دم رفتار کے قربان ۔۔۔ تھوکر سے مری لاش کی بار جلا دی

اے یاد صبا ہم تجھے کیا یاد کریں گے — اس گل کی خمر تو نے کبھی ہم کو نہ لا دی
صبا نے اس کے کوچہ سے اڑا کر — خدا جانے ہماری خاک کیا کی

وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ کبھی کفریات بکنے لگتے ہیں۔

قرآن قرآن کے اعجاز کے دو رخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین لے کر اترتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

شعر گوئی کی مذمت

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں لہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ، لہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے لئے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے برے ہوں فضول بکواس کرنے والے ہوں بنا بنا کر خلاف حقیقت کثیر کلام کرنے والے ہوں خلق پھاڑ کر بغیر احتیاط کے کام کو پھیلانے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثرثاروں (بکواسی، کثیر گو) اور متشدقون (یا چھیں پھاڑ کر سارا کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفیہقون کے لیا معنی فرمایا تکبر کرنے والے۔

بے عمل خطیب

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے (معراج میں) لے جایا گیا تو میرا گزر کچھ لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریر میں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

شانِ نزول

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (گمراہ یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غاوی کون ہیں

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے ضحاک کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

لیکن اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجاء کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبداللہ بن زبیر سہمی۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبداللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسا محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار سناتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے ہجائیہ اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ اور مسلمانوں کے متعلق کئے سوئے ہجائیہ اشعار نقل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝
تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں

شعراء کی گمراہیاں

یعنی جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ اسی

لئے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ اکذب او احسن او۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ
اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

زبانی وخیالی باتیں

یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر ملو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک تبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں، قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں

غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ۔ اسی لئے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی سچی سچی نکی باون تولے پاؤ رتی تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے سنی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا
مگر جو لوگ یقین لائے اور کام کئے اچھے اور یاد کی
اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا
اللہ کی بہت اور بدلہ لیا اس کے پیچھے کہ ان پر ظلم ہوا

اچھے شعراء

مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے یا کفر کی مذمت یا گناہ کی برائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یہ اس کا جواب دے یا کسی نے اس کو ایذا پہنچائی اس کا جواب بحد اعتدال دیا ایسا شعر عیب نہیں چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے اسی لئے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ (مظہر جنی)

شان نزول: ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن براء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الخ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں اب ہم تو غارت ہو گئے ان پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الخ نازل فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیت پڑھ کر سنا دیں۔

ذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے اللہ کے ذکر کی کثرت سے مانع نہ ہو۔ اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر توحید۔ اللہ کی حمد وثنا اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہوں۔

ابو یزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وَانْتَصَرُوْا یعنی مسلمانوں کی ہجا جن لوگوں نے کی ہو ان مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجا کی ہو اور اس طرح کافروں کے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور نے (حضرت عمر سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرما رہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر ملنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ او

رائد کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ فرما رہے تھے حسان نے ان کی ہجا کی پس شفا دی اور شفاء دینے والی چیز بیان کر دی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کرتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر پھینکو جو دم پھک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے اسے ہلا کر کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو پھاڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه وعند الله في ذاك الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمدا برا تقيا رسول الله شيمته الوفاء

تو نے مقدس پرہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابي ووالدتي وعرضي لعرض محمد منكم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان

امن يهجو رسول الله منكم ويمدحه وينصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ کی مدح اور امداد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبريل رسول الله فينا وروح القدس ليس له كفاء

اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جس کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا لاؤ حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں دار قطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز و عدم جواز) کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔

لبید کا کلام:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو وہ لبید کا یہ کلام ہے الا کل شئ ما خلا اللہ باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے۔ متفق علیہ

امیہ بن صلت کے اشعار:

عمرو بن شرید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا لاؤ میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رواہ مسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہو گئی آپ نے فرمایا۔

هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہو گئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ متفق علیہ۔

حضرت صدیق و فاروق و حیدر رضی اللہ عنہم

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر خود بھی شعر

پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل نعمی انت غادٍ مبکّرٌ غداۃ غدام رائحٌ فمھجّرٌ

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیونکہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کر لیا کرتے تھے۔

فائدہ۔ اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علم دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیاں جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں۔ رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

ایک حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد نسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کر دیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا۔ (تفسیر ظہیری)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ

اور اب معلوم کر لیں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹے گے ہیں

ظالموں کو دھمکی:

یہ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اُونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ (تفسیر جلالین)

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے سیعلم کے اندر وعید ملحوظ ہے اور الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا میں عموم و اطلاق ہے اور اَیَّ مُنْقَلَبٍ میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ) لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ:

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وصیت وہ ہے جو ابوبکر بن ابوقحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھی تھی (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور مدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔ (تفسیر مظہری)

اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو یہ کر لے اور اس کے مقابلہ میں ذکر اللہ بکثرت کرے وہ یقیناً اس برائی سے الگ ہے۔ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دین خدا کو برا کہا تھا اور برا تھا لیکن جب اس نے مدح کی تو برائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن الزبعری نے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کر دیا کہ اس وقت میں شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا اسی طرح ابوسفیان بن حارث باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حالی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا جب مسلمان ہو گئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب انہیں کوئی نہ تھا۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کرتے تھے اور بہت ہی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ النمل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل کو ناپسند کرے گا اور اپنی قوم کا سردار ہوگا اور حسن اور سرداری پائے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسَبْعُ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً

سورۃ نمل مکی ہے اور اس کی ننانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ

یہ آیتیں ہیں قرآن اور کھلی کتاب کی

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

ہدایت اور خوشخبری ایمان والوں کے واسطے جو قائم رکھتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

جو لوگ نہیں رکھتے آخرت کا یقین بھلا کر دیا ہم نے ان کی نظروں میں

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

ان کے کام سو وہ بھٹکے پھرتے ہیں

دنیا پرستی کے مریض

یعنی جس برے انجام کی لوگی فکر اور مستقبل کا خیال نہ ہو وہ اسی دنیا کے عارضی فکر میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ان کی تمام کوششوں کا محور یہی چند روزہ زندگی ہے جو تباہ یا پیغمبر ادھر سے بلا کر عاقبت کی طرف توجہ دلائے، اس پر یہ لوگ الٹا ان سے لڑنے۔ دنیا کے مستی میں غرق ہو کر بار بار یوں پر آوازیں کستے ہیں۔ آسمانی صحیفوں کو مورد طعن بناتے ہیں۔ پیغمبروں کے ساتھ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اور یہ سب کام ہیں، جن کو اپنے مزدیک بہت اچھا سمجھ کر برابر آگے میں ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تنبیہ) ترجمہ کی بہت حق تعالیٰ کی طرف ان حیثیت سے ہی کہ خالق و نیز وہ ہی ہے کسی سبب پر مسبب کا مرتب ہونا اس کی مشیت و ارادہ کے بغیر ہو سکتا نہیں ہو سکتا جیسے کہ اور مرے مواضع میں اضلال و ختم طبع وغیرہ کی نسبت اس کی طرف ہوئی ہے۔ سورۂ نمل کی ان ابتدائی آیات کا مضمون سورۂ الشعراء کی ابتدائی آیات سے بہت مشابہ ہے ان کو ایک مرتبہ مطالعہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے ان کے اعمال بد ان کی نظروں میں مزین کر دیے ہیں۔ ان لئے وہ ایسی کو بہتر سمجھ کر گمراہی میں مبتلا رہتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ اعمالھم سے مراد نیک اعمال ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تو نیک اعمال کو مزین کر کے ان کے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے انکی طرف التفات نہ کیا بلکہ کفر و شرک میں مبتلا رہے ان لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ لیکن پہلی تفسیر زیادہ واضح ہے اول تو اس لئے کہ مزین کرنے کے الفاظ عموماً اعمال بد کے لئے استعمال ہوئے ہیں جیسے بحث ہیں حُبِّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اور اچھے اعمال کے لئے اس لفظ کا استعمال بہت کم ہے جیسے حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ لاتے اور دوسری آیت میں اعمالھم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر رہا ہے کہ مراد اعمال بد ہیں نہ کہ اعمال صالحہ۔ (معارف القرآن)

ملک سے آیات سورت کی طرف اشارہ ہے۔

لوح محفوظ

کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے جس کے اندر ہر ہونے والی چیز کا اندراج ہے اس کو مبین یعنی مظہر کل فرمایا لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم ہے لیکن ہمارے علم کا تعلق قرآن سے ہی ہے اسی تعلق کا لحاظ کر کے القرآن و کتاب مبین سے پہلے ذکر کیا۔

قرآن کے احکام واضح ہیں

یا کتاب مبین سے بھی قرآن ہی مراد ہے قرآن حلال و حرام احکام کو کھول کر بیان کرتا ہے اور چونکہ مجزہ ہے اس لئے اپنے صحیح ہونے کو بھی واضح طور پر بیان کر رہا ہے۔ (تسہیل مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

وہی لوگ جن کے واسطے برا طرح کا عذاب ہے اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝

آخرت میں وہی ہیں خسارے

یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہی لوگ ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ

اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے علم دار کے پاس سے

دنیا پرستوں کو چھوڑیے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں

یعنی ان بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اس کی ہدایات وبشارات سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجئے کہ اس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو بعد تبلیغ واقعات سنائے گئے ہیں تاکہ ان کا دل مضبوط وقوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم وحکمت:

علم حکمت کے اندر داخل ہے کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کا لفظ عمل کے استحکام پر دلالت کرتا ہے لہٰذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرما دیا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں جیسے علم العقائد علم شریعت وغیرہ اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے جیسے قصص اور آئندہ چیزوں کا بیان۔ گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ کے قصہ کی تفصیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال

یہ مدین سے جاتے ہوئے وادی طوی کے قریب پہنچ کر کہا جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

روایت بالمعنی کی دلیل:

(اللہ نے وہ قول نقل کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تھا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عربی میں نہیں کہا ہوگا بلکہ اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا ہو جس کو قرآن کے اندر عربی عبارت میں اللہ نے بیان کر دیا) اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حدیث کے معنی کو دوسرے الفاظ میں نقل کرنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا) جائز ہے اور نکاح بھی ایسے الفاظ سے جائز ہے جو ترجمہ وبیاہ کے مفہوم کو ظاہر کر رہے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگارا

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

سلگتا ہو شاید تم سینکو

یعنی رستہ کی خبر لاتا ہوں اگر آگ کے پاس کوئی موجود ہو ورنہ تم اس سے سینکنے تاپنے کے لئے ایک انگارا لے آؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کو امید تھی اس لئے لَعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ کہہ دیا اور امید یقینی تھی کہ ضرور کوئی اطلاع مفید لے کر آؤں گا اس لئے سآتیکم کہہ دیا۔

بہرحال کوئی اطلاعی یعنی صحیح راستہ کی اطلاع۔ حضرت موسیٰ راستہ بھٹک گئے تھے صحیح راستے کی بھی تلاش تھی۔ (سیر مظہری)

جد وجہد توکل کے منافی نہیں ہے

معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جد وجہد توکل کے منافی نہیں، لیکن پھر وہ اپنی کوشش کیجائے اللہ پر ہونا چاہئے اور آگ آپ کو دکھائے جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستے کا حال جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کمالین الروح)

ادب کا لحاظ

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امکثوا اور نصطلون جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے لفظ جمع استعمال فرمانا اکابر کرام کے سوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغہ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایات حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (معارف حقی / علم)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ

پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے

مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا

اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے

نور الٰہی کا ظہور

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ عینی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا یا اس کی بجلی چمک رہی تھی۔ شاید وہ وہی ہو جس کو حدیث میں فرمایا۔ حجابہ النار یا حجابہ النور پھر غیب سے آواز آئی۔ نُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک آگ میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ غالباً موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام

(یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت ہو، یہ دعا بطور تحیہ و سلام کے ہے جیسے ملاقاتی آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور انوار الٰہیہ سے ہے اس لئے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے انس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لیا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قرب خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قرب خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو بشکل نار ہے خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں (ساتھ ہی آگے) ارشاد فرمایا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ، جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس نور میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں۔

آگ میں کیا تھا

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر سے مَنْ فِي النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ مراد ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہو نہیں سکتا کہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذات حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے جیسا آئینہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے تو ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کی تجلی نہیں تھی ورنہ اگر ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں) اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے لَنْ تَرَانِي کا ارشاد بھی پھر کوئی معنے نہ رکھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہ کا ظہور مراد ہے یعنی تجلی جو آگ کی صورت میں ہوئی یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی بلکہ لَنْ تَرَانِي الآیۃ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ پھر اس ظہور، تجلی کا کیا مفہوم ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی جو حضرات صوفیہ کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان کے لئے مشکل ہے۔ بقدر ضرورت تقریب الی الفہم کیلئے احقر نے اپنی کتاب احکام القرآن بزبان عربی سورۃ قصص میں اس کی کچھ تفصیل لکھی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کی ضرورت کی چیز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نُوْدِيَ ندا دی گئی نداء کے اندر قول کا معنی ہے یعنی پکار کر کہا گیا نُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ یعنی پاک ہے وہ جو آگ کے اندر جلوہ افروز ہے اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ۔ حضرت ابن عباسؓ و سعید بن جبیر اور حسن کی بھی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ آگ نہ تھی اللہ تبارک و تعالیٰ کا نور جلوہ افروز تھا موسیٰ نے اس کو آگ خیال کیا تھا اسی لئے لفظ نار (آگ) کہا تھا۔

سعید بن جبیر نے کہا وہ بعینہ آگ ہی تھی جو اللہ (کی ذات) کیلئے حجاب تھی جیسا کہ بعض روایات میں حجابہ النور کی بجائے حجابہ النار آیا ہے اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا دوسری آیت میں آیا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وہ صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ اللہ غمام کے سائبانوں میں ان کے پاس آ پہنچے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا نُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ میں مضاف محذوف ہے یعنی نورک من فی طلب النار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا نورک من فی مکان النار (مبارک ہے وہ جو آگ کے مقام پر ہے) بہرحال اس سے مراد حضرت موسیٰ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اللہ کی طرف سے موسیٰ کے لئے اس لفظ میں پیام برکت تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کی زبانی پیام برکت و رحمت دیا گیا تھا رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ اور فرشتوں نے کہا تھا۔

بعض نے کہا مَنْ فِي النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور مَنْ حَوْلَهَا سے مراد موسیٰ جو نور موسیٰ نے دیکھا تھا اس کے اندر ملائکہ تسبیح تحمید اور تقدیس میں مشغول تھے اور موسیٰ آگ کے قریب تھے۔

بعض علماء نے کہا مَنْ حَوْلَهَا کا لفظ عام ہے وادی کے اندر جو کوئی تھا سب کو یہ لفظ شامل تھا اور ارض شام (جس کو مخزن انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی کہا گیا ہے) بھی اس میں داخل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے

مَنْ حَوْلَهَا کا ذکر کرنا موسیٰ کو ایک طرح کی بشارت اور اس امر کی پہلے سے خوشخبری ہے کہ تمہارا واقعہ بڑی عظمت والا ہوگا تمہاری برکتیں ارض شام میں پھیلیں گی ان تمام تاویلات پر سبحان اللہ رب العالمین سے دو باتیں مستفاد ہوں گی ایک تو توہم تشبیہ کی نفی ہو جائے گی دوسری بات یہ کہ آئندہ واقعہ موسیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفرین ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کو یہ ندا بطور سلام اور تحیہ اکرام تھی جس سے ان کا اعزاز اور اکرام اور ان کی تسلی مقصود تھی کہ اے موسیٰ گھبراؤ نہیں مبارک ہو تم کو اور ملائکہ حاضرین کو۔ جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو من جانب اللہ یہ کہا رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت۔ یہ فرشتوں کی طرف سے سلام اور تحیہ اکرام تھا اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کی قدرت کا جلوہ مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس سے اس طرح آیا ہے کہ وہ آگ در حقیقت آگ نہ تھی بلکہ وہ ایک نور تھا جو آگ کی صورت میں ظاہر ہوا اور اس روایت کی بنا پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ بابرکت ہے وہ ذات پاک جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور جس کا نور اس آگ میں ظاہر ہو رہا ہے یہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو اس آگ کے آئینے میں ظاہر ہو رہی تھی جیسے آنکھ کی پتلی میں آسمان کا جلوہ نظر آ جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ آنکھ میں آسمان سما گیا۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دیکھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی جو چمک رہی تھی اور وہ دنیا کی آگ نہ تھی بلکہ ایک نورانی اور غیبی آگ تھی جس میں نور الٰہی ظاہر ہو رہا تھا اور یہ ظاہری آگ نور الٰہی کا ایک حجاب اور ایک پردہ یا آئینہ تھی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے حجابہ النار اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ کا عین نہیں ہوتی اور نہ آئینہ اس کا عین ہوتا ہے آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل ظاہر کا ایک جلوہ ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ مَنْ فِي النَّارِ سے اللہ سبحانہ تعالیٰ مراد ہیں تو ممکن تھا کہ کسی نادان کو یہ وہم ہو کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان اور کسی چیز میں سمایا ہوا ہے تو آئندہ آیت سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا جس کا مطلب یہ ہے اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور مکان سے اور سمت سے اور جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک اور منزہ ہے اس آگ میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو آگ میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کسی آئینہ میں متجلی ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا اسی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے مگر اس میں سما نہیں سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸
اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا

اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے

یعنی مکان، جہت، جسم، صورت اور رنگ وغیرہ سمات حدوث سے اللہ کی ذات پاک ہے۔ آگ میں اس کی تجلی کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات پاک آگ میں حلول کر آئی؟ آفتاب عالمتاب قلعی دار آئینہ میں متجلی ہوتا ہے لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا؟

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹
اے موسیٰ وہ میں اللہ ہوں زبردست حکمتوں والا

یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ طٰہٰ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ
اور ڈال دے لاٹھی اپنی پھر سے دیکھا اس کو پھنپھناتے جیسے سانپ کی سنک

شاید ابتداء میں چوا ہوگا یا سرعت حرکت میں تشبیہ ہوگی اصغر جثہ میں نہیں۔

وَلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ
لوٹا پیٹھ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف

یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جناب موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں اپنا برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰
اے موسیٰ مت ڈر میں چوہوں میرے پاس نہیں ڈرتے رسول

پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا

یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر لاٹھی یا سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب میرا قرب مل جاتا ہے اور میری بارگاہ میں پیغمبر آ جاتے ہیں تو (حالت قرب میں) پھر کسی (خوفناک چیز سے نہیں ڈرتے)۔ یہ آخری جملہ عدم خوف کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر میرا پیام مخلوق کو پہنچاتے ہیں وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انا اخشاکم باللہ یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر سب سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا (کہ پیغمبروں کو بارگاہ الٰہی میں رسائی کے بعد مخلوق میں سے کسی کا خوف نہیں رہتا وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں)

یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اتنے مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کو مطلقاً کوئی خوف نہیں رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اپنا انجام برا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ ان کا انجام اور مآل کار برا ہوتا ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح حالت شان کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو حادثہ مخلوق کی جانب سے ہو اس میں تو نہ ڈرنا کمال ہے جیسے ابراہیم آتش نمرود سے نہیں ڈرے اور جو امر خالق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ہی کمال ہے کہ وہ فی الحقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آتا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دو موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی وہ سانپ بن گئی اور تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی اور حکم ملا اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کر کے نکالو وہ سفید بے داغ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور ہاتھ اندر سے گورا چمکیلا بے داغ نکلا اور حکم ملا یہ دونوں نشانیاں لے کر مع نو نشانیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں موسیٰ علیہ السلام گئے اور معجزات پیش کئے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ
مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی کی برائی کے پیچھے
فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
تو میں بخشنے والا مہربان ہوں

کوتاہی کے بعد توبہ و اصلاح

یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پہنچ کر خوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہیے جو کوئی زیادتی یا خطا و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں ان کو وہ معاف کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے

صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔ (معارف بستی اعظم)

بعض علماء کے نزدیک استثناء منقطع ہے کیونکہ پیغمبروں سے علم (گناہ) کا صدور ممکن نہیں (اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے) اس وقت الا کا معنی ہوگا لیکن (اور کلام بالکل علیحدہ ہوگا) مطلب اس طرح ہوگا۔ لیکن پیغمبروں کے علاوہ جس نے گناہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو تو اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دے گا لیکن ایسے شخص کو اللہ کے سوا دوسروں کا خوف ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ
اور ڈال دے ہاتھ اپنا اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر تہ کسی برائی سے
فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ
یہ دونوں مل کر نو نشانیاں لے کر جا فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ ہے لوگ نافرمان

تو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت الخ کے تحت میں دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ
پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا
اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے
فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ
سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا

قوم والوں کا انکار اور عذاب

یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کیلئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ

السلام ہیں اور جو نشانیاں وہ لا رہے ہیں یقیناً عدالتی نشان ہیں۔ جادو، شعبدہ اور نظر بندی نہیں مگر تعصب بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچائی کا انکار کر رہے تھے، پھر کیا ہوا چند روز عدیتہ لگ گیا کہ ایسے ہٹ دھرم مفسدوں کا انجام کیسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا

اور ہم نے دیا ۱۰ اور سلیمان دونوں کو علم

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے علوم:

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادے ہیں باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا خاص حصہ عطا فرمایا۔ شرائع و احکام اور اصول سیاست و حکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر ہے کہ اس سے مراد علوم انبیاء ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق ہوتے ہیں اس کے علاوہ میں دوسرے علوم و فنون بھی شامل ہوں تو بعید نہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی گئی تھی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام دونوں انبیاء میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ ان کو حکومت و سیاست کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ کے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمت علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے۔ (قرطبی) (معارف ملتقی ہفتم)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

اور بولے شکر اللہ کا جس نے ہم کو بزرگی دی

نعمتوں کا شکر:

حق تعالیٰ نے جو علم داؤد و سلیمان علیہم السلام کو دیا تھا اس کا اثر یہ تھا کہ حق تعالیٰ کے انعامات کا شکر ادا کرتے تھے کسی نعمت الٰہی پر شکر ادا کرنا اصل نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ جو نعمتیں دے اور ان پر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی ان نعمتوں سے بہت افضل ہے۔ دیکھو خود کتاب اللہ میں یہ کلمہ موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت لکھ کر لکھا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت کیا؟۔ (ابن کثیر)

علم کی فضیلت

آیت بتا رہی ہے کہ علم بڑی فضیلت ہے باعث شرف ہے اور عالم کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہے۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور انبیاء نے کوئی دینار و درہم اپنی میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی پس جس نے اس میراث کو لیا (وہ بڑا خوش نصیب ہے) اس نے بڑی میراث پائی رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری رواہ الترمذی عن ابی امامۃ الباہلی۔

آیت میں نعمت علم کا شکر ادا کرنے کی ترتیب ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ ادنیٰ کو خواہ بڑے لوگوں پر فضیلت حاصل ہو پھر بھی اس کو تواضع کرنا چاہیے اور یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس پر بھی بہت لوگوں کو بڑی حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ہر عالم سے اونچا عالم ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ

اپنے بہت سے بندوں ایمان والوں

بہت سے اس لئے کہا کہ بہت بندگان خدا کو ان پر فضیلت نہ ملی۔ باقی تمام مخلوق پر فضیلت ملی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اور وارث ہوا سلیمان داؤد کا

حضرت سلیمانؑ کے فضائل:

یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے ان کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ ملک عطا فرمایا جو ان سے قبل یا بعد کسی کو نہ ملا جن، ہوا اور پرندوں کو ان کے لئے مسخر فرما دیا۔ جیسا کہ سورۂ سبا میں آئیگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کے وارث حضرت سلیمانؑ ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ ملک، نبوت کی وراثت ہے اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمان ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں انبیاء کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ۔ وارث سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے

وراثت مال نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث، حضرت ابوالدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔

العلماء ورثة الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درهما ولکن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں لیکن انبیاء میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلبی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث ہے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمان کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، ان دلائل کے بعد طبری کی وہ روایت غلط ہو جائے گی جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے (روح)

حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے یعنی نبوت کے حکومت کے اور علم کے وارث ہوئے۔ قتادہ نے یہی تفسیر کی اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی دوسروں کو اپنا وارث بناتے ہیں۔ لیکن شیعہ فرقہ کا یہ استدلال بجائے فائدہ کے ان کو نقصان پہنچاتا ہے اگر سلیمان داؤد کے مال کے وارث ہوئے یہ صحیح مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤد کے جو دوسرے اٹھارہ بیٹے تھے ان کو باپ کے مال میں سے کچھ نہیں ملا سب کے وارث سلیمان ہو گئے وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئی دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع شراء اور ہبہ اور عاریت وغیرہ کے منتقل ہو جائے خواہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں اللہ نے فرمایا ہے وَاَوْرَثَهَا بَنِي اِسْرَآءِيْلَ ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو لانورث کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی (خواہ کتنا ہی عزیز اور قرابتدار ہو) کسی نبی کے مال کا وارث نہیں ہوتا بلکہ نبی کی وفات کے بعد اس کا مال وقف قرار پائے گا اور اللہ براہ راست اس کا مالک ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤد کو اللہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ نعمتیں سب حضرت سلیمان کو عطا فرما دیں بلکہ تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین یہ دونوں چیزیں زیادہ عنایت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ
اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی

پرندوں کی بولیاں

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں ان میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اس کی بولی اور لب و لہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال و ضروریات کے وقت بھی ان کے جھنجھوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ و متعارف معلوم ہوں) ایسا لطیف و خفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات و اصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرار کی تقریر انہی تاروں کی کھٹکھٹاہٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ کیونکہ وہ ان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ علی ہذا القیاس کیا بعید ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی و مطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنے بنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی ان کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جا رہی ہے قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی

تسبیح وتحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوۃ وتسبیح سے واقف ہے احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات عنصریہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں نہ نشین کر دی گئی ہے۔ پس ان کی تسبیح وتحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کر دیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو انحاذ و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو انحاذ و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زالعین نے عجیب طرح کی رکیک اور لچر تحریفات شروع کر دی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں کے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا ان کو سمجھ لینا یہ سب باتیں ان کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جس پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کر سکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ لاکھوں محققین اور علمائے سلف وخلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی کچی لغو اور مذہبی اطلان ماتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تکذیب بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو تر وکر کے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال اُن باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہو سکتی ہے، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آتی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اُس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایات کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر مثانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یا رسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظمؓ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا میں خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا۔ اور حضرت ساریہ کا میدان کا رزار میں حضرت عمرؓ کی آواز سننا۔ روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مار کر اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف جاری کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے رمین فوراً ساکن ہو گئی اور دوپائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک رقعہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے دوپائے نیل خشک ہو گیا تھا حضرت عمر کا یہ رقعہ ڈالتے ہی جاری ہو گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبر آنہ ہو

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا الخ، حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب بڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃ اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبر وتعلی کے لئے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مختلف پرندوں کی نصیحتیں

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت کعبؒ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لئے کھو اور ویران ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ قمری (باز اور شکرہ کی طرح شکاری پرندہ) نے آواز دی تو پوچھا تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگار اللہ سے معافی کی درخواست کرو جیسا (ایک قسم کا مرغ) چیخا تو پوچھا تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر نیا پرانا فرسودہ ہو گا۔ خطاف (ابابیل کی قسم کا پرندہ جس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور بہت تیز اڑتا ہے) چیخا تو پوچھا کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔ کبوتری نے آواز دی تو فرمایا یہ کیا کہہ رہی ہے تم کو معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا کوا عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو مدد دیتا ہے اور جبیں کہتی ہے سوائے اللہ کے ہر چیز کو فنا

ہے۔ اور فسطا کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا۔ اور طوطا کہتا ہے تباہی ہے اس کے لئے جس کا مقصد دنیا ہی ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور پاکی بیان کرو اور شاکر و اور مینڈکی کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا سمندر بان پہ ہے۔

قبول سے کہ سلیمان کے پاس ایک تیتر پہنچا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے الرحمن علی العرش استوی (رحمن عرش پر متمکن ہے) فرقد تنکی کا بیان ہے ایک طیلسان درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمان کا ادھر سے گزر ہوا فرمایا جانتے ہو یہ کیا عمل کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے میں نے آدھا چھوارا کھایا پس یا پورا لادم ہے کہ اس کو بڑھا کر پورا کر دے۔

حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ تا دیں گے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھ سکتے ہو عمد کے لئے نہیں پوچھ سکتے یہودیوں نے پوچھا بتایئے چنڈول (ایک خوش آواز چڑیا) اپنے گانے میں کیا کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں کیا مانگ میں کیا کہتا ہے اور گدھا اپنے ریکنے میں کیا کہتا ہے اور لکڑا اپنی ہنہناہٹ میں کیا کہتا ہے اور زرزور اور تیتر کیا کہتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا چنڈول کہتا ہے اے اللہ محمد اور آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور صرغ کہتا ہے غافلو اللہ کی یاد کرو اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کنڈوں میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے اے اللہ عشر (ناجائز ٹیکس) وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ لکڑا جب معرکہ میں صفوں مقابلہ پر ہوتا ہے تو کہتا ہے سبوح قدوس رب الملائکہ والروح۔ پاک اور مقدس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب۔ زرزور کہتا ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے ارحمن علی العرش استوی۔ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد ماجد سے اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے اے آدم کے بیٹے جی لے جب تک چاہے آخر موت سے عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے اے اللہ آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور حطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اور الصالبین کو ایسا کھینچا ہے جیسے قاری کھینچتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق۔

میں کہتا ہوں کہ چاروں کی آوازوں کی توضیح حضرت عبدؓ سے منقول ہے اور جو تخصیص محل اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے اس سب کا تعلق ممکن سے ہے کہ کسی کی آواز سے ہو (حضرت سلیمان کے سامنے کسی وقت جانوروں طرح بولے ہوں) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور اب بھی بولتے ہیں تو یہی تحقیق کہتے ہیں۔ اللہ نے اس سورت میں حمد اور چیونٹی کا کلام نقل بیان اس کا تعلق توضیح آمدہ واقعہ کے ساتھ تھا۔ البتہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں جو کچھ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ بیشک بتا رہا ہے کہ یہ جانور ہمیشہ ان الفاظ کہتے ہیں اگر یہ روایت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو ان کی تاویل کرنی صحیح ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حضرت داؤد کی وفات

مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حضرت داؤد بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ گھر سے باہر جاتے تو دروازے بند کرتے جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ اسی طرح باہر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بیوی صاحبہ نے نظر اٹھائی تو دیکھتی ہیں کہ گھر کے بیچوں بیچ ایک صاحب کھڑے ہیں۔ حیران ہو گئیں۔ اور دوسروں کو دکھایا آپس میں سب کہنے لگیں یہ کہاں سے آ گئے؟ دروازے بند ہیں یہ داخل ہوئے خدا کی قسم حضرت داؤد کے سامنے ہماری سخت رسوائی ہوگی۔ اتنے میں حضرت داؤد بھی آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انہیں کھڑا دیکھا اور دریافت کیا کہ تم کون سو اس نے جواب دیا وہ جسے کوئی روک اور دربار روک نہ سکے، وہ جو کسی بڑے سے بڑے کی مطلق پروا نہ کرے، حضرت داؤد سمجھ گئے اور فرمانے لگے مرحبا وہ مرحبا ہو آپ ملک الموت ہیں۔ اسی وقت ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا اور آپ پر دھوپ آ گئی تو حضرت سلیمان نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی گہری چھاؤں کر دی کہ زمین پر اندھیرا سا چھا گیا۔

ایک اللہ والے کا عجیب قصہ۔

حضرت عبداللہ بردی ایک ولی اللہ شخص تھے پیر اور جمعرات کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ اسی سال کی عمر تھی ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان نامی زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے ان کے بتانے سے انکار کر دیا۔ یہ بھی پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ آ کر فرمایا سن لو! وہ خرما ساتی میرے پاس برزہ میں جو

دمشق کے پاس ایک شہر ہے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں سے گیا انہوں نے آنکھیاں نکالیں، بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ماتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی، میں نے ان سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا، میں نے ان سے منت سماجت کی بمشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اچھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور پھینک دی۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں پٹک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا فیدہ بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا، یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) (تفسیر ابن کثیر)

وَاُوْتِيَنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے

یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

غلطا اور اوتینا جمع متکلم کے صیغے ہیں حضرت سلیمان نے اپنے ساتھ حضرت داؤد کو شامل کر کے جمع متکلم کے صیغے استعمال کئے۔ یا حضرت سلیمان نے اپنے متبعین کو شامل کر کے یہ لفظ کہے۔ کیونکہ آپ کے متبعین کو آپ کی وساطت سے وہ علم اور وہ انعام ملا جو اللہ نے آپکو عطا فرمایا تھا۔ یا اصول سیاست کو پیش نظر رکھ کر حضرت سلیمان نے شاہانہ الفاظ استعمال کئے بادشاہ اپنے کو ہم کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کل شئی سے دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے مقاتل نے کہا نبوت حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ
بیشک یہی ہے فضیلت صریح اور جمع کئے گئے سلیمان کے واسطے لشکر
مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝
جن اور انس اور اڑتے جانور پھر ان کی جماعتیں بانٹی جاتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر

یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن انس طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور ان کی جماعتوں میں خاص نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً اگلی جماعتیں تیز چل کر یا ڈکر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے مقام اور ڈیوٹی کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمان نے یہ بات اداے شکر کے طور پر کہی اظہار فخر کے لئے نہیں کہی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) فخر (کے طور پر) نہیں ہے اور قیامت کے دن آدم کے سوا سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی حوبات فرمائی وہ اس حکم کی تعمیل کے طور پر تھی جو آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی حکومت:

لغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن و انس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہیں کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لئے ۲۵ فرسخ پرندوں کے لئے اور ۲۵ فرسخ وحشی جانوروں کے لئے سلیمانؑ کے ایک ہزار گھر تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے تین سو منکوحہ بیبیاں تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمانؑ کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک رود) جو آپ کہیں جا رہے تھے اور آسمان و زمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لا کر تم کو پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان سے گزرے

چیونٹیوں کی وادی پر گذر

یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے میدان کی طرف گزر ہوا جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔ (تسہیل) جہاں چیونٹیاں مل کر خاص سلیقہ سے اپنا گھر بناتی ہیں اسے، مان عرب میں قریہ النمل کہتے ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف بلاد میں تین ایسی وادیوں کا پتہ بتلایا ہے جہاں چیونٹیوں کی بستیاں کثرت تھیں ان میں سے کسی ایک پر حسب اتفاق حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر ہوا۔ (ابن جریر)

حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات

وہب بن منبہ نے جو قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان جب تخت پر سوار ہوتے تو لاکھوں وعیال دار لوگوں چار لاکھوں لوہار اور بڑھئی ان کے ساتھ ہوتے تھے سائبان رکھتے کے بانس اور ٹیاں پائے کی آہنی اور چوبی ہوتے تھے اتنی بڑی بڑی ٹوپلیں بھی ہوتی تھیں کہ ایک ویگ میں اس اٹھوں کا گشت آ جائے چوپایوں کیلئے میدان بھی اپنے ساتھ لئے ہوتے تھے اور یہ میں آسمان وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں دوڑتے تھے اور پرندے اور دونوں پائے میں مشغول رہتے تھے ہوا اس سب کو لے کر چلتی تھی۔

مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمان کا گذر

ایک بار اضطرار سے یمن جاتے میں مدینہ شریف سے اور یہ سے بھی گزرے اور فرمایا یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے خوشخبری ہے اس کے لئے جو اس کے دیدار ایمان لائے اور خوشی ہے۔

ان کے لئے جس نے ان کا اتباع کیا۔ کعبہ کے اور سے گزرے تو کعبہ کو بروا عزت نظر آئے جن نبی یہ جانی جاتی تھی جب سلیمان کعبہ سے آگے بڑھ گئے تو کعبہ روتے لگا اللہ نے کعبہ کے پاس وحی بھیجی (اور دریافت فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے کعبہ نے کہا اے میرے رب مجھے اس بات نے رلایا کہ یہ تیرا نبی تھا اور تیرے دوستوں کی جماعت تھی یہ لوگ میری طرف سے گزرے اور میرے پاس نماز نہیں پڑھی جاتی تھی میرے آس پاس تھے چھوٹے پتھروں کی پوجا کی جاتی تھی اللہ نے وحی بھیجی تو نہ رو تجھ سے کے بعد میں تجھے سجدہ کرنے والے چہروں سے بھر دوں گا اور تیرے اندر حدید قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا کروں گا میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں تیرے اندر ان مخلوق سے ایسے لوگوں کو آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک فرض (یعنی فریضہ حج) مقرر فرمادوں گا (جس کو ادا کرنے کے لئے) وہ اطراف تیری سے تیرے پاس آئیں گے جتنی تیزی سے گھوڑے اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہیں وہ تیرے ایسے مشتاق ہوں گے جیسے اونٹنی اپنے چوتھے حرف اور بہتر ہونے والے اندھوں کی طرف اشتیاق رکھتا ہے (اونٹنی اپنے بچہ کے پاس اور بہتر ہونے اپنے اندھوں سے پاس بڑی بے تابی سے پہنچنا چاہتی ہے میں تجھے بتوں اور شیطانوں کے چنگاریوں سے پاک کر دوں گا۔ پھر سلیمان چلتے چلتے وادی مدینہ کی طرف سے گزرے وادی سدیدار کی طرف سے۔ وہاں آپ کا سرور وادی نمل پر وادی نمل کا یہی قول ہے کہ وادی نمل طائف میں تھی حتل اور قرق وہ وادی شام میں ایک زمین تھی جس لوگوں کا بسنا ہے کہ اس وادی میں جن رہتے تھے اور وہاں کی چیونٹیاں ان کی سواریاں تھیں قرق حیدری سے اس وادی کی چونٹیاں بھیڑوں کی طرح تھیں بعض نے کہا نجاتی اونٹ کے برابر تھیں مشہور یہ ہے کہ یہ بات کہنے والی ایک چھوٹی چیونٹی تھی۔ (تسہیل مصری)

قَالَتْ نَمْلَةٌ يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

چیونٹی کا اعلان

میں یہ ہے وہاں پر جو تم داخل ہیں ان میں محسن سے تمہیں میں پس جاؤ۔ حضرت تھانوی صاحب لکھتے ہیں چیونٹی کی آواز (آوازی) نہیں سنتا انہیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہوگئی یا ان کا مخبر ہوا۔

چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام

(تسہیل) علماء حیوانات سے سائنس داں تو تجربے کے بعد اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حقیر سی جانوروں حیات اجتماعی اور نظم سیاسی میں بہت ہی عجیب اور شعور تجربہ سے بہت قریب واقع ہوا ہے۔ آدمیوں کی طرح چیونٹیوں کے خاندان اور قبائل میں ان میں تعاون باہمی اور تقسیم عمل کا اصول اور نظام حکومت کے ادارات وضع انسانی سے مشابہ پاتے جاتے ہیں محققین یورپ نے مدتوں اس اطراف میں قیام کر کے جس چیونٹیوں کی ہستیاں تلاش کی ہیں بہت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ افسوس ان قیمتی فوائد میں ان کی تحقیقات کیں۔ محض مقام کی مناسبت سے دائرۃ المعارف المصریہ کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمتی داهم عدو قريه النمل احضت العملة وحرصت الجنود للقتال والقتال فحرج اولا واحد معيا للا سطلاع ثم يعود فحر اسرائ ويعد جيه

تخرج ثلاثة او اربعة نعمها عدد كثف من الحيوش مادية علمهم، علائم الحق فتلدغ كل ما صادفته ولا تفلت من تلدغه ولو قطعت اربا اربا فاذا انتهى القتال رجع الفعلة فاعادوا اشلاء ما بهدم يتخللها عدد من الحرد للحراسة لالفعل متذكرة حملوں میں بتلایا ہے کہ خطرہ کی آہٹ پا کر اول ایک چیونٹی باہر نکلتی اور واپس جا کر اپنی قوم کو اپنی معلومات سے آگاہ کرتی ہے۔ باقی سلیمان علیہ السلام کا پتہ لگا لینا اور سلیمان کا اس کی بات پر مطمئن ہو جانا بطریق حزم و احتیاط تھا۔ (تفسیر جواہر)

حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے

پرندوں اور چوپاؤں میں بھی عقل و شعور ہے اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ پرندے، چرندے اور تمام حیوانات میں بھی عقل و شعور کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے البتہ ان کی عقول اس درجہ میں کہ ان کو احکام شرع کا مکلف بنایا جاتا اور انسان اور جنات کو عقل و شعور کا وہ کامل درجہ عطا کیا ہے جس کی بنا پر وہ اللہ تعالیٰ کے مخاطب و مکلف اور ان پر عمل کرنے میں۔ امام شافعی نے فرمایا کہ چوتر سب پرندوں میں زیادہ عقلمند ہے ابن عطیہ نے فرمایا کہ چیونٹی زیادہ عقلمند جانوروں میں سے ہے اس کی قوت شامہ اتنی تیز ہے کہ دور دور سے اپنے قبضہ میں آنے والے اس کے دانہ کو سونگھ لیتی ہے۔ کذا قال مقاتل کیونکہ جہاں کہیں مخلوق بات کرتی تھی وہ بات حضرت سلیمان کے گوش زد کر دیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا

پس وہ مسکرا پڑا اس کی بات سے

حضرت سلیمان کا تعجب اور خوشی

اس چیونٹی کی بات سے تعجب ہوا اور فرط سرور و نشاط سے اوزع شکر کا جذبہ جوش میں آیا۔ (تفسیر خازن)

اس چیونٹی کو یقین تھا کہ نبی اور اس کے اصحاب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کر سکتے یہ چیونٹی رائفلوں سے زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرامؓ سے مدعیان ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے نبی کی آل و اولاد پر جان بوجھ کر ظلم کیا معصوم و بے گناہ حیوانات کو بھی اس ظالم سے کہ انہیں کرام اور ان کے اصحاب سے دیدہ دانستہ کسی پر ظلم اور زیادتی ممکن نہیں حضرت سلیمان نے وہ سے ان کی بات کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے مسکرانے لگے اور خوش ہونے کہ جانوروں کو بھی مجھ پر اطمینان ہے کہ میں اور میرے اصحاب ان پر ظلم نہیں کریں گے غیر جانوروں کی بولی سمجھنا یہ بھی حل شد۔ یہ ایک عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت کو دیکھ کر اور نعمتیں یاد آئیں تو نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے اور شکر اور مزید حاجت میں مشغول ہو گئے۔ (معارف کاندھلوی)

ممانعت سے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں لا اراک ھھنا میں تجھے یہاں نہ دیکھوں یعنی یہاں سے ٹھہرنا (یا پھرنہ آنا)۔

حضرت سلیمان اور ان کے لشکر کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ وہ ایسی حالت میں کہ ان کو یہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ اُمراں کو معلوم ہوتا تو وہ خود ہی مر کر نہیں روندیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمان اور آپ کے ساتھیوں کی طرف سے ممکن الوقوع فعل کی معذرت کا اظہار ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دانستہ یہ قصور تو ان سے سرزد نہ ہوگا۔

افسوس شیعہ فرقہ کو چیونٹی کی ہمراہی سمجھ نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی جانب سے قصداً اہل بیت و آلہ پر پہنچانے کے قائل ہیں۔

اہل معرفت کا قول

بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمان کے لشکر اور ان کے سازو سامان اور شان و شوکت کی سیر کرنے میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی غافل ہو جاؤ۔ خدا سے غفلت نہ ہو سکے گا۔ ایسا ہو جائے یہ بات سلیمان سے نہیں مل سکتی۔ کذا قال مقاتل کیونکہ جہاں کہیں مخلوق بات کرتی تھی وہ بات حضرت سلیمان کے گوش زد کر دیتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس سلیمان مسکراتے ہوئے ہنس پڑے یہاں کچھ کلام محذوف ہے اور اسی پر عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا سلیمان نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ لیا مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیقی چیونٹی اپنی اور اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے کیسے جانتی ہے ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

انبیاء کی ہنسی

ضاحکا یعنی حضرت سلیمان کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا انبیاء کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آ گیا ہو آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ
اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے
اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک
تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ
جو تو پسند کرے اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

توفیق شکر کی دعاء

یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، پس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمایئے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل صالح کیلئے قبولیت کی دعاء

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ یہاں رضا معنے قبول ہے، معنے یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دعا فرمائی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرے کہ اس کو قبول فرمائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے فضل ربی کی دعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہو جاؤں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ گزشتہ آیات میں فہم یوزعون کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ کما فی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفه وارتبطه لاینفلت عنی حتی لاانفک شاکرا لک انتهی (معارف کاندھلوی)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ
اور خبر لی ڈرتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہدہد کو
اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝
یا ہے وہ غائب

ہدہد کی غیر حاضری

کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہدہد ان میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا، یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمان مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے جانا یا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہدہد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہدہد کی نسبت نہایت معتبر ثبات سے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے کھنچوا ہوا ہے

محسوس کرے فوراً نکال لیتا ہے حتیٰ کہ کبھی کبھی ایک دو بالشت زمین کھودتا ہے تب وہاں سے کیچوا نکلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش و طیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اصول ہے رعایا کے ہر طبقہ کی نگرانی اور خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا کے طیور کا معائنہ فرمایا اور یہ دیکھا کہ ان میں کون حاضر ہے ان غیر حاضر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کے حالات سے باخبر رہنے کا اہتمام فرماتے تھے جو شخص غیر حاضر ہوتا اگر بیمار ہے تو عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے تیمارداری کرتے اور کسی تکلیف میں مبتلا ہے تو اس کے لئے تدبیر فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے

آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے اتنے باخبر رہتے تھے کہ ہدہد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، بلکہ خاص ہدہد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ زمرہ طیور میں کم تعداد اور کمزور ہے، اس لئے اپنی رعیت کے کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرمایا صحابہ کرامؓ میں حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس سنت انبیاء کو پوری طرح جاری کیا، راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے کہ سب لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں گرفتار پاتے اس کی امداد فرماتے تھے جس کے بہت سے واقعات ان کی سیرت میں مذکور ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارہ پر کسی بھیڑیئے نے کسی بکری کے بچے کو پھاڑ ڈالا تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اصول جہانبانی و حکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کو عملاً جاری کر کے دکھلایا اور جس کے نتیجہ میں پوری مسلم و غیر مسلم رعایا امن و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور ان کے بعد زمین و آسمان نے ایسے عدل و انصاف اور عام رعایا کے امن و سکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

بَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ، سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں ہدہد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ

یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہدہد کو کیا ہو گیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اس لئے بدلا کہ ہدہد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا ایک انعام خاص تھا، ہدہد کی غیر حاضری پر ابتداء میں یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید میرے کسی قصور سے اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور کی یعنی ہدہد غائب ہو گیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب ان کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا امالهم تفقدوا اعمالهم

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔ اس ابتدائی محاسبہ نفس اور غور و فکر کے بعد فرمایا أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ اس جگہ حرف ام بمعنے بل ہے (قرطبی) معنے یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہدہد کے دیکھنے میں میری نظر نے خطاء کی بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہدہد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہدہد کی تفتیش کی کیا وجہ پیش آئی تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہدہد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصد حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہدہد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہدہد کی اس نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دے دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی نکالو وہ بڑی جلد کھود کر پانی نکال لیتے تھے۔ ہدہد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور پرندوں کو طلب کیا۔

یعنی پرندوں کے متعلق تفتیش کی اور ان کو طلب کیا۔ تفقد کا معنی ہے گم شدہ چیز کا ڈھونڈنا غرض پرندوں کی تفتیش کرنے کے بعد ہدہد کو غیر حاضر پایا۔ ہدہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان کسی منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لئے پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہدہد اوپر چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ ان کو زمین کے اندر کی چیزیں اسی طرح نظر آتی

تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا پھر دھات پہنچ کر زمین کو کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے، کذا اخرج ابن ابی شیبہ و عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس پر سوال اور اس کا جواب

سعید بن جبیر نے کہا جب حضرت ابن عباسؓ سے یہ فرمایا تو نافع بن ارزق نے کہا اے بیان کرنے والے دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہدہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیرا برا ہو جب تقدیری حکم سو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا و سری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جب قضا وقدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت سلیمانؑ ایک منزل پر اترے لوگوں نے پانی تلاش کیا کہیں نہیں ملا پانی کی ضرورت سخت تھی حضرت سلیمان نے ہدہد کو تلاش کرایا آپ کو خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا۔

فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ پس کہا مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دیتا یا (واقعی) وہ غیر حاضر ہے۔ اس جملہ کا عطف تفقد الطیر پر ہے یعنی سلیمان نے پرندوں کو سایہ فگن ہوتے کا حکم دیا لیکن دھوپ آپ کے تخت پر دکھائی دی اور پرندوں کی طرف تفتیشی نظر سے دیکھا تو ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ سلیمان کے لئے تمام لشکر فوجیں جتھے جمع کر دیئے گئے اور وہ ایک منزل پر اترے پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا تو ہدہد کو ملوایا ہدہد ملا تو فرمایا۔ مالی میں استفہام تعجبی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا
اس کو سزا دوں گا سخت سزا

مثلاً اس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام امتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (فرطبی)

بایں مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اسکو قید کروں گا۔ یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے حضرت سلیمان کے لئے (ہدہد کو) مذاب دینا جائز تھا۔ (تفسیر مظہری)

أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ
یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح

یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے

لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ یعنی اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا کو معاف کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ
پھر بہت دیر نہ کی تو کہا میں نے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیق

قوم سبا: حضرت سلیمان کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) گویا ہدہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرمایا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں موسیٰؑ کو دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا اُن کو ایک جزئی کی اطلاع ہدہد سے کی۔ (تفسیر عثمانی)

أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مارب بھی ہے اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے
کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے

ہدہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے

کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے، اور ہدہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سراہنے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمانؑ کے سامنے آ جائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کی جائے تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کا قتل منع فرما دیا، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد یعنی لٹورا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہدہد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ

غیر بعید یعنی لمبا توقف نہیں کیا تھا یا دراز مدت تک نہیں ٹھہرے تھے مطلب یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے خوف سے ہدہد جلد واپس آ گیا ہدہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اسی کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے جب تک مکہ میں رہے روزانہ پانچ ہزار اونٹنیاں پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی جن کے اوصاف یہ یہ ہوں گے برآمد ہوں گے ان کو مخالفین پر فتحیاب کیا جائے گا ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا نزدیک اور دور ان کے لئے برابر ہوگا اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے حاضرین نے پوچھا اے اللہ کے نبی ان کا دین کیا ہوگا فرمایا وہ دین توحید (دین حنیف یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے خوشی ہو اس کے لئے جو ان کو پالے اور ان پر ایمان لائے حاضرین نے دریافت کیا ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے حضرت سلیمان نے فرمایا ایک ہزار حاضرین کو چاہیے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمانؑ مکہ میں قیام پذیر رہے جب حج پورا کر لیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی صنعاء کی [illegible] اور سرسبز پایا آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تاکہ کھانے [illegible] سے فراغت حاصل کر لیں ہدہد نے سوچا کہ سلیمان تو اترنے میں لگے ہوئے ہیں اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھ لوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا ہدہد سبزے کی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا وہاں ایک اور ہدہد سے ملاقات ہوگئی ہدہد سلیمان اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہدہد سلیمان کا نام یعفور اور ہدہد یمن کا نام عنفیر تھا عنفیر نے یعفور سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے یعفور نے کہا میں اپنے مالک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں عنفیر نے پوچھا سلیمان کون ہے یعفور نے کہا وہ جن وانس اور شیطانوں وحشی جانوروں پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو عنفیر نے کہا اسی ملک کا باشندہ ہوں یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے عنفیر نے کہا یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے اس کے زیر حکم بارہ ہزار جنرل ہیں اور ہر جنرل کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو یعفور نے کہا مجھے یہ ڈر لگا ہوا ہے کہ نماز کے وقت سلیمان کو پانی کی ضرورت ہوگی اور مجھے تلاش کریں گے عنفیر نے کہا تمہارا مالک اس بات سے خوش ہوگا کہ تم اس کو اس ملکہ کی خبر بتاؤ گے یعفور نے عنفیر کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھا اور سلیمان کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا ادھر جب سلیمان اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا آپ نے جنات سے آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا لیکن کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے پرندوں کی تلاش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا پرندوں کے عریف (مانیٹر۔ سردار۔ ناظم) یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہدہد کے متعلق اس سے پوچھا گدھ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کو غصہ آ گیا اور فرمایا [illegible] پھر پروں کے سردار عقاب کو بلوایا اور حکم دیا ابھی ہدہد کو پکڑ لاؤ عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا کے ساتھ چسپاں ہو گیا وہاں سے اس کو یہ دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آئی پھر ادھر ادھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہدہد بھی آتا دکھائی دیا عقاب اس پر ٹوٹ پڑا ہدہد نے عقاب کو پر توڑ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق برا ہے ہدہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کے درپے نہ ہو عقاب ہدہد کی طرف سے پلٹ گیا کم بخت تو مرے اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے اس کے بعد دونوں نے حضرت

سلیمان کی طرف رخ کر دیا جب شکر تک پہنچا تو ہدہد اور دوسرے پرندوں سے جا ملا اور کہا کہ آج تو دن بھر کہاں غائب رہا اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ کہا تھا کہ ہدہد نے کہا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی پرندوں نے کہا ہاں یہ بھی فرمایا تھا لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ہدہد نے کہا پس تو میں عذاب سے بچ گیا پھر عقاب اور ہدہد اکر حضرت سلیمان کی خدمت میں پہنچا آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے عقاب نے کہا یا نبی اللہ میں اس کو لے آیا ہدہد نے سلیمان کو، کچھ راز اظہار حاجری کے طور پر اپنا سر اٹھایا وم اور دونوں بازو نیچے کو لٹکا دیئے اور زمین پر اس کو کھینچنے لگا جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا تو کہاں تھا میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا ہدہد نے کہا یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے میں نے یہ بات سن کر حضرت سلیمان لرز گئے اور ہدہد کو معاف کر دیا۔ پھر غیبہ حاضری کی ہدہد سے دریافت کی۔

کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے

فَقَالَ أَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ (کہ ہدہد آ گیا) اور اس نے کہا میں ایسی بات پوری پوری معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔

احاطۃ کسی چیز کا سب جہتی (پورا پورا) علم۔ اللہ کے سوا دوسروں نے علم کے لئے ان کا استعمال یا بطور مجاز ہے یا بطریق مساہلہ مطلب یہ ہے کہ مجھے ایک بات یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے تو آپ کے علم میں نہیں ہے ایک ہدہد کا ایک جلیل القدر نبی سے اس طرح خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی بعض وہ باتیں معلوم نہیں جو سلیمان کو بھی نہ تھیں اس میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے بلکہ سمجھ لینا چاہئے کہ میرا علم بہت ہی ناقص ہے اس سے شیعہ فرقہ کا اس عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ امام سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور اس کے زمانہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ اور بڑھ کر عالم نہیں ہوتا۔

سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے جس کا سنعاء سے فاصلہ تین میل ہے یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں سمت کو چلے گئے اور چار بائیں رخ کو یعنی چھ دائیں طرف جا آباد ہوئے یہ آبادی شام کے نام سے موسوم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ

میں نے یہ دیکھا عورت کو جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز سے ہر ایک چیز میں مال، اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ملکۃ سبا إِنِّي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی ان پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتلایا جاتا ہے (رواہ ابن جریر عن الطبرانی ابن احمد۔ قرطبی) اور ان کا دادا عمر بن ملک یمن کا ایک عظیم و شان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب ملوک اور بادشاہ ہے۔ ان کے والد شراحیل نے ایک حمیر عورت سے نکاح کر لیا تھا اسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ حمیر سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی میرا کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا کیونکہ نیچ کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک حمیر عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کھوٹے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو خود اس کی کھوٹی نہ اس کی جنس قوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے

احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے یہ ہے کہ کیا عورت حمیر کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل احکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی۔

عورت کی حکمرانی

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اسی لئے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی، یعنی ہمارے کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو

سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جا سکے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلقیس۔۔ پیدائش سے حکمرانی تک۔

ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباء و اجداد بادشاہ ہو گزرے تھے وہ خود چالیسواں تھا ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی ہمسران بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا اسی لئے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سواء بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا قوم دو فرقوں میں بٹ گئی یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر بھی درست درازی کرنے لگا لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا۔ مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کر لو گی اسی لئے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی بلقیس نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں تم میرے کفو اور شریف ہو اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام دیا لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہو گی بادشاہ نے کہا ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا بلقیس نے کہا ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا بلقیس جب وداع ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ لیا کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا اس کے بعد سب لوگوں نے بالاتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی والدہ

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے کہ اس کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرح تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔

بلقیس کا لاؤ و لشکر:

لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا۔ اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعا سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ (اس کا اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ علم۔ دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾
اور اس کا ایک تخت ہے بڑا

بلقیس کا تخت:

یعنی اس ملکہ کے بیٹھنے کا تخت ایسا مکلف و مرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا مفسرین ملکہ کا نام بلقیس لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ اور اس کا تخت عظیم ہے۔

یعنی حجم میں بڑا سونے کا بنا ہوا یاقوت سرخ زبرجد سبز اور موتیوں سے مرصع جس کے پائے یاقوت و زمرد کے تھے۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرہ کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ ابن ابی حاتم نے زبیر بن محمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ تخت سونے کا تھا جس کے دونوں پہلو یاقوت و زبرجد سے مرصع تھے اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھا بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے شرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے راجا پرجا سب آفتاب پرست تھے خدا کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

میں نے پایا اس کو اور اس کی قوم کو کہ سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور بھلے دکھلائے ہیں ان کو شیطان نے ان کے کام پھر روک دیا ہے

عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۲۴﴾

ان کو رستہ سے سو وہ نہیں راہ پاتے

قوم سبا کا شرک

یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے ان کی راہ ماروں، اور قبیح کاکہ رسوم واطوار کو اُن کی نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اسی لئے وہ راہ ہدایت نہیں پاتے۔ ہدہد سے یہ سن کر گویا سلیمان علیہ السلام کو اس قوم پر جہاد کرنے کی ترغیب دی۔ (تنبیہ)

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ

کیوں نہ سجدہ کریں اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی ہوئی چیز آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور زمین میں اور جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

جانوروں کی فطری معرفت

عالبا یہ ہدہد کے کلام کا تتمہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جانور اپنے خالق کی صحیح معرفت فطرۃً رکھتے ہیں۔ یا بطور خرق عادت اسی ہدہد کو اس طرح کی تفصیلی معرفت عطا کی گئی ہو۔ خدا جانے تو ایسی معرفت ایک حد تک تمام جانوروں میں پیدا کر دے۔ باقی جانوروں میں فطری طور پر اس قسم کی عقل و معرفت کا نہ ہونا جیسے حد تجربہ اری سے آثار و اسباب میں عدم تصور یا تصدیق سے قبیح ہے اس کو مستلزم نہیں کہ اس کی طرف انبیاء معبوث ہوں۔ چونکہ بیان معرفت کسی نہیں جبلی ہے۔ اور بعثت انبیاء کا تعلق سیاست سے ہوتا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ جس چیز میں ولی درجہ عقل و شعور کا نہ ہو وہ مکلف الٰہی ہو۔ مثلاً نابینا دقت نے بھی کو مکلف قرار نہیں دیا۔ حالانکہ قبل از طلوع اس میں نابینا دقت کا پتہ ہے اسی سے حیوانات کی عاقبت کا اندازہ لو۔ (تنبیہ) حضرت تھانوی صاحب لکھتے ہیں کہ ہدہد کی روزی ہے ریت سے کیڑے کاس کال کر کھانا۔ ندانہ کھائے نہ میوہ، ان کو اللہ کی اسی قدرت سے کام سے شاید اسی لئے مجروح الحب کا خاص طور پر کہا۔ واللہ اعلم۔ (تنبیہ ہلی)

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۶﴾

اللہ کے کوئی بندگی نہیں اس کے سوائے پروردگار تخت بڑے کا

یعنی اس کے عرش عظیم سے بلقیس کے تخت کو نسبت ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے

یعنی تیرے جھوٹ سچ کا امتحان کرتا ہوں۔ (تنبیہ ہلی)

حضرت سلیمانؑ کا خط

اس کے بعد ہدہد نے لوگوں کو پانی کا پتہ بتایا اور لوگوں نے گڑھے کھود کر پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ حضرت سلیمان نے ایک خط اس طرح لکھا۔ بندۂ خدا سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکہ سبا کے نام۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت پر چلے۔ اما بعد۔ مجھ پر فخر نہ کرو اور میرے پاس اطاعت گزار ہو کر آ جاؤ۔ ان جملوں کے کہا حضرت سلیمان نے صرف اتنے ہی الفاظ لکھے جتنے اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں قتادہ نے کہا انبیاء کی تحریریں ایسی ہی مختصر ہوتی ہیں وہ کلام لوگوں میں نہیں دیتے نہ زیادہ بات لکھتے ہیں۔ خط لکھ کر حضرت سلیمان نے اس پر مشک چھپاں کیا اور اس پر اپنی مہر لگا کر ہدہد کے حوالہ کیا اور فرمایا۔ (تنبیہ مفسرین)

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے ان کی طرف پھر ٹلے پاس سے ان

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر دیکھ وہ کیا جواب دیتے ہیں

قاصد شاہی کے آداب

یعنی سلیمان نے ایک خط لکھ کر ہدہد کے حوالہ کیا کہ ملکہ سبا کو پہنچا دے اور جواب لے کر آ۔ اور یہ بھی خط پہنچا کر وہاں سے ایک طرف ہٹ جانا۔ ایلچی قاصد کا یہی طریقہ آداب شاہانہ کے خلاف ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ تب آپ کہ جیسا لیکھن ہاں کا جاتا تو ہدہد خط لے گیا بلقیس تمام اکیلی سوتی تھی۔ دروازہ میں سے جو ان کے سینہ رکھ دیا۔ (موضح)

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے

وقت بھیجنے خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے نام خط بھیجنے کو

اس پر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ عام معاملات میں تحریر وخط قابل اعتبار شہادت ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے صرف اُن مواقع میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعیہ کی ضرورت ہے کیونکہ خط اور ٹیلیون وغیرہ کے ذریعہ شہادت نہیں لی جاسکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے آکر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل بھی دنیا کی کسی عدالت میں خط اور ٹیلیون پر شہادت لینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن کے پاس بھیجنا جائز ہے

دوسرا مسئلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس خط سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے

وَتَجِدُ يَا هُدْهُدُ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے روانہ ہوجائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

خط بلقیس کے پاس

حسب الحکم ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی ہدہد ملکہ کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب مقفل پائے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں عرض ہدہد (کسی طرح) بلقیس کے قریب پہنچ گیا بلقیس حیت لیٹی سو رہی تھی ہدہد نے خط اس کے سینہ پر رکھ دیا۔

کذا اخرج عبد بن حمید و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن قتادۃ

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کھڑا ہوا باڈی گارڈ سردار اور سپاہی موجود تھے ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے لوگ اس کو دیکھتے رہے آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے لگتا تھا جونہی ملکہ روشن دان (یا دریچہ) سے اس کی طرف بھیتی اور سورج نظر آتا تو اُس کو سجدہ کرتی تھی ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور دونوں بازو پھیلا کر روشندان کو بند کر دیا سورج حسب معمول اونچا ہوا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہ چلا جب دیر ہوگئی تو اٹھ کر سورج کو دیکھنے گئی ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا بلقیس پڑھی ہوئی تھی خط لے کر مہر دیکھی مہر دیکھتے ہی لرز گئی کیونکہ سلیمان کی حشومت (کا نقش) مہر میں موجود تھا سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے ہدہد خط پھینک کر جدھر پیچھے ہٹ گیا بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا یہ سردار بارہ ہزار تھے ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ بلقیس کے ساتھ ایک لاکھ اقیال تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی قیل کہتے نواب یا ذیشان خوشحال کے ماتحت سوتے ہے قادہ اور مقاتل نے کہا بلقیس کی مشورہ کمیٹی ۳۱۳ آدمیوں کی تھی ہر ممبر شوریٰ کے ماتحت دس دس ہزار سپاہی تھے سب آکر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۹﴾	
بولی	اے سردارو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ	
وہ خط ہے	سلیمان کی طرف سے

بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ

بلقیس نے خط پڑھ کر ایسے مشیروں اور درباریوں کو جمع کیا، کہنے لگی کہ میرے پاس یہ خط عجیب طریقہ سے پہنچا ہے جو ایک بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمان) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور اُن کی ہمہ گیر حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔ (تفسیر جلالین)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا

حضرت سلیمان علیہ السلام گو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں، جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان بھی جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افصل اور اشرف ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (روح)

خط نویسی کے چند آداب

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ قرآن کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز قلم جب کہا جاتا ہے جبکہ اُس پر مہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ وقتادہ

زبیرؓ وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے ان پر مہر ثبت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی، آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہوگئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

انہ من سلیمٰن وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط و کتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت و شنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکہ سبا (بلقیس) پورا کا پورا نقل فرمایا گیا، یہ ایک پیغمبر و رسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط و کتابت کے معاملے میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز

امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے لئے ملک اور سلطنت کی طمع کا کوئی شائبہ اور رائحہ بھی نہیں۔

نظم

اے نام تو بہترین سر آغاز — بے نام تو نامہ کے کنم آغاز

آرائش نامہا است نامت — آسائش سینہا کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شاہان عالم کی قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس لئے اس نے ارکان دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا:

سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں، مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عالم میں موجود ہیں ان سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبد اللہ و رسولہ) سے شروع فرمایا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، استاد و شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہیے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی کو ادب پر مقدم رکھ کر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے ان میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ روح المعانی میں بحر محیط کے حوالہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابل تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرامؓ جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علاء حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابو اللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ امت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی (روح المعانی، قرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ

الرحمن الرحیم لکھنا سنت انبیاء سے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے، اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم من سلیمان بن داود الی بلقیس ابنۃ ذی شرح وقومھا ان لاتعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کی آگاہی کے لئے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا، قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہو اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا، آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

آیت قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، ان میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی (عالمگیری کتاب الحظر والاباحۃ)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض نے کریم کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ خط پہنچنے کا واقعہ عجیب تھا بلقیس اپنے کمرہ کے اندر لیٹی ہوئی تھی دروازے سب مقفل تھے ہدہد روشن دان سے آ کر بلقیس کے سینہ پر خط ڈال گیا اور بلقیس کو پتہ بھی نہ چلا بعض نے کہا خط کی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ابتداء کی گئی تھی اس لئے اس کو کریم کہا۔

اس کے بعد بلقیس نے بتایا کہ یہ خط کہاں سے آیا۔ اور کہا

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ بلاشبہ یہ (خط یا عنوان) سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ
کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکمبردار ہو کر

خط کی جامعیت

ایسا مختصر، جامع اور پرعظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اس میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکمبردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ
کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ

میں طے نہیں کرتی کوئی کام تمہارے حاضر ہونے تک

یعنی مشورہ دو کیا جواب دیا جائے اور کیا کاروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدوں تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

فتیا اور فتویٰ کسی مشکل بات کا جواب یعنی جو معاملہ میرے سامنے ہے اس میں مجھے مشورہ دو۔

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو اور مجھے مشورہ نہ دو یا جب تک اس بات کے درست ہونے کی شہادت نہ دے دو۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ

وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ

اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

درباریوں کا مشورہ:

یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامان حرب کی کمی نہیں۔ نہ کسی بادشاہ سے دبنے کی ضرورت تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر حکم دے۔ ہماری گردن اس کے سامنے خم ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی صلاح لڑائی کرنے کی تھی مگر ملکہ نے اس میں تعمیل مناسب نہ سمجھی اور ایک بین بین صورت اختیار کی جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوَّةٍ یعنی لڑنے کی قوت بَاْسٍ شَدِيْدٍ یعنی لڑائی کے وقت سخت طاقتور تعدادی کثرت اور باس سے مراد ہے شدت شجاعت۔

بلقیس نے اہل دربار سے صلح یا جنگ دونوں کا مشورہ لیا تھا لڑائی صلح کے مقابلہ میں مشکل اور سخت کام ہے جنگ کی صورت میں اہل دربار نے تعمیل حکم کا اقرار کیا۔ برخلاف ان یہودیوں کے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یعنی ہم تو آگے نہیں جائیں گے۔ جب بلقیس کے حکم پر انہوں نے لڑنے کا اظہار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا اگر حکم ہوا تو ہم اس کی تعمیل بدرجۂ اولیٰ کریں گے آپ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

مَاذَا تَاْمُرِيْنَ میں ما استفہامیہ ہے اور پورا جملہ بتاویل مفرد ہو کر انظری کا مفعول ہے یعنی آپ خود دیکھ لیں اور سوچ لیں کہ دونوں میں کون سی چیز آپ کے لئے مفید ہے جنگ یا صلح۔ بہرحال ہم آپ کے فیصلہ پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اگر جنگ خواہی مرد آوریم — دل دشمناں را بدرد آوریم
وگر صلح جوئی ترا بندہ ایم — بتسلیم حکمت سرافگندہ ایم

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے ارکان دولت کا میلان جنگ کی طرف تھا مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ صلح اور جنگ کے بین بین ایک صورت اختیار کی۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا

کہنے لگی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ

اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور ایسا ہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں

اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ

ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر پھرتے ہیں بھیجے ہوئے

بلقیس کا فیصلہ

معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آ سکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے بتلایا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا کھیل نہیں۔ اگر وہ غالب آ گئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عام عادت کے موافق تمہارے شہروں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ان کی طاقت طبعی رجحانات، نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی دھمکیوں کی پشت پر کون سی قوت کارفرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحائف و ہدایا دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اس کے مناسب کاروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال خوبصورت آدمی، یا نادر سامان۔ سب قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ نے عام بادشاہوں کا عمومی ضابطہ بیان کر کے اول قوم کو مبہم طور پر جنگ سے ڈرایا پھر آخری فقرہ کہہ کے صراحت کر دی کہ ان لوگوں سے بھی مجھے یہی خطرہ ہے۔ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بادشاہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں ان کا دستور ہی یہی ہے۔ اس ترجمہ پر اس فقرہ کا

ارتباط سابق حملہ سے ہوگا اور یلحقون کی ضمیر ملوک کی طرف راجع ہوگی حضرت سلیمان اور آپ کے لشکر کی طرف راجع نہ ہوگی۔

یا یہ محتولہ اللہ کا ہے اندنے بلقیس کے قول کی تصدیق فرمادی کہ ہاں بادشاہوں کا یہی طریقہ عمل ہے۔ ملکہ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلقیس صلح کو مناسب خیال کرتی تھی۔

بلقیس کے تحائف۔

وانی مرسلۃ الیھم بھدیۃ فناظرۃ بم یرجع المرسلون اور میں ان کو ایک ہدیہ بھیجوں گی پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر آتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پاس سے کچھ تحفہ دے کر قاصدوں کو روانہ کروں گی۔ ہدیہ وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے۔ جیسے ملیدہ دی ہوئی چیز۔

بغوی نے لکھا ہے بلقیس ہدیہ بھیج کر حضرت سلیمان کی جانچ کرنی چاہتی تھی کہ یا بادشاہ ہیں یا نبی اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کرلیں گے اور لشکر کشی نہیں کریں گے اور نبی ہوں گے تو ہدیہ کو رد کردیں گے اور بغیر اتباع ایمانی کے راضی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد ہدیہ میں ملکہ نے کچھ غلام اور کچھ باندیاں بھیجیں حضرت ابن عباس نے فرمایا سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تاکہ (لڑکے اور لڑکی کی) شناخت نہ ہو سکے۔ مجاہد نے کہا دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا (سونے کی) اینٹ ریشم اور دیبا کے ساتھ بھیجی تھی بعض نے کہا سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا بلقیس نے پانسو لڑکے اور لڑکیاں بھیجیں لڑکیوں کو قبا میں اور لڑکوں کو کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں کو باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سنہری کنگن گلے میں سونے کے طوق کانوں میں بالیاں اور بالے جواہر سے مرصع پہنائے لڑکوں کو پانسو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانسو خچروں پر سوار کرایا ہر گھوڑے کی لگام سنہری جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگا رنگ، کے دیبا کے بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں اور موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا مشک وعنبر وعود بھی پھر ایک ڈبہ میں ملا سوراخ کیا سوا ایک قیمتی موتی اور نیڑھا کیا ہوا ایک چھوڑ رکھ کر بند کردیا۔

بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات:

اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا بلوا کر چھ دوسرے سمجھدار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور نمائندہ سے کہہ دیا کہ سلیمان سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں کو غلاموں سے الگ پہچان دیجئے اور بقیہ کھولے بتایئے کہ ڈبہ میں کیا ہے اور جب وہ بتادیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹیڑھ کردیجئے اور سوراخ دار پوتھ میں دھاگہ ڈال دیجئے لیکن کسی آدمی یا جن سے اس میں مدد نہ لیجئے غلاموں اور باندیوں کو یہ حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لہجہ اور باندیاں مردانہ لہجہ میں مردانہ بات کریں پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں تم ہرگز خوف زدہ نہ ہونا ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر کشادہ پیشانی اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہوگئے۔

حضرت سلیمان کے انتظامات:

ادھر ہدہد نے صدجا کر حضرت سلیمان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں حکم کی تعمیل کی گئی پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں بچھا دیں اور میدان کے گرد اگرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں پھر فرمایا خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے حاضرین نے عرض کیا یا نبی ہم نے خلاں سمندر میں کچھ جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ان کے دو یا رد گرد ن پر کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں فرمایا ابھی لے آؤ جنات تو فوراً لا کر حاضر کردیئے فرمایا میدان کے دائیں یا بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو پھر جنات کو حکم دیا اپنی اپنی اولاد کو لا کر میدان کے دائیں بائیں کھڑا کردو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان اپنے تخت پر رونق افروز ہوگئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوادیں اور دائیں بائیں فرسخوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیطانوں کو حکم دیا۔

بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری:

جب قاصد قریب پہنچ گئے اور سلیمان کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہوگئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھا لینے کی تہمت نہ لگائے۔ اس لئے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں پھر شیاطین کو دیکھ کر تو خوف زدہ ہوگئے اُن سے کہا گیا آگے بڑھو ڈرنے کی کوئی بات

کہیں تا حد نظر تمام جن وانس اور پرندوں درندوں اور چرندوں کی تکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمان کے سامنے جا کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی سے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا کیا بات ہے امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کر دیئے

آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا ڈ کہاں ہے امیر وفد نے پیش کر دیا آپ نے ڈبہ منگوایا اسے میں جو سیل آ گئے اور ڈبے کے اندر جو چیز تھی وہ بتا دی حضرت سلیمان نے فرمایا اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے۔ اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا سوا پوچھ ہے قاصد نے عرض کیا آپ نے صحیح فرمایا اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پوچھ میں دھاگہ پرو دیجئے حضرت سلیمان نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لئے خاموش رہے پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا ایک شیطان نے کہا لکڑی کے کیڑے کو بلوایئے حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ حسب منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا حضرت سلیمان نے فرمایا تو کیا انعام چاہتا ہے کیڑے نے عرض کیا میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے حضرت نے فرمایا تیرے لئے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا لڑکی برتن میں سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا برابر استرت برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی ماتھے کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا نکالتی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا لڑکی یونہی پانی دھارتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ یا چھانٹ ہوئے ہدیے واپس کر دیئے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ
پھر جب پہنچی سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری اعانت کرتے ہو مال سے
اللَّهُ خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ
سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو

حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کر دیئے

یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک، دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول

کافر کا ہدیہ قبول دینے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے قی ضرری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول ترنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر ذاتی، دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آ سے چر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ جس کفار کا ہدیہ قبول فرمایا ہے اس کا بدلہ دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبۃ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ میرا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس ہدیہ کو فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہوا اس نے کہا کہ نہیں آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر واپس فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور ایک صرافی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا، آپ نے قبول فرمالیا۔

شمس الائمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید تھی وہاں رد کر دیا اور جس کا ہدیہ قبول کرنے میں اسکے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا (عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس نے ہدیہ بھیجا ہی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ ان کے لئے ہدیہ لینا دینا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک سفیر کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا جواب

اللہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے (یعنی دین نبوت، حکمت، حکومت) وہ

اس سے افضل و بہتر ہے جو تم کو دیا ہے (میں اس ہدیہ کے لینے دینے سے خوش نہیں ہوتا) بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔

کیونکہ تم لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہو یہی تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس لئے ہدیہ لے کر مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہو اور ہدیے دے کر اپنے ہمسروں پر فخر کرنا چاہتے ہو یہ تم میری حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ پھر منذر بن عمرو سردار وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا
پھر جان کے پاس اب ہم پہنچیں گے ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ ہو سکے ان سے
وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝
اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

حملہ کی اطلاع

یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اور کسی پیمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمانؑ کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا رعب تھا جو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ذلت عزت کی ضد ہے اور حکومت کا زوال ذلت ہے اور صغار سے مراد ہے قیدی ہو جانا یعنی اگر وہ مسلمان ہو کر نہیں آئیں گے تو ہم ان کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے اور ان کو قیدی بنا لیا جائے گا۔

بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے ہاں حاضری کی تیاری

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب وفد میں حضرت سلیمانؑ کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا (اور واقعہ بیان کیا) تو بلقیس نے کہا واللہ میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کی ہم میں سکت نہیں۔ اس کے بعد بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس پیام بھیجا میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آ رہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تخت کو جو ہر تہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کر دیا سات محلوں کے اندر اس کو دکھوا دیا اور حفاظت کے لئے کچھ نگراں مقرر کر دیئے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگراں رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلاناً یمن کو یہ اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہو گئی ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت سلیمانؑ کا رعب

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ بڑے باوقار اور رعب داب کے آدمی تھے اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو (اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ) وہ حضرت پر بھی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا (اور کہہ دیتا کہ اللہ کے نبی کو ہی اس کا بخوبی علم ہے) ایک روز اپنے تخت حکومت پر باہر نکل کر تشریف فرما تھے کہ ایک عمارت قریب ہی اترتا نظر آیا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آ کر اتری ہے یہ مقام حضرت سلیمان کی مجلس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا حضرت سلیمانؑ نے یہ بات سن کر اپنے لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا
بولا اے سردارو تم میں کوئی ہے کہ لے آوے میرے پاس اسکا تخت
قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝
پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر

بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام:

قاصد نے واپس جا کر پیام جنگ پہنچا دیا بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں اس کی قوت حدائی زور سے ہے۔ جدال و قتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی حیلہ اور زور و دان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت و انقیاد کی غرض سے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہو گئی جب ملک شام کے قریب پہنچی حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کئی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قوت کا اظہار مقصود تھا۔ تاوہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں (تنبیہ) قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام و انقیاد سے پہلے حرفی کا مال مباح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمین کی قید اظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آ رہے تھے تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر اچانک آ جانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادت بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے موتب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور

ا ۔ تی ہوں امت ہی ، امت کے ذریعہ سے تو ولی کی کرامت بھی نبی کا معجزہ دنا ہے اور اگر بغیر کسی واسطے کے ہے تو پھر معجزہ ہو یا کرامت ہر حال میں خود پر یہ معجزہ اور ثبوت کی دلیل ہے لہذا مقصود یہ تھا کہ اندرونی کمالات کے ساتھ ساتھ یہ معجزہ کے کمالات بھی دیکھ لیں تاکہ ایمان واطمینان زیادہ ہو۔

بلقیس کی حاضری دربار سلیمانی میں

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس نے قاصد خود بھی مرعوب ومبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنا دیا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا ایسی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی ورسول سے ٹکرانا اللہ کا مقابلہ ہے ۔ جس کی ہم میں طاقت نہیں ، یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی ، بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب وجلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداء گفتگو کی جرات نہ کر سکتا تھا ۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا ، اے نبی اللہ ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا خاص معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا ، شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے حاضر ہو جائے تاکہ اس کے حاضرین تو جس حیرت بھی تھے خطاب فرما کر یہ تخت لانے کے لئے فرما دیا اور ان کے تمام اموال وولایت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی ۔ جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا ، اس کے بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعید پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہٗ کی ہی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ اختصاراً ابن جریر)

قولہ تعالیٰ : فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ ، فَسَلَّمَ کی تحقیق جس کے لغوی معنی مطیع وفرمانبردار کے ہیں ۔ اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباس اس نے لغوی معنی مراد ہیں یعنی مطیع وفرمانبردار کیونکہ ملکہ بلقیس کا اسلام لانا اس وقت ثابت نہیں بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے اور چند گفتگو کرنے کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم سے آگے والے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے ۔ (ابن کثیر ملخصاً)

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ
بولا ایک دیو جنوں میں سے میں لے آؤں وہ تخت تجھ پاس پہلے
أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ
تو سے اٹھے اپنی جگہ سے

ایک دیو کا دعویٰ

حضرت سلیمان کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک لگتا تھا ۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ کر جائیں ، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں ، مگر اس کے بعد کچھ عرصہ لگتا ۔ حضرت سلیمان اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے ۔ (تفسیر خازن)

وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ
اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر

زور آور ہوں یعنی اپنی قوت بازو سے بہت حد اٹھا کر لا سکتا ہوں ، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے ، معتبر ہوں ، یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا سونے چاندی کا اور لعل وجواہر جڑے تھے ۔ (تفسیر خازن)

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ (مرصع کاری کو) بدلنے کے بعد وہ اپنے تخت کو پہچان سکے گی یا نہیں ۔

مسلمان ہو کر آنے سے پہلے کی (حسب صوابدید مفسر) شرط اس لئے لگائی کہ مسلمان ہونے کے بعد تو بلقیس کی رضامندی کے بغیر اس کا تخت لینا حضرت سلیمان کے لئے حلال نہ تھا (اس فقیر مترجم کی نظر میں یہ توجیہ نامناسب ہے اس سے معصوم پیغمبر پر الزام عائد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان بلقیس کے تخت پر ہر حیلے اور بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضرت سلیمان کو اللہ نے سونے چاندی اور جواہر کے انبار عطا فرما دیئے تھے آپ کو کسی طرح کسی غیر مسلم کے مال کا لالچ نہیں ہو سکتا ۔ واللہ اعلم)

عفریت کا ترجمہ فحل کے نے کیا ضخیم فرا نے کہا سخت طاقتور اس قبیلہ سے کہا وہ جس کی تخلیقی ساخت مضبوط ہو اس کو عفریت کہتے ہیں اصل میں یہ لفظ عفر سے ماخوذ اور عصر مٹی کو کہتے ہیں ۔ عافرہ اس نے کشتی ٹوٹ کر اس کو مٹی

پڑ گرا دیا۔ بہر حال۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ
بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں
قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ
تیرے پاس اس پہلے سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ

آصف بن برخیا

راجح یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سماویہ کا عالم اور اللہ کے اسماء اور کلام کی تاثیر سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کسی طرف دیکھئے قبل اس کے آپ ادھر سے نگاہ ہٹائیں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر ائمہ تفسیر قتادہ وغیرہ سے ابن جریر نے نقل کیا ہے اور قرطبی نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ کوئی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتلایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا، اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے عطا کر دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت اس میں دیکھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو جس سے بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے۔ اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے۔ ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے اس واقعہ میں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ ان کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے رسول پیغمبر کے کمالات کا عکس اور انہی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے امت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیا تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرما لیتا تھا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف نے نماز کے بعد حضرت سلیمان سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے حضرت سلیمان نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا فرشتوں نے تخت اٹھا لیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لا کر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف

تصرف اصطلاح میں خیال و نظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لا دوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام ان کے قصد و اختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع کر دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت سیدی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی ہے جو احکام القرآن میں سورۂ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی، اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا۔ جس کا اردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔ (معارف ملتی اعظم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الٰہیہ کا عالم تھا اور اسماء الٰہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳ و روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دعا

فرمایئے آپ اگر اللہ سے دعاء کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمان نے دعاء کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا (دیکھو ابن کثیر ص ۷۵)

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی۔ کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز اور اکرام کا سبب بنے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔

(فائدہ) اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔ (حارث کاندھلوی)

آصف بن برخیا کی دعاء

بعض اہل روایت کا کہنا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی آصف نے کیا دعاء کی تھی مجاہد نے کہا یا ذا الجلال والا کرام کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے کلبی نے کہا یا حی یا قیوم تھا (یہی اسم اعظم ہے) حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ زہری کا قول مروی ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دعا کی تھی یا الٰھنا والٰہ کل شئ الٰھا واحدا لا الٰہ الا انت ایتنی بعرشھا اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا تخت لے آ۔

اللہ کے اسم اعظم کی بحث ہم نے سورۂ آل عمران کے شروع میں تفصیل کیساتھ لکھ دی ہے میرے نزدیک زہری کا قول قابل ترجیح ہے۔ (تیسیر مظہری)

فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي

پھر جب دیکھا اس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے

فضل الٰہی کا شکر

یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی، (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اظہار کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے پس جس کی قدرت سے سورج پلک میں کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مارب سے شام بیٹھا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

لِيَبْلُوَنِي ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ

میرے جانچے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہر وقت شکر گزاری کے لئے تیار رہتے تھے گویا یہ اعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا کے حکم کی تعمیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَبْلُوَنِي یعنی اس کا یہ فضل مجھ پر میری جانچ کرنے کے لئے ہے کہ میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور محض اس کی مہربانی سمجھتا ہوں اپنی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہیں قرار دیتا اور پھر اس عطیۂ خداوندی کا حق ادا کرتا ہوں۔ اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کا مستحق قرار دیتا ہوں یا اس کا حق ادا کرنے میں قصور کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ

اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو

رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ

میرا رب بے پروا ہے کرم والا

شکر گزاری کا نفع

یعنی شکر گزاری کا نفع شاکر ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفران نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ یہ بھی اس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بیحیا اور احمق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الشکر قید النعمہ الموجودۃ وصید النعمۃ المفقودۃ شکر موجودہ نعمت کو روک رکھتا ہے اور غیر موجود نعمت کا شکار کرتا ہے (یعنی زیادت نعمت کا ذریعہ ہے) شکر کرنے سے صاحب نعمت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے وہ حق واجب کر دیتا ہے اور اس کا درجہ عند اللہ اونچا ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھانے والا شکر ادا کرنے والا (یعنی کھا کر شکر ادا کرنے والا) صابر روزہ دار کی مثل ہے رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والحاکم بسند صحیح عن ابی ہریرۃ

امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کھانے والے (پھر اس کا) شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی اجر ہے جیسے صابر روزہ دار کا۔

غنی یعنی اس کے شکر سے بے پرواہ ہے کریم یعنی شاکر اور کافر سب کو دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ

کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا حکم دیکھیں سمجھ پاتی ہے یا ان لوگوں

مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۴۱﴾

میں ہوتی ہے جن کو سمجھ نہیں

تخت کے رنگ و روپ میں تبدیلی:

یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کر دو۔ اور اس کی وضع و ہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل و فہم کو آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمانؑ نے (بلقیس کی سمجھ کو جانچنے کے لئے) حکم دیا اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو صحیح پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار انہی لوگوں میں ہے جو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگا سکتے۔ نکروا یعنی تخت کو ایسا کر دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ (اس کو اپنا نہیں کوئی غیر تخت محسوس ہو۔ مترجم) روایت میں آیا ہے کہ حسب الحکم تخت کے نچلے حصہ کو بالائی اور بالائی حصہ کو نچلا کر دیا گیا۔ اور سرخ جواہر کی جگہ سبز جواہر جڑ دیئے گئے اور سبز کی جگہ سرخ۔

اتھتدی کیا وہ اپنے تخت کو شناخت کرنے کی راہ پالے گی (کسی طریقہ سے شناخت کر سکے گی)

تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت۔

سلیمانؑ نے ایسا کیوں کیا اس کے متعلق وہب بن منبہ اور کعبؓ وغیرہ کا بیان ہے کہ شیاطین کو یہ اندیشہ تھا کہ سلیمانؑ بلقیس سے عقد نہ کر لیں اگر ایسا کر لیا تو جنات کے سارے راز وہ سلیمانؑ سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی پھر اگر کوئی اولاد ہو گئی تو سلیمانؑ کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہ ہوگی اس لئے حضرت سلیمانؑ کو نفرت دلانے کے لئے شیاطین نے حضرت سلیمانؑ سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا اس کی عقل میں کچھ کمزوری ہے اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اسی اطلاع کی بنیاد پر حضرت سلیمان نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تاکہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لئے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ

پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے

بلقیس کی دانائی

نہ کہا ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آ گیا۔ اور فرق چونکہ معتد بہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے عینہ یہ وہی ہے اھکذا عرشک۔ یہ اشتباہی لفظ بلقیس کی عقل کی آزمائش کے لئے کیا گیا مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لئے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ میں ہی سوال کیا گیا تھا بعض نے کہا واقعی وہ پوری یقینی شناخت نہیں کر پائی تھی اس لئے نہ کھل کر اقرار کیا نہ انکار حضرت سلیمانؑ اس طرز کلام سے اس کی دانشمندی کو پہچان گئے۔ پھر اس سے کہا گیا واقعی یہ تخت آپ ہی کا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ سات دروازوں میں مقفل ہونے اور چوکیداروں کی حفاظت کرنے سے یہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر بلقیس نے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۴۲﴾

اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے، اور ہم ہو چکے حکم بردار

بلقیس کے یقین کا اظہار:

یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم و انقیاد کا رستہ اختیار کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دوسری نشانیوں سے ہم نے آپ کی نبوت کو جان لیا تھا ہدہد کا خط ڈالنا اور ہمارے تحفوں کو واپس کر دینا اور قاصدوں کے ذریعہ سے پیام بھیجنا بعض علماء نے کہا کہ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ، حضرت سلیمانؑ اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اس وقت اس کلام کی غرض ہوگی محض اللہ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کے شکر کا اظہار بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار

ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوائے
اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ
البتہ وہ تھی منکر لوگوں میں

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا:

یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا جس میں وہ معیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید و صحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی، ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا شیشہ کا صحن خانہ تیار کرنے کا حکم دیا جس کے نیچے پانی ہی پانی رکھا اور پانی میں مینڈکیاں اور طرح طرح کی مچھلیاں چھوڑ دیں پھر اس صحن کے شہ نشین میں اپنا تخت بچھوا دیا اور اس پر رونق افروز ہو گئے پرندے جنات اور انسان آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے بعض کا خیال ہے شیشہ کا ایک صحن تیار کرایا تھا جس کے نیچے مچھلیوں اور مینڈکیوں کی مورتیں رکھی تھیں دیکھنے والا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ غرض اس کے بعد بلقیس کو بلوایا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ
کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا
لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا
کہ وہ پانی ہے گہرا اور کھولیں اپنی پنڈلیاں

بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی۔

یعنی پانی میں گھسنے کے لئے پائنچے چڑھا لے جیسے عام قاعدہ ہے کہ پانی کی گہرائی پوری طرح پر معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے چڑھا لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹایا تاکہ میں داخل ہو جاؤں۔ ابن ابی شیبہ ابن المنذر عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کے نقل کردہ ایک طویل بیان میں کہا ہے کہ بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک قصر بنوایا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیئے اور اپنے تخت کو اس صحن کے شہ نشین پر بچھوا یا اور تخت پر تشریف فرما ہو گئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو رکا ہوا پانی خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا دیا تاکہ پانی میں گھس کر سلیمان کے پاس پہنچ جائے سلیمان نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دیکھائی دیئے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے سلیمان نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا

علماء نے اسی جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اگر اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینا ہو تو اس کو دیکھ لینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن (چہرہ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکے تو ایسا کر لے۔ رواہ ابو داؤد عن جابر وروی احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی عن مغیرۃ بن شعبۃ۔ حضرت مغیرہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا تو اس کو دیکھ لو تم دونوں کے آپس میں محبت پیدا کرنے کے لئے یہ بات مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ
کہا یہ تو ایک محل ہے چرے ہوئے ہیں اس میں شیشے

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی:

حضرت سلیمان علیہ السلام دیوانخانہ میں بیٹھے تھے۔ اس میں پتھروں کی جگہ شیشے کا فرش تھا۔ صاف شیشہ دور سے نظر آتا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو یعنی حوض کو شیشہ سے پاٹ دیا ہو۔ اس نے پانی میں گھسنے کے لئے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے پانی نہیں۔ اس کو اپنی عقل کا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہ ہی صحیح ہوگا۔ اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ جس سارہ سامان پر اس کی قوم کو ناز تھا، یہاں اس سے بڑھ کر سامان موجود ہے۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اس کو متنبہ فرما دیا کہ آفتاب و ستاروں کی چمک پر مفتون ہو کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر پانی گمان کر لے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ
بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم بردار ہوئی
مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
ساتھ سلیمان کے اللہ کے [illegible]

بلقیس کے اسلام کا اعلان:

یعنی اے پروردگار! میں تیری حکمبردار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک و کفر میں مبتلا رہی، اب اُس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح:

ابن عساکر نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہیں تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

علماء تفسیر و سیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرما لیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ والمشهور انه عليه السلام تزوجها و اليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسير روح المعاني ص۱۸۹ ج۱۹۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس سے نکاح کر لیا تو آپ کو بلقیس سے بڑی محبت ہو گئی اور یمن کی سلطنت پر اس کو برقرار رکھا۔ اور حضرت سلیمان کے حکم سے جنات نے یمن میں تین قلعے اتنے اونچے بنائے کہ ایسے اونچے اور خوبصورت قلعے کسی نے نہ دیکھے ہوں گے ان کے نام تھے سلحون سنون اور عمدان جب حضرت سلیمان نے بلقیس کو ان کے ملک میں واپس کر دیا تو ہر مہینے ملاقات کے لئے ایک بار جایا کرتے تھے اور تین روز وہاں قیام پذیر رہتے تھے صبح کو شام سے یمن کو چل دیتے تھے اور پھر صبح کو ہی یمن سے شام کو روانہ ہو جاتے تھے بلقیس کے بطن سے حضرت سلیمان کا ایک لڑکا بھی ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت سلیمان کو حکومت ملی تھی اور ۵۳ سال کی عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی "سبحان الله من لا زوال لملكه" پاک ہے وہ خدا جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں۔

لا ملک سلیمان ولا بلقیس — لا آدم فی الکون ولا ابلیس

والکل قصورة وانت المعنی — یا من هو للقلوب مقناطیس

نہ سلیمان کی حکومت (کوئی حقیقت رکھتی) ہے نہ بلقیس نہ آدم اس کائنات میں وجود (حقیقی) رکھتے ہیں نہ ابلیس اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی مقناطیس ہے تو ہی حقیقت ہے اور کل جہان صورت۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ایک بدگمانی

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی اور اس کو کنڈ سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہو گئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی
فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۵﴾
پھر وہ دو فرقے ہو کر لگے جھگڑے

قوم ثمود میں گروہ بندی۔

یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم ثمود کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ اعراف کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ الخ (اعراف۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ
کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو پہلے بھلائی سے
لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے شاید تم پر رحم ہو جاتے

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۰) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ اُلٹے بُرائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ بُرا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائیگی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ
بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو

قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام

یعنی جب سے تیرا تحوں قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع کی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ

ساتمہاری مری قسمت اللہ کے ہاں سے

یعنی یہ سختیاں یا برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝

بلکہ تم لوگ جانچے جاتے ہو

یعنی تمہاری شامت سے تم پر سختی پڑتی ہے۔ یہ نہیں سمجھتے دیوانے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ

اور تھے اس شہر میں نو شخص کہ فساد کرتے

فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ

ملک میں اور اصلاح نہ کرتے

قوم ثمود کے نو سردار

یہ شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور تباہی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا۔ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں، اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَلَّفَ نَفَرٌ مِّنْهُمْ بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ

وہ آپس میں قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم شب خون مار کر ہلاک کر دیں گے پھر جھوٹ موٹ

لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ

اس کے خون کے دعوے دار سے کہیں گے کہ ہم تو اس کا گھر بار ہلاک ہوتے وقت موجود نہ تھے

حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کا پروگرام

یعنی آپس میں معاہدے اور حلف ہوئے کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کر دیں، پھر ان کے خون کا دعویدار وارث تحقیق تفتیش کے لئے کھڑا ہو گا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو فلاں آدمی کو نہ مارا نہ مارتے کسی کو دیکھا اور ہم ایسے ان قول میں اس لئے سچے ہوں گے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہو گی۔

جھوٹ کی برائی:

اس میں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چیدہ و معتاز جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کام شرک و کفر اور قتل و غارت گری کے تھے ہیں اور کوئی فکر نہیں، مگر ان کو بھی یہ فکر لاحق ہوئی کہ ہم جھوٹ نہ بولیں یا جھوٹے قرار نہ دیے جائیں۔ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ جھوٹ ہمارا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافت نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابل غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو ابھی اہل صالح میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ ولی خاندانی اعتبار سے ولی ہو مگر کافر ہو کافروں کے ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین سے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دعویٰ اپنے نسبی تعلق کی بناء پر کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف و انتشار کا خطرہ ہو اس لئے اس کو چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

وہ لوگوں نے بڑا ایک فریب کیا اور ہم نے بڑا ایک فریب کیا ان کو خبر نہیں ہوئی

ان کا مکر تو وہ جھوٹی سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تا مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت و عذر باقی نہ رہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کر رہے

میں یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔ (تسہیل بیانی)

ان کا فساد اور ہلاکت

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات وہ صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالیں اور سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب خدا تعالیٰ ان تک پہنچ گیا اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا، اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو ہلاک کر دو اور اس کے ولی وارثوں اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ ملا دو۔ اس ارادے سے چلے راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ ان کے مشوروں میں اور جو جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے۔ دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں پیچھے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے لیکن ان کی قوم ہتھیار روک کر آ گئی اور کہنے لگی دیکھو اس سے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب خدا تعالیٰ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر جانے دو اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے خدا تعالیٰ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے حضرت صالح نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے خدا تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اڑا لو پھر خدا تعالیٰ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالح کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہر گئی کہ منہ بالکل بند ہو گیا سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ ندان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالح اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں خدا تعالیٰ کے عذابوں میں کھو دیں۔ انہوں نے مکر کیا ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے یہ ہیں ان کی بستیاں جو اجڑ پڑی ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارور رونق شہر تباہ کر دیئے گئے۔ ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں ہم نے ایماندار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مکروا مکرا یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خوں مار کر صالح کو قتل کر ڈالنے کا باہم مشورہ طے کر لیا۔ **ومکرنا مکرا** یعنی ہم نے بھی ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ گیف کان میں استفہام تعجبی ہے تعجب کے ساتھ ان کے انجام پر نظر کرو **انا دمرناھم** کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان نو آدمیوں کو ہلاک کس طرح کیا گیا اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے فرشتوں کو صالح علیہ السلام کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسائے پتھر تو ان کو دکھتے تھے اور پتھر مارنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ
پھر دیکھ لے کیسا ہوا انجام ان کے فریب کا کہ ہلاک کر ڈالا ہم نے ان کو
وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾
اور ان کی قوم کو سب کو

آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔

ان نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب کر دبے گا تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ملائک کیے جائیں گے ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور ان کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس

ناپاک مقصد کے لئے تیار ہو کر نکلے باقی کفار ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ آخر وہ عذاب سماوی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوْا

سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر دھنسے ہوئے بسبب ان کے انکار کے

قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر:

مکہ والے شام کا سفر کرتے تو راستہ پر وادی القریٰ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ

البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ

اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہے تھے

ایمان والے کامیاب ہوئے:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے ہم نے ان کو عذاب کی لپیٹ سے بچا دیا۔ خدا کی قدرت دیکھو مومن و کافر رلے ملے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چن چن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ

اور لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت:

یعنی دیکھتے ہو کیسا برا اور گندہ کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ کہ دیدہ دانستہ تم انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ بے حیائی کا کام تم ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے (بلا جھجک) کرتے ہو ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ایسے برے کام کرتے تھے۔

یا مطلب ہے کہ گزشتہ نافرمان قوموں کے نشانات و آثار تباہی تمہاری نظروں کے سامنے ہیں پھر بھی یہ حرکت کرتے ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر نیچا کر عورتوں کو چھوڑ کر

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ

کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو

یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے بڑے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم شہوت کے ساتھ مردوں پر چڑھتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اس کی وجہ کوئی نہیں) بلکہ (اس معاملہ میں تم بالکل جاہل لوگ ہو) محض جہالت کرتے ہو۔

یہ قوم لوط کی بدکاری کا بیان ہے کہ شہوت رانی کے لئے مردوں پر آتے ہیں عورتوں کو چھوڑ کر حالانکہ عورتیں اس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں آیت میں اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جماع کا اصل مقصد ہے طلب نسل محض تقاضاء شہوت پورا کرنا مقصود نہیں ہے (کہ جہاں چاہا بے محل اس عمل کو کر لیا)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ یعنی یہ حرکت اس شخص کی طرح کرتے ہو جو اس کی برائی سے ناواقف ہو یا سبک سر بے وقوف ہو جو اچھے برے کا امتیاز نہ رکھتا ہو۔ یا تم اس کے انجام سے ناواقف لوگ ہو۔

یہ آیات دلالت کر رہی ہیں کہ اشیاء کا حسن قبح (محض شرعی نہیں ہے بلکہ) واقعی اور نفس الامری چیز ہے اگرچہ بعض چیزوں کے اچھے برے ہونے کا علم شریعت پر موقوف ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ

پھر اور کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہتے تھے نکال دو لوط کے گھر کو

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ

اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے

قوم والوں کا جواب

یعنی اپنے کو بڑا پاک و صاف بنانا چاہتے ہیں۔ پھر ہم ناپاکوں میں ان کا کیا کام ہے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

مگر اس کی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اُن بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ دُھیر ہوگئی۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ

اور برسادیا ہم نے ان پر برساؤ پھر کیا بُرا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا

پتھروں کی بارش

یعنی آسمان سے پتھر برسائے اور شہر کا تختہ اُلٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحب مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا۔ ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کرسکیں گے وہ وہی بات ہوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح علیہ السلام پر شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے اُن کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہ ہی چاہ چکے لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، کتنے کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر مار لیں (کسی ایک کو خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ اُن کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہ ہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے نکلنا بتایا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اسی میں کام تمام کیا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ

تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اس کے بندوں پر جس کو اس نے پسند کیا

قصص سے فارغ ہو کر آگے "آمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" سے توحید کا بیان فرماتا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھلا دی۔ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے جو کمالات و احسانات اوپر مضمون قصص مذکور ہوئے ہیں ان پر پیغمبر کو حکم ہوا کہ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور شکر بجالائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے نصوں کا اوپر نام لیا گیا ہے سلام بھیجیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے پسندیدہ بندے اس آیت میں "الَّذِيْنَ اصْطَفٰى" کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے "وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ" اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (اخرجہ عبد بن حمید والدارمی وابن جریر وغیرھم)

اگر آیت میں "الَّذِيْنَ اصْطَفٰى" سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے انہیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورۂ احزاب میں آیت صلوا علیہ وسلموا کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے (کذا فی الروح) (معارف ملتقی الفکر)

بروایت امام مالک حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرامؓ ہیں سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کلبی نے کہا ساری امت محمدیہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے ساری امت کے لئے فرمایا ہے "ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا" بعض نے کہا گزشتہ اور آئندہ سب مومن مراد ہیں یا یہ مطلب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعا سلامتی کرو کیونکہ انبیاء اور ان کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب نور محمدی کی برکت سے ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب کے بعد۔ رواہ ابو سعد عن قتادۃ مرسلاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (اس وقت) نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدمؑ کے بدن میں روح بھی نہیں پڑی تھی) رواہ ابن سعد بسند صحیح عن میسرۃ بن سعد عن ابی الحمد عاء ورواہ الطبرانی عن ابن عباس (تفسیر مظہری)

آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ

بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

وعظ توحید یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ وتنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہ لاشریک لہ کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اُس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ اب یہ کیا ایسا مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ وقت ہو یا دیر لگے تاہم مزید تقریر و تنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون و صفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کی حماقت اس آیت میں درحقیقت مشرکوں کی حماقت اور سمجھ کی کا اظہار ہے جب انبیاء علیہ السلام اور ان کی امتوں کے قصے بیان کر دیئے

جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کو اپنے نیک بندوں کی عزت افزائی اور دشمنوں کو ذلیل رسوا کرنے کی قدرت کاملہ حاصل ہے اور کوئی اس کی قدرت سے سرتابی نہیں کر سکتا تو اب فرمایا کہ ایسا ہے قادر عبادت کے قابل اور مر کر خوف و رجا ہونے کا مستحق ہے یا وہ عاجز بے بس بت وغیرہ جو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نہ ضرر پہنچانے کی طاقت بلکہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ

بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا تمہارے

مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ

لئے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے

مَا كَانَ لَكُمْ أَن تُنۢبِتُوا شَجَرَهَآ

تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت

اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں

سرے سے درختوں کا اگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائے کہ اس کا پھول پھلنا اور بار آور کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کر دیا؟ تو بھی ان کا یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے۔ اور اس بات کا فیصلہ تو آسانی سے ہر عقلمند کر سکتا ہے کہ لائق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رازق ہے۔ اسی لئے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے کیا خدا کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں مخلوق کی روزی رسانی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے اور آیت میں فرمایا أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ الخ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں پھر تم خالق مخلوق کو کیسے ایک کر رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ءَإِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُوْنَ

اب کوئی اور حکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے ہٹتے ہیں

جو خالق ہے وہی معبود ہے

یعنی تمام دنیا جانتی ہے اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا، درخت اگانا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں ان کا اقرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اس کی الوہیت و معبودیت میں دوسرا کس طرح شریک ہو جائے گی۔ عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے سو وہ اسی کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور بااختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور بے انصافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اوتار: ہندوستان کے مشرک یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے رام اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون (معارف کاندھلوی)

أَمَّن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا

بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

زمین کا فرش کس نے بنایا:

یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اس پر زندگی بسر کرتے اور اس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ خِلٰلَهَآ أَنْهٰرًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ

اور بنا دیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ

نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے:

یعنی پہاڑ رکھ دیے تاکہ ٹھہری رہے، کانپے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا

اور رکھ دو دریاؤں میں پردہ

دریاؤں کا انتظام کس نے بنایا:

ان کی تحقیق قریب ہی سورۂ فرقان میں گزر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں سنتوں کو تھوڑا ہی تم سمجھتے ہیں

اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے

یعنی کوئی اور بااختیار ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بنا پر وہ معبود بننے کے لائق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور ناسمجھی سے شرک مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جارہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ

اللہ کون پہنچتے ہے کسی بیقرار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے تکلیف

مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے

یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار کی فریاد سن کر تکلیف کو دور کر دیتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ (الانعام۔ رکوع ۵)

گویا اسی نے دعا کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب مشیت الٰہی استجماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے اور علامہ طیبی وغیرہ نے کہا کہ آیہ میں مشرکین کو تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو اس واضح بیان کے وقت کیوں پاؤں نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ اضطرار (باب افتعال) ضرّ سے بنا ہے مضطر یعنی وہ شخص جو ایسے دکھ میں مبتلا ہو گیا ہو جس سے مجبور ہو کر بے قراری کے ساتھ دل اللہ کی طرف رخ کرتا اور اس سے پناہ کا خواستگار ہوتا ہو۔ المضطر میں الف لام جنسی ہے استغراق کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر دعا کرنے والے کی ہر دعا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اذا دعاہ یعنی اللہ اگر چاہتا ہے تو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مضطر کون ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔

الْمُضْطَرّ۔ اضطرار سے مشتق ہے کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے کو اضطرار کہا جاتا ہے اور وہ تبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو، اس لئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریادرس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سدی۔ ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ وغیرہ سے منقول ہے (قرطبی)

بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی دعاء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اللھم رحمتک ارجوفلا تکلنی الیٰ نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ لاالہ الا انت (ترجمہ) یا اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قرطبی)

مضطر کی دعا اخلاص کی بناء پر ضرور قبول ہوتی ہے

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لے لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرما دیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے مزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندے سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تین دعائیں ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعا میں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دعا دوسرے مسافر کی دعا، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اس طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کو کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی)

دُعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو کبھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے اخلاص اور توجہ الی اللہ میں کمی کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک بے کس و مجبور کا عجیب واقعہ

ایک بہت سی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکرؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا، میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا، ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا اس راہ چلو میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں سیدھی راہ یہی ہے اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے سے اسی راہ چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق و دق بیابان میں ہم آ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا، میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا۔ اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے، اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا، اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی هَلْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے کسی بے کسی کو سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ گھسیڑ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا، وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے پاک موزی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور بالحاح کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے میں نے خدا کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس لوٹا، رحمہ اللہ۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست کھائی اور واپس لوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے یہ بھی تھے، ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اٹھایا آخر عاجز آ کر اس نے کہا کیا بات ہے تو اڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو خدا تعالیٰ نے زبان دی، اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے وہ اس میں سے چرا لیتا تھا مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ خدا کے اس نیک بندے نے کہا اب تو چل میں خدا کو بیچ میں رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود ہی میں کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے ان کے پاس دور دور سے آنے لگے۔ شاہ روم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بلا لے بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچائے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا یہاں آ کر ان سے ملا اپنا اسلام ظاہر کیا توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا، یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا۔ یہاں سے انہیں حل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعۃً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا، ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص سے

تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا ہے میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچالے۔ وہیں جنگل سے دو درندے بھاگتے ہوئے آتے دکھائی دیئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندہ خدا با امن و امان وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آئے، رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ

اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر

قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟

یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لیتا اور اُس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ اور تم کو زمین کے وارث بناتا ہے یعنی اسلاف کے جانشین اخلاف ہوتے ہیں زمین کے وارث بنانے کا مطلب ہے زمین پر رہنے زمین میں تصرف کرنے یا زمین پر تسلط جمانے کا اختیار دینا۔ بعض اہل علم نے کہا انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے زمین پر تم میں سے کچھ آدمیوں کو اپنا نائب بنایا یہی مضمون آیت انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو

غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟

یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے

جنگل و دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے:

یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلا واسطہ یا بواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہترین یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے۔

معنوی ستارے

یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

غم مخور زآنرا کہ غمخوارت منم وز ہمہ برہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بردارند روئی ایں جہان و آں جہاں یارت منم

معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے پہلے

ہوا و بارش کون بھیجتا ہے

یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں

یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے

یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اُس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا

ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین بعث بعد الموت بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

(پہلی تخلیق تو مسلمہ تھی لیکن) قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے کے کفار منکر تھے پر عقلاً اعادہ تخلیق ناممکن نہیں۔ اور نقلی دلائل سے وجوب اعادہ ثابت ہے نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے اس لئے دوبارہ تخلیق بھی ناقابل شک ہے اور یہ یقینی ہے کہ اللہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور وہ روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے

آسمان و زمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے

یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تو کہہ لاؤ اپنی سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر تم سچے ہو

تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟

یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو کوئی دلیل تم اپنے دعوائے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (مومنون۔ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ

اللہ کے معبود ہونے پر ایک دوسری طرح کی دلیل

اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا یعنی جب وہ ان صفات و شئون میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے استدلال کیا جا رہا ہے یعنی معبود وہ ہوگا۔ جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل و محیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اس کی ذات ہوئی۔

علم غیب کا مسئلہ

(تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۃ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلاں یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم الغیب بذات الباری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لئے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کئے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت ناروا اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ الفاظ کہنا انی اکرہ الحق واحب الفتنۃ وافر من الرحمۃ (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے۔ حالانکہ باعتبار نیت و مراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلاں عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن و دلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لئے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۂ انعام و اعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی و رسول بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے والارض یعنی جن و انس جن میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ الغیب غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس (ظاہری و باطنی) کی رسائی سے باہر ہو یعنی حسی نہ ہو اور نہ اس کے ثبوت پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو (یعنی نظری ہونا قابل استدلال غیر ممکن الفکر مترجم) الا اللہ یعنی صرف اللہ ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ملائکہ اور جن و انس کے لئے ناممکن الحصول ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بعض غیب کی باتیں اپنے بندوں کو بتا دے اس طرح اللہ کی عطا و موہبت سے کچھ غیبی باتیں بندوں کو بھی معلوم ہو جائیں الا اللہ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ پہلے سے داخل نہ تھا اللہ کے لئے نہ آسمان مکان بن سکتا ہے نہ زمین اللہ مراستقرار و تمکن سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کل کی بات جانتے تھے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مارکسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے ہر ستارے کے وقت کوئی کالا گورا ٹھگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پر مدے غیب حاصل ہو سکے نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ سنو خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا وقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ قتادہؒ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پُر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾

اور اُن کو خبر نہیں کب جی اٹھیں گے

قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں

یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدا کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ۔ اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ان کا حشر کب ہو گا کیونکہ وقت حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہو سکے اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری قابل استدلال ہے اس لئے کسی آسمانی زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا تعیینی علم ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ کسی کو بتا دے تو معلوم ہونا ممکن ہے مگر اللہ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ ادَّارَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ اُن کو

فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُم مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾

شبہ ہے اس میں بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں

کم عقلوں کا انکارِ قیامت!

یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک اُن کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ اُن دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کر لیں جن میں غور وتامل کرتے تو شک رفع ہو سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا

اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے

أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا

کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو

مِن قَبْلُ ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾

پہلے سے کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں اگلوں کی

منکروں کی دلیل

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے اُن ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اُس کو سزا ملی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٦٩﴾

ہوا انجام کار گنہگاروں کا

قیامِ قیامت کی دلیل

یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ اسی پر قیاس کر لو کہ بعث بعد الموت اور عذاب آخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہو کر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی

ب سزا نہیں کہ اُس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہو گی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہ ہی تکذیب رہی تو کفر ہمیں کا جو انجام دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منکروں کو دھمکی۔

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ مجرموں کا انجام کیسا (برا) ہوا۔

یہ دھمکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو کہ دیکھو تکذیب انبیاء کا نتیجہ کتنا برا نکلا۔ اس سے تم کو بھی ڈرنا چاہئے کہ تکذیب کا جو خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا ہم کو بھی تکذیب رسول کی ویسی ہی سزا ملے گی۔ کافروں کو مجرمین کہنے سے مومنوں کے غیر مجرم ہونے کی طرف لطیف ایماء ہے۔ (تفسیر سلیمی)

وَلَا تَحْزَنْ	عَلَيْهِمْ	وَلَا تَكُنْ	فِيْ ضَيْقٍ	مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور غم	کر	اُن پر	اور نہ	تھا ہو	اُن کے فریب چلنے سے

جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں

یعنی اُن کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے الگ ہو جایئے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تاسف نہ کریں اور خدا ان کے مکر و فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں ان کو بھی دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچالیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو اس لئے قرآن نے جا بجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیات میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ اسی سلسلہ کا ایک عنوان تھا۔ مذکور الصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَقُوْلُوْنَ	مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ	اِنْ كُنْتُمْ	صٰدِقِيْنَ
اور کہتے ہیں	کب ہوگا	یہ	وعدہ	اگر تم	سچے ہو

یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں کب نازل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ	عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ	رَدِفَ	لَكُمْ
تو کہہ	کیا بعید ہے	ہو	تمہاری	پیچھے پہنچ ہی ہو
بَعْضُ الَّذِيْ	تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾
بعضی	وہ چیز	آپ کی جلدی کر رہے ہیں

معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب

یعنی تمہارا جس وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آ لگا ہو (چنانچہ دنیا ہی میں نہ گزرے کہ بدر میں سزا کی ایک قسط پہنچ گئی رہی قیامت کبریٰ سو اس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ	لَذُوْ فَضْلٍ	عَلَى النَّاسِ
اور تیرا رب تو	فضل رکھتا ہے	لوگوں پر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ	لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
پر ان میں	بہت لوگ	وہ	نہیں برتتے

مہلت اللہ کا فضل ہے

یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے اگر عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہئے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی کے شکر گزار ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے حصہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ	لَيَعْلَمُ	مَا تُكِنُّ	صُدُوْرُهُمْ
اور تیرا رب جانتا ہے	جو چھپ رہا ہے	ان کے سینوں میں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ	فِي السَّمَآءِ
اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں غائب ہو	آسمان
وَّالْاَرْضِ	اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ	مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾
اور زمین میں	مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں

یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا دیر اپنے وقت پر آئے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت و عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو
اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى
بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے
وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اور رحمت ہے ایمان والوں کے واسطے

اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ

یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قول و عملی فیصلہ کے لئے آیا ہے۔ اُس وقت سماوی علوم اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم بنی اسرائیل سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے سنایا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تا لوگ اُس دن کے لئے تیاری کر رکھیں۔ جبکہ ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ
تیرا رب اُن میں فیصلہ کریگا اپنی حکومت سے
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝
اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا

یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور عالمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَي الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝
سو توکل کر اللہ پر بیشک تو ہے سیدھے رستہ پر

آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں جس صحیح و صاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اُس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ
البتہ تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار
اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي
جب پیٹھ دے پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے
الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ
اندھوں کو جب وہ راہ سے بھٹکیں

مردہ دلوں کا حال:

یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سود مند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ سجھائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دار العمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو یہی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنائیں کریں گے مگر وہ وقت ایمان و عمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس سے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت مساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات:

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں اُن مسائل میں سے ہے جس

میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتی کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المؤمنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ و تابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر و اختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور و ادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجساد اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمر سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مرد ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات و روایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیات سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تکمیل الحبور بسماع اہل القبور لکھا ہے جو احکام القرآن سورۂ روم حزب خامس میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات و روایات اور اقوال سلف و خلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات و مخاطبات اہل قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اس کا ضروری خلاصہ لکھا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ۝

تو تو سناتا ہے اس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکمبردار ہیں

نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟

یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر اثر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرماں بردار بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے ایمان کی راہ اس کو سوجھائی نہیں دیتی آپ اس کو ایمان کا راستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا قرآن سنانا سوا ان لوگوں کے کسی کو فائدہ نہیں دے سکتا جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی ایمان لانا ہم نے ان کے لئے مقدر کر دیا ہے پس وہ ہی مسلم ہوتے ہیں یعنی اپنا رخ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً

اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور

مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا

زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری

بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ۝

نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

باتیں کرنے والا جانور

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں کو اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے لہذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے حو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی شاید دابۃ الارض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں صرف مکلفین کی تجہیل و تبکیت مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔ (تسہیل) دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں مگر معتبر روایت سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحب نے لکھا۔ واللہ اعلم (نصیر عثمانی)

قیامت کی دس نشانیاں

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دخان (۳) دابہ (۴) خروج یاجوج و ماجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف کے معنی، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۸) ایک آگ جو قعر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئے گی جس مقام پر لوگ رات گزارنے کیلئے ٹھہریں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر ان کو لے چلے گی۔

(کمذا فی مسلم و ابوداؤد الطیالسی عن طرق وفی الترمذی حدیث حسن صحیح)

دابہ کوہ صفا سے نکلے گا

ابن کثیر نے بحوالہ ابوداؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابۃ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا لوگ اس کو دیکھ کر بھاگے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا اور کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن کو کافر کو پہچانے گا۔ (ابن کثیر)

قیامت کی سب سے آخری علامت

مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں کبھی بھولتا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اس کے فوراً بعد قیامت آ جائے گی (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دَآبَّةَ الْاَرْضِ کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔

چھ چیزوں سے پہلے عمل کرو

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دَآبَّةَ الْاَرْضِ کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

دابہ کی انگوٹھی اور لاٹھی

ابوداؤد طیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دَآبَّةَ الْاَرْضِ کے ساتھ حضرت موسیٰ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

دابہ الارض کے نکلنے کی جگہ

ابن ماجہ میں بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس سے اردگرد ریت ہے فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ بریدہؓ کہتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں حج کے لئے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ ابن عباس فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے صعائی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قد و قامت سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو، تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ عبداللہ بن عمروؓ سے جب اس کی مادت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چنان ہے اس کے پیچھے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چنان دکھا

دیتا یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس روز سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی پھر شام کی طرف جائے گا، وہاں بھی چیخ لگا، پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

دابۃ الارض کی چیخ

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا، حضرت عزیرؑ ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

دابۃ الارض کا رنگ و روپ

ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ موٹے بیڑے اور بھالے کی طرح ہوگا حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بال ہوں گے کھڑے ہوں گے، داڑھی ہوگی، دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بہ مشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابن الزبیرؓ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی، شتر مرغ جیسی گردن ہوگی شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا، بلی جیسی کمر ہوگی، مینڈھے جیسی دم ہوگی، اونٹ جیسے پاؤں ہوں گے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہو گی۔ ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کر دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن اور اے کافر کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر ان کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنا دے گا یہی معنی و مطلب اس آیت کا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا وہ دابۃ ایسا دابۃ منہ ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دابۃ ہوگا۔

بغوی نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے احرام کی حالت میں صفا کو لاٹھی سے ٹھوکا اور فرمایا دابۃ میری لاٹھی کے ٹھوکے کو سن رہا ہے۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا دابۃ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت پھر اس (کے ماتھے یا ناک پر) نشان بنا دے گا۔

تین بار دابہ نکلے گا

بغوی نے حضرت ابوشریحہ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری مدت میں تین بار دابۃ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت بادیہ (صحراء) میں پھیل جائے گی۔ اور قریہ یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا پھر ایک روز سب سے بڑی عزت و عظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابہ دکھائی دے گا عمرو (راوی) نے کہا رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی وہ سمجھ لیں گے کہ اللہ سے چھوٹ کر وہ کہیں جا نہیں سکتے دابہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ان کی طرف گزرے گا اور ان کے چہروں کو (نشان زد کر کے) ایسا روشن کر دے گا جیسے چمکدار ستارے۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چلا جائے گا (اتنی تیزی کے ساتھ) کہ اس کو پکڑنے والا پا نہ سکے گا اور اس سے بھاگنے والا چھوٹ نہ سکے گا پھر کچھ لوگ اٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو (تیسری بار) وہ پیچھے سے آ پڑے گا اور کہے گا اے فلاں تو اب نماز پڑھ رہا ہے پھر نمازی کے سامنے آ کر اس کے چہرہ پر نشان بنا دے گا پھر لوگ وہاں سے ہٹ کر اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم باتوں میں شرکت کریں گے اور کافر کا مومن سے امتیاز ہو جائے گا مومن کو مومن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو کافر کہہ کر۔

حضرت حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابہ کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کہاں سے برآمد ہوگا۔ فرمایا سب سے بڑھ کر حرمت والی مسجد سے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام طواف کر رہے ہوں گے مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے کہ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابۃ برآمد ہو جائے گا سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس پر لوں اور پر ہوں گے کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہ سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا۔ وہ لوگوں پر مومن و کافر کا نشان بنا دے گا۔ مومن کا چہرہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہو جائے گا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں دو نشان ہوگا۔ اور کافر کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور

دونوں آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھا ہوگا۔ رواہ البغوی وکذا اخرج ابن جریر بغوی نے سہل بن صالح کے والد کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا جناد کی گھاٹی بری گھاٹی ہے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے فرمایا اس سے دابۃ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور (باقی) جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دابۃ برآمد ہوگا اور لوگوں کی ناکوں پر نشان لگا دے گا اس کے بعد بھی لوگ (مدت تک) زندہ رہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ جانور خرید کر لائیں گے تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم نے یہ جانور کس سے خریدا وہ جواب دیں گے مہر زدہ آدمی سے۔ رواہ احمد۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جمعہ کی رات کو دابہ برآمد ہوگا لوگ منا کی طرف جا رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا:

ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے رب سے خواہش کی کہ مجھے دابۃ الارض دکھایا جائے (اللہ نے دعا قبول فرمائی اور) چنانچہ دابہ تین دن رات (برابر) نکلتا رہا خلا میں جاتا رہا اور اس کا کوئی کنارہ نظر نہ آتا تھا حضرت موسیٰ نے ہیبت ناک منظر دیکھ کر درخواست کی اے میرے رب اس کو لوٹا دے اللہ نے اس کو لوٹا دیا۔

مؤمن و کافر کا امتیاز

میں کہتا ہوں کہ احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ دابۃ الارض سچے مومنوں کو ان منافقوں سے الگ کر دے گا جو زبان سے مومن اور دل سے کافر ہوں گے اور کفر سے مراد ہے اس اسلام کی ضد جو (صرف زبانی ہوتا ہے لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والوں کے) دلوں میں نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگوں کے دل اس دین کی تصدیق نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اس اسلام کو مجازی اسلام کہا جاتا ہے یا کفر سے مراد ہے اس حقیقی اسلام کی ضد جس کے دعوے دار دلوں میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے بھی تصدیق کرتے ہیں لیکن اطمینان قلب اور ایمان نفس کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے اگر کفر سے موخر الذکر معنی مراد ہو تو دابہ جو بعض لوگوں سے کہے گا اے فلاں تو دوزخیوں میں سے ہے اس سے مراد یہ ہوگی کہ تو دوزخ میں ضرور جائے گا یہ مطلب نہ ہوگا کہ تو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

کفر سے مراد علانیہ کفر کا اقرار نہیں ہو سکتا کیونکہ فتح کے بعد مکہ کے اندر علانیہ کفر کا دعویدار کوئی باقی نہیں رہا (نہ آئندہ ہوگا) پھر مومنوں سے تمیز کر دینے کا کوئی معنی نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ

اور جس دن گھیر لائیں گے ہم ہر ایک فرقہ میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے

بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾

ہماری باتوں کو پھر ان کی جماعت بندی ہوگی

گناہ گاروں کی تقسیم

ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے فَهُمْ يُوزَعُونَ کے معنی روکنے کے لئے ہیں یعنی ہر امت کے مکذبین کو محشر کی طرف لے چلیں گے اور وہ اتنی کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو بعد

تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾

اچھی تھیں تمہاری سمجھ میں یا بولو کہ کیا کرتے تھے

غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا

یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یا بولو! یہ نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی، یا بول اس کے سوا اور بھی کچھ گناہ سمیٹے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ غور و فکر کرنے کے باوجود حق کو نہ پا سکیں کہ ان کی نظر و فکر ہی گمراہی کی طرف لے جائے تو ان کا جرم کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے اگرچہ اللہ کے وجود اور توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی کفر و ضلال اور دائمی عذاب سے نہیں بچائے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی امور ہیں جن میں نظر و فکر کی غلطی معاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾

پر چلی [illegible] اس لئے کہ انہوں نے شرارت کی تھی اب وہ کچھ نہیں بول سکتے

منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے

یعنی ان کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا بہرحال نفی و اثبات کو اختلاف مواطن

پر عمل کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ ان کے پاس تکذیب کرنے کا کوئی عذر ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے کہ ان کو بولنے کی اجازت نہیں ملے گی کہ کچھ عذر پیش کر سکیں۔ بعض نے کہا نہ بولنے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مونہوں پر مہریں لگی ہوں گی بعض نے کہا وہ عذاب میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو بولنے کا ہوش ہی نہ ہوگا اول توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اگلی آیت دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ
کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
اور دن بنا دیکھنے کا کہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو یقین کرتے ہیں

رات و دن کے نظام پر غور کی دعوت۔

یعنی کیسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ اول مدل ہی کے حال میں غور کر لیتے تو اللہ کی توحید و پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت بعد الموت سب کچھ سمجھ لیتے۔ آخر دن اسی لئے ہے جو ایسے مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابروں کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اُجالا کیا۔ کیا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے اوہام و اہوا کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات کیا ہے؟ نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندگی کے لئے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا میں رویت (دیکھنا) بمعنی علم ہے یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ خاص طریقہ سے مفید طور پر معاش و معاد کے مصالح کے مطابق روشنی اور تاریکی کا تواردو تعاقب اللہ نے کر دیا ہے ان کا اس طور پر تعاقب دلالت کر رہا ہے کہ ان کا عامل خالق حکیم اور قادر مقتدر ہے اور ظاہر ہے کہ خوشہ ورد کے تعاقب پر قدرت رکھنا وہ پیغمبروں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے صحیح سکتا ہے اور فرمانبرداری و نافرمانی کی جزا سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے اور موت کے بعد زندگی بھی لا سکتا ہے جب کہ وہ دور و ظلمت اور بیداری و خواب کا تناول کرتا رہتا ہے۔ اور پیغمبروں کے معجزات سے یہ چیزوں کی اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت ثابت ہو جاتی ہے۔ غرض ان تمام امور مذکورہ میں اللہ کی توحید اور رسول کے صادق ہونے کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں تکذیب کرنے والے کو ان دلائل کے بعد کوئی عذر نہیں ہو سکتا ہے لیکن ان دلائل و آیات کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

حشر کی دلیل اَلَمْ يَرَوْا سے آخر تک حشر کی دلیل ہے ظلمت کو نور سے اور حیوان کو بیداری سے عدلنا دلالت کر رہا ہے کہ جو قادر یہ تبادل کرتا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی لا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ
اور جس دن پھونکی جائے گی صور

صور کا پھونکا جانا

صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں
اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ
مگر جس کو اللہ چاہے

بعض روایات میں ہے اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ سے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ وغیرہ مفسرین نے اس آیت کو پہلے نفخہ سے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مُردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے اٹھیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے تیسرا نفخہ حشر و نشر ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے مگر آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی، ابن کثیر) ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی:

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ یہ استثناء منقطع سے ہے جس نے معنے گھبراہٹ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن پر کوئی گھبراہٹ حشر کے وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ لوگ

شہداء ہوں گے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی (قرطبی) سعید ابن جبیرؒ نے بھی یہ فرمایا کہ مراد اس سے شہداء ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہوں گے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولیٰ داخل ہیں کیونکہ ان کو مقام شہادت بھی حاصل ہے اور مقام نبوت مزید براں ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور یاد کرو اس دن کو جب کہ صور کے اندر پھونک ماری جائے گی۔

صور ایک سینگ ہے:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس سے پھونکا جائے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن حبان والحاکم۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ رواہ مسدد بسند صحیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکر آخرت:

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے چین پا سکتا ہوں سینگ (صور) والا تو سینگ منہ میں لئے پیشانی آگے کو جھکائے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اس کو (پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے صحابہ کو یہ فرمان سن کر بڑی دشواری ہوگئی (کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ دل کو کسی وقت سکون میسر نہیں تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہے) فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی اچھا ذمہ دار ہے۔

احمد حاکم بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اور ترمذی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی یونہی نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صور والا فرشتہ:

سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل اس کے یعنی اسرافیل کے دائیں جانب اور میکائیل بائیں جانب ہیں اور وہی صور والا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے تمام (پیغمبروں کی) امتوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ اسرافیل ہی صور پھونکیں گے۔

کل نفخات

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف وہ نفخات ہوں گے نفخہ فزع سی نفخہ صعق ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ نفخہ ایک ہی ہوگا جس میں دونوں حالتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ دونوں باہم لازم ملزوم ہوں گی صور کی آواز سن کر پہلے گھبراہٹ پھر بے ہوشی اور موت ہو جائے گی۔ قرطبی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور استدلال میں کہا ہے کہ نفخہ فزع سے اس جگہ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو مستثنیٰ کر لیا گیا ہے جس طرح کہ نفخہ صعق سے من شاء اللہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے دونوں کے متعلق اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نفخات نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی نفخہ ہوگا (جس کو نفخہ فزع بھی کہا گیا ہے اور نفخہ صعق بھی)

میں کہتا ہوں یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے دونوں نفخوں کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بے شک مستثنیٰ منہ دونوں کلاموں میں ایک ہی ہے لیکن مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو دونوں جگہ مستثنیٰ کر لینے کا یہ معنی نہیں کہ دونوں مستثنیٰ ایک ہی ہیں۔

شہداء کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے اس کی تعیین میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کی بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ شہداء ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں ان کو فزع لاحق نہ ہوگا۔

ابویعلیٰ بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جن کو اللہ بے ہوش کرنا (یا صور کی آواز سے مردہ کرنا) نہ چاہے گا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں علماء نے استثناء شہداء کی بابت یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ کذا روی عباد بن السری والبیہقی والنحاس فی معانی القرآن عن سعید بن جبیر

جبریل، میکائیل، عزرائیل اور حاملین عرش

فریابی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ تک تلاوت کی تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے فرمایا جبرئیل میکائیل فرشتہ موت اسرافیل اور حاملین عرش جب اللہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی روحیں قبض کر لے گا تو ملک الموت سے فرمائے گا اب کون باقی ہے ملک الموت جواب دے گا اے مالک عظمت وعزت تو پاک ہے بڑی خیر والا ہے بزرگ و برتر ہے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت باقی ہیں اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے ملک الموت میکائیل کی جان لے لے گا

اور میکائیل بڑے پہاڑ کی طرح گر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا اے موت کے فرشتے تو مر جا موت کا فرشتہ فوراً مر جائے گا اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی رہے گا جبرئیل تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی اللہ فرمائے گا (موت تو تجھے بھی آتی ہے) مرے بغیر چارہ نہیں جبرئیل فوراً سجدہ میں گر جائے گا ایسے دونوں بازو پھڑ پھڑانے لگے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل کی جسمانی ساخت کی میکائیل کی جسمانیت پر بیشی ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑائی چھوٹے ٹیلہ پر بیہقی نے آیت نُفِخَ فِی الصُّوْرِ کے ذیل میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے ان میں سے تین اشخاص ہوں گے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا فرمائے گا اے ملک الموت کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری لافانی ذات کریم اور تیرا بندہ جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے پھر فرمائے گا باوجود بلکہ خوب واقف ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا جبرئیل کی جان لے لے اس کے بعد فرمائے گا باوجود خوب جانتا ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ ملک الموت اور وہ بھی مرنے والا ہے اللہ فرمائے گا تو بھی مر جا (ملک الموت بھی مر جائے گا) پھر فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو شروع میں پیدا کیا تھا پھر میں ہی دوبارہ تخلیق کروں گا اب کہاں ہیں مغرور متکبر کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ پکار کر فرمائے گا آج حکومت کس کی ہے کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا اللہ خود ہی فرمائے گا ایک غالب کل اللہ کی اس کے بعد (ملک الموت کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور) دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بیہقی نے زید بن اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے وہ بارہ ہیں جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور آٹھ حاملین عرش۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر حاملین عرش کی پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کی روح۔

بیہقی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے (اول) میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر جبرئیل کی روح پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کو بھی (مر جائے گا) حکم ہوگا وہ بھی مر جائے گا۔

سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے

ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں وہب کا قول نقل کیا ہے کہ ان چاروں یعنی جبرئیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت علیہم السلام کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ان کو وفات دے گا اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ کرے گا یہی ہیں اَلْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کاموں کا انتظام کرنے والے ملائکہ اور اَلْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (کاموں کو تقسیم کرنے والے ملائکہ) یعنی قرآن کی اس آیت میں یہی مراد ہیں سیوطی نے لکھا استثناء کی ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب مستثنیٰ ہیں (چاروں ملائکہ بھی اور آٹھوں حاملین عرش بھی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق

میں کہتا ہوں جتنی احادیث اور آثار آئی ہیں وہ نفخہ صعق (نفخہ موت) سے استثناء کے متعلق ہیں نفخہ فزع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک آیت سے جن لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد وہ نیکوکار مومن ہیں جن کا ذکر آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ میں کیا گیا ہے ان آیات میں صراحت ہے کہ جو لوگ دوزخ میں جائے بغیر جنت میں چلے جائیں گے ان پر نفخہ فزع کے وقت گھبراہٹ طاری نہ ہوگی اور نفخہ فزع کے وقت سوا کافروں کے اور کوئی موجود ہی نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت صرف شریروں پر برپا ہوگی۔ رواہ احمد و مسلم عن ابن مسعود۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت اسی وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ (کہنے والا ہی نہ ہوگا اور اللہ اللہ) نہیں کہا جائے گا رواہ احمد و مسلم والترمذی عن انسؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ کعبہ کا حج نہیں کیا جائے گا (کوئی حج کرنے والا ہی نہ ہوگا اس وقت قیامت آئے گی) رواہ عبدالرزاق فی الجامع۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے کہ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ اور قرآن اٹھا لیا جائے گا (اس وقت آئے گی) رواہ السجزی عن ابن عمر۔ اس مضمون کی اور احادیث بھی آئی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارواح شہداء کو مستثنیٰ قرار دیا کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں باقی ملائکہ اور ارواح انبیاء بھی استثناء میں داخل ہیں وہ بھی بالکل گھبراہٹ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات ابویعلیٰ نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں نیز عبد بن حمید نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے پھر تین بار صور پھونکا جائے گا پہلا نفخہ نفخہ فزع ہوگا دوسرا نفخہ صعق اور تیسرا نفخہ وہ نفخہ جس کے بعد سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ اسرافیل کو پہلی بار

صور پھونکنے کا حکم دے گا اسرافیل پھونکے گا جس سے (سارے) اہل سموات وارض گھبرا جائیں گے (سخت خوف زدہ ہو جائیں گے) سوائے کے جن کو اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے گا (وہ محفوظ رہیں گے) یہاں تک کہ حضور نے فرمایا پھر دودھ پلانے والیاں اپنے شیر خوار بچوں کو بھول جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور شیطان ازے ازے بھاگ کر زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے سامنے سے ملائکہ آ کر ان کے منہ پر مار مار کر واپس لوٹا دیں گے لوگ پیٹھ پھیر سے بھاگ رہے ہوں گے ایک دوسرے کو پکارے گا اللہ نے اسی دن کو یوم التناد (پکار کا دن) فرمایا ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرمایا کہ (قبروں کے اندر) اس بیرونی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوں گے ان کو کچھ معلوم نہ ہوگا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور فرمایا ہیں اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ فرمایا وہ شہداء ہوں گے (تمام) زندوں تک وہ خوف پہنچے گا (مگر شہیدوں تک نہیں پہنچے گا) اور وہ اپنے رب کے پاس زندگی کی حالت میں ہوں گے ان کو اللہ کی طرف سے روزی ملتی ہے اللہ ان کو اس روز کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور اس گھبراہٹ سے وہ امن میں رہیں گے یہ عذاب انہی لوگوں پر قائم ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے برے (یعنی کافر) ہوں گے اللہ نے فرمایا ہے يَعْبُدُ الْكَافِرُ مَا تَعْبُدُونَ وَمَا لَنَا نَعْبُدُ إِلَّا اللّٰهَ جتنی مدت چاہے گا لوگ اسی حالت میں رہیں گے پھر فرشتہ الصعق کا حکم دے گا تو سارے آسمان و زمین والے مر جائیں گے سوا ان کے جن کو اللہ (موت سے محفوظ رکھنا) چاہے ملک الموت عرض کرے گا آسمان و زمین والے (سارے) مر گئے سوا ان کے جس کو تو نے (محفوظ رکھنا) چاہا اللہ فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا۔ اب کون باقی رہا۔ پھر (بروایت ابوہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل میکائیل ملک الموت اور حاملین عرش کے مرنے کا تذکرہ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کیا یا یوں کہا جائے کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بعض مومنوں کی روحیں اور سَكَتَ نَفْسٌ عَنِ الْحَيٰوةِ سے مراد ہیں انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی۔

فِيْهِ الصعق سے مستثنیٰ کون ہوں گے اس بحث میں صحیح قول وہ ہے جو صاحب مسلم نے کہا ہے کہ لفظ صعق سے بطور عموم مجاز ایسا مفہوم مراد ہے جو موت کو بھی شامل ہے اور صرف بے ہوشی کو بھی زندوں کے لئے موت اور مردوں کے لئے بے ہوشی ہو جائے گی یہ بے ہوشی تمام انبیاء کو (جو عالم برزخ میں موجود ہیں) ہوگی البتہ حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہونے میں تردد ہے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی یہ بات سن کر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ مار اور کہا تو ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ میں ہی سب سے پہلے اپنا سر اٹھاؤں گا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے انہوں نے اپنا سر اٹھا لیا (اور اٹھ کھڑے ہوئے) یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب لفظ صعق موت اور بے ہوشی دونوں کو شامل ہے اور انبیاء پر (عالم برزخ میں) عشی طاری ہو جائے گی تو شہداء کا بیہوش ہونا بدرجہ اولیٰ ہوگا اور ملائکہ بھی بے ہوش ہوں گے البتہ جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور حاملین عرش کی موت صور پھونکنے کی آواز سے نہیں ہوگی بلکہ یہ ملائکہ بعد کو مریں گے جیسے کہ احادیث میں آ چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء اور ارواح شہداء مراد ہیں۔

ایک بار صور پھنکے گا۔ جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو کھڑا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے۔ صور پھنکنا کئی بار ہے۔ (موضح الفرقان) (معارف کاندھلوی)

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دَاخِرِيْنَ ﴿٨٧﴾

اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے

متعدد بار صور پھنکنا

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گی۔ اس کے بعد پھنکے گا تو کھڑا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہشیار ہوں گے صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو نفخہ اولیٰ میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جمے ہیں

وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ

اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل

پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے:

یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھا سکیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے اور بادل کی طرح تیز رفتار ہوں گے وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا (واقعہ رکوع ۱) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (القارعہ رکوع ۱) (طٰہٰ۔ رکوع ۶) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت وسکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بڑے اجسام کی حرکت

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ مراد یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء وانتہاء انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ اپنی جگہ جمے ہوئے ہیں جس کا مشاہدہ سب کو گہرے بادل اور دور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ جمے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی جب وہ اتنی دور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔ (معارف معنی اعظم)

اے دیکھنے والے تو (فزع کے وقت) پہاڑوں کو دیکھے گا خیال کرے گا کہ یہ اپنی جگہ کھڑے ہیں (متحرک نہیں ہیں) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح (تیز رفتاری کے ساتھ) چلیں گے۔

پھر تیزی کے ساتھ چل کر زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کے برابر ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

بڑی بڑی اہم باتیں عبداللہ بن عمروؓ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو! اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری امت میں چالیس ٹھیرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ (حضرت) عیسیٰؑ کو نازل فرمائے گا وہ صورت شکل میں بالکل عروہ بن مسعود جیسے ہوں گے آپ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے نہ گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض وعداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مؤمن فوت ہو جائے گا ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے قتا کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بد لوگ رہ جائیں گے جو پروں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے ان میں سے بھلائی برائی کی تمیز اٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔ خدا انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش وخرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے گا۔ سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

روحوں کا جسم میں سرایت کرنا:

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اگ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اڑنے لگیں گی۔ مؤمنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرما دے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ؕ
کاری گری اللہ کی جس نے سادھا ہے ہر چیز کو

صانع حقیقی کی کاریگری: یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہ ہی ان کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ وہ اڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝
اس کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو

یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اس کے عمل کے موافق جزا وسزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اُس سے بہتر

نیک عمل اور اس کا بدلہ۔ یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معنے یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور مکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزا دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (مظہری)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝

اور اُن کو گھبراہٹ سے اُس دن امن ہے

بڑی گھبراہٹ یعنی بڑی گھبراہٹ سے کما قال تعالیٰ (انبیاء۔ رکوع ۷) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ قزع سے مراد ہر بڑی مصیبت اور پریشانی اور گھبراہٹ ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو ہر متقی پرہیزگار کسی انجام سے ڈرتا ہی رہتا ہے اور ڈرنا ہی چاہیے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے یعنی رب کا عذاب ایسا نہیں کہ اس سے کوئی بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ و اولیاء اُمت ہمیشہ خائف و لرزاں رہتے تھے مگر اس روز جبکہ حساب کتاب سے قراغت ہو چکے گی تو حسنہ لانے والے نیک لوگ ہر خوف و غم سے بے فکر اور مطمئن ہوں گے واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ

اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو اوندھے ڈالیں اُن کے منہ آگ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرتا سو بھرتا خود کردہ را چہ علاج۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ

مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ

حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز

معظم و محترم گھر شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے حق تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بنا، پر رب کی اضافت اُس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک ایک وہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ بلدہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اس کی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہونے کا اظہار ہے لفظ حرم تحریم سے مشتق ہے اس کے معنے مطلق احترام و اکرام کے بھی ہیں اور اس احترام و اکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شریعہ مکہ مکرمہ اور ارض حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارض حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس (اللہ) کی عبادت کروں جو (خاص طور پر) اس شہر کا مالک حقیقی ہے جس نے اس کو محترم بنایا ہے (ویسے عام طور پر) ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں (اسی کا) فرمانبردار ہوں۔

هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی مکہ۔ رب کی هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کی طرف اضافت شہر کی عزت ظاہر کرتے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کے اندر کعبہ ہے جو تجلیات الٰہیہ کی پرتو افگنی کا خصوصی مقام ہے۔

الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی وہ رب ایسا ہے کہ اس نے اس شہر کو حرم بنا دیا یہ مکمل مقام امن ہے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے نہ یہاں کے شکار کو بھڑکا کر تلاش جاتا ہے نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ حقیقت میں اللہ کی اس صفت کا ذکر کر کے قریش کو اللہ کے احسان کی یاد دلائی گئی ہے کہ اس نے ان تمام فتنوں فسادوں اور بدامنیوں سے تمہارے مسکن کو محفوظ رکھا ہے جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

لَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے مخلوق و مملوک ہے اس شہر کا بھی مالک حقیقی وہی ہے۔ الملک یعنی فرمانبردار مطیع حکم ہو جاؤں یا طلب اسلام پر قائم رہوں (پہلا معنی لغوی ہے دوسرا معنی اصطلاحی) (تفسیر عثمانی)

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم بردراروں میں

کامل فرمانبرداری۔ یعنی ان لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اور یہ کہ سناؤں قرآن

قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی

یعنی ہدایت خود اللہ کی تعدی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر اللہ کا رستہ بتلاتا رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (اور (مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ اتلو یا تلاوت سے ہے یعنی تبلیغ و دعوت کی غرض سے پڑھ کر سناؤں یا تلو سے مشتق ہے اور تلو کا معنی (پیچھے پیچھے چلنا) اتباع کرنا یعنی اس قرآن کی پیروی کروں (اس کے راستہ پر چلوں) بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اول مبدأ و معاد و قیامت کے احوال لوگوں کے لئے بیان فرما دیئے ہیں اس کے بعد اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہی بات سنا دیجئے اب رسول اللہ کے ذمہ تبلیغ و دعوت کا فریضہ تو باقی نہیں صرف یہی کام رہ گیا کہ اپنے رب کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں اور ہر وقت اسی کی یاد میں لگے رہیں انتہا امر سے پہلے قل محمد دل یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے عبادت کرنے اور اطاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ

پھر جو کوئی راہ پر آیا سو راہ پر آنے کا اپنے ہی بھلے کو

وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ

اور جو کوئی بہکا رہا تو کہہ دے میں تو یہی ہوں ڈر بتا دینے والا

ہر کسی کو اپنے لئے راہ راست کی ضرورت ہے

یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا، نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سو جو سیدھے رستہ پر چلے گا وہ اپنے لئے چلے گا اور جو راہ راست سے بھٹکے گا تو آپ کہہ دیجئے (میرا کچھ ضرر نہ ہوگا) میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانے کا ذمہ دار میں نہیں کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی کے ہدایت یاب ہونے اور راہ راست پر چلے کی ذمہ داری مجھ سے نہیں ہوگی اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا اس وقت تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدٰى یعنی آپ کی دعوت و تبلیغ سے جو شخص راہ یاب ہو جائے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا آپ پر احسان جتلانے کا اس کو حق نہیں اور جو راہ راست سے بھٹکے گا سیدھا راستہ دکھوے گا اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی راہ حق پر نہ چلے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا آپ کہہ دیجئے میرا کام صرف ڈرانا ہے تمہارا ذمہ دار نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو

راہنمائی کے منصب کا شکر

یعنی اللہ کا ہزاروں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے جس کو خوبیوں کا کمال ملا ہوا ہیں سے ہاں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور اللہ نے جو نعمت نبوت سے مجھے سرفراز کیا اور جو تبلیغ و دعوت مجھ پر واجب تھی اس کو پورا کرنے کی مجھے توفیق عنایت کی اس پر اس کا شکر ہے وہ مستحق ستائش و ثنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا

آگے دکھاوے گا تم کو اپنے سمجھو تو ان کو پہچان لو گے

آیات الٰہیہ

یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر یا تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے ایسے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھ لو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ خدا گانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ عنقریب تم کو اللہ اپنی نشانیاں دکھا دے گا۔ نشانیوں سے مراد ہیں دنیا میں نمودار ہونے والی آیات قدرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آیات صداقت ہیں جیسے بدر کی لڑائی میں کافروں کا مارا جانا قید ہونا فرشتوں کا نازل ہو کر مسلمانوں کی مدد کرنا اور کافروں کے چہروں کو زخمی کرنا اور پشت پر ضربیں لگانا چاند کا پھٹنا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور آخر زمانہ میں دابۃ الارض کا برآمد ہونا۔ انہیں آیات کی طرف اشارہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔

فَتَعْرِفُوْنَهَا اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ

اور تیرا رب بے خبر نہیں اُن کاموں سے جو تم کرتے ہو

سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو

یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو، سب اس کی نظر میں ہے۔ اسی کے

موافق آخر کار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کرتوت سے بے خبر ہے۔ تم سورۃ النمل وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد بن حنبل اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپؒ کے ہیں یا کسی اور کے۔

اذا ماخلوت الدھر یوما فلا تقل ۔۔۔ خلوت ولکن قل علیّ رقیب

ولا تحسبنّ اللہ یغفل ساعۃً ۔۔۔ ولا ان مایخفی علیہ یغیب

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے تئیں تنہا اور اکیلا نہ سمجھنا بلکہ اپنے خدا کو وہاں بھی حاضر ناظر جاننا وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

خدا کے فضل و کرم سے سورۃ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

سورۃ کے مضامین کا ربط:

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبداء اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ (۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص (۲) دوم دین اسلام پر استقامت (۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوت اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تاکہ آخرت میں کام آویں۔ (معارف کاندھلوی)

اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا:

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے جو یہ کرتے رہتے ہیں یعنی اعمال کے مطابق ہر ایک کو بدلہ دے گا اور وقت مقرر پر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النمل ختم ہوئی

سورۃ القصص

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قصص مکہ میں اتری اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

طٰسٓمّٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا

یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے

عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ

ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیقی

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ان لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں

مومنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی:

یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کر لیں ظالموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ القصص مکی ہے صرف آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ تک مدنی ہیں اس سورۃ کی آیات اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ الخ مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں نازل ہوئیں۔ نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں یعنی جبرئیل کی زبانی مراد ہے نازل کرنا۔ مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر کچھ قصہ (من تبعیضیہ ہے) بِالْحَقِّ یعنی سچائی کا حال۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ قصص کا تعارف:

سورۃ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے

وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ (معنی معلم)

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ
فرعون چڑھ رہا تھا ملک میں اور کر رکھا تھا
اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ
وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے کمزور کر رکھا تھا ایک فرقہ کو ان میں

قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط

یعنی مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم و تکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت و وقعت حاصل کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیعاً فرقے فرقے۔ کہ سب فرعون کے تابع تھے فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ
ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا ان کی عورتوں کو

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل

کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ کسی اسرائیلی کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ اور ظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے کہ انہیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر ڈالنا چاہئے۔ اس طرح آنے والی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک اسرائیلی جوان کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرے فرعون کے کانوں تک پہنچ گئے اس احمق نے قضاء و قدر کی روک تھام کے ظلم و ستم کی یہ اسکیم جاری کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کی پیشینگوئی

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی اہلیہ حضرت سارہؓ کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہؓ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا جنہیں خدا نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے ان پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیم نے بطور پیشینگوئی فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے سامنے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درمیان میں بھی یہ تھی جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم سے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝
بیشک وہ تھا ہی بڑے والا

فرعون کا فساد یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی لہٰذا اسے ایسا ظلم و ستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ ہاں جو دل میں آیا اپنے کبر و غرور کے نشہ میں بے سوچے سمجھے گزرا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا
اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے
فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝
ملک میں اور کر دیں ان کو سردار اور کر دیں ان کو قائم مقام
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ
اور جما دیں ان کو ملک میں

اللہ کمزوروں کو غالب کرنے والے تھے

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو

قوی اور پستوں کو بالا کہا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا اُن ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اُس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ائمہ مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ قتادہ کے نزدیک دانیان ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ملک و مال کے مالک۔

مصر و شام کی حکومت:

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ یعنی سرزمین مصر و شام میں ان کو حکومت عطا کریں۔ تمکین کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی جگہ بنا دینا کہ اس میں وہ چیز ٹھہر جائے (لغت کے لحاظ سے تمکن کا لہم کر ترجمہ ہوا ہم ان کو جماؤ عطا کر دیں) مجازاً تمکین کا معنی ہے حاکم بنا دینا مسلط اور غالب کر دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو

فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کی شکست:

ہامان وزیر تھا فرعون کا حوالہ ستم میں اُس کا شریک اور آلہ کار رہتا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝

اور اُن کے لشکروں کو اُن کے ہاتھ سے جس چیز کا اُن کو خطرہ تھا

یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہی خطرہ اُن کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اُس اسرائیلی بچے سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اُس کی تباہی مقدر تھی لیکن تقدیر الٰہی کہاں سے ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اُس بچہ کو اسی کی گود میں اسی کے بستر پر اسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اُس کو دودھ پلائی رہ

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ

پھر جب تجھ کو ڈر ہو اُس کا تو ڈال دے اُس کو دریا میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام:

اُنکی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھایا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں۔ جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

راوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام یوخابذ بنت لاوی تھا اور لاوی حضرت یعقوب کا بیٹا تھا۔ ملا، کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وحی نبوت والی وحی نہیں تھی نہ کوئی عورت نبی ہوئی۔ قتادہ نے اس جگہ اَوْحَيْنَا کا ترجمہ کیا ہم نے اس کے دل میں ڈال دیا صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو الہام کہتے ہیں الہام ہی کی ایک قسم وہ سچا خواب بھی ہے جس سے دل کو یقین اور اطمینان ہو جائے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ الہام بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اگرچہ اس سے علم ظنی (غیر یقینی) حاصل ہوتا ہے لیکن الہام قلبی اور القاء انبی دلوں کا قابل اعتبار ہوتا ہے جو پاک صاف اور حامل الاطمینان ہوں۔ دوسرے اور الہام کا فرق ہی یہ ہے کہ وسوسہ (دل کا کھٹکا) موجب اطمینان نہیں ہوتا اور الہام سے اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے اور (صاحب الہام کو اپنی جگہ) قلبی یقین ہو جاتا ہے۔

اَنْ اَرْضِعِيْهِ یعنی موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی اور کہہ دیا کہ جب تک پوشیدہ رکھنا ممکن ہو موسیٰ کو دودھ پلائی رہ۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور وہ نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ کذا ذکرہ السدی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ

اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اُس کو تیری طرف

وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور کریں گے اُس کو رسولوں سے

اُمِّ موسیٰ کو تسلی:

ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچے کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو۔ ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچے کی پیدائش سے متعلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب

عطاء اور ضحاک راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد بہت ہوگئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دستی شروع کر دی اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا کسی کو حکم دیتے تھے، نہ گناہ سے منع کرتے تھے آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا بالآخر اللہ نے اپنے نبی موسیٰ کے ذریعہ سے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کرا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دایہ

حضرت ابن عباس کا یہ بھی بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آ گیا تو موسیٰ کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا یہ دایہ انہی دائیوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لئے مقرر تھیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی درد زہ ہوا تو اسی دائی کو بلوایا وہ آ گئی تو اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے مجھے فائدہ حاصل کرنا ہے دائی اپنے کام میں لگ گئی جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے اور دائی کے ہاتھوں میں آ گئے تو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے ایک نور نکلتا دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہو گئی اس کا ہر جوڑ لرز اٹھا پورے بدن میں سنسنی پیدا ہو گئی اور موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور میں تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے (یعنی میرا ارادہ تھا کہ تیرے بچہ کو قاتلوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہ پائی اس لئے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تنور کی آگ میں

پھر دائی کو موسیٰ کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا فوراً سب دروازہ پر آ گئے اور اندر گھسنا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن (دوڑی آئی اور) کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آ گئے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں سرکاری آدمی اندر گھس آئے تنور بھڑک رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرے پر کوئی تغیر نہ تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترا تھا کہنے لگے دائی یہاں کیوں آئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لئے آئی تھی غرض وہ لوگ واپس چلے گئے اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی عقل بھی ٹھکانے پر آئی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اتنے میں تنور کے اندر سے بچہ کے رونے کی آواز آئی ماں نے جا کر دیکھا تو تنور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور خنکی بھی اتنی جو باعث سلامتی تھی ماں نے موسیٰ کو اٹھا لیا۔

صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی

پھر مدت کے بعد والدہ موسیٰ نے دیکھا کہ فرعون کو لڑکوں کی تلاش بے حد ہے اور اس کو اپنے بچہ کا خطرہ ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰ کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس آ گئی جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوقچہ خریدا بڑھئی نے پوچھا تجھے کس کام کے لئے ضرورت ہے موسیٰ کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا سچ بتا دیا کہ میرا ایک بچہ ہے میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی۔ بڑھئی نے پوچھا کیوں والدہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا فرعون کے خوف سے غرض صندوقچہ خرید کر اٹھا لائی وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے پہنچ گیا اور کچھ بولنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہو گئی کچھ بول نہ سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھ سکے، جب اشاروں کو سمجھنے سے عاجز آ گئے تو ان کے سردار نے حکم دیا کہ اس کو مار کر نکال دو بڑھئی پٹ پٹا کر اپنی جگہ پہنچا تو اللہ نے پھر زبان میں گویائی کی طاقت لوٹا دی اور پھر مخبری کرنے کے ارادہ سے سپاہیوں کے پاس پہنچا اس مرتبہ زبان بھی بند ہو گئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ دل سکا نہ آنکھوں سے کچھ دیکھ سکا آخر مار کر لوگوں نے نکال دیا بڑھئی۔

بالآخر بڑھئی مسلمان ہو گیا

حیران پریشان لڑکتا پڑکتا ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے پختہ نیت کر لی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوت گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰ کی نشان دہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰ جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے اس کو سچا جانا اور بینائی اور گویائی واپس دے دی فوراً وہ سجدہ میں گر گیا اور دعا کی اے میرے رب مجھے اس نیک مرد کا پتہ بتا دے اللہ نے اس کو موسیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا

پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہوا ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا

اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ

بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے جو کہنے والے

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں

آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان کو اس بچہ سے بچے کی پیاری صورت بھلی معلوم ہوئی۔ آثار نجابت و شرافت نظر آئے۔ پالنے کی غرض سے اٹھا لیا۔ مگر اس اٹھانے کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ ہوا ہو، فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو اور ان کے حق میں سوہان روح بنے۔ ای ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھانے کا موقع دیا۔ فرعون لعین کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزار ہا معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہ ہی ہے جسے بڑے چاؤ پیار سے آج اپنے ہاتھوں میں پرورش کرا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے کہ بیتحاشا اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرتے رہے کے باوجود موسیٰ اور ہارون بچے دیا لیکن نہ چوکتے تو کیا کرتے، کیا خدا کی تقدیر کو مدل سکتے تھے یا مشیت ایزدی کو روک سکتے تھے۔ اس کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو سمجھے کہ انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ

اور بولی فرعون کی جورو یہ تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے لئے اور تیرے لئے

فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو بیٹا بنا لیا

یعنی ایسا پیارا بچہ ہے ہمارے کوئی لڑکا نہیں، لاؤ اسی سے دل بہلائیں اور آنکھیں ٹھنڈی کیا کریں بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا "لک لا لی (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر الٰہی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے سلوا رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ فرعون کی صرف ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہ تھی لڑکی سے فرعون کو بڑی محبت تھی ہر روز فرعون سے وہ اپنے تمام کام پورے کراتی تھی اس لڑکی کو تخت برص تھا فرعون نے اس کے علاج کے لئے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا (طبیب کوئی کامیاب علاج نہ کر سکے) ساحروں نے کہا کہ اس کو سخت دریا کی طرف سے ہوگی کوئی چیز انسان کی شکل کی دریا میں پانی جائے گی اس کے منہ کا لعاب لے لیا جائے اور برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے وقت ہوگا۔ چنانچہ دوسرا دن دوشنبہ کا تھا فرعون نے نیل کے کنارے اپنی بیٹھنے کی جگہ تیار کرائی اور جا کر بیٹھا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بہت مزاحم بھی تھی فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر نیل کے کنارے بیٹھ گئی اور لڑکیوں کے منہ پر پانی کے چھپاکے مار مار کر کھیلنے لگی اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لا رہی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

فرعون نے کہا نیل میں یہ چیز درخت سے آویختہ ہے اس کو لاؤ ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے سامنے رکھ دیا لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے پھر توڑنا چاہا توڑ بھی نہ سکے آخر آسیہ قریب آئی اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا کوشش کر کے اس نے صندوق کو کھول دیا اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھوے پر لیٹا تھا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور چمک رہا تھا اور اللہ نے اس کا رزق دونوں انگوٹھوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا اللہ تعالیٰ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا صندوقچہ سے بچہ کو نکالا گیا فرعون کی لڑکی بھی آ گئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر ملا فوراً اچھی ہو گئی لڑکی نے بچہ کو جوم لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔

جادوگروں کی ناکامی

جادوگروں سے کہا اے بادشاہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بچہ وہی ہے جس سے تجھے خطرہ تھا یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا وَنَتَّخِذَهُ وَلَدًا (یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے آسیہ کے اولاد نہ ہوتی تھی (یا تجھ تھی یا کوئی اور وجہ تھی) فرعون سے آسیہ نے کہا موسیٰ کو مجھے دے دو فرعون نے آسیہ کو موسیٰ ہبہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بچے کا نام: آسیہ سے کہا گیا ان کا کچھ نام رکھو آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ علیہ السلام رکھ دیا ہے کیونکہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔ مو، پانی۔ اور سا درخت۔

حضرت آسیہ: وہب بن منبہ نے بیان کیا جب فرعون کے سامنے صندوقچہ رکھا گیا اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰ برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے دشمنوں میں سے ہے موسیٰ کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے نکاح کر لیا تھا جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی مسکینوں کے لئے تو ماں تھی اس پر بڑا ترس کھاتی تھی بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو

اس نے فرعون سے کہا یہ لڑکا تو ایک سال سے راحہ کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
اسکو مت مارو شاید یہ ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کر لیں بیٹا

یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنے بنا لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عسیٰ اَنْ یَّنْفَعَنَا امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا۔ یہ قتل نہ کرنے کی درخواست کی ملت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر برکت کے نشانات ہیں ہم کو اس سے فائدہ اٹھنے کی علامتیں موجود ہیں۔ آسیہ نے یہ بات اس سے کہی کہ ان کو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمکتا نظر آ گیا تھا انگوٹھوں سے دودھ چوستے تھی انہوں نے کھینچ لیا تھا اور فرعون کی لڑکی بھی ان کے منہ کا لعاب لگانے سے اچھی ہو گئی تھی۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔ کیونکہ یہ بیٹا ہونے کے قابل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝
اور اُن کو کچھ خبر نہ تھی

یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ تجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ کیا ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے وہ خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح یقین ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ یہ اُس کا دوست ہوگا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہوگا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی امیدیں باندھتے ہو۔ مگر شرم نہیں آتی کہ اس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کی آواز بلند کر رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کاش کہ فرعون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس روز فرعون کہہ دیتا یہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لئے بھی ٹھنڈی چشم ہے تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن قیس مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ فرعون نے کہا تھا کہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھ کی ٹھنڈک نہیں ہے اگر وہ یوں کہہ دیتا کہ جیسے یہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا ویسے ہی میری آنکھ کی بھی ٹھنڈک ہوگا تو جس طرح اللہ نے آسیہ کو ہدایت یافتہ کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب بنا دیتا۔

محمد بن کعب نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ کی بابت عسیٰ ان ینفعنا کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لئے بدبختی لکھ دی تھی وہی بدنصیبی غالب آئی اور اس نے انکار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ۭ اِنْ كَادَتْ
اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰي قَلْبِهَا
کہ ظاہر کر دے بیقراری کو اگر ہم نے کر دی ہوتی اس کے دل پر
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی کیفیت۔

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈال تو آئیں مگر ماں کی مامتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور عام طور پر ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو لاؤ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر اہل تفسیر نے خالی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ موسیٰ کی یاد کے علاوہ اس کا دل ہر بات سے خالی ہو گیا۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کا دل خالی ہو گیا وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف و غم نہ کرنا۔ ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اس کو پیغمبر بنائیں گے۔ مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچہ کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر و ثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے (اس کا گناہ تو تجھ پر ہوگا اور اگر فرعون اس معصوم کو قتل کر دے گا تو تجھے اجر ملے گا) غرض جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں موسیٰ کو پا لیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا میں کہتا ہوں شاید اس کو اس

سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے اس کے دل میں جو القاء ہوا تھا وہ غلط ہو کیونکہ اولیاء کا الہام ظنی ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا الہام میں غلطی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قریب تھا کہ وہ یہ بات ظاہر کر دیتی۔

مقاتل نے کہا جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی لہریں اس کو اوپر اٹھا کر پھر نیچے پٹک رہی ہیں اور وہ لہروں میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوبنے جانے کا خطرہ اتنا ہوا کہ قریب تھا وہ چیخ پڑے (اور بات کھل جائے)

کلبی نے کہا جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ کو فرعون کا بیٹا کہا جانے لگا اور آپ کی والدہ نے بھی یہ بات سنی تو ان کو یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدہ موسیٰ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا (اس کو کوئی غم نہ رہا) جب کہ اس نے سن لیا کہ موسیٰ کو فرعون نے بیٹا بنا لیا ہے یہ بات سن کر اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے مغلوب ہو کر وہ قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے (میرے بیٹے کو فرعون نے بیٹا بنایا ہے)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں کہ موسیٰ اس کا دودھ پی لے گا اور پھر ماں کو لے کر آ گئی اور موسیٰ نے ماں کے پستان کو منہ میں لے لیا تو قریب تھا کہ ماں بول اٹھتی یہ تو میرا ہی بیٹا ہے لیکن اللہ نے اس کو اظہار سے بچا لیا۔

یوسف بن حسین نے کہا موسیٰ کی ماں کو دو حکم دیئے گئے تھے اور دو چیزوں کی ممانعت کی گئی اور دو بشارتیں دی گئی تھیں لیکن اس نوکسی سے کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اللہ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے دل کو مضبوط نہ کیا اور نے چینی کو سکون سے نہ بدلا تا کہ وہ ان مومنوں میں سے ہو جائے جو اللہ کے وعدہ پر پختہ بھروسہ رکھتے ہیں فرعون کے بیٹا بنانے پر بھروسہ نہ رکھے۔ (تفسیر قرطبی)

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ			
اور کہہ دیا اس کی بہن کو	پیچھے چلی جا	پھر دیکھتی	وہی اس کو
عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ			
انجان ہو کر	وہ	اس کو	خبر نہ ہوئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنے بھائی کے حالات کی جاسوسی

یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق نکلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہو گئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور علیحدہ رہ کر دیکھ کیا ہوتا ہے۔ لڑکی ہشیار تھی جہاں بچہ کے گرد بھیڑ لگی تھی وہاں بے تعلق انجان بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچہ کی بہن ہے۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ کی بہن موسیٰ کی ٹوہ لے رہی ہے اس قصہ میں یہ بھی آیا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ کو دیکھ رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوق میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا اور بہت پریشان ہوئیں اور سوائے خدا کے سچے رسول اپنے لخت جگر حضرت موسیٰ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا صرف و سکون جا تا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا، اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی دل تھی نہ کر دی جاتی تو وہ بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن خدا نے ان کا دل مضبوط دیا ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا والدہ موسیٰ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرما دیا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا (انجام ہوتا ہے؟ مجھے خبر کرتا۔ تو یہ اسے دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ ان کا خیال رکھتی ہوئی ساتھ ساتھ جا رہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے ان کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہؓ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دائیاں تھیں سب کو بچہ دیا گیا ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ بچے اُسے لے آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا اُس کا نبی علیہ السلام اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پیئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپ کو لے کر باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا آپ کی والدہ گو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد خدا نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہ نے فرمایا کہ اگر کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں یہ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت

اس کی کفالت اور خیر خواہی کرے گی؟ اس نے فوراً جواب دیا بجز ان الفاظ کے نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو، انعام اکرام کی خاطر کوں اس بچے سے ہمدردی نہ کرے گا؟ اس کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ ہمارا پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چلیں اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر آ گئیں اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیکھئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ اس کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی اسے سن کر آپ بہت خوش ہوئیں انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچے کی والدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ

اور روک رکھا تھا ہم نے موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ

میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں

لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾

تمہارے لئے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں

یعنی فرعون کی بیوی نے اس ملعون کو بھی بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بندوبست کر دیا تھا موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ لیتے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ کو لگا سکے۔ موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و تجسس میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک اُن کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور غور و پرداخت سے پالیں گے کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی۔ پھر تربیت میں کمی کیوں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں۔ بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام کئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے۔ اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ اُن کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

سر عورت کی پستان کو روک دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ علیہ السلام پی لیں چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ نے کسی کے پستان کو منہ نہیں لگایا۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی آخر اس سے یونہی گزر گئیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی مرضعہ کا دودھ نہیں پیا اور چلاتے رہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تفتیش

ابن جریج اور سدی نے هُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے شاید وہیں ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی سدی کا یہ قول نقل کیا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب بازپرس ہوئی تو اس نے کہا میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لئے کہہ رہی تھی اور اس بات کو ظاہر کرتا تھا کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے بعض اہل روایات نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے هَلْ أَدُلُّكُمْ کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے؟ اس نے کہا میری ماں ہے لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے؟ بشیر علیہ السلام نے کہا ہاں ہارون ہے (حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال لڑکوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا) لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا تو ہمارے پاس لے آ لڑکی نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی موسیٰ علیہ السلام نے خود اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا لیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کوکھیں بھر گئی سدی نے بیان کیا روز کی اجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لئے لے لیتی تھیں کہ وہ حرفی کافر کا مال تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھائے

وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

اور تاکہ جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

یعنی إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ میں جو دو وعدے کئے تھے ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہوتا رہا۔ اور دوسرے کو اسی پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کام اس طرح تھا لوگوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا بتاؤ کون

عورت ہے موسیٰ کی بہن نے اپنی ماں کا پتہ بتایا لوگوں نے کہا اپنی ماں کو بلا لا وہ جا کر ماں کو لے آئی لوگوں نے موسیٰ کی ماں کی گود میں بچہ کو رکھ دیا ماں نے دودھ پلایا بچہ نے پی لیا لوگوں نے بچہ کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر دیا اس طرح ہم موسیٰ کو ماں کے پاس واپس لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
پر بہت لوگ نہیں جانتے

یعنی وعدہ اللہ کا پہنچ کر رہتا ہے ہاں بیچ میں بڑے بڑے پھیر پڑ جاتے ہیں۔ اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
اور جب پہنچ گیا اپنے زور پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو حکمت
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾
اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم و حکمت کی عطاء

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم و فہم عطا فرمایا کیونکہ بچپن ہی سے وہ نیک کردار تھے۔ ایسے ہونہار نوجوان اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکما یعنی نبوت علما یعنی اللہ اور اس کے احکام کی معرفت بعض کے نزدیک اس سے نبی بنانا مراد نہیں ہے کیونکہ نبوت تو مصر سے ہجرت کرنے کے بعد مدین سے واپسی میں ملی تھی بلکہ اس سے مراد ہے دانش اور احکام شرعی کا علم۔ میں کہتا ہوں واو مطلق عطف کے لئے آتا ہے ترتیب ضروری نہیں۔ نبوت اگرچہ ہجرت کے بعد ملی تھی لیکن اس جگہ پہلے ذکر کرنا اس وعدہ کی تکمیل کو ظاہر کر رہا ہے جو آپ کی والدہ سے اللہ نے فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا ہے اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اشد کے لفظی معنی قوت و شدت کی انتہا پر پہنچنا ہے یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت و شدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت و شدت آ سکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا اشد کا زمانہ جلد آ جاتا ہے کسی کا دیر میں، لیکن حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد سے بروایت عبد ابن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشوونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح و قرطبی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ
اور آیا شہر کے اندر جس وقت
غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
بے خبر سوئے تھے وہاں کے لوگ

یعنی حضرت موسیٰ جوان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہوگا یا دوپہر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا المدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا، آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت و رسالت کا اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اسی کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے متبعین کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ان تمام قرائن سے اس روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی کچھ باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز آیا مگر ان کو شہر سے نکالنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ لوگ قیلولہ میں تھے (قرطبی) (مفتی اعظم)

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ
پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ
میں سے یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس نے اس کے جو تھا اس کے رفیقوں میں
عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى
اس کی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر ہنکا مارا اس کو موسیٰ نے پھر اس کو

عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ

تمام کر دیا بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن

مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ

ہے بہکانے والا صریح بولا اے میرے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا

فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

سو بخش مجھ کو پھر اس کو بخش دیا بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کی موت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم و کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل ان کے ساتھ لگے رہتے تھے، ان کی والدہ کا گھر شہر سے باہر تھا۔ حضرت موسیٰ کبھی وہاں جاتے کبھی فرعون کے گھر آتے۔ فرعون کی قوم (قبط) ان کی دشمن تھی کہ غیر قوم کا شخص ہے ایسا نہ ہو کہ زور پکڑ جائے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ کو دیکھ کر فریاد کی کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم و ستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر رگ حمیت پھڑک اٹھی۔ ممکن ہے سمجھانے بجھانے میں قبطی نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی کوئی سخت لفظ کہا ہو جیسا کہ بعض تفاسیر میں ہے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام نے اس کی تادیب و گوشمالی کے لئے ایک گھونسہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کمبخت کا کام تمام ہو جائے گا۔ پچھتائے کہ بے قصد خون ہو گیا۔ مانا کہ قبطی کافر حربی تھا، ظالم تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی نیت بھی محض ادب دینے کی تھی، جان سے مار ڈالنے کی نہ تھی۔ مگر ظاہر ہے اس وقت کوئی معرکہ جہاد نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی قوم کو کوئی الٹی میٹم نہیں دیا تھا۔ بلکہ مصر میں ان کو بود و ماند کا شروع سے جو طرز عمل رہا تھا اس سے لوگ مطمئن تھے کہ وہ یونہی کسی کی جان و مال لینے والے نہیں پھر ممکن ہے غیظ و غضب کے جوش میں معاملہ کی تحقیق بھی سرسری ہوئی ہو اور مٹکا مارتے وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا ہو کہ کتنی ضرب تادیب کے لئے کافی ہے ادھر اس بلا ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وار اشتعال پیدا ہو کر دوسرے مصائب و فتن کا دروازہ نہ کھل جائے۔ اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے اور سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے انبیاء علیہم السلام کی فطرت ایسی پاک و صاف اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت ملنے سے پیشتر ہی وہ اپنے دروازہ عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطائے اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے ولی تو ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوال: یہ قبطی حربی کافر تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟

جواب: یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ہوتا ہے اس کی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مراد ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن و اطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری کی کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے اور واقعہ اس کا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اس پر آپ نے ارشاد فرمایا، اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه فی شیء اور ابوداؤد کی روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں، اما المال فمال غدر لا حاجة لنا فیه، یعنی آپ کا اسلام تو ہم نے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس لئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں ان کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کا صاحب امانت کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم۔ اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالت امن و امان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا

ان اموال المشرکین ان کانت معصومة عند القهر فلا یحل اخذها عند الامن فاذا کان الانسان مصاحبا لهم فقد امن کل واحد منهم صاحبه فسفک الدماء و اخذ المال مع ذلک غدر حرام الا ان ینبذ الیهم عهدهم علی سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت معصوم ومباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اس لئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا سہتا ہو کہ عملی طور پر ایک دوسرے سے مامون ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال ربودنی نیز غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس عملی معاہدہ سے دست برداری کا اعلان نہ کردے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بنا پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر قبطی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو وقع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا لہٰذا یہ اتفاقی میرے لئے درست نہ تھی۔

مسئلہ اول یہ ہے کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنا چاہیے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرما کر ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کمافی روح المعانی) کفار یا ظالموں کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق وتنقیح لکھ دی ہے اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا:

استغاثہ مدعا طلب کرنا۔ اسرائیلی نے قبطی کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی موسیٰ کو سخت غصہ آیا قبطی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور اتنی بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ بھی ان کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لئے موسیٰ بنی اسرائیل کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔

آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا اس کو چھوڑ دے (وہ شاہی سپاہی تھا) اس نے کہا ہم تو اس کو اس لئے پکڑ رہے ہیں کہ یہ لکڑیاں اٹھا کر آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے (یعنی بیگار میں پکڑ رہے ہیں) موسیٰ اس سے جھگڑنے لگے فرعونی بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ لکڑیاں سر پر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقتور بھی آپ نے اس کے ایک گھونسہ رسید کر دیا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ۔ موسیٰ نے کہا یہ شیطانی حرکت ہو گئی بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا ہوا دشمن ہے گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت اس لئے قرار دیا کہ اس وقت آپ کو کافروں کے قتل کرنے کا حکم نہیں تھا اور ان لوگوں کے اندر آپ محفوظ بھی تھے ان میں سے کسی کو اچانک قتل کر دینا آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ لیکن یہ قتل خطا تھا قصداً نہ تھا اس لئے اس کو عصمت انبیاء کے خلاف نہیں قرار دیا جا سکتا موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت شمار کیا اور ظلم سمجھا اور پھر استغفار کی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ مقرب بندوں میں سے تھے حقیر فروگزاشت کو بھی عظیم گناہ جانتے تھے اہل قرب کی یہی حالت ہوتی ہے (اگر ان سے ادنیٰ غلطی ہو جائے تو وہ اس کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہیں اور پھر استغفار کرتے ہیں)۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا (کہ تیرے حکم کے بغیر ایک شخص میرے ہاتھ سے مارا گیا) سو میرے اس قصور کو تو معاف فرما دے اللہ نے موسیٰ کو معاف کر دیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی اللہ نے اپنا حق معاف کر دیا اور قبطی چونکہ معصوم الدم نہ تھا کہ جس کو قتل کرنا موجب قصاص و دیت ہوتا اس لئے وارثوں سے معاف کرانے کی ضرورت ہی نہ تھی نہ (قیامت کے دن) مقتول کے عفو کرنے کی ضرورت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ	
بولا اے رب جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں	
اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ۔	
کبھی نہ ہوں گا مددگار گنہگاروں کا	

یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو سزا سے راحت، قوت عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) تی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہو گی، مجرم اُسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں یعنی میری دعا ہوتی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی ان کی حمایت و اعانت میں خرچ نہ کروں گا یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں یعنی شیاطین کے مشن میں اُن کا مددگار کبھی نہ ہوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسے کام کرا دیں جس پر بعد کو پچھتانا پڑے۔ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ	
پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا انتظار کرتا ہوا	

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ

یعنی انتظار کرتے اور راہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد

لے گئے ہوں گے تیجئے کس پر جرم ثابت ہو اور مجھ سے کیا سلوک کریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ

پھر یہ کہ جس نے کل مدد مانگی تھی اس سے آج پھر فریاد کرتا ہے اس سے

اسرائیلی کی دوسری لڑائی

یعنی اسی اسرائیلی کی لڑائی آج کسی اور سے ہو رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

یستصرخہ: ان سے فریاد کر رہا ہے (مدد مانگ رہا ہے) یہ صراخ سے مشتق ہے (صراخ کا معنی ہے چیخنا فریاد کرنا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار ڈالا ہمارا حق (قصاص) دلوایئے فرعون نے کہا قاتل کو تلاش کرو اور گواہوں کو پیش کرو بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ لوگ تلاش میں گھومنے لگے لیکن کوئی یقینی شہادت نہ مل سکی اتفاقاً دوسرے روز موسیٰ جا رہے تھے کہ کل (والے) اسرائیلی کو کسی فرعونی سے لڑتے دیکھا اسرائیلی نے فریاد کی اور فرعونی کے خلاف موسیٰ سے مدد مانگی موسیٰ کل کے ہی قصور پر نادم تھے کہ ان کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا تھا اسرائیلی سے کہا تو ہی کج راہ ہے تیری کج راہی کھلی ہوئی ہے کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ رہا ہے اور مجھ سے مدد مانگ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ

کہا موسیٰ نے بیشک تو بے راہ ہے صریح

یعنی زور ظالموں سے الجھتا ہے اور مجھ کو لڑواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي

پھر جب چاہا کہ ہاتھ ڈالے اس پر جو

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ

دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے

أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ

کہ جیسے خون کر چکا ہے کل ایک جان کا

راز کا فاش ہونا

ہاتھ ڈالنا چاہا اس ظالم پر۔ بول اٹھا مظلوم جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ کیا ہے ہاتھ بھی مجھ پر چلائیں گے۔ وہ کل کا خون چھپا رہا تھا کہ کس نے کیا۔ آج اس کی زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

قبطی نے جب اسرائیلی کا یہ قول سنا کہ اس نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا تُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ تو سمجھ لیا گیا کہ کل جو قبطی مارا گیا تھا اس کے قاتل موسیٰ ہیں اور فوراً فرعون کو جا کر اطلاع دے دی فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا حضرت موسیٰ نے لوگوں کے اقوال سن لئے تھے کہ عام لوگ کہہ رہے تھے کہ وہی قاتل ہے اور یہ اطلاع فرعون کے پاس بھی پہنچ گئی تھی اور لوگ حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے تھے (بہرحال فرعون کو خبر پہنچ گئی اور فرعون کے درباری آپ کے قتل کا مشورہ کرنے لگے) (تفسیر مظہری)

إِنْ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ

تیرا یہی جی چاہتا ہے کہ زبردستی کرتا پھرے ملک میں

وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ

اور نہیں چاہتا تو صلح کرا دینے والا

یعنی زور زبردستی سے قتل کرتا ہی آتا ہے یہ نہیں کہ سمجھا بجھا کر فریقین میں صلح کرا دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ

اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا

قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

کہا اے موسیٰ اور بار والے مشورہ کرتے ہیں تجھ پر کہ تجھ کو مار ڈالیں

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ

تو نکل جا میں تیرا بھلا چاہتے والا ہوں

فرعون کے مشورے

یعنی خون کی خبر فرعون کو پہنچ گئی۔ وہاں مشورے ہوئے کہ غیر قوم کے آدمی کا یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ شاہی قوم کے افراد اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے۔ سپاہی دوڑائے گئے کہ موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں شاید مل جاتے تو قتل کرتے اسی مجمع میں سے ایک نیک طینت کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی۔ وہ چلدی سے مختصر راستہ سے بھاگا ہوا آیا۔ اور حضرت موسیٰ کو واقعہ کی اطلاع کر کے مشورہ دیا کہ تم فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ سنایا ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ ان کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر سب اکٹھے ہوئے تھے کہ ان پر مل کر پوٹ کریں اسی رات میں آپ وطن سے ہجرت کر گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ

پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچائے

مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ

مجھ کو اس قوم بے انصاف سے اور جب سیدھا

مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ

مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر:

حضرت موسیٰ مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اس نے مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچا کر انہیں امن و اطمینان کے ساتھ متامل بنایا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ بہت دور تک کی سیدھی راہ پر لے چلنا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

زجاج نے کہا یعنی اس راستہ پر چل پڑے جو مدین پر پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھاتے پینے کا سامان ساتھ تھا مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

قال یعنی موسیٰ نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہا۔ موسیٰ کو اپنے رب پر پورا یقین تھا۔

مشکلات سفر

اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ یعنی امید ہے کہ اللہ مجھے سیدھے راستہ پر ڈال دے گا جس میں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ موسیٰ کو مصر سے نکلتے وقت مدین کو جانے والا راستہ معلوم نہ تھا جب موسیٰ نے یہ الفاظ کہے کہ ایک فرشتہ (بصورت انسانی) ہاتھ میں چھوٹا برچھا لئے نمودار ہوا اور موسیٰ کو لے چلا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے موسیٰ جب مصر سے نکلے تو کھانے کے لئے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں انہی کو کھاتے کھاتے آپ کو اجابت بھی سبز ہونے لگی اور مدین پہنچے ہیں تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ کی یہ پہلی آزمائش تھی۔ (تفسیر مظہری)

معارف و مسائل

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ مدین، ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں کے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا، جو نبوت و معرفت کے منافی ہے۔ تو کل کے، تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت شاید اس لئے متعین کی کہ مدین بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کی اولاد میں تھے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اس طرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ، یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلاء اور امتحان تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً

اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت

مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۫

لوگوں کی پانی پلاتے ہوئے

مدین پہنچنا "مدین" "مصر" سے آٹھ دس دن کی راہ ہے۔ وہاں پہنچے دھوکے پیاسے دیکھا کنوئیں پر لوگ اپنے مویشی کو پانی پلا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا

اور پایا ان سے اور عورتوں کو روکتے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریوں کو اچھا ہے حال

قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۭ

بولیں ہم نہیں پلاتیں پانی چرواہوں کے پھیر لے جانے تک

دو حیاء والی بیبیاں وہ دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا دیں یا بذات خود بھاری ڈول نکال لیں۔ شاید اوروں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ

اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا

بیبیوں کی مشکل

یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ یہ جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں سوال ہی کا جواب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کا مقصد تھا بکریوں کو روکے رکھنے کا سبب دریافت کرنا باوجود یہ کہ پانی موجود تھا اور پلانے کی ضرورت بھی تھی عورتوں نے سبب بیان کر دیا کہ ہم کمزور عورتیں ہیں مردوں میں قوت کے ساتھ گھس کر آگے بڑھنا ہماری طاقت سے باہر ہے پھر ہم کو مردوں سے اختلاط کرنے میں شرم بھی آتی ہے۔ باپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں وہ خود یہ کام کر نہیں سکتے۔ شیخ کبیر کا کیا نام تھا بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد ضحاک سدی اور حسن کے نزدیک یہ بزرگ حضرت شعیب پیغمبر تھے وہب اور سعید بن جبیر نے کہا شیروں کا نام تھا جو حضرت شعیب کے بھائی کا بیٹا تھا۔ حضرت شعیب کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہو چکی تھی اور آپ کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان دفن کر دیا گیا تھا بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک اور مرد مومن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَقٰی لَهُمَا
پھر اس نے پانی پلا دیا اس نے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلوا دیا۔

پیغمبروں کے فطری جذبات و ملکات ایسے ہوتے ہیں، تھکے ماندے، بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال کر لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَقٰی لَهُمَا پھر موسیٰ نے ان دونوں عورتوں (کی بکریوں کو پانی پلا دیا)۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حضرت موسیٰ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کنویں پر پہنچے اور عورتوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے برابر والے کنویں کے منہ پر ڈھانکا ہوا پتھر اکھاڑ کر الگ کر دیا یہ کنواں پہلے کنویں کے قریب تھا اور پتھر اتنا بڑا بھاری تھا کہ ایک جماعت ہی اس کو اٹھا سکتی تھی بعض لوگوں نے کہا دس آدمی اس کو اٹھاتے تھے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ڈول پانی کھینچا اور برکت کی دعا کی ایک ہی ڈول سے سب بکریاں سیراب ہو گئیں۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد۔

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے لائی ہیں مگر ان کو لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جس کا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیاء کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کے ساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اس وقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔ (مفتی اعظم)

ثُمَّ تَوَلّٰۤی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ
پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز
اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ
اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے دعاء

یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ البتہ تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اس کا ہمہ وقت محتاج ہوں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ''عورتوں نے پہچانا کہ چھاؤں پکڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے علی القول المشہور) ان کو درکار تھا کہ کوئی مرد ملے نیک بخت جو بکریاں تھامے اور بیٹی بھی بیاہ دیں۔'' (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا موسیٰ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے پایا جب لوگ فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ گئے اور پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا پتھر اتنا بھاری تھا کہ دس آدمیوں سے کم اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے حضرت موسیٰ نے دو عورتوں کو الگ کھڑے دیکھا پوچھا تمہاری اس کنارہ کشی کا کیا مقصد ہے عورتوں نے وجہ بیان کی حضرت موسیٰ نے جا کر پتھر اٹھایا پھر پانی کھینچا اور صرف ایک ہی ڈول کھینچا تھا کہ سب بکریاں سیراب ہو گئیں عورتوں نے جا کر اپنے باپ سے واقعہ بیان کر دیا اس کے بعد حضرت موسیٰ سایہ میں چلے گئے رَبِّ اِنِّیْ لِمَاۤ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ الخ۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ خَیْرٍ یعنی کھانا تھوڑا ہو یا بہت۔ فَقِیْرٌ یعنی محتاج ہوں سائل ہوں چونکہ لفظ فقیر اپنے اندر سوال کا معنی رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ نے اللہ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں۔ امام باقر نے فرمایا موسیٰ اس وقت تھوڑے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے اس لئے من خیر فقیر فرمایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ نے رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ کہا حالانکہ آپ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔

مجاہد نے کہا حضرت موسیٰ نے سوائے خیر کے اور کچھ نہیں مانگا۔ بعض علماء نے کہا لما میں لام سببیہ ہے یعنی اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے خیر عطا فرمائی ہے (خیر سے مراد ہے دین اور حکمت) اس لئے میں فقیر ہوں فرعون کی مذہبی مخالفت میں نے کی اس لئے میری یہ حالت ہوگئی جب تک حضرت موسیٰ فرعون کے پاس رہے بڑے عیش سے رہے (پھر مخالفت مذہبی نے اختلاف پیدا کر دیا اور آخر یہ نوبت آ گئی کہ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے اس کلام سے حضرت موسیٰ کا مقصد تھا اظہار مسرت و ادائے شکر۔

میں کہتا ہوں اس تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے دین اور علم عطا فرمایا میں محتاج ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے عطا فرما یہی مضمون رب زدنی علما کا ہے۔

میں کہتا ہوں انزلت کو نزل سے بھی مشتق قرار دیا جا سکتا ہے اور نزل کا معنی ہے طعام مہمانی یعنی اے میرے رب میرے لئے جو کچھ کھانا تو فراہم کر دے میں اس کا محتاج اور سائل ہوں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت!

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا جس چٹان کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے آپ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں خدا نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے، کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھاتے رہے تھے پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ ترسے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے خدا کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔

میں نے کلیم خدا کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے کو گئے تھے جس سے خدا تعالیٰ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں عطاؒ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم شعیب علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد غزنی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیبؑ کے قومی آدمی کو اور موسیٰؑ کی سسرال والے کو مرحبا ہو کہ تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیبؑ کے بھتیجے تھے کوئی کہتا ہے قوم شعیبؑ کے ایک مومن مرد تھے بعض کا قول ہے شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے کہ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بَعِيْدٌ لوطؑ کی قوم تم میں سے کچھ دور نہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے تقریباً چار سو سال کا جیسے اکثر مؤرخین کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ
پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے

ایک بی بی کی واپسی

جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا وہ عورت بے باک نہ تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دبتی لچکتی، گرتے کی آستین منہ پر ڈالے شرمائی آئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ
بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق
اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا
اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیبؑ کا پیغام

حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کر رہے تھے۔ اس نے اپنے فضل سے خیر متوقع طور پر خیر بھیجی، دُعا قبول کیوں نہ کرتے۔ انہوں نے عورت کے ساتھ ہو لئے۔ لکھتے ہیں کہ چلتے وقت اُن کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آنا۔ عمداً الٹا سیدھا نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتلاتی اُن کے گھر پہنچی۔ (فتح البیان)

میں کہتا ہوں آیت میں لفظ خَیْرٍ تَقِیْرٌ لَّ والا ہے، اور قرائن بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو پانی پلانے کی اجرت اپنے لئے بلانے آئی تھی اور اسی غرض سے موسیٰ کو طلب کیا تھا اور موسیٰ اس کے ساتھ گئے تھے۔

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا اس نے بکریاں ضرور چرائیں تھیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بھی؟ فرمایا ہاں میں اہل مکہ کی چند بکریاں چند قیراط (دانگ یا دینہ جو چاندی) پر چراتا تھا۔ رواہ البخاری۔ ہم آگے ایک حدیث بھی ذکر کریں گے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور اپنی شکم کے لئے آٹھ یا دس سال تک اپنے آپ کو کرایہ پر دے دیا تھا۔

نیکی پر اُجرت کا مسئلہ

صحیح فیصلہ یہ ہے کہ تعلیم قرآن یا امامت یا اذان اگر اس عمل پر جو خود عبادت مقصودہ ہے یا عبادت مقصودہ کی شرط ہے اجرت لینا اور ٹھہرانا جائز نہیں ہاں جو امر بجائے خود مباح ہے (عبادت اور نیکی نہیں ہے) اور نیت صالحہ کے جذبہ طاعت بن جاتا ہے اس کی اجرت لینی اور ٹھہرانی جائز ہے امام شافعی نے تو اذان کی اجرت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی تعلیم قرآن کی اجرت درست مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ

پھر جب پہنچا اُس کے پاس اور بیان کیا اس سے احوال اپنا

لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

مت ڈر، بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی تسلی و امان

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیبؑ کو اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تیرا پتہ نہیں پا سکتے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)۔ (موضح)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۖ اِنَّ خَيْرَ

بولی اُن دونوں میں سے ایک اے باپ! اس کو نوکر رکھ لے اجرت پر تو

مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ

جس کو رکھنا چاہے وہ ہے زور آور ہوا معتبر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت و امانت

یعنی موسیٰ میں دونوں باتیں موجود ہیں۔ زور دیکھا دل کا لئے یا مجمع کو بہا دینے سے اور امانتدار سمجھا بے طمع اور عفیف ہونے سے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانتدار ہونا ضروری ہے بہتیرے کارگزار وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو (اور ان میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں اس لئے یہ بہتریں اجیر ہوں گے) استاجرت ماضی کا صیغہ بجائے مضارع کے بولنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کے ان دونوں اوصاف کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کی دانائی

خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لڑکی سے اس نے باپ سے پوچھا تجھے اس کی قوت و امانت کا حال کیسے معلوم ہوا؟ لڑکی نے کہا کنوئیں کے منہ سے اتنا بھاری پتھر اٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے چلنے کو کہا تھا تاکہ ہوا کی وجہ سے میری کھلی پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

تین زیرک آدمی

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تین آدمی بڑے زیرک اور ہوشیار تھے شعیبؑ کی لڑکی۔ یوسفؑ کا ساتھی جس نے کہا تھا عسیٰ ان ینفعنا اور ابوبکرؓ جنہوں نے اپنی زندگی میں عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا۔

اکثر اہل علم نے کہا چھوٹی سے نکاح کرایا تھا جس کا نام صفورہ تھا یہی لڑکی موسیٰ کو بلانے گئی تھی۔ بزار اور طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوذرؓ کی مرفوع روایت ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ موسیٰ کا نکاح کس لڑکی سے کرایا تھا تو تم کہہ دینا چھوٹی سے کرایا تھا وہ جب موسیٰ کے پاس آئی تھی اور اس نے کہا تھا یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ حضرت موسیٰ نے چھوٹی سے ہی نکاح کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت و صلاحیت دوسرے

استداری۔ ان کے چھر انھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت وقدرت کا اور راستہ میں لڑکیوں کو اپنے پیچھے کر دینے سے امانتداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کے لئے دو اہم شرطیں

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آج کل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے ہر کی صلاحیت اور ڈگریوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت وامانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی، اسی کا نتیجہ ہے کہ عام محکموں اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقربا پروری وغیرہ کی وجہ سے قانوں معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ (منتی اعظم)

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ

کہا میں چاہتا ہوں کہ یہ دونوں تجھ کو ایک اپنی لڑکیوں میں سے

هٰتَیْنِ عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ

ان شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی

شاید یہ ہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر باپ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقارب مہر ٹھہرا سکتا ہے (کذا نقلہ الشیخ الانور اطال اللہ بقاءہ) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ظاہر ہے حضرت شعیب نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین اور اس کی رضامندی حاصل کر لی ہوگی۔ (تفسیر حقانی)

بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ:

قَالَ اِنِّیْٓ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ یعنی لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہئے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا منافی حیا نہیں ہے جیسا کہ عمر بن خطابؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد ابوبکر صدیقؓ اکبر اور عثمان غنیؓ سے ان کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ (قرطبی)

اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقد نکاح کی گفتگو نہ تھی جس میں ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے

یکلہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ جو دو تجاویز عطا ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔

خدمت کو حق مہر بنانا: امام اعظم ابوحنیفہ سے ظاہر الروایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمت روپیہ کو مہر نہیں بنایا جا سکتا مگر ایک روایت حسن پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے یہ کہ خاوند بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم و احترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مواشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اس میں شرائط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی جیسے کہ اس واقعہ میں آٹھ سال کی مدت معین ہے تو اس صورت میں ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہو تو اس تنخواہ کو مہر قرار دینا جائز ہے (ذکرہ فی الدفاع عن مواقف اس سماعہ (منتی اعظم)

مسئلہ: خدمت کو لڑکی کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں حکم یہ ہے کہ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اور حدیث میں ہے۔ تفصیل کے لئے شروح ہدایہ دیکھیں۔

شعیب علیہ السلام نے نظام معاملہ اجارہ کا کیا تعین اور حقیقت ان کی قوت اور امانت کو دیکھ کر اپنی صاحبزادی سے کا ارادہ فرمایا اور نور نبوت سے ان کی صلاحیت اور علمی استعداد کا اندازہ لگا لیا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت کو پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (کاندھلوی)

بیع کے متعلق ایک مسئلہ

اصحاب ابی حنیفہ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو ملاحوں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

روٹی کپڑے پر مزدور رکھنا

صحیح امام احمد نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام پر لگا لینا درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ

پھر اگر تو پورے کرے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے

موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا حق مہر:

یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔ (تفسیر جلالین)

حضرت شعیب کا یہ کلام ایک طرح کی درخواست نکاح تھی عقد نکاح نہ تھا کیونکہ دونوں لڑکیوں میں سے کسی کی انہوں نے تعیین نہیں کی اور عقد نکاح کے لئے تعیین زوجہ لازم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشورہ کے بعد حضرت شعیب نے کسی ایک لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا ہوگا۔ لیکن یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اپنی بکریاں آٹھ سال تک حضرت موسیٰ سے چرواے کو پورا مہر یا جزو مہر قرار دیا تھا جیسا کہ حضرت عتبہ بن منذر کی روایت سے ثابت ہوتا ہے حضرت عتبہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورت طسم پڑھی جب موسیٰ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا موسیٰ نے شرمگاہ کی عفت اور پری شکم کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال تک ملازمت پر دے دیا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

مسئلہ اس آیت و حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ کسی عورت سے اس مہر پر نکاح کرنا کہ شوہر اس عورت کی بکریاں چرائے گا صحیح ہے اور ہماری شریعت میں بھی ایسا نکاح جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ بیان فرمایا اور ہماری شریعت میں ایسا کرنے کی نفی نہیں تھی اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

ہماری شریعت میں اس بات پر اجماع ہے کہ مہر عورت کا حق ہے عورت کے ولی کا حق نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بکریاں حضرت شعیب کی تھیں۔ اس لئے اجماع دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم شریعت شعیبی کا تھا ہماری شریعت کا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ
اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو
اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے

یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ
بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں
فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝
سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسہ اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

معاہدۂ نکاح کی تکمیل

یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہرحال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسہ پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو گواہ بنا کر معاملہ ختم کرتا ہوں۔ احادیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ (تفسیر عثمانی)

مقصد یہ ہے کہ دس سال گزرنے پر جیسے مجھ سے مزید مطالبہ نہیں جا سکتا ایسا ہی آٹھ سال گزرنے پر مجھ کو مزید کام پر آپ مجبور نہیں کر سکتے یا یہ مطلب کہ اگر آٹھ سال گزرنے کے بعد میں کام چھوڑ دوں گا تو معتدی نہ قرار پاؤں۔ مجھے قصوروار نہ سمجھا جائے۔

وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ اور ہم (باہم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کر دیا جائے اس جگہ وکیل سے مراد گواہ اور نگراں۔ اسی لئے اس کا صلہ علیٰ آیا ہے۔

حضرت شعیبؑ کا گریۂ شوق

حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیب نبی اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرما دی پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اللہ نے پھر بینائی عنایت کر دی اور فرمایا اس رونے کی کیا وجہ ہے کیا جنت کے شوق میں روتے ہو۔ دوزخ کے ڈر سے شعیب نے عرض کیا نہیں اے میرے رب (نہ میں جنت کے شوق میں گریہ کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے) بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں۔ اللہ نے وحی بھیجی اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو (یعنی نابینائی کی حالت مبارک ہو یہی حالت تم کو میرے دیدار تک پہنچا دے گی) اے شعیب میں نے تمہارے کام کے لئے موسیٰ کو تمہارا خادم بنا دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شعیبؑ کی لاٹھی۔

تکمیل معاہدہ کے بعد حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو حکم دیا کہ موسیٰ کو لاٹھی لا دو تاکہ درندوں سے وہ بکریوں کی حفاظت کر سکیں یہ لاٹھی کیسی اور کون سی تھی اہل روایت کے اس کے متعلق مختلف خیالات ہیں حضرت آدم اس کو جنت سے لائے تھے وفات آدم کے بعد جبرئیل نے وہ لے لی اور اپنے پاس رکھ لی یہاں تک کہ ایک رات آ کر موسیٰ کو دے دی یہ عکرمہ کا خیال ہے۔ دوسرے علماء نے کہا وہ لاٹھی جنت کے درخت آس کی تھی حضرت آدم اس کو جنت سے ساتھ لائے تھے پھر سلسلہ وار ہر نبی اس کا وارث ہوتا رہا نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ملی آخر حضرت نوح تک پہنچی پھر حضرت ابراہیم تک آئی پھر حضرت شعیب کو ملی پھر شعیب نے موسیٰ کو دے دی۔

لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ

سدی کا بیان ہے ایک فرشتہ نے آدمی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت

شعیب کے پاس امانت رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اٹھا لائی حضرت شعیب نے فرمایا یہ لاٹھی واپس لے جاؤ دوسری لا کر دو لڑکی نے وہ لاٹھی لے جا کر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اٹھانی چاہی مگر سوا اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی آخر اسی کو اٹھا لائی حضرت شعیب نے پھر واپس کر دی یہ لوٹا پھیری تین مرتبہ ہوئی بالآخر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے آئے۔ حضرت شعیب کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا وہ تو ایک شخص کی امانت تھی میں نے یہ کیا حرکت کی یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپس مانگی حضرت موسیٰ نے دینے سے انکار کر دیا یہ لاٹھی تو میری ہو چکی دونوں میں اختلاف ہوا آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا اس شخص نے فیصلہ کیا اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اٹھا لے لاٹھی اسی کی ہے موسیٰ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی حضرت شعیب نے ہر چند اس کو (اٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھا لیا حضرت شعیب نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ کے پاس چھوڑ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں

اس کے بعد جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ نے بی بی سے کہا تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریوں کی طلب کی حضرت شعیب نے فرمایا اس سال جو دو رنگا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا حضرت شعیب موسیٰ کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر حقا ضاء خون مرحمت کرنے کے خواہشمند تھے اسی لئے اپنی لڑکی سے فرمایا اس سال جو نر مادہ چت کبرے (ابلق۔ دو رنگے) بچے پیدا ہوں وہ میں نے تم کو دینے۔ اللہ نے موسیٰ کو خواب میں بتا دیا کہ بکریوں کے پیاؤ پر پانی میں لاٹھی ماریں موسیٰ نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق سی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب سمجھ گئے یہ خدا داد نصیب ہے اللہ نے موسیٰ کے لئے یہ رزق بھیجا ہے چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ کو دے دیئے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ

پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا

کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو

اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر

اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۚ فَلَمَّاۤ

یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب

اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ

پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے

فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ

برکت والے تختہ میں ایک درخت سے

یہ وہ ہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ (تفسیر عثمانی)

تکمیل مدت اور مصر واپسی

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ پھر جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی یعنی مدت ختم کر کے فارغ ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا مجھ سے حیرہ کے رہنے والے ایک یہودی نے دریافت کیا موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تھی میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں حبر العرب (علامہ عرب یعنی حضرت ابن عباس کے) پاس جا کر پوچھ کر بتاؤں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا فرمایا سب سے زیادہ اور خوشگوار ترین (جس سے فریقین کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا) مدت پوری کی اللہ کا رسول جب کوئی بات کہہ دیتا ہے تو کرتا بھی ہے۔ بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم سے پوچھا جائے کہ موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تو کہہ دینا دونوں مدتوں میں جو بہتر اور (حسن سلوک میں اعلیٰ تھی یا) زیادہ وفاء عہد والی رواہ البزار مجاہد نے کہا جب حضرت موسیٰ مدت مقررہ پوری کر چکے تو اس کے بعد بھی اپنے خسر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے کل بیس سال رہے اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی حضرت شعیب نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔

صحرائے سینا میں نور نظر آنا

یعنی جب طور سیناء کے قریب صحراء میں پہنچے اور رات تاریک تھی موسم سرما کی سردی بھی سخت تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے۔ جب موسیٰ آگ پر پہنچے

تو (پاک ہے) برکت والے حق ہر میں دائیں طرف کی وادی کے کنارے ایک درخت سے آواز دی گئی کہ موسیٰ! اے میں ہی اللہ رب العالمین ہوں۔

مقدس وادی طویٰ موسیٰ کے لئے نبوت کا مقام ہے میں اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا اور اسی جگہ وہ غیبی سے سرفراز کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مراد سے مقدس ہے (حسن بصری)

کلام الٰہی علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ کلام اللہ قدیم ہے اللہ کی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے وہ نہ چلاتا اور نہ بولتا ہے میں نہ حرف اور آواز نہیں مگر بندہ چونکہ چھوٹی اور چھوٹی باتوں کو سمجھتا ہے اس لئے اللہ سے اور نہ چھوٹوں کو بڑوں اور بڑوں کے پردہ ہی سے سن سکتا ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک خاص صورت میں نمودار ہوگا، فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں تو ایک مرتبہ اہل ایمان اللہ کو نہیں پہچان سکیں گے۔ دوسری مرتبہ اس سے بہتر صورت میں نمودار ہوگا تب اہل ایمان پہچانیں گے کہ یہ ہمارا رب ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے اور یہ صورت حسن اہل ایمان دیکھ کر اپنے خدا کو پہچانیں گے یہ تعداد ہے جس طرح چاند کی ایک صورت اور پہلی ہوگی اور ظاہر ہونے والی صورت مراد نہیں ہے اہل ایمان خدا تعالیٰ کا جلوہ دیکھیں گے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ وہ صورت خود خدا تعالیٰ کی صورت ہوگی پس جس طرح ذات خدا مدرک نہیں ہے اور نہ جس ہے اس کے لئے کوئی صورت ہے اور نہ کوئی شکل ہے مگر قیامت میں ان کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے پردے سے ہوگا تاکہ بندہ اس کا تحمل کر سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو کہ وہ جس طرح سے چاہتا ہے اور جیسے حرف اور آواز آتے ہے۔ البتہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے وہ نہ حرف ہے نہ آواز ہے بلکہ حرف اور آواز کو وہ خود پیدا کرتا ہے اور ان کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ اشاعرہ کا عقیدہ ہے اس سے معتزلہ تھے اور اس پر ضلالت کرنے والے تھے۔ جیسا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ دیکھو اتحاف شرح احیاء العلوم ص ۲۰۔ (معارف کاندھلوی)

اَنْ يٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ	
کہ اے موسیٰ	میں ہوں میں اللہ
وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ	
اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی پھر جب دیکھا اس کو ہلتے ہے جیسے سانپ ہے	
وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۭ	
الٹا پھرا پیٹھ دے کر اور نہ پھرا پیچھے پھر	اے موسیٰ آگے آ اور مت ڈر
اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ	
تجھ کو کچھ خطرہ نہیں	ڈال اپنا ہاتھ

تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ

نکل کے | بغیر برص | والی ہے

شروع رکوع سے یہاں تک کے مفصل واقعات سورۂ طٰہٰ، نمل میں گزر چکے۔ ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ

اور ملے اپنی | ہیبت

یعنی ہاتھ کو پہلو سے ملا لو۔ سانپ دیکھ کر ڈر جاتا ہے، کانپ جاتا ہے۔ شاید آگے سے بھی خوف اہل ہے اس لئے یہ ترکیب تلقین فرمائی ہے۔ (موضح)

خوف کا علاج حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے ان کو علم دیا تھا اپنا ہاتھ سانپ سے ملا دیتا۔ تو خوف دور ہو جاتا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ کے جسد کو خوف ہوا تو ان کو بھی ایسا ہی حکم ہوا جیسا کہ سانپ کھا لیتا ہے اس کا ہاتھ جاتا رہتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ تو تحمل بھی ایسے ہوا تو اس جناح سے مراد بازو ہے سانپ کا اس کا ہاتھ ہے اور موسیٰ کا ہاتھ ہے۔ (ابن جریر)

اس سے معلوم ہوا کہ خوف ایسی چیز ہے جس کا علاج ہو سکتا ہے اور خوف دو قسم کا ہوتا ہے ایک طبعی

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

سند ہوئے | تیرے رب کی طرف | فرعون | اور اس کے درباریوں کی

یعنی یہ دو معجزے ایسے ہیں جو فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس لے جائیں۔ یہ دونوں اس کی قوم کے اشراف تھے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ قَتَلْتُ

وہ تھے | لوگ | نافرمان | کہا | اے رب میرے | میں نے مار ڈالا

مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ

ان سے | ایک شخص | سو ڈر ہے | کہ | وہ مار ڈالیں گے

ان کے پہنچنے سے قبل ہی آپ نے یہ دعوت پہنچا دی۔

وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ

اور بھائی | ہارون | وہ | زیادہ صاف | مجھ سے | زبان | سو بھیج اس کو

مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ ۡ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ

میرے ساتھ | مددگار | کہ میری تصدیق کریں | میں ڈرتا ہوں | کہ جھٹلا دیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت

یعنی وہی تصدیق و تائید دے مجھ کو جو میرا بھائی مضبوط و قوی بنتا ہے۔ اور اس سے تعلق پر اور بھی بہت سی نعمتوں کا وعدہ ہے۔ آپ کی زبان میں لکنت تھی بچپن میں کوئی دشمن آگ لے آیا تھا اس وقت مارون نے دعا کی تھی (مسیح بیان)

موسیٰ نے کہا اے میرے رب میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ تیز زبان ہے اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج وہ میرے حضرت موسیٰ سے اپنے منہ میں انگارا لیا تھا اس سے زبان میں لکنت آ گئی تھی (اور بولنے میں گڑبڑاتے تھے)۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا

فرمایا ہم مضبوط کر دیں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور دیں گے تم کو ملکہ

يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ

پہنچ نہ سکیں تم تک ہماری نشانیوں کے تم اور جو تمہارے پیچھے چلے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواستوں کی منظوری

یعنی دو درخواستیں منظور ہیں ہارون تمہارے قوت بازو رہیں گے اور فرعونیوں تم پر چھو دست نہ ہو سکیں۔ ہماری نشانیوں کی برکت سے تم اور تمہارے ساتھی ہی غالب و منصور رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور فرعون کی مرعوبیت

حضرت شاہ رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں۔ انداز میں امت محمدیہ کے حال۔ فرعون کا امت موسیٰ تھا جب آپ نے یہ دعا پڑھی اللھم انی اذرأ بک فی نحورھم و اعوذ بک من شرورھم اللہ تعالیٰ نے مقابلہ میں رکھا ہوں اور ان کی برائی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل سے رعب و خوف مٹا دیا اور فرعون کے دل میں ڈال دیا۔ تجھ کو ان کا یہ حال دکھایا تھا امت محمدیہ کو دیکھتے ہی ان کا پیشاب خطا ہوتا تھا یہ دونوں مخصوص تھی موسیٰ اور عیسیٰ کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اب فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے جاؤ اور کہو دلیل یہ مخصوص پیش کرو اور ان فاسقوں کو راہ خدا تعالیٰ دکھاؤ۔ ان سے

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا

پھر جب آئے ان کے پاس موسیٰ ہماری نشانیاں کھلی کھلی

مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى

اور بولے کہ نہیں یہ مگر جادو بنایا ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام

یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض سا حرانہ تخیل و افتراء ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ

اور ہم نے سنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں

فرعون کی دلیل

یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا، اور ایک وقت سب کو اٹھا کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہوگا اور مجھ کو اس نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے کانوں میں یہ چیزیں کبھی نہیں پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ

اور کہا موسیٰ نے میرا رب تو خوب جانتا ہے جو کوئی لایا ہے ہدایت

مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ

اس کے پاس سے اور جس کے لئے ہوگا آخرت کا گھر

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

یہ نہیں بھلا چاہتا ظالموں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر

یعنی خدا خوب جانتا ہے میں وہ دعوے میں سچا ہوں اور اسی کے پاس سے ہدایت لایا ہوں اس لئے انجام بخیر ہونا میرا حق ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں کو دیکھ کر اور دلائل صداقت سن کر بھی حق کو جھٹلاتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اچھا فرعون کا انجام بھی تھوڑی دیر میں سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

علامہ الغازی یعنی دار آخرت میں اچھا انجام بیضاوی نے لکھا ہے الدار سے دنیا مراد ہے اور اس کا اصلی انجام جنت ہے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اصل مقصد ثواب ہی ہے اور عاقبت بمعنی عقاب ہوتا الغرض ہے (اصل مقصد نہیں ہے)

اہل تحقیق کا قول ہے کہ یہاں عاقبت کا اطلاق نیکیوں کے انجام یعنی

ثواب پر ہوتا ہے اور عقاب۔ عقوبت اور معاقبت کا اطلاق برائیوں کے انجام بدیعتی عذاب پر ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ

اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ

کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو

فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ

پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھ لوں موسیٰ کے رب کو

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے

فرعون کی حماقت

یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اچھا اینٹوں کا ایک پرا وہ لگواؤ تاکہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنا کر اور آسمان کے قریب ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات ملعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی لچر پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور فرعون نے کہا اے سردارو میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا نہیں جانتا۔

فرعون نے اپنے سوا کسی دوسرے خدا کو جاننے کی نفی کی خدا کے وجود کی نفی نہیں کی کیونکہ اس کو اپنے سوا دوسرے خدا کے نہ ہونے کا جزم نہ تھا۔

ہامان فرعون کا وزیر تھا فرعون نے اس کو پختہ اینٹیں بنوانے کا حکم دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون نے ہی سب سے پہلے پختہ اینٹیں بنوا کر عمارت بنوائی۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کہتے ہیں کہ ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمار اکٹھے ہو گئے اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے لکڑی کا کام کرنے والے کیلیں بنانے اور دوسرے کارگزاران کے علاوہ تھے چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنا دی کہ کسی شخص کی عمارت (اس زمانہ تک) اتنی اونچی نہیں بنی تھی۔ اللہ ان لوگوں کی آزمائش کرنی چاہتا تھا عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے فرعون نے اوپر پہنچ کر تیر اندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر چھوڑیں تیر اندازوں نے اوپر کو تیر پھینکے تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹے فرعون بولا میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا فرعون کو خچر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل کو بھیجا جبرئیل نے اپنا ایک پر خچر کے مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیئے ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا کر گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے (تفسیر مظہری)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق

وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ

اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں

فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کو پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

فرعون کا تکبر اور ہلاکت

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر لگے ملک میں تکبر کرنے یہ نہ سمجھا کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تا یادگار رہے کہ بدبخت ظالموں کا جو انجام سے غافل ہوں ایسا انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے واقعات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بڑائی فقط اللہ کی ہے۔

حق بمعنی استحقاق برحق بڑا ہونا اسی کو زیبا ہوتا ہے جس سے بڑا اور اس کے برابر بلکہ اس کی نسبت سے کچھ کم بھی کوئی دوسرا بڑا نہ ہو اور ایسا صرف خدا تعالیٰ ہے (اس کی بڑائی سے کسی کی کوئی نسبت ہی نہیں نہ زیادتی کی۔ برابری کی نہ کمی کی۔ درحقیقت وہی بڑائے کبریائی کے آخری درجہ پر پہنچا ہوا اسی لئے اللہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور بزرگی میری ازار (یعنی عظمت و کبریائی میرا ہی لباس ہے) جو شخص بھی اس لباس کو مجھ سے کھینچے گا (اور اتار کر خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن ابن عباس۔ حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بڑائی میری چادر ہے جو بھی میری چادر کو مجھ سے کھینچے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (ہلاک کر دوں گا) حمویہ نے حضرت ابوسعید اور حضرت ابوہریرہ کی روایت کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو شخص مجھ سے دونوں میں سے کسی کو بھی کھینچے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ

اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

گمراہی کے امام

یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بنا کر رکھا جائے گا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (ھود رکوع ۹) (تفسیر حقانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝

اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی

یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤلشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (تفسیر حقانی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ

اور پیچھے رکھ دی ہم نے اُن پر اس دنیا میں پھٹکار

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

اور قیامت کے دن اُن پر برائی سے

یعنی آخرت کی بُرائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں لوگ رہتی دنیا تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ (تفسیر حقانی)

لعنۃ یعنی رحمت سے دور کر دیا یا لعنت کرنے والوں کی لعنت اس کے پیچھے لگا دی کہ اللہ اور ملائکہ اور مؤمن بندے ان پر لعنت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ المقبوحین یعنی رحمت سے دور ملعون لوگوں میں سے ابوعبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاک کردہ لوگوں میں سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا شکل بگڑی ہوئی صورتوں والوں میں سے چہرے کالے آنکھیں نیلی۔ عرب کہتے ہیں قبحہ اللہ اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اُس کو دور کر دیا ہو تو عرب کہتے ہیں قبّحه قُبحاً وقُبوحاً۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم غارت

اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

کر چکے پہلی جماعتوں کو

حکمت عملی کی تبدیلی

نزول تورات کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے اہلاک سماوی کے جہاد کا طریقہ مشروع کر دیا گیا کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہا کئے۔ (تفسیر عثمانی)

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

سمجھ والی لوگوں کو اور راہ بتانے والی اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

تاکہ وہ یاد رکھیں

تورات کے مضامین:

یعنی تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے والی اور مستحق مت بنانے والی کتاب تھی۔ تا لوگ اُسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سمجھیں اور پند و نصیحت حاصل کریں۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اُس کے پیروؤں نے اُسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اُس کے ضروری علوم و ہدایت کی حفاظت کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سابقہ کتابوں کا مطالعہ

حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو قصے وغیرہ ہیں ان پر دیکھیں تا کہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری ہی اتباع لازم ہوتا (جس کا حاصل یہ ہوتا ہے، کہ آپ کو صرف میری تعلیمات کو دیکھنا چاہئے، تورات و انجیل کا دیکھنا آپ کے لئے درست نہیں۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا حواس وقت اہل کتاب کے پاس نسخہ تھا، تحریف شدہ تھا اور زمانہ ابتداء اسلام کا تھا جس میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی مکمل حفاظت کے پیش نظر اپنی احادیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو لوگ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری منسوخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات و انجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا

محکم ہے۔ دوام سے تابستہ اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور بعض احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی ان پر کچھ نہیں کیا، اس لئے حاصل آیت کا یہ ہوجائے گا کہ تورات و انجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بصائر ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں اور صحیح و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء راسخین ہی ہو سکتے ہیں، عوام کو بیشک اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جس میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہیے علماء راسخین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ

اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا

إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ

موسیٰ کو حکم

یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ کو نبوت اور تورات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ سے اللہ نے کلام کیا تھا۔ اور مناسب ہے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محمد تم وہاں موجود نہ تھے۔

وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ۔ یعنی جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس پیام لے جانے کی موسیٰ کے پاس وحی بھیجی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّٰهِدِينَ وَلَٰكِنَّآ أَنشَأْنَا

اور نہ تھا دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں

قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ

کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی اُن پر مدت

ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت

یعنی تو اس وقت کے واقعات تو ایسی صحت و صفائی اور بسط و تفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں طور کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم اُمی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک صحیح واقعات کو کوئی جید عالم تلمذ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام پر مدتیں اور قرنیں گذرتے، مرور دہور سے وہ علوم محرف و مسخ ہوتے جا رہے تھے دور وہ ہدایات مٹتی جا رہی تھیں لہذا اس علیم و خبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک امی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور اُن عبرتناک و موعظت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کر کے بے اختیار ماننا پڑے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے اس وقت کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ یہی ظاہر ہے کہ تم تو وہاں موجود نہ تھے۔ پھر اس نے کیا کہا جائے کہ جو حد آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس نے سامنے سے حجاب بھی حاضر ہے۔ یہ بیان اسی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوا

اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں کہ اس کو سناتا

عَلَيْهِمْ ءَايَٰتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ

ہماری آیتیں پر ہم بھیجتے ہیں رسول بھیجتے

خواب غفلت سے بیداری کا انتظام

یعنی موسیٰ علیہ السلام و مدین جا کر جو واقعات پیش آئے اُن کا ان خوبی و صحت سے بیان تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا اُس وقت تم شاہد تھے یا پیغمبری کے ساتھ وہیں سکونت پذیر تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہو اُس وقت "مدین والوں" کو سناتے ہوتے حالانکہ یہ چیز صریحاً منفی ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہیں۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ۔ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

یہ انعام ہے تیرے رب کا

طور و مدین کی تاریخ حراء و ثور میں دہرائی گئی

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا جبل الطور (جہاں غار حراء ہے) اور مکہ مدینہ میں جبل طور اور مدین کی تاریخ دُہرادی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ کو ندا ء۔

وہب کا بیان ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے محمد کا دیدار کرا دے اللہ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر تم چاہو تو میں ان کی امت کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنوا دوں موسیٰ نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا اے امت محمد امت والوں نے اپنے مایوں کی پشت سے لبیک کہا۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے فرمایا اے امت محمد قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ نے فرمایا اے امت محمد لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اللہ نے فرمایا اے امت محمد میری رحمت میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے (یعنی غالب ہے) میں نے مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا اور دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعا قبول کر لی۔ اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ (تفسیر مظہری)

نسائی شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے اُمت محمد! تم مجھ سے مانگو اس سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا، اور تم مجھ سے دعا کرو اس سے پہلے میں قبول کر چکا مقاتل کہتے ہیں کہ ہم نے تیری اُمت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

تاکہ تو ڈر سناوے اس لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

سنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں

یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سُن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ سے شاید آپ کے اقربین مراد ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تبلیغ و دعوت کے بعض آداب

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار، تکذیب اُن کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق بات اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، وہ بھی نہ مانا گیا تو تیسری چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں دل ڈال دینا تو کسی ناصح مخلص کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بھرپور کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ و دعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور اگر بات کیلئے کہ کبھی آن پڑے اُن پر آفت اُن کاموں کی وجہ سے

اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

جس کو بھیج چکے ہیں اُن کے ہاتھ، تو کہنے لگیں اے ہمارے کیوں نہ بھیجا ہمارے پاس

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

کسی کو پیام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں

پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے۔

یعنی پیغمبر کا آنا ان میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر ہر دن پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ اُن کی کھلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اُس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا سزا دہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر کم از کم متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھ لیتے ہم کیسے سبک اور ایماندار ثابت ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ ملا

أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

اس رسول کو جیسا ملا تھا موسیٰ کو

قوم کی کٹ حجتیاں۔

یعنی رسول نہ بھیجئے تو کہئے رسول کیوں نہ بھیجا۔ اب رسول تشریف لائے جو تمام پیشگوئیوں سے شان و وجاہت میں بڑھ کر ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارے ہم قوم اس وقت مانتے جب دیکھتے کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کی طرح عصا اور ید بیضاء وغیرہ کے معجزات ظاہر ہوتے اور ان کے پاس بھی توراۃ کی طرح ایک دم ایک کتاب اتر کر آ گئی یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کر دیتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ

یہ بھی نہ سمجھے کہ ہمارے اس سے پہلے خود ہی کو ملا تھا جو موسیٰ کو ملا تھا

یعنی موسیٰ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سے لے ماں لیا تھا جو یہ نئے آنے والے ان کو بھی ساحرانہ کہہ رہے ہیں جیسا کہ ابھی ایک دور کوع پہلے گزرا ہے جن کو مانع منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ اعتراض نکال لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلٍّ كَافِرُونَ

ہے گئے دونوں جادو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہے ہم دونوں کے منکر ہیں

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں مکہ کے کافر حضرت موسیٰ کے معجزے سن کر کہتے تھے کہ ویسا معجزہ اس نبی کے پاس ہوتا تو ہم مانتے جب یہود سے پوچھا اور توراۃ کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں مثلاً یہ کہ سب یرسی کھر ہے، آخرت کا جینا برحق ہے اور جو جانور اللہ کے نام پر ذبح نہ ہو حرام ہے (اور عرب میں ایک بڑی آخر الزماں آئیں گے جن کی یہ نشانیاں ہوں گی وغیرہ وغیرہ) تب لگے دونوں کو جواب دینے کہ توراۃ اور قرآن دونوں جادو اور موسیٰ و محمد (علیہما الصلوٰۃ والسلام) دونوں جادوگر ہیں (العیاذ باللہ) ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ

تو کہہ اب تم لاؤ کوئی کتاب اللہ کے یہاں کی جو ان دونوں سے ہدایت

مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

کرنے میں ان پر چلوں تم سچے۔

مشرکین ہدایت سے خالی۔

یعنی آسمانی کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہی دو کتابیں تھیں جن کی آسمانی کتاب ہونے کو تم بھی مانتے ہو اگر یہ دونوں جادو ہیں تو تم کوئی کتاب الٰہی پیش کرو جو ان سے بہتر اور ان سے بڑھ کر ہدایت کرتے والی ہو۔ بفرض محال اگر ایسی کتاب لے آئے تو میں اسی کی پیروی کرتے لگوں گا لیکن تم قیامت تک نہیں لا سکتے۔ اس سے زیادہ مدلل کیا ہوگی کہ خود ہدایت ربانی سے قطعی تہی دست ہو اور جو کتاب ہدایت آئی ہے اسے جادو کہہ کر رد کر دیتے ہو۔ جب یہ ایک انسان کا بنایا ہوا جادو ہے تو تم سارے جہان کے جادوگروں کو جمع کر کے اس سے بڑا جادو لے آؤ۔ آخر جادو کی چیز تو کس کو اس کا کوئی مقابلہ کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ

پھر اگر نہ قبول کریں تیری بات تو جان لے کہ وہ چلتے ہیں

أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ

بس اپنی خواہشوں پر اور کون ہے بہکا ہوا اس سے جو چلے اپنی خواہش پر بے

هُدًى مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ

راہ بتلائے اللہ سے بیشک اللہ انصاف والوں کو

خواہش کے بندے

یعنی جب یہ لوگ سچی ہدایت کو قبول کرتے ہیں اور نہ اس کے مقابلہ میں وہی چیز پیش کر سکتے ہیں تو یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کو راہ ہدایت پر چلنا مقصود ہی نہیں محض اپنی خواہشات کی پیروی ہے جس چیز کو دل چاہا مان لیا۔ جس کو اپنی مرضی اور خواہش کے خلاف پایا رد کر دیا۔ بتلایئے ایسے خواہرست ظالموں کو کیا ہدایت ہو سکتی ہے۔ اللہ کی عادت اس قوم کو ہدایت نہ دینی ہے جو ہدایت کو بے کار اور کرے اور محض خواہشوں کو حق کا معیار بنا لے۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ یہ محض تاکید ہے یا قید (احترازی) ہے کیونکہ خواہش نفس کبھی بھی حق کے موافق ہو جاتی ہے بشرطیکہ ایمان کامل ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہوگا جب تک کہ اس کا نیا ان نفس اس (حق) کا تابع (نہ) ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنہ عن عبداللہ بن عمرو۔ وقال الہروی صحیح۔ الظالمین یعنی جن لوگوں نے خواہشات نفسانیہ میں انہماک کیا ہوا اور خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ

اور تم پے درپے بھیجتے رہے ہیں وہ اپنے کلام کو کہ وہ دھیان میں لائیں

نزول ہدایت کا تسلسل

یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور طبرانی نے رفاعہ قرظی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ دس آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک میں ہوں۔

ابن جریر نے علی بن رفاعہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے دس آدمی جن میں ایک رفاعہ یعنی علی کے باپ بھی تھے۔ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ایمان لے آئے پھر ان کو دکھ درد دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝
جن کو ہم نے وحی سے کتاب اس سے پہلے وہ اس پر یقین لاتے ہیں
وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ
اور جب آگے سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر بیشک وہ ہمارے رب کا بھیجا ہوا
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝
ہم ہیں ان سے پہلے سے حکم بردار

انصاف پسند اہل کتاب:

یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے مقابلہ میں انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ وہ دونوں کو تسلیم کرتے جاتے ہیں پہلے سے تورات و انجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن پاک آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین و اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں ہم تو پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہٰذا ان پیشگوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہوا۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی رعایا کے چند لوگ

ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ اور آپ کے رفقاء حبشہ کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ان کی بہت پذیرائی کی اور اچھا سلوک کیا جب یہ لوگ لوٹنے لگے تو نجاشی کی حدود مملکت میں رہنے والوں نے نجاشی سے کہا ہم کو اجازت دیجئے کہ (ہم ان کے ساتھ جائیں اور) سمندر میں ان کی خدمت کریں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجدید عہد کریں (نجاشی نے اجازت دے دی) وہ لوگ اپنے ملک سے روانہ ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے احد، حنین اور خیبر کی لڑائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے لیکن ان میں سے کوئی شہید نہیں ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ہم کو اپنے ولیس کو جانے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے اپنے ملک میں ہمارے پاس مال ہے ہم وہاں سے مال لا کر مہاجرین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مہاجرین سخت محنت (ناداری) میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی وہ لوگ جیسے گئے تھے پھر مال لے کر آئے اور مہاجرین کو تقسیم کیا، اللہ نے انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے سعید بن جبیر وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہیں کے بارے میں اللہ نے آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تک نازل فرمائیں۔

اہل کتاب کا سابقہ ایمان:

اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے بلاشبہ یہی سچا ہے ہمارے رب کی طرف سے (اترا ہے) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم (اطاعت گزار) تھے۔

ہم اس پر ایمان لائے یعنی اس بات پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ مسلمین یعنی اقرار توحید میں مخلص تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھنے کی یہ وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دے دی تھی اور فرما دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی تھا اور انجیل میں بھی مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان نیا نہیں بلکہ پہلے سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا
وہ لوگ پائیں گے اپنا ثواب دوہرا اس بات پر کہ قائم رہے

دوہرا ایمان اور دوہرا اجر

یعنی مغرور و مستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق سچا سنا بے تکلف گردن تسلیم جھکا دی۔ (تنبیہ) شیخ اکبرؒ نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان

اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔ اول بالاستقلال دوسرا بالتبع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے، اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا باقی حدیث میں جو آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو تفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے فللہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ یعنی مومنین اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔

دوہرے اجر والے لوگ۔

قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دوہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان لایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، دوسرا وہ شخص جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی بھی، تیسرا وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کنیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اس کے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ حرم بنا لیا۔ (تفسیر معارف مفتی)

بِمَا صَبَرُوْا یعنی اس کے کہ وہ (نزول قرآن کے بعد اپنے ایمان پر) جمے رہے۔ (جس طرح پہلے ایمان رکھتے تھے اسی طرح اب بھی ایمان پر قائم رہے۔ برخلاف دوسرے اہل کتاب کے کہ نزول قرآن سے پہلے تو قرآن پر ان کا ایمان تھا اور کافروں کے مقابلہ میں رسول اللہ کے طفیل سے دعاء فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ جانا پہچانا قرآن (یا رسول) ان کے پاس آ گیا تو محض حسد کی وجہ سے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور سابق ایمان پر قائم نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں

اہل علم کے اوصاف

یعنی کوئی دوسرا ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروت و شرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ کبھی اُن سے کوئی برا کام ہو جائے تو اُس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دے کر شرک کو دفع کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ دشمنوں کی دشمنی کو انکے ساتھ بھلائی کر کے، دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ جس شخص کی تم سے دشمنی ہے (اگر) اس کے ساتھ احسان کرو گے تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ گہرا دوست ہے۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ طاعت سے معصیت کو دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو بدی کو مٹا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

جعفی نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور برائی سے معصیت مراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اتبع الحسنة السيئة تمحها یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کر تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم و حلم اور سیئہ سے مراد جہل و ظلمت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حلم و بردباری سے دیتے ہیں۔ (عارف سنتی عثمانی)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں

یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اس میں سے کچھ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں، خویش و اقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا
اور جب سنیں لغو باتیں اس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام
وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ
اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو ہم تو نہیں چاہتے جاہلوں سے

جاہلوں سے برتاؤ

یعنی کوئی جاہل لغو اور بیہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب! تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی لوت تمہی رکھو ہم کو ہمارے شغلہ میں رہنے دو۔ تمہارا کیا تمہارے اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آ جائے گا۔ ہم کو تم جیسے کے کچھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ میں تقریباً بیس اشخاص حبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں کیسے شخص ہیں۔

آپ سے بات چیت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا، اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابوجہل وغیرہ مشرکین نے اُن پر آوازے کسے کہ ایسے احمقوں کا قافلہ آج تک نہیں نہ دیکھا ہوگا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اُس کے غلام بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا سلامٌ علیکم لا نجاھلکم لنا ما نحن علیہ ولکم ما انتم علیہ لم مال انفسنا خیراً (بس ہم تم کو سلام کریں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اُس کا وہ ہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھائے پر لگے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

سلام علیکم اس سے مراد سلام تحیت و دعا نہیں بلکہ سلام ترک مراد ہے مطلب ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے۔ تم کو جواب نہیں دیں گے۔ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ یعنی ہم جاہلوں کا دین نہیں چاہتے تمہارے مذہب کو پسند نہیں کرتے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ہم جاہلوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے ہم جاہلوں میں سے ہونا نہیں چاہتے یعنی تم ہم کو گالیاں دیتے ہو برا کہتے ہو اگر جواب میں ہم بھی تم کو گالیاں دیں گے تو تمہاری طرح جاہل ہو جائیں گے اور ہم ایسا ہونا نہیں چاہتے ہم جاہلوں میں سے ہو جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے یہ حکم اس وقت تھا جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ میں کہتا ہوں بغوی کا یہ قول واقعہ نزول کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا نزول یا حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا یہ حضرات تو ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے یا ان حبشیوں کی بابت ہوا جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نجاشی کے پاس سے آئے تھے ان کی آمد بھی ۶ھ میں غزوہ خیبر کے وقت ہوئی تھی یا چالیس نجرانیوں اور آٹھ شامیوں کے متعلق نزول ہوا۔ یہ واقعہ بھی ہجرت کے بعد کا ہے اور اس وقت کا جب جہاد کا حکم آ چکا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ
تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے
اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ
اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے

جناب ابوطالب

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابوطالب) کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اُس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اُتری (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو، یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود (تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنا لینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہ ہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کف لسان کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں تو ابوطالب نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی (موت کے) خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور نسائی نے ابوسعید بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے ابوسعید نے کہا میں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا۔ کیا آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابوجہل و ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی؟ فرمایا ہاں۔ شیخین اور نسائی اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے سعید بن مسیب کے حوالہ سے ان کے باپ کی روایت نقل کی ہے سعید کے باپ نے کہا ابوطالب کے انتقال کا وقت آ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ وہاں موجود تھے حضور نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے اس کلمہ کو آپ کے لئے حجت میں پیش کر سکوں ابوجہل اور عبداللہ نے کہا کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگرداں ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کلمہ پیش کرتے رہے اور بار بار دہراتے رہے بالآخر ابوطالب نے جو آخری لفظ زبان سے نکالا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب۔ عبدالمطلب کے مذہب پر۔ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے ممانعت نہ ہوگی میں

آپ کے لئے دعا، مغفرت کرتا رہوں گا ان کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ الآیۃ نبی کے لئے اور مسلمانوں کے لئے مشرکوں کے لئے دعا مغفرت کرنی چار تمہیں الآیۃ۔ اور ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

اور وہی خوب جانتا ہے جو راہ پر آئیں گے

یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار کیا ہوتا علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی لغو گوئی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزا و اقارب کے اسلام نہ لانے سے تنگ دل نہ ہوں جس قدر آپ کا فرض ہے وہ ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں، اللہ ہی کے علم و اختیار میں ہے کہ ان میں سے کسے راہ پر لایا جائے (تسہیل بیان)

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ

اور کہنے لگے اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ

نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ۭ

اچک لے جائیں اپنے ملک سے

مشرکین کا عذر:

انسان جو ہدایت سے روکنے والی کی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں، لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہمارا قلعہ کر دیں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال۔ اس کا آگے جواب دیا ہے۔ (تسہیل بیان)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ قریشی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہم کو اچک لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ

کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پہاڑ کے مکان میں کھچے چلے آتے ہیں

ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ

اس کی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے

عذر کا جواب

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں مکہ نے لوگ کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں اللہ نے فرمایا اب ان کی دشمنی سے کس کی پناہ میں پہنچے ہو۔ یہ ہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ کو پرکھنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ (تسہیل بیان)

حرم دورِ جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی

دورِ جاہلیت میں عرب باہم قتل و غارت کیا کرتے تھے لوٹ مار کا عام دستور تھا کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرم کی حرمت کی وجہ سے امن چین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ ہرن بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے حرم کے اندر کوئی جانور بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔

جب بت پرستی کے دور میں بت پرست حرمت حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے تو حرمت کعبہ کے ساتھ جب حرمت توحید بھی شامل ہو گئی تو پھر جھپٹ لے جانے پر اللہ کیسے قدرت دے سکتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں نہ اس بات کو سمجھتے ہیں نہ غور کرتے ہیں۔ ورنہ تو کفر و معصیت کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے چاہیے نہ کہ ایمان و توحید سے کیونکہ۔ (تفسیر مظہری)

ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر و شرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل و قتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو اتہائی جوش انتقام کے باوجود اسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کر دے یا اس سے کوئی انتقام لے لے اس لئے ایمان لانے میں ان کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم و کرم سے ان کے کفر و شرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک

ہونے دے گا یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت میرے سوا دوسروں کی کرتے تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا اُلٹا خوف اللہ پر ایمان لانے سے ہوا (قرطبی) آیت مذکورہ میں حرم مکہ کے دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے، دوسرے یہ کہ وہاں اطراف دنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کر سکیں۔ (معارف مفتی)

حرم میں ہر قسم کے پھل

رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا ہر وقت ملتے رہنے کا مشاہدہ ہر شخص کرتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ) میں غور کریں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرف عام کے اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں کے ساتھ ہے مقام اس کا تھا کہ ثمرات کل شجر فرمایا جاتا، اس کے بجائے ثمرات کل شی فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں صرف پھلوں کے معنے میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے ملوں اور کارخانوں کی مصنوعات بھی ان کے ثمرات ہیں، اس طرح حاصل اس آیت کا یہ ہوگا کہ حرم مکہ میں صرف کھانے پینے ہی کی چیزیں جمع نہیں ہوں گی بلکہ تمام ضروریات زندگی جمع کر دی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ (معارف مفتی)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
اور کتنی تباہ کر دیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں اپنی گذران میں سے یہ ہیں
مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۭ
ان کے گھر آباد نہیں ہوئے ان کے پیچھے مگر تھوڑے

اللہ کے عذاب سے ڈرو:

یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو، دیکھتے نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرور ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تکبر اور سرکشی اختیار کی اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد کر ڈالا کہ آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر ان کی بستیوں کے پڑے ہیں جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کہ کوئی مسافر تھوڑی دیر سستانے یا قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشہ دیکھنے کے لئے وہاں جا اترے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈالو کہ ان کے کفر و شرک کے وبال سے کس طرح ان کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب تھاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز کفر و شرک ہے جو تباہی و بربادی کا سبب ہوتا ہے تم کیسے بے خبر بیوقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں کرتے ایمان سے خطرہ محسوس کرتے ہو۔ (معارف مفتی)

وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۝
اور ہم ہیں آخر کو سب کچھ لینے والے

یعنی سب مر مرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا، ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ
اور تیرا رب نہیں ہلاک کرنے والا بستیوں کو جب تک نہ بھیج لے
فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ
ان کی بڑی بستی میں کسی کو پیغام دے کر جو سنائے ان کو ہماری باتیں

قانونِ قدرت

یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی ہشیار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے نسبتاً سلیم و عقیل ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا۔ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا (شوریٰ۔ رکوع ۱) اسی لئے وہاں سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک اس قوم کے بڑے شہروں میں اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغام حق نہ پہنچا دے، جب دعوت حق پہنچ جائے اور لوگ اس کو قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب آتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی، اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ملحقہ قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے۔ (معارف مفتی)

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول۔ کہا گیا ہے کہ مراد ام القریٰ سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔ (ابن کثیر)

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝
اور ہم ہرگز نہیں غارت کرنے والے بستیوں کو مگر جب کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں

یعنی ہشیار رہنے پر بھی جب لوگ باز نہیں آتے، دائرہ ظلم وطغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اٹھا لینا ہے دنیا کی زندگی میں

وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

اور اس کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں

دنیا کا سامان فانی ہے

یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہئے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور جاہل پیہل کا مزا کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے۔ تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان خدا کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش ان کے سامنے محض ہیچ اور لاشے ہے کون عقلمند ہوگا جو ایک مدت دراز منغص زندگی کو بے غل و غش زندگی پر اور ناقص و فانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جس میں یہ بتلایا کہ اگر باقتضائے ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روز و متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہو جانے والی ہے اس لئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ فکر اس تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

عقلمند کون؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیا داروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب درمختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (معارف مفتی)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ

بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے

كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ

برابر ہے اس کی جس کو ہم نے ڈالا دنیا کی زندگانی کا پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝

وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آئے

مؤمن و کافر برابر نہیں

یعنی مؤمن و کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی حسرت ناک، العیاذ باللہ! ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، حشم و خدم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوان نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا اسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور ہیڑی ہتھکڑی لئے کھڑا ہے بس وہ پکڑ کر لے گیا اور وہاں پیش ہوا جس دوام کی سزا مل گئی۔ بتلاؤ اُسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت کیا یاد آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور تورات دسویں دی الحجہ کو عطا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَعْدًا حَسَنًا یعنی جنت کا وعدہ جس چیز کا وعدہ کیا جائے اگر وہ اچھی ہو تو اس کا وعدہ بھی اچھا ہوتا ہے جنت سے بڑھ کر خود اچھی ہے اس لئے اس کا وعدہ بھی اچھا ہے۔

فَهُوَ لَاقِيْهِ لامحالہ وہ اس کو وعدہ الٰہی کے مطابق ضرور پائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی وہ حیات دنیاوی کا سامان جو آلام سے پر ہے تکالیف اور مصائب نے اس کو مکدر کر دیا ہے پھر فانی ہے زوال کے بعد سوائے حسرت کے اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابوجہل یا حضرت علی اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ

اور جس دن اُن کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک

الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

جن کا تم بھروسا کرتے تھے

خدائی کے جھوٹے حصہ دار

یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید و حمایت کے لئے لاؤ تو سہی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں شاید شرکاء سے مراد وہ سردار ان کفر ہوں کہ جن کی وجہ سے

ان کے تابعین نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر انہیں کی عبادت اختیار کر لی تھی اور انہیں کا اتباع کرتے تھے۔ ان کو شرکا بطور استہزاء کہا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَآ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ

جن کو ہم نے بہکایا انکو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے

اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ۝

تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے

جھوٹے معبودوں کا عذر لنگ:

یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ذاتِ تلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء و خیالات کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال حضرت المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہے انہوں نے پرنام لے کر لیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے مراد ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح ہم بہک گئے تھے خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے کسی نے ہم پر جبر نہیں کیا تھا اسی طرح یہ لوگ خود اپنے اختیار سے بہکے تھے ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی ہم کو جبراً گمراہ کر دینے کا اختیار نہیں تھا ہم نے تو ان کو ورغلایا تھا وسوسے پیدا کئے تھے لالچ دیئے تھے۔ یہ لالچ میں پڑ گئے ہمارا پرفریب وسوسہ اگر چہ ان کو کفر کی طرف دعوت دے رہا تھا لیکن اللہ نے پیغمبر بھیج دیئے تھے کتابیں نازل کر دی تھیں ہر طرح کی دلیلیں قائم کر دی تھیں جن کی موجودگی میں ان کو ہمارے بہکاوے میں نہ آنا چاہیئے۔ یہ آیت معصومین کے حق میں ایسی ہی ہے جیسی دوسری آیت میں فرمایا ہے وَقَالَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ الخ۔

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ یعنی آج ہم تیری بارگاہ میں تیرے سامنے ان سے اور جس کفر کو انہوں نے اپنے نفسانی میلان و جھکاؤ سے اختیار کیا تھا سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یعنی یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوا دیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا، اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جرم سے بری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے ان کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور آسمانوں کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بری ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔ (معارف مفتی)

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے ان کو

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

تو وہ جواب نہ دیں گے ان کو

مصنوعی معبود مدد سے عاجز ہوں گے:

یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ ان نیکوں کو پکارو وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ۝

اور دیکھیں گے عذاب کسی طرح وہ راہ پائے ہوتے

گمراہوں کی حسرت:

یعنی اس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

اور جس دن انکو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ

پھر بند ہو جائیں گی ان پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے

رسالت کا سوال

پہلے سوالات توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی نسبت ہوا۔ یعنی اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں کے سمجھانے سے سمجھا ہوتا، بتلاؤ ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا۔ اور بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس روز ڈر کے مارے جب پیغمبر جواب میں لڑکھڑائیں گے اور جواب کو اللہ کے علم کے سپرد کر دیں گے (اور کہیں گے کہ تو جانتا ہے تیرے علم میں سے کہ ہم نے ان کو شرک کا حکم نہیں دیا وغیرہ) تو کافر لوگ کسی گنتی میں ہوں گے۔ وہ کیا کہہ سکیں گے۔ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ وہ آپس میں سوال نہیں کریں گے دہشت اور خوف کی وجہ سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہو گی یا اس خیال سے نہیں پوچھیں گے کہ جس سے سوال کیا جائے گا وہ بھی سائل کی طرح (لاجواب) ہو گا پھر پوچھنے کا کیا حاصل۔ (تفسیر مظہری)

بقول حافظ شیرازی ؎

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محمل ہا

(عارف کاندھلوی)

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ

سو جس نے کہ توبہ کی اور یقین لایا اور عمل کئے اچھے سو امید ہے

أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿٦٧﴾

کہ ہو چھوٹنے والوں میں

آخرت کی کامیابی ایمان و عمل صالح ہے

یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان و عمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان لایا اور نیکی اختیار کی حق تعالیٰ اس کی پہلی خطائیں معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔ (تنبیہ) فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ وعدہ سے شہنشاہانہ انداز میں یعنی اس کو فلاح کی امید رکھنا چاہیے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل و کرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

جس کو چاہے ان کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا

تخلیق و انتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے

یعنی ہر چیز کا پیدا کرنا بھی اسی کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو پسند کرنے یا چھانٹ کر منتخب کر لینے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے۔ جو اس کی مرضی ہو احکام بھیجے جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز کرے۔ جس کسی میں استعداد دیکھے راہ ہدایت پر چلا کر کامیاب فرما دے اور مخلوقات کی ہر جنس میں سے جس نوع کو یا نوع میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے موافق دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اس طرح کے اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ حافظ ابن القیم نے زاد المعاد کے اوائل میں اس مضمون کو بہت بسط سے لکھا ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا تھا یہ قرآن دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی ولید بن مغیرہ پر یا عروہ بن مسعود ثقفی پر۔ اس قول کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ اس آیت کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں لیا گیا ہے کہ یختار سے مراد اختیار احکام ہے کہ حق تعالیٰ جبلہ تخلیق کائنات میں منفرد ہے کوئی اس کا شریک نہیں تو اجرائے احکام میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ فرمائے۔

فضیلت کا معیار صحیح اختیار خداوندی ہے

حافظ ابن قیم نے اس آیت سے ایک عظیم الشان ضابطہ اخذ کیا ہے کہ دنیا میں جو ایک جگہ کو دوسری جگہ پر یا ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دی جاتی ہے یہ اس چیز کے نسب و عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ وہ بلا واسطہ خالق کائنات کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس نے سات آسمان پیدا کئے ان میں سے اعلیٰ کو دوسروں پر فضیلت دے دی حالانکہ مادہ ساتوں آسمانوں کا ایک ہی تھا۔ پھر اس نے جنت الفردوس کو دوسری جنتوں پر اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل وغیرہ خاص فرشتوں کو دوسرے فرشتوں پر اور انبیاء علیہم السلام کو دوسرے سارے بنی آدم پر اور ان میں سے اولوالعزم رسولوں کو دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے سب اولوالعزم رسولوں پر، پھر اولاد اسماعیل علیہ السلام کو دوسری ساری دنیا کے لوگوں پر پھر قریش کو ان سب پر اور بنی ہاشم کو سب قریش پر اور سید ولد آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب بنی ہاشم پر پھر اسی طرح صحابہ کرام اور دوسرے اسلاف امت کو دوسروں پر فضیلت دینا یہ سب حق

تعالیٰ جل شانہٗ کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مدار فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام کیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور طلحا اور راشدین میں صدیق اکبر ان کے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جس کا اردو ترجمہ احقر نے بنام بعض التفصیل لمسئلۃ التفضیل شائع کر دیا ہے اور احکام القرآن سورۂ قصص میں بھی اس کو بزبان عربی مفصل لکھ دیا ہے۔ اہل علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔ (معارف مفتی)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾

اللہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتلاتے ہیں

یعنی تخلیق وتشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز واختیاب سے جو شرکاء ٹھہرالئے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾

اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپا رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کچھ ظاہر میں کرتے ہیں

اللہ آگاہ ہے:

یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد وقابلیت سے آگاہ ہے اسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى

اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی کی تعریف ہے دنیا

وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ حکم ہے اور اسی کے پاس پھیرے جاؤ گے

معبود صرف اللہ ہے:

یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اسی کی ذات جمیع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اسی کی تعریف ہے۔ اسی کا حکم چلتا ہے اسی کا فیصلہ نافذ ہے۔ اسی کو قدر اعلیٰ حاصل ہے اور انجام کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اسی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات اور دن کا اول بدل کرنا بھی اس کا مستقل احسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُ الْحُكْمُ اسی کا فیصلہ (حکم) ہر چیز میں نافذ ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل طاعت کے لئے اس کا حکم مغفرت اور گناہگاروں کے لئے فیصلہ بدبختی مانفذ ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی (کے حکم) کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ

تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات

الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ہمیشہ کو قیامت کے دن تک

دن کی روشنی کی نعمت

مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اس سے روشنی سلب کر لے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لا سکتے ہیں۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَاۗءٍ ۭ

کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لائے تم کو کہیں سے روشنی

اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿٧١﴾

پھر کیا تم سنتے نہیں

یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آ جائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ

تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن

سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے

يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٧٢﴾

کہ لائے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے

رات کی نعمت

یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت و سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کون سی طاقت کر سکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔ (تنبیہ) اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے، اس لئے اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ کیساتھ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
اور تاکہ تم شکر کرو

یعنی رات دن کا اُلٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون و راحت بھی حاصل کرو اور دن کے اُجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز و شب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
اور جس دن اُن کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا
تم دعویٰ کرتے تھے اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتلانے والا

اعمال کے گواہ

احوال بتلانے والا پیغمبر یا اُن کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو اس دن کو جب کہ اللہ ان (کافروں) کو ندا دے گا اور فرمائے گا (آج) کہاں ہیں وہ میرے (فرض کئے ہوئے) شریک جن کو تم (اپنا سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والا) خیال کرتے تھے۔

یہ زجر کے بعد دوسری زجر ہے یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کے غضب کا موجب سب سے بڑھ کر شرک ہے پہلی زجر تھی اس بات پر کہ وہ اپنے سرداروں کے نقش قدم پر چلتے تھے اور سرداروں کا اتباع کر کے انہوں نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا تھا اور یہ دوسری زجر ہے اس بات پر کہ ان کا عقیدہ ہی بگڑا ہوا ہے وہ پتھروں کو اپنا سفارشی سمجھتے ہیں۔

نزعنا ہم نکال کر لائیں گے شہیدا یعنی پیغمبر کو جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ برھانکم اپنی دلیل یعنی اس بات کی دلیل کہ جس مذہب پر وہ چلتے تھے وہ صحیح تھا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ کہ الوہیت اللہ ہی کی حق ہے الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ضل غائب ہو جائیں گی جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز غائب ہو جاتی ہے ما کانوا یفترون یعنی دنیا میں جو بے اصل باتیں گھڑتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند

یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کس سند اور دلیل سے ٹھہرائے اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ
تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی اُن سے
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
جو باتیں وہ جوڑتے تھے

تب ان پر حق واضح ہوگا

یعنی اُس وقت نظر آ جائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اُس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو بتلاتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اُس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ
قارون جو تھا سو موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر

ربط مضامین

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ بعد دو کر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم

آحرت کے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

قارون ملعون

کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی پیشی میں رہتا تھا جیسا کہ ظالم حکمتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنا لیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اُس ملعون کو چُن لیا تھا۔ قارون نے اُس وقت موقع پا کر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر علم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد وغیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی عداوت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی اُن ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملے کبھی مایوس ہو کر شکایتاً کہتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام لائے ہم نے برداشت کئے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کر لو گے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اُس کی تائید میں کہا نہیں، ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا سکھلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زنا کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ اُن کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری جب حضرت موسیٰ نے اُس کو شدید قسمیں دیں، اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈرا۔ تب اُس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھلایا تھا۔ اُس وقت حضرت موسیٰ کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (فوائد عثمانی)

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہث۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتلاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔ اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ (ابن کثیر)

معارف ومسائل

سورۂ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو اُن کو فرعون اور آلِ فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں ان کا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اس کی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی دولت و مال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چند روز و متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا دانشمندی نہیں۔

قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے۔

روح المعانی میں محمد ابن اسحٰق کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور اس کی منافقت کا سبب دنیا کے جاہ و عزت کی بیجا حرص تھی۔ پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور ان کے بھائی ہارون اُن کے وزیر اور شریک نبوت تھے اس کو یہ حسد سوا کہ میں بھی تو اُن کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت و قیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ لفظ بغی چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنے ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے عہدے میں اس نے بنی اسرائیل کو ستایا (قرطبی) (معارف مفتی)

چادر لٹکانا:

شہر بن حوشب نے کہا (غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے لئے) قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسروں کے مقابلہ میں) ایک بالشت بڑھائی تھی (یعنی اس کے کپڑے نیچے لٹکتے تھے)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا کپڑا (ازار یعنی تہبند لنگی یا کرتا عمامہ وغیرہ) تکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔ رواہ البخاری۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی چادر غرور کی وجہ سے کھینچتا چلتا ہے اللہ (قیامت کے دن رحمت کی) نظر سے اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ امام احمد اور نسائی نے صحیح سند سے حضرت

ابن عساکر نے مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ (رحمت کی نظر سے) اس شخص کو نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار (لنگی یا پتلون) کو گھسیٹتا چلتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ
اور ہم نے دیئے تھے اس کو خزانے اتنے کہ اس کی کنجیاں اٹھانے سے
بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ
تھک جائے کئی مرد زورآور

قارون کے خزانے:

بعض سلف نے مفاتیح کی تفسیر خزائن سے کی ہے یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اُسے مشکل سے اٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتیح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اٹھاتے ہوئے کئی دور آور آدمی تھک جائیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اس کی صورت بتلائی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حیوہ مصری کی کرامت

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصریؒ سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور اس کی حاجتمندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات حدیثوں اور آثار میں اور بھی بہت سی مروی ہیں، جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی وہ کی تو اس قدر دولتمند ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ
جب کہا اس کو اُس کی قوم نے اترا مت اللہ کو
لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ
نہیں بھاتے اترانے والے

دولت پر اترانا: یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اترانا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں پر پشہ کی برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو اکڑنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اُس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا لغوی ترجمہ ہے خوشی اور مرغوب چیز پا تر سینہ کی کشائش جس فرح کی ممانعت کی گئی ہے وہ فرح بمعنی غرور ہے۔ جب انسان اپنے کو غنی پاتا ہے تو اترانے لگتا ہے مغرور ہو جاتا ہے تکبر کرنے لگتا ہے۔ ایسی فرح کی ممانعت ہے۔ اللہ نے اسی کو طغیان (بھولا نہ سمانا حد سے تجاوز کرنا) فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى انسان نے اپنے کو غنی پایا تو طغیان (غرور تکبر) کرنے لگا۔ قاموس میں ہے فرح کا معنی ہے خوشی اور (اپنے کو) بڑا سمجھنا۔ ہوی نے لاتفرح کا ترجمہ کیا ہے نہ تو اترا غرور نہ کر نہ اکڑ۔

حصولِ مقصد پر خوشی

فرح یعنی حصولِ مقصد سے خوشی تو فطری امر ہے بندہ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے اس کی ممانعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ دنیا ملنے پر خوش ہونا مطلقاً مذموم ہے (خواہ غرور و تکبر پیدا ہو یا نہ ہو) کیونکہ دنیا کی محبت اور دنیا کی پسندیدگی موجب ہے زوالِ دنیا کی طرف سے غافل ہو جانے کی اور فنا و زوال کی طرف سے غافل ہونا ہر حال مذموم ہے یہ سمجھ لینا کہ دنیا فانی ہے اس کی ہر لذت زوال پذیر ہے پیدا ہی جاتی ہے۔ انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ تو چیز تم کو نہ ملی اس کا غم نہ کرو اور جو کچھ اللہ نے تم کو عطا فرما دیا ہے اس پر خوش نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فرح کی اجازت صرف آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں اور آیت وَيَفْرَحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں دی گئی ہے میرے نزدیک قول فیصل یہ ہے کہ دنیا میں اس نعمت کے ملنے پر جو آخرت میں کام آنے والی ہے فرح کرنا بہر حال قابل تعریف ہے اور اسی کا حکم آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں دیا گیا ہے۔ اور جس دنیاوی نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے اس پر بھی خوش ہونا اچھا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے والا شکر گزار۔ روزہ دار صابر کی طرح ہے۔ ہاں اگر دنیوی لذتوں کے حصول کے بعد طغیان، سرکشی اور ناشکری پیدا ہو جائے تو قطعاً اس نعمت پر خوش ہونا مذموم ہے خوش ہونے کا مذموم یا محمود ہونا شکر اور ناشکری کی بناء پر ہے فی نفسہٖ بذاتِ خود حصولِ مطلوب پر خوش ہونا تو فطری امر ہے انسان کے اختیار گو اس میں دخل نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اترانے کی سزا

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہہ لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا جو قیامت تک دھنستا ہوا چلا جائے گا (بخاری) احمد کی روایت میں ہے کہ وہ چادروں میں اکڑتا ہوا نکلا تھا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں ہے نوفل سے ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا

بڑا لمبا چوڑا بھرپور جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ روغن والا خوبصورت شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال و کمال کو دیکھنے لگا، تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن و جمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں، اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو کیا خود اللہ تعالیٰ کو بھی تعجب ہے۔ وقل کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اڑنے لگا، اور قد پست ہونے لگا، یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت کے رہ گیا جسے اس کا ذاتی قریبی رشتہ دار آستین میں ڈال کر لے گیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ قارون کی ہلاکت حضرت موسیٰ کی بددعا سے ہوئی تھی۔

تکبر اور اترانے کی حدود

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر و غرور کرے۔ اور اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میری تو یہ خوشی رہتی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے، اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور وہ جمال کو پسند فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

لَا تَفْرَحْ فرح کے لفظی معنے اس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذت عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسے کہ ایک اسی آیت میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ اور ایک آیت میں لَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰىكُمْ اور ایک آیت میں ہے فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت میں فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ارشاد ہوا ہے۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس لذت و خوشی کو وہ اپنا ذاتی کمال اور ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان نہ سمجھے۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے۔ (معارف بحتی)

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے کمالے پچھلا گھر

مال و وسائل کا صحیح استعمال

یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ غفلت کے نشہ میں چور ہو کر غرور و تکبر کی چال چلنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں بگاڑ کا خواہاں نہ ہو بے شک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جو دنیوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں۔

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ یعنی جنت کی طلب کر مطلب یہ ہے کہ خداداد نعمتوں کا شکر کر اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستہ میں خرچ کر۔

وَلَا تَنْسَ نہ بھول یعنی بھولی بسری چیز کی طرح دنیا سے اپنا حصہ ترک نہ کر یعنی دنیا سے اتنا حصہ ضرور حاصل کر جس سے آخرت میں جنت تجھے مل جائے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان کا، دنیا میں اصلی نصیب وہ ہے جس سے آخرت کو حاصل کر لے۔ کذا قال مجاہد و ابن زید۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ
اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر
كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے

دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ

یعنی حصہ موافق کھا، پہن اور زیادہ مال سے آخرت کما۔ اور مخلوق کے ساتھ سلوک کر۔

سدی نے کہا نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا سے مراد ہے خیرات دینی اور کنبہ پروری کرنی۔ حضرت علی نے فرمایا اپنی صحت قوت جوانی اور مالداری کو آخرت کے حصول کے لئے صرف کرنے کو ترک نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھ اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مالداری کو افلاس سے پہلے۔ رواہ الحاکم والبیہقی بسند صحیح۔ واحمد فی الزہد۔ (تفسیر مظہری)

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری — اگر گنج قارون بچنگ آوری
بجز جان من ورنہ حسرت بری — سعدی نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہو گا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں۔ اسی خیال کو پیش نظر رکھے اور دنیا کے مال و منال پر گھمنڈ نہ

کرے اسی بنا پر کسی شاعر کا قول ہے۔

نفسک مما تجمع الدھر کلہ ردآء ان قلوی فیھما و حنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔

اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔ نظم

گر ملک تو شام تا یمن خواہد بود ور سرحد روم تا ختن خواہد بود
آنروز کزین جہاں کنی عزم سفر ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود
اگر پہلوانی اگر تیغ زن نخواہی بدر بردن الا کفن

(سعدیؒ)

(معارف کاندھلوی)

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

اور مت چاہ خرابی ڈالنی ملک میں اللہ کو بھاتے

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾

نہیں خرابی ڈالنے والے

زمین میں فساد نہ کر:

یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین پر فساد کا طلب گار ہوا۔ (یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہی فساد اور تباہی ہے)

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ یعنی بداعمالوں کی بداعمالی کی وجہ سے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ

بولا یہ مال تو مجھ کو ملا ہے ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے

قارون کا تکبر و خود غرضی:

یعنی میں ہنر مند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت و قابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي قارون نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے (مجھے دیا گیا ہے) وہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ قوم والوں نے قارون سے کہا تھا، أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ قارون نے اس کا تردیدی جواب یہ دیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا مجھے اس کا استحقاق تھا اس کی کوئی مہربانی نہیں جس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہو اور اس کے بندوں سے بھلائی کرنا مجھ پر فرض ہو جائے مجھے جو کچھ عزت مال اور سیادت ملی وہ میرے علم کی وجہ سے ملی۔ (تفسیر مظہری)

کیمیا گری کا علم:

بعض علماء نے کہا علم سے مراد ہے کیمیا گری، سعید بن مسیب کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ کیمیا بنانی جانتے تھے آپ نے علم کیمیا کا ایک حصہ تو یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا اس کی مالداری کا یہی گر تھا بعض اہل علم نے کہا۔ قارون نے جو لفظ علم بولا تھا اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گر جانتا ہوں کاشتکاری کے فن سے خوب واقف ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں انہی ذرائع سے میرے پاس مال آیا ہے۔

بُری خصلتیں

سہل نے کہا جس نے اپنے کو دیکھا (یعنی اترایا) اس نے فلاح نہیں پائی خوش نصیب وہ ہے جس نے اپنے اوپر (غرور کی) نظر نہ ڈالی اور (طرز غرور سے) اپنے افعال و اعمال کو نہیں دیکھا اور بدبخت وہ ہے جس کی نظر میں اس کے اپنے اقوال اعمال اور احوال پسندیدہ بنا کر دکھا دیئے ہوں اور ان پر فخر کرنے لگا ہو عنقریب کسی دن ایسا بدنصیب ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا جب کہ اس نے اپنے لئے برتری کا دعویٰ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ

کیا اس نے یہ نہ جانا کہ اللہ غارت کر چکا ہے اس سے پہلے کتنی

الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا

جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع

دولت کس نے دی؟

یعنی دولت کمانے کی لیاقت کسی نے دی۔ افسوس ہے منعم حقیقی کو بھول کر اس کی دی ہوئی دولت و لیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت و سرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں۔ اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ ان کا

انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے اُن کے گناہ

سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔

یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی۔ اللہ کو اُن کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہوئے ہیں، ہاں بطور توبیخ و تقریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گناہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو انزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ بُرا کام کیوں کرتا ہے اس کی برائی نہیں سمجھتا" (موضح) (تفسیر حقانی)

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۔ اور مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق (تحقیق کی غرض سے) نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دنیا میں وہ بغیر دریافت کئے جرائم کی سزا میں ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرے گا۔ پہلے اللہ نے ایسے لوگوں کو ہلاک کرنے کا ذکر کیا جو مالدار بھی بہت تھے اور تعداد میں بھی بہت تھے تاکہ قارون کے دل میں اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہو اس آیت میں فرمایا کہ یہ عذاب انہیں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ اللہ تمام اگلے پچھلے مجرموں کے جرائم پر مطلع ہے سب کو سزا دے گا۔ قتادہ نے لَا يُسْـَٔلُ کا یہ مطلب بیان کیا کہ بغیر پوچھے اور بغیر حساب لئے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا مجاہد نے کہا فرشتے ان سے ان کے جرائم کا سوال نہیں کریں گے بلکہ چہروں سے ہی پہچان لیں گے حسن نے کہا دریافت حال اور تحقیق کے لئے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ توبیخ و زجر کی غرض سے باز پرس کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ

پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ

يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ

طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے

اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾

قارون کو بیشک اس کی بڑی قسمت ہے

قارون کی ٹیپ ٹاپ

یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم و حشم کے ساتھ بڑی شان و شکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا، جسے دیکھ کر طالبین دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا قارون سفید خچر پر نکلا خچر پر سنہری ارغوانی زین تھی چار ہزار سوار تھے ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے تین سو باندیاں بھی سفید خچروں پر سوار ساتھ تھیں باندیاں گوری گوری ریشم اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔

بنی اسرائیل (اگرچہ دنیا کے طلب گار تھے لیکن) مومن تھے اس لئے یہ نہیں کہا کہ قارون کی دولت ہم کو مل جاتی یہ تو حسد ہو جاتا بلکہ یوں کہا کہ قارون کی دولت کی طرح کاش ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ

اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا

اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ

دیا ثواب بہتر ہے اُن کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا

دانا اہل علم کی نصیحت:

یعنی سمجھدار اور دین علم لوگوں نے کہا کہ کم بختو اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو سمجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

اور جن لوگوں کو (دین کا) علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے کہا ارے تمہارا بُرا ہو اللہ کے گھر کا ثواب (ہزار درجہ) بہتر ہے جو ان لوگوں کو ملے گا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور (کامل طور پر) انہی لوگوں کو دیا جائے گا جو (حرص و طمع سے) اپنے آپ کو روکنے والے ہیں۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی جو لوگ اس ثواب سے واقف تھے جس کا وعدہ اللہ نے مومنوں سے کیا ہے انہوں نے ان تمنا کرنے والوں سے کہا۔

وَيْلَكُمْ لفظ ویل مصدر ہے اس کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی تم مرو۔ ہلاک ہو جاؤ۔ حقیقت میں اس لفظ کا مفہوم ہے مدعا لیکن اس کا استعمال ناپسندیدہ کام سے روکنے اور زجر کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں

صبر کا پھل

[illegible] لوگ [illegible] سمجھتا ہے کہ [illegible] قسمت [illegible]
[illegible] (موضح قرآن [illegible])

[illegible]

قارون کی سرکشی کا آغاز

اہل روایت نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کے بعد [illegible] امام تھا اور توریت کا سب سے بڑا قاری تھا [illegible] خوش آواز اور مالدار بھی تھا لیکن اس نے سرکشی کی [illegible] سرکشی اور بے فرمانی کی ابتدا اس واقعہ سے ہوئی کہ [illegible] حضرت موسیٰ نے [illegible] اپنی قوم کو حکم دیا [illegible] اپنی چادر کے چاروں کونوں پر ایک ایک نیلا آسمانی رنگ کا دھاگہ باندھ لیں تاکہ [illegible] آسمانی رنگ ان کی نظر کے سامنے آ جائے اور آسمانی رنگ کو دیکھ کر آسمان کی طرف کا [illegible]

[illegible] اللہ نے ایسا [illegible] حضرت موسیٰ سے [illegible] ایسے [illegible] کی چادریں ملے رنگ [illegible] بنی اسرائیل [illegible] سے [illegible] چھوٹا حکم بھی نہیں [illegible] میرا چھوٹا حکم بھی نہیں [illegible] حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل [illegible] اپنی چادر [illegible] آسمانی [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] سے [illegible] نہیں مانا [illegible] اپنے [illegible] کی گستاخی اور سرکشی کا [illegible] تھا۔

قارون نے عہدہ طلب کر لیا

[illegible] حضرت موسیٰ [illegible] بنی اسرائیل [illegible] حضرت ہارون [illegible] اپنی اپنی قربانیاں [illegible] قربانی کی [illegible] حضرت ہارون [illegible] قربانی [illegible] سب سے بڑا قاری [illegible] بات پر سرکشی [illegible] حضرت موسیٰ نے [illegible] یہ عہدہ نہیں دیا ہے بلکہ اللہ نے یہ عہدہ [illegible] قارون [illegible] اس وقت تک [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] الفصل [illegible] اپنی [illegible] لاٹھیاں [illegible] رات یوں ہی گزر گئی [illegible] حضرت ہارون کی لاٹھی (ایک [illegible] کی طرح) [illegible]

قارون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدائی

اس کے بعد قارون حضرت موسیٰ سے الگ ہو لیا [illegible] حضرت موسیٰ کی قرابت [illegible] ہر وقت آپ کو دکھ دیتا [illegible] سرکشی [illegible] حضرت موسیٰ سے

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ

[illegible]

مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ مِن دُونِ اللَّهِ

[illegible]

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ

[illegible]

کرتے تھے) اپنا ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتریں لگوائیں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے باتیں کرتے ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا تھا (یہ محفل عیش روزانہ گرم ہوتی تھی)۔

قارون نے زکوۃ کا انکار کردیا

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (اور حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو وہ حکم سنایا) تو قارون نے ماننے سے انکار کردیا آخر حضرت موسیٰ سے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون نے مصالحت کرلی قارون نے وعدہ کرلیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری بمد زکوۃ میں ادا کرے گا جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہوگئی اور اس کے دل نے اتنا کثیر مال دینے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی تدبیریں ناکام

آخر (سوچ کر ایک تدبیر کی) بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کرکے کہا لوگو موسیٰ نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی اب (یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ) وہ تمہارے مال بھی لے لینا چاہتا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا آپ ہمارے بڑے ہیں جو آپ کی مشاء ہو حکم دیجئے قارون نے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم فلاں زانیہ عورت کو لے آؤ ہم کچھ معاوضہ دینا اس سے طے کرلیں گے وہ موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے اگر اس نے ایسا کرلیا تو بنی اسرائیل موسیٰ کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقہ سے نکل جائیں گے چنانچہ لوگوں نے اس عورت کو بلا لیا قارون نے ایک ہزار درہم بھی اجرت دینا منظور کیا۔ بعض روایات میں ہزار دینار بعض میں سونے کا ایک طشت دینا طے کیا بعض اہل روایت نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارون نے اس سے کہا تجھے مالدار بنادوں گا اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کرلوں گا بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ کو اپنے ساتھ زنا کرنے پر متہم کردے۔ جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا پھر موسیٰ کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کررہے ہیں آپ باہر آکر ان کو وعظ نصیحت کریں حضرت موسیٰ باہر آئے بنی اسرائیل اس وقت کھلے میدان میں جمع تھے آپ تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے بنی اسرائیل (سنو) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کے کوڑے ماریں گے بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور بیوی ہوتے ہوئے اگر زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کردیں گے قارون بولا خواہ تم ہی ایسے ہو (تب بھی اپنے کو یہی سزا دو گے) حضرت موسیٰ نے فرمایا خواہ میں ہی ہوں قارون کہنے لگا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے

حضرت موسیٰ نے فرمایا اس عورت کو بلاؤ اگر وہ یہ بات کہہ دے تو وہی بات (صحیح) ہوگی جو وہ کہہ دے وہ عورت آگئی حضرت موسیٰ نے اس سے کہا اے عورت کیا میں نے تیرے ساتھ ایسا کیا ہے یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں حضرت موسیٰ کے اس کہنے کا بڑا اثر لیا اور اس خدا کا حوالہ دیا جس نے بنی اسرائیل کے لئے دریا کو پھاڑ دیا اور توریت نازل فرمائی اور فرمایا کیا تو سچ سچ نہیں کہے گی اللہ نے اس عورت کا خیال پلٹ دیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج توبہ کرلینا اللہ کے رسول کو دکھ دینے سے بہتر ہے کہنے لگی نہیں۔ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ قارون نے مجھے معاوضہ دینا طے کیا تھا کہ میں آپ پر زنا کی تہمت لگادوں۔ حضرت موسیٰ یہ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور رو رو کر کہنے لگے اے اللہ اگر میں تیرا رسول ہوں تو میری وجہ سے اس پر غضب نازل فرما اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کردیا گیا تم جو حکم چاہو اس کو دو یہ حکم کی تعمیل کرے گی حضرت موسیٰ نے فرمایا۔

قارون کی ہلاکت

اے بنی اسرائیل اللہ نے جس طرح مجھے فرعون کے پاس بھیجا تھا۔ اسی طرح قارون کے پاس بھی بھیجا تھا۔ اب جو اس کے ساتھ رہنا چاہے وہ اس کے پاس ٹھہرا رہے اور جو میرا ساتھی بننا چاہے وہ اس کے پاس سے الگ ہوجائے۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے قارون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ سب اس کے پاس سے ہٹ گئے صرف دو آدمی اس کے پاس رہ گئے پھر حضرت موسیٰ نے (زمین کو حکم دیا اور) فرمایا اے زمین ان کو لے لے زمین نے ان کے قدم کھینچ لیے ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت اور فرش پر اس وقت موجود تھا زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا پھر آپ نے زمین کو حکم دیا لے لے زمین نے گھٹنوں تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا ان کو لے زمین نے کمر تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا ان کو لے لے۔ زمین ان کو گلے تک نگل گئی قارون اور اس کے ساتھی برابر موسیٰ علیہ السلام سے منت زاری کرتے رہے اور قارون برابر حضرت موسیٰ کو اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دیتا رہا یہاں تک کہ ستر بار اس نے واسطہ دیا لیکن شدت غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کی اور زمین کو حکم دیا ان کو لے غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔

اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے قارون نے ستر بار تم سے فریاد کی مگر تم نے ایک بار بھی اس کی فریاد رسی نہیں کی قسم ہے اپنی عزت و عظمت کی اگر وہ ایک بار بھی مجھ سے فریاد کرتا تو میں اس کی فریاد رسی ضرور کرتا بعض اقوال میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا آئندہ میں زمین کو کسی کا تابع حکم نہیں بناؤں گا۔

قتادہ نے کہا زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسالیا اور وہ روزانہ بقدر قد آدم زمین کے اندر دھنس رہا ہے اور یونہی دھنستا رہے گا مگر قیامت تک انتہائی گہرائی کو نہیں پہنچ سکے گا قارون کے زمین میں دھنس جانے کے بعد بنی اسرائیل آپس میں کہنے لگے کہ موسیٰ نے قارون کے لئے بددعا صرف اس لئے کی کہ خود اس کی جگہ اس کا مکان اور سارا مال متاع لینا چاہتے ہیں حضرت

موسیٰ سے دعا کی آپ کی دعا سے اللہ نے اس کے ساتھ اس کے گھر اور خزانوں اور مال متاع کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ

اور صبح کو لگے کہنے جو کل تمنا کرتے تھے اس کا سا

يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

ہے ارے خرابی یہ تو اللہ کھول دیتا ہے روزی

لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ

جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے

قارون کی ہلاکت سے عبرت

یعنی جو لوگ قارون کی ترقی و ترفع کو دیکھ کر کل یہ آرزو کر رہے تھے کہ کاش ہم کو بھی ایسا عروج حاصل ہوتا، آج اس کا یہ برا انجام دیکھ کر کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ اب ان کو ہوش آیا کہ ایسی دولت حقیقت میں ایک خوبصورت سانپ ہے جس کے اندر مہلک زہر بھرا ہوا ہے کسی شخص کی دنیوی ترقی و عروج کو دیکھ کر ہم کو ہرگز یہ فیصلہ نہیں کر لینا چاہیے کہ اللہ کے ہاں وہ کچھ عزت و وجاہت رکھتا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جس پر مناسب جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی فراخی مقبولیت اور خوش انجامی کی دلیل نہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کا نتیجہ تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے سچ ہے۔

کم عاقل عاقل اغنت مداهنة ... کم جاهل جاهل تلقاه مرزوقا

هذا الذی ترک الاوهام حائرة ... وصیر العالم النحریر زندیقا

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ

اگر یہ احسان نہ ہوتا اللہ کا ہم پر تو ہم کو بھی دھنسا دیتا

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ارے خرابی یہ تو چھٹکارا نہیں پاتے منکر

حقیقت سے آگاہی یعنی خدا تعالیٰ کا احسان ہے اس نے ہم کو قارون کی طرح نہ بنایا۔ ورنہ یہ ہی گت ہماری بنتی۔ اپنی طرف سے تو ہم حرص کے مارے یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِیَ قَارُوْنُ کی آرزو کر ہی چکے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہ کیا۔ اور نہ ہماری حرص پر سزا دی۔ بلکہ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھلا کر بیدار فرما دیا۔ اب ہمیں خوب کھل گیا کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کرنا شکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے

عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی

اصل خوش بختی: یعنی قارون کی دولت کو نادانوں نے کہا کہ اس کی بڑی قسمت ہے بڑی قسمت یہ نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے۔ سو وہ ان کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت کرنا اور بگاڑ ڈالنا نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع و انکسار اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش بجائے اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے یہ ہوتی ہے کہ اپنے دین کو اونچا رکھیں حق کا بول بالا کریں اور اپنی قوم مسلم کو ابھارنے اور سربلند کرنے میں پوری ہمت صرف کر ڈالیں۔ وہ دنیا کے حریص نہیں ہوتے۔ آخرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ دنیا تو ان کے قدم لیتی ہے۔ اب سوچ لو کہ دنیا کا مطلوب کیا دنیا کے طالب سے اچھا نہیں ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھ لو وہ سب سے زیادہ تارک الدنیا تھے مگر متروک الدنیا نہ تھے۔ بہرحال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد کا ذریعہ بنے وہی مبارک ہے ورنہ سچ۔ (تفسیر عثمانی)

تواضع کرنے والا حاکم

عطاء نے کہا لوگوں پر خیر اور شر دوستی نہیں کرتے اور ان کو حقیر نہیں جانتے حسن نے کہا حاکموں اور سرداروں کے پاس عزت و مرتبہ کے طلب گار نہیں ہوتے۔ حضرت علی نے فرمایا اس آیت کا نزول ان حاکموں کے متعلق ہوا جو باوجود قدرت کے تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ جو حاکم اور صاحب قدرت متواضع ہوتا ہے وہ ملک میں خود اونچا اٹھنے (اور سب پر فوقیت حاصل کرنے) کا خواستگار نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

عُلُوّ سے مراد تکبر ہے یعنی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا بنانے اور دوسروں کو حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ہر معصیت فساد فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ تکبر اور ظلم کا یا مطلق معصیت کا ارادہ کریں ان کا آخرت میں حصہ نہیں۔

فائدہ: تکبر جس کی خرابی اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ عزم بھی معصیت ہے

اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محروم ہونے کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم مصمم کے درجہ میں آجائے وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کمافی الروح) (معارف مفتی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو لے کر آیا بھلائی اس کو ملنا ہے اس سے بہتر

یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے کہیں بہتر بھلائی وہاں کی جائے گی ایک نیکی کا جو مقتضی ہوگا کم از کم اس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ

اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو برائیاں کرنے والے اس کو

عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے

مشفقانہ قانون: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا، وہ یقیناً ملنا ہے، اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا کہ ضرور مل کر رہے گی کیونکہ ممکن ہے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرما دیا کہ اپنے کئے سے زیادہ سزا نہیں ملتی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ

جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا

لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ؕ

وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ

دنیا و آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے

پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یہ کہ انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے یعنی آخرت میں جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر تم کو مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لائے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ آیت اتری ہجرت کے وقت یہ تسلی فرما دی کہ پھر مکہ میں آؤ گے۔ سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر بعض مفسرین نے معاد سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے سرزمین شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ نے ان اقوال میں بہت عمیق و لطیف تطبیق دی۔ یعنی معاد سے مراد اس جگہ مکہ معظمہ ہے (کمافی البخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہما نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آگے اجل کے بعد حشر، حشر کے بعد آخرۃ اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر لائے گا مکہ میں، اس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان و شکوہ سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطن عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اس پر عمل کو فرض کرنے والا خدا تعالیٰ آخر کار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ لائق تفسیر میں سے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور وہاں سے دو مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ مکرمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا، اسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ خدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی، اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)۔ (معارف مفتی)

اِلٰى مَعَادٍ معاد سے مراد ہے کہ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا یہی قول بیان کیا ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے قتیبی نے کہا کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ معاد میں تنوین تنکیر اظہار عظمت و شان کے لئے ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا رسول، اللہ کے دشمنوں پر غالب آیا کفر و شکست ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ میں کہتا ہوں۔ موت اصلی حالت کی طرف واپس ہونے کا نام ہے اسی لئے معاد موت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ۔ تم بے جان تھے اللہ نے تم کو جاندار بنایا پھر وہ تم کو بے جان کر دے گا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اس کے جواب میں اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی

وَمَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

یعنی حق خالی میری ہدایت اور کھلم کھلا میں وہ گمراہی کی گمراہی کو خوب جانتا ہے لیکن وہ اپنے ساتھیوں کے احوال سے واقف ہوجائے گا۔ سبھی وہ ملتا ہے جو ہدایت پر ہے یا گمراہوں کو سزا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

منصب نبوت محض رحمت خداوندی ہے

یعنی آپ پہلے سے پیغمبری اور کتاب کے امیدوار نہ تھے۔ محض وہ رحمت الٰہی ہے جو حق تعالیٰ نے پیغمبری اور وحی سے سرفراز فرمایا۔ وہی اپنی مہربانی اور رحمت سے دیا۔ آخرت میں وہ یاب فرمائے گا لہٰذا اسی کی امداد پر بھروسہ رکھیے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ

جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی اپنی قوم کو اپنا نہ سمجھ جنہوں نے تجھ سے بدی کی (کہ مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا) اب جو تیرا ساتھ دے وہی اپنا ہے۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ

اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ

دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے

یعنی دین کے کام میں اپنی قوم کی خاطر اور رعایت نہ کیجئے اور نہ آپ ان میں سے ہیں کہ اپنے قرابتداروں یا ماں اور اپنے رب کی طرف بلانے والے اور خدا کے احکام پر چلنے والے کو چھوڑ دیں۔

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود

خود آپ خطاب کرتے ہوئے دوسروں سے اپنی تبلیغ میں بھی حصر مقصد یہی بیان فرماتے ہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوائے ہر چیز فنا ہے مگر اس کا منہ

فانی اور باقی

یعنی ہر چیز اپنی ذات سے معدوم ہے اور تقریباً تمام چیزوں کو فنا ہے جاہ کبھی اور مگر ان کا منہ یعنی وہ آپ سے بھی معدوم ہوتے نہ کبھی فنا ہوسکتے ہیں۔ ع

ع الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔ قال ذوی اور بعض خلف نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہوجانے والے ہیں سوا اس کام کے جو خالصاً لوجہ اللہ کیا جائے۔ واللہ خالی اعلم۔ (تسہیل جنی)

اقال اللہ تعالیٰ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

(ع) الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن نفخ صور کے وقت ہر چیز پر فنا طاری ہوجائے گی مگر آٹھ چیزیں فنا اور ہلاکت سے مستثنیٰ ہوں گی۔

فمنها حکم القضاء ومنها من الخلق والخالق فی حبر العلم هی العرش والکرسی والارواح وعجب الذنب کذا اللوح والقلم

(معارف کاندھلوی)

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۭ

اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے

اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے

یعنی سب کو اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً و ظاہراً بھی کسی کا حکم و اقتدار باقی نہ رہے گا۔ اے اللہ اس وقت اس گنہگار بندہ پر رحم فرمایئے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے

(تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ) (قصہ کل)

پناہ بندی و ہستی تو ئی ہمہ ہستند آپے ہستی توئی

سورة العنكبوت

[illegible] اس کے اس دعوے میں پختہ ایمان والے ہیں یا [illegible] اس کی شہادت ہے، چاہے کہ اس کو تجرباتی مصیبت میں مبتلا [illegible]

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ
[illegible] ہوئی ان کی اگلی آیتیں ہیں اور [illegible]
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
[illegible]
الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا
[illegible] لوگ [illegible]
اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ
[illegible]

ایمان کا امتحان ضروری ہے

یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ [illegible] سے امتحان و ابتلا کے لئے تیار ہو جانے یعنی آسودگی ہے جس پر قدم اٹھانا چاہتا ہے حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے اس کے بعد صلحاء کا پھر درجہ بدرجہ ان لوگوں کا جو ان سے ہاتھ مشابہت رکھتے ہوں۔ یہ امتحان آدمی کا اس کی دینی حیثیت کے موافق ہوتا ہے جس قدر کسی شخص کا دین میں مضبوط اور پختہ ہوگا اسی قدر امتحان میں سختی کی جائے گی۔ (ضیاء القرآن)

آزمائش کی صورتیں

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ فتنہ سے مشتق ہے جس کے معنی آزمائش کے ہیں۔ اہل ایمان خصوصاً انبیاء و صلحاء کو دنیا میں مختلف قسم کی آزمائشوں سے گزرنا ہوتا ہے پھر انجام کار فتح اور کامیابی ان کی ہوتی ہے۔ یہ آزمائش مخالفین کفار و فجار کی دشمنی اور ان کی طرف سے ایذاؤں کے وارد ہونے میں ہوتی ہے جیسا کہ انبیاء اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو اکثر پیش آیا ہے جس کے بے شمار واقعات سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور کبھی یہ آزمائش امراض اور دوسری قسم کی تکلیفوں کے ذریعہ ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو پیش آیا، اور بعض کے لئے یہ دونوں قسمیں جمع بھی کر دی جاتی ہیں۔

[illegible] امتحان میں کامیاب ہونا (اول) [illegible] مدعا دعویٰ کی پابندی ہے۔ (دوم) مخالفوں کے اعتراض سے (سوم) کافروں کی ایذاء، ماروں اور تکلیفوں سے [illegible]

شانِ نزول [illegible] اس آیت کا نازل ہونا، اور ایات دوسری میں جو عبرت ہے [illegible] کے ہاتھوں ستائے گئے مگر ہمارا نام ہے۔ زمانہ کے علماء و صلحاء اور اولیاء امت و مختلف قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہیں اور آتی رہیں گی (قرطبی) [illegible]

صحیح حدیث میں ہے [illegible] سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے پھر صلاح و تقویٰ والوں کا پھر ان سے کم درجے والے پھر ان سے کم درجے والے اس امتحان ان کے دین کے اندازے پر ہوتا ہے اور اگر دین میں سخت ہے تو مصیبتیں بھی سخت نازل ہوتی ہیں۔ (قرطبی)

ماخذ، اور دل سیاری باید شنید جوہر یار قصہ اغیاری باید کشید

ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے یہاں یہ آیت چھ قسم کے لوگوں (یعنی فی مسلمانوں) کے بارے میں نازل ہوئی تھی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مکہ سے چل پڑے تھے مشرکوں نے ان کو واپس کرنے (مدنی) بھائیوں نے ان کو وہ آیت لکھ کر بھیجی جو ان کے بارے میں نازل ہوئی تھی جسے یہ آیت پڑھ کر وہ نکل کھڑے ہوئے۔ شہید ہونے والے شہید ہو گئے اور بچنے والے بچ گئے۔ انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا الخ سلسلہ۔

سعدی نے حضرت ابن عباس سے حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت میں الناس سے مراد یہیں مکہ میں رہ جانے والے مسلمان تھے جن میں ہشام حیاش بن ربیعہ ولید بن ولید وغیرہ تھے۔

ابن سعید ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت عبید اللہ بن عمیر سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت اہل مدینہ حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوئی آپ کو اللہ کی راہ میں سخت تکلیفیں دی جاتی تھیں اللہ نے فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ الخ ہوئی ہے ابن جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام حضرت مُجَبَّرؓ

مقاتل نے لکھا حضرت عمر کے آزاد کردہ غلام حضرت مُجَبَّر بن عبداللہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اس امت میں آپ پہلے شخص ہوں گے جن کو جنت کے دروازہ کی طرف بلایا جائے گا۔

میں کہتا ہوں حضرت مُجَبَّر ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لئے نظارے باہر نکل کر آئے تھے حاضر بن حضرمی نے آپ کو تیر مارا، شہید ہوئے یا احد ہی سب سے پہلے شہید آپ

ہی ہوئے۔ کذا فی سبیل الرشاد جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں اللہ نے صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض کئے بعض لوگوں کو (اس کی تعمیل میں دشواری ہوگئی اور ان پر) یہ حکم شاق ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کیا لوگوں کو یہ خیال ہے کہ صرف ایمان لانے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے اوامر و نواہی بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ صرف ایمان لانا اگرچہ دوامی جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ لیکن حصول درجات تو اداء طاعات اور ترک خواہشات سے وابستہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور ہم نے جانچا ہے ان کو جو ان سے پہلے تھے

سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں

یعنی پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعا فرمایئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم و ستم کی انتہا کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں ان کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ
اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو

یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا، اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اسکا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول "اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" کے تحت میں ہم نے یہاں ان توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے جان لینے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کا صادق یا کاذب ہونا اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی معلوم ہے، امتحانات اور آزمائشوں کے جان لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس اختیار کو دوسروں پر بھی ظاہر فرما دیں گے، اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اس کی توجیہ یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ بعض اوقات عوام کے درجہ علم پر تنزل کر کے بھی کلام کیا جاتا ہے، عام انسان مخلص اور منافق میں فرق آزمائش ہی کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں، ان کے مذاق کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مختلف قسم کے امتحانات کے ذریعہ ہم یہ جان کر رہیں گے کہ کون مخلص ہے کون نہیں، حالانکہ ان کے علم میں یہ سب کچھ ازل سے ہے، واللہ اعلم۔ (معارف ملتقی اعظم)

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لئے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہو کر الگ ہو جائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کہ کرتے ہیں برائیاں
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
کہ ہم سے بچ جائیں بری بات طے کرتے ہیں

ایذاء دینے والے کافر عذاب میں مبتلا ہونگے

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاؤں میں گرفتار تھے، اور یہ آیت ان کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے تو حقیقت میں بہت ہی بری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں (باہم ایک وقت سے دوسرے وقت تک) اور جمعہ کی نماز (آئندہ) جمعہ تک اور رمضان (کے روزے آئندہ) رمضان تک درمیانی گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم۔ یہ بحث آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفصیل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ		
جو کوئی توقع رکھتا ہے	اللہ کی ملاقات کی	سو اللہ کا وعدہ
لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝		
آ رہا ہے	اور وہ ہے سننے والا	جاننے والا

اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کرے گا

یعنی جو مخلص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں دھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اجل تو تعجلت پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ		
اور جو کوئی محنت اٹھائے	سو	اٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝		
اللہ کو	پروا نہیں	جہان والوں کی

اللہ بے نیاز ہے، عبادت و محنت کا نفع خود بندے کو ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اٹھائے گا اس کا پھل دنیا و آخرت میں اسی کو ملے گا۔ پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لئے طاعت و ریاضت کی توفیق بخشے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں، انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ (ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ		
اور جو لوگ	یعنیں لائے اور کئے بھلے کام	ہم اتار دیں گے ان پر سے	
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝		
برائیاں ان کی	اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا	

اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے۔

یعنی جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت و شفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔ (موضح الفرقان) (تفسیر عثمانی)

اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں خدا کو کوئی کام نہیں آتیں لیکن پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری برائیاں معاف فرما دیتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے، ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایماندار وں کی مطابق سنت نیکیاں قبول فرماتا ہے، ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ		
اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے، رہنے کی		
وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ		
اور اگر وہ تجھ سے درکریں	کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں	

اللہ کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا:

یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کی بھوک ہڑتال

مسلم۔ ترمذی۔ بغوی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے (حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں

سے تھے سابقین اولین میں سے تھے اپنی ماں کے بڑے فرمانبردار اور اطاعت گزار تھے آپ کے باپ کا نام مالک تھا اور قبیلہ بنی زہرہ سے ایک معتبر (معزز شخص تھے) حضرت سعد سے ان کی ماں حمنہ بنت ابوسفیان بن حرب القرشی نے کہا تو سے یہ لیا نی مات نکال رکھی ہے جب تک تو اس کا انکار نہیں کرے گا ان وقت تک بخدا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی یہاں تک کہ یونہی مر جاؤں گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری (جائز) نہیں۔ رواہ احمد والحاکم وصححہ عن عمران۔ صحیحین اور سنن ابوداؤد و نسائی میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری (جائز) نہیں (والدین کی) اطاعت تو اچھے کاموں میں (لازم) ہے۔

مولوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول سے چند حضرت سعد کی ماں نے ایک دن رات یا تین دن بغیر کھائے پیئے گزار دیئے سعد ماں سے پاس گئے اور کہا اماں اگر تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک جان نکل جائے تب بھی میں اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا تمہارا دل چاہے کھانا چاہے نہ کھاؤ ماں مایوس ہو گئی تو اس نے کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تُطِعْهُمَا

تو ان کا کہنا مت مان

والدین کی اطاعت کی حد

بیشک ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ پر اللہ کا حق ان سے زیادہ ہے۔ ان کی حاطر دین نہ چھوڑے۔ (موضح) حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ نے حوصلہ کر کہ تھی بیٹے نے اسلام قبول نہ کیا تو نہ کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی نہ چھت کے نیچے آرام کروں گی تو قتیلہ سعد (سعد اسلام سے نہ پھرا جائے چنانچہ کھانا پینا ترک کر دیا اور بالکل نڈھال ہو گئی۔ لوگ زبردستی منہ چیر کر کھانا پانی دیتے تھے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ گویا بتلا دیا کہ والدین کا اس طرح خلاف حق پر مجبور کرنا یہ بھی ایک ابتلا و امتحان ہے چاہیے کہ مومن کے پائے ثبات و لغزش نہ ہو۔ (تسہیل)

اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

پھر تم کو میرے تلاوں گا تم جو کرتے تھے

یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا کہ اولاد اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ

حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر

یعنی جو لوگ نعمتوں اور سختیوں دونوں حالتوں میں ایمان پر قائم رہے حق تعالیٰ ان کا ساتھ دے گا ایسے لوگ نیکوں میں داخل ہوں گے۔ ان شاء اللہ کہتے ہیں یعنی ابتلا میں ثابت قدم رہنے کا وعدہ ہے۔ حق تعالیٰ تم کو ثابت قدم رکھے۔ ان والدین کی نافرمانی نہ کرو جو تمہیں حق تعالیٰ کی اطاعت سے روکتے ہیں۔ یہ آیت سعد بن ابی وقاص کے بارے میں نازل ہوئی تھی جب ان کی والدہ نے ان سے کہا تھا کہ تو نے اپنے دین کو بدل ڈالا ہے میں اس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی نہ سایہ میں آؤں گی جب تک تو اپنے دین کو چھوڑ نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں ان انبیاء اور صدیقین صالحین شہداء اور اولیاء اللہ کے ساتھ شامل ہونے کی بشارت ہے جن کے ساتھ ان کو رہنا نصیب ہوگا۔

مومن کے درجات کا کمال

علماء محققین نے لکھا ہے کہ ان آیات سے ثابت ہوا کہ مومن کا کمال اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اس کا ظاہر و باطن اور قول و عمل یکساں نہ ہو اور جو اپنے کو مومن تو کہتا ہے لیکن اس کا عمل اس کے دعوے کا ساتھ نہیں دیتا وہ اس کمال سے محروم ہے۔ (ابن کثیر)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ

کمزور دل مومن

یہاں ان کمزور مسلمانوں کا حال بیان کیا ہے جو مکہ میں رہتے تھے زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن جب کفار کی طرف سے ان کو ایذا پہنچتی یا ان کی طرف سے کوئی سختی آتی تو اس کو عذاب الٰہی سمجھ لیتے اور ایمان چھوڑ بیٹھتے۔ پھر جب مسلمانوں کو فتح و نصرت حاصل ہوتی تو آ کر کہتے کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے ہمارا کیا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ اپنے دلوں کی باتیں نہیں جانتے کہ ان کا ایمان کیسا ہے اور کفر کیسا۔ اللہ تعالیٰ ان ضعفاء القلوب کے ایمان سے بھی خوب واقف ہے اور منافقین کے ایمان سے بھی۔ پھر ان کمزور دل مسلمانوں کے ایمان سے بھی خوب واقف ہے جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور منافقین کے ایمان سے بھی جو ایمان کا دعویٰ کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ فِی اللہِ اللہ کی راہ میں یعنی مسلمان ہونے کی بنیاد پر جو دکھ ان کو کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے نَعَدَابَ اللہِ یعنی آخرت کے عذاب کی طرح مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھ پر صبر نہیں رکھتے اور بے تاب ہو کر کافروں کا کہا مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

شان نزول:

ابن جریر اور ابن المنذر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر وہ اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے مدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ (مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے) لے گئے ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ لوگ تو مسلمان تھے مجبوراً یا کراہ کی خاطر مشرکوں کے ساتھ آئے جو لوگ مارے گئے ان کے حق میں آپ دعا مغفرت فرمائیے اس پر سورت نساء کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ الخ نازل ہوئی مدینہ کے مسلمانوں نے یہ آیت لکھ کر مکہ میں روانہ کی جانے والے مسلمانوں کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اب تمہارے لئے ہجرت کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ یہ خط پڑھ کر مکہ کے مسلمان نکل کھڑے ہوئے مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا اور زبردستی واپس لے گئے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (سیر منثوری)

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ

اور اگر آپہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہیں گے کیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

منافقوں کی حالت

یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنائیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو تعلق و تسلق کی کوئی حد نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ

کیا نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے

یعنی جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا منافقوں کو اور ہیں

مؤمن منافق ایک ہو کر رہے گا

یعنی معلوم تو اسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال کو دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ کے معنی "لیرین اللہ" کے ہیں یہ ابن عباس سے منقول ہے کما فی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا

اور کہے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو

سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ

ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں تمہارے گناہ

مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں

یعنی مسلمان کو چاہیے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذاء دہی اس کو طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کفار کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آ ملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں کیوں مصیبتیں مول لے رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھا لیں گے، اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے کما قال الشاعر۔

ع تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِنَّهُمْ

اور وہ کچھ اٹھانے والے نہیں گے اُن کے گناہ میں سے ذرہ بیشک وہ

لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ

جھوٹے ہیں اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے

کافروں کے جھوٹے دعوے:

یعنی جھوٹے ہیں تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو ان کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء و اضلال کے بارے اُس میں مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اُوپر لے لے یہ نہیں ہوگا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اُس کے بہکانے سے اُس نے گناہ کیا، وہ

گناہ اس پر بھی اور اُس پر بھی۔ (موضح) حیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے جس نے اول یہ بُری راہ نکالی۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی اور بدی کا داعی

ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال اور عذاب میں کوئی کمی ہو (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن انس قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ

اور البتہ اُن سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ گھڑتے بناتے تھے

اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں

یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا گیا ہے کہ بچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہے ہیں اور بچوں کو مدتوں تک امتحان و ابتلاء کے دور میں سے گزرنا پڑا ہے۔ مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب و خاسر رہے سچے کامیاب و سربلند ہوئے۔ انبیاء کے تمام کائنات عظمت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا اس میں

اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا

ہزار برس پچاس برس کم

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

وہب کا بیان ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو برس ہوئی۔ آخر بہت کے فرشتے نے آپ سے پوچھا اے دراز ترین عمر والے پیغمبر آپ نے دنیا کو کیسا پایا فرمایا ایسا جیسے کسی نے ایک مکان بنایا ہو جس کے دو دروازے رکھے، میں میں ایک دروازہ سے داخل ہوا دوسرے دروازہ سے نامرنکل گیا۔

آیت میں نو سو پچاس برس کا لفظ کہیں فرمایا کیونکہ ہزار کے لفظ میں ایک طرح کی شان اور عظمت ہے دکھانا یہ ہے کہ ایک عظیم الشان طویل مدت تک حضرت نوح قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتے رہے اور اتنی طویل مدت تک قوم کی بڑی فریب تدبیروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر لفظ الف میں اختصار کیا ہے۔ (تفسیر طبری)

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ

پھر پکڑا اُن کو طوفان نے وہ ستمگار تھے

طوفان نوح

یعنی جب گنا ہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان نے سب دبوچ لیا۔ بجز چند نفوس کے سب ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ

پھر بچا دیا ہم نے اُس کو اور جہاز والوں کو

نجات یافتہ لوگ

یعنی جو آدمی یا جو جانور جہاز پر سوار تھے ان کو نوح علیہ السلام کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورۂ ہود میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہاں والوں کے واسطے

کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان

کہتے ہیں حضرت نوح کا جہاز مدت دراز تک جودی پر لگا رہا تا کہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوح علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جس وقت یہ سورۃ اتری ہے حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر

آئے تب وہ جہاز والے صحابہ بھی سلامتی سے آ ملے۔ (موضح بصیر یسیر) گویا نوح علیہ السلام وسفینہ نوح علیہ السلام کی تاریخ اس رنگ میں دہرائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ

اور ابراہیم کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس سے

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ

یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو تم تو پوجتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا

اللہ کے سوائے یعنی بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت

یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات و اوہام کی پیروی کرتے ہو چنانچہ اپنے ہاتھوں سے یہ بت بنا کر کھڑے کر لئے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو تو ایسا کرو یعنی اگر تم خیر و شر کو جانتے ہو اور حق کا باطل سے امتیاز کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم علمی نظر رکھتے ہو اور تعصب و ضد سے تمہاری نظر پاک ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو اہل علم و تمیز ہیں تو تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اللہ کی عبادت اور اس کے عذاب کا خوف اس مذہب سے بہتر ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ (مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ

بیشک جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے وہ مالک نہیں

لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ

تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو

وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور اس کا حق مانو اسی کی طرف پھر جاؤ گے

معیشت کی اہمیت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق لہذا اس کے شکر گزار ہو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ آخر اس وقت یا منہ دکھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ

اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور رسول کا ذمہ تو بس یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر

قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں:

یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا میں صاف صاف تبلیغ و نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، بھلا برا سمجھا چکا، نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے جیسے عاد و ثمود وغیرہ تم سے پہلے اٹھا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ

کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا

اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کر لو۔

یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دیگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شروع تو دیکھتے ہو، دوہرانا اسی سے سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

كَيْفَ يُبْدِئُ یعنی کیا انہوں نے اپنی ابتدائی تخلیق کی کیفیت کو نہیں دیکھا۔ (ضرور دیکھا ہے لیکن) عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ نے ان کو نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے بنایا پھر بچہ بنا کر باہر لے آتا ہے پھر وقت موت تک اس کے حالات نو بنو بدلتے رہتے ہیں یہاں تک موت آ جاتی ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ اعادہ سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا۔ یہ بھی اعادہ کا مطلب ہو سکتا ہے کہ سبزہ اور پھل وغیرہ اللہ دوبارہ ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے جیسے گذشتہ سال پیدا کئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

یہ اللہ پر آسان ہے

اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں

یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ جس نے بدوں نمونہ کے اول ایک چیز کو بنایا، نمونہ قائم ہونے کے

بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر

بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ

شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا جہان

دوسری مخلوقات میں غور کرو:

یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کہ کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہو گئی۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ

دکھ دے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس پر چاہے

یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا سزا دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب و رحم کی صورتیں:

یعنی آخرت میں دوزخ کا عذاب دے کر اور دنیا میں بے مدد چھوڑ کر یا دنیا کا حریص بنا کر یا بد اخلاق بنا کر۔ یا اللہ کی طرف سے روگرداں بنا کر۔ یا بد حالت کا مرتکب بنا کر۔ یہ سب صورتیں عذاب کی ہیں۔ اسی کے مقابل اللہ جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے آخرت میں جنت میں داخل فرما کر اور دنیا میں مدد دے کر اور قناعت عطا فرما کر اور خوش اخلاق بنا کر اور اللہ کی طرف متوجہ بنا کر اور اتباع سنت کی توفیق دے کر۔ (تفسیر مظہری)

وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ

اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُم

زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا

مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

اللہ سے ڈرے حمایتی اور نہ مددگار

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا:

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ نہ زمین کے سوراخوں میں گھس کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اڑ کر۔ کوئی بلند یا پستی خدا کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتی نہ کوئی طاقت اس کی حمایت اور مدد کو پہنچ سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ زمین میں اور نہ آسمان میں یعنی تم بھاگ کر زمین میں چھپ جاؤ یا زمین کے غاروں میں گھس جاؤ تب بھی اللہ کے حکم سے نکل نہیں سکتے اسی طرح اگر (بالفرض) آسمان میں اور فلک بوس قلعوں میں پناہ گیر ہو جاؤ تب بھی قضاء خدا و مدد سے باہر نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَلَا فِي السَّمَاءِ کا مطلب ہو وَلَا مَنْ فِي السَّمَاءِ یعنی اللہ کے ان ملائکہ کو بھی عاجز نہیں بنا سکتے جو آسمان میں ہیں جیسے حضرت حسان کا شعر ہے۔

فمن یھجو رسول اللہ منکم ویمدحہ وینصرہ سواء

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ کی ہجو کریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کی مدح اور مدد کریں دونوں فریق رسول اللہ کے لئے برابر ہیں (یعنی آپ کو نہ کوئی ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع کسی کی سحار سے آپ کا کوئی نقصان نہیں اور کسی کی تعریف سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَٰئِكَ

اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ

يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي

ناامید ہوئے میری رحمت سے

مایوس رحمت

یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کر دیا اور اس سے ملنے کی امید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں رحمت الٰہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے۔ لہٰذا وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ گویا مَن كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ کا عکس ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فَمَا كَانَ جَوَابَ

اور ان کے لئے وہ ہے عذاب ایسا پھر کچھ جواب نہ تھا

قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ

اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو

قوم ابراہیم علیہ السلام کی دہشت گردی

یعنی ابراہیم علیہ السلام کی تمام معقول، تیز اور دلائل و براہین سے جب ان کی قوم جواب سے عاجز ہو گئی تو قوت سے استعمال پر اتر آئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ یا تو قتل کر ڈالو یا کم از کم ایک ایسا عذاب دو اور ایسی تکلیف دہ سزا دو جس سے عمر بھر یاد کر کے روئیں اور پھر کبھی ایسی بات کرنے کا نام نہ لیں۔ آخر انہوں نے یہ طے کیا کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ

فَأَنجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ

پھر اس کو اللہ نے آگ سے

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ

یعنی انہوں نے مشورہ کر کے آگ میں ڈال دیا مگر حق تعالیٰ نے آگ کو بجھا دیا جیسا کہ سورۂ انبیاء میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین لانے والے ہیں

اہل حق کی کامیابی کی مثال

یعنی اس واقعہ سے سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اس طرح بچا لیتا ہے اور مخالفین حق کو اس طرح ناکام و نامراد کرتا ہے۔ یہ مضمون ہر اس شخص کے لئے عبرت ہے جو اللہ کی نافرمانی کے نتیجہ سے ڈرتا ہو۔

وَقَالَ

اور کہا

اس آیت سے لے کر ۲۷ تک درمیانی جملے معترضہ ہیں۔

إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا

تم نے جو اللہ کے سوا بتوں کے

مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

آپس میں یہ میل جول بنا رکھا ہے دنیا کی زندگی میں

آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم کی تقریر

یعنی بت پرستی کو کون مضبوط جائز رکھ سکتا ہے، بت پرستی کبھی دل میں جانتے ہیں کہ یہ نہایت مہمل حرکت ہے۔ مگر شیرازۂ قومی کو قائم رکھنے کے لئے ایک مذہب طبعی ایسا ہے کہ اس کے نام پر تمام قوم متحد و متفق رہے اور ایک دوسرے کے دوست بنے رہیں، جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا حال دیکھتے ہیں۔ یہ بالکل مطلب ہے کہ بت پرستی کا شیوع و رواج اس بنا پر نہیں ہوا کہ وہ کوئی معقول چیز ہے بلکہ مذہبی تقلید، قومی مروت و لحاظ اور تعلقات باہمی کا وہ بڑا اس کا بڑا سبب ہے یا یہ غرض ہو کہ بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور دوستی تھی۔ ایک قوم میں کچھ نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر گئے۔ لوگوں نے جوش محبت میں ان کی تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں پھر تصویروں کی تعظیم کرنے لگے۔ وہی تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ یہ سب احتمالات آیت میں مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ اور ممکن ہے "مودۃ بینکم" سے بت پرستوں کی اپنے بتوں سے جو محبت ہے وہ مراد ہو جیسا کہ دوسری جگہ "اتخذتم اوثانا مودۃ بینکم" فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم

پھر روز قیامت کے تم منکر ہو جاؤ گے ایک سے

بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا

ایک اور لعنت کرو گے ایک کو ایک

مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی

یعنی یہ سب دوستیاں اور محبتیں چند روزہ ہیں۔ قیامت کے دن ایک دوسرے کے دشمن ہوئے اور بعض بعض کو لعنت کرو گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی وہ شیطان جن کے نام کے تھان ہیں اللہ کے روبرو منکر ہوں گے کہ ہم نے نہیں کہا کہ ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں گے کہ ہماری نذر و نیاز لے کر وقت پر پھر گئے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ

اور ٹھکانا تمہارا آگ ہے اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

تو دوزخ کی آگ سے تم کو بچا لے جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ میں انقلابات

حدیث میں ہے کہ ہجرت سے بعد ہی ہجرت حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ اس وقت زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں زمین تھوک دے گی اور خدا تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا انہیں آگ سوروں اور بندروں کے ساتھ ہنکائی چلے گی۔ راتوں کو دنوں کو انہیں کے ساتھ رہے گی اور ان کی جھڑکیاں کھاتی رہے گی۔ اور روایت میں ہے جو جوان میں سے پیچھے رہے گا اسے یہ آگ کھا جائے گی۔ اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں

ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا ان کے ایک حصے کے تباہ کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تو ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لئے درہم و دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اپنی دولت اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے، پھر وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دُموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا جو اُس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کر لو، پھر وہی حدیث بیان کی جو اُوپر گزری اور فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور عملیاں کریں گے قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے علم کو دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے مَیں جب یہ لوگ ظاہر ہوں تم انہیں قتل کر دینا، پھر نکلیں پھر مار ڈالنا پھر ظاہر ہوں پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے جب ان کے گروہ نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے گا پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ

پھر ماں لیا اُس کو لوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں

اِلٰی رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا

حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت

حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لوطؑ نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن "عراق" میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اللہ کے ملک شام میں پہنچا کر بسایا۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔ (تسہیل عثمانی)

اِلٰی رَبِّیْ یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا ہے وہاں چلا جاؤں گا یا جہاں میرے لئے اپنے رب کی عبادت کی سہولت ہوگی وہاں چلا جاؤں گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی قوم سے منہ پھیر لوں گا ان سے کوئی (دینی) تعلق نہیں رکھوں گا اور اپنا رخ اپنے رب کی طرف کر لوں گا (سب سے کٹ کر اللہ سے جڑ جاؤں گا یا ہمہ بے ہمہ) صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو وطن میں ستہ کہتے ہیں۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کوثی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی پھر حران سے شام کو چلے گئے حضرت لوط اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے حضرت ابراہیم ہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر حضرت ابراہیم نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین نے کہا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

حضرت عثمانؓ کی ہجرت!

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم و لوط کے بعد عثمانؓ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی جیسے حضرت لوط نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے سب سے اول ہجرت کی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ اور رقیہؓ سے پہلے لوط کے بعد اور کوئی مہاجر نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

اور دیا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب

اولاد ابراہیم

یعنی اسحاق عیسیٰ اور یعقوب پوتا، یا جن کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور رکھ دی ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بعد تبرّاً اُن کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء اُن کے بعد تشریف لائے اُن ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ

اور دیا ہم نے اس کو اُس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں

لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

البتہ نیوں سے ہے

یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لئے اُن کی اولاد کو بخشا۔ (کذا قال الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا میں سب سے پہلی ہجرت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لئے ترکِ وطن اور ہجرت اختیار کرنا پڑی، ان کی یہ ہجرت پچھتر سال کی عمر میں ہوئی (یہ سب بیان قرطبی سے لیا گیا ہے)۔

بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں قربانیوں اور دوسرے اعمالِ صالحہ کی جزاء دنیا میں بھی دے دی کہ ان کو تمام مخلوق میں مقبول و امام بنا دیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتدا مانتے ہیں اور آخرت میں وہ صالحین اہلِ جنت میں سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل جزا، تو آخرت میں ملے گی مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی نقد دیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث معتبرہ میں بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور برے اعمال کے دنیوی مفاسد کا بیان آیا ہے، ایسے اعمال کو سیدی حضرت حکیم الامت نے ایک مستقل رسالہ جزاء الاعمال میں جمع فرما دیا ہے۔ (معارف ملفوظ اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت حبشہ:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام شہر خدا تعالیٰ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب کہ مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو پڑی تو وہ ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تاکہ امن و امان کے ساتھ خدا کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید و نصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے ہے۔ پھر اس کے بعد باجازت خداوندی صحابہؓ نے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ

اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بے حیائی کے کام پر

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝

تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں

حضرت لوطؑ کی تبلیغ:

یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہ ہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے متنفر ہے۔ ایسے خلاف فطرت و شریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔ (تفسیر عثمانی)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ

کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو

قوم لوط کی بدکاریاں:

راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ ڈالنا ہو، یہ بھی ان میں رائج ہو گی، یا اسی بدکاری سے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اُس طرف ہو کر نہ نکلیں۔ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معتاد راستہ کو چھوڑ کر تو الدو تناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ

اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام

شاید یہ ہی مدبارئ علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے، اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا کچھ اور ٹھٹھے اور چہیز اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بروایت ابوصالح حضرت ام ہانیؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا وہ بری بات کون سی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے فرمایا وہ لوگ (اپنی مجلسوں میں سر راہ بیٹھ کر) آنے جانے والوں کے ہلے مارتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی)

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوتے ہر شخص کے پاس ایک پیالہ میں کچھ پتھریاں ہوتی تھیں کوئی مسافر ادھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے (اپنے شکار کو) لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا اول اس کا سب سامان چھین لیتا پھر اس کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا۔ اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کر دیتا تھا ان کا سرپنچ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ مجلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتا تھا۔ مکحول نے کہا قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں تھیں کہ وہ علک چباتے مہندی سے

انگلیاں رکھتے آنکھیں کھول دیتے سیٹیاں بجاتے تالیاں مارتے اور مذاقیاں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا
پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہنے لگے لا
بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ
ہم پر عذاب اللہ کا اگر تو ہے سچا

قوم والوں کا حضرت لوطؑ کو جواب

یعنی اگر تم سچے نبی ہو اور واقعی سچ کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام خراب اور مستوجب عذاب ہیں تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ۔ دوسری جگہ فرمایا
وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ (۷ رکوع)

یعنی ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ لوط کے گھر والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ بڑے پاک منش بنا چاہتے ہیں۔ شاید قوم میں سے بعض نے یہ جواب دیا ہوگا یا ایک وقت میں ایک بات اور دوسرے میں دوسری کہی ہوگی۔ بہرحال عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑایا، پھر آخری فیصلہ یہ ہوگا کہ انہیں بستی سے نکال دیا جائے۔ بہرحال ہوا وہی جو تقدیر میں تھا۔ ان محل صحیح کی مرمت اور مالی تلف جلد اس سے جوڑی، کتنے ہی ان قدیم اصرار اجتماع تحیت کرنے والے پیغمبر نوازی بستی سے نکالے پر تیار ہو گئے ان کی فطرت اور طبائع اس قدر مسخ ہو چکی تھیں کہ خوف تعداد کوئی شائبہ دلوں میں باقی نہ رہا تھا، عذاب کی دھمکیوں کا مذاق اڑانے لگے پیغمبر سے مقابلہ آ گیا تھا۔ ہمارے ہی قبضہ اختیار میں ہے لے جانے والی تھی۔ ان سے کچھ تو جیسے ہی قول نہ تھے تو [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ توسیع دعوت حضرت ابراہیمؑ عراق سے شروع ہو چکی ہوگی۔ اس لیے لوط علیہ السلام خاص اسی فعل صحیح سے رہنمائی پا رہے ہیں۔ اور ممکن ہے انہوں نے توسیع دعوت ہی کی ہو، ان کو یہاں نقل نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم (منہ)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ
[illegible] ان مفسدوں پر

حضرت لوطؑ کی دعا

یہ ان کی طرف سے مایوس ہو کر فرمایا، شاید سمجھ گئے ہوں گے کہ الٰہی آئندہ انہیں بھی درست ہونے والی نہیں۔ وہ بھی ابھی کے نقش قدم پر چلیں

ں جیسے وحی علیہ السلام سے فرمایا تھا إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (پ۲۹ رکوع ۲) کذا قال المسیا پوری فی التفسیر۔ (منہ الہندی)

الْمُفْسِدِينَ یعنی یہ مفسد لوگ میں انہوں سے لوطیت کی اچھوکی اور آئندہ لوگوں کے لئے ان کی بیخ کنی کی۔ المفسدین کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ٹھہرانے کے مستحق ہیں اس پر فوری عذاب نازل ہونا مناسب ہی ہے۔ المفسدین کہنے سے نزول عذاب کی درخواست میں قوت پیدا ہو گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا
اور جب پہنچے بھیجے ہوئے ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر بولے
إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ
ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس بستی والوں کو
إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ
بیشک اس کے لوگ ہو رہے ہیں ظالم

ہلاکت کے فرشتے

حضرت علیہ السلام کی [illegible] فرشتوں کا اس بستی سے [illegible] فرشتے اول حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہاں پہنچے ان کو بڑھاپے میں بیٹے کی بشارت سنائی اور اطلاع دی کہ ہم اس بستی (سدوم) کو تباہ و برباد کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ کسی طرح اپنی حرکات شنیعہ سے باز نہیں آتے۔ ان واقعات کی تفصیل سورہ اعراف، ہود، حجر وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ (منہ) شاید [illegible] سے [illegible] تو [illegible] دینے کا مطلب یہ ہو کہ ایک قوم سے [illegible] جس حال میں پہنچے والے ہیں آئندہ کی طرف سے حق تعالیٰ ایک عظیم الشان قوم [illegible] کی بنیاد ڈالنے والے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (منہ) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تفسیر

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا
وہ بولے اس میں تو لوط بھی ہے

حضرت ابراہیمؑ کا تعجب

یعنی لوط کی موجودگی میں بستی کو تباہ یا جانے کا کیا معنی وہاں سے مجبور ہونے تھے ہیں کہ ہم روانگی عمل میں لائی جائے گی۔ غالباً حضرت ابراہیمؑ اور [illegible] سے [illegible] خیال آیا کہ لوط کی آنکھوں کے سامنے یہ آفت نازل ہو گی تو [illegible] ہیں۔ عذاب کا وعدہ کیا کہ منظر ہمیشہ سے نشست اور [illegible] فرشتوں

نے اپنے کلام میں کوئی استثنا کیا نہ تھا۔ اس سے اُن کے ذہن میں یہ ہی شق آئی ہوگی کہ لوط کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچالیں گے اس کو

وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝

اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہنے کی رہ جانے والوں میں

فرشتوں کا جواب:

یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب کو جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو ان میں خدا کے محرم ہیں۔ تنہا لوط نہیں، بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کرلیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس پر بھی عذاب آنا ہے۔

وَلَمَّآ اَنْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس ناخوش ہوا

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

اُن کو دیکھ کر اور تنگ ہوا دل میں

فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس

فرشتے نہایت حسین و جمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے۔ حضرت لوط نے اول پہچانا نہیں۔ بہت تنگدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۣ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

اور وہ بولے سب ڈر اور غم نہ کھا ہم بچائیں گے تجھ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝

اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں میں

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت

مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے

یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈرے مت۔ یہ کچھ نہیں کرسکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ ہو ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں، جو تجھ کو اور تیرے ہم مشرب گھر والوں کو بچا کر اس قوم کو غارت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان نظر آتا ہوا سمجھدار لوگوں کے واسطے

قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات

یعنی ان کی الٹی ہوئی بستیوں کے نشان مکہ والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک آیت بینہ سے مراد ہیں قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے اللہ نے وہ پتھر باقی رکھے اس امت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اور اگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔

مجاہد نے کہا زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد کرنا آیت مبینہ سے مراد ہے۔ بعض نے کہا ان کے قصہ کی شہرت مراد ہے یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کر کے چھوڑ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ

اور بھیجا مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ

بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی

حضرت شعیبؑ کی تبلیغ

یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ ہو۔ اکیلے خدائے واحد کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے

فساد فی الارض:

خرابی مچانے سے شاید مراد ہے بین دین میں دغابازی کرنا، سود لگانا، جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں۔ وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا

پھر اس کو جھٹلایا تو پکڑ لیا ان کو ... پھر صبح کو ...

فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ۝ وَعَادًا وَثَمُودَا

اپنے گھروں میں اوندھے پڑے اور ہلاک کیا عاد کو اور ثمود کو

وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسٰكِنِهِمْ

اور تم پر حال کھل چکا ہے ان کے گھروں سے

یعنی ان کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

عقل پرستوں کی غلط فہمی

اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرہ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ اس تختہ زمین کے نیچے کوئلہ اور گندھک کی کان تھی ماہی رگڑ سے آتشی مادہ میں اشتعال پیدا ہوا اس لئے وہ بستی ہلاک اور تباہ ہو گئی۔

سبحان اللہ وہ خطہ زمین تو نہایت سرسبز اور شاداب تھا ہر طرف پانی کے چشمے جاری تھے وہاں آتشی مادہ کہاں سے آیا۔ اور کیا آگ اور پانی کا مادہ ایک جگہ جمع ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور فریفتہ کیا ان کو شیطان نے ان کے کاموں پر پھر روک دیا

عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ

ان کو راہ سے اور تھے ہوشیار

عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے

یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے پر شیطان کے بہکائے سے نہ بچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

فراء نے مستبصرہ سے کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ وہ لوگ اہل دانش و ہوش تھے بصیرت مند تھے غور و نظر کر سکتے تھے لیکن انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ پیغمبروں کے اقوال سے ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ (اگر وہ تائب نہ ہوئے تو) عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن وہ اپنے افکار و اطوار پر جمے رہے اور نتیجہ میں تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسٰى

اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان اور ان کے پاس پہنچا موسیٰ

بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ

کھلی نشانیاں لے کر پھر بڑی بات کی ملک میں اور نہیں تھے ہم سے بیت جانے والے

قارون، فرعون اور ہامان

یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور کبر و غرور سے ان کی گردن نیچے نہ سونے دی۔ پھر نتیجہ کیا ہوا؟ کیا بڑے بن کر سزا سے بچ گئے؟ یا العیاذ باللہ خدا کو تھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قارون نسبی لحاظ سے فرعون و ہامان سے شریف تھا اس لئے قارون کا لفظ فرعون و ہامان سے پہلے ذکر کیا گیا اس سے اشارہ نکلتا ہے اس امر کی طرف کہ اعلیٰ نسب والے سے کفر و معصیت کا صدور بہت ہی برا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ

پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر

مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں

یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا دی گئی۔

فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا

پھر کوئی تھا کہ اس پر ہم نے بھیجا پتھراؤ سوا

یہ قوم لوط ہے اور بعض نے عاد کو بھی اس میں بھی داخل کیا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ

اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے

یہ ثمود تھے اور اہل مدین بھی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ

اور کوئی تھا کہ اس کو دھنسایا ہم نے زمین میں

یعنی قارون کو جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا

اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبا دیا ہم نے

یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ

اپنا آپ ہی برا کرتے

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے، اس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے نکلی مبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو وہاں متصور ہی نہیں، ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ لامحالہ ان کے حق میں برا ہو۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ

مثال ان لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی

كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ

جیسے مکڑی کی مثال بنالیا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا

لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی

مشرکوں کی حیثیت:

یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان و مال کا بچاؤ ہو نہ مکڑی کا جالا کہ دامن کے جھٹکے سے ٹوٹ پڑے۔ یہ ہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدوں مشیت الٰہی کچھ بچاؤ نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کر دینے کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غار ثور کے دہانے پر جالا تان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا۔ جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے، مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے "طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت فان تركه يورث الفقر" یعنی مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند ان دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں، اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

مکڑی اور مشرک

حکماء کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور اس کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور زہر عنکبوت آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکا چوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

یعنی جو کافر بتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور انہوں نے بتوں کو اپنا محل اعتماد قرار دے رکھا ہے ان کی مثال کمزوری اور ضعف کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے مکڑی نے اپنا جالا بنا لیا ہو، بلکہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ان کا محل اعتماد کمزور ہے مکڑی کا جالا پھر بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے اور اس کا کچھ فائدہ مکڑی کو پہنچتا ہے بت پرستوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستوں کے مذہب کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس کافروں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز سمجھ رکھا ہے اہل توحید کے مقابلہ میں ان کی حالت ایسی ہے جیسے اس مکڑی کی جس نے اپنا گھر کسی آدمی کے گھر کے مقابلہ میں بنایا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر فوراً دروازہ پر جالا بنا دیا اس لئے تم ان کو قتل نہ کیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اس کے

دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ

سوائے کوئی چیز ہو

یعنی ممکن تھا سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بت کو پوجتے ہیں بعض آگ پانی کو بعض اولیاء انبیاء یا فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو اللہ سب کی ایک قلم نفی نہ کرتا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہیے وہ زبردست ہے اور مشورہ نہیں چاہیے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے

وھو الحکیم العلیم اور وہی غالب اور حکمت والا ہے یہ سابق کلام کی علت ہے۔ ایک غالب حکیم ہستی کے ساتھ ایسی چیز کو عبادت میں شریک کرنا جو بالکل ہیچ اور بے مقدار ہیں انتہائی حماقت ہے اللہ قادر مطلق ہے ہر چیز پر اس کو قدرت تامہ حاصل ہے عالم کل بھی ہے اس کے مقابلہ میں بے جان جماد کوئی ہستی نہیں رکھتا علی معدومہ کی طرح ہے لیس محیط قلیل علم رکھنے والا قادر مطلق یقیناً مشکروں اور عاجزوں سے برقدرت رکھتا ہے۔ (تفہیم مطہری)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

اور یہ مثالیں ہم دیتے ہیں تم لوگوں کے سامنے

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ

اور اس کو سمجھتے وہی ہیں جو علم رکھتے ہیں

قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب:

مشرکین مکہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں ان کا جواب دیا کہ مثالیں اپنے موقع کے لحاظ سے حکایت سوروں اور مثل کے پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھداری اس کا مطلب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ جاہل بے وقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا ان سے کیا تعلق۔ (تفہیم عثمانی)

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام خوئیؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے، اور اس کی اطاعت پر عمل کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال سنی ہیں، ابن کثیر ان کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں، اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ

(مقالمون کی بجائے (معاصی من ہم)

جوزی نے عطا اور ابو الزبیر کی روایت بیان کی کہ حضرت جابرؓ سے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ تلاوت کی اور فرمایا عالم وہ ہے جس کو اللہ کی طرف سے سمجھ عطا ہو اور سمجھنے کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز رکھے۔ حاکمی اور واحدی کی روایت بھی اسی طرح ہے ابوداؤد نے کتاب العقل میں حارث اسامہ کے طریق سے بھی اس روایت کو بیان کیا۔ ابن جوزی نے ان کا ذکر موضوعات میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرو بن مرہؓ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کی تفصیلی معنی مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں خدا تعالیٰ کے یہ دیکھ میری کمی چالاکیوں میں تو نہیں ہو گئی کیونکہ فرمان خدا تعالیٰ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن سوائے عالموں کے انہیں دوسرے سمجھ نہیں سکتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں

یعنی نہایت حکمت سے بنایا، بیکار پیدا نہیں کیا۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ

اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے

یعنی جب آسمان و زمین اس کے لئے نے سایے تو چھوٹے چھوٹے کاموں میں اسے کسی شریک یا مددگار کی کیا احتیاج ہوگی۔ موتی تو اس بڑے کاموں میں ہوتی۔

اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ

تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب

تلاوت قرآن کے نتائج

یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہیے تاول مضبوط اور قوی رہے۔ تلاوت کا اجر و ثواب الگ حاصل ہو۔ ان کے معارف و حقائق کا انکشاف پیش از پیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے مستفیض ہوں، دعوت ماہیں ان پر حجت کی حجت تمام ہو، اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔ (تفہیم عثمانی)

وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى

اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

بے حیائی اور بدی سے

نماز برائیوں سے روکتی ہے

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے ایک بطریق سبب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار دفع یا امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لئے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک پوری کورو کنے کے لیے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوائی کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ ضرورت اس تک ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور پرہیز کے ساتھ جو اطبائے روحانی نے تجویز کیا ہو حاصل مدت تک اس کا واظبت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز اس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضا، یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک رکن مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خصوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے مسجد سے باہر آ کر بھی عبدیت اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو۔ گویا نماز ہر روز اس کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ اوبندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے باغی بندوں اور غلاموں کی طرح نہ رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ تیرا یہ اور شرارت و سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز بلاشبہ اسے روکتی اور منع کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (النحل رکوع ۱۳) پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا کچھ تعجب نہیں ہاں یہ واضح رہے کہ ہر نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قرأت قرآن یا دعا و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں موثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صلوٰۃ منافق کے مشابہ ٹھہرے گی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا "لا یذکر اللہ فیھا الا قلیلا" اسی نماز کی نسبت "لم یزدد بھا من اللہ الا بعدا" فی الجملہ آتی ہے۔ (تفسیر حقانی)

امام رازیؒ کی تحقیق

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر میں صلوٰۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عنداللہ قابل قبول ہو اور نماز کے لئے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں۔ کما قال تعالیٰ وثیابک فطھر۔ اس طرح خدا کی طرف سے کہ نماز ہی وہ ہے جس کا ادا کرنا سبب ہو کہ بندہ اس کی تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ کے سامنے نماز کے لئے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہوں۔ معاذ اللہ میں بھگتی نہیں ہوں کہ جو بیت الخلا کی نجاستوں کو اپنی پیٹ میں جمع کرتا ہے۔ پس جو شخص نماز کی حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لے گا تو وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشا اور منکر کی جانب جانے سے ایسی ہی نفرت کرے گا جیسا کہ ایک عاقل شائستہ آدمی دربار سے نکلنے کے بعد بیت الخلا اور کوڑی کے کچرے سے بھی نفرت کرتا ہے۔ (اصلاحی بتصرف)

ناقص نمازیں

اقامت صلوٰۃ کے مخاطب اللہ خود ہے، تو توفیق اعمال صالحہ کی بھی وہی دیتا ہے، اور ہر طرح سے گناہوں سے بچنے کی بھی اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچا تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں قصور ہے جیسا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ان صلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر کیا مطلب ہے، آپ نے فرمایا من لم تنھہ صلوٰتہ عن الفحشاء والمنکر فلا صلوٰۃ لہ (رواہ ابن ابی حاتم بسند جید عن عمران بن حصین و نظیرہ فی حدیث ابی معاویہ) یعنی جس شخص کو اس کی نماز نے ڈھٹائی اور منکر سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ لمن لم تطع الصلوٰۃ (رواہ ابن جریر و ابن مردویہ) یعنی اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ فحشاء اور منکر سے باز آ جائے، اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کی نماز نے اس کو اعمال صالحہ پر عمل اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کرتی ہے۔

ابن کثیر نے ان تینوں روایتوں کو نقل کر کے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ نہیں، بلکہ عمران بن حصین اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں،

عنقریب نماز برائی سے روک دے گی۔

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہو جاتی ہے تو چوری کرتا ہے، آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی۔ (ابن کثیر)

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنے گناہ سے تائب ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

الفحشاء وہ بری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً کھلی ہوئی ہو۔ نماز اللہ کی یاد دلاتی ہے اور نفس کے اندر خشیہ (خوف عذاب) پیدا کرتی ہے اس لئے گناہوں سے روکتی ہے۔

انصاری نوجوان کی توبہ

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری جو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا سوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ
اور اللہ کی یاد سے سب سے بڑی

اللہ کی یاد۔ یعنی نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ "وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" (طٰہٰ رکوع ۱) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث کو دیکھ کر علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہرحال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہوگا۔ پس بندے کو چاہیے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کو یاد کرے اس سے باز آ جائے قرآن وحدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اسلئے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے بعض سلف نے آیت کا یہ ہی مطلب لیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس لئے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیے اور یہ شرف وکرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہیے۔ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع ومانع چیز بتلا دیجئے فرمایا "لا یزال لسانک رطبا من ذکر اللہ" (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جتنی دیر نماز میں لگے اتنے تو ہر گناہ سے بچے امید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے۔ (موضح) یہ "لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فضائل ذکر کی احادیث

ذکر کی فضیلت میں بہت احادیث آئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱- سب سے بہتر عمل

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجہ پر پہنچنے والا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لئے بہتر اور (اس جہاد سے بھی) تمہارے لئے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلہ میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں (ضرور فرمایئے) فرمایا، اللہ کا ذکر رواہ احمد ومالک والترمذی وابن ماجہ امام مالک کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے (یعنی حضرت ابو درداء نے اس کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا)

۲- سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ والا ہے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی (افضل ہیں) فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجہ والے ہیں رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۳- افضل آدمی اور افضل عمل

حضرت عبداللہ بن بسری راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا (یا رسول اللہ) کون سا آدمی سب سے بہتر ہے فرمایا خوشی ہو اس کے لئے جس کی عمر طویل اور اعمال اچھے ہوں اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے فرمایا (سب سے افضل یہ ہے) کہ تم دنیا سے ایسی حالت میں جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو رہی ہو رواہ احمد الترمذی۔

۴- آگے بڑھ جانے والے

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ پر جا رہے تھے ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے اس پہاڑ کا نام جمدان تھا فرمایا چلے چلو یہ جمدان ہے۔ اہل تفرید آگے بڑھ گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اہل تفرید سے کیا مراد ہے فرمایا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ رواہ مسلم۔

۵- زندہ و مردہ آدمی:

حضرت ابوموسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا اس کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ متفق علیہ

۶- اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے اہل ذکر کی تلاش میں راستوں میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتا ہے آؤ تمہارا مقصد یہ ہے حضور نے فرمایا۔ پھر آسمان تک ملائکہ ان لوگوں پر چھا جاتے ہیں اللہ ان ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے (باوجودیکہ وہ خود ہی خوب واقف ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں تیری پاکی بیان کر رہے تھے تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری ثناء کر رہے تھے اور تیری بزرگی کا اظہار کر رہے تھے (یعنی الحمد للہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہہ رہے تھے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے ملائکہ کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری عبادت کرتے اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور زیادہ مگرم ہو جاتے۔ اور تیری پاکی اور زیادہ بیان کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھ لی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں خدا کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی خواہش اور طلب اور زیادہ شدت کے ساتھ ہو جاتی اور جنت کی رغبت بہت بڑھ جاتی۔ اللہ فرماتا ہے وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے اور زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ اس سے ڈرتے۔ اللہ فرماتا ہے تو میں تم گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ ان ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی موجود تھا جو ان میں سے نہیں تھا (یعنی ذکر میں شامل نہ تھا) کسی کام سے وہاں آیا تھا اللہ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ رواہ البخاری و مسلم نے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اے رب ان میں ایک بندہ غلطی سے شامل ہو گیا (اوروں سے) گزرتا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا (بھی) بدنصیب نہیں ہوتا۔

۷- جنت کے باغ:

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں کی طرف سے گزرو تو وہاں چر لیا کرو (یعنی ان میں حصہ لیا کرو) صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کون سے ہیں فرمایا ذکر کے حلقے رواہ الترمذی۔

۸- فرشتوں کا سرمایہ فخر

معاویہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے حلقہ کی طرف سے گزرے فرمایا یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی ثناء کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو مسلمان ہونے کی توفیق دی اور مسلمان بنا کر ہم پر احسان فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ملائکہ پر تم کو ابھی فخر پیش فرماتا ہے۔

۹- غافلوں میں ذاکر کی مثال

امام مالک کا بیان ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے غافلوں میں (یعنی اللہ کی یاد سے غفلت کرنے والوں میں) اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے (کافروں کے مقابلہ سے) بھاگنے والوں میں (کافروں سے) لڑنے والا۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سرسبز شاخ اور غافلوں (کی جماعت) میں اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں (روشن) چراغ۔ اور غافلوں

سے اور (دوسرا) اللہ کی یاد کرنے والے اور مرد کی ہی میں اللہ جنت سے اور اس کی جگہ دکھا دیتا ہے اس کے گناہوں سے بخش دیے جاتے ہیں جتنی تعداد تم دے والوں اور نہ دینے والوں یعنی آدمیوں اور چوپایوں کی سے۔ رواہ رزین۔

۱۰- عذاب سے نجات

حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے اللہ سے ڈر سے زیادہ کوئی عمل آدمی کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ رواہ مالک والترمذی وابن ماجۃ۔

۱۱- فرشتوں اور رحمتوں کا نزول

حضرت ابوسعید خدری نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض سوا یاد الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتی) ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں (فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں) اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر تسکینہ (دل اور روح کا چین) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ رواہ مسلم۔

۱۲- اللہ تعالیٰ کی ہمراہی

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اللہ نے ارشاد فرمایا) کہ بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی کے گمان کے پاس ہوتا ہوں جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری یاد جماعت کے ساتھ کرتا ہے (جماعت میں کرتا ہے) تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ متفق علیہ (یعنی فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ عظمت والا ہے جو تم اس کا کرتے ہو (یعنی تم جو خدا کی یاد کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تمہارا ذکر کرتا ہے) مجاہد عکرمہ اور سعید بن جبیر سے یہی تفسیر منقول ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بحوالہ نافع آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً یہ تفسیر نقل کی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو، کیونکہ جب تم خدا کی یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے

یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد رکھتا ہے یا کہیں رہتا خدا تعالیٰ سب سے واقف ہے۔ مذاق اور غافل میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا معاملہ بھی جدا گانہ ہوگا۔ (تفسیر عزیزی)

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

اور نہ جھگڑا کرو اہل کتاب سے مگر طریقہ

اَحْسَنُ ۚ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

بہتر ہو مگر جو ان میں سے

اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ

یعنی مشرکوں کا یہ حال ہے کہ ان سے اصل میں چھیڑ ہی نہیں ہے تو اس سے اس کی طرح بحث نہیں ہے اس لئے ان کے ساتھ نرمی سے ملائمت، خیر خواہی اور صلح جوئی سے بات کرنی چاہئے۔ البتہ جو لوگ میں صریح بے انصافی، عناد اور ہٹ دھرمی پر تل جائے ان سے ساتھ اس طرح نہیں نباہا جا سکتے ہو اور آگے چل کر یہی رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ (تنبیہ) پہلے قرآن کی حقانیت کا حکم تھا، اب ہے کہ منکرین اس سے کیا الجھیں تو ان سے بحث کے وقت فریق مقابل کی علمی و فنی حیثیت کا بیان رہے۔ نرمی کے ساتھ بھی صرف اتنے اخلاق کی حد تک کہ یہ جہاں نہیں نفس چاہی، اور اخلاق کے دائرہ سے نکل نہ جائے۔

اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب میں جو ہدایت طریقہ ان سے ساتھ کرنے کی دی گئی ہے یہی سورہ النحل میں مشرکین سے متعلق بھی ہے اس جگہ اہل کتاب کی تخصیص اس کلام کی وجہ سے ہے جو آگے آ رہا ہے کہ تمہارے اور تمہارے دین میں بہت سی چیزیں مشترک ہیں تم کو تو ایمان اور اسلام کے قبول کرنے میں سب سے پیش پیش ہونا چاہیے تھا۔ فرمایا وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ (یعنی تم اہل کتاب سے جدال کے وقت ان کو اپنے قریب کرنے کے لئے یہ کہو کہ ہم مسلمان تو اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف بواسطہ ہمارے رسول کے بھیجی گئی ہے اور اس وحی پر بھی جو تمہاری طرف تمہارے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی ہے اس لئے ہم سے مخالفت کی تو کوئی وجہ نہیں۔

کیا اس آیت میں موجودہ تورات وانجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے

اس آیت میں اہل کتاب کی طرف آنے والی کتابوں تورات اور انجیل

پر مسلمانوں کے ایمان کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ان کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں مایں معنی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں میں نازل فرمایا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات و انجیل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان ہے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بہت تحریفات ہو چکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تحریف کا سلسلہ چل ہی رہا ہے، ایمان صرف ان مضامین تورات و انجیل پر ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے تھے تحریف شدہ مضامین اس سے خارج ہیں۔

موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے نہ مطلقاً تکذیب

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات وانجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو اٰمنا باللہ وما انزل الینا وانزل الیکم۔ یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیروں میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات نقل کی ہیں ان کا بھی یہی وجہ ہے اور نقل کرنے کا منشاء بھی صرف اس کی تاریخی حیثیت کو واضح کرنا ہے باحکام حلال وحرام کا ان سے مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

بداخلاقی کا جواب نرمی سے

اور مطلب یہ ہے کہ کافروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں تم تری سے کام لو ہاتھا پائی کے وقت وہ غضب ناک ہو جائیں تو تم تحمل کرو۔ وہ شور وغل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو، چونکہ خیر خواہی اور نصیحت مجادلہ میں داخل نہیں ہے اس لئے مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

ظلم اور معاہدہ شکن کافر:

الا الذین ظلموا منھم مگر ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہو یعنی معاہدہ کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے (مباحثہ نہ کرو بلکہ) لڑو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا دلیل ہو کر جزیہ ادا کریں سعید بن جبیر نے یہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ حربی کافر مستثنیٰ ہیں اور استثناء کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے وہ ذمی کافر ہیں۔

اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد:

یہ حسن مجادلہ کا بیان ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل کتاب وہ باتیں کہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں تو تم ان سے جھگڑا نہ کرو یعنی تکذیب نہ کرو یہاں ان میں سے جو لوگ بیجا باتیں کہیں اور ایسی باتوں کا اظہار کریں جو یقیناً (ان کی اصل) کتابوں میں نہیں ہیں اور جھوٹی ہیں جیسے ان کا دعویٰ کہ شریعت موسیٰ ہمیشہ رہے گی یا یعنی کو قتل کر دیا گیا یا مسیح خدا کے بیٹے تھے تو اس صورت میں ان کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور مباہلہ ضروری ہے اس سے کہ وہ کہ ہم اپنی اور تمہارے پاس بھیجی گئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں (تمہاری ان غلط باتوں کو نہیں مانتے) (تفسیر مظہری)

حضرت ابوسلمہ انصاری کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور (اسی وقت) ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ میت کیا کلام کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا اہل کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں (اور وہ تمہارے دین کے خلاف نہ ہو) تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو اٰمنا باللہ و کتبہ ورسلہ (ہمارا ایمان اللہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ہے) اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی (اس لئے مجرم نہ ہو گے) اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس لئے مجرم نہ ہو گے)۔

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ

اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا تم کو

سابقہ کتب پر ایمان:

یعنی ہمارا عیسیٰ کہ قرآن پر ایمان ہے اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ و مسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف ان کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت وحقیقت میں باقی نہ رہیں) (تفسیر مظہری)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودی) عبرانی میں تورات پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اتاری گئی الخ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں

اہل کتاب اور مسلمانوں کا فرق

یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق وتا ہے کہ ہم تنہا اسی کے حکم پر چلتے ہیں تم نے اس سے ہٹے کراوروں کو بھی تعدائی کے حقوق واختیارات دے دیئے۔ مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام کو یا احبار ورہبان کو۔ نیز ہم نے اُس کے تمام احکام کو مانا۔ سب پیغمبروں کی تصدیق کی، سب کتابوں کو برحق سمجھا اُس کے آخری حکم کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا۔ تم نے کچھ مانا کچھ نہ مانا۔ اور آخری صداقت سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
اور ویسی ہی ہم نے اتاری تجھ پر کتاب

اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے

کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات کم ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب لاجواب اتری اس کے ماننے سے اتنا انکار کیوں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم محفوظ کتاب

صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی! میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اس سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ گو اس کے حروف پانی سے دھوئے جائیں لیکن وہ ضائع ہونے سے محفوظ ہے جیسے کہ اور حدیث میں ہے کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ہوتو آگ تمہیں جلائے گی اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے زبانوں پر آسان ہے دلوں میں موجود ہے اور اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ
سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور اس جگہ والوں میں
مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ
کئی لوگ ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں اپنی باتوں سے جو فرماتے ہیں

سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے

یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصافاً ماننا چاہیے چنانچہ اُن میں کے خوصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتب سابقہ کا کچھ علم رکھتے۔ اس قرآن کو مانتے جارہے ہیں۔ حقیقت میں قرآن کریم کی صداقت تو اہل اس قدر روشن ہیں کہ ہر سخت حق پوش نافرمان کے لئے اُس کی تسلیم سے انکار نہیں کر سکتا۔ (تفسیر جالندھری)

جو قرآن کا منکر ہے وہ توراۃ کا بھی منکر ہے۔

ما یجحد بایتنا الا الظلمون یعنی صرف وہ لوگ انکار کرتے ہیں جو اللہ سے اور اللہ کی ساری کتابوں کے منکر ہیں تیسرا۔ قرآن کی جو شخص تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت وانجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے۔ اس لئے کہ توریت وانجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ بے بنیاد دعویٰ غلط ہے۔ قرآن وہ کتاب ہے جسے پہچانتے کے بعد وہ تاہے اہل کتاب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور قرآن حق ہے اس کے بعد انہوں نے انکار کیا یہ کچھ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ
اور تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ
اور تو لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو اٹھتا شک میں پڑتے یہ جھوٹے

صداقت قرآن کی دلیل۔

تو اہل قرآن سے پہلے چالیس سال آپ کی عمر کے کان اسی قدر والوں میں گزرے۔ سب جانتے ہیں کہ اس مدت میں آپ کسی استاد کے پاس بیٹھے کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی ہاتھ میں قلم پکڑا، ایسے ہوتا تو ان باطل پرستوں کو تہمت لگانے کی جگہ رہتی کہ شاید اگلی کتابیں پڑھ کر یہ باتیں وحی کرنے لگے ہیں اُن کی جواب دہی آسان ہوجاتی مگر اپنی جہالت میں ڈھال کر نہ دیتے ہیں۔ گو اس وقت بھی یہ کہنا غلط تھا، تو یہ تو پہلے لوگ پر صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک امی سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
بلکہ یہ قرآن تو باتیں ہیں صاف اُن لوگوں کے سینوں میں
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ
جن کو دی ہے سمجھ

قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت

یعنی پیغمبر نے کسی سے لکھا پڑھا نہیں۔ بلکہ یہ وحی جو اس پر آئی ہمیشہ کو اس لکھے سینہ بسینہ جاری رہے گی۔ اللہ کے فضل سے علماء اور حفاظ و قراء کے سینے اس کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے اور آسمانی کتابیں حفظ نہ ہوتی تھیں۔ یہ کتاب حفظ ہی سے باقی ہے۔ لکھنا اس پر افزود ہے۔ (موضح باضافہ یسیر) (تفسیر عثمانی)

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آیات کھلے ہوئے معجزات ہیں اور ہر تحریف و تبدیل سے محفوظ ہیں اللہ نے خود فرما دیا ہے وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پھر یہ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے اہل ایمان اس کے حافظ ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری آسمانی کتابیں چونکہ معجزہ نہ تھیں اس لئے لوگوں نے ان کی آیات و الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو یاد سے نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہو سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں اہل کتاب۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت انہی واضح علامات کی حامل ہے جو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی رسول اللہ کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا ایک وصف:

اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے۔ صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ہی ان کی انجیل ہوں گے یعنی نبی آخر الزماں پر جو کتاب نازل ہوگی وہ اس امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ہی انجیل ہوگا چنانچہ زمین کے ہر خطہ میں بے شمار اس کے حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور توریت و انجیل کے تو کسی ایک باب کا بھی آج تک روئے زمین پر کوئی کچا پکا حافظ بھی نہیں ہوا۔ چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آ رہے ہیں جو چیز کاغذوں میں لکھی ہوئی ہو تو اس میں یہ احتمال ہے کہ پانی سے اس کے حروف دھل جائیں یا مٹ جائیں یا آگ سے جل جائیں لیکن جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں، علماء اہل کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر توریت و انجیل کا ایک ہی کچا پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾
اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں

یعنی ناانصافی کا کیا علاج۔ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا بھی انکار کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا
اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾
نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر

منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے:

یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشانی تم طلب کیا کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانی چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ
کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾
بیشک اس میں رحمت ہے اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں

قرآن کافی نشانی ہے:

یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب ان کو رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کون سا ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا

مسند میں دارمی نے اور ابوداؤد نے مراسیل میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بطریق عمرو بن دینار یحییٰ بن جعد کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمان شانہ کی ایک ہڈی لے کر آئے جس میں یہودیوں سے سنی ہوئی کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے گمراہ ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ ان کا نبی لے کر آیا ہو اس سے تو گریز کریں اور دوسروں کے لئے جو دوسرے (انبیاء) لے کر آئے ہوں اس کی طرف راغب ہو جائیں اس پر آیت اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ

تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے

یعنی خدا کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں علانیہ دعوے رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کئے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن و انس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

وہی ہیں نقصان پانے والے

سب سے بڑی بدبختی

آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کرلے اور سچی بات سے گو کتنی ہی صاف و متین ہو انکار کرتا رہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ

اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت

یعنی اگر باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ

اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقررہ تو آپہنچتی ان پر آفت

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اور البتہ آئے گی ان پر اچانک اور ان کی خبر نہ ہوگی

اس امت کے کافروں کا عذاب

یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آ کر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ میں مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت کا لشکر سر پر آ کھڑا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کا وقت

اَجَلٌ مُّسَمًّى کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وہ وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور ان کی جڑ نہیں اکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک کے لئے ان کے عذاب کو ملتوی رکھوں گا تو عذاب آ چکتا۔ اللہ نے فرمایا ہے بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ

جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۙ

اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو

کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں

یعنی آخرت کا عذاب تو فضول مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور برے کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے، موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح چلاتی ہے جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر لپٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس روز عذاب آئے گا اس روز جہنم کافروں کو گھیر لے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت بھی کافروں کو جہنم گویا گھیرے ہوئے ہے کیونکہ کفر اور معاصی ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور یہ داخلہ جہنم کے موجبات ہیں تو گویا اس وقت بھی دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کہاں ہے

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں بے نور کر کے ڈال دیا جائے گا اور یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ

جس دن گھیر لے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے

تَعْبُدُوْنَ ﴿۵۶﴾	يَٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ
پوجتے تھے	اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۶﴾	وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾
تم کرتے تھے	کشادہ ہے سو مجھی کو

مال مذاب بنے گا

اللہ تعالیٰ نے کافروں کو عذاب میں ہونے کی جگہ بتلائی تو یہ سوال ہوا کہ مال کا کیا ہوگا حدیث میں آیا ہے کہ سانپ سونے کی شکل میں پڑے گا۔ کنجوس اپنے کئے کا مزہ چکھیں گے (تنبیہ حقانی)

ہجرت کا حکم:

یعنی یہ تمہارے کافر اگر تم کو تنگ کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں دوسری جگہ جا کر عبادت کرو۔ (تنبیہ حقانی)

بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے اس آیت سے دو مسئلے ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی۔ مکہ میں ہی رہ گئے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو بھوکے مر جانے کا خوف ہے (پردیس میں بھوکے مر جائیں گے) اللہ نے ان کا یہ عذر قبول نہیں فرمایا۔

مطرف بن عبداللہ نے کہا، معنی قرآن سننے کا یہ مطلب ہے کہ میرا رزق وسیع ہے تم وطن چھوڑ دو (تم کو رزق میں دشواری ہوگی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو کسی زمین سے ایسی زمین والے کو دوسری زمین کی طرف بھاگا۔ خواہ ایک بالشت ہی سہی۔ تو اس بھاگنے والے کو جنت کا مستحق ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم (صلے اللہ علیہ) کا رفیق (ساتھی) ہو گیا رواہ العلمی من حدیث الحسن مرسلا (خزینہ)

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس زمین پر قائم رہنے کی آزادی نہ ہو دین کے بارے میں اس زمین کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جہاں کسی شعائر اسلام پر عمل کی آزادی نہ ہو چاہے بالکل قدرت نہ ہو یا اتنی قدرت نہ ہو کہ پوری طرح عمل کر سکے تو ایسی جگہ سے ہجرت کرنا واجب ہے جہاں پر عمل کر سکے (واللہ تعالیٰ اعلم)

مسئلہ: اس آیت میں ۱۰ ۱۰ ۱۰ پر عمل کرنے کی آزادی ہونے سے ہجرت فرض ہونے کا حکم ہے جو مستحب سمجھا جاتا ہے اور اس میں دارالکفر ہونا بھی شرط نہیں دارالفسق جہاں احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی علانیہ ہوتی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے اگرچہ وہاں کے حکمران کے مسلمان ہونے کی بنا پر اس کو دارالاسلام کہا جاتا ہو یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اور ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فواحش عام ہوں اس کو چھوڑ دو، اور امام تفسیر حضرت عطاء نے فرمایا کہ جب تمہیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ کھڑے ہو (ابن جریر، بحری فی التفسیر) (معارف مفتی اعظم)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۷﴾	
جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے	

آخر سب کچھ چھوڑنا ہے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اس کو فرمایا کہ کوئی دنیا کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو۔ پھر ہمارے پاس اکٹھے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تاکہ وطن چھوڑنا اور حضرت سے خدا ہو مال پر بھاری نہ گزرے گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب رفقاء اور جینے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے فرض کرو اس وقت مکہ سے ہجرت بدلی تو ایک روز دنیا سے ہجرت ہے ماضرہ ری ہے مگر وہ بے اختیار ہوگا۔ زندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور مخل انداز ہوتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ	
اور جو لوگ یقین لائے اور کئے کام انکو ہم جگہ دیں گے	
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	
بہشت میں بالاخانے جنکے نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں	
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾ الَّذِيْنَ	
ہمیشہ رہیں ان میں خوب ثواب ملا کام والوں کو جنہوں	
صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾	
نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا	

ایمان و اعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر:

یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کو اس وطن کے بدلے وہ

وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر ثنائی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مومن مکہ میں رہ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ ان لوگوں نے جواب دیا وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال ہے ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا

اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے اُن کو

وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٠﴾

اور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

اللہ رازق ہے — جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے

یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کر دی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا یا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو صدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رائیگاں نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازق حقیقی ان کو ہر دم در رزق پہنچاتا ہے۔ (تسہیل)

کوے کے بچوں کی پرورش

یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پر و بال سفید ہوتے ہیں یہ دیکھ کر کوا اُن سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے کچھ دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے۔ تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ بھراتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جب کہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس کبھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھروں کے پاس بھیج دیتا ہے وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔

سفر وسیلۂ ظفر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے سفر کرو تا کہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور روایت میں ہے کہ سفر کرو تا کہ صحت و غنیمت ملے۔ اور حدیث میں ہے سفر کرو نفع اٹھاؤ گے روزے رکھو تندرست رہو گے، جہاد کرو غنیمت ملے گی اور روایت میں ہے حد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی

یعنی بہت سے چوپائے اور پرندے جو خدا کے محتاج ہیں اپنے ساتھ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ کل کے لئے جمع کرتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے کہا سوا انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے اور پرندے جو کمزور ہیں اور اپنی روزی جمع کر کے نہیں رکھتے ان کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے اور تم طاقتور ہو رزق جمع کر کے رکھتے ہو اللہ ہی تم کو بھی روزی دیتا ہے روزی ملنے کے معاملہ میں تم اور جانور سب برابر ہو تم بھی (رزق کھا کر) جیتے ہو وہ بھی جیتے ہیں تم بھی (آخر) مر جاتے ہو وہ بھی مر جاتے ہیں۔ پھر تمہاری کوشش بیکار ہے اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اوقات:

عبد بن حمید۔ ابن ابی حاتم بیہقی اور ابن عساکر نے ضعیف سند سے بیر بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں (تازہ خرمے) چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا اس عمر تم بھی کھاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہو گئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا میں نے کہا انا للہ انا للہ سے بھی کتنے ہی گناہ ریاء و عنایت فرما دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں۔ (یعنی ایک روز کھانا کھاتا ہوں) اس عمرؓ اگر تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان (کو اللہ کے رزاق ہونے کا) یقین کمزور ہو گا۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے واللہ ہم وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ ہٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ آیت وَكَأَيِّن مِّن دَآبَّةٍ الخ نازل ہوئی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔

کامل توکل کا انعام:

حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرمارہے تھے اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا

حضرت ابن مسعود رادی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس (کو کرنے) کی تم کو ممانعت نہ کردی ہو روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کرلے گا ہرگز نہیں مرے گا پس تم لوگ متقی ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو (یعنی پاک ذرائع سے کماؤ) رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہیے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر اللہ کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رواہ البیہقی فی شرح السنۃ وکرہ فی العالم۔ (مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ

اور کام میں لگا رہے سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں

رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے

یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (موضح)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ

اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ

بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے جس کو چاہے

ناپ کر دیتا ہے یہ نہیں کہ بالکل تنگ دے۔ (تفسیر حقانی)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

یعنی یہ خبر اسی کو ہے کہ کس کو کشادہ دینا چاہیے۔ (تفسیر حقانی)

بندوں کے ایمان کی حفاظت

اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی ہر چیز کی خوبیاں اور خرابیاں خوب جانتا ہے۔

حضرت انس کی روایت سے ایک طویل حدیث لغوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے جس کو ہم سورۂ شوریٰ میں بیان کریں گے اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے کچھ مومن بندے مجھ سے باب عبادت میں داخلہ کی دعا کرتے ہیں مگر باب عبادت میں داخل ہونے سے ان کو روک دیتا ہوں تاکہ ان میں اس سے غرور نہ آجائے جو ان کو تباہ کر دے۔ میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دولت ہی ان کے ایمان کو درست رکھتی ہے اگر میں ان کو مفلس کر دوں تو افلاس ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو سنبھالے رکھنے والا صرف افلاس ہوتا ہے اگر میں ان کو دولت مند بنا دوں تو دولت ان کے ایمان کو بگاڑ دے، اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ تندرستی ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والی ہے اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کی درستی صرف بیماری سے ہوتی ہے۔ اگر میں ان کو تندرست کر دوں تو صحت ان کے ایمان کو بگاڑ دے میں بندوں کے دلوں کی حالت جانتا ہوں اور اسی علم کے مطابق اپنے بندوں کا انتظام کرتا ہوں۔ بلاشبہ میں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ

اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے

مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ

پانی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اسکے مرجانے کے بعد تو کہیں اللہ نے

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

جس چیز کی ہر کسی پر برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ زرداری میں مفلس سے دولتمند کر دے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ

اور یہ دنیا کا جیا تو نہیں جی بہلانا اور کھیلنا ہے

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ

اور بیچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے رہنا ہمیشہ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اگر ان کو سمجھ ہوتی

آخرت کی فکر ضروری ہے:

یعنی آدمی کو چاہیے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص اسی پر اعتقاد

الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ

اعتقاد پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۙ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۙ

تاکہ مرتے رہیں ہمارے دیے ہوئے سے اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے

انسان کی احسان فراموش طبیعت

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدتمندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت و شرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے (قرطبی وغیرہ) (معارف حقی اعظم)

حقیقت ماننی پڑتی ہے

مکرمہ کا بیان ہے کہ دور جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے۔ اے رب۔ اے رب۔ مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خالص طور پر دل سے اللہ کے اطاعت گزار ہو جاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اچکے

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں

وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور اللہ کا احسان نہیں مانتے

اہل مکہ کے لئے امن کی نعمت

مکہ کے لوگ اللہ کے گھر کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے حالانکہ سارے ملک عرب میں فساد اور کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ بتوں کے جھوٹے احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ

جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں بسنے کی جگہ نہیں

مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

منکروں کے لئے

سب سے بڑی ناانصافی

یعنی سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچائی لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بیباکی اور بے حیائی سے عقل و انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ

اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم بجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں

اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح

طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب و رضاء یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضات و مجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت و انکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور دو باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدوجہد ضروری ہے اور لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں سے سبل سے خدا تعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مال بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی مرادِ خود بزودی بازیابی

(معارف کاندھلوی)

لَّذِيْنَ جَاهَدُوْا جہاد کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا۔ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی انتہائی طاقت بھر کافروں سے لڑنے اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔

فِيْنَا ہمارے اندر یعنی ہماری مرضی کی طلب ہمارے دین کی مدد اور ہمارے اوامر و نواہی کی تعمیل کرنے میں۔

بارگاہِ الٰہی کا قرب

سُبُلَنَا اپنے راستوں کی یعنی اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستوں کی۔ اللہ کی بارگاہ تک رسائی بے کیف ہے (اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی) یا یہ معنی ہے کہ ہم نیکی کے راستے کو دکھا دیتے ہیں۔ اور ان راستوں پر چلنے کی توفیق عنایت کر دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى اور جو لوگ ہدایت پا لیتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمان کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اپنے جانے ہوئے راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو (آگے) وہ راستے بتا دیتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے۔

جنید نے کہا جن لوگوں نے توبہ کی کوشش کی ہم ان کو اخلاص کے راستے بتا دیتے ہیں۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص عمل کرتا ہے اس پر جس کو وہ جانتا ہے تو اللہ نامعلوم چیز کا علم اس کو عطا فرما دیتا ہے۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝
اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

یعنی اللہ کی حمایت و نصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(تم سورۃ العنکبوت فللّٰہ الحمد والمنہ) (تفسیر عثمانی)

سورة الروم

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دل میں نفاق ہے اور یہ خواب دیکھنے والا اگر بادشاہ ہے تو عالم ہو جائے گا اور اگر قاضی یا تاجر ہے تو بہت سے فوائد حاصل کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ
مغلوب ہو گئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں

عرب سے قریب کی زمین

ادنی الارض" (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرعات" و "بصریٰ" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام" کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے اس حجرے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی:

ابن ابی حاتم نے ابن شہاب زہری کی روایت سے اور ابن جریر نے عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمان جب مکہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں کی تھی تو مشرک مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ تم شہادت دیتے ہو کہ رومی اہل کتاب ہیں لیکن (ایران کے) مجوسی ان پر غالب آ گئے۔ اسی طرح تمہارا خیال ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتاری گئی ہے اور تم اس کتاب کی برکت سے ہم پر غالب آ جاؤ گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بتاؤ رومی تو اہل کتاب ہیں ان پر مجوسی کیسے غالب آ گئے۔ پس جس طرح فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ایک بہت عجیب و غریب قصہ امام سعید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان یا بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا

اور اس سے کہا کہ میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تیری اولاد میں سے کسی کو اس لشکر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ دو کہ کسے سردار بناؤں؟ ان نے کہا سلوسیر افلاس کو کہ تو لوزی سے بڑا، ورع اور شجاعت سے زیادہ عقلمند ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیرا بیٹا ہے تیسرا لڑکا شہریار سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اسے تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہریار کو سردار بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے اُن کے شہر اجاڑ دیئے۔ ان کے دفاعت برباد کر دیئے۔ اس سرسبز شاداب ملک کو ویران و عمارت کر دیا۔ اذرعات اور بصریٰ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست معرکہ ہوا اور وہاں فارسی رومیوں پر غالب آ گئے جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفار قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے کہ دیکھو تم اور نصرانی اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آ گئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آئیں گے اور اگر لڑائی ہوئی تو ہم تمہیں کہیں گے کہ تم ان اہل کتاب کی طرح ہمارے ہاتھوں شکست اٹھاؤ گے۔ اس پر قرآن کی یہ آیتیں اتریں۔

اہل روم کا تعارف

سورۂ بقرہ کی تفسیر کا شروع دیکھ لیجئے۔ رومی سب کے سب عیسیٰ ابن اسحٰق ابن ابراہیم کی نسل سے ہیں۔ حواسرائیل کے یہ بچے اور بھائی ہیں۔ رومیوں کو اصفر بھی کہتے ہیں۔ یہ یہودیوں کے مدمقابل تھے۔ یونانی یافث بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ خزروں کے بچا اور بھائی ہوتے ہیں یہ ستارہ پرست تھے۔ ساتوں ستاروں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ اتوار کے دن بھی پوجا کرتے ہیں۔ یہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے تھے۔ مشرق کی طرف انہی کے ہاتھوں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق جس کے مخالف شمال کی طرف ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد تین سو (۳۰۰) سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے۔ ان میں سے قونی شامہ کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین ابن قسطس نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا میلانیہ خلندقانیہ تھی۔ حران کی رہنے والی۔ پہلے اسی نے نصرانیت قبول کی تھی پھر اس کے کہنے سننے سے اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مدبر آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس کے زمانے میں نصرانی یہاں جمع ہو گئے۔ ان میں آپس میں بڑی پھوٹ پڑی اختلافات اور مناظرے چھڑ گئے۔ عیدالفطر اور اضحیٰ سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور اس قدر اختلاف اور تفریق ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ تین فرقہ ہو گئے۔ ایک کتاب لکھی جو ماشاء اللہ ولی نبی اور دوشاخی عقیدہ تسلیم کی گئی۔ اسی کو ملکانیہ کہا جاتا ہے جو درحقیقت نصاریٰ حقیرہ ہے۔ یہیں قسطنطنیہ میں اسی زمانے میں لکھی گئیں۔ ان میں حلال و حرام کے مسائل بیان کئے گئے اور ان کے عالموں نے دل کھول کر جو چاہا ان میں لکھا۔ جس قدر جی میں آئی نئی زیادتی اصل دین مسیح میں کی اور اصل مذہب خلط ملط ہو گیا۔ مشرقی کی جانب نمازیں پڑھنے۔ ہفتے بعد کے اتوار کے ان کو دن مان لیا۔ صلیب کی پرستش شروع ہو گئی۔ شراب کو حلال کر لیا اور بہت سے تہوار ایجاد کر لئے جیسے عید صلیب، عید قدّاس، عید غطاس وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان علماء کے سلسلے قائم کئے گئے ایک تو بڑا پادری ہوتا تھا پھر اس کے نیچے درجہ بدرجہ اور محکمے ہوتے تھے۔ رہبانیت اور ترک دنیا کی بدعت بھی ایجاد کر لی۔ گرجے بہت سارے بنا لئے گئے اور شہر قسطنطنیہ بنا رکھی گئی اور اس بڑے شہر کو اسی بادشاہ کے نام پر نامزد کیا گیا۔ اس بادشاہ نے بارہ ہزار بت بنائے۔ تین محرابوں سے بت مرتا۔ ان کی ماں سے بھی قدامہ بیان کیا۔ ان لوگوں نے ملکانیہ لیتے ہیں اس لئے کہ یہ لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر تھے۔ ان کے بعد یعقوبیہ، پھر نسطوریہ یہ نسطور کے مقلد تھے۔ پھر ان سے بہت سے گروہ ہوئے۔

رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ

جیسے حدیث میں ہے کہ ان کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے۔ ان کی سلطنت برابر چلی آتی تھی ایک سے ایک قیصر ہوتا آتا تھا یہاں تک کہ آخر میں قیصر مقتل ہوا۔ یہ تمام بادشاہوں سے زیادہ متعدد تھا بہت بڑا عالم تھا دانا، بینا، زیرک، ہوشیار اور فہمی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ ان نے سلطنت بہت وسیع کر لی اور مملکت اور دور دور تک پھیلا دی۔ ان سے متعلق ہے کہ فارس کا بادشاہ لشکر سے نکلا تھا، اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں سے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی سلطنت قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ بھی لوگ تھے، ڈنگ کو پوجتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلہ پر گیا۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود کسریٰ آپ ان کے مقابلے پر گیا۔ قیصر کو شکست ہوئی، یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں گھر گیا۔ نصرانی اس کی بڑی عزت و تعظیم کرتے تھے۔ گو کسریٰ لمبی مدت تک محاصرہ کئے رہا مگر باتحمین دارالسلطنت کو فتح نہ کر سکا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس شہر کا بعض حصہ سمندر کی طرف تھا اور نصف حصہ خشکی سے ملا ہوا تھا۔ تو شاہ قیصر کو کمک اور سمندری کے راستے سے اور پہنچتی رہتی، آخر میں قیصر ایک چال چلا اس نے رسولی کو بھلوا بھیجا کہ آپ جو چاہیں مجھ سے لے لیجئے اور جس شرائط پر چاہیں مجھ سے صلح کر لیجئے۔ میں اس پر بیش بہا مال طلا سیا کہ وہ اور بیل لڑکی صلح چاہیں تو صلح ہو جائے۔ قیصر نے

اسے بھی قبول کر لیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بے وقوفی کا پتہ چلا لیا کہ یہ وہ چیز مانگتا ہے جس کو جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے، بلکہ ساری دنیا مل کر اس کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کر سکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے کہلوا بھیجا کہ مجھے اجازت ملنی چاہیے کہ میں اپنے ملک شام میں چل پھر کر یہ دولت جمع کر لوں اور آپ کو سونپ دوں۔ اس نے یہ درخواست منظور کر لی۔ اب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام کے لئے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جا رہا ہوں اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو اپنا بادشاہ تسلیم کر لینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس (۱۰) سال تک بھی آپ واپس نہ لوٹیں تو کیا ہوا۔ یہ یہاں سے مختصر سی جانباز جماعت لے کر چپ چاپ چل کھڑا ہوا۔ پوشیدہ راستوں سے نہایت ہوشیاری، احتیاط اور چالاکی سے بہت جلد فارس کے شہروں تک پہنچ گیا اور یکایک دھاوا بول دیا۔ چونکہ یہاں کی فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں، عوام کہاں تک مقابلہ کرتے، اس نے قتل عام شروع کر دیا جو سامنے پڑے تلوار کے کام آئے، یونہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کی محافظ فوج پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کر دیا اور چوطرف سے مال جمع کیا ان کی تمام عورتوں کو قید کر لیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کر ڈالا۔ کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا۔ اس کے محل سرائے کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا اس کی درباردار عورتیں وغیرہ بھی پکڑ لی گئیں اس کے لڑکے کا سر منڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیجا کہ لیجئے جو مال اور عورتیں اور غلام آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کے پاس اس کا کل خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور بڑا سخت حملہ شہر پر کر دیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ شہر جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حیلہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو تو دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور آپ تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا۔ کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو کئی، چارہ، لید، گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھ گئے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا۔ یہ اس لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر واپس اپنے لشکر میں پہنچ گیا ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے کو چل دیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کر کے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ اطلاع ہوئی تو اس کا عجب حال ہوا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ حیرت میں رہ گیا اور رومی غالب آ گئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آئے۔ یہ کل امور نو (۹) سال میں ہوئے اور رومیوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت فارسیوں سے دوبارہ لے لی اور مغلوب ہو کر غالب آ گئے۔ اذرعات اور بصرے کے معرکے میں اہل فارس غالب آ گئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔

وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۙ
اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہونگے
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۭ
چند برسوں میں

رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی

یعنی نو سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے کیونکہ لغت میں اور حدیث میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک ہوا ہے۔ ان آیات میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشگوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔

ابتدائے اسلام کے وقت کی بین الاقوامی طاقتیں

واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں۔ ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ نبرد آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا کیا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریحات سے ظاہر ہے۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی طبعاً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی

آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (کیخسرو

ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا، بڑے بڑے پاوری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ ظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب فقلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتیٰ کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مشرکین سے شرط

اُس وقت قرآن نے سلسلۂ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہو کے اسی پیشگوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اُس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو (۱۰۰) اونٹ تم کو دونگا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے "بضع" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ اُدھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچونگا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خُلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سو (۱۰۰) اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کیے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیے جائیں۔ فللّٰہ الحمد علی بعمانہ الظاھرۃ و الائہ الباھرۃ (تفہیم القرآن)

مسئلہ قمار قمار یعنی جوا ہر وہ معاملہ ہے جس میں فریقین کا کچھ مال داؤ پر لگا ہو اور اس کا فیصلہ کسی ایسی بات پر ہو جو دونوں فریق کے لیے یکساں غیر یقینی ہو۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ دو طرفہ لین دین اور ہار جیت کی شرط جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی یہ بھی ایک قسم کا جوا اور قمار ہی تھا مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں تھا، اس لئے اس واقعہ میں جب یہ قمار کا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کوئی مال حرام نہیں تھا، اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم کیوں فرمایا، خصوصاً دوسری روایت میں جو اس کے متعلق الفاظ سخت آیا ہے جس کے مشہور معنی حرام کے ہیں یہ کیسے درست ہوگا، اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتسابِ مال اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اس لئے صدیق اکبرؓ کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شراب حلال ہونے کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

فارسیوں کا مقابلہ اور اُبی بن خلف کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث

بغوی نے لکھا ہے فارس اور روم میں جنگ تھی مشرکوں کا دل یہ چاہتے تھے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ فارس والے مجوسی تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی غالب ہو جائیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا جس کی قیادت شہریزاد کے سپرد کی اور قیصر نے ایک لشکر نطلیس کی زیر سرکردگی روانہ کیا دونوں فوجوں کا مقابلہ ادرعات علاقہ شام و بصریٰ کے مقام پر ہوا (یہ شامی علاقہ ارض عرب کے بہت قریب تھا اور عجم سے بھی قریب تھا) آخر میں فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کو مکہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، اور کفار مکہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے تم بھی اہل کتاب ہو اور عیسائی بھی اہل کتاب ہیں اور ہم امی (یعنی بے کتاب) ہیں، ہمارے فارسی بھائی تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ گئے اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آئیں گے، اُس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کفار کے پاس گئے اور فرمایا اب تو تم اپنے بھائیوں کے غالب آ جانے سے بہت خوش ہو لیکن واللہ عنقریب رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی اطلاع دی ہے۔ اُبی ابن خلف نجمی بولا تم جھوٹے ہو، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، دشمن خدا تو بڑا جھوٹا ہے، اُبی نے کہا، ہمارے درمیان ایک معین مدت کی شرط کر لو میں دس اونٹنیوں کی

شرط باندھتا ہوں۔ اگر رومی فارس والوں پر غالب آ گئے تو میں تاوان (یعنی دس اونٹنیاں) تم کو دوں گا اور اگر فارس والے رومیوں پر غالب رہے تو تم کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ شرط طے ہو گئی اور تین سال کی میعاد مقرر کر دی گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خدمت گرامی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کر دیا (یہ واقعہ قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تو یہ نہیں بیان کیا تھا، بضع تو تین سے نو تک ہوتا ہے اب تم مال کی مقدار میں اضافہ کر دو اور میعاد بڑھا دو حضرت ابوبکر خدمت گرامی سے واپس آ کے ابی کے سامنے دکھائی دیا۔ ابی نے کہا اب تو شاید تم کو پشیمانی ہوئی ہو گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، پشیمانی نہیں بلکہ میں تو مال کی مقدار بڑھاتا اور میعاد مقرر میں تو سیع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سو اونٹنیوں کی شرط ہو گئی اور نو سال کی مدت مقرر ہوئی۔ بعض روایات میں سات سال کی میعاد آئی ہے۔ ابی نے کہا، میں نے مان لیا۔ کچھ مدت کے بعد ابی بن خلف کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ ابوبکر مکہ سے چلے جائیں گے تو آ کر آپ سے چمٹ گیا اور بولا، مجھے اندیشہ ہے کہ تم مکہ سے چلے جاؤ گے اس لئے اپنا کوئی ضامن دو۔ (کہ جب میں شرط جیت جاؤں تو اس سے مال شرط وصول کر لوں) حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنا دیا۔ حضرت عبداللہ ضامن ہو گئے۔

ابی بن خلف کی موت

اس کے بعد ابی بن خلف (مسلمانوں کے مقابل) احد کی جنگ میں گیا اور مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مکہ میں آ کر مر گیا۔ ادھر حدیبیہ کے دن رومی فارس پر غالب آ گئے بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے دن رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوا۔ یہ واقعہ یوم شرط سے ساتویں سال کے سرے پر پیش آیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جیت

شعبی نے لکھا ہے، یہ مقررہ مدت گذرنے نہیں پائی تھی کہ رومی فارس والوں پر غالب آ گئے، اور اپنے گھوڑے دائن (ایرانیوں کی عراق راجد ھانی) میں لے جا کر باندھ دیئے (حرمت قمار سے پہلے کا یہ قصہ ہے) حضرت ابوبکرؓ بھی ابی بن خلف سے جیت گئے اور ابی بن خلف کے وارثوں سے آپ نے شرط کا مال وصول کر لیا اور خدمت گرامی میں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو خیرات کر دو، ترمذی نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے اس قصہ سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ دارالحرب میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمام عقود فاسدہ جیسے سود کا لین دین وغیرہ جائز ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ (حربی) کافروں کا مال ہر طرح سے لینا جائز ہے بشرطیکہ ذمہ داری کی شکست نہ ہو کافروں کو امان دے کر ان کا مال لینا جائز نہیں۔

رومیوں کے غلبہ کے اسباب

بغوی نے لکھا ہے کہ حسب بیان حکمہ، مہ رومیوں کی فارس والوں پر غالب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ شہریراز اور رومیوں پر غالب آیا اور ان کے شہروں کو روندتا اجاڑتا ہوا خلیج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شہریراز اکا بھائی فرخان شہریراز اد کے تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ (مستی کی حالت میں) اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسری کے تخت پر بیٹھنے والا ہوں یہ بات کسری تک پہنچ گئی۔ کسری نے شہریراز اد کو لکھا جس وقت میری یہ تحریر تم کو پہنچے فوراً فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ شہریراز اد نے جواب میں لکھا، بادشاہ سلامت فرخان کے بڑے کارنامے ہیں اور دشمنوں پر اس کی دھاک ہے آپ کو ایسا شخص نہیں ملے گا۔ کسری نے دوبارہ لکھا، فارس میں اور بہت سے لوگ ہیں جو اس سے بہتر ہیں فوراً میرے پاس اس کا سر بھیج دو۔ شہریراز اد نے اس کا بھی ایسا ہی جواب لکھ دیا جس سے کسری غضبناک ہو گیا اور شہریراز اد کو پھر کچھ نہیں لکھا بلکہ فوج کے پاس ڈاک سے یہ حکم بھیج دیا کہ میں سے شہریراز اد کو ہٹا کر اس کی جگہ تمہارا آفیسر فرخان کو بنا دیا ہے۔ پھر ایک چھوٹا سا پرچہ ڈاک لے جانے والے کو الگ سے دیدیا جس میں شہریراز اد کو قتل کر دینے کا حکم لکھا ہوا تھا اور ڈاک والے سے کہا جب فرخان حکومت کا چارج لے لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت کر لے تو اس وقت یہ پرچہ فرخان کو دیدینا غرض شاہی حکم ملنے کے بعد شہریراز اد نے بسر و چشم اس کو قبول کیا اور تخت سے اتر آیا اس کی جگہ فرخان بیٹھ گیا۔ اس وقت ڈاک والے نے وہ پرچہ فرخان کو دیا، فرخان نے فوراً شہریراز اد کو بلوانے کا حکم دیا اور گردن مار دینے کے لئے چٹھی میں طلب کیا۔ شہریراز اد نے کہا جلدی سے کام نہ لیجئے مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں۔ فرخان نے کہا اچھا، شہریراز اد نے بستہ منگوایا اور اس میں سے تین تحریریں نکال کر دکھائیں اور فرخان سے کہا میں نے آپ کے سلسلے میں کسریٰ سے یہ ساری مراسلت کی تھی اور آپ صرف ایک تحریر ملنے پر مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ فرخان نے فوراً اقتدار حکومت شہریراز اد کو واپس کر دیا۔

اس کے بعد شہریراز اد نے قیصر روم کو لکھا مجھے آپ سے کام ہے لیکن دوتہ پیام رساں کی معرفت زبانی کہلوایا جا سکتا ہے نہ تحریر اس کو پہنچایا جا سکتا ہے ملاقات ہی ضروری ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر مجھ سے ملیں میرے ساتھ بھی اس وقت صرف پچاس ایرانی ہوں گے، قیصر نے یہ بات مان لی اور پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا لیکن اس کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ شاید شہریراز اد نے کوئی فریب کیا ہو اس لئے

اپنے آگے آگے اس نے کچھ جاسوس بھیج دیئے تاکہ صحیح اطلاع بہم پہنچائیں۔ جاسوسوں نے آکر کہا کہ شہریزاد کے ساتھ بھی صرف پچاس آدمی ہیں قیصر روم شہریزاد کی جانب چل دیا۔ پھر دونوں کیلئے ایک ریشمی خیمہ لگوایا گیا اور دونوں کی ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہر ایک کے پاس خنجر تھا اور دونوں کے درمیان ترجمان تھا، شہریزاد نے کہا آپ کے شہر جن لوگوں نے ویران کئے وہ میں اور میرا بھائی ہیں ہم نے ہی اپنی تدبیر اور بہادری سے آپ کا ملک اجاڑا۔ اس سے کسریٰ کو ہم پر حسد ہو گیا اور اس نے میرے بھائی کو میرے ہاتھ سے قتل کرا دینا چاہا، میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ نے میرے بھائی کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے ہم دونوں ساتھ پیدا ہوئے ہیں، (اس لئے ایک کے قتل ہو جانے سے دوسرا مر ہی جائے گا) اب ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ قیصر نے کہا تم نے ٹھیک کیا، پھر ایک نے دوسرے سے (اشارۃً) کہا کہ راز دو آدمیوں کے درمیان رہتا ہے جب دو سے آگے بڑھتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے خنجروں سے ترجمانوں کو قتل کر دیا۔ اس وقت سے رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہو گیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر رومیوں نے ایرانیوں کو قتل کر دیا۔ کسریٰ بھی مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اطلاع صلح حدیبیہ کے روز پہنچی جس کو سن کر مسلمان اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اسی قصہ کی طرف غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ اشارہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے، واللہ اعلم۔ پھر نو (۹) سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اور یہی تفسیر اس لفظ کی ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس (۱۰) سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قبل اور بعد پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ روم فارس پر غالب آ جائے گا مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی کے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

ابن عباسؓ، سدیؒ، ثوریؒ اور ابو سعیدؒ یہی فرماتے ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ کے سال ہوا تھا۔ عکرمہ زہریؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے بعضوں نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پاپیادہ بیت المقدس تک جائیگا۔ چنانچہ اس نے نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔

یہ یہیں تھا جو اس کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبیؓ کی معرفت بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچایا تھا۔ ہرقل نے نامۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے وہی عزت بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و عادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی، وعدہ شکنی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اور اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے۔

ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور قریش میں یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ دس (۱۰) سال تک کوئی لڑائی آپس میں نہ ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ
اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام پہلے اور پچھلے

یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو الٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تلک الایام نداولھا بین الناس

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ
اور اس دن خوش ہونگے مسلمان اللہ کی مدد سے

مسلمانوں کی خوشی کا دن

یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبتاً مسلمانوں سے اقرب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا

یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اُسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

اللہ کا وعدہ ہو چکا خلاف نہ کریگا اللہ اپنا وعدہ لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بہت لوگ نہیں جانتے۔

اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے

یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جسے کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہر میں بغیر اسباب ظاہری خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ یہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

اور وہ لوگ آخرت کی خبر نہیں رکھتے۔

لوگوں کی ظاہر پرستی:

یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کہ آسائش و آرائش، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، ہونا جوتا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا بس یہ ہی اُن کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا ربار چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دُور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم بھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اُس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

معیشت میں پڑ کر آخرت سے غفلت دانائی نہیں:

قرآن کریم اقوام دنیا کے عبرتناک قصوں سے بھرا ہوا ہے، جو مکاسب دنیا اور عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے میں بڑے نام آور تھے، پھر ان کا انجام بد بھی دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے آیا، اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا حصہ بنا، اس لئے ان کو کوئی سمجھدار آدمی عقلاء یا حکماء نہیں کہہ سکتا، افسوس ہے کہ آجکل عقل و حکمت کا سارا انحصار اسی میں سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے اور اپنی عیش و عشرت کا سامان سب سے بہتر بنالے وہ سب سے بڑا عقلمند کہلاتا ہے، اگرچہ اخلاق انسانیت سے بھی گرا ہو، عقل و شرع کی رُو سے اس کو عقلمند کہنا عقل کی توہین ہے قرآن کریم کی زبان میں عقل والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو پہچانیں، اس کے لئے عمل کریں، دنیا کی ضروریات کو بقدر ضرورت رکھیں مالی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔

دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کا مقامی آدمی (نیٹیو) نہیں، بلکہ دوسرے ملک آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامانِ راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے، اور وہ سامانِ راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رُخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بالکل غافل اور جاہل ہیں۔ (مفتی اعظم رحمہ اللہ)

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا دھیان نہیں کرتے اپنے جی میں کہ اللہ نے جو بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

سوٹھیک ساوٹھ کر اور ایک وعدہ مقررہ پر

تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے:

یعنی عالم کا اتنا بڑا نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرت میں ظاہر آئیگا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ ملتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ میں غور کرو:

لَوْ كَيْفَ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۭ کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا۔ یعنی کیا انہوں نے اپنے علم کو صرف ظاہری دنیا پر محصور رکھا اور دلوں کے اندر باطن پر غور نہیں کیا کہ ان پر دنیا کے اندرونی گوشوں کا انکشاف ہوتا، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کیا اپنے نفسوں کے متعلق غور نہیں کیا باوجودیکہ ان کے نفس اس سے

اسے قریب ہیں کہ دوسری کوئی چیز اتنی قریب نہیں اپنے نفس کے اندر غور کرنے والے کو وہ انکشافات ہوتے ہیں جو سارے عالم امکان پر غور کرنے والے کو ہوتے ہیں۔ انسان عالم صغیر ہے (اور عالم کبیر کا نمونہ ہے) اگر وہ اپنے آپ میں غور کرے تو اس کو معلوم ہو جاتا اور وہ کہہ اٹھتے کہ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اللہ نے آسمان و زمین اور ان کی درمیانی کائنات کو برحق ہی پیدا کیا ہے (یعنی حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور یہ مقررہ مدت (بقاء) کو اپنے ساتھ لئے ہوئے پیدا کئے گئے ہیں یعنی بے کار اور لا حاصل بغیر کسی کامل حکمت کے نہیں پیدا کئے اور ان کی تخلیق دوامی نہیں ہے بلکہ ان کا بقاء ایک خاص مدت کے لئے ہے جہاں کے بعد قیامت آجانے کی اور حساب کتاب کا وقت آپہنچے گا اور سزا و جزا عمل میں آجائے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۔ کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا اور ہماری طرف تم کو نہیں لوٹایا جائیگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف بازگشت نہ ہو اور اللہ سب کو یوں ہی چھوڑ دے تو تخلیق بیکار ہے لا حاصل ہے۔

غور و فکر کا حاصل:

نظام عالم پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کا خالق حکیم ہے اور حکیم بیکار کام نہیں کرتا تخلیق عالم کی حکمت خالق کی ذات و صفات کی معرفت ہے اب اگر قیامت نہ آئے اور جزا سزا نہ ملے تو عارف و کافر دونوں برابر ہیں۔ ان کائنات پر غور کرتے والا ہی آخرت کو جانتا ہے اور عدم آخرت حاصل ہونے کے بعد اس کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ	
اور	بہت لوگ
بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝	
اپنے رب	کا ملنا نہیں مانتے

وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ	
کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی	جو دیکھیں انجام
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْٓا	
کیسا ہوا	ان سے پہلوں کا

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ	
زیادہ تھے زور میں اور ہلا ڈالیں انہوں نے زمین کو	اور بسایا ان کو
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ	
اس سے بسایا ہے زیادہ	اور پہنچے ان کے پاس رسول ان کے
بِالْبَيِّنٰتِ ؕ	
لے کر کھلے حکم	

ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو

یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو یوں جوت کر لالہ گلزار بنایا اور اسے کھود، چیر کر، کاٹ کر انہوں نے نکالیں ران نکریں سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی، لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر کھلے نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو کیا کسی سنا کہ انجام یہ ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے۔ ان کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ان میں ان منکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں۔ (فتح جنی)

وَاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وہ لوگ اس سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا اور ان سے زیادہ ہیں کو آباد کیا تھا (بڑی بڑی اونچی عمارتیں تعمیر کی تھیں)۔ زمین کو الٹنے کا یہ مطلب ہے کہ پانی نکالنے معادن دریافت کرنے اور کھیتی کرنے کے لئے انہوں نے زمین کو کھودا تھا۔

اہل مکہ کیلئے دعوت فکر

اہل مکہ ایسی زمین پر آباد تھے جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی بالکل وادی غیر ذی زرع تھی۔ ادھر اُدھر ان کا پھیلاؤ نہ تھا۔ آیت میں ایک طرح کا طعن ہے مکہ والوں پر، کہ وہ دنیا پر رشک آتے ہوئے ہیں فریفتہ ہیں، غرور سے سرمست ہیں باوجودیکہ ان کا حال کمزور ہے۔ دنیا کی فراخی ان کو حاصل نہیں۔ دنیا نام ہے وسعت ملک کا، تسلط عام کا، تغیرات کی کثرت کا اور ان کو کچھ بھی میسر نہیں ان کی ہستی میں کسی چیز کی پیداوار نہیں اگر موسم سرما و گرما میں یمن و شام کا سفر نہ کریں اور وہاں سے غلہ کپڑا نہ لائیں تو بھوکے ننگے مر جائیں۔ ان تمام باتوں سے باوجود اپنی حقیر دنیا پر پھولے نہیں سماتے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا	
سو اللہ نہ تھا ان پر ظلم کرنے والا	لیکن وہ اپنا

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

آپ برا کرتے تھے

قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰى اَنْ

پھر ہوا انجام برا کرنے والوں کا برا اس

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾

واسطے کہ جھٹلاتے تھے اللہ کی باتیں اور ان پر ٹھٹھے کرتے تھے

دنیا میں دیکھتا تھا پھر آخرت میں تکذیب و استہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ کا اثر:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ سے نکل آتا ہے اور مغفرت کا طلبگار ہو جاتا ہے تو (دل سے وہ سیاہ نکتہ دور ہو جاتا ہے) دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا رہا تو سیاہی کا نکتہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ (پورے) دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور فرمایا ہے بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ بلکہ جو اعمال وہ کرتے تھے ان کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ

اللہ بناتا ہے پہلی بار پھر اس کو دہرائے گا پھر اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾

پھر جاؤ گے اور جس دن برپا ہوگی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا

اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے

وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر

جھوٹے معبودوں کا انجام:

یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جس دن قائم ہوگی قیامت اس دن لوگ ہونگے قسم قسم

نیک و بد کے فیصلہ کا دن:

یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد عسرت
یکے در راحت و صلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ

سو جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام سو

فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

باغ میں ہونگے ان کی آؤ بھگت ہوگی

نیکیوں کا انعام:

یعنی انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہونگے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلانی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

تحبیر کا معنی و مطلب:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور میری قراءت کو سن رہے ہیں تو میں تحبیر سے کام لیتا۔ یعنی مزید خوش آوازی سے پڑھتا۔

بغوی نے بروایت اوزاعی یحییٰ بن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ سحر ہر جنت کے آسمان کا نام ہے۔ بیہقی کی روایت میں بھی یحییٰ بن کثیر کا یہ قول آیا ہے۔

اوزاعی کا بیان ہے جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو جنت کا کوئی درخت بغیر سرسبز ہوئے نہیں رہتا۔ یہی امام اوزاعی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق اسرافیل سے دریا دو خوش آواز نہیں۔ جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کی نماز اور تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔

جنت میں خوش کلامی:

میں کہتا ہوں گانے سے اور شعر سے اس دنیا میں لذت اندوزی کے لئے تین باتوں کی ضرورت ہے اشعار میں محبوب باوزن کلام مسدود ہو، آواز میں حسن ہو، لیکن جنت والوں کے لئے اللہ سے بڑی مرغوب تو کوئی چیز ہو سکتی اس کے جمال سے زیادہ کسی کا حسن بھی نہیں ہے ان لئے جب اس کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے تو اسی کی یاد خوش الحانی کے ساتھ سن کر لذت اندوز ہوں گے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ غزال چشم حوریں اپنے شوہروں کے سامنے ایسی حسین آوازوں سے گائیں گی جن کی مثل کسی نے کبھی گانا کبھی نہ سنا ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ منجملہ دوسرے کلام کے یہ اشعار بھی گائیں گی، ترجمہ ''ہم مست سے اعلیٰ ہیں ہم عزت والے لوگوں کی بیبیاں ہیں کم بہبود رہیں گی کبھی نہیں مریں گی ہم امن میں رہیں گی ہم کو کسی بات کا ڈر نہ ہوگا، ہم یہاں مقیم رہیں گی، کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی''۔ رواہ الطبرانی عن ابن عمر۔ مرفوعاً کذا اخرج الطبرانی والبیہقی وابن ابی الدنیا عن انس۔

امام احمد نے الزہد میں مالک بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ حضرت داود علیہ السلام سے فرمائے گا اسی خوش آوازی کے ساتھ میری نجد بیاں کرو، داؤد علیہ السلام ایسی آواز سے گانا شروع کر دیں گے جو جنت کی ساری نعمتوں پر غالب آ جائے گی۔

اصبہانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ جنت سے درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو گانا سناؤ جنہوں نے میری یاد میں تمام گانوں اور باجوں کو چھوڑ رکھا تھا درخت اللہ کی تسبیح و تقدیس ایسی آوازوں سے گائے گا جس کی مثل کسی مخلوق نے کبھی نہیں سنی ہوں گی۔

گانا سننے کی سزا:

اس موضوع کی احادیث کثرت ہیں۔ حکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے (دنیا میں) گانے کی آواز سنی اس کو روحانیات کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، روحانی کون؟ فرمایا اہل جنت کے سامنے پڑھنے والے۔

دیلمی نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ اپنی آوازوں اور گانوں کو بیہودہ گانوں اور شیطانی مزامیر سے پاک رکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان کو مختلف ناموں میں قیام پذیر کرے گا اور فرشتوں کو حکم دے گا میرے بندوں کو نئی نئی شکلوں میں دیکھو سنو اور ان کو اطمینان دلاؤ کہ آئندہ ان کو کسی طرح کا خوف ہو یا تشویش نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ سماع کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کا سماع یا کسی ایسے اشعار کا سماع جو یاد آخرت میں مدد ہوں وہ جائز ہے بشرطیکہ وہ خوش الحان اور غزل خواں اجنبی عورت یا امرد لڑکا نہ ہو اور بشرطیکہ طبلہ اور سارنگی نہ ہو اس لئے کہ اجنبی عورت کا تو قرآن سننا بھی حرام ہے مزامیر کا تو کہنا ہی کیا ہے اور طبلہ اور سارنگی اور اس قسم کے گانے بجانے کے آلات تمام اہل شریعتوں میں حرام رہے ہیں البتہ اگر کسی کی بیوی خوش الحان ہو تو بقدر اس کو اپنی بیوی کا سماع جائز ہے بشرطیکہ وہ خلوت اور تنہائی میں اور ویسی نامحرم مرد اور نامحرم عورت وہاں موجود نہ ہو اور حواس قواعد شریعت کے تحت جاری ہوں۔

متعلق حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی کا یہ فتویٰ ہے

رندو داں مرد و زناں را دو است — مرد و داں رند و زناں را خطاست

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گویم سماع اے : ا - چیست — مکمل صنع ا عالم کہ نیست

ان مرد معنی او علیہ — فرشتہ شود ماند ار سیر او

وگر مرد صورت پرستی بود — قوی تر شود فتنہ اندر وماغ

شیخ سعدی فرماتے ہیں، میں سماع کی حقیقت جسے بیان کروں کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ مستمع (سننے والا) کیا ہے۔ اگر وہ سماع کی اہلیت رکھتا ہے یا نہیں، اگر وقت سماع مستمع کا سر خ روح عالم بالا کی طرف اس پر وارد کرے کہ جہاں سے آیا ہے وہ تشنہ تھی عالم ہو جائے تو ان کا حکم دوسرے سے یہ شخص سماع کا اہل ہے اور تا اہل وہ ہے کہ سماع سے اس کے وجد و لعب اور فسحانیت میں اور اضافہ اور ترقی ہو جائے تو ایسا سماع بلاشبہ حرام ہے خاص کر جب کہ گانے والی کوئی خوبصورت عورت ہو یا کوئی سین لڑکا ہو اور طبلہ اور سارنگی بھی ہو اور شیرینی اور مٹھائی کی فروختیاں بھی ہوں اور طبلہ جانے والی چھوکریاں بھی ہوں تو اس سے حرام ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ (صاحب تفسیر مظہری)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ

اور وہ جو ہوئے اور جھٹلائیں ہماری باتیں اور ملنا

الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

پچھلے گھر کا وہ ان کو عذاب میں حاضر ہونا ہے

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ

سو پاک ہے اللہ کی یاد کرو جب شام کرو اور جب صبح کرو

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

اور اسی کی خوبی ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور پچھلے وقت

وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ

اور جب دوپہر ہو

یادِ الٰہی اور پانچ نمازیں:

یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ پاک کی یاد کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی یاد جمع کر دی گئی۔ اور اوقات فرض نماز کے بدلے ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام (جس میں مغرب و عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت و عظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ فیض و تاثیر سے عالم اسباب میں شاید ہی کوئی مادی مخلوق مستثنیٰ ہو (جیسا کہ ارج النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اسے معبود اکبر قرار دیا تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا مظاہرہ بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جبکہ اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت جبکہ اس کی حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں کے اتصال سے اس کے پجاری محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہو گئی اور روشنی کے ادنیٰ ترین آثار بھی افق پر باقی نہ رہے۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے اکبر کی عبادت کریں۔ اور شروع صلوٰۃ ہی میں اللہ اکبر کہہ کر اس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هٰذَا رَبِّيْ هٰذَا اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تھا اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام۔ رکوع ۹) شاید آیت ہذا میں فرمایا یہ بھی یاد دلایا ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور یاد کرنے کے لائق وہ ہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ آگے اسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں:

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا ہاں اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ حِيْنَ تُمْسُوْنَ میں نماز مغرب اور حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر اور عَشِيًّا میں نماز عصر اور حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نماز عَشِيًّا رہی، اس کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (معارف معنی اعظم)

بغوی نے لکھا ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں ہے۔ فرمایا ہاں پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ دیں اور فرمایا یہ آیت پانچوں نمازوں اور ان کے اوقات کو حاوی ہے۔

تمام گناہ معاف

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کر دیے جائیں گے خواہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ متفق علیہ۔

سب سے بڑا عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح شام سبحان اللہ وبحمدہ سو مرتبہ پڑھے گا قیامت کے دن اس سے بڑھ کر کوئی عمل اور کوئی نہیں لائے گا سوا اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زائد پڑھا ہو۔ متفق علیہ۔ رواہ ابوہریرہ۔

زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھاری کلمے

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی کے ساتھ ادا ہو جاتے ہیں) میزان میں (یعنی قیامت میں بادزن ہیں) بھاری ہوں گے رحمٰن کو پیارے ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ متفق علیہ۔

سبحان اللہ کیا ہے؟

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک روز فرمایا الحمد للہ کو تو ہم جانتے ہیں لوگ ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کو بھی ہم جانتے ہیں اللہ کے سوا بتوں کی پوجا ہوتی ہی تھی اور اللہ اکبر کو بھی جانتے ہیں نمازی تکبیر کہتا ہی ہے لیکن سبحان اللہ کا کیا

مطلب ہے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر عمرؓ اتنا بھی نہ جانے کہ اللہ اعلم ہے تو بڑا عجیب ہے (یعنی اللہ کا عالم کل ہونا تو میں بھی جانتا ہوں) حضرت علیؓ نے فرمایا، امیر المومنین یہ ایسا نام ہے کہ اس کو کوئی مخلوق اپنے لئے استعمال نہیں کر سکتی۔ ساری مخلوق کا اسی کی طرف رجوع ہے اسی کے واسطے یہ کلمہ کہنا واجب ہے۔ (از مفسر رحمۃ اللہ علیہ)

چار وزنی اور بڑھیا کلمے:

حضرت جویریہ بنت الحارث جن کا نام برہ تھا مسجد میں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک صبح کو اٹھ کر مسجد سے باہر چلے گئے پھر دن چڑھے واپس تشریف لائے اور فرمایا جب سے میں یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک تم یہیں بیٹھی (وظیفہ پڑھ رہی) ہو۔ حضرت جویریہ نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، میں نے تو تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین بار پڑھے تھے اگر تمہارے (وظیفہ کے) الفاظ سے ان کا موازنہ کیا جائے تو وہ بھاری پڑیں گے (چار کلمے یہ ہیں) سُبحان اللہ وبحمدہ ، عدد خلقہ ورضاء نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ (رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑھیا چار جملے ہیں سُبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر

دوسری روایت میں آیا ہے اللہ کو سب سے پیارے جملے چار ہیں: سُبحان اللہ اور الحمد للہ اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر ۔ جس سے شروع کرو کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم۔

سب سے اعلیٰ کلام۔

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے اعلیٰ کونسا کلام ہے فرمایا (افضل کلام) وہ ہی ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے (یعنی ملائکہ پڑھتے ہیں) سُبحان اللہ وبحمدہ ۔ رواہ مسلم۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سُبحان اللہ العظیم وبحمدہ کہا اس کے لئے جنت کے اندر ایک درخت لگا دیا گیا (یعنی جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ان الفاظ کا بھی ہوگا۔) رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا نام کیسے ملا؟

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔

رات کے نقصان کا ازالہ۔

طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں اس نے دن رات میں جو اس سے فوت ہوا ہو اسے پا لیا۔

نیند نہ آنے کا علاج:

طبرانی میں حضرت ربیعہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو اللھم عارت النجوم وھدت العیون وانت حیّ قیومٌ یاحیّ یاقیومُ اھدم عینی واھدئ لیلی میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضل خدا دور ہو گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ	
نکالتا ہے زندہ کو	مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ	
زندہ سے	اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١٩﴾	
اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے	

قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں:

یعنی انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے۔ مؤمن کو کافر سے، کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مر جاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبزہ و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت و حیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اس کے نزدیک کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ	
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا	مٹی سے
اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾	
پھر اب تم انسان ہو کر میں پھیلے پڑے	

مٹی سے تخلیق انسان

یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اسے کتنا پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذریت پھیلا دی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب وغریب ہنرمندیاں اس مٹی کے پتلے نے دکھلائیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی آیت قدرت

انسان جیسے اشرف المخلوقات اور خاتم کائنات کو مٹی سے پیدا کرنا ہے جو اس دنیا کے عناصر ترکیبیہ میں سب سے رذیل اور ادنیٰ درجہ کا عنصر ہے جس میں حس وحرکت اور شعور وادراک کا کوئی شمہ نظر نہیں آتا، کیونکہ مشہور چار عناصر آگ، پانی، ہوا اور مٹی کے سوا اور سب عناصر میں کچھ نہ کچھ حرکت تو ہے، مٹی اس سے بھی محروم ہے، قدرت نے تخلیق انسانی کے لیے اس کو منتخب فرمایا، ابلیس کی گمراہی کا سبب یہی بنا کہ اس نے آگ کے عنصر کو مٹی سے اشرف و اعلیٰ سمجھ کر تکبر اختیار کیا، اور یہ نہ سمجھا کہ شرافت اور بزرگی خالق و مالک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے بڑا بنا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے

لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ

تاکہ تم ان سے، دل کے چین اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

البتہ اس میں بہت سے کی نشانیاں ہیں ان کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

توالد وتناسل کا نظام

یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اسی کے اندر سے اس کا جوڑا نکالا تاکہ اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد و عورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا تاکہ مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت قدرت

یہ ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیبیاں بنیں ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ مختلف صورتیں پیدا فرما دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سامان راحت

لِّتَسْكُنُوْٓا یعنی تم عورتوں کی طرف مائل ہو اور ان سے انسیت کرو۔ اتحاد جنسیت موجب انسیت ہے اور اختلاف جنسیت باعث نفرت۔

بَيْنَكُمْ تمہارے درمیان یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان یا افراد جنس کے درمیان۔ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی صلی خواہش کے علیہ کے وقت ازدواجی تعلق قائم کرنے کے ذریعہ سے۔ تمہارے اندر اللہ نے باہم محبت اور شفقت پیدا کر دی تاکہ معاشی نظم درست ہو جائے۔ یا باہمی رحمت ومحبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تعاون موقوف ہے اور باہمی تعاون پر انسانی معیشت کا مدار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحت قلب ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام ونامراد ہے۔

مرد وعورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہو سکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کر سکتی ہے اسی لئے خطبۂ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوف خدا و آخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا؟ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا بلکہ ان کے دلوں میں مودت اور رحمت پیوست کر دی۔ وداد اور مودت کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت والفت ہے، یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے، ایک مودت، دوسرے رحمت۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ اور تمجملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تاکہ تم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لئے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم۔

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ — ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
کجا خویش وار میل ہر جنس — فرشتہ با فرشتہ انس با انس

(معارف کاندھلوی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں

لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝

ہیں سمجھنے والوں کو

شکل وصورت اور بولیوں کا اختلاف:

سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے، ملا کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر اُن کو پھیلا دیا۔ سب کی خدا خدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل و صورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی نئی صورتیں اور بولنے کے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری آیت قدرت

آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہونا ہے، کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ، بعض سرخ بعض زرد، اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمۂ قدرت ہے، زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں جو مختلف خطوں میں رائج ہیں۔

اس آیت قدرت میں متعدد چیزیں آسمان، زمین، اختلاف السنہ، اختلاف الوان، اور ان کے ضمن میں اور بہت سی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں، اور وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ کسی مزید غور وفکر کی بھی ضرورت نہیں، ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے، اس لئے اس کے ختم پر ارشاد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ رکھنے والوں کے لئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات اور دن میں

وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ

اور تلاش کرنا اس کے فضل سے

انسان کی دو حالتیں:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں بدلتی ہیں، سو یا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو ایسا ہشیار کوئی نہیں۔ اصل تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ رات میں تمہارا سونا اور دن میں روزی کو طلب اور تلاش کرنا قدرت ومصلحت کی نشانی ہے دو حروف عطف کے ساتھ دو فعلوں کو دو اوقات کے ساتھ ملا دیا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اگر ایک فعل دن کے ساتھ اور ایک فعل رات کے ساتھ (عادۃً) مخصوص ہے لیکن ہر کام ہر وقت ہو سکتا ہے (رات کو کمائی اور دن کو نیند بھی ہو سکتی ہے) اس کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی حامل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

چوتھی آیت قدرت

انسانوں کا سونا رات میں اور دن میں، اسی طرح ان کی تلاش معاش ہے رات میں اور دن میں، اس آیت میں تو نیند کو بھی دونوں میں بیان فرمایا ہے اور تلاش معاش کو بھی، اور بعض دوسری آیات میں نیند کو صرف رات میں اور تلاش معاش کو دن میں بتلایا ہے، وجہ یہ ہے کہ رات میں اصل کام نیند کا ہے، اور کچھ تلاش معاش کا بھی چلتا ہے، اور دن میں اس کے برعکس اصل کام تلاش معاش کا ہے، اور کچھ سونے آرام کرنے کا بھی وقت ملتا ہے، اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، بعض مفسرین تاویل کر کے اس آیت میں بھی نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔

سونا اور تلاش معاش زہد وتوکل کے منافی نہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے، اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب وکمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں خالص عطاء حق ہیں، جیسے کہ رات کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند اور آرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں، اور جس کو مالک چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

یہی حال تحصیل معاش کا رات دن مشاہدہ میں آتا ہے کہ دو شخص یکساں علم وعقل والے برابر کے مال والے، برابر کی محنت والے تحصیل معاش کا یکساں ہی کام لیکر بیٹھتے ہیں ایک ترقی کر جاتا ہے دوسرا رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بڑی حکمت ومصلحت سے بنایا ہے، اس لئے تلاش معاش اسباب ہی کے ذریعہ کرنا لازم ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ حقیقت شناسی سے دور نہ ہو، ان اسباب کو

اسباب ہی سمجھے اور اصل رازق اسباب کے بنانے والے کو سمجھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ
اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں

یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں کمافی تفسیر ابن کثیر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اپنے سونے کے احوال نظر نہیں آتا۔ سو لوگوں کی رہائی سنتے ہیں۔" (موضح) یہ لفظ یسمعون اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور امید کے لئے

بارش کا انتظام:

بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور امید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر کبھی اندھیرے میں اسکی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ کچھ دور تک راستہ نظر آ جائے اور کبھی خوف کھا کر ٹھہر جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ
اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ
مرے پیچھے ان میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں

یعنی اسی سے سمجھ لو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ
اور ان کی نشانیوں سے یہ ہے کہ کھڑے آسمان اور زمین ان کے حکم سے

آسمان و زمین کا بقاء:

پہلے آسمان و زمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا یہاں ان کے قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اسی کے حکم سے ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر نظام کائنات کو درہم برہم کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ
پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے
اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ
اسی وقت تم نکل پڑو گے

یعنی زمین و آسمان جب تک اس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ
سب اس کے حکم کے تابع ہیں

آسمان و زمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے:

یعنی آسمان و زمین کے رہنے والے سب اسی کے مملوک بندے اور اسی کی رعیت ہیں، کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، ہر ایک (بغیر کسی اختیار کے) پیدا ہونے، جینے، مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے میں حکم کا بندہ ہے۔ تو اس حکم عبادت سے سرکشی کرتا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ
اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ
اور وہ آسان ہے اس پر

اوّل و آخر پیدا کرنا برابر ہے

یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اوّل بار پیدا کرنے سے دوسری بار دوبارہ بنا دینا آسان ہونا چاہئے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اوّل پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مخلوق کے لئے دوبارہ پیدا ہو جانا پہلی مرتبہ پیدا ہو جانے سے سہل ہوگا کیونکہ وہ صرف ایک آواز سے اٹھ کر نکل آئیں گے۔ پہلی پیدائش دشوار تھی، نطفہ سا پھر بستہ خون ہوا پھر لوتی بنا پھر مرد یا عورت بنا پھر پیدا ہوا، حسان نے بحوالہ کلبی اور صالح کی روایت سے

حضرت ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اس کا یہی معنی ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

اور اس کی شان سب سے اوپر ہے آسمان اور زمین میں

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾

وہی ہے زبردست حکمت والا

اونچی شان اللہ کی ہے

یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ صفات اور اونچی سے اونچی شان اس کی ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز اپنے حسن وخوبی میں اسکی شان وعظمت سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اس سے بھی بالا وبرتر ہے جہاں تک مخلوق اس کے جلال وجمال کا تصور کر سکتی ہے بلکہ جو خوبی کسی جگہ موجود ہے وہ اسی کے کمالات کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آسمان کے فرشتے نہ کمائیں نہ کھائیں نہ حاجت بشری رکھیں، سوائے بندگی کے کچھ کام نہیں اور زمین کے لوگ سب چیز میں آلودہ۔ پر اللہ کی صفت زبان سے نہ ادا ہو سکے، وہ پاک ذات ہے" (موضح)

اے برتر از خیال وقیاس وگمان واہم — ورچہ گفتند اندشیدیم وخواندیم وایم
منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر — ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم
واللہ ذو من قال
اے بروں از وہم وقال وقیل من — خاک بر فرق من وتمثیل من

(تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس کی مثل اعلیٰ یہی ہے کہ اس کی مثل اور کوئی نہیں۔ عبد الرزاق نے بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کی تشریح میں قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ مثل اعلیٰ الا الہ الا اللہ کی شہادت ہے میں کہتا ہوں اس قول کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت مثل اعلیٰ ہے۔

شان نزول

طبرانی نے نقل کیا ہے کہ اہل شرک حج کی تلبیہ کہنے کے موقع پر تلبیہ کے ساتھ کہا کرتے تھے لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سوا اس شریک کے جس کو تو نے شریک کر لیا ہے تو اس کا مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم

بتلاتا ہے تم کو ایک مثل تمہارے احوال سے دیکھو جو تمہارے

مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ

مال ہیں ان میں ولی ساجھی

فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ

ہے اس میں جو روزی دی ہم نے تم کو تم ان سے ڈرتے ہو

كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ

جیسے ڈر رکھو اپنوں کا یوں ہم بیان کرتے ہیں

لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

نشانیاں عقل والوں کے لیے جو سمجھتے ہیں

شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال

یعنی شرک کا فتح وطغیان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے۔ وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال (یعنی لونڈی غلام) جس کے تم محض طفیلی اور مجازی مالک وکیا اپنی روزی کا، اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے دے رکھی ہے، تم ان کو اپنا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال وجائداد میں اپنے حصے دار ہوتے ہیں اور ہر وقت تمہارا جی چاہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف دے پر جس طرح تم اپنے نفس یا قدیم اور سوال وجنس کو تصرف میں نہیں لا سکتے، اسی طرح اپنے غلام یا لونڈی کی طرف سے ہوتا ہے۔ آخر تمہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے تو سچے مالک کو ایسے ماتحتی یا پر واہو سکتی ہے جس وقم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو۔ ایک غلام تو آقا کی ملک میں شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں۔ مگر ایک مخلوق، مخلوق خالق کی خدائی میں شریک ہو جائے! ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ جیسے تم کو اپنے لوگوں کا اندیشہ رہتا ہے تو تمہاری طرح آزاد ہیں۔ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوتا ان کو تم اپنے برابر سمجھتے ہو، باوجود یکہ تم سب آدمی ہو پھر بھی غلاموں کے ساتھ مالی شرکت اور مساویانہ تصرف گوارا نہیں پھر تعجب ہے کہ ان پتھروں کو بوجا جو تین مخلوق ہیں ان اللہ کا شریک قرار دیتے ہو جو تمہارے آقا کا خالق ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ

بلکہ چلتے ہیں بے انصاف اپنی خواہشوں پر بے سمجھے

خواہش پرستی کا نقصان:

یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ

سو کون سمجھائے جس کو اللہ نے بھٹکایا اور کوئی نہیں

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اُن کا مددگار

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اُس کی بے انصافی جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اُسے سمجھا کر رہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچالے لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متحیر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر جمے رہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ

سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر

آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں:

یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اُسے شرک کی دلدل میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ

وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو

فطرت انسانی:

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور ہذا فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردوپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ "عہد الست" کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃً (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے بعد ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حنفاء" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغوا کر کے انہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دیا۔ بہرحال دین حق دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اُس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اُسی کی طرف جھکے تمام انسانوں کی فطرۃ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابوجہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو اُن کو قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول مہمہ کو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو اُن پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں رہتے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اللہ سب کا مالک حاکم سب سے نرالا، کوئی اُس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اُس پر چلنا چاہیے۔ ایسے ہی کسی کے جان و مال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی بُرا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا وہی دین سچا ہے (یہ امور فطری تھے مگر) ان کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھلا دیا۔" (تفسیر عثمانی)

فطرت (بمعنی پیدائش) سے مراد حضرت ابن عباس اور جماعت مفسرین کے نزدیک اسلام ہے۔ آیت میں براہ راست خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو ہے۔ فطرت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ساری مخلوق کے لئے اطاعت الٰہی لازم ہے۔

الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا یعنی تمام لوگوں کے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کر دی ہے کہ فطرت کو جان سکتے ہیں اور اس پر چل سکتے ہیں (گویا فطرت سے مراد ہے فطری استعداد جو ہر شخص میں پیدائشی ہے) بعض علماء کے نزدیک فطرت سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ نے حضرت آدم اور آپ کی ساری نسل سے کیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، قَالُوْا بَلٰى تو سب نے جواب دیا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے یہ ہی حنیفیت ہے جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران میں آیت مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہوئی یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے چوپایہ سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا، لوچا پاتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ۔

اسلام دین فطرت ہے

ارشاد ربانی فاقم وجهك للدين حنيفا فطرة الله التي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله (سورۃ روم ع ۴) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کل مولود يولد على الفطرة (او قال على الاسلام) فابواه يهودانه وينصرانه (او كما قال صلى الله عليه وسلم) کا مفاد یہ ہے کہ ایمان وجودی چیز ہے جو فطرت انسان میں ودیعت ہوتی ہے کفر اس کی نفی کا نام ہے۔ ایمان اور کفر میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہے کفر عارض ہے اور ایمان اصل جیسے چراغ کی لو پر دھواں یا آگ کے گرد اگرد راکھ پس (آیت ختم الله على قلوبهم میں) "ختم" سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فطری صلاحیت ودیعت ہوئی تھی مگر اس پر کفر و تمرد کا اتنا پردہ پڑ گیا کہ ایمان کی روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی۔ (از افادات مدنی رحمہ اللہ)

ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ ہوتا ہے جس کے کان لوگ کتر دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ۔

مشرکوں کے بچے

مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا وہاں ہم بفضل خدا تعالیٰ غالب آ گئے اس دن لوگوں نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں، آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! آخر وہ بھی تو مشرکین کی ہی اولاد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں، خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رک جانا، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہود نصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان آ جائے، اب یا تو شاکر بنتا ہے یا کافر۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ
بدلنا نہیں اللہ کے بنائے ہوئے کو

فطرت کو مسخ نہ کرو

یعنی اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ ہر فرد انسان کی فطرت قبول حق کے لئے مستعد بنائی ہے یا یہ مطلب کہ اللہ نے جس فطرت پر پیدا کیا اس کو تم اپنے اختیار سے بدل کر خراب نہ کرو۔ بیج تم نے ڈال دیا ہے اسے بے توجہی یا بے تمیزی سے ضائع مت ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

آخر کار فطری سعادت و بدبختی غالب آتی ہے

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن مبارک نے حدیث کل مولود يولد على الفطرة کی تشریح میں کہا ہر بچہ کو اس سرشت پر پیدا کیا جاتا ہے جو اللہ کے علم میں ہے یعنی (بموجب علم الٰہی) ہر بچہ کو خوش نصیب یا بدنصیب پیدا کیا گیا ہے۔ آخر میں ہر آدمی اسی سعادت یا شقاوت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو اللہ نے اس کی سرشت میں پیدا کر دی ہے اور اس کا عمل فطرت کے مطابق (آخر میں) ہو جاتا ہے اس مطلب پر آیت لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ کا معنی یہ ہوگا کہ جس سعادت یا شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدل نہیں سکتی سعید شقی نہیں ہو سکتا اور شقی سعید نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق مصدوق تھے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا (مادہ) تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت خون بستہ کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت لوٹی (یعنی گوشت کا لوتھڑا) رہتا ہے پھر اللہ چار باتوں کا حکم دے کر ایک فرشتہ کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ فرشتہ اس کے عمل، میعاد زندگی، مقدار رزق اور اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ آدمی (تمام عمر) جنت والوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا کہ اس کا (شکم مادر کے اندر کا) لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرنے لگتا ہے آخر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر وہی لکھا غالب آتا ہے اور وہ جنتیوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

طبیعت نہیں بدل سکتی

حضرت ابو درداء کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ کیا ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخرکار ہر) آدمی اسی کی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔ رواہ احمد۔ اس تفسیر پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے ہر شخص کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے جس سے وہ بدل نہیں سکتا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوش نصیب بنایا ہے لہٰذا اپنا رخ دین کی طرف سیدھا کر لیجئے۔ (تفسیر مظہری)

قبول حق کی استعداد:

یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلف نہ ہوتے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ

یہی ہے دین سیدھا اور لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اکثر لوگ نہیں سمجھتے

یعنی سیدھا دین یہ ہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ

سب رجوع ہو کر اس کی طرف

یعنی اصل دین پکڑے رہو اس کی طرف رجوع ہو کر۔ اگر شخصی و دنیوی مصلحت کے واسطے یہ کام کیے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند مہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا، شرک جلی و خفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا، اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ

جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں سے مرتے

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝

ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر نازاں ہے

فرقہ پرستی دینِ فطرت کے خلاف ہے

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا الخ یعنی دین فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشرب جدا، جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا یا کوئی طریقہ ایجاد کر لیا، ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی، تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و عقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتون ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اہل بدعت: بعض لوگوں کا قول ہے کہ دین کو ٹکڑے کرتے والوں سے مراد ہیں اس امت کے اہل بدعت جنہوں نے دین حق کو چھوڑ کر اپنی اپنی خواہشات کا اتباع اختیار کر لیا ہے۔ ابن کوشمرک اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے ہر گروہ نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اہلسنت والجماعت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوا ایک فرقہ کے باقی سب لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا، وہ کونسا فرقہ ہوگا فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس پر چلنے والا فرقہ نجات یافتہ ہوگا) رواہ الترمذی۔

شیطان کا حربہ: داری کولہ ابراہیم بن اسحاق بروایت ابن مبارک اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اولاد آدم کے پاس (بہکانے کے لئے) کس طریقے سے جاتے ہو، ساتھیوں نے کہا ہر طریقہ سے۔ ابلیس نے کہا استغفار کے راستہ سے بھی جاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات نہیں ہو سکتی، استغفار تو توحید سے وابستہ ہے۔ (یعنی ہر مؤمن استغفار کرتا ہے) ابلیس نے کہا میں ان کے اندر ایسی چیز پھیلا دوں گا جس سے وہ کبھی استغفار نہیں کریں گے (کیونکہ اس چیز کو وہ گناہ نہیں خیال کریں گے بلکہ حق سمجھیں گے) چنانچہ ابلیس نے اولاد آدم کے اندر خواہشات (کا اختلاف) پھیلا دیا۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کی گروہ بندی:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین فطرت اور دین حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دین فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، شیعا، شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتدا کی پیرو ہو، اس کو شیعہ کہتے

ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دین فطرت تو توحید تھی جس کا اثر یہ ہونا چاہیے تھا کہ سب انسان اس کو اختیار کر لے ایک ہی قوم ایک ہی جماعت بنتے مگر انہوں نے اس توحید و یکجہتی اور مختلف لوگوں کے خیالات کے تابع ہو گئے اور انسانی خیالات اور رایوں میں اختلاف ایک طبعی امر ہے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا الگ مذہب بنا لیا، عوام ان کے سبب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات اعتقادات کو حق قرار دینے میں ایسا لگا دیا کہ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ یعنی ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات و خیالات پر مگن اور خوش ہے، اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے، حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ
اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکارتے اپنے رب
مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً
اسی کی طرف رجوع ہو کر پھر جب چکھائی ان کو اپنی طرف سے کچھ مہربانی
اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ لِيَكْفُرُوْا
اسی وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگنے لگتی ہے کہ منکر ہو جائیں
بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ
ہمارے دیے دوے سے سو مزے اڑا لو آگے جان لو گے

مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے

یعنی جیسے بھلے کام ہر انسان کی فطرت پہچانتی ہے، اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے۔ چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا اظہار ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہی سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ اُن ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا! (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اڑا لے، آگے چل کر معلوم ہو جائیگا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ اس کا ضمیر جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہی اس لائق ہے کہ ہمہ وقت یاد رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی حالت

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ نماز ختم کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا صحابہ نے جواب دیا اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے کہ صبح کو میرے بندوں میں سے کوئی مومن رہا کوئی کافر (یعنی میری نعمت کا منکر) جس نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر فلاں ستارے کے ٹھنڈے سے بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر یقین رکھنے والا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین۔ (تفسیر مظہری)

مومن کی حالت

شیخ حدیث میں ہے کہ مومن پر تعجب ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ کی ہر قضا بہتر ہی ہوتی ہے، راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ
کیا ہم نے ان پر اتاری ہے کوئی سند سو وہ بول رہی ہے
بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ ۝
جو وہ شریک بناتے ہیں

شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے

یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی سند اور سند رکھتے ہیں، جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اسکے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ
اور جب چکھائی ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اس پر پھولے بیٹھ جاتے
وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ
اور اگر آپڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر
اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝
تو اس وقت وہ مایوس

مشرک اور مؤمن کا فرق

یعنی ان لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب اللہ کی مہربانی اور احسان سے عیش میں ہوں تو پھولے نہ سمائیں ایسے اترانے لگیں اور آپے سے باہر ہو جائیں کہ محسن حقیقی کو بھی یاد نہ رکھیں۔ اور کسی وقت شامت اعمال کی بدولت مصیبت کا کوڑا پڑا تو یا بالکل آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہیں۔ ویا اب وہ نہیں جو مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہو۔ مؤمن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے اس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں پھنس جائے تو صبر و تحمل کے ساتھ اللہ سے مدد مانگتا ہے اور امید رکھتا ہے کہ کتنی ہی سخت مصیبت ہو اور ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف ہوں اس کے فضل سے سب قضا بدل جائے گی۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا کہ "لوگ سختی کے وقت خالص خدا کو پکارنے لگتے ہیں"۔ یہاں فرمایا کہ "برائی پہنچتی ہے تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں"۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت یعنی خدا کو پکارنا، ابتدائی منزل ہے۔ پھر جب مصیبت اور سختی میں امتداد ہوتا ہے تو آخر گھبرا کر ناامید ہو جاتا ہے۔ یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
کیا نہیں دیکھ چکے کہ اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
اور ناپ کر دیتا ہے جس کو چاہے اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں

ہر حال میں راضی رہنا چاہیے:

یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی نرمی اور روزی کا بڑھانا گھٹانا سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا جو حال آئے بندہ کو صبر و شکر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گذار رہے، اور ڈرتا رہے کہیں چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی وجہ نہیں کہ فراخی حال میں تو اترانے لگیں اور ناشکری کریں اور تنگ حالی میں ناامید ہو جائیں اللہ کی طرف نہ لوٹیں اور گناہوں پر پشیمان ہو کر توبہ نہ کریں اور گناہوں کو نہ چھوڑیں اور مومنوں کی طرح صبر نہ کریں اور مصیبت پڑنے پر ثواب کی امید نہ رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ
سو تو دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو

ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ
یہ بہتر ہے ان کے لئے جو چاہتے ہیں اللہ کا منہ اور وہی ہیں
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
جن کا بھلا ہے

ضرورت مندوں کی خبر گیری

یعنی جب فطرت کی شہادت سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی مالک ورب وہی اللہ ہے۔ دنیا کی نعمتیں سب اسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کی لقاء و دیدار کے آرزومند ہیں چاہیے کہ اس کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں، اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس مسافر کے پاس پردیس میں کچھ نہ ہو اور وطن میں مال ہو اس کو اور دوسرے مسکینوں کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو۔ (تفسیر مظہری)

مال کے مستحقین آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بقول حسن بصری ہر مخاطب انسان کو جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو مال اللہ نے آپ کو دیا ہے اس میں بخل نہ کرو بلکہ اس کو ان کے مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ کرو اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی، اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیئے اول ذوی القربیٰ دوسرے مساکین تیسرے مسافر کہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے ان لوگوں کو دو اور ان پر خرچ کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ یہ ان لوگوں کا حق ہے جو اللہ نے تمہارے مال میں شامل کر دیا ہے اس لئے ان کو دینے کے وقت ان پر کوئی احسان نہ جتلاؤ، کیونکہ حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل و انصاف ہے کوئی احسان و انعام نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ
اور جو دیتے ہو پیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں
فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ
سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝
چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دوئے ہوئے

زکوٰۃ اور سود کا فرق

یعنی سُود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا مدت ورم سے بھول جائے وہ بیماری یا بیام موت سے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مسہل وتنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اُس کا صحت ہو۔ سُود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھ لو۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ۔رکوع ۳۸) حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مؤمن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئیگی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "رِبا" سے یہاں سُود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے اس غرض سے کہ دوسرا اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کریگا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت وثواب نہیں۔ گو مُباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مُباح بھی نہیں۔ لعوله تعالى وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر۔رکوع) واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سُود یعنی نفع کی دو صورتیں ہیں ایک تو بیوپار تجارت میں بیاج یہ تو حرام محض ہے۔ دوسرا سُود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں وہ کسی کو اس ارادہ سے ہدیہ تحفہ دیا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہدا نعالی تے پان تو ثواب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اُونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہی ایک کھجور اُحد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق ورازق ہے۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے نکلا ہے علم، بے کان، بے آنکھ، بے طاقت نکلتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے۔ مال بھی، ملکیت بھی، کمائی بھی، تجارت بھی، غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی

دوسری بیوں کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو سر ملنے لگے تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ انسان بھوکا دنیا میں آتا ہے، ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا، پھر رب تعالیٰ ہی اُسے روزیاں دیتا ہے۔ وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا پھر قیامت کے دن زندہ کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تم جس جس کی عبادت کر رہے ہو اُن میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قادر نہیں رکھتا۔

عدل وانصاف کی برکت

مسند امام احمد حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانہ میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے یمنیوں کے دانے تھے اور اُس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اُگتے تھے جس میں عدل وانصاف کا کام میں لایا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اعمال کا مدار نیت پر ہے جس شخص کی جو نیت ہوگی وہی اس کو ملے گا جس شخص نے ہجرت اللہ اور رسول کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی (یعنی وہ ثواب کا مستحق ہوگا) اور جس شخص نے دنیا پانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت (اللہ اور رسول کے لئے نہیں بلکہ) اسی چیز کے لئے قرار پائے گی جس کے لئے اس نے کی ہوگی۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح:

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بُری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ ورشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا لیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عرف میں توقہ کہتے ہیں، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے اس کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ اُن پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے، اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز ورشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربوٰ سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی ہی ہوگئی۔

مسئلہ ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ وعطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے، (کذا روی عن عائشہؓ قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا معاوضہ دے رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ

اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے

ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ

پھر تم کو جلائے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان

ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

کاموں میں سے ایک کام وہ برا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں

مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے:

یعنی مارنا جلانا، روزی دینا، سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی

اَیْدِی النَّاسِ لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ

کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو کچھ مزہ ان کے

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

کام کا تاکہ وہ پھر آئیں

بحر و برّ کا فساد:

یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، روئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہ راست پر آ جائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور بر و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ حمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانہ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بر و بحر کا مطلب:

لغوی نے لکھا ہے بر سے مراد ہے صحرا و بیابان اور بحر سے مراد ہیں وہ شہر اور بستیاں جو نہروں اور دریاؤں کے کنارے پر آباد ہیں۔ عطیہ نے کہا، روئے زمین پر جو شہر و غیرہ ہیں وہ بر ہیں اور بحر تو معروف ہی ہے (یعنی سمندر) بارش کی کمی کا اثر جس طرح خشکی پر پڑتا ہے اسی طرح سمندر پر بھی پڑتا ہے۔

ہابیل کے قتل کا اثر:

ضحاک نے کہا زمین پہلے سرسبز اور شاداب تھی، جس درخت کے پاس آدمی جاتا تھا اس کو بار آور پاتا تھا۔ اور سمندر کا پانی پہلے میٹھا تھا اور شیر گائے بکری کو قتل کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا، لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو زمین خشک ہو گئی درخت پر خار ہو گئے اور سمندر کا پانی شور ہو گیا اور جانور ایک دوسرے کو پھاڑنے لگے۔ یعنی ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یا ان کے برے عمل کرنے کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ جو قحط میں مبتلا ہوئے ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے، یہ انہی کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ " یعنی خشکی اور دریا میں سارے جہان میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے" تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض اور آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم نقصان زیادہ ہو جانا وغیرہ آفات ہیں، اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیوی آفات کا سبب انسانوں کے گناہ اور اعمال بد ہوتے ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ اشد ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں۔

گناہوں پر تنبیہ

لِیُذِیْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا یعنی تاکہ چکھا دے اللہ تعالیٰ کچھ حصہ ان کے برے اعمال کا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اعمال بد اور گناہوں کی وجہ سے جو مصیبت و آفت دنیا میں بھیجدی جاتی ہے وہ بھی غور کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی ہے، کیونکہ مقصود اس دنیا کی مصیبت سے یہ ہوتا ہے کہ غافل انسان کو تنبیہ ہو جائے اور وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے باز آ جائے جو انجام کار اس کے لئے مفید اور بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آخر آیت میں فرمایا لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ

آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں

اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ جو انسان کوئی ایسا مرتکب ہوتا ہے وہ مادی تیج کے اسباب جو پانیوں اور چھ سے دیہ سے جانوروں پر ظلم کرتا ہے، تو بطور اس کے گناہوں کے وبال سے جو وہ اس کا خمیازہ اور دوسرے مصائب دنیا میں آتے ہیں اس سے سب تبی جان دار متاثر ہوتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز یہ سب بھی گنہگار انسان کے خلاف دعویٰ کریں گے۔

مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان یا سزاء و عذاب میں فرق

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ لکھی ہے کہ جو نیک لوگ بطور ابتلاء و امتحان کے گرفتار مصائب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے قلوب کو مطمئن کر دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب و آفات پر ایسے ہی راضی رہتے ہیں جیسے بیمار کڑوی دوا، یا آپریشن پر یا جو تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے، بلکہ اس کے لئے مال بھی خرچ کرتا ہے۔ عارضیں مہیا کرتا ہے، بخلاف ان گنہگاروں کے جو بطور سزا مبتلا کئے جاتے ہیں ان کی پریشانی اور حرص و جزع کی حد نہیں رہتی، بعض اوقات ناشکری حد کلمات کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ایک یہ بیان یہ بتلایا کہ جس مصیبت کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اپنے گناہوں پر تنبہ اور توبہ و استغفار رغبت زیادہ ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ مہر اور عنایت ہے، اور جس کو یہ صورت نہ ہے بلکہ جزع و فزع اور معاصی میں اور زیادہ انہماک بڑھ جائے وہ علامت قہر الٰہی اور عذاب کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (جامع بیان العلم)

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تو کہہ چلو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام

الَّذِينَ مِن قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ﴿

پہلوں کا بہت ان میں تھے شرک کرنے والے

شرک کی شامت

یعنی اگلوں کی شامت شرک کی وجہ سے آئی۔ بعضوں پر دوسرے گناہوں کی وجہ سے آئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ

سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ سیدھی راہ پر

فساد کا علاج یعنی دنیا میں فساد پھیل گیا تو تدبیر یہ ہے کہ جو دین فطرت ہے ٹھیک ٹھیک قائم رہو۔ سب خرابیوں کا ایک یہی علاج ہے۔ (موضح)

مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ

اس سے پہلے کہ آئے وہ دن جس کو پھیرنا نہیں اللہ سے

قیامت کا دن یعنی اللہ کی طرف سے اس دن کا آنا ٹل نہ سکے گا کوئی طاقت اسے پھیر نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿

اس دن لوگ جدا جدا ہوں گے

نیک و بد کا امتیاز یعنی نیک جنت میں اور بدبخت دوزخ میں پہنچیں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ (شوریٰ ع ۱) حضرت شاہ صاحب اس دنیا کے اعمال پر حمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی دین کا طریہ ہو سزا پانے والے الگ ہوں اور اللہ کے مقبول سدھ والگ۔" (تفسیر عثمانی)

مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ

جو منکر ہوا تو اسی پر ہے وبال اس کے انکار کا

یعنی انکار کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (ایضاً)

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿

اور جس نے کیا بھلا کام تو اپنے ہی واسطے بچھونا بنا رہے ہیں

نیک بخت لوگ آخرت میں آرام سے بچھونوں پر سو رہے ہیں۔ (ایضاً)

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ ۚ

تاکہ بدلہ دے ان کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام اپنے فضل سے

یعنی ایسا نیک بدلہ دے گا جو اللہ کے فضل سے ہوگا۔ (موضح)

نیک عمل کا ثواب

حضرت ابن عباس نے فرمایا تمام اعمال صالحہ سے زیادہ ان پر ثواب عنایت فرمانا فضل تھا ثواب سے واجب ہونا نہیں، وہ قانون سے وہ مستحق قرار پاتے ہیں اس سے زیادہ اپنے فضل سے ان کو عطا فرمانا۔ (معالم) سو ثواب اعمال کا آیت میں ذکر کر لیا اور سزا کے کفر میں بیان نہ کی۔

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اللہ ثواب دینا ہی چاہتا ہے ہاں جو شخص خود اپنا گھر لے عذاب آخرت و پسند کرے تو اللہ بھی ان کو عذاب دے گا۔

اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ

اس آیت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابو داؤد نے روایت کی ہے امام احمد نے الزہد میں بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی۔

میرے نیک بندوں کو ڈراؤ دھمکاؤ مگر ناامید نہ ہو جائیں اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر لیں۔ کیونکہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ نہ ہوگا کہ میں اس کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں اور اس کے معاملہ میں عدل سے کام لوں (اور وہ میرے عذاب سے بچ جائے بلکہ جس نیک بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور عدل سے کام لوں گا) تو ضرور اس کو عذاب دوں گا۔

ابونعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے ان سلدوں سے جو اطاعت گذار ہیں کہدو کہ اپنے (نیک) اعمال پر بھروسہ نہ کر لیں۔ کیونکہ قیامت کے دن میں جس بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اور یہ ظلم نہ ہوگا عدل ہوگا) اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہدو کہ وہ مایوس نہ ہو جائیں میں بڑے بڑے گناہوں کو بخشتا ہوں اور مجھے (کسی کے گناہ کی) پروا نہیں ہوتی۔

نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں:

طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندے کو اٹھائے گا جس کا کوئی گناہ ہی نہیں ہوگا اور اس سے فرمائے گا (بتا) تجھے دو باتوں میں سے کونسی بات پسند ہے کیا تو اپنے عمل کا بدلہ چاہتا ہے یا میرے فضل کا خواستگار ہے، بندہ عرض کرے گا تو خوب واقف ہے کہ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی اللہ فرمائے گا میرے بندے (کے اعمال) کا میری ایک نعمت سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ (جب نعمت کا مقابلہ عمل سے کیا جائے گا تو) تمام نیکیوں کو اللہ کی ایک نعمت (مقابلہ کے وقت) اپنے اندر سما لے گی اور کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی آخر بندہ عرض کرے گا تیرے فضل و رحمت سے (میں مغفرت کا طلگار ہوں)

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیوں کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں سارے گناہ لکھے ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتیں درج ہوں گی اللہ نعمتوں کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندہ کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر چنانچہ ایک چھوٹی نعمت تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا احاطہ کیا بھی نہیں ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دی ہیں (یعنی ہزاروں گنا کر دیں) اور تیرے گناہوں سے درگذر کر دی اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا (یعنی یقین کے ساتھ اقرار کر لیا) اللہ کے رو دیک اس کے لئے (جنت میں) داخل (کرنے کا) ایک پختہ وعدہ ہو گیا۔ اور جس نے سبحان اللہ کہا (یعنی اللہ کو ہر عیب اور برائی سے پاک سمجھا اور اس کا اقرار کیا) اس کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے ایک لاکھ نیکیاں لکھدی جائیں گی، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں (یعنی پھر ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا) فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن آدمی ایسے وزنی) اعمال لے کر آئے گا جو پہاڑ پر بھی بھاری ہوں گے لیکن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں سب ختم ہو جائیں گے، یہ سارا کچھ تو اس روز اللہ کی مہربانی سے ہوگا اللہ اس روز اپنی رحمت سے (جس پر چاہے گا) مہربانی فرمائے گا۔

اللہ کی رحمت جنت میں لے جائے گی۔

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے بھی بیان کی ہے، اور بزار نے حضرت ابوموسیٰ کے بیٹے اور شریک بن طارق کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور طبرانی نے شریک بن طریف اور اسامہ بن شریک اور اسعد بن کرز کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، تم پل صراط سے اللہ کے عفو کی وجہ سے پار ہو جاؤ گے اور جنت کے اندر اللہ کی رحمت سے داخل ہو گے اور درجات جنت کی تقسیم تمہارے اعمال کے مطابق ہو گی۔ ابونعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

مسلمان کی آبرو کی حفاظت۔

حضرت ابودرداء کا بیان ہے، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفاع کرتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس کی طرف سے لوٹا دے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ طبرانی اور اسحاق بن راہویہ نے یہ حدیث حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ

اور اس کی نشانیوں میں ایک یہ ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے والیاں

وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اور تاکہ چکھائے تم کو کچھ مزہ اپنی مہربانی کا

یعنی باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدا کی مہربانی سے مینہ برستا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے بارش

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قحط کی وجہ سے اہل و عیال بھوکے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام و نشان نہ تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی کہ یکایک کوہ صلع کی طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ بالی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا۔ یہاں تک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجا کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے۔ آپ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے ارد گرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جس کے فلاسفہ مدعی ہیں اگر ثابت ہو جائیں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں، اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ

اور تاکہ چلیں جہاز اس کے حکم سے

بحری راستے یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی باد موافق مدد دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو

یعنی جہازوں کے ذریعہ سے تجارتی مال سمندر پار منتقل کر سکو۔ اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ۔ پھر ان نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تنبیہ) پہلے خشکی تری میں فساد پھیلنے کا ذکر تھا اس کے مقابل یہاں بشارت و نعمت الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آندھی اور غبار پھیل جانے کے بعد امید رکھو کہ باران رحمت آیا چاہتی ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں چل پڑی ہیں جو رحمت و فضل کی خوشخبری سنا رہی ہیں کافروں کو چاہیے کہ شرارت اور کفران نعمت سے باز آ جائیں اور خدا کی مہربانیوں کو دیکھ کر شکر گذار بندے بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ

اور ہم بھیج چکے ہیں تجھ سے پہلے کتنے رسول اپنی اپنی قوم کے پاس

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ

سو پہنچے ان کے پاس نشانیاں لے کر پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے جو

اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

گناہ کئے اور حق ہے ہم پر مدد ایمان والوں کی

دنیا میں بھی حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے

پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود خدا دیئے جائیں گے منکروں پر انکے انکار کا وبال پڑیگا۔ وہ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔ اب بتلاتے ہیں کہ اس کا اظہار دنیا ہی میں ہو کر رہیگا۔ کیونکہ اللہ کی عادت اور وعدہ ہے کہ مجرمین و مکذبین سے انتقام لے اور مومنین کاملین کو اپنی امداد و اعانت سے دشمنوں پر غالب آنے بیچ میں ہوا کا ذکر اس واسطے آیا کہ جیسے باران رحمت کے نزول سے پہلے ہوائیں چلتی ہیں اسی طرح دین کے غلبہ کی نشانیاں روشن ہوتی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمنین کی مدد اور اس کی شرط

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ "ہم نے مجرموں کافروں سے انتقام لے لیا اور ہمارے ذمہ تھا کہ ہم مومنین کی مدد کرتے" اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اس کا تقاضا بظاہر یہ تھا کہ مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ میں کبھی شکست نہ ہو حالانکہ بہت سے واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مومنین سے مراد وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جو خالص اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہیں، ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرمین سے لیتے ہیں اور ان کو غالب

لرتے ہیں، جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ
اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل و پھر پھیلا دیتا ہے
فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ
اس آسمان میں جس طرح چاہے

بارش کے نظام سے عبرت یعنی پہلے کسی طرف پیچھے کسی طرف، اسی طرح دین بھی پھیلائیگا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ
اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو کہ نکلتا ہے اسکے بیچ میں سے
فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ
پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو کہ چاہتا ہے اپنے بندوں میں
اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾
تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے

اسی طرح مردہ زمینوں اور مردہ دلوں کی بارش سے منتفع ہونے کے وہ خوشیاں منائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ
اور پہلے سے ہو رہے تھے ان کے اوپر سے
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾
پہلے ہی ناامید

یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ حتیٰ کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برس کر ایسی جگ پرلو ہو جائے گی۔ انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا میں ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ
سو دیکھ لے اللہ کی مہربانی کی نشانیاں کیونکر
یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے

رحمتِ الٰہی کے کرشمے:

یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بے رونق اور مردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہ ہی حال روحانی بارش کا سمجھو، اس سے مردہ دلوں میں جان پڑ جائیگی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جائیگی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آئیں گے جو قائلیتیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، باران رحمت کا ایک چھینٹا اُن کو اُبھار کر نمایاں کر دیگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما اُبھار کر
اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر

صلِ علیٰ محمدؐ صلِ علیٰ محمدؐ

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۪ وَهُوَ
بیشک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾
ہر چیز کر سکتا ہے

مردہ دلوں اور مردہ جسموں کی زندگی

یعنی یہاں مُردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مُردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈالیگا۔ اس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ (تیسیر ڈابل)

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا
اور اگر بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی کو کہ زرد
لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾
پڑ گئی تو نہیں اُن کے پیچھے ناشکری کرنے

یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی زمین جی اٹھی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ

جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں۔ غرض ان کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے اس کی قدرت رنگا رنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت سب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر مادِ مخالف کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائیگی۔ اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہاری نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ

جبکہ پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو راہ سجھائے اندھوں کو ان کے

ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

بھٹکنے سے تو تو سنائے اسی کو جو یقین لائے

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

ہماری باتوں پر، سو وہ مسلمان ہوتے ہیں

کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں

یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنا دو۔ یا اندھوں کو کھلا دو، خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ ان کے کفر و ناسپاسی سے ملول و غمگین نہ ہوں۔ آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں۔

سماع موتیٰ کا مسئلہ

(تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورۂ "نمل" کے آخر میں گذر چکی، اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر "سماع موتیٰ" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدوں نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر بااختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اس قاتل کا فعل کہلائیگا۔ اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا، اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے۔ ورنہ اس کی مشیت کے بدوں گولی یا گولا کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (حال۔ رکوع ۲) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل" و "رمی" کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ کچھ بولو اور اپنی آواز مردے کو سنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائیگا اسی حد تک ہم کو سماع موتیٰ کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں "اسماع" کی نفی سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولوں کو یونہی تین روز پڑا رہنے دیا جب ان کی لاشوں میں عفونت آ گئی تو ان کی طرف تشریف لے گئے اور (ان کو خطاب کر کے) پکار کر فرمایا اے امیہ بن خلف اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے صحیح پا لیا۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر فوراً آ گئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول تین روز کے بعد بھی آپ ان کو پکار رہے ہیں کیا یہ سن رہے ہیں، اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى حضور نے فرمایا "قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے"۔ حضرت ابن عمر سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے اختیار و قوت سے مردوں کو نہیں سنا سکتے (کہ جب چاہو مردوں کو اپنا کلام سنا دو) بلکہ اللہ جب چاہتا ہے مردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے، یا یہ مطلب ہے کہ تم مردوں کو ایسی بات نہیں سنا سکتے جو ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکے (کیونکہ ہر ہدایت پر عمل کرنے کا وقت گذر گیا)۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ

اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا

مِنۡۢ بَعۡدِ ضَعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ
ضَعۡفًا وَّشَيۡبَةً ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡقَدِيۡرُ ۝

انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ

اس آیۃ میں انسان کے اتار چڑھاؤ کے وقت بہت غور و خوض ہوتا ہے۔ پھر آیۃ آتا ہے قوت آنے پر بھی تین حالتیں ہیں کہ حوالی نے وقت اس کا زور اٹھانا لوگ جان جاتے اور قوت میں کمی شباب ہوتی ہیں، پھر عمر ڈھلنے لگتی ہے اور زور و قوت کے جانے سے بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں جس کی آخری حد بڑھاپا ہے۔ اس وقت تمام اعضاء ڈھیلے پڑ جاتے اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت، ضعف کا یہ سب اتار چڑھاؤ اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس طرح چاہے کسی چیز کو بنائے۔ اور قوت و ضعف کے مختلف ادوار میں قدرت ہے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کس حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ لہٰذا اس خدا کی اور اس کے پیغمبروں کی باتیں ہمیں ماننی چاہئیں۔ شاید اس میں یہ بھی اشارہ کر دیا کہ جس طرح تم کو طاقت ور کرنے کے بعد، اور دیا مسلمانوں کو بھی ضعف کے بعد قوت عطا کرے گا، وہ اس نظام اس وقت کرے، نظر آتا ہے چنانچہ ان عدد ریکارڈ کیا، راتیے شباب دھوان پہنچے گا۔ اس کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ ایک زمانہ مسلمانوں کے ضعف کا آئے سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے کاروبار کا نام وقت ضعف کو قوت سے تبدیل کرنا ہے۔ ہاں ایسا کرنے کی خاص صورتیں اور اسباب ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُقۡسِمُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۙ
مَا لَبِثُوۡا غَيۡرَ سَاعَةٍ ؕ

قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی حقیقت کھلے گی

یعنی تم میں یا دنیا میں رہنا سہنا، علوم و اسباب مصیبت سے پردہ اٹھ کر نظر آئے گی تمہیں لے لیں گے، یہ بڑی جلدی، یا ان اور برزخ کی زندگی تم کو بھی مہلت نہ ملی تو دنیا میں اور ان عذاب الٰہی سے بچے رہتے۔ یا تم نے پڑھ لیا وہ مدت ٹھہرنے کا موقع ملتا تو ان دن لے سے تیاری کر لیتے یہ تو ایک مصیبت کی گھڑی سامنے آ گئی۔ (تفسیر حقانی)

برزخی زندگی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو، اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالم برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی مگر معاملہ برعکس ہو گیا کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دیر ٹھہرے پائے تھے کہ قیامت آ گئی، اور یہ جلدی آنا ان کو اس بنا پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو تھی نہیں، مصیبت ہی مصیبت تھی، اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے، اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا، اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذٰلِكَ كَانُوۡا يُؤۡفَكُوۡنَ ۝
اسی طرح تھے اُلٹے جائے

مشرکین کی غلط سوچ یعنی جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور ایسی باتیں کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَالۡاِيۡمَانَ لَقَدۡ
اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا
لَبِثۡتُمۡ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوۡمِ الۡبَعۡثِ فَهٰذَا
ٹھہرا تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے
يَوۡمُ الۡبَعۡثِ وَلٰكِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝
جی اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے

مشرکین کے خیال کی تردید یعنی مؤمنین اور ملائکہ اس وقت اس کی تردید کریں گے کہ تم جھوٹ بکتے ہو یا دھوکہ میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے مواقف قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی بھی کمی نہیں ہوئی۔ آج عین وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا جب دیکھ لو جسے تم جانتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے اور یہاں کی سرتیں رہ جاتے کہ اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ (تفسیر عثمانی)

قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا

قبر کے سوال و جواب میں احادیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب کافر سے

پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو وہ کہے گا، ھاہ ھاہ لا اَدْرِیْ، ''ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا'' اگر وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ کافر لوگ اللہ کے سامنے تو جھوٹ بولنے پر قادر ہوں اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکیں، مگر غور کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، وجہ یہ ہے کہ فرشتے نہ تو عالم الغیب ہیں، نہ ان کو اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے کر اس پر حجت تمام کر دیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو سب کافر فاجر عذاب قبر سے بے فکر ہو جاتے، بخلاف اللہ جل شانہ کے کہ وہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، اور اعضاء و جوارح کی شہادت سے اس کا جھوٹ کھول دینے پر قادر بھی ہیں، اس لئے محشر میں یہ آزادی دیدینا عدالتی انصاف میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔ (معارف، معنی اعلم)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ	
سو اُس دن کام نہ آئے گا	اُن قصورواروں کو قصور بخشوانا
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾	
اور نہ اُن سے کوئی سنتا چاہے	

کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی

یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ اُن سے کہا جائیگا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ	
اور ہم نے بھلائی سے آدمیوں کے واسطے اس قرآن میں ہر ایک	
كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ	
طرح کی مثل اور جو تو لائے اُن کے پاس کوئی آیت تو ضرور کہیں	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾	
وے منکر تم سب جھوٹ مانتے ہو	

تفہیم قرآن یعنی اُس وقت پچھتائیں گے اور آج خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عمدہ مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح اُن کو سمجھاتا ہے، پر اُن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنایئے یا صاف سے صاف معجزے دکھلایئے وہ اُن کو اور دیکھ کر یہ ہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ نکالا ہے سو۔ ایک نے چند آیتیں بنالیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اُس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح علمی بحثیں کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾	
یوں مہر لگا دیتا ہے اللہ اُن کے دلوں پر جو کچھ نہیں رکھتے	

ضد و عناد کا انجام یعنی جو آدمی نہ سمجھنے نہ سمجھنے کی کوشش کرے اور صدد عناد سے حق بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اُس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخر کار ضد و عناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ (تفسیر عثمانی)

یَجْحَدُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید سے ناواقف ہیں بایں مراد ہے کہ ان کو علم کی طلب ہی نہیں ہے اپنے جہود عقائد پر جمے ہوئے ہیں، جہل مرکب معرفت حق سے روکتا اور تکبر حق پر آمادہ کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا	
سو تو قائم رہے بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور	
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾	
اکھاڑ نہ دیں تجھ کو وہ لوگ جو نظر نہیں لاتے	

دعوت کیلئے صبر و تحمل ضروری ہے

یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد و عناد کا اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوت و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہیگا۔ اس میں رتی برابر تردد و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ تمت سورۃ الروم وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

کامل وضو نہ کرنے کا اثر: ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے اسی سورت کی قراءت کی۔ اثناء قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا فارغ ہو کر فرمانے لگے تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک وضو نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہوا سے اچھی طرح وضو کرنا چاہیے۔ (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے، متن بھی حسن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة لقمان

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آتی ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اس کی چونتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہرباں نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝
یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی
هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝
ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے

سرمایہ ہدایت ورحمت:

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت وہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى
اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے انہوں نے پائی
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچے

سورۂ بقرہ کے شروع میں اسی طرح کی آیات گزر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکم زکوٰۃ: يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے، حالانکہ آیت مکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل زکوٰۃ کا حکم مکہ معظمہ ہی میں ہجرت سے پہلے آ چکا تھا، اور یہ جو مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں نافذ ہوا اس سے مراد نصابوں کا تقرر اور مقدار واجب کی تفصیلات اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے اس کی وصول یابی اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ
اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے
لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا
تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں
هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝
اُسی کو ہنسی وہ جو ہیں اُن کو ذلت کا عذاب ہے

فضولیات کے خریدار:

سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ اُن اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں، کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اُس کی یاد سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں حضرت حسن لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے متعلق فرماتے ہیں "کل ماشغلک عن عبادة الله وذکره من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوها" (روح المعانی) یعنی لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ)

قریش کا سردار نضر بن حارث

روایت میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصص وتواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تم کو رستم واسفندیار اور شاہانِ ایران کے قصے سناؤں بعض لوگ اُن کو دلچسپ سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اُس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اُس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ

سے کھانا پینا اور گانا بجانا اب نہیں لوٹتا۔ ابا جیسے پہلے تھا ویسا ہی اب سے بہتر ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں۔ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور جان مارو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تنبیہ) شان نزول کو خاص ہو مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم عام رہے گا۔ جو لہو (کھیل) دین اسلام سے پھر جانے یا پھیر دینے کا موجب ہو۔ حرام بلکہ کفر ہے۔ اور جو احکام شرعیہ ضروریہ سے بے پروا کر دے یا سبب معصیت بنے وہ معصیت ہے۔ ہاں جو لہو کسی امر واجب کا مفوت (فوت کرنے والا) نہ ہو اور کوئی شرعی غرض ومصلحت بھی اس میں نہ ہو وہ مباح لیکن لایعنی ہونے کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہے۔ گھوڑ دوڑ، یا تیر اندازی اور نشانہ بازی یا زوجین کی ملاعبت (جو حد شریعت میں ہو) چونکہ معتد بہ اغراض ومصالح شرعیہ پر مشتمل ہیں اس لئے لہو باطل سے مستثنیٰ قرار دی گئی ہیں۔ رہا غنا و مزامیر وساز کا مسئلہ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنی چاہیے۔ مزامیر وملاہی کی حرمت پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ البتہ نفس تغنا کو ایک درجہ تک مباح لکھتے ہیں اس کی قیود وشروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ صاحب روح المعانی نے آیت ہذا کے تحت میں مسئلہ غنا وسماع کی تحقیق بہت شرح وبسط سے کی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول ایک قریشی شخص کے حق میں ہوا جس نے ایک مغنیہ باندی خریدی تھی۔

گانا سکھانے کا پیشہ

بغوی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والی عورتوں کو (گانے کی) تعلیم دینی جائز نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے (یعنی ان کو فروخت کرنا ناجائز ہے) اور ایسے ہی شخص کی بابت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی ہے۔

گانا گانے کی سزا

جو آدمی گانے کے لئے آواز اٹھاتا ہے اللہ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے ایک اس مونڈھے پر اور دوسرا اس مونڈھے پر بیٹھے اپنی لاتیں اس وقت تک اس پر مارتے رہتے ہیں جب تک وہ خود ہی خاموش نہ ہو جائے۔ ترمذی وغیرہ نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانے والی (باندیوں) کو نہ بیچو نہ خریدو ان کی تجارت میں کوئی بھلائی نہیں، ان کی قیمت حرام ہے اور ایسے ہی شخص کی بابت آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت مکحولؒ کا تقویٰ

مکحول کا قول ہے کہ جس نے گانے بجانے کی غرض سے کسی گانے بجانے والی باندی کو خریدا اور اس پر مرتے دم تک قائم رہا اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھوں گا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ۔

حضرت ابن مسعودؓ حضرت ابن عباسؓ حسنؒ عکرمہؒ اور سعید بن جبیرؒ کے نزدیک لہو الحدیث سے گانا سننا مراد ہے اور غنا ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو الصہباء بکری کا بیان ہے میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا حضرت ابن مسعودؓ نے تین بار فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) غناء ہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے طبل (ڈھول طبلہ) مراد ہے۔

میں کہتا ہوں مورد نزول اگرچہ کوئی خاص چیز ہو غنا (گانا سننا) ہو یا عجمی قصے داستانیں لیکن الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی قابل اعتبار ہیں اسی لئے قتادہ نے کہا کہ آیت میں ہر لہو ولعب مراد ہے اور ضحاک کے نزدیک شرک مراد ہے۔

مسئلہ باتفاق فقہاء ہر قسم کا باجا طبلہ ڈھول وغیرہ خواہ بغیر تار کے بجایا جائے یا تار کے ساتھ بہرحال حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور ماسری وغیرہ کی کمائی سے منع فرمایا ہے رواہ البغوی حضرت ابو مالک اشعری کا بیان ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میری امت کے کچھ لوگ شرابیں پئیں گے اور اس کا نام کچھ اور رکھ دیں گے۔ ان کے سامنے باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور سور بنا دے گا۔ رواہ ابن ماجہ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے حضرت علی ابن ابی طالب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب میری امت پندرہ باتیں کرنے لگے گی تو اس پر مصائب کا نزول ہوگا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا باتیں ہیں؟ حضور نے فرمایا،

(۱) جب مال غنیمت کو دولت سمجھ لیا جائے گا۔

(۲) جب امانت کے مال کو غنیمت کا مال سمجھا جائے گا۔

(۳) جب زکوٰۃ کو ڈانڈ سمجھا جانے لگا۔

(۴) جب مرد اپنی بیوی کا فرماں بردار بن جائے گا۔

(۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

(۶) اور دوست سے اچھا سلوک کرے گا۔

(۷) اور باپ پر ظلم کرے گا۔

(۸) اور جب مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔

(۹) اور سب سے رذیل آدمی قوم کا سردار بن جائے گا۔

(۱۰) اور (شریر) آدمی کی عزت اسلئے کی جائیگی کہ اسکی شر سے حفاظت ہو جائے۔

(۱۱) اور شراب پی جائے گی۔

(۱۲) اور ریشمی کپڑے پہنے جائیں گے (یعنی مرد پہننے لگیں گے مترجم)

(۱۳) اور گانے والیاں رکھی جائیں گی۔

(۱۴) اور باجے ڈھولک طبلہ استعمال کئے جائیں گے۔

(۱۵) اور پیچھے آنے والے لوگ اسلاف پر لعنت بھیجیں گے۔

ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی اور زمین میں دھنسائے جانے کا انتظار کرنا چاہیے (ایسا ضرور ہو کر رہے گا)۔ (رواہ الترمذی وقال غریب)

مسئلہ فقہاء نے کہا اس آیت کی رو سے اور دوسری احادیث کی وجہ سے گانا سننا حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

اطلاعی ڈھول المتفق میں ہے باجا بجانا اور سننا حرام ہے۔ فتاوی کبری میں ہے طبل بجانا اور سننا حرام ہے کیونکہ ڈھول آلہ لہو ہے ہاں لڑائی کے موقع پر یا قافلہ کے لئے اطلاعی ڈھول پیٹنا جائز ہے مجاہدین کو رفقاء قافلہ کو نقارہ سے اطلاع دینا موجب ثواب ہے۔ ملتقط میں ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ خوشی کے موقع پر اور شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے۔

دیکھو نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے، دف بھی ایک قسم کا لہو ہی ہے لیکن اس کا مقصد ہوتا ہے اعلان نکاح اس لئے جائز ہے، اعلان نکاح کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے نکاح کا اعلان کرو خواہ دف ہی کے ذریعہ سے ہو۔ اسی پر فتوی بھی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کچھ لوگ کہتے ہیں عید میں دف بجانے میں کوئی گناہ نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف فرما تھے، عید کا دن تھا، دہلیز پر دو نو عمر لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر (باہر سے) آ گئے اور فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر گا رہی ہو۔ حضور اقدس نے فرمایا (ابوبکرؓ) ان کو رہنے دو آج عید کا دن ہے۔

مسئلہ سماع شرح کافی میں ہے ہمارے علماء کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو گناہ کے ارادے بطور لہو ہو، کچھ فاسق لوگ جمع ہو جائیں جو نماز اور تلاوت قرآن کے تارک ہوں اور سب اکٹھے ہو کر گانا سنیں۔ لیکن جو لوگ نمازی متقی اور عامل بالقرآن ہوں ان کے لئے باتفاق علماء سماع جائز ہے کیونکہ اس سماع سے ان کا مقصد توجہ الی اللہ اور حضور قلب ہوتا ہے، وہ آخرت کے خوف سے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور یہ تمام امور مستحسن ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں اسی غرض سے وجد اور رقص بھی مذموم نہیں۔

الاقناع میں ہے کہ سماع سے دل میں رقت اور خشوع پیدا ہوتا ہے، اللہ کے دیدار کا شوق برانگیختہ ہوتا ہے اللہ کی ناراضگی کا ڈر اور اس کے عذاب کا خوف دل پر چھا جاتا ہے۔ اس طرح کے سماع میں ہوا، نفسانی اور لہو خاطر کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

بعض علماء قائل ہیں کہ گانا ہر طرح مکروہ ہے امام خواہر زادہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

جامع المضمرات میں النافع اور ذخیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مغنی دوسروں کو سنانے کے لئے نہ گائے بلکہ اپنی کبیدگی اور وحشت خاطر کو دور کرنے کے لئے گائے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی سنا ہے کہ اپنی لونڈی کا گانا بھی اگر (وحشت خاطر دور کرنے کے لئے) سنے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس قول کو واقعات حسامیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ عوارف میں لونڈی کے ساتھ اپنی بی بی کا لفظ بھی مذکور ہے (یعنی اگر اپنی بی بی سے بھی گانا سن لیا جائے تو مباح ہے۔ فتاوی ابراہیم شامی میں بھی اسی طرح مذکور ہے محیط میں (سرخسی نے ذکر کیا) ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گئے اس وقت وہ گا رہے تھے۔

غیر واقعی کلام ممنوع ہے:

حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میری شادی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس طرح میرے پاس بیٹھ گئے جیسے تم میرے قریب بیٹھے ہو، کچھ لڑکیاں دف بجا کر ان لوگوں کا مرثیہ گانے لگیں جو بدر کے دن مقتول ہوئے تھے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا وفینا نبی یعلم ما فی غد ہمارے اندر ایک ایسا نبی ہے جو آنے والے کل کی باتیں جانتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے فرمایا، اس کو چھوڑ، جو کہہ رہی تھی وہی کہہ۔ رواہ البخاری، ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات مت کہو آنے والے کل کی بات سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص سے ایک عورت کی شادی ہوئی اور وہ وداع ہو کے شوہر کے گھر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس کوئی لہو (گانا بجانا) نہیں ہے ان کو لہو پسند ہوتا ہے۔ رواہ البخاری۔

شادی کے موقع کی خوشی:

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نکاح کا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (یعنی خوب شہرت دو)۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! کیا کوئی غنا نہیں ہے، انصاریوں کا یہ قبیلہ تو غنا کو پسند کرتا ہے، رواہ ابن حبان فی صحیح

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی کسی قرابتدار (لڑکی) کا کسی انصاری سے نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اندر) تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا، حاضرین نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے (یا گانے والی) کو بھیجا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا نہیں۔ فرمایا، انصاری لوگوں کے اندر تغزل ہے (یعنی ان کو غناء پسند ہے) اگر تم لڑکی کے ساتھ کسی کو یہ گانے کے لئے

بھیج دیتے اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم (تو بہتر ہوتا) ہم تمہارے پاس آ گئے اللہ ہم کو بھی مبارک کرے اور تم کو بھی۔ رواہ ابن ماجہ۔

عامر بن سعد راوی ہیں کہ ایک شادی میں میں شریک ہوا وہاں حضرت قرظ بن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے اور لڑکیاں گا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا، اے رسول خدا کے صحابہؓ اور اے اہل بدر تمہارے سامنے یہ کیا کیا جا رہا ہے، دونوں نے جواب دیا، اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو۔ اور اگر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ہم کو شادی میں لہو (گانا سننے) کی اجازت دے دی گئی ہے۔

عید کی خوشی۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس حضرت ابوبکر تشریف لائے، حج (یعنی عید) کا زمانہ تھا، میرے پاس دو لڑکیاں میٹھی دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر کپڑا ڈالے (لیٹے) ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے لڑکیوں کو جھڑکا، حضور والا نے چہرہ کا کپڑا کھول دیا اور فرمایا ابوبکر ان کو رہنے دو یہ عید کے دن ہیں۔ رواہ البخاری۔ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ہر قوم کا تہوار ہوتا ہے اور ہمارا یہ تیوہار ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ (جب آپ تشریف لے آئیں گے تو اس خوشی میں) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کر لو۔ رواہ ابوداؤد۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا، اللہ کی نافرمانی کی نذر کو پورا نہ کیا جائے (اگر دف بجانا معصیت ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے) رواہ مسلم ــــ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور بنی نجار (کے محلہ) میں فروکش ہوئے تو بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گانے اور کہنے لگیں۔

نحن جوارٍ مِنْ بنی نجارٍ یاحبّذا مُحمّداً مِنْ جارٍ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مہمان ہیں) رواہ ابن ماجہ عن انس۔

اسی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا، اللہ واقف ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں لونڈیاں اور بچے یہ شعر گانے لگے، طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادع للہ داع

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر اس کا شکر ادا کرنا ہمیشہ واجب ہے

اے نبی مبعوث آپ واجب التعمیل احکام لے کر آئے۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے چھوٹے چھوٹے برچھوں کا کھیل کیا۔

محمد بن حاطب جمحی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانا اور نکاح میں دف بجانا حلال و حرام میں امتیاز (کی علامت) ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والنسائی۔

تقریر مذکورۂ بالا سے ظاہر ہو گیا کہ گانا (سننا اور گانا) وہ حرام ہے جو گناہ کی دعوت دے رہا ہو اور اللہ کی یاد سے غافل بنا رہا ہو اگر ایسا نہ ہو تو حلال ہے حرام نہیں ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کا گانا سننا اور قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دینا ثابت نہیں ہے اسی لئے اکابر نقشبندی گانا نہیں سنتے لیکن اس کی تردید بھی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں

جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ رعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے ہفوات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جبکہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ (عارف کاندھلوی)

اور سنن بیہقی میں ہے کہ اشتراء لہو الحدیث سے مراد گانے بجانے والے مرد یا عورت کو خریدنا یا اس کے امثال ایسی بیہودہ چیزوں کو خریدنا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کریں، ابن جریر نے بھی اسی عام معنی کو اختیار فرمایا ہے (روح ملخصاً) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی عموم ثابت ہوتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ گانے والی لونڈیوں کی تجارت نہ کرو، اور پھر فرمایا وفی مثل ھذا انزلت ھذہ الایہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ الخ

لہو ولعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام:

ان احکام کی پوری تفصیل قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ احقر کے مستقل رسالہ السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث میں مذکور ہے، جس میں غناء ومزامیر پر بھی مفصل کلام قرآن وحدیث سے پھر فقہاء امت اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مذکور ہے، یہ رسالہ بزبان عربی احکام القرآن حزب خامس میں شائع ہو چکا ہے، اہل علم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، عوام کے لئے اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

پہلی بات قابل نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنے مواقع میں لہو یا لعب کا ذکر کیا ہے وہ مذمت اور برائی ہی کے مواقع ہیں، جس کا ادنیٰ درجہ کراہت ہے (روح المعانی وکشاف) اور آیت مذکورہ لہو کی مذمت میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

جائز کھیل:

اور مستدرک حاکم کتاب الجہاد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ مِنْ لَهْوِ الدُّنْيَا بَاطِلٌ إِلَّا ثَلٰثَةً انْتِضَالُكَ بِقَوْسِكَ وَتَأْدِيبُكَ لِفَرَسِكَ وَمُلَاعَبَتُكَ لِأَهْلِكَ فَإِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ،

"یعنی دنیا کا ہر لہو (کھیل) باطل ہے مگر تین چیزیں ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھانے کے لئے کھیلو، تیسرے اپنی بی بی کے ساتھ کھیل کرو۔"

حاکم نے اس حدیث کو صحیح علی شرط مسلم کہا ہے۔

حدیث میں تین کھیلوں کو ممانعت سے مستثنیٰ کرنا اوپر گزر چکا ہے، تیر اندازی گھوڑے کی سواری، اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت، اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے خیر لهو المؤمن السباحة وخير لهو المرأة المغزل (جامع صغیر برمز ابن عدی باسناد ضعیف) یعنی مؤمن کا اچھا کھیل تیراکی ہے اور عورت کا اچھا کھیل چرخہ ہے"۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکتا تھا، انہوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو میں مقابلہ میں آگے بڑھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ پیادہ دوڑ کی مشق کرنا بھی جائز ہے۔

ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی ٹھہرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا (ابوداؤد فی المراسیل)۔

حبشہ کے کچھ نوجوان مدینہ طیبہ میں فن سپہ گری کی مشق کرنے کے لئے نیزوں وغیرہ سے کھیلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کھیل حضرت عائشہؓ کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر کے دکھلایا اور ان لوگوں کو فرمایا کہ الْهُوْا وَالْعَبُوْا "یعنی کھیل کود کرتے رہو" (رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی الکنز من باب اللہو) اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی آئے ہیں فَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يُرَى فِي دِيْنِكُمْ غِلْظَةٌ "یعنی میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے۔"

اسی طرح بعض صحابہؓ کرام سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل میں تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے تھے (ذکرہ عن ابن عباسؓ فی کف الرعاع)

ایک حدیث میں ارشاد ہے رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً اخرجه ابو داؤد فی مراسیله عن ابن شهاب مرسلاً "یعنی تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو" جس سے قلب ودماغ کی تفریح اور اس کے لئے کچھ وقت نکالنے کا جواز ثابت ہوا۔

شراب، جوا اور طبلہ سارنگی

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے اور طبلہ وسارنگی کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے، (رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن حبان)۔

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار:

بعض صوفیائے کرام سے جو سماع غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غنا پر محمول ہے، کیونکہ ان کا اتباع شریعت اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح یقینی ہے، ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جا سکتا، محققین صوفیائے کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا
اور جب سنائے اس کو ہماری آیتیں پیٹھ دی جائے غرور سے گویا اس کو سنا ہی نہیں
كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝
گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اس کو دردناک عذاب کی

قرآن سے اعراض: یعنی غرور وتکبر سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتا بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝
جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کے واسطے ہیں نعمت کے باغ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

ہمیشہ رہا کریں ان میں وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی کوئی قوت اس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی نہ کسی سے بے موقع وعدہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اس کو دیکھتے ہو

اس لفظ کی تفسیر سورہ رعد کے شروع میں گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

اور ڈال دیئے زمین پر پہاڑ کہ تم کو لے کر جھک نہ پڑے

زمین کی مضبوطی

یعنی سمندر کی موجوں اور سخت ہوا کے جھکوں سے یا دوسرے اسباب طبیعہ سے مرتعش ہو کر جھک نہ پڑے، اس کا انتظام بڑے بڑے پہاڑ قائم کر کے کر دیا گیا۔ سورۂ "نحل" کے اوائل میں یہ مضمون گزر چکا ہے، باقی پہاڑوں کے پیدا کرنے کی حکمت کچھ اسی میں منحصر نہیں۔ دوسرے فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور بکھیر دیئے اس میں سب طرح کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے

مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ

پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے

زمین کا حسن، یعنی ہر قسم کے پُر رونق، خوش منظر اور نفیس و کار آمد درخت زمین سے اگائے۔ سورۂ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ سب کچھ بنایا ہوا ہے اللہ کا اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں

مشرکین کے معبود جھوٹے ہیں

جب نہیں دکھلا سکتے تو کس منہ سے اُن کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں

ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے شرک و عصیان کی تقبیح کے لئے حضرت لقمان کی نصیحتیں نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی

حضرت لقمان کی باتیں

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کھولیں، جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ ان کی عقلانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ رب العزت نے ایک حصہ قرآن میں نقل فرما کر ان کا مرتبہ اور زیادہ بڑھا دیا، شاید مقصود یہ جتلانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبیح ہونا جس طرح فطرت انسانی کی شہادت اور انبیاء کی وحی سے ثابت ہے، دنیا کے منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اس کی تائید و تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلال مبین نہیں تو اور کیا ہے؟ (تنبیہ) حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ ان کے بہت سے قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کئے ہیں۔ واللہ اعلم بصحتها (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ۔ تارخ ہی کو آزر کہا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے مقاتل نے کہا خالہ کے بیٹے تھے، بیضاوی نے لکھا ہے لقمان حضرت داؤد کے زمانہ تک زندہ تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن حضرت داؤد کی بعثت کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا اب میری ضرورت نہیں پھر کیوں فتویٰ دینے سے باز نہ رہوں۔ واقدی نے کہا لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور امام احمد نے الزہد میں بھی اس کو بیان کیا ہے اور کتاب المملوکین میں ابن ابی الدنیا نے بھی یہ لکھا ہے۔ نیز ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کا بھی بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، لقمان ایک حبشی غلام تھے جو بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے۔

حضرت لقمانؑ کی خوش گفتاری

بغوی نے لکھا ہے لقمان دوپہر کو سو رہے تھے۔ خواب میں ہاتف نے ندا دی لقمان کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا دے اور لوگوں پر تم صحیح حکومت کرتے رہو؟ خواب ہی میں لقمان نے ہاتف کو جواب دیا، اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے تو مجھے عافیت پسند ہے (میں حکومت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا) اور اگر یہ اللہ کا قطعی حکم ہے تو بسر و چشم۔ کیونکہ میں خوب جانتا ہوں کہ جب اللہ کا یہ قطعی حکم میرے لئے ہوگا تو وہی فیصلہ کرنے میں میری مدد بھی کرے گا اور (غلطی سے) مجھے محفوظ رکھے گا۔ ہاتف نے پردۂ غیب سے آواز دی لقمان ایسا تم نے کیوں اختیار کیا (یعنی عافیت کو کیوں پسند کیا؟) لقمان نے کہا، سخت ترین اور الجھے ہوئے غیر واضح مقامات میں فیصلہ پر ہر طرف سے تاریکی چھائی ہوتی ہے ایسے مقام پر اگر لقمان کا فیصلہ صحیح پڑ گیا تو وہ نجات کا مستحق ہے اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہوگئی تو جنت کا راستہ کھو گیا۔ دنیا میں بیچارہ رہنا، سردار ہونے سے بہتر ہے جو شخص آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسکے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی ہاتھ نہیں آتی۔ ملائکہ کو لقمان کی خوش گفتاری پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد لقمان کو کسی روز سوتے میں اللہ نے حکمت عطا فرما دی اور بیدار ہونے کے بعد آپ (ہر) بات پر حکمت کرنے لگے۔

خاموش رہنا حکمت ہے

حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لقمان حضرت داؤد کے غلام تھے، حضرت داؤد زرہیں بناتے تھے لیکن حضرت لقمان حضرت داؤد سے اس کی بابت کوئی سوال نہیں کرتے۔ جب حضرت داؤد نے زرہ بنالی اور اس کو پہن لیا تو فرمایا یہ بہترین جنگی لباس ہے اس پر حضرت لقمان نے فرمایا خاموش رہنا حکمت ہے (بغیر دریافت کے زرہ بنانے کی حکمت اور غرض حضرت لقمان کو معلوم ہوگئی) لیکن ایسا کرنے والے کم ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا سب سے برا کون آدمی ہے؟ فرمایا "وہ آدمی سب سے برا ہے جو اس بات کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ لوگ مجھے گناہ کرتے دیکھ رہے ہیں" یعنی علی الاعلان بدکار)۔ (تفسیر مظہری)

لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور تفسیر درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ) اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ان کے حالات دریافت کئے گئے تو فرمایا کہ پست قد پست ناک کے حبشی تھے، اور مجاہد نے فرمایا کہ حبشی غلام موٹے ہونٹ والے پھٹے ہوئے قدموں والے تھے (ابن کثیر)

تین کالے بزرگ ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیب کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوا تو حضرت سعید نے اس کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو، کیونکہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے حضرت بلال حبشی، اور مہجع حضرت عمر بن خطابؓ کے آزاد کردہ غلام اور حضرت لقمان علیہ السلام۔

حکمت تک پہنچانے والے اعمال

حضرت لقمان ایک اور ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں، اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم کرتی ہے اور آپ کے کلمات سننے کے لئے دور دور سے جمع ہوتی ہے، لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کا سبب میرے دو کام ہیں ایک ہمیشہ سچ بولنا، دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت لقمان نے فرمایا کہ چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا، دو کام یہ ہیں، اپنی نگاہ کو پست رکھنا اور زبان کو بند رکھنا، حلال روزی پر قناعت کرنا، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا، بات میں سچائی پر قائم رہنا، عہد کو پورا کرنا، مہمان کا اکرام کرنا، پڑوسی کی حفاظت کرنا، اور فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا (ابن کثیر)۔ (معارف مفتی اعظم)

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ
کہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو
وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾
اور جو کوئی منکر ہوگا تو اللہ بے پروا ہے سب تعریفوں والا

نعمتوں کی شکر گذاری

یعنی اس احسان عظیم اور دوسرے احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے لیکن واضح رہے کہ اس حق شناسی اور شکر گزاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شاکر کا ہے کہ دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری کی تو اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے کسی کے حمد و شکر کرنے یا نہ کرنے سے اس کے کمالات میں ذرہ بھر کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت اور شکر

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ اللہ کا شکر کر یعنی ہم نے لقمان کو حکمت دی اور کہا کہ اس عطیۂ حکمت کا شکر ادا کر۔ اکثر اہل تفسیر نے ان کو مفسّر قرار دیا ہے۔ کیونکہ عطائے حکمت میں قول کا معنی آ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں، عطائے حکمت کا مطلب ہے حکمت سکھانا اور تعلیم حکمت اکثر قول ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس صورت میں حکمت دینے کا معنی ہوگا شکر گزاری کا حکم دینا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت ہی شکر ہے اور حکمت ادا کرنے کا معنی ہی شکر ادا کرنے کا حکم دینا ہے۔

ذات الٰہی کا علم بہت ہی خاص خاص لوگوں کو ہوتا ہے۔

شکر کے حکم کی نوعیت:

آیت میں امر سے مراد ہے تکوینی (تخلیقی، فطری) حکم۔ کیونکہ تکلیفی (اور تشریعی) حکم تو سب ہی لوگوں کو دیا گیا ہے، لقمان ہی کی خصوصیت نہیں پھر شکر گذاری کا حکم دینا (یعنی تکلیفی حکم دینا) اس بات کا قطعاً موجب نہیں کہ ہر شخص ادا کرنے پر مجبور ہو اور ضرور ہی شکر کرے۔ البتہ تکوینی امر کے لئے مامور کا وجود ضروری ہے اگر امر تکوینی مراد ہو تو پھر شکر گزاری لازم ہوگی جس طرح عطائے حکمت کے بعد حصول حکمت لازم ہے اسی طرح شکر کے امر تکوینی کے بعد لقمان کا شکر گذار ہو جانا ضروری ہے۔

حکمت سے شکر مراد لینا بطور مجاز ہے کیونکہ شکر حکمت کے لئے لازم ہے اور ملزوم سے لازم یا لازم سے ملزوم مراد ہو سکتا ہے۔

شکر کا معنی اور اقسام

شکر کا معنی ہے منعم کی نعمت کا (اقرار و) اظہار۔ اور کفران کا معنی ہے منعم کی نعمت پر پردہ ڈال دینا، چھپا دینا، (منعم کو منعم نہ قرار دینا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے، شکر کا معنی ہے احسان شناسی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ شکر اصل میں کشر تھا، کشر کے حروف کو مقدم مؤخر کر کے شکر کر دیا گیا، کشر کا معنی ہے کھول دینا، شکر کا معنی بھی نعمت کو ظاہر کرنا ہے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دل سے شکر کرنا یعنی منعم کے انعام کا تصور کرنا۔

(۲) زبان سے شکر کرنا یعنی منعم کی نعمت پر اس کی ثنا و کرنا۔

(۳) اعضاء جسم سے شکر کرنا یعنی نعمت کے بدلہ میں منعم کی اطاعت کرنا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ شکر عین شکر (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے اس قول پر شکر کا معنی ہوگا منعم کی نعمتوں کی یاد سے بھر جانا۔ اسی بنیاد پر اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ قرآن مجید میں اللہ نے دو شخصوں کو شکر گزار بندہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم جن کے متعلق فرمایا ہے۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دوسرے حضرت نوح جنکے متعلق فرمایا ہے اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا

زبان و عمل سے شکر:

نہایہ میں جزری نے لکھا ہے، نعمت کے مقابلہ میں شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی اور نیت سے بھی زبان سے بھی منعم کی تعریف کرنی چاہیے اور اپنے اعضاء کو بھی ہمیشہ اس کی طاعت میں لگا دیا جائے اور یقین بھی رکھا جائے کہ منعم ہی میرا مولیٰ ہے۔ لفظ شکر شکرت الابل شکرا (اونٹ خوب چر کر موٹے ہو گئے) سے ماخوذ ہے۔

شکر کا فائدہ:

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو شکر کرے گا وہ صرف اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرے گا۔

شکر کرنے سے موجودہ اور حاصل شدہ نعمت زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ مزید نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کے قرب اور دوامی جنت کا حصول ہو جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذات خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ع عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است

(معارف کاندھلوی)

جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء۔

حضرت خالد رضی کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے خود بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لاؤ۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تُو یہی دو لایا اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تُو نے یہ لا دیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ بُرے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہد کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔

حضرت لقمانؑ کی بھلی عادتیں۔

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے

امیر اور بہت زیادہ کنبے والے نہ تھے۔ ہاں اُن میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خُلق، خاموش، غور وفکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت اُن کی اولاد فوت ہوئی بے بالکل نہ روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور وفکر اور عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہؒ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت ونبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسادی گئی اور رگ رگ دپے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو اس کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہو گئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر حق تعالیٰ مجھے ہی بنا دیتا تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں، اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھاتے لگا

يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ

اے بیٹے شریک نہ ٹھہرا اللہ کا

حضرت لقمانؑ کا بیٹا:

معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کہ راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اُسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمانؑ کی نصیحتیں:

(۱) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تاکہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہو جائے۔ (معارف القرآن)

(۲) قاسم بن مغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لئے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو بُرا سمجھیں گے اور بُرا کہیں گے۔ اخرجہ ابن ابی حاتم ورجالہ ثقات ولکنہ مرسل۔

(۳) عون بن عبداللہ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ۔ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر اِدھر اُدھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور انہ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ۳/۴۴۷ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمد کی دعاء

امام نحویہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم احملنی عندک بن ارفع خلقک واحملنی فی نفسی من اوضع خلقک وعند الناس من اوسط خلقک۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳

اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس سے مجھ کو کمترین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقت سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو نیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینۂ حکمت اور گنجینہ معرفت ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا اکثیر سرمایہ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر۔ کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر پیٹ بھر کر نہ کھانا۔ کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھائے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اُٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اسی کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ۔ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو اور لوگ یہ سمجھ کر کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس لئے تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر خاموشی کو لازم پکڑ۔ خاموشی پر تجھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

(۹) اے پسر شر سے علیحدہ اور دور رہ۔ ایک شر دوسرے شر کا خلیفہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر شدت غضب سے پرہیز کرنا۔ شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

(۱۱) اے پسر علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سنا کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے اور بدخلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر تجھ کو کوئی دانا میسر نہ آئے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

(۱۵) اے پسر وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آئے گی اس میں سے تو بھی حصہ پائے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الٰہی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

(۱۶) اے پسر چاہیے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار کے کھائیں برے لوگوں کو اپنا کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہل علم اور اہل فہم سے مشورہ کر۔

(۱۸) اے پسر دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر لے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو ڈوبنے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر برے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

(۲۱) اے پسر علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھلا دیا۔

(۲۲) اے پسر تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو اپنی تعریف کے طلبگار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر جب علم حاصل کرو تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کرو (علم بغیر عمل کے ہیچ ہے)

(۲۴) اے پسر علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دو زانو ان کے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کر لو کہ اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو وہ دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر قرضہ سے بچنا۔ قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر جب سے تو دنیا میں اترا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جا رہا ہے وہ اس گھر سے نہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲۸) اے پسر اپنی زبان کو اللھم اغفر لی کا عادی اور خوگر بنا لے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ ہو کہ جو تجھے گناہوں پر جری اور دلیر بنا دے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ جو تجھ کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنا دے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں اور نصیحتوں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند مصالح میں ہے تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی ص ۱۵۰ ج ۳ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۵۵ ج ۳ سے نقل کر دی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو ان سے نفع دے آمین یارب العالمین۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ
بیشک شریک بنانا عادی بے انصافی ہے

شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے

اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جائے اور اس سے زیادہ حماقت اور ظلم اپنی جان پر کیا ہوگا کہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سر عبودیت خم کر دے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا میرے پیارے بیٹے اللہ کا کسی کو ساجھی مت قرار دینا شرک بڑا ظلم ہے۔

لقمان کے بیٹے کا نام انعم یا اشکم یا ماثان تھا بعض اقوال میں آیا ہے کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا پھر باپ کی نصیحت کی وجہ سے مؤمن ہو گیا۔

ظلم کیا ہے

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص (مناسب) مقام کے علاوہ کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔ خواہ اس میں کمی کر دی جائے یا بیشی یا مکان میں تغیر کر دیا جائے یا وقت بدل دیا جائے۔ ظلم کا اطلاق حق سے تجاوز کرنے پر بھی ہوتا ہے۔ تجاوز تھوڑا ہو یا بہت اسی لئے چھوٹے گناہ کو ظلم کہا جاتا ہے اور بڑے گناہ کو بھی اور ظاہر ہے کہ شرک (بڑا گناہ ہے اس لئے) بڑا ظلم ہے جس میں معبود ہونے کی صلاحیت نہ ہو اس کی عبادت کرنا یقیناً حق سے تجاوز عظیم ہے حقیقی منعم کو اس شخص کے ساتھ برابر قرار دینا جو منعم ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا بڑا ظلم (اور بڑی بے جا شرکت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں

وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ

نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا

وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک

یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ وہ مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اُٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آدمی اوّلاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا، خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اُسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔

بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت

(تنبیہ) دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں اُن کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرے حسن معاشرت (یعنی حسن سلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا، تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں پھر تیرا باپ اس کے بعد اقارب حسب درجہ۔ (متفق علیہ)

حضرت مغیرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے تمہارے لئے ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباس نے وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ کا ترجمہ سختی پر سختی کیا ہے۔ ضحاک نے ضعف بالائے ضعف اور مجاہد نے مشقت پر مشقت۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس پر کمزوری اور مشقت طاری ہو جاتی ہے۔ حمل کا ضعف خون چھوٹنے (وضع حمل) کا ضعف اور دودھ پلانے کا ضعف (اسی طرح ضعف پر ضعف بڑھتا جاتا ہے)۔

وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سالوں (کے اختتام) میں ہے۔

اس آیت سے امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے استدلال کیا ہے کہ دودھ پلانے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت دو سال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں مسئلہ رضاعت کو مفصل بیان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔

اس آیت کی تفسیر میں سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا۔ اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لئے دعائے خیر کی اس نے ماں باپ کا شکر کیا۔

اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس فقرہ میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی میں شکر اور ناشکری دونوں کا بدلہ دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

یمن میں حضرت معاذؓ کا پہلا خطبہ:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں یہ پیغام لے کر کہ تم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، میری باتیں مانتے رہو میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ نکلنا ہو نہ موت آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ

اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان

شرک و گناہ میں والدین کی فرمانبرداری ناجائز ہے

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جس معبود باطل کے شریک الوہیت ہونے کا تجھے علم بھی نہ ہو اس کو اللہ کی معبودیت میں شریک بنانے پر اگر ماں باپ حکم دیں تو ان کا کہنا مت مان۔ چہ جائیکہ اولہ قطعیہ سے شرک کا باطل ہونا جب تجھے معلوم ہے تو ایسی حالت میں ماں باپ کا حکم نہ ماننا تو بدرجۂ اولیٰ لازم ہے۔ اللہ کا حق ہر مخلوق کے حق پر غالب ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی (کی صورت) میں مخلوق کا حکم ناقابل اطاعت ہے۔ رواہ احمد والحاکم عن عمران والحکیم ابن عمرو الغفاری حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے صحیحین، بعض ابو داؤد اور نسائی میں ایسی ہی حدیث حضرت علی کی روایت سے آئی ہے۔

حضرت سعد بن مالک اور ان کی والدہ کا قصہ:

طبرانی کی کتاب العشرۃ میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت کڑیں اور کہنے لگیں بچے! یہ نیا دین تُو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چوتھے روز سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا، خوشامدیں کیں سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جا یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی کشمکش میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا میری اچھی اماں جان سنو! تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری لمحہ تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا پر نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا

اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق

والدین سے حسن سلوک کی حدود

یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ، اسی مضمون کی آیت سورۂ عنکبوت میں گزر چکی وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا اور دنیا میں ماں باپ کے ساتھ اچھے طور پر (جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہو) رہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ خواہ کافر ہوں لیکن اگر صاحب احتیاج ہیں تو ان کی مالی مدد کرنی اور قرابتداری کو نبھانا واجب ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے میرے پاس میری ماں آئی اس زمانہ میں وہ مشرک تھی قریش کے حلقہ میں داخل تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور (مدد کی) خواہشمند ہے کیا میں اس کے ساتھ قرابتداری کا سلوک کر سکتی ہوں، فرمایا، ہاں اس سے قرابت کا تعلق جوڑے رکھو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

مسئلہ اگر والدین فریضہ خداوندی کو ترک کرنے یا فعل حرام کا ارتکاب کرنے کا حکم دیں تو ان کا کہا ماننا جائز ہے۔ اللہ کے علم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اس کے مخالف مخلوق کے حکم کو ماننا شرک معنوی ہے۔ ہم حدیث مبارک نقل کر چکے ہیں کہ خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کے حکم کو ماننا جائز ہے، ہاں والدین کے حکم کو ماننا اس وقت واجب ہے جب وہ کسی ایسے مباح کام کا حکم دیں جو خلاف معقل و شرع نہ ہو۔

اگر والدین کثرت ذکر و نوافل کو روکیں یا ضرورت سے زائد مال کمانے کا حکم دیں تو کیا ان کی بات ماننی واجب ہے؟

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسے حکم کو ماننا واجب نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے والد کا واقعہ

حاکم نے بسند صحیح حاضر ہیں عبداللہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر نے فرمایا الوقی فہ (حضرت ابوبکر کے والد) نے حضرت ابوبکر سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور مادی غلاموں کو آزاد کرتے ہو اگر طاقتور غلاموں کو آزاد کرتے تو بہتر ہوتا کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتے، اور تمہاری طرف سے (دشمنوں کے مقابلہ میں) لڑ سکتے ہو سکتے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا ابا جان اس ثواب کا طلبگار ہوں جو اللہ کے پاس ہے اس پر آیت وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا نازل ہوئی، یہ واقعہ اس

زمانہ کا ہے، جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیر حضرت ام عُنیس اور حضرت زبیرہ وغیرہ کو (خرید کر) آزاد کیا تھا۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار درہم ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہجرت کی تھی گھر والوں کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور یہ بات باپ کی مرضی کے خلاف تھی۔ سورۂ توبہ کی آیت اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں ہم نے ہجرت کی تفصیل لکھ دی ہے۔ (تفہیم مقدری)

والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلا ضرورت دل آزاری ہو، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک و کفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ
اور راہ چل اُس کی جو رجوع ہوا میری طرف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کرو

یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

سَبِيْلَ سے مراد دین ہے اور مَنْ اَنَابَ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ سے اللہ کی مراد حضرت ابوبکرؓ کی ذات ہے، واقعہ یوں ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لے آئے تو حضرت عثمان طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے آ کر حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کیا آپ (مسلمان ہو گئے اور) اس شخص پر ایمان لائے اور اس کو سچا سمجھ لیا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا ہاں وہ سچے ہیں تم بھی ان پر ایمان لے آؤ پھر آپ سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے، یہ ہی لوگ اسلام کے پیش رو تھے حضرت ابوبکرؓ کی راہنمائی سے مسلمان ہوئے اللہ نے حضرت ابوبکرؓ ہی کے متعلق فرمایا وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں جتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی (تنبیہ) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ الخ سے اُسی وصیت کا سلسلہ ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے۔ باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر یا مرشد و ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔ (موضح تفسیر میسر) (تفسیر عثمانی)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی
فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝
لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے

چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا:

یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال

حضرت لقمان کے بیٹے نے حضرت لقمان سے کہا تھا اے میرے باپ! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو خدا کیسے جانے گا اس کے جواب میں يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ الخ حضرت لقمان نے فرمایا، جس کو اللہ نے اس جگہ نقل فرما دیا۔

دانے اور پتھر سے مراد

حبۃ خردل سے مراد ہے حقیر ترین مقدار۔ پتھر یا آسمان یا زمین کے اندر ہونے سے مراد ہے پوشیدہ ترین انتہائی محفوظ مقام میں ہونا، جیسے پتھر کا جوف یا سب سے اونچا مقام آسمان یا زمین کی انتہائی پست ترین گہرائی۔

قتادہ نے کہا صخرہ (پتھر) سے مراد ہے پہاڑ حضرت ابن عباس نے فرمایا صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، جس میں کافروں اور بدکاروں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے۔ آسمان کی نیل گونی اسی کے (عکس کی) وجہ سے ہے۔ سدی نے کہا، اللہ نے زمین کو مچھلی کے اوپر پیدا کیا یہ مچھلی وہی نون (مچھلی) ہے جو آیت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ میں مذکور ہے۔ یہ مچھلی پانی کے اندر پتھر کی ایک چٹان کے اوپر اور چٹان ایک فرشتے کی پشت پر رکھی ہوئی ہے اور فرشتہ ایک پتھر پر قائم ہے۔ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ذیل میں کیا ہے۔ یہ پتھر نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں بلکہ ہوا پر ہے۔

یاْتِ بِهَا اللّٰهُ اللہ اس کو لاکر حاضر کردیگا، یعنی اسکی حساب فہمی کرے گا۔

حضرت لقمانؑ پر ہیبت خداوندی کا غلبہ

ہوسی نے لکھا ہے بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے، اس جملہ کے دہان سے نکلتے ہی ان پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی کہ پت پھٹ گیا۔ (تفسیر مظہری)

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
اے بیٹے قائم رکھ تو اور سکھلا بھلی بات
وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ
اور منع کر برائی سے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ
اور تحمل کر تو تجھ پر پڑے جو کچھ یہ میں
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝
ہمت کے کام

دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو:

یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے ان کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر واستقامت کی اہمیت۔

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بلاشبہ یہ (ثبات وصبر) فرائض میں سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جو اللہ نے فرض کر دیئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خیر الامور عوازمھا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن کا کرنا اللہ نے فرض کر دیا ہے۔

لغت میں عزم کے معنی ہے، کسی کام کو کرنے کا اٹل ارادہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ
اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف

تکبر و بدخلقی نہ کرو:

یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدخلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بداخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرینؒ کا قول ہے کہ اچھا خلق دین کی مدد ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان۔

امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربار داری میں اُس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں کان میں آنے لگی اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ پیشاب گاہ سے نکلتا ہے اس

طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے گھس کر نے لگے۔

حضرت حسنؓ کا مقولہ:

حضرت حسن کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ اس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاکؒ بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔

تکبر عقل کا دشمن:

امام محمد بن حسین بن علیؒ فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے۔

تکبر و نفاق کا علاج

یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔

حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عار دلانا:

بنی امیہ مار مار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتی ہوئی دیکھ کر حضرت طاؤس نے ان کے پہلو میں ایک چوکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے۔ حضرت عمرؒ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمائیے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّ اللَّهَ
اور مت چل زمین پر اترا تا بیشک اللہ کو
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿١٨﴾
نہیں بھاتا کوئی اترا تا بڑائیاں کرنے والا

یعنی اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ برا کہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا۔ تو جواب دیا کہ صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں، جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے، اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے گو انہیں خدا تعالیٰ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار (اشرفی) ایک درہم (روپیہ) بلکہ ایک فلوس (پیسہ) بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن خدا تعالیٰ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دیدے، ہاں دنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو خدا تعالیٰ پوری اتارتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تصنع سے بچو:

آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ڈراؤنی چیز ہے اور دن کو مذمت و برائی والی چیز ہے۔

حضرت لقمان کی کچھ اور نصیحتیں:

آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم ان میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کر دیں تو تم اس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرتے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی، تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

اور چل بیچ کی چال	اور نیچی کر	آواز اپنی

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

بیشک	بری سے بری	آواز

گدھے کی آواز ہے

میانہ روی اختیار کرو:

یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہہ و کرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (تفسیر جلالی)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ اور اپنی چال درمیانی رکھو یعنی نہ رینگتے چلو کہ یہ عرور کی علامت ہے اور اہل غرور کی چال ہے۔ نہ بہت لپک کر چلو کہ یہ چھچھوروں کی چال ہے۔ وقار کو زائل کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرعت رفتار مؤمن کے وقار کو زائل کر دیتی ہے۔ اخرجہ ابن عدی و ابونعیم فی الحلیہ عن ابی ہریرۃ و اخرجہ ابن عدی من حدیث ابی سعید، ابن عمر۔

جس تیز رفتاری کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد وہ سرعت رفتار ہے جو طبعی چال سے بڑھ کر کوشش کر کے اختیار کی جائے۔ معمول تیزی رفتار، جس کی عادت ہو وہ تو مستحب ہے۔ ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ آپ کے پیچھے لپکنے والا آپ تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقار کو (چال میں) قائم رکھو اور حنار سے لے جانے میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ صحاح ستہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازے کو تیز لے جاؤ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو پہلے پہنچا دو گے اور اگر بد ہے تو اپنے کندھوں سے (جلد) اتار دو گے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتار کی تیزی حسب عادت قبیح نہیں ہے اور قصد سے مراد تیزی رفتار ہی ہے، جو دوڑ سے کم درجہ کی ہو۔

اُونچی آواز سے پرہیز:

اغضض کا ترجمہ کیا ہے پست رکھ۔ یعنی گدھوں کی آواز بہت ہی مکروہ ہوتی ہے بالکل چیخی ہوئی۔ دو فرشتوں کی آواز بھی گدھوں کی طرح ہوگی ابتدا میں زیر اور اختتام میں شہیق۔ (سینہ کے اندر ہی اندر گڑگڑ کی آواز)

سفیان ثوری نے آیت مذکورہ کی تشریح میں کہا اس سے مراد چیخ کی وہشت ناک قبیح آواز ہے۔ وہب نے کہا لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے (یعنی بارہ ہزار پر حکمت مقولے لقمان کے ہیں) جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کر لیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے جو بہت شور کرتا ہے۔

آداب معاشرت:

یہاں آداب معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں، اول لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے زبح پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے بہت زور سے شور مچا کر بولنے کی ممانعت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و اوصاف مبارک

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و شمائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں، شمائل ترمذی میں حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا

"کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش و خرم معلوم ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت نہ تھی بات بھی درشت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ شور مچانے والے تھے نہ بیحیٰ کو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے تھے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز اپنی مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے) تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل چھوڑ رکھی تھیں۔

(۱) جھگڑنا (۲) تکبر کرنا (۳) جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا"

یہود و نصاریٰ کی بے راہ روی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا، اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی، اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عمرؓ کی رفتار

حضرت عائشہؓ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مر جائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ یہ قراء میں سے ہے، قراء قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوت قرآن کی صحت و آداب کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو، مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عمر بن خطابؓ اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد وہ تیزی نہیں جس کی ممانعت کی گئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔ (معارف مفتی اعظم)

گدھے کی آواز کی قباحتیں

سفیان ثوری فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے۔ مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو۔ تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس لئے وہ چیخ رہا ہے) اور بعض بزرگوں نے یہ کہا ہے کہ گدھے کا چیخنا اور چلانا گھاس اور پانی کے لئے ہوتا ہے یا شہوت جھاڑنے کے لئے ہوتا ہے یا دوسرے گدھے سے لڑنے کے لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوگی۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نماز کے سامنے سے گزرنے کو قاطع صلاۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق یہ آیا ہے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

ایشاں را آنجا مانند زیر و بم خر باشد (معارف کاندھلوی)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان
وَمَا فِي الْاَرْضِ
اور زمین میں

تسخیر کائنات

یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگا دی ہے پھر تم اس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا سجدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول۔ خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر خدا تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہتا ہے، قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے دوران میں جاری رہتا ہے غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً
اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں کھلی اور چھپی

ظاہر اور باطنی نعمتیں

کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آ جائیں چھپی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہر سے مادی و معاشی اور باطنی سے روحانی و معادی نعمتیں مراد ہوں۔ گویا پیغمبر بھیجنا کتاب اتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

ظاہری نعمتوں سے مراد ہیں محسوس نعمتیں خوبصورتی اعضاء کی درستی رزق، عافیت اور دوسری دنیوی نعمتیں۔ ان کے علاوہ دشمنوں پر غلبہ۔ اسلام۔ رسول۔ قرآن۔ ضوابط شریعت کا ثقیل نہ ہونا۔ اتباع رسول کی توفیق۔ اسلام کا غلبہ وغیرہ، یہ سب بھی ظاہری نعمتوں میں شامل ہیں۔

باطنی نعمتوں سے مراد ہے دل، عقل، باطنی حواس، حسن اخلاق، اعتقاد حق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا، گناہوں کی فوری پکڑ نہ ہونا، ملائکہ کے ذریعہ سے مدد پہنچانا، معرفت الٰہی کا نور اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت، رسول کی شفاعت وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً اسباغ کے معنی مکمل کرنے کے ہیں معنی یہ ہیں کہ مکمل کر دیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری نعمتوں کو اور باطنی نعمتوں کو، ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان اپنے حواس خمسہ سے محسوس اور معلوم کر لیتا ہے، مثلاً حسن صورت اعضائے انسانی کا اعتدال اور ہر عضو کو ایسے تناسب سے بنانا جو انسان کے عمل میں زیادہ سے زیادہ معین بھی ہو اور اس کی شکل و صورت کو بھی تہ نگاڑے، اسی طرح رزق مال و دولت، اسباب معیشت، تندرستی اور عافیت یہ سب ظاہری نعمتیں اور محسوس نعمتیں ہیں، اسی طرح دین اسلام کو سہل

لزام) اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی توفیق ہونا اور اسلام کا دوسرے ادیان پر غالب آنا اور دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد وغیرہ انہی نعمتوں میں داخل ہیں، اور باطنی نعمتیں وہ ہیں جو انسان کے قلب سے متعلق ہیں، جیسے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علم، عقل، حسن اخلاق، خاموشی، پردہ پوشی اور جرائم پیشہ کی سزا وغیرہ وغیرہ۔ (ماخوذ از مظہری)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں بے سمجھ بوجھ

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ

نہ کوئی راہ دکھانے والا نہ کوئی روشن کتاب

بے سند جھگڑے

یعنی ایسے کھلے ہوئے احکام و احسان کے باوجود بعض لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کی وحدانیت میں یا اس کی شؤن و صفات میں یا اس کے احکام و تشریع میں جھگڑتے ہیں اور محض بے سند جھگڑتے ہیں۔ نہ کوئی علمی اور عقلی اصول ان کے پاس ہے نہ کسی ہادی برحق کی ہدایت۔ نہ کسی مستند اور روشن کتاب کا حوالہ۔ محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ (تنبیہ) ترجمہ سے یوں واضح ہوتا ہے کہ ما لہا تعلم محقق قدس اللہ روحہ نے "علم" سے عقلی طور پر سمجھ کام اولیا ہے اور "ہدیٰ" سے ایسے طریق کی بصیرت مراد لی ہے جو سلامتی ذوق و وجدان اور ممارست عقل و فکر سے ناشی ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو نہ معمولی سمجھ سے یہ ابتدائی بصیرت حاصل ہے نہ روشن کتاب یعنی نقلی دلیل رکھتے ہیں۔ یہ معنی بہت لطیف ہیں۔ ہم نے آیت کی جو تقریر اختیار کی محض تسہیل کی غرض سے کی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے تو کہتے ہیں نہیں بلکہ چلیں گے ہم

مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

جس پر پائے ہم نے اپنے باپ دادوں کو بھلا اور جو شیطان

يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ

بلاتا ہو ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف تو بھی

اندھی تقلید یعنی اگر شیطان تمہارے باپ دادوں کو دوزخ کی طرف لئے جا رہا ہو تب بھی تم ان کے پیچھے چلو گے؟ اور جہاں وہ گریں گے

وہیں۔ (از "ا۔ ج۔ ل")

اتباع کی قسمیں

مسلہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ کتاب کا اتباع بلاشبہ فرض ہے لیکن اس کے اتباع کی دو صورتیں ہیں۔ ایک بالذات اور ایک بالغیر جو شخص خود عالم اور قواعد عربیت اور قواعد شریعت سے واقف ہو وہ مستقل کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی داں جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے۔ کما قال تعالیٰ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا اتباع ہے مگر عالم کے واسطہ سے تو یہ بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کا اتباع ہے لیکن بالغیر ہے یعنی خود نہیں ملکہ بواسطہ عالم شریعت کے ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی بیروی ان علماء ربانیین سے حل و فہم کے ساتھ طلب کی جائے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ تعالیٰ امام شافعی نے ابوحنیفہ اور شافعی تو اپنا رب قرار نہیں دیا تو یہ کہا جائے کہ مقلدین اتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق ہیں۔ منکرین تقلید کا تجاہل حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور لے دوڑے سمجھے مگر مقلدین کی آیات پر چسپاں کرتے ہیں جب کہ معلوم ہے کہ شخص عربی داں نہیں جانتا اور اگر کچھ جانتا بھی ہے تو مرتبہ اجتہاد کی اس میں صلاحیت نہیں تو پھر وہ بذات خود کتاب و سنت کو سمجھ کر کیسے اللہ اور اس کے رسول کا اتباع کر سکتا ہے۔ لامحالہ کسی عالم و فقیہ سے پوچھ کر ہی تو عمل کرے گا اور ظاہر ہے کہ وہ عالم دین اس جاہل کو یہ نہیں بتلا سکتا کہ یہ آیت قطعی الدلالت ہے یا ظنی الدلالت ہے اور یہ حدیث صحیح ہے یا حسن ہے یا غریب ہے یا شاذ ہے یا منکر ہے۔ اجمالاً وہ جاہل اتنی دلیل معلوم کر سکتا ہے کہ عالم کا اتباع کیا جائے۔ رہا اور اتنا کام تقلید نے۔ مجھ نہیں کہ منکرین تقلید اس قسم کی ہے جا باتیں بول اٹھیں ہم بھی یہ تقریر کرتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

جو کوئی جھکا دے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ نیکی کرنے والا ہو

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

اس نے پکڑ لیا مضبوط کڑا

مضبوط حلقہ یعنی جس نے اخلاص کے ساتھ نیکی کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ

کو اللہ کے سپرد کر دیا، سمجھ لو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے جب تک یہ کڑا پکڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (قصہ جلالی)

وَهُوَ مُحْسِنٌ اور اپنے تمام اعمال میں مخلص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان (اعمال کی خوبی) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا (عبادت کے وقت وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی کامل حضورِ قلب کے ساتھ۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ یعنی اس نے مضبوط ترین قبضہ پکڑ لیا اور ایسا محکم ذریعہ اپنی گرفت میں لے لیا جس کے ٹوٹنے کا احتمال بھی نہ ہو۔ یہ نہایت لطیف تشبیہ ہے متوکل کو اس شخص سے تشبیہ دی ہے جس نے کوئی مضبوط قبضہ پکڑ رکھا ہو۔ (قصہ جلالی)

وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾

اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا

یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھامے رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کر دے گا۔ (تفسیر جلالی)

وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے ہماری طرف پھرنا ہے ان کا

فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾

پھر ہم جتا دیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں

کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو:

یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار و تکذیب کی پروا نہ کرو۔ منکرین کو بھی بالآخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ کسی جرم کو اللہ سے چھپا نہ سکیں گے وہ تو دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ (تفسیر جلالی)

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

کا رچا دیں تے ہم اس کا تھوڑے دن پھر پکڑا میں گے ان کو ناچار سخت عذاب میں

تھوڑے دن کی مہلت ہے

یعنی تھوڑے دن کا عیش اور نظری ہے۔ مہلت ختم ہو لے پر سخت سزا کے لیے کھینچ چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟ (تفسیر جلالی)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین

لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ تمام صفات و قدرت کا مالک ہے

یعنی الحمد للہ اتنا تو ان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا تنہا اللہ کے کسی کا کام نہیں، پھر اب کوں سی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا دون الٰہی وجہ کے علم و حکمت اور زور و قدرت کے ممکن ہے؟ لامحالہ "خالق السموات و الارض" میں تمام کمالات تسلیم کرتے پڑیں گے۔ اور یہ بھی اسی کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ کم جیسے منکرین سے اپنی عظمت و قدرت کا اقرار کرا دیتا ہے۔ جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو کہ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود دوسرے کیونکر بن گئے۔ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔ (تفسیر جلالی)

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾

وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے

یعنی جس طرح آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان و زمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بلاشرکت غیرے اسی کی مخلوق و مملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ کیونکہ وجود، واقع وجود یعنی جملہ صفات کمالیہ کا مخزن و منبع اسی کی ذات ہے۔ اس کا کوئی کمال دوسرے سے مستفاد نہیں۔ وہ ایسا ذات سب حمدوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اسے کسی کی کیا پروا ہو سکتی؟ (تفسیر جلالی)

وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ

اور اگر ٹھہرے درخت جو زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی

مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ

اس کے پیچھے ہوں سات سمندر تو تمام ہوں باتیں اللہ کی

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا

اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں

یعنی اگر تمام دنیا کے درختوں کو تراش کر قلم بنالیں اور ہر خود سمندر کی سیاہی تیار ہو جائے، پھر پیچھے سے سات سمندر اور اس کی کمک پر آجائیں اور فرض کرو تمام مخلوق اپنی اپنی بساط کے موافق لکھنا شروع کر دے، تب بھی ان ساتوں کو لکھ لے۔ تو یہ نہ کہ سکیں گے کہ خدا کی باتیں اور حکمتیں، جلال و عظمت، نے والی ہیں، لکھنے والوں کی عمریں تمام ہو جائیں گی۔ قلم گھس گھس کر ٹوٹ جائیں گے، سیاہی ختم ہو جائے گی پر اللہ کی تعریفیں اور اس کی خوبیاں ختم نہ ہوں گی، علامہ وہ وسعتوں کی قوتوں سے الحمد و اور غیر متناہی کا سر انجام کیونکر ہو۔ اللھم احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک (تفسیر عثمانی)

اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلم ہو جائیں اور (محیط کل) سمندر کو اس کے پیچھے سے مزید سات سمندر مدد پہنچائیں (یعنی سب سیاہی بن جائیں اور اللہ کے معلومات لکھے جائیں تو قلم گھس کر ختم ہو جائیں گے اور روشنائی تمام ہو جائے گی مگر) اللہ کے کلمات (معلومات) ختم نہیں ہوں گے۔

مفردات: بحر یعنی اس محیط کل سمندر میں پیچھے سے مزید سات سمندر روشنائی بڑھانے میں اور اس میں آ کر گریں۔ مُدَّهٗ مدد اور امداد سے مشتق ہے۔ دوات میں روشنائی پڑنے کو مدد دوات کہتے ہیں۔

کلمات اللہ: یعنی اللہ کی معلومات (غیر متناہی ہیں کتنے ہی قلم ہوں اور کتنی ہی سیاہی ہو وہ سب قلیل معلومات لکھنے کے لئے کافی نہیں بلکہ معلومات ختم ہو جائیں گی)۔

عزیز و حکیم: اللہ غالب ہے (اس کو کوئی طاقت مغلوب نہیں کر سکتی) حکمت والا ہے (اس کے علم و حکمت کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں)۔

شان نزول

اس جزء نے یہ بیان نقل کیا ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودیوں) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کی ماہیت کے متعلق سوال کیا تھا تو آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا نازل ہوئی۔ اہل کتاب نے کہا آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال ہے کہ ہم قلیل علم والے ہیں حالانکہ ہم کو تورات عطا کی گئی جو سراسر حکمت و علم ہے اور جس کو حکمت عطا کر دی گئی اس کو خیر کثیر عطا کر دی گئی (یعنی ہمارا علم ناقص اور قلیل نہیں ہو سکتا)۔ اس پر آیت مذکورہ زیر تفسیر نازل ہوئی۔ مسند رجہ بالا روایات کی بنا پر آیت کو مدنی کہا جائے گا۔

لیکن یہ خیال کہ یہ سوال یہود کی طرف سے ہوا تھا، صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ آیت مذکورہ مکی ہے یہودیوں نے قریش کو تورات دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس وقت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ نہیں چھوڑا تھا۔

ابن جریر نے غیر اللہ الشیخ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا یہ کلام (قرآن مجید) عن قریب ختم ہو جائے گا اس پر آیت وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات اور ان نعمتوں کی ایک مثال دی ہے کہ وہ غیر متناہی ہیں۔ کسی زبان سے وہ سب ادا ہو سکتے ہیں نہ کسی قلم سے سب کو لکھا جا سکتا ہے۔ مثال یہ فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کی سب شاخوں کے قلم بنائے جائیں اور ان کے لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہو جائے گا اور معلومات و تصرفات ختم نہ ہوں گے، اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات سمندر اور بھی شامل کر دیئے جائیں، جب بھی سب سمندر ختم ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے۔ کلمات اللہ سے مراد اس کے علم و حکمت کے کلمات ہیں (روح و مظہری) اور شیوں قدرت اور نعمائے آسمانی بھی اس میں داخل ہیں، اور سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ کہیں سات سمندر موجود ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک سمندر کے ساتھ فرض کر لو اور سات سمندر مل جائیں جب بھی اس سب سے کلمات اللہ کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا اور سات کا عدد بھی بطور امثال ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ

تم سب کا بنانا اور مرنے پیچھے جلانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جی کا

اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی

یعنی سارے جہان کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کے لئے دونوں برابر ہیں۔ نہ ان میں کچھ دقت نہ اس میں کچھ تعب۔ ایک کُن سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کُن" کہنے پر بھی موقوف نہیں۔ یہ ہم کو سمجھانے کا ایک عنوان ہے۔ بس ادھر ارادہ ہوا ادھر وہ چیز موجود۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے نزدیک تم سب کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اٹھانا۔ اس کی ذاتی قدرت سے جب اس کا ارادہ متعلق ہو جائے تو سب کو پیدا کرنے اور اٹھانے سے لئے بس یہی کافی ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک کام میں مشغول ہونے کے وقت دوسرے کام سے غافل ہو

جائے اُن کی آنکھ میں جس طرح ایک کی تخلیق اس کے ارادے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک پل میں سب کی تخلیق بھی اس کے ارادے سے ہو سکتی ہے وہ سرتی جائے والی آواز کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے ایک شے کی شنوائی اور بینائی اس کو دوسری چیزوں کی شنوائی اور بینائی سے مانع نہیں ہو سکتی۔

یا سمیع بصیر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ مشرک جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اللہ ان کے اس انکار قولی کو سننے والا اور ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ
بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

بے مثال صفات الٰہی

یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور ایک وقت تمام جہان کی آوازوں کا سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور ایک وقت تمام جہان کی چیزوں کو دیکھنا اس کے لئے برابر ہے۔ ایسے ہی ایک آدمی کا مرنا، جلانا اور سارے جہان کا مرنا، جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے پھر دوبارہ جلانے کے بعد ایک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا ذرہ ذرہ حساب دینے میں بھی اسے کوئی دقت نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔ کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے
النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ
دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند دونوں چلتے ہیں
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
ایک مقررہ وقت تک

پابندیٔ وقت مقررہ وقت سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ایک کا دورہ کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد گویا اس کو چھٹی شروع کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ
اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اس کی جو تم کرتے ہو

اللہ تعالیٰ کا علم محیط

یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی اور چاند سورج جیسے گراں

عظیمہ کو ادنیٰ مزدور کی طرح کام میں لگائے رکھتی ہے۔ اسے تمہارا مرنے جینے رندہ کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح ناخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
یہ اس لئے کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں
مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ
اس کے سوا سب وہی جھوٹ ہے

اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد

یعنی حق تعالیٰ کی یہ شئون عظیمہ اور صفات قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا کو ماننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے یا کیا جائے باطل اور جھوٹ ہے۔ یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ" سے سمجھ میں آتا ہے، دوسروں کا باطل و مالک الذات ہونا اس پر مستزاد ہے کہ اکیلی ہی خدا کے واسطے یہ شئون و صفات ثابت ہوں صفات ثابت ہوں پھر جس سے یہ شئون و صفات ثابت ہوں گی وہی معبود بننے کا مستحق ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ
اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا

لہٰذا بندہ کی انتہائی پستی اور تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اسی کے لئے ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ
تو نے نہیں دیکھا کہ چلتے ہیں جہاز سمندر میں
بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ
اللہ کی نعمت لے کر تاکہ دکھاوے تم کو کچھ اپنی قدرتیں

بحری جہاز یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اٹھا کر خدا کی قدرت اور فضل و رحمت سے کس طرح سمندروں لوگوں کو چیز تا چیز تا اٹھا لے جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ
البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے

صبر و شکر کا موقع یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا

انسان کے لئے صبر و شکر کے مواقع ہم پہنچتا ہے۔ جب طوفان اٹھ رہے ہوں اور چہار یانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہوا اس وقت بڑے بڑے تحمل کا کام ہے اور جب اللہ نے اس کشمکش موت و حیات سے صحیح و سالم نکال دیا تو سرور ہی ہے کہ اس کا احسان مانے۔ (تیسیر خانی)

صبر و شکر والے لوگ

صبار سے وہ شخص مراد ہے جو آفاق اور انفس (یعنی اندرون و بیرون یا اپنی ذات اور سارے جہان) کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے جو سبق وہ پاتے ہیں اور جن حقیقتوں کو وہ اپنے مشاہدہ و تجربہ سے دریافت کرتے ہیں۔ اور شکور وہ شخص جو اللہ کی نعمتوں کو پہچانتا اور نعمتیں عطا فرمانے والے کا شکر ادا کرتا ہے۔ یا صبار و شکور سے مراد ہیں اہل ایمان کیوں کہ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان کے دو نصف ہیں، آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں۔ واو البیہقی فی شعب الایمان یعنی مومن سکھ میں شکر کرتا ہے اور دکھ میں صبر کرتا ہے (اور انسان کی زندگی دکھ اور سکھ کا ہی نام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ

اور جب سر پر آئے اُن کے موج جیسے بادل پکارے لگیں اللہ کو

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ

خالص کر مرا ہی کے لئے بندگی

سمندر کی موجوں میں مشرک بھی اللہ کو پکارتا ہے

اوپر دلائل و شواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر کفر سے کفر مشرک بھی بڑی عقیدتمندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پکارتے کیونکہ ان آفتوں میں فطری طور پر یہ بات جمی ہوئی ہے کہ معصیتوں کو دور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں سخت خطرے اور جوں کے وقت وہ میلان نفسانی اور تعمید اسلاف جو فطرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھی یکدم زائل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ ۚ

پھر جب بچا دیا اس کو خشکی کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر

مشکل کشائی کے بعد کی حالت

یعنی جب حد اعتدال طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا تو تھوڑے نفوس میں جو اعتدال و توسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ کا ترجمہ کیا "تو کوئی ہوتا ہے اُن میں بیچ کی چال پر" حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل سوال بھی نہ جائے۔ ایسے بھی کم ہیں کہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر کرتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔ (تیسیر قرآنی)

مقتصد سے مراد ہے درمیانی راہ پر قائم رہنے والا یعنی توحید پر برقرار رہنے والا، قصد السبیل درمیانی راہ یعنی سیدھا راستہ صراط مستقیم یعنی راہ توحید اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ آیت کا نزول حضرت عکرمہؓ کے متعلق ہوا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابوجہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں طوفان آ گیا حضرت عکرمہؓ نے کہا اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھے کہ کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہؓ کے اس قول سے طوفان رک گیا اور عکرمہ مکہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے اس تشریح پر پورا کلام اس طرح ہو گا۔ کچھ ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور کچھ کافر ہو جاتے ہیں۔ (تیسیر مظہری)

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ

اور منکر ہوتے ہیں ہماری نشانیوں سے بجز کے جھوٹے ہیں ناشکرے

جھوٹے عہد یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و قرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ

اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اُس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ

عَن وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ

اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو کام آنے والا اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی

قیامت کی وحشت سے بچاؤ کا سامان کرو

طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل تافل نہیں ہو جاتی۔ ایک دوسرے کے بچانے کی تدبیر

ہوتا ہے بلکہ باوفا شاگرد والدین کی شفقت چاہتی ہے کہ وہ کسی کو چوٹ مصیبت اپنے سر لے کر اس کو بچالیں لیکن ایک ہولناک اور ہوشربا دن آنے والا ہے جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی۔ اولاد اور والد ایک دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ اور تیار بھی ہو تو کچھ بس نہ چل سکے گی۔ چاہئے کہ آدمی اس دن سے ڈر کر غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے۔ آج آگ، سمندر کے طوفان سے بچ گئے تو کل ان سے کیونکر بچ سکے گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی مؤمن باپ کافر بیٹے کی طرف سے اور مؤمن بیٹا کافر باپ کی جانب سے معاوضہ نہیں دے گا البتہ مؤمن مؤمن کی شفاعت کرے گا، اللہ نے فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَتَبَرَّاُ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا (العنکبوت) اور حدیث میں ہے جَنَّتْ عَلَيْهِ يَدَاهُ فَاُمُّهُ اَوْ اَبُوْهُ اَوْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبَتُهُ وَالْاَدْنَى فَالْاَدْنَى يُلْجِمُهُ وَيُلْزِمُهُ۔

نکتہ: بجائے ولد کے مولود کا لفظ ذکر کرنے سے معقولی معنی کا پورا اظہار ہے کیونکہ مولود تو صرف بیٹے کو کہتے ہیں اور ولد کا اطلاق بیٹے پوتے پر بھی ہوتا ہے۔ پس جب صلبی حقیقی بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا تو پوتے کا اپنے دادا کے کام نہ آنا ظاہر ہی ہے ولد کا اطلاق بیٹے پوتے پر ملکہ پوتی پر پوتی پر بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کوئی لب نہ ہلا سکے گا

ابن ابی حاتم میں ہے عمر علیہ السلام سے جب اپنی قوم کی تکلیب ملاحظہ کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا فیلڈ اُجاڑ ہوگئی تو اپنے رب کی طرف جھک پڑے۔ فرمانے ہیں میں نے نہایت تضرع و زاری کی، خوب رویا گڑگڑایا، نماز میں پڑھیں روزے رکھے، دعائیں مانگیں، ایک مرتبہ روزہ، انفطر کر رہا تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آ گیا، میں نے اس سے پوچھا کہ کیا نیک لوگ بدوں کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟ اس نے فرمایا قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے، نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے بدلے نہ کوئی کسی کا غم ورنج لے سکے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے بکرا جائے گا، ہر شخص آپا دھاپی میں ہوگا، ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا نہ کسی اور کا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں باپ بیٹے کو شاید نہ بچا سکے گا یہاں تو جملہ فعلیہ کی صورت میں لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ کے الفاظ سے ذکر فرمایا اور دوسری جانب میں دو تغیر کئے گئے، ایک یہ کہ اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان فرمایا، دوسرے اس میں والد کے بجائے لفظ مولود اختیار فرمایا،

حکمت اس میں یہ ہے کہ پہلا جملہ بہ نسبت فعلیہ کے زیادہ تاکید ہوتا ہے اس لئے جملہ میں اس فریق کی طرف اشارہ کیا جو باپ اور اولاد میں سے کہ باپ کی محبت اولاد کے ساتھ اشد ہے، اس کے برعکس اولاد کی محبت کا یہ درجہ نہیں ہوتا محشر میں شفاعت کی بھی دو طرفوں سے کرنے کی تھی اولاد کی حد تک رسائی کو حد ذکر کے بیان فرمایا اور لفظ والد کے بجائے مولود اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مولود صرف اولاد کو کہا جاتا ہے اور لفظ ولد عام ہے اولاد کی اولاد کو بھی شامل ہے اس میں دوسرے رخ سے اسی مضمون کی تائید اس طرح ہوگئی کہ خود صلبی بیٹا بھی باپ کے کام نہ آئے گا، تو پوتے پڑپوتے کا حال معلوم ہے۔ (معارف حقی مظہر)

إِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے سو نہ دھوکے میں ڈالے تم کو دنیا کا جینا،

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ

اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے ساتھ دغاباز،

دھوکے میں نہ پڑو قیامت آکر رہے گی:

یعنی وہ دن یقیناً آ کر رہے گا یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ لہٰذا دنیا کی چند روزہ بہار اور رنگ رلیوں میں پھنس کر دھوکا نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور یہاں آرام سے ہو تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اس دعا باز شیطان کے اغوا سے ہوشیار رہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے جو گناہ چاہو کرو، مزے اڑاؤ، بوڑھے ہو کر اٹھی تو توبہ کر لینا۔ اللہ سب بخش دے گا۔ لقمہ: میں اگر اس سے ہنسنے کو دی ہے تو گناہ کرنے کی ہوس ضرور پیدا کرے اور دوزخ کی تلخی سے دنیا کی کس طرح تلخ کیسے پھر لے سے لیا مزہ چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ

بیشک اللہ ہی پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ

اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ

کل کیا کمائے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں

تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

مرے گا بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے

یعنی قیامت آنے کی سب آدمی کو اس کا علم حاصل ہے یا نہیں ہے بہ معلوم ہے یا کارخانہ تو پھوڑ دیا برابر تو دیا جائے۔ آدمی دیا کے کام و بہبود اور وقتی ترقی پر مطمئن ہو جاتے۔ اپنے نہیں جانتا کہ علاوہ دنیا کے اور بھی کچھ ہے فی الحال جن یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ ہمیں کی ساری رونق اور بہبودی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال بعد برے تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان، دنیا کی زینت اور ترقی کی پر فریفتہ ہو کر اس سستی کو بھول جائے جس نے اپنی مہربان رحمت سے اس کو ترقی اور پرورش بخشی ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص دنیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کے باوجود ایسی زندگی گزار کر مر جاتے ہیں جس میں عیب نہیں ہوتا۔ بہت سے ہیں جنہیں بے محنت، دولت مل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر بھی دنیا کی آنی جانی چیزوں سے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر صبر و سکوت سے بیٹھا ہو، دنیوی جدوجہد میں تقدیر پر قانع ہو، دوڑ دھوپ بیکار نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہیے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا وندی کو فی الواقع ہمارے تقدیر کیسی ہوگی۔ اور صحیح تدبیر ہم پر اس کی یا نہیں۔ یہ ہمیں مانتے ہوئے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ پیشتر جنت و دوزخ بولچھ لی گئی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا وند کو ہے مگر عموماً اچھی یا بری تقدیر کا چہرہ اچھی یا بری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے اس لیے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی۔ ختم ہے یا دوزخی مفلس ہے یا غنی۔ لہٰذا

طلب عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عاوہ تم ہو وہ میت تقدیر کے ذریعے پتہ چل جاتا ہے۔ وہ علم اللہ تعالیٰ کی ہے کہ عورت سے بیٹے میں یا بیٹی اور پیدا ہونے سے پہلے اس کی عمر کیا ہوگی، روزی کتنی ہے۔ سعید ہوگا یا شقی، اسی کی طرف وبعلم ما فی الارحام میں اشارہ دیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے ازالو، پھر توبہ کر کے نیک ہو جانا اس کا جواب وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا الخ میں دیدیا یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور پھر کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا یا آپ موت آجائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہے کہ آج کی بدی کو تدارک کل نیکی سے کر لے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم و خبیر کو ہے۔ (حسینی) یاد رکھنا چاہیے کہ معلومات جنس احکام سے ہوں گی یا خاص اگر ان سے، پھر اگر ان غیبیہ زمانی میں یا مکانی، اور زمانہ کی باعتبار ماضی، مستقبل حال کے تین قسمیں ہی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا علم ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیا فرمایا کیا فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ الخ آخر آیت (جن۔ رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل وتوجیہ ان کیا ہے امت تک ہے۔ اور اول جنس غیبیہ کی طبیعت و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا فراوان عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کل رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا باقی اجمالی تفصیل میں خیوط مکانیہ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ میں رمایہ مستقبلہ مافی الارحام میں رمایہ حالیہ، یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ میں ماضیہ یا قیبہ پر تمبیہ ہے۔

کسی بارش آتی ہوئی معلوم ہوئی کہ کیسی ہوگی وعدہ نہیں۔ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی مقدار میں بارش ہوتی۔ ماں بچہ کو پیٹ میں لیے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے۔ لڑکا یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود لیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہوگی؟ اس جہل و بیچارگی سے باوجود تعجب ہے۔ دنیوی زندگی پر امنگوں سو کر خالق حقیقی کو اور اس دن و بھول جائے جب پروردگار عدالت میں کٹہرا کش حاضر ہونا پڑے گا۔ بہرحال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کل کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں اور خاص ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہی پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کما فی الحدیث۔ پہلے سورۂ الم اور سورۂ حٰمٓ میں بھی ہم علم غیب کے متعلق کچھ لکھ چکے ہیں۔ ایک نظر ڈال لی جائے تم سورۃ لقمان مدنیہ و آیت ۳۴ رکوع ۴)

شان نزول ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرا نشین لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عوفی نے اس شخص کا نام حارث بن عمرو بن حارث بن محارب بن فہر بتایا ہے اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا یعنی یہ پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بی بی حاملہ ہے بتائیے یہ پیدا ہوگا (یا لڑکی) اور ہمارا ملک خشک سالی میں مبتلا ہے بتائیے مارش کب ہوگی؟ اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا یہ آپ بتائیے۔ اس پر آیات بالا نازل ہوئیں۔

غیب کے پانچ خزانے

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں جن سے سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں، سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم کے اندر کیا ہے؟ سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ سوائے خدا کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کس سرزمین پر آئے گی۔ اور سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ رواہ احمد والبخاری۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر میں حدیث مذکور الفاظ ذیل کے ساتھ بیان کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیب کے خزانے (یا کنجیاں) پانچ ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ ... وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ تَمُوْتُ تک تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے سوال جبرئیل والی حدیث میں آیا ہے۔ یہ پانچ چیزوں میں سے ہے یعنی قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جو آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ الخ میں مذکور ہیں۔

حضرت سلیمان کے درباری کی موت کا عجیب واقعہ

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے اور حضرت سلیمانؑ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص کی طرف گھور کر دیکھنے لگے اس شخص نے پوچھا یہ کون شخص ہے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ملک الموت ہے اس شخص نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے مارنا چاہتا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھا کر ہندوستان پہنچا دے۔ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دے دیا (ہوا نے اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا) ملک الموت نے کہا "میں تعجب سے اس شخص کو برابر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ آپ کے پاس موجود تھا اور مجھے حکم دیا گیا تھا کہ ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں۔ (واللہ اعلم)

خلیفہ منصور کا خواب

ایک حکایت ہے کہ منصور (عباسی خلیفہ) نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا، منصور نے اس سے اپنی عمر کی مدت دریافت کی، ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیاں دکھا دیں، اہل تعبیر سے تعبیر دریافت کی تو کسی نے کہا پانچ برس، کسی نے کہا پانچ مہینے، کسی نے کہا پانچ دن۔

امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچوں چیزیں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

بحمد اللہ سورہ لقمان کی تفسیر ۲۲ رجب ۱۲۰۶ھ اور اس کا ترجمہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو ختم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم:

اور حدیث میں جو بروایت ابن عمرؓ ابن مسعودؓ یہ ارشاد آیا ہے کہ اُوْتِیْتُ مفاتح کل شیء الا الخمس (اخرجہ الامام احمد، ابن کثیر) اس میں لفظ اُوتیت نے خود یہ بات واضح کر دی کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علم غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علم غیب نہیں، جس کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جا سکے بلکہ وہ اَنْبَآءُ الْغَیْبِ یعنی غیب کی خبریں ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے، قرآن کریم میں ان کو اَنْبَآءُ الْغَیْبِ فرمایا گیا ہے مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ۔

اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انبیاء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک احکام غیب ہیں جیسے احکام شرائع جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی دیا جاتا ہے جس کو علم عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں،

دوسری قسم اکوان غیبیہ یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم، پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اسی طرح آیا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے، بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے پسند فرمالیں۔

اور دوسری قسم یعنی اکوان غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے وہ بالکل ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادۃً انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے،

اگلوں غیب کا علم جزئی بھی انبیاء اولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جو مختص اللہ عطا کیا ہوا علم ہے، اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ غیب کی خبریں (انباء الغیب) کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آخری دو چیزیں یعنی آئندہ کل میں انسان کیا کمائے گا، اور یہ کہ وہ کس زمین میں مرے گا خود انسان کی ذات سے متعلق حالات ہیں ان میں احتمال ہو سکتا تھا کہ انسان ان کا علم حاصل کرے اس لئے ان دونوں میں خصوصیت سے غیر اللہ کے علم کو منفی کر کے بیان فرمایا گیا، جس سے پہلی تین چیزوں کا علم غیر اللہ تعالیٰ سے نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا کہ جب انسان خود اپنے اعمال و مکاسب کو اور ان کی انتہا موت اور اس کی جگہ نہیں جانتا تو آسمان اور زمین اور عالم کو کیسے جان سکتا ہے۔

امد بعید میں سے منفی چیز کو تو بیان کیا جائے گا، اور آخری چیز میں صرف یہ کہ موت کا علم انسان کو نہ ہونا بیان فرمایا ہے حالانکہ مکان موت کی طرح زمان موت بھی انسان کے علم میں نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

منتہائے حیات اور منتہائے معاد کا علم

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے تمام عالم کے معاد کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبدا، اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور ہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ اگلوں غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی ولی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا آنا ثابت ہے تو وہ طور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔ (معارف ماحصل)

سورۃ السجدہ

اگر خواب میں دیکھے کہ سورۂ سجدہ پڑھتا ہے تو یہ دلیل ہے کہ تہجد کو اٹھتا ہوا دنیا سے رخصت کرے گا اور حق تعالیٰ کو بہت تہجد سے کرے گا۔ (ابن سیرین)

الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اس کی تیس آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا ہے

اٰمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

اور وہ کتاب جس میں کچھ شک نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ہے

شک وشبہ سے پاک کتاب

بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین نے اتاری ہے نہ اس میں کچھ شک نہ شک وشبہ کی گنجائش۔ (تسہیل)

سورۃ کی فضیلت حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے الٓمّٓ تنزیل السجدہ اور تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ پڑھ لیا کرتے تھے (رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وغیرھم عن جابر)۔

ربط: گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید اور دلائل حشر ونشر سے اس سورت کا آغاز بھی قرآن کی حقانیت سے فرمایا بعد ازاں دلائل توحید [illegible] سے پہلی سورت کی طرح سعداء اور اشقیاء کا حال اور مآل [illegible] لیا اور پھر حسب سابق اللہ الذی خلق السموت والارض [illegible] سے توحید کا درس شروع کیا۔ اسی طرح سلسلہ کلام آخر سورت تک چلا گیا۔ (معارف ماحصل)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

یہ کہتے ہیں کہ یہ تو اس نے خود بنا لیا ہے بلکہ یہ تو حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈر سنائے ان لوگوں کو جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا

کافروں کی بے ہودہ باتوں کا تجزیہ:

یعنی جس کتاب کا معجز من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اس کی نسبت کفار کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہوگئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کئے جانے لگے، ذرا غور وانصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگار عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کرنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جس کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہی چیز بنا کر لاتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا ہم دست خواہش اس کے ماحول میں پائی جاتی ہو، کسی ملک میں ایسی بات یا وہ منہ سے نکال دینا جو اُن کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی نظام نہ پائی جائے کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جن قدرت قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے۔ پس نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اعقل الناس ہونا اُن کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی لاتے جو عرب کی اُس فضا کے مناسب اور رعام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ اُن کے گرد وپیش پایا جاتا یہ ہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ اُن کی تصنیف کیا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان وتوحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے:

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا وہ خواہ رسول اور پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب خلیفہ یا عالم دین، تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ودرست اور حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کا مقتضا ہے جیسا کہ ابو حیان نے فرمایا کہ توحید اور ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوئی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی ورسول مبعوث ہو گیا، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اقوام عرب میں بھی ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی ورسول لے کر آیا ہو، ہو سکتا ہے کہ دین کے تائین ملہ ذریعہ پہنچ گئی ہو، اس لئے اس سورۃ اور سورۃ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریش عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول ونبی ہو، اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی ورسول نہیں آیا تھا، اگرچہ دعوت ایمان وتوحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو، زمانہ فترت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دین ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر قائم تھے، توحید پر اُن کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کیلئے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

عمرو بن نفیل

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہؒ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نفیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ثبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس حال میں ہو گیا جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے، اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت بُرا کہتے تھے، اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابو داؤد طیالسی نے عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن عمرو سے جو صحابہؓ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (روح)

ورقہ بن نوفل

اس طرح ورقہ بن نوفل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزول قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہو گئی، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوام عرب بھی دعوت آلیہ اور دعوت ایمان وتوحید سے محروم تو تھیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا، واللہ اعلم۔ (معارف ملفوظ اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	
اللہ ہے جس نے بنائے آسمان	اور زمین
وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	
اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھوں کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر	

ان کا بیان سورۂ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ

کوئی نہیں تمہارا اس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ (۴)

پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے

کہاں بھاگ سکتے ہو؟ یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اس کے پیغامبر کو جھٹلا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اللہ کی حکومت ہے۔ اگر پکڑے گئے تو اس کی اجازت و رضا کے بدوں کوئی حمایت اور سفارش کرنے والا بھی نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ

تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں

احکام الٰہیہ کی تنفیذ اور نظام کائنات کی ترتیب

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرش عظیم سے مقرر ہو کر نیچے حکم اترتا ہے۔ سب اسباب حسی و معنوی ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے جمع ہو کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں، آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح تعبیر یسیر) مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں، آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں کے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کارروائیاں اس کے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو سمائے دنیا کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار سال کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ خدا گانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ ہزار سال پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہائے کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس کے ظہور پذیر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یوم قیامت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار سال کے برابر ہے۔ بہرحال فی یوم کو بعض نے یدبر کے اور بعض نے یعرج کے متعلق لیا ہے اور بعض نے تنازع فعلین مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور آسمانوں کے درمیان کی مسافت

كَانَ مِقْدَارُهٗ یعنی اس کے عروج و نزول کی مدت تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی آدمی اس مسافت کو طے کرے تو ہزار برس سے کم میں طے نہیں کر پائے گا لیکن اللہ کی قدرت کے کمال کے زیر اثر اس کا عروج و نزول پل بھر میں ہو جاتا ہے۔

میرے نزدیک دونوں آیتوں میں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت مراد ہو سکتی ہے لیکن ایک ہزار اور پچاس ہزار کی گنتی کا اختلاف چلنے والوں کی رفتار کی بناء پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ ترمذی نے حضرت عباس بن مطلب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین اور آسمان کے درمیان کی مسافت اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ کے برابر ہے۔ نیز ترمذی اور احمد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کی راہ ہے۔ یہاں بھی اختلاف مدت محض چلنے والوں کی رفتار کے تفاوت کی بناء پر ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت جو ترمذی نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نادار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے (یعنی قیامت کے آدھے دن کی قدر پہلے) جنت میں داخل ہوں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا

بخاری، مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو خزانے والا اپنے خزانے کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور چٹانوں سے اس شخص کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے (اور ایسا) اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک اللہ اپنے بندوں کا

فیصلہ اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی مدت کے برابر ہوگی۔

بعض لوگوں کے لئے وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا اور بعض کے لئے ایک ہزار برس کا اور بعض لوگوں کے لئے دنیا کے اس دن سے بھی کم مدت محسوس ہوگی۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے کہ مومنوں کے لئے قیامت کے دن کا طول اتنا ہوگا جتنی مدت ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

مومن پر قیامت کی آسانی۔

بغوی نے ابراہیم نخعی کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ابویعلی و ابن حبان و بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے [illegible] دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مدت پچاس ہزار برس کی ہوگی اور عرض کیا گیا [illegible] مہمان ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے [illegible] تجھ میں میری جان ہے مومن کے لئے تو اس فرض نماز سے بھی [illegible] جو دنیا میں وہ پڑھا کرتا تھا۔

جلال الدین محلی نے [illegible] میں اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ

یہ ہے جاننے والا چھپے [illegible] اور کھلے کا زبردست رحم والا

اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت

یعنی ایسے اعلیٰ اور عظیم الشان انتظام و تدبیر کا قائم کرنا اسی پاک ہستی کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے، زبردست اور مہربان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ

جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی پیدائش

مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ

ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچوڑ دے سے قدر کی سے

یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کی خلقت کو حسین اور بہتر بنایا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا وہ حکمت اور مصالح عالم کے اقتضاء سے بنایا ہے، اس لئے ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے ایک حسن رکھتی ہے، اور ان سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ یعنی ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین قویم اور بہتر شکل و صورت میں پیدا کیا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تقریر:

حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ کل شئ میں تمام جواہر اور اعراض داخل ہیں یعنی وہ چیزیں بھی جو خود موجود ہوا کرتی ہیں جیسے حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ اور اعراض بھی جن میں اخلاق و اعمال بھی داخل ہیں، یہاں تک کہ جو اخلاق برے بتلائے جاتے ہیں جیسے غصہ، حرص، شہوت وغیرہ یہ بھی اپنی ذات میں برے نہیں، ان کی برائی غیر مصرف میں صرف کرنے اور بے محل استعمال کرنے سے ہوتی ہے، اپنے محل میں رہیں تو ان میں کوئی چیز بری نہیں، لیکن مراد اس سے ان اشیاء کی جہت تخلیق و تکوین ہے، کہ وہ خیر ہی خیر اور حسن ہی حسن ہے اور اعمال کی دوسری جہت انسان کا کسب و اکتساب ہے، یعنی اپنے اختیار کو کسی کام کے کرنے میں صرف کرنا، تو اس حیثیت سے سب حسن نہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی اجازت نہیں دی وہ حسن نہیں قبیح ہیں، واللہ اعلم۔

قدرت کاملہ کا ثبوت۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ یعنی اس سے پہلے یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی ہر چیز کو حسن بنایا ہے، اس کے بعد انسان کا ذکر فرمایا جو ان سب میں زیادہ حسین ہے، اس کے ساتھ کمال قدرت کے اظہار کے لئے یہ بھی بتلا دیا کہ جس انسان کو تم نے سب مخلوق سے زیادہ بہتر بنایا ہے وہ یہ نہیں کہ اس کا مادہ تخلیق کچھ سب سے زیادہ اشرف و اعلیٰ اور بہتر لیا گیا، اس لئے سب سے بہتر ہو گیا، بلکہ مادۂ تخلیق تو اس کا سب سے کمتر چیز یعنی مٹی کو بنایا گیا، پھر قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے اس کمترین چیز کو کہاں سے کہاں پہنچایا۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ سَوّٰىهُ

پھر اسکو برابر کیا

یعنی شکل بصورت اعضاء موزوں و متناسب رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان

مخلوق کی عزت افزائی۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جو مخلوق ہے اسی کا مالک ہے مگر جس کی عزت بڑھانی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ حالانکہ سب

خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا سو انسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں سی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی (موضح تفسیر) (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ
اور بنا دیے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝
سب تھوڑا شکر کرتے ہو

نعمتوں کا شکریہ

ان نعمتوں کا شکریہ تھا کہ آنکھوں سے اس کی آیات تکوینیہ کو بطور اعتبار دیکھتے۔ کانوں سے آیت تنزیلیہ کو توجہ و شوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ
اور کہتے ہیں کیا جب ہم ڈل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بنا
جَدِيْدٍ ۭ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗىِٕ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝
ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں

کافروں کے شبہات

یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے ان کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہو گئے تو کیا ہم نئے جنم میں آئیں گے۔ یعنی جب ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے اور مٹی بن کر مٹی میں مل جائیں گے زمین کی خاک میں اور ہماری خاک میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو کیا ہم کو دوبارہ از سر نو زندہ کیا جائے گا۔ ضَلَّ الْمَآءُ فِي اللَّبَنِ عرب کا محاورہ ہے، یعنی دودھ میں پانی اس طرح مل کر کھو گیا کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ
تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو
وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝
تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے

موت کا فرشتہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہو گئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

موت کے قاصد

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام درد، دکھ موت کے قاصد ہیں۔ جب وقت مقرر آ جاتا ہے تو موت کا فرشتہ آ پہنچتا ہے اور کہتا ہے اے بندے کتنی ہی خبروں کے بعد خبریں آتی رہیں، قاصدوں کے بعد قاصد اور پیاموں کے بعد پیام بھی آتے رہے۔ اب میں آخری خبر ہوں میرے بعد (تیرے پاس) کوئی خبر نہیں آئے گی میں (آخری) قاصد ہوں میرے بعد کوئی قاصد نہیں آئے گا۔ اب چار و ناچار حکم رب پر تجھے لبیک کہنا ہے۔ جب موت کا فرشتہ روح قبض کر لیتا ہے اور (اقرباء اعزہ) اس پر چیختے پیٹتے ہیں تو موت کا فرشتہ کہتا ہے تم کس پر چیختے ہو، کس پر رو رہے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کی مدت حیات میں کوئی کمی نہیں کی، نہ میں نے اس کا رزق کھایا، بلکہ اس کے رب نے اس کو بلا لیا ہے رونے والا اپنے اوپر روئے خدا کی قسم میرے بار بار لوٹ لوٹ کر پھیرے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

مسئلہ ملک الموت کو کسی کے مرنے کا مقرر وقت معلوم نہیں جب کسی کی روح قبض کرنے کا اس کو حکم ہوتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے ہم تک یہ بات (یعنی حدیث) پہنچی ہے کہ ملک الموت سے کہا جاتا ہے، فلاں شخص کی روح فلاں وقت فلاں دن قبض کر لے۔

مسئلہ موت کا فرشتہ مومن کے سامنے (مرنے کے وقت) خوبصورت ترین شکل میں آتا ہے اور کافر کے سامنے بدترین شکل میں۔

حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات

ابن ابی الدنیا کا بیان کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل چن لیا تو ملک الموت نے (بارگاہ الٰہی

میں) درخواست کی کہ مجھے اجازت عطا فرمائی جائے میں ابراہیمؑ کو جا کر یہ بشارت دے دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرمادی۔ ملک الموت نے جا کر ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، الحمدللہ، پھر فرمایا اے فرشتہ موت مجھے، کھا، ے تو کافروں کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے۔ ملک الموت نے کہا آپ ان کی تاب نہیں لا سکتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کیوں تمہیں فرشتۂ موت نے اپنا منہ ابراہیم کی طرف پھیر لیا۔ اور فوراً پھر ابراہیم کی طرف رخ کیا تو ابراہیم نے دیکھا ایک سیاہ فام شخص سامنے کھڑا ہے جس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے آدمی کی ایک شکل نمودار ہو رہی ہے جس کے منہ اور ہر رونگٹے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں یہ منظر دیکھ کر حضرت ابراہیم بیہوش ہو گئے کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو دیکھا کہ ملک الموت اپنی پہلی شکل میں آ چکا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا، اے ملک الموت اگر (مرنے کے وقت) کوئی کافر سوا آپ کی اس (بیہنا تک) صورت کے کسی اور مصیبت وغم سے دوچار نہ بھی ہوتا تھی (اس کی مصیبت وغم کے لئے) یہ صورت ہی کافی ہے۔ اچھا اب بتایئے آپ مومنوں کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں۔ ملک الموت نے اپنا منہ پھیر لیا پھر فوراً (دوبارہ حضرت ابراہیم کی طرف) رخ موڑا تو ابراہیم نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین جوان مرد تھے خوشبو پاکیزہ (مہک رہی تھی) اور لباس سفید تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، اے فرشتہ موت اگر (مرنے کے وقت) مومن آپ کی اس (حسین پاکیزہ) صورت کے سوا کوئی اور چشم وزخمی اور عزت نہ بھی دیکھے، تب بھی اس کے لئے یہ حسین صورت کافی ہوگی۔

حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ملک الموت نے اپنی وہ حسین صورت دکھائی جو مومنوں کی روحیں قبض کرتے وقت ان کی موتی ہے تو ان کی صورت پر ایسی چمک دمک اور رونق دیکھی جس کی کیفیت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور کافروں، فاجروں کی روح قبض کرنے کے وقت جو صورت ان کی ہوتی ہے جب وہ دکھائی تو ابراہیم خوف زدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے شانے لرزنے لگے اور پیٹ زمین کو لگا دیا قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے۔

جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے

ابوالشیخ اور بیہقی نے اور عقیلی نے الضعفاء میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں اور زمین کے کیڑے مکوڑوں کی مدت زندگی اللہ کی پاکی بیان کرنے سے رہتی ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ (خود) ان کی جانیں قبض کر لیتا ہے موت کے فرشتہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک اور سند سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے خطیب نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن عطیہ اور قرطبی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت کے دخل کے بغیر اللہ خود ان کی زندگیاں ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور اس کے مددگاروں کی وساطت مومنوں کی عزت افزائی اور کافروں کی توہین وسزا کے لئے قائم کی گئی ہے۔

موت کے چار فرشتے

خطیب نے اپنی تفسیر میں بوساطت صحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت کو آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ جنات کے لئے مقرر ہے اور ایک فرشتہ شیاطین (کی موت) پر اور ایک فرشتہ چرندوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور چیونٹیوں (کی موت) کے لئے مقرر ہے، یہ چار فرشتے ہیں (تمام) فرشتے پہلی بے ہوشی میں (یعنی پہلا صور پھونکتے ہی) مر جائیں گے۔ ملک الموت ان کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے پھر ملک الموت (خود) مر جائے گا۔

سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی

لیکن (جہاد پر جانے والے) وہ لوگ جو سمندر میں شہید ہوتے ہیں اللہ ان کی روحیں خود قبض کرتا ہے ان کی عزت افزائی کے پیش نظر ملک الموت کو اس کا معاملہ سپرد نہیں کرتا وہ راہ خدا میں نکلنے والے ہوتے ہیں جو سمندر میں شہید ہو جاتے ہیں، اس روایت کی سند میں جویبر انتہائی ضعیف راوی ہے پھر ضحاک کا حضرت ابن عباسؓ سے انقطاع بھی ہے بالبتہ اثر مذکور کے آخری حصہ کا ایک شاہد مرفوع ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ملک الموت کو سوا شہداء بحر کے سب کی روحیں قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے۔ شہداء بحر کی روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ نے خود (اپنے ہاتھ میں) لی ہے۔ میں کہتا ہوں عشق ومعرفت کے سمندر میں ڈوبنے والے تو اس عزت افزائی کے زیادہ مستحق ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کے بعد روحوں کا مقام

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ پھر تم سب اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی مرنے کے بعد مومن کی روح کو رحمت کے فرشتے آسمانوں پر چڑھاتے جائیں گے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیں گے، اور کافر کی روح کو عذاب کے فرشتے لے کر چڑھیں گے اور جب پہلے ہی آسمان تک پہنچ کر (دروازہ) کھلوانا چاہیں گے تو کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، بلکہ اوپر سے اس کو پھینک دیا جائے گا (کہ وہ مقام سجین میں پہنچ جائے گی) پوری حدیث سورہ انعام میں نقل کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک الموت سے ملاقات:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے سرھانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے ساتھی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، ملک الموت علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں، میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور فرمایا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات اور جنگلوں پہاڑوں میں یا دریا میں آباد ہیں، میں ان میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں، اس لئے میں ان کے مرجھونے بڑے سے واقف ہوں، پھر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ ہی کا امر اس کے لئے نہ آجائے۔

عزرائیلؑ کی الزام سے براءت:

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ساری دنیا کی موت کا معاملہ کیا تو انہوں نے عرض کیا اے میرے پروردگار آپ نے اپنی خدمت میرے سپرد کی کہ ساری دنیا اور سب بنی آدم مجھے ناکھیں گے، اور جب میرا ذکر آئے گا برائی سے کریں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کر دیا ہے کہ دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض رکھ دیئے ہیں جن کے سبب سب لوگ موت کو ان اسباب و امراض کی طرف منسوب کریں گے آپ ان کی بدگوئی سے محفوظ رہیں گے (قرطبی فی التفسیر والذکرہ)۔ (معارف متی اعظم)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ مجرم سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے

یعنی ذلت و ندامت سے محشر میں۔ (تفسیر عثمانی)

مجرموں کی رسوائی

نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور (اے محمد) اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں گے (تو بڑا ہیبت ناک منظر آپ کو دکھائی دے گا) جب کہ مجرم (یعنی وہ مشرک جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم خاک میں مل جائیں گے تو کیا نئے جنم میں اٹھ سکیں گے ندامت اور غم کے مارے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے حاضر ہوں گے۔ (تفہیم مظہری)

رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ

اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب تو ہم کو پھیر بھیج دے کہ ہم نیک

صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ

بھلے کام کریں ہمیں یقین آ گیا

بے ثمر حسرت

یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا۔ بلکہ آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا کہ ایمان اور عمل صالح اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آتا ہے۔ اب ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سمعنا یعنی تو نے اپنے پیغمبروں کی تصدیق کر دی جن کو ہم جھوٹا کہتے تھے۔ ہم نے آج تیری طرف سے تصدیق سن لی۔ انصفنا اور سمعنا کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے اپنے گناہ دیکھ لئے اور ان سے متعلق جو کچھ تو نے کہا تھا ہم نے سن لیا۔

یعنی جس چیز میں ہم کو پہلے شک تھا اب آنکھوں سے دیکھ کر اس کا یقین آ گیا۔ (موضح)

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ

اور اگر ہم چاہتے تو سجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن

حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

ٹھیک پر نکلی میری کہی بات کہ بھر دوں گا دوزخ جنوں سے

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

اور آدمیوں سے اکٹھے

حکمت الٰہی کے تقاضے

دوسری جگہ فرمایا یُوْلِجُوْا لَعَلَّوْا الْمَاعُوْنَ (انعام۔ رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اگر دنیا کی حرص لوٹائے جائیں پھر وہی شرارتیں کریں۔ ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کو قبول کر لیں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں ورنہ اگر ہم کو قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اسی راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا دل فطرۃً رہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے کے لئے مقہور کر دینا حکمت کے خلاف تھا جس کا بیان کئی جگہ پہلے ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے دعوے لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل۔ رکوع ۷) کے جواب میں فرمائی تھی لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ (ص۔ رکوع ۵) معلوم

ہوا کہ یہاں جن وانس سے مراد وہی شیاطین اور انکے اتباع ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے کچھ لوگوں کو پیدائشی جنتی بنایا، جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو جنت کے لئے بنا دیا تھا اور کچھ لوگوں کو پیدائشی دوزخی بنایا جب وہ پشت پدر میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے لئے بنا دیا تھا۔ رواہ مسلم۔

ہر ایک کے دو ٹھکانے

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ میں ٹھکانا یا جنت میں ٹھکانا (پہلے سے) لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم اسی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں اور کیوں نہ عمل ترک کر دیں؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو خوش نصیب (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کے لئے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو بدبخت (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کو بد نصیبوں کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ البخاری، مسلم۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں دو تحریریں لئے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہم کو کچھ علم نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا۔ یہ رب العالمین کی تحریر ہے اس میں (تمام) جنتیوں کے نام مع ان کے آباء قبائل کے لکھے ہوئے ہیں پھر اس کو بند کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی اور بائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ تحریر بھی رب العالمین کی ہے اس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء وقبائل سمیت لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں اس کو بند کر دیا گیا۔ آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کس غرض سے کیا جائے فرمایا سیدھی چال چلتے رہو اور لگے لگے چلو جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کوئی عمل بھی کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کچھ بھی کیا ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریروں کی طرف اشارہ کر کے پھینک دیا (یعنی ایسا اشارہ کیا جیسا کوئی پھینکنے والا کرتا ہے اور وہ تحریریں غائب ہو گئیں) پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلے) سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنتی اور دوسرا فریق دوزخی ہے۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ
سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو
هَٰذَا ۖ إِنَّا نَسِينَاكُمْ
ہم نے بھی بھلا دیا تم کو

ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی کبھی رحمت سے یاد نہیں کئے جاؤ گے۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مآل بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾
اور چکھو عذاب بندہ کا عوض اپنے کئے کا
إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا
مانتے ہیں ہماری آیتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب ان کو سمجھائیے ان سے گر پڑیں
سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾
سجدہ کرتے ہوئے اور پڑھتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے

اہل ایمان کا خوف

یعنی خوف وخشیت اور خشوع وخضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں، دل میں کبر وغرور اور بڑائی کی بات نہیں رکھتے جو آیات اللہ کے سامنے جھکنے سے مانع ہو۔

تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
جدا رہتی ہیں ان کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے

مومنوں کی نمازیں

یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے صبح کی یا عشاء کی نماز یا مغرب وعشاء کے درمیان کے نوافل مراد لی ہیں۔ گو الفاظ میں اس کی گنجائش ہے لیکن راجح وہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

خواب گاہوں سے پہلو دور رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

مخصوص حضرات کیلئے اعلان

حضرت اسماء بنت یزید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

قیامت کے دن اللہ ایک ہموار میدان میں لوگوں کو جمع کرے گا، پکارنے والے کی آواز سب کو (ایک جیسی) سنائی دے گی (اور چونکہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی اور نشیب و فراز نہیں ہوگا اس لئے) نظر سب کے پار جائے گی۔ منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو دکھ سکھ میں اللہ کی حمد کرتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی مخلوق اٹھے گی اور ان سے حساب لیا جائے گا (ہناد) ابن راہویہ اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسندوں میں بھی حضرت اسماءؓ کی روایت سے حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا تغیر ہے کہ منادی اول ایسی آواز سے جو سب لوگوں کو سنائی دے گی یہ الفاظ پکار کر کہے گا اس سے مجمع والوں کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ کرم کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

حسن بصری، مجاہد، امام مالک اور اوزاعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ میں تہجد گزار لوگ مراد ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔

جنت میں لے جانے والا عمل

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ اور حاکم نے حضرت معاذؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور رکھے فرمایا تو نے بڑی بات دریافت کی اور اللہ جس کو توفیق دے اس کے لئے دشوار بھی نہیں ہے۔ تو اللہ (ہی) کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دے۔ نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ اور کعبہ کا حج کر۔ پھر فرمایا کیا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتاؤں (سن) روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے اور دوزخ سے بچانے والا۔ مترجم) خیرات گناہوں کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو۔ اور وسط رات میں نماز پڑھنی بھی خیر کا دروازہ ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔

امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ

پھر فرمایا کیا میں تجھے امر کا سر اور ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا امر کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا، کیا میں تجھے اس سب کی جڑ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا، اس کو روکے رکھ۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا زبان سے بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا معاذؓ تجھے تیری ماں روئے منہ کے بل یا ناک کے بل لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے والے کی زبانوں کے نتائج (یعنی الفاظ) ہی تو ہوں گے۔

افضل نفلی نماز اور روزے

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے یعنی محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم۔

اللہ کے دو محبوب بندے

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ دو آدمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے ایک تو وہ جو اپنے بستر و لحاف میں سے نکل کر محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو جو اپنے بستر و لحاف کے اندر سے نکل کر محبوب بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میرے ثواب کا امیدوار ہو کر اور میرے عذاب سے ڈر کر اٹھ کھڑا ہوا ہے دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ پھر شکست پا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر فرار کی حالت میں اس کو خیال آتا ہے کہ جہاد سے بھاگنا کتنا بڑا جرم ہے اور لوٹ کر جہاد میں شریک ہونا کتنی بڑی نیکی ہے یہ خیال کرتے ہی وہ لوٹ پڑتا ہے (جہاد میں جا کر شریک ہوتا ہے) آخر اس کا خون بہا دیا جاتا ہے (یعنی شہید ہو جاتا ہے) اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ کس طرح وہ میرے ثواب کی طلب میں اور میرے عذاب سے ڈر کر (جہاد کی طرف) لوٹ پڑا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حضرت (عبداللہ) ابن رواحہؓ (خزرجی انصاری صحابی) کے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

وفينا رسول الله يتلو كتابه ... اذا انشق معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ... به موقنات ان ما قال واقع

يبيت يجافي جنبه عن فراشه ... اذا استثقلت بالكافرين المضاجع

ہم میں اللہ کے رسول ہیں کہ صبح کو پو پھٹنے کے وقت وہ اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں۔ ہمارے اندھے پن کے بعد انہوں نے ہمیں راستہ دکھایا۔ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ سچ ہے وہ رات کو اپنا پہلو بستر سے جدا رکھتے ہیں جب کہ کافروں کے بستر کافروں (کے بار) سے بوجھل پڑے ہوتے ہیں۔

سورۃ مزمل کی تفسیر میں ہم نے نماز تہجد کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔

صحابہ کی شان

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ آیت تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو (مغرب کی نماز پڑھ کر) عتمہ یعنی عشاء کی نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔

بغوی نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا، یہ آیت ہمارے گروہ انصار کی بابت نازل ہوئی ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں لوٹتے تھے (اور مسجد میں انتظار کرتے رہتے تھے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے تھے (پھر گھروں کو لوٹتے تھے)

یہ بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک (مسجد میں ہی رہتے تھے) یہ روایت ابن مردویہ نے نقل کی ہے اس کی اصل سنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن منکدر کا بھی یہی قول ہے ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ (آیت میں جس نماز کا ذکر ہے) وہ صلوٰۃ اوابین ہے۔

بزار نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت بلالؓ نے فرمایا ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور کچھ صحابی مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتے رہتے تھے اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

عشاء و فجر کی جماعت کی فضیلت

حلوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ عشاء اور فجر کی نماز (رسول اللہ کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ مسلم اور امام احمد نے حضرت عثمان کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے اور پھر بغیر قرعہ اندازی اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے۔ اور اگر ظہر کی (باجماعت) نماز کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اگر (باجماعت) عشاء اور فجر کی نمازوں کے ثواب سے وہ واقف ہو جائیں تو سرینوں کے بل گھسٹ کر بھی پہنچیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والنسائی) (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن وفعۃً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے اپنے نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پائے کمزور پڑ جاتا ہے لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ جانے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور آگے بڑھنے میں رب تعالیٰ کی رضامندی ہے میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر تصدق کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈر سے اور لالچ سے

اللہ سے لالچ اور اللہ سے ڈر

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اللہ سے لالچ اور ڈر نہ ہیں، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے ہاں اگر کسی اور کے خوف و رجا سے بندگی کرے تو ریا ہے کچھ قبول نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ

اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں ۝ سو کسی جی کو معلوم نہیں

مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا

جو چھپا رکھی ہے ان کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اس کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

جو کرتے تھے

راتوں کی عبادت کا انعام

جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے ریاضت کی۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ (تعب) سرسید وغیرہ نے اس حدیث کو لے کر جو تاویل نعمائے حسیانی کا انکار کیا ہے۔ میرا ایک مضمون ہدیہ سنیہ کے نام سے چھپا ہے اس میں جواب دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی حوریں

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا کسی دوسری چیز کی

طرف اس کا التفات بھی نہ ہوگا، پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت اور تورانی شکل کی ایک اور حور ہے وہ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو کر کہے گی کہ اے میری مراد کبھی پوری ہوگی۔ یہ سنے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گی میں مزید میں سے ہوں۔ اسے یہ سراپا اس کی طرف متوجہ ہونے کا پچھتر سال تک دوسری طرف دیکھنے کا بھی نہیں۔ اتنی مدت کے بعد پھر حواس کا التفات اور جانب ہوگا تو دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھی ایک اور حور ہے۔ وہ کہے گی اب وقت آ گیا کہ آپ میں میرا حصہ بھی ہو۔ یہ پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ جواب دے گی میں ان میں سے ہوں جن کی نسبت رب العالمین نے فرمایا ہے ولی نہیں جانتا کہ ان کے لئے خدا تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کی کیا کیا ٹھنڈک چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں فرشتے جنتیوں کے پاس دنیا کے دن کے اعتبار سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے دروازے سے آ جائیں گے حوران کی جنت میں نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ان دیکھی ان کی نعمتیں،

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے صالح بندوں کے لئے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں کان نے ان کا کبھی تذکرہ سنا کسی انسان کے دل میں ان کا تصور آیا اگر تم چاہتے ہو تو پڑھو فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ الخ (متفق علیہ) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا یہ وہ (نعمت) ہے جس کی کوئی تشریح نہیں (بیان کی گئی)۔ (تیسیر مظہری)

أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۚ لَا يَسْتَوُونَ
کیا جو شخص ایمان پر ہو جیسے اس شخص کے برابر ہو جائے جو

اے ایک ایماندار اور بے ایمان کا ایسے ہرابر ہو جانے تو سمجھو خدا سے مال مالکل اندھیر ہے (العیاذ باللہ) (تیسیر مظہری)

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ
سو وہ لوگ جو یقین لائے اور نیک کام کئے تو ان کے
جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
لئے جنتیں ہیں جو ان کے ٹھکانے ہیں ان کاموں کے صلہ میں جو وہ کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب ہو جائیں گے۔ (تیسیر مظہری)

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا
اور وہ لوگ جو نافرمان ہوئے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جب جب

أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا
نکلنا چاہیں گے اس میں سے اسی میں پھر ڈالے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا
عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ
آگ کا عذاب جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے

جہنمیوں کی سزا،

کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے۔ اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں۔ فرشتے پھر اوندھی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو۔ جس چیز کو جھٹلاتے تھے وہ اس کا مزہ چکھو (اللھم اعذنی من النار واجرنی من عذابک) (تیسیر مظہری)

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ
اور البتہ ہم ان کو چکھائیں گے تھوڑا عذاب دوسرے
الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ
اس بڑے عذاب سے شاید کہ وہ پھر آئیں

دنیا کا عذاب

یعنی آخرت کے بڑے عذاب سے قبل دنیا میں درآمد، رحمہ کا عذاب بھیجیں گے تاکہ بے رجوع کی توفیق ہو اور خدا کی طرف رجوع ہو جائے۔ یہ درحمہ کا عذاب یہ تھا، یا کے مصائب یا رمی، قحط، قید، مال اولاد وغیرہ کی تباہی وغیرہ۔ (تیسیر مظہری)

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو سمجھائیں کہیں کے رب کی باتوں سے
ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ
پھر ان سے منہ پھیر لے

بعد سمجھانے کے پھر جیا۔ (کہ ہوں)

إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾
ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں

جب تمام جنگاروں اور ظالم مجرموں سے بدلہ لیتے تو یہ ظلم کیونکر کر سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظلم واعراض سے دلگیر نہ ہوں۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوتی۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور بنی اسرائیل سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام اور سردار اٹھیں گے۔ رہے منکر ان کا فیصلہ حق تعالیٰ خود کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین گناہوں کی نقد سزا:

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے۔ ایک حق کے خلاف جھگڑوں اور تعرضوں کے ساتھ اعلانا کوشش کرنا، دوسرے والدین کی نافرمانی، تیسرے ظالم کی امداد۔ (رواہ ابن جریر عن معاذ بن جبلؓ) (معارف حقی، مظہر)

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو ایسا کرنے والے بے عزت، بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہو گیا، جس نے بے وجہ کوئی جھگڑا باندھا، جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا۔ یہ مجرم لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے (ابن ابی حاتم)۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ
دھوکے میں اس کے ملنے سے

یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بے شک وشبہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰ کے ذکر پر فرما دیا کہ تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی نقل کیا ہے تم شک نہ کرو کہ موسیٰ اپنے رب سے ملے تھے۔

شب معراج کے نظارے

شیخین نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں میں نے موسیٰ کو دیکھا گندمی رنگ دراز قامت گھونگریالے بال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ (قبیلہ ازد) شنوأۃ کے ایک مرد ہیں۔ میں نے عیسیٰ کو بھی متوسط القامت سرخی سفیدی مائل رنگ اور سیدھے بالوں والا پایا، میں نے منجملہ دوسری آیات قدرت کے جو اللہ نے مجھے دکھائیں دوزخ کے داروغہ مالک کو اور دجال کو بھی دیکھا فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان مذکور کے بعد تلاوت فرمائی)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وحضرت یونسؑ سے ملاقات

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ایک سفر میں ایک وادی کی طرف سے ہمارا گذر ہوا حضور نے فرمایا یہ کون سی وادی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا وادی ازرق ہے، فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ جب میں (شب معراج میں) اس وادی سے گزر رہا تھا تو موسیٰ میری نظر کے سامنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے لبیک کہہ رہے تھے اور اللہ کو پکار رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، پھر ہم آگے چلتے چلتے ایک گھاٹی پر پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کون سی گھاٹی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا مرشا۔ فرمایا وہ سین میری نظروں کے سامنے ہے کہ یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار چغہ پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے اس وادی میں لبیک کہتے ہوئے گزر رہے تھے۔ رواہ مسلم۔

سورۂ بنی اسرائیل میں حدیث معراج کے بیان میں ذکر کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور نماز کی (تخفیف کی) بابت گفتگو کی تھی۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے رات کو آسمان کی طرف لے جایا گیا تو (اثناء راہ میں) میں نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ
اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے اور کیے ہم نے ان میں
اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
پیشوا جو راہ جلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے

دنیا کے شدائد اور منکرین کے جور وستم پر۔ (تفسیر عثمانی)

صبر امامت دلاتا ہے:

لما صبروا جب کہ انہوں نے اپنے (دین پر اور مصر کی سکونت کی حالت

میں دشمن کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر) صبر کیا تھا۔ اس لفظ سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبر موجب امامت ہے (شدائد و مصائب پر صبر کرنے والے لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں) (تفسیر مظہری)

کسی قوم کا مقتداء و امام بننے کے لئے دو شرطیں

اس آیت میں علماء بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں اول صبر کرنا، دوسرے آیات الٰہیہ پر یقین کرنا، صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے، اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں، اس جگہ صبر سے مراد احکام الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آ جاتی ہے، اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے، دوسرا سبب ان کا آیات الٰہیہ پر یقین رکھتا ہے، اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت و پیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝
اور تھے ہماری قوت پر یقین کرتے

مسلمانوں کو تنبیہ یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر جمے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے

حق و باطل کا فیصلہ

یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دو ٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ ہاں دنیا میں بھی کوئی مثالیں ایسی دکھلائی جا چکی ہیں کہ آدمی انہیں دیکھ کر سمجھ اور عبرت حاصل کر سکتا ہے کیا عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور کیا ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے سننے کے بعد بھی ان کو تنبیہ ہو اور نجات و فلاح کا راستہ نظر نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں صحابہ کی مراد یہ تھی کہ اللہ قیامت کے دن بندوں کا فیصلہ کر دے گا۔ کلبی نے کہا صحابہ کی عنقریب فیصلہ کر دینے سے مراد تھی مکہ کی فتح۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
کیا ان کو راہ نہ سوجھی اس بات سے کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ
پہلے جماعتیں کہ پھرتے ہیں یہ ان کے گھروں میں اس میں
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝
بہت نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں

یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ
کیا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو ایک زمین چٹیل کی طرف

ہنجر زمین کی آبادکاری کا بندوبست

ارض جرز سے ہر ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو مراد ہے بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور نسوق الماء سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ کما نبہ علیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

سرزمین مصر کی آبادی کا انتظام

صحیح یہ ہے کہ یہ مضمون ایسی تمام زمینوں کو شامل ہے اور مصر کی زمین خصوصیت سے اس میں شامل ہے، جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے مگر بلاد حبشہ افریقہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل کے ذریعہ مصر میں آتا ہے اور وہاں کی سرخ مٹی ساتھ لاتا ہے، جس میں انبات کا مادہ زیادہ ہے، اس لئے مصر کے لوگ اپنے ملک میں بارش نہ ہونے کے باوجود ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی سے فائدہ اٹھاتے ہیں فتبارک اللہ احسن الخالقین (معارف مفتی اعظم)

دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بودنہ مہینے میں حضرت عمرؓ

بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارھویں تاریخ کو ہم ایک باکرہ لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر، بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اسی کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں، سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاصؓ فاتح مصر نے جواب دیا کہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے تم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے۔

دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا، مینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک پڑا ہوا ہے۔ لوگ تنگ آ کر ارادے کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں یہاں کی بود و باش ترک کر دیں۔

دریاء کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط

اب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر نیل کے دریا میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ یہ خط ہے خدا تعالیٰ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف، بعد حمد و صلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تو خیر نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد و قہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہیں پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے، گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی وہ مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا (کتاب السنۃ للحافظ ابو القاسم اللالکائی)۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے
وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
اور خود وہ بھی پھر کیا دیکھتے نہیں

دعوت غور و فکر یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت و حکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں کے جان و دل سے شکر گزار بنتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو

منکرین کی جلد بازی پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آ چکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
کہہ کہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۸﴾
ان کا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی

ابھی موقع ہے فائدہ اٹھالو

یعنی ابھی موقع ہے کہ اللہ و رسولؐ کے کہنے پر یقین کرو اور اس دن سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ اس کے پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام دے گا نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی کہ آئندہ چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ اس وقت کی مہلت کو غنیمت سمجھو۔ استہزاء و تکذیب میں رائیگاں مت کرو جو گھڑی آنے والی ہے یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر یہ کہنا فضول ہے کہ کب آئے گی اور کب فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۲۹﴾
سو تو جہاں چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں

آپ فرض تبلیغ اداء کرتے رہیں۔

یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود انتہائی مجرم اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کے دن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہٰذا آپ فرض دعوت و تبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیئے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیئے جسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٓمّٓ تنزیل اور ھل اتیٰ علی الانسان پڑھتے تھے۔

حضرت جابر راویؓ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک الم تنزیل اور تبٰرک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے تھے۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

گناہگار کی بخشش:

حضرت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ الم تنزیل کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے اور یہی اطلاع تبٰرک الذی بیدہ الملک کے متعلق بھی ملی ہے کہ ایک شخص یہی دونوں سورتیں پڑھتا تھا اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا گنہگار (مرنے کے بعد) انہی سورتوں نے (اس کو اپنے سایہ میں لے لیا) اس پر اپنے پر پھیلا دیے اور دعا کی اے رب اس کو بخش دے یہ مجھے بہت پڑھا کرتا تھا اللہ نے ان سورتوں کی شفاعت قبول فرمائی (اور اس کو بخش دیا) اور فرمایا ہر بدی کے عوض) اس شخص کے لئے نیکی لکھ دو اور اس کے بدلے کو اونچا کر دو۔

سورہ کی وکالت

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ یہ سورت قبر کے اندر اپنے پڑھنے والے کی طرف سے وکالت کرے گی اور عرض کرے گی (اے رب) اگر میں تیری کتاب کی سورت ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو مجھے کتاب کے اندر سے مٹا دے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے پر اپنے پر پھیلا دے گی اس کو اپنے سایہ میں لے لے گی اس کے لئے شفاعت کرے گی اور عذاب قبر سے اس کو بچا لے گی۔

تمام سورتوں پر فضیلت

یہ بھی روایت ہے کہ قرآن کی ہر سورت پر ان دونوں سورتوں کی فضیلت ساٹھ نیکیوں کے برابر ہے۔ رواہ الدارمی۔

شب قدر کی عبادت کا ثواب۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے الٓمّٓ تنزیل اور تبٰرک الذی پڑھی اس کو اتنا ثواب ملا کہ گویا شب قدر میں اس نے رات بھر عبادت کی۔ رواہ الثعلبی وابن مردویہ۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورت سجدہ ختم ہوئی

سورۃ الاحزاب

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کی تعریف کرنے والا ہوگا اس کی عمر زیادہ ہوگی اور دوستوں کے ساتھ مکر زیادہ کرے گا۔ (علامہ ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی تہتر آیتیں ہیں اور نو رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ
اے نبی اللہ سے اور کہا نہ مان منکروں کا
وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ
اور دغابازوں کا مقرر اللہ ہے سب کچھ جانے والا حکمتوں والا اور چل
مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اسی پر جو حکم آئے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے اور بھروسہ رکھ اللہ پر
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔
اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا

کافروں کیلئے کبھی لچک دکھانے کی ضرورت نہیں ہے

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہئے اور کافروں اور منافقوں کا کبھی کہا نہ مانیے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی بڑا جتھا بنالیں، سازشیں کریں، جھوٹے مطالبات منوانا چاہیں عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں، آپ اصلا پروا نہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اکیلے پروردگار کی بات مانیے اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق اکٹھی ہو کر آجائے اس کے خلاف ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ

سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اُس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اُسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ تنہا اُسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن ع سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اُس سے زیادہ دانا کون۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ احزاب کی آیات:

حضرت اُبی بن کعب نے حضرت زر سے فرمایا سورۃ احزاب کی گنتی آپ کے نزدیک کتنی ہے؟ حضرت زر نے جواب دیا تہتر۔ حضرت اُبی نے فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کی قسم ابی کھایا کرتا ہے کہ یہ سورۃ سورۂ بقرۃ کے برابر یا اس سے بڑی تھی ہم نے اس سورۃ میں یہ آیت بھی پڑھی تھی الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم

تقویٰ کی اہمیت

یاایھا النبی اتق اللہ اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو نبی کے لفظ سے خطاب کر کے تقویٰ کا حکم دیا، محمد نہیں فرمایا اس سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت بتانا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ رکھنا ضروری ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔ جنگ احد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آ کر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھیرے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ عبداللہ بن ابی سعد اور طعمہ بن ابیرق خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ لات عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ چھوڑ دیجئے ہمارے ان معبودوں کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی شفاعت کریں گے اگر آپ ایسا کر لیں گے تو ہم آپ کا اور آپ کے رب کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہیں کریں گے (اور آپ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے) اس وقت حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر نے فرمایا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کر دوں، فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں۔ پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب۔ چنانچہ حضور نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے، یا اس پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ہے کیونکہ تقویٰ کے حکم کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت سب کی طرف تھا اگرچہ صیغہ مفرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کے مضامین

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عنداللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذاء رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے، اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل و اتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز:

یاایھا النبی اتق اللہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز و اکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر خطاب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا آدم، یا نوح یا ابراھیم یا موسیٰ وغیرہ ذلک بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

صرف وحی کی اتباع کریں:

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار و منافقین کی باتوں میں نہ آئیں، اُن کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کا اتباع کریں، چونکہ اس خطاب میں صحابۂ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لئے آخر میں بصیغہ جمع بما تعملون فرما کر تنبیہ کر دی گئی۔

بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں:

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے، اس میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں، کہ وہ ہی کافی کارساز ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں،

مسئلہ: آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں، دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

پچھلی سورۃ سے ربط

گزشتہ سورت کے ذخیرہ میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک ادنیٰ مصداق ہے۔

سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات

یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللہ و اللہ عزیز حکیم یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کر دو، اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر حصہ چاہا اٹھا لیا۔ رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعب واسنادہ حسن۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اٹھا لیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور ان کی تلاوت منسوخ ہو گئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو گئی مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر حمد و صلاۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی۔ الشیخ و الشیخۃ اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللہ و اللہ عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادہ شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کر ڈالو۔ اللہ کے حکم سے بطور عقوبت و سزا کے بے شک اللہ عزیز اور حکیم ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ

اللہ نے رکھے نہیں کسی مرد کے دو دل اس کے اندر

وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الَّٰٓئِي تُظَٰهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَٰتِكُمْ

اور نہیں کیا تمہاری بی بیوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچی مائیں تمہاری

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم

اور نہیں کیا تمہاری بے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے

بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ

اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راہ

رسوم جاہلیت کی تردید

یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقۃً دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق کو حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی شدومد سے تردید فرمائی اس نے بتلایا کہ بیوی کو ماں کہہ دینے سے اگر واقعی وہ ماں بن جاتی ہے تو کیا یہ دو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے؟ ایک وہ جس نے اول جنا تھا اور دوسری یہ جس کو ماں کہہ کر پکارتا ہے۔ اسی طرح کسی نے زید کو بیٹا بنا لیا تو ایک باپ تو اس کا پہلے سے موجود تھا جس کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ کیا واقعی اب یہ ماننا چاہئے کہ یہ دو باپوں سے الگ الگ پیدا ہوا ہے۔ جب ایسا نہیں تو حقیقی ماں باپ اور اولاد کے احکام ان پر جاری نہیں کئے جا سکتے۔ چنانچہ بیوی کو ماں کہنے کا حکم سورۂ تحریم میں آئے گا۔ اور لے پالک (منہ بولے بیٹے) کا حکم آگے بیان ہوتا ہے۔ ان دو باتوں کے ساتھ تیسری بات (بطور تمہید و تشریح کے) یہ بھی سنا دی کہ ایسی باتیں زبان سے کہنے کی بہتیری ہیں جن کی حقیقت واقع میں وہ نہیں ہوتی جو الفاظ میں ادا کی جاتی ہے جیسے کسی غیر مستقل مزاج یا دو ملے آدمی کو یا کسی قوی الحفظ اور قوی القلب یا ایسے شخص کو جو ایک وقت میں دو مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو کہہ دیتے ہیں کہ اس کے دو دل ہیں۔ حالانکہ سینہ چیر کر دیکھا جائے تو ایک ہی دل نکلے گا۔ اسی طرح ماں کے علاوہ کسی کو ماں یا باپ کے سوا کسی کو باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے واقع میں وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدوں ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ لہٰذا مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

دل روح حیوانی اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اسی وجہ سے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اگر بالفرض دو دل ہوں تو دو یا ایک دل سے سارے قلبی افعال سرانجام دے گا اس صورت میں دوسرا دل بیکار ہوگا یا دونوں دل

سے ایک ہی کام کرے گا تب بھی دو ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یا ایک دل سے ایک کام اور دوسرے دل سے پہلے کام کے خلاف کام لے گا اس سے افعال قلبی میں کھلا ہوا تناقض پیدا ہو جائے گا۔

ابو معمر فہری: بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص تھا ابو معمر جمیل بن معمر فہری اس شخص کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی کہ جو کچھ سنتا تھا یاد کر لیتا تھا قریش کہتے تھے ابو معمر کا جو حافظہ اتنا قوی ہے اس کی وجہ سواء اس کے اور کچھ نہیں کہ اس کے دو دل ہیں وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں محمد جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ سمجھ تو میرے ہر ایک دل میں ہے میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور بہتر سمجھتا ہوں اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

بدر کے دن جب قریش کو شکست ہوگئی تو ابو معمر بھی بھاگ کھڑا ہوا ایک پاؤں میں جوتی تھی اور دوسری جوتی ہاتھ میں تھی۔ اسی حالت میں ابوسفیان کا سامنا ہو گیا ابوسفیان نے پوچھا ابو معمر لوگوں کا کیا حال ہے۔ ابو معمر نے کہا شکست کھا گئے۔

ابوسفیان نے کہا تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک جوتی پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں ہے ابو معمر نے کہا ارے میں تو دونوں جوتیاں پاؤں میں سمجھا تھا، اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے دو دل نہیں ہیں اگر دو دل ہوتے تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی جوتی کو نہ بھولتا۔

ابن ابی حاتم نے بسند ضعیف سعید بن جبیر اور مجاہد اور عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کو دو دل والا کہا جاتا تھا اسی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن جریر نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباس اور بوساطت قتادہ حسن بصری کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ اس بیان میں اتنا زائد ہے کہ وہ شخص کہتا تھا کہ میرا ایک دل مجھے (کسی کام کو) کرنے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا دل منع کرتا ہے۔

منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک بار) کھڑے ہوئے اس وقت آپ کے دل میں کسی بات کا خطرہ پیدا ہوا منافق جو آپ کے پاس اس وقت موجود تھے کہنے لگے دیکھو اس شخص کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے رفیقوں کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ظہار کا حکم وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الَّٰٓئِي تُظٰهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهٰتِكُمْ دور جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شریعت میں (طلاق نہیں قرار دیا گیا بلکہ) ظہار کرنیوالا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک بیوی سے قربت صنفی کی ممانعت کر دی۔

ظہار کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کو کہہ دے تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ ظہار کے مسائل ہم نے سورۃ مجادلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔

لے پالک بیٹے

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَآءَكُمْ أَبْنَآءَكُمْ کسی کو بیٹا بنانے سے حقیقی بیٹے کے احکام اس پر جاری نہیں ہو جاتے۔ نہ وہ میراث کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نہ اس سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں عرب کے ان جاہلی اقوال کی تردید کر دی گئی ہے کہ دانشمند قوی حافظہ والے کے دو دل ہوتے ہیں، اور ظہار کرنے سے طلاق بائنہ پڑ جاتی ہے، اور عورت شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے اور بنایا ہوا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے میراث کا بھی مستحق بن جاتا ہے اور اس سے نکاح بھی حرام ہو جاتا ہے اور بناوٹی بیٹے کے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں اور حرام ہوتے ہیں (جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی بہن وغیرہ) نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ بن شرحبیل کلبی کو آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ان کا رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا۔ حضرت زید نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی اور رسول اللہ نے ان سے نکاح کر لیا، منافق کہنے لگے کہ محمد نے خود تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور دوسروں کو منع کرتے تھے اس پر آیت اللہ نے نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کی بیوی سہلہ بنت سہل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام جس کو ابو حذیفہ نے بیٹا بنا لیا ہے ہمارے گھر میں آتا ہے اور میں اس وقت ایک کپڑا پہنے ہوتی ہوں ہم سالم کو بیٹا ہی سمجھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جس طرح ایک انسان کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے، اور جس طرح بیوی کو ماں کے مثل کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح منہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمت نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے

(کذا فی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ
پکارو ان کے باپوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں

یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے کسی نے لے پالک بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا یوں شفقت و محبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو آزاد کر کے متبنیٰ کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

ادْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔ یعنی حقیقی باپوں سے ان کا نسب ملاؤ۔

هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ یہی بات اللہ کے نزدیک بڑے انصاف کی ہے۔ اقسط اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن نسبتی زیادتی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ عدل کی زیادتی مراد ہے یعنی کامل سچی بات۔

حضرت زید بن حارثہؓ

بخاری نے حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے ہم زید کو زید بن حارثہ نہیں کہتے تھے بلکہ زید بن محمد کہتے تھے یہاں تک کہ آیت ادْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (اس کے بعد ہم زید بن حارثہ کہنے لگے) (تفسیر مظہری)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ
پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ تو تمہارے بھائی ہیں
فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ
دین میں اور رفیق ہیں

یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہر حال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو فرمایا۔ انت اخونا و مولانا (تفسیر عثمانی)

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ
اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

بھول چوک معاف ہے:

یعنی بھول کر یا نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں۔ ہاں ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانتے ہوئے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد وابوداؤد وابن ماجہ۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ بتایا یا کسی (آزاد کردہ غلام) نے اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف اپنا مولیٰ ہونے کی نسبت کی اس پر قیامت کے دن تک اللہ کی مسلسل لعنت۔ رواہ ابوداؤد۔ سیوطی نے اپنا یہ حدیث صحیح ہے۔

مسئلہ امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر کسی آقا نے اپنے غلام کو جو عمر میں آقا سے کم ہو یا زیادہ یہ بات کہہ دی کہ یہ میرا بیٹا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا اور آقا کے کلام کو درست قرار دینے کے لئے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گویا آقا نے جو غلام کے متعلق کہا یہ میرا بیٹا ہے اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ یہ آزاد ہے سبب بول کر مجازاً مسبب مراد لیا جا سکتا ہے سوت (بیٹا ہونا) آزادی کا سبب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اپنے محرم قرابتدار کا (وراثۃً یا خریدنے کے بطور ہبہ) مالک ہو گیا تو وہ محرم آزاد ہو جائے گا۔ رواہ احمد واصحاب السنن۔ (تفسیر مظہری)

مجتہد کی خطاء

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا صحیح بخاری شریف میں ہے جب حاکم اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت کو پہنچ جائے تو اسے دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو ان کی خطائیں بھول چوک اور جو کام ان سے زبردستی کرائے جائیں ان سے درگزر فرما لیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے

مؤمن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

مؤمن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوئے۔ بنابریں مؤمن (من حیث مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اگر اس

روحانی تعلق کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل سچا ہوگا۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت ہذا النبی اولی بالمؤمنین الخ کے ساتھ وھو اب لھم کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی۔ لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ کا اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان دہکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں اور اگر نبی حکم دے دے تو فرض ہو جائے۔ ان کے حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے

یعنی مومنوں کو جو تعلق ایک دوسرے کے ساتھ ہے ان سب سے زیادہ نبی کا مومنوں سے تعلق ہے اسی تعلق کی وجہ سے نبی کا حکم مومنوں پر نافذ ہے اور پیغمبر کی اطاعت سب پر واجب ہے ماں باپ کا حکم بھی اگر نبی کے حکم کے خلاف ہو تو اس کی مخالفت بھی لازم ہے پس پیغمبر کو نبی جہاد پر بھیجنے اور راہ خدا میں جان خرچ کرنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے

حضرت ابن عباس اور عطاء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب نبی کسی کو کسی کام کی دعوت دیں اور اس کا نفس کسی دوسری بات کا خواہش مند ہو تو نفس کی اطاعت سے نبی کی اطاعت اولیٰ ہے کیونکہ نبی تمام مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے بوحی الٰہی خوب واقف ہیں نبی مومنوں کے لئے اسی بات کو پسند کرتے اور اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس میں مومنوں کی بہبودی اور کامیابی ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

انسان کا نفس ہمیشہ بدی کا حکم دیتا ہے سوا اس کے جس پر اللہ کا کرم ہو انسان کا نفس بڑا ناحق کوش اور بہت ہی نادان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مومنوں کو اللہ کے رسول کی محبت اپنے نفسوں سے بھی زیادہ ہو اور اللہ کے رسول کا حکم نفس کی حکومت پر غالب ہو اور رسول خدا کی مومنوں پر شفقت اتنی ہو کہ خود ان کی اپنے نفوس پر نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اس کی نظر میں اس کے باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیہما عن انسؓ۔

مؤمن دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مومن سے دنیا و آخرت میں میرا تعلق سب سے زیادہ ہے اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو آیت پس جو مومن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے مال کے وارث اس کے عصبات ہوں گے جو بھی ہوں۔ اور جو مومن نادار بیوی بچوں کو چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آ جائیں میں ان کا متولی ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ

اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں

ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں:

یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم و احترام میں اور بعض احکام میں جو ان کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، یعنی ان کا حق (ماؤں کی طرح) بڑا ہے ان سے ہمیشہ کے لئے (ہر مومن کا) نکاح حرام ہے یہ مطلب نہیں ہے جس طرح ماؤں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیبیوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ امہات المومنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ اللہ نے فرمایا ہے وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ اگر امہات المومنین سے تم کو کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔

امہات المومنین کی دیگر رشتہ دار:

امہات المومنین کی بیٹیوں کو امت کی بہنیں نہیں کہا جاتا، نہ اس کے بہن بھائی امت کی خالائیں اور ماموں ہیں (نہ ہی رشتہ نہیں ہے) امام شافعیؒ نے فرمایا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسماءؓ سے نکاح کیا اور اسماء حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مومنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لڑکیوں کا نکاح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے کیا تھا (اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی صاحبزادیاں امت کی بہنیں ہوتیں تو ان سے کسی کا نکاح نہیں ہوتا)۔

ازواج مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے

شعبی نے مسروق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ کو اماں کہا، آپ نے فرمایا، میں تمہاری ماں نہیں ہوں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔ بیہقی نے سنن میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی طرح ازواج مطہرات سے امت کا نکاح حرام ہے۔ حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں آیا ہے وازواجہ امھٰتھم وھو اب لھم یعنی رسول اللہ مومنوں کے دینی باپ تھے ہر پیغمبر اپنی امت کا دینی باپ ہوتا ہے۔ سب کی ابدی زندگی کی جڑ پیغمبر ہی ہوتا ہے اسی لئے سب مومن آپس میں دینی بھائی قرار دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا
سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہیے رفیقوں سے احسان

نسبی رشتہ داری:

حضرت کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے ان مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعدہ مہاجرین کے دوسرے قرابتدار مسلمان ہو گئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اس بھائی چارہ سے مقدم ہے میراث وغیرہ رشتہ ناطے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

دینی اخوۃ وموالات کی بنیاد پر وراثت منسوخ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں من تفصیلیہ ہے ابتداء اسلام میں مہاجر مہاجر کا وارث ہوتا یا دینی موالات (انصار و مہاجرین کی اخوت دینی) موجب میراث تھی اس آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا (اور دوسرے مہاجرین و مومنین کے مقابلہ میں قرابتدار اپنے قرابت دار کی میراث کا مستحق قرار دیا گیا) قتادہ نے کہا مسلمان ہجرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے (بغوی) کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہم رشتہ اخوت قائم کرا دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیتے تھے آخر یہ آیت نازل ہوئی (تو پچھلا دستور منسوخ ہو گیا)۔ (تفسیر مظہری)

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا
یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا

یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہا۔ یا تورات میں بھی ہوگا یا "کتاب" سے "لوح محفوظ" مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
اور جب لیا ہم نے نبیوں سے ان کا قرار اور تجھ سے
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى
اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے
ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا
جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے ان سے گاڑھا قرار

انبیاء سے میثاق یعنی یہ قول و قرار کو ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا۔ "آل عمران" میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر ان کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے، یہاں اشارہ کر دیا کہ یہ درجہ نبیوں کو اس لئے ملا کہ ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اکیلے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف و رجاء نہ رکھنا۔ پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولوالعزم پیغمبر کہلاتے ہیں۔ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام لیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حالانکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

عہد کس وقت لیا گیا

یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب پشت آدم سے سب کو برآمد کیا گیا تھا۔ اللہ نے سب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے دوسروں کو بھی اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دیں گے اپنی اپنی امت کے بہی خواہ رہیں گے اور ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔

میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا

النَّبِيّٖنَ کا لفظ تمام انبیاء کو شامل ہے سب ہی پیغمبر اس میں آ گئے لیکن اس کے بعد چند پیغمبروں کا نام بنام خصوصی تذکرہ اس لئے کیا کہ یہ پیغمبر اولوالعزم تھے ان پر

کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے تھے ان کو الگ الگ مستقل شریعتیں دی گئی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے دوسرے پیغمبروں کے ذکر سے پہلے آپ کا ذکر (بطور خطاب) کیا گیا اس تقدیم ذکر سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ پیدائش کے آغاز کے لحاظ سے سب لوگوں سے مقدم ہوں اور بعثت و نبوت کے لحاظ سے سب سے پیچھے (آیا ہوں) رواہ سعد عن قتادہ مرسلاً۔ لکن رواہ البغوی عن قتادہ عن الحسن عن ابی ہریرۃ متصلاً (بروایت بغوی) قتادہ نے (حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد) کہا یہ بھی (مضمون) سے آیت وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ الخ اس میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نوح ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ سے پہلے کیا ہے۔

ابن سعد نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں میسرہ فجر بن سعد کی وساطت سے بروایت ابو الجدعاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت نبی تھا جب آدم روح اور جسم کے درمیان (مشائش میں) تھے۔

مِيْثَاقًا غَلِيْظًا پکا وعدہ۔ عظیم الشان عہد۔ یا وہ وعدہ جس کو ایمان کے ساتھ پختہ کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

لِيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ
[illegible] اور تیار رکھا ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚ
[illegible]

میثاق کا مقصد: یعنی قول و قرار سے مطلق دن پیغمبروں کی زبانی اپنے احکام خلق کو پہنچائے اور حجت تمام کر دے تب ہر ایک سے پوچھ پاچھ کرے گا، تاکہ سچوں کا سچائی پر قائم رہنا ظاہر ہو اور منکروں کو سچائی سے انکار کرنے پر سزا دی جائے۔ آگے جنگ احزاب کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے سچے پیغمبر اور مومنین اور ان کے بالمقابل جھوٹے منافقوں اور منکروں کے کچھ احوال اور ان کے ظاہری ثمرات و نتائج ذکر کئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایسا کرنے کی غرض یہ تھی کہ انبیاء صادقین سے دریافت کیا جائے گا کہ تم نے اپنی اپنی امتوں سے کیا کہا تھا یا کافروں کو ذلیل کرنے اور لاجواب بنانے کے لئے کافروں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی یا انبیاء کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے متعلق پوچھا جائے گا (کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی) کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے یا ان مومنوں سے جنہوں نے اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا تھا ان کے صدق کی بازپرس ہوگی یہاں تک کہ ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ
اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا
عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
اپنے اوپر جب چڑھ آئیں تم پر فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ
ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں

غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد

یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رعب ڈال رہی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

جُنُوْدٌ سے مراد ہیں کفار قریش۔ بنی غطفان اور قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی جن کی مجموعی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی، مدینہ کے مسلمانوں کا ان سب نے آکر محاصرہ کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھدوائی تھی۔

رِيْحًا یہ پروا ہوا تھی، موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی پروا ہوا کا ایک طوفان آیا جو انتہائی سرد تھا جس کی وجہ سے ڈیروں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں رسیاں ٹوٹ گئیں آگ (جو حملہ کرنے والوں نے اپنی فرودگاہ میں کھانا پکانے اور تاپنے کیلئے روشن کر رکھی تھی) بجھ گئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے۔

جُنُوْدًا یعنی ملائکہ کا لشکر (جو غیبی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اور) جو لشکر کے گرد اگرد تکبیر کی آوازیں بلند کر رہے تھے کافروں پر رعب چھا گیا خوف زدہ ہو گئے ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا جب سب آ گئے تو کہا جلد بھاگو جلد بھاگو نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس روز فرشتوں نے لڑائی میں حصہ نہیں لیا تھا صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝
اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

غزوۂ خندق کا مختصر حال

ہجرت کے چوتھے پانچویں سال یہودی بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے

(اُس کا ذکر سورۂ حشر میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور ابھار اکسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے سازوسامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چور تھا۔ یہودی قبیلہ جس کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن یہودی کی ترغیب وتربیت سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد ان دغاباز منافقوں کی تھی جو سخت کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا علہ کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ مگر عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور اُس کے سالار اعظم اُس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت انگیز قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے، اور کہتے نحن الذین بایعوا محمداً علی الجهاد مابقینا ابداً اُدھر سرکار محمدی سے جواب ملتا اللّٰهُمَّ لا عیش الا عیش الاخرة فاغفر للانصار والمهاجرة خندق تیار ہو گئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جما دیئے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں درمیان میں خندق حائل تھی۔ باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دُور سے تیر اندازی ہوتی رہی اور گاہ گاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدان مبارزۃ میں بھی دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط و محفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی پامردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت و مدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود الاشجعی کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہودی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی، اُدھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیبی رعب لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا، پرا ہوا سے ریت اور منکریرے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، دیگچے رمین پر جا پڑے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہو گیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اُٹھ کر بے نیل و مرام واپس چل دیئے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا یہ جنگ احزاب کہلاتی ہے اور "جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں گھر کر لڑائی لڑنا یہ وہ حالات تھے جن میں منافق دل کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا اور (اے مسلمانو) تم جو (لڑائی کی تیاری خندق کی کھدائی) کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

امداد کی ہوا اور ہلاکت کی ہوا

بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، روا ہوا سے میری مدد کی گئی اور پچھی سوا سے قوم عاد کو تباہ کیا گیا۔

غزوۂ خندق کب پیش آیا:

غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال ۴ھ میں ہوا مواہب لدنیہ کے مصنف نے یہی لکھا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کو اس کا راوی کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تھا ان کی جلاوطنی سے آٹھ ماہ کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔ بنی نضیر مدینہ سے نکل کر اطراف ملک میں گھومتے پھرے، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب ربیع الاول ۷ھ میں خیبر میں پہنچے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول یا اس کے کچھ بعد کا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق کا واقعہ ہوا (کذا قال محمد بن اسحاق)۔ (تفسیر مظہری)

مشہور پہلوان کا قتل۔

عمرو بن عبدود عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا ساتھ ہی بہادر دیوث اور قوی تھا ایک مرتبہ بہت سے اپنے ساتھ چند جاں باز بہادروں کو لے کر خندق سے ایسے گھوڑوں کو کدا لایا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا، لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلہ پر جاؤ۔ آپؓ گئے تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر شیر خدا نے کفر کے اس دیو کو تہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا:

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے بریدہ بن رومان نے (جو خاندان زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے) عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور عبداللہ بن کعب بن مالک اور زہری اور عاصم بن عمرو بن قتادہ نیز عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور محمد بن کعب قرظی کا بھی بیان ہے

اور یہ تمام روایات باہم ملتی جلتی ہیں (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ) یہودیوں کی ایک جماعت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قبائل عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لانے والے سلام بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ھوذہ بن قیس اور ابو عامر الوائی شامل تھے اور بنی نضیر و بنی واکل کے لوگوں کی کچھ تعداد بھی ساتھ تھی مدینہ سے نکل کر مکہ میں قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کرنے میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قریش نے جواب دیا، اے گروہ یہود تم اہل علم ہو۔ تمہاری کتاب سابق ہے، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی اختلاف ہے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا مذہب بہتر ہے یا محمد کا یہودیوں نے جواب دیا تمہارا مذہب بہتر ہے تم حق پر ہو انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ ... وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا

یہودیوں کا یہ فیصلہ سن کر قریش خوش ہو گئے اس کے بعد یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے قبیلہ غطفان، قیس بن غیلان کی ایک شاخ تھی ان کو بھی وہی دعوت دی جو قریش کو دی تھی اور ان سے بھی کہا ہم تمہارے ساتھ شریک رہیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش سے ہمارا اس پر معاہدہ ہو چکا ہے قریش نے مان لیا ہے یہ سن کر قبیلہ غطفان نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی نضیر اور بنی وائل کے تقریباً بیس آدمیوں کی جماعت قریش کے پاس گئی ابوسفیان نے ان کو خوش آمدید کہا اور یہ بھی کہا، تم سب سے زیادہ ہمارے منظور نظر ہو تم نے محمد کے خلاف ہم سے معاہدہ کیا ہے یہودیوں نے ابوسفیان سے کہا قبیلہ قریش میں سے تم پچاس آدمی منتخب کر لو اور تم بھی ان کے ساتھ شامل رہو پھر ہم تم سب مل کر کعبہ کے پردوں کے اندر گھس کر کعبہ کی دیواروں سے سینہ چٹا کر اس بات کی قسمیں کھائیں کہ محمد کی عداوت پر ہم سب متفق اور یک زبان رہیں گے ہم باہم عہد کریں کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد سے لڑتے رہیں گے، حسب مشورہ سب نے یہ معاہدہ کر لیا۔

یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ

قریش سے معاہدہ کرنے کے بعد یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارا اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو خیبر کے درختوں پر پھل ایک سال یا چھ ماہ تک آئیں گے وہ سب ہم تم کو دے دیں گے (یعنی تحلستان خیبر کی پوری فصل یا آدھی فصل تمہاری ہو گی) قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصین فزاری نے شرط مذکور پر یہودیوں کی بات مان لی اور بنی اسد میں سے جو عیینہ کے حلیف (معاہد) تھے ان کو بھی بلوا لیا۔

لشکروں کی روانگی

اس کے بعد قریش کو لے کر ان کا کمانڈر ابوسفیان بن حرب اور بنی غطفان کو مع بنی فزارہ کے لے کر ان کا قائد عیینہ بن حصین بن حذیفہ بدر اور بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف بن ابی حارثہ اور بنی اشجع میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسعر بن رخیلہ بن نویرہ بن طریف نکل کھڑے ہوئے۔

ابوسفیان نے چار ہزار کا لشکر جمع کیا اور اس لشکر کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کو دیا مکہ سے برآمد ہونے کے وقت اس کے لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر مکہ سے چل کر مرالظہران پہنچ کر اتر پڑا اسی جگہ بنی اسلم بنی اشجع بنی مرہ بنی کنانہ بنی فزارہ اور بنی غطفان کے لشکر آ پہنچے یہ ساری فوج دس ہزار ہو گئی مرالظہران سے روانہ ہو کر سب مدینہ کو چل دیئے۔ (چونکہ مختلف جماعتیں اور گروہ اس لشکر میں شامل تھے) اسی لئے اس جنگ کا نام غزوۂ احزاب ہو گیا۔

مسلمانوں کے انتظامات

بغوی نے لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے جمع ہونے اور معاہدہ کر کے چلنے کی خبر سنی تو مدینہ کے باہر آپ نے ایک خندق کھدائی۔ خندق کھدوانے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔

حضرت سلمان اس زمانہ میں آزاد تھے (غلام نہیں تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر شریک معرکہ ہونے کا آپ کے لئے پہلا موقع تھا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب فارس میں تھے اور دشمن ہمارا محاصرہ کر لیتا تھا تو ہم اپنے گرد اگرد خندق کھود لیا کرتے تھے (دشمن کی پیش قدمی روکنے کی یہ تدبیر تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو مان لیا اور خندق کو مضبوط کر دیا۔

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کے متفق ہو کر چڑھائی کرنے کی خبر سنی تو فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی ہمارا اچھا کارساز ہے، پھر آپ نے مہاجرین و انصار کے سرداروں کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا، حضرت سلمان نے خندق کھدوانے کا مشورہ دیا، حضور نے یہ مشورہ پسند فرمایا، مدینہ (کے انتظام) پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا جانشین بنایا اور خود جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے تین ہزار مہاجر اور انصار آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت زید بن حارثہ کو مہاجرین کا اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کا جھنڈا عطا فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت (صرف) ۳۶ گھوڑے تھے۔ کچھ نابالغ لڑکے بھی جہاد میں شریک ہوئے کہ جنہیں آپ کے ساتھ لگنے آپ نے پندرہ سال سے کم عمر کے لڑکوں کو واپس کر دیا اور پندرہ سال کی عمر کے لڑکوں کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ابن بالغوں میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت زید بن ثابت حضرت ابوسعید خدری اور حضرت براء بن عازب بھی تھے پھر حضور خندق کھدوانے کے لئے مدینہ کے گرد اطراف میں حد تلاش دائی آخر کوہ سلع کے قریب ایک حد مقرر کر دی گئی ــــ پہاڑ کو لشکر کے عقب میں رکھا گیا اور خندق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خط کھینچ دیے۔

خندق کے کام کی تقسیم

حوالی سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمرو بن عوف کے والد نے بیان کیا کہ جب احزاب کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لائنیں ڈالی تھیں اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز (شرعی نہیں چالیس ہاتھ) زمین (کھودنے کے لئے) کاٹ دی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے مہاجرین و انصار کے درمیان حضرت سلمان کے متعلق کچھ اختلاف ہو گیا، مہاجرین نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا سلمان ہمارے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم میں سے یعنی ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک سخت چٹان

عمرو بن عوف نے فرمایا، میں اور سلمان اور حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی اور چھ انصاری چالیس گز میں کھودنے میں شریک تھے چنانچہ ہم نے کھودنا شروع کر دیا اچانک تمام حد خندق کے اندر ایک سخت ترین چٹان آ گئی جس کو توڑنا ہمارے لئے سخت دشوار ہو گیا اسی سخت چٹان تھی کہ ان نے ہمارے کدالوں کے اور اوزاروں کو توڑ دیا میں نے کہا سلمان تم اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس چٹان کی کیفیت بتاؤ، حضور مناسب سمجھیں گے تو ہم اس پتھر کی طرف سے خود ہی کارروائی کر لیں گے، ہمارے کام قریب ہی ہے باجو بھی حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اے ہمارے خط بنا ہم نہیں چاہتے سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ اس وقت ترکی خیمہ کے نیچے فروکش تھے۔ سلمان نے کہا یا رسول اللہ خندق کے اندر ایک سخت صفید چٹان نکل آئی جس نے ہمارے آہنی اوزار کو توڑ ڈالا ہمارے لئے سخت دشواری ہو گئی کچھ بھی تو ان پر اثر نہیں ہوتا اور ہم نے یہ حکم دیا ہے کہ اے حضور کا یا حکم ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈالے ہوئے خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے۔

چٹان سے روشنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہ سن کر) اٹھ کھڑے ہوئے اور (سلع) خندق کے اندر آئے۔ سلمان بھی ساتھ تھے اور خندق کے اندر آدمی اور تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی اور وہ پتھر میں سے گاف ہو گیا اور تھر سے ایک ایسی چمک نکلی جس سے مدینہ کے دونوں مارے روشن ہو گئے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک ترین کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر فتح کہی مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اس کے بعد آپ نے دوسری بار ضرب لگائی پتھر ٹوٹ گیا اور ایک کلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں کنارے چمک اٹھے۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو، حضور نے تکبیر فتح کہی اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا حضور نے پھر تیسری بار ایک ضرب لگائی پھر سلمان کا ہاتھ پکڑ کر اوپر چڑھ آئے۔

فتوحات کی پیشن گوئی

سلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں نے (آج) ایک بات دیکھی جو کبھی نہیں دیکھی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا تم نے دیکھا سلمان کیا کہہ رہے ہیں صحابہ نے عرض کیا جی ہاں (صحیح کہہ رہے ہیں) فرمایا میں نے پہلی ضرب جو ماری تھی اور تم نے اس سے بجلی پیدا ہوتی دیکھی تھی اس کی روشنی میں میرے (یعنی شاہان عراق کے جس کی تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات اور کسریٰ کی (تخت گاہ) مدائن میرے سامنے آ گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کتوں کے کلیجے دانت ہیں جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت وہاں (یعنی حیرہ اور مدائن) تک جا لب آئے گی۔ پھر میں نے دوسری ضرب لگائی جس سے بجلی کوندی تم نے دیکھی اس کی چمک میں میں نے رومی سرخوں کے محلات، کچھ لئے جیسے کتوں کے کلیجے دانت اور جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان محلات پر قابض ہو جائے گی تم داں کی خوشخبری دیتا ہوں کہ امن لڑ مسلمانوں کے چہرے کھل گئے اور سب نے کہا ہر ستائش اسی اللہ کے لئے ہے جس کا وعدہ سچا ہے اس نے محصور ہونے کے بعد ہم سے فتح کا وعدہ کیا۔

منافقوں کے دل کا کھوٹ

منافق کہتے تھے دیکھو کیا تمہارے لئے یہ بات اچنبھے کی نہیں ہے کہ محمد تم کو آرزو منڈ لوں میں تم سے جھوٹے وعدے کر رہے ہیں اور تم کو فریب دے رہے ہیں کہ پڑ سے حیرہ کے محلات اور کسریٰ کا مدائن ان کو دکھائی دے رہے ہیں اور ان سب پر تمہارا قبضہ ہو رہا ہے اور تم کو اس طاقت آپ میں کہ میدان میں نکل کر مارے خندق کھودتے وقت ہماری کمزوری سے اس پر آیت ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا، قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ الخ۔

حالات کی سختی

بخاری نے صحیح میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے صبح سردی کی تھی مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے، غلام خادم ان کے پاس یہ کام کرنے کے لئے تھے نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن کو ملاحظہ کیا تو فرمایا۔

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ صحابہ نے اس (شعر) کے جواب میں کہا۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہی تو ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے جب تک زندہ ہیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا، جنگ احزاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کی مٹی نکال رہے ہیں اور غبار کی وجہ سے شکم مبارک کی جلد گرد آلود ہو کر چھپ گئی ہے حضور کے پیٹ پر بال بہت تھے آپ مٹی ڈھونے میں ابن رواحہ کے یہ شعر بطور رجز کے پڑھ رہے تھے اور شعر کے قافیہ پر آواز کو کھینچتے تھے (یعنی کھینچ کر ادا کرتے تھے)۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہو تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَكِیْنَةً عَلَیْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

ہم پر طمانیت خاطر نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھ۔

اِنَّ الْاُلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

انہی لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب انہوں نے فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ہم نے انکار کر دیا۔ دوسری روایت میں پہلا مصرع اس طرح آیا ہے۔

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَیْنَا

حضرت سلمانؓ کو نظر لگنا

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے خندق میں دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ تنہا پانچ ہاتھ گہرا اور پانچ ہاتھ لمبا چوڑا خندق روز کھودتے تھے۔ قیس بن ابی صعصعہ کی نظر آپ کو لگ گئی اور بیہوش ہو کر گر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو حکم دیا کہ کسی برتن میں وضو کرو اور اس پانی سے سلمان کو غسل دو پھر اس برتن کو اپنی پشت کی طرف اوندھا کر کے پھینک دو حکم کی تعمیل کی گئی اور حضرت سلمان اچھے ہو گئے۔

حضرت عبداللہ کی طرف سے دعوت کا انتظام:

بخاری نے صحیح میں نیز امام احمد نے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا ہم خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے خندق کھودتے میں ایک بہت سخت پتھر آ گیا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا پہاڑ کا یہ سخت پتھر سامنے آ گیا (اب کیا کیا جائے) فرمایا میں خود اندر اتروں گا یہ فرماتے ہی کھڑے ہو گئے اس وقت فاقہ کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا، تین روز سے ہم کو بھی کوئی چیز چکھنے تک کو نہیں ملی تھی، حضور نے کدال ہاتھ میں لے کر پتھر پر ضرب لگائی، پتھر ریزہ ریزہ ریگ رواں کی طرح ہو گیا پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے گھر جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے، اجازت لے کر میں گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے مجھ سے یہ دیکھ کر صبر نہ ہو سکا کیا تمہارے پاس کچھ ہے بیوی ایک تھیلا نکال کر لائی جس میں چار سیر جو تھے ہمارا ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ بھی تھا میں نے اس کو ذبح کیا اور بیوی نے آٹا گوندھا جتنی دیر میں میں فارغ ہوا وہ بھی فارغ ہو گئی پھر میں گوشت ٹکڑے کر کے ہانڈی میں ڈالے اتنے میں گوندھا ہوا آٹا لس پا کر ٹھیک ہو گیا، گوشت کی ہانڈی پتھروں کے چولہے پر چڑھا دی جب ہانڈی پک چکنے کے قریب ہو گئی تو میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ

بیوی نے مجھ سے کہہ دیا کہ (زیادہ آدمیوں کو لا کر) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا خدمت گرامی میں پہنچ کر میں نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کر دیا اور کہہ دیا یا رسول اللہ بہت تھوڑا کھانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اور ایک یا دو آدمی اور بھی ساتھ لے لیں فرمایا کتنا کھانا ہے، میں نے بتا دیا فرمایا، بہت ہے پاکیزہ ہے تم بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے (یعنی نہ پکائے) پھر آواز دے کر فرمایا، خندق والو، جابر نے تمہارے لئے کچھ کھانا تیار کیا ہے اور تمہاری دعوت کی ہے جلدی چلو، میں نے اپنی بیوی سے جا کر کہا، اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر آ رہے ہیں (اب کیا ہو گا) بیوی نے کہا اللہ کا حکم تمہارے متعلق یہی ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے (کھانے کی مقدار بھی) دریافت کی تھی، میں نے کہا ہاں بیوی نے

کہا تو اللہ اور رسول (ہماری حالت کو) خوب جانتے ہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آئے اور صحابہ سے فرمایا تم بھی اندر آ جاؤ لیکن بھیڑ نہ کرنا کسی کو دبانا نہیں، میں نے گوندھا ہوا آٹا لا کر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں تھوتھو کر دیا اور برکت کی دعا کی پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں تھوتھو کیا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا جابر پکانے والی کو بلاؤ وہ آ کر پکانا شروع کرے اور تم ہانڈی سے سالن نکالو لیکن ہانڈی کو نیچے نہ اتارنا، حضور خود روٹی کے ٹکڑے کرنے لگے اور روٹی پر گوشت رکھنے لگے مگر اس مدت میں ہانڈی کو اور چولہے کو ڈھانکے رکھا نکالتے جاتے تھے اور صحابہ کی طرف بڑھاتے جاتے تھے پھر نکالتے تھے اور صحابہ کو دیتے تھے یہاں تک کہ ایک ہزار آدمی تھے سب سیر ہو گئے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے اتنا کھایا کہ کھاتے کھاتے چھوڑ دیا اور رخ موڑ کر چل دیئے لیکن ہانڈی میں ویسا ہی ابال آتا رہا جیسا آ رہا تھا اور روٹی بھی برابر پکتی ہی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اب تو بھی کھا لے اور دوسرے لوگوں کو بھی بھیج دے لوگ سخت بھوکے ہیں چنانچہ ہم کھانے لگے اور دن بھر دوسروں کو بھی بھیجتے رہے میں کہتا ہوں صحیح روایت میں آیا ہے کہ خندق کھودنے سے صحابہ چھ روز میں فارغ ہوئے تھے۔

کافروں کی چڑھائی:

بغوی نے (اس کے بعد) لکھا ہے اب ہم پھر اس اسحاق کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق (کی تکمیل) سے فارغ ہو چکے تھے کہ قریش اپنے احابیش اور دوسرے اہل تہامہ کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد میں آ کر مجمع الاسیال میں فروکش ہو گئے اور بنی غطفان اپنے نجدی ساتھیوں کے ساتھ کو واحد کے ایک جانب قمی کے پچھلے حصہ میں اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ برآمد ہوئے اور کوہ سلع کو اپنی پشت پر لے کر حضور نے اپنی لشکر گاہ بنائی خندق آپ کے اور دشمنوں کے درمیان حائل تھی مسلمانوں نے حسب الحکم بچوں اور عورتوں کو پہاڑیوں کے اوپر پہنچا دیا۔

کعب بن اسد کی عہد شکنی

دشمن خدا حیی بن اخطب نضیری اپنے مقام سے اٹھا اور کعب بن اسد قرظی کی طرف چل دیا کعب نے بنی قریظہ کی طرف سے اپنی قوم کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امن کا) معاہدہ کر لیا تھا اور مصالحت کر لی تھی اس لئے حی کے لئے اس نے اپنی گڑھی کا دروازہ نہیں کھولا، کھولنے سے صاف انکار کر دیا حی نے ہر چند دروازہ کھلوانے کی استدعا کی لیکن کعب ہرگز نہ مانا اور کہنے لگا حی یہ بڑی بدبختی ہے میں محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں اپنا معاہدہ ہرگز نہیں توڑوں گا محمد کی طرف سے میں نے ہمیشہ عہد کی پابندی اور سچائی ہی پائی ہے اس لئے میں بھی نقض عہد کرنے والا نہیں۔ حی نے کہا دروازہ تو کھولو میں تم سے بات کروں گا، کعب نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حی نے کہا کعب تم مجھے باہر چھوڑ کر دروازہ بند کئے بیٹھے ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم کو اندیشہ ہے کہ اگر میں اندر آ جاؤں گا تو تمہارے ساتھ حصہ بانٹ کر لوں گا کعب کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور (جوش میں آ کر) دروازہ کھول دیا حی اندر آ گیا اور کہا کعب میں زمانہ بھر کی عزت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں لہریں مارتا ہوا ایک سمندر چڑھا لایا ہوں۔ میں نے قریش کو ان کے کمانڈروں اور سرداروں کے ساتھ لا کر وہ مرۃ الجندل کے مقام مجمع الاسیال میں اتار دیا ہے اور بنی غطفان کو ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ لا کر کوہ احد کے ایک پہلو پر قمی کے پچھلے حصہ میں شام کو پڑاؤ ڈلوا دیا ہے ان سب نے مجھ سے معاہدہ اور پختہ وعدہ کر لیا کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے یہاں سے نہیں ہٹیں گے کعب بن اسد نے کہا خدا کی قسم تم ابدی ذلت لے کر آئے یہ ایک ایسا بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہے اب اس میں سوا گرج اور چمک کے اور کچھ بھی نہیں ہے تم محمد کے سلسلہ میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے محمد کی طرف سے سوا سچ اور پابندی عہد کے کبھی غداری نہیں دیکھی حی بن اخطب کعب کو برابر اتار چڑھاؤ اور فریب دیتا رہا یہاں تک کہ حی نے کعب کے سامنے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ اگر قریش محمد پر کامیابی حاصل کئے بغیر واپس چلے گئے تو تمہاری اس گڑھی کے اندر میں بھی آ بسوں گا تاکہ جو دکھ تم کو پہنچے اس میں تمہارا شریک رہوں تو آخر کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور پابندی عہد جو اس پر لازم تھی اس سے الگ ہو گیا۔

اطلاعی رسالہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اشہلی سردار اوس اور سعد بن عبادہ ساعدی سردار خزرج اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی اور خوات بن جبیر عمری کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا اور فرمایا تم لوگ جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع مجھے ملی کیا وہ صحیح ہے اگر خبر صحیح ہو تو آ کر ایسے الفاظ میں مجھے اطلاع دینا کہ میں سمجھ جاؤں (ایسا نہ کرنا کہ عام لوگوں کے سامنے اعلان کر دو جس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور) لوگوں کے بازو نہ توڑ دینا اور اگر وہ ہم سے لئے ہوئے سابق معاہدہ پر قائم ہوں تو پھر علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو مذکور بالا حضرات حسب الحکم گئے یہودیوں کے پاس پہنچے اور جو خبر ان کے متعلق ملی تھی اس سے زیادہ بگڑی ہوئی حالت پر ان کو پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ بالکل ہی برگشتہ ہو گئے تھے اور صاف کہہ دیا تھا اب ہمارا اور محمد کا کوئی معاہدہ نہیں حضرت سعد بن عبادہ کے مزاج میں تیزی تھی آپ نے یہودیوں کو

بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، حضرت سعد بن معاذ نے کہا۔ سعد بن عبادہ ان سے گالی گلوچ چھوڑ دو۔ ہمارا ان کا معاملہ اب اس سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

صورت حال کی شدت:

اس کے بعد دونوں سعد اور ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا لادماغ مرض ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ غداری بہت سخت ہے الذا کہرائے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو۔ غرض (صحابہ کے لئے) سخت مصیبت آ پڑی اور سخت حوف کا وقت آ گیا دشمنوں نے اوپر (گڑھی کی طرف) سے اور نیچے (خندق کے پار کفار) کی طرف سے گھیر لیا مسلمانوں کے دلوں میں بھی برے برے خیالات آنے لگے،

منافقوں کا خوف:

بعض منافقوں کی طرف سے تو اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ یہاں تک کہ کعب بن قشیر عمری نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ محمد ہم سے تو وعدہ کر رہے ہیں کہ تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھاؤ گے لیکن ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع ضرورت کے لئے جنگل کو بھی نہیں جا سکتا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض فریب ہے۔

اوس بن قیظی (منافق) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں کوئی نگہبان نہیں اور گھر شہر کے باہر ہیں آپ ہم کو اجازت دے دیجئے کہ واپس گھروں کو چلے جائیں (اس شخص نے یہ بات غلط کہی تھی) ان لوگوں کے گھروں کی نگہبانی انہیں کے قبیلہ کے مردوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی:

میں کہتا ہوں کعب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور (نقض عہد پر قائم رہنے کا) پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر بن باطا بن قیس اور عقبہ بن زید وغیرہ شامل تھے اور سب کو نقض عہد کی اطلاع دی یہ خبر سنتے ہی لوگوں نے اس کو سخت ملامت کی اور عہد شکنی کو پسند نہیں کیا اس وقت کعب اپنی حرکت پر پشیمان ہوا لیکن اس وقت پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ تھا اس کے ہاتھ سے باگ ڈور نکل چکی تھی اللہ نے اسی سبب سے بنی قریظہ کو تباہ کر دینا چاہا۔

حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ہے جو جا کر بنی قریظہ کی خبر مجھے لا کر دے ارشاد گرامی سن کر میں روانہ ہو گیا اور واپس لوٹ کر بنی قریظہ کی خبریں حضور کو پہنچائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلام میں اپنے ماں اور باپ دونوں لفظ فرمائے۔

میں کہتا ہوں حضرت زبیر کا بنی قریظہ کی طرف جانا، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے واپس آ جانے کے بعد ہوا تھا (یعنی پہلے خبر کی تحقیقات کے لئے حضرت سعد وغیرہ کو بھیجا گیا جب وہ تحقیق خبر کے بعد واپس آ گئے تو حضرت زبیر کو بنی قریظہ کی تیاری کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر جب بنی قریظہ کی طرف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اطلاع دی کہ وہ لوگ قلعوں کو درست کر رہے ہیں راستے اور سرحدیں بند کر رہے ہیں چوپایوں کو مویشیوں کے اندر جمع کر رہے ہیں۔ حضور اقدس نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص دوست ہے) زبیر ہے۔

صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند حوصلے:

ہوی نے لکھا ہے کہ پچھلے اوپر بیس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ میں اور مشرک اپنے پڑاؤ پر قائم رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی سوا، تیر یا پتھر پھینکنے کے کسی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے بنی غطفان کے دو سرداروں یعنی عیینہ بن حصین اور ابو الحارث بن عمرو کو پیام صلح دے کر بلوایا اور ان سے فرمایا تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے آؤ کہ تم کو مدینہ کے نخلستانوں کی کل پیداوار (یعنی کھجوروں) کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا۔ وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے تحریر لکھ دی گئی لیکن ابھی دستخط ہونا باقی تھا کہ حضور نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اس کا تذکرہ کیا اور مشورہ طلب کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایسا کرنے کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے (اگر ایسا ہے) تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے یا آپ نے خود یہ تدبیر مناسب سمجھی ہے اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں (تب بھی ہمارے لئے مجبوری ہے) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدے کے لئے ایسا کرنا چاہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کوئی وجہ نہیں صرف تمہارے فائدے کے لئے میں نے ایسا ارادہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف ہو گئے اور ایک کماں سے سب تیر پھینکنا چاہتے ہیں اور ہر طرف سے وہ تم پر جھک اٹھے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ تمہارے خلاف ان کی اجتماعی طاقت کو توڑ دوں حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے نہ ہم اللہ کو جانتے تھے نہ اس کی پرستش کرتے تھے اس زمانہ میں ان لوگوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارا ایک چھوارا بھی بغیر خریدے یا بدوں مہمانی کھا سکیں۔ اب

جبکہ اللہ نے ہم کو اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرمادی اور آپ کی ذات مبارک کے سبب ہماری عزت افزائی کر دی تو کیا ہم ان کو اپنا مال (مفت) دے دیں۔ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں بخدا ہم ان کو تلوار کے سوا اور کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان (آخری) فیصلہ فرما دے۔ حضور والا نے یہ تقریر سن کر فرمایا تم کو اختیار ہے (ایسا ہی کرو) سعد نے کاغذ لے کر تحریر منادی اور کہا اب یہ ہمارے خلاف جو کوشش کر سکتے ہیں کریں۔

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ بات اول حضرت اسید بن حضیر نے کہی تھی پھر حضرت سعد بن عبادہ نے بھی یہی کہا۔

بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی

عیینہ بن حصین اس وقت مجلس میں ٹانگ پھیلائے بیٹھا تھا، حضرت سعد نے اس سے فرمایا او بندر اپنی ٹانگ سمیٹ لے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا وقار مانع نہ ہوتا تو میں برچھا تیری کوک میں پیوست کر دیتا، غرض عیینہ اور حارث دونوں ناکام واپس چلے گئے اور سمجھ گئے کہ ان کا تسلط مدینہ پر نہیں ہو سکتا انصار کی قوت اور جرات کو دیکھ کر ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔

دشمن کا محاصرہ

بغوی نے لکھا ہے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کئے پڑے رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی صرف قریش کے چند شہسوار جن میں عمرو بن عبدود عامری عکرمہ بن ابی جہل مخزومی ہبیرہ بن وہب مخزومی نوفل بن عبداللہ ضرار بن خطاب اور مرداس بن لوی محاربی شامل تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر بنی کنانہ کی طرف سے گزرے اور ان سے کہا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ آج تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون شہسوار ہے پھر خندق کی طرف رخ موڑا اور خندق کو دیکھ کر بولے خدا کی قسم یہ تدبیر ایسی ہے جس کو عرب (پہلے) نہیں کرتے تھے اس کے بعد خندق میں ایک تنگ جگہ تلاش کر کے اس میں گھوڑوں کو داخل کر دیا، گھوڑے ان کو لے کر خندق اور کوہ سلع کے درمیانی گڑھے میں گردش کرنے لگے حضرت علی نے جو یہ بات دیکھی تو کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس سرحدی مقام پر جا پہنچے جہاں سے دشمن نے اپنے سواروں کو داخل کیا تھا وہ سوار بھی تیزی کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔ حضرت علی نے اس مقام کو بند کر دیا۔

حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ

عمرو بن عبدود بدر کی لڑائی میں شریک اور زخمی ہو گیا تھا اس لئے جنگ احد میں شریک نہ تھا، جب خندق کا واقعہ ہوا تو اپنی اہمیت جتلانے کے لئے وہ بھی ساتھیوں کو ٹریننگ دینے کی غرض سے ساتھ آ گیا حضرت علی کے مقابلہ پر جب وہ خود دوسرے سواروں کے ساتھ مل کر آ کھڑا ہوا تو حضرت علی نے اس سے فرمایا عمرو تو نے اللہ کو گواہ کر کے کہا تھا کہ جب کوئی قریشی تیرے سامنے کوئی سی دو باتیں (ایک مثبت دوسری منفی) رکھے گا تو دونوں میں سے ایک بات کو تو اختیار کر لے گا، عمرو نے کہا بیشک یہی بات ہے حضرت علی نے فرمایا تو میں تجھے اللہ، اللہ کے رسول اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا اس کی مجھے ضرورت نہیں، حضرت علی نے فرمایا تو پھر میں تجھے میدان میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ بولا بھتیجے ایسا کیوں کرتے، خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا حضرت علی نے فرمایا بخدا میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی عمرو گرما گیا اور گھوڑے سے اتر کر اس کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا یا اس کے منہ پر ایک ضرب رسید کی پھر حضرت علی کی طرف پل پڑا دونوں نے ایک دوسری کی پکڑ کی اور کشتی کرنے لگے آخر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا دوسرے سوار شکست کھا کر خندق میں گھس کر بھاگ گئے اس روز عمرو کے دو سپاہی بھی مارے گئے منبہ بن عثمان بن عبدالسباق بن عبدالدار کے ایک تیر لگ گیا تھا جس سے مکہ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔

نوفل بن عبداللہ کا انجام

اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی خندق کے اندر گھس کر جب درمیان میں پہنچا تو مسلمانوں نے اس پر سنگ باری کی۔ کہنے لگا اے گروہ عرب (لڑائی کا یہ کیا طریقہ ہے) جنگ کا طریقہ اس سے بہتر ہونا چاہیے (یعنی دو بدو لڑائی ہونی چاہیے) فوراً حضرت علی میدان میں اتر پڑے اور عبداللہ کو قتل کر دیا اور مسلمان غالب آ گئے۔ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مقتول کی لاش ہم کو بقیمت واپس دے دیجئے فرمایا ہم کو نہ اس کی لاش درکار ہے نہ قیمت کی ضرورت لاش کو لے جاؤ۔ چنانچہ آپ نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد بن معاذ کا جذبہ

ام المومنین حضرت عائشہ کا بیان ہے خندق کی لڑائی کے دن ہم بنی حارثہ کی گڑھی میں تھے مدینہ کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا سعد بن معاذ بھی ہمارے ساتھ گڑھی کے اندر تھے۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے سعد بن معاذ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے قلعہ سے باہر نکلے ہاتھ کی بانہہ کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں چھوٹا برچھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ کاش لڑائی کو میرا اونٹ پا لیتا جب موت کا مقرر وقت آ جائے تو مرنے میں کوئی باک نہیں۔

سعد کی ماں نے کہا بیٹے بہت جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) جا پہنچ۔ بخدا تو نے دیر کر دی (تو پیچھے رہ گیا) میں نے کہا سعد کی اماں سعد حور زرہ پہنے ہیں میں چاہتی ہوں کہ ان سے بڑی زرہ ان کے بدن پر ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے (برہنہ حصہ پر) کوئی تیر نہ آ لگے سعد کی ماں نے کہا اللہ کا جو حکم ہوگا وہ پورا ہو کر رہے گا (آخر) سعد کے ایک تیر لگ گیا جس سے

اکحل رگ کٹ گئی یہ تیر حبان بن قیس عرفہ عامری نے مارا تھا سعد نے (ابن عرفہ کو بددعا دی کہ) اللہ تجھے دوزخ میں ورد رسیدہ کرے پھر کہا اے اللہ اگر تو نے قریش سے لڑائی آئندہ باقی رکھی ہو تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لئے باقی رکھ کیونکہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے اتنی خواہش نہیں جتنی اس قوم سے لڑنے کی ہے جس نے تیرے رسول کو ستایا اور جھٹلایا اور (وطن سے) نکالا اور اگر تو نے ہماری اور قریش کی لڑائی ختم کر دی ہو تو اسی (زخم) کو میرے لئے سبب شہادت بنا دے لیکن جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ (کی تباہی) کو دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت سے محفوظ رکھ دور جاہلیت میں حضرت سعد بن معاذ اور بنی قریظہ باہم حلیف اور معاہد تھے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری

مجاہد اور محمد بن اسحاق نے بحوالہ یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر عباد کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے فرمایا ہم حسان بن ثابت کی گڑھی میں تھیں حسان بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے، اس وقت بنی قریظہ کی رسول اللہ سے جنگ تھی (معاہد ٹوٹ چکا تھا) بنی قریظہ کے اور ہمارے درمیان کوئی محافظ موجود نہ تھا کہ یہودیوں کی ہماری طرف سے مدافعت کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کافروں کے مقابلہ میں مشغول جنگ تھے دشمن کی طرف سے منہ موڑ کر ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے ایسی حالت میں وہ یہودی (گھومتا اور ٹوہ لیتا نظر) آیا تھا میں نے حسان سے کہا حسان تم دیکھ رہے ہو کہ یہ یہودی گڑھی کے آس پاس چکر لگا رہا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص کسی غیر محفوظ جگہ سے یہودیوں کو اندر لے آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مشغول مقابلہ ہیں (یہاں پہنچ کر ہماری مدد نہیں کر سکتے) تم گڑھی سے اتر کر جاؤ اور اس کو قتل کر دو حسان نے کہا اے بنت عبدالمطلب اللہ آپ کی مغفرت کرے آپ تو واقف ہی ہیں کہ بخدا میں ایسا کرنے کا اہل نہیں ہوں جب میں نے حسان کا یہ جواب سن لیا اور سمجھ گئی کہ حسان کے اندر یہودی کو قتل کرنے کی بالکل جرأت نہیں ہے تو میں نے خود تہبند کسی اور خیمہ کی ایک ٹیکی لے کر گڑھی سے نکلی اور اس کی گردن پر ایسی ماری کہ وہ مر گیا قتل کر کے گڑھی میں لوٹی تو میں نے حسان سے کہا اب تم جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لو، یہ اجنبی مرد ہے اس لئے میں خود ایسا نہیں کر سکتی۔ حسان نے کہا بنت عبدالمطلب مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔

یہودیوں کے شب خون کا انسداد

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی قریظہ نے مدینہ پر شب خون مارنا چاہا تھا اور قریش سے اس کام کے لئے مدد کی خواہش کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سلمہ بن اسلم کی قیادت میں دو سو آدمیوں کو اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو آدمیوں کو مقرر کر دیا کہ مدینہ کے (مختلف) مقامات اور گڑھیوں کی حفاظت رکھیں، یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ عباد بن بشیر اپنے ساتھیوں کو لے کر ہر رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کرتے تھے۔ مشرک چاہتے تھے کہ خندق کے پار آ جائیں اور مسلمان سنگباری کر کے اور تیر مار مار کر ان کو روک رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بھی چوکسائی رکھتے تھے۔

حضرت سعد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

مسلم و بخاری نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک رات کو بیدار رہے اور فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو میری چوکسائی کرتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا سعد ہے فرمایا کیوں آئے ہو سعد نے کہا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک اندیشہ پیدا ہوا اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کے لئے فوراً حاضر ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو دعا دی پھر سو گئے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، خندق کے زمانہ میں جس روز سے سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کرنی شروع کی تھی جب ہی سے مجھے سعد سے محبت ہو گئی تھی۔

سخت سردی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نگرانی کرنا:

خندق میں ایک مقام ایسا تھا جہاں سے کافروں کے عبور کر آنے کا اندیشہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جگہ کی نگرانی کرتے تھے اور جب سخت سردی محسوس ہونے لگتی تو میرے پاس آ جاتے اور مجھ سے (مل کر) گرمی حاصل کرتے پھر چلے جاتے اور چوکسائی کرنے لگتے تھے۔ اور فرماتے تھے مجھے صرف اس جگہ سے لشکر (کے گھس آنے) کا اندیشہ ہے ایک بار جو میرے پاس سردی سے سکون حاصل کرنے کے لئے آئے تو فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو آج رات میری چوکیداری کرتا کہ میں سو جاتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا، سعد۔ سعد نے کہا ہم (لوگ) اس جگہ کی نگرانی کر رہے ہیں یہ جواب سن کر حضور سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سن لی (یعنی خراٹے لینے لگے)

ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس چوکسائی کرتے تھے اور سردی سخت ہوتی تھی ایک رات آپ نے اپنے ڈیرے میں

نماز پڑھی پھر جا کر چوکسائی کرنے لگے اور فرمایا، مشرکوں کے سوا خندق کے گرد اگرد گھومتے ہیں پھر آواز دی عباد بن بشیر عباد نے جواب دیا حاضر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے عباد نے کہا جی ہاں میرے قبیلہ کے کچھ لوگ چوکیداری کر رہے ہیں فرمایا اپنے قبیلہ کے آدمیوں کو لے جاؤ خندق کے آس پاس کچھ مشرک موجود ہیں جو شب خون مارنا چاہتے ہیں جا کر ہماری طرف سے ان کی شرارت کو دور رکھو اور ان کو دور رکھنے کے لئے ہماری مدد کرو۔ فوراً عباد اپنے آدمیوں کو لے کر خندق کی طرف چلے گئے جا کر دیکھا کہ ابوسفیان اور کچھ دوسرے مشرک خندق کے تنگ مقام میں گھس آئے ہیں اور مسلمان تیر مار مار کر اور پتھر برسا کر ان کو روک رہے ہیں اتنے میں عباد جا پہنچے عباد کا بیان ہے میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر پتھر برسائے آخر شکست کھا کر مشرک بھاگ گئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا، آپ نماز میں مشغول تھے نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے واقعہ بیان کیا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے کہ میں نے آپ (کی سانس) کی آواز سن لی اور بلال کی اذان فجر دینے تک بیدار نہیں ہوئے۔ اذان کے بعد باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت ام سلمہؓ فرمایا کرتیں اے اللہ عباد بن بشیر پر رحمت نازل فرما۔

صحابہ کے نعرے

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر سو رہے تھے آدھی رات ہوئی تو کچھ آوازیں اٹھیں میں نے سنا لوگ کہہ رہے تھے اے شہسواران خدا سوار ہو جاؤ اس جہاد میں مہاجروں کا یہ امتیازی نعرہ (مقرر) تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب کافر رات کو تم پر چھاپہ ماریں تو تمہارا امتیازی نعرہ حم لا ینصرون ہونا چاہیے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعرہ انصار کا تھا اور پہلا نعرہ مہاجرین کا۔

مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو کر خیمہ سے باہر تشریف لے گئے اور ملاحظہ فرمایا کہ کچھ لوگ جن میں عباد بن بشیر بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کر رہے ہیں عباد سے دریافت فرمایا، یہ آوازیں کیسی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد کو حکم دیا کہ جا کر خبر لاؤ عباد چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد عباد آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ عمرو بن عبدود مشرکوں کی ایک ٹولی لے کر مسلمانوں سے لڑ رہا ہے باہم تیر اندازی اور سنگباری کر رہے ہیں یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ہتھیار اٹھا کر برآمد ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خوش خوش واپس آ گئے اور فرمایا اللہ نے ان کی شرارت کو دفع کر دیا اور وہ بہت زخم کھا کر شکست پا کر بھاگ گئے اس کے بعد حضور لیٹ کر سو گئے کہ مجھے آپ کے سانس کی آواز سنائی دینے لگی کچھ مدت کے بعد پھر دوبارہ آوازیں اٹھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا عباد دیکھو یہ کیسی آوازیں ہیں عباد گئے اور واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرار بن خطاب مشرکوں کا ایک ٹولہ لے کر مسلمانوں سے تیر اندازی اور سنگباری کی جنگ کر رہا ہے حضور والا مسلح ہو کر خیمہ سے برآمد ہوئے اور کافروں سے لڑتے رہے اسی میں صبح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے اور فرمایا وہ لوگ بہت سے زخم کھا کر بھاگ گئے۔

غزوۂ خندق کی شدت:

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ مریسیع، خیبر، حنین اور فتح مکہ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی لیکن کوئی غزوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا شاق اور دشوار نہیں گزرا جتنا غزوۂ خندق شدید گزرا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زخم آئے اور زمانہ بھی یہ سخت سردی اور تنگ حالی کا تھا۔

نمازوں میں تاخیر:

روایت میں آیا ہے کہ ایک روز کافر جمع ہوئے اور پورے خندق کو آ گھیرا اور سخت لڑائی کی یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز کی فرصت نہیں ملی ظہر کی نماز بھی فوت ہو گئی اور عصر کی بھی اور مغرب کی بھی پھر عشاء کے وقت یہ نمازیں ادا کیں۔

نسائی نے سنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ نے بیان کیا خندق کے دن ہم کو ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں کی فرصت نہیں مل سکی آخر اللہ نے ہمارا کام پورا کر دیا اسی کے متعلق اللہ نے آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے ارادے سے کھڑے ہوئے (بلال نے) اقامت کہی اور آپ نے اسی طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھتے تھے، پھر اقامت کہی اور حسب سابق عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز معمول سابق کے مطابق ادا کی۔ یہ واقعہ آیت فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے نزول سے پہلے کا ہے (اس آیت کے نزول کے بعد تو صلوٰۃ خوف کا حکم اور اس کی طریقہ بتا دیا گیا) ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن صلوٰۃ عشاء کا اس میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ نماز عشاء تو اپنے وقت میں ادا کی تھی لیکن دوسری روایت میں جو عشاء کی نماز بھی ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز بھی اپنے معمول سے مؤخر ہو گئی تھی۔

نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعا کیں:

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد حضرت عمر بن خطاب کفار قریش کو برا بھلا کہتے ہوئے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو (عصر کی) نماز بھی نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ اب سورج ڈوبنا ہی چاہتا ہے حضور نے فرمایا، میں نے بھی ابھی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بطحان میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کیا اور حضور نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی پھر نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

صحیحین میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا اللہ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے (اسی طرح) بھر دے جس طرح انہوں نے غروب آفتاب تک ہم کو درمیانی نماز (عصر کی نماز) پڑھنے کی فرصت نہیں دی۔ مسلم کی روایت میں آیا ہے پھر عصر کی نماز حضور نے مغرب وعشاء (کی نمازوں) کے درمیان پڑھی۔

مسئلہ: اگر چند نمازیں فوت ہو گئی ہوں تو پہلی نماز لوٹانے کے لئے اذان دی جائے (اور اقامت کہی جائے) پھر باقی نمازوں میں سے ہر نماز کی قضاء کے لئے صرف اقامت کہے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کو لوٹانے کے وقت اذان بھی دی جائے اور اقامت بھی کہی جائے۔ بزار کی روایت کردہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کافروں کی شکست کیلئے دُعاء:

جب مسلمانوں پر تکلیف بہت زیادہ ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لئے بددعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا قبول بھی فرمائی۔ چنانچہ بخاری نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (وہ قبائل جو متفق ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے) کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ اے کتاب نازل کرنے والے اے جلد حساب لینے کرنے والے احزاب کو شکست دے دے اور ان کو جھنجھوڑ دے (ان کے قدم اکھاڑ دے)

میں کہتا ہوں، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے لئے تین روز پیہم مسجد فتح میں بددعا کی۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ دوشنبہ سہ شنبہ اور چہارشنبہ کے لئے بددعا کی، چار شنبہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر دیکھ لئے۔ روای کا بیان ہے اس کے بعد جو مصیبت ہم پر آئی اور ہم نے اس ساعت میں (یعنی ظہر وعصر کے درمیان) اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ہماری دعا ضرور قبول فرمائی۔

ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر:

بغوی کا بیان ہے نعیم بن مسعود بن عامر بن عطفان نے (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن میری قوم والوں کو میرا مسلمان ہو جانا معلوم نہیں ہے اب آپ ہم کو جو چاہیں حکم دیں (ہم اس کی تعمیل کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہماری جماعت میں تنہا ہو اگر کر سکتے ہو تو (ان جماعتوں میں پھوٹ ڈالدو اور) ایسا کر دو کہ ہماری طرف سے ان کا رخ مڑ جائے اور ایک جماعت دوسری کی مدد نہ کرے کیونکہ لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔

میں کہتا ہوں، دوسری روایت میں آیا ہے کہ نعیم نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ مجھے یہ اجازت دیجئے کہ میں (ان سے) جو کچھ چاہوں کہوں (خواہ بات جھوٹی ہو) حضور نے اجازت دے دی۔ اجازت پا کر نعیم بنی قریظہ کے پاس پہنچے (اسلام سے پہلے نعیم بنی قریظہ ہم نشین تھے) اور کہا اے بنی قریظہ تم واقف ہو کہ میں تمہارا خالص دوست ہوں، بنی قریظہ نے کہا تم نے سچ کہا، ہماری نظر میں تم مشکوک نہیں ہو۔ نعیم نے کہا تو (سنو) قریش اور غطفان لڑائی کے لئے آئے ہیں اور تم ان کے مددگار ہو لیکن ان کی حالت تمہاری حالت کی طرح نہیں ہے یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارا مال ہے اہل وعیال ہیں تم اس کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو نہیں جا سکتے رہے قریش وغطفان (وہ یہاں کے باشندے نہیں ہیں) ان کے مال اور اہل وعیال یہاں سے دور ہیں اگر کامیابی کا موقع اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا تو بہتر ورنہ اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم کو اس شخص کے مقابلہ پر تنہا چھوڑ دیں گے اور یہ شخص تنہا اسے شہر میں رہتا ہے تنہا اس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ (مناسب یہ ہے کہ) تم اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے کچھ سرداروں کو اپنی تحویل میں بطور رہن رکھ لو تاکہ وہ تم کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کے ساتھ مل کر تم محمد سے لڑو اور کھل کر اس کا مقابلہ کرو (اگر وہ ایسا نہ کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بد ہی ہے) بنی قریظہ نے کہا تم نے صحیح مشورہ دیا۔ پھر نعیم یہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان وسرداران قریش سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں اور محمد کے متعلق جو رائے رکھتا ہوں اس سے بھی تم واقف ہو مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں بطور خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ خبر تم تک پہنچا دوں لیکن اس کو پوشیدہ رکھنا قریش نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے نعیم نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ گروہ یہود اب اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور محمد کے پاس انہوں نے پیام بھیجا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہم اس پر نادم ہیں (اس کی تلافی میں) اگر ہم قریش وغطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر تمہارے حوالے کر دیں تاکہ تم ان کی گردنیں اڑا دو تو کیا تم ہم سے راضی ہو جاؤ گے پھر ہم اور تم مل کر باقی لوگوں کا مقابلہ کریں گے محمد نے جواب میں کہلا بھیجا بہتر

سے (ہم اس شرط پر تم سے مصالحت کے لئے تیار ہیں) کہ بنو قریظہ اپنے تمہارے پاس پیغام بھیجیں اور تمہارے سرداروں کو اپنے پاس بطور گروی رکھنا چاہیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ اس کے بعد نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا اے گروہ غطفان تم میرا کنبہ قبیلہ ہو اور میرے پیارے ہو میرا خیال ہے کہ تم مجھے متہم نہیں سمجھتے ہو بنی غطفان نے جواب دیا تم نے سچ کہا واقعی تم ہمارے دوست ہو نعیم نے کہا تو بات چھپی رکھنا (ظاہر نہ ہونے پائے) بنی غطفان نے کہا ایسا ہی کریں گے اس کے بعد نعیم نے جو بات قریش سے کہی تھی وہی غطفان سے بھی کہہ دی اور جس بات کا ان کو اندیشہ دلایا تھا اسی بات کا خوف بنی غطفان کو بھی دلایا۔

کافروں میں پھوٹ

شنبہ کی رات ماہ شوال ۵ھ کو اللہ نے اپنے رسول کی کارسازی اس طرح کی کہ ابوسفیان نے ورقہ بن عطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان وقریش کے چند آدمیوں کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا ان لوگوں نے جا کر بنی قریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے کو تو آئے نہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہوئے جا رہے ہیں آپ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ ہم نکل کر باہر نکل کر محمد سے جنگ کریں اور اس جھگڑے سے فارغ ہو جائیں جو ہمارا محمد سے ہے یہودیوں نے پیام بھیجا آج سنیچر کا دن ہے سنیچر کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے ہم میں سے بعض لوگوں نے سنیچر کے ہی کچھ مدعت کی تھی ان کی جو سزا ان کو ملی وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے پھر ایک بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ آدمی بطور رہن نہ چھوڑ دو گے ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کر دو گے تو ہم محمد کر لڑیں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی سے تم کو کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہم کو چھوڑ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور یہ لوگ ہمارے اسی شہر کے باشندے ہیں ہم تنہا ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قاصد جب یہ قریظہ کا یہ جواب لے کر لوٹے تو قریش وغطفان سے کہا "معلوم ہونا چاہیے کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے اس کے بعد ان لوگوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک آدمی بھی ہم تمہارے قبضہ میں نہیں دیں گے اگر (بلا شرط) تم (محمد سے) لڑنا چاہتے ہو تو نکلو اور جنگ کرو قاصد یہ پیام لے کر بنی قریظہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا نعیم بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر (فتح کا) ان کو موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں ورنہ سمٹ کر اپنے شہروں کو چلے جائیں اور تم کو تمہارے گھروں میں ان شخص کے مقابل تنہا چھوڑ جائیں اس کے جواب میں بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو وہی پیام بھیجا کہ یا تو اطمینان کے لئے تم اپنے کچھ سرداروں کو ہمارے پاس بطور گروی چھوڑ دو لیکن قریش نے نہ مانا اس طرح ان نے ایک تو دوسرے کی مدد سے محروم کر دیا شدید سردی کی رات تھی اور بہت ہی سخت ٹھنڈک تھی اللہ نے ایک طوفانی ہوا بھیج دی جس سے کافروں کی (چڑھائی ہوئی) ہانڈیاں الٹ گئیں اور سوائے ہر تنوں کو پھینک دیا۔

سردی کی شدت میں حضرت حذیفہ کا جاسوسی کیلئے جانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی چھوٹی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو یہ بات معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ رات کو کیا واقعہ ہوا محمد بن اسحاق سے بواسطہ ربیعہ بن ریاد محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے اور حضرت ابراہیم تیمی کے والد کا قول بھی بیان کیا ہے دونوں کی روایت ہے کہ ایک کوئی جوان نے حضرت حذیفہ بن یمان سے دریافت کیا ابو عبداللہ یہ بتائیے کہ آپ (حضرات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا بھائی بھتیجے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے) جوان نے کہا پھر تمہارا اسلوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، حضرت حذیفہ نے فرمایا ہم تیاری کرتے تھے جوان نے کہا اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پیدل نہ چلنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھائے رہتے اور آپ کی (ہر وقت) خدمت کرتے حضرت حذیفہ نے فرمایا بھتیجے (تم کو کیا معلوم کہ اور مانعہ کتنی مصائب کا تھا) خدا کی قسم وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ اچانک ہی ایک رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور انتہائی سخت سردی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کوئی ایسا ہے کہ اٹھ کر جائے اور ہمارے ان لوگوں کی خبر لا کر دے جو کوئی ایسا کرے گا، اللہ اس کو جنت میں واحد عطا فرمائے گا، یہ بات سن کر (کسی) ہم میں سے کوئی نہیں اٹھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک ہمارے بھی اور نماز کے عہد تاریخی طرف رخ اور کر دی۔ پھر بھی بات فرمائی لیکن سب لوگ خاموش رہے ہم میں سے کوئی بھی نہیں اٹھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیر تک ہمارے بیٹھتے رہے اور ہمارے بعد دوبارہ جو شخص اٹھ کر جائے گا اور دیکھ کر ہم کو آکر بتائے گا کہ ان لوگوں نے کیا ہے تو وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا، یہ سننے کے بعد بھی سخت سردی محنت بھوک اور شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص بھی نہیں اٹھا جب کوئی نہیں اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور پکار کر کہا حذیفہ اب میرے لئے اٹھے بغیر کوئی چارہ نہیں رہا، میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ پھر اٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت (سردی کی وجہ سے) میرے دونوں پہلو کپکپا رہے تھے حضور نے میرے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا پھر فرمایا ان لوگوں کے پاس پہنچ کر ان کی خبر لاؤ لیکن

میرے پاس پہنچے تک کچھ (پھینچ پھاڑ) کرنہ بیٹھنا اس کے بعد فرمایا اے اللہ آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس کو اپنی حفاظت میں رکھ۔

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا

میں نے اپنے تیر لئے ہتھیار باندھے اور پیدل اُن کی طرف روانہ ہو گیا۔ نکلا ہی ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ حمام میں چل رہا ہوں (ساری سردی غائب ہو گئی) چلتے چلتے ان لوگوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے اس لوگوں پر ایک ہوا کا طوفان اور (غیبی) لشکر آ گیا اور اللہ کے اس لشکر نے ان کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ ان کی ایک ہانڈی کو (چولھے پر) اور آگ کو (چولھے میں) اور دوسرے چھوٹ داری کو (زمین پر) قائم نہ رہنے دیا اس وقت ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا میں نے تیر نکالا کمان کے چلہ پر چڑھایا اور چھوڑنا چاہتا ہی تھا کیونکہ اگر اس وقت میں تیر چھوڑ دیتا تو ٹھیک ابوسفیان کے لگ جاتا۔ لیکن مجھے اللہ کے رسول کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے تیر واپس نکال کر رکھ لیا۔ ابوسفیان نے جو یہ تیاری دیکھی تو کہا اے گروہ قریش تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور دیکھ لے کہ وہ کون ہے (تاکہ کوئی جاسوس ہمارے لشکر میں نہ گھس آئے۔ شناخت ہو جائے) یہ سن کر میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا سبحان اللہ کیا تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں بن فلاں ہوں وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔

مشرکین کی پسپائی:

ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تمہارے قیام کی یہ جگہ نہیں ہے (کہ رہتے یہاں رہتا ہو) اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے بنی قریظہ نے بھی ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہم کو وہ (پیام) ملا جو ہمارے لئے ناگوار تھا ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو پتا ہم پر پڑی وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو لہٰذا کوچ کر چلو میں تو روانہ ہو رہا ہوں اس کے بعد ابوسفیان اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹ کے پاس پہنچا اونٹ کے پاؤں میں اس وقت دھنگنا بندھا ہوا تھا (اور وہ بیٹھا ہوا تھا) ابوسفیان اس پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا اونٹ فوراً میں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا چوتھی ٹانگ کا دھنگنا کھڑا ہونے کی حالت میں کھولا گیا۔ میں نے سنا ہے کہ جو قبیلہ قریش نے کیا وہی غطفان نے بھی کیا اور سب اپنے شہروں کو لوٹ پڑے۔

حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا:

میں رسول اللہ کی طرف لوٹ آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے ان لوگوں کا واقعہ عرض کیا۔ حضور ہنس پڑے اتنے کہ رات کی تاریکی میں (سفید چمکدار) کچلیاں نمودار ہو گئیں۔ جب میں اطلاع دے چکا تو وہ سینک (جو اس آمد و رفت اور نوہ لگانے کے دوران حمام کی گرمی جیسی محسوس ہو رہی تھی وہ) بھی ساتھ ہو گئی (اور حسب سابق سردی محسوس ہونے لگی) حضور نے مجھے اپنے قریب اپنے قدموں کے پاس کر لیا اور اپنے کمبل کا ایک پلہ میرے اوپر ڈال دیا اور میرا سینہ اپنے قدموں سے چمٹا لیا اس طرح میں برابر سوتا رہا جب صبح ہو گئی تو حضور نے فرمایا اے سونے والے اب اُٹھ جا۔

فرشتوں کا اثر

میں کہتا ہوں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب مشرکوں کے لشکر پر اللہ نے سوائی طوفان مسلط کر دیا اور اطراف لشکر میں فرشتوں نے تکبیر کہی (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا) تو طلحہ بن خویلد اسدی نے کہا (لوگو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کرنا شروع کر دیا اس لئے تیزی کے ساتھ نکل جاؤ جلدی کرو یہ سنتے ہی بغیر لڑے لوگ بھاگ نکلے۔

رحمۃ للعالمین کا اثر

میں کہتا ہوں شیخ عماد الدین ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو ہوا ہرگز کو چوراچورا کئے بغیر نہ چھوڑتی جیسا عاد کی قوم کے ساتھ ریح عقیم نے کیا تھا۔

حضرت حذیفہ سے فرشتوں کی بات چیت

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا جب میں کافروں کے لشکر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو اثناء راہ میں میں نے بیس سوار دیکھے جن کے عمامے سفید تھے انہوں نے مجھ سے کہا اپنے ساتھی سے جا کر کہہ دو کہ اللہ نے تمہارا کام پورا کر دیا اور تمہارے دشمنوں کے شر کو دفع کر دیا۔

حضرت زبیرؓ کی فضیلت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں (یعنی لشکر کفار) کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ حضور نے پھر فرمایا ان لوگوں کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ (تیسری بار) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی خبر ہم کو کون لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ اس پر حضور نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔

کافروں کی دائمی پسپائی:

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد نے فرمایا جب کافروں کی جماعتیں (احزاب کے دن) نکل کر چلی گئیں تو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا (آئندہ) ہم ان سے جا کر جہاد کریں گے وہ آ کر ہم سے کہیں لڑیں گے ہم ان کی طرف جائیں گے۔

واپس شہر لوٹنے کی دعا:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد یا حج یا عمرہ سے لوٹ کر شہر میں پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر فرماتے لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر آئبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ

تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اسی کے لئے ہر طرح کی حمد مناسب ہے وہ ہی ہر چیز پر قادر رکھتا ہے ہم (اسی کی طرف) لوٹنے والے ہیں اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (اسی کی) عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں اپنے رب ہی کی ہم حمد کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دے دی۔

مقتولین کی تعداد:

محمد بن عمر کا قول ہے کہ جنگ خندق میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور چھ مشرک بھی مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ
جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے

یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
اور جب بدلنے لگیں آنکھیں

یعنی دہشت و حیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔ (تفسیر عثمانی)

انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے سپرد فرمایا، اس وقت مہاجرین و انصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم تھے، اور سب بھائی بھائی تھے مگر انتظامی سہولت کے لئے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ کر دی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈال دینے سے باہمی اعتماد اور تعاون و تناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی تھی، اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون و تناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ:

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین و انصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ (معارف مفتی اعظم)

غزوہ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا۔ ہوائیں زنانے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سنا اُلٹے پاؤں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو، بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ
اور پہنچے دل گلوں تک

یعنی خوف و ہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اُٹھ کر گلے میں آ لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا
اور اٹکنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں

غیر یقینی حالات: یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لڑا رہا تھا۔

مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھئے کیا صورت پیش آئے۔ کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آرہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا

وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑانا

حضرت حذیفہؓ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑجھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اور جب کہتے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے

مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا

جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا

منافقوں کی بزدلی

بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیئے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ

اور جب کہنے لگی ایک جماعت ان میں اے یثرب والو

یثرب ''یثرب'' مدینہ طیبہ کا پہلا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ''مدینۃ النبی'' ہوگیا۔ (تفسیر عثمانی)

یثرب سے مراد ہے مدینہ۔ ابوعبید نے کہا یثرب ایک قطعہ زمین کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں مدینہ رسول واقع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے حضور نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لئے پسند نہیں فرمایا کیونکہ یثرب کا لفظ ثربہ یثر اور ثرہ اور ثرب علیہ اور اثربہ سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فعل یفعل اور تفعیل اور افعال سے ہوتا ہے اور ثرب مویا اثرب یا تثریب سب کا معنی سے ملامت کرنا۔ عار دلانا کسی جرم پر ذلیل کرنا

اور مثرب سے اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ قاموس۔ مقام یا اسم تفرقہ ہے ٹھیرنے کا موقع۔ یا مصدر ہے (باب افعال کا) (تفسیر عثمانی)

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ

تمہارے لئے ٹھکانہ نہیں، سو پھر چلو اور رخصت مانگے ایک فرقہ ان میں

النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ

نبی سے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے

إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا

ان کی کوئی غرض ہیں مگر بھاگ جانا

منافقوں کا مشورہ اور بہانے

یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے خدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے شہر میں مضبوط حویلیوں کے ناکے بند کر کے ڈٹانے ان میں رکھ دیئے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور نہ گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بناتی تھی۔ غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے۔ کچھ پرواہ نہ کی بیشتر سوا دی نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین سو نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی طمع میں کی ہے۔ آپ نے غطفان کے دو سردار عیینہ ابن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ۔ یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اوس و خزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید:

دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم

قبول کریں گے ورنہ بتائیں کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت و تکلیف سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے اور نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت، تکلیف کو دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے، حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں، اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دے دیں گے، ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی کو دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعدؓ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹا دی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے سردار عیینہ اور حارث جو خود اس صلح کے لئے تیار ہو کر مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرامؓ کی یہ قوت و شدت دیکھ کر خود بھی اپنے دلوں میں متزلزل ہو گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر ان سے چاہے
الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا
دین سے بچنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں ان میں مگر تھوڑی

منافقوں کی اندرونی کیفیت

یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو۔ جسے بظاہر یہ لوگ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ یا کہے کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو۔ اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے۔ فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ لٹنے کا، بس بات چیت کرنے اور ہتھیار اٹھا کر لانے میں جو تھوڑی دیر لگے گی اسے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں، اسلام کے ظاہری دعوے سے دستبردار ہو کر فوراً فتنہ و فساد کی آگ میں کود پڑیں۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ
اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے
الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا
پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوئی ہے

منافقوں کی عہد شکنی

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جنگ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ہم ایسی حرکت نہ کریں گے۔ اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہوگی کہ وہ قول و قرار کہاں گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یزید بن رومان کا بیان ہے کہ جنگ احد کے دن بنی حارثہ نے ارادہ کیا کہ بنی سلمہ کو قتل کر دیں گے لیکن جب ان کے حق میں آیت کا نزول ہوا تو انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گے قتادہ نے کہا کچھ لوگ غزوۂ بدر سے غیر حاضر تھے لیکن جب (لڑائی کے بعد) انہوں نے اہل بدر کی خداداد عزت و برتری دیکھی تو کہنے لگے کہ آئندہ اگر اللہ نے ہم کو کسی لڑائی میں شریک ہونے کی توفیق دی تو ہم ضرور ضرور لڑیں گے انہی لوگوں کی طرف اللہ نے آیت مذکورہ میں اشارہ کیا ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی بازپرس ہوئی یعنی پوچھا جائے گا کہ پورا کیوں نہیں کیا مطلب یہ کہ عہد خدا کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ
تو تم کچھ کام نہ آئے گا تمہارے یہ بھاگنا بھاگو گے مرنے سے
أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا
یا مارے جانے سے اور پھر بھی چل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں

موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا

یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضا تے اسی مرحلہ پہنچ کر رہے گی اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ یا میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچاؤ ہی ہو گیا تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور نہ معلوم کس سختی اور ذلت سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا اور ایسی حالت میں بجز تھوڑے سے یا

تھوڑے دنوں کے فائدہ سے زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یعنی دنیا میں زندہ رہ کر تم تھوڑی مدت تک یا تھوڑا سا مزہ حاصل کر سکو گے (زیادہ مدت فائدہ اندوز نہ ہو سکو گے) آیت کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہو تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا کیونکہ دنیا بہر حال فنا پذیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ

تو کہہ کون ہے کہ تم کو بچائے اللہ سے

اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً

چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہربانی

اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا:

یعنی اللہ کے ارادے کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اسی کی مرضی کا طلبگار رہے۔ ورنہ دنیا کی برائی بھلائی یا سختی نرمی تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف مٹ نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا

اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوائے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو اگر اللہ حکم دے تو مسلمان اب تم کو قتل کر ڈالیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ

اللہ کو (ان) معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہتے ہیں

لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا

اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی

منافقوں کی بداندیشی اللہ کو معلوم ہے

یعنی ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرما شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو سچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اخوان سے مراد ہیں مدینہ کے باشندے یعنی ہمارے پاس آ جا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ عائق موڑ دینے والا۔ عوق پھیر دینا۔ عائق سے مراد ہوتا ہے خیر سے مانع یہاں معوقین سے مراد وہ منافق ہیں جو لوگوں کو رسول اللہ کا ساتھ دینے اور آپ کے ہمراہ رہنے سے روکتے۔ قتادہ نے کہا یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے محمد اور ان کے ساتھی گوشت (کی طرح) ہیں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی ان کو لقمہ بنا لیں گے۔ یہ شخص تو تباہ ہونے والا ہی ہے اس کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ

دریغ رکھتے ہیں تم سے

یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و بہی خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لے جائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ

پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے ان کو کہ تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں

اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ

آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی

فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ

پھر جب جاتا رہے وہ وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز زبانوں سے دھکے پڑتے ہیں مال پر

منافقوں کی موقع پرستی

یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

منافقوں کی تشبیہ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ میں مشبہ بہ یا مدہوش ہونے والے کی نظر ہے یعنی کنظر الذی یغشی علیہ یا مشبہ بہ آنکھوں کا چکرانا ہے یعنی کدوران عینی المغشی علیہ یا مشبہ بہ دونوں وصف ہیں بے ہوش ہونے والے کی نظر اور آنکھوں کا چکرانا۔ یا مشبہ بہ بے ہوش ہونے والے کی آنکھیں ہیں جب موت کے اسباب چھا جاتے ہیں اور موت کے پسینے آنے لگتے ہیں تو حواس معطل ہو جاتے ہیں عقل زائل ہو جاتی

ہے آنکھیں متحیر ہو جاتی ہیں اور ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ

وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کر ڈالے اللہ نے اُن کے کیے کام

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا

اور یہ ہے اللہ پر آسان

منافقوں کے عمل بے جان ہیں

یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جہاں حبط اعمال کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے لیکن اس لئے بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اُس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اُس کے عمل مُردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ

سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھر گئیں اور اگر آ جائیں وہ فوجیں

يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ

تو آرزو کریں کسی طرح تم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں

منافقوں کی بزدلی کا عالم

یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جا چکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو اُن کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو اُن کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے لگیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا

اور اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی

یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ

تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لئے جو کوئی

كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا

امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب تقلید استقلال:

یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر اُن ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت در اجنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں اُن کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیئے کہ ہر معاملہ ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اُن کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں اُن کی چال سیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مکمل نمونہ ہے

اُسوۃ بمعنی قدوہ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لئے خصائل حمیدہ موجود ہیں جو تمہارے لئے واجب العمل ہیں مثلاً لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور شدائد کو برداشت کرنا۔

یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقتدا ہیں تمہارے لئے ان کی اقتداء ہی مناسب ہے بعض نے کہا اُسوۃ بروزن فعلۃ ایتساء (باب افتعال) سے مشتق ہے جیسے قدوۃ اقتداء سے بنا ہے یہ اسم ہے جو مصدر کا قائم مقام ہے یعنی تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی (لازم) ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی ہی دین کی مدد کرتے رہو۔ ان کا دانت جنگ میں ٹوٹا چہرہ زخمی ہوا ان کے چچا شہید ہوئے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے ہر دکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی لہٰذا تم بھی ان کی طرح مصائب و شدائد پر صبر رکھو اور ان سے ہمدردی کرو اور ان کے طریقہ پر چلو۔

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا اور اللہ کی بہت یاد کرتا ہے۔

دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی کثرت ذکر دوام طاعت کا سبب ہے اسی لئے رجاء کے ساتھ کثرت ذکر کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جو امید بھی رکھتا ہو اور اللہ کا ہمیشہ اطاعت گزار بھی ہو۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمر نے حجر اسود پر سر جھکا کر فرمایا

میں بلاشبہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے لیکن اگر میں نے اپنے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے اور چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا نہ بوسہ دیتا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

حضرت عمرؓ کا اتباع سنت

یعلی بن منبہ کا بیان ہے میں نے حضرت عمر کے ساتھ طواف کیا جب میں حجر کے متصل دروازہ کے پاس رکن کے قریب پہنچا تو میں نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ آپ بھی چوم لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا میں نے جواب دیا کیوں نہیں حضرت عمر نے فرمایا تو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو چومتے دیکھا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اپنے سے اس کو دور رکھو لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَٰذَا مَا
اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو
وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ
وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے
وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا
اور ان کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا

مخلص مسلمانوں کی شان

یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے ان کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور ان کا یقین اللہ و رسول کے وعدوں پر اور زیادہ بڑھ گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ و رسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا تھا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ (بقرہ رکوع ۲۶) اور سورۂ ص میں جو مکیہ ہے فرمایا تھا جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِنَ الْأَحْزَابِ (ص۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا اور (کافروں کی اس لشکر کشی نے) مومنوں کے ایمان اور تسلیم کو اور پختہ کر دیا۔

ایمان سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق اور تسلیم سے مراد ہے اللہ کے حکم اور تقدیر کے سامنے سر جھکا دینا (اپنے آپ کو امر اور قضاء الٰہی کے سپرد کر دینا) (تفسیر مظہری)

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ
ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے
مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا
پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ

مومنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا

یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ اُسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ ان کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبرؐ کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ و رسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اس پر جمے رہے۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و احد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں ابھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہرحال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاق شہادت ہیں اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ بھر نہیں بدلے۔ (فائدہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو فرمایا ھذا ممن قضی نحبہ (یہ ان میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا ان کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتیٰ کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول سے انہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم معرکۂ جنگ میں آپ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور آپ کی معیت میں کافروں سے لڑیں گے عرب کہتے ہیں صدقنی اس نے مجھ سے سچ کہا۔ صدقوا بھی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ وعدہ پورا کرنے والا اپنے وعدہ کو سچا ثابت کر دیتا ہے (کہ جو کچھ میں نے معاہدہ کیا تھا دیکھو اس کو پورا کر دیا)

فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ پس ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنی نذر پوری کر دی اور عہد کو کامل طور پر پورا کر دیا اب کئے ہوئے وعدہ کا کوئی بار اس پر باقی نہیں رہا مطلب یہ کہ اس نے جہاد و طاعت پر صبر کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا یا مر گیا۔

نحب کا معنی نذر بھی ہے اور موت بھی

وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور انہوں نے (کئے ہوئے عہد میں) کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد

شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کی لڑائی سے غیر حاضر رہے تھے ان کو یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ سب سے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر رہا۔ (بڑے افسوس کی بات ہے) آئندہ اگر اللہ نے مشرکوں سے جنگ کرنے میں مجھے حاضر ہونے کی توفیق دی تو میری کارگزاری اللہ دیکھ لے گا چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انس بن نضر نے کہا اے اللہ ان لوگوں نے یعنی ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس کا عذر خواہ ہوں اور انہوں نے (یعنی مشرکوں) نے جو کچھ کیا اس سے تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے (اور فکر و غم میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے) حضرت انس بن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا یہاں آپ لوگ کیوں بیٹھے ہیں صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ابن نضر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا کرو گے اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر مر جاؤ اس کے بعد مشرکوں کی فوج کی طرف رخ کر کے چل دیئے احد سے ورے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی سعد نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضرت سعد کا بیان ہے کہ انس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ کام کیا جو میں نہیں کر سکا۔ (دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس نے کہا اے ابو عمرو) ہاہا یہ جنت کی ہوا ہے قسم ہے رب نضر کی مجھے احد کے قریب جنت کی ہوا محسوس ہو رہی ہے پھر آگے بڑھے اور اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے آپ کے جسم پر تلوار، تیر اور بھالے کی ضربوں کے کچھ اوپر اسی زخم لوگوں نے پائے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے آپ کی لاش کو کافروں نے مثلہ کر دیا تھا (یعنی ناک کان پیشاب گاہ کو کاٹ ڈالا تھا) لوگوں نے لاش کو شناخت بھی نہیں کیا صرف آپ کی بہن ہشامہ نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر پہچانا۔ ہمارا خیال تھا کہ آیت رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہم

حضرت مصعب بن عمیرؓ

بغوی کی روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارت نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہم میں سے بعض لوگ تو چلے گئے (مر گئے) اور اپنی کوشش کا کوئی پھل (دنیا میں) نہ کھایا جن میں سے ایک مصعب بن عمیر بھی تھے احد کے دن شہید ہو گئے تو سوا ایک نمدہ کے اتنا کپڑا نہ تھا کہ ہم ان کو کفن دے سکتے نمدہ بھی اتنا تھا کہ سر چھپاتے تھے تو قدم کھلتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر کھلا رہتا تھا حضور نے فرمایا سر پر ڈال دو اور پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس۔ مرچیا گند) سے چھپا دو اور کچھ لوگوں کی کوشش کا پھل پختہ ہو گیا جس کو (دنیا میں) وہ کھا سکے۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ:

ترمذی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جو شخص پسند کرتا ہو کہ روئے زمین پر (زندہ) چلتے پھرتے ایسے آدمی کو دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے (اور جنتی ہو گیا ہے) تو وہ اس کو دیکھ لے۔

بخاری کا بیان ہے کہ قیس بن حازم نے فرمایا میں نے حضرت طلحہؓ کا (ایک) ہاتھ شل دیکھا جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملہ سے انہوں نے اس ہاتھ کے ذریعہ محفوظ رکھا تھا (جس کی وجہ سے ہاتھ اتنا زخمی ہو گیا کہ شل ہو گیا)

عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں اور عائشہ بنت طلحہ (یعنی میری بہن) ام المؤمنین حضرت عائشہ کے پاس گئے عائشہ بنت طلحہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر سے کہنے لگی میں آپ سے اور میرے باپ آپ کے باپ سے افضل ہیں حضرت اسماء عائشہ بنت طلحہ کو برا بھلا کہنے لگیں اور بولیں تم مجھ سے افضل ہو حضرت عائشہ نے فرمایا میں تم دونوں کا جھگڑا طے کر دوں دونوں نے کہا کیوں نہیں حضرت عائشہ نے فرمایا ایک بار ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا تم دوزخ سے آزاد ہو اسی روز سے حضرت ابوبکر کا لقب عتیق (آزاد) ہو گیا پھر حضرت طلحہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ

معاویہ راوی ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ (تفسیر مظہری)

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
تاکہ بدلہ دے اللہ سچوں کو ان کے سچ کا اور عذاب کرے منافقوں پر
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اگر چاہے یا توبہ ڈالے ان کے دل پر بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان

عمل کا بدلہ۔ یعنی جو عہد کے پکے اور قول و قرار کے سچے رہے۔ اس کو سچ پر جمے رہنے کا بدلہ ملے اور مدعدد دغا باز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دے۔ اُس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا

اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی

کفار کی ذلت و ناکامی یعنی کفار کا لشکر ذلت و ناکامی سے بچ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبدِ وُد جیسا اُن کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اُس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لے جاؤ ہم مردوں کا شمن کھانے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ

قَوِيًّا عَزِيْزًا

زور آور زبردست

لڑائی کے بغیر فتح یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار ارد خود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ ہے قوی غالب یعنی اللہ کا اقتدار قوی ہے وہ اپنے ملک میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور (نافرمانوں سے) انتقام لینے میں غالب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اور اتار دیا اُن کو جو اُن کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے

مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ

اُن کے قلعوں سے اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھاک

فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا

کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کر لیا

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا:

یہ یہود بنی قریظہ ہیں مدینہ کے شرقی جانب اُن کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقع پر جی ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر کمر باندھ لی۔ سو گئے اُن میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر حملہ کرنا چاہا جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو سو قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریل تشریف لائے۔ چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ سو قریظہ پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہو گئی کہ "قریظہ کے بدعہد یہودیوں پر چڑھائی ہے۔ نہایت سُرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے۔ آخر میں اُن کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور "اوس" کے سردار حضرت سعد بن معاذ کو حکم بناتے ہیں (کیونکہ وہ اُن کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کریں گے ہم کو منظور ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرما لیا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں لڑکے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور اُن کے اموال و جائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول کی مرضی اور اُن کی بدعہدی کی سزا یہی ہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک اُن کی مسلمہ آسمانی کتاب "توراۃ" کے موافق تھا۔ چنانچہ توراۃ کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کر لیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مردوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق کئی سو یہودی حوالی قتل کئے گئے اور کئی سو عورتیں لڑکے قید ہوئے اور اُن کے املاک و اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

جنو قریظہ کے مقتولین:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا چنانچہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے

اور ایک فریق کو قید کر رہے تھے۔ یعنی مردوں کو قتل کر رہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر رہے تھے ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مردوں کی تعداد چھ سو تھی۔ ترجمہ سعد بن معاذ میں ابو عمرو نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے ابن عابد نے قتادہ کا مرسل قول بیان کیا ہے کہ مرد سات سو تھے۔ سہیل نے کہا زیادہ سے زیادہ بیان کرنے والوں کا قول ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ چار سو جنگ جو تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو سو بھی بتائی گئی ہے تمام اقوال کے اختلاف باہمی کو دور کرنے کے لئے یہ توجیہہ کی جا سکتی ہے کہ جنگ جو چار سو تھے باقی ان کے تابع تھے۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو پچاس یا نو سو تھی۔ سہیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
اور تم کو دلاتی اُن کی زمین اور ان کے گھر اور ان کے مال
وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا
اور ایک زمین کہ جس پر نہیں پھیرے تم نے اپنے قدم اور ہے اللہ سب کچھ کر سکتا

یہودیوں کی زمینیں

یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اُن کے گزران کا ٹھکانا ہو گیا اور انصار پر سے اُن کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے دو برس بعد ہاتھ لگی اُس سے حضرت کے سب اصحاب آسودہ ہو گئے بعض کہتے ہیں کہ یہ دوسری زمین مکہ کی ہے بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح کی جائیں سب اس میں شامل ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب مشرک خندق سے واپس چلے گئے تو بنی قریظہ کو (اپنے تنہا رہ جانے کی وجہ سے) بڑا خوف ہوا۔ امام احمد اور شیخین نے مختصر طور پر اور بیہقی و حاکم نے صحیح سند سے تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا۔ ابو نعیم اور بیہقی نے دوسری سند سے بھی یہ واقعہ نقل کیا۔ ابن عابد نے حمید بن ہلال کے واسطہ سے بیان کیا۔

خندق سے واپسی

ابن جریر نے حضرت ابن ابی اوفی کی روایت سے اور بیہقی نے عروہ کے حوالہ سے اور ابن سعد نے ماجشون و یزید بن اصم کی وساطت سے بیان کیا نیز محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کے سلسلہ سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب تھکے مارے خندق سے لوٹے تو ہتھیار کھول دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے مکان میں تشریف لے گئے اور پانی طلب کر کے سر دھونے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضور حضرت زینب بنت جحش کے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب آپ کا سر دھونے لگیں اور ایک طرف کا سر دھو بھی دیا تھا۔

فرشتے کی آواز

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ (باہر) کسی شخص نے ہم کو سلام کیا ہم گھر کے اندر تھے۔

محمد بن عمر نے کہا وہ شخص جنازوں کے رکھنے کے مقام میں کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا اے جنگ کرنے والے (ہتھیار کھول دینے کا) تمہارے پاس کیا عذر ہے حضور آواز سنتے ہی گھبرا کر اچھل پڑے اور یک دم تیزی سے کود کر باہر نکل گئے میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کیواڑوں کے سوراخ میں سے دیکھنے لگی مجھے دیر کلبی کی صورت نظر آئی جو اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے۔

ابن اسحاق نے کہا وہ شخص عمامہ لپیٹے ہوئے تھا۔ اس شخص نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے بہت جلد ہتھیار کھول دیئے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے حالاں کہ جب سے دشمن اترا ہے ملائکہ نے اس وقت سے اب تک اسلحہ نہیں کھولے دوسری روایت میں ہے چالیس دن سے ملائکہ نے اسلحہ نہیں کھولے۔ ہم نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اس وقت انہیں کے تعاقب سے لوٹ کر آئے ہیں اللہ نے ان کو بھگا دیا اور آپ کو حکم دیا ہے کہ بنی قریظہ سے جا کر جنگ کرو۔ میں اپنے ساتھ والے ملائکہ کو لے کر انہیں کی طرف جا رہا ہوں تاکہ ان کے قلعوں میں زلزلہ پیدا کر دوں۔ آپ بھی لوگوں کو لے کر نکل کر (میرے بعد) آئیے۔

فقط حملہ کی دیر ہے

حمید بن ہلال کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ساتھی تھک چکے ہیں اگر آپ چند روز کی انہیں مہلت دے دیں تو بہتر ہے۔ جبرئیل نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ان پر چڑھائی تو کریں میں ان کو اس طرح دے پٹکوں گا جیسے انڈا پتھر کی چٹان پر پٹکا جاتا ہے پھر ان کو ہلا ڈالوں گا (یعنی قلعوں سے باہر نکل پڑنے پر مجبور کر دوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔)

حضرت عائشہ کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا آپ جس شخص سے باتیں کر رہے تھے وہ کون تھا۔ فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھا تھا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تمہارے خیال

میں اس کی شکل کس کے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا وحیہ کلبی کے مشابہ تھی۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی طرف جاؤں۔

فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار

حمید کا بیان ہے کہ پھر جبرئیل اور ان کے ساتھ کے ملائکہ لشکر بھیجر کر چل دیئے یہاں تک کہ بنی غنم کے کوچوں میں (ان کی رفتار سے اٹھا ہوا) غبار اڑنے لگا۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا گویا اٹھتا ہوا غبار اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حملے کا اعلان

قتادہ نے ابن عامر کی روایت کے ہمو جب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ایک منادی کو (مسلمانوں کی بستیوں میں) یہ ندا کرنے کے لئے بھیج دیا اے سوارانِ خدا سوار ہو جاؤ اور حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو سننے والے فرمان بردار ہوں ان کو عصر کی نماز ہی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنی چاہیے (یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ عصر کی نماز ہی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ہی پڑھے) بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیہقی نے حضرت عائشہ اور ابن عقبہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ عصر کی نماز (بنی قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے پہلے کہیں) نہ پڑھنا۔ مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز کے متعلق حکم دیا تھا چنانچہ راستہ میں جب عصر کی نماز یا حسب روایت مسلم ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض لوگوں نے کہا ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں گے اس سے پہلے نہیں پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے (اگر نماز میں تاخیر ہو گئی تو) ہم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ غروب آفتاب کے بعد جب بنی قریظہ میں پہنچے تو ان لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ ہم نماز نہ پڑھیں (بلکہ جلد پہنچنے کی تاکید مقصود تھی) اس لئے ہم تو راستہ میں ہی نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی مگر آپ نے کسی فریق کو معیب نہیں کی۔

مسئلہ۔ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائے تب بھی وہ گناہگار نہ ہوگا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں فریقوں میں کسی پر درشتی نہیں کرتے۔ جس نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو بھی برا نہیں کہا اور جس نے پہنچ کر (مغرب ہونے کے بعد) پڑھی اس کو بھی معیب نہیں کی۔

صاحب زاد المعاد نے لکھا ہے کہ ہر فریق نیت کے مطابق ثواب کا حقدار ہو گیا لیکن جس فریق نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو دوہرا ثواب ہوا ایک بروقت نماز پڑھنے کا اور دوسرا تعمیل حکم میں تیزی کرنے کا۔ کیونکہ بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھنے کے حکم کا مقصد یہی تھا کہ تعمیل حکم میں تاخیر نہ کی جائے۔

جھنڈا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو طلب فرمایا اور اپنا جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ خندق سے واپسی کے بعد سے جھنڈا کھولا نہیں گیا تھا۔

غزوہ بنو قریظہ کب ہوا

محمد بن عمر اور ابن ہشام وواقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو مدینہ کا حاکم (اپنی جگہ) بنایا۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ ۲۳ ذی القعدہ کو مدینہ سے برآمد ہوئے۔ لغوی نے کہا یہ واقعہ ۵ھ کا ہے۔ حضور والا نے ہتھیار لگائے زرہ پہنی خود اور جعابا لا ہاتھ میں لیا ڈھال گلے میں لٹکائی اور نیچ گھوڑے پر سوار ہو گئے جلو میں صحابہ نے گھیر ڈال لیا جو مسلح تھے گھوڑوں پر سوار تھے اور تعداد میں چھتیس تھے۔ یہ سوار اور پیادے آپ کے گرد اگرد تھے اس شان سے صحابہ کے جھوم میں آپ روانہ ہو گئے۔

ابن سعد کی روایت کے ہموجب ہم رکاب صحابی تین ہزار تھے۔

مسئلہ۔ اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہ حرام میں ابتداء جہاد جائز ہے (کیونکہ خیبر کا واقعہ ذی القعدہ کے آخر کا ہے) لیکن حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نے ماہ حرام میں قتال کی ممانعت فرما دی تھی مگر یہ ممانعت اباحت کے بعد دوبارہ تھی (فتح مکہ والا فتح خیبر سے بعد کا ہے) یہ بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح حرم مکہ میں ایک ساعت کے لئے حضور کے لئے خصوصیت کے ساتھ قتال حلال کر دیا گیا تھا اسی طرح آپ کے لئے خصوصیت کے ساتھ خیبر کی فتح کے موقع پر بھی ماہ حرام میں جہاد کو مباح کر دیا گیا۔ یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ ابتداء جنگ نہ تھی بلکہ لڑائی کی ابتداء بنی قریظہ کی طرف سے ہو چکی تھی انہوں نے لڑائی میں قریش کی مدد اس سے پہلے کی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری

طبرانی نے حضرت ابورافع (ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی قریظہ پر (یعنی ان کی بستی کے قریب) پہنچے تو ایک برہنہ پشت گدھے پر جس کا نام یعفور تھا سوار ہو گئے۔ لوگ آپ کے گرداگرد تھے۔

جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم:

عام بیہقی اور ابونعیم نے حضرت عائشہ کی روایت سے نیز محمد بن عمر اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کی طرف سے گزرے وہاں بنی نجار کے کچھ لوگ جمع تھے جن میں حارثہ بن نعمان بھی تھے سب مسلح اور صف بستہ تھے۔

حضور نے دریافت کیا کیا تمہاری طرف سے کوئی گزرا تھا۔ انصار نے کہا جی ہاں دحیہ کلبی خچر پر سوار ادھر سے گزرے تھے۔ خچر پر ریشم کی جھول بھی پڑی تھی

ہم کو حکم دیتے گئے تھے کہ ہم بھی ہتھیار اٹھائیں (مسلح ہو جائیں) چنانچہ ہم مسلح اور صف بند ہو گئے وہ یہ بھی کہہ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابھی برآمد ہونے والے ہیں۔ حارثہ بن نعمان نے بیان کیا ہم نے دو صفیں بنائی تھیں۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل تھے جن کو بنی قریظہ کی طرف ان کے قلعوں میں زلزلہ برپا کرنے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت علی کچھ مہاجرین و انصار کی جماعت کو لے کر پہلے آ گئے تھے انہیں میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے۔

بنی قریظہ کی گالیاں۔

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا جب ہم بنی قریظہ پر پہنچے تو ہم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو لڑائی کا یقین ہو چکا ہے۔ حضرت علی نے جا کر قلعہ کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا ان لوگوں نے اپنی گڑھیوں کے اندر سے ہی گالیوں سے ہمارا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے مگر ہم خاموش رہے اور ہم نے کہہ دیا ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور ان کے قلعہ کے قریب بنی قریظہ کے پتھریلے میدان کے نشیبی جانب چاہ آنا پر نزول فرمایا۔ حضرت علی نے حضور کو دیکھا تو مجھے حکم دیا کہ میں جھنڈا پکڑ لوں۔ میں نے جھنڈا پکڑ لیا حضرت علی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں ان لوگوں کی گالیاں اور گندے الفاظ پہنچیں اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ان خبیثوں کے قریب نہ پہنچیں تو کچھ حرج نہیں ہے حضور نے فرمایا کیا تم مجھے واپس جانے کا مشورہ دے رہے ہو میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی طرف سے کچھ گندے الفاظ سن لئے ہیں۔ حضرت علی نے کہا جی ہاں۔ فرمایا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ بھی اس طرح کی بات نہ کہتے۔

یہود کی کہہ مکرنیاں

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے آگے آگے اسید بن حضیر تھے اسید نے کہا اے اللہ کے دشمنوں جب تک تم بھوکے نہ مر جاؤ گے ہم تمہارے قلعوں سے نہیں ہٹیں گے (یعنی رسد نہ ملنے کی وجہ سے تم بھوکے مر جاؤ گے ہم محاصرہ نہیں اٹھائیں گے) تم (اس وقت) ایسے (گڑھیوں میں خصور اور بند) ہو جیسے بھٹ کے اندر لومڑی بنی قریظہ نے کہا اے بن حضیر خزرج کے مقابلہ میں ہم نے تم سے معاہدہ کیا تھا (ہم تمہارے حلیف تھے) حضرت اسید نے کہا اب میرے تمہارے درمیان نہ کوئی معاہدہ باقی ہے اور نہ رشتہ۔

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہودیوں کی گڑھی کے) قریب پہنچ گئے اور اتنی اونچی آواز سے یہودیوں کے کچھ سرداروں کو پکارا کہ انہوں نے آواز سن لی اور فرمایا اے بندروں اور سوروں کے بھائیو اور اے بتوں (یا شیطان) کی پرستش کرنے والو جواب دو کیا اللہ نے تم کو رسوا کر دیا اور تم پر ایسا عذاب نازل فرما دیا۔ کیا تم مجھے گالیاں دیتے ہو (اندرون حصن سے) ان لوگوں نے قسمیں کھا کر کہا ابوالقاسم ہم نے ایسا نہیں کیا آپ تو جاہل نہیں ہیں دوسری روایت میں جاہل کی جگہ فحش گو کا لفظ آیا ہے۔

چھواروں کا کھانا

شام کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھواروں کی کچھ بوریاں بھیج دیں یہی اس روز سب کا کھانا ہوا حضور اقدس نے فرمایا چھوارے اچھا طعام ہیں۔

محاصرہ کا آغاز صبح کو رسول اللہ سحر سے اٹھ گئے اور تیر اندازوں کو آگے بھیج دیا۔ تیر اندازوں نے جا کر یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر چلانا اور پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ قلعوں کے اندر سے یہودی بھی تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ دن اسی طرح گزر گیا جب شام ہوئی تو رات بھر مسلمان قلعوں کا محاصرہ کئے رہے اور باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔

یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی برابر جاری رہی یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے تیر افگنی چھوڑ دی اور مسلمانوں سے کہا (لڑائی بند کرو) ہم تم سے کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے یہودیوں نے گڑھی کے اوپر سے نباش بن قیس کو اتار کر بھیجا۔ نباش نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور یہ شرط پیش کی کہ جن شرائط پر بنی نضیر نے صلح کی تھی ہم بھی انہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ اپنا مال (نقد جنس وغیرہ) اور اسلحہ لے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں سمیت تمہاری بستیاں چھوڑ جائیں گے اور سوا اسلحہ کے باقی مال جتنا اونٹوں پر لادھا جائے گا لادھ کر لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا یہودیوں نے کہا تو وخیر ہم کو مال کی ضرورت نہیں ہم مال نہیں لے جائیں گے البتہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ بحفاظت لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط ماننے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا بلا شرط تم کو گڑھیوں سے اتر کر آنا ہوگا۔ ہم جو فیصلہ کر دیں گے اس کو ماننا پڑے گا۔ نباش یہ جواب لے کر بنی قریظہ کے پاس لوٹ گیا۔ اور قوم سے جا کر جو گفتگو ہوئی ہو نقل کر دی۔

کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز:

کعب بن اسد نے کہا اے گروہ بنی قریظہ جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں

تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو بنی قریظہ نے کہا وہ باتیں کون سی ہیں۔ کعب نے کہا یہ ہے کہ تم اس شخص کی بیعت کر لو اور اس کو سچا مان لو کیوں کہ خدا یہ وہی ہی مرسل ہے جس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے یہ بات تمہارے سامنے واضح طور پر آ چکی ہے اس صورت میں تمہاری جانیں اور مال اور عورتیں محفوظ رہیں گی۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ محمد نبی ہیں ہم کو ان کا ساتھی ہونے سے سوا، اس حسد کے اور کوئی امر مانع نہیں تھا کہ یہ عرب میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں مگر اللہ نے یہ مقام (نبوت) ان کو عطا فرما دیا مجھے عہد شکنی اور وعدہ کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہ تھی لیکن یہ معصیت اور نحوست اس شخص (یعنی حیی بن اخطب) کی وجہ سے آئی جو بیٹھا ہوا ہے۔ جب قریش اور بنی غطفان واپس چلے گئے تو حیی کعب بن اسد سے گئے ہوئے وعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا۔ (اسی کی طرف کعب نے اشارہ کیا) کیا ان ہو اس کی بات تم کو یاد ہے جو اس نے تم سے کہی تھی یہودیوں نے پوچھا کیا کہا تھا۔ کعب نے جواب دیا ان ہو اس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہوگا اگر میری زندگی میں اس کا خروج ہو گیا تو میں اس کا پیروی اور مدد کروں گا اور اگر میرے بعد وہ پیدا ہوا تو تم اس کا اتباع کرنا۔ خبردار کسی کے بہکاوے میں نہ آ جانا اس کے مددگار اور دوست رہنا اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا اول کتاب پر بھی اور آخری کتاب پر بھی۔ ان کو میرا اسلام کہہ دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

کعب نے کہا (اے معشر یہود) آؤ ہم اس سے بیعت کر لیں اور اس کے سچے ہونے کا اعتراف کر لیں۔

قوم یہود کا انکار بنی قریظہ نے کہا ہم توریت کا حکم تو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور شریعت توریت کی بجائے دوسری شریعت کو نہیں اختیار کریں گے۔

کعب کی دوسری تجویز

کعب نے کہا جب تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت کر نکل آئیں یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور محمد کا فیصلہ کر دیں اگر ایسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں اس کے متعلق اندیشہ ہو اور اگر غالب آ جائیں گے تو بیبیاں ہم کو اور بچے مل جائیں گے یہودیوں نے کہا ہم ان بے چاروں کو کیسے قتل کر سکتے ہیں ان کے بعد جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔ کعب نے کہا جب یہ بات بھی تم تسلیم نہیں کرتے تو یہ سمجھ لو کہ آج شنبہ کی رات ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بے فکر ہوں گے اگر یہودی آج حملہ نہیں کر سکتے) تم نیچے اتر و ممکن ہے غفلت کی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے۔ یہودیوں نے جواب دیا ہم یوم السبت (کے حکم) کو بگاڑ نہیں سکتے تم جانتے ہو کہ ہم سے پہلے (ہمارے اسلاف میں سے) جن لوگوں نے یوم السبت میں بدعت (خلاف شرع حرکت) کی تھی ان پر کیسی مسخ شکل کا عذاب آیا تھا اس لئے ہم ایسی حرکت نہیں کر سکتے کہ ہم پر بھی وہ عذاب آ جائے۔ کعب نے کہا تم میں سے کوئی بھی جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اب تک ایک دن کے لئے بھی کبھی سمجھدار (و عقلمند) نہیں ہوا ہے (تم ہمیشہ)

ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام

ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا (یہ خاندان نہ تو بنی قریظہ میں سے تھے نہ بنی نضیر میں سے بلکہ بنو بذیل میں سے تھے اوپر کسی جگہ ہی قریظہ سے ان کا رشتہ ملتا ہے) اے گروہ بنی قریظہ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا حلیہ اور اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں) موجود ہیں جو ہمارے علماء اور بنی نضیر کے علماء بیان کرتے رہے ہیں۔ اس میان ہمارے بزرگ بڑا اچھا آدمی تھا یہ جی بن اخطب جو بنی نضیر کا اول شخص ہے اس کے حالات سے واقف ہے اس نے مرتے وقت اللہ کے رسول کے صفات (خلق اخلاق وغیرہ) بیان کئے تھے۔ بنی قریظہ سے کہا تم (شریعت) توریت کو نہیں چھوڑیں گے جب ثعلبہ اور اسید وغیرہ نے دیکھا کہ بنی قریظہ نے ان کی بات نہیں مانی تو اسی تاریخ کو صبح ہوتے ہی گرھی سے اتر گئے اور جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں مالوں اور اہل وعیال کو محفوظ کر لیا۔

عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا

عمرو بن مسعود نے کہا اے گروہ یہود تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جن باتوں پر قسم معاہدہ کیا تھا اس سے تم واقف ہو تم نے اس معاہدہ کو توڑ دیا میں تمہارا شریک سے تھا سے معاہدہ میں داخل تھا سے معاہدہ شکنی میں۔ اب اگر (مسلمان ہونے سے) تم انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کرو اور یہودیت پر قائم رہو۔ بنی قریظہ نے کہا ہم عرب کو جزیہ دے کر ہمیشہ کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا تو میں تم سے الگ ہوں یہ کہہ کر اسی رات سعیہ کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکل کر چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے محافظوں کے کمانڈر محمد بن مسلمہ تھے عمرو بن مسعود جب یہودیوں کے پاس سے نکل کر اسلامی لشکر کے محافظوں تک پہنچا تو محمد بن مسلمہ نے کہا کون ہے عمرو بن مسعود نے کہا عمرو بن مسعود۔ محمد بن مسلمہ نے کہا اے اللہ مجھے عزت والوں کی صحبت سے محروم نہ کرنا پھر (عمرو کو واحلہ کی اجازت دے دی) راستہ چھوڑ دیا عمرو آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک پہنچ گیا اور وہیں رات گزاری صبح ہوئی تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ اس وقت تک کہاں رہا۔

بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حضور نے فرمایا اس آدمی والدے دفاء عہد کی وجہ سے بچا لیا (محفوظ رکھا)

حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ

اہل مغازی کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم ابولبابہ سے اپنے معاملہ میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں آپ ان کو ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت ابولبابہ خاندان عمرو بن عوف کے ایک فرد تھے اور یہودی قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ حضور نے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا ابولبابہ پہنچے تو یہودی مردوں کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کے سامنے رونا شروع کر دیا ابولبابہ کو ان پر رحم آ گیا۔ یہودیوں نے کہا ابولبابہ آپ کی کیا رائے ہے کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہم گڑھیوں سے اتر آئیں۔ ابولبابہ نے (زبان سے تو) کہا ہاں (لیکن) ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ قتل کر دیے جاؤ گے حضرت ابو لبابہ کا بیان ہے کہ میں اس جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت (بدعہدی) کی۔ حضرت ابولبابہ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو بندھوا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے اور کہنے لگے میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا جو حرکت مجھ سے ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرما دے۔ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بنی قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا اور جس آبادی میں میں نے اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کی ہے اس میں کبھی مجھے کوئی نہیں دیکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے جانے کی اور اس عمل کی جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اطلاع پہنچی تو فرمایا اس کو اس وقت تک یونہی رہنے دو جب تک اللہ اس کے بارے میں کوئی جدید حکم نازل نہ فرما دے وہ اگر میرے پاس آ جاتا تو میں اللہ سے اس کے لئے معافی کی دعا کرتا لیکن جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور خود چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ابولبابہ کے توبہ قبول ہونے کی وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت حضور حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول کو ہنستے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ اللہ آپ کو ہنستا رکھے آپ کس بات سے ہنس رہے ہیں فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی میں نے عرض کیا کیا میں اس کو اس کی بشارت دے دوں فرمایا اگر تم چاہتی ہو (تو ایسا کر لو) میں اٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہو گئی (یہ واقعہ حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اور کہا ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن ابولبابہ نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم (مجھے کوئی نہ کھولے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں تو خیر فجر کی نماز کے لئے حضور برآمد ہوئے اور ابولبابہ کی طرف سے گزرے اور ان کو آزاد کیا۔

حضرت فاطمہؓ کی فضیلت

حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان کی وساطت سے بروایت حضرت علی زین العابدین بن امام حسین بیان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں تو حضرت ابولبابہ نے کہا میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے کہ سوائے اللہ کے رسول کے اور کوئی مجھے نہ کھولے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا ہی ٹکڑا ہے۔ امام زین العابدین کی یہ روایت مرسل ہے (درمیان کا راوی بیان نہیں کیا گیا اور خود امام زین العابدین صحابی نہیں تھے)

حضرت ابولبابہؓ کا خواب

ابولبابہ کا بیان ہے جب ہم بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا میں نے دیکھا تھا کہ میں مدینہ اور سیاہ کیچڑ میں اندھا گیا ہوں اور اس کی بدبو سے مرا جاتا ہوں مگر نکل نہیں پاتا۔ پھر میں نے ایک بہتی نہر دیکھی اور اس میں غسل کرنے لگا یہاں تک کہ پاک صاف ہو گیا اور مجھے پاکیزہ خوشبو محسوس ہونے لگی میں نے اس کی تعبیر حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تم کسی غم آ گیں بات میں پھنس جاؤ گے پھر اللہ کشائش عطا فرما دے گا۔ میں جس وقت ستون سے بندھا ہوا تھا اس وقت مجھے حضرت ابوبکرؓ کی بات یاد تھی اس لئے مجھے امید تھی کہ اللہ میری توبہ کی قبولیت نازل فرما دیگا۔

چنانچہ میں مسلسل اسی حالت میں رہا اور تکلیف کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کانوں سے آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی اور رسول اللہ میری حالت دیکھ رہے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابولبابہ جمعرات بندھے رہے ہر نماز کے وقت بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ بیوی پھر باندھ دیتی تھی۔

ابن عقبہ کا بیان ہے لوگوں کا قول ہے کہ تقریباً بیس رات بندھے رہے مدایہ میں اس کو زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پچیس دن بندھے رہے۔ نماز کے وقت یا قضاء حاجت کے لئے بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد پھر بیٹی وہ باندھ دیتی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کبھی بیوی کھول دیتی ہوگی کبھی بیٹی۔

ابولبابہ کی توبہ کے قبول ہونے کے سلسلہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

یہودیوں کی شکست

نغوی نے لکھا ہے مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس روز جاری رکھا یہاں تک کہ محاصرہ کی تکلیف سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا تو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق وہ اتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی منگنیاں کٹنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا پھر ان کو ایک طرف کو لے گئے اور عورتوں بچوں کو قلعوں سے یا سر لایا گیا اور یہ خدمت عبداللہ بن سلام کے سپرد کی گئی پھر ان کا سامان جمع کیا جس میں پندرہ سو تلواریں تین زرہیں دو ہزار بھالے پندرہ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں بہت سا اثاث البیت بکثرت ظروف اور شراب اور حبشی شہریت ملا۔ شراب ساری بہادی گئی اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ آب کش اونٹوں کی کافی تعداد اور مویشی بکثرت دستیاب ہوئے۔ یہ سب مال جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

قبیلہ اوس کی سفارش:

پھر قبیلہ اوس والے قریب آئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہمارے حلیف ہیں خزرج کے حلیف نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی (سردار خزرج) کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے معاملہ میں آپ نے کیا سلوک کیا۔ خزرج کی وجہ سے تین سو عہد مسلح اور چار سو زرہ پوش لوگوں کو آپ نے معاف کر دیا۔ اب ہمارے حلیف بھی اپنی گذشتہ عہد شکنی پر پشیماں ہیں ان کو ہماری وجہ سے معاف فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی بات نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا بطور جج تقرر:

اوس والوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔ اوس والوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا تو فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد ہے۔ ابن عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ میں سے جس شخص کا چاہو (اس فیصلہ کے لئے) انتخاب کر لو۔ سفارش کرنے والوں نے حضرت سعد بن معاذ کو منتخب کر لیا۔

ایک مسلمان عورت تھی جس کو رفیدہ کہا جاتا تھا وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور جس زخمی کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا تیماردار نہیں ہوتا تھا امید ثواب اس کی خدمت خود کرتی تھی۔ اس کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے اندر لگا دیا گیا تھا اور حضرت سعد حب جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے تو حضور نے حکم دے دیا تھا کہ سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تا کہ قریب سے میں ان کے حیاوت اور خبر گیری کر سکوں چنانچہ اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت سعد مسجد کے اندر رفیدہ کے ڈیرے میں مقیم تھے جب حضور نے حضرت سعد کو بنی قریظہ کے معاملہ کا حج بنا دیا تو یہیں رفیدہ کے خیمہ میں قبیلۂ اوس والے حضرت سعد کے پاس آئے اور آپ کو ایک عربی گدھے پر سوار کیا گدھے پر ریشوں سے بنا ہوا چارجامہ رکھا گیا تھا اور چارجامہ کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا گدھے کی لگام بھی کھجور کے ریشوں کی تھی حضرت سعد جسیم وارآدمی تھے قبیلہ اوس والے آپ کو اپنے گھیرے میں لے کر چلے اور راستہ میں حضرت سعد سے کہنے لگے ابوعمرو اللہ کے رسول نے آپ کے بھائیوں (یعنی حلیفوں) کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے تا کہ آپ ان کے معاملہ میں اچھا سلوک کریں اس لئے آپ بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں (یعنی سخت فیصلہ نہ کریں) آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابن ابی نے اپنے حلیفوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت سعد سے بہت زیادہ سفارش کرتے رہے مگر آپ خاموش تھے کوئی بات زبان سے نہیں نکال رہے تھے آخر جب ان لوگوں نے زیادہ رور دیا تو آپ نے فرمایا اب سعد کے لئے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کے برا کہنے کی اس کو پرواہ نہ ہو یہ سن کر ضحاک بن خلیفہ بن ثعلبہ انصاری اور دوسرے لوگ بول اٹھے۔ افسوس قوم والوں کی تباہی آ گئی سعد کے منہ سے نکلی ہوئی بات ابھی اوس والوں کو پہنچی بھی نہ تھی کہ ضحاک نے ان کو جا کر بنی قریظہ کی موت کی (یعنی فیصلہ بموت کی) اطلاع دے دی صحیحین میں آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے قریب پہنچے یعنی اس مسجد کے قریب پہنچے جو محاصرہ کے زمانہ میں بنی قریظہ کے احاطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے تیار کرائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کے (استقبال) لئے اٹھو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اپنے بہترین (سب سے اچھے) آدمی کے لینے کے لئے اٹھو مہاجرین قریش کے نزدیک یہ خطاب صرف انصار کو تھا اور انصار کہتے تھے رسول اللہ کا یہ خطاب تمام مسلمانوں کو تھا۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے سردار کو لینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کو اتارو بنی عبدالاشہل کا بیان ہے کہ (اس حکم کی تعمیل میں) ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قطاریں بنا لیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا فیصلہ:

بوساطت حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ کا فیصلہ کرو اور اچھی طرح کرو۔ حضرت سعد نے (انصاریان اوس سے) کہا کیا بنی قریظہ کے معاملہ میں میرے فیصلہ پر تم راضی ہو سب نے کہا۔ ہاں ہم تو اس وقت بھی راضی تھے جب آپ یہاں موجود نہ تھے ہم نے آپ کا انتخاب کیا تھا اور یہ امید تھی کہ آپ ہم پر احسان کریں گے جیسے دوسروں نے (یعنی ابن ابی نے) اپنے حلیفوں کے ساتھ یعنی بنی قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ سعد نے کہا کیا تم اللہ کے عہد و میثاق کے ساتھ کہتے ہو کہ جو کچھ میں فیصلہ کروں گا تم اس کو واجب الادا قرار دو گے سب نے کہا

ہاں۔ سعد نے اس گوشہ کی جانب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اشارہ کرتے ہوئے کہا (یہ فیصلہ) کیا اس پر بھی ہوگا جو یہاں ہیں عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے حضرت سعد کا رخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے کہا تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنالیا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین و انصار کو دے دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ فیصلہ اس حکم خداوندی کے مطابق کیا جو سات ٹکڑوں (یعنی سات آسمانوں) کے اوپر سے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحر کو ہی یہ حکم لے کر فرشتہ میرے پاس آ چکا تھا۔

حضرت سعدؓ کی دُعاء۔

جس رات کی صبح کو رسول اللہ کے حکم کے مطابق بنی قریظہ اپنے قلعوں سے اترے تھے اسی رات کو حضرت سعد نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر قریش سے جنگ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو باقی رکھ کیوں کہ جن لوگوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ان کو ستایا اور جلاوطن کیا ان سے زیادہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے خواہش نہیں اور اگر قریش کی لڑائی ختم ہو چکی ہے تو اسی (زخم) کو میرے لئے باعث شہادت بنا دے لیکن جب تک بنی قریظہ کی طرف سے (یعنی ان کی شکست و تباہی کو دیکھ کر) میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں میرے لئے موت مقدر نہ فرما۔

اللہ نے بنی قریظہ کی طرف سے سعد کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

یہودی مردوں کا قتل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بروز پنجشنبہ نو یا پانچ دی الحجہ کو واپس ہوئے اور حسب الحکم رملہ بنت حارث بجاریہ کے گھر میں یہودیوں کو بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بازار وہی تھا جو آج بھی ہے۔ وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا چنانچہ ابوالجہم عدوی کے مکان کے پاس سے احجار الزیت تک بازار میں گڑھا صحابہ کھودنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے پھر آپ نے بنی قریظہ کے مردوں کو بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد سے جو یہودیوں کی دستہ دستہ (قطار در قطار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا رہے تھے۔ یہودیوں نے کہا کعب تمہارا کیا خیال ہے محمد ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ کعب نے جواب دیا کم بختو تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو تم کو پسند نہ ہوگا بہرحال تم کو دیت لے کر چھوڑا نہیں جائے گا تم میں سے جو جائے گا وہ نوٹ کر تمہیں آئے گا۔ خدا کی قسم (اب تو تمہارے لئے) تلوار ہی ہے میں نے تم کو پہلے جس بات کی دعوت دی تھی (یعنی عہد شکنی نہ کرنے کی) تم نے اس کو نہ مانا۔ کہنے لگے یہ وقت عتاب (برا بھلا کہنے) کا نہیں ہے اگر ہم تمہاری رائے کو برا سمجھ کر نظر انداز نہ کر دیتے تو حرم عابد ہمارے اور محمد کے درمیان تھا اس کو توڑنے میں شریک نہ ہوتے۔ بنی ہن احطب نے کہا اب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا چھوڑو اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہیں مرنے پر تیار ہو جاؤ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام نے بنی قریظہ کو قتل کیا تھا (یعنی قتل کرنے کی خدمت ان ہی دونوں بزرگوں نے انجام دی تھی)

یہودیوں کا سردار حیی۔

پھر حیی بن اخطب کو لایا گیا اس وقت گردن سے اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے اور دفاعی جوڑا اس نے قتل ہونے کے لئے پہن رکھا لیکن پھر اس کو پھاڑ دیا اور انگل انگل برابر کٹوا کر دیئے تاکہ اس کو اتار کر کوئی پہن نہ سکے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو حضور نے فرمایا دشمن خدا کیا اللہ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کر دیا کہنے لگا یوں نہیں لیکن آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابل ملامت نہیں قرار دیتا کیوں کہ ایسے خیال میں میں آپ پر تب آ جانے کا خواستگار تھا لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا اس کو یہی منظور تھا کہ مجھ پر آپ کو قابو عطا کر دے میں نے ہر چند ووڑ لگائی لیکن جس کی مدد اللہ نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا لوگو اللہ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں بنی اسرائیل پر یہ خدا کی طرف سے لکھا ہوا اور مقدر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہنے کے بعد بیٹھ گیا پھر اس کی گردن ماردی گئی۔

قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے قیدیوں سے بھلائی کرو اور دوپہر کا وقفہ دو اور پانی پلاؤ تاکہ ان کو کچھ ٹھنڈک مل جائے۔ پھر جو باقی رہ گئے ہیں ان کو قتل کر دینا۔ دوپہری گرمی کی مار ان پر نہ ڈالو۔ ایک تلوار کی گرمی دوسری سورج کی گرمی۔

گرمی کا موسم تھا اور دوپہر کا وقت گرم بھی تھا لوگوں نے یہودیوں کو دوپہر کا کچھ وقفہ دیا اور پانی پلایا جب ٹھنڈک ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔

کعب بن اسد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو

کعب بن اسد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور نے ان سے فرمایا ابن جو اس نے تم کو نصیحت کی تھی اور میرے متعلق

اس نے سچ کہا تھا مگر تم نے اس کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کیا اس نے تم کو میرا اتباع کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے تو مجھے اس کی طرف سے سلام پہنچا دینا۔ کعب نے کہا ہے شک ابوالقاسم توریت کی قسم (اس نے یہی کہا تھا) اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ یہودی مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے تلوار سے ڈر گیا تو میں آپ کا اتباع ضرور کرتا لیکن اب تو دین یہودیت پر قائم ہوں۔ حضور نے حکم دیا اس کو بھی (قتل گاہ میں) پیش کرو۔ چنانچہ اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

قتل کا اصول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مرد کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا جس کے زیر ناف بال آ گئے ہوں۔ امام احمد اور اصحاب السنن نے بیان کیا ہے کہ عطیہ قرظی نے کہا میں (اس زمانہ میں) لڑکا تھا زیر ناف بال نہیں جمے تھے اس لئے مجھے چھوڑ دیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاری کا بیان نقل کیا ہے حضرت اسلم انصاری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی قریظہ کے قیدیوں پر مامور فرمایا تھا میں لڑکے کے شرمگاہ کو دیکھتا تھا اگر زیر ناف بال اُگے ہوئے نظر آتے تو میں اس کی گردن مار دیتا تھا اگر زیر ناف بال نہ ہوئے تو اس کو میں مسلمانوں کے مال غنیمت میں شامل کر دیتا تھا۔

رفاعہ کی جان بخشی:

رفاعہ بن شموئل قرظی بالغ ہو چکا تھا لیکن اس نے اسطبل بن قیس کی بہن ام المنذر سلمی بنت قیس کی پناہ حاصل کر لی۔ ام المنذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالاؤں میں سے تھی یعنی آپ کے دادا عبدالمطلب کی خالہ تھی عبدالمطلب کی ماں قبیلہ بنی نجار میں سے تھی سلمی (قدیم الاسلام تھی اس) نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی۔ سلمی نے رسول اللہ کی خدمت میں گذارش کی اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ قربان مجھے رفاعہ کو بخش دیجئے اس نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ آئندہ نماز پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا (یعنی مسلمان ہو جائے گا اور اونٹ کے گوشت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق حلال سمجھے گا) حضور نے رفاعہ کو بطور ہبہ سلمی کو دے دیا۔ رفاعہ کو زندہ چھوڑ دیتے کا سبب سلمی ہوئی اس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گیا۔ یہ سلسلہ قتل (دن بھر) قائم رہا۔ یہاں تک کہ شفق چھپ گئی۔ اس کے بعد خندق کے اندر مقتولین پر مٹی ڈال دی گئی یہ سب کچھ حضرت سعد بن معاذ کی نظر کے سامنے ہوا اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

ایک یہودی عورت کا قتل:

(اس روز) سوا بنی نضیر کی ایک عورت کے اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا یہ عورت بنانہ تھی جو بنی قریظہ کے کسی مرد کے نکاح میں تھی اور زوجین میں بڑا پیار تھا جب یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تو جانہ شوہر کے سامنے روئی اور کہا تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے شوہر نے کہا توریت کی قسم تو اور کسی کام نہیں آ سکتی صرف اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر لڑکا دے کیوں کہ اب تک ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے ہیں تو عورت ہے اگر محمد ہم پر غالب آ گئے تو تجھے قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے ہیں اور یہ مجھے گوارا نہیں کہ تجھے باندی بنا لیا جائے میں چاہتا ہوں کہ (میرے بعد) تجھے قتل کر دیا جائے۔ بنانہ اس وقت زبیر بن باطا کے قلعہ میں تھی اس نے قلعہ کے اوپر سے چکی کا پاٹ لڑکا دیا مسلمان سایہ لینے کے لئے قلعہ (کی دیوار) کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے مسلمانوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو منتشر ہو گئے خلاد بن سوید کے اوپر چکی گر پڑی اور ان کا سر پھٹنے کے ٹکڑے ہو گیا اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا واللہ بنانہ میرے پاس موجود تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے دوسری روایت میں آیا کہ بنانہ (ہنس ہنس کر) کہہ رہی تھی کہ بنی قریظہ کے سردار مارے جا رہے ہیں یک دم کسی پکارنے والے نے بنانہ کا نام لے کر آواز دی فلاں عورت کہاں ہے بنانہ نے کہا میں موں خدا کی قسم۔ میں نے کہا کم بخت تجھے اس سے کیا تعلق۔ کہنے لگی (اب) میں ماری جاؤں گی میں نے کہا کیوں کہنے لگی میں نے ایک بات کی ہے چنانچہ وہ چلی گئی اور خلاد بن سوید کے عوض اس کی گردن ماردی گئی۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں میں بنانہ کی خوش طبعی اور ہنسی کی زیادتی نہیں بھولوں گی جب کہ وہ جان چکی تھی کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ (پھر بھی خوب ہنس رہی تھی) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جمہور کا مسلک ہے کہ کسی بھاری چیز سے کوئی کسی کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا بنانہ کا واقعہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا بھاری چیز سے قتل کا کوئی قصاص نہیں خواہ کوہ ابوقبیس کسی پر پھینک مارا ہو قتل ہو یا رخم اس کا قصاص صرف اس وقت ہو گا جب آلہ دھاردار سے ہو۔ سورۂ توبہ کی آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کی تفسیر کے ذیل میں ہم اس مسئلہ کی تنقیح کر چکے ہیں۔

زبیر بن باطا کی عجیب داستان:

محمد بن اسحاق نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ دور جاہلیت میں جنگ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی جس کی کنیت ابوعبدالرحمن تھی ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ کر لے گیا اور (بجائے قتل کرنے یا غلام بنانے کے) اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا جب بنی قریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر قرظی بہت بوڑھا تھا ثابت نے اس سے کہا ابوعبدالرحمن کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ زبیر نے

جواب دیا۔ مجھ جیسا آدمی آپ جیسے آدمی سے کسی طرح احسان رہ سکتا ہے ثابت نے کہا آپ نے جو احسان مجھ پر کیا تھا میں آج اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں زبیر نے کہا شریف لوگ بھلائی کا اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ حضور زبیر کی جان مجھے عطا فرمادیں فرمایا وہ تم کو بخش دیا گیا۔ ثابت یہ اختیار لے کر زبیر کے پاس آئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے تمہاری جان بخش کر دی زبیر نے کہا ایک بڑا بوڑھا جس کے نہ بیوی نہ بچے زندہ رہ کر کیا کرے گا یہ بات سن کر ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کے بال بچوں کو معاف کر دیجئے۔ فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیئے گئے۔ ثابت زبیر کے پاس پہنچے اور کہا تمہارے اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیئے اور اب میں وہ تم کو دیتا ہوں زبیر نے کہا وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو کس طرح جی سکتے ہیں۔ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کا مال بھی عطا فرما دیجئے فرمایا وہ بھی تم کو دے دیا گیا۔ ثابت نے زبیر سے جا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے تمہارا مال مجھے بخش دیا اب وہ تمہارا ہے۔ زبیر نے کہا ثابت اس شخص کا کیا ہوا جو خوبصورت چینی آئینہ تھا جس کے اندر (پورے) قبیلہ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا یعنی کعب بن اسد ثابت نے کہا اس کو قتل کر دیا گیا۔ زبیر نے کہا اچھا اس کا کیا ہوا جو شہریوں کا بھی سردار تھا اور صحرانشین لوگوں کا بھی دونوں کا سرگروہ تھا۔ لڑائی کے موقع پر لوگوں کو سواریاں عطا کرتا ہے اور قحط کے زمانہ میں کھانا کھلاتا تھا یعنی حی بن اخطب کہاں گیا۔ ثابت نے کہا وہ بھی مارا گیا۔ زبیر نے کہا غزالہ بن تمول کا کیا ہوا جو حملہ کرتے کے وقت ہمارا ہراول تھا اور حملہ سے مڑنے کے وقت ہمارے لئے حاشیہ ہوتا تھا (یعنی میمنہ اور میسرہ ہو جاتا تھا تاکہ ہماری حفاظت ہو سکے) ثابت نے کہا وہ بھی قتل ہو گیا۔ زبیر نے کہا دونوں نشستگاہوں یعنی بی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کی مجلسوں کا کیا ہوا ثابت نے کہا (دونوں مجلسوں کے) لوگ چلے گئے اور مارے گئے زبیر کہنے لگا ثابت میں نے جو بھلائی تیرے ساتھ کی تھی اس کا واسطہ دے کر تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں جس گھر میں وہ لوگ فروکش اور مقیم تھے میں اس گھر میں جا کر ان کے بعد ہمیشہ رہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن ثابت میرے بعد میرے اہل وعیال کا لحاظ رکھنا اپنے ساتھی سے درخواست کرتا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اور ان کا مال ان کو دے دے چنانچہ ثابت کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر کے بیوی بچوں کو اور باستثناء اسلحہ باقی مال کو واپس کر دیا۔ زبیر نے کہا ثابت میرا جو حق تجھ پر ہے تجھے اس کا واسطہ مجھے (جلد) ان دوستوں سے ملا دے۔ مجھ سے اب اتنی ہمدردی بھی نہیں ہو سکتا جتنی ہمدردی بھرے ہوئے ڈول کو حوض میں الٹ کر دوبارہ ڈول کو کنویں میں ڈالنے میں ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے ثابت نے لے جا کر زبیر کی گردن ماردی۔ (تفسیر مظہری)

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ثابت سے کہا زبیر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تجھے قتل کر دوں۔ زبیر نے کہا مجھے پرواہ نہیں کہ میرا قاتل کون ہو (تیرے ہاتھ سے مارا جاؤں یا کسی اور کے ہاتھ سے میرے لئے دونوں برابر ہیں) آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جب زبیر قرظی کے اس قول کی اطلاع ملی کہ میں اپنے دوستوں سے ملوں تو آپ نے فرمایا جہنم کی آگ میں دو اپنے دوستوں سے ہمیشہ ہمیشہ ملاقات کرتا رہے گا۔

مال کی تقسیم۔

اس کے بعد بنی قریظہ کا مال متاع اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ یہ سب سے پہلا مال غنیمت تھا جس میں (بعض لوگوں کو) دوہرا حصہ ملا۔ مسلمانوں کی تعداد تین سو اڑتھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے (سوار) تھے۔ کل مال کے ۳۰،۷۲ تین ہزار بہتر حصے کئے گئے ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے کا دوہرا حصہ۔

کچھ قیدیوں کی فروخت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی سعد بن عبادہ کے ساتھ فروخت کر دینے کے لئے بھیج دیئے تاکہ ان کی قیمت سے اسلحہ اور گھوڑے خرید لئے جائیں۔ یہ روایت محمد بن عمر کی ہے لیکن ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سعید بن زید انصاری کے ساتھ ہی قریظہ کے کچھ قیدی بھیجے تھے جن کی قیمت سے سعد نے گھوڑے اور اسلحہ خریدے تھے۔

حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن کی تجارت:

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ قیدی عورتیں شرکت میں خریدی تھیں پھر حضرت عبدالرحمٰن نے خریدی ہوئی عورتیں دو حصوں میں بانٹ دیں۔ بوڑھی عورتوں کو ایک طرف کیا اور جوان عورتوں کو دوسری طرف پھر حضرت عثمان کو اختیار دے دیا کہ جو حصہ آپ چاہیں لے لیں۔ حضرت عثمان نے بوڑھی عورتوں والا حصہ لے لیا اور اس کی وجہ سے بڑے مالدار ہو گئے کیوں کہ بوڑھی عورتوں کے پاس سے کثیر مال برآمد ہوا۔

ابن سیرہ نے کہا بوڑھی عورتوں کے پاس سے ایک یا دو ماہ کے بعد مال برآمد ہوا تھا اس لئے ان سے مال لے کر مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان نے اپنی خریدی ہوئی عورتوں میں سے ہر عورت سے کہدیا کہ اتنے وقت میں استمال

حق عورت دے کی وہ آزاد کر دی جائے گی چنانچہ جس عورت نے مقررہ مدت میں مال کی مقدار دے دی وہ آزاد کر دی گئی۔ حضرت عثمان نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ماں بچے میں جدائی کی ممانعت:

عورتوں سے ان کے بچوں کو جدا کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی تھی۔ تقسیم کے وقت بھی اور فروخت کے وقت بھی اور فرمایا تھا ماں اور اس کے بچے میں تفریق نہ کی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بالغ ہونے سے کیا مراد ہے فرمایا لڑکی کو حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔ رواہ الحاکم وصححہ عن عبادۃ بن الصامت۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماں اور اس کے بچے میں جدائی نہ کرو۔ عرض کیا گیا کب تک فرمایا جب تک لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی کو حیض آنے لگے۔

دار قطنی نے بوساطت میمون بن ابی شعیب حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک باندی اور اس کے بچے میں جدائی کر دی (یعنی ایک کو فروخت کر دیا دوسرے کو اپنے پاس رکھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمادی اور بیع لوٹ وادی۔ ابوداؤد نے منقطعاً یہ لفظ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے اس کو واپس کر دیا۔ ابن ہمام نے کہا مرسل ہونا ہمارے نزدیک ضعف نہیں پیدا کرتا۔ حاکم نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: اسی حدیث سے امام ابوحنیفہ نے استنباط کیا ہے کہ بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان دو چھوٹے علاموں میں تفریق کرنا جو باہم قرابت دار محرم ہوں ناجائز ہے اسی طرح مایا بالغ اور یا بالغ میں تفریق کرنا بھی ناجائز ہے جو ایک دوسرے کے قرابت دار محرم ہوں۔ امام احمد کے نزدیک اگر دو بالغ باہم محرم ہوں تو ان کو جدا کرنا بھی جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

حاکم اور دار قطنی نے ایک اور طریق سے بوساطت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس کچھ قیدی آئے حضور نے مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے دو بھائیوں کو فروخت کرووں میں نے دونوں کو الگ الگ فروخت کر دیا۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی۔ حضور نے فرمایا (جلد) پہنچ اور ان کو واپس لے لو اور یکجا کر کے ان کو فروخت کرو۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہ کرو۔ حاکم نے اس روایت کو بر شرط شیخین صحیح کہا ہے اور ابن قطان نے بھی کہا ہے اس سند میں کوئی عیب نہیں۔ اگر بچہ کے ساتھ صرف اس کی پھوپھی اور خالہ ہو دادی نہ ہو تو تنہا خالہ اور پھوپھی کو پہنچا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ماں اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی اور ایک کو فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی لیکن ایسا کرنے والا گناہگار ہوگا۔

مسئلہ: حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر دو نوں غلام یا باندیاں بالغ ہوں (خواہ دونوں کے درمیان کیسا ہی قریبی رشتہ ہو تو) دونوں کو الگ الگ کر دینا جائز ہے۔

شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں:

ایک روایت میں آیا ہے کہ مقوقس شاہ اسکندریہ نے دو باندیاں بطور ہدیہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجیں ایک ماریہ قبطیہ دوسری سیرین حضور نے سیرین تو حسان بن ثابت کو عطا فرمادی جس کے بطن سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھا جن کے بطن سے حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

واقعہ بنی قریظہ کے دن خلاد بن سوید اور منذر بن محمد شہید ہو گئے۔

فائدہ: بنی نضیر کے خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام تھا ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ یہ بنی عمرو بن قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ عورت تھی خوبصورت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھا گئی آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ حضور اس سے کنارہ کش ہو گئے لیکن دل میں اس کا خیال رہا۔ اس لئے ابن سعید کو طلب فرما کر ان سے اس کا تذکرہ کیا ابن سعید نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان وہ مسلمان ہو جائے گی۔ ابن سعید یہاں سے نکل کر ریحانہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے اب اپنی قوم کی طلب چھوڑ دو تم سے دیکھ لیا کہ جی بن اخطب کیسی مصیبت ان پر لے آیا اب مسلمان ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے لئے پسند فرمالیں گے۔ ریحانہ نے ابن سعید کی بات مان لی۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک حضور کو جوتوں کی آواز سنائی دی فرمایا یہ تو ابن سعید کے جوتوں کی آواز ہے مجھے ریحانہ کے مسلمان ہونے کی بشارت دے رہا ہے چنانچہ ابن سعید آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ریحانہ مسلمان ہو گئی یہ بات سن کر حضور (فداہ ابی وامی) خوش ہو گئے۔ ریحانہ حضور کی وفات تک آپ کے پاس رہی اور مملوک ہونے کی حالت میں ہی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ریحانہ سے نکاح کر لیں اور اس کو پردہ میں رکھیں لیکن ریحانہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے یوں ہی اپنی ملکیت میں ہی رہنے دیجئے (آزاد نہ کیجئے) میرے اور آپ کے لئے یہی بات آسان ہے (نہ اس میں آپ کو کوئی تکلیف نہ مجھے) اس لئے حضور نے ان کو باندی (ہی کی صورت میں) رہنے دیا۔

فائدہ: جب بنی قریظہ کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت سعد بن معاذ کا زخم بھی کھل گیا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر سب سعد کے پاس (ان کو دیکھنے) گئے (عمر رونے لگے) اس وقت میں اپنے حجرہ میں تھی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میں نے عمر کے رونے کی آواز ابوبکر کے رونے کی آواز سے الگ پہچان لی۔ اور یہ لوگ ایسے ہی تھے جیسا اللہ نے فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔

مناقب سعد بن معاذ:

حضرت انس راوی ہیں کہ جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا تو منافقوں نے کہا سعد کا جنازہ کتنا ہلکا ہے اس کی وجہ وہ فیصلہ تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد نے کیا تھا۔ حضور کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ رواہ الترمذی۔

حضرت جابر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے سعد بن معاذ کے مرنے سے رحمن کے عرش میں لرزہ آ گیا۔ رواہ الشیخان فی صحیحہما۔

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ کپڑوں کا ایک جوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (کہیں سے) بطور ہدیہ آیا صحابہ اس کو ہاتھوں سے چھونے لگے اور اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کی نرمی پر کیا تعجب کرتے ہو۔ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے اچھے اور نرم ہیں متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کے لئے ایک منادی بھیج دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سنایا اور پہنچایا لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَةَ یعنی کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔

صحابہ کرام سب کے سب اس دوسرے جہاد کے لئے فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے حکم نبوی کے ظاہر کے موافق راستہ میں نماز عصر ادا نہیں کی، بلکہ منزل مقرر بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی، اور بعض نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنو قریظہ پہنچ جانا ہے، ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی نہیں، انہوں نے نماز عصر اپنے وقت پر راستہ میں ادا کر لی۔

مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس اختلاف عمل کی خبر دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی، بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی اس سے علماء امت نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ علمائے مجتہدین جو حقیقۃً مجتہد ہوں اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے اقوال مختلفہ میں سے کسی کو گناہ اور منکر نہیں کہا جا سکتا، دونوں فریقوں کے لئے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی
وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا
اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ تا مدد یہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کروں بھلی طرح سے رخصت کرنا
وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو
فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا
تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے اُن کے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب

ازواج مطہرات کا معاملہ:

حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ ان میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں (عائشہؓ اور حفصہؓ) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے منشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اول سیدہ عائشہ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا جو آتا شتاب اٹھا دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ الطیبات للطیبین مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہی بہتر ہے آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہی چاہیے کہ ان کی اخلاق اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المؤمنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق امت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازواج مطہرات کو اختیار:

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت یعنی معاشی عشرت و تنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں، پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے، اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

فائدہ اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دے دے۔

آیت مذکورہ میں بعض مفسرین نے پہلی صورت کو اور بعض نے دوسری کو اختیار کیا ہے، سیدی حکیم الامۃ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں، جب تک کسی صریح نص سے ایک کی تعیین نہ ہو جائے اپنی طرف سے کسی صورت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اختیار دینے کا سبب:

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے، اس کا ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے، جن سے بلا قصد و اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہراتؓ کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں، اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ دیکھتے ہیں، اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ امہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلبگار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لئے آپ سب بیویوں سے کنارہ کش ہو گئے اور قسم کھائی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانۂ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے کچھ لوگ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔ حضرت عمر کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور نے طلاق نہیں دی۔ فرمایا ہاں اگر تم چاہو تو میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ

اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کا استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی۔

ازواج مطہرات کا اجر:

وَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنِينَ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں

تے نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے یعنی ان عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کی طلگار ہیں۔ ایسی ہی عورتیں محسنہ ہیں احسان کا معنی ہی یہ ہے کہ رب کی عبادت اس حضور قلب سے کی جائے کہ گویا رب نظروں کے سامنے رہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد۔

بغوی نے لکھا ہے اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر۔ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی۔ حضرت صفیہ بنت حی ابن اخطب خیبری اسرائیلی۔ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی۔

حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا

جب آیت تخییر (مندرجہ بالا) نازل ہوئی تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور نے ان کے سامنے آیت پڑھی اور ان کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کا) اختیار دیا۔ حضرت عائشہ نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ اور اس بات سے حضور کے چہرہ پر خوشی محسوس کی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ کی پیروی کی۔

ازواج مطہرات کی قدر افزائی:

قتادہ کا بیان ہے جب امہات المومنین نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بیویوں پر رس کرنے کا اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ اور فرما دیا ان کے بعد تمہارے لئے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل:

مسلم احمد اور نسائی نے بواسطہ ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بارگاہ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی پھر حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر نے (اپنے دل میں) کہا مجھے ایسی بات کہنی چاہئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں حضرت عمر کا بیان ہے (یہ خیال کر کے) میں نے عرض کیا دیکھئے اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرداگرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر عائشہ کی گردن پر ضرب رسید کرنے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر بھی حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لئے بڑھے اور دونوں نے کہا رسول اللہ کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کبھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس روز کنارہ کش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی دانائی:

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ سے کی اور فرمایا عائشہ میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا بات ہے حضور نے آیات مذکورہ پڑھ کر سنا دیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں (ایسا نہیں ہو سکتا) میں تو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور نے فرمایا مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا اللہ نے مجھے فتنہ انگیز سا کر نہیں بلکہ ہدایت دہندہ اور معلم سا کر مبعوث کیا ہے۔

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں گن رہی ہوں فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

عورت کو اختیار طلاق کا مسئلہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو خود طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اٹھ جائے گی یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے گی تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیوں کہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب

دیا جائے جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلس عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے عورت کو خیار مجلس باجماع صحابہ ثابت ہے۔ حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر سے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے جب مجلس سے اٹھ جائے گی تو اس کو اختیار نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں لہذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیوں کہ امت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے اس کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت جابر سے عبداللہ اور حضرت ابن مسعود کا قول جس سند سے نقل کیا ہے وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں رہا) اس منذر کا حدیث کے لفظ لاستحلی سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے یوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے جب کہ شوہر نے تفویض طلاق تردی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا اس پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو تفویض طلاق کی نیت ضرور اس وقت ہونی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کو کسی اور چیز کا اختیار دے رہا ہو (اور یہ مقصد ہو کہ تجھے خود اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے)

مسئلہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس کے نزدیک ایک رجعی طلاق ہو جائے گی کیونکہ شوہر کی طرف سے تفویض اختیار کا معنی ہے تفویض طلاق اور جب عورت نے اختیار نفس کا اظہار کر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے یہ لفظ کہہ دیے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی اور اس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس کے علاوہ آیت قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تو خیر رجوع نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

حضرت علی کا قول روایۃً ثابت ہے کہ ایک بائنہ طلاق واقع ہو گی یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ تفویض اختیار کے بعد طلاق کا اختیار صرف عورت ہی کو مل جاتا ہے (مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا)۔

مسئلہ اگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہو گی کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ عورت کو تفویض طلاق کی تھی اور عورت نے طلاق کو اختیار نہیں کیا بلکہ نکاح کو اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا تھا۔

مسئلہ (تفویض طلاق تے لئے) نفس کا لفظ ذکر کرنا جانا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر لفظ میں کسی مفہوم کے مراد ہونے کا احتمال ہی نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواج مطہرات کے مطالبہ کے محرکات:

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوہ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور مقتضائے محبت و ناز مزید نان و نفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ازواج مطہرات نے جو سامان دنیا کا تقاضہ کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ مقتضائے شان نبوت تھا اور ان کا ان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ضرر تھا اور ضرر برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا، جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ قدر ضرور و راحت تھی معاد اللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ صحابہ سخت مضطرب تھے۔ خاص ترابیو کر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں کو اپنی اپنی صاحبزادیوں عائشہ اور حفصہ کی فکر و منکر تھی کہ پیغمبر خدا کو رنجیدہ اور آزردہ کر کے اپنی عاقبت خراب کر بیٹھیں اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع ہوا اور آپ قدرے منشرح اور مبسوط ہوئے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۲ ج ۱۴، ص ۱۶۳ ج ۱۴، وتفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱۔

اسی حال میں ایک ماہ گذرا ایک ماہ کے بعد یہ آیت تخییر یٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر اَجْرًا عَظِيمًا تک نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی:

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد و امتثال کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا جس

سے آپ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔ (معارف کاندھلوی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ
اے نبی کی عورتو جو کوئی کہ لائے تم میں کام بیحیائی کا صریح دوہرا
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا
اس کو عذاب دونا اور ہے یہ اللہ پر آسان

امہات المؤمنین کا عظیم درجہ

بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہو جائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس کے نزدیک فاحشہ سے مراد ہے نافرمانی بدخلقی (چڑھ کر بولنا)

امہات المؤمنین کو ارتکاب فاحشہ پر دوہری سزا کی تجویز اس لئے کی گئی کہ اللہ کے انعامات ان پر زائد تھے اور انعامات کی زیادتی کی صورت گناہ کا ارتکاب زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لئے (زنا وغیرہ کی) آزاد آدمی کے لئے سزا غلام کی سزا سے دوگنی مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوہرے عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی آبرو پر بٹا لگتا ہے جو بہت ہی بری حرکت ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ (دوہرا عذاب دینا) اللہ کے لئے آسان ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا
دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی

عظیم مرتبہ کے لوازمات:

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا" خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۸) (تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسن معاشرت

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوبارہ (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ دوہرا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعت اور حسن معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طلبگار ہوئیں۔ مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی متابعت میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

امہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے:

اگر وہ کوئی گناہ کا کام کریں گی تو ان کو دوسری عورتوں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا یعنی ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا، ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔

یہ آیت ایک حیثیت سے ازواج مطہرات کے لئے ان کے اس عمل کی جزاء ہے جو انہوں نے آیت تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کر دیا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کا درجہ دے دیا، اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی، کہ جتنا کسی کا اعزاز و احترام ہوتا ہے اتنا ہی اس کی طرف سے غفلت و سرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

امہات المؤمنین پر انعامات:

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے انتخاب فرما لیا، ان کے گھروں میں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی کوتاہی بھی بڑی ہوگی، اگر دوسروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ اشد ہوگا کہ ان سے کوئی بات ایذاء و تکلیف کی سرزد ہو، قرآن کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔

فائدہ: ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام امت کے اعتبار سے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے ایسا انعام نہ بخشا جائے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے۔ (معارف معنی عظیم)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں

مقام عظمت کا تقاضا:

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور امہات المومنین بنایا لہٰذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کروگی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا دامن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔ اور بالفرض کوئی بُری حرکت سرزد ہو تو اتنی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض بھلائی کی جانب ہو یا برائی کی عام مؤمنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتوں تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔

یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔ یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین:

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریم کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ فرعون کی بی بی۔ آیت کا مساس مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل:

جمہور کا بالاتفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد نیز حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر تھیں۔ رضی اللہ عنہ

صحیحین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس کی برترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ کیچ نے یہ حدیث بیان کرتے بنت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آکر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دی کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن و حسین جوانان اہل جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آکر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ تلازما ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوئی اور یہ عورتیں محصنات اور محصنات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت:

ازواج مطہرات باتفاق صحابہ و تابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہم نے صحابہ و تابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہٰذا جو اس اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا رتبہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں

واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیز گاری پر قائم رہیں حضور پرنور کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
اگر تم ڈرو رکھو سو تم رب کو بات نہ کرو پھر لالچ کرے
الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا
کوئی جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ

یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بتکلف ایسا لب و لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بدباطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے امہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سو تم چبا کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ جب بشرط تقویٰ تمہاری فضیلت دوسری عورتوں پر ثابت ہے تو تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی آفت سرزد نہ ہونی چاہیے۔ (دوسرے) مردوں سے چبا چبا کر بات نہ کیا کرو (یہ تقویٰ کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا لہٰذا تم ایسا نہ کرو۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف کچھ رکھنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا:

بزدوی نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں ایک شخص کسی مرد و عورت کی طرف سے گزرا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو کچھ بدلہ نہ دلوایا (ضرب کو بلا قصاص قرار دیا)

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے:

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کام کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع

دارقطنی نے افراد میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (کہیں) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے کچھ لالچ ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو تو اپنے رب کی شان ہر وقت نظر آتی ہے وہ تو کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تاکہ میلان و لالچ کا احتمال ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور قاعدہ (عقلت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھاتا
الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے

یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے

مدوں اور لباس کی زیبائش کا مالا یہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس مداخلاتی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اُس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ امہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ لِنَفْسِ کَاَحَدٍ مِنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا

باقی کسی قرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر مردوں ریب وزینت کے معتدل اور نا قابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر حیاءً یا باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، مشابہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا شرکا مضمون یعنی عورت کے لئے کس اعضا کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ اُن کا تاکیدو اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ خاطب اُن کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک یہ آیۃ مِنْ بَیْتِ مسکنی بِفَرِیْضَۃٍ قَبْلَہٗ سے لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو تنبیہیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اس کی روک تھام لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ سے يُرِيدُ عَلَيْهَا تک بھلائی کی راہ میں ہوگی قرار دے گئی۔ اس تقریر کے موافق ''فاحشہ مبینہ'' کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (تمیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ اور قدیم زمانہ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔

امہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورت انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

شیعوں کی تلط فہمی

وہ لوگ جس کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ آیت میں عمومی ممانعت سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقہ الکبریٰ بنت صدیق اکبر حبیبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ کو پہنچیں پھر مکہ سے بصرہ گئیں جہاں جنگ جمل کا واقعہ ہوا یہ سارا سفر ممانعت آیت کے خلاف ہوا کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔ ام المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی دور کرنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت لاخیر فی کثیر من نجوٰھم الامن امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی آگ ایسی بھڑکا دی کہ جنگ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت و خون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیف مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

''تبرج'' کا معنی

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہار زینت اور مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے نکلنا۔ ابن کیسان نے کہا تبرج کا معنی ہے۔ اٹھلا کر چلنا۔ اس لئے لاتبرجن کا تفسیری ترجمہ کیا ہے اٹھلا کر نہ چلو۔

دور جاہلیت جاہلیت اولیٰ سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت اور جاہلیت دوئم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابوالعالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ رکھتا تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیت اُولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہما السلام کے درمیان تھا۔

جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء

حضرت آدم کی نسل سے وہ قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں۔ پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی ماشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تیوہار بنا لیا جہاں مقرر وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کو عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یک جا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آ بسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن اولی کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوئم بھی کوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اُخری کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت لَقَدْ عَادَ الْاُوْلٰی میں اولی کا لفظ ہے (عاد اُخری کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عاد الاولی فرمایا)

یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں) (تفسیر مظہری)

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار:

صدیقہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما یہ سب حج کے لئے تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلان عثمان ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، جب تک یہ امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنینؓ کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو ام المومنینؓ سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلان عثمانؓ اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علیؓ کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیرؓ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سفر بصرہ اور اس کے مقاصد:

حضرت صدیقہؓ کو ایک طرف حضرت علیؓ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المومنین علیؓ کی طرف سے مجبوری دیکھی جا رہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمانؓ امیر المومنینؓ کی مجالس میں بھی شریک ہوئے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنینؓ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہو رہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنینؓ کو قوت پہنچا کر نظم مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ و شکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کر لیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المومنینؓ نے حضرت قعقاعؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

شیعوں کا طوفان

اس لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرما لیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنینؓ نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے،

فتنہ بازوں کی کارروائی:

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کر دی اس کا خیال کبھی صدیقہؓ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی

تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہو سکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفر بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جا رہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں، حضرت حسن و حسین و عبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہو جائے مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا ای بنی الاصلاح بین الناس، یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلا لیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلان عثمانؓ پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے، اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کر لیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاعؓ نے جا کر امیر المومنین کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہو گئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کر لیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارتگری شروع کر دو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا افسوس

غرض مفسدین و مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہؓ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیا منسیا ہو گیا ہوتا، اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا، (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد و ابن المنذر و ابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا اس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے) (معارف مفتی اعظم)

تحفظ عصمت کیلئے شرعی قوانین:

ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا

ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن و جمال دکھلاتی پھرے حسن و جمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جس محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے۔

پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔

عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔

یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انگلستانی خاتون کا بے پردگی کا ماتم:

انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت و ندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آ رہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

بے پردگی کے نقصانات

۱- یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔

۲- زنا کا دروازہ کھلتا ہے۔

۳- اولاد حرام ہوتی ہے۔

۴- حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵- شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو دل سے کیسے محبت رہے۔

۶- بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور ظاہر ہے کہ جو عورت بے پردہ پھرتی

۷- اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸- بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور اطمینان کا باعث نہیں بنتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔

۹- بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔

۱۰- بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔

۱۱- بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۱۲- بے پردگی اپنی آوارگی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔

۱۳- جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔

۱۴- جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے

غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔

۱۵۔ حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے کبھی بھی عورتوں کی فوج نہیں بھیجی۔

پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔

بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ جہ جہ پر ناچ گھر قائم ہو گئے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر یا بیٹ بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرامزادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ

اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوٰۃ

وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی

ارکانِ اسلام کی پابندی:

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور اُمت کے لئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ

اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندگی ناپاکی اے نبی کے گھر والو

وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا

اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ:

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک و صاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو جس کی طرف لِیُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِیْرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیر واجتباب جس اس قسم کی نہیں جو آیت وضو میں وَلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ (مائدہ۔ رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ (انفال۔ رکوع ۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ اولیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ یُرِیْدُ اللّٰهُ یُرِیْدُ وَجْهَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰهُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہل بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں:

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ علیہ السلام نے فرمایا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ (طلاق۔ رکوع ۱) حضرت یوسف کے قصہ میں بیبے کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا (یوسف۔ رکوع ۳) بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اولاً اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہل بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں اتم کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا حضرت

فاطمہ علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر اللھم ھولاء اھل بیتی وغیرہ فرمایا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور ان ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے ان کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اے اہل بیت (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

یہ کلام استیفائی ہے (پہلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا حکم امہات المومنین کو بھی شامل ہے اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہل بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

رجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللھم ھولاء اھل بیتی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں

اس سے بعض متعصبوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرمایا اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے کہ حضور پرنور نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو کذا فی العنوان فی رمضان ص ۴ وعظ چہارم از سلسلہ اصلاح۔

حضور پرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللھم ھولاء اھل بیتی الخ تاکہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھر اللہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے۔

جس طرح احادیث میں حضرت علی اور ان کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پرنور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اسی بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃ اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پرنور کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (حارث کاندھلوی)

اہل البیت، رسول اللہ کے گھر کے لوگ۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعیین کے لئے) آیت وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ تلاوت فرمائی رواہ

اس ابی حاتم وردی ابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق و سباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہو سکتی ہے جب کہ کم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابوسعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا رواہ مسلم۔

حضرت سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ رواہ مسلم

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرما دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کملی میں داخل کر لیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

ازواج واولاد سب اہل بیت ہیں،

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے دلیلی طور پر اس میں آ جاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب نور کے فرشتوں نے کہا تھا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتار کلام اگرچہ امہات المومنین پر دلالت کر رہی ہے لیکن آیت تطہیر سب کو شامل ہے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ انشاء اللہ۔

رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور انشاء اللہ کا لفظ (امید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کر دیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب۔

گناہ گندگی ہے

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تاکہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہو جائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفع حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہرحال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں) متفق علیہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مومن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحدیث۔ رواہ مسلم۔

شیعوں کا غلط استدلال:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علی اور فاطمہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یہی تھے، دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں حضرات اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔ شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسب صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہل بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان بالاجماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔ شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ الخ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ آیت تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادہ الٰہیہ ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظت بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط باوضو ہے اور آیت تطہیر میں مشروط باتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہل بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتا دیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے اس نے تقویٰ کا طریقہ بتا دیا اور فرما دیا فلا تخضعن پس جس طرح طہارت بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارت باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافت ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنا دیا گیا تھا۔ آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب

ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔ بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے، اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پا لے گی۔

عورت کیلئے قرب الٰہی

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز، گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دور جاہلیت کے کرتوت

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ نار سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹا گلے میں ڈال لی لیکن اسے لپیٹا نہیں، جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین کی فضیلت

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ سوا سد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے

جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا۔ جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوف خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اتری ہے۔ اس پر آپ نے خوب زور، یا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رو دئے۔ کسی نے ایک مرتبہ علی بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں۔ کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت:

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

آیت سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری امت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناصب ان اعمال کا ریاد واہتمام کریں، اس آیت میں اس تخصیصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

رجس کا معنی:

لفظ رجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رجس بتوں کے معنی میں آیا ہے اور کبھی رجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابل نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

حضرت عکرمہؓ کا چیلنج:

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق:

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جس لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں یہ ان کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اسلوب قرآن کی دلالت:

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان سے خطاب اور ان کے لئے میغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں قَرْنَ تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی میں بصیغہ مؤنث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عَنْکُمْ اور یُطَھِّرَکُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں بلکہ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب:

آیت تذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا

تطہیر کا مطلب

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کرے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ بہ ست معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہل تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہل بیت کا صرف اولاد وعصمات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت تذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کہا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرامؓ کی فضیلت شیعوں کی کتاب میں:

شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغہ ماضی وارد ہوتی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے

عروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنھم فی کتابہ انہ اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیۃ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ اور آیت وَالَّذِينَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور آیت أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ اور آیت لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

شیعوں کی تاویل:

حضرات شیعہ کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہیئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف لاحق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ

اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں

آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ

اللہ کی باتیں اور حکمت کی

تعلیم قرآن وسنت کا حکم۔

یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم وایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (تفسیر عزیزی)

فائدہ اس عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ امت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیات قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں، اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ وتعلیم امت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے، صحیح بخاری میں حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لئے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں، اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں لیکن جب ان کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنادی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لئے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں، صحیح بخاری میں اُحل کے الفاظ یہ ہیں فاظہر بہ معاذ عند موتہ تاثما یعنی حضرت معاذؓ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لئے سنادی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیث رسول امت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل سب صحابہ کرام واجب وضروری سمجھتے تھے، اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہو گئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

مقرر اللہ سے بھید جاننے والا خبردار

اسرار الٰہی:

اُس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے اٹھانے کا اہل ہے اُس نے اپنے لطف و مہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لیے اور تم واہل کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال واستعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عزیزی)

آئندہ آیت کا شان نزول:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابوطالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا کیا ہمارے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المومنین نے جواب دیا۔ نہیں۔ اسماء فوراً رسول اللہ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتیں بڑے گھاٹے میں ہیں، بڑی نامراد ہیں۔ فرمایا کس وجہ سے یہ بات (کہہ رہی ہو) عرض کیا حضور مردوں کا جس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ عورتوں کا اچھائی کے ساتھ (قرآن

میں) کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر حقانی)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ

تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ

اور ایماندار عورتیں اللہ بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد

وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ

اور سچی عورتیں اور سخت جھیلنے والے مرد اور سخت جھیلنے والی عورتیں

یعنی آفتیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔ (تفسیر حقانی)

ایمان دار خواتین کا ذکر!

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کی ہے۔ اسی طرح ابن سعد نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ طبرانی نے قابل قبول سند سے بروایت ابن عباس یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ایماندار مردوں کا تو ذکر کرتا ہے اور ایماندار عورتوں کا ذکر (قرآن میں) نہیں کرتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ سبب نزول ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔

ترمذی نے بسند حسن حضرت ام عمارہ انصاریہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا تھا کیا وجہ کہ میں (قرآن میں) ہر چیز مردوں ہی کے لئے دیکھتی ہوں اور عورتوں کا تذکرہ کسی (اچھی) چیز کے ساتھ (قرآن میں) مجھے نظر نہیں آتا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ

اور دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں

یعنی تواضع و خاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع و خضوع سے ادا کرنے والے۔ (تفسیر حقانی)

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ

اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور حفاظت کرنے والے

فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ

اپنی شرمگاہوں کی مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد

كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا

اللہ کو بہت سا اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا

خواتین کی دلجمعی

بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا کہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا اس پر یہ آیت اتری۔ تاکہ تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور کمائی اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لئے تصریح فرما دی۔ ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ خدا گا نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

سب سے بڑا مجاہد!

الذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ یعنی بکثرت دلوں اور زبانوں سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے فرمایا خود اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو یہ عرض کیا کس روزہ دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ اور خیرات کا ذکر کیا اور حضور نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا ابوحفص اللہ کا ذکر کرنے والے مرد بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔

لغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ بندہ اسی وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو اس کے بغیر کثیر الذکر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب فنا، قلب حاصل ہو جائے ذکر میں دل ڈوبا رہے اور ہر وقت حضور دوامی حاصل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے عرض کیا گیا افراد والے کون فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ رواہ مسلم۔ (ان حدیث ابی ہریرہؓ۔

عذاب الٰہی سے نجات!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر خدا سے زیادہ عذاب الٰہی سے

نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا نہ جہاد فی سبیل اللہ۔ فرمایا نہ جہاد فی سبیل اللہ ہاں اگر جہاد میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (ایسی حالت میں مجاہد کا درجہ زیادہ ہو جائے گا) رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر من حدیث عبداللہ بن عمر۔

افضل و اعلیٰ آدمی

حضرت سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سا بندہ سب سے افضل اور عالی مرتبہ ہوگا فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں لڑنے والے سے بھی فرمایا اگر (مجاہد) کافروں اور مشرکوں میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس سے مرتبہ میں افضل ہوگا۔ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

غافل و ذاکر کی مثال

امام مالک نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یاد خدا سے غفلت کرنے والوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے (جہاد سے منہ موڑ کر) بھاگنے والوں کے پیچھے (کافروں سے) لڑتا رہنے والا اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے درخت میں سبز شہنی اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے تاریک گھر میں (روشن) چراغ۔ غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کو (دنیا میں ہی) جنت کے اندر اس کا مقام اللہ دکھا دیتا ہے اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ بولنے والوں سے مراد ہیں تمام بنی آدم اور گونگے سے مراد ہیں چوپائے۔ رواہ رزین۔

مؤمن و مسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم اور حافظ

بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے کہا جس نے اپنے کام اللہ کے سپرد کر دیئے وہ المسلمین والمسلمات کے تحت آ گیا اور جس نے اقرار کیا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور دل زبان کے مخالف نہ ہو تو وہ المومنین والمومنات کی فہرست میں آ گیا اور جس نے فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول کی اطاعت کی (یعنی فرائض خداوندی کو ادا کیا اور سنت رسول پر چلا) وہ القانتین والقانتات میں شامل ہو گیا اور جس نے اپنے کلام کو جھوٹ سے محفوظ رکھا وہ الصادقین والصادقات میں آ گیا اور جو طاعت پر جما رہا اور گناہ سے ڈرتا رہا اور دکھ پر صبر کیا والصابرین والصابرات میں شامل ہو گیا اور جس نے (اتنے استغراق سے) نماز پڑھی کہ دائیں بائیں کی بھی اس کو شناخت (یعنی خبر) نہ ہوئی وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہو گیا اور جس نے ہر ہفتہ ایک درہم خیرات کیا وہ المتصدقین والمتصدقات میں شامل ہو گیا اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں کے (یعنی ۱۳-۱۴ تاریخوں کے) روزے رکھے وہ الصائمین والصائمات میں داخل ہو گیا اور جس نے حرام سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا وہ الحافظین فروجہم والحافظات کے ذیل میں آ گیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے تحت آ گیا۔

اَعَدَّ لَهُمْ مَّغْفِرَةً یعنی جو گناہ ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کی مغفرت اللہ نے تیار کر رکھی ہے۔

وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی طاعت کا بڑا ثواب۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمایا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں مردوں سے جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے بہت کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مرد سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے متعلق فرمایا اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب و زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہ کا یہ ارشاد وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بولی عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہیے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
اور کام نہیں کسی ایماندار مرد کا اور نہ ایماندار عورت کا جبکہ مقرر کر دے اللہ
وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
اور اس کا رسول کوئی کام کیا ان کو رہے اختیار

مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

سو وہ راہ بھولا صریح پڑ کر

حضرت زید بن حارثہؓ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ:

حضرت زینت رضی اللہ عنہا امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں۔ یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام سا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا اور کچھ دنوں بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہشیار ہوئے تو ایک تجارتی سفر کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب گزرے، وہاں ان کے اعزہ کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں، فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اولاد سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور ماں باپ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ حضرت نے اُن کو آزاد کر دیا اور متبنیٰ بنا لیا۔ چنانچہ لوگ اُس زمانہ کے مطابق زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے تا آں کہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اُس وقت زید بن محمدی جگہ پھر زید بن حارثہ رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق اُن کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف ابد اکر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف اُن کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ اُن کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا بہرحال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ بظاہر داغ غلامی اُٹھا کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز اُن کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہومہ تفریقات و اختیارات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس لئے آپ نے زینب اور اُن کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان لوگوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔ (موضح)

شانِ نزول طبرانی نے صحیح سند سے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو پیام نکاح بھیجا یہ پیام حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا لیکن حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ نے اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے جب معلوم ہوا کہ زید کا پیام بھیجا ہے تو انکار کر دیا اس پر آیت مذکور نازل ہوئی۔

رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو ایسے امر کا خود اختیار نہیں رہتا۔

تو یہ آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں اور انہوں نے مان لیا۔

حضرت زیدؓ کی شادی

جوہری نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو یا ارعکاظ سے خریدتے کے بعد آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا پھر حضرت زینب کو پیام نکاح بھیجا۔ حضرت زینب نے خیال کیا کہ اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے اس لئے راضی ہو گئیں لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ زید کی طرف سے پیام بھیجا ہے تو آپ کو ناگوار ہوا اور انکار کر دیا اور زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی یہ رشتہ پسند نہیں کیا حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھی امیمہ رسول اللہ کی پھوپھی تھی۔

اس تیسرے طریق عکرمہ و عوفی حضرت ابن عباس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیام بھیجا تھا۔ زینب نے یہ رشتہ پسند نہیں کیا اور کہا میں زید سے نسب میں بہتر اور اعلیٰ ہوں اس پر آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ نازل ہوئی۔ مومن سے مراد ہیں عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے مراد ہیں زینب بنت جحش یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ

لَا يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کسی کو اپنے معاملہ کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں رہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی کے مطابق کریں بلکہ حکم خدا کی تعمیل ان کے لئے ضروری ہے اور اپنے اختیار کو اللہ اور رسول کی پسندیدگی کے تابع بنانا لازم ہے۔

خیرۃ اور خیار دونوں ہم معنی ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلق امر (اگر کسی دوسرے معنی کے قرینہ سے خالی ہو تو) وجوب کے لئے آتا ہے۔

ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ عالم اور وہ لوگ جن کو دینی شرف حاصل ہے وہ ہر عربی اور شریف النسب شخص کا تفوق ہے (خواہ اس کی ذات اور قوم عرف عام کے لحاظ سے کچھ بھی ہو)

پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا راہ صواب سے کھلا سوا انحراف۔ امر سے انحراف دو طرح کا

ہوتا ہے۔ امر کو ماننے سے انکار اور تردید ایسا انحراف کفر سے انحراف عمل مع اعتقاد وجوب یعنی امر کے واجب ہونے کا عقیدہ تو ہو لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو، ایسی نافرمانی کو فسق کہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب اور ان کا بھائی دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے مان لیا اور زینب نے نکاح کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضور نے زید سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضور نے زید کی طرف سے زینب کو دس دینار ساٹھ درہم ایک اوڑھنی ایک کرتہ ایک تہبند ایک چادر پچاس سیر غلہ اور تقریباً چار من چھوارے دیئے۔ حضرت زید کے پاس ایک مدت تک رہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے (حضرت زینب کی طرف) گئے زینب گوری اور قریش کی حسین ترین عورت تھیں اس وقت صرف کرتہ اور دوپٹہ پہنے کھڑی تھیں حضور کی جو نظر ان پر پڑی تو اچھی معلوم ہوئیں اور دل کو بھا گئیں فوراً زبان سے نکلا سبحان اللہ۔ اللہ دل کو پلٹنے والا ہے۔ اس کے بعد لوٹ آئے جب حضرت زید آئے تو ان سے حضور نے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ زید سمجھ گئے اور اسی وقت سے ان کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ایسا کیوں؟ کیا زینب کی تم نے کوئی ناشائستہ حرکت دیکھی۔ زید نے کہا نہیں خدا کی قسم۔ میں نے تو ان کی طرف سے نیکی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا مگر وہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے مجھ پر اپنی بڑائی جتلاتی ہیں اور زبان سے مجھے دکھ دیتی ہیں۔ حضور نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ابن جریر نے ابوزید کی روایت سے یہ واقعہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہونا چاہیے یعنی بالغ لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے، حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں، اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہیے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر صحابہ کرام کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کروں تاکہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح دوسرے کم درجہ والے سے نہ کیا جائے اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت انسؓ نے بھی اس کی تاکید فرمائی کہ نکاح میں کفاءت کی رعایت کی جائے جو متعدد اسانید سے منقول ہے، امام ابن ہمام نے بھی فتح القدیر میں اس کی تفصیل لکھی ہے۔

دینی مصلحت کفو سے افضل ہے

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفایت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے، لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفائت سے بڑھ کر سامنے آ جائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفاءت کی نفی نہیں ہوئی، واللہ اعلم۔

حضرت زیدؓ اور حضرت زینب میں ناموافقت

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ ہو گیا، مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی حضرت زیدؓ ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بناء پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے، دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیا گیا تھا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے، اس کے بعد زینب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی، ایک روز حضرت زیدؓ نے انہی شکایات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان کو طلاق دے دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے منع فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ منجانب اللہ یہ علم ہو گیا تھا کہ واقعہ یوں ہی پیش آنے والا ہے کہ زید ان کو طلاق دے دیں گے، پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ لیکن دو وجہ سے آپ نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا، اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں بلکہ بعض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے۔ اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینب کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، اگرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو سورۂ احزاب کی ہی سابقہ آیات میں ختم کر دیا ہے اس کے بعد کسی مومن کے لئے تو ان کے وسوسہ کا بھی خطرہ نہ تھا مگر کفار جو قرآن ہی کو نہیں مانتے وہ اپنی جاہلانہ رسم یعنی منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھنے کی بناء پر زبان طعن دراز کریں گے، یہ اندیشہ بھی حضرت زیدؓ کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب بنا حکیم ترمذی اور ابن

ابی حاتم وغیرہ محمد ثین نے حضرت علی بن حسین زین العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اوحی اللّٰہ تعالیٰ الیہ صلی	اللّٰہ علیہ وسلم ان زینب
ستطلقھا زیدٌ ویتزوجھا	بعدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

(روح از حکیم ترمذی)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینبؓ کو زیدؓ طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی''

اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

ان اللّٰہ اعلم نبیہٗ انھا	ستکون من ازواجہ
قبل ان تزوجھا فلما اتاہ	زیدٌ لیشکوھا الیہ قال
اتق اللّٰہ وامسک علیک	زوجک فقال احسبک
انی امرتک بھا وسمی لی بعضھا	ما اللّٰہ مبدیہ

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتلا دیا تھا کہ حضرت زینبؓ بھی ازواج مطہرات میں داخل ہو جائیں گی، پھر جب حضرت زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ سے بتلا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔'' (معارف مفتی اعظم)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ
اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا
عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ
رکھے رہ اپنے پاس اپنی بی بی کو اور ڈر اللہ سے
وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ
اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولنے والا تھا اور ڈرتا تھا تو لوگوں سے
وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْہَا وَطَرًا
اور اللہ سے زیادہ چاہیے کہ ڈرتا رہے تو اس کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض

حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی

یعنی زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت بھی گزر گئی۔ تب [illegible] مطلب نہ رہا۔ (تفسیر مثانی)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ

اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ حاکم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زینب بنت جحش کی شکایت کرنے آئے تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

انعم اللّٰہ اللہ نے اس پر فضل کیا کہ اسلام کی اور آپ کے ساتھ رہنے کی اس کو توفیق دی اور آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی (جس کی وجہ سے آپ نے ان کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا)

زوجک یعنی زینب بنت جحش۔

واتق اللّٰہ اور اللہ سے اس کے معاملہ میں ڈر۔ اس کو طلاق نہ دے۔ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن تمام جائز احکام میں سب سے زیادہ مبغوض اور قابل نفرت چیز ہے۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ اور آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے معاملہ میں ہوا۔ حسن نے کہا زید کی بات رسول اللہ کو دل سے تو پسند آئی مگر شرم اور شرف ذاتی کی وجہ سے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلانِ طبع:

جوی نے بروایت سفیان بن عیینہ بیان کیا کہ علی بن زید جدعان نے کہا مجھ سے امام زین العابدین علی بن امام حسین نے پوچھا آیت وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ: تخشی الناس واللّٰہ احق ان تخشاہ کے متعلق حسن کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا حسن کہہ رہے تھے کہ جب زید نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے نبی میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں حضور کو زید کی یہ بات (دل سے تو) پسند آئی لیکن (ظاہر میں) زبان سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ امام زین العابدین نے فرمایا ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کی بیوی ہو جائیں گی۔ چنانچہ جب زید نے آ کر کہا میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو اللہ کے رسول نے فرمایا۔ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی اور بطور عتاب اللہ سے فرمایا۔ اب ہم سے آپ وعدہ فرما چکے کہ زینب آپ کی بیوی ہوگی تو پھر آپ سے زید سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو طلاق نہ دو۔ آیت کا یہ

مطلب شان انبیاء کے موافق ہے (اس سے نبی پر کوئی وصف نہیں آتا) اور عبارت بھی اسی کے مطابق ہے کیوں کہ اللہ نے فرمادیا کہ جو بات تم نے چھپائی تھی ہم اس کو ظاہر کرنے والے ہیں لیکن سوا اس کے کہ وَجَّنَّكَهَا ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا) فرمادیا اور کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں زینب کی محبت چھپائے رکھی ہوتی یا دل کے اندر یہ بات مخفی کر لی ہوتی کہ زینب کو زید طلاق دے دے تو اللہ (حسب وعدہ) اس کو ضرور ظاہر کر دیتا حقیقت میں (جب وحی الٰہی آپ کو معلوم ہو گیا کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو) آپ کو زید سے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ جو بیوی تیرے نکاح میں اور تیرے پاس ہے وہ میری بیوی ہو جائے گی۔

بغوی نے لکھا ہے امام زین العابدین کا بیان کیا ہوا یہ مطلب نہایت خوبصورت اور پسندیدہ ہے لیکن یہ مطلب بھی غلط نہیں ہے اور نہ شان انبیاء کے خلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینب کی محبت پیدا ہو گئی اور آپ نے اس کو چھپائے رکھا یا یہ بات پوشیدہ رکھی کہ زید طلاق دے دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا کیوں کہ دل میں جو بات بغیر اختیار کے پیدا ہو جائے اس کو قابل ملامت اور برا نہیں قرار دیا جا سکتا اس طرح کی واردات قلبی میں کوئی گناہ نہیں دل کا جھکاؤ اور وجدان محبت تو طبعی اور فطری چیز ہے۔ باقی اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ الخ فرمایا تو یہ ایک اچھے کام کا مشورہ ہے امر بالمعروف ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید کو مشورہ موجب اجر ہے

میں کہتا ہوں بلکہ یہ مشورہ اور حکم اجر عظیم کا موجب ہے کیوں کہ اپنی طبیعت کے خلاف امر بالمعروف تو (جہاد نفس کی) نہایت اعلیٰ (صورت) ہے اللہ نے فرمایا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو بھی سخت حاجت ہو اور جو شخص حرص نفس سے محفوظ رہتے ہیں وہ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

حسن کے قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سبحان اللہ مقلب القلوب۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ زینب سے زید کا نکاح کرا دیں (چنانچہ ایسا کرا دیا اور باوجود زینب کے میلان طبع اور اقرار کے حضور کے دل میں خود نکاح کر لینے کا خیال ہی نہیں ہوا) پھر اللہ نے دل پلٹ دیا اور زینب سے نکاح کرنے کی طرف دل موڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے:

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ اور آپ لوگوں (کے طعن) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو صرف اللہ ہی سے سزاوار ہے، یعنی آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے اللہ کے رسول نے زید سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی حالانکہ اللہ ہی سے ڈرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس آیت سے زیادہ اور کوئی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشوار نہیں ہوئی مسروق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی فرستادہ وحی میں سے کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ کو پوشیدہ رکھتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کا خوف و خشیہ نہیں تھا۔ حضور نے خود فرمایا تھا اِنِّيْ اَخْشَاكُمْ وَاَتْقَاكُمْ میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف و خشیہ رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں اللہ نے تمام انبیاء کی شان میں فرمایا ہے

يَخْشَوْنَ اَوْ لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ لیکن اس جگہ جب لوگوں سے ڈرنے کا ذکر کیا تو بطور عموم ضابطہ یہ بھی فرمادیا کہ تمام امور و احوال میں خدا سے ڈرنا ہی سزاوار ہے۔ میں کہتا ہوں اس تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہو آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں اور جتنا لوگوں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں کیوں کہ اللہ ہی سے ڈرنا سزاوار ہے پس لوگوں کے ڈر اور خوف سے آپ نے دل میں ایک بات چھپالی اور اللہ کے خوف سے (زید کو) نیکی اور بھلائی کا حکم بھی دیا اور حکم خدا کی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہی مطلب ہے آیت لَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ انبیاء لوگوں کا خوف و لحاظ ایسا نہیں رکھتے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے حکم کی تعمیل چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ رہا عام طور پر لوگوں سے ڈرنا اور ان کے طعن کا لحاظ رکھنا تو یہ بات بری نہیں بلکہ اچھی ہے حیا تو ایمان کا جز ہے۔ (متفق علیہ)

حیاء کی اہمیت: صحیحین میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آیا ہے کہ حیا اور ایمان دونوں کو جوڑ دیا گیا ہے (ہر ایک دوسرے کا ساتھی ہے) جب ایک کو اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرے کو بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے جب ایک کو سلب کر لیا جاتا ہے تو دوسرا اول کے پیچھے آ جاتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

امام مالک نے مرسلاً بروایت زید بن طلحہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں غیر ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان

کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی ایک شرشت ہوتی ہے اور اسلام کی شرشت حیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کو پیغام:

مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابو یعلی۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی اور بغوی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے اور روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ ہوئی ہے ذکر کی ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا جا کر زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ) زید گئے اور جس وقت پہنچے ہیں اس وقت زینب آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ زید کا بیان ہے میں نے زینب کو دیکھا تو اس کی اتنی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا یوں کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے ارادہ سے ان کا ذکر کیا تھا چنانچہ میں نے فوراً اُن کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر کہا زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے حضور نے تم کو یاد کیا ہے۔ حضرت زینب نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کئے بغیر کچھ کرنے والی نہیں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت زینب اُٹھ کر مسجد (یعنی اندرون خانہ جو نماز کی جگہ مقرر کر رکھی تھی اس) کی طرف گئیں اور آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کا اس سے دل بھر گیا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو آپ کی بیوی بنا دیا۔

منہا کی ضمیر زینب بنت جحش کی طرف راجع ہے وطر کا معنی ہے حاجت۔ حاجت پوری کرنے سے مراد ہے دل بھر جانا یعنی جب زینب سے زید کا دل بھر گیا اور زید کو زینب کی حاجت نہ رہی اور انہوں نے طلاق دے دی اور تب کی عدت گزر گئی۔ بعض علماء تفسیر نے کہا کہ قضاء وطر (حاجت پوری کرنے) سے بطور کنایہ طلاق مراد ہے۔

دعوت ولیمہ حضرت انس کا بیان ہے رسول اللہ (باہر سے) آئے اور تعمیر اذن طلب کئے زینب کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ ہم کو یاد ہے کہ (حضرت زینب کے ولیمہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گوشت روٹی کھلایا تھا۔ آدھا دن گزر گیا لوگ کھانے کے بعد نکل کر چلے گئے لیکن وہ آدمی باتوں میں مشغول حجرہ میں بیٹھے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجبوراً خود) باہر نکل گئے میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ حضور والا یکے بعد دیگرا امہات المومنین کے حجروں میں تشریف لے گئے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی سلام کیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔

حضرت انس نے کہا مجھے یاد نہیں کچھ دیر کے بعد میں نے جا کر اطلاع دی یا دوسرے لوگوں نے کہ وہ لوگ چلے گئے۔ یہ سن کر حضور تشریف لے آئے حجرہ میں چھپے میں بھی آپ کے ساتھ اندر گھسنے لگا تو میرے اور حضور کے درمیان پردہ کھینچ دیا گیا اور حجاب کا حکم نازل ہو گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت زینب کا کیا ایسا کسی اور بی بی کا نہیں کیا زینب کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی۔ یہی حضرت انس ہی کا بیان ہے کہ زینب بنت جحش کے ولیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلایا۔ (تفہیم ملہری)

حضرت زینب کا امتیاز

بخاری۔ احمد۔ ترمذی۔ حاکم۔ ابن مردویہ عبد بن حمید اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرماتی تھیں تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے گھر والوں نے کرایا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ نے کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کہتی تھیں میرے نکاح کا تو اللہ دونوں ہوا اور تمہارا نکاح تمہارے اولیا نے کرایا۔

بغوی نے بحوالہ شعبی بیان کیا ہے کہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھیں مجھے آپ کے سلسلہ میں (دوسری بیبیوں پر) تین چیزوں سے امتیاز کسی نبی کو حاصل نہیں۔ میرا اور آپ کا دادا ایک تھا۔ میرا نکاح آپ کے ساتھ اللہ نے آسمان پر کیا نیز نکاح کے سفیر جبرئیل تھے۔ (تفہیم ملہری)

حضرت زینبؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کر دی گئی ہیں اول تو یہ کہ بیت اللہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا، دوسرے بناء ابراہیمی میں لوگوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب میں دوسرا مغربی جانب میں، جس کی وجہ سے بیت اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے میں زحمت نہ ہوتی تھی، اہل جاہلیت نے اس میں وہ تصرف کیے کہ مغربی دروازہ تو بالکل بند کر دیا اور مشرقی دروازہ جو سطح زمین سے متصل تھا اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ بغیر سیڑھی کے اس میں داخلہ نہ ہو سکے جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ جس کو اجازت دیں صرف وہ اندر جا سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو مسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا، یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا اس کو ترک کر دیا اور

منجانب اللہ اس پر کوئی عتاب نہیں سوا، جس سے اس عمل کا عنداللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا مگر یہ معاملہ بیت اللہ کو بناء ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا ایسا نہیں جس پر کوئی مقصد موقوف ہو یا جس سے احکام حلال وحرام متعلق ہوں۔

بخلاف واقعہ نکاح زینبؓ کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا اس واقعہ میں حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان اختلاف طبائع اور زیدؓ کی ناراضی پھر طلاق دینے کا عزم یہ سب اسی تکوینی اور تقدیری امر کی کڑیاں تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

آسمان پر نکاح: چونکہ حضرت زینب نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل ولی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی ولایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب سے کر دیا آسمانوں میں تو اسی نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبریل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

اعلان نکاح: قُلْنَا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہو گیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب وقبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد (اور اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ دیکھو فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر وزرقانی ص ۲۴۵ ج ۳ اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔ (معارف کاندھلوی)

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا تا نہ رہے مسلمانوں پر گناہ
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا
نکاح کر لینا بی بیوں اپنے لے پالکوں کی جب وہ تمام کر لیں ان سے اپنی غرض
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا
اور ہے اللہ کا حکم بجا لانا

حضرت زید کی طلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے اسباب واغراض

حضرت زینبؓ زیدؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ ان کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زید آ کر حضرت سے ان کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ ورسول کے حکم سے اس نے تجھ کو اپنی منشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دینے کو وہ اور اس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک لے پالک کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر ہدم کر دے۔ تا مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہی حکمت ہوگی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیشین گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن وتشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی اور تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخر کار زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت گزر جانے پر اللہ نے زینب کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ زَوَّجْنٰكَهَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا گمراہی میں ترقی نہ کریں چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع سے نازل تھی۔ اس لئے بقاعدہ حسنات الابرار سیئات المقربین اس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زلات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔ (تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔ اس کی روایات فتح الباری سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین و مورخین نے درج کر دیئے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ لا ینبغی التشاغل بها اور ابن کثیرؒ لکھتے ہیں " احسنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها " (تفسیر عثمانی)

منہ بولے بیٹے کی بیوی

ادعیاء کا مفرد دعی ہے دعی بنایا ہوا بیٹا یعنی زینب زوجہ زید سے ہم نے آپ کا نکاح اس لئے کرایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی (مطلقہ) بیویوں سے نکاح حلال ہے خواہ وہ بیٹے اپنی بیویوں سے قربت کر چکے ہیں حقیقی بیٹے کی بیوی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت جلیبیبؓ کا نکاح

مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیب سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے مانگے تو واپس کر دیئے اور اب جلیبیبؓ سے نکاح کر دیں۔ انصاریؓ اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی، بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد کرتے ہو؟ جب آپ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیئے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور کے مانگے کو اور آپ کی خواہش کو رد کرنا ہے یہ ٹھیک نہیں چنانچہ انصاری سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے رضامند ہوں کہا پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا ایک مرتبہ اہل اسلام مدینے والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب شہید ہو گئے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ جو روایت میں حضرت ابو ہریرہ اسلمیؓ کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیبؓ کی طبیعت میں مذاق تھا اس لئے میں نے اپنے گھر میں کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بابت کچھ نہیں فرماتے، پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے بھیڑ کر کے آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اتارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ

نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اس کے واسطے

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ

جیسے دستور رہا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو گزرے پہلے اور ہے

أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ۝ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ

حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام

رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا

اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے

اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا

اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے والا

منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے

یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر کو ایسا کرنے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہو گیا۔ انبیاء و رسل کو اللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا کبھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے کبھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رکاوٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی کثرت ازواج مشہور ہے۔ جو الزام سفہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین کی لائف میں اس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہیئے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہؓ جن کو آپ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گزر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت، یا میں پھیلی۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبروں کیلئے کثرت نکاح:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ، اور پیغمبر کے لئے جو بات اللہ نے مقرر کر دی تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

حرج تنگی فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ یعنی عورتوں کی جو تعداد اللہ نے پیغمبر کے لئے مقرر اور مقدر کر دی تھی۔ عرب کہتے ہیں فرض لہ فی الدیوان یعنی رجسٹر میں اس لئے حصہ مقرر کر دیا گیا۔ فروض العسکر فوج کی مقرر تنخواہیں۔ بعض علماء نے آیت میں فرض کا معنی احل (پیغمبر کے لئے اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا تھا) بیان کئے ہیں۔

بعض کے نزدیک سنۃ اللہ سے مراد ہے نکاح کیوں کہ نکاح سنت انبیاء ہے بعض کے نزدیک کثرت ازواج کی طرف اشارہ ہے جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی بیبیاں کثرت سے تھیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے
وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ
لیکن رسول ہے اللہ کا

یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول ہے اس حساب سے سب اسکے روحانی بیٹے ہیں جیسا کہ ہم النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
اور مہر سب نبیوں پر

ختم نبوت یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا۔ جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک امتی کے آئیں گے خود ان کی نبوت و رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری و ساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ زمانی اور زمانی حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد دراز تردد نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے لئے خاتم ہیں (سب کے ختم ہونے کے بعد آئے ہیں) اور ہر رسول شفقت و خیر خواہی کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ سب امت کا نسبی باپ نہیں ہوتا کہ امت کی کسی عورت سے اس کا نکاح نہ ہو سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلہ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کر دیتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بنا دیتا۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی لڑکا یعنی مرد (اولاد) عنایت نہیں کیا۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا اگر وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہوں گے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت نازل نہیں ہوں گے، ضرور نازل ہوں گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں گے اس لئے نزول عیسیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی جرح نہیں کی جا سکتی اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جدید نبوت کو ختم کر دیا اگر گزشتہ نبی باقی رہے تو اس سے جدید نبوت کی نفی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلسلہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک

اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں کچھ نہ رکھا لوگ آ کے چاروں طرف سے دیکھتے تھے لیکن اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پکا کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔

تخلیق آدم سے بھی قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے

مسند میں ہے میں خدا کے سر دیک نبیوں کا ختم کرنے والا تھا اس وقت جب کہ آدمؑ پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا۔ اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں (صحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

اعلیٰ صفت

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے، کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصد ہوتا ہے، قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا، لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کو بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منقطع الرسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں کیونکہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہو گی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اپنی اولاد روحانی یعنی پوری امت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے، کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک امت کو جس حالات سے سابقہ پڑے گا ان سب حالات کے متعلق ہدایات امت کو دے کر جائیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے، اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انی ترکتکم علی شریعۃ بیضاء لیلھا ونھارھا سواء "یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی

اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے خاتم الرسل یا خاتم النبیین کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے خاتم النبیین کا لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ نبی تو وہ شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے مخاطب فرمائیں۔ اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لئے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھا۔

اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو، اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا

"یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں"

قادیانیوں کی تحریفات اور ان کا رد:

اس آیت کی قطعی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لئے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی

رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کئے ہیں، مذکور الصدر تقریر سے الحمدللہ ان سب کا جواب ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے، جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اس لئے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے پڑا زور لگایا ہے، پمفلٹوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کر کے تمام علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب "ختم نبوت" لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار، سلف و خلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کر دیا ہے، اور قادیانی دجل کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن و سنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کر کے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص عہدۂ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جن کو نبوت عطا ہو چکی ہے اُن کی نبوت سلب ہو جائے گی یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آ سکتا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی اُمت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔"

ایک بلیغ تمثیل:

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتاً

"میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چکریں لگائیں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہو جاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (تعمیر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پُر کر کے قصر نبوت مکمل کر دیا۔"

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پُر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرما دی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

آنے والی امت کی ہدایت کا انتظام

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلک نبی خلفه نبی و انه لا نبی بعدی و سیکون خلفاء فیکثرون" الحدیث،

"بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہو جاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔"

اس حدیث سے یہ بھی واضح کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟

اس کے متعلق فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعے سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

نبوت کی تمام قسمیں ختم ہوگئیں

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع ہے۔

لم یبق من النبوۃ الا المبشرات

''یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے۔''

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ اور ام کرز کعبیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایبقی بعدی من النبوۃ شیٔ الا المبشرات قالوا یا رسول اللہ وماالمبشرات قال الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم اونری لہ

(طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذا فی الفتوحات)

''میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے''

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلا دیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہو جائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلارسول بعدی ولانبی

رواہ الترمذی ووقال ھذا حدیث صحیح

''بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔''

اس حدیث نے واضح کر دیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

قادیانی کے من گھڑت عنوانات:

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دو سو سے زیادہ رسالہ ختم نبوت میں جمع کر دی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو لقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اجماع امت اسی لئے صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہو سکتا، جو دعویٰ کرے وہ کاذب، مکفر قرآن اور کافر ہے، اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفۂ اول صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کر کے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

منکرِ ختم نبوت کافر ہے:

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اسی معاملہ میں رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

اور قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں

واجمعت الامۃ علی حمل ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولا تخصیص فلاشک فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعاً اجماعاً وسمعاً

''امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لئے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ (جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں)

بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ختم نبوت کی احادیث کے راوی صحابہؓ

برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لئے اجمالاً ان صحابہ کرام اور تابعین کے نام شمار کر دیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

ابوحازم رضی اللہ عنہ۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ ثوبان رضی اللہ عنہ۔
عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ۔
عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔
ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔ ام کرز رضی اللہ عنہا۔
ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ۔ سعیۃ رضی اللہ عنہ۔
ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ۔ ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ۔
ابودرداء الخزرجی رضی اللہ عنہ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔
سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ سہمی بن جناوہ رضی اللہ عنہ۔
اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ ربیعہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔
ابوفلیہ رضی اللہ عنہ۔ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
بوالفضل رضی اللہ عنہ۔ رافع رضی اللہ عنہ۔
عوف بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ۔ ابوحمیدہ رضی اللہ عنہ۔
عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ۔ عمر بن قیس رضی اللہ عنہ۔
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔ تمیم الداری رضی اللہ عنہ۔
نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ عبید اللہ بن عمرو الملیتی رضی اللہ عنہ۔
نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ۔ محمد بن جزم الانصاری رضی اللہ عنہ۔
بہتر بن حکیم رضی اللہ عنہ۔ عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ۔
الوقاد رضی اللہ عنہ۔ قتادہ رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ سیدنا الحسن رضی اللہ عنہ۔
انس رضی اللہ عنہ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ۔
سفان بن مسلمہ رضی اللہ عنہ۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ۔
سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔
ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ زینب رضی اللہ عنہا۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وحشرنا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین کذا فی عمدۃ البیان ص ۱۰۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں

اور اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پُرنور کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا لقمہ بنانا مسلمات میں سے بلکہ حضور کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تو تشریعی یا ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

منصب نبوت و رسالت میں ولی آپ کا مثیل اور ثانی نہیں۔

عارف رومی مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ کمالات نبوت کے خاتم ہیں اسی طرح آپ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود ازکلف انا فتحنا برگشود
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین تھے اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان میں یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی تبشیر دیتے رہے آپ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مطلقاً جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے۔

مسیلمہ قادیان کا ہذیان

بہرحال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمہ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین سے بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ بروز المسیح کے ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے من نعرفان نہ کمتر نہ کسے
آنچہ داد است ہر نبی را جام داد آں جام مرا بتمام

اس قسم کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ مرزائے قادیانی اپنے آپ کو انبیاء کا ہمسر بھی نہیں بلکہ ان سے برتر اور معتبر سمجھتا ہے۔

بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، ص ۲۶۶ پر بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ لکھتا ہے، مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں حقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے یا راجا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ آیت بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور حدائے آج سے تیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھ کے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کا وجود قرار دیا جائے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری

نبوت سے کوئی تزلزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

اور تریاالمقلوب حاشیہ ص ۳۷۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دو ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خُو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً اڑھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قولی فیض ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا
اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا

اللہ کا علم کافی ہے

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

اس لئے وہ جانتا ہے کہ کس پر نبوت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کی کیا حالت ہونی چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت قصر ہو اس کی عمارت حسین ہو لیکن ایک اینٹ (لگانے) کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے آکر اس کے گرداگرد گھومتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہوں لیکن (ساتھ ہی) یہ بھی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پس اس ایک اینٹ کے مقام کو میں نے درست کر دیا اور مجھ پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ متفق علیہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی

حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میرے (بہت) نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا میں عاقب ہوں (سب سے پیچھے آنے والا) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مختلف نام (صفات) بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا میں محمد ہوں احمد ہوں مقفی ہوں، حاشر ہوں، نبی التوبہ ہوں، نبی الرحمۃ ہوں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا
اے ایمان والو یاد کرو اللہ کو بہت سی یاد
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا
اور پاکی بولتے رہو اس کی صبح اور شام

عظیم الشان نعمت کا شکر:

یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اُس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات دن، صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

ہمہ وقتی عبادت

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ذکر کے علاوہ اللہ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور عذر کے وقت معذور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے مگر ذکر کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی اور سوا دیوانہ کے کسی کو معذور نہیں قرار دیا بلکہ تمام حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ اور فرمایا ہے ذَكَرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اللہ کی بکثرت یاد کیا کرو رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت میں، بیماری میں، پوشیدہ اور ظاہر مجاہد نے کہا ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی اللہ کو نہ بھولے میں کہتا ہوں یہ حالت فنا قلب اور دوامی حضور کے بعد ہوتی ہے۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور صبح شام (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کرتے رہو یعنی فجر کی نماز پڑھو۔

وَّاَصِيْلًا کلبی نے کہا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ مجاہد نے کہا تسبیح سے مراد ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھنا۔ لفظ تسبیح سے تمام ساتھی جملے مراد ہیں۔ (یعنی تسبیح تحمید تہلیل تکبیر وغیرہ) ان الفاظ کو باوضو بے وضو اور جنب سب پڑھیں۔

میں کہتا ہوں اول اللہ نے عمومی ذکر کا حکم دیا کہ کسی وقت خدا کی یاد نہ

بھولے پھر مخصوص اوقات ہیں ذکر کا حکم دیا اول سے مراد ہے ذکر خفی قلبی دوامی اور دوسرے سے مراد ہے ذکر جلی اور مقرر و فرض و سنت عبادت۔

صبح شام کی خصوصیت:

بعض اہل علم نے کہا تسبیح کے لئے صبح شام کے اوقات کی تخصیص اس لئے کی کہ ان اوقات میں رات اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ باری باری سے تمہارے اندر آتے ہیں اور فجر و عصر کی نمازوں میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو رات کو تمہارے پاس رہے اوپر چڑھ جاتے ہیں تمہارا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ خود بخوبی واقف ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ متفق علیہ۔

نماز میں توجہ کی اہمیت:

حضرت ابو ذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے۔ لیکن بندہ جب ادھر ادھر توجہ کرنے لگتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رخ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی۔ (تفسیر مظہری)

ذکر کی کثرت:

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت و افسوس کا باعث بنے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اُذْكُرُوا اللّٰهَ تعالى حتى يقولوا مجنون (ابن کثیر و مسند احمد)

"یعنی تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے

اللّٰهم اجعلني أعظم شكرك واتبع نصحك واكثر ذكرك واحفظ وصيتك (ابن کثیر)

"یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔"

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا کی کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔

جامع عبادت:

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال و فرائض و واجبات تو بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلا دیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کر لوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لا يزال لسانك رطبا بذكر الله تعالى (مسند احمد، ابن کثیر)

"یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر و تازہ رہنی چاہیئے۔"

قابلِ حسرت مجلس:

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے تو قیامت کے روز یہ مجلس ان کیلئے حسرت ثابت ہوگی۔ (رواہ احمد، ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ

وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم سے

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا

اندھیروں سے اُجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان

ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ:

یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہ ہی رحمت و برکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت، ضلالت کی اندھیریوں سے علم و تقویٰ کے اُجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اُسی کی مہربانی سے مؤمنین رشد و ہدایت اور ایمان و احسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں اُن کا حال ہوا۔ آخرت کا اعزاز و اکرام آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے جو شرف خصوصیت کے ساتھ آپ کو عطا فرمایا ہم اس میں ضرور شریک فرما دیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ عبد بن حمید نے اس روایت کی نسبت مجاہد کی طرف بھی کی ہے۔

"صلوٰۃ" کا معنیٰ: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت کثرت اہل لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کا معنی ہے دعا۔ صلّیت علیہ میں نے اس کے لئے دعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اگر کسی کو کھانا کھلانے بلایا جائے تو دعوت قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہو تو دعوت کرنے والوں کے لئے صلوٰۃ (دعا) کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے صل علیھم اے نبی آپ ان کے لئے دعا کریں اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔

نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر دعا پڑھی جاتی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھا جاتا ہے جزء پر کل کا اطلاق کر دیا گیا۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کرنی اپنی ذات پر لازم کرلی ہے یہی معنی ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کا ایجاب (لازم کر لینا) اور طلب دونوں کا معنی ایک ہی ہے قطعی طلب ایجاب ہی ہوتی ہے لیکن ایجاب (کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے اور کسی کا خدا پر کوئی لازمی حق ہے جس کو ادا کرنا اس پر لازم ہے بلکہ اس) کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے ذمہ لے لیا ہے۔ اگر صلوٰۃ کو بمعنی دعا قرار دیا جائے تو عموم مشترک کا قول لازم نہیں آئے گا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کیا ہمارا رب صلوٰۃ کرتا ہے حضرت موسیٰ پر یہ سوال نہایت شاق گزرا۔ اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی۔ ان سے کہہ دو کہ میں صلوٰۃ کرتا ہوں مگر میری صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے

مؤمنوں پر مہربانی:

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تاکہ تم کو تاریکیوں سے (نکال کر) نور کی طرف لے آئے اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ یعنی اپنی رحمت اور ملائکہ کی دعا سے کفر و معاصی سے نکال کر ایمان و طاعت کے نور کی طرف ہمیشہ تم کو لاتا رہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے تاکہ تم کو وقتاً فوقتاً ہمیشہ ظلمات (فراق و) بعد سے نکال کر نور قرب کی طرف لاتا رہے۔

اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کیوں کہ اس نے مومنوں کے سارے امور کو درست کیا ان کے مرتبہ کو اونچا کیا اور ملائکہ مقربین کی دعا ان کے شامل حال کی۔ (تفسیر مظہری)

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ
دعا ان کی جس دن اس سے ملیں گے سلام ہے
وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا
اور تیار رکھا ہے ان کے واسطے ثواب عزت کا

مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے:

یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے ان کے پاس آئیں گے۔ اور مومنین کے آپس میں بھی یہی دعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جس روز وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کا دعائیہ کلمہ السلام علیکم ہوگا اور اللہ نے ان کے لئے (جنت میں) عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔

تحیتھم یعنی اللہ کی طرف سے جو تحیت ان کو کی جائے گی۔

یوم یلقونہ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قبر سے نکلنے کے وقت یا جنت میں داخلہ کے وقت یا دیدار خداوندی ہونے کے وقت۔

سلم یعنی اللہ کی طرف سے بطور تحیت ان کو سلام کیا جائے گا اور اللہ ان کو تمام ناگوار باتوں سے امن و سلامتی میں رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے کہ اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا بتانے والا

اُمت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی:

یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اس کا رستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپ اپنی امت کو ان کے چہروں سے (یا خصوصی علامات سے) پہچانتے ہیں اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے (یعنی گواہی دیں گے کہ یہ میری امت والے ہیں) یا شاہد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب امت اسلامیہ شہادت دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے۔

انبیاء کیلئے گواہی: بخاری۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید

خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوحؑ کو بلا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیام) پہنچا دیا تھا۔ نوحؑ کہیں گے، جی ہاں۔ پھر ان کی امت کو طلب فرما کر دریافت کیا جائے گا کیا تم کو میرا پیام نوحؑ نے پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ اس پر نوحؑ سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ کون تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوحؑ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ الحدیث۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (تفہیم ملہری)

امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے۔ بیشک میں نے ان کو یہ اطلاع دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بنا پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر روز صبح و شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے (رواہ ابن المبارک عن سعید بن المسیبؒ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا

یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور چمکتا ہوا چراغ

نور اعظم صلی اللہ علیہ وسلم:

پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مومنین کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اُجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورۂ نوح میں فرمایا "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا" اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت میں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نور اعظم میں محو و مدغم ہو گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعوت حق کی دُشواریاں عادہ کی قید کا اضافہ کرنے سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کی توحید و اطاعت کی دعوت دینا بڑا سخت کام ہے۔ اللہ تعالیٰ مدد اور توفیق کے بغیر اس کی تکمیل ناممکن ہے خصوصاً اللہ کے دیدار کی دعوت تو اتنی دشوار ہے کہ بغیر خاص تفضل خداوندی کے بندہ کی رسائی بارگاہ الٰہی تک محال ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ اگر کسی کو ہدایت یاب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے مگر اللہ جس کو سیدھے راستہ پر چلانا چاہتا ہے اس کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

داعی اور قوم کی مثال

حضرت ربیعہ حرشی کا بیان ہے کہ (خواب میں) کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا تمہاری آنکھیں سوئیں (مگر) کان سنیں اور دل سمجھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ میری آنکھ سو رہی تھی دونوں کان سن رہے تھے اور دل سمجھ رہا تھا کہ کسی نے کہا۔ ایک سردار نے ایک مکان بنوایا اس میں دسترخوان بچھوایا اور (دعوت عام دینے کے لئے) ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پکارنے والے کی آواز پر جو آگیا اس نے مکان کے اندر داخل ہو کر دسترخوان پر (کھانا) کھا لیا اور گھر والا سردار بھی اس سے خوش ہو گیا اور جس نے داعی کی دعوت قبول نہیں کی وہ نہ گھر میں آیا نہ دسترخوان سے کچھ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) سردار اللہ ہے گھر (جو سردار نے بنایا ہے) اسلام ہے۔ محمدؐ داعی ہیں اور دسترخوان جنت ہے۔ رواہ الدارمی۔

روشن چراغ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے راستہ دکھا جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (اسلام کی) روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

نور نبوت اور اس کے خوشہ چین

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے تو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے اور دل کے اعتبار سے روشن چراغ کی طرح تھے کہ تمام مومن آپ ہی کے نور سے استفادہ کرتے اور آپ ہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے (ایسا ہی بنا کر اللہ نے آپ کو بھیجا تھا) جیسے یہ عالم سورج کی روشنی سے اور ایک گھر چراغ کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام کو ساری امت پر فضیلت حاصل تھی۔ علوم نبوت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے امت نے حاصل کئے اس میں تو صحابہ کے ساتھ ساری امت شریک ہے۔ کچھ صحابہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل سننے والا بھول جاتا ہے اور جس کو حکم پہنچایا جاتا ہے وہ زیادہ یاد رکھتا ہے۔ امتیاز صحابہ یہ ہے کہ وہ براہ راست انوار نبوت کے خوشہ چیں تھے۔ دوسروں کو جو روشنی ملی وہ صحابہ کے توسط سے

پھر تابعین سے تبع تابعین کو اسی طرح قیامت تک نور نبوت اسے دلوں کو روشن کرتا رہے گا لیکن اس خوشہ چینی میں سننے والا مشاہدہ کرنے والے کی طرح نہیں ہو سکتا جیسے صحن مکان میں سورج کی شعاعیں براہ راست پڑتی ہیں اور صحن روشن ہو جاتا ہے پھر کمروں کے اندر یہ روشنی صحن کی روشنی کے ذریعہ سے پہنچتی ہے، دونوں کی روشنی اور کیفیت اکتسابی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف۔

عطاء بن یسار کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو تورات میں (آپ نے پڑھے) ہوں بیان فرمائیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا ہاں بخدا توریت میں آپ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ قرآن میں بھی موجود ہیں۔ توریت میں کہا گیا ہے اے نبی ہم نے تجھ کو شاہد اور بشارت دہندہ اور عذاب کی وعید سنانے والا اور امیوں کی پناہ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔

وہ نہ خوار و درشت مزاج نہ ہوگا، بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا جب تک کج رو ملت نہ کر دی اور نہ ہو جائے گی اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا۔ اس کی وفات اس وقت ہو گی جب لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اللہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔ رواہ البخاری۔ (ابن کثیر نے مطالعہ سلام کی روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ۱۲ منہ)

حضرت شعیاء علیہ السلام کی تقریر:

ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا امیوں میں سے ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں نہ بدخلق ہے نہ سخت دل بازاروں میں شور غل کرنے والا، ان قدر سکینہ والا ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے گزر جائے تو وہ بجھے اور اگر بادلوں پر بھی چلے تو پیر کی چاپ سے معلوم ہو۔ میں اسے خوش خبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا حق گو ہوگا۔ میں اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں کو کھول دوں گا اور بہرے کانوں کو شنوا کر دوں گا اور غلاف آلود دلوں کو صاف کر دوں گا۔ مرہ بطالی کی طرف اس کی رہبری کروں گا۔ ہر نیک خصلت اس میں موجود رکھوں گا۔ حسن اس کا لباس ہوگا۔ یعنی اس کا حلیہ ہوگا۔ تقویٰ اس کی ضمیر ہوگی حکمت اس کی گویائی ہوگی، صدق و وفا اس کی عادت ہوگی، عفو و درگزر اس کا خلق ہوگا۔ حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کا دین، احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نام ہوگا، گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا۔ جاہلوں کو اس کی بدولت علماء، بناداں کو ہنرمند، نادانوں کو توقی پر پہنچا دوں گا، انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا، قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے، فقیری کو امیری سے، افتراق کو الفت سے، اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متضاد دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا، جداگانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا، دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچا لوں گا، تمام امتوں سے اس کی امت والی افضل بنا دوں گا۔ لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے دنیا میں پیدا کئے جائیں گے۔ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے، وہ موحد ہوں گے، مومن ہوں گے اخلاص والے ہوں گے۔ رسولوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے سب کو ماننے والے ہوں گے۔ وہ اپنی مسجدوں مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے میری تسبیح حمد و ثنا بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے، کھڑے اور بیٹھے نمازیں ادا کرتے رہیں گے۔ دشمان خدا سے صفیں باندھ کر جہاد کریں گے۔ ان میں سے ہزار ہا لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے بکل کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ پنڈلی تک کا بانڈھیں گے جب تک کج رو ملت نہ کی اور نہ ہو جائے گی اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا۔ اس کی وفات اس وقت ہو گی جب لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اللہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔ رواہ البخاری۔ (ابن کثیر نے مطالعہ سلام کی روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ۱۲ منہ)

کی طرف لوگوں کو بلانے والا بنا کر اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے پس آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ اور کوئی معبود نہیں گواہ ہیں، اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور آیت میں ہے کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔ آپ مومنوں کو بہترین اجر کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس کی سچا آوری کے ماتحت آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی آڑ جائے تو اور بات ہے۔ اے نبی کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو نہ ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور خدا پر پورا بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور دل مبارک:

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے، کہ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مومنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں اسی لئے صحابہ کرام جنہوں نے اس عالم میں آپ کی صحبت پائی وہ ساری امت سے افضل و اعلیٰ قرار پائے، کیونکہ ان کے قلوب نے قلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ عیاناً فیض اور نور حاصل کیا، باقی امت کو یہ نور صحابہ کرام کے واسطے سے واسطہ در واسطہ ہو کر پہنچا (انتہی کلامہ) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تمام انبیاء خصوصاً رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے گزرنے کے بعد بھی اپنی قبروں میں زندہ ہیں، ان کی یہ حیات برزخی عام لوگوں کی حیات برزخی سے بدرجہا زیادہ فائق و ممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہرحال اس حیات کی وجہ سے قیامت تک مومنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے استفاضہ کرتے رہیں گے، اور جو جتنی محبت و تعظیم اور درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور چراغ کی روشنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور باطن آفتاب کے نور سے کہیں زیادہ ہے آفتاب سے صرف دنیا کا ظاہر روشن ہوتا ہے لیکن آپ کے قلب مبارک سے سارے جہان کا باطن اور مومنین کے قلوب روشن ہوتے ہیں، وجہ اس تشبیہ کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ چراغ کی روشنی سے استفادہ اختیاری ہے، ہر وقت کر سکتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے، اس کا حاصل کرنا بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی متعذر ہے اور اس سے استفادہ ہر وقت نہیں کیا جا سکتا۔

تورات کی عبارت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات جیسے قرآن میں آتی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسے کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے ملا تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات میں آتی ہیں وہ مجھے بتلایئے، انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا

انا ارسلنک شاهدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للامیین انت عبدی ورسولی سمیتک المتوکل لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق ولا یدفع السیئة بالسیئة ولکن یعفو ویغفر لن یقبضه الله تعالی حتی یقیم به الملة العوجاء بان یقولوا لا اله الا الله ویفتح به اعینا عمیا واذانا صما وقلوبا غلفا

"اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور پناہ و حفاظت امیین یعنی عرب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے آپ کا نام متوکل (یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا ہے نہ آپ تند خو ہیں نہ سخت مزاج اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے، اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معاف کر دیتے ہیں، اور آپ کو اللہ تعالیٰ دنیا سے اس وقت تک نہیں واپس لائیں گے جب تک کہ آپ کے ذریعہ ٹیڑھی امت کو سیدھا نہ کر دیں کہ وہ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا

وہ خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے خدا کی طرف سے بڑی بزرگی

یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس امت کو حضرت کے طفیل سب امتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

[illegible]

کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں:

یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ جماعت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضہ دعوت و اصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہیے اور اللہ جو حکم دے اس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافر و منافق کی یاوہ گوئی کی پروا نہ کیجئے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
اور چھوڑ دے اُن کا ستانا اور بھروسہ کر اللہ پر
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا
اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں

یعنی اگر یہ بدبخت زبان اور عمل سے آپ کو ستائیں تو ان کا خیال چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ اپنی قدرت و رحمت سے سب کام بنا دے گا۔ منکروں کو راہ پر لے آنا یا سزا دینا سب اُسی کے ہاتھ میں ہے، آپ کو اس فکر اور الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب یہی ہے کہ آپ طعن و تشنیع وغیرہ سے گھبرا کر اپنا کام چھوڑ بیٹھیں۔ اگر بفرض محال آپ ایسا کریں تو گویا ان کا مطلب پورا کر دیں گے اور ان کا کہا مان لیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کی کارسازی کافی ہے۔ یعنی جب تم اللہ کو اپنے تمام امور سپرد کر دو گے تو وہ تمہارے سارے امور کے لئے کافی ہوگا۔ تم کو دوسروں کا محتاج نہ چھوڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ذمہ داریاں

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کے پانچ اوصاف بیان فرمائے۔ شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ، سراج منیر، پھر صفت کے مناسب ترتیب وار حکم دیا صرف شاہد کے مقابل کوئی حکم نہیں دیا کیونکہ مابعد کا کلام تمام احکام نگہداشت کی تفصیل کر رہا ہے (گویا شاہد کا لفظ چاہتا تھا کہ نگہداشت کی جائے لیکن نگہداشت کس بات کی کی جائے اس کی تفصیل بعد والے کلام میں کر دی گئی) مبشر کے مقابل (یعنی مناسب) مومنوں کو بشارت دینے کا حکم دیا گیا اور نذیر کے مقابل کافروں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان کا لحاظ کرنے کی ممانعت کر دی گئی اور داعی الی اللہ کے مقابل اللہ پر بھروسہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور سراج منیر کے مناسب فرمایا کہ اللہ کی کارسازی کافی ہے اسی کی کارسازی پر اکتفا کی جائے۔ کیونکہ وہ ذات جس نے تمام مخلوق سے زیادہ روشن دلائل آپ کو عنایت کئے ہیں اسی ذات پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
اے ایمان والو جب تم نکاح سے لاؤ مسلمان عورتوں کو
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
پھر اُن کو چھوڑ دو پہلے اس سے کہ اُن کو ہاتھ لگاؤ سو اُن پر
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
تم کو حق عدت میں بٹھلانا کہ گنتی پوری کراؤ سو اُن کو دو کچھ فائدہ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا
اور رخصت کرو بھلی طرح سے

ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ

یعنی جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت کے طلاق دے اگر اس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر دینا ہوگا ورنہ کچھ فائدہ پہنچا کر (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا پوشاک دے کر) خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت اُسی وقت چاہے تو نکاح کر لے۔ اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت صحیحہ بھی صحبت کے حکم میں ہے تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے یہ مسئلہ یہاں بیان فرمایا۔ حضرت کی ازواج کے ذکر میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آ گئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ جب اُس کے نزدیک گئے کہنے لگی اللہ تجھ سے پناہ دے، حضرت نے اُس کو جواب دیا کہ تو نے بڑے کی پناہ پکڑی۔ اس پر یہ حکم فرمایا اور جناب فرمایا، ایمان والوں کو تا معلوم ہو کہ پیغمبر کا خاص حکم نہیں، سب مسلمانوں پر یہی حکم ہے۔ اسی کے موافق حضرت نے اُس کو جوڑا دے کر رخصت کر دیا۔ پھر وہ ساری عمر اپنی محرومی پر پچھتاتی رہی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ حکم مسلمان عورتوں کا بھی ہے اور کتابی عورتیں جن سے مسلمانوں نے نکاح کر لیا ہو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ صرف مومنات کا ذکر کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ مسلمان عورتوں سے ہی نکاح کرنا مسلمانوں کے لئے مناسب ہے۔

نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ پھر (یعنی نکاح کے بعد) تم نے ان کو طلاق دے دی ہو۔ بغوی نے کہا اس فقرہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ نکاح سے پہلے طلاق قابل

اعتبار نہیں ہے یونکہ نکاح پر طلاق کو متفرع کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی غیر عورت سے اس طرح کہا کہ جس عورت سے میں تجھ سے نکاح کروں تجھے طلاق ہے تو اس سے نکاح کرنے (کے بعد) پہلے ہی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر اس طرح کہا جس عورت سے میں نکاح کروں اسے طلاق ہے پھر کسی عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت معاذ، حضرت جابر اور حضرت عائشہؓ کا یہی قول ہے۔ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، عروہ، قاسم، طاؤس، حسن، مکحول، سلیمان بن یسار، مجاہد، شعبی، قتادہ اور اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعیؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔

ابو داؤد کی مملکہ کے ساتھ معلق کرنے کی روایت سو (۱۰۰) طلاقوں کہا ہو جب میں کسی باندی غلام کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے، یا کسی معین باندی غلام سے کہا ہو جب میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے) تو اس کا بھی یہی حکم ہے، حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا (مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں) طلاق واقع ہو جائے گی۔ ابراہیم نخعی اور اصحاب رائے کی یہی امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا یہی قول ہے۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہوتی میں نے تمام علماء سے پڑھا مستدرک میں یہ حدیث بیان کی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ شیخین پر مجھے تعجب ہے کہ کیوں انہوں نے یہ حدیث صحیحین میں ذکر نہیں کی، جو یہ کہ ان کی شرائط کے مطابق (ان کے راوی ثقہ عادل حافظ و ضابط ہیں)

امام احمد نے کہا کہ طلاق و عتق بالنکاح آیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر باندی علام کی آزادی کو عتق بالملک ہوتا ہے تو مالک ہونے کے بعد غلام باندی کے آزاد ہونے یا ہونے کے متعلق امام احمد کے دو قول مروی ہیں۔ امام مالک نے کہا کسی عام شہر کا یا قبیلہ یا کسی خاص صنف کا یہ کسی خاص عورت کا مالک ہوا ہے اور اس نے طلاق کو عتق یا نکاح کیا ہے تو نکاح کے بعد طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر بالکل تعمیم کی ہے یہ عورت تو (مثلاً) میں بنی سلیم کی شرقیہ یا صنف کو (اور یوں کہا کہ میں کسی عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے) تو طلاق نہیں ہوتی۔

اس نووی نے امام احمد کے قول کو ثابت کرنے کے لئے جو احادیث پیش کی ہیں (۱) عمرو بن شعیب نے بواسطہ طاؤس حضرت ابن عباس کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے غیر مملوک (یعنی غیر مملوک) طلاق (واقع) نہیں نہ غیر مملوک آزاد کرنا (واقع) ہیں نہ غیر مملوک وصیت (نافذ) ہے۔ ان جوابوں نے یہ حدیث امام احمد کی دلیل نہیں بن سکتی اصحاب السنن نے بھی اس کو یہاں بیان نہیں کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابو داؤد نے اس پر سکوت کیا ہے۔ دارقطنی نے اس کو خطا قرار دیا ہے۔ نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ ملکیت سے پہلے آزاد کرنا ہے۔

عدت مردوں کا حق ہے

لکم کا لفظ بتا رہا ہے کہ عورتوں (یہودیوں یا مطلقہ) پر عدت کرنے کا حق مردوں کا ہے ایسے پانی کی حفاظت اور نسب میں شک نہ ہو عدت کا فائدہ ہے اور نسب مردوں سے ہوتا ہے۔

حربی عورت حربی عورت اگر مسلمان ہو کر ہمارے ملک میں آجائے گی تو اس کے لئے کوئی عدت نہیں آزاد ہو کر نکاح کر سکتی ہے کیوں کہ حربی کافر کا اور دی شرع ہوئی جس نہیں دے جان جماعت کی طرح ہے کہ مسلمان (دوسرے مسلمان کی طرح) اس کا مالک ہو سکتا ہے ہاں اگر وہ حاملہ ہو گی تو عدت پوری کرنی ہو گی یوں کہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مرتب)

خلوت سے قبل طلاق کے دو حکم

یہلا حکم یہ کہ کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے۔ تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے آیت مذکورہ میں ہاتھ لگانے سے مراد صحبت اور صحبت کا حقیقی یا حکمی ہونا اور دونوں کا ایک حکم ہونا علامہ تمیمی میں معلوم ہو چکا ہے اور صحبت حکمی خلوت صحیحہ ہو جانا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ مطلقہ عورت کو شائستہ اور خسن خلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے کچھ سامان دینا رخصت کرنا مطلقہ کے لئے مستحب و مسنون ہے۔

طلاق کے وقت متعہ یعنی لباس کی تفصیل

مدائع میں ہے کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور ہی استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتہ، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے، اور چونکہ لباس قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہوسکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (کذا قال الحصاف فی الملتقات)

عین طلاق کے موقع پر جو مسلمان کو ہدایات دی ہیں وہی ایسی ہیں کہ ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ

اے نبی ہم نے حلال کیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر تو

اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

دے چکا ہے اور تو مال جو تیرے ہاتھ کا ہو ہاتھ دیا اللہ نے تیرے

یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ لگی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کا مہر نقد ادا کیا

جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا ادھار نہیں رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ عائد ہوا اس کو فوراً دے کر سبکدوش ہو جاتے تھے، بلاشبہ ضرورت تاخیر بھی فرماتے تھے، اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار پاتا ہے، بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ وتحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا، تو یہ آپ ہی کی ملک قرار پائیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

باندیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

باندیوں کے بارہ میں آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا کہ جو چیز آپ کو پسند آتے وہ لے لیں چنانچہ غزوہ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہ کو اسی طرح لیا تھا اور یہ حق آپ کے سوا دوسرے کو نہیں نیز اس بارہ میں ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدایا آپ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی ملک ہوتے تھے اور آپ کے بعد اگر کسی خلیفہ یا بادشاہ کو اہل حرب کوئی ہدیہ دیں تو وہ عام مسلمانوں اور بیت المال کا حق ہے اور ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ جو باندی وفات تک آپ کے پاس رہی، جیسے ماریہ قبطیہ۔ وہ دوسروں کے لئے حرام تھی مگر ہے آپ کے علاوہ اور بھی کچھ خصوصیتیں ہوں جو اسی زمانہ کے لوگوں کو معلوم ہوں اور انہی کو اس کی ضرورت بھی تھی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ

اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں

وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَاَةً

اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور عورت

مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ

جو مسلمان اگر بخشے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے

اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ

کہ اس کو نکاح میں لے لے یہ خاص تیرے لئے سوائے سب مسلمانوں کے

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ

ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے ان پر ان کی عورتوں کے حق میں

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ

اور ان کے ہاتھ کے مال میں تاکہ نہ رہے تجھ پر تنگی

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ازواج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

تیری عورتیں جن کو مہر دے چکا یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ

قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں بشرط ہجرت کے حلال ہیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لیے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (کما فی الفتح) شاید اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ کی شرط سے اباحت مرجوحہ سمجھی ہو۔ بہرحال دوسرے مسلمانوں کے لئے وہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ (نساء۔ رکوع ۴) یعنی بلا مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرا لیا یا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اس کی قوم کا مہر ہو واجب ہوگا پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اٹھا دی تھی۔ برخلاف مومنین کے کہ ان کو نہ چار سے زائد کی اجازت نہ بدوں مہر کے نکاح درست۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیات مبارکہ اور تعدد ازواج کی حکمت

(تنبیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے۔ پھر اقرباء کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ ترپن سال کی عمر تک پورے سکون و طمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے لئے توشہ تیار کرتی اور عبادت الٰہی اور سکون قلب کے حصول میں آپ کی اعانت و امداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے لئے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی ہنگامہ خیزیوں کے اٹھ اٹھ کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے اور معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف ایک نقطہ، ایک شوشہ آپ کی پیغمبرانہ عصمت اور خارق عادت عفاف و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا اور واضح رہے کہ یہ اس اکمل البشر کی سیرت کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کے برابر ہے جن میں سے ایک مرد کی قوت سو کی برابر ہوگی گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور کو عطا فرمائی گئی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی و جسمانی قوتیں ایسے ہی اعلیٰ اور اکمل پیمانہ پر ہونی چاہئیں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوئیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار کیا جا سکتا تھا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے۔ لیکن اللہ اکبر! اس شدید ریاضت اور ضبط نفس کا کیا ٹھکانہ ہے کہ ترپن سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اپنے سب سے بڑے جاں نثار و وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عقد کیا۔ ان کے سوا آٹھ بیوائیں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریشی نہیں) دنیا کا سب سے بڑا بے مثال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا نو کا عدد دیکھ کر کوئی انصاف پسند اس پر کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے ایک دن پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاتے تھے، جو آتا اللہ کے راستہ میں دے ڈالتے، اختیاری فقر و فاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزار، چلتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے، کئی کئی دن افطار نہ کرتے، راتوں کو اللہ کی عبادت میں کھڑے رہنے سے پاؤں پر ورم ہو جاتا، لوگ دیکھ کر رحم کھانے لگتے، عیش و طرب کا سامان تو کجا، تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو۔ ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل و احسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کر سکتا۔ اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوان مرد بہادر دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے انی عباد اللہ انا رسول اللہ اور انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب۔ بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت و رسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف و تعب لاحق ہوتا۔ کیا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزہ سے کچھ کم ہیں؟ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجزہ تھی بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ہر ایک دور میں پاکباز متقیوں کے لئے کچھ نمونے رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہی امت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان

حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور عائلی رشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرتِ ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ عائلی معاشرت اور تمدنی مسائل کے متعلق نبی کے احکام اور سنّت کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل و طبقات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے اُن قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح اُن کی وحشت و نفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبیِ اخلاق، حُسنِ معاملہ اور بے لوث کیرکٹر کو سُن کر اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک و اوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فدا کاروں اور دنیا کے ہادیوں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی، جس سے زیادہ پر جیز گار و پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی کہیں پائی گئی اور جو کسی بے کیرکٹر رکھنے والے کی تربیت میں محال تھا کہ تیار ہو سکے۔ (تفہیم القرآن)

بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح:

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ اپنے تئیں بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دے ہاں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تھا اور مومنوں پر جو ہم نے مقرر کر دیا ہے اُسے ہم خوب جانتے ہیں یعنی دو چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہاں ان کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی مہر کی گواہوں کی بھی شرط ہے۔ پس اُمت کے لئے تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندیاں نہیں تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشہ تھیں، خدیجہؓ، عائشہؓ، حفصہؓ، اُم حبیبہؓ، سودہؓ، اور اُم سلمہؓ اور تین سو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارثؓ، یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت اُم المساکین تھی اور ایک عورت ہوالی بکر بن کلاب سے یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور سو عورتوں میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی۔ اور ایک عورت اسماء یہ جن کا نام زینب بنت جَحش ہے رضی اللہ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں صفیہ بنت حیی بن اخطبؓ اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مطلق خزاعیہؓ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مُرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینبؓ جن کی کنیت اُم المساکین تھی، یہ سب بنت خزیمہ تھیں۔ قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا، واللہ اعلم مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا وہ بہت سی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرما دیا

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیرؒ فرماتے ہیں گو آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اُسے اپنے گھر میں رکھ لیں، لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو بیشک جائز ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس سونپ دیا تھا جب اس کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ تھے، ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا۔ گو اسے شرف بھی حاصل ہو چکا ہو اس لئے کہ آپ کے بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر لینے کا اختیار تھا جیسے کہ حضرت ریحانہ بنت شمعونؓ کے قصے میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ

پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے اُن میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے

وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ

اور جس کو تو چاہے جنہیں سے جس کو کنارے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر

ازواج میں باری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے پاس رکھیں یہ آیت سن کر حضرت عائشہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنی ذات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے لیکن جب آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الخ نازل ہوئی تو میں نے کہا

مجھے تعجب ہے کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے۔

شرح: تُرْجِیْ تاخیر کرنا۔ تُؤْوِیْ اپنے پاس جگہ دینا۔

لغوی نے لکھا ہے ان آیت کی تفسیر کا اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ ان آیت کا نزول باری تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔ پہلے عورتوں میں برابری کرنا رسول اللہ پر واجب تھا اس آیت کے نزول کے بعد برابری رکھنے کا حکم ساقط کر دیا گیا اور عورتوں کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

ابو زید اور ابن زید نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب بعض امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں رشک کیا اور بعض سے زیادہ مصارف طلب کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک سب سے ترک تعلق کر لیا تھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ نے حکم دے دیا کہ عورتوں کو اختیار دے دو وہ دنیا کو پسند کر لیں یا آخرت کو تو دنیا کو پسند کریں ان کے راستہ میں رکاوٹ نہ پیدا کرے (ان کو آزاد کر دے) اور جو اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کریں ان کو اپنے پاس رکھو یکن شرط یہ ہے کہ وہ مومنوں کی مائیں ہوں گی کبھی کسی اور سے (آپ کے بعد) نکاح نہیں کریں گی اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس کو چاہیں گے رسول خدا اپنے پاس رکھیں گے اور جس کو چاہیں گے دور رکھیں گے رسول اللہ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس کی باری چاہیں مقرر کریں چاہیں نہ کریں اور مصارف و یاری کی تقسیم میں جس کو چاہیں ترجیح دیں یہ سارے اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گے یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی۔ امہات المومنین نے یہ تمام شرائط مان لیں اور اس شرائط پر آپ کے ساتھ رہنے پر راضی ہو گئیں (رضی اللہ عنہن)۔

مذکورہ احکام کا عمومی پہلو

میں کہتا ہوں یہ امتیازی حکم صرف رسول اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری امت کے لئے اس کا جواز ہے اگر کسی کے پاس چند عورتیں ہوں اور وہ اپنے حقوق نکاح مثلاً مصارف اور یاری کی تقسیم میں مساوات کی طلب گار ہوں اور شوہر ان سے کہدے کہ اگر تم چاہو تو آؤ میں تم کو سامان دے کر خوبصورتی کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں اور تم میں سے جو عورت میرے نکاح میں بغیر طلب مصارف کے ان شرائط پر رہنا چاہے کہ میں جس کو چاہوں گا اپنے پاس رکھوں گا اور جس کو چاہوں گا دور رکھوں گا مجھے اختیار ہوگا کہ میں باری مقرر کروں یا نہ کروں یا کسی کی کروں اور کسی کی نہ کروں اور یہ بھی اختیار ہوگا کہ مصارف طعام ولباس ایک کو کم دوں دوسری کو زیادہ دوں اور ان تمام شرائط پر عورتیں کہدیں کہ ہم کو یہ سب شرطیں منظور ہیں ہم تو تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہیں ہم اپنے حقوق سے دست بردار ہوتی ہیں آپ جیسا چاہیں کریں تو اس صورت میں شوہر کو پورا اختیار ہو جاتا ہے اور کسی سے حقوق نکاح اس پر باقی نہیں رہتے۔

حضرت سودہ تو اپنے حقوق سے دستبردار ہو گئیں اور انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ ہی کو دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت

بخاری نے حضرت معاذہ کی روایت سے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کسی عورت کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے (کسی بیوی کے پاس رہنے کی) اجازت طلب کرتے تھے اور یہ واقعہ آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ الخ کے نزول کے بعد کا ہے۔ حضرت معاذہ نے کہا میں نے پوچھا آپ یا بھی تھی حضرت عائشہ نے فرمایا میں سخت تھی اگر میں کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے تو میں کسی کو آپ کے معاملہ میں اپنے اوپر ترجیح نہیں دوں گی۔

اختیار کے مختلف پہلو

مجاہد نے کہا تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ کا مطلب یہ ہے آپ جس بیوی سے بغیر طلاق دیئے کنارہ کش رہنا چاہیں کنارہ کش رہیں اور کنارہ کش ہونے کے بعد اگر پھر ان کو بغیر تجدید نکاح کے اپنے پاس واپس لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنی امت کی جس عورت سے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور نکاح نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو اپنا پیام بھیجتے تھے تو جب تک خود ہی اپنے پیام سے دست بردار نہ ہو جائیں کسی دوسرے شخص کے لئے اس عورت کو پیام بھیجنا جائز نہ تھا۔

بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو مومن عورتیں اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کریں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول کر لیں اور اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو قبول نہ کرنا چاہیں رد کر دیں۔ (تفسیر مظہری)

زور جاہلیت کا ایک غلط رواج

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک قبیح رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کر لیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اس دے دیتا تھا اور وہ اپنی اس دے دیتا تھا۔ اسلام نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ ہی کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ اس سے اجازت لیتے تھے جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی۔ تُؤْوِیْ اِلَیْكَ الآیۃ (جس میں بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا)

تعدد ازواج کا مسئلہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا، جو بیوہ سن رسیدہ صاحب اولاد اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا، یہ پچاس سالہ دور عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہوئی، اور مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔

ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہو جانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی رخصتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیا کہ دنیا طلبی کے لئے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی وفراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی ابھی نو ازواج کے لئے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا (رواہ البیہقی فی سننہ کذا فی الروح)

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ کے بعد بھی دو کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے حضرت عکرمہؓ سے بھی ایک روایت میں یہی تفسیر منقول ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ

اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اُن کی اور غم نہ کھائیں

وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور راضی رہیں اُس پر جو تو نے دیا اُن سب کی سب کو اور اللہ جانتا ہے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا

جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ، سب کچھ جاننے والا تحمل والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا

یعنی داہیۃ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کر دیا نہ کرو۔ اور موجودہ بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دے دو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں، اور جسے کنارے کر دیا ہو اُسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق (اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل ومساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی اگر قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ اللّٰھم ھذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے اُن چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اُس پر ملامت نہ کیجئے) شاید وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا میں کسی طرف اشارہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے کی حکمت

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اُس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں (ورنہ روز یہ ہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مہمات دین میں خلل پڑتا، اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم وفکر میں مُبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہؓ نے (جب عمر زیادہ ہو گئی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔" (تفسیر عثمانی)

ازواج مطہرات کیلئے آسانی:

ذلک یعنی یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈی رکھے اور آرزو خاطر نہ ہونے اور سب کے راضی رہنے سے بہت زیادہ قریب (تعلق رکھنے والا) کیونکہ اس میں سب برابر ہیں (سب کا اختیار آپ کو ہے کوئی خود مختار نہیں رہی) پھر اگر آپ ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلائیں گے تو وہ آپ کے اس فعل کو آپ کی مہربانی سمجھے گی اور جس سے کنارہ کش ہو جائیں گے وہ اس کو حکم خدا سمجھے گی بلکہ اس میں بھی آپ کی مہربانی سمجھے گی کہ آپ نے اس کو صرف اپنے قرب سے ہٹا دیا نکاح سے تو خارج نہیں کیا حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی (طلاق دے سکتے تھے)

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ اور اللہ تو تم لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔ اس میں اس بی بی کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت پر راضی نہ ہو۔

بعض اہل علم نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر جو بعض عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان ہوتا ہے اللہ اس سے واقف ہے اور تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کے لئے یہ اختیار ان دیا ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور علم والا ہے یعنی جاننے کے باوجود فوری سزا نہیں دیتا اس سے ڈرتا رہنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ
حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد اور یہ کہ ان کے بدلے
بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
کرلے اور عورتیں اگرچہ خوش لگے تجھ کو ان کی صورت

یعنی جتنی قسمیں اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ الخ میں فرما دیں، اس سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں ان کو بدل حلال نہیں، یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لاؤ۔ حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ تو نے اس کے بعد کوئی نکاح نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں (کو چھوڑ کر ان) کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن دل پسند ہو مگر جو آپ کی باندیاں ہوں (ان کو لینا ہو سکتا ہے)

عطاء نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ جس عورتوں سے ذی محرم کے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ یہ آیت اگرچہ ترتیب قرأت میں پہلے ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے (یعنی لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ سے بعد آیت تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ نازل ہوئی تھی۔

وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ یعنی ان عورتوں کا حسن جن سے تم نکاح کرنے کے خواستگار ہو۔ بغوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے حلال نہیں کہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دو اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کر لو۔ خواہ اس کی خوبصورتی آپ کو کیسی ہی بھلی معلوم ہو۔

حضرت جعفر کی بیوی

حضرت ابن عباس نے فرمایا ایسی (حسین) عورت حضرت ابی طالب کی بیوی بنت عمیس خثعمیہ تھی جب جعفر شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا پیام بھجوانا چاہا لیکن آپ تو اس کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

احمق سردار: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بغیر اجازت لے رسول اللہ کے یہاں اندر آ گیا حضور کے پاس اس وقت حضرت عائشہ موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت داخلہ کیوں نہیں لی عیینہ نے کہا یا رسول اللہ جب سے میں جوان ہوا ہوں میں نے مضر (بجازی عرب) کے کسی شخص سے داخلہ کی اجازت نہیں لی پھر کہتے لگا یہ آپ کے پہلو میں گوری عورت کون ہے فرمایا ام المومنین عائشہ ہیں بولا کیا ایک حسین ترین عورت سے کر آپ سے اس کا تبادلہ نہ کر لوں۔ حضور نے فرمایا اللہ نے یہ حرام کر دیا ہے۔ عیینہ جب نکلا چلا گیا تو حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ یہ کون تھا فرمایا یہ ایک احمق ہے جس کا حکم مانا جاتا ہے جو حرمت تم نے اس پر لگی اس کی باوجود یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ
مگر جو مال ہو تیرے ہاتھ کا

حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما

یعنی باندی لونڈی۔ حضرت کی دو ام مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہ جس کے شکم سے صاحبزادہ ابراہیم پیدا ہوئے تھے بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہا۔ (تفسیر جلالین)

اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد صاحبزادہ ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ حضور کی ملک میں داخل ہوئیں (مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ نے خدمت اقدس میں بطور ہدیہ بھیجی تھی ایک تیسری دوسری ماریہ۔ انہیں ماریہ سے شکم سے حضور کی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔)

وَكَانَ اللّٰہُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا
اور ہے اللہ ہر چیز پر نگہبان

یعنی اعمال کی نگاہ میں سے حواس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں کرتے، اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ (تفسیر جلالین)

وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا اور اللہ ہر چیز کا پورا نگہبان ہے۔ اس

لئے تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اس کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

بعوی نے لکھا ہے آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دینا چاہتا ہو اور اس کے ایسے اعضاء کو دیکھنا جو نکاح کی دعوت دیں ممکن ہو تو ایسا کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھیجا حضور نے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اس کی طرف دیکھ لو تم دونوں میں اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف دیکھ لو انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (یعنی پیلاپن) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ

اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں

النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ

میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے وقت نہ راہ دیکھتے

اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا

وقت اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے آداب

یعنی بدون حکم و اجازت کے دعوت میں مت جاؤ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو کہ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں ہرج واقع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے ابن شہاب (زہری) کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اس وقت دس سال کا تھا۔ میری مائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر میری مداومت کرتی تھیں میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال تھی۔ حجاب کے واقعہ کا علم مجھے سب لوگوں سے زیادہ ہے آیت حجاب کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زینب بنت جحش کی خلوت گاہ میں ہوا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے شوہر ہونے کی حیثیت میں تھے آپ نے لوگوں کو کھانا کھانے بلایا لوگوں نے آ کر کھانا کھایا الی آخر الحدیث۔ زہری تک یہ روایت بھی بخاری کی روایت کی طرح ہے۔

بخاری کی دوسری روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا اس آیت کو یعنی آیت حجاب کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں جب حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیوی کی حیثیت میں بھیجا گیا تو آپ کے گھر کے اندر وہ موجود تھیں اور آپ نے کچھ کھانا تیار کرایا تھا اور لوگوں کو کھانے کے لئے بلوایا تھا۔ (کھانے کے بعد بھی) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی تو لوگ اٹھ گئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا۔

پردے کا حکم

حضرت انس کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کے ولیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی تیار کرائی اور مجھے لوگوں کو کھانے کی دعوت دینے کے لئے بھیج دیا گیا لوگ آنے لگے اور کھانے لگے اور نکل کر جانے لگے پھر دوسرے لوگ آنے کھانے اور جانے لگے میں لوگوں کو ملاتا رہا جب کوئی آدمی ایسا نہ رہا کہ میں اس کو بلاتا تو میں نے عرض کر دیا نبی اللہ اب تو کوئی آدمی مجھے نہیں ملتا کہ میں اس کو بلاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا اٹھا لو تو تین آدمی وہاں گھر کے اندر بیٹھے باتیں کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے اور (حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر) فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ (اے اہل خانہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا اللہ آپ کو مبارک کرے (اس طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں کے حجروں کی طرف تشریف لے گئے اور وہی بات فرماتے رہے جو حضرت عائشہؓ سے فرمائی تھی اور بیویوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ نے دیا تھا کچھ دیر کے بعد واپس آ گئے تو دیکھا تین آدمی باتیں کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شرمیلے تھے (آدمیوں کو کچھ نہیں فرمایا اور) مڑ کر گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف چل دیئے مجھے یاد نہیں کہ میں نے اطلاع دی یا حضور کو (کسی اور سے) اطلاع ملی کہ لوگ چلے گئے آپ فوراً لوٹ پڑے اور گھر کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک قدم چوکھٹ کے اندر رکھا تھا دوسرا قدم باہر ہی تھا کہ میرے اور اپنے درمیان پردہ چھوڑ دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی رائے

طبرانی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قاب میں کھا رہی تھی اتنے میں ادھر سے عمر گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا لیا وہ بھی آ کر کھانے

لگے (اتفاقاً) ان کی انگلی میری انگلی سے لگ گئی فوراً ان کے منہ سے نکلا اوہ اگر تم عورتوں کے بارے میں میرا کہا مان لیا جاتا تو کوئی آنکھ تم کو نہیں دیکھ پاتی۔ اس کے بعد آیت حجاب نازل ہوگئی۔ نسائی نے اور ادب المفرد میں بخاری نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ کے پاس اندر گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ وہ شخص بھی چلا جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اتنے میں حضرت عمر اندر آ گئے اور چہرہ مبارک پر ناگواری دیکھ کر اس شخص سے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا۔ حضور نے فرمایا میں تین مرتبہ اٹھا تاکہ یہ بھی میرے پیچھے اٹھ کھڑا ہو لیکن اس نے ایسا نہیں کیا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ (عورتوں کے لیے) پردہ اختیار کر لیتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ آپ کی بیبیاں دوسری عورتوں کی طرح تو ہیں نہیں۔ یہ عمل ان لوگوں کے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اس پر آیت حجاب نازل ہوگئی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بخاری کی یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تین باتوں میں میری (رائے کی) مطابقت اپنے رب کے (حکم کے) ساتھ ہوگئی میں نے عرض کیا کاش آپ مقام ابراہیم کو مقام نماز بنا سکتے اس پر آیت وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوئی میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ کی عورتوں کے پاس نیک بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں کاش آپ اپنی عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دے دیتے اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقابت کی وجہ سے آپ کی عورتیں جمع تھیں۔ میں نے کہا عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت

حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار باتوں کی وجہ سے عمر بن خطاب کو لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔

(۱) آپ نے بدر کے قیدیوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ الخ نازل ہوئی۔

(۲) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو پردے میں رہنے کا مشورہ دیا تھا جس پر حضرت زینب نے فرمایا خطاب کے بیٹے اب تم کو ہم پر بھی غیرت آنے لگی حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے اس پر آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ الخ نازل ہوئی۔

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دعا کی تھی اے اللہ تعالیٰ تم کے ذریعہ سے اسلام کو مضبوط کر دے۔

(۴) حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے رائے دی تھی آپ نے ہی سب سے پہلے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (تفسیر مظہری)

مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ
پھر جب کھا چکو تو آپ آپ کو چلے جاؤ اور آپس میں جی لگا بیٹھو باتوں میں

کسی کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب

یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر کا رستہ لینا چاہیے۔ وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یہ باتیں گو نبی کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں۔ کیونکہ شان نزول کا تعلق ان ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر جانا یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ
اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر تم سے شرم کرتا ہے
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ
اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروت

یعنی آپ حیا کی وجہ سے اپنے نفس پر تکلیف برداشت کرتے ہیں۔ لحاظ کی وجہ سے صاف نہیں فرماتے کہ اٹھ جاؤ مجھے کلفت ہوتی ہے یہ تو آپ کے اخلاق اور مروت کی بات ہوئی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تادیب و اصلاح میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ اس لیے بہرحال پیغمبر ہی کی زبان سے ایسے احکام مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ بندوں کو حق بتلاتا ہے

یعنی تم کو ادب سکھانا حق ہے اور حق بات سے اللہ نہیں جھجکتا اس لیے تم کو ادب سکھانا ترک نہیں کرتا۔ بیضاوی نے یہ مطلب لکھا ہے کہ نبی کے گھر سے تمہارا نکالنا حق ہے اور حق بات کو اللہ ترک نہیں کرتا اس لیے تم کو نکلنے کا حکم دے رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردہ کے باہر سے

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے دل کو اور ان کے دل کو

اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب سکھلائے۔ کبھی کھانے کو حضرت کے گھر میں جمع ہوتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہ ہی تھا۔ شرم سے نہ فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ ان کے واسطے اللہ نے فرما دیا۔ اور اس آیت میں حکم ہوا پردہ کا کہ مرد حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں کوئی چیزیں مانگی ہوں تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وساوس کا استیصال ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مناعہ یعنی کوئی کام کی چیز بطور رعایت یا بطور بخشش مانگو یا مانگی ہوئی چیز دینے پر۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کسی کو اجازت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے۔ خواہ وہ نقاب پوش ہوں یا بغیر نقاب کے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ تمہارا یہ عمل (پردے کے پیچھے سے مانگنا شیطانی وسوسوں سے) تمہارے دلوں کو بھی پاک رکھنے والا ہے اور ان کے دلوں کو بھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا

اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو

اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ

ان کی عورتوں سے ان کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا

اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے

یعنی کافر منافق جو چاہیں بکتے پھریں اور ایذا رسانی کریں۔ مؤمنین جو دلائل و براہین کی روشنی میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی انتہائی راستبازی اور پاکبازی کو معلوم کر چکے ہیں، انہیں لائق نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی کہیں یا کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مؤمنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں۔ مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے یا ایسے نالائق ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار کرے۔ ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مؤمنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ کیا کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے کے بعد ان کا یہ احترام کما حقہ ملحوظ رہ سکتا ہے یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تلقین دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لئے ہی فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے ان کو چنا تھا۔ اور کیا کوئی پرلے درجہ کا بے حس و بے شعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر امام المتقین اور نیز خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکے گی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لئے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کر لینے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ حضور کی وفات کے بعد کیسے عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور احکام دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمات مہمہ کے لئے اپنے کو وقف کئے رکھا ان میں سے کسی ایک کو کبھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا۔ اور کیسے آ سکتا تھا جبکہ پہلے ہی حق تعالیٰ نے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فرما کر ان کے تزکیہ و تطہیر کی کفالت فرمائی تھی۔ رضی اللہ عنھن وارضاھن و جعلنا ممن یعظمھن حق تعظیمھن فوق ما یعظم امھاتنا التی ولدتنا امین اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب آب حیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بی بی) سے میں نکاح کر لوں گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ

اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچانا جائز نہیں اور نہ ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے (نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نہ طلاق دینے کے بعد) تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کر لوں گا۔ سفیان نے کہا ایسی بات حضرت عائشہؓ کے متعلق کہی گئی تھی۔ سدی کا بیان ہے ہم کو اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا تھا کیا محمد ہماری چچا کی بیٹیوں سے تو ہمارا پردہ کرا رہے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کر لیتے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت طلحہ بن عبید اللہ کے بارے میں اتری طلحہ نے کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے گی تو عائشہؓ سے میں نکاح کروں گا۔

جویبر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے پاس گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا یہ شخص ان بی بی کے چچا کا بیٹا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد اس جگہ نہ کھڑا ہونا اس شخص نے کہا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے خدا کی قسم نہ میں نے اس سے کوئی بری بات کہی تھی نہ اس نے مجھ سے کوئی بری بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اور مجھ سے بھی زیادہ کوئی غیرت والا نہیں وہ شخص چلا گیا اور جانے کے بعد کہا مجھے میری چچا کی بیٹی سے بات کرنے سے روکتے ہیں ان کے بعد میں اس سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر اس شخص نے اپنی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کی توبہ میں ایک مردہ آزاد کیا دس اونٹ راہ خدا میں سوار ہونے کے لئے دیے اور پیدل حج کیا۔

ایک مستثنیٰ صورت

بیضاوی نے لکھا حرمت نکاح ازواج سے وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کو بغیر قربت کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ (خلافت) میں اشعث بن قیس نے مستعیذہ (جویبہ کلبیہ) سے نکاح کر لیا حضرت عمر نے اس کو سنگسار کرانے کا ارادہ کیا لیکن آپ کو بتایا گیا کہ مستعیذہ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر صحبت کئے چھوڑ دیا تھا۔ حضرت عمر نے یہ بات سن کر اشعث کو چھوڑ دیا اور حضرت عمر کے اس فیصلہ کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا (مستعیذہ پناہ طلب کرنے والی۔ اس کا نام جویبہ کلبیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا)

تحریم ازواج کی وجہ!

میں کہتا ہوں تحریم ازواج کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اسی لئے آپ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ کی بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو میں اس کو سن لوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا تو مجھے وہ درود پہنچا دی جائے گی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تکملہ مظہری)

ازواج مطہراتؓ کے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں۔

اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ بنص قرآن امہات المومنین ہیں، اور اگرچہ ان کے امہات ہونے کا اثر ان کی اولاد روحانی پر نہیں پڑتا کہ وہ سب بہن بھائی ہو کر باہم نکاح نہ کر سکیں مگر ان کی اپنی ذات کی حد تک امتناع نکاح کا حکم دیا گیا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسا کوئی زندہ شوہر گھر غائب ہو اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔

یہ حکمت بھی ہے کہ شرعی قاعدے سے جنت میں ہر عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حذیفہؓ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میری بیوی رہو تو میرے بعد کوئی دوسرا نکاح نہ کرنا، کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی۔ (قرطبی)

اس لئے ازواج مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے اس کو آخرت اور جنت میں بھی باقی رکھنے کے لئے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کر دیا گیا۔

مسئلہ اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جو ازواج مطہراتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں رہیں ان سب کا یہی حکم ہے لیکن جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی یا کسی دوسری وجہ سے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے علیحدہ ہو گئیں ان کے بارے

میں فقہاء امت کے مختلف اقوال ہیں جن کو قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

انسداد فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں سے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل و غارت گری کے واقعات پائے جاتے ہیں اگر صحیح تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پاس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا، یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم، کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی برائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔

دنیا کے اس آخری دور میں یوروپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم و قومی روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا، اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی اباحت اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات و نتائج کو وہ بھی جرائم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ لگانے کے لئے سوختہ کا ذخیرہ جمع کرے پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگائے، اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگانے اور روکنے کی فکر کرے، منڈیا پکانے کے لئے اس کے نیچے آگ جلائے پھر اس کے ابال اور جوش کو روکنا چاہے۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کیں، اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی، پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

پہلے مسئلہ کی مثال شراب فروشی ہے کہ یہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس کو بھی شریعت نے اسی طرح حرام کر دیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے، کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اگرچہ عین زنا نہیں، مگر اس کی سبب قریب ہے شریعت نے اس کو اسی کی طرح حرام قرار دے دیا۔

اور دوسرے مسئلے کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس کے تعلق معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے اس کا پیشہ یہی ہے یا اس نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ میں اس کام کے لئے خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں حرام تو نہیں مگر مکروہ و ناجائز یہ بھی ہے، یہی حکم سینما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین مکان کرایہ پر دینے کا ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ اس مکان کو ناجائز کام کے لئے لے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

ضروری تنبیہ: یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول کا قرار دے کر حرام کر دیا، اس حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ بھی شرعاً اسی سد ذرائع کے اصول پر مبنی ہے کہ ترک پردہ سبب ہے معصیت میں مبتلا ہونے کا، اس میں بھی اسباب کی مذکورہ قسموں کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی جوان مرد کے سامنے جوان عورت کو اپنا بدن کھولنا ابتلاء گناہ کا ایسا سبب قریب ہے کہ عادت اکثریہ کے اعتبار سے اس پر گناہ کا مرتب ہونا لازمی جیسا ہے، اس لئے یہ تو شرعاً زنا کی طرح حرام ہو گیا، کیونکہ شرعاً اس عمل کو حکم فاحشہ کا دے دیا گیا ہے، اب وہ مطلقاً حرام ہے، اگرچہ معاملہ کسی معصوم کے ساتھ ہو یا کوئی شخص اپنے نفس پر مکمل قابو رکھنے کی وجہ مطمئن ہو کر گناہ سے بچ جائے گا، مواقع ضرورت علاج، غیرہ کا مستثنیٰ ہونا الگ چیز ہے۔

پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا، اور صرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے، اس کی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا، سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی، حضرت زینب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی آیت حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے وھی مولیۃ وجھھا الی الحائط "یعنی اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے

بحابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا قرآن کریم میں جس جاہلیت اولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا، عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان میں ہندو مذہب اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارانہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے تے دھوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مرد و زن کے بے تکلف اختلاط حیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں، قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی، حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور ستر پر آمادہ کرتی ہے۔

حاجت نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر بیٹھنا جائز نہیں۔ (کمالی الحرمین شرح المنیہ)

صرف عورتوں پر، ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب شرعی حجاب اشخاص ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھروں کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اس کے سوا اجتماعی صورتیں حجاب کی مقبول ہیں، وہ ضرورت کی بنا پر اور وقت ضرورت اور قدر ضرورت کے ساتھ مقید اور مشروط ہیں۔

اس طرح پردہ کا پہلا درجہ تو اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں رہیں لیکن شریعت اسلامیہ ایک جامع اور مکمل نظام ہے جس میں انسان کی ہر ہر ضرورت کی رعایت کی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ عورتوں کو ایسی صورتیں پیش آنا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت گھر میں نہ ہوں [illegible] قرآن و سنت کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے [illegible] ایسی صورتیں [illegible] حجاب اشخاص [illegible] ہو جاتا ہے۔

اور اس حدیث میں جو یہ لفظ ہیں کہ "عورت شیطان کی شکل میں نکلتی ہے" یعنی اس کو تاک لیتا ہے" (یعنی اس کو مسلمانوں میں فساد پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

اور اس حدیث میں جہاں سے اس حدیث میں یہ لفظ بھی ملتے ہیں، والفوت متکون من وجہ ربما وھی فی قعر بیتھا (یعنی عورت اپنے [illegible]

پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء و فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوہ ابطالیق میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالی کے برتن میں کلی کر کے حضرت ابو موسیٰ اور بلال کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں، اور اپنے چہرے پر مل لیں، ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی ام سلمہؓ کے لئے چھوڑ دینا۔

یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ بعض حجاب کے بعد ازواج مطہراتؓ گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ: اس روایت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ازواج مطہراتؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ابو طلحہؓ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المؤمنین حضرت صفیہؓ بھی سوار تھیں، راستہ میں اچانک اونٹ کے ٹھوکر لگی، اور ابو طلحہ کے بیان کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہؓ اونٹ سے گر گئے تو ابو طلحہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اور عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دے آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں تم عورت کی خبر لو، ابو طلحہ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا، پھر حضرت صفیہؓ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں، پھر اسی طرح پردہ میں مستور ان کو ان کی سواری پر سوار کیا۔

اس واقعہ میں بھی جو ایک حادثہ کی صورت میں ایسا تک پیش آیا اہتمام کرام ازواج مطہرات کا پردہ کے معاملہ میں اتنا اہتمام اس کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا خرجت المرأۃ استشرفھا الشیطان (قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب) معنی یہ ہیں کہ "عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے" (یعنی اس کو مسلمانوں میں فساد پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے)۔

زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔"

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ (رواہ الطبرانی کذا فی الکنز ص ۲۶۳ ج ۸) یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال فرمایا ای شیء خیر للمرأۃ (عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے) صحابہ کرام خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا لا یرین الرجال و لا یرونھن یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد ان کو دیکھیں۔ میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقت انھا بضعۃ منی انہوں نے درست کہا بیشک وہ میرا ایک خزہ ہیں۔

واقعہ افک میں جو سبب حضرت صدیقہؓ کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ یہی تھا کہ ازواج مطہرات کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا بلکہ وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شعدف) میں رہتی تھیں، یہ شعدف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا، شعدف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے، اس واقعہ میں جب قافلہ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شعدف کو یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا کہ ام المومنین اس کے اندر موجود ہیں اور واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں، بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں، اس مغالطہ میں قافلہ روانہ ہو گیا اور ام المومنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔

یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہراتؓ نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکانوں میں، سفر میں ہوں تو اپنے شعدف میں رہیں، ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے، اور جب سفر کی حالت میں حجاب اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضر میں کتنا اہتمام ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اگر کھول کر کہو تم کسی چیز کو یا اس کو چھپاؤ سو اللہ ہے
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا
ہر چیز کو جاننے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا خیال بھی اللہ دیکھ رہا ہے

یعنی زبان سے کہنا تو کجا دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اس سے پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے اللہ (تو بہر حال) ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

یعنی رسول اللہ کو ایذاء یا ان کی بیبیوں سے نکاح (کا ارادہ) ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپائے رکھو گے۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول اس شخص کے حق میں ہوا جس نے رسول اللہ کے بعد حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ دل میں پوشیدہ رکھا تھا۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی تم کو اس (ظاہر اور پوشیدہ) گناہ کی سزا دے گا۔

امہات المومنین سے نکاح پر وعید

اس تعلیم میں اور امہات المومنین سے صراحۃً نکاح کی ممانعت کے بعد بزبان بیان کرنے میں مزید زور وعید عذاب اور تخویف سزا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کا لفظ زبان سے نکالا تھا اس نے اس بات سے توبہ کی اور گناہ کے کفارے میں ایک پردہ آزاد کیا اور جہاد میں سواری کے کام آنے کے لئے دس اونٹ دیئے اور پیدل حج کیا جیسا کہ حضرت ابن عباس کے مذکورہ بالا بیان میں آیا ہے۔

آئندہ آیت کا شان نزول

بغوی نے لکھا جب آیت حجاب نازل ہوگئی تو امہات المومنین کے باپوں بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کلام کریں گے تو پردے کی آڑ سے ان پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
گناہ نہیں ان عورتوں سے پردے کا اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے
وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ اپنے ہاتھ کے مال سے

محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے

اوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورۂ نور میں گزر چکا وہی ازواج مطہرات کا ہے وَلَا يَبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ کی تشریح ہم سورۂ نور میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

نبی کی بیبیوں پر کوئی گناہ نہیں باپوں سے (بے پردہ باتیں کرنے) میں نہ اپنے بیٹوں سے نہ اپنے بھائیوں سے نہ اپنے بھتیجوں سے نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی عورتوں سے نہ اپنے مملوک لوگوں سے اور خدا سے ڈرتی رہو اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے۔

چچا اور ماموں کا ذکر آیت میں نہیں کیا کیونکہ بھتیجوں اور بھانجوں کا ذکر کرنے کے بعد دلالت النص سے چچا اور ماموں کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بھتیجوں کے رشتہ سے امہات المومنین پھوپھیاں ہوں گی اور بھانجوں کے رشتہ سے خالائیں اور چچا پھوپھی کا ایک ہی رشتہ ہے اسی طرح ماموں اور خالہ بھی ہم رشتہ ہیں (باپ کا بھائی چچا اور بہن پھوپھی ہوتی ہے اور ماں کا بھائی ماموں اور بہن خالہ ہوتی ہے)

رضاعی رشتوں کے محرم

بخاری نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا آیت حجاب نازل ہونے کے بعد ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی میں نے کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لے لوں گی خود اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوالقعیس کے بھائی نے دودھ نہیں پلایا ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے کہا ابوالقعیس کے بھائی نے میرے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر آپ کی اجازت کے بغیر میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا فرمایا تم اپنے چچا کو اجازت دے دو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس مرد نے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا فرمایا تیرا ہاتھ خاک آلود ہو وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے دے۔ حضرت عروہ نے کہا اسی لئے حضرت عائشہ فرماتی تھیں جن نسبی رشتوں کو تم محرم قرار دیتے ہو انہیں رضاعی رشتوں کو بھی محرم قرار دو۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا
اللہ ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو استثناء کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو ذرا بھی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ ظاہر و باطن میں حدود اللہ محفوظ رہنی چاہئیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال چھپا ہوا نہیں يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا
والو رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام اور اس کا مفہوم

صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے نبی کی ثناء تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے خدا گانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا اللھم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہ ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابدالآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہی اکیلا ہے کسی بندہ کی کیا طاقت تھی کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے رتبہ کے لائق

تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے۔ اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کرلے۔ (تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں نہیں سما سکتیں۔ شروع حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ خدا کا اپنے نبی پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثناء و صفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ خدا کا درود رحمت ہے فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ سبقت رحمتی غضبی ہے۔

حضرت علیؓ کی بتلائی ہوئی دعاء

حضرت علیؓ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے۔

اللّٰھم داحی المدحوات وبارئ المسموکات وجبار القلوب علی فطرتھا شقیھا وسعیدھا اجعل شرائف صلوتک ونوامی برکاتک وفضائل آلائک علی محمد عبدک ورسولک الفاتح لما اغلق والخاتم لما سبق والمعلن الحق بالحق والدامغ لجیشات الاباطیل کما حمل فاضطلع بامرک بط عنک مستوفزا فی مرضاتک غیر نکل فی قدم ولا وھن فی عزم واعیا لوحیک حافظا لعھدک ماضیا علی نفاذ امرک حتی اوری قبسا لقابس آلاء اللہ تضل باھلہ اسبابہ بہ ھدیت القلوب بعد خوضات الفتن والاثم وابھج موضحات الاعلام ونائرات الاحکام ومنیرات الاسلام فھو امینک المامون وخازن علمک المخزون وشھیدک یوم الدین وبعیثک نعمۃ ورسولک بالحق رحمۃ اللھم افسح لہ فی عدنک واجزہ مضاعفات الخیر من فضلک لہ مھنات بخیر مکدرات من فوز ثوابک المعلول وجزیل مطائک المحلول اللھم اعل علی بناء الناس بناءہ واکرم مثواہ لدیک ونزلہ واتمم لہ نورہ واجزہ من ابتعاثک لہ مقبول الشھادۃ مرضی المقالۃ ذا منطق عدل وخطۃ فصل وحجۃ وبرھان عظیم

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں۔ اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔

ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن حباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اس کی تلاوت کی پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں وارحم محمدا وآل محمد کما رحمت آل ابراھیم کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحم کی دعا بھی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب

بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے اور بعض جگہ واجب نہیں۔ چنانچہ (۱) اذان سن کر دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کی زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان آچکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اللھم انزلہ المقعد المقترب عندک یوم القیمۃ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی (مسند) ابن عباسؓ سے دعا منقول ہے اللھم تقبل شفاعۃ محمد الکبری وارفع درجتہ العلیا واعطہ سولہ فی الآخرۃ والاولی کما اتیت ابراھیم وموسی علیھم السلام (۲) مسجد میں جانے اور مسجد نکلنے کے وقت۔ چنانچہ مسند میں ہے حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں جاتے تو درود وسلام پڑھ کر اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک پڑھتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار ہو۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے طحاوی

تے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا امر کا مقتضیٰ قطعی عمر بھر میں ایک بار (تعمیل) ہے کیونکہ امر تکرار کو نہیں چاہتا اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

آخری قعدہ میں درود پڑھنا

جس کا قول ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنی واجب ہے امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے کہ آخری تشہد میں درود پڑھنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور مشہور ترین روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ درود کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔

ابن ہمام نے اس کو حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ابن جوزی نے کہا اس کی روایت میں جابر ضعیف ہے اور روایت میں اختلاف ہے کبھی موقوفاً بیان کیا ہے کبھی مرفوعاً۔

حاکم اور بیہقی نے بروایت یحییٰ بن سابق قبیلہ بنی حارثہ کی وساطت سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ چکے تو کہے اللھم صل علی محمد و علی ال محمد وبارک علی محمد وارحم محمدا وال محمد کما صلیت وبارکت وترحمت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی سوا حارثی شخص کے ثقہ ہیں حارثی قابل نظر ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث لاصلوۃ لمن لم یصل علیے کو تمام اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے مراد کامل نماز کی نفی ہے (یعنی جس نے مجھ پر نماز کے اندر درود نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں ہوئی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس نے عمر میں ایک بار بھی درود نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے زیادہ قوی حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث ہے فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں دعا کرتے سنا کہ اس نے رسول اللہ پر درود نہیں پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے (دعا مانگنے میں) عجلت کی پھر اس کو بلایا اور اس کو یا دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے جو شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد و ثناء کرے پھر مجھ پر درود بھیجے پھر جو چاہے دعا کرے۔

رواہ ابوداؤد والنسائی والترمذی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ فضالہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر کہا اے اللہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے تو نے عجلت کی جب تو نماز پڑھے اور بیٹھ جائے تو (اول) ان صفات کے ساتھ اللہ کی حمد کر جس کا وہ مستحق ہے پھر مجھ پر درود پڑھ پھر اللہ سے دعا کر۔

راوی کا بیان ہے پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے اب تو دعا کر تیری دعا قبول ہوگی رواہ الترمذی۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں نماز میں تشہد کے بعد رسول اللہ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اس طرح بھی دلیل قائم کی جا سکتی ہے کہ آیت مذکورہ میں جس درود کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے جیسے آیت وَّرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ اور آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ میں قیام سے مراد نماز میں کھڑا ہونا اور آیت واسجدو ارکعوا میں سجدہ اور رکوع سے مراد نماز میں سجود و رکوع اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں قرأت قرآن سے مراد نماز کے اندر قرآن پڑھنا ہے کعب بن عجرہ کی حدیث جس کو بخاری نے نقل کیا ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام (کا طریقہ) تو ہم کو معلوم ہے مگر درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے فرمایا تو اللھم صل علی محمد الخ یعنی تشہد میں سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا ہے تشہد میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھا ہی جاتا ہے مگر درود اس وقت کس طرح پڑھیں اس سوال کے جواب میں (نماز کے اندر) درود پڑھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اللھم صل علی محمد الخ پڑھا کرو۔ امت اسلامیہ نے بالاتفاق اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اور بلا اختلاف تشہد کے بعد درود پڑھنے کی صراحت کی ہے البتہ واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درود کا حکم آیت مذکورہ میں دیا گیا ہے اس سے مراد تشہد کے بعد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے۔

ہر دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود کے واجب ہونے کے دلائل

حنفی کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے درود پڑھنا واجب ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا ہو اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھی ہو اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس پر رمضان آ کر گزر بھی جائے اور اس کی مغفرت نہ ہو۔ اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو کہ اس کے

ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کی زندگی میں بوڑھے ہو جائیں۔ اور اس شخص کے جنت میں داخلہ کا ذریعہ نہ بنیں (یعنی میٹا بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرے اس لئے وہ ناراض رہیں اور یہ شخص جنت سے محروم ہو جائے) رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور دوزخ میں چلا جائے اللہ اس کو دور رکھے۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے (اور انہوں نے کہا) جس شخص کے سامنے آپ کا تذکرہ ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اور (اس وجہ سے) دوزخ میں داخل ہو جائے پس اللہ اس کو دور رکھے۔ یہ دونوں حدیثیں طبرانی نے نقل کی ہیں۔

ابن سنی نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھی وہ بدنصیب ہو گیا۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے امام احمد نے یہ حدیث حضرت امام حسینؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت امام حسین کی مرفوع روایت اس طرح بیان کی ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا اور اس نے مجھ پر درود پڑھنی چھوٹ گئی اس سے جنت کا راستہ چھوٹ گیا۔ نسائی نے صحیح سند سے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہئے کہ مجھ پر درود پڑھے کیونکہ جو شخص مجھ پر (ایک بار) درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (یا دس بار رحمت نازل فرمائے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت وکیفیت

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے میری ملاقات حضرت کعب بن عجرہؓ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا (حدیث کا) ایک تحفہ میں تم کو پیش نہ کر دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے میں نے کہا کیوں نہیں ضرور وہ تحفہ مجھے عنایت فرمایئے کعب نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو سلام کرنا تو اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے لیکن آپ (اور آپ کے) اہل بیت پر ہم درود کس طرح پڑھیں فرمایا کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں دونوں جگہ علی ابراہیم کا لفظ نہیں ہے (صرف علیٰ آل ابراہیم ہے) حضرت ابوحمید ساعدی راوی ہیں کہ صحابہ نے کہا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں فرمایا کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک بار مجھ پر درود پڑھے گا اللہ دس بار رحمت اس پر نازل فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب والنسائی والحاکم۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا حصول:

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ رواہ الترمذی۔

سلام پہنچانے والے فرشتے

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ رواہ النسائی والدارمی۔

سلام کا جواب حضرت ابوہریرہ راوی ہیں جو کوئی (جب بھی) مجھ پر سلام پڑھے گا اللہ میری روح مجھے لوٹا دے گا کہ میں سلام کا جواب دوں گا۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں نماز نہ پڑھو۔ مترجم) اور نہ میری قبر کو میلہ بنانا۔ اور مجھ پر درود پڑھنا تمہارا اور وہ مجھے پہنچے گا تم جہاں بھی ہو۔

دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول:

حضرت ابوطلحہؓ راوی ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضور کے چہرہ پر شگفتگی تھی فرمایا مجھ سے جبرئیل نے آ کر کہا کہ آپ کا رب

فرماتا ہے محمد کیا تم اس بات پر خوش نہ ہو گے کہ تمہاری امت میں سے جو کوئی تم پر درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور تمہاری امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا رواہ النسائی والدارمی۔

تمام فکر دُور ہو جائیں گے

حضرت اُبی بن کعب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر درود بہت پڑھتا ہوں کتنی بار پڑھا کروں فرمایا جتنی (بھی) چاہو میں نے عرض کیا (ذکر خداوندی اور دعا کا) ایک چوتھائی (درود کے لئے مقرر کرلوں) فرمایا جتنا تم چاہو اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا (کل ذکر کا) آدھا حصہ (درود کو بنالوں فرمایا تم جتنا چاہو (کرلو لیکن) اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو مگر زیادہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا، کیا میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے کردوں فرمایا تو ایسی حالت میں تمہارے سارے فکر دور ہو جائیں گے) کام پورے کر دیئے جائیں گے اور تمہارے گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے۔ رواہ الترمذی

بھرپور بدلہ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو یہ بات (پسند اور) مسرور کرنے والی ہو کہ جب وہ ہم گھر والوں کے لئے دعا کرے تو اس کو بھرپور پیمانہ سے (بدلہ) دیا جائے تو اس کو اس طرح کہنا چاہیے۔ **اللھم صل علی محمد النبی الامی وازواجہ امھات المؤمنین وذریتہ واھل بیتہ کما صلیت علی ابراھیم انک حمید مجید** (رواہ ابوداؤد)

ستر رحمتیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں اس پر نازل کریں گے۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت

حضرت رویفع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھی اور کہا۔ **اللھم انزلہ المقعد المقرب عندک یوم القیامۃ وجبت لہ شفاعتی** اے اللہ قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقام قرب عنایت کر اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) برآمد ہوئے اور ایک نخلستان کے اندر پہنچے وہاں پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوگیا کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہ ہوگئی ہو میں دیکھنے کے لئے (قریب گیا) آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے میں نے اپنا اندیشہ بیان کر دیا۔ فرمایا جبرئیل نے (آخر) مجھ سے کہا تھا کیا میں آپ کو یہ خوشخبری نہ سنادوں کہ اللہ نے آپ کے (اعزاز اور خوش کرنے کے) لئے فرمایا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام پڑھے گا میں اس کو سلامتی عطا کروں گا رواہ احمد۔

دُعاء کی قبولیت

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا دعا آسمان و زمین کے درمیان روک لی جاتی ہے جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو عا کا کوئی حصہ اوپر نہیں چڑھنے پاتا۔ رواہ الترمذی

جتنا درود اتنی رحمتیں

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے اپنے باپ کا بیان نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص مجھ پر جتنی درود پڑھتا ہے فرشتے اتنی ہی اس پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ اب بندہ کو اختیار رہے کم درود پڑھے یا زیادہ۔ رواہ السعوی

احد پہاڑ جتنا ثواب

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے اور ایک قیراط کوہ احد کے برابر ہوتا ہے۔ رواہ عبدالرزاق فی الجامع بسند حسن۔

صبح شام دس مرتبہ درود

حضرت ابودرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح اور شام دس دس مرتبہ درود پڑھے گا اس کو میری شفاعت مل جائے گی۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن۔

روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل

حضرت ابوبکر صدیق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا ایک آدمی نے آکر سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جواب دیا اور کشادہ روئی کے ساتھ اس کو اپنے پہلو میں بٹھالیا جب وہ شخص اپنا کام پورا کر کے اٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر روزانہ اس شخص کا عمل باشندگان زمین کے (سارے) اعمال کے برابر اٹھایا جاتا ہے میں نے عرض کیا ایسا کیوں ہے فرمایا جب صبح ہوتی ہے تو یہ شخص دس بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اور اس کا یہ درود ایسا ہوتا ہے جیسے ساری مخلوق کا درود میں نے عرض کیا وہ کیا درود ہے فرمایا وہ کہتا ہے۔

اللھم صل علی محمد النبی عدد من صلی من خلقک وصل علی محمد کما ینبغی لنا ان نصلی علیہ وصل علی محمد النبی کما امرتنا ان نصلی علیہ

گناہوں کی صفائی

حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا گناہوں کو اس سے زیادہ مٹا دیتا ہے۔ جتنا پانی آگ کو (بجھاتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنا گردنیں (یعنی بردے) آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (راہ خدا میں اپنا) خون دل دینے سے بھی افضل ہے یا فرمایا۔ راہ خدا میں شمشیر زنی سے بھی افضل ہے۔

وتروں کی دُعاء

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مجھے حضور نے یہ کلمات سکھائے جنہیں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت (اہل السنن)

جمعہ کو درود کی کثرت:

نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وصلی اللہ علی النبی۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے اسی میں بے ہوشی ہے پس تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا، آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بہ کثرت درود پڑھو۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابوالدرداءؓ کو پایا نہیں، واللہ اعلم بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی، جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔

ابوداؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

کتاب میں درود لکھنے کا ثواب

کاتب اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ لکھے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ

کیا انبیاء کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی صلوٰۃ وسلام کا استعمال درست ہے؟

صحیح یہ ہے کہ تنہا غیر انبیاء کے لئے صحیح نہیں ہے اور جمعاً یعنی انبیاء کے ساتھ ملا کر صحیح ہے۔ جس طرح کہ محمد عزوجل کہنا مکروہ ہے باوجود یہ کہ آپ معزز اور جلیل القدر تھے اس کی وجہ یہ ہے عرف میں صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ جیسے جل وعز کے لفظ باری تعالیٰ کے لئے خاص کر دیئے گئے ہیں۔ سورۂ توبہ کی آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اس کی مکمل تنقیح ہو چکی ہے۔ (مسند مطہری)

نبیوں کے سوا غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنا اگر معاً ہو تو بے شک جائز ہے جیسے حدیث میں ہے اللّٰھم صل علی محمد وآلہ وازواجہ وذریتہ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوٰۃ بھیجنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو اسے جائز بتلاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ الخ اور اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَيْهِمْ پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ فرماتے اللّٰھم صل علیھم چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ فرماتے ہیں جب میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا اللّٰھم صل علی آل ابی اوفی (صحیحین)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر صلوٰۃ نہ بھیجنی چاہیئے۔ ہاں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوٰۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوٰۃ صرف نبیوں کے لئے ہے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور

ستر ہزار رات کو آتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (فرع) امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہئیں صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو صحابہ کو بیچ میں رکھ کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنا لینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا ان سے بغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے انہیں جس نے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی، اور جس نے خدا کو ایذا دی یقین مانو خدا اُس کی بھنوسی اُڑا دے گا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے، حلو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں، جن سے وہ بری ہیں وہ بڑے بہتان باز ہیں اور بروست گناہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔ پھر رافضی شیعہ جو صحابہ پر عیب گیری کرتے ہیں اور خدا نے جن کی تعریفیں کی ہیں یہ انہیں بُرا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح و ستائش موجود ہے لیکن یہ بے خبر گندہ دہن انہیں بُرا کہتے ہیں، ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے ان کے دل اندھے ہو گئے ہیں اس لئے ان کی زبان بھی اُلٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

نماز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دُعاء:

صحیحین میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی **اَللّٰھُمَّ انی ظلمت نفسی ظُلْماً کثیراً وَّ انہٗ لا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم** یعنی خدایا میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کر سکتا، پس تو اپنے پاس کی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، تو بڑا ہی بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صلوۃ وسلام کا طریقہ:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں وہ چیزوں کا علم ہے صلوۃ اور سلام کی سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے (کہ **السلام علیک ایھا النبی** کہتے ہیں) صلوۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو **اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحَمَّدٍ وَّ علی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ علی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ کما صَلَّیْتَ وبارکْتَ وترحمْتَ علی ابرٰھیم وعلی آلِ ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ**

مسئلہ اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے وقت درود شریف پڑھنے پر وعید آئی ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **رغم انف رجلٍ ذُکرتُ عندہٗ فلم یُصلِّ علیَّ** یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (قال الترمذی حدیث حسن (رواہ ابن السنی باسنادہ جید)

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے **البخیل من ذُکرتُ عندہٗ فلم یُصلِّ علیَّ** یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک ہو کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے، حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر سکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں ہر وقت بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تمام ائمہ حدیث کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود وسلام پڑھتے اور لکھتے ہیں، تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک دو سطر کے بعد نام مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے، حضرات محدثین کہیں صلوۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوۃ اور سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنا مکروہ فرمایا ہے ابن حریزیؒ نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے، اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں۔ اور بعض

اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ۔ لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف حق اعظم)

جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ، امت کی طرف سے جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پر نور کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان ص ۳۱۵ ج ۳۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو اُن کو پھٹکارا اللہ نے

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے دُکھ کا عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی سزا:

اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ اُن کی انتہائی تعظیم و تکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب بتلایا کہ اللہ و رسول کو ایذا دینے والے دنیا و آخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسوا کُن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہی ہے کہ اُس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اُس کی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہودی اور عیسائیوں کی ایذاء رسانی

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ سے۔ جو لوگ اللہ کو اذیت دیتے ہیں۔ بعوی نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد ہیں یہودی، عیسائی اور مشرک یہودی تو کہتے تھے عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ اور يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ اور إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ اور عیسائی کہتے تھے مسیح ابن اللہ اور کہتے تھے إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ اور مشرک کہتے تھے ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور بت (معبود ہونے میں) اللہ کے ساجھی ہیں۔

ابن آدم کی نالائقی

حضرت ابوہریرہ روای ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی اور اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا میری تکذیب تو یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے مجھے پہلی مادہ پیدا کیا ایسا دوبارہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ اور میرے لئے گالی یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے حالانکہ میں احد ہوں بے نیاز ہوں نہ کسی کا اللہ ہوں نہ کسی کا مولود میرا کفو کوئی نہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس طرح ہے اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ (میرے متعلق) کہتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو اپنی بیوی بناؤں یا اولاد۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے۔ آدم کا بیٹا دہر (زمانہ) کو گالی دے کر مجھے دکھ دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر (کا حکمران) ہوں میرے ہی ہاتھوں میں حکم دینا ہے۔ میں ہی رات دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔ متفق علیہ

بعض نے کہا اللہ کو اذیت پہنچانے سے مراد ہے اللہ کے اسماء و صفات میں کج روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء کی صورتیں:

وَرَسُولَهُ اور اس کے رسول کو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں نے اللہ کے رسول کے چہرہ کو زخمی کر دیا حضور کا دانت توڑ دیا کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر کسی نے دیوانہ پاگل (یہ سب اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی صورتیں تھیں) یہ تشریح اُن لوگوں کی نظر میں صحیح ہوگی جو (ایک وقت میں) ایک لفظ کا دو معنی پر اطلاق جائز قرار دیتے ہیں۔ (اللہ کو ایذا پہنچانے کا مفہوم کچھ اور ہے اور اللہ کے رسول کو دکھ دینے کا مطلب اور ہے اور لفظ یؤذون ایک ہی ہے) جمہور کے نزدیک (یؤذون کا ایک ہی معنی مراد ہے)

اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایذاء خدا کا، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہو یؤذون اللہ کا معنی یؤذون رسول اللہ ہی ہو گویا جس نے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچایا اس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی کی فضیلت

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ بنت حیی کو (بی بی) بنالیا تو کچھ لوگوں نے آپ کو مطعون کیا انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت

جویبر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا یہ بیان نقل کیا کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ان لوگوں نے

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا وہ شخص کون مجھے اذیت پہنچاتا ہے اور مجھے اذیت پہنچانے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے اس کی طرف سے میرے سامنے کون عذر خواہی کر سکتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ جو (میرے) کسی ولی کی اہانت کرتا ہے دوسری روایت کا لفظ ہے جو (میرے) ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ جنگ کے لئے میرے مقابلہ پر آتا ہے۔ اور جو کام میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے (کبھی) اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے کہ وہ مرنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کو ناراض کرنا نہیں چاہتا اور مرنا اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ میرے مومن بندہ کو میرا قرب (کسی عمل سے) اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا دنیا سے بے رغبت رہنے سے ہوتا ہے۔ اور بندہ مومن میری کوئی عبادت ایسی نہیں کرتا جیسی میرے فرائض کے ہوئے فرض کو ادا کر کے کرتا ہے۔ (یعنی فرض کی ادائیگی سے بڑی عبادت ہے اس کی برابر کوئی عبادت نہیں۔ مترجم رواہ البخاری۔

حضرت ابوہریرہ اس بیان نبوی کے راوی ہیں کہ اللہ فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے (ہر بیماری سے پاک ہے) اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، الی آخر الحدیث۔ رواہ مسلم

میں کہتا ہوں کہ جب اولیاء سے دشمنی اللہ سے دشمنی اور جنگ ہے اور اپنے اولیاء کی بیماری کو اللہ نے اپنا مرض قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان تمام حوادث سے پاک اور بالا ہے تو اس کی وجہ اللہ کے ساتھ اولیاء کا وہ وصل ہے جو ہر کیفیت سے پاک ہے جب (عام) اولیاء کی یہ حالت ہے تو ایذاء رسول کو ایذاء خدا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مناسب اور صحیح ہے۔

توہین رسالت کے مجرم کی سزا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، دین، نسب یا حضور کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض آپ پر نقیصہ چسپاں کرنا اور عیب لگانا کفر ہے ایسے شخص پر دونوں جہاں میں اللہ کی لعنت۔ دنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچا سکتی، ابن ہمام نے لکھا ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں کفرت لرے وہ مرتد ہو جائے گا۔ نہ کہنا تو مدرجۂ اولیٰ مرتد بنا دیتا ہے اگر اس نے عہد توبہ بھی کرے تو قتل کی مراسا قط نہیں ہو سکتی۔ اہل فقہ نے لکھا ہے یہ قول علماء کوفہ (امام ابوحنیفہ صاحبین وغیرہ) اور امام مالک کا ہے ایک روایت میں حضرت ابوبکرؓ کا بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔

یہ سزا بہر حال دی جائے گی، خواہ وہ اپنے قصور کا اقرار کر لے اور تائب ہو کر آئے یا مکہ جرم ہو اور شہادت سے ثبوت ہو جائے دوسرے موجبات کفر کا اگر انکار کرے خواہ شہادت ثبوت موجود ہو تو انکار معتبر ہوگا۔ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ نشہ کی حالت میں بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا کہے کے جرم کا ارتکاب کیا ہو تب بھی اس کو معاف نہیں کیا جائے گا قصوراً قتل کیا جائے گا۔ ہاں نشہ کی حالت کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس نے خود اپنے اختیار سے بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے شراب اور چیز کھائی پی ہو اگر ارتکاب منشی اپنے اختیار سے نہ کیا ہو تو ایسا مدہوش آدمی پاگل کے حکم میں ہے (اس کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

خطابی نے لکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی سے اختلاف کیا ہو، ہاں اگر اللہ کے معاملہ میں کسی کا قتل واجب ہو جائے تو توبہ کرنے سے سزائے قتل ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح کوئی مست نشہ میں مدہوش آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے کے علاوہ کوئی اور کلمہ کفر زبان سے نکال دے تو خواہ اس نے باختیار خود بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ کیا ہو پھر بھی اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔

کامل مسلمان حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم و ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جان و مال کا اس کی طرف سے اندیشہ نہ ہو۔ (رواہ الترمذی والنسائی)

عبداللہ بن اُبی منافق۔

حضرت عائشہؓ کو گالی دینی (یعنی زنا کی تہمت لگانی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی گالی دینی ہے (کیونکہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں) عرفاً بھی اور عقلاً بھی اور روایت کے لحاظ سے بھی جو پہلے بوساطت صحابی حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے اس شخص کی طرف سے کون عذر خواہی کرے گا جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور مجھے ایذاء دینے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے۔ یعنی عبداللہ بن ابی جس نے حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ بعض لوگوں کا جو قول ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہؓ سے متعلق نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ سے اِفْکًا مُّبِیْنًا تک پوری آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی صرف آخر کی آیت کا نزول مراد نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی فضیلت

اسی طرح جس نے حضرت علی کو گالی دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (اے علیؓ) تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ رواہ الشیخان فی الخصائص عن البراء ابن عازب۔

آوارہ گرد منافق

ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا مراد ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے راتوں کو مدینہ کے راستوں میں گھوما کرتے تھے جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکل کر (جنگل کی طرف) جاتی تھیں تو راستہ میں بیان کر دیا کرتے تھے اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو بیان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رک جاتے تھے حقیقت میں اس کا مقصد ہوتا تھا باندیوں کو چھیڑنا لیکن الیاس چونکہ باندی اور آزاد عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا تھا کرتے اور اوڑھنی پہن کر سب ہی نکلتی تھیں اس لئے ان کو شناخت نہیں ہوتی تھی کہ کون باندی ہے اور کون آزاد عورت اس لئے آزاد عورتیں اس رو میں آ جاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر اگلی آیت میں آزاد عورتوں کو باندیوں جیسا الیاس پہن کر نکلنے کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا
اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدوں گناہ کے
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا
تو اٹھایا انہوں نے بوجھ بہتان کا اور صریح گناہ کا

بہتان تراش منافق

یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رسول کی، یا آپ کی ازواج طاہرات پر جھوٹ طوفان اُٹھاتے جیسا کہ سورۂ نور میں گزر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو ان کی طرف سے پہنچتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ
تھوڑی سی اپنی چادریں

پردہ کا حکم یعنی مدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لیویں۔ روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں مدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نیچے کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جلابیب جلباب کی جمع ہے جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

عورت پردہ کر کے ضروری کام کیلئے گھر سے باہر جا سکتی ہے

بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حکم حجاب کے بعد سودہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلیں عورت ڈیل ڈول کی تھیں جو ان کو پہچانتا تھا اس کے لئے (باوجود چہرہ پوشیدہ ہونے کے) مخفی نہیں ہو سکتی تھیں چنانچہ عمر بن خطاب نے (ظاہری قد اور حسامت) دیکھتے ہی پہچان لیا اور آواز دے کر کہا سودہ تم کس طرح نکل رہی ہو اس کو دیکھ لو ہم سے خدا کی قسم تم چھپ نہیں سکتیں (ہم نے تمہیں پہچان لیا) سودہ فوراً لوٹ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے ہڈی ہاتھ میں تھی سودہ اندر آ گئیں اور کہا یا رسول اللہ میں اپنے کسی کام سے باہر نکلی تھی عمر نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہڈی موجود ہی تھی آپ نے اس کو ہاتھ سے رکھا بھی نہ تھا کہ وحی آنے لگی۔ وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تم عورتوں کو اجازت دے دی گئی کہ تم باہر اپنے کام سے نکل سکتی ہو۔

میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ چادر اوڑھ کر نکل سکتی ہو۔

پردہ کا طریقہ

حضرت ابن عباس اور حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا مسلمانوں کی عورتوں کو

حکم دیا گیا تھا کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادروں سے ڈھانک لیں، نکلیں صرف ایک آنکھ کھلی رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ آزاد ہیں، یہاں باندیاں نہیں ہیں) حزن جلکہ پہنچتی میں من تبعیضیہ ہے یعنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکا لیں۔ (تفسیر حقانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں

اس آیت میں جو لفظ بناتک آیا ہے وہ صراحۃ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوارج۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو اولاد رسول سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔ (معالم، ابن کثیر، قرطبی)

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں مرد کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔ یہ سورۂ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آ رہی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ (روی ذلک عن ابن عباسؓ)

چادر اوڑھنے کی صورت:

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے استعمال جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو، اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے، یہاں صرف یہ بتلانا منظور ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس کو پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں:

یہ صورت بھی باتفاق فقہاء امت ضرورت کے وقت جائز ہے مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں، کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی طرف دیکھنا ممنوع ہے:

حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا اس کی واضح دلیل ہے تو اس زمانہ فتنہ و فساد میں کون کہہ سکتا ہے کہ اس خطرے سے خالی ہے متاخرین فقہاء حنفیہ نے بھی بالآخر وہی حکم دے دیا جو ائمہ ثلاثہ کا تھا کہ جوان عورت کے چہرے یا ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے۔

پردہ کے دو درجے

اس کا حاصل یہ ہوا کہ اب باتفاق ائمہ اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا ممنوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پورے بدن کو چھپا کر مگر صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے، اس لئے اب پردے کے صرف پہلے ہی دو درجے رہ گئے، ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا، اور دوسرا یعنی برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کی بناء پر وقت ضرورت و بقدر ضرورت۔

مسئلہ: پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں، مثلاً بعض مرد یعنی محارم پردہ سے مستثنیٰ ہیں اور بعض عورتیں مثلاً بہت بوڑھی وہ بھی پردے کے عام حکم سے کسی قدر مستثنیٰ ہیں، ان کی تفصیل کچھ تو سورۂ نور میں گزر چکی ہے کچھ آگے سورۂ احزاب کی ان آیات میں آئے گی جن میں یہ استثناء مذکور ہے۔

رد و سدے کی اہمیت کے پیش نظر اپنے رسالہ تفصیل الخطاب فی احکام الحجاب کا کچھ خلاصہ یہاں لکھ دیا ہے جو عوام کے لئے کافی ہے۔ (خلاصہ فتح اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ

اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

آزاد عورتوں کا امتیاز:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں بی بی ہے صاحب ناموس، مذات نہیں نیک بخت ہے تو مذیت لوگ اس سے اٹھیں۔ کھوٹکھٹ اس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم ٹھہری کا ہے۔ آگے فرمادیا اللہ ہے بخشنے والا مہربان یعنی جو حتی الامکان تم سے کچھ تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں کے متعلق انتظام ہوا کہ انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑے کا نہ ہو۔ اور جھوٹے عذر کرنے کا موقع نہ رہے۔ آگے عام چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ لونڈی سے ہو یا لونڈی سے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو کچھ پہلے ہو چکا اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندوں کے مصالح کا لحاظ رکھتا ہے

یہاں تک کہ جزئی جزئی مسائل میں بھی بندوں کی مصلحتوں کی پاسداری کرتا ہے۔

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک نقاب پوش باندی حضرت عمرؓ کی طرف سے گزری آپ نے اس کا پردہ اٹھایا اور فرمایا کیا کمینی تو آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے۔ پھر اس کا نقاب پھینک دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

البتہ اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے

یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ

اور جھوٹی خبریں اڑانے والے مدینہ میں

منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ

یہ غالباً یہود ہیں جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کیا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر منافق اپنے نفاق سے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے وہ اپنے مذہبی عدم استقلال یا بدکاریوں سے باز نہ آئے اور مدینہ میں سنسنی پیدا کر دینے والے اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبروں کو پھیلانے سے باز نہ آئے۔ رجفہ کا معنی زلزلہ اور حرکت کا شدید اضطراب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجی دستوں کو (ادھر ادھر قبائل میں) بھیجتے تھے تو کچھ منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں پھیلاتے تھے کبھی کہتے جن لوگوں کو بھیجا گیا تھا وہ مارے گئے یا شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے، کبھی کہتے عنقریب دشمن مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ کرنے والا ہے کلبی نے کہا وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں کوئی بری بات پھیل جائے وہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سدباب

منافقین کی طرف سے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو طرح کی ایذائیں پہنچتی تھیں ان دونوں ایذاؤں میں ایک یہ تھی کہ منافقین کے عوام اور آوارہ قسم کے لوگ مسلمانوں کی باندیوں کنیزوں کو جب وہ کام کاج کے لئے باہر نکلتیں چھیڑا کرتے تھے، اور کبھی کنیزوں کے شبہ میں حرائر کو ستاتے تھے، جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچتی تھی۔

دوسری ایذاء یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے کہ اب فلاں غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے وہ سب کو ختم کر دے گا آیت مذکورہ میں پہلی ایذاء سے حرائر (آزاد بیبیوں) کو بچانے کا فوری اور سہل انتظام یہ ہو سکتا تھا کہ ان کو یہ لوگ ان کے خاندان کی وجاہت اور حمایت کی وجہ سے بالقصد چھیڑنے کی جرأت نہ کرتے تھے، شریعت اسلام نے حرائر اور کنیزوں کے پردۂ شرعی میں بضرورت ایک فرق بھی رکھا ہے کہ کنیزوں کا شرعی پردہ وہ ہے جو حرائر کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہے کہ مثلاً چہرہ وغیرہ کھولنا جو حرائر کے لئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، کنیزوں کے لئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہے جس میں اس کو باہر بھی بار بار نکلنا پڑتا ہے، اور چہرہ اور ہاتھ مستور رکھنا مشکل ہوتا ہے، بخلاف حرائر کے کہ ان کو کسی ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی کبھی ہوگا جس میں پورے پردے کی رعایت مشکل نہیں، اس لئے حرائر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ لمبی چادر جس میں مستور ہو کر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہو گیا، اور باندیوں کنیزوں سے امتیاز خاص بھی ہو گیا، کا انتظام ان منافقین کو سزا کی وعید سنا کر کیا گیا کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی اپنے نبی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلوائیں گے، اور امام محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانیؓ سے اس آیت کا مطلب اور جلباب کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے سر کے اوپر سے چادر چہرہ پر لٹکا کر چہرہ چھپا لیا، اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھ کر ادناء و جلباب کی تفسیر عملاً بیان فرمائی۔ (معارف مفتی اعظم)

چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد میں جمع کر کے خطبہ دیا اور خطبہ کے بعد نام بنام فرمایا اے فلانے تو کھڑا ہو اور نکل جا تو منافق ہے پھر ان منافقوں کے قرابت دار جو مومنین صالحین تھے اٹھے اور اٹھ کر ان منافقین کو ذلت و خواری کے ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ تفسیر قرطبی ص ۲۴۷ ج ۱۴ (معارف کاندھلوی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا

[illegible]

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا

پھٹکارے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے

فسادیوں کا قلع قمع:

یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے تا چند روز میں ان کو مدینہ سے نکال باہر کریں، اور جتنے دن رہیں، ذلیل و مرعوب ہو کر رہیں چنانچہ یہود نکالے گئے اور منافقوں نے دھمکی سن کر شاید اپنا رویہ بدل دیا ہوگا اس لئے سزا سے بچے رہتے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ جو لوگ مدنیت تھے مدینہ میں عورتوں کو چھیڑتے ٹوکتے اور جھوٹی خبریں اڑاتے،

مخالفوں نے زور اور مسلمانوں کے ضعف و شکست کی۔ ان کو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے یعنی حکم دے دیں گے کہ آپ ان سے قتال کریں اور ان کو جلاوطن کر دیں یا ایسی بات کا حکم دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ دیش بدر ہونے کی خواہش پر مجبور ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کفار کے لئے قانون:

اول ان کو دعوت اسلام دی جائے ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔

منافق و مرتد کی سزا:

اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید و قتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاح شرع میں مرتد کہلاتا ہے، اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکام اسلام کو قولاً و عملاً تسلیم کر لے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور صحابہ کرام کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے، مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ و جہاد اور مسیلمہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت و دستور قرار دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائع میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔

ایذاء رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے

مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جس سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (معارف، مفتی اعظم)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ
دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں پہلے سو چکے ہیں
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا
اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی

اللہ تعالیٰ کا قانون

یعنی عادت اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل و خوار، یا ہلاک کئے گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پہلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال باہر کرو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ اقوام گزشتہ میں اللہ نے (یہی) ضابطہ جاری کر دیا تھا۔ یعنی جو لوگ انبیاء سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور سنسنی خیز خبریں پھیلا کر انبیاء کے مشن کو کمزور کرنا چاہتے تھے ان کو قتل کرنے کا ضابطہ اللہ نے مقرر کر دیا تھا۔

دستور الٰہی اٹل ہے:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا اور اللہ کے ضابطہ میں آپ ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی نہ وہ خود اپنا دستور بدلتا ہے اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ اس کے ضابطے کو بدل دے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا
اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو

قیام قیامت کا علم:

گو قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتلایا۔ مگر یہاں اس کے قریب کی طرف اشارہ کر دیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی اٹھا کر فرمایا انا و الساعۃ کھاتین (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے میں قیامت سے بس اتنا پہلے آ گیا ہوں قیامت بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ شاید یہ بھی منافقوں نے ہٹ کھٹ پکڑا ہوگا کہ جس چیز کا (دنیا میں کسی کے پاس) جواب نہیں وہی بار بار سوال کریں۔ اس پر یہاں ذکر [illegible] ممکن ہے پہلے جو فرمایا تھا لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا اس پر بطور تکذیب و استہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ آپ کہہ دیجئے کہ قیامت (کی تعیین) کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ یعنی قیامت کا علم اللہ نے نہ کسی نبی کو عطا کیا نہ فرشتے

د۔ (اُس کے سوا کسی کو معلوم نہیں)(تفسیر مظہری)

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا

بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی ہوئی آگ

ملعون گروہ کا عذاب

اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاطائل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ

جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں

یعنی اوندھے منہ ڈال کر اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹ پلٹ کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ جس روز کہ آگ کے اندر ان کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ جیسا کہ گوشت کے بھوننے کے وقت کیا جاتا ہے۔ وجوہ (چہرے) سے مراد یا تو پورا جسم ہے (جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے) یا چہرہ کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا ہے کہ جسم کے سارے اعضاء (ظاہری) میں چہرے کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا

کہیں گے کیا اچھا ہوتا ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا

آخرت کی حسرت

اُس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا

اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا

فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا ۝ رَبَّنَا آتِهِمْ ضِعْفَيْنِ

پھر انہوں نے بہکا دیا ہم کو راہ سے اے رب اُن کو دو

مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا

عذاب اور پھٹکار ان کو بڑی پھٹکار

یہ شدت غیظ سے کہیں گے کہ ہمارے ان دیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکے دے کر جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہ حق سے بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں سزا دے جاتی ہے تو ان کو دوگنی سزا دیجئے۔ اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہیے۔ گویا اُن کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۃ اعراف کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔ وہیں اُن کی اس فریاد کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ

اے ایمان والو تم مت ہو اُن جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو

فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا

پھر بے عیب دکھلا دیا اُس کو اللہ نے اُن کے کہے سے اور اللہ کے یہاں آبرو والا

بنی اسرائیل کی طرح نہ ہو

یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرو جس سے تمہارے نبی کو ایذاء پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں اُن کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کر دے گا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجاہت و مقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرما دیا اور موسیٰ کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کر دیا۔ روایات میں ہے کہ بعض مفسد حضرت موسیٰ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارون کو جنگل میں لے جا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اُس کی تردید کر دی۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ حیا کی وجہ سے (ابتائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے، لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ پھولا ہوا۔ ایک روز حضرت موسیٰ اکیلے نہانے لگے۔ کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ عصا لے کر اُس کے پیچھے دوڑے، جہاں سب لوگ دیکھتے تھے پتھر کھڑا ہو گیا سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے "پوشاند لباس ہر کرا بے ہنر بے عیباں۔ الباس ہنر پوشاند عیباں" بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو کچھ روپے دلا کر مجمع میں کہلا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باللہ) اس کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے آخر کار قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اس عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرا دی۔ جیسا کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری

کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہوا کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا۔ رہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت تھی۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی جزئیات میں الجھنے کی ضرورت نہیں رہتی بہرحال اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہو کر قبول حق میں رکاوٹ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رو سے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔ (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ بڑے حیادار شریف النفس اور اپنے (اندرونی) جسم کو چھپانے والے تھے انتہائی شرم کی وجہ سے وہ اپنی (اندرونی) جلد بھی ظاہر نہیں کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے کہا موسیٰ جو اتنا اپنے بدن کو چھپائے چھپائے رکھتے ہیں ضرور ان کو کوئی جلدی اندرونی بیماری ہو یا برص ہے یا خصیوں میں پانی آ گیا ہے یا کوئی اور مرض ہے اللہ نے موسیٰ کو اس خدشات سے پاک ظاہر کرنا چاہا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز غسل کرنے کے لئے موسیٰ نے تنہائی میں کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے پھر غسل کیا، غسل کے بعد جب کپڑے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا آپ اپنی لاٹھی لے کر پتھر کے تعاقب میں دوڑے اور کہنے لگے پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے۔ آخر پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ کر ٹھہر گیا لوگوں نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا آپ کا اندرونی بدن بہت خوبصورت اور بے نیت پایا اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی (بدگمانی سے) موسیٰ کی برأت ظاہر کر دی۔ موسیٰ نے کپڑے لے کر پہن لئے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ خدا کی قسم موسیٰ کی لاٹھی کی ضرب سے پتھر پر تین چار یا پانچ نشان پڑ گئے، آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا سے یہی مراد ہے۔ رواہ البخاری والترمذی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وعبد الرزاق وعبد بن حمید۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زناء کی تہمت

ابوالعالیہ نے کہا آیت مذکورہ میں قارون کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، قارون نے ایک عورت کو اجرت دے کر اس بات کے لئے مقرر کیا کہ وہ برسر عام مجمع کے سامنے موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے لیکن اللہ نے اس تہمت سے موسیٰ کو محفوظ رکھا اور ان کی تہمت تراشی سے آپ کو بچا لیا، اور قارون کو ہلاک کر دیا۔ سورۂ قصص میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موسیٰ کو اذیت دینے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ہارون نے تیہ میں جب وفات پائی تو لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ آپ نے ہارون کو قتل کیا ہے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتے حضرت ہارون کا جنازہ لے کر بنی اسرائیل کے سامنے لائے اس وقت لوگوں کو یقین آیا کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل نہیں کیا ہے۔

اخرجہ ابن منیع وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والحاکم عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گرانی

بخاری نے حضرت عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال لوگوں کو تقسیم کیا ایک شخص کہنے لگا یہ تقسیم لوجہ اللہ نہیں ہوئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اطلاع پہنچا دی۔ سنتے ہی حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی علامت چہرۂ مبارک پر نمودار ہو گئی پھر فرمایا، اللہ موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔

وجاہت آبرو۔ وجیہہ آبرودار (منہ والا) حضرت ابن عباس نے فرمایا، حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک اس مقام پر تھے کہ جو مانگتے تھے اللہ عطا فرما دیتا تھا، کذا قال الحسن۔ حسن نے کہا وجیہہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور مقبول بارگاہ تھے۔ (تفسیر مظہری)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ
اے ایمان والو [illegible] رسول اللہ سے اور [illegible] سیدھی
یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ
کہ سنوار دے تمہارے واسطے تمہارے کام اور بخش دے تم کو تمہارے گناہ
وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۚ
[illegible]

سیدھی بات کہو

یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول اعمال کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں حقیقت میں اللہ ورسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا
اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے
وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ
اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان

انسان کی عظیم ذمہ داری:

یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا لیا آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روک کر۔ آسمان وزمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلہ (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی وکسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون وصفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے اور جو لوگ اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو درگزر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان وہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو مابہ التکلیف بھی کہہ سکتے ہیں لا ایمان لمن لا امانۃ لہ اسی کی نگہداشت اور تردد کرنے سے ایمان کا درخت اگتا ہے گویا بنی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، بیج بھی اسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس بیج کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد وتفقد سے اس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے بیج بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ حذیفہؓ کی اس حدیث میں ان الامانۃ نزلت من السماء فی جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن (الحدیث) یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا۔ پھر علوم قرآن وسنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے ابھرنے اور پھولنے پھلنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان وپہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسان حال یا بزبان قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ خود سوچ لو کہ بجز انسان کے کون سی مخلوق ہے جو اپنے کسب ومحنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت وپرورش کر کے ایمان کا شجر بارآور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کر دی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ وبہار بنا لینا اسی ظلوم وجہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت وتردد کر کے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ ظلوم وجہول۔ ظالم وجاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم وجاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد وصلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدر فطرت سے علم وعدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً) زمین وآسمان پہاڑ وغیرہ) ظاہر ہے کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا جن ایک نوع ہے جس میں فی الجملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اور اسی لئے وَمَا خَلَقْتُ مِنَ الْاِنْسِ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد اس میں اتنی ضعیف تھی کہ جس امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتنا نہیں سمجھے گئے۔ گویا وہ اس معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدمؑ پر اطاعت کی پیشکش

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ "امانت" سے مراد یہاں اطاعت ہے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کی کہ یہ سب تو انکاری ہیں تم کہو۔ آپ نے پوچھا خدایا اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجالاؤ گے تو ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔

زمین و آسمان کی حالت

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھی بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے خدا کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھا لیا۔

انسان کی خطاء

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔

امانت کی متنوع ذمہ داریاں:

حضرت ابیؓ کا بیان ہے کہ عورت کی پاکدامنی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے قتادہؒ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔

ذمہ داری کی اہمیت

امام حسن بصری فرماتے ہیں خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی اور زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے خدا کی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس لئے یہ معلوم کر لیا کہ بجا آوری اگر نہ سوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین باوجود صلابت اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈر گئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔

امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سنیں ہیں، ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا انتظار ہے، ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا، امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی، پھر قرآن اترا حدیثیں بیان ہوئیں پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کی بات فرمایا۔ انسان سوئے گا جو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھک کر آ گیا ہو اور پھیولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فروخت کیا کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانت دار ہے اور یہاں تک کہ کہا جائے گا یہ شخص کیسا عقلمند کس قدر زیرک دانا اور فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

چار بنیادی اوصاف

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ چار باتیں جب تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں، امانت کی حفاظت، بات چیت کی صداقت، حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں ان میں سے ایک کو تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔

اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں) آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے قلب سے امانت سب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو چلا گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا حالانکہ اس میں آگ کا کوئی جز نہیں (الی قولہ) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے، مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (امانتدار آدمی کا ایسا قحط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانتدار ہے۔

امانت داری دل کی صفت ہے

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور وظائف دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت، استعداد رکھتا ہے

قرب و رضائے الٰہی کا شوق

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آسمان زمین وغیرہ پر عرض امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے، آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر عمل امانت میں پورے اُترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزاء ملے گی، (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھا لیا، یہاں تک کہ بار امانت اُٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے کہ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرض امانت کا وقت:

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرض امانت کا واقعہ میثاق ازل یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے کیونکہ الست پر سب کا اسی بار امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔ (معارف ملخص اعظم)

کردہ بار امانت را قبول از کشیدن پس سیاہ شد ملول

ادائے امانت فرض ہے

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے۔

آیت امانت کی شیعی تفسیر:

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امانت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اٹھا لیا (اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتنزل اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آفرینش عالم سے پہلے سب کون و مکان حتیٰ کہ حضرت علی تھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر پر پیش کی جس کو ابوبکر نے اٹھا لیا اور اٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی پر اور ابوبکر کو جو خلافت ملی وہ معصوبہ نہ تھی۔ بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا و رغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاکمال بالاختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجا لانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد:

سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ آدم کی نظر حق تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر اس کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ ہلکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لطف ربانی برہاں عنایت بول اُٹھا کہ اے آدم امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور نگہبانی میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھا لیا تو میں بھی تجھے اٹھا لیا۔

راہ او رابدو تو ان چیود بار او رابد و تو ان برداشت

(معارف کاندھلوی)

امانت کے متعلق علماء کے اقوال:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا امانت سے مراد ہے نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے، بیت اللہ کا حج، صدق مقال، ناپ تول میں انصاف اور ان سب سے زیادہ سخت امانتوں کی حفاظت۔

زید بن اسلم نے کہا امانت سے مراد ہے روزہ، غسل، جنابت اور اندرونی شرائع (جیسے حسد نہ کرنا، دل میں مسلمان سے عداوت نہ کرنا، حب جاہ و مال نہ رکھنا وغیرہ تمام اخلاق باطنہ) یعنی جن میں ریاکاری کا کوئی دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا انسانی جسم میں سب سے پہلے شرمگاہ بنائی اور فرمایا یہ امانت ہے بطور ودیعت میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کان بھی امانت ہے، آنکھ بھی امانت ہے اور جس میں امانت (کی پاسداری) نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔

بعض اہل علم نے کہا امانت سے مراد ہیں لوگوں کی باہمی امانتیں اور دیانت، وعدہ۔ ہر مؤمن پر حق ہے کہ دوسرے مؤمن یا معاہد کے ساتھ دھوکہ نہ کرے نہ چھوٹے معاملہ میں نہ بڑے معاملہ میں بغوی نے لکھا ہے اللہ نے زمین و آسمان سے فرمایا تھا کیا تم میرا امانت کو مع ان کے لوازم کے اٹھاتے ہو۔ آسمان و زمین نے کہا لوازم امانت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر قبول کرو گے تو تم کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ آسمان و زمین نے

عرض کیا "ان لو ارم نے ساتھ ہم برداشت) کہیں (گر پڑتے) اے رب ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب ۔ آسمان اور زمین نے یہ بات (نافرمانی کے) خوف اور دین خداوندی کی تعظیم کی وجہ سے کہی ان کو ڈر ہوا کہ دین خداوندی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکے گا (تو عذاب میں مبتلا ہوں گے) یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بار امانت اٹھانے کا حکم ان کو دیا ہاتھ اور انہوں نے سرتابی کی اللہ کی طرف عرض امانت کی برداشت اختیاری تھی لازمی نہیں تھی اگر لازمی ہوتی تو آسمان و زمین ضرور اس بار کو اٹھاتے ۔

بیضاوی نے لکھا ہے شاید امانت سے عقل یا تکلیف شرعی مراد ہے ۔ عقل قوت عقلیہ و شہوانیہ کی نگہداں ہے ۔ دونوں کو حدود شرعیہ سے آگے بڑھنے اور تجاوز کرنے سے روکتی ہے ۔ شرعی احکام کا اصل مقصد بھی عقلیہ اور شہوانیہ قوتوں کو اعتدال پر لانا ہے ۔ اسی تشریح کی بنا پر بیضاوی نے لکھا ہے کہ سابق آیت میں جو اطاعت کی عظمت شان کو ظاہر کیا تھا اس کی اس آیت سے تائید ہو رہی ہے ۔ طاعت کو امانت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ امانت واجب الادا ہوتی ہے ۔ طاعت کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح واجب ہے آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہو گا کہ طاعت الٰہیہ اختیار کرنے کی پیش کش کی جاتی تو وہ بھی اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیتے اور ڈر جاتے لیکن انسان نے اپنی جسمانی ساخت کی کمزوری اور طاقت کی کمی کے سبب اس کو اٹھا لیا لامحالہ جو شخص حقوق امانت پورے پورے ادا کرے گا اور برداشت امانت کو ہر وقت پیش نظر رکھے گا وہ ضرور کامیاب ہو گا اور اس کو فلاح دارین حاصل ہو گی ۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اجرام علویہ و سفلیہ پیدا کر کے اللہ نے ان کے اندر سمجھ بھی پیدا کر دی تھی اور فرمایا تھا میں نے ایک فریضہ الارض یات حوصیری اطاعت ترے گا اس کے لئے میں نے جنت پیدا کی ہے اور جو نافرمانی کرے گا اس کے لئے دوزخ بنائی ہے ۔ اجرام مذکورہ نے جواب دیا تو نے جیسا ہم کو پیدا کیا ہے ہم (یا اضطرار) ان کے پابند ہیں کسی (اختیاری) فریضہ کو برداشت نہیں کر سکتے اور ثواب نہیں چاہتے لیکن آدم کو پیدا کرنے کے بار فریضہ کی پیش کش کی تو انہوں نے اٹھا لیا کیوں کہ وہ بار گراں اپنے کس پر ڈال کر جو اچھے اور پر ظلم کرنے والے تھے اور انجام کی خرابی سے ناواقف تھے ۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد سے بھی تقریباً یہی قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ بار امانت کو اٹھانے اور جنت سے نکالے جانے کے درمیان اس اتنی ہی مدت ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے ۔

جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ

بعض اہل علم نے کہا جمادات ہمارے لحاظ سے بے عقل ہیں ۔ ہماری بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ کے فرماں کو سمجھتے ہیں اور سمجھ کر اطاعت کرتے ہیں اور سر بسجود ہو جاتے ہیں اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا ائتیا طوعا او کرھا دونوں نے جواب دیا اتینا طائعین دوسری آیات میں وان منھا لما یتفجر منہ الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منہ الماء وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللہ ۔ پتھروں سے دریا چشمے نکلتے ہیں اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں ۔ الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت والارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب ۔

حضرت آدم علیہ السلام

بعض علماء نے لکھا ہے حملھا الانسان میں الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں ۔ اللہ نے آدم سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ امانت آسمان زمین اور پہاڑوں کے سامنے رکھی لیکن ان سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا تیرا کیا اس کو بار امانت لے لے گا ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب اس کے لوازم کیا ہیں ۔ اللہ نے فرمایا اگر تو نیکی کرے گا تو اس کا ثواب پائے گا اور بدی کرے گا تو عذاب میں پکڑا جائے گا ۔ آدم نے امانت کو اٹھا لیا اور عرض کیا میں اس بوجھ کو اپنے کاندھے پر لیتا ہوں اللہ نے فرمایا جب تو نے اس امانت کو قبول کر لیا ہے تو میں بھی تیری مدد کروں گا ۔ تیری آنکھوں کے اوپر ایک حجاب ڈال دوں گا تاکہ ناجائز چیز نظر بڑے نہ جائز تھے ذرا سو تو آنکھ پر حجاب ڈال لے ۔ (یعنی پلکیں جھکا لے اور آنکھیں بند کر لے) اور تیری زبان کے لئے دو چٹخیں اور ایک قفل بنا دوں گا تجھے حیب (ناجائز بات زبان سے نکلنے کا) اندیشہ ہو تو قفل بند کر لیں اور میں تیری شرمگاہ کے لئے لباس مقرر تو دوں گا تو شرمگاہ کو دوسرے کے سامنے نہ کھلا جس کے سامنے کھولنا میں نے حرام کر دیا ہے ۔

فجاہد نے کہا مراد برداشت امانت کے وقت اور جنت سے نکالے جانے کے وقت کی درمیانی مدت صرف اتنی ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے ۔

میں کہتا ہوں برداشت امانت کے بعد جنت سے نکالے جانے کی وجہ شدید یہ ہوئی کہ جنت دار الامانت (یعنی عمل) کا مقام نہیں ہے بلکہ دار امانت کے ثواب کا مقام ہے (دار العمل نہیں دار الجزاء ہے) اس لئے حضرت آدم کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا گیا ۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے (لوناد یا میں سے کاٹا) آیت میں ہے

امانت کی تشبیہ ۔ حسنی نے لکھا ہے فراش نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ امانت کو اس بھاری پتھر سے تشبیہ دی گئی جو کسی جگہ پڑا ہو ۔ آسمانوں کو زمین کو اور پہاڑوں کو اس کے اٹھانے کی دعوت دی گئی لیکن ان سے قریب بھی نہیں آیا اور مجھ سے بعد دیا ہم میں اس کو اٹھانے کی طاقت نہیں پھر بعید دعوت تیرے آگے اور انہوں نے پتھر کو ملا کر کہا اگر مجھے اس

کو اٹھانے کا حکم دیا گیا تو میں اس کو اٹھالوں گا اللہ نے فرمایا اٹھاؤ آدم اس کو اٹھا لے زانو تک لے آئے پھر رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم اگر میں زیادہ اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ آسمان وزمین نے کہا اٹھاؤ۔ آدم نے اس کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور پھر اتار کر نیچے رکھ دینے کا ارادہ کیا۔ اللہ نے فرمایا ہرگز اس کو نیچے نہ رکھو۔ یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن میں قیامت تک بندھا رہے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ امانت کا حامل صرف انسان ہے۔ اب اگر امانت سے مراد اطاعت اور شرعی تکالیف ہوں گی تو ان کی کوئی خصوصیت نہیں ہوگی جن اور ملائکہ بھی مکلف شرعی ہیں بلکہ انسانوں پر ملائکہ کی فضیلت لازم آئے گی کیونکہ ملائکہ تو معصوم ہیں اطاعت کو کامل طور پر ادا کر رہے ہیں؟؟ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سستی نہیں پڑتے اور انسانوں میں سے کچھ ظالم نفسہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ مقتصد میانہ چال سے چلنے والے اور کچھ سابق بالخیرات بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا کہ امانت سے مراد ہے نور عقل اور نور حشق۔ عقل کی روشنی میں منطقی استدلال کے ساتھ معرفت الٰہیہ کا حصول ہوتا ہے اور آتش عشق سے سارے درمیانی حجابات سوختہ ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ مقربین بارگاہ ضرور ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا مقام قرب و معرفت معین ہے وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ہماری طرف سے ہر ایک کا مرتبہ مقرر ہے۔ ہاں نور حشق تمام حجابات نعد کو جلا ڈالتی ہے اور صرف انسان معرفت الٰہیہ کے غیر متناہی مراتب میں ترقی کر سکتا ہے۔

میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کلام سے یہ استفادہ کیا ہے کہ امانت تجلیات ذاتیہ کو قبول کرنے کی وہ استعداد ہے جو اللہ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت کی ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے بعد جن کا الحاق اور شمار ملائکہ میں ہو سکتا ہے اور تجلیات صفاتیہ کو قبول کرنے کی اس میں استعداد ہو سکتی ہے لیکن ذاتی تجلی کی برداشت تو صرف اسی میں ہو سکتی ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی استعداد نے آدم کو مستحق خلافت بنایا اور یہی استعداد مراد ہے اس علم سے جس کا اظہار آیت اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ میں کیا ہے یعنی اللہ سے ملائکہ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے کہ تجلی ذاتی کو وہی برداشت کر سکتا ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی کی طرف اشارہ ہے لفظ ظلوم وجہول سے یعنی انسان کو سعی قوت بھی دی گئی ہے اور کبھی قوت بھی۔ سعی قوت کا تقاضا ہے بلند چوٹیوں پر چڑھنا۔ بلند سے بلند مراتب معرفت کی طرف ترقی کرتا چلا جانا اور کبھی قوت انسان کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وصل محبوب کے لئے سخت ریاضتیں اور مشقتیں دو برداشت کر سکے ظلوم وجہول ہونا انسان کی صفت محمودہ ہے اور مستحق خلافت ہونے کی سعت ہے۔ سعی اور کبھی قوتیں ارضی مزاج رکھتی ہیں۔

موجودات ارضی اپنی مزاجی کثافت کی وجہ سے نور آفتاب کو جذب کر کے اپنے اندر روک لیتے ہیں اور لطیف اجرام میں جذب نور کر کے رونق رکھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مادہ ارضی اپنی کثافت کی وجہ سے تجلی ذاتی کو برداشت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ مادہ نوری اس قابلیت سے محروم ہے۔ ملائکہ مقربین کے مقامات قرب متعدد ہیں اگرچہ ملائکہ کے قرب و ولایت (اتصال) کا مرتبہ انبیاء کے مقام قرب وولایت سے بالا ہے کیونکہ ملائکہ کا مرتبہ ولایت اور انبیاء کا مرتبہ ولایت ہوں صفات سے متصف ہیں انبیاء کے مرتبہ میں ظلوری کی حیثیت سعت ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہیں اور ملائکہ کے مرتبہ ولایت میں ظلوں کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قیام ملحوظ ہوتا ہے۔

لیکن تجلی ذاتی جو نبوت کا کمال نے ملائکہ کو میسر نہیں اس لئے نبوت آسمان نے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں اور جنت صرف انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ملائکہ کا جنت میں مرد وارد سے داخلہ انسانوں کے احترام کے لئے ہوگا۔

علامہ بیضاویؒ کی تحقیق:

بیضاوی نے اس آیت کو سابق الذکر وعدہ کی تائید قرار دیا اور مطلب اس طرح بیان کیا کہ امانت اتنا عظیم بار ہے کہ اگر سرکش ترین اجسام بالفرض باشعور ہوتے تو وہ بھی اٹھانے سے انکار کر دیتے اور اٹھا نہ سکتے لیکن انسان نے باوجود اپنی جسمانی کمزوری کے اس کو اٹھا لیا اس لئے جو شخص اس امانت کے حقوق کی نگہداشت کرے گا وہ دونوں جہاں میں کامیاب ہوگا اس مطلب پر بیضاوی کے رد یک انہ کان ظلوماً جہولاً سے یہ مراد ہوگی کہ انسان نے ابتداءً وعدہ پورا نہیں کیا اور حق امانت کا لحاظ نہیں رکھا اور حقیقت امانت کے نتیجہ سے ماواقف رہا۔ یہ دونوں اوصاف جس انسان کے قرار دیئے (لیکن کل افراد کے بجائے بلکہ) عام طور پر زیادہ افراد کے (کیوں کہ بعض افراد یعنی انبیاء اولیاء اور مومنین صالحین نے امانت کے پورے حقوق ادا کئے اور وعدہ پورا کیا)۔

الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں اور آدم ہی نے بار امانت اٹھایا تھا اور آدم نبی معصوم تھے انہوں نے جو بوجھ اٹھایا تھا اس کو پورا پورا ادا کر دیا اور اللہ کی ضمیر کا رجوع اسی شخص کی طرف ہے جس نے بار امانت اٹھایا تھا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام)

انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب:

صوفیہ نے انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ

انسان کے اکثر افراد نے اپنے نفوس پر ظلم کیا معرفت اور تجلیات الٰہیہ کی اس استعداد کو کھو دیا جو فطرت اللہ ہے۔ اللہ نے سب لوگوں کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اکثر انسان انتہائی نادان بھی ہیں جو چیز فوت ہوگئی اس کی خوبی سے ناواقف ہیں اور جو کمایا اس کی خرابی سے لاعلم ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہوگئی کہ بطور کنایہ ظلم سے مراد قوت سبعیہ (غضبیہ) ہے اور جہالت سے مراد قوت بہیمیہ (شہوانیہ) ہے اور ان دونوں قوتوں کی اچھائی برائی مصرف کے تنوع کے لحاظ سے ہے۔ قوت سبعیہ کا استعمال اگر اللہ کے دشمنوں کو دفع کرنے اور مدارج قرب تک پہنچنے اور مراتب معرفت میں ترقی کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت مستحق قرار پائی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بند ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔ بلاشبہ اللہ بلندی عزم اور رفعت ہمت کو پسند فرماتا ہے۔ لیکن اگر اسی قوت کا استعمال بے قصور لوگوں پر جبر و ظلم کرنے اور اللہ کے مقابلہ میں تکبر و غرور کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت قبیح قرار پائی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خوب سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور اللہ ہر اترانے والے شیخی جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قوت بہیمیہ کا استعمال اگر حصول سعادت کے لئے کیا جائے تو یہ قوت اچھی ہے اور اگر فانی لذتوں کے حصول کے لئے کیا جائے تو بری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان دونوں قوتوں کے استعمال و صرف کی اچھائی کا مدار نفس و قلب کے تزکیہ اور عناصر کی تطہیر پر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بنی آدم کے جسم کے اندر ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ خوب سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ البخاری۔ اللہ نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ فلاح یاب ہو گیا اور جس نے نفس کو میل آلود اور گندہ کر دیا وہ نامراد رہا اور یہ بھی صحیح ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی تطہیر نفس کا ذریعہ ہے اب اگر امانت سے مراد شرعی اوامر و نواہی ہوں تو ظلوم و جہول ہونے سے اشارہ ہوگا اس علت کی طرف جس کی وجہ سے انسان پر بار امانت ڈالا گیا اور اس نے اس بوجھ کو اٹھایا ہے۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ انسان چوں کہ ظلوم و جہول تھا اس لئے ہم نے اس پر بار امانت ڈالا اور اس نے اٹھا لیا تاکہ بری خصلتوں سے اس کی تطہیر ہو جائے اور اعلیٰ فضائل حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو جائے اور دونوں جہان میں وہ بامراد رہے۔ اور اگر امانت سے مراد تجلیات ذاتیہ ہوں تو مطلب اس طرح ہوگا کہ چوں کہ انسان ظلوم و جہول تھا اس لئے وہی اس امانت کو اٹھانے کے قابل تھا اس امانت کو برداشت کرنے کا وہی اہل ہوگا جو ان دونوں اوصاف کا حامل ہو۔

تزکیہ ضروری ہے

امانت سے مراد طاعت و فرائض ہوں یا معرفت اور مراتب قرب کا حصول بہرحال سبعیہ اور بہیمیہ قوتیں اچھی بھی ہیں اور بری بھی اگر نفس کا تزکیہ نہ کیا اور اللہ کی طرف سے انسان کو بے مدد چھوڑ دیا گیا اور باطل میں ان قوتوں کو مشغول رکھا گیا تو یہ قوتیں بری ہیں اور اگر اس کے خلاف ان قوتوں سے کام لیا تو یہ قوتیں اچھی ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان قوتوں کی عطا کو بار امانت انسان پر لادنے اور اس بوجھ کو اٹھانے کی علت قرار دینا بالکل صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں کو اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

منافق، کافر اور مؤمن کا انجام:

میرے نزدیک اس جگہ الخ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ ان کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے "لقد تاب اللہ علی النبی والمہاجرین" میں لئے گئے ہیں۔ یہ تو مؤمنین کا معین کا بیان ہوا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور میں قاصرین و مقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم نسأل اللہ تعالیٰ ان یتوب علینا ویغفر لنا ویثیبنا بالفوز العظیم انہ جل جلالہ وعم نوالہ غفور رحیم تم سورۃ الاحزاب وللہ الحمد والمنۃ (تفسیر عثمانی)

لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ یعنی تا آنکہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرکین مردوں اور عورتوں کو اور رحمت ومغفرت سے نوازے گا مؤمنین ومؤمنات کو لیعذب میں حرف لام بیان علت وغرض کے لئے نہیں بلکہ اصطلاح عربیت کے لحاظ سے لام عاقبت ہے، یعنی جو کسی چیز کا انجام بیان کرے جیسے ایک عربی شعر میں ہے۔

لدوا للموت وابنوا للخراب

یعنی پیدا ہو موت کے لئے اور تعمیر کرو ویران ہونے کے لئے مراد یہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے کا انجام موت اور ہر تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

بارِ امانت کا نتیجہ

اس جملے کا تعلق حملها الانسان سے ہے، یعنی انسان کے بارِ امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ نوع انسانی میں دو فریق ہو جائیں گے، ایک کفار و منافق وغیرہ جو اطاعت الٰہیہ سے سرکش ہو کر امانت کے ضائع کرنے والے ہو گئے، ان کو عذاب دیا جائے گا، دوسرے مؤمنین ومؤمنات جو اطاعت احکام شرعیہ کے ذریعہ حق امانت ادا کر چکے، ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لیعذب میں لام عاقبت کا ہے یعنی اس برداشت امانت کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ عذاب دے گا جیسے ایک مصرع ہے لدوا للموت وابنوا للخراب مرنے کے لئے جنم دو اور ویران ہونے کے لئے تعمیر کرو یعنی پیدائش کا نتیجہ موت اور تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

منافق اور مشرک ہی ظلم اور جہل میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہی امانت مفوضہ کو کھو دینے والے ہیں اس لئے انہیں کو عذاب دیا جائے گا۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور اللہ (اپنی رحمت، مغفرت اور عطا، قرب کے ساتھ) مومن مردوں اور مومن عورتوں کی طرف متوجہ ہو۔ مومن ہی امانت کا حق ادا کرے اور تجلیات الٰہیہ میں ڈوب جانے والے ہیں اس لئے انہیں کی مغفرت اور انہیں پر رحمت الٰہیہ کی بارش ہوگی۔

شرعی ذمہ داری کی غرض

اس قیدیہ نے آیات کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم نے امانت یعنی شرعی تکلیفات یا فطری استعداد کو پیش کیا تاکہ منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک ظاہر ہو جائے اور اللہ ان کو عذاب دے اور مومن کے ایمان (نیز عارف کی معرفت) کا اظہار ہو جائے اور اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اور اگر کسی طاعت میں ان سے قصور ہو جائے تو اس کو بخش دے۔ (میں کہتا ہوں) اور دوامی تجلیات ذاتیہ کی بارش اور بلا کیف وصل بے حجاب کی تحت ان کو نصیب ہو جائے۔

نکتہ: وعدہ کے موقع پر یتوب کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ شرشت کے لحاظ سے انسان ظلوم وجہول ہے اس سے کچھ قصور ان سے ضرور ہوگا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ (مومنوں کو) بخشنے والا ہے۔ ان کی لغزشوں کو وہ معاف کرتا ہے۔

رَّحِيْمًا بڑا مہرباں ہے کہ اپنی مہربانی سے مومنوں کی طاعتوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

الحمد للہ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی

گلدستہ تفاسیر

جلد-٦

سورۃ سبا
تا
سورۃ القمر

سورۃ سبا

سورہ سبا مکہ میں نازل ہوئی اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

اگر خواب میں یہ سورۃ پڑھے دلیل ہے کہ زاہد اور عابد ہوگا (حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو ہے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا ☆

دنیا و آخرت میں تعریف فقط اللہ ہی کی ہے:

یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلاشرکت غیرے تمام آسمانی و زمینی چیزوں کا مالک و خالق اور نہایت حکمت و خبرداری سے اس کی تدبیر کرتا ہے اس سے یہ سلسلہ بے کار پیدا نہیں کیا ایسے حکیم و دانا کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی، بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پرتو ہے لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ تمام حمد ہے اس اللہ کیلئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

یعنی وہی سب کا مالک اور خالق اور حاکم ہے اس لیے وہی ہر ظاہری، باطنی، جبری اور سرّی حمد کا مستحق ہے دوسرا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے اللہ کے سوا دوسرے کی ستائش مجازاً کی جاتی ہے کیوں کہ اس کے ہاتھوں سے بظاہر کچھ نعمتیں دوسروں کو پہنچتی ہیں۔ (تفسیر سلیمی)

ربط گذشتہ سورت کے آخیر میں امانت کا ذکر تھا اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا مگر وہ دنیاوی عیش و عشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا، حق تعالیٰ نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفرانِ نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت و راحت مبدل بہ لعنت و زحمت ہوگئی، اور عزت مبدل بہ ذلت ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا

جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا

اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں ☆

اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے

یعنی آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے سامانات کا بیج بارش کا پانی، مردہ کی لاش اور حواس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً یعقیق و سبزہ، معدنیات و غیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہے مثلاً بارش وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعا، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع و جزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝

اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا ☆

یہ سب چہل پہل اللہ کی رحمت سے ہے

یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق ایک لمحہ میں ختم کر دی جائے۔ "وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ" (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ

اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت ☆

انکارِ قیامت کیوں نہیں آئے گی، اس کا منشا آگے آتا ہے۔

"اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۭ"

قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ

تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئیگی تم پر ☆

قیامت ضرور آئے گی:

یعنی وہ معصوم و مقدس انسان جس کے صدق و امانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی،

مؤکد قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت، پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ
اُس عالم الغیب کی غائب نہیں ہو سکتا اُس سے کچھ ذرہ بھر
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ
آسمانوں میں اور زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی
ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ
اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں

یعنی اُس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز بھی غائب نہیں، شاید اس لئے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کر سکتے اس کا علم اُسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم و کاست پہنچا دی، اور اس کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے تھے "ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ" یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کئے جائیں گے تو بتلا دیا کہ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جا چکا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز پر قبضہ اُسی کا ہے، لہٰذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمہارے منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔

(تنبیہ) کھلی کتاب سے "لوح محفوظ" مراد ہے جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وہ رب جو غیب کو جاننے والا ہے۔

نکتہ **عٰلِمِ الْغَيْبِ** کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا وقت امور غیبیہ میں سے ہے جس کو جاننے والا سوا اللہ کے اور کوئی نہیں لہٰذا اس کی شہادت قیامت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اور غیب کی چیزوں کا اقرار یا انکار کے لیے بغیر اللہ کے بتائے ہوئے جائز نہیں۔

بیک وقت ہزاروں اموات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ دو لشکر لڑتے ہیں اور اُسی وقت میں مارے جاتے ہیں پھر مشرق مغرب اور اس کے درمیان کچھ لوگ مرتے ہیں کچھ بچے پیٹ سے گرتے ہیں، ملک الموت تو ایک ہے سب کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے، فرمایا ملک الموت ساری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے جیسے میرے سامنے طشت ہے اسی طرح ساری دنیا اللہ نے ملک الموت کے سامنے کر دی ہے کیا اس سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے۔ (مفہوم حدیث)

پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام زمانے حال، ماضی، مستقبل اور ہر زمانہ کی چیزیں اللہ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود زمانہ سے ماوراء ہے اسی طرح ہر مقام اور ہر مقام کی چیزیں اس کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود ہر مکان سے خارج ہے ہر زمان و مکان اسی کی مخلوق ہے۔

فائدہ بعض اکابر پر کبھی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ زمانہ کی حدود سے خارج ہو جاتے ہیں ماضی یا مستقبل ان کے سامنے آ جاتا ہے اس کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جو شیخین نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے بیان کی ہے کہ ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ساتھ لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے اور ایک طویل قیام کیا (الحدیث) اس حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے دیکھا کہ (نماز میں) اپنی جگہ کھڑے کھڑے آپ نے کسی چیز کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ کچھ ٹھٹکے فرمایا میں نے جنت دیکھی تھی اور اس سے ایک خوشہ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا، اگر میں اس کو لے پاتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم (یعنی سارے مسلمان) اس کو کھاتے رہتے (اور وہ ختم نہ ہوتا) پھر میں نے دوزخ کو دیکھا آج کی طرح کبھی میں نے کوئی خوفناک منظر نہیں دیکھا، دوزخیوں کی زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی۔ (الحدیث)

ظاہر ہے کہ دوزخ میں عورتوں کا داخلہ تو قیامت کے دن ہوگا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوزخ کے اندر پا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اگر میں اس کو لے پاتا تو رہتی دنیا تک تم اس میں سے کھاتے رہتے، بتا رہا ہے کہ آپ نے حقیقۃً جنت اور دوزخ کو دیکھا تھا تصویر نہیں دیکھی تھی۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کے اندر ابو طلحہ کی بیوی نظر آئی اور قدموں کی ایک آہٹ میں نے اپنے سامنے سنی میں نے دیکھا تو وہ بلال تھا۔

غیبت کرنے والے

امام احمد، ابوداؤد اور ضیاء نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرا رب مجھے اوپر چڑھا کر لے گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ناخنوں سے کھرونچ رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔

بلی کی وجہ سے عذاب حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ لائی گئی اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت مجھے دکھائی دی جس کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جا رہا تھا، بلی کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ تو وہ اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا کے آخر وہ بھوک سے مرگئی اور میں نے عمرو عامر خزاعی کو دیکھا جو دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے سانڈ چھوڑنے کی رسم نکالی۔ (رواہ مسلم۔ تیسیر مظہری)

صفت علم غیب کی تخصیص

عٰلِمِ الْغَیْبِ یہ صفت رب کی ہے جس کی اوپر قسم کھائی گئی ہے، اللہ جل شانہٗ کی تمام صفات میں سے ایک جگہ صفت علم غیب وعلم محیط کو شاید اس لئے خاص کیا گیا کہ کلام منکرین قیامت کے معاملہ میں ہے، اور قیامت کے انکار کا بڑا سبب کفار کے لئے یہ تھا کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائیں گے اور اس مٹی کے ذرات بھی دنیا میں منتشر ہو جائیں گے تو سارے جہان میں پھیلے ہوئے ذرات کو جمع کرنا پھر ہر ایک انسان کے ذرات کو دوسرے انسانوں کے ذرات سے الگ کر کے ہر ایک کے ذرات اسی کے وجود میں پیوست کرنا کیسے ممکن ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا اسی بناء پر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے اپنے علم وقدرت پر قیاس کر رکھا تھا، حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم سارے عالم پر ایسا محیط ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کو سب معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے، کوئی ذرہ مثقولات کا اس کے علم سے باہر نہیں، اور یہ علم محیط حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، کسی مخلوق کو خواہ مقرر شتہ ہو یا پیغمبر ایسا علم محیط کہ کوئی ذرہ جہاں کا اس سے خارج نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جس ذات کو ایسا علم محیط حاصل ہو اس کے لئے ایک انسان کے ذرات کو الگ الگ سارے جہان میں سے جمع کر لینا اور اس سے ان کے اجسام کو دوبارہ مرکب کر دینا کیا مشکل ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ
تاکہ بدلہ دے اُن کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ
جو ہیں ان کے لئے بخشائی اور عزت کی روزی اور جو لوگ دوڑے
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ
ہماری آیتوں کے ہرانے کو اُن کو بلا کا عذاب ہے
مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝
دردناک ☆

قیامت کیوں ضروری ہے

یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضرور ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا بدل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو (تنبیہ) "جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو" یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو تو اور فعلاً اُن سے روکنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُس کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ (تسہیل)

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ تاکہ اللہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے انہیں لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کا رزق ہے یعنی حقوق عبدیت کی ادائیگی میں جو کوتاہی ان سے ہو گئی ہوگی (پوری ادائیگی تو ممکن ہی نہیں) اللہ اس کوتاہی کو معاف کر دے گا اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کے بدلے میں اپنی مہربانی سے جنت کے اندر اچھا رزق عطا فرمائے گا جس سے حاصل کرنے میں نہ تھکنا پڑے گا نہ کسی کا (سوا خدا کے) احسان ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے متعلق (ان کو باطل کرنے کے لئے) کوشش کی (ہم کو) ہرانے کے لیے ایسے لوگوں کے لیے سخت کا دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی آیات صداوندی کو باطل کرنے اور ان کی طرف سے لوگوں کو بے رغبت اور متنفر بنانے کیلئے کوشش کرتے ہیں (مقصد یہ کہ انہوں نے اپنی دوڑ کا میدان اسی بات کو بنا رکھا کہ اللہ کی آیات کی طرف سے لوگوں کو نفرت دلائیں) ہم پر غالب آنے کے لیے (یعنی یہ بات لوگوں کو بتانے کے لیے نہ کوئی قیامت ہوگی نہ حشر ہوگا اور نہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ تمام مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہم کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں) ایسے لوگوں کو بڑا دکھ دینے والا عذاب ہے۔

قتادہ نے رجز کا ترجمہ سوء العذاب کیا ہے۔ الیم کا ترجمہ ہے دکھ والا مگر مراد ہے دکھ دینے والا۔ (تسہیل مظہری)

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ
اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اترا
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى
تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سمجھاتا ہے راہ
صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ
اس زبردست خوبیوں والے کی ☆

ایمان والوں کو عین الیقین حاصل ہوگا:

یعنی اس واسطے قیامت آنی ہے کہ جن کو یقین تھا انہیں عین الیقین حاصل ہو

جائے اور آنکھوں سے دیکھ لیں کہ قرآن کی خبریں صد بہ صد صحیح و درست ہیں۔ اور بے شک قرآن ہی وہ کتاب ہے جو اس زبردست خوبیوں والے خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے۔ بعض مفسرین نے وَيَرَى الَّذِينَ الخ کا مطلب یہ لیا ہے کہ وَالَّذِينَ سَعَوْ فِي اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ " کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور دیکھ رہے ہیں کہ قیامت وغیرہ کے متعلق قرآن کریم کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لے جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
اور کہنے لگے منکر ہم تمہاری تم کو ایک مرد
يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ
گرتم کو بتاتا ہے جب تم پرزے پرزے ہو جاؤ گے تو تم کو سر سے
جَدِيْدٍ ۞ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
پیدا ہونا کیا اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے

کافروں نے عقیدۂ آخرت کا استہزاء کیا

کفار قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو کر جب خاک میں مل جاؤ گے پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی معمل بات کون قبول کر سکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اس نے ایسی خبر دی نہیں تو سودائی ہے۔ دماغ ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ) (ابن کثیر)

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا
فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۞
آفت میں ہیں اور دور پڑے غلطی میں ۞

یہی کافر گمراہ ہیں

یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون، البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور یہ سودہ کیوں کر کے اپنے کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے
مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ
آسمان اور زمین سے اگر ہم چاہیں دھنسا دیں ان کو
الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ
زمین میں یا ان پر گرا دیں ٹکڑا آسمان سے

جس نے کائنات بنائی وہ توڑ بھی سکتا ہے

یعنی کیا یہ لوگ تم تھے ہوتے ہیں کہ ان زمین و آسمان کی عظیم الشان مخلوقات سے جو آگے پیچھے ہر طرف نظر ڈالنے سے نظر آ رہی ہیں ان کو تو وہ بھی مانتے ہیں کہ اللہ نے بنایا ہے مجھ جس نے بنایا ہے تو ویسا ہی مشکل ہے اور جو ایسے عظیم الشان اجسام کو بنا سکتا ہے اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ ان کو پھر توڑ پھوڑ سکتا ہے۔ یہ آسمانی جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور بنانا کیا مشکل ہوگا یہ لوگ ذرا سے میں کہ ان زمین و آسمان کے نیچے اور ان کے اوپر پورا کرہ ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالیں۔ حالانکہ ضرا چھ ہے کہ بھی ان کو زمین میں دھنسا دے یا آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے جیسے وہ اصحاب ایکہ اور قیامت کا پیچھا سامنے دکھلا دے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ سے مراد میں وہ چیزیں جو ہر طرف محیط ہیں مطلب یہ ہے کہ مشاہدہ کائنات صانع مختار کی قدرت کاملہ کو بتا رہا ہے یہ اپنے قادر مختار کے لیے ہر وقت کے انکار کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جو شخص عقل (سوچ) سے کام لے رہا ہے اس کے عقل معاد صادق آنے کا انکار کس طرح کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ پہلے سے عقل معاد صادق القول مخبر اور مسلم ہے۔ ایسے عقل مند کو تحقیق اور ایسے صادق کو تصدیق کی جو کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

کافروں کو ڈرانا بعض اہل علم کا قول ہے۔ فلم یروا الخ ڈرانے اور خوف دلانے کی تمہید سے مطلب یہ ہے کہ کیا یہ نادان یہ لیاقت نہیں رکھتے کہ آسمان و زمین کے اندر گھرے ہوئے ہیں جہاں رہیں اور جہاں جائیں آسمان و زمین سے باہر نہیں نکل سکتے اور اقتدار خداوندی سے خارج نہیں ہو سکتے ان کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں زمین میں دھنسا دیے جائیں جیسے قارون کو دھنسا دیا گیا یا آسمان سے ٹوٹی ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے جیسے قوم لوط پر پتھر برسائے گئے اور یہ سب کے پیغمبر کو جھوٹا قرار دینے اور آیات خداوندی کا انکار کرنے کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۞
تحقیق اس میں نشانی ہے ہر بندے رجوع لانے والے کو ۞

نظام کائنات میں نشانیاں ہیں

یعنی جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں، اسی آسمان و زمین میں ان کے لیے بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں وہ ان عظیم

اور پر حکمت نظام کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ضرور یہ ایک دن کسی اعلیٰ و اکمل نتیجہ پر پہنچنے والا ہے جس کا نام "دار الآخرۃ" ہے یہ تصور کرتے وہ بیش از بیش اپنے مالک و خالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو آسمانی و زمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں وہ دل سے ان کے شکر گزار ہوتے ہیں ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان و زمین جو ان کی نظروں کے سامنے ہیں اللہ کی قدرت کاملہ ثبوت قیامت اور کافروں کو قیامت کے دن عذاب دیئے جانے کی کھلی دلیل ہے لیکن یہ واضح دلیل اسی شخص کے لئے ہے جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کیوں کہ وہی غور و فکر سے کام لینے والا (اور نتیجہ تک پہونچنے والا) ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا

اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی ☆

داؤدؑ کو نبوت اور حکومت عطاء کرنا

یعنی نبوت کے ساتھ غیر معمولی سلطنت عنایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت، کتاب اللہ (زبور) حکومت، خوش آوازی، آپ کے ہاتھ میں (بغیر تپائے) لوہے کا نرم ہو جانا وغیرہ یہ سب چیزیں فضائل داؤد کی مختلف صورتیں تھیں۔ (تفسیر مظہری)

داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے جسے سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے، انہیں نغمہ داؤدی کا کچھ حصہ مل گیا ہے ابو عثمان نہدیؒ کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابو موسیٰؓ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے تذکرہ کی حکمتیں

دو خاص عبد منیب کا قصہ ذکر کرتے ہیں جو خدا کی طرف خاص طور پر متوجہ اور ملتفت ہوئے یہ دو عبد منیب اللہ کے دو خاص بندے تھے جن پر اللہ نے ظاہری اور باطنی نعمتیں مکمل فرمائیں اور نبوت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی عطا کی مگر باوجود دین و دنیا کی نعمتوں کے جمع ہونے کے منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے اور اگر کسی وقت ذرا غفلت ہوئی تو سجدے میں گر گئے اور استغفار کرنے لگے چنانچہ داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ہے وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔

نیز اس قصہ میں منکرین قیامت کا بھی جواب ہے کہ جب خدائے برتر اپنے کسی بندہ کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم کی طرح نرم بنا سکتا ہے تو کیا وہ خدائے قادر استخوانہائے انسانی اور عظام جسمانی یعنی انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبعی اور انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی کہ نبوت کیساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز و سامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں کی ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو کہ جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو، کما قال تعالیٰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی حقیقۃً با آواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور بے زبان چیزوں کو گویائی عطا کر سکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو حسن صورت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا کہ دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے یا اللہ کی تسبیح کرتے تو در و دیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح کرتے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز کرتے۔ (معارف کاندھلوی)

داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ پہاڑوں کا آواز ملانا اور تسبیح کو دہرانا یہ آواز بازگشت کے طور پر نہ تھا جو عام طور پر گنبد یا کنویں وغیرہ میں آواز دینے کے وقت آواز کے لوٹنے سے سنی جاتی ہے، کیونکہ قرآن کریم نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل و انعام کی حیثیت میں ذکر فرمایا ہے، آواز بازگشت میں کسی کی فضیلت و خصوصیت سے کیا تعلق ہے وہ تو ہر انسان چاہے کافر ہی ہو بازگشت کی جگہ میں اس کی آواز بھی لوٹتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ

اے پہاڑو خوش آوازی سے پڑھو فرشتے ساتھ اور اڑتے جانوروں کو۔

تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کی رفاقت

حضرت داؤد علیہ السلام کبھی کبھی جنگل میں نکلتے خدا کو یاد کرتے خوف الٰہی سے روتے، تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے اور اپنی ضرب المثل خوش

آواز سے زبور پڑھتے اُس کی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو کر اسی طرح آواز کرتے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی تھی ورنہ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد محض ان کی آواز بازگشت ہو یا وہ عام تسبیح جو ہر چیز زبان حال یا قال سے کرتی رہتی ہے تو حضرت داؤد کے مخصوص فضل وشرف کے ذیل میں اس چیز کا ذکر کرنا محض بے معنی ہو گا۔ (العیاذ باللہ) "یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ" کا حکم تکوینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤد جب نوحہ کی آواز بلند کرتے تھے تو پہاڑوں سے آواز کی بازگشت ہوتی تھی یہ پہاڑوں کی طرف سے نوحہ کا جواب ہوتا تھا اور اوپر سے پرندے اڑتے ٹھہر جاتے اور رک جاتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد پہاڑوں میں گھس کر اللہ کی تسبیح کے ترانے گاتے تھے تو جس طرح آپ تسبیح کرتے تھے ویسے ہی پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ حضرت داؤد کے بدن میں کچھ سستی پیدا ہو جاتی تھی تو ان کو چست بنانے کے لئے اللہ پہاڑوں کی تسبیح کی آواز سنوا دیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ
اور نرم کر دیا ہم نے اس کے آگے لوہا کہ بنا
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ
زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں ☆

لوہے کو موم کرنا

یعنی حضرت داؤد علیہ السلام کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اُس کی زرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تا قوت بازو سے کما کر کھائیں۔ بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے اس ہی سے نکلی کہ کشادہ رہے حق تعالیٰ نے اُن کو ہدایت فرمائی کہ فراخ وکشادہ زرہیں تیار کر اور اُس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک اندازے سے جوڑ جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا تھا لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہو جاتا تھا جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے، تپانے اور کوٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

داؤدؑ نے زرہوں کا کام کیسے شروع کیا۔

بغوی نے لکھا ہے اخبار میں آیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے تو آپ نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر (رات کو) گشت کرتے تھے۔ اور ایسے لوگوں سے جو آپ کو پہچانتے نہ تھے مل کر دریافت کرتے تھے کہ داؤد کیسا آدمی ہے تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے یہ تمہارا حاکم نیک شخص ہے سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے تھے ایک روز اللہ نے ایک فرشتہ بہ شکل انسانی بھیجا حضرت داؤد کی اس سے ملاقات ہوئی اور حسب عادت اس سے اپنے متعلق دریافت کیا فرشتے نے کہا اگر ایک بات نہ ہو تو بادشاہ اچھا آدمی ہے۔ حضرت داؤد یہ سنتے ہی خوف زدہ ہو گئے اور دریافت فرمایا بندہ خدا وہ کون سی بات ہے فرشتے نے کہا وہ خود بھی بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیت المال سے لے کر کھلاتا ہے قیقہ سے کہا اسی سبب سے حضرت داود نے اللہ سے دعا کی کہ میرے لئے زرق کا کوئی ذریعہ مقرر فرما دے تا کہ اس سے میں اپنی بھی۔ روزی کماؤں اور اہل وعیال کو بھی کھلاؤں اور بیت المال کا محتاج نہ رہوں۔ اللہ نے (ذعاء قبول فرمائی اور) لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا اور زرہ بنانا سکھا دی سب سے پہلے آپ نے ہی زرہ بنائی (آپ سے پہلے زرہ کی صنعت ہی نہیں ہوئی تھی) کہا جاتا ہے کہ آپ ایک زرہ چار ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے جس سے خود بھی کھاتے تھے گھر والوں کو بھی کھلاتے اور غریبوں مسکینوں کو خیرات بھی دیتے تھے بعض اقوال میں آیا ہے کہ روزانہ ایک زرہ بنا لیا کرتے تھے جو چھ ہزار کی فروخت ہوتی تھی جس میں سے دو ہزار اپنے اہل وعیال کے صرف میں لاتے تھے اور چار ہزار غریبوں مسکینوں کو خیرات کر دیتے تھے۔

ہاتھ کی کمائی

حضرت مقدام بن معدی کرب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کسی نے کوئی کمائی کبھی نہیں کھائی۔ اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ رواہ البخاری واحمد بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے داؤد نہیں کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کی کمائی۔ (تفسیر مظہری)

اور ایک نصیحت وعبرت ہم نے داود علیہ السلام کو یہ عطا کی کہ داؤد علیہ السلام کے لئے لوہے کو بلا سب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم اس لوہے سے کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھو کہ نہ بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے یہ بھی داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لوہا بھیر آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے اس کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتا اور تانگے کی طرح اسی کو بٹ کر زرہ بنا لیتے تا کہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لئے تو تم نے کشادہ زرہیں تیار کر لیں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لئے بھی زرہ تیار رکھو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں کہ اس میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس وشیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور زرہ ثابت نہ ہو۔

حکایت: داؤد علیہ السلام زمانہ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے بادشاہ کا حال دریافت کرتے تاکہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد اس کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل و انصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے انجان سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا کہ داؤد سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل و عیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھا دیں جس سے میں اور میرے اہل و عیال مستغنی ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھا دی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ کہ اللہ عزوجل نے لوہا ان کے لئے نرم کر دیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلا دی چنانچہ داؤد زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کر دیتے اور ایک تہائی اہل و عیال پر خرچ کر دیتے اور ایک تہائی آئندہ زرہ بنانے کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی تفسیر قرطبی ص ۲۶۶ و روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲۲

بطور معجزہ لوہا نرم ہو جاتا تھا

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا تھا حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے لوہے کو ان کیلئے موم کی طرح نرم بنا دیا تھا کہ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی آگے آیت میں اس کا بیان ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لوہے کی زرہ آسانی سے بنا سکیں۔

سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو

بعض حضرات نے قَدِّرْ فِي السَّرْدِ کی تفسیر میں تقدیر سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے ایک مقدار وقت کی معین کر لینا چاہئے سارے اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔

مسئلہ: خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے، حضرت داؤد پر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے خزانے کھول دیئے تھے، اور زرہ جواہرات اور تمام اشیاء ضرورت کی بڑی فراوانی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بیت المال کے مال میں حسب منشاء ہر تصرف کی اجازت بھی دیدی گئی تھی آیت فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ میں یہ بھی اطمینان دلایا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں آپ کے ذمہ حساب دینا نہیں ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ جس مقام بلند پر رکھنا چاہتے ہیں اس کے تقاضہ سے یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اتنی بڑی سلطنت کے ہوتے ہوئے اپنی مزدوری سے اپنا گزارہ پیدا کرتے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔

علماء، قاضی اور مفتی بیت المال سے لے سکتے ہیں

علماء جو تعلیم و تبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں مگر کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو وہ بہتر ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے اس طرز عمل سے کہ اپنے اعمال و عادات کے متعلق لوگوں کی رائیں بے تکلف آزادانہ معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ ثابت ہوا کہ اپنے عیوب چونکہ آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتے، اس لئے دوسروں سے تحقیق کرنا چاہیے حضرت امام مالکؒ بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ عام لوگ ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن)

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ
اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں ۔

حقیقی رزاق سے غفلت نہ ہونے پائے

یعنی ان صنائع میں پڑ کر منعم حقیقی کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے ہمیشہ عمل صالح کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ سب کام دیکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھتا ہوں یعنی تم کو ان اعمال کی جزا دوں گا حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بلاشبہ پاک ہے پاکیزہ ہی کو پسند کرتا ہے اس نے جو حکم پیغمبروں کو دیا وہی حکم مؤمنوں کو دیا اور فرمایا اے پیغمبرو، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ (الحدیث رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ
اور سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ کی اور

وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ

شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہا دیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا ۔

ہوا کی تسخیر

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی سورۂ "انبیاء" اور سورۂ "نمل" میں اس کا کچھ بیان گذر چکا ہے اور آگے سورۂ ص میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن دیگیں اور لگن وغیرہ تیار کرتے تھے جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

تخت کے اڑنے کی رفتار:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ صبح سے زوال تک اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے برابر تھی اور زوال سے مغرب تک کی اس کی رفتار ایک ماہ (کی مسافت راہ کے برابر) تھی حسن نے کہا حضرت سلیمان صبح کو دمشق سے چلتے اور اصطخر میں قیلولہ کرتے تھے ان دونوں مقاموں کے درمیان مسافت تیز سواری کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چل کر بابل میں رات کو قیام کرتے ان دونوں کی درمیانی مسافت بھی تیز شہسواری ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبح کا کھانا آپ رے میں کھاتے اور شام کا کھانا سمرقند میں۔

یہ معجزہ کیسے ملا

حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان ؑ نے ان گھوڑوں کو ذبح کر کے قربان کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان ؑ کی ملک میں تھے اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا، اس کی پوری تفصیل سورۂ ص میں آئے گی، چونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرما دی۔

تانبے کا چشمہ

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تفسیر کا قول ہے کہ حضرت سلیمان کے لئے اللہ نے تانبے کا چشمہ تین روز تک جاری رکھا اور یہ چشمہ یمن میں تھا جس سے لوگ اس زمانے میں فائدہ اندوز ہوتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ یعنی بہا دیا ہم نے سلیمان کے لئے چشمہ تانبے کا یعنی تانبے جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے لئے پانی کی طرح بہنے والا سیال بنا دیا، جو پانی کے چشمہ کی طرح جاری تھا اور گرم بھی نہ تھا تاکہ آسانی کے ساتھ اس کے برتن اور دوسری ضروریات بنا سکیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ چشمہ اتنی دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہو سکے، اور یہ ارض یمن میں تھا، اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن میں شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کے چشمہ کی طرح جاری رہا خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ (قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ

اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ

اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو

مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ

آگ کا عذاب ۔

جنات کا مسخر ہونا

یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے معمولی قلیوں اور خدمتگاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے اللہ کا حکم تھا کہ سلیمان کی اطاعت کریں، سرکشی کی تو آگ میں پھونک دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

من الجن میں من تبعیضیہ ہے اور بعض سے مراد ہیں اکثر مطلب یہ کہ سلیمان کیلئے اکثر جن کام کرتے تھے اس لئے ایک فرشتے کو مسلط کر دیا گیا تھا کہ سلیمان کے حکم سے جو جن سرتابی کرے فرشتہ اس کو سزا دے اس کا حاصل یہ ہوا کہ اکثر جن حضرت سلیمان کے کام کی انجام دہی میں منہمک تھے (اور یہی مراد خداوندی تھی)

یا یوں کہا جائے کہ من یزغ کا یہ معنی ہے کہ جو جن حکم سے عدول کرنے کا ارادہ کرتا تھا فرشتہ اس کو مار کر سیدھا کر دیتا تھا (گویا نافرمانی سے مراد ناقرمانی کا ارادہ) (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ مسخر کر دیا ہم نے سلیمان کے لئے جنات میں سے ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام انجام دیں اپنے رب کے حکم کے موافق، بین یدیہ "یعنی ان کے سامنے" کے الفاظ بڑھانے سے شاید یہ بتلانا ہو کہ سلیمان کے لئے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ کو انسان کے لئے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن

میں آیا ہے بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مؤدبانہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیر جنات کا مسئلہ

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مخدر اور تابع تھے تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابوہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابوایوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے، قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" لکھی ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں، ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان ں کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمان نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنے والے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے اکثر ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں، جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر اُن کے کام کر دیتے ہیں، البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان ص ۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لئے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدرالدین نے "آکام المرجان" میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ سے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لئے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حریعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور باطل شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے، واللہ اعلم۔

نافرمان جنات کی سزا

وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۔ یعنی ہم نے جنات کو سلیمان کی خدمت و اطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ کو مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمان کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشیں کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی) اور اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں، آگ ان پر کیا اثر کرے گی، کیونکہ جنات کے آگ سے بنے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بنے کا مطلب ہے یعنی عنصر غالب انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ
بناتے اس کے واسطے جو کچھ چاہتا تھا محلے اور تصویریں
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ
اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر کی ہوئی ہیں

جنّات کا کام

یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے خواں کی شریعت میں ممنوع نہیں ہوتی شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ

سلیمان کو جو سوا منظور ہوتا جنات ان کے لیے وہ بنا دیتے بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (اتنے بڑے بڑے) جیسے حوض اور دیگیں جو (بڑے ہونے کی وجہ سے) ایک ہی جگہ جمی رہیں۔

محاریب معبد، محل اونچی مسجدیں اور اعلیٰ مکانات، محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حرب کا معنی ہے دفع کرنا اور اعلیٰ عمارتوں کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور ہر نقصان رساں چیز کو اس سے دفع کیا جاتا ہے۔

بیت المقدس کی تعمیر

وہبی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد نے شروع کی تھی قدرت نے یہ آواز تعمیر الہائی تھی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی، تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے بیٹے کو جس کا نام سلیمانی ہوگا میں بادشاہ بناؤں گا اس کے ہاتھ سے اس عمارت کو پورا کراؤں گا حضرت داؤد کی وفات کے بعد جب حضرت سلیمان ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرنی چاہی چنانچہ جنات اور شیاطین کو جمع کر کے ان کی ٹولیاں بنا کر الگ الگ کاموں کی ڈیوٹی پر مقرر کیا جنات اور شیاطین کو کانوں سے اکھاڑ کر سنگ مرمر سفید کے لانے کا حکم دیا۔

پھر آگے تو سنگ مرمر سفید اور دوسری قسم کی چٹانوں سے شہر بنانے کا امر دیا شہر کی بارہ فصیلیں بنائیں کیوں کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے ہر قبیلہ کو ایک فصیل میں رکھا، شہر بن چکا تو تعمیر مسجد کا آغاز کیا جس کی ابتداء اس طرح کی کہ جنات اور شیاطین کے گروہ الگ الگ کر دیے، ایک گروہ کو کانوں سے سونا چاندی اور یاقوت لانے کا اور سمندر سے جھنڈا رموتی نکال کر لانے پر مامور کیا دوسرے گروہ کو جواہر اور دوسرے (قیمتی) پتھر معدنوں سے اکھاڑ کر لانے کا حکم دیا تیسرے گروہ کو مشک عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں لانے پر مقرر کیا آخر یہ سب چیزیں اتنی فراہم ہو گئیں کہ جن کی مقدار اور تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، پھر کاری گروں اور صنعت کاروں کو بلوا کر اونچے اونچے پتھر تراشنے اور ان کی تختیاں اور جواہر کو درست کرنے اور موتیوں میں اور یاقوت وغیرہ میں سوراخ کرنے پر مامور کیا مسجد کی تعمیر سفید تر اور سبز سنگ مرمر سے کرائی اور ستون بھی اسی سے قائم کیے چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگائیں اور چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلاستر مروارید یاقوت اور دوسرے جواہر کا گلوبانہ زمین پر فیروزے کی تختیوں کا فرش کیا اس زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ پر رونق اور جمکیلی عمارت کوئی نہیں تھی، تاریکی میں بھی وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمان نے علماء بنی اسرائیل کو طلب فرما کر کہا میں نے یہ عمارت خالص اللہ کے لئے بنائی ہے اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے (کوئی اس کا مالک نہیں) جس روز تعمیر سے فراغت ہوئی آپ نے اس روز جشن منایا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سلیمان نے تعمیر بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رب سے تین چیزوں کی دعا کی اللہ نے دو چیزیں تو عطا فرما دیں اور تیسری کے متعلق بھی مجھے امید ہے کہ عطا فرما دی ہوگی سلیمان نے درخواست کی تھی کہ اللہ ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرما دے کہ ان کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ کے موافق ہو (یعنی فیصلہ کرنے میں ان سے غلطی نہ ہو) اللہ نے ان کو یہ چیز عطا فرما دی انہوں نے اپنے رب سے ایسی حکومت مانگی تھی جو ان کے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو، اللہ سے یہ چیز بھی ان کو عطا فرمائی۔

سلیمان نے دعا کی تھی کہ اس گھر (بیت المقدس) میں جو شخص آئے وہ رکعت نماز ادا کرے اس کو گناہوں سے ایسا پاک کر دیا جائے جیسا اس دن تھا جب ماں نے اس کو جنم دیا تھا میں امید کرتا ہوں کہ اللہ نے یہ چیز بھی ان کو مرحمت فرما دی ہوگی رواہ النسائی۔

نمازوں کا مختلف ثواب

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی ایک نماز (کا ثواب) ایک نماز (کا ثواب) ہے اور مسجد قباء کے اندر ایک نماز کا ثواب پچیس نمازوں کا ہے اور مسجد جامع میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کا ہے اور میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کا ہے اور کعبہ کے اندر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

تین مسجدوں کا سفر

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواریاں کس کر نہ جاؤ (یعنی سفر نہ کرو) مگر تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد۔ (متفق علیہ)

مسئلہ لیا مسجدوں کو سونے چاندی وغیرہ سے آراستہ کرنا جائز ہے یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے ان میں افضل مال کی برباری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو مزین بنانے کی اجازت نہیں

وی، حضرت ابن عباس نے فرمایا تم مسجدوں کو ضرور اس طرح آراستہ کرو گے جیسے یہودی اور عیسائی کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مسجدوں کی آرائش علامات قیامت میں سے ہے۔

بعض اہل علم نے کہا مسجد کو آراستہ کرنا ثواب ہے اس میں مسجد کی عظمت کا اظہار ہے حضرت سلیمانؑ نے مسجد بیت المقدس کو آراستہ کیا تھا اس سے تائید ہوتی ہے تزئین مساجد کے قول کی۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کا جواز اس وقت ہوگا جب کوئی شخص اپنے مال سے یہ کرے متولی کے لئے جائز نہیں کہ سوا ضروریات تعمیر کے وقف کا روپیہ نقاشی وغیرہ میں صرف کرے اگر ایسا کرے گا تو خود اس کو اپنے پاس سے تاوان ادا کرنا ہوگا، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کے مقابلہ میں غریبوں کی امداد کرنا بہر حال بلاشبہ بہتر ہے۔

اکثر علماء کے مروبک منیت کاری اور نقاشی مصالحہ کی ہو یا لکڑی کی اور سنہرے پانی کا استعمال مساجد کے لئے جائز ہے اس میں تو کوئی حرج نہیں کوئی ہرج نہیں کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نہ اس کا ثواب ملے گا نہ گناہ ہوگا۔ کذا فی الہدایہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ محل کراہت (یعنی مکروہ تحریمی) تو یہ ہے کہ بہت ہی پر تکلف دقیق نقاشی وغیرہ کی جائے خصوصاً محراب میں باریک فن کاری سے کام لیا جائے یا مسجد کی آرائش تو کروائی جائے اور (اس میں) نماز پڑھی جائے یا مسجد کو اس کا حق نہ دیا جائے یعنی مسجد کے اندر شور مچایا جائے یا دنیا کی باتیں کرنے کے لئے وہاں جمگھٹ کی جائے حدیث کا آخری جملہ ہے کہ دلو بہم خاویۃ علی الایمان اور ان کے دل ایمان سے خالی ہوں گے یہ جملہ مذکورہ بالا بیان کو ثابت کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں سلیمانؑ کے قصہ کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اتباع زیادہ ضروری ہے کیوں کہ گزشتہ انبیاء کی شریعتیں اسی وقت اتباع کے لائق ہیں جب ہماری شریعت میں ان کے خلاف کوئی حکم نہ آیا ہو اس کے علاوہ حضرت سلیمانؑ کا فعل (یعنی تزئین مسجد) تو ایک قسم کا حاصل تھا شیاطین اور جنات کو تحت کاموں میں اس لئے مشغول رکھنا چاہتے تھے کہ شیاطین کو لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے (تزئین مسجد اصل مقصود نہ تھا)

سلیمانؑ کی تعمیر کی بربادی

بغوی نے لکھا ہے اہل اخبار کا بیان ہے بخت نصر کے حملہ تک حضرت سلیمان کی بنائی ہوئی مسجد اپنی اصل حالت پر باقی رہی جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو شہر کو تباہ کر دیا اور ساری عمارتیں ڈھا دیں مسجد گرا دی مسجد کی چھت اور دیواروں میں جو سونا چاندی، موتی یا قوت اور جواہر لگے ہوئے سب اکھاڑ کر اپنے ملک (عراق) کو لے گیا۔

جنات سے حضرت سلیمانؑ کے لئے یمن میں پتھر کے بڑے عجیب قلعے بھی تعمیر کئے تھے۔

جن کیسی تصویریں بناتے تھے

تصویر دو طرح کی ہوتی ہے ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر، دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی، پھر ہے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں، ایک سایہ جس میں زیادتی اور نمو نہیں ہوتا جیسے پتھر مٹی وغیرہ دوسرے نامی جس میں سایہ اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ، جنات حضرت سلیمانؑ کیلئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم کے لئے عام تھیں۔

شریعت اسلامیہ کی خصوصیت

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔ شریعت اسلام کے لئے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا تقدیر الٰہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل حرام چیزوں اور معاصی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی اصل معاصی کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا گیا ہے اصل جرم عظیم شرک و بت پرستی ہے، اس کی ممانعت سولی سے تو جن راستوں سے بت پرستی آسکتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا اور بت پرستی کے ذرائع اور اسباب قریبہ کو بھی حرام کر دیا گیا، ذی روح کی تصاویر کا بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ و متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی گئی تو اس کی خرید و فروخت اس کو لانے لے جانے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کر دی گئی جو شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔

تصویر کی ممانعت کے اسباب

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں رہنے والوں کو عبادت و طاعت کی توفیق کم ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" یعنی خالی گھر پر جن بھوت قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو گھیر لیں گے اور ان کے بسنے والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور پھر ارادے پیدا کرتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں دنیا کی زائد از

ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں، غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے، اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کر لیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

تصویر بنانے والے:

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون، یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مصور فی النار، الحدیث یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ "التصویر" میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آ جاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اس وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائیدار نہ بنا لیا جائے، جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تماثیل یعنی پیتل تانبے شیشے اور سنگ مرمر کی مورتیں کہا گیا ہے کہ وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ ملائکہ انبیاء اور نیک لوگوں کی تصویریں مساجد میں بناتے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں میں عبادت کا جذبہ ترقی کرے ان کی شریعت میں تصویر کشی جائز تھی۔

میں کہتا ہوں شاید تماثیل سے مراد بے جان چیزوں کی تصویریں ہوں کیوں کہ انسانی مورتیوں کی تو حضرت سلیمان سے پہلے بھی پوجا کی جاتی تھی حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا تھا۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہر مصور دوزخ میں جائے گا جو صورت اس نے بنائی ہو گی اس میں (قیامت کے دن) جان ڈالی جائے گی اور وہی تصویر اس کو دوزخ میں عذاب دے گی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہے (یعنی تصویر بنانی ہی ہے) تو درختوں کی اور بے جان چیزوں کی تصویریں بنا لو (متفق علیہ) اس حدیث میں صرف اس امت کے مصوروں کی حالت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ہر مصور کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے اور چوں کہ جملہ خبریہ ہے اس لئے منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو مصور کوئی صورت بنائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویر کے اندر جان بھی ڈال لیکن (وہ کبھی اس کے اندر) روح نہیں پھونک سکے گا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گردن (سب لوگوں سے اونچی) برآمد ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھ رہی ہوں گی اور دو کان ہوں گے جو سن رہے ہوں گے اور زبان ہوگی جو بول رہی ہوگی وہ کہے گی مجھے تین آدمیوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے ہر ظالم کے لئے جو عناد رکھتا ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود قرار دیتا ہے اور تمام مصوروں کے لئے۔ (رواہ الترمذی)

یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم (ناحق کوش) کون ہے جو میری تخلیق کی طرح بنانے چلا ہے (اگر اس میں تخلیق کی طاقت ہے) تو ان کو چاہئے کہ ایک چھوٹی چیونٹی سی بنا لیں۔ ایک دانہ یا ایک جو سی پیدا کر لیں۔ متفق علیہ۔ ان تمام احادیث کی رفتار بتا رہی ہے کہ تصویر کشی کی حرمت امت محمدیہ کے لئے ہی مخصوص نہیں ہے۔

جفان جفنہ کی جمع ہے جفنہ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔

راسیات اپنی جگہ جمی ہوئی ان دیگوں کے پائے لگے ہوئے تھے اور وہ اتنی بڑی تھیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں نہ ان کو (چولہے سے) اتارا جا سکتا تھا نہ خالی کیا جا سکتا تھا۔ زینہ لگا کر اس پر چڑھا جاتا تھا۔ یہ دیگیں یمن میں تھیں۔ (تفسیر مظہری)

جن اور انسان

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں اور انسان حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، عذاب ثواب میں دونوں شریک ہیں دونوں کے ایمان دار ولی اللہ ہیں، اور

دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنات کی تین قسمیں ہیں ایک تو پرواز ہے دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں تیسری وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں، اترتے ہیں وغیرہ، یہ حدیث بہت غریب ہے۔

مساجد میں محراب کیلئے مستقل مکان بنانے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرونِ اولیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا، اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے، نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار قبلہ میں گہری کر کے بنا دی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہو سکیں، چونکہ یہ طریقہ قرونِ اولیٰ میں نہ تھا۔ اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الاراشیب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے، اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنالیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

مسئلہ جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہو سکے، ورنہ یہ صورت مکروہ و ناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو اور سب مقتدی دوسرے مکان میں، بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع و عریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصری صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام و مقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہو جانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ
کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مانو کر اور تھوڑے ہیں
مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝
میرے بندوں میں احسان ماننے والے ☆

عمل سے شکر ادا کرو۔

یعنی ان عظیم الشان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرتے رہو، محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے وہ کام کرو جن سے حق تعالیٰ کی شکر گذاری ہوتی ہو، بات یہ ہے کہ احسان تو حد اکم و بیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی، لہٰذا کامل شکر گزار بن کر اپنی قدر و منزلت بڑھاؤ، یہ خطاب داؤد کے گھنے اور گھرانے کو ہے کیونکہ علاوہ مستقل احسانات کے داؤد پر احسان کی وجہ سب پر احسان ہے کہتے ہیں کہ داؤد نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیئے تھے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (تفسیر ثنائی)

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (ہم نے داؤد اور ان کے گھر والوں سے کہا) اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکر یہ میں (نیک کام) کیا کرو، حضرت سلیمان نے کہا میں نے ثابت سے سنا ہے کہ حضرت داؤدؑ اپنے اور اپنے گھر والوں کی عبادت کے لئے رات اور دن کے حصے مقرر کر دیئے پس دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہ ہوتی تھی کہ حضرت داؤد کے گھر کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول نہ ہو۔

دوای شکر والے بہت کم ہیں۔

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اور میرے بندوں میں بڑے شکر گزار کم ہیں یعنی ایسے لوگ کم ہیں جو زبان اور اعضاء جسم سے اکثر اوقات ادا شکر کرتے ہوں اور ہمیشہ بلا سستی کے شکر میں مشغول رہتے ہوں یہ مرتبہ حضور دوامی اور قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

شکور کون ہے؟

اور اس دوامی شکر کے بعد بھی اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوتا کیوں کہ توفیق شکر بھی عطاء الٰہی سے اور ایک نعمت ہے پس ہر شکر کا شکر پھر شکر کے شکر کا شکر ادا کرتا چلا جانا انسانی طاقت سے خارج ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکور وہ شخص ہے جو ادراک شکر سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہو۔ (ابراہیم تیمی راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمر کے سامنے کہا اے اللہ مجھے کم لوگوں میں سے کر دے حضرت عمر نے فرمایا یہ کیسی دعاء ہے اس شخص نے کہا میں نے سن لیا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اس شخص سے ایک آیت اور بھی پڑھی تھی حضرت عمر نے فرمایا یہ شخص عمر سے زیادہ اسلامی سمجھ رکھتا ہے۔ (از مفسرؒ) (تفسیر مظہری)

نماز داؤدی

بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤدؑ کی ہے وہ نصف رات

سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب رویوں میں محبوب تر اللہ کے دو نبی صیام داؤد ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

حضرت فضیل سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ میرا شکر قولی ہو یا عملی وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ توفیق ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے، حق شکر ادا کرتے سے اپنے قصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کر لیا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ
پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو ۔ جتلایا ان کو اس کا
مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ
مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ
پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر خبر رکھتے ہوتے
الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ
غیب کی ۔ رہتے ذلت کی تکلیف میں

حضرت سلیمانؑ کی موت

حضرت سلیمانؑ جنوں کے ہاتھوں سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے جب معلوم کیا کہ میری موت آپہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں در بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لیا اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا وقت کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہو گئی جس عصا پر ٹیک لگا رہے تھے گھن کے کھانے سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر ہوتی تو کیا اس دلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے حضرت سلیمان کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے، اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر کچھ حضرت سلیمان کا کسی کمال نہ تھا محض تفضل ایزدی تھا جو اللہ چاہتا تو موت کے بعد ایک لاش کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔ نیز سلیمانؑ پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک طرز دی حد تک انہیں جاری رکھا گیا، اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے اٹھائے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔

ربط یہاں تک بعض عیب اور شکر گذار بندوں کا ذکر تھا آگے ایسے معرض و اسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے جو بڑے عیش و رفاہیت اور خوشحالی و فارغ البالی کے بعد کفر و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی، یہ قوم یمن کی بڑی دولتمند اور روی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی ان ہی میں ایک وہ ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمان کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورۂ "نمل" میں گذر چکا ہے شاید یہاں سلیمان کے بعد "سبا" کا ذکر اس مناسبت سے بھی ہوا ہو۔ (تسہیل ملخصاً)

جنات کو آپ کی وفات کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوا، اس طرح وفات کے بعد ایک سال گزر گیا اور جنات برابر کام میں مشغول رہے آخر دیمک نے لاٹھی کو کھا لیا اور آپ کی میت نیچے گر پڑی اور جنات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

دیمک کا شکریہ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کو سخت مشقتوں سے آزادی ملی، اب بھی پانی اور مٹی جنات لکڑی کے کھوکھلے حصہ میں (دیمک کے لئے) ڈالتے ہیں ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملک الموت سے کہہ دیا تھا جب آپ کو میرے متعلق حکم دیا جائے تو مجھے اطلاع دیدینا ایک روز ملک الموت نے آکر اطلاع دی کہ اب مجھے آپ کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی زندگی کا دراسا وقت رہ گیا ہے آپ نے جنات کو طلب فرما کر اپنے گرداگرد اور اوپر ایک شیشہ گھر تعمیر کرا لیا، جس کا کوئی دروازہ نہیں رکھا پھر اس کے اندر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور لاٹھی سے سہارا لگا لیا اور اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی وفات کے بعد بھی آپ یونہی کھڑے رہے آخر گھن نے لاٹھی کو کھا لیا اور آپ گر پڑے اس کے بعد لوگوں نے اس شیشہ گھر میں ایک دروازہ بنا لیا اور اندر داخل ہو گئے اور یہ جاننے کے لئے کہ آپ کی وفات کو کتنا عرصہ ہو گیا گھن کو لاٹھی پر اٹھا لیا گھن ایک رات دن لاٹھی کو کھاتا رہا اس طرح لوگوں نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ آپ کی وفات کو ایک سال ہو گیا۔

مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تو کسی چیز نے ان کے مر جانے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے۔

مادلھم یعنی جنات کو یا حضرت سلیمان کے گھر والوں کو آپ کی موت کی اطلاع صرف گھن لگنے کی وجہ سے ہوئی۔

دَآبَّةُ الْاَرْضِ جس کو عربی میں الارضۃ اور فارسی میں دیوک کہتے ہیں یہ ننھا کیڑا ہوتا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ الارض سے مراد دمناک مٹی ہے۔

جنات کی غیب دانی کا دعویٰ ختم ہو گیا

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ جب سلیمان گر پڑے تب جنات کی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو (اتنی مدت) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے، الغیب یعنی وہ بات جو ان سے غائب ہو جیسے حضرت سلیمان کی وفات العذاب المھین یعنی سخت محنت و مشقت میں اتنی مدت تک نہ پڑے رہتے حضرت سلیمان کی موت کا جنات کو علم نہ ہو سکا اس لئے حضرت کے حکم کے مطابق کام کرتے رہے مطلب یہ ہے کہ پہلے جنات اپنی غیب دانی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو دھوکا دیا کرتے تھے لیکن جب حضرت سلیمان کی وفات کا جنات کو علم نہ ہو سکا تو لوگوں کے لئے یہ بات واضح ہو گئی کہ جنات غیب داں نہیں ہوتے۔ آیت کا یہ مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق ہے ابن مسعود کی قرأت میں آیا ہے تبینت الانس لو کانوا یعلمون ان الجن ما لبثوا فی العذاب المھین۔ بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات سے بے علم رہنے کی وجہ سے جنوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ اگر غیب داں ہوتے تو مشقت میں پڑے نہ رہتے یہ مطلب بعید از فہم ہے کیوں کہ جنات کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ غیب داں نہیں ہیں آدمیوں کو دھوکا دینے کے لئے غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔

سلیمانؑ کی عمر

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان کی کل عمر ۵۳ سال ہوئی تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین ہوئے اور چالیس سال حکومت کی، چار سال حکومت کو گزرے تھے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ (تفسیر مظہری)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں

اس عجیب واقعہ سے یہ حکمت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمانؑ کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرا لیا، اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب و آلات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظور حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آلات و اسباب جواب دے دیتے ہیں جیسے یہاں عصاء کا سہارا دیمک کے ذریعہ ختم کر دیا گیا، اور یہ بھی کہ سلیمانؑ کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر عجیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے و غیرہ کے اعمال عجیبہ کو دیکھ کر کہیں انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کر دیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہو گئی۔

سلیمانؑ کی دعائیں

امام نسائی نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں، جو مقبول ہوئیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ

ہوئے پر حضرت سلیمانؑ نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوت عام دی، اور اس دن تین خوشی منائی، اور صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی ریغ اور کجی نہ ڈالئے، اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لئے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں، ایک یہ کہ جو گناہگار توبہ کرنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمالیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف وخطرہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں، تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کر دیں، پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظر عنایت و رحمت اس پر رکھیں بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا ایسے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

تعمیر کی تکمیل سلیمانؑ کی کوشش

بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤدؑ نے شروع کی، پھر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تکمیل فرمائی اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا، جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمانؑ کے خوف سے کام کرتے تھے ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ جائیں اور تعمیر رہ جائے اس کا انتظام حضرت سلیمانؑ نے باذن ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لئے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے، سلیمانؑ کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ بنے ہوئے باہر سے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آ کر دیکھ سکتے، حضرت سلیمانؑ کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیمک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اس کو دابۃ الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا، دیمک نے عصا کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصا کا سہارا ختم ہوا تو سلیمانؑ گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کے علم کی حقیقت

جنات کو اللہ نے دور دراز کی مسافت چند لمحات میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات و واقعات سے واقف ہوتے تھے جن کو انسان نہیں جانتے جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہوتا بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمانؑ کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے اور یہ سال بھر کی محنت و مشقت جو ان کو رندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک عجیب درخت

بعض صحابہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عادت تھی آپ سال سال دو دو سال یا کم و بیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے، آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا، آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے، وہ بتاتا، آپ اسی کام میں لیتے، بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام خروبہ بتایا، کہا تو کس مطلب کا ہے؟ کہا اس مسجد کے اجاڑنے کے لئے حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے فرمانے لگے میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہوگی نہیں البتہ تو میری موت اور ویرانی کے لئے ہے چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا مسجد کی چھت میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی وہیں انتقال ہو گیا۔

سلیمانؑ کو موت کا علم پہلے ہو گیا

حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان سے ملک الموت نے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا مجھے کچھ پہلے بتا دینا حضرت ملک الموت نے بھی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی یہ موت کے ذکر کی وجہ سے تھا حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر گئے پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا جب وہ آدھی کھا چکا تو آپ لکڑی پر جو ہمہ نہ سہارا رکی اور آپ گر پڑے، جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور یہی بہت سے سلف سے یہ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ	
تحقیق قوم سبا کو تھی ان کی بستی میں نشانی	

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ؕ

دو باغ داہنے اور بائیں

یعنی باغوں کے دو طویل راستے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے، اگر سمجھتے تو خدا کی رحمت وقدرت کی یہ ہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لئے کافی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ (قوم) سبا کے لئے ان کے مقام سکونت میں (ہماری قدرت کاملہ کی) نشانی موجود تھی (جس کا شکر کرنا ان پر واجب تھا۔)

سبا کا تعارف بغوی نے یہ روایت ابوہریرہ تنخی بحوالہ فروہ بن مسیک غطفانی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے سبا کے متعلق بتایئے کہ کیا وہ کوئی مرد تھا یا عورت یا کسی مقام کا نام تھا حضور نے فرمایا وہ ایک عربی مرد تھا جس کے دس بیٹے ہوئے چھ دائیں طرف (یعنی یمن) کو چلے گئے اور چار بائیں طرف (یعنی شام) کو جو چھ یمن کو گئے ان کے نام یہ تھے، کندہ، اشعر، ازد، مذحج، انمار، حمیر۔ ایک شخص نے کہا انمار کون ہے، فرمایا جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔ (وہی انمار) جو چار شام کو گئے وہ یہ تھے۔ عاملہ، خذام، لخم، غسان، امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے مرفوعاً اسی طرح بیان کیا ہے سبا یشجب کا بیٹا اور یشجب یعرب کا اور یعرب قحطان کا۔

قوم سبا کے باغات

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ

حسن سے مراد ہیں باغوں کی دو قطاریں، ایک دائیں طرف اور دوسری بائیں طرف یعنی شہر کے دائیں بائیں یا یہ مطلب کہ ہر شخص کے دو باغ تھے ایک مقام سکونت سے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب (قوم سبا کی تاریخ کے مطابق دائیں بائیں پہلی والے درختوں کی قطاریں تھیں اور کسی مسافر کو سیر اور مفت پھل کھانے کی ممانعت نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ حسن کا یہ مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین وشمال میں صرف دو باغ تھے عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب وہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام ونشان نہ تھا راستے پرامن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی وقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشحالی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی۔

سدّ مآرب عرم دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا تاکہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بلد کے تین دروازے تھے۔ اول اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہوگئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سدّ مآرب کہتے تھے۔

سبا سے شام تک کی آبادی

ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو بیبات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لئے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سبا کی آل اولاد

امام احمد حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سبا جس کا قرآن میں ذکر ہے یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا زمین کے کسی حصہ کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے جن میں سے چھ یمن میں آباد ہیں اور چار شام میں چلے گئے یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر (ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے، جو انہی مذکورہ ناموں سے معروف ہیں)۔

اور شام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں لخم، جذام، عاملہ، غسان (ان کی نسل کے قبائل انہی ناموں سے مشہور ہوئے) یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب (القصد والاسم بمعرفۃ انساب العرب والعجم) میں نقل کی ہے۔

ابن کثیر کی تحقیق بحوالہ علماء نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے بلکہ سبا کی دوسری تیسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام ویمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے، اور سبا کا اصل نام عبدشمس تھا، سبا عبدشمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہو جاتا ہے، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سبا عبدشمس نے اپنے زمانے میں نبی آخرالزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی تھی ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ توراۃ وانجیل سے ہوا ہو، یا نجومیوں کاہنوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد

کرتا، اور اپنی قوم کو اس پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سبا کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

صحیح بخاری میں ہے قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا، اے اولاد اسمٰعیل تیر اندازی کئے جاؤ تمہارے والد بھی پورے تیر انداز تھے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰن تک پہنچتا ہے، اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے سبا کی اولاد ہیں یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے تھے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہو گیا ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی دوسری شام چلی گئی، انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کے شعر سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنویں کا نام غسان تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد کا یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے اور چار شام میں مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں۔ (مسند احمد) عروہ بن مسیکؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔

سبا میں بارہ یا تیرہ پیغمبر آئے

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبر ان کے پاس آئے تھے، بالآخر شامت اعمال رنگ لائی، جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی اسے چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانہ میں وہ ٹوٹ گئی پانی کی ریل پیل ہو گئی، ان دریاؤں کے چشموں کے بارش کے نالوں کے سب پانی آ گئے، ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ و برباد ہو گئیں ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھلدار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ
کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو ☆

انعامات الٰہیہ کا تقاضا

گویا وہ نشانی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ اپنے رب کی دی ہوئی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعم حقیقی کا شکر ادا کرو کفر و عصیان اختیار کر کے ناشکر مت ہو، یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے انبیاء کی زبانی اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہو گی کہتے ہیں تیرہ نبی اس قوم کی طرف بھیجے گئے اگر یہ صحیح ہے تو حضرت مسیح سے پہلے آئے ہوں گے اور ان کے وارث بعد کو بھی اس قوم کی بربادی کے وقت تک سمجھاتے رہے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ مقولہ نبی تھا یعنی ان کے نبی نے کہا یا زبان حال ان سے کہہ رہی تھی کہ یہ رزق خدا داد کھاؤ اور اللہ کے فرمانبردار رہو۔

(تفسیر مظہری)

كُلُوا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ ان کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عطا کردو اس رزق وسیع کو استعمال کرو اور اس کی شکر گذاری اعمال صالحہ اور اطاعت احکام الٰہیہ سے ساتھ کرتے رہو، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس شہر کو بلدہ طیبہ بنایا ہے جس میں سردی گرمی کا بھی اعتدال تھا اور آب و ہوا ایسی صحت بخش نظیف و لطیف تھی کہ ان کے پورے شہر میں مچھر، مکھی، پسو اور ناپ بچھو جیسے موذی جانوروں کا نام و نشان نہ تھا، بلکہ باہر سے آنے والے مسافر جب اس شہر میں پہنچتے تو اگر ان کے کپڑوں میں جوئیں یا دوسرے موذی حشرات ہوتے تھے وہ یہاں پہونچ کر خود بخود مر جاتے تھے۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ
شہر ہے پاکیزہ اور رب ہے تباہ بخشنے والا ہے

پانی کا نظام اور باغات

مصنف "ارض القرآن" "سبا" کی عمارتوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اسی سلسلہ عمارات میں ایک چیز سد آب ہے جس کو عرب حجاز "سد" اور عرب یمن "عرم" کہتے ہیں عرب کے ملک میں کوئی دائمی دریا نہیں، پانی پہاڑوں سے ریگستانوں میں خشک اور ضائع ہو جاتا ہے، ذرات کے مصرف میں نہیں آتا۔ "سبا" مختلف مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے کہ پانی رک جائے اور بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے مملکت "سبا" میں اس طرح کے سینکڑوں بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور "سد مارب" ہے جو ان کے دارالحکومت "مارب" میں واقع تھا شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ ابلق ہے، سبا نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً

۸۰۰ ق م میں "سد مارب" کی تعمیر کی تھی یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ٹیلے دیوار اب بھی باقی ہے۔ "ارناڈ" ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجود نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ "سد" کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اس اہم آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ قرآن کریم جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ " کہہ کر اس ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یونانی مورخ "اگاتھرشیدس" جو ۱۴۵ ق م میں "سبا" کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ "سبا عرب کے سرسبز آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں دریار کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں اندرون ملک میں بحورات، دار چینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گھنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں حوتسو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے ازتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔" "آرٹی میڈ روس جو "سبا" کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے" سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان "مارب" میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے۔" غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتدال آب و ہوا کے "مارب" اسی کا مصداق تھا۔ "بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ" "رب غفور" سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گزار ہو اگر مقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ بھولی بھولی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا اس کی نعمتوں کا شکر کما حقہ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ شہر جہاں پھلوں کی کثرت تھی اور زمین زرخیز تھی شورلی نہ تھی، سدی اور مقاتل نے کہا کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھے باغ کی قطاروں کی طرف سے گزرتی تھی تو خود بخود درختوں سے ٹوٹ کر اتنے پھل گر تے تھے کہ اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ابن زید نے کہا ان کے شہر میں نہ مچھر تھے نہ مکھیاں اور نہ پسو، نہ بچھو سانپ اگر کسی شخص کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں اور اس شہر کی طرف گزر جاتا ہے تو ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے ساری جوئیں مر جاتی تھیں بلدطیبہ سے یہی مراد ہے یعنی وہاں کی ہوا پاکیزہ تھی۔

رَبٌّ غَفُورٌ مقاتل نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر تم اس عطا کردہ رزق کا شکر ادا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ
سو وہ لوگ میں سے لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے ان پر ایک نالا زور کا
وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ
اور دیدیے ہم نے ان کو بدلے میں ان دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ
خَمْطٍ وَأَثْلٍ وَشَيْءٍ مِنْ سِدْرٍ قَلِيلٍ
کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے ☆

ناشکری اور بے پرواہی کا نتیجہ

یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گذاری سے منہ موڑے رہے تب ہم نے پانی کا عذاب بھیج دیا وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھلوں کی جگہ بکائن درخت اور جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے جہاں انگور چھوارے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں بیلو، جھاؤ، کیسلے اور بدمزہ پھل والے درختوں کے ساتھ کچھ نہ تھا جن میں بہترین چیز تھوڑی سی جھڑ بیریوں کو سمجھ لو یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عہد کا ہے محققین آثار قدیمہ کو ابریہۃ الاشرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ مدعرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے واللہ اعلم، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔" جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے، گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کیڑا ڈالی ایک بار پانی نے زور کیا بند کو توڑ ڈالا اور وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشین گوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے جو باقی رہے انہیں ان باغوں کے بدلہ یہ تلخی اور کڑوی کسیلی چیزیں ملیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر عرم کا سیلاب چھوڑ دیا یعنی انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہنے لگے ہم تو اس کو خدا کی عطا کردہ نعمت نہیں جانتے (یہ تو ہماری زمین کی پیداوار اور

ہمارے لگائے ہوئے باغوں کے پھل میں مترجم) تم اپنے رب سے کہہ دو کہ اگر وہ اس نعمت کو روک سکتا ہے تو روک لے اس ناشکری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے (بند توڑ کر) ایک عظیم الشان سیلاب جس کو سیل عرم کہا جاتا ہے ان پر چھوڑ دیا۔

سیل عرم العرم امر صعب سخت مصیبت عرم الرجل وہ شخص سخت بدخلق ہو گیا یا سیل العرم سے مراد ہے تحت بارش کا سیلاب، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرم جنگلی چوہے کو کہتے ہیں بلقیس نے پانی کو روک کر جمع رکھنے کے لئے ایک بندھ باندھا تھا جنگلی چوہے نے اس میں سوراخ کر دیا تھا صاحب قاموس نے لکھا ہے عرمۃ بروزن فرحۃ وہ بندھ جو وادی کا پانی روکنے کے لئے باندھا جائے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور وہب وغیرہ نے بیان کیا کہ عرم ایک بندھ تھا جو بلقیس نے بنوایا تھا بات یہ تھی کہ وادی کے پانی پر قوم سبا والے آپس میں لڑتے تھے بلقیس نے رفع شرک کے لئے ایک عرم یعنی بندھ بنوانے کا حکم دیا تھا حمیری لغت میں عرم کا معنی بندھ ہے چنانچہ پتھروں سے اور تارکوں سے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بندھ بنا دیا گیا اور اوپر نیچے ترتیب کے ساتھ تین دریچے رکھے گئے اور بندھ سے ورے ایک بڑا حوض بنا دیا گیا اور پانی نکلنے کی اس حوض میں بارہ موریاں بنائی گئیں ہر موری ایک دریا کے دہانے پر کھلتی تھی ضرورت کے وقت جس موری کو چاہتے تھے کھول لیتے تھے اور جب سینچائی کی ضرورت پوری ہو جاتی تو اس کو بند کر دیتے تھے بارش کا پانی یمن کی ساری وادیوں کا یہاں جمع ہو جاتا اور بند کے اندر ہی رک جاتا تھا اس وقت بلقیس باہر کی کھڑکی کھلواتی تھی کھڑکی سے پانی نکل کر حوض میں آ جاتا تھا پھر ضرورت ہوتی تو درمیانی کھڑکی بھی کھول دی جاتی پھر اگر ضرورت ہوئی تو نچلا دریچہ بھی کھول دیا جاتا اس طرح بندھ کے اندر کا پانی ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے سال کی برسات کا پانی آ کر جمع ہونے لگتا۔

یہ بند طویل مدت تک قائم رہا لیکن جب اس قوم نے اللہ سے سرکشی اور ناشکری کی تو اللہ نے ایک جنگلی چوہے کو جس کو گھونس کہا جاتا ہے ان کی تباہی پر مسلط کر دیا گھونس نے بندھ کے نچلے حصہ میں سوراخ کر دیا پانی پھٹ پڑا اور سارے کے سارے باغ ڈوب گئے اور زمین تباہ ہو گئی۔

تدبیر کی شکست

وہب نے کہا ان لوگوں کو کسی کاہن نجومی نے بتا دیا تھا کہ اس بندھ کو ایک چوہا برباد کر دے گا اس لئے ہر دو پتھروں کی دراڑ (شگاف) کے پاس ایک بلی باندھ دی تھی لیکن جب بربادی کا وقت آیا اور اللہ نے ان کو تباہ کرنا چاہا تو ایک بڑا سرخ چوہا آیا اور بلی پر جھپٹا بلی پیچھے دبکی اور اس شگاف میں داخل ہو گئی جو قریب ہی موجود تھا اور بندھ میں گھس گئی چوہا (بلی کے تعاقب میں) بندھ کو کھودنے لگا اوپر پانی کے ریلے کی وجہ سے بندھ کمزور ہوتا گیا اور کسی کو اس کا علم نہ ہونے پایا، آخر سیلاب آ گیا اور شگاف میں گھس کر بندھ کو پھاڑ دیا پانی بہہ نکلا اور ان کے سارے مال و متاع کو غرق کر دیا۔ گھر ریت میں دفن ہو گئے غرض سب ڈوب گئے اور کچھ ادھر ادھر منتشر ہو گئے قوم سبا کی بربادی ایک مثال بن گئی۔

پیلو اور جھاؤ

خمط اراک (پیلو) اور پیلو کا پھل جس کو بیر کہا جاتا ہے۔

اثل، جھاؤ یا جھاؤ نما ایک درخت جھاؤ سے بڑا ہوتا ہے قلیل، سدر کی صفت ہے چوں کہ بیر ایک عمدہ پھل ہوتا ہے جس کا مزہ عمدہ ہوتا ہے اس لئے اس کو باغوں میں لگایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی قلت کی صراحت کی بغوی نے کہا یہ (باغوں میں لگائی جانے والی بیری) مراد نہیں بلکہ جنگلی بیری مراد ہے جو کسی کام نہیں آتی نہ اس کے پتے کسی کام کے ہوتے ہیں مذکورہ بالا پھل دار باغوں کے عوض بیکار درختوں کے جھنڈ کو بھی صرف ہم شکل ہونے کی بناء پر فرمایا اور اس سے استہزاء بھی مقصود ہے۔

اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بے خوف و خطر امن کے ساتھ چلو۔ (تفسیر مظہری)

چوہوں کے ذریعے تباہی

سد مارب یعنی عرم کو توڑ کر سیلاب سے تباہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس پانی نے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی نے دباؤ سے اس کمزور بنیاد کو توڑ کر رخنے پیدا کر دیئے اور بالآخر اس بند کے پیچھے جمع شدہ پانی اس پوری وادی میں پھیل گیا جس میں یہ شہر مارب واقع تھا، تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہو گئے اور دو طرفہ پہاڑوں پر جو باغات تھے ان کا پانی خشک ہو گیا۔

وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی چلی آتی تھی کہ اس بند کی خرابی و تباہی چوہوں کے ذریعہ ہوگی جب لوگوں نے اس بند کے قریب چوہوں کو دیکھا تو خطرہ پیدا ہو گیا اس کی تدبیر یہ کی گئی کہ بند کے نیچے بہت سی بلیاں پالی گئیں جو چوہوں کو بند کے قریب نہ آنے دیں مگر جب تقدیر الٰہی نافذ ہوئی تو یہ چوہے بلیوں پر غالب آ گئے اور بند کی بنیاد میں داخل ہو گئے۔ (ابن کثیر) (معارف القرآن مفتی اعظم)

ایک کاہن کی چالاکی

عکرمہ اُن کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت ساری تھی اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی اس کی سسرال

کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی علاوہ جری ہونے کے مال دار تھا اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا میں تجھے برا بھلا کہوں گا تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہئے اس نے اقرار کیا دوسرے دن جب کہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا اس نے صاف انکار کر دیا اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا اور یہ غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ میں تو اسے ذبح کروں گا تمام لوگ گھبرا گئے ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کی ننھیال والوں کو خبر کی، وہ سب آ گئے اول تو منت سماجت کی منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا انہوں نے کہا آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے سزا دیجئے لیکن اس نے کہا میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ ذبح کروں گا انہوں نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے اس نے کہا اچھا جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں اس شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں، مجھ سے میرے مکانات جائیدادیں اور زمینیں خرید لو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر دی کہ سنو عذاب خدا آ رہا ہے زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے اب تم سے جو محنت کر لے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزو مند ہو وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو وہ مدینے چلا جائے قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا۔ جیسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا بعض عمان کی طرف بعض بصرے کی طرف بعض مدینے کی طرف۔ اس طرف تین قبیلے چلے تھے اوس، خزرج اور بنو عثمان، جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے اب ہم آگے نہیں جائیں گے چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ
یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم

نُجْزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝
یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو ☆

کفر کی سزا: ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دی جاتی ہے کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہو گی سورۂ "نمل" میں گذر چکا "وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (نمل، رکوع ۲) بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا صدق اللّٰہ العظیم لا نعاقب بمثل فعلہ الا الکفور، یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ بڑے عمل کی سزا اس کے برابر بجز کفور کے کسی کو نہیں دی جاتی، (ابن کثیر) کیونکہ غیر کفور یعنی مؤمن کو اس کے گناہوں میں بھی کچھ چھوٹ دی جاتی ہے۔

اور روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی توجیہ یہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا کے تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مؤمن گناہگار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح مؤمن کو بھی اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لئے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

مؤمن کی بھلائی

صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مؤمن کے لئے خدائے تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے یہ نعمت تو صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں صبر و شکر کرنے والا بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
اور رکھی تھیں ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جہاں
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا
ہم نے برکت رکھی ہے اپنی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے ان میں
السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ۝
آنے جانے کی پھر وہ ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے ☆

تجارتی سفر کی آسانیاں

برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے، سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے اندازے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا، آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا، سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی مصنف ارض القرآن لکھتا ہے: "سبا کی دولت وثروت کی اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے، سونا بیش قیمت پتھر، مسالے، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے ٹھیک یمن آکر اترتی تھیں وہاں سے سبا اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام ومصر لاتے تھے قرآن مجید نے اس راستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اسی سفر کا نام "رحلة الشتاء و الصیف" رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمد ورفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف وخطر سفر ہو سکتا تھا" یونانی مورخ اراؤستھنس ۱۹۴ ق م بیان کرتا ہے کہ "حضر موت" سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بینھم اہل سبا کے درمیان بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا یعنی ملک شام کی بستیاں جہاں بکثرت دریا اور درخت تھے، اور وہاں ان کے باشندوں کو وسعت رزق حاصل تھی، قُرًى ظَاهِرَةً یعنی وہ بستیاں قریب قریب تھیں ایک دوسری کے سامنے نہیں پہلی کے بعد دوسری فوراً آ جاتی تھی قَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ یعنی ان بستیوں میں چلنے کا ایک خاص انداز ہم نے مقرر کر دیا تھا رات ایک بستی میں گزاری اور دوپہر کو دوسری بستی میں پہنچ گئے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ یہ بستیاں سبا سے شام تک تھیں بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ دیہات چار ہزار سات سو مسلسل متصل تھے (کہیں لق ودق بیابان اور ویرانہ تھا) قتادہ نے کہا کہ عورت تکلا ہاتھ میں لے کر (خالی) ٹوکرا سر پر رکھے راستہ سے گزرتی تھی اور آدھے راستے تک نہیں پہنچتی تھی کہ (راستہ کے دونوں کناروں کے درختوں سے اتنے پھل ٹوٹ کر ٹوکرے میں جمع ہو جاتے تھے کہ) ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا یمن اور شام کے درمیان سارے راستے کی یہی کیفیت تھی۔ سِيرُوا فِيهَا یعنی ہم نے ان کو اجازت دے دی تھی اور کہہ دیا تھا یا قول سے مراد قول حالی یعنی اس راستہ کا حال ہی یہ تھا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا رات دن یعنی جب چاہو۔

آمنین امن کے ساتھ نہ دشمن کا کوئی خوف نہ کسی درندے کا ڈر نہ بھوکے پیاسے رہنے کا اندیشہ اہل سبا اپنی خوش عیشی پر مغرور ہو گئے بجائے شکر کے سرکش ہو گئے اور کہنے لگے (ایسے پھلوں کا کیا مزہ جن کی اتنی کثرت ہے) اگر ہمارے باغوں کی درمیانی مسافت لمبی ہو جائے (اور سفر میں دشواری ہو) تو ہمارے لئے زیادہ مناسب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا
پھر کہنے لگے اے رب [illegible]

قوم سبا کی مستی

زبان حال سے کہا ہوگا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا، منزلیں دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ملیں، بھوک پیاس ستائے، تب سفر کا مزہ ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، "آرام میں مستی آئی لگے تکلیف مانگنے کہ جیسے اور ملکوں کی خبر سنتے ہیں سفروں میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی، ویسا ہم کو بھی ہو، یہ بڑی ناشکری ہوئی جیسے بنی اسرائیل نے من وسلویٰ سے اکتا کر لہسن وپیاز طلب کی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
اور آپ اپنا برا کیا پھر [illegible] ڈالا ہم نے ان کو کہانیاں
وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ
[illegible]

پوری قوم بکھر گئی

یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر ڈالا، اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف کوئی دوسری طرف نکل گیا آبادیوں کے نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ گئے اب ان کی صرف کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ سنیں اور عبرت پکڑیں، ان کا وہ عظیم الشان تمدن اور شان وشکوہ سب خاک میں مل گیا صاحب "ارض القرآن" ان کے زوال ومسقوط کی توجیہ اس طرح کرتا ہے کہ یونانیوں اور رومیوں نے مصر وشام پر قبضہ پایا ہندوستان وافریقہ کی تجارت کو بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کر دیا اور تمام مال کشتیوں کے ذریعہ سے بحر احمر کی راہ مصر وشام کے سواحل پر اترنے لگا اس طریق سفر سے یمن سے شام تک خاک اڑا دی اور سبا کی نو آبادیاں تباہ ہو کر رہ گئیں۔" مصنف موصوف نے یہ توجیہ مولر کی تحریر سے اخذ کی ہے ممکن ہے تباہی اور انتشار کا۔

ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو مگر اس پر حصر کر دینا صحیح نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا یعنی مختلف ملکوں میں پراگندہ کر دیا، شعبی کا بیان ہے جب ان کی بستیاں ڈوب گئیں تو لوگ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے غسان شام میں آ کر آباد ہو گئے اور عمان کی طرف خزاعہ تہامہ کی جانب جزیرہ عراق کی سمت اور اوس وخزرج یعنی بنی انمار

یثرب کی طرف چلے گئے مدینہ میں سب سے پہلے عمرو بن عامر خزاعی آیا، یہی اس وخزرج کا جد اعلیٰ تھا۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

اس میں بچے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گذار کو ☆

صبر وشکر والوں کیلئے عبرت

یعنی ان حالات کو سن کر چاہئے عقلمند عبرت حاصل کریں جب اللہ فراخی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف ومصیبت آئے تو صبر وتحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی شان۔

مقاتل نے کہا صابر وشکور سے اس امت کے مؤمن مراد ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے اور اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار ہیں مطرف کا بھی یہی قول ہے میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ بڑا صابر وشاکر ہوتا ہے، دنیا امتحان گاہ ہے یہاں کی راحت ونعمت بھی ایک امتحان ہے جس میں بندہ مؤمن مبتلا کیا جاتا ہے اور آزمائش کی جاتی ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں کرتا مؤمن کے لئے موت بھی امتحان سے اور زندگی بھی اللہ نے فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا اللہ نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کرنے کے لیے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کے عمل سب سے اچھے ہیں یہی وجہ ہے کہ مؤمن ہمیشہ گناہوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے مصائب پر صابر اور طاعات پر ثابت قدم رہتا ہے اس کے لئے ہر مصیبت گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اس لیے مصیبت کا لازمی تقاضا جس طرح صبر ہے پھر صبر کی توفیق بھی تو اللہ کی ایک نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے حضرت محمدؒ نے فرمایا محبوب کی طرف سے دی ہوئی مصیبت انعام سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے، مصیبت کا شکر تو اور بھی ضروری ہے، ایک شاعر کا قول ہے

وصال کی حالت میں میں اپنے نفس کا ادنیٰ غلام ہوں، اور فراق کی حالت میں تمام آقاؤں کا آقا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں رواہ البیہقی فی شعب الایمان میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ کامل الایمان ہوتا ہے ایمان کے دونوں حصوں کا مجموعہ ہوتا ہے صرف آدھے ایمان پر بس نہیں کرتا بلکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم ماضی فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی نعمت راحت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کیلئے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف ومصیبت پیش آجائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر وثواب ملتا ہے اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لئے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ

اور سچ کر دکھلائی اُن پر ابلیس نے اپنی اٹکل،

فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

پھر اُسی کی راہ چلے، مگر تھوڑے سے ایمان دار ☆

قوم نے ابلیس کا مقصد پورا کر دیا:

پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا (اسراء۔ رکوع ۷) اور ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (اعراف رکوع ۲) ویسے ہی نکلے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اہل سبا میں سے جو کافر تھے ان کے متعلق شیطان کا گمان صحیح نکلا، مجاہد نے کہا عام انسانوں کی طرف ضمیر راجع ہے، ابلیس نے اللہ کے سامنے اپنا یہ گمان ظاہر کیا تھا وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا یہ بھی ابلیس نے کہا تھا لَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا چنانچہ اس نے اپنا یہ گمان سچ کر دکھایا یا صحیح پایا اور سوائے گروہ مؤمنین کے سب اس کی راہ پر لگ گئے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جب ابلیس نے مہلت مانگی اور اللہ نے اس کو مہلت دے دی تو اس نے کہا کہ لَأُضِلَّنَّهُمْ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا، لَأُقْعُدَنَّ لَهُمْ میں ان کو ضرور سیدھی راہ بتاؤں گا لیکن ابلیس کو اس بات کو کہنے کے وقت یہ یقین نہ تھا کہ اس کی بات پوری بھی ہو سکے گی صرف گمان تھا لیکن اہل سبا جب اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے کہنے پر چلنے لگے تو اس کا گمان صحیح ثابت ہو گیا۔

مؤمن شیطان کی اتباع نہیں کرتا:

فی المؤمنین میں المؤمنین سے مراد یا تو قوم سبا کا ایماندار گروہ ہے یا عام انسانوں میں سے جو مؤمن ہیں وہ مراد ہیں۔

سدی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اصل دین میں کسی مؤمن نے شیطان کا اتباع نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ

اور اُس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کر لیں

مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُو مِنْهَا

ہم اس کو جو یقین لاتا ہے آخرت پر حد کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف

فِيْ شَكٍّ وَّرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

سے دھوکے میں، اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

انسان کیلئے امتحان

یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ ناحق لے کر ان کو زبردستی راہ حق سے روک دیتا ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لئے دی گئی کہ بندوں کا امتحان وابتلاء منظور تھا دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اللہ کی حکمت کا مقتضاء ہی یہ تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو نے خبری میں شیطان کسی بندے کو اُچک لے جائے جو ایسا سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال وشئون کی دیکھ بھال وہ ہی ہمہ وقت کرتا ہے جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ بجز وقصہ سے نہیں حکمت ومصلحت کی بناء پر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کا ہتھیار

یعنی ابلیس کو کوئی قدرت نہیں تھی کہ وہ ان کو بہکا سکتا اور دلوں میں خوفی آرزوئیں اور امیدیں پیدا کرتا مگر جب ہم نے اس کو مسلط کر دیا اور اس سے کہہ دیا، وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ تو انہیں میں قدرت پیدا ہو گئی۔

حسن نے کہا ابلیس نے ان پر تلوار نہیں سونتی نہ تلوار سے کسی کو مارا نہ کسی کو کوڑے مارے (یعنی تسلط سے مراد جبر اور مار دھاڑ نہیں) بلکہ ان سے تو نے وعدے اور امیدیں بندھوائیں جس کی وجہ سے وہ فریب کھا گئے اور دھوکہ میں آ گئے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ اور آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے یعنی زمانہ ہو یا زمانہ کے اندر کی چیزیں، مومن یا کافر سب کا نگہبان ہے کسی چیز کی طرف سے غافل نہیں ہے اس لیے ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔ (تفسیر ظہیری)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تو کہہ پکارو ان کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے ☆

اہل مکہ سے خطاب

یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جن کی تنبیہ کے لئے "سبا" کا قصہ سنایا تھا یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی کا گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں اُن کو پکار دو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہ جن کو تم سوائے خدا کے اپنے (معبود اور کارساز) سمجھ رہے ہو ان کو پکار دیکھو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان دونوں کے پیدا کرنے اور انتظام قائم رکھنے میں) ان کی معیت کے لئے تم ان کو پکار دیکھو اگر (ان کی الوہیت وحکمرانی کے متعلق) تمہارا قول صحیح ہے تو وہ تمہاری مدد کریں گے (یہ قیاس استثنائی شرطیہ ہے) لیکن وہ تو چھوٹی چیونٹی کے برابر آسمان وزمین میں ہونے والی خیر وشر کا اختیار نہیں رکھتے اس لئے تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں حاصل یہ کہ تمہارا یہ (مخلوق کے معبود اور شریک ہونے کا) خیال ہی غلط ہے آسمان وزمین کا تو کر عموم عرفی کی وجہ سے کیا یہ وجہ ہے کہ کافروں کے معبود کچھ سماوی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور کچھ ارضی تھے جیسے بت یا ان دونوں کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ خیر وشر کے ظاہری اسباب کچھ آسمانی ہوتے ہیں اور کچھ زمینی۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

زمین میں اور نہ اُن کا ان دونوں میں کچھ ساجھا اور نہ اس میں کوئی اُن کا

مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ

مددگار اور کام نہیں آتی سفارش اس کے پاس مگر اس کو کہ جس کے واسطے حکم دے اُس

بت ایک ذرے کے مالک نہیں ہے

یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بلکہ بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان وزمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت۔ جو یہ اس کے مخلص ومددگار بن کر ہی کچھ حقوق جتلاتے۔ اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن ورضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں۔ انبیاء واولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں نافع ہوگی جس کے لئے ادھر سے سفارش کا حکم مل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ ظَهِيْرٍ یعنی تمہارے معبودوں میں سے کوئی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان کا انتظام کرنے میں اللہ کا مددگار نہیں ہے۔

کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ چلے گی

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لیے کام نہیں آئے گی، ہاں اس کے لیے (کام آئے گی) جس کے لئے (سفارش کرنے کی سفارش کرنے والے کو) اللہ اجازت دے دے گا یعنی شفیع کو اجازت دے دے گا جس کے لئے شفاعت کیے

جانے کی اجازت دے دے گا۔

آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا کہ بغیر اذن الٰہی کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا بت تو ظاہر ہے بے جان ہیں اس امر کے قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کو شفاعت کرنے کی اجازت ملے اب رہے وہ لوگ جن کی سفارش کا امکان ہے ان میں کافر اپنی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور طغیانی کی وجہ سے شفاعت پانے کے مستحق نہیں ہیں اس لئے انبیاء (اولیاء) اور ملائکہ کو صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا
یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دل سے کہیں کیا فرمایا
قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ
تمہارے رب نے وہ کہیں فرمایا جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا

فرشتوں کی تابعداری

یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے، (شاید اتصال و بساطت کے قریب الی الفہم کرنے کے لئے یہ تشبیہ دے گئی) فرشتے دہشت اور خوف و رعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں جب یہ حالت رفع ہو کر دل کو تسکین ہوئی اور کلام اتر چکا ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا حکم ہوا اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے اور آگے سے باقاعدہ معلوم ہے وہی حکم ہوا ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے پس جس کی علو و عظمت کی یہ کیفیت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت و جلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود سعی و سفارش کے لئے کھڑا ہو جائے (تنبیہ) آیت کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "وجمیع ذلک مخالف لہذا الحدیث الصحیح (الذی فی البخاری) ولاحادیث کثیرۃ تؤیدہ (فتح الباری ص ۳۸۱ ج ۱۳) (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی گھبراہٹ

میں کہتا ہوں اسی طرح جب اللہ کوئی حکم جاری فرماتا تو فرشتوں پر گھبراہٹ کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی ہے بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جب آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عاجزی سے ملائکہ اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں (اس کی آواز ایسی ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو باہم پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں حق فرمایا اور عالی شان سب سے بڑا ہے یہ بات چوری سے سننے والے (جنات) اور پھر (ان کے نیچے) چوری سے سننے والے سن پاتے ہیں اس طرح نیچے والے اوپر والوں سے سنتے چلے جاتے ہیں، سفیان نے اپنے ہاتھ کو ذرا ترچھا کر کے ترتیب وار انگلیوں کو الگ الگ کر کے بتایا کہ اس طرح اوپر نیچے جنات لگے ہوتے ہیں اوپر والا وہ بات سن پاتا ہے تو نیچے والے کو القاء کر دیتا ہے۔ پھر وہ اپنے نیچے والے کو القاء کرتا ہے اس طرح وہ بات (ساحر یا کاہن تک پہنچا دی جاتی ہے) پھر ساحر کاہن کی زبان پر آ جاتی ہے کبھی نیچے والے کو القاء کرنے سے پہلے ہی اوپر والے پر ایک انگارہ آ پڑتا ہے (اور اس کو جلا ڈالتا ہے) اور کبھی القاء کے بعد انگارا آ لگتا ہے ساحر یا کاہن (کو جب اس بات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اس میں) سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے (جب وہ ایک بات صحیح ہو جاتی ہے) تو کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں دن کاہن یا ساحر نے ہم سے ایسا ایسا نہیں کہا تھا، چنانچہ آسمان سے سنی جانے والی اس ایک بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے فرشتے قیامت برپا ہو جانے کے خوف سے گھبرا جائیں گے مقاتل سدی اور کلبی نے کہا، حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درمیانی مدت ۵۵۰ برس اور بقول بعض ۶۰۰ سو برس کی تھی یہ انقطاع وحی کا زمانہ (فترہ) تھا اس مدت میں ملائکہ نے کوئی وحی کی آواز نہیں سنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور فرشتوں نے وحی کی آواز سنی تو انہوں نے خیال کیا کہ قیامت آ گئی کیونکہ آسمان والوں کو اس کا علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامت ہے پس جب وحی کی آواز سنی تو قیامت برپا ہونے کے خوف سے بے ہوش ہو گئے جب ابتداء وحی کے موقع پر حضرت جبرئیل (بارگاہ خداوندی سے) نیچے اترے تو جس آسمان کی طرف سے گزرے تو وہاں کے باشندوں نے سر اوپر اٹھائے اور ایک نے دوسرے سے پوچھا تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسروں نے جواب دیا حق فرمایا حق سے مراد وحی ہے۔

اہل تفسیر کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں مشرکوں کی حالت بیان کی ہے حسن اور ابن زید نے کہا کہ نزول موت کے وقت مشرکوں کو جو گھبراہٹ ہوتی ہے حجت پوری کرنے کے لئے جب وہ گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جاتی ہے تو مشرک کہتے ہیں پیغمبروں کی زبانی تمہارے رب نے دنیا میں کیا فرمایا تھا دوسرے مشرک کہتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق فرمایا، گویا مشرک ایسے وقت قرآن کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے لئے مفید نہیں ہوتا میں کہتا ہوں اس تفسیر کی بنا پر آیت زیر بحث کا ربط آیت هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ سے ہو جائے گا یعنی موت تک مشرک شک میں پڑے رہتے ہیں، آخر مرنے کے بعد ان کا شک دور (شہودی) یقین

پیدا ہو جاتا ہے تو اقرار کرتے ہیں، مگر بے سود۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک ستارہ جھڑا اور زبردست روشنی ہوگئی آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے جھڑنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہم اس موقع پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ
تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ
اور زمین سے بتلا دے کہ اللہ ☆

روزی رسان یعنی آسمان و زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہٰذا آپ بتلا دیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ
اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
گمراہی میں صریح ☆

اب بتلاؤ کون سچا ہے:

یعنی دونوں فرقے تو سچ نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آجائے) یقیناً دونوں میں ایک سچا اور دوسرا جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کر کے سچی بات قبول کرو اس میں ان کا جواب ہے جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میاں! دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں کیا ضرورت ہے جھگڑنا، تو بتلا دیا کہ ایک یقیناً خطا کار اور گمراہ ہے باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے یعنی لو ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بہرحال ایک تو یقیناً غلطی پر ہوگا اب اوپر کے دلائل سن کر تم ہی خود فیصلہ کر لو کہ کون غلطی پر ہے گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دونوں سچے نہیں ہو سکتے:

توحید کا معنی ہے نفی شرک توحید شرک کی نقیض ہے جس طرح ضلال اور ہدایت کے درمیان تناقض ہے کیوں کہ ضلال نفی ہدایت کا نام ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ دونوں باتیں (توحید و شرک اور گمراہی و ہدایت) صحیح ہوں، یا دونوں میں کوئی صحیح نہ ہو آیت سابقہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ روزی دینے والا صرف اللہ ہے کوئی اور رازق نہیں اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل توحید ہدایت پر ہیں اور مشرک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ
تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ
اس کی جو تم کرتے ہو تو کہہ جمع کریگا ہم سب کو رب ہمارا پھر
يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۝
فیصلہ کریگا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے فیصلہ چکانے والا سب کچھ جاننے والا ☆

اپنی عاقبت کی فکر کرو

یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہیے کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جواب دہ نہ ہوگا اگر اتنی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے اور کلمہ حق پہنچا چکے اب تم اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہو گے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی نہ ایسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ، خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر رکھے وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آپ کہہ دیجئے کہ (اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہوگا تو) ہمارے جرائم کی تم سے باز پرس نہیں ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی ہم سے باز پرس ہوگی یعنی میں جو تم کو توحید کے ماننے اور شرک چھوڑ دینے کا حکم دے رہا ہوں یہ محض تمہاری خیر خواہی کے پیش نظر ہے ورنہ کسی کو دوسرے کے عمل سے ضرر نہیں پہنچے گا، نہ مجھے نہ تمہیں۔

اس کلام میں توحید کو ماننے کی ترغیب سے اجرمنا کے لفظ میں ارتکاب جرم کی اپنی طرف نسبت کی اور تعملون کے لفظ میں (جرم کی نسبت مخاطب کی طرف نہیں کی بلکہ) عمل کی نسبت مخاطبوں کی طرف کی یہ تقاضا تہذیب کا مظاہرہ اور خیر خواہی کا اظہار ہے جو ہر قسم کے تعصب سے آزاد طرز بیان ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ

آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم کو (یعنی مجھے اور تمہیں قیامت کے دن) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان فیصلہ حق کر دے گا، وہی بڑا فیصلہ کرنے والا (اور) جاننے والا ہے یفتح فیصلہ کر دے گا بالحق یعنی ہم میں سے جو کوئی جس بدلہ کا مستحق ہے اللہ وہی بدلہ اس کو دے دے گا حق پرستوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ الفتاح حاکم اور لایحل معاملات کا فیصلہ کرنے والا، العلیم یعنی فیصلہ کیا ہونا چاہیے اس کو خوب جاننے والا۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ
تو کہہ مجھ کو کھلاؤ تو جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی قرار دیکر ☆

ذرا دکھلاؤ تو اپنے معبود!

یعنی ذرا سامنے تو کرو کون سی ہستی ہے جو اس کی جدائی میں ساجھا رکھتی

ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں کیا ان پتھر کی سیحان اور خود تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَرُوْنِیْ (مجھے دکھاؤ) سے مراد ہے مجھے بتاؤ، الحاق سے مراد ہے استحقاق الوہیت میں خدا کے ساتھ ملا دینا مطلب یہ ہے کہ کس صفت کی وجہ سے تم نے اپنے معبودوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے کیا وہ کوئی چیز پیدا کرتے ہیں یا کسی کو نفع ضرور پہنچا سکتے ہیں یا روزی دیتے ہیں جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف ان کے اندر نہیں تو ان کو شریک خدا قرار دینے کی وجہ جواز نہیں، اتمام حجت اور مدلل ثبوت کے بعد پھر وجہ شرک کا استفسار حقیقت میں لاجواب بنانے کی تکمیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا ☆

نہیں نہیں! اللہ کے برابر کوئی نہیں

یعنی ہرگز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے، وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے، سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا
اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی
وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رسالت

یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا یعنی آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا جو نہیں سمجھتے وہ جانیں سمجھدار آدمی تو اپنے نفع نقصان کو سوچ کر آپ کی بات کو ضرور مانیں گے ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کارآمد باتوں کی قدر کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب اس طرح ہوگا کہ سب لوگوں کے لیے آپ کو رسالت عامہ دے کر ہم نے بھیجا ہے کوئی شخص آپ کے دائرہ رسالت سے باہر نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافۃ میں ت مبالغہ کی ہو یعنی ہم نے آپ کو ایسی حالت میں بھیجا کہ آپ سب لوگوں کو اپنے دائرہ رسالت میں جمع کرنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں (خصوصیت کے ساتھ) عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں (۱) مجھے یہ بات دی گئی کہ ایک ماہ کی مسافت پر میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈالا گیا۔ (۲) تمام زمین کو میرے لیے مسجد اور حصول طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا لہٰذا میری امت میں سے جس کسی کے لئے نماز کا وقت پہنچے وہ (جس پاک جگہ پر) نماز پڑھنا چاہے (وضو کر کے اور پانی کے فقدان کی صورت میں مٹی سے تیمم کر کے) نماز پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی۔ (۵) ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا لیکن مجھے سب لوگوں (کی ہدایت) کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلا رکھی ہو جب چاروں طرف آگ کی روشنی پھیل گئی ہو تو پتنگے اور یہ کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے ہوں وہ شخص کتنا ہی ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہو مگر پتنگے اس میں زبردستی گر رہے ہوں میں بھی اسی طرح پیچھے سے تمہاری کمر پکڑ کر آگ میں گھسنے سے روک رہا ہوں مگر تم آگ میں گھسے پڑتے ہو، حدیث متفق علیہ ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں (۱) ایک یہ کہ میری مدد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب دے کر فرمائی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک لوگوں پر میرا رعب چھا جاتا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور قرار دے دیا گیا (پچھلے انبیاء کی شریعتوں میں ان کی عبادت خاص عبادت گاہوں ہی میں ہوتی تھی ان کی مساجد سے باہر میدان یا گھر میں عبادت نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے پوری زمین کو اس معنی میں مسجد بنا دیا کہ ہر جگہ نماز ادا ہو سکتی ہے، اور زمین کی مٹی کو پانی نہ ملنے یا پانی کا استعمال مضر ہونے کی صورت میں طہور یعنی پاک کرنے والا بنا دیا کہ اس سے تیمم کر لیا جائے تو وضو کے قائم مقام ہو جاتا ہے) (۳) یہ کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی امت کے لئے یہ مال حلال نہیں تھا (بلکہ حکم یہ تھا کہ جنگ میں جو مال کفار کا ہاتھ آتا اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیں، وہاں ایک آسمانی آگ وغیرہ آ کر اس کو جلا دے گی، اور یہ جلا دینا ہی اس جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوگی، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مال غنیمت کو قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق کر لینا اور اپنی ضروریات میں صرف کرنا جائز کر دیا گیا۔ (۴) چوتھے یہ کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا مقام دیا گیا (یعنی حشر کے میدان میں جس وقت کوئی پیغمبر شفاعت کی ہمت نہ کرے گا، مجھے اس وقت شفاعت کا موقع دیا جائے) (۵) پانچویں یہ کہ مجھ سے

پہلے عربی اپنی مخصوص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مجھے تمام اقوام عالم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ (ابن کثیر از معارف القرآن مفتی اعظم)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾
اور کہتے ہیں کب ہے یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

کہتے ہیں قیامت کب آئے گی

یعنی جس گھڑی سے ڈراتے ہو وہ کب آئے گی، اگر سچے ہو تو جلدی لا کر دکھلا دو۔ (تفسیر عثمانی)

قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ
تو کہہ تمہارے لئے وعدہ ہے ایک دن کا نہ دیر کرو گے
عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٢٩﴾
اس سے ایک گھڑی نہ جلدی ☆

ضرور آئے گی

یعنی گھبراؤ نہیں جس دن کا وعدہ ہے ضرور آ کر رہے گا جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی، جلدی مچانے کی بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے کچھ تیاری کر رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ
اور کہنے لگے منکر ہم ہرگز نہ مانیں گے اس قرآن کو
وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
اور نہ اس سے اگلے کو ☆

کہتے ہیں ہم کتابوں کو نہیں مانتے

یعنی ہم نہ قرآن کو مانیں نہ اگلی کتابوں کو جنہیں تم آسمانی کتابیں بتلاتے ہو، مثلاً تورات و انجیل وغیرہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں جہاں دیکھو وہی حساب کتاب اور قیامت کا مضمون، سو ان چیزوں کو ہم ہرگز تسلیم کرنے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ
اور کبھی تو دیکھے جبکہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس
يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ
ایک دوسرے پر ڈالتا ہے بات کو ☆

محشر میں پتہ چلے گا

یعنی جیسے ناکامی کے وقت ہوتا ہے کہ ہر ایک دوسرے کو ناکامیابی کا سبب گردانتا ہے محشر میں بھی کفار ایک دوسرے کو مورد الزام بتائیں گے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
کہتے ہیں وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے تھے بڑائی کرنے والوں کو
لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾
اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایمان دار ہوتے ☆

چھوٹوں کا بڑوں پر الزام

دنیا میں جو لوگ نیچے کے طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے وہ اپنے بڑے سرداروں کو الزام دیں گے کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسوایا تمہاری روک نہ ہوتی تو ہم ضرور پیغمبروں کی بات مان لیتے اور یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
کہنے لگے بڑائی کرنے والے ان سے جو کہ کمزور گنے گئے تھے
أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ
کیا ہم نے روکا تم کو حق بات سے
إِذْ جَاءَكُم بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾
تمہارے پاس پہنچ چکنے کے بعد کوئی نہیں تم ہی تھے گنہگار ☆

سرداروں کا جواب

یعنی جب تمہارے پاس حق بات پہنچ گئی اور سمجھ میں آ گئی تھی کیوں قبول نہ کی کیا ہم نے زبردستی تمہارے دلوں کو ایمان و یقین سے روک دیا تھا چاہئے تھا کہ کسی کی پروا نہ کر کے حق کو قبول کر لیتے اب اپنا جرم دوسروں کے سر کیوں رکھتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
اور کہنے لگے وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے بڑائی کرنے والوں کو
بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن
کوئی نہیں ہر قریب سے رات دن کے جب تم ہم کو حکم کیا کرتے کہ
نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا
ہم نہ مانیں اللہ کو اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے ساتھی ☆

یعنی بے شک تم نے زبردستی مجبور تو نہ کیا تھا مگر رات دن مکر و فریب اور معاویہ تدبیر سے ہم کو بہکاتے پھسلاتے رہتے تھے جب ملے یہ ہی تلقین کی کہ ہم پیغمبروں کے ارشاد کے موافق خدا کو ایک نہ مانیں، بلکہ بعض مخلوقات کو بھی اس کا مماثل اور برابر کا شریک سمجھیں، آخر تمہاری شب و روز کی ترغیب و ترہیب کا کہاں تک اثر نہ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور چھپے چھپے پچھتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب ☆

پھر سب شرمائیں گے

یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائینگے ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کرینگے اور شدید اضطراب وخوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِیْٓ اَعْنَاقِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے ☆

طوق اور بیڑیاں

گردنوں میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیریں پڑی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

وہی بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے ☆

اعمال کی سزا یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ (تفسیر عثمانی)

آگ سارا گوشت جلا دے گی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک ہی شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت چھن کر پیروں پر آ پڑے گا (ابن ابی حاتم) حسن بن یحییٰ خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے ہر غار ہر زنجیر ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ان کو سزا نہیں دی جائے گی مگر ان ہی اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بوساطت سفیان عاصم کی روایت سے اور زیں کا بیان نقل کیا ہے کہ دو آدمی شریک تھے جن میں سے ایک ملک شام کو چلا گیا دوسرا (مکہ میں ہی) رہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو مقیم شخص نے مسافر کو یہ خبر لکھ کر بھیجی مسافر نے مقیم کو لکھا کہ اس شخص کا (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے) کیا بنا مقیم نے جواب میں لکھا قریش میں سے صرف نچلے طبقہ اور غریب لوگ اس کے پیرو ہوئے ہیں، جونہی یہ تحریر مسافر کو ملی وہ اپنی تجارت چھوڑ کر اپنے ساتھی (مقیم شخص) سے آ کر ملا اور کہا مجھے اس شخص کا پتہ بتا دو، یہ مسافر شخص بعض (سابقہ آسمانی) کتابیں پڑھا کرتا تھا، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا اور سوال کیا آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلاں فلاں (اوامر ونواہی) کی یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیسے جانا کہنے لگا، جو نبی بھی مبعوث ہو (پہلے پہلے) نچلا طبقہ اور غریب لوگ ہی اس کے پیرو ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر

قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ

کہنے لگے ہیں وہاں کے آسودہ لوگ جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا ہم اس کو نہیں مانتے ☆

سردار لوگ ہر پیغمبر کے مخالف رہے ہیں

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ روسائے مکہ کے انحراف و سرکشی سے مغموم نہ ہوں، ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی بدبخت رئیسوں نے کیا ہے دولت وثروت کا نشہ اور اقتدار ظلی کا جذبہ آدمی کو اندھا کر دیتا ہے وہ کسی کے سامنے گردن جھکانا اور چھوٹے آدمیوں سے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتا، اسی لئے انبیاء کے اول متبعین عموماً ضعیف ومسکین لوگ ہوتے ہیں کما ورد فی حدیث ہرقل۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہلا بھیجا کہ تمہارے قول کی تصدیق اللہ نے نازل فرما دی مترفین خوش حال لوگ، خوش حال لوگوں کا خصوصی تذکرہ انکار رسالت کے لیے کیا کہ عموماً غرور اور دنیوی دولت مندی پر فخر اور لذت اندوزی میں انہماک اور غریبوں کو ذلیل جاننا انکار رسالت کا موجب ہوتا ہے اسی لئے منکروں نے تکذیب کے ساتھ استہزاء اور فخر کو بھی ملا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا

اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ

اور ہم پر آفت نہیں آنے والی ☆

مال واولاد پر فخر

یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اتنا مال واولاد کیوں دیتا جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت کا اندیشہ نہیں، تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ

تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ناپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

روزی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے

یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں، دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خدا پرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دولت و افلاس یا تنگی و فراخی کسی کے محبوب و مقبول عند اللہ ہونے کی دلیل نہیں، یہ معاملات تو دوسری مصالح اور حکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

ومن الدليل على القضاء وحكمة
بؤس اللبيب وطيب عيش الاحمق

(تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں

عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا ☆

قرب الٰہی کا ذریعہ تو ایمان اور عمل صالح ہے

یعنی مال و اولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گذرا اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بعد کا سبب بن جاتا ہے ہاں مومن اگر مال و دولت کو وجوہ خیر میں صرف کرے اور اولاد کو بہترین تعلیم و تربیت دلا کر نیک اور شائستہ بنائے، ایسا مال و اولاد ایک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے، بہرحال وہاں مال و اولاد کی پوچھ نہیں محض ایمان و عمل صالح کی پرسش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا لیکن جو نیکوکار مومن ہو اس کا ایمان اور عمل قرب الٰہی میں پہونچا سکتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد ابن کثیر)

مال کے مصارف

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام صدقہ ہے، اور کوئی آدمی جو اپنے نفس یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے موجب ثواب ہے اور جو شخص کچھ خرچ کر کے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ اس کا بدل اس کو دے گا مگر وہ خرچ جو (فضول رائد از ضرورت) تعمیر میں یا کسی گناہ کے کام میں کیا ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابرؓ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق یہ خیال ہو کہ نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بدگوئی کرے گا اس کو اپنی آبرو بچانے کے لیے دینا مراد ہے۔ (الدر المنثور قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا

سو اُن کیلئے ہے بدلہ دونا دن کے کیے کام کا ☆

عمل کا بدلہ

یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا کم از کم دس گنا اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (بقرہ۔ رکوع ۳۶) یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ

اور وہ بالا خانوں میں بیٹھے ہیں دلجمعی سے اور جو لوگ دوڑتے ہیں

فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝

ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں ☆

منکر و مخالف عذاب میں

یعنی جو بدبخت اللہ کی آیات کو رد کرتے اور ان پر طعن کر کے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول کو ہرا دینگے وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

تو کہہ میرا سب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی اس کو چاہے

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ

اپنے بندوں میں اور ناپ کر دیتا ہے (ر) اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز

فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا ☆

خرچ کرنے سے نہ گھبراؤ

یہ مسلمانوں کو سنایا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہو جاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا اللہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہئے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت وغنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر وفاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ "ولا تخش من ذی العرش اقلالا" (تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب وعذاب کے ایسا ہی تفاوت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا کوئی اگرچہ بظاہر روزی رساں نظر آتا ہے تو حقیقت میں وہ (خداداد) روزی رسانی کا ایک مجازی ذریعہ ہے حقیقی رازق نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

خرچ کرنے سے نعمت بڑھتی ہے:

جس چیز کا خرچ گھٹ جاتا ہے اس کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیائے صرف انسان اور حیوانات کے لئے پیدا فرمائی ہیں جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں ان کا بدل منجانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت بلالؓ سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال! خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔

کاٹ کھانے والا زمانہ:

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آ رہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہوگا مال ہوگا لیکن مالدار گویا اپنے مال پر دانت کڑوے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت وما انفقتم الخ کی تلاوت فرمائی۔

بدتر لوگ اور حدیث میں ہے بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں خریدتے پھریں یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے مضطر کی بیع حرام ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے اگر تجھ سے ہو سکے تو دوسروں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا (ابو یعلیٰ موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو
اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے ☆

ملائکہ سے خطاب:

بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے بہت ان کے بیکل بنا کر پرستش کرتے تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی سے ہی ہوئی اور عمرو بن لحی یہ رسم قبیح شام سے حجاز میں لایا۔ بہر حال قیامت کے دن کفار کو سنا کر فرشتوں سے سوال کریں گے کہ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید مطلب یہ ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (مائدہ۔ رکوع ۱۶) اور سورہ فرقان میں ہے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ (فرقان۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

ملائکہ سے یہ خطاب مشرکوں کو ذلیل کرنے اور شفاعت ملائکہ سے مایوس بنانے کے لئے کیا جائے گا (کافروں کے معبود تو اور بھی ہیں اصنام وکواکب وغیرہ کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں لیکن) خصوصیت کے ساتھ ملائکہ کو خطاب اس لیے کیا جائے گا کہ خطاب کی صلاحیت انہیں میں ہے پھر وہ دوسرے فرضی شرکاء سے افضل بھی ہیں نیز مبدأ شرک بھی انہیں کی عبادت ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ
وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں نہ ان کی طرف میں
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ
نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے ☆

فرشتوں کا جواب یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہنے لگے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی فی الحقیقت ان کی عقیدتمندی ان ہی کے ساتھ ہے شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا بلکہ بعض تو اعلانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورۂ "انعام" میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا
سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے ☆

عابد و معبود دونوں عاجز ہیں

یعنی آج عابد اور معبود دونوں کا عجز واضح ہو گیا کہ کوئی کسی کو ذرہ بھر نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا جن معبودوں کا بڑا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس طرح وقت پر بیزاری ظاہر کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ
اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو
كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
تم جھوٹ بتلاتے تھے اور جب پڑھی جائیں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی
قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ
کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ
ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافروں کی بدگمانی

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص بھی کچھ نہیں بس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا کر جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں اپنے ڈھب پر لے آئے اور خود حاکم و متبوع بن کر بیٹھ جائے گویا صرف حکومت و ریاست مطلوب ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى
اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا ۝

قرآن کریم کے بارے میں ان کا خیال

یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے ان تک
اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح ۝

یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یا مذہب اسلام جس نے آ کر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے یا قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

حق سے مراد ہے نبوت یا اسلام یا قرآن، یعنی قرآن یا امر نبوت یا اسلام جب ان کے پاس پہنچا تو بغیر سوچے اور غور کرنے کے اس کو کھلا ہوا جادو کہنے لگے باعتبار معنی کے کافروں نے قرآن کو خود تراشیدہ جھوٹ کہا اور الفاظ و اعجاز ترکیب کی وجہ سے جادو قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ
اور ہم نے دی نہیں ان کو کچھ کتابیں کہ جن کو وہ پڑھتے ہوں اور
اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝
بھیجا نہیں ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا ۝

کفار مکہ کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے

یعنی بعض امی تھے نہ کوئی کتاب سماوی ان کے ہاتھ میں تھی نہ اتنی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسا عظیم الشان پیغمبر اور ایسی جلیل القدر کتاب مرحمت فرمائی چاہیے کہ اسے غنیمت جانیں اور انعام الٰہی کی قدر کریں خصوصاً جبکہ پہلے سے خود کہا بھی کرتے تھے کہ اگر ہم میں کوئی پیغمبر اتارا یا کوئی کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ہم فرمانبردار ہوتے اب وہ چیز آئی تو لگے انکار و استکبار کرنے یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے ان کے پاس کوئی کتاب یا ہادی ایسا نہیں بھیجا جو آپ کی تعلیم دیتا ہو پھر کس دلیل نقلی یا عقلی کی بنا پر یہ لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

من کتب۔ یعنی ایسی کتابیں نہیں دی تھیں جن میں شرک کو صحیح قرار دیا گیا۔

من نذیر اور نہ کوئی ایسا پیغمبر بھیجا تھا جس نے ان کو شرک کی دعوت دی ہو اور ترک شرک پر عذاب سے ڈرایا ہو پھر شرک کے مدعی یہ کہاں سے بن بیٹھے اور قرآن کو جھوٹ کہنے اور جادو قرار دینے اور نبی پر خود ساختہ اور افترا بندی کا الزام رکھنے کی اجازت ان کو کس نے دی اس آیت میں مشرکوں کی جہالت و سست سری کا اظہار ہے اس سے آگے تہدید عذاب دینے کے لئے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ
اور جھٹلایا ہے ان سے اگلوں نے اور نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے
اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝
جو ہم نے ان کو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو ایسا ہوا انکار میرا ۝

ان سے زیادہ طاقتور قومیں ہلاک ہو گئیں

یعنی جیسی لمبی عمریں جسمانی قوتیں، مال و دولت اور عیش و ترفہ ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب و مخالفت کی دیکھ لو کیا انجام ہوا سب ساز و سامان دھرا رہ گیا ایک منٹ بھی عذاب الٰہی کو روک نہ سکے پھر تم اتنا کاہے پر اتراتے ہو؟ اس کرتے پر یہ تتا پانی۔ (تفسیر عثمانی)

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے دریائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور

اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى
تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اٹھ کھڑے ہو اللہ کے واسطے دو دو
وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۛ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ
اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں
اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾
یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آگے سے ☆

اللہ کیلئے کچھ غور و فکر کرو

یعنی تعصب وعناد چھوڑ کر انصاف و اخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو اور کسی کی مل کر بحث و مشورہ کر لو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہارا رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لے کر کہولت تک کے در و رو حالات تم نے دیکھے جس کی امانت و دیانت صدق و عفاف اور فہم و دانش کے تم برابر قائل رہے، بھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنا لیا کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنوں اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور اس کی اُخروی فلاح اور دنیوی ترقی کا اتنا بردست لائحہ عمل پیش کر سکتا ہے وہ قوم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا ہے دلائل و شواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

غور کرو گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی واضح ہو جائیگی

مَثْنٰى وَفُرَادٰى یعنی زیادہ ہجوم نہ ہو جس سے فکر کی یکسوئی ختم ہو جائے بلکہ دو دو مل کر یا ایک ایک الگ الگ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سوچو پھر ہر شخص اپنے خیال کا دوسرے سے اظہار کرے اور دو انصاف و عدل کے ساتھ غور کرے یا تنہائی میں ہر ایک انصاف کے ساتھ سوچے تاکہ تصویر حق سامنے آ جائے اور سمجھ لے کہ تمہارے ان ساتھی کو کسی طرح کا جنون نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان کو کسی قسم کا جنون نہیں ہے ان کی عقل صحیح ہے، فہم سلیم ہے فکر درست ہے۔ ان کے صحیح الدماغ ہونے کا انکار وہی کر سکتا ہے جو خود پاگل ہو یا محض عناد کا مظاہرہ کر رہا ہو اور یہ بھی بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی عقلمند صحیح الدماغ شخص کوئی اتنا عظیم الشان کام جس سے سارے لوگ دشمن ہو جائیں وہ خود اکیلا جہد مست بے یار و مددگار رہ جائے اس وقت تک نہیں کرتا جب تک اس کو اپنی حقانیت کا یقین مضبوط عقلی دلائل کی روشنی میں نہ ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے دنیاوی مفاد سے بالاتر ہیں

اور یہ بھی ضروری ہے کہ دانشمند آدمی جب اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھاتا ہے تو بے مقصد اور فضول کیوں اٹھاتا اس کے پیش نظر یا حصول منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ان دونوں دنیوی مقاصد میں سے کوئی بھی نہیں ہے حصول منفعت دنیوی کی تو ان کو ممانعت کر دی گئی ہے وہ خود کہتے ہیں **مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ** میں تم سے جو کچھ مانگوں وہ تم ہی لے لو مجھے ضرورت نہیں رہا دفع مضرت کا مقصد تو یہ بھی ان کے پیش نظر نہیں ہے ان کے، عوی سے تو سارے لوگ دشمن اور درپے آزار ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر آخرت کی مضرت کا دفع اور آخرت کے نفع کا حصول ہے۔

قریشی سرداروں کو دعوت اور اس کا ردِ عمل

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آپ **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو (نام بنام) پکارنا شروع کیا اور فرمایا اے بنی فہر! اے بنی عدی! اس کر سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ (پہاڑ کے پار) کچھ سوار موجود ہیں اور تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو تم کو یقین کیا تم مجھے سچا سمجھو گے حاضرین نے کہا ہمارے تجربہ میں آپ کا کوئی جھوٹ نہیں آیا (اس لئے سچا سمجھیں گے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں تم کو آگے آنے والے سخت عذاب سے پہلے ہی ڈرا رہا ہوں یہ سن کر ابولہب بولا تجھے ہمیشہ کے لئے موت آ جائے کیا اس لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورۃ **تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ** نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

غور و فکر کی لائن

آگے اس غور و فکر کی ایک واضح راہ بتلائی گئی وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال و دولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو حوصلہ سے ان میں رائج ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنوں و دیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو کہ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ
تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا سو کچھ بدلہ ہو وہ تم ہی رکھو
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ
میرا بدلہ مجھ کو اللہ پر ☆

میں کوئی معاوضہ نہیں مانگتا یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر اس سے زاید میری کوئی غرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کا حق اور بندوں کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذؓ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کو ہی پورا علم ہے فرمایا بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اسی کی عبادت کریں کسی اور کو اللہ کا شریک نہ قرار دیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے، متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ کہہ کر آواز بلند کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا، سنو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کرنے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح و شام ہی تم پر حملہ کر دے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا کہ ہاں بے شک ہم آپ کو سچا جانیں گے آپ نے فرمایا، سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے یہ سن کر ابولہب ملعون نے کہا، تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا اس پر سورۂ تبت یدا الخ اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾
اور اس کے سامنے ہے ہر چیز ☆

یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾
تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں ☆

حق آ گیا اس سے فائدہ اٹھاؤ

یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اس سے فائدہ اٹھاؤ جس روز سے اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا ضرور ہے ملیامیٹ ہو کر رہے اور آفاق میں دین حق کا ڈنکا بجے اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے، بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (تفسیر عثمانی)

ہر گھر تک اسلام پہنچ کر رہے گا

امام احمد کی روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے روئے زمین پر کوئی گھر مٹی کا ہو یا اون (کا خیمہ) ایسا نہ بچے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام داخل نہ کر دے خواہ عزت والے کو عزت کے ساتھ یا ذلیل کو ذلت کے ساتھ یعنی جو لوگ قبول کر لیں گے اللہ ان کو عزت والا کر دے گا جو نہیں مانیں گے ان کو ذلیل کر دے گا اور (ذلیل ہو کر) وہ کلمۂ اسلام کی اطاعت کریں گے۔

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ وہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ کون وحی و رسالت کے لئے منتخب ہونے کا اہل ہے اور وہی واقف ہے کہ اسلام کا مآل کیا ہوگا اطراف عالم میں کفر کو مغلوب اور اسلام کو غالب کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾
تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے ☆

باطل حق کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا

یعنی دین حق آ پہنچا اب اس کا رد کرنے والا نہیں سب پر غالب ہو کر اور باطل کو زیر کر کے رہے گا جھوٹ کے پاؤں کہاں جو حق کے سامنے چل سکے وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا سمجھ لو آیا گیا ہوا فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت میں آیا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ قتادہ نے کہا باطل سے مراد ابلیس ہے جو نہ کسی کی ابتدائی تخلیق کرتا ہے نہ دوبارہ قبروں سے اٹھا سکے گا کلبی کا بھی یہی قول ہے بعض کے نزدیک باطل سے بت مراد ہیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ
تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو
وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ
اور اگر ہوں سیدھے رستہ پر تو اس سبب سے کہ وحی بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝
بے شک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک ہے

اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا

یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کے دن جلے گا اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی، میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا تم مانو یا نہ مانو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر وہ گمراہی ہے تو گمراہی کا وبال مجھی پر پڑے گا اور ظاہر ہے کہ میں دیوانہ نہیں نہ اس سے مجھے کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہوگا پھر گمراہی کے وبال کو میں اپنے لئے کیسے اختیار کر سکتا ہوں اور اگر یہ دین (مبنی بر)

ہدایت ہے تو میری طرف سے نہیں کہ (یعنی میرا ساختہ پرداختہ نہیں ہے) نہ اس شہر میں میں نے کسی سے سیکھا ہے کیوں کہ میرا انہی ہونا ظاہر ہے نہ مجھے لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا (میں لکھا پڑھا نہیں ہوں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دین خدا کا بھیجا ہوا ہے اور اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے اس لئے تم کو بھی میرے طریقہ پر چلنا چاہئے تاکہ جس طرح میں نے ہدایت پائی تم بھی ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا

اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرائیں پھر یہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں

مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ

نزدیک جگہ سے ☆

ان کی پکڑ کا وقت قریب ہے:

یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہ پڑے گا بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کر لئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حال روز حشر کا ہے کہ کفار و فجار گھبرا کر بھاگنا چاہیں گے تو چھوٹ نہ سکیں گے اور یہ بھی نہ ہوگا جیسے دنیا میں کوئی مجرم بھاگ جائے تو اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے بلکہ سب کے سب اپنی ہی جگہ میں گرفتار کر لئے جائیں گے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملے گا بعض حضرات نے اس کو وقت نزع اور موت کا حال قرار دیا ہے کہ جب موت کا وقت آ جائے گا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی تو فرشتوں کے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکیں گے اور وہیں اپنی جگہ سے روح قبض کر کے پکڑ لئے جائیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ

اور کہنے لگیں ہم نے اس کو یقین مان لیا، اور اب کہاں اُن کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے

مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۚ

بعید جگہ سے ☆

اُس وقت کا ایمان بھی کام نہ آئے گا

یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آ گیا اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھا لائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و سچی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آ جائے گا اس میں کیا کمال ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ اور وہ کہیں گے ہم اس پر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لے آئے اور بدر کے دن کافروں نے امنا بہ نہیں کہا تھا بلکہ ابوجہل جب زخمی ہو کر گرا کچھ آخری سانس باقی تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دشمن خدا کو رسوا کیا ابوجہل نے کہا میری رسوائی کس طرح ہوئی کیا جس شخص کو اس کی قوم والے ہی قتل کر دیں اس کی رسوائی ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کریں گے لیکن دور کے مقام یعنی آخرت سے دنیا میں ان کا لوٹنا کہاں ہو سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ

اور اس سے منکر رہے پہلے سے اور پھینکتے رہے

بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝

بن دیکھے نشانہ پر دور کی جگہ سے ☆

اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا

یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ نے تحقیق باتوں کو قبول نہ کیا۔ اب پچھتانے سے کیا حاصل؟ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو انہوں نے ملا تحقیق نشانہ بنا رکھا تھا شاعر کہتے تھے جادوگر کہتے تھے، بہت بڑا دروغ گو کہتے تھے، تکلم بالغیب سے یہی مراد ہے قتادہ نے کہا وہ اپنے گمان کے تیر چلاتے تھے ان کا قول تھا کہ نہ قیامت ہوگی نہ جنت نہ دوزخ۔ (تفسیر مظہری)

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ

اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں ☆

اب دنیا میں واپسی نہیں ہوگی

یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات یا دنیا کی طرف واپس جانا یا دنیوی لذتیں اور عیش و آرام، ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کر دے گی کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک بنی اسرائیلی نوجوان کا عجیب واقعہ

ابن ابی حاتم نے یہاں پر عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا اس نے غصے میں آ کر سب چیزیں بیچ کر روپے لے کر عین محاجہ کے پاس آ کر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوش رو عورت اس کے پاس آ پڑی، اس نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بنی اسرائیلی شخص ہوں کہا یہ محل اور مال آپ ہی کا ہے؟ اس نے کہا ہاں پوچھا آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا نہیں، کہا پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے

پوچھا کہ کیا تمہارا رات رہنے کا ہے؟ اس نے کہا نہیں کہا کچھ مجھے قبول کرو اس نے جواب دیا میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں کل تم یہاں سے اپنے ساتھیوں کا بھرکا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ راستے میں کچھ عجائبات دیکھو تو گھبرا نا میں نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا میل بھر دور گیا تو ایک نہایت عالی شان محل دیکھا دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص آیا پوچھا آپ کون ہیں؟ جواب دیا کہ امرائیلی ہوں، کہا کیسے آئے؟ کہا اس مکان کی مالکہ نے بلوایا ہے پوچھا راستے میں کچھ ہولناک چیزیں بھی دیکھیں؟ جواب دیا ہاں اور اگر مجھے یہ کہا ہوتا نہ ہوتا کہ گھبرانا مت تو میں ہول و دہشت سے ہلاک ہو گیا ہوتا، میں چلا، ایک چوڑے راستے پر پہنچا تو دیکھا ایک کنیا مرجھائے منہ لٹکی ہوئی ہے میں گھبرا کر دوڑا تو دیکھا کہ مجھ سے آگے آگے دو بے اور ان کے پلے (بچے) اس کے پیٹ میں ہیں اور بھونک رہے ہیں اس نوجوان نے کہا تو اسے نہیں پائے گا یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بزرگوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی چیدہ باتیں کرے گا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک سونگریاں میں جس کے تھن دودھ سے بھرے ہیں ایک بچہ دودھ پی رہا ہے جب دودھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ اور کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے گویا اور مانگ رہا ہے اس نوجوان دربان نے کہا اسے بھی نہیں پائے گا یہ مثال تجھے خلائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے لوگوں سے سود، چاندی، کھیتیں مکے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں بچا تو بھی وہ ظلم و بدکاری کرکے منہ پھیلائے رہیں گے اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے نہایت تروتازہ، خوش رنگ اور خوش وضع میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندۂ خدا میری ڈالی توڑ جا پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی دربان نے کہا تو اسے بھی نہ پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک کہ جب ایک مرد کی طرف سے عورت کو پیغام جائے گا تو وہ بیس عورتیں اسے اپنی طرف بلائے گئیں گی اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک دریا ہے کنارے ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر کر دے رہا ہے پھر اپنی مشک میں دانتا ہے لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا دربان نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے عملی باتیں بتلائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہوں گے بلکہ خود گھاٹوں میں پڑ رہیں گے پھر حوض پر آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے بعض لوگوں نے تو اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں بعض نے دم تھام رکھی ہے بعضوں نے سینگ پکڑ رکھے ہیں بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں اس نے کہا یہ مثال ہے دنیا کی حواس کے پیرتھامے ہوئے ہیں پر تو وہ ہیں جو دنیا سے گرکے جنہیں پیر ملی جس نے سینگ تھام رکھے ہیں یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چھوٹی ہے سوار وہ ہیں جو اور خود تارک دنیا ہو گئے ہاں دنیا سے صحیح فائدہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہیں تم نے اس بکری کا دودھ نکالتے دیکھا انہیں خوشی سویہ مستحق مہ، کب، ہیں اس نے کہا میں اور آگے چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنویں میں سے پانی کھینچ رہا اور ایک حوض میں ڈال رہا ہے جس حوض میں سے پانی پھر کنویں میں چلا جاتا ہے اس نے کہا یہ شخص ہے جو نیک عمل کرتا ہے لیکن قبول نہیں ہوتے اس نے کہا پھر میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص نے دانے زمین میں بوئے اسی وقت کھیتی تیار ہو گئی اور بہت اچھے نفیس گیہوں نکل آئے کہا یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو، دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا پڑا ہے مجھ سے کہیے اٹھائی میرا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دو واللہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں بیٹھا ہی نہیں میرے ساتھ پکڑتے ہی وہ کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے چھپ گیا میں دربان سے کہا یہ تیری عمر تھی جو حیا چلی اور ختم ہو گئی میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے آیا ہے اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا خدا کے حکم سے تیرے پاس آیا تھا کہ تیری روح اس علقہ قبض کروں پھر تجھے جسم جدید دے کر اس کے ساتھ میں یہ آیت جمیل فہم الخ مآل سوال یا اظہر یہ ہے اور اس کی تحت میں بھی نظر ہے۔

کافروں کی روح دنیاوی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے

آیت کا مطلب علماء نے کہا کہ کافروں کی جب موت آتی ہے اس کی روح حیات دنیا کی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے لیکن موت مہلت نہیں دیتی اور ان کی خواہش کے اور ان کے درمیان وہ حائل ہو جاتی ہے جیسے اس شخص مغرور و مفتون کا حال ہوا کہ گیا تو عورت، عورتیں لینے اور ملاقات ہوئی ملک الموت سے امید پوری ہو اس سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ
جیسا کہ پہلے وہ کر چکے ہیں ان کے ہم مشرب لوگ
كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ
ایسے شک میں جو چین نہ لینے دے

بروں کا انجام بُرا ہی ہے

جن پہلے حواسی قماش کے لوگ کفر، سے ہیں جیسا حال ان سے ہو گیا تھا ان سے بھی ہوا کیونکہ وہ لوگ بھی اسے ہی مہمل شبہات اور بے جا شک و تردد میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح اس کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ (تیسیر مرتضیٰ)

تحقیق یہ سب لوگ جب دنیا میں تھے تو ایسے ریبائے شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا، اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب دیدان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سورۃ فاطر

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں سے ایک ولی ہوگا۔

(ملا حسن مصری رحمہ اللہ)

سورہ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں چھیالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو ہے بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین ☆

بغیر نمونہ کے بنانے والا

یعنی آسمان وزمین کو ابتداءً عدم سے نکال کر وجود میں لایا پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام حمد (ستائش) اسی اللہ کو زیبا ہے جو آسمانوں کو زمین کو عدم کا پردہ پھاڑ کر وجود میں لانے والا ہے۔ یعنی سب کا خالق ہے بغیر سابق مثال کے ایجاد کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فاطر کا معنی

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں فاطر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک اعرابی کی زبانی سن کر معلوم کئے وہ ایسے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا ایک کنوئیں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا انا فطرتھا یعنی پہلے پہل میں نے ہی اسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداءً نے نمونہ صرف اپنی قدرت کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

جس نے بھیجا فرشتوں کو پیغام لانیوالے ☆

فرشتوں کی مصروفیات

یعنی فرشتے انبیاء کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی وروحانی نظام کی تدبیر وتشکیل پر مامور ہیں۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول سے مراد اس جگہ واسطہ ہو اللہ تعالیٰ اور اس کی عام مخلوقات کے درمیان جن میں انبیاء علیہم السلام سب سے افضل واعلیٰ ہیں، ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی وحی کا واسطہ بنتے ہیں اور عام مخلوقات تک اللہ تعالیٰ کی رحمت یا عذاب پہنچانے کا بھی واسطہ فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار ☆

فرشتوں کی ساخت

یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یا دو پر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں، ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتلا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کے یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور جو خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنس دان وائرڈ محسوسات میں صرف اتنا بتلا سکتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پر والے بازو عطا فرمائے ہیں، جن سے وہ اڑ سکتے ہیں حکمت اس کی ظاہر ہے کہ وہ آسمان سے زمین تک کی مسافت بار بار طے کرتے ہیں، یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کو سرعت سیر کی قوت عطا کی جائے اور وہ اڑنے ہی کی صورت میں ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبرئیل علیہ السلام کے پر

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں حضرت جبرئیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق ومغرب جتنا فاصلہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ

جو چاہتا ہے پیدائش میں جو چاہے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے ☆

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے

یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دے فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اسی نے بنائے چاہے

تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنا دے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں اور جاعل الملائکۃ رسلاً سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے ہرگز نہیں، وہ بذات خود ہر چیز پر قادر ہے محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب و وسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

سرسید احمد خان کی غلط فہمی

(اطلاع) جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے مگر خان بہادر سرسید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شد و مد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے سرسید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ۲۰ تا ص ۶۰ ملاحظہ کریں، و اللہ الہدی الی سواء الطریق۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ
جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر
رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ
رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا ☆

اللہ کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا

رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب و ارسال رسل، غرض اللہ جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد و ھو علی کل شیء قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت و لا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوچ سے سر اٹھاتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر فرماتے اللھم ربنا لک الحمد ملأ السماء والارض وملأ ما شئت من شیء بعد اللھم اھل الثناء والمجد احق ما قال العبد و کلنا لک عبد اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد

اسی آیت جیسی آیت وان یمسسک اللہ بضر الخ اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش کے وقت حضرت ابوہریرہؓ کا عمل

اور حضرت ابوہریرہؓ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے مطر ما سوء الفتح اور پھر آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ پڑھتے تھے، یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے، جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے کہ ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بارش آیت فتح سے ملی ہے مراد آیت فتح سے یہی مذکورہ آیت ہے جس کو وہ ایسے وقت تلاوت فرمایا کرتے (رواہ مالک فی الموطا) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ
اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے
بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ☆

یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے فوراً کر گذرے ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ هَلْ
اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا
مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝
اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو ☆

معبود حقیقی صرف اللہ ہی ہے

یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رازق حقیقی ہے وہی معبود ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان و زمین

آسمان اور زمین کے اختلاط اور امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے [illegible] عورت کے اختلاط [illegible] سے پیدا ہوتے آسمان کنایہ [illegible]

زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر خوب تر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے کتنے رسول
مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝
تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام ☆

مخالفت ہمیشہ رہے ہیں

یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے، انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہوا ہے کوئی انوکھی بات نہیں متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی ہٹ سے باز نہیں آئے ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے، وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ
بہکے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے
الْغَرُوْرُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ
وہ دغاباز بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن
اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝
وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں دوزخ والوں میں ☆

شیطان سے بچنا ضروری ہے

یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ اس دنیا کی نیپ تاب اور فانی عیش و بہار پر نہ پھولو اور اس مشہور دغاباز شیطان کے دھوکہ میں مت آؤ۔ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے کبھی اچھا مشورہ نہ دیگا۔ یہ بنی کوشش کرے گا کہ اپنے ساتھ تم کو بھی دوزخ میں پہنچا کر چھوڑے طرح طرح کی باتیں بنا کر، خدا اور آخرت کی طرف سے غافل کرتا رہے گا۔ چاہیے کہ تم دشمن کو دشمن سمجھو اس کی بات نہ مانو۔ اس پر ندامت کرو کہ ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

محبت کا تقاضا

اپنے تمام احوال میں اس کے وسوسہ سے بچتے رہو اس کا کہا نہ مانو اس کی مرضی کے خلاف محض اللہ کی اطاعت کرو محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب جس کام کو پسند کرے وہی کیا جائے تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو اور دشمنی کا تقاضا ہے کہ جو کام دشمن کو پسند ہو وہ نہ کیا جائے اور اس کو غصہ کی آگ میں جلایا جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَالَّذِيْنَ
جو منکر ہوئے ان کو سخت عذاب ہے اور جو
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ
یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کیلئے ہے معافی اور بڑا ثواب
كَبِيْرٌ ۝ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ۭ
بھلا ایک شخص کہ بھلی سجھائی گئی اس کو اس کے کام کی برائی پھر دیکھے اس کو اچھا،
فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠
کیونکہ اللہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سجھاتا ہے جس کو چاہے
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ
سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچھتا پچھتا کر
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝
اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

نیک و بد برابر نہیں ہیں اللہ سب سے نمٹ لے گا

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا، کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے، نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے؟ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں کہ جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یا الٹی بات سجھا دے۔ بہرحال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی

اور رہبر لو تریاق سمجھ لے کیا اس کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت و ضلالت کا سب اللہ کی مشیت و حکمت کے تابع ہے تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں۔ اس حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کو کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ اس کا قصہ ایک طرف سمجھئے۔ اللہ ان کے سب کرتوت جانتا ہے وہ خود ان کا بھگتان کر دے گا۔ آپ دلگیر و غمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول جبیر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء کی تھی اے اللہ اپنے دین کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام (کے ایمان) سے غلبہ عطا فرما چنانچہ اللہ نے حضرت عمرؓ کو ایمان کی توفیق عنایت فرمادی اور ابو جہل کو گمراہ چھوڑ دیا ان ہی دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا

اور اللہ ہے جس نے بھیجی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل کو

فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ

پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مُردہ ملک کی طرف پھر زندہ کیا

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ

ہم نے اس سے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد اسی طرح ہوگا جی اٹھنا مُردوں کا

اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کریں گے

اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا یعنی کھیتی وسبزہ کچھ نہ تھا۔ چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی۔ بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرنے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہوگی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہوتے ہی دانہ زمین سے اُگ آتا ہے۔ مزید تفصیل روایات میں دیکھنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

مُردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بعث کی کیفیت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جس کی وجہ سے اجسام اگیں گے۔ الحدیث

ابوالشیخ نے العظمت میں دب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بحر محیط (آٹھویں سمندر) کی ابتداء اللہ کے علم میں سوکی اور اس کا آخر (کنارہ) اللہ کے ارادہ میں ہوگا اس کے اندر ماموہ کی طرح گاڑھا پانی ہوگا جس کو رابطہ اور راوفہ (زمین کے دو زلزلے) کے درمیان اللہ برسائے گا جس سے لوگ اس طرح اگیں گے جس طرح سیلابی مٹی سے سبزہ اگتا ہے پھر اللہ مومنوں کی روحوں کو جنت سے (لاکر) اور کافروں کی روحوں کو دوزخ سے (لاکر) یکجا کریگا تا کہ ان کو صور میں عطا فرمائے اسرافیل حکم خدا (صور) پھونکیں گے جس سے ہر روح اپنے بدن میں داخل ہو جائے گی۔ الحدیث (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے ابن آدم تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں سڑتی اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔ یہاں بھی نشان بتا کر فرمایا اسی طرح موت کے بعد کی زیست ہے۔ (تفسیر ماجدی)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ

جس کو چاہے عزت تو اللہ کیلئے ہے ساری عزت ہے

عزت ذلت کا مالک اللہ ہے:

کفار نے دوسرے معبود اس لئے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہوگی۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ''(مریم۔ پارہ ۱۶) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستانہ کرتے تھے کہ اس سے انکی عزت بنی رہے گی۔ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ''(نساء۔ رکوع ۲۰) اس قسم کے لوگوں کو بتلایا کہ جو شخص دنیا و آخرت کی عزت چاہے، چاہیے کہ اللہ سے طلب کرے کہ عزت مطلق تو وہ ہے اسی کی فرمانبرداری اور یادگاری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کسی کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

اسی کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا ☆

عمدہ کلام

ستھرا کلام ہے ذکر اللہ، دعاء تلاوۃ القرآن، علم و نصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول و اعتنا کی عزت حاصل کرتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پاک کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے چڑھتے ہیں

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص پاکیزہ کلمات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ

للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وتبارک اللہ کہتا ہے۔ کوئی ایک فرشتہ ان کو فوراً لے کر اپنے پروں کے نیچے چھپا کر اور چڑھ جاتا ہے اور ملائکہ جس کی جماعت کی طرف سے گذرتا ہے وہ ملائکہ ان کلمات کے قائل کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں آخر رب العالمین کی بارگاہ میں ان کلمات کو وہ فرشتہ پیش کرتا ہے اس کی تصدیق اللہ کی کتاب (کی اس آیت) سے ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ۔

رواہ البیہقی والحاکم وغیرہ، شعبی اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سُبْحَانَ اللہ اور لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر عرش کے ارد گرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اپنے کہنے والے کا ذکر خدا کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح اس کی حمد اس کی بڑائی اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس خدا کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ
اور کام نیک اُس کو اٹھا لیتا ہے ☆

پاک کلمات اور عمل صالح دونوں ضروری ہیں

ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ اُبھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لئے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اوپر اٹھاتا اور بلند کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور بعض نے یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے بہر حال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں علو و رفعت کو چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں۔ جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔ کفر دفع ہوگا، اسلام کو عزت ہوگی۔" مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔ (تفسیر حقانی)

بغیر عمل کے ایمان بیکار نہیں

میں کہتا ہوں آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر عمل کے ایمان ناقابل اعتبار اور بیکار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی بندی کے بیٹے اور کلمۃ اللہ تھے جو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اللہ کی طرف سے روح تھے اور اس بات کی بھی شہادت دی کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرما دے گا اس کے عمل کچھ بھی ہوں رواہ الشیخان فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت۔

قول بغیر ایمان اور خلوص کے خالی باتیں بے کار ہیں

منافق کا زبانی قول جو عمل قلبی کے ساتھ نہ ہو اور اعمال اعضاء بھی قول کے خلاف ہوں وہ ناقابل اعتبار اور بیکار ہے اسی طرح جو عمل بغیر خلوص نیت کے کیا جائے نہ قلبی عقیدہ عمل کے مطابق ہو نہ اخلاص قلبی اس عمل کے ساتھ ہو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قبولیت کی شرط

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول و عمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول و عمل و نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول بھی عمل بھی اور نیت بھی، یہ سب درست بھی ہوں مگر طریقہ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح صرف کلمہ توحید اور تسبیحات بغیر عمل صالح کے کافی نہیں اسی طرح عمل صالح اور امر و نواہی کی پابندی بھی بغیر کثرت ذکر اللہ کے بے رونق رہتی ہے۔ ذکر اللہ کی کثرت ہی اعمال صالحہ کو مزین کر کے قابل قبول بناتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

''صعود'' اور ''رفع'' کا فرق

کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے ہے ان کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لئے ان کے لئے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمال صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لئے اعمال صالحہ کے لئے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں جس کیلئے کوئی اٹھانیوالا چاہئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جو لوگ داؤ میں برائیوں کے اُن کے لئے سخت عذاب ہے

شَدِيْدٌ وَّمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

اور اُن کا داؤ ہے ٹوٹے کا ☆

حق کے مخالف ناکام ہوں گے

یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہو کر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے ''دارالندوہ'' میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر کے موقع پر وہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلیب بدر میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیئے گئے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ

پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ

کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے سن خبر اسکے ☆

انسان کا توالد و تناسل

یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد عورت کے جوڑے بنا دیئے جس سے نسل پھیلی۔ اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو دوار و اطوار گزرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا کیا صورتیں پیش آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ

اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بوی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے

عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ☆

ہر ایک کی عمر مقرر ہے، کفر آخر کار مغلوب ہوگا

یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ماکان و مایکون، جزئی، کلی اور غیب و شہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''ہر کام سچ سچ ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا'' اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اسی طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لوح محفوظ ہر ایک کی عمر کا مفصل اندراج ہوتا ہے

سعید بن جبیر نے کہا ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اتنے سال کی ہوگی پھر اس کے نیچے لکھا ہوتا ہے ایک دن گذر گیا دو دن گذر گئے تین دن گذر گئے اسی طرح پوری عمر کے دن لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس طرح عمر ختم ہو جاتی ہے۔

بعض علماء کے نزدیک آیت کا یہ مطلب ہے کہ کسی کی عمر میں بیشی یا کمی نہیں کی جاتی مگر اس کا اندراج (پہلے سے) لوح محفوظ میں ہوتا ہے مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر کتنے سال کی ہوگی پھر بعض نیکیوں کی وجہ سے اس کی عمر بڑھا دی جائے گی یا بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی عمر کم کر دی جائے گی یہ سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

زیادتی عمر کے اسباب

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ ابن ابی حاتم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کسی کی اجل آجانے کے بعد اسے مہلت نہیں ملتی، زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہونا ہے جس کی دعائیں اسے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں یہی زیادتی عمر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ
اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار
شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ
اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ
گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو ☆

غلبہ اسلام کے لطیف اشارے:

اوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آرہے ہیں اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں' یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگر چہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی۔ اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جواہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں" (تفسیر عثمانی)

مچھلی کا حکم اس آیت میں مچھلی کو گوشت کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مچھلی خود بخود حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، بخلاف دوسرے بری جانوروں کے کہ جب تک ان کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کر وہ حلال نہیں مچھلی میں یہ شرط نہیں اس لئے وہ بنا بنایا گوشت ہے۔

موتی کھاری اور میٹھے دونوں طرح کے پانی میں ہوتے ہیں:

حلیہ کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، آیت سے معلوم ہوا کہ موتی جس طرح دریائے شور میں پیدا ہوتے ہیں شیریں دریاؤں میں بھی ہوتے ہیں جو عام شہرت کے خلاف ہے، کیونکہ معروف و مشہور یہی بات ہے کہ موتی دریائے شور (سمندر) میں پیدا ہوتے ہیں۔

مردوں کیلئے موتیوں کا استعمال:

تَلْبَسُوْنَهَا میں صیغہ مذکر استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے بخلاف سونے چاندی کے کہ ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ (روح) (معارف حق اعظم)

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا
اور تو دیکھے جہازوں کو اس میں کہ چلتے ہیں پانی کو چیرتے

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
تاکہ تلاش کرو اسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو ☆

اللہ کا شکر ادا کرو

اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں، ان سے جو منافع حاصل ہوں یہ بھی اللہ کا فضل ہے ان تمام انعامات پر انسان کو چاہئے مالک کا شکر ادا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ
رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے
فِي الَّيْلِ ۚ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۚ
رات میں اور کام میں لگا رہا سورج اور چاند کو
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک ☆

اپنے وقت پر غلبہ ہوگا

یہ مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں' یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام، اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے دیر سویر نہیں ہوتی۔" حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مغرب کے فلاسفروں کا شوشہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں، فلاسفہ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

اگر فلاسفہ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لا محالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہئے حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانی مضطرب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کوروں کے پانی بھی پلٹ جاتے لہٰذا یہ کہنا

کہ کرۂ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
یہ اللہ ہے تمہارا رب اسی کیلئے بادشاہی ہے اور جس کو تم پکارتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۭ
اس کے سوائے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے ☆

خودساختہ خداؤں کی بے بسی:

یعنی جس کی صفات وشئون اوپر بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین وآسمان کا بادشاہ، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے، وہ مسکین مادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اس کے بھی مالک نہیں۔ (تفسیر جلالی)

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ
اگر تم ان کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر
سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ
سنیں بھی نہیں تمہارے کام پر
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ
اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے ☆

خودساختہ خدا بے کار ہیں:

یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کریں گے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہوں گے۔ (تفسیر جلالی)

انبیاء اور فرشتے مشرکین سے بیزار ہیں:

بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں، آگے فرمایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیونکہ ان کی خود قدرت نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۭ
اور کوئی نہ بتلائے گا تجھ کو جیسا بتلانے خبر رکھنے والا ☆

پکی سچی خبر:

یعنی اللہ سے زیادہ احوال کون جانے وہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائیگا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ اِلَى
اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف
اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝
اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا ☆

سب اللہ کے محتاج ہیں:

یعنی سب لوگ اسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں پس وہ ہی مستحق عبادت و استعانت کا ہوا۔ (تفسیر جلالی)

انسان سب سے زیادہ محتاج ہے

یعنی وجود، تواجح وجود، بقاء وجود، دور رخ سے نجات اور جنت کے ثواب میں تم ہمیشہ اللہ کے محتاج ہو، یوں تو ساری خلائق اللہ کی محتاج ہے لیکن انسان نے باوجود کمزور اور ظالم و جاہل ہونے کے بارِ امانت اپنے کندھوں پر اٹھایا اس لیے دوسری مخلوق کے مقابلہ میں یہ زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کی نسبت باقی مخلوق کی احتیاج درخور اعتنا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ
اگر چاہے تم کو لے جائے اور لے آئے ایک نئی خلقت
وَّمَا ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝
اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں ☆

اللہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لاسکتا ہے

یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت آباد کر دے جو ہمہ وجوہ اس کی فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں لیکن اس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ زمین پر یہ سب سلسلے چلتے ہیں اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تا اس طرح اس کی تمام صفات کا ظہور ہو۔ (تفسیر جلالی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَاِنْ تَدْعُ
اور نہ اٹھائیگا کوئی اٹھانیوالا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے

شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى
ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی ☆

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا نوحہ اپنے سر رکھے گا کہ اس کے گناہ اپنے اوپر لے اور نہ دوسرے کے پکارے پر اس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ہی سے بیڑا پار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ مسلمانوں کے گناہ یہود و نصاریٰ پر ڈالنے کا مطلب

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے قیامت کا دن ہوگا تو ہر مسلم کے سامنے ایک مشرک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ دوزخ سے (بچاؤ کیلئے) تیرا معاوضہ ہے۔

میرے نزدیک ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ امت اسلامیہ سے کافروں نے بعض گناہوں کی بنیاد ڈالی خود بھی ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور گناہ کرنے کا ایک طریقہ بھی ایجاد کر دیا آئندہ اقوام وافراد نے ان کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چل نکلے، مسلمان بھی ان میں سے بعض گناہوں میں آلودہ ہو گئے لیکن اللہ ان کی مغفرت فرمادے گا مسلمانوں پر یہ اللہ کی مہربانی ہو گی لیکن گناہ کی بنیاد ڈالنے اور طریقہ ایجاد کرنے والوں کو دہرا عذاب ہوگا خود گناہ کرنے کا اور گناہ کا طریقہ جاری کرنے کا، اس تشریح پر آیت کے لفظ فضع کا مراد ی مطلب بطور کنایہ یہ ہوگا کہ ہم کافر کو پوری پوری سزا دیں گے۔

قرابت ورشتہ کا واسطہ نہیں چلے گا

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا، اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے، ماپ بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے وہ کہے گا، ابا! آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے بھی ہے میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا، پھر بیوی کے پاس جائے گا اس سے کہے گا میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی بہت ہی اچھے، یہ کہے گا آج میں تیرا محتاج ہوں، مجھے ایک نیکی دے دے تا کہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں۔ جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
تو تو ڈر سنا دیتا ہے اُن کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے
بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز ☆

ڈرنے والے یعنی آپ کے ڈرانے سے وہی اپنا برا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں استوار رہتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ
اور جو کوئی ستھرا ہو گا تو یہی ہے کہ ستھرا ہو گا اپنے فائدہ کو
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ
اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا ☆

ہر کسی کا اپنا فائدہ ہے

یعنی آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہوگا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ
اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ
اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ
اور نہ سایہ اور نہ لُو
وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ
اور برابر نہیں جیتے اور نہ مُردے ☆

مؤمن اور کافر برابر نہیں

یعنی مؤمن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اُجالے اور وحی الٰہی کی روشنی میں نے بھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اور بام و ادھام کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مؤمن وہ کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصلی اور واقعی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدوں اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر مردہ سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ
اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا
مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾
جو ہیں پڑے ہوؤں کو تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے ☆

پیغمبر کی ذمہ داری

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو مُردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے کوئی مُردہ دل کافر ان کی بات نہ سنے تو یہ اسکے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی سب خلق برابر نہیں جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بیہودی آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے اور یہ جو فرمایا "نہ اندھیرا نہ اُجالا" یعنی نہ اندھیرا برابر اُجالے کے اور نہ اُجالا برابر اندھیرے کے (یہ "لا" کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو" حدیث میں آیا کہ مُردوں سے سلام علیک کرو۔ اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا" یہ بحث پہلے سورۂ "نمل" کے آخر میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا کام صرف دوزخ کا خوف دلانا ہے ہدایت یاب کرنے پر آپ کو قدرت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچ دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾
اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا ☆

ڈر سنانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو اس کی راہ کی طرف بلائے۔ اس کے متعلق سورۂ نمل کے چوتھے رکوع میں کچھ لکھا جا چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
ان سے پہلے تھے پہنچے ان کے پاس رسول ان کے لے کر کھلی باتیں
وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾
اور صحیفے اور روشن کتاب ☆

یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیے گئے بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾
پھر پکڑا میں نے منکروں کو سو کیسا ہوا انکار میرا ؟

یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
کیا تو نے دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۚ
پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے اُنکے رنگ ☆

عجیب قدرت کا مظاہرہ

یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ رنگ کے پھل پیدا کئے۔ ایک زمین ایک پانی اور ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ
اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾
طرح طرح کے انکے رنگ اور گہرے کالے ☆

قدرت کی نیرنگیاں یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید، کوئی کم، کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے، اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوّے کے پر کی طرح۔ (تفسیر عثمانی)

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا خدائے تعالیٰ رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے سرخ زرد اور سفید یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ
کتنے رنگ ہیں اسی طرح ☆

یہ ہے بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا، پس جس طرح نباتات، جمادات اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مومن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کر لیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے دی کہ لوگوں کے اختلاف سے غمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جو کچھ ہے،
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝
تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا ☆

اہل علم کی شان

یعنی بندوں میں ہر رنگ کی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی، مگر ڈرتے وہ ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈریگا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے دو زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشے"۔ پس دونوں حیثیت سے بندہ کو ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ نفع و ضرر دونوں اسی کے قبضہ میں ہوئے۔ تو جب چاہے نفع کو روک لے اور ضرر لاحق کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شیخ اجل شہاب الدین سہروردی نے لکھا ہے اس آیت میں درپردہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے دل میں خشیہ نہیں وہ عالم نہیں میں کہتا ہوں اللہ کی عظمت و جلالت اور صفات کمالیہ کو جاننا مستلزم خشیہ ہے خشیہ علم کے لیے لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ مجھ سے وہی ڈرتا ہے جس کو میرے قہر غلبہ اور سطوت کا علم ہو جو شخص جتنا زیادہ اللہ اور اس کی صفات کو جانتا ہے وہ اتنا ہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اللہ کا ڈر تھا

شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام کیے اور لوگوں کو اس کی اجازت دے دی لیکن بعض لوگوں نے ان کاموں سے پاک رہنا چاہا (یعنی جائز یا مناسب نہ سمجھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے پرہیز رکھتے ہیں جو میں کرتا ہوں، خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر اللہ سے ڈرتا ہوں۔

عالم کی فضیلت

دارمی نے بروایت مکحول مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے بہت، ہنستے کم۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ کامل خشیہ انبیاء کو ہوتا ہے اس کے بعد اولیاء کا درجہ ہے حقیقت شناس یہی ہوتے ہیں اس کے بعد درجہ بدرجہ علماء کا نمبر ہے۔ (تفسیر مظہری)

علماء کی تین قسمیں

مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عالم باللہ، عالم باامر اللہ، اور عالم باللہ و باامر اللہ، عالم باللہ عالم باامر اللہ نہیں اور عالم باامر اللہ عالم باللہ نہیں، ہاں عالم باللہ و باامر اللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور حدود فرائض کو جانتا ہو عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو لیکن حدود فرائض کو نہ جانتا ہو، عالم باامر اللہ وہ ہے جو حدود فرائض کو تو جانتا ہو لیکن دل اس کا خشیت خدا سے خالی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

عالم کون ہے اور علم کیا ہے۔

حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لیس العلم بکثرۃ الحدیث

ولکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ، "یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔"

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے، اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرت روایت اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جا سکتا بلکہ اس کو کتاب و سنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیۃ نہ ہو وہ عالم نہیں (مظہری) اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے،

حضرت ربیع بن انسؒ نے فرمایا

من لم یخش لیس بعالم "یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔"

اور مجاہدؒ نے فرمایا

انما العالم من خشی اللہ، "یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔"

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ افقہ کون ہے؟ تو فرمایا اتقاھم لربہ۔ "یعنی جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔"

ایک شبہ کا ازالہ

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف و خشیت نہیں، کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں، جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں، البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی یہ خشیۃ حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں فانی ہے جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے، خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کیلئے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل و اعلیٰ ہے ضروری نہیں۔ (از بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

علم کا مقصود

ع علمے کہ راہ حق نماید جہالتست

علم را بر دل زنی یارے بود — علم را بر تن زنی مارے بود

جاں حملہ علمہا ایں است ایں — کہ بذاتی من کیستم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیہ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے، جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے محض دواؤں کے نام اور ان کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پئے اور اس کو نشہ نہ ہو، اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقۃً علم دین کا ایک جام پئے اور اس پر دین کا نشہ اور سکر نہ آئے، عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم دین اس کے دل میں گھر کر گیا ہو محض باتیں بنانے اور لمبی تقریر کرنے سے اللہ کے نزدیک عالم نہیں ہو جاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرتا، حدیث میں ہے، اللھم انی اسالک من خشیتک ما تحول بہ بینی و بین معاصیک

معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہو جائے۔ (معارف کاندھلوی)

طلب علم کی فضیلت

جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابو درداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں، اس حدیث کو سننے کے لئے آیا ہوں، جو آپ بیان کیا کرتے ہیں پوچھا، کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا نہیں پوچھا، پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں، پوچھا پھر کیا حدیث کی طلب کیلئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں، فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو طے کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے باغوں میں چلائے گا، خدا کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کیلئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں عالم کیلئے آسمان و زمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تاروں پر، علماء نبیوں کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑے ان کا ورثہ علم دین ہے جس نے اسے لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابوداؤد، ترمذی، مہر، تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا
جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ اور سیدھی کرتے ہیں
الصَّلٰوۃَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً
نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ نماز دیا ہوا چھپے اور کھلے
یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ۝
امیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو ☆

ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے

یعنی جو اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے اور اس کی کتاب کو عقیدت کے

ساتھ پڑھتے ہیں نیز مدتی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے امیدوار ہیں جس میں خسارے اور نقصان کا کوئی احتمال نہیں، بلاشبہ جب عدا خود اس کے اعمال کا خریدار ہو تو اس امید میں یقیناً حق بجانب ہیں، نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہو سکتا، از سرتا پا نفع ہی نفع ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قربِ خداوندی کا ذریعہ

امام احمد بن حنبل نے حق جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا، تلاوت قرآن یعنی قرآن کا اور میرے کلام کا پڑھنا، عرض کیا، بفہم او بلا فہم، سمجھ کر یا بلا سمجھ کر، ارشاد ہوا بفہم او بلا فہم۔ یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو، دونوں طرح موجب قرب ہے۔ (معارف کاندھلوی)

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ
تاکہ پورا دے ان کو ثواب ان کا اور زیادہ دے
فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ
اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا قدرداں ☆

اللہ تعالیٰ قدردان ہے

یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سی طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضائع سے جو ثواب ملنا چاہئے بطور بخشش اُس سے زیادہ دینا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عبدالحی نے تخریج کی ہے کہ اس آیت کا نزول حصین بن حارث بن عبد المطلب بن عبد مناف کے متعلق ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ
اور جو ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب وہی ٹھیک ہے
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ
تصدیق کرنے والی اپنے سے اگلی کتابوں کی
إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ
بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا ☆

یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے ٹھیک موقع پر کتاب اُتاری۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یعنی اشیاء کی ظاہری حالت سے بھی واقف ہے اور اندرونی حقیقت سے بھی، اسی کو حق ہے کہ یہ کتاب آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجے اور اس کو معجزہ بنا دے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو ہم نے چنا
مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۖ وَمِنْهُمْ
بندوں سے، پھر کوئی ان میں برا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی اس میں سے
مُقْتَصِدٌ ۖ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ
بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا ہے لیکر خوبیاں اللہ کے حکم سے
ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ
یہی ہے بڑی بزرگی ☆

منتخب بندے۔ یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس اُمت کو بنایا جو بہیت مجموعی تمام اُمتوں سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں اُمت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یہ ظالم لنفسہٖ ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ اور ولی۔ (ان کو "مقتصد" فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ اور گناہ کے قریب سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ وہ جیسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مؤمن ہے تو بہرحال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائیگا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے یعنی آخرکار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھنے والے سب سے آگے بڑھے اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عباوت سے مراد ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنیوالے علماء امت، حضرت ابن عباس کے مزدیک پوری امت اسلامیہ مراد ہے، اللہ نے اس امت کو امت وسط بنایا اور تمام امتوں پر برتری عطا فرمائی ہے یہی سب لوگوں پر شہادت دینے والی ہے اور سید الانبیاء کو مبعوث فرما کر اس امت کو یہ شرف عنایت کیا۔

طوبیٰ لنا معشر الاسلام ان لنا من العنایت رکنا غیر منہدم

اے گروہ اہل اسلام ہمارے لئے خوشی ہو کہ ہمارا ایک مضبوط سہارا خدا کی عنایت سے جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لما دعی اللہ داعینا لطاعتہ بانکرم الرسل کنا اکرم الامم

جب اشرف المرسلین کے ذریعہ اللہ نے ہم کو اپنی اطاعت کے لیے، دعوت

دی تو ہم اشرف الامم ہو گئے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مقتصد وہ لوگ ہیں جو اکثر قرآن کے موافق عمل کرتے ہیں اور سابق بالخیرات وہ ہیں جو عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتے اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے ابوعثمان نہدی کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود حضرت عمرؓ سے سنا آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ہم میں کے جو سابق ہیں وہ تو آگے بڑھنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں ظالم ہیں ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب لوگ بمنزلہ ایک جماعت کے ہوں گے اور سب جنت میں جائیں گے فریابی نے حضرت مراء بن عازبؓ کا قول بیان کیا ہے حضرت براء نے آیت فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ الخ کی تشریح میں فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ان سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ابن ابی عاصم اور اصبہانی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو الگ کر کے فرمائے گا اے گروہ علماء میں نے تمہارے سامنے علم اس لئے رکھا تھا کہ میں تم کو جانتا تھا (تم کو جانے بغیر میں نے تم کو عالم نہیں بنایا تھا) اور نہ اپنا علم تمہارے اندر اس لیے رکھا کہ (علم دینے کے بعد) پھر تم کو عذاب دوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔

طبرانی نے ثقہ راویوں کے سلسلہ سے حضرت ثعلبہ بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب اپنی کرسی پر اپنے بندوں کے فیصلہ کیلئے بیٹھے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے تم کو اپنا علم اور حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ تمہاری مغفرت کرنی چاہتا تھا جو عمل بھی تم سے صادر ہوا (سب کو میں نے بخش دیا) اور مجھے پرواہ نہیں۔

عقبہ بن اصبہان کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے آیت اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کے متعلق دریافت کیا ام المومنین نے فرمایا میرے بیٹے یہ سب جنت میں جائیں گے سابق بالخیرات تو وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذر گئے حضور نے ان کیلئے جنت کی شہادت دے دی تھی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے نشان قدم پر چل کر آپ سے جا ملے اور ظالم لنفسہ مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں ام المومنین نے اپنے آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں تینوں قسمیں اگر اکابر امت اسلامیہ کی قرار دی جائیں تب بھی ممکن ہے یعنی تینوں اقسام اولیاء امت ہی کے مانے جائیں پہلی قسم ظالم لنفسہ کی سے یہ وہ گروہ ہے جو اپنے نفس کو لذتوں سے تو محروم کر ہی دیتا ہے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیتا ہے یہ اہل رہبانیت ہیں جو سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں اور یہ رہبانیت انہوں نے خود اپنا دل رکھی ہے دوسرا گروہ اہل اقتصاد کا ہے جو لذتوں (میں ڈوبنے) سے تو اپنے نفوس کو روکتا ہے لیکن حقوق نفوس ضرور دیتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے ناغہ بھی کرتا ہے تہمارہ بھی پڑھتا ہے سوتا بھی ہے نکاح بھی کرتا ہے اور جائز چیزیں کھاتا پیتا بھی ہے غرض پورے طور پر اتباع سنت کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم پر چلتا ہے یہاں تک کہ آپ سے جا ملتا ہے تیسرا گروہ سابق بالخیرات کا ہے جو کمالات نبوت میں ڈوبا ہوا ہے یہ گروہ صحابہ کا اور صدیقوں کا ہے حضرت عائشہ نے ظالم لنفسہ گروہ میں اپنے آپ کو تخصیص انکسار کے طور پر شامل کیا اور مخاطب جیسے لوگوں کو اس گروہ میں اس لیے شامل کیا کہ وہ لوگ سخت ریاضتیں کرنے والے تھے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث مبارکہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ تینوں قسمیں (جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے) اہل امت کی ہیں یا علماء کی میں اس تفصیل سے بعد بھی جو شخص کہتا ہے کہ مِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد کافر یا منافق ہیں اس کا قول واجب الرد اور ناقابل قبول ہے۔

امام ابویوسف سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سب مومنین ہیں رہے کفار تو انکی حالت اگلی آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ میں بیان فرمائی ہے تینوں طبقات مومنوں کے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان تینوں کی نسبت فرمایا کہ یہ سب اسی امت سے ہیں چوتھی حدیث میں ہے میری امت کے تین حصے ہیں، ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جائے والا دوسرا آسان حساب لیا جانے والا اور پھر بہشت نشین ہونے والا تیسری وہ جماعت ہوگی جس سے بار پرس تو ضرور ہوگی، لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے ہم نے انہیں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں اچھا انہیں میں سے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑ دو، جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں جو ہیں پر لاد دو، اسی کا اگلا آیت وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا اقرار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں پس ان میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ان کی مار پرس کی جائے گی۔ (ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا اسکی یا تو یہ وجہ ہے کہ دنیا میں ظالموں کی

کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اسی درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔ (معانی کاندھلوی)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جس میں اعلیٰ گروہ سابقین اولین کا تھا اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ و استغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے اور حلیۂ راشد کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو۔ (از ابن کثیر)

حدیث ابی الدرداءؓ

ابن جریر نے ابوثابت سے نقل کی ہے کہ وہ ایک روز مسجد میں گئے تو وہاں ابوالدرداء پہلے سے بیٹھے تھے، ابوثابت ان کی برابر جا کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے۔ "اللّٰھُمَّ انس وحشتی وارحم غربتی وبشرنی حلیتی صالحا۔" یعنی یا اللہ میری قلبی وحشت و پریشانی کو دور فرما، اور میری حالت مسافرت پر رحم فرما، اور مجھے کوئی جلیس (ہمنشین) صالح نصیب فرما دے۔" (یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف صالحین میں جلیس صالح کی طلب و تلاش کا کیا وجہ تھا کہ اس کو اہم مقصد اور سب پریشانیوں کا علاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے تھے) ابوالدرداء نے یہ دعا سنی تو فرمایا کہ اگر آپ اپنی اس دعاء وطلب میں سچے ہیں تو میں اس معاملہ میں آپ سے زیادہ حوش نصیب ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آپ جیسا جلیس صالح بے مانگے دیدیا) اور فرمایا کہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، مگر جب سے میں نے اس کو سنا ہے اب تک کسی سے بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کا ذکر فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا الآیۃ پھر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سابق بالخیرات ہیں وہ تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور جو مقتصد یعنی درمیانے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور ظالم یعنی اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں ان کو اس مقام میں سخت رنج و غم طاری ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا حکم ہو جائے گا اور سب رنج و غم دور ہو جائیں گے اسی کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ "یعنی وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ

باغ ہیں بسنے کے جس میں وہ جائیں گے وہاں ان کو

فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

گہنا پہنایا جائے گا کنگن سونے کے

وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ

اور موتی کے اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہے ☆

اہل جنت کے زیور

سونا اور ریشم مسلمان مردوں کیلئے وہاں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمیں (کپڑا) پہنے دنیا میں نہ پہنے آخرت میں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تلاوت کی پھر فرمایا ان کو تاج پہنائے جائیں گے جس کا ایک اونی موتی مشرق سے مغرب تک (پوری دنیا کو) روشن کر دینے کے لیے کافی ہو۔ کذا رواہ الترمذی والحاکم والبیہقی۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قرطبی نے لکھا ہے اہل تفسیر نے کہا ہے کہ کوئی جنتی ایسا نہ ہوگا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے (ہاتھ میں) زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضوء کا پانی پہنچا ہوگا۔ متفق علیہ۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ریشم اور دیبا کبھی نہ پہنو سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، یہ ان (کافروں) کیلئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں۔ رواہ الشیخان فی الجملہ۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اگر جنت کا کوئی کپڑا آج دنیا میں پھیلا دیا جائے تو جس کی نظر اس پر پڑے گی وہ بیہوش ہو جائے گا کسی کی نظر اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ

اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے

عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ

غم بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدردان ہے ☆

یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا گناہ بخشے اور از راہ قدردانی طاعت قبول فرمائی۔

مہاجرین کی فضیلت

حضرت صہیب راوی ہیں میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے مہاجرین آگے بڑھ جانے والے شفاعت کرنیوالے اور اپنے رب پر ناز کرنے والے ہوں گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے قیامت کے دن وہ اپنے اسلحہ کندھوں پر رکھے ہوئے آئیں گے اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے جنت کے دربان ان سے کہیں گے تم کون ہو وہ جواب دیں گے ہم مہاجر ہیں دربان کہیں گے کیا تمہارا حساب ہو چکا یہ سنتے ہی مہاجر دوزانو بیٹھ کر آسمان کی طرف (دعاء کیلئے) ہاتھ اٹھا کر کہیں گے اے ہمارے رب کیا اس کا ہم سے حساب ہوگا ہم تو گھر بار مال اور اولاد چھوڑ کر (تیری مرضی حاصل کرنے) نکلے تھے اللہ ان کے مارے سونے کے لگا دے گا جن میں زبرجد اور یاقوت جڑے ہوں گے پھر وہ ان بازوؤں سے اڑ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے یہ ہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ تک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جنت کے اندر اپنے گھروں کو زیادہ جانتے ہوں گے بہ نسبت دنیوی گھروں کی شناخت کے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ کہنے والوں کو نہ مرنے کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ صور پھونکے جانے پر لوگ سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ رواہ الطبرانی

حضرت ابن عباس نے فرمایا (حزن سے مراد ہے) دوزخ کا غم۔ (تفسیر مظہری)

دنیا غموں کا گھر ہے

دریں دنیا کسے بے غم نباشد ۔۔۔ وگر باشد بنی آدم نباشد

اس دنیا میں غموں اور فکروں سے کسی نیک یا بد کو نجات نہیں، اسی لئے اہل دانش دنیا کو دار الاحزان کہتے ہیں اس آیت میں جس غم کے دور کرنے کا ذکر ہے اس میں یہ دنیا کے غم بھی سب کے سب داخل ہیں، دوسرا غم و فکر قیامت اور حشر و نشر کا، تیسرا حساب و کتاب کا، چوتھا جہنم کے عذاب کا، اہل جنت سے اللہ تعالیٰ یہ سب غم دور فرما دیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِیْۤ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ
جس نے اتارا ہم کو آباد رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے
لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا لُغُوْبٌ
نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں رہنے کا گھر اس سے کوئی پہلے نہ تھا ہر جگہ چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر، اور رنج و مشقت، وہاں پہنچ کر سب کافور ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت راحت کا گھر ہے

بیہقی نے البعث میں اور ابن ابی حاتم نے بواسطہ نفیع بن حارث حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میٹھی) نیند سے اللہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو کیا جنت میں بھی نیند آئے گی فرمایا نہیں نیند تو موت کی شریک ہے (یعنی موت کا ایک حصہ ہے) اور جنت کے اندر موت نہیں ہوگی سائل نے عرض کیا پھر وہاں راحت کیسے ملے گی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ادبی کی معلوم ہوئی اور فرمایا وہاں کسی طرح کی تھکان ہی نہیں ہوگی، اہل جنت کا ہر کام تو سکھ ہی سکھ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰى
اور جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے
عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَ لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ
کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں
عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ
کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکرے کو

کفار کو دائمی عذاب ہوگا

نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ اسی سے تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہوگی ایسے ناشکروں کی ہمارے یہاں یہی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موت کی موت

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت کو چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ کو تو پھر موت کو لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ندا دے گا اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں اے دوزخ والو (آئندہ) موت نہیں یہ سن کر جنتیوں کو مسرت بالا مسرت ہوگی اور دوزخیوں کو غم بالائے غم۔

وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ یعنی پل بھر کیلئے بھی عذاب جہنم میں کمی نہیں کی جائے گی بلکہ جب دوزخیوں کی کھالیں پک جائیں گی تو دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور جب آگ بجھنے لگے گی تو اور بھڑکا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

نہ چین نہ موت

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو ابدی جہنمی ہیں انہیں وہاں موت نہیں آئے گی اور نہ اچھائی کی زندگی ملے گی وہ تو کہیں گے اے داروغہ جہنم تم ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے پس وہ تو موت کو اپنے لئے راحت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی نہیں، نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
اور وہ چلائیں اس میں اے رب ہم کو نکال
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ
کہ ہم کچھ بھلا کام کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے ☆

ناکام حسرت یعنی اس وقت تو اسی کو بھلا سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے ورا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ
کیا ہم نے عمر دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس
النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝
ڈرانے والا اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار ☆

کوئی عذر کام نہ دے گا

یہ جواب دوزخیوں کو دیا جائے گا یعنی ہم نے تم کو عقل دی تھی جس سے سمجھتے اور کافی عمر دی جس میں سوچنا چاہتے تو سب نیک و بد سوچ سمجھ کر راستہ اختیار کر سکتے تھے حتیٰ کہ تم میں کے سمت سے تو ساٹھ ستر برس دنیا میں زندہ رہ کر مرے پھر اوپر سے ایسے اشخاص اور حالات بھیجے جو برے انجام سے ڈراتے اور خواب غفلت سے بیدار کرتے رہیں کیا اس کے بعد بھی کوئی عذر باقی رہا اب پڑے عذاب کا مزہ چکھتے رہو اور کسی طرف سے مدد کی توقع نہ رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

ساٹھ سال کی عمر اور سفید بال سامان عبرت و نصیحت ہیں

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دے تو پھر اس کی طرف سے کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ (رواہ البخاری)

ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے مسند میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) میری امت کی عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ستر سے آگے بڑھنے والے بہت کم ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ ساٹھ سال سے پہلے گناہ کرنے کا عذر قابل قبول ہوگا کیونکہ بالغ ہونے کے بعد ہی آدمی مکلف ہو جاتا ہے اور غور و تامل کر کے نصیحت پکڑنے کا اس کو موقع ہوتا ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ اور امام جعفر باقر سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں، کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو اس کی ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ قول بھی پہلے قول سے متعارض نہیں کہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں اور انبیاء و علماء بھی۔ (معارف ملتی اعظم)

گناہ چھوڑنے کی ترکیب

معاصی دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے داڑھی منڈانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، شیخی مارنا، ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا، اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کر دینا چاہئے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج۔ کذا فی شام خورشید ص ۳۴ وعظ نمبر ۱۱۴۸ از مواعظ تبلیغ۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
اللہ بھید جانے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ☆

اللہ تعالیٰ غیب دان ہیں

یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر ایسی خطا نہ کریں گے وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آ سکتے ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے۔ "وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ" (انعام۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ
وہی ہے جس نے کیا تم کو قائم مقام زمین میں ☆

خلافت کا حق ادا کرو یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی چاہے اب اس کا حق ادا کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ
پھر جو کوئی ناشکری کرے تو اس پر پڑے اس کی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا
ان کے انکار سے ان کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور
يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾
منکروں کو نہ بڑھے گا ان کے انکار سے مگر نقصان ☆

تمہاری ناشکری سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

یعنی کفر و ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اس کا کچھ نقصان نہیں وہ ہمارے حمد و شکر سے مستغنی ہیں البتہ ناشکری کرنے والے پر اس کے فعل کا وبال پڑتا ہے کفر کا انجام بجز اسکے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان و خسران میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قُلْ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَكُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو
دُونِ اللَّهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ
اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے
الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ
زمین میں یا کچھ ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں ☆

عقل سے کام لو

یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا یا آسمانوں کو بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے، اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے، کچھ تو عقل سے کام لو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ
یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو وہ سند رکھتے ہیں اس کی پر

کوئی دلیل لاؤ

یعنی عقلی نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو، جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعوی کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

بَلْ إِنْ يَعِدُ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ
کوئی نہیں پر جو وعدہ بتاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو
بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾
سب فریب ہے ☆

شیطان کے دھوکہ میں مبتلا ہو

یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغواء سے یہ وعدہ نباہتے چلے آئے کہ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اسکا قرب عطا کرینگے حالانکہ یہ سراسر دھوکا اور فریب ہے یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلا سکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو
أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا
کہ ٹل جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو
مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ
اس کے سوائے ☆

کائنات کا بانی جب چاہے اسے توڑ بھی سکتا ہے

یعنی اسی کی قدرت کاملہ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے ادھر ادھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم کرے گا کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمَاوَاتِ، آسمانوں کو روکنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت بند کردی بلکہ مراد اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا ہے، جیسا کہ لفظ ان تزولا اس پر شاہد ہے اس لئے اس آیت میں آسمان کے متحرک یا ساکن ہونے میں سے کسی جانب پر کوئی دلیل نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

روایت میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو تین راتیں تو اس طرح گذار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بالفرض اگر مجھ پر نیند اور اونگھ آتی تو شیشہ کی طرح یہ آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ تفسیر عزیزی ص ۲۴۳ (معارف مفتی اعظم)

حرکت آسمان و زمین جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین، روح المعانی ص ۱۸۸ قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے قائل نہیں اور زمین کو آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین اپنی روشنی کے باوجود اور حدوث میں بھی

آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین سے واپس لے لیتا ہے معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداءً اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۱﴾
وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ☆

اللہ تعالیٰ کی بُردباری اور بخشش

یعنی لوگوں کے کفر و عصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ و بالا کر دیا جائے لیکن اُس کے تحمل و بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حلم ہی کی وجہ سے اس نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور فوری عذاب میں گرفتار نہیں کیا اور مغفرت ہی کے سبب مسلمانوں کے قصوروں کو وہ معاف کرتا رہتا ہے اگر اس کی طرف سے کافروں کو مہلت نہ ملتی اور مسلمانوں کو مغفرت حاصل نہ ہوتی تو وہ آسمانوں کو اور زمین کو تھامے نہ رہتا نتیجہ میں آسمان ان پر اوپر سے ٹوٹ پڑتے اور زمین ان کو لے کر دھنس جاتی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ
اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر
جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ
آئیگا اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا البتہ بہتر راہ چلیں گے
اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ
ہر ایک امت سے پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہو گیا
اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۲﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ وَمَكْرَ
اُن کا بدکنا غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا
السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ ۚ
برے کام کا اور برائی کا داؤ اُلٹے گا انہی داؤں والوں پر ☆

مشرکین کی فریب کاریاں

عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت و رفاقت کر کے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور و تکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت و اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہو گئے اور طرح طرح کی مکروہ تدبیریں اور داؤ گھات شروع کر دیئے مگر یاد رہے کہ برا داؤ خود داؤ کرنے والوں پر اُلٹے گا۔ گو چند روز عارضی طور پر اپنے دل میں خوش ہو لیں کہ ہم نے تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچا دیا، لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ واقع میں نقصان عظیم کس کو اٹھانا پڑا۔ فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا تو آخرت میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ
پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کا دستور
اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿۴۳﴾
بدلتا اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا ☆

تعزیر و سزا کا الٰہی قانون ٹلنے والا نہیں ہے

یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گزشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا ان کے ساتھ بھی ہو۔ سو مار نہ آئے تو وہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے، نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سر اٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھ لیں کیسا ہوا
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ
انجام اُن لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے اور تھے اُن سے بہت سخت زور میں
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ
اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکاتے کوئی چیز آسمانوں میں
وَلَا فِي الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾
اور نہ زمین میں اور نہ وہی ہے سب کچھ جانتا کر سکتا ☆

اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں

یعنی بڑے بڑے زور آور مدعی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اسکی کامل۔ پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آیات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ کافروں کی جڑ اکھاڑ دینے کا اللہ کا مقرر و ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ ناقابل تغیر ہے اسی ضابطہ کے مطابق گذشتہ کافروں کو تباہ کر دیا گیا باوجود یہ کہ وہ بڑے طاقتور تھے مگر ان کی طاقت ان کو فائدہ نہ پہنچا سکی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا
اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی اُن کی کمائی پر
مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ
نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی چلنے پھرنے والا ☆

حکمت الٰہی یعنی لوگ جو گناہ کماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے، نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیئے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادۃً بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اٹھا لئے جائیں۔ کیونکہ نظام عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کا ہے کے لئے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم کی ہستی تو اسی حضرت انسان کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

(یعنی قیامت) تک ان کو مہلت دے رہا ہے ورنہ جاندار جو زمین پر چلتے ہیں یعنی کسی گناہ گار متنفس کو نہ چھوڑتا یہ مطلب کہ ان کافروں کی بداعمالی کی نحوست سب رندہ جانوروں پر پڑتی اور اللہ سب کو تباہ کر دیتا۔ اجل مسمّٰی سے مراد ہے موت یا قیامت۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ
پر اُن کو ڈھیل دیتا ہے ایک مقرر وعدہ تک پھر جب آئے
اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝
اُن کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اُس کے سب بندے ☆

وقت آنے دو سب کو پتہ لگ جائے گا

یعنی ایک مقرر میعاد اور حد معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت عود آ جائیگا تو یاد رکھو سب بندے اسکی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اسکے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرماوے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے "اللھم اجعلنا ممن یطیعک واغفرلنا ذنوبنا انک انت الغفور الرحیم" تم سورۃ فاطر مفضل اللہ ورحمتہ (تفسیر عثمانیؒ)

سورۃ یٰس

جس میں اس کو خواب میں پڑھا۔ دلیل ہے کہ اُس کی عاقبت بالخیر ہوگی۔ (ملا محمد سیرین رحمہ اللہ)

سبب نزول

یٰسٓ ابو نعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (کعبہ) میں اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے قریش کے کچھ لوگوں کو اس سے دکھ ہوتا تھا (ایک روز) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنے کیلئے وہ لوگ اٹھے لیکن قوا گرفتوں سے ان کے ہاتھ بندھ گئے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا مجبور ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دے کر دعا کرنے کی درخواست کی، قریش کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری اس سے نہ ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور وہ مصیبت اللہ نے ان کی دور کر دی، اس پر یٰسین سے لایبصرون تک آیات نازل ہوئیں۔

سورۂ یٰسین کے فضائل

حضرت ابوبکرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ یٰسین کو توریت میں معمہ کہا گیا ہے کیونکہ جو اپنے پڑھنے والے کو دونوں جہاں کی بھلائی عموماً عطا کرتی اور دنیا و آخرت کے دکھ کو دور کرتی ہے اس کا نام واقعہ اور قاضیہ بھی ہے جو اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی کو دفع کرتی اور اس کی ہر ضرورت پوری کرتی ہے جو اس کو پڑھے گا اس کو بیس حج کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو سنے گا اس کو راہ خدا میں ہزار دینار صرف کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو لکھے گا اس کے سینہ کے اندر ہزار دوائیں اور ہزار نور اور ہزار یقین اور ہزار نیکیاں اور ہزار حسنیں داخل کر دی جائیں گی اور ہزار کینے اور مرض اس کے اندر سے نکال دیے جائیں گے یہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ کی قبروں پر یا دونوں میں سے ایک کی قبر پر جا کر سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ اس سورت کے ہر حرف کی تعداد کے برابر اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے اُسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اُسے بھی بخش دیا جاتا ہے اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں۔

بعض علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے آسان کر دیتا ہے مرنے والے

کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور رُوح آسانی سے نکلتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ مشائخ نے بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورۂ یٰسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔ بزار میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسین قلب القرآن، یعنی سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے، اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو خالص اللہ اور آخرت کیلئے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وغیرہم کذا فی الروح والمظہری)

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ سورۂ یٰسینؓ کو قلب قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورۃ میں قیامت اور حشر و نشر کے مضامین خالص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ آئے ہیں اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوف آخرت ہی انسان کو عمل صالح کیلئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف ہے (روح) اور اس سورۃ کا نام جیسا سورۂ یٰسین معروف ہے اسی طرح ایک حدیث میں اسکا نام عظیمہ بھی آیا ہے (اخرجہ ابونصر السجزی عن عائشہؓ) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام تورات میں معمہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کیلئے دنیا و آخرت کی خیرات و برکات عام کرنے والی، اور اس کے پڑھنے والے کا نام شریف آیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں سے زیادہ کیلئے قبول ہوگی۔ (رواہ سعید بن منصور والبیہقی عن حسان بن عطیہ) اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں کو دفع کرنے والی اور بعض میں اس کا نام قاضیہ بھی مذکور ہے، یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسینؓ پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے (رواہ الدیلمی وابن حبان مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یٰسینؓ کو اپنی حاجت کے لئے پڑھے تو اسکی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (اخرجہ المحاملی فی امالیہ مظہری)

اور یحییٰ بن کثیر نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورۂ یٰسینؓ پڑھ لے وہ شام تک خوشی اور آرام سے رہے گا اور جو شام کو پڑھ لے تو صبح تک خوشی میں رہے گا، اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتلائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ (اخرجہ ابن الفریس مظہری) (معارف سنتی عظیم)

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے گا صبح ہوگی تو اس کی مغفرت ہو چکی ہو گی۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ بسند ضعیف

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورۂ یٰسین ایک بار پڑھی اس نے گویا دس بار قرآن پڑھا، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

حضرت معقل بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے اس لیے اپنے مرنے والوں کے پاس اس کو پڑھا کرو، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص ہر رات یٰسین پڑھنے کی پابندی کرے گا پھر مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

دارمی اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کو بخش دیا جائیگا۔

دیلمی اور ابوالشیخ بن حبان نے فضائل میں حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جس مرنے والے کے پاس یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ اس کیلئے (موت کی) آسانی کر دیتا ہے۔

محاملی نے امالی میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص یٰسین کو اپنی حاجت کا پیش رو بنائے گا اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی، دارمی کے نزدیک اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو مرسلاً مروی ہے۔

مستدرک میں حضرت امام ابوجعفر محمد بن امام زین العابدین کا قول مذکور ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کچھ سختی محسوس کرے اس کو چاہیے کہ ایک پیالہ میں زعفران سے یٰسین لکھ کر پی لے ابن الفریس نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دیوانہ پر سورۂ یٰسین پڑھے گا دیوانہ اچھا ہو جائے گا یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے کہ جو شخص صبح شام کو یٰسین پڑھے گا (دن بھر) شام تک خوشی میں رہے گا اور جو شخص شام کو یٰسین پڑھے گا صبح تک خوشی میں رہے گا تجربہ کرنے والوں کا یہی بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن جبیرؓ کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے، روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ان دو عظیم الشان حرفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔

یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے

امام مالکؒ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے، اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے خالق، رزاق، وغیرہ البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط میں لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے کیونکہ

قرآن کریم میں آیا ہے سلام علیٰ آل یاسین (معارف مفتی اعظم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ
قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے
الْمُرْسَلِيْنَ ۙ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ
سووں میں سے اوپر سیدھی راہ کے ☆

اعجاز قرآن کی گواہی

یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پر حکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی امی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک و شبہ سیدھی راہ پر ہے اس کی پیروی کرنیوالوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت و رسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۙ
اتارا زبردست رحم والے نے ☆

اللہ تعالیٰ زبردست بھی ہے مہربان بھی۔

یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش و بخشش سے مالا مال کر دے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف و مہر کا اور بعض شان غضب و قہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝
تاکہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈرا نہیں سا ان کے باپ دادوں نے سو ان کو خبر نہیں
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔
ثابت ہو چکی ہے بات ان میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بہت مشکل کام لگایا گیا ہے

یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہشیار و بیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا، وہ جاہل و غافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر نہ مبداء پر نظر نہ منتہاء پر نہ نیک و بد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اس کو اتنی ممتد جہالت و غفلت کی اندھیریوں سے نکال کر رشد و ہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے، بلا شبہ آپ پوری قوت اور زور و شور کے ساتھ ان کو اس غفلت و جہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح و بہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم کیلئے کامیابی کا دروازہ کھول دے لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں اسی لئے ان پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو ان کی حماقتوں اور شرارتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے، آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں اس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات "لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" (تجھ سے اور تیرے پیروؤں سے دوزخ کو بھر دونگا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور لاپرواہی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہونگے ایسے لوگوں کے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے پس آپ کو سلسلہ انذار و صلاح میں اگر ایسے ہمت شکن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول و غمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کئے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں تقریر بالا کو سمجھنے کیلئے یہ آیات پیش نظر رکھیے۔ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" (زخرف رکوع ۴) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار شیطان مسلط ہو جائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے قال تعالیٰ "فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" (الصف رکوع ۱) "وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ" (انعام۔ رکوع ۱۳) (پ) "وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ" (حم السجدۃ رکوع ۳) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ "حق علیہم القول" ہے (ج) وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ مِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

مِنْهُمَآ ۖ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ (الاحقاف۔ رکوع ۲) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ "حق القول" ان لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کسی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں کیسے ہی معقول دلائل سنائیے اور کھلے کھلے نشان دکھلائیے سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں محض ہوا وہوس کو اپنا معبود ٹھہرا لیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض وعناد کے نتیجہ میں آخرکار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی ذرا گنجائش نہیں رہتی جیسے کوئی شخص اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھالے، طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بدپرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا اور مایوسی کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے فرماتے ہیں۔ "تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۲)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس۔ رکوع ۸) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (روم۔ رکوع ۶)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن۔ رکوع ۴) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۚ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (محمد۔ رکوع ۲) بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء۔ رکوع ۲۲) كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین رکوع ۱) اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (الجاثیہ۔ رکوع ۳) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف۔ رکوع ۲۲)

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔـا ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ

(... ... رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

مَّآ اُنْذِرَ میں مانافیہ ہے حضرت اسماعیلؑ کے بعد مکہ میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا مکہ والوں کو پیغمبر کی ضرورت بہت زیادہ تھی اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں کے آباء واجداد کے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا (اور ان کو پیغمبر کی ضرورت سخت تھی اس لیے) آپ کو ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ
ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں
اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧
ٹھوڑیوں تک پھر ان کے سر اُلل رہے ہیں

سرمایہ پرستی وجہالت کے طوق

بیان ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گذشتہ فائدہ میں ہوا یہ طوق عادات ورسوم حب جاہ ومال اور تقلید آباء واجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبا رکھے تھے اور نخوت وتکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا تو ایسا ایسا کروں گا اس پر مذکورہ آیت ابوجہل کے حق میں لا یبصرون تک نازل ہوئی۔ چنانچہ لوگ ابوجہل سے کہتے تھے یہ محمد موجود ہیں (اب تم جو کہتے تھے وہ کر دکھاؤ) تو ابوجہل کہتا تھا کہاں ہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابوجہل اور اس کے ایک مخزومی ساتھی کے حق میں ہوا ابوجہل نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نے جہاں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا پتھر سے ان کا سر کچل دوں گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں اس نے دیکھ لیا اس کے پاس ہی پتھر بھی پڑا ہوا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مارنے کیلئے پتھر اٹھانا چاہا فوراً ہاتھ گردن سے چمٹ گیا اور پتھر چھوٹ کر ہاتھ پر گر پڑا ابوجہل فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر آیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا اور بیان کرتے ہی کر پڑا مخزومی شخص بولا اب میں جا کر اسی پتھر سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا چنانچہ پتھر مارنے کیلئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے اللہ نے اس کو اندھا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو اس کو سنائی دیتی تھی مگر آنکھوں سے کچھ نہیں دکھتا تھا وہ بھی اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا لیکن ساتھیوں میں سے بھی وہ کسی کو دیکھ نہ سکا لوگوں نے اس کو آواز دی اور کہا تو نے کیا کیا مخزومی نے کہا مجھے تو وہ نظر ہی نہیں آئے ہاں ان کی آواز میں نے ضرور سنی مگر میرے اور ان کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل تھی جیسے کوئی پراونٹ ہو جو (حملہ کرنے کیلئے) دم ہلا رہا ہو اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا اس پر آیت اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا نازل ہوئی۔

فَهِیَ اِلَی الْاَذْقَانِ یعنی گلے میں پڑے ہوئے طوق ٹھوڑیوں تک ہیں جن کی وجہ سے وہ گردن جھکا نہیں سکتے بغوی نے لکھا ہے اغلال سے بطور کنایہ ہاتھ مراد ہیں اگرچہ ہاتھوں کا ذکر پہلے نہیں آیا ہے کیونکہ غل کا معنی ہے ہاتھوں کو گردن سے باندھ دینا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو گردن سے ملا کر ہم نے ٹھوڑیوں تک طوق کو کس دیا ہے۔

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ یعنی ٹھوڑیوں تک طوق ہونے کی وجہ سے ان کی گردنیں اوپر کو اچکی ہوئی ہیں آنکھیں بند ہو گئی ہیں کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتیں۔

بیہقی نے دلائل میں بطریق سدی صغیر از کلبی از ابو صالح۔ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں ان مشورہ کرنے والوں میں ابو جہل اور ولید بن مغیرہ بھی شامل تھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور یہ لوگ آپ کی قرآن کی آواز سن رہے تھے ساتھیوں کے مشورہ کے مطابق ولید بن مغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادہ سے چل دیا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ گیا لیکن آواز سننے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر نہیں آئے، واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو یہ بات بتا دی یہ سنتے ہی دوسرے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ بھی گئے اور قرأت کی آواز بھی سنتے رہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئے آواز کی طرف بڑھتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی، پیچھے کی طرف آواز کی جانب آتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی آخر ناکام لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا یہی مطلب ہے آئندہ آیت کا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ
اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار، اور پیچھے دیوار
خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ۝
پھر اوپر سے ڈھانک دیا، سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا ۝

عداوت و جہالت کی دیوار

نبی کی عداوت نے انکے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم و اطوار اور ہوا و آرائے فاسدہ کی اندھیریوں میں اس طرح بند تھے کہ آگا پیچھا اور نشیب و فراز کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر، باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ خالق خیر و شر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسا کہ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ "میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا کیونکہ سر اوپر کو اٹل رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
اور برابر ہے ان کو تو ڈرائے
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝
یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے ۝

یہ نصیحت کے لائق نہیں مگر آپ نصیحت کرتے رہیں

انکو برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں، بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورۂ "بقرہ" کے اوائل میں گزر چکی ہیں۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ
تو تو ڈر سنائے اس کو جو چلے سمجھانے پر اور ڈرے رحمن سے
بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ
بے دیکھے سو اس کو خوش خبری دے معافی کی اور عزت کے ثواب کی ۝

یہ نفع مندی کی صفات سے خالی ہیں

یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت کو مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پرواہ وہ نبی کی تنبیہ و تذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت و عزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہونگے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ فریقین کی اس عزت و ذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الذکر (نصیحت) سے مراد قرآن ہے قرآن کا اتباع کرنے سے مراد ہے اس کے مطلب پر غور کرنا اور اس کی تعلیم کے بموجب عمل کرنا۔

"رحمٰن" کہنے کا نکتہ:

الجبار المتکبر کی بجائے الرحمٰن فرمایا حالانکہ رحمٰن سے ڈرنے کا کوئی تعلق نہیں۔ خوف تو قہار کے قہر اور جبار و متکبر کے انتقام کا ہونا چاہیے کیوں کہ رحمٰن کی صفت رحمت جانتے ہوئے پھر اس سے ڈرنا یا شبہ کا انتہائی درجہ ہے اور عین ایمان ہے (رحمٰن کی رحمت کو جاننا اور پھر اس سے خوف کرنا) کمال ایمان ہے خوف و امید کے درمیان ہی ایمان ہوتا ہے۔

بِالْغَيْبِ ۔ یعنی بن دیکھے عذاب سے ڈرتا ہے یا تنہائی میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

بِمَغْفِرَةٍ ۔ یعنی گناہوں کی معافی کی بشارت دے دیجئے۔

كَرِيمٍ ۔ اعلیٰ عمدہ اجر یعنی جنت۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ

ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مُردوں کو ☆

ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں:

یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کیے کا بدلہ پائینگے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مردہ ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنیوالی نسلوں کیلئے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قبروں سے اٹھانے کے وقت ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ جہالت اور گمراہی (جو حقیقت میں موت ہیں) کے بعد ہم علم اور ہدایت (جو حقیقت میں زندگی ہیں) دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ

اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے ☆

سب عمل محفوظ ہیں:

یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھلایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں مگر الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لئے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔ "دیارکم تکتب آثارکم" (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد والوں نے عمل کیا تو اس شخص کو اپنے کیے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے برابر بھی جو اس کے جاری کردہ طریقے پر چلے مگر بعد کو اس طریقہ پر چلنے والوں کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد کو آنے والے لوگ چلے تو ایجاد کرنے والے پر اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد کو عمل کرنے والوں کا بھی لیکن بعد کو عمل کرنیوالوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ رواہ مسلم من حدیث جریر۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں سب سے بڑا اجر اس شخص کیلئے ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے پھر اس کے بعد اس شخص کا اجر ہوتا ہے جو (اوروں سے) زیادہ دور سے آئے اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں رہتا ہے اس کو ثواب اس شخص سے بڑھ کر ملتا ہے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

قدموں کے نشان بھی لکھے جاتے ہیں

حضرت جابرؓ کا بیان ہے مسجد کے گرد و کچھ ترین کے قطعے خالی پڑے تھے بنی سلمہ کا ارادہ ہوا کہ (اپنے محلے سے) منتقل ہو کر مسجد کے قریب آبسیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ منتقل ہو کر مسجد کے قریب آجاؤ، بنی سلمہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا ایسی ارادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریرؒ میں حضرت ثابتؒ سے روایت ہے کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ نماز کیلئے مسجد کی طرف چلا میں جلدی جلدی بڑے قدموں سے چلے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ بلکہ بلکے قدموں سے لے چلے لگے جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میں (حضرت) زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد کو جا رہا تھا اور میرا قدم جلد جلد پڑ رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ

اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں ☆

لوح محفوظ یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور درلکھنا بھی محض انتظامی ضوابط و مصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود و حاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہے امام مبین

سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ

اور بیان کر ان کے واسطے ایک مثل اس گاؤں کے لوگوں کی

انطاکیہ والوں کا قصہ

یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر "انطاکیہ" ہے اور بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی مانی پڑے گی واللہ اعلم، اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کیلئے عبرت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عیسیٰؑ کا دو قاصدوں کو روانہ کرنا

بغوی نے لکھا ہے علماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو حواری قاصد بنا کر انطاکیہ شہر کو بھیجے یہ دونوں جب شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی بکریاں چراتا ملا (یہ شخص حبیب تھا جو حضرت عیسیٰؑ کا صحابی ہوا) دونوں نے اس کو سلام کیا بوڑھے نے کہا تم کون ہو قاصدوں نے کہا اللہ کا رسول تم کو بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے بوڑھے نے کہا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے قاصدوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے حکم سے بیمار کو تندرست اور مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو بھلا چنگا کر دیتے ہیں بوڑھے نے کہا میرا ایک بیٹا ہے جو دو سال سے بیمار ہے، قاصدوں نے کہا تو چلو ہم کو وہاں لے چلو ہم بھی اس کی حالت دیکھیں، بوڑھا دونوں کو لے کر اپنے گھر پہنچا قاصدوں نے اس کے بیٹے پر جو نبی ہاتھ پھیرا وہ اللہ کے حکم سے (تندرست ہو کر) اٹھ کھڑا ہوا یہ خبر شہر میں پھیل گئی اور ان کے ہاتھ سے اللہ نے بہت مریضوں کو شفاء عطا فرمادی۔

انطاکیہ کا بادشاہ　انطاکیہ والوں کا ایک بادشاہ تھا وہب نے اس کا نام اطلس کہا ہے یہ بادشاہ رومی تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا جب اس کو یہ اطلاع ملی تو اس نے دونوں قاصدوں کو طلب کیا دونوں حضرات اس کے پاس پہنچ گئے بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو قاصدوں نے کہا ہم عیسیٰؑ کے قاصد ہیں، بادشاہ نے کہا کس غرض سے آئے ہو قاصدوں نے کہا ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ایسے (بتوں کی) جو نہ کچھ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں پوجا چھوڑ کر ایسی ذات کی عبادت کی طرف آجاؤ جو سنتا اور دیکھتا ہے بادشاہ نے کہا کیا تمہارا کوئی خدا ہمارے معبودوں سے علاوہ ہے قاصدوں نے کہا ہاں جس نے آپ کو اور آپ کے معبودوں کو پیدا کیا ہے (وہی ہمارا معبود ہے) بادشاہ نے کہا اچھا اب تو اٹھ جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کروں گا قاصد اٹھ آئے پھر لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور بازار میں پکڑ کر دونوں کو مارا۔

قاصدوں کا قید ہونا اور کوڑوں کی سزا پانا

وہب کا بیان ہے کہ بادشاہ نے غضبناک ہو کر دونوں کو قید کر دینے اور سو سو کوڑے مارنے کا حکم دے دیا۔

شمعون کا مدد کیلئے جانا

اہل تاریخ نے لکھا ہے جب ان دونوں قاصدوں کی تکذیب کی گئی اور مارا گیا تو حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کے سردار شمعون صفار کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لئے بھیجا، شمعون بستی میں حلیہ بدل کر پہنچے اور بادشاہ کے مصاحبوں سے ربط ضبط پیدا کیا جب بادشاہ کے مصاحب ان سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے ان کی اطلاع بادشاہ تک پہنچا دی بادشاہ نے طلب کر لیا شمعون دربار میں حاضر ہو گئے بادشاہ نے ان کی صحبت کو پسند کر لیا اور مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کی۔

شمعون کی قیدیوں کے بارے میں بادشاہ سے گفتگو

کچھ مدت کے بعد ایک روز شمعون نے بادشاہ سے کہا کہ آپ نے دو آدمیوں کو قید خانہ میں بند کر رکھا ہے اور [illegible] آپ کے مذہب کے خلاف دعوت دی تو آپ نے ان [illegible] یا آپ نے ان سے کچھ گفتگو بھی کی تھی اور ان کی بات بھی سنی ہے بادشاہ نے کہا مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں ان سے کوئی بات نہ کر سکا شمعون نے کہا اگر بادشاہ مناسب سمجھے تو ان کو طلب فرما کر دریافت کرے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔

بادشاہ کے سامنے قیدیوں کے بیانات

شمعون کے مشورہ کے موافق بادشاہ نے دونوں حواریوں کو طلب کیا شمعون نے ان دونوں سے دریافت کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے قاصدوں نے جواب دیا "اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔" شمعون نے کہا اللہ کے مختصر اوصاف بیان کرو، قاصدوں نے کہا "وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسی اس کی مشیت ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔" شمعون نے کہا تم دونوں کے پاس نشانی کیا ہے قاصدوں نے کہا جو آپ طلب کریں۔

اندھے کا بینا ہونا

یہ سنتے ہی بادشاہ نے ایک لڑکے کو منگوایا جس کی دونوں آنکھوں کے نشان بھی مٹے ہوئے تھے دونوں آنکھوں کی جگہ ایسی سپاٹ تھی جیسے پیشانی دونوں حواریوں نے اپنے رب سے دعاء کرنی شروع کی اور برابر کرتے رہے آخر دونوں آنکھوں کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے دو ڈھیلے فوراً لے کر آنکھوں کے پیالوں میں رکھ دیئے فوراً دونوں ڈھیلے آنکھوں کی ڈیلوں کی طرح ہو گئے

اور دونوں سے دکھائی دینے لگا بادشاہ کو (بڑا) تعجب ہوا۔

حقیقت کا اعتراف

شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبود سے درخواست کریں اور وہ بھی ایسا ہی کر دے تو آپ کو برتری حاصل ہو جائے گی بادشاہ نے کہا تم سے کچھ چھپی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے (وہ کچھ نہیں کر سکتا) شمعون کا قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ جب بتوں کی پوجا کرنے جاتا تو شمعون بکمرت نماز پڑھتا اور (اللہ کے سامنے) گڑگڑاتا تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب پر ہے۔

مُردہ کا زندہ ہونا۔

اس کے بعد بادشاہ نے دونوں حواریوں سے کہا اگر تمہارا خدا جس کی تم پوجا کرتے ہو مردہ کو زندہ کر سکے تو ہم اس کو مان لیں گے حواریوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے بادشاہ نے کہا ایک زمیندار کا بچہ سات روز ہوئے مر گیا تھا اس کا باپ موجود نہ تھا ہم نے اس کے باپ کے آنے تک اسکو دفن کرنے سے روک دیا تھا (اس کو تمہارا خدا زندہ کر دے تو مانیں) حسب الحکم لوگ میت کو لے آئے میت بگڑ چکی اور شکل ڈراونی ہو گئی تھی دونوں حواری اللہ سے علانیہ دعا کرنے لگے اور شمعون چپکے چپکے خدا سے دعاء مانگتا رہا غرض کچھ دیر کے بعد مردہ اٹھ بیٹھا۔

مردہ کے بیانات

مردہ نے کہا سات روز ہوئے شرک کی حالت میں مرا تھا مجھے آگ کی سات وادیوں میں لے جایا گیا میں تم کو اس شرک سے ڈراتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اللہ پر ایمان لے آؤ پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھلتے مجھے دکھائی دیے اور میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو ان تینوں کی سفارش کر رہا تھا بادشاہ نے کہا تین کون؟ اس نے کہا شمعون اور یہ دونوں بادشاہ کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑا متعجب ہوا شمعون نے جب دیکھ لیا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کر چکی ہے تو بادشاہ سے کہا آپ ان دونوں شخصوں سے سوال کریں کہ وہ آپ کی لڑکی کو زندہ کر دیں۔

شہزادی کا زندہ ہونا۔

بادشاہ نے دونوں حواریوں سے اپنی لڑکی کو زندہ کر دینے کی درخواست کی، فوراً دونوں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور اللہ سے دعاء کی شمعون بھی دعاء میں ان کے ساتھ شریک تھے مگر چپکے چپکے دعاء کر رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے اس عورت کو زندہ کر دیا قبر پھٹی اور عورت اس سے نکل آئی اور کہا خوب جان لو کہ یہ دونوں سچے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم نہیں مانو گے پھر اس نے دونوں حواریوں سے درخواست کی کہ وہ اس کو اس کی جگہ واپس کر دیں پھر اس نے اپنے سر پر کچھ مٹی ڈالی اور قبر میں لوٹ گئی۔

بادشاہ کی بدبختی:

ابن اسحاق نے کوالہ کعب و وہب بیان کیا ہے کہ بادشاہ ایمان نہیں لایا اور قوم کے اتفاق رائے سے ان بے قاصدوں کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یہ خبر حبیب کو مل گئی جب اس وقت شہر کے آخری دروازہ پر تھا تو راہ دوڑ کر شہر والوں کے پاس پہنچا ان کو نصیحت کی اور قاصدوں کا کہا ماننے کی دعوت دی، یہ ہی مطلب ہے اللہ کے آئندہ قول کا۔ (تفسیر مظہری)

بستی کی تعیین کوئی ضروری نہیں

سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے کہ آیات قرآن کا مصمون سمجھنے کیلئے اس بستی کی تعیین ضروری نہیں، اور قرآن کریم نے اس کو مبہم رکھا ہے تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کی تعیین پر اتنا زور خرچ کیا جائے، سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ اَبْهِمُوا مَا اَبْهَمَ اللّٰهُ یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اسے مبہم ہی رہنے دو، اس کا مقتضی بھی یہی ہے۔ (معارف حقی اعظم)

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾
جب کہ آئے اس میں بھیجے ہوئے ؑ

ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے واسطہ سے حکم ہوا تھا کہ اس کے نائب ہو کر فلاں بستی کی طرف جاؤ دونوں احتمال ہیں کو متبادر یہ ہی ہے کہ پیغمبر ہوں شاید حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے معبوث ہوئے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ تینوں قاصد تھے پیغمبر نہیں تھے

حضرت قتادہؒ سے یہ منقول ہے کہ یہاں لفظ مُرْسَلُوْن اپنی اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ قاصد کے معنی میں ہے اور یہ تین مرد کہ جو اس قریہ کی طرف بھیجے گئے خود پیغمبر نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے، انہی کے حکم سے یہ اس قریہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (ابن کثیر) اور چونکہ ان کے بھیجنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے۔ ان کا بھیجنا بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کا بھیجنا تھا۔ (معارف حقی اعظم)

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا
جب بھیجے ہم نے ان کی طرف دو تو اُن کو جھٹلایا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
پھر ہم نے زور دی تیسرے سے، سب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے ؑ

قاصدوں کی دعوت۔

یعنی اول دو گئے پھر ان کی تائید کیلئے تیسرا بھیجا گیا تینوں نے مل کر کہا کہ۔

ہم خود نہیں آئے اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، لہٰذا جو کچھ ہم کہیں اُسی کا پیغام سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

تینوں قاصدوں کے نام

عبدالرزاق عبد بن حمید، ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے۔ قتادہ نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل قریہ کے پاس دو حواریوں کو بھیجا تھا کعب نے کہا پہلے دونوں قاصد صادق و مصدوق تھے اور تیسرا قاصد سل رم تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ

وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم اور رحمٰن نے

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝

کچھ نہیں اُتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو ☆

بستی والوں کا جواب

یعنی تم میں سے کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے بس رہنے دو جو اور مخلوق خدا کا نام نہ لو، اس نے کچھ نہیں اُتارا تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنا لائے اُسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝

کہا ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں ☆

قاصدوں کے سچا ہونے کی دلیل

یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ رسولوں نے اللہ کے علم سے استشہاد کیا جو قسم کے قائم مقام ہے (یعنی انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا) اس لیے (احناف کا مسلک ہے کہ) جس نے دانستہ جھوٹ بولا اور جانتے ہوئے کہا اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کر لیا اور واقع میں وہ کاذب ہو تو اس پر یمین غموس پڑ جائے گی (دانستہ گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم) (تفسیر مظہری)

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝

اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر ☆

یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیغام خوب کھول کر واضح، معقول اور دلنشیں طریقہ سے تم کو پہنچا دیا۔ اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب وعداوت کا انجام کیا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ

بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے

وَلَیَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اور تم کو پہنچے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب دردناک ☆

بستی والوں کی بے عقلی

شاید تکذیب مرسلین اور کفر و عناد کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہوگا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا، اسکو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے قحط اور نااتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی یہ سب تمہاری نحوست ہے (العیاذ باللہ) ورنہ پہلے ہم اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بس تم اپنے وعظ و نصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ روش نہ چھوڑو گے اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف و عذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ

کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

کوئی نہیں پر تم لوگ ہو کہ حد پر نہیں رہتے ☆

قاصدوں کی تعلیم

یعنی تمہارے کفر و تکذیب کی شامت سے عذاب آیا۔ اگر حق و صداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے۔ پس نامبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت و نمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل و آدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو، نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کا طریقہ

اس بستی کی طرف جو تین رسول بھیجے گئے انہوں نے مشرکین و کفار سے جس طرح خطاب کیا اور ان کی سخت و تلخ باتوں اور دھمکیوں کا جس طرح جواب دیا اسی طرح ان کی دعوت سے مسلمان ہونے والے حبیب نجار نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا ان سب چیزوں کو ذرا مکرر دیکھئے، تو اس میں تبلیغ دین اور اصلاح خلق کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے بڑے سبق ہیں۔ ان رسولوں کی ناصحانہ تبلیغ و تلقین کے جواب میں مشرکین نے تین باتیں کہیں

۱۔ تم تو ہمیں جیسے انسان ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟
۲۔ اللہ رحمٰن نے کسی پر کوئی پیغام اور کتاب نہیں اُتاری۔
۳۔ تم خالص جھوٹ بولتے ہو۔

آپ غور کیجئے کہ بے غرض ناصحانہ کلام کے جواب میں یہ اشتعال انگیز گفتگو کیا جواب چاہتی تھی، مگر ان رسولوں نے کیا جواب دیا، صرف یہ کہ رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ۔

آج کل کے مبلغین اور خدمتِ دعوت و اصلاح کے انجام دینے والے نے عموماً اس پیغمبرانہ اسوہ کو چھوڑ دیا اسی لئے ان کی دعوت و تبلیغ بے اثر ہو کر رہ گئی ہے، تقریر و خطاب میں غصہ کا اظہار، مخالف پر فقرے چست کرنا بڑا کمال سمجھا جاتا ہے، جو مخالف کو اور زیادہ ضد و عناد کی طرف دھکیل دیتا ہے، اللھم اجعلنا متبعین سنن انبیاءک ووفقنا لما تحب وترضاہ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى

اور آیا شہر کے پرلے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا ☆

ایک سچا آدمی کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا اور کسب حلال سے کھاتا تھا، فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا، قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید و حمایت اور مکذبین کی نصیحت و فہمائش کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا اشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وہب نے کہا حبیب ریشمی کپڑے بناتا تھا اور بیمار تھا اس کو جذام ہو گیا تھا اس لیے شہر کے آخری دروازہ پر پڑا رہتا تھا اور مرد مومن تھا خیرات بہت کرتا تھا دن میں جو کچھ کماتا تھا شام کو دو حصے کر کے ایک حصہ خیرات کر دیتا تھا اور ایک حصہ اپنے متعلقین کے صرف میں لاتا تھا تھا جب اس کو اطلاع ملی کہ اس کی قوم والوں نے رسولوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو دوڑا ہوا آیا اور کہا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾ اتَّبِعُوْا مَنْ

بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی چلو راہ پر ایسے شخص کی

لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

جو تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک راستہ پر ہیں ☆

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ

اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اُس کی جس نے مجھ کو بنایا

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور اُسی کی طرف سب پھر جاؤ گے ☆

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ

بھلا میں پکڑوں اُس کے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن

بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو اُن کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں

اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

تو تو میں بھٹکتا رہوں صریح ☆

اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سن لو ☆

حبیب کی تقریر

یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کاربند ہیں اخلاق، اعمال اور عادات و اطوار سب ٹھیک ہیں بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں۔ کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر کر رکھو۔

یعنی کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا۔ اسے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لئے سنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لئے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں، یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حبیب کے ساتھ بستی والوں کا سلوک اور اللہ تعالیٰ کا انعام:

بغوی نے لکھا ہے جب اس شخص نے یہ بات کہی تو قوم والوں نے اس پر یک دم حملہ کر کے قتل کر دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قدموں سے ایسا روندھ دیا کہ اس کی آنتیں نیچے سے نکل گئیں سدی نے کہا لوگ اس کو پتھروں سے مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر آخر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مار ڈالا حسن نے کہا اس کے گلے کو پھاڑ کر شہر کی فصیل

سے نکال دیا، اس کی قبر اطہر میں موجود ہے۔

اللہ نے اس کو جنت میں داخل فرما دیا وہ زندہ ہے اللہ کی طرف سے اس کو روزی ملتی ہے یعنی وہ شہید ہو گیا اور شہیدوں کی زندگی اس کو عطا کر دی۔

بعض علماء نے کہا یونکم میں خطاب رسولوں کو ہے کیوں کہ جب اس کو یقین ہو گیا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا تو اس نے اپنے مومن ہونے کا گواہ پیغمبروں کو بنا لیا (گویا) پورا کلام اس طرح تھا پھر اس نے رسولوں سے کہا میں تمہارے رب پر ایمان لایا۔ (تفسیر مظہری)

اور بعض علماء سلف جیسے حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے سے پائے تھے اس کے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا دنیا کے نیل خانہ سے تو نکل آیا اب تو ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر کما قال تعالیٰ یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی۔ (معارف کاندھلوی)

خلافت خاصہ

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کلمہ حق کو بشارت قلبی سے پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمہ حق کی دعوت دیتی ہے آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کئے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

حضرت حبیب کی مثل ایک صحابیؓ

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے پھر انہوں نے اپنے قبیلہ کے پاس واپس جانے کی اجازت طلب کی حضور نے فرمایا وہ تجھ سے لڑیں گے عروہ نے کہا حضور اگر وہ مجھے سوتا پالیں گے تو بیدار بھی نہیں کریں گے (وہ میرا ادب کرتے ہیں) چنانچہ واپس جا کر عروہ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے عروہ کا کہنا نہ مانا اور تکلیف دہ باتیں سنائیں جب فجر کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بالا خانہ پر نماز ادا کی اور توحید و رسالت کی شہادت دی باہر سے کسی ثقفی شخص نے ان کے تیر مارا اور شہید کر دیا حضور کو جب ان کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو فرمایا عروہ کی مثال ایسی ہے جیسے یٰسین والے شخص کی جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا تھا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ

حکم ہوا چلا جا بہشت میں ☆

یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا ادھر شہادت واقع ہوئی ادھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِیْ

بولا کسی طرح میری قوم معلوم کر لیں کہ بخشا مجھ کو

رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ

میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں ☆

قوم سے ہمدردی

قوم نے اس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا، اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور حوالعام واکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کر لیں تو سب ایمان لے آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ

اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج

مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا

آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے اس پر کبھی تھی ایک

صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

چنگھاڑ پھر اسی دم سب بجھ گئے ☆

کفر و ظلم کی سزا

یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب مرسلین کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس اہلاک کے لئے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی، نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دیں وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانچہ اس قوم کا حال بھی یہ ہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جب والوں نے حبیب کو شہید کر دیا تو اللہ کا غضب جوش

میں آ گیا اور فوری عذاب نازل کر دیا جبرئیل نے بحکم الٰہی ایک چیخ ماری جس سے سب مر گئے۔ (تفسیر مظہری)

روایات میں ہے کہ جبرئیل امین نے شہر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک سخت ہیبت ناک آواز لگائی جس کے صدمہ کو کسی کی روح برداشت نہ کر سکی سب کے سب مرے رہ گئے، اُن کے مر جانے کو قرآن نے خامدون کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، خمود آگ بجھ جانے کے معنی میں آتا ہے، جاندار کی حیات حرارت غریزی پر موقوف ہے، جب یہ حرارت ختم ہو جائے تو اسی کا نام موت ہے، خامدون یعنی بجھنے والے ٹھنڈے ہو جانے والے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ
کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا اُن کے پاس
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے
قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٣١﴾
ہم اُن سے پہلے جماعتیں کہ وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آئینگی ☆

تاریخ کی پکار

یعنی دیکھتے اور سنتے ہیں کہ دنیا میں کتنی قومیں پہلے پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے غارت ہو چکی ہیں جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں آئے۔ عذاب کی چکی میں سب پس کر برابر ہو گئیں، اس پر بھی عبرت نہیں ہوتی، جب کوئی یا رسول آتا ہے وہ ہی تمسخر اور استہزاء شروع کر دیتے ہیں۔ جو پہلے کفار کی عادت تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار مکہ کا یہی معاملہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰحَسْرَةً میں تنوین تعظیم ہے یعنی حسرت کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے۔

یہ حسرت کی عظمت کا اظہار ہے جو لوگ اپنے ان مخلص خیر خواہوں کا مذاق اڑائیں جن کی نصیحت سے دونوں جہاں کی بہبودی وابستہ ہے تو ایسے لوگ اسی قابل ہیں کہ ان کی حالت پر اظہار حسرت کیا جائے اور جن و انس و ملائکہ ان پر افسوس کریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسرت سے مراد ایمان والے بندوں کی طرف سے اظہار حسرت نہ ہو بلکہ بطور استعارہ اللہ کی طرف سے حسرت کا اظہار ہو اس صورت میں استہزاء کرنے والوں کے جرم کی عظمت کی طرف اشارہ ہوگا بعض نے کہا منادی محذوف ہے یعنی اے لوگو! ان بندوں پر افسوس کرو جو انبیاء کا مذاق اڑاتے ہیں، حسرت کا معنی ہے شدت حزن اور پشیمانی۔

مکہ والوں کیلئے عبرت

أَلَمْ يَرَوْا کیا مکہ والے نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی کثرت سے امتوں کو ہلاک کر دیا گیا یہ واقف نہیں کہ ہلاک شدہ امتیں ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گی، اس کلام سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید مردے کبھی نہیں لوٹیں گے (اور کبھی دوبارہ زندگی ان کو نہیں ملے گی) اس شبہ کو دور کرنے کیلئے آگے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٣٢﴾
اور ان سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر ہمارے پاس پکڑے ہوئے ☆

مجرمین کا اجتماع

یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی یہ نہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا، نہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے، جہاں بلا استثناء سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖ أَحْيَيْنَاهَا
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے زمین مردہ اس کو ہم نے زندہ کر دیا
وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿٣٣﴾ وَجَعَلْنَا
اور نکالا اس میں سے اناج سو اُسی میں سے کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے
فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
اس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہا دیے اس میں بعضے
فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿٣٤﴾ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ
چشمے کہ کھائیں اس کے میووں سے ☆

بعث بعد الموت کی دلیل

یعنی شاید شبہ گذرتا کہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائینگے؟ اس کو یوں سمجھا دیا کہ زمین خشک اور مردہ پڑی ہوتی ہے پھر خدا اس کو زندہ کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے کیسے کیسے باغ و بہار، تلے اور میوے اس سے پیدا ہوتے ہیں جس کو تم استعمال میں لاتے ہو، اسی طرح خیال کر لو کہ مردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائیگی، بہر حال مردہ زمین ان کے لئے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بعث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور اس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تنبیہ اوپر کی آیات میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا عذاب الٰہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں، آیت حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں کہ خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مردہ قوم کو زندہ

دے یہ کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور نخیل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں اور تمر چھوارے کو کہتے ہیں مناسب تو یہ تھا کہ انگوروں اور اناج کے ساتھ چھواروں کا ذکر کیا جاتا لیکن بجائے چھواروں کے ان کے درختوں کا اس لیے ذکر کیا کہ کھجور کے درختوں کے فوائد پھلوں کے علاوہ اور بھی بہت ہیں اور صنعت الٰہیہ کا مظہر درخت کھجور سے بھی بہت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝

اور اس کو بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے ☆

ہر حیثیت سے اللہ کا شکر واجب ہے

یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کر لیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے، اس کو بار آور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت وطاقت اور اسی کی مشیت وارادہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حیثیت سے اس کی شکر گزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ (تنبیہ) مترجم محقق رحمہ اللہ نے "وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ" میں "ما" کو نافیہ لیا ہے۔ کما ہو داب اکثر المحاترین لیکن سلف سے عموماً "ما" کا موصولہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت "وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ" سے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غافلوں کیلئے تنبیہ:

غافل انسان کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ ذرا اپنے کام اور محنت میں غور کر کہ تیرا کام اس باغ و بہار میں اس کے سوا کیا ہے کہ تو نے زمین میں بیج ڈال دیا، اس پر پانی ڈال دیا، زمین کو نرم کر دیا کہ نازک کونپل نکلنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو پھر اس بیج میں سے درخت اُگا، درخت پر پتے اور شاخیں نکلنا پھر اس پر طرح طرح کے پھل پیدا کرنا ان سب چیزوں میں تیرا کیا دخل ہے، مثلاً پھلوں سے طرح طرح کے حلوے، اچار، چٹنی، تیار کرنا اور بعض پھلوں سے تیل وغیرہ نکالنا جو انسانی کسب وعمل کا نتیجہ ہے، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ پھل جو قدرت نے بنائے ہیں بغیر کسی کسب وعمل اور انسانی تصرف کے بھی کھانے کے قابل بنائے گئے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ سلیقہ بھی دیا ہے کہ ایک ایک پھل سے طرح طرح کی خوش ذائقہ اور مفید چیزیں تیار کر لے۔ (معارف ملتقی اعظم)

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

پاکی ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اگاتا ہے

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ

زمین میں اور خود ان میں سے اور اس چیز میں سے جس کی ان کو خبر نہیں۔

قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ

یعنی جمادات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت، مرد، نر، مادہ، کھٹا، میٹھا، سیاہ، سفید، دن، رات، اندھیرا، اجالا، یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزے کے پھل اور ایک شکل، صورت کے دو جانور، بہر حال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے، نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہو سکتی ہے، جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں، خالق ومخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ

اور ایک نشانی ہے واسطے ان کے رات ہے کہ کھینچ لیتے ہیں ہم اس پر سے دن کو پھر تب ہی یہ رہ جاتے ہیں

مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا

اندھیرے میں اور سورج چلا جاتا ہے اپنے ٹھہرے ہوئے رستہ پر ☆

انقلابات جہاں

"نسلخ" کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت تمام ہو جائے۔ اسی طرح سمجھ لو کہ رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوتی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتار لی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آ کر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل ونہار کے ان انقلابات پر قیاس کر کے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کر کے دوبارہ زندہ کر سکتا ہے اور بے شک وہی ایک حد لائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں ان عظیم الشان انقلابات کی باگ ہے جس سے ہم کو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں تیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے، کیا کچھ بعید ہے کہ بدریعۂ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کر دے لیکن رات دن اور چاند سورج کے طلوع وغروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا طلوع وغروب

مشارق ومغارب کا منتہا سورج کے پورے دورے میں ۳۶۵ طلوع ہونے کے مقامات اور اتنے ہی غروب ہونے کے مقامات ہوتے ہیں روز ایک نئے مطلع سے نکلتا اور نئے مغرب میں چھپتا ہے اور آئندہ سال تک نہ پھر اس مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور نہ اس مغرب میں غروب ہوتا ہے۔

ایک وقت آئے گا جب سورج کو طلوع کی اجازت نہ ہوگی

بغوی نے حضرت ابوذر کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں چلا جاتا ہے ابوذر نے کہا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بخوبی علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور (آگے چلنے کی) اجازت طلب کرتا ہے اس کو اجازت دے دی جاتی ہے لیکن عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ یہ سجدہ کرے گا اور سجدہ قبول نہ ہوگا اور (آگے جانے کی) اجازت طلب کرے گا مگر اس کو اجازت نہیں ملے گی اور حکم دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا چنانچہ وہ (لوٹ کر) مغرب سے طلوع ہو گا یہی (مطلب) ہے آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہؒ کی تفسیر:

آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا ہزارہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں مگر یہ سب دائمی نہیں اس کا ایک خاص مستقر ہے، جہاں پہنچ کر یہ نظام شمسی اور اس کی حرکت بند اور ختم ہو جائے گی اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر قتادہؒ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے، اس میں کچھ زیادتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزانہ آفتاب تحت العرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور نئے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے اجازت پا کر نیا دور شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اس کو نیا دورہ کرنے کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ یہ حکم ہوگا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا یعنی مغرب کی طرف سے زمین کے نیچے گیا پھر مغرب ہی کی طرف سے لوٹ کر مغرب سے طلوع ہو جا، جس روز ایسا ہوگا تو یہ قیامت کے بالکل قریب ہونے کی علامت ہوگی، اور اس وقت توبہ کرنے اور ایمان لانیکا دروازہ بند کر دیا جائے گا، اس وقت کسی مبتلاء گناہ کی گناہ سے اور مبتلائے شرک وکفر کی کفر سے توبہ قبول نہ ہوگی۔ (ابن کثیر بحوالہ عبدالرزاق)

حدیث کی تشریح

جبکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ آفتاب ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے اس لیے اس کا ہر لمحہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی ہر حال میں ہے اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے اس لئے حاصل مضمون حدیث کا یہ ہوا کہ آفتاب پورے دورے میں زیر عرش اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قریب قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آجائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو جائے گا اور وہ پھر مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا اس وقت دروازہ توبہ کا بند ہو جائے گا کسی کا ایمان وتوبہ اس وقت مقبول نہیں ہوگا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝
یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے ☆

طلوع وغروب کا نظام،

سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے۔ کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے پھر وہاں سے باون خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آئے یہ ہی وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح بات یہ ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی حکمت ودانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ)

اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے، یہاں اسکی تشریح کا موقع نہیں اس پر ہمارا مستقل مضمون "سجود الشمس" کے نام سے چھپا ہوا ہے ملاحظہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ
اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝
جیسے ٹہنی پرانی ☆

چاند کی منزلیں

سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؟ اسکی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں، ان کو ایک معین نظام

کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا دور وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے پھر منزل بہ منزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
نہ سورج سے ہو کہ پکڑلے چاند کو اور
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝
رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں تیرتے ہیں ☆

چاند اور سورج حکم الٰہی سے بغاوت نہیں کر سکتے

سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی نور افشانی کے وقت سورج اسکو آ دبائے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ اڑالے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔ جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات دن کا رکھ دیا ہے ان کو مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اسقدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں پھر جو ہستی رات دن اور چاند سورج کا اول مدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) حضرت شارح صاحب '' لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ '' کی تعبیر کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ ''سورج چاند اجرمہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو، سورج چاند کو نہیں پکڑتا' اسی لئے لَا الْقَمَرُ يَسْعٰى لَهٗ اَنْ يُّدْرِكَ الشَّمْسَ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ چاند سورج اور ستارے آسمان میں قسری (یعنی ملائکہ کے زور سے) یا بالارادہ چل رہے ہیں کیلوں کی طرح جڑے ہوئے نہیں ہیں ایسا نہیں ہے کہ آسمان کی حرکت سے ان کی حرکت ہو رہی ہے اور حرکت وضعی ہو خلاف سیاروں کی حرکت وضعی کے قائل ہیں۔

آسمانوں کی تعداد اور فاصلہ

قرآن کی نصوص قطعیہ بتا رہی ہیں کہ آسمان سات ہیں اس سے زائد نہیں ہیں، اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے، آسمان کا پھٹنا اور جڑنا جائز ہے بلکہ آسمان ضرور پھٹے گا اس کا منکر کافر ہے، اللہ نے فرمایا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ، انْشَقَّ الْقَمَرُ وغیرہ۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آسمان باہم چسپاں نہیں ہے بلکہ ہر آسمان دوسرے آسمان سے بہت دور ہے جو شخص آسمانوں کو باہم چسپاں کہتا ہے وہ فاسق ہے (اخبار آحاد کا منکر فاسق ہوتا ہے اور نصوص قطعیہ کا منکر کافر)

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت بیان کی ہے حدیث طویل ہے جس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی درمیانی مسافت کا ذکر کیا اور فرمایا ہر آسمان کی دوسرے آسمان سے دوری پانچ سو برس کی (راہ) ہے، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین سے آسمان تک کا فاصلہ اور ہر آسمان سے دوری (کا بہتر یا بہتر برس کی (راہ کے برابر) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے کہ ہم نے اٹھا لیا ان کی نسل کو
الْمَشْحُوْنِ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝
اس بھری ہوئی کشتی میں اور بنا دیا ہم نے اسکے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں ☆

وسائل نقل و حمل

یعنی حضرت نوح کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدم کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا جو حضرت نوح نے بنائی تھی ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لئے بنا دیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو، یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جن پر سوار ہوتے ہو مثلاً اونٹ، جن کو عرب ''سفائن البر'' (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

ذُرِّیَّت کا معنی

ظاہر ذریت سے مراد لڑکے ہیں جو تجارتی سفر میں ساتھ جاتے ہیں یا بچے اور عورتیں مراد ہیں جن کو لوگ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے ہیں، ذریت کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی خالد سے جا کر کہہ دو کہ ذریت کو اور مزدوروں کو قتل نہ کرے، چونکہ عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس لیے ذریت سے مراد عورتیں ہی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ذریت کے ساتھ حج کرو اس کو دوری نہ دکھاؤ اور نہ ان کی گردنوں میں پڑی ہوئی رسیاں چھوڑو (گلے میں پڑی ہوئی رسیوں سے مراد فریضہ حج ہے) یعنی عورتوں کو ساتھ لے کر حج کرو، کذا فی النہایہ۔

الفلک سے مراد ہیں کشتیاں جہاز، ذریت کا خصوصی ذکر اس لیے کیا کہ کشتیوں میں ہم کرار اور استقرار کے ساتھ بیٹھنا ان کے لیے نہایت دشوار ہوتا ہے۔ (تیسیر مظہری)

مِنْ مِّثْلِهٖ کا مصداق

مِنْ مِّثْلِهٖ کا سب سے بڑا مصداق ہوائی جہاز ہیں، اور کشتی کے ساتھ اس کی تمثیل بھی اس کی زیادہ مؤید ہے، کہ جس طرح پانی کا جہاز پانی پر تیرتا ہے پانی اس کو غرق نہیں کرتا، ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے ہوا اس کو نیچے نہیں گراتی، اور عجب نہیں کہ قرآن حکیم نے اسی لئے مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ کو مبہم رکھا ہو تاکہ قیامت تک ایجاد ہونے والی سب سواریاں اس میں شامل ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ڈبا دیں، پھر کوئی نہ پہنچے ان کی فریاد کو اور نہ چھڑائے جائیں

اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

مگر ہم اپنی مہربانی سے ان کا کام چلا دے کو ایک وقت تک ☆

سب کچھ رحمت الٰہی سے ہے

یعنی یہ مشت استخوان انسان دیکھو کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے۔ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا کیونکہ اس کی رحمت و حکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ

اور جب کہیے ان کو بچو اس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے

وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ

اور کوئی حکم نہیں پہنچتا ان کو اپنے رب کے حکموں سے

اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝

جس کو وہ ٹالتے ہوں ☆

منکرین کی بے پرواہی

سامنے آتا ہے جزاء کا دن اور پیچھے چھوڑے اپنے اعمال یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بداعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تاخدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو۔ تو نصیحت پر دھیان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد آخرت اور مَا خَلْفَكُمْ سے مراد دنیا یعنی آخرت کیلئے عمل کرو اور دنیا سے محتاط رہو اس پر فریضہ نہ ہو قتادہ نے کہا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد ہیں وہ سزا دی و تباہی کے واقعات جو گذشتہ امتوں کو پیش آئے اور مَا خَلْفَكُمْ سے مراد ہے عذاب آخرت۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ

اور جب کہتے ان کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں

كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ

منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اس کو کھلا دیتا ☆

مشرکین کی حماقت

یعنی اوامر الٰہی تو کیا مانتے فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کارثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو ہدایت بھونڈے طریقہ سے تمسخر کے ساتھ یہ قصہ ترا کا انکار کر دیتے ہیں کہ تمہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم اپنی کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اسکی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔ خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانا ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلا واسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ اگر وسائط سے دلانا بھی اسکی مشیت سے ہے تو تم سے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اسکا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہئے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات بعض زنادقہ کے حق میں ہیں اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مال خرچ کرنے کا حکم

خدا نے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اس کا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو۔

دریش را خدا بتو انگر حوالہ کرد — تا کار او بسازد و فارغ کند دلش

از روئے بخل گر نشود ملتفت بدو — فردا بود ندامت و اندوہ حاصلش

سبب نزول: روایت کیا گیا کہ صدیق اکبرؓ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اتفاق سے ابوجہل آپ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔

حضرت ابوبکر نے کہا ہاں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے کھلانے پر قادر ہے ابوجہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا، ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کا حکم دیا اور دولتمندوں کو شکر اور جود و کرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکر خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں سے ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقیروں کو کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر ان کو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو ان کو کھانا کھلاتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا الی قولہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ اور یہ آیت نازل ہوئی فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى الی آخر الآیات تفسیر قرطبی۔ (معارف کاندھوی)

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو صریح ☆

مطلب پرستی کھلی گمراہی ہے

اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ مومنین! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا" (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

منکرین کی ڈھٹائی

یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہونگی اگر سچے ہو تو جلد پوری کر کے دکھلا دو۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ
یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جو ان کو آ پکڑیگی
وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
جب آپس میں جھگڑ رہے ہونگے پھر نہ کر سکیں گے
تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝
کہ کچھ کہہ ہی مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جا سکیں گے ☆

قیامت آنے کو ہے:

یعنی قیامت ناگہانی آ پکڑے گی اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہونگے جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہینگے اور آخر مر کر ڈھیر ہو جائینگے اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ فرض کرو مرنے سے پہلے کسی کو کچھ کہنا چاہیں تو کہہ گذریں یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

ناگہاں قیامت آنے کا منظر:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ دو آدمی (بائع اور مشتری) کپڑا پھیلائے ہوئے خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے نہ عقد کو ختم کر چکے ہوں گے نہ کپڑے کو لپیٹ چکے ہوں گے (کہ اچانک صور کی آواز سنائی دے گی) اور قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر واپس آ رہا ہوگا اور کھانے نہ پائے گا اور قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ آدمی نے لقمہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا ہوگا اور کھا نہ سکا ہوگا (کہ قیامت برپا ہو جائے گی) رواہ ابوہریرہؓ۔

بعض لوگ اپنے کسی معاملہ میں وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور گھر بھی لوٹ نہ پائیں گے کہ گھر والوں کی حالت دیکھ سکیں بلکہ صور کی آواز سنتے ہی مر جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ
اور پھونکی جائے صور پھر تب ہی وہ قبروں سے
اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ
اپنے رب کی طرف پھیل [illegible]

یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہونگے اور فرشتے ان کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لے جائینگے۔ (تفسیر جلالین)

دونفخوں کا وقفہ

چونکہ صور کا پھونکا جانا یقینی ہے اس لیے نفخ ماضی کا صیغہ استعمال کیا یعنی لوگ مر جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پہلی اور دوسری مرتبہ نفخہ صور کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ لیکن ابن ابی داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں چالیس سال کا لفظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کی جبری حاضری:

معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حاضری محشر اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبری طور پر ہوگی اور فرشتوں کے پکارنے کی وجہ سے دوڑتے ہوئے محشر میں آ جائیں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؕ
کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے ☆

جہنم اور قبر کے عذاب کا موازنہ

شاید نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان ان پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو آسان سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دینگے یا "مرقد" بمعنی "مضجع" کے ہو۔ نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا کافروں کے اس قول کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں نفخوں کی درمیانی مدت ان پر سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد جب اٹھیں گے تو یہ بات کہیں گے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں

اہل حقیقت کہتے ہیں کہ کافر جب جہنم کے گونا گوں عذاب کو دیکھیں گے تو عذاب جہنم کے مقابلہ میں ان کو قبر کا عذاب خواب کی طرح محسوس ہوگا اس وقت کہیں گے کہ ہم کو خواب سے کس نے اٹھایا۔

جہنم کی ایک وادی:

امام احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ہناد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں کافر چالیس برس تک (نیچے کو) نہ تک پہنچے سے پہلے لڑھکتا چلا جائے گا (یعنی چالیس برس تک لڑھکتا ہوا تہ میں پہنچے گا)

سعید بن منصور ابن المنذر اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا کچ لہو بہہ کر آتا ہے یہ وادی (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) تکذیب کرنے والوں کیلئے بنائی گئی ہے ابن جریر نے حضرت عثمان بن عفان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝
یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے ☆

سچا وعدہ یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر بہ جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھا دیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جس کی خبر برابر دیتے رہے تھے۔ (تفسیر جلالین)

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ
بس ایک جھٹکا ہوگی پھر اسی دم وہ سارے
جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝
ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں ☆

یعنی کوئی شخص نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔ (تفسیر جلالین)

فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ
پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ذرا اور وہی بدلہ پاؤ گے
اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
جو کرتے تھے ☆

انصاف کا دن یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب و ثواب کی صورت میں وہی سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر جلالین)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْیَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝
محقق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں، تمیں کرتے
هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝
وہ اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیے لگائے
لَهُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ ۝
ان کے لیے وہاں ہے میوہ اور ان کے لئے ہے جو کچھ مانگیں ☆

عیش ونشاط کا ماحول

بہشت میں ہر قسم کے عیش ونشاط کا سامان ہوگا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہوگا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لئے حاضر ہوں گے بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ" ایک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صوفیاء کا مقام

صوفیہ کا مقصود سوا ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں اس لیے اپنے اپنے درجات کے مطابق یہ گروہ اللہ کی ذاتی نور پاشیوں میں غرق ہوں گے (جنت کی اور کوئی نعمت سوا تجلیات ذاتیہ کے اپنی طرف ان کو مائل نہ کر سکے گی) دوسرے اہل جنت کے مشاغل مختلف ہوں گے کھانا پینا گانا سننا عورتوں سے قربت اور خواہشات کے مطابق دوسرے مشاغل میں انہماک ان کا پسندیدہ عمل ہوگا، ابونعیم نے ہمارے شیخ طریقت بایزید بسطامی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ اگر اوٹ کرے گا تو جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے اسی طرح وہ جنت کے اندر حجاب دیدار سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے۔

نکتہ: شغل میں تنوین تنکیر اظہار عظمت کیلئے ہے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کیلئے عظیم الشان خوشی اور لذت ہوگی اتنی کہ نہ وہ احاطہ فہم کے اندر آسکتی ہے نہ اس کی حقیقت کو الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

فکھون: فکاہت سے مشتق ہے یعنی وہ مزے اور عیش میں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ
سلام بولنا ہے رب مہرباں سے ☆

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام:

یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلا واسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت ولذت کا کیا کہنا۔ "اللھم ارزقنا ھذہ النعمۃ العظمیٰ بحرمۃ نبیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (تفسیر عثمانی)

دیدار الٰہی

ابن ماجہ ابن ابی الدنیا اجری اور دارقطنی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے اسی اثناء میں ایک نور ان پر جلوہ انداز ہوگا اہل جنت سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اوپر سے باری تعالیٰ جلوہ ڈالتا نظر آئے گا اور فرمائے گا اہل جنت تم پر سلام ہو یہ ہی (بیان ہے آیت) سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (میں) حضور نے فرمایا اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور وہ اہل جنت کا نظارہ کرے گا ایسی حالت میں جنت والے کسی اور چیز کی طرف گوشہ چشم سے بھی نہیں دیکھیں گے، اسی کی طرف دیکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ خود اوٹ کرلے گا لیکن اس کا نور اور برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔

سیوطی نے کہا اللہ کا جھانکنا حلول اور مکان سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ
اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو ☆

مجرموں کا مقام

یعنی جنتیوں کے عیش وآرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں رہنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب دوزخ کے اندر ان لوگوں کو جو ہمیشہ وہاں رہنے والے ہیں ڈال دیا جائے گا تو (اس کی صورت یہ ہوگی کہ) ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا پھر ان کو جحیم کے تہ میں پھینک دیا جائے گا کوئی کافر بھی اندر سے سوا اپنے کسی اور کو عذاب پاتے نہیں دیکھ پائے گا۔ (اس کا گمان ہوگا کہ بس مجھے ہی عذاب دیا جا رہا ہے اس طرح دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر کسی قسم کی تسلی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا) (تفسیر مظہری)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا
میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجو
الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ
شیطان کو وہ کھلا دشمن ہے تمہارا
وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ
اور یہ کو پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی ☆

انبیاء کی دعوت

یعنی اس دن کے لئے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھایا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے وہ جہنم میں

پہنچائے نقیر نہ چھوڑے گا اگر ابدی نجات چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پر پڑی ہوئی ہے اُس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کی سرزنش۔

ابن جریر میں ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا اور بالکل ظاہر ہوگی وہ بھی کہے گی اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ وعدہ نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے اس نے تم میں سے اکثر کو گمراہ کر دیا کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ اس وقت یک بدا لگ الگ ہو جائیں گے ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا ہر ایک کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج وہی بدلہ پاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا
اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا تم کو سمجھ
تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝
سا تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا
اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝
جاؤ اس میں آج کے دن بدلہ اپنے کفر کا ☆

انسانوں کی نالائقی

یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا۔ کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع نقصان کو پہچان لیتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا ثمرہ بھگتو یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کفر کا مزہ چکھانا ہی ہے۔ چاہے کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ
آج ہم مہر لگا دیں گے ان کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
اور گواہی دیں گے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے ☆

الٰہی عدالت کے گواہ

یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ حتیٰ کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جن جرائم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں چنانچہ ہر ایک عضو اللہ کی قدرت سے گویا ہوگا اور ان کے جرموں کی شہادت دے گا۔ کما قال تعالیٰ "حَتّٰٓى اِذَا مَا جَاۗءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (حم۔ السجدہ رکوع ۳) وقال اللہ تعالیٰ فی موضع آخر فَاَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ "(حم۔ السجدہ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

حضرت انس کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے فرمایا مجھے اس بات پر مسکراہٹ آئی کہ ایک بندہ اپنے رب سے کہے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم کرنے سے پناہ نہیں دے رکھی ہے (یعنی تیرا تو نے یہ وعدہ فرما دیا ہے کہ کسی پر قیامت کے دن ظلم نہیں کیا جائے گا) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا تو میں اپنے خلاف کسی کی شہادت نہیں مانوں گا سوا اس گواہ کے جو میرے ہی بدن کا حصہ ہو، اللہ فرمائے گا آج تیرا نفس اور کراماً کاتبین (اعمالنامے لکھنے والے فرشتے) تیرے خلاف شہادت دینے کیلئے کافی ہیں پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اعضاء کو حکم دیا جائے گا تم بولو (حسب الحکم اعضاء بندہ کے اعمال کے متعلق بولیں گے اس کے بعد بندے کو (زبان سے) گویائی کی اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تم مرجاؤ بہت جاؤ تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا وہ دوپہر کے وقت جب کہ کوئی بدلی نہ ہو تم کو سورج کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہ نے جواب دیا نہیں فرمایا چودھویں کی رات کو جب کہ کوئی ابر نہ ہو تم کو چاند کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو اپنے رب کے دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی مگر اتنی جتنی سورج اور چاند کو دیکھنے میں ہوتی ہے، پھر اللہ عبد سے فرمائے گا اے فلاں شخص کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا، کیا تجھے تیرا جوڑا نہیں دیا تھا، کیا گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے حکم کا تابع نہیں بنا دیا تھا کہ تجھے سیادت (سرداری) نہیں دی تھی کیا تجھے مال غنیمت کی چوتھائی کا مستحق نہیں بنایا تھا بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب (تو نے یہ سب کچھ مجھے دیا تھا) اللہ فرمائے گا کیا تیرا گمان یہ تھا کہ مجھ سے آ کر ملے گا، بندہ عرض کرے گا نہیں، اللہ فرمائے گا جس طرح تو مجھے بھولا رہا، اسی طرح میں بھی (تجھے دوزخ میں ڈال کر) بھولا بسرا کر دوں گا۔

پھر اللہ دوسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا اور یہی جواب دے گا پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا وہ عرض کرے گا، میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا تھا اور نمازیں پڑھی تھیں روزے رکھے تھے زکوٰۃ دی تھی غرض جس قدر کر سکے گا اپنی تعریف کرے گا اس سے کہا جائے گا کیا ہم تیرے خلاف گواہ کھڑا کر دیں وہ شخص اپنے دل میں سوچے گا، میرے خلاف کس کو گواہ بنایا جائے گا، پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کی ران سے فرمائے گا تو بات کر حسب الحکم اس کی ران گوشت اور ہڈی اس کے اعمال جو کچھ کئے ہوئے ہوں گے بتائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص منافق ہوگا جو اپنی طرف سے (جھوٹے) عذر پیش کرے گا اور اسی پر اللہ کا غضب ہوگا۔ (مسلم)

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں ان کی آنکھیں پھر دوڑیں رستہ پانے کو
فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ
پھر کہاں سے سوجھے اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں ان کی جہاں کی تہاں
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾
پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ الٹے پھر سکیں ☆

اللہ کی طرف سے مہلت

یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر نپٹ اندھا کر دیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ چلنا نہیں چاہتے ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں۔ پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح و قویٰ سے ان کو محروم نہیں کیا، یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ ان یہودوں نے ہم کو کن نالائق کاموں میں لگایا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِى الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾
اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں اس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں ☆

طاقت کی دلیل یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنا دینا کچھ مستبعد مت سمجھو دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے گویا بچپن میں جیسا کمزور و ناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا، بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹا دیا جاتا ہے تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سلب کر لیتا ہے جوانی میں نہیں کر سکتا؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں اس کو سرنگوں کر دیتے ہیں، سرنگوں کر دینے سے یہ مراد ہے کہ شروع میں وہ برابر رو بہ ترقی تھا، قوت مسلسل بڑھ رہی تھی پھر کمزوری آتی رہی اور مرنے کے وقت تک ضعف میں اضافہ ہوتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

دنیا فانی ہے ونعم قال۔

من عاش اخلقت الایام جدتہ وخانہ ثقتاہ السمع والبصر

"یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اس کی جدت و شدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا، اور اس کے سب سے بڑے وہ ثقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی۔"

یعنی انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد اپنی آنکھ سے دیکھی یا کان سے سنی ہوئی چیز پر ہوتا ہے، بڑھاپے کی آخر عمر میں یہ بھی قابل اعتماد نہیں، گراں گوشی کے سبب بات پوری سمجھنا مشکل، ضعف بینائی کے سبب صحیح صحیح دیکھنا مشکل، متنبی نے اس مضمون کو کہا ہے

ومن صحب الدنیا طویلا تقلبت علی عینہ حتی یری صدقہا کذبا

"یعنی جو شخص دنیا میں زیادہ زندہ رہے گا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جائے گی۔ یہاں تک کہ جس چیز کو پہلے سچ جانتا تھا وہ جھوٹ معلوم ہونے لگے گی۔"

زندگی کے مختلف مراحل کا پیغام:

انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہ کا عجیب و غریب مظہر تو ہے ہی اس میں انسان پر ایک عظیم احسان بھی ہے کہ خالق کائنات نے جتنی طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت فرمائی ہیں وہ درحقیقت سرکاری مشینیں ہیں، حواس کو دیدی گئی ہیں، اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ یہ تیری ملک نہیں اور دائمی بھی نہیں، بالآخر تجھ سے واپس لی جائیں گی اس کا تقاضا ظاہری یہ تھا کہ جب وقت مقدر آ جاتا سب طاقتیں بیک وقت واپس لے لی جاتیں مگر مولائے کریم نے ان کی واپسی کی بھی بڑی طویل قسطیں کر دی ہیں اور تدریجی طور پر واپس لیا ہے تاکہ انسان متنبہ ہو کر سفر آخرت کا سامان کر لے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لَهٗ
اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾
یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف ☆

قرآنی تعلیمات حق ہیں

یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعیہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر نے ہم کو قرآن دیا جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا جس میں نری طبع آزمائی اور خیال تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر فن شاعری سے اتنا بعید

رکھا گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اسوقت شعر کہنے کا طعمی سلیقہ رکھتی تھیں ۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا ۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفی عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی سو وہ الگ بات ہے اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے آپ خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا ۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے ۔ محض مطلب شاعرانہ ہو جائے ۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی ۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ تزیں کذب و دغل کے روشناس کرانا تھا ۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا کیونکہ شاعریت کا حسن و کمال ، کذب و مبالغہ ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں ، شعر میں اگر کوئی جز ، مجموعہ ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہو سکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ میں پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے ۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے ۔ شاید یہ ہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح و عاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے ۔ حالانکہ شعر و سحر کو قرآن سے کیا نسبت ؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت و روحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو ۔ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے ۔ (تفسیر مثال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام شاعری سے بہت ارفع ہے۔

حسن کی روایت سے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بطور مثل پڑھا۔

كفى بالاسلام والشيب للمرء ناهيا

(اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کیلئے کافی ہے)

حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی شاعر نے تو اس طرح کہا ہے

كفى الشيب والاسلام بالمرء ناهيا

آپ نے دوبارہ پڑھا ، اس پر حضرت ابوبکر نے کہا ، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۔

مقدام بن شریح کے والد کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثل کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے ، ام المومنین نے جواب دیا ، ہاں عبداللہ بن رواحہ کا شعر اس طرح بطور مثل پڑھتے تھے

ويأتيك بالاخبار من لم تزود

مفسر کا بیان ہے مجھ سے قتادہ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے کسی شخص نے پوچھا ، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شعر بطور مثل کبھی پڑھتے تھے ، ام المومنین نے فرمایا ، شعر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کلام سے زیادہ نفرت تھی ، آپ کوئی شعر بطور مثل نہیں پڑھتے تھے مگر (قبیلہ) قیس بن طرف کے شاعر کا یہ شعر بطور مثل پڑھتے تھے۔

ستبدى لك الايام ما كنت جاهلا ويأتيك بالاخبار من لم تزود

لیکن اس شعر کو آپ نے اس طرح پڑھا تھا

ويأتيك من لم تزود بالاخبار

حضرت ابوبکر نے عرض کیا یہ شعر اس طرح نہیں ہے فرمایا ، میں شاعر نہیں ہوں اور نہ (شاعری) میرے لیے سزاوار ہے۔

اتفاقاً مقفی کلام کا زبان پر جاری ہونا

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھے ، سو باور ہے کہ آپ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

لا هم لولا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا

فانزلن سكينة علينا وثبت الاقدام ان لاقينا

ان الاولى قد بغوا علينا اذا ارادوا فتنة ابينا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ ابینا کو کھینچ کر پڑھتے اور ساتھ ہی بلند آواز سے پڑھتے ، ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کوئی علم نہیں اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے ، نہ صدقہ دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے ، اب تو ہم پر تسکین نازل فرما ، اور جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما ، یہی لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں ، ہاں یہ جب کبھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اسی طرح ثابت ہے کہ خیبر کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا

انا النبي لا كذب انا ابن عبد المطلب

اس کے بارے میں یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا خود ان شعر پورا اترا نہ کہ قصداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہو ، حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہو گئی تھی ، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هل انت الا اصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے اور تو راہ خدا میں خوں آلود ہوئی ہے یہ بھی

اتفاقیہ ہے قصداً نہیں۔

آپ نے فرمایا

ان تغفر اللّٰھم تغفر جما وای عبد لک ما الما

یعنی خدایا تو جب بخشے تو ہمارے تمام گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔

اشعار کی قسمیں: حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ شعر گوئی سے آپ کو طبعاً نفرت تھی، دعاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اُس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد) ابوداؤد میں ہے کہ کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اُس کے لیے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک حدیث غریب میں ہے "جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرعہ بھی باندھا تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔" یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
تاکہ ڈر سنائے اس کو جس میں جان ہو
الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾
اور ثابت ہو الزام منکروں پر ☆

قرآن زندہ دلوں کی کتاب ہے:

یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حجت تمام ہو، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "جس میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو اُس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اُتارنے کو۔" (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ
کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنائے ان کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا
چوپائے پھر وہ ان کے مالک ہیں اور عاجز کر دیا ان کو ان کے آگے پھر ان میں کوئی
رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمْ فِيْهَا
سے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے واسطے
مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾
چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے ☆

آیات تکوینیہ: آیات تنزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یعنی ایک طرف قرآن کی پند و نصیحت کو سنو، اور دوسری طرف غور سے دیکھو کہ اللہ کے کیسے کیسے انعام و احسان تم پر ہوئے ہیں۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل و کرم سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیچو اور جو چاہو کام لو۔ (تفسیر عثمانی)

ملکیت اشیاء کی اصل علت عطاء حق ہے، نہ سرمایہ نہ محنت

آج کل نئے نئے معاشی ازموں اور نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے، یا محنت، سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے قائل دولت و سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں اور سوشلزم اور کمیونزم والے محنت کو اصل علت تخلیق و ملکیت کی قرار دیتے ہیں قرآن مجید کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں دونوں کا کوئی دخل نہیں تخلیق کسی چیز کی انسان کے قبضہ میں نہیں، وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اور عقل کا تقاضا ہے کہ جو کسی چیز کو پیدا کرے وہی اس کا مالک بھی ہو، اس طرح اصل اور حقیقی ملکیت اشیائے عالم میں حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت کسی بھی چیز میں صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہو سکتی ہے اللہ نے اشیاء کی اثبات ملکیت اور انتقال ملکیت کا قانون اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نازل فرما دیا ہے اس قانون کے خلاف کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیئے، ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خورد سال بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے ذرا کان نہیں ہلاتے۔ کیسے کیسے شہ زور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے انکی کھال، ہڈی، اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں لیکن شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ
اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید ان کی
يُنْصَرُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ
مدد کریں نہ کر سکیں گے ان کی مدد
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ﴿۷۵﴾
اور یہ ان کی لوج ہو کر پکڑے آئینگے ☆

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری

یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں اسکا یہ شکر ادا کیا کہ اس کے مقابل دوسرے حاکم اور معبود ٹھہرا لئے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں

کام آئیں گے اور مدد کریں گے۔ سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی اس وقت گرفتار و محروم کرا دیں گے۔ تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔ (تفسیر حقانی)

بیہقی اور حکیم نے حضرت ابو درداء کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے فرمایا میرا اور جن وانس کا ایک عجیب معاملہ ہے میں پیدا کرتا ہوں اور دوسروں کی عبادت کی جاتی ہے میں روزی دیتا ہوں اور شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ۔ یعنی اس امید پر کہ وہ معبود ان کی مدد کریں گے، حالانکہ نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ۔ وہ عذاب سے بچانے کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں گے۔

وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ۔ یعنی کفار اپنے معبودوں کیلئے فریق بنے ہوئے دنیا میں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی نگرانی کیلئے تیار رہتے ہیں باوجودیکہ وہ معبود ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، نہ کسی شر سے ان کو بچاتے ہیں، بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے معبودوں کو طلب کیا جائے گا ان کے ساتھ ان کے پرستاروں کو بھی بلایا جائے گا گویا وہ سب ایک فوج ہوں گے جن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا

اب تو غمگین مت ہو ان کی بات سے ہم جانتے ہیں

يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین و دلگیر نہ ہوں، اپنا فرض ادا کر کے ہمارے حوالہ کریں ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کر دیں گے۔ (تفسیر حقانی)

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ

کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اس کو بنایا ایک قطرہ سے

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾

پھر بھی وہ ہو گیا جھگڑنے بولنے والا ☆

ناچیز قطرہ کی جرأت

یعنی دیکھتے ہوئے اندھا پن کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہتا ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ، پرانی اور کھوکھری تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ (تفسیر حقانی)

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ

تو کہہ ان کو زندہ کریگا جس نے بنایا ان کو پہلی بار

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حالت جو میں دیکھ رہا ہوں کیا اس کے بعد بھی خدا اس کو زندہ کر کے اٹھائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اس کو بھی ریزہ ریزہ کر کے اٹھائے گا تم کو بھی مردہ کرے گا پھر جہنم میں داخل کرے گا اس پر آیات ذیل آخر سورہ تک نازل ہوئیں۔

الانسان یعنی عاص بن وائل، ابن ابی حاتم نے متعدد اسناد سے مجاہد، عکرمہ، عروہ بن زبیر اور سدی کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو مالک کی روایت سے تیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول ابی بن خلف نحجی کے حق میں ہوا یہ وہی ایک بوسیدہ کہنہ ہڈی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکار بعث و حشر کر کے حضور سے جھگڑا کر رہا تھا اس نے کہا تھا اس قدر بوسیدہ ہو جانے کے بعد اس کو کون زندہ کر سکتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے (بھی) زندہ کر کے اٹھائے گا اور جہنم میں داخل کرے گا۔ اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

بعض علماء نے فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ کا یہ مطلب بیان کیا کہ ایک دلیل پانی ہونے کے بعد اللہ نے اس کو حامل تمیز و شعور اور ایسا سلیس البیان بنایا کہ اس کو جھگڑنے (اور مقابلہ کرنے کی قدرت حاصل ہو گئی اور اپنے دل کی بات کو بیان کرنے لگا، لہٰذا وہ اپنی اصلی کمینگی اور ابتدائی حقارت پر آ گیا وہ اللہ کی وہ زندگی بخشنے والی قدرت کا منکر بن گیا اور اپنے رب سے جھگڑا کرنے کے درپے ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن

اور نکالتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش، کہنے لگا کون

يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾

زندہ کریگا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں ☆

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿٧٩﴾

اور وہ سب بنانا جانتا ہے ☆

خالق کیلئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہئے (وہو اہون علیہ) اور اس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ۔ وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرۂ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور گردا اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزاء لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء رضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لئے کہ مٹی کے تمام اخراء وراصل غذا سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدا کے علم و قدرت پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی گلی اور سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ

جس نے بنا دی تم کو ہر درخت سے

نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ﴿٨٠﴾

آگ پھر اب تم اس سے سلگاتے ہو ☆

دوبارہ پیدائش کی دلیل:

یعنی اول پانی سے سبز و شاداب درخت تیار کیا پھر اسی تر و تازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو اول بدل کر سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں۔ (تنبیہ) بعض سلف نے شجرا خضر (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جس کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو جیسے بانس کا درخت ہے یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آگ کا درخت

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دو قسم کے درخت ہیں ایک کو مرخ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو عفار دونوں درختوں کی مسواک کی دو ہری شاخیں اتنی ہری کہ ان سے پانی ٹپکتا ہو کاٹ لی جائیں پھر مرخ کو عفار سے رگڑا جائے تو ان سے آگ نکلتی ہے عرب کہتے ہیں ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ عفار میں گھس جاتی علماء کہتے ہیں سوا عناب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلَىٰ

نہیں بنا سکتا ان جیسے کیوں نہیں

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿٨١﴾

اور وہی ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جاننے والا ☆

یعنی جس نے آسمان و زمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بحر و بر میں پھیلی ہوئی راکھ سے دوبارہ پیدا کرنا:

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو مدعمل تھا اس نے اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہو جائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہو جائے تو اس کو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اس کے اہل و عیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ ذرات جمع ہو گئے تو اللہ نے ان کو زندہ ہو جانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہو گیا اللہ عزوجل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی، اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ رواہ احمد والبخاری و مسلم وغیرہ۔

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت
از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر درآید در عدم یا صد عدم
چوں بخواہش او کند از مرقدم

غرض یہ کہ خدا تعالیٰ نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ
اُس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾
اُس کو ہو وہ اُسی وقت ہو جائے ☆

ہر چیز کا وجود فقط ارادۂ الٰہی کا محتاج ہے:

یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے وقت ہی کیا ہو سکتی ہے اسکے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا فوراً ہوئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہو سکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوق کی قدرت پر خالق کی قدرت کو قیاس نہ کرو:

بیضاوی نے لکھا ہے یہ ایک تشبیہ ہے جس طرح کوئی حاکم محکوم کو حکم دے اور وہ فوراً بلا توقف حکم بجا لائے اسی طرح اللہ کی قدرت کا اثر مرادِ الٰہی پر ہوتا ہے کسی چیز کو کرنے کیلئے اللہ کو نہ عملی مشق کی ضرورت ہے نہ آلات کو استعمال کرنے کی (اگر مزاولت یا آلات کی ضرورت ہوئی تو احتیاج کا شبہ ہو جاتا) شبہ کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دینے کیلئے یہ تمثیل ذکر فرمائی قدرتِ مخلوق پر قدرتِ خدا کا قیاس غلط ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے ☆

حکومت بس اللہ ہی کی ہے

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے۔ (تفسیر عثمانی)

تم سورۃ یٰسین وللہ الحمد والمنۃ

سورۃ الصافات

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو حلال طریقہ سے رزق ملے گا اور اس کے دو لڑکے پیدا ہوں گے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

سورت کے مضامین:

یہ سورت مکی ہے، اور دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہیں اور اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، اسی ضمن میں مشرکین کے عقائد کی تردید بھی ہے، اور آخرت میں جنت و دوزخ کے حالات کی منظر کشی بھی، جو عقائد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شامل رہے۔

سورۃ صافات مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ایک سو بیاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾
قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر ☆

صف باندھنے والے:

یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں خواہ فرشتے ہوں جو حکم الٰہی سننے کو اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت گزار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) قسم محاورات میں تاکید کے لئے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ملائکہ فضا میں اپنے پر پھیلائے رکے رہتے ہیں اور اُس وقت تک رُکے رہتے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو (کسی کام پر) مامور کرتا ہے بعض اہل علم کے نزدیک الصّٰفّٰت سے پرندے مراد ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے، وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت

چنانچہ انسانوں کو بھی عبادت کے دوران اس صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا "تم (نماز میں) اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا "فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں، اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)" (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ بن سکتا ہے، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے "سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔" (جمع الفوائد عن صحیحین وسنن اربعہ ص ۲۹۲ ج ۱ X معارف حقی اعظم)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾

پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر☆

برائی سے روکنے والی قوتیں

یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تا استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں خصوصاً میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا شیطانوں کو انسانوں کی راہ (خیر) میں رکاوٹ ڈالنے سے روکتے ہیں، قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا الزاجرات سے مراد ہیں قرآن کی وہ آیات جو بری باتوں کی مخالفت کرتی اور روکتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾

پھر پڑھنے والوں کی یاد کر کر☆

یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام ملنے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں، ایک دوسرے کے بتانے کو۔ (تفسیر عثمانی)

یا ان آیات کو پڑھتے ہیں جو آسمانی کتابوں میں انبیاء پر نازل کی گئی ہیں، یا صافات، زاجرات اور تالیات سے نفوس عالیہ مراد ہیں جو تمام رذیل صفات سے بستہ ہوتے ہیں، دلائل کی روشنی میں کفر اور معاصی سے روکتے ہیں اور آیات رب کی تلاوت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تین قسموں سے فرشتے ہیں اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں، ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تکملہ تعقیب وجود لیجئے ہے یعنی پہلے صف بستہ ہوتے ہیں پھر زجر کرتے ہیں، پھر تلاوت کرتے ہیں صف بندی بجائے خود صفت کمالیہ ہے، پھر شر سے باز داشت کرنی اور خیر کی طرف چلانا صفت اولیٰ کی تکمیل ہے اور تلاوت ذکر فیض رسانی کا درجہ رکھتی ہے، یا عطف صرف ترتیب و ترقی لیجئے ہے جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں عطف ترقی مرتبہ کیلئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

مخلوق کی قسم

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس سے اس چیز کی عظمت و فضیلت کا بیان کرنا مقصود ہوتا جیسا کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آئی ہے لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے زیادہ معزز اور مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی و رسول کی ذات کی قسم نہیں آئی، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آیت مذکورہ میں آئی ہے۔

حضرت حسن بصری نے فرمایا ہے

"اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا لے مگر کسی دوسرے کیلئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔" (معارف حقی اعظم)

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾

بے شک حاکم تم سب کا ایک ہے☆

فرشتوں اور نیک لوگوں کی گواہی

بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً و فعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا مالک و معبود ایک ہے اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی تردید مکہ کے کافروں نے کہا تھا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا یہ عجیب بات ہے آیت مذکورہ میں کافروں کے اس قول کی تردید فرما دی۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

اور رب مشرقوں کا ☆

مشارق اور مغارب کا رب:

شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز جدا اور ہر ستارے کی جدا یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف اتنی ہی مغربین ہیں شاید مغارب کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آ جائینگی۔ اور ایک حیثیت سے طلوع شمس و کواکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت و عظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مشارق سے مراد ہیں تمام ستاروں کے طلوع کے مقامات یا سورج کے روزانہ طلوع ہونے کے مقامات سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور ہر دن طلوع کا مقام بدلتا رہتا ہے اور مقامات طلوع کے اختلاف کے مطابق غروب کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں اس لئے صرف مشارق کا ذکر کیا، مغارب کے ذکر کی صراحت نہیں کی اس کے علاوہ آفتاب کے طلوع سے اللہ کی نعمت اور قدرت کی عظمت کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اس لئے مشارق کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝

ہم نے رونق دی دوسرے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں ☆

آسمان کی زینت:

یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بیشمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، حزین اور پُر رونق معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت سے مراد ہے ستاروں کی روشنی اور ان کے اوضاع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زینت الکواکب کا ترجمہ کیا صور کواکب۔

مارد یعنی اللہ کی طاعت سے خارج۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ستاروں کو کواکب کی زینت کیلئے اور شیطان سرکش سے حفاظت کیلئے پیدا کیا کواکب سے شہاب کے انگارے شیطان پر مارے جاتے ہیں۔

آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام کواکب آسمان دنیا میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فلاسفہ کا قول:

فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضاء میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں، سو یہ اہل اسلام کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝

اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے ☆

ستاروں کا مقصد

یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں آیا کہ کواکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کواکب نوریہ کی شعاعوں ہی سے ہوا متکیف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں بہرحال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو رجم شیاطین کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورہ "حجر" کے فوائد میں گزر چکی ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسا کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کیلئے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگساری کیلئے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کیلئے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

بخاریؒ نے قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ نے ستاروں کو تین امور کیلئے پیدا کیا آسمان کی زینت بنایا، شیاطین پر مارنے کیلئے (بنایا) راستہ پہچاننے کی علامات (بنایا) اس لیے اگر تخلیق نجوم کی کوئی دوسری غرض کوئی شخص بیان کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔

شیاطین کی روک تھام:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے اس وقت اُن پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

سُن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ان پر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا

ہر طرف سے بھگانے کو ☆

اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں جب ایسا ارادہ کر

کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کے کاروبار کا پس منظر

بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ آسمان میں کسی امر کا حکم دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے گھسٹنے کی آواز ہے جب ملائکہ کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں (اس کا فرمان) حق ہے وہ ہی بڑی عظمت و شان والا ہے، فرشتوں کی اس بات کو چوری سے سننے والے (کچھ شیطان) سن پاتے ہیں اور (ان سے دوسرے) چوری سے سننے والے سنتے ہیں ایک کے اوپر ایک (قطار در قطار) اسی طرح ہوتے ہیں۔ سفیان راوی نے اپنے ہاتھ کو ترچھا کر کے انگلیوں کو کشادہ کر کے بتایا (کہ جس طرح انگلیاں ترتیب وار ایک کے اوپر ایک ہیں اسی طرح شیطان ترتیب وار اوپر نیچے ہوتے ہیں) اوپر والا شیطان وہ بات نیچے والے شیطان کو پہنچاتا ہے پھر نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے آخری نچلا شیطان وہ بات ساحر یا کاہن تک پہنچا دیتا ہے اور بعض میں وہ بات ساحر یا کاہن کی زبان پر آ جاتی ہے شہاب (آگ کا شعلہ) شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے کبھی وہ دوسرے شیطان تک پہنچاتے سے پہلے اول شیطان کے آ لگتا ہے اور کبھی وہ بات پہنچا چکتا ہے کہ شہاب اس پر پڑتا ہے، ساحر یا کاہن اس ایک بات میں (جو چوری چوری اس تک پہنچی ہے) سو جھوٹ ملا دیتا ہے (اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے) جب کاہن کے کہنے کے مطابق کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس ایک بات کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دن کاہن نے ایسا ایسا نہیں کہا تھا؟

بیہاقی نے لکھا ہے جس شیطان پر انگارا مارا جاتا ہے کیا وہ زخمی ہو کر لوٹ جاتا ہے یا جل جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چڑھنے والے کے کبھی وہ شعلہ لگ جاتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے جیسے موجیں کشتی میں بیٹھنے والوں کے کبھی لگ جاتی ہیں کبھی کشتی سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں (کشتی کے مسافروں تک نہیں پہنچتیں) اسی لیے شیاطین باز نہیں آتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝
اور اُن پر مار ہے ہمیشہ کو ☆

شیاطین کیلئے دائمی عذاب

یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ
مگر جو کوئی اچک لایا بھید سے پھر پیچھے لگا اس کے انگارا چمکتا ☆

یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اچک لایا، اس پر بھی فرشتے شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں اس کی تفصیل سورہ "حجر" کے شروع میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

الخطفة: چھیپٹ لینا، اس جگہ مراد ہے ملائکہ کے کلام کا کوئی حصہ سن کر چوری سے لے بھاگنا، شہاب، ستارے سے نکلنے والا وہ شعلہ جو چوری سے سن کر بھاگنے والے شیطانوں کے مارا جاتا ہے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا۔ (تفسیر مظہری)

موجودہ سائنسدانوں کا خیال

موجودہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ "شہاب ثاقب" ان گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی ایٹموں کے برابر، اور یہ ان گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں، انہی کا ایک مجموعہ "اسدیہ" کہلاتا ہے، جو سورج کے گرد ھلیلہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور ان کا ایک دور ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے، ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ اپریل، ۲۸ نومبر، ۱۱۸ کنوبر اور ۶، ۹، ۱۳ دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر الجواہر للطنطاوی ص ۱۵ ج ۸)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ "شہاب ثاقب" کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے "ہمارے آباؤ اجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانہ کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلاسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتائیے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو ہلاک، مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے، ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لے گی) (جواہر ص ۱۴ ج ۸)

مقصد اصلی یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ و تنہا اتنے زبردست آفاقی

انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ (معارف حقی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا

اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی ☆

انسان کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں

یعنی منکرین بعث سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: من (وہی عقل مخلوق کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن) اس جگہ اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر تغلیب دے کر سب باعقل اور بے عقل مخلوق کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝

ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے ☆

مادہ تخلیق

یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا۔ آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لازب چپکنے والی جو ہاتھ سے چپک جائے، مجاہد اور ضحاک نے لازب کا ترجمہ کیا۔ "سڑی ہوئی" انسانوں کی (جسمانی) تخلیق اور آسمان و زمین کی تخلیق میں یہی بڑا فرق ہے کہ انسانوں کا تخلیقی مادہ تو چپک دار کیچڑ ہے۔

کافروں کے اشکال کا شافی جواب:

کافروں نے کہا تھا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ان کے قول کے خلاف اللہ نے بطور استدلال فرمایا کہ ان کی تخلیق اول سڑی ہوئی لیس دار کیچڑ سے ہو چکی ہے پھر تراب (خاک) سے دوبارہ تخلیق کا یہ کیسے انکار کر سکتے ہیں، طین لازب میں اجزاء آبی اور اجزاء خاکی مخلوط ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی یہ اجزاء (تحلیل ہو کر اپنی اپنی جگہ) باقی رہتے ہیں پھر دوبارہ اجتماع اور خلط سے کون روک سکتا ہے، مادہ کی قابلیت میں فرق نہیں اور فاعل کی قدرت میں کمزوری نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۝

بلکہ تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے ☆

کافروں کی بے وقوفی

یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (ی) کس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعجب

قتادہؒ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب تھا کہ نزول قرآن کے بعد بھی بنی آدم گمراہ کس طرح رہ سکتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ جو شخص بھی اس قرآن کو سنے گا وہ ضرور اس کو مان لے گا اور ایمان لے آئے گا لیکن مشرکین اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ مذاق اڑانے لگے اس لیے عجبت کے بعد ویسخرون فرمایا یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعجب کا مذاق بناتے ہیں اور آپ جو دوسری زندگی ہونے کی تقریر کرتے ہیں وہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

تعجب کا معنی: عجب اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی غیر معمولی بات کو دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے عجب میں یہی حالت مراد ہے، ایک حدیث میں عجب ربک من قوم یساقون الی الجنۃ فی السلاسل اسی طرح سبحانہ ما اعظم شانہ میں صیغہ تعجب اسی معنی کیلئے استعمال کیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً

اور جب ان کو سمجھائیے نہیں سوچتے اور جب دیکھیں کچھ نشانی

يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ

ہنسی میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں

هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

یہ تو کھلا جادو ہے ☆

یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں انہیں جادو کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝

کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی

وہ ہی مرنے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گذر گئے، شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم

کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے سو وہ اٹھانا تو یہی ہے

وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

ایک جھڑکی پھر اسی وقت یہ لگیں گے دیکھنے ☆

اتمام حجت یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس وقت ذلیل و رسوا ہو کر اس انکار کی سر اٹھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾

اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آ گیا دن جزا کا ☆

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ یعنی ایک ڈانٹ میں سب آٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑکی نفخ صور کی ہوگی) (تفسیر عثمانی)

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ ہے دن فیصلہ کا جس کو تم جھٹلاتے تھے ☆

یعنی یہ تو سچ مچ جزاء کا دن آ پہنچا جس کی انبیاء خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا

جمع کرو گنہگاروں کو اور ان کے جوڑوں کو اور

كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

جو کچھ پوجتے تھے اللہ کے سوائے

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

پھر چلاؤ ان کو دوزخ کی راہ پر ☆

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا۔

یہ حکم ہوگا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بتاؤ۔ (تنبیہ) "ازواج" (جوڑوں) سے مراد ہیں ایک قسم کے گنہگار یا ان کی کافر بیویاں اور "وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہم مشربوں کا اجتماع

بیہقی نے بطریق نعمان بن شریک بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ یعنی ان کے ہم مشرب لوگوں کو جو انہیں کی طرح ہیں سود خوار سود خواروں کے ساتھ، زناکار زناکاروں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ آئیں گے، سب ہم مشرب جنت میں ساتھ ہوں گے اور ہم مشرب دوزخ میں بھی ساتھی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (یعنی وہ نیک مومن مخلوق جس کی پرستش مشرک کیا کرتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، ملائکہ وغیرہ، وہ سب آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ کی روشنی میں دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، البتہ بت، شیاطین وغیرہ اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے)

فَاهْدُوْهُمْ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کو دوزخ کا راستہ بتا دو، ابن کیسان نے کہا ان کو دوزخ کی طرف بڑھا دو، پیچھے سے ہنکانے والے کو بھی عرب ہادی کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے ☆

باز پرس حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائیں گے تاکہ ان سے ایک سوال کیا جائے جو آگے مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ" میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے قدم پل صراط کو نہیں چھوڑیں گے جب تک اس سے چار باتوں کی پرسش نہیں کر لی جائے گی۔

(۱) عمر کس کام میں گذاری (۲) جسم کو کس کام میں لگا کر کمزور کیا

(۳) علم کے بعد کیا عمل کیا (۴) مال کہاں سے کمایا اور کس راستے میں صرف کیا، ترمذی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابو الدرداءؓ کا خوف

حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا، مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب حساب ہوگا تو مجھ سے کہا جائے گا تو جانتا تھا (پھر) تو نے عمل کیا کیا؟

جہنم کے سات پل

ابن ابی حاتم نے ابقع بن عبد اللہ کلاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں، راستہ سب پلوں پر سے گذرتا ہے، پہلے پل کے پاس لوگوں کو روک لیا جائے گا اور (ملائکہ) کہیں گے ان کو روک لو ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی، چنانچہ نماز کے متعلق باز پرس کی جائے گی، نتیجہ میں جو ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہو جائیں گے (دوزخ میں گرا دیے جائیں گے) اور جو نجات پانے والے ہیں وہ نجات پا جائیں گے، دوسرے پل پر پہنچ کر امانت کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ امانت میں خیانت کی تھی یا پوری پوری ادا کی تھی اس

کے نتیجے میں جو لوگ ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہو جائیں گے اور جو نجات پانے والے ہیں نجات پا جائیں گے، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو قرابت داری کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ رشتہ قرابت توڑ دیا تھا یا جوڑے رکھا تھا اس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہو جائیں گے اور نجات پانے والے نجات پا جائیں گے، راوی نے کہا اس روز رحم (رشتۂ قرابت) ہوا میں معلق ہوگا اور کہے گا اے اللہ جس نے مجھے جوڑے رکھا اس کو تو بھی جوڑے رکھ، اور جس نے مجھے کاٹا اس سے تو بھی تعلق منقطع کر لے۔ (تفسیر مظہری)

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾

کیا ہوا تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾

کوئی نہیں وہ، آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں ☆

کافروں کی ذلت

یعنی دنیا میں تو "نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ" کہا کرتے تھے (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، آج کیا ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک مدد کی کان بلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾

اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے ☆

"یمین" (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکائے کو زور دکھلا کر اور مرعوب کر کے یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے۔ بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لئے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیردستوں) کے درمیان ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا

وہ بولے کوئی نہیں تم تھے ہی نہ تھے یقین لانے والے اور ہمارا

عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ﴿٣٠﴾

کچھ زور نہ تھا پر تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ﴿٣١﴾

سو ثابت ہوئی ہم پر بات ہمارے رب کی بے شک ہم کو مزا چکھنا ہے

فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ﴿٣٢﴾

ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ ☆

جھوٹے معبودوں کی بیزاری

یعنی خود تو ایمان لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آ گئے اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے ہم نے وہ ہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت لے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آ گئے۔ بہر حال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہ ہی بات "لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ" ثابت ہو کر رہی آج ہم سب کو اپنی اپنی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿٣٣﴾

سو وہ سب اُس دن تکلیف میں شریک ہیں ☆

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٤﴾

ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں ☆

یعنی سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے جیسے جرم میں شریک تھے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ

وہ تھے کہ اُن سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں سوائے

إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٣٥﴾

اللہ کے تو غرور کرتے ☆

تکبر کا نقصان۔ یعنی اُن کا کبر و غرور مانع ہے کہ نبی کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے اُن کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے خواہ دل میں اُسے سچ ہی سمجھتے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿٣٦﴾

اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٧﴾

کوئی نہیں وہ لے کر آیا ہے سچا دین اور سچا مانا ہے سب رسولوں کو ☆

بے وقوفی کی انتہاء۔

یعنی شاعروں کا جھوٹے تو مشہور ہے پھر اس راست باز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے نبیوں کی تصدیق کرتا ہے کیا مجنون اور دیوانے ایسے سچے اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

صٰٓدِقُ الْمُرْسَلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ انوکھا نہیں بلکہ سابق پیغمبروں کا بھی یہی دعویٰ تھا اور یہ گذشتہ پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں لہٰذا ان کا دعویٰ دوسرے پیغمبروں کے موافق ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝
بے شک تم کو چکھنا ہے عذاب درد ناک
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے ☆

اپنا کیا سامنے آئے گا

یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو ہمارے پیغمبر سے کر رہے ہو، جو کچھ کرتے تھے ایک دن سب سامنے آجائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝
مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ☆
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝
وہ لوگ جو ہیں اُن کے واسطے روزی ہے مقرر ☆
فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝
میوے اور اُن کی عزت ہے ☆

مخلص بندے۔

یعنی ان کا کیا ذکر، وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے، جس پر حق تعالیٰ نوازش و کرم فرمائے گا۔

یعنی عجیب وغریب میوے کھانے کو ملیں گے جس کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا "لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ" (واقعہ۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اہل جنت کا رزق

رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ، یعنی ایسا رزق جس کی خصوصیات معلوم ہیں مثلاً لازوال ہونا، خالص لذت بخش ہونا، فواکہ، فاکھۃ کی جمع ہے، فاکہۃ وہ پھل ہے جس کا مقصد محض لذت اندوزی ہو، غذا یابی نہ ہو، اور قوت اس (ماکول ومشروب) چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصد لذات اندوزی نہ ہو، بلکہ غذائیت مقصود ہو، رزق کا لفظ دونوں کو شامل ہے، چونکہ اہل جنت کے اجسام ہر طرح کے انحلال سے محفوظ ہوں گے اس لیے (ان کو غذائیت کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) ان کے ماکولات فواکہ ہونگے جن کا مقصد صرف لذت اندوزی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ امام رازیؒ نے اسی "فواکہ" کے لفظ سے یہ نکتہ نکالا ہے کہ جنت میں جتنی غذائیں دی جائیں گی وہ سب لذت بخشنے کے لئے دی جائیں گی، بھوک کی حاجت رفع کرنے کیلئے نہیں، اس لئے کہ جنت میں انسان کو حاجت کسی چیز کی نہیں ہوگی، وہاں اسے اپنی زندگی برقرار رکھنے یا حفظان صحت کے لئے بھی کسی غذا کی ضرورت نہیں ہوگی، ہاں خواہش ہوگی، اس خواہش کے پورے ہونے سے لذت حاصل ہوگی، اور جنت کی تمام نعمتوں کا مقصد لذت عطا کرنا ہوگا (تفسیر کبیر) (معارف مفتی اعظم)

خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز واکرام ہونگے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝
نعمت کے باغوں میں تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝
لوگ لئے پھرتے ہیں ان کے پاس پیالہ شراب صاف کا
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ
سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو نہ اس میں سر پھرتا ہے
وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ
اور نہ وہ اس کو پی کر بہکیں اور اُن کے پاس
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝
ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں بڑی آنکھوں والیاں ☆

کامل لطف اندوزی:

یعنی مزہ اور نشاط پورا ہوگا، اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام ونشان نہ ہوگا نہ سر گرانی ہوگی نہ نشہ چڑھے گا، نہ قے آئے گی، نہ پیشاب وغیرہ خراب ہوں گے نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہو سکیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

شرم و ناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

نگاہیں نیچی رکھنے والی

علامہ ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں سے کہیں

گی "میرے پروردگار کی عزت کی قسم! حسنت میں مجھے تم سے ستر کوئی نظر نہیں آتا جس اللہ نے مجھے تمہاری بیوی اور تمہیں میرا شوہر بنایا تمام تعریفیں اسی کی ہیں۔"

"نگاہیں نیچی رکھنے والی" کہا ایک اور مطلب علامہ ابن جوزیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہیں نیچی رکھیں گی یعنی وہ خود اتنی خوب صورت اور وفا شعار ہوں گی کہ ان کے شوہروں کو کسی اور کی طرف نظر اٹھانے کی خواہش ہی نہ ہوگی (تفسیر راہ السیر ابن جوزی جس ۱۰۰ ج ۵ و ۸۲ ج ۸) (معارف القرآن مفتی اعظم)

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

گویا وہ انڈے ہیں چھپے ہوئے ☆

حوروں کا حسن یعنی صاف و شفاف رنگ ہوگا جیسے انڈا جس کو پرند اپنے پروں کے نیچے چھپائے رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد و غبار پہنچے یا انڈے کے اندر کی سفید تہہ جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوش رنگ ہوتے ہیں بہر حال تشبیہ صفائی یا خوش رنگ ہونے میں ہے سفیدی میں نہیں، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

عرب کے مرد یک عورتوں کا یہ رنگ حسین ترین رنگ ہے اس لئے عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عین موٹی آنکھوں والیاں جن کی پلکیں (آنکھوں کو چھپالیں گی اس طرح) جیسے گدھ کے پر (یعنی حوروں کی آنکھیں غلافی ہونگی) (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝

پھر سب کیا ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝

بولا ایک بولنے والا ان میں میرا تھا ایک ساتھی

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا

کہا کرتا کیا تو یقین کرتا ہے کیا جب ہم مر گئے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو جزا ملے گی ☆

اہل جنت کی باہمی گفتگو

یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے اور شراب طہور کا جام چل رہا ہوگا اس عیش و تنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا تذکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا "میاں! دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے تردید یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے از سر نو زندہ کر دیں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کر سکتا ہے؟ (تعجب ہاں)

دوسرا کٹ دار

بعض علماء کا قول ہے وہ دونوں دنیا میں شریک تھے ایک کافر تھا جس کا نام مطروس تھا دوسرا مومن تھا جس کا نام تمیوا تھا انہی دونوں کا واقعہ اللہ نے سورۂ کہف کی آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ الخ میں بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝

کہے لگا بھلا تم جھانکتے ہو کیا

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝

پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۝

بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا مار کے میں

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝

اور نہ کرتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا کہ پکڑ کے لائے ہوئے ہیں

کافر ساتھی کا انجام اور عبرت

یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔) یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلا دیا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان یاد آئے گا۔ کہے گا: بخدا تو نے مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچا لیا اور میرے قدم راہ ایمان و عرفان سے ڈگمگنے نہ دیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا

کہا اب ہم کو مرنا نہیں مگر جو پہلی ، مر چکے اور

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

ہم کو تکلیف نہیں پہنچے گی بے شک یہی ہے بڑی مراد جی

الْعَظِيْمُ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ

ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے ☆

اعلیٰ مقصد کا حصول

اس وقت فرط مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آ چکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش و بہار سے نکل کر تکلیف و عذاب کی طرف جانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اسی نعم و رفاہیت میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک بڑی بھاری کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہ ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لئے چاہیے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اہل جنت بطور بشارت و مسرت ملائکہ سے کہیں گے کیا ہم کو پھر کبھی مرنا ہوگا فرشتے ہیں گے نہیں اس پر جنتی کہیں گے۔

ایسے ہی (مقام یا راحت و نعمت) کیلئے عمل کرنیوالوں کو عمل کرنا چاہئے یعنی دنیوی منافع کے حصول کیلئے کوشش بیکار ہے اول تو دنیوی کامیابی دکھوں سے بھری ہوئی ہے پھر فنا پذیر بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ

بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سیہنڈ کا

إِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ

ہم نے اس کو رکھا ہے ایک بلا ظالموں کے واسطے

إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ أَصْلِ الْجَحِيْمِ

وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں ☆

دوزخیوں کی مہمانی

اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔ یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں "زقوم" کسی درخت کا نام ہے جو تحت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے جیسے ہمارے یہاں تھوہر یا سیہنڈ دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں شجرۃ الزقوم سے موسوم کیا۔ وہ ایک بلا ہے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔ کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بے قرار ہوں گے تو یہ ہی کھاتے کو دیا جائے گا اور اس کا حلق سے اتارنا یا اترنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہوگا۔

دنیا میں آزمائش

دنیا میں بھی ایک طرح کی بلا اور آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سنکر گمراہ ہوتے ہیں۔ ولی کہتا ہے کہ ستر درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر اگا۔ (حالانکہ ممکن ہے کہ اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا سمندر آگ میں زندہ رہتا ہے اور سہارنپور کے کمپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔) کسی نے کہا "زقوم" فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ انہیں سامنے رکھ کر ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت اور جہنم میں پہلی پیشکش

نُزُل وہ چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے (ابتدائی پیش کش) اس لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ بالا نعمتیں تو اہل جنت کو ابتدائی پیش کش کے طور پر دی جائیں گی اس کے بعد کیا کیا عطا کیا جائے گا اس کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے، اسی طرح دوزخیوں کو ابتدائی پیش کش کے طور پر زقوم دیا جائے گا (اور اس کے بعد کیسا عذاب ہوگا اس کو سمجھنا عقل کی رسائی سے خارج ہے)

زقوم کی بدمزگی

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو باشندگان زمین کی (ساری) معاش بگڑ جائیں (اس سے اندازہ کرو کہ) کہ جس کا کھانا زقوم ہو اس کی (بدمزگی کراہت طبع اور ناگواری کی) کیا حالت ہوگی۔

ابو عمران خولانی کی روایت سے ابو نعیم نے اور زوائد الزہد میں عبداللہ بن احمد نے بیان کیا ہے کہ زقوم میں سے آدمی جتنا نوچے گا زقوم اس آدمی کا بھی اتنا ہی (گوشت) نوچ لے گا۔

ابن زبعری نے سرداران قریش سے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے مکھن اور کھجور ابوجہل ابن زبعری کو اپنے گھر میں لایا اور باندی سے کہا، جاؤ یہ ہمارے لئے زقوم لاؤ، باندی مکھن اور کھجوریں لے آئی، ابوجہل نے کہا زقوم کھاؤ یہ ہی وہ زقوم ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ڈراتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

زقوم کی حقیقت

زقوم نام کا ایک درخت جزیرۂ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں "تھوہر" کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب ایک اور درخت ہندوستان میں "ناگ پھن" کے نام سے معروف ہے، بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ

قرین قیاس ہے۔ (معارف معنی اعظم)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزین ہے اور تشبیہ کیلئے دیکھنا ضروری نہیں۔

زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مس کر جائے تو بدن میں ورم ہو جائے اور وہ مر جائے۔ (معارف کاندھلوی)

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾
اس کا خوشہ جیسے سر شیطان کے ☆

زقوم کی بدصورتی: یعنی سخت بدنما شیطان کی صورت، یا شیاطین کہا سانپوں کو یعنی اُس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے "ناگ پھن" کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا شیاطین سے مراد شیاطین (جن) ہی ہیں بدصورتی زقوم کے پھلوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کیلئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیاطین (اصلی شکل میں) اگرچہ نظر نہیں آتے لیکن دماغ میں ان کی (مفروضہ) صورتوں کا تصور بری ہی شکلوں کے ساتھ لیا جاتا ہے بعض کے نزدیک شیاطین سے مراد ہیں وہ بدصورت کریہہ المنظر سانپ جن کے سروں پر بال ہوتے ہیں، شاید اسی کراہت شکل اور ہیبت ناک صورت کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ صحرا میں ایک نہایت بدنما تلخ بدبودار درخت ہوتا ہے جس کو عرب رؤس الشیاطین کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾
سو وہ کھائینگے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾
پھر ان کے واسطے اس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی ☆

کھولتا پانی

"زقوم" کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آ پڑینگی، فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ (محمد۔ رکوع ۲) اعاذنا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

علیہا۔ یعنی پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جب سخت پیاس لگے گی اور پانی طلب کرینگے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثُمَّ (ترتیب زمانی کیلئے نہ ہو بلکہ) کراہت کی زیادتی اور ترقی کیلئے ہو (یعنی کھانا تو مکروہ ہوگا ہی پینا اس سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہوگا)

تشوبا۔ شوب آمیزش، ملاوٹ، حمیم انتہائی گرم پانی مطلب یہ ہے کہ وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور پیٹ میں پہنچ کر وہ زقومی غذا سے خلط ملط ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾
پھر ان کو لے جانا آگ کے ڈھیر میں ☆

یعنی بہت بھوکے ہونگے تو آگ سے ہٹا کر یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخیوں کا مطعم

امام رازی فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارہ پر ہوگی کھانے اور پلانے کے بعد پھر ان کو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کے عذاب کی اصل جگہ ہے۔

(تفسیر کبیر ص ۱۴۲ ج ۷ و حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۱۳۱۸ ج ۳)

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے (اور پیاسے) ہوں گے تو آگ سے ہٹا کر ان کو یہ کھانا پانی کھلا پلا کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔ (موضح القرآن)، پس یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی قیم میں

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ آن

اور حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی دوزخیاں را بعد خوردن و نوشیدن ایشاں را بار بدوزخ برند۔ (فتح الرحمن) (معارف کاندھلوی)

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾
انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بہکے ہوئے
فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾
سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں ☆

اندھی تقلید یعنی پچھلے کافر اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اسی پر دوڑ پڑے، کنواں کھائی کچھ نہ دیکھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾
اور بہک چکے ہیں ان سے پہلے بہت لوگ اگلے
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾
اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈرانے والے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

اب دیکھ کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾

مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ہوئے

ہر دور میں ڈرانے والے آتے ہیں

یعنی ہر زمانے میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ارسنانے والے آتے رہے۔ آخر حجتوں نے مانا اور نہ مانا دیکھ لو ان کا انجام کیسا ہوا۔ بس اللہ کے وہی چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ڈر سب ہی کو سناتے ہیں اس میں نیک بچتے ہیں اور مد کھپتے ہیں، آگے بعض منذرین (بالکسر) اور منذرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور موحدین کی تسلی کے لئے۔ (تسہیل)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

اور رکھا اس کی اولاد کو ہی باقی رہنے والے، اور باقی رکھا اس پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾

پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو وہ ہے ہمارے ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾

بندوں میں پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو ۲

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم

تقریباً ہزار سال تک حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے مگر ان کی شرارت اور ایذا رسانی برابر بڑھتی رہی، آخر حضرت نوح نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا "فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" (القمر۔ رکوع ۱) اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو پہنچئے، پھر کیا تھا اللہ نے ان کی پکار کیسے سنی اور مدد کو کس طرح پہنچا۔ نوح علیہ السلام کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا۔ پھر جہاں تک طوفان کے وقت ان کی حفاظت کی۔ اور تنہا، اس کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک ملت ان پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہان میں "نوح علیہ السلام" کہہ کر یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہوا۔ دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب زبردست طوفان کی نذر کر دیئے گئے۔ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ اپنی حماقتوں اور شرارتوں کی بدولت دنیا کا بیڑا غرق کر رہے (منہ) اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ("سام، حام، یافث") کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے والتفصیل یطلب من مظانہ۔ (تسہیل)

کرب عظیم سے مراد ہے قوم کے ہاتھوں سے پہنچنے والا دکھ اور تکلیفیں۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (وہ) حام، سام اور یافث (تین لڑکے) باقی رہ گئے تھے۔

دوسرے سلسلہ روایت میں آیا ہے کہ سام عرب کے جد اعلیٰ اور حام حبش کے جد اعلیٰ اور یافث روم کے جد اعلیٰ تھے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں دور ان کی بیبیوں کے علاوہ سب لوگ مر گئے۔

بظاہر قرائن یہاں سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) طوفان نوح علیہ السلام سے سارے روئے زمین کے باشندے ڈوب گئے صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے (۲) پھر سوائے اولاد نوح علیہ السلام کے اور کسی مومن کی نسل باقی نہیں وہی، قیامت تک جتنے آدمی ہوں گے وہ سب نوح علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔

سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے (محفوظ رہے) تھے سام، حام، یافث، سام عرب فارس اور روم کے جد اعلیٰ ہوئے حام کی نسل میں سارے افریقن ہیں اور یافث کی اولاد میں ترک خزر، یاجوج ماجوج اور وہاں کے بعض ہند کے جاوا شرقیہ کے رہنے والے ہیں۔

نوح علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے نبی تھے

میری (یعنی مفسر کی) تحقیق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سارے انسانوں کیلئے نہیں تھی، یہ خصوصیت تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف ان کی قوم کے لئے مخصوص تھی جب قوم

والے ایمان نہ لائے تو آپ نے ان کیلئے بددعا کی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اس جگہ الارض سے مراد ہے محدود خطہ ارض یعنی ان کافروں کی سرزمین جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے (یعنی عراق) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ۝
اور انہی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم ☆

سب انبیاء ایک جماعت ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں، اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے اسی لئے ابراہیم کو نوح (علیہم السلام) کے گروہ سے فرمایا" وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ " (مؤمنون۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو چالیس سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان سوا علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝
جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل نروگا ☆

حضرت ابراہیم کی خدا پرستی

یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیوی حرصوں سے آزاد ہو کر اکسارہ تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑا، اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ۝
جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کیا پوجتے ہو
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ۝
کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوائے چاہتے ہو
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو ☆

اپنے والد اور قوم کو نصیحت

یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر جپتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر تم نے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟ (تفسیر عثمانی)

اور لفظ مفعول لہ کو سب سے پہلے ذکر کرنا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ ان کی ساری پوجا پاٹ غلطی اور جھوٹ پر مبنی تھی (اس کے اندر کوئی حقیقت اور سچائی نہیں تھی)۔ (تفسیر مظہری)

کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا ان کی شان و رتبہ کو نہیں سمجھتے ہو (معاذ اللہ) پتھروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو، یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جری ہو گئے ہو، آخر بتلاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وہ ذات جو کہ ساری کائنات کے رب ہونے کا حق رکھتی ہے اور واقعی وہ رب العلمین ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ تم نے اس کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے یا دوسروں کو اس کا شریک قرار دے رکھا ہے کیا تم کو اس کے عذاب کا خوف نہیں ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ بھلا تو درکنار رب العلمین کی عبادت ترک کرنے، اس کا کسی کو شریک قرار دینے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانے کا تمہارا خیال بھی کس بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ۝ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ ۝
پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ۝ فَرَاغَ اِلٰٓى
پھر پھر گئے وہ اس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا ان کے
اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝
بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لائحہ عمل

ان کی قوم میں نجومکا زور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عوارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں یہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی روی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر "انی سقیم" کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابراہیم کو ساتھ جانے سے معذور سمجھا اور

تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہ ہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔

حضرت ابراہیمؑ بتوں سے مخاطب ہوتے ہیں

چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا "یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے" باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔

(تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کا اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا اسی لئے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں بلکہ "توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں "من الرجل" کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "من الماء" اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "رجل یھدینی السبیل" ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا اس لئے بقاعدہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" حدیث میں اس کو "ذنب" قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہرقل کو نجوم کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اندازہ ہونا

بخاری نے صحیح میں اپنی سند سے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ ابن ناطور نے جو ایلیا کا گورنر تھا اور شامی عیسائیوں کا پادری بھی، بیان کیا کہ جب ہرقل ایلیا میں آیا تو صبح کو کچھ پریشان سا تھا کسی مصاحب نے دریافت کیا کہ آج آپ کی حالت ہم کو غیر نظر آتی ہے (مزاج کیسا ہے؟) ہرقل بڑا نجومی تھا ستاروں کی چال دیکھا کرتا تھا اس نے جواب دیا آج رات ستاروں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے، بتاؤ وہ کون قوم ہے جو ختنہ کراتی ہے مصاحبین نے کہا یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں سے آپ کو کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہئے قلمرو کے تمام شہروں میں حکم بھیج دیجئے کہ جہاں جو یہودی ہو اس کو قتل کر دیا جائے، ہرقل اسی گفتگو میں مشغول تھا کہ شاہ غسان (گورنر شام) کا بھیجا ہوا آدمی آ گیا جو رسول اللہ ﷺ کی (بعثت اور دعویٰ نبوت کی) خبر لایا تھا ہرقل نے اس سے پوری خبر دریافت کی اور حکم دیا اس کو لے جا کر دیکھو کہ کیا یہ مختون ہے لوگوں نے اس کو لے جا کر دیکھا تو اس کو مختون پایا ہرقل نے اسی سے دریافت کیا کہ عرب کیا ختنہ کراتے ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں عرب ختنہ کراتے ہیں ہرقل نے کہا اسی قوم کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے پھر اپنے کسی ساتھی کو جو اس کی طرح علم نجوم کا ماہر تھا مطالعہ نجوم کا حکم دے کر خود حمص کو چلا گیا ابھی حمص میں ہی تھا کہ اس کو مقرر کردہ ساتھی کا خط ملا جس میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ وہ پیدا ہو گئے ہیں اور وہ نبی ﷺ ہیں۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم نجوم سے بھی کچھ نہ کچھ (واقعات و حوادث) کا علم ہو جاتا ہے اور ممانعت کی وجہ وہی (عقائد کا) بگاڑ ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ اس سے لوگ حوادث کی علت ہے، جبکہ نجوم (کی رفتار) کو سمجھنے لگتے ہیں، مزید یہ کہ اس کی تحصیل میں خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے علم دین میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کا مشغلہ مذہب عیسائیت میں جائز تھا ورنہ عیسائی علماء اس میں نہ پھنستے۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت

اس آیت کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علم نجوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہاں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے، مثلاً سورج کے قریب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں، اور ان بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کیلئے غموں اور ناکامیوں کا پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملہ میں مؤثر حقیقی مانتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیئے ہیں اس لئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے رہین منت ہیں ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو یقیناً ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے، اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے "نور" کہا جاتا تھا) بارش لے کر آتا ہے، اور وہ بارش کے لئے مؤثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو حسب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن وحدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید، لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع وغروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کیلئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہرحال ممنوع اور ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذا ذُكِرَ القَدَرُ فامسِكُوا واذا ذُكِرَ النُّجُومُ فامسِكُوا واذا ذُكِرَ اصحابي فامسِكُوا (تخريج احياء العلوم للعراقي بحوالة طبراني وهو حديث حسنه العراقي)

''جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رُک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور وخوض اور بحث وما جشہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رُک جاؤ اور جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا (یعنی اُن کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رُک جاؤ۔''

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے

تعلَّمُوا من النُّجُومِ ما تهتدُون به في البرِّ و البحرِ ثمَّ امسِكُوا (احياء علوم الدين للعراقي)

''ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رُک جاؤ۔''

اس ممانعت سے ستاروں کے خواص وآثار کا انکار لازم نہیں آتا، لیکن ان خواص وآثار کے پیچھے پڑنے اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے، امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع ومذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے مؤثر حقیقی ہونے کے مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے،

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص وآثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم حسی کی بنیاد وحی الٰہی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے

معدنه غير معلوم و معلومه غير مفيد،

'یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہو سکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ فائدہ مند نہیں۔''

علامہ آلوسی نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسلمہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہئے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی تحصیل میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس وتخمین سے آگے کچھ نہیں، ایک مشہر منجم کوشیار دیلمی نے علم نجوم پر اپنی کتاب المجمل فی الاحکام میں لکھا ہے

''علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے اور اس میں انسان کے وسوسوں اور گمانوں کیلئے بڑی گنجائش ہے۔'' (روح المعانی ص ۱۱۶ ج ۲۳)

علامہ آلوسی نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اسی کی بناء پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بُری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا حصول پندار نفس اور قوت انسان کو علم غیب کے دعوؤں تک پہنچا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مرادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا، اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

توریہ کا شرعی حکم

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر توریہ

کرنا جائز ہے۔ توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو اور باطنی مراد مطابق واقعہ، اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو، اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔

ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار دو عالم ﷺ سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ﷺ ہجرت کیلئے تشریف لے جا رہے تھے اور مشرکین آپ ﷺ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "هُوَ هَادٍ يَهْدِينِي" (وہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چل دیا، حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہو سکے (صحیح مسلم وغیرہ) یہ عملی توریہ اور ایہام تھا۔

مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت ﷺ سے توریہ ثابت ہے، شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا "کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت یہ سن کر پریشان ہوئی تو آپ ﷺ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہ جائیں گی ہاں جوان ہو کر جائیں گی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾
تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے ☆

جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگا کہ تم بولتے کیوں نہیں۔ یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سر سجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد طلب کریں؟۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾
پھر گھسا اُن پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے ☆

یعنی زور سے مار مار کر توڑ ڈالا پہلے غالباً سورۂ انبیاء میں یہ قصہ مفصل گذر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی پوشیدہ طور پر بتوں کے پاس گئے، راغ کے بعد علی کا استعمال ظاہر کر رہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان پر تسلط پا لیا یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے پاس جانا بتوں کیلئے ضرر رساں تھا۔

ضَرْبًا یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دائیں ہاتھ سے زور کے ساتھ بتوں پر ضرب لگائی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ الیمین سے مراد قسم ہے یعنی اپنی قسم کی وجہ سے بتوں پر ضرب لگائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے قسم کھائی تھی اور کہا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ جب تم مڑ کر چل دو گے تو میں خدا کی قسم تمہارے بتوں کے ساتھ ایک برا معاملہ کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾
پھر لوگ آئے اس پر دوڑ کر گھبراتے ہوئے ☆

لوگوں کی میلہ سے واپسی

لوگ جب اپنے میلے ٹھیلے سے واپس آئے، دیکھا بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ قرائن سے سمجھا کہ ابراہیم کے سوا کسی کا کام نہیں چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾
بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب

یعنی جس کسی نے بھی توڑا۔ مگر تم یہ احمقانہ حرکت کرتے کیوں ہو؟ کیا پتھر کی بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر تیار کی پرستش کے لائق ہو گئی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ہر ایک عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس سے کوئی سروکار نہ رہا؟ پیدا تو ہر چیز کو وہ کرے اور بندگی دوسروں کی ہونے لگے، پھر دوسرے بھی کیسے جو مخلوق اور مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا پھر کس طرح اپنے خالق کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرتے ہو جو خود تمہارے محتاج ہیں۔

علم کلام کا ایک مسئلہ

اشاعرہ کہتے ہیں کہ سارے آدمیوں کے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے اس آیت سے

اسی کی تائید ہو رہی ہے فرقہ معتزلہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

اصل کلام اس طرح تھا اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو بت جس چیز کے بنائے جاتے ہیں اس چیز کا خالق یقیناً اللہ ہے، البتہ بتوں کی شکلیں انسان کی ساختہ پرداختہ ہیں (اسی لئے کافروں کے فعل کا نتیجہ ان کو قرار دیا گیا ہے) لیکن اس صنعت پر قدرت دینے والا اللہ ہی ہے اور وہ تمام سر و سامان اور اسباب جن پر بتوں کی تخلیق موقوف ہے ان کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ یا ما مصدریہ ہی ہے لیکن عمل مصدر بمعنی معمول ہے اس وقت تعملون تختون کے موافق ہو جائے گا (تراشنے والے بھی کافر تھے اور اسی تراش و صنعت کا نتیجہ یعنی معمول بھی انہی کے ساختہ تھے۔)

اشاعرہ کا تفسیری قول صحیح ہے معتزلہ کی دونوں تشریحیں غلط ہیں کیونکہ ان دونوں تاویلوں پر (ضمیر کا) حذف اور معنی مجازی (کی طرف بلا ضروری رجوع) لازم آتا ہے اور یہ بات ناقابل شک ہے کہ اصنام کا جوہر تخلیقی کافروں کا خلق کردہ نہ تھا صرف اصنام کی شکلیں ان کی ساختہ تھیں پھر معتزلہ کی تفسیر سے اشکال کی تخلیق بھی فعل انسانی ثابت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی معمولی یعنی نتیجہ کسب قرار پاتی ہے خالق اشکال ہونا بہرحال اللہ کا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری) امام بخاری کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾

بولے بناؤ اس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں

فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ﴿٩٨﴾

پھر چاہنے لگے اس پر برا داؤ کرنا، پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ

جب ابراہیم علیہ السلام کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی کہ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا۔ ابراہیم پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علی رؤس الاشہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیم کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی عظمت شان کی کھلی دلیل اس واقعہ کو بتایا آگ کو ان کے لئے سرد اور مہیب سلامتی کر دیا آگ سے صرف بندھن جل گئے، ابراہیم (علیہ السلام) پر آنچ نہیں آئی۔ (تفسیر مظہری)

یہ واقعہ نمرود کے زمانہ میں علاقہ بابل (عراق) میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٩٩﴾

اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دیگا ☆

ہجرت جب قوم کی طرف سے مایوسی ہوئی اور باپ نے بھی سختی شروع کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو "شام" کا راستہ دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)

روانگی حضرت ابراہیم علیہ السلام (اپنی بی بی) سارہ کو لے کر نمرود کے ڈر سے سرزمین بابل کو چھوڑ کر بھاگ نکلے حضرت سارہ علیہا السلام اپنے زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے نکل کر حدود مصر میں پہنچے۔

بادشاہ مصر سے حضرت سارہؓ کی حفاظت

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ صادف بن صارق تھا، شرح البخاری لابن الملقن میں اس فرعون کا نام سنان بن علوان بتایا گیا ہے جو ضحاک کا بھائی تھا، بعض کا قول ہے کہ اس کا نام عمر بن امرء القیس تھا یہ فرعون حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھین کر سوار کرا کے اپنے محل میں لے گیا اللہ نے تمام دیواروں اور پردوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے انڈے کے چھلکے کی طرح کر دیا تاکہ سارہ کو آپ دیکھتے رہیں اور آپ کا دل مطمئن رہے کیونکہ آپ علیہ السلام بڑے غیرت مند آدمی تھے، غرض فرعون نے جونہی سارہ کا ارادہ کیا فوراً قصر میں زلزلہ آ گیا فرعون اس قصر سے نکل کر دوسرے قصر میں پہنچا، دوسرا قصر بھی ہلنے لگا تو تیسرے قصر میں منتقل ہو گیا یہاں بھی زلزلہ آیا تو سارہ نے کہا یہ زلزلہ ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی بی بی واپس کر دی ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جونہی فرعون نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ شل ہو گیا، فرعون نے سارہ سے فریاد کی اور آپ سے دعاء کا خواستگار ہوا حضرت سارہ نے دعاء کی ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو گیا، فرعون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے پھر دعاء کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ نے دعاء کی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا لیکن اس نے تیسری بار پھر ہاتھ بڑھایا اور پھر ہاتھ شل ہو گیا آخر اس نے تعرض نہ کرنے کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ اگر اب کی مرتبہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ کی دعاء سے پھر اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا۔

حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا

مواہب لدنیہ میں ایک روایت آئی ہے کہ صادف کا ہاتھ سدھ گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فریاد کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء سے

اللہ نے اس کا ہاتھ کھول دیا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور ہدیہ دے دی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں ہوئیں، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بڑی امانت دار خازن (اسرار) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہم نشین تھیں۔

حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہاجرہ قابل رغبت عورت ہے میں آپ کو یہ عورت ہبہ کرتی ہوں تاکہ اس سے آپ کی کوئی اولاد ہو جائے چنانچہ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝
اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا ☆

اولاد کی دعاء

یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما، جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ
پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہوگا تحمل والا ☆

دعاء سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے اور انہیں کی قربانی کا حکم ہوا

یہاں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی دعاء مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہ ہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعاء سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی لئے ان کا نام اسماعیل رکھا گیا کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ "سمع" اور "ایل"۔ سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا سن لی۔ تورات میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی اس بناء پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیل ہیں حضرت اسحاق نہیں۔ اور ویسے بھی ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحٰق کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے "وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا" (الخ) معلوم ہوا کہ "فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ" میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے۔ نیز اسحٰق کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورہ "ہود" میں ان کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحٰق کے بیٹے ہوں گے "وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ" (ہود۔ رکوع ۷) پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحٰق ذبیح ہوں گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جن کے متعلق بشارت و ولادت کے وقت یہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیئے جانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسمٰعیل میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئی اور آج بھی اسماعیل علیہ السلام کی روحانی اولاد بھی جنہیں مسلمان کہتے ہیں ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔ موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام "موریا" "مریا" تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتلانے میں بہت ہی دور دراز احتمالات سے کام لیا ہے۔ حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام مروہ ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی میں الصفا و المروہ ختم کر کے معتمرین حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ "لَكَ مَعَهُ السَّعْيُ" میں اسی سعی کی طرف ایماء ہو موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کرتے فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے۔ غالباً وہ اسی ابراہیم و اسمٰعیل کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ ورنہ آپ کے زمانہ میں لوگ عموماً مکہ سے تین میل "منیٰ" میں قربانی کرتے تھے جیسے آج تک کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کا اصل قربان گاہ "مروہ" تھا۔ پھر حجاج اور ذبائح کی کثرت دیکھ کر "منیٰ" تک وسعت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں بھی "هَدْيًا بِلِغَ الْكَعْبَةِ" اور "ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ" فرمایا ہے جس سے کعبہ کا قرب ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال قرآن و آثار یہ ہی بتلاتے ہیں کہ "ذبیح اللہ" وہی اسمٰعیل تھے جو مکہ میں آ کر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ تورات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے پھر حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم کی دعا کے جواب میں جس لڑکے کی بشارت ملی اسے "غلام حلیم" کہا گیا ہے لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت جب فرشتوں نے ابتداء خدا کی طرف سے دی تو "غلام حلیم" سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے "حلیم" کا لفظ ان پر یا کسی اور نبی پر قرآن میں کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ (۵) صرف اس لڑکے کو جس کی بشارت یہاں دی گئی اور اس کے باپ ابراہیم کو یہ لقب عطا ہوا ہے۔ "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ" (ہود۔ رکوع ۷) اور "اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ" (توبہ۔ رکوع ۱۴) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب کرنے کے مستحق ہوئے۔ "حلیم" اور "صابر" کا مفہوم قریب قریب سے اسی "غلام حلیم" کی زبان سے یہاں نقل کیا "سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ" دوسری جگہ صاف فرما دیا "وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ" (انبیاء۔ رکوع ۶) شاید اسی لئے سورہ مریم میں حضرت اسمٰعیل کو "صادق الوعد" فرمایا کہ "سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ" کے وعدہ کو کس طرح سچا

دکھایا بہر حال "علیم" "صابر" "صادق الوعد" کے القاب کا مصداق ایک ہی معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام۔ "وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا"۔ سورہ بقرہ میں تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" یعنہ اسی مسلم کے تثنیہ کو یہاں قربانی کے ذکر میں "فَلَمَّآ اَسْلَمَا" "لم" کے لفظ سے ادا کر دیا۔ اور ان ہی دونوں کی ذریت کو خصوصی طور پر مسلم کے لقب سے نامزد کیا بے شک اس سے بڑھ کر اسلام وتفویض اور صبر وتحمل کیا ہوگا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی "اَسْلَمَا" کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو امت مسلمہ بنایا فللہ الحمد علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک یہودی عالم سے (جو بعد میں مسلمان اور اچھے مسلمان ہو گئے تھے) دریافت کیا ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہودی عالم نے کہا اسمٰعیل علیہ السلام کو پھر کہا امیر المؤمنین! یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن بے قوم عرب یہودیوں کو اس بات میں حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو ذبیح اللہ مانیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحٰق علیہ السلام تھے اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ مینڈھا جس کی قربانی کی گئی تھی اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر آویزاں تھے جو اولاد اسماعیل علیہ السلام کے قبضہ میں تھے جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کی لڑائی میں کعبہ کو آگ لگی گئی تو وہ سینگ بھی جل گئے، سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں بنی سلیم کی ایک عورت کے حوالے سے علقمہ بن عثمان کا بیان نقل کیا ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔

اصمعی کا بیان ہے میں نے ابو عمرو بن علاء سے پوچھا ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل تھے یا اسحٰق علیہ السلام ابو عمرو نے کہا اصمعی تمہاری عقل کہاں چلی گئی اسحاق علیہ السلام مکہ میں کب تھے، اسماعیل علیہ السلام نے ہی تو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق علیہ السلام یہ قول ہیں بیہ سے باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف کاندھلوی)

حافظ ابن کثیر نے حضرت عامر شعبی کا یہ قول بھی درج کیا ہے کہ "میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں۔" (ابن کثیر ص ۱۸ ج ۴) اور حضرت سفیان فرماتے ہیں کہ "اس مینڈھے کے سینگ مسلسل کعبہ میں لٹکے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانہ میں) کعبۃ اللہ میں آتشزدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے" (ابن کثیر ص ۱۷ ج ۲) اب طائف ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تشریف فرما ہوئے ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے۔

ملاحظہ فرمائیے "اور ابرہام کی بیوی سارای سے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرو تھا اور وہ ہاجرو کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اور جب ابرہام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔" (پیدائش باب ۱۶ آیات ۱، ۲، ۱۵، ۱۶)

تیرا گلے باب میں لکھا ہے

"اور خدا نے ابرہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا ساری کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ کاش! اسمٰعیل ہی تیرے حضور سے جیتا رہے، تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی ساری کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔" (پیدائش ۱۷ تا ۲۰) اس کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے

"اور جب ان کا بیٹا اضحاق ان سے پیدا ہوا تو ابرہام سو برس کا تھا۔" (پیدائش ۲۱ : ۵)

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے، اس کے برعکس حضرت اسحٰق علیہ السلام پر ایسا کوئی وقت نہیں گذرا، جس میں وہ اپنے والد کے اکلوتے ہوں، اب اس کے بعد جب کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے تو اس میں "اکلوتا" کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے کہ اس سے مراد اسمٰعیل علیہ السلام ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ "اضحاق" کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے تاکہ یہ فضیلت بجائے اسمٰعیل کے بجائے ہوا اسحٰق کو حاصل ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

علام حلیم سے مراد ہیں اسماعیل یہی قول صحیح ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، عمر کا یہی قول ہے سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب، قرظی اور کلبی کے رو یک یہی قول مختار ہے عطا، اور یوسف بن مالک کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول آیا ہے کہ جس کی جگہ (نبی مینڈھے) کی قربانی کی گئی تھی وہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے واقدی ابن عساکر نے بطریق عامر بن سعید از سعید بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی تھیں مدت تک آپ کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، حضرت سارہ رضی اللہ عنہا نے دیکھ کر ایک قبطی باندی ماجرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی جن کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے جس سے حضرت سارہ کو رشک پیدا ہوا، ہم نے یہ قصہ سورۂ ابراہیم علیہ السلام میں ذکر کر دیا ہے، ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو لے کر مکہ پہنچے اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے کعبہ کے پاس پہنچ کر ماں بیٹے کو ٹھہرایا (کذا فی البخاری) (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي

پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں

الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ

کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو کیا دیکھتا ہے بولا

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ

اے باپ کر ڈالا جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا

اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ

اگر اللہ نے چاہا سہارے والا ☆

خواب اور قربانی

یعنی جب اسمٰعیل علیہ السلام بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے اور اس کے کام آ سکے۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا۔ تا اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہ ہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا۔ کہنے لگا ۔اماجان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالئے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں امر الٰہی کے امتثال میں شفقت پدری مانع نہ ہونی چاہئے) رہا میں اسو آپ انشاء اللہ دیکھ لیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔ (تفسیر عثمانی)

شام اور مکہ میں آمد و رفت

محمد بن اسحٰق نے بیان کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے پاس جانا چاہتے تھے تو براق پر سوار ہو کر صبح کو شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ میں پہنچ کر قیلولہ کرتے پھر جب مکہ سے واپس آتے تو دوپہر کے بعد چل کر شام کو شام میں پہنچ جاتے اور یہیں رات گذارتے تھے۔

جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو آرزو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے وابستہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت اور حرمات الٰہیہ کی تعظیم کریں گے اس کے پورا ہونے کی امید ہو گئی تو خواب میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کر دو اس حکم کی صورت یہ ہوئی کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے صبح کو اٹھے تو سوچ میں پڑ گئے (کہ یہ حکم خداوندی تھا) صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہے کہ یہ خواب رحمانی ہے یا شیطانی اسی لئے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم الترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے جب شام ہو گئی اور آپ سو گئے تو دوسری بار بھی آپ نے وہی پہلا خواب دیکھا جب صبح کو اٹھے تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے اسی لئے اس (نویں) تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، محمد بن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا رسی اور چھری لے لو ہم اس گھاٹی میں لکڑیاں جمع کرنے جا رہے ہیں جب کوہ ثبیر کی گھاٹی میں پہنچے اور تنہائی ہوئی تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو حکم کی اطلاع دی جو آپ کو ملا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا چلو اللہ کیلئے قربانی کریں گے، اسماعیل علیہ السلام رسی اور چھری لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چل دیے، ابراہیم علیہ السلام ان کو پہاڑوں میں لے گئے، پہاڑوں میں پہنچ کر بیٹے نے پوچھا ابا جان آپ کی قربانی کا جانور کہاں ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ) میں قربان کر رہا ہوں۔

بیٹے کی رائے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے اس کی رائے اس لئے دریافت کی کہ آپ کو بیٹے کی صبر اور اطاعت امر اللہ پر عزیمت کا امتحان لینا تھا۔

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی من اللہ ہوتا ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔

اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ہی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے خواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

وحی غیر متلو کا ثبوت

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وحی صرف وہ ہے جو آسمانی کتاب میں نازل ہو گئی، اس کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری قسم موجود نہیں ہے، آپ نے ملاحظہ فرمایا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم خواب کے ذریعے دیا گیا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے صریح الفاظ میں اسے اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم کونسی آسمانی کتاب میں اترا تھا؟ (معارف سلفی منظم)

عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے، بخاری نے صحیح میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد و ابن ماجہ نے ابو رزین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝

پھر جب دونوں نے حکم ... پچھاڑ ... تھے ...

قربانی کا منظر

بیٹے کا چہرہ سامنے نہ ہونا وہ محبت پدری جوش مارنے لگے، کہتے ہیں کہ یہ بات بیٹے نے سکھلائی آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ کیا ماجرا گزرا۔ یعنی کہنے میں نہیں آتا جو حال گذرا اس کے دل پر اور فرشتوں پر۔ (تفسیر عثمانی)

یہ واقعہ منیٰ میں صخرہ کے پاس ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے کی ہے، بغوی نے عطاء بن سائب کی روایت سے کسی قریشی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ واقعہ اسی قربان گاہ میں ہوا جو آج بھی قربان گاہ ہے۔

قربانی سے پہلے بیٹے کی باتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل روایت کا بیان ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ سے کہا ابا میرے بندھن کس کر باندھنا تاکہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میرے طرف سے سمیٹے رکھنا تاکہ میرا خون اچھل کر آپ کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آ جائے اور اس خون کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلا دینا تاکہ میرے لئے دشواری نہ ہو کیونکہ موت سخت چیز ہے اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو اس کو میرا سلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتہ میری ماں کے پاس واپس لے جانا چاہتے ہوں تو لے جائیں اس سے ان کو بڑی تسلی ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے پیارے بیٹے اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا باپ نے ویسا ہی کیا اول بیٹے کو پیار کیا پھر باندھ دیا اور رونے لگے، پھر اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیزی سے چلانے لگے لیکن چھری کچھ نہ کر سکی، آپ نے چھری کو دو تین بار پتھر سے تیز کیا لیکن چھری (کچھ بھی) نہ کاٹ سکی۔

شیطان کی کارروائی اور مایوسی:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار کا قول اور محمد بن اسحاق نے اپنے رواۃ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا، یہ ارادہ کر کے وہ مرد کی شکل میں لڑکے کی ماں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کیا تم کو معلوم ہے ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں ماں نے کہا دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے لے گئے ہیں ماں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کے دل میں بیٹے کی بڑی محبت ہے شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ماں نے کہا کہ اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی اطاعت کرنی ہی بہتر ہے شیطان یہاں سے مایوس ہو کر بیٹے کے پاس پہنچا بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا شیطان نے اس سے کہا لڑکے کیا تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم کو کہاں لے کر جا رہا ہے لڑکے نے کہا ہم گھر کیلئے ایندھن کی لکڑیاں اس گھاٹی سے لینے جا رہے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے لڑکے نے کہا کیوں؟ شیطان نے کہا اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے لڑکے نے کہا ایسا ہے تو اس کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسر و چشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا شیخ کہاں کا ارادہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں شیطان بولا خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آ کر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت پہچانے کہ یہ شیطان ہے بولے دشمن خدا میرے پاس سے ہٹ جا میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا، شیطان غضبناک ہو کر لوٹ گیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے معاملہ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

کنکریوں کا مارنا:

ابوالطفیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا (تو) اس مشعر پر شیطان (روکنے کیلئے) آپ کے سامنے آ گیا لیکن آپ آگے نکل چکے تھے، پھر آپ حمرہ عقبہ پر پہنچے

وہاں بھی شیطان سامنے آ گیا آپ نے اس کے سات پتھریاں ماریں شیطان چلا گیا، پھر آپ جمرۂ وسطیٰ پر پہنچے وہاں بھی شیطان آگے آ گیا آپ نے اس کے سات کنکریاں ماریں شیطان چلا گیا اور پھر جمرۂ کبریٰ کے پاس ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پایا یہاں بھی آپ نے اس کے سات سنگ ریزے مارے اور شیطان چلا گیا اس کے بعد آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے چل دیئے۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت ﷺ ابن الذبیحین ہیں

اور حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا ابن الذبیحین۔ اے دو ذبیح کے فرزند آپ کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی عطا کیجئے آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المومنین وہ دو ذبیح کون ہیں تو فرمایا ایک ذبیح تو حضرت اسماعیل حضور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبداللہ حکماً ذبیح اللہ ہو گئے اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے حضور کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا اے دو ذبیح کے بیٹے، پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جو حضور پُرنور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وابن جریر فی تفسیرہ وغیرہما، روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۲۳ و تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵۔

نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۹ ج ۷۔ اور روح المعانی ص ۱۲۴ ج ۲۳۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

گر بندۂ خویش خوانی مرا — بہ از مملکت جاودانی مرا
شہانے کہ با تخت فرخندہ اند — ہمہ بندگان ترا بندہ اند

(معارف کاندھلوی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝

اور ہم نے اس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا

تو نے سچ کر دکھایا خواب

صداقت ابراہیمی

یعنی بس بس کر رہے دے تو نے خواب سچا کر دکھایا، مقصود بیٹے کا ذبح کرانا نہیں محض تیرا امتحان منظور تھا سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ اس وقت ہم نے ان کو آواز دی اے ابراہیم علیہ السلام

بغوی نے لکھا ہے اس جملہ میں واؤ زائدہ ہے اور یہ کلام فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا کا جواب (جزاء) ہے بیضاوی نے لکھا ہے لما اسلما کی جزاء محذوف ہے کلام محذوف اس طرح تھا کہ جو کچھ واقعہ ہونا تھا وہ ہو گیا تو دونوں کی خوشی ناقابل بیان ہوئی کوئی حالت یا مقامی وضاحت اس کا اظہار نہیں کر سکتی، آئی ہوئی مصیبت کو اللہ نے دور کر دیا اور باپ بیٹے کو وہ توفیق عنایت کی جو کسی اور کو عنایت نہیں کی سارے جہان پر ان کو برتری عطا فرمائی اور ثواب آخرت جو ان کے لئے مقرر فرمایا اس کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا ان تمام نعمتوں پر دونوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ واؤ عطف کے لئے ہو اور لما اسلما کے محذوف جواب پر اس کا عطف ہو یعنی جب بیٹے اور باپ نے حکم الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کو زمین پر لٹا دیا اور حلق پر چھری پھیر دی تو ہم نے ذبح سے (چھری کو) روک دیا اور اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور ابراہیم علیہ السلام کو ندا دی کہ۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تم نے خواب تو سچ کر دکھایا

یعنی تمہارے اختیار میں جو کچھ تھا وہ تم نے پورا کر، یا کسی کام پر مامور کر یا مقصد صرف آزمائش اور اس امر کا امتحان کہ بقدر اختیار بندہ حکم کی تعمیل کرتا ہے یا نہیں امر کی اس کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے امر ذبح کی پوری تعمیل کی اور اپنی دانست میں ذبح کر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ انور شاہؒ کی عجیب توجیہ

حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ انی ذبحتک کہ میں نے اسمٰعیل کو ذبح کر دیا بلکہ یہ دیکھا تھا کہ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا جو فعل ہے گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں، سو اتنا کرنے سے وہ خواب میں سچے ہو گئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہو گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو بے شک یہی ہے

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝

صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے بڑا

نیکی کا بدلہ۔

یعنی ایسے مشکل حکم کے آزماتے ہیں، پھر ان کو بلندی قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند دیتے ہیں۔ توراۃ میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا اور فرشتے نے ندا دی کہ ہاتھ روک لو، تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے "خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا" (توراۃ تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱۵)۔

یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا، یا بڑا قیمتی فربہ، تیار۔ پھر یہ ہی رسم قربانی کی اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ، اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا، روایت میں آیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے ایک آواز سنی تو نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور جبرئیل علیہ السلام نظر آئے جس کے ساتھ ایک سینگوں والا مینڈھا تھا جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے اس کی قربانی کر دیجئے اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی پھر سنی کی قربان گاہ میں جا کر مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ بجائے بیٹے کو فدیہ پیش کرنے والے تو حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام تھے لیکن قربانی کا جانور اللہ کا عطا کردہ تھا اور اللہ نے جانور کو بجائے اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے فدیہ میں فعل فدیہ کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ جس مینڈھے کی اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ابراہیم علیہ السلام نے قربانی پیش کی تھی وہ وہی مینڈھا تھا جس کی آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل علیہ السلام نے قربانی پیش کی تھی۔

مسئلہ اس آیت سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کے قربان کرنے کی نذر مانی ہو اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہے۔

(حضرت مفسر نے کہا) میں کہتا ہوں کہ سورۂ نوح کی آیت **وَلِيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ** کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔ قیاس کا تقاضا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں کچھ بھی واجب نہ ہو (نہ بیٹے کو قربان کرنا نہ بکری کو) کیونکہ یہ گناہ کی نذر ہے امام ابو یوسف کا یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہ نے (خلاف قیاس) استحسان کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ بکری کی قربانی لازم ہے کیونکہ جب حقیقت شرعاً واجب الترک ہو تو مجازی معنی متعین ہو جاتا ہے۔ پس جب کسی نے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی تو ظاہر ہے بیٹے کی قربانی واجب الترک ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ بیٹے کے قائم مقام بکری کی قربانی کرنے کا خود اپنے اوپر التزام کر لیا، بکری کی قربانی کی تعیین اس لئے ہو گئی کہ اللہ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دے دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اسی پر فتویٰ دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

مینڈھا حسن بصری حضرت علی سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا شبیر پہاڑ سے اترا تھا اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ نے اس کو قبول کر لیا تھا اور اس وقت سے لے کر اسوقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت میں حضرت اسمٰعیل کے فدیہ کیلئے اتارا گیا دیکھو تفسیر قرطبی ص ۷ ج ۱۵ اس طرح سے فدیہ اسمٰعیل کی جان بچائی اور آئندہ کیلئے قربانی کا قانون مقرر کر دیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ سنت ابراہیمی سے متعلق قربانی کیا کریں اور خود حیوان کی قربانی کرنے کا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف کی داخلی کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں، جاؤ اسے ڈھک دو، بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کرے، حضرت سفیان فرماتے ہیں، اس بھیڑ کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے، یہاں تک کہ ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگ گئی، اس میں وہ جل گئے، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر وراثتاً چلے آئے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝

اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں کہ

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

سلام ہے ابراہیم پر۔

آج تک دنیا ابراہیم علیہ السلام کو بھلائی اور بڑائی سے یاد کرتی ہے، علی نبینا و علیہ الف الف سلام و تحیۃ

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں ☆

یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں سے

دوسری خوشخبری۔

معلوم ہوا کہ پہلی خوشخبری اسمٰعیل علیہ السلام کی تھی اور سارا قصہ ذبح کا اُن ہی پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ ہم تم کو ایک لڑکا عنایت کرینگے جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا اور جس کی نبوت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، اور جو صالحین میں سے ہوگا، نبوت کے بعد صالح ہونے کا ذکر کرنا اسحاق علیہ السلام کی عظمت شان اور تعریف کو ظاہر کر رہا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اصلاح ہی نبوت کا ہدف اصلی ہے نبوت سے تمام (افکار و اعمال) کی درستگی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا
اور برکت دی ہم نے اُس پر اور اسحٰق پر اور دونوں کی اولاد میں
مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝
نیکی والے ہیں اور مدکار بھی ہیں اپنے حق میں صریح ☆

اولادِ ابراہیم میں برکت۔

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحٰق کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل ہوئے" اور اسمٰعیل کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں۔ اچھے بھی جو بڑوں کا نام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے سب خاندان کہلانے کے مستحق ہیں (تنبیہ) عموماً مفسرین نے "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا" کی ضمیر "ابراہیم" و "اسحٰق" کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ صاحب نے "اسمٰعیل و اسحٰق" کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۚ وَنَجَّيْنٰهُمَا
اور ہم نے احسان کیا موسیٰ اور ہارون پر اور بچا دیا
وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا
ہم نے اس کو اور اس کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے اور اس لئے ہم نے مدد کی
هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝
تو رہے وہی غالب اور ہم نے دی ان کو کتاب واضح ☆
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا
اور بتائی ان کو سیدھی راہ اور باقی رکھا ان پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ
پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے موسیٰ اور ہارون پر ہم یوں ہی دیتے ہیں
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
بدلہ نیکی کرنے والوں کو تحقیق وہ دونوں ہیں ہمارے ایماندار بندوں میں سے

یعنی فرعون اور اسکی قوم کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اور بحر قلزم سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

یعنی قرعونیوں کا بڑا غرق کر کے بنی اسرائیل کو غالب و مسلط کیا اور مالکین کے اموال و املاک کا وارث بنایا۔

یعنی تورات شریف جس میں احکام الٰہی بہت تفصیل و ایضاح سے بیان ہوئے ہیں۔

یعنی افعال و اقوال میں استقامت بخشی اور ہر معاملہ میں سیدھی راہ پر چلایا جو خصوصاً انبیاء کے لوازم میں سے ہے۔

یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں جب اس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۝
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو بہتر بنانے والے کو

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت الیاس علیہ السلام بعض کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اللہ نے اس کو ملک شام کے ایک شہر "بعلبک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بعل" نامی بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو خدا کے عذاب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔ (تفسیر عثمانی)

نسب محمد بن اسحاق نے حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا ہے الیاس بن یشیر بن قیحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران

بنی اسرائیل کی گمراہی

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اصحاب روایت کہتے ہیں کہ جب الیسع علیہ السلام سے پہلے جو پیغمبر تھے اس کی وفات ہوگئی تو بنی اسرائیل میں نئی نئی بدعتیں بڑھ گئیں، شرک پھیل گیا بت نصب کر دیے گئے، بتوں کی پوجا ہونے لگی، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاس علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کی بعثت اس غرض سے ہوتی تھی کہ توریت کے کھولے ہوئے احکام کو از سر نو تازہ کر دیا جائے بنی اسرائیل ملک شام میں پھیلے ہوئے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یوشع علیہ السلام بن نون نے جو ملک شام فتح یا تھا تو

وہاں بنی اسرائیل کو بسا دیا تھا اور ان میں سے ایک سبط (خاندان) کو بعلبک اور اس کے اطراف میں آباد کر دیا تھا، انہیں میں سے الیاس علیہ السلام پیغمبر ہوئے، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔

بادشاہ اس زمانہ میں بعلبک کا بادشاہ اُخب تھا، اُخب نے بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کیا کیونکہ وہ خود بت پرست تھا، اصل نامی بت کی پوجا کرتا تھا، یہ بت دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے، حضرت الیاس علیہ السلام تنہا اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دیتے تھے لیکن آپ کی بات کوئی نہیں سنتا تھا صرف بادشاہ کے حکم کو مانتے تھے اور بادشاہ مانتا کو مانتا اور اس کی پوجا صحیح قرار دیتا تھا، الیاس علیہ السلام بادشاہ کو بھی راہ راست دکھاتے اور اس کے احکام کی درستی کرتے رہتے تھے۔

قاتلہ ملکہ بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ارزبیل تھا، بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی لڑائی پر یا اور کسی غرض سے ملک سے باہر جاتا تھا تو ارزبیل کو اپنا جانشین بنا جاتا تھا عورت باہر نکل کر حکومت کرتی تھی اور انبیاء کی (بڑی دشمن اور) بردست قاتلہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہ السلام پیغمبر کو بھی اسی نے قتل کرایا تھا، اس کا ایک ہیکار تھا جو دانشمند مرد مومن تھا، اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اس نے تین سو انبیاء کو جن کو قتل کرنے کا ارزبیل نے ارادہ کر لیا تھا اس قتل کے نیچے سے رہائی دلائی تھی اور جن انبیاء کو یہ قاتلہ قتل کر چکی ان کو قتل کر چکی تھی (ان کا تو وکر ہی نہیں) یہ عورت بجائے خود باعصمت بھی نہیں تھی سات اسرائیلی پیغمبروں سے نکاح کر چکی تھی اور ہر ایک کو دھوکے سے اس نے قتل کر دیا تھا، اس کی عمر بہت تھی، روایت میں آیا ہے کہ اس کی ستر اولادیں ہوئیں۔

نیک ہمسایہ ملکہ کے ظلم کا شکار ہوا

بادشاہ اُخب کا ایک ہمسایہ بڑا مرد صالح تھا، جس کا نام مزدکی تھا اس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس پر اس کا گذر بسر تھا اسی کی درستی اور اصلاح میں وہ مشغول رہتا تھا یہ باغیچہ شاہی قصر کے برابر تھا بادشاہ اور اس کی بیگم دونوں اس باغیچہ میں سیر تفریح کرتے وہاں کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے اُخب اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ارزبیل ہمسایہ سے جلتی تھی اور کسی حیلے بہانے سے اس کو قتل کر دینا چاہتی تھی تاکہ باغیچہ چھین لے کیونکہ لوگوں میں باغیچہ کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی خوبصورتی کی بہت تعریف کرتے تھے اُخب اپنی بیوی کو روکتا رہتا تھا اس لئے بی بی کو مقصد برآری کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ دور کے سفر پر چلا گیا اور طویل مدت تک اپنے ملک سے غیر حاضر رہا ارزبیل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو حکماً اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ مزدکی کے خلاف شہادت دیں اور یہ کہیں کہ مزدکی نے بادشاہ کو ہمارے سامنے گالی دی ہے اس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل تھی ملکہ نے شہادت مرتب کر لی تو مزدکی کو طلب کیا اور اس سے کہا تو نے بادشاہ کو گالی دی ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے مزدکی نے انکار کیا ملکہ نے گواہوں کو بلوایا گواہوں سے مزدکی کے خلاف جھوٹی شہادت دی ملکہ نے مزدکی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغیچے پر خود قبضہ کر لیا اس بندۂ صالح کے (ناحق طلما) قتل کئے جانے پر وہ لوگ غضب خداوندی میں مبتلا ہو گئے۔

بادشاہ کا افسوس

بادشاہ سفر سے واپس آیا تو ملکہ نے اس کو یہ خبر سنائی بادشاہ نے کہا تو نے اچھا نہیں کیا میرا خیال ہے کہ ہم آئندہ فلاح نہیں پائیں گے ایک مدت سے وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ہم نے کبھی اس کا پڑوس اچھی طرح نباہا تھا اور ہر طرح کی ایذا رسانی کو اس سے دور رکھا تھا کیونکہ اس کا حق ہم پر واجب تھا لیکن تو نے بدترین سلوک کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ عورت بولی مجھے تو آپ کی وجہ سے غصہ آیا اور آپ ہی کے فیصلہ کے موافق میں نے فیصلہ کیا بادشاہ نے کہا کیا تیرے لئے برداشت کی گنجائش تھی کہ اس کے حق ہمسائگی کا لحاظ کرتی عورت سے کہا اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو گیا سو ہو گیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو شاہ اُخب اور اس کی قوم کے پاس یہ اطلاع دینے کیلئے بھیجا کہ اللہ کے ولی کو جب لوگوں نے ظلم سے قتل کر دیا تو اس حرکت سے اللہ سخت ناراض ہو گیا اور اس نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کی ملکہ اپنی حرکت سے توبہ نہیں کریں گے اور باغیچہ مزدکی کے دارثوں کو لوٹا کر نہیں دینگے تو اللہ ان کو تباہ کر دے گا اور باغیچہ کے اندر ہی دونوں کی مردار لاشیں پھینک دے گا کہ ان کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہو جائینگی۔

بادشاہ کا انکار و عداوت

الیاس علیہ السلام نے بحسب الحکم یہ پیغام پہنچا دیا، بادشاہ یہ بات سن کر سخت غضب ناک ہو گیا اور کہنے لگا الیاس علیہ السلام تو جس بات کی مجھے دعوت دے رہا ہے وہ غلط ہے فلاں فلاں بادشاہوں نے ہماری طرح بتوں کی پوجا کی اس کے باوجود وہ کھاتے رہے مزے اڑاتے رہے، حکومت کرتے رہے اور حسن مات کو تو باطل (غلط اور بے حقیقت) قرار دے رہا ہے ان کو ان باطل پرستی سے کوئی دنیوی نقصان نہیں پہنچا اور ہم ایسے خیال میں ان سے برتر نہیں ہیں غرض بادشاہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے اور دکھ پہنچانے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت الیاس علیہ السلام کو جب بادشاہ کی شرارت کا احساس ہو گیا تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کہیں سکونت پذیر ہو گئے بادشاہ دوبارہ بعل کی پوجا کرنے لگا، الیاس علیہ السلام کسی بڑے اونچے دشوار گذار پہاڑ پر

چڑھ گئے اور وہاں ایک غار میں داخل ہو گئے بعض روایات میں آیا ہے کہ سات برس آپ نے آوارگی خوف (اور خانہ بدوشی) کی حالت میں چھپتے چھپاتے زمین کی گھاس اور درختوں کے پھل کھا کھا کر گزار دیے بادشاہ کے آدمی آپ کی تلاش میں رہے آپ کے پیچھے جاسوس بھی لگا دیے، لیکن اللہ نے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

شہزادے کا بیمار ہونا

سات سال پورے ہو گئے تو اللہ نے آپ کو برآمد ہونے اور قوم سے انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ اُحب کا سب سے پیارا بیٹا جو باپ کا بہت زیادہ ہم شکل تھا بحکم خدا اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ باپ کو اس کی طرف سے ناامیدی ہو گئی، اُحب نے اپنے معبود بعل سے دعاء کی (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) اُحب اور اس کی رعایا سب بعل کی پرستش میں مبتلا تھے اس کی تعظیم اس حد تک کرتے تھے کہ اس کی نگرانی اور خدمت کیلئے چار سو مجاور مقرر کر رکھے تھے جن کو وہ انبیاء کہتے تھے شیطان بعل کے پیٹ میں گھس کر بولتا تھا اور یہ خدام کان لگا کر اس کا کلام سنتے تھے، شیطان کوئی گمراہ کن قانون مجاوروں کے دلوں میں ڈال دیتا تھا اور مجاور وہ حکم لوگوں کو بتا دیتے تھے اسی لئے ان مجاوروں کو انبیاء کہا جاتا تھا۔

شہزادے کی صحت کے بارے میں بتوں کی ناکامی

شہزادے کی بیماری جب شدت پکڑ گئی تو اس نے مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل سے اس کے بیٹے کی صحت کیلئے سفارش کریں مجاوروں نے بعل سے دعاء کی لیکن بعل نے کوئی جواب نہ دیا، اللہ نے شیطان کو بت کے اندر گھسنے سے روک دیا اس لئے بت بول نہ سکا اور مجاور اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے جب مجاوروں کو زاری کرتے اور گڑگڑاتے زیادہ وقت ہو گیا (اور کوئی نتیجہ نہ نکلا یہاں تک کہ بت نے کوئی بات بھی نہ کی)۔

لوگوں کا مشورہ:

لوگوں نے اُحب سے کہا اطراف شام میں کچھ معبود اور ہیں آپ ان انبیاء کو ان کے پاس بھیجئے تاکہ وہ بعل سے سفارش کر دیں بعل آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتا ہے اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دعاء قبول کر لیتا اُحب نے کہا بعل مجھ سے ناراض کیوں ہے میں تو اس کی پوجا کرتا اور اس کے حکم کو مانتا ہوں، لوگوں نے کہا بعل کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اب تک الیاس کو قتل نہیں کیا اُس کے قتل کرنے میں آپ کی کوتاہی ہوئی کہ وہ صحیح سالم بچ کر چلا گیا اور وہ آپ کے معبود کا منکر ہے اُحب نے کہا میں الیاس علیہ السلام کو کیسے قتل کر سکتا ہوں میں تو اپنے بیٹے کی بیماری میں لگا ہوا ہوں، میری یہ ہی مشغولیت الیاس علیہ السلام کی تلاش سے روک رہی ہے اور الیاس علیہ السلام کا مقام بھی مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سے اس کو گرفتار کر لیا جائے میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو الیاس علیہ السلام کو ڈھونڈھنے کی مجھے فراغت مل جائے گی، پھر میں اس کو کہیں پا کر قتل کر دوں گا اور اپنے معبود کو راضی کر لوں گا اس کے بعد اُحب نے چار سو انبیاء مجاوروں کو ملک شام کے بتوں کے پاس یہ درخواست کرنے کیلئے بھیجا کہ وہ اُحب کے معبود سے بیٹے کو تندرست کر دینے کی سفارش کر دیں حسب الحکم انبیاء روانہ ہو گئے جب یہ لوگ پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں الیاس علیہ السلام سکونت پذیر تھے تو اللہ نے الیاس علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اب تم نیچے اتر کر ان کے سامنے جاؤ اور ان سے گفتگو کرو، ان سے کوئی خوف نہ کرو میں ان کی شرارت کو تمہاری طرف سے پھیر دوں گا یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت حق

حسب الحکم الیاس علیہ السلام پہاڑ سے اتر آئے جب ان کے سامنے پہنچے تو ان کو ٹھہر جانے کا حکم دیا سب رک گئے حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے تمہارے پاس اور ان لوگوں کے پاس جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو ایک پیام دے کر بھیجا ہے لوگو! اپنے رب کا پیام خوب سن لو اور واپس جا کر اپنے آقا کو بھی پہنچا دو اور اس سے کہہ دو کہ اللہ فرماتا ہے۔

اے اُحب کیا تو نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے ان کو پیدا کیا اور رزق دیا ہے اور وہی ان کو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے کیا وجہ ہے کہ تو دوسروں کو میرا شریک قرار دیتا اور میرے سوا ان سے اپنے بیٹے کی شفاء مانگتا ہے جن کے قبضے میں اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں، میں اپنے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ بیٹے کے سلسلے میں تجھے ضرور غضب میں مبتلا کروں گا اور ضرور ضرور اس پر موت کو مسلط کر دوں گا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میرے سوا کوئی بھی اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتا۔

مجاوروں کی واپسی۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا یہ کلام سن کر مجاور خوف زدہ ہو گئے اور لوٹ پڑے اور بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کو بتایا کہ الیاس علیہ السلام ہمارے پاس اتر کر آیا تھا اور اس نے ہم کو ٹھہر جانے کا حکم دیا ہم ٹھہر گئے ہمارے دلوں میں اس کا رعب بیٹھ گیا اور ہیبت چھا گئی ہماری زبانیں بند ہو گئیں ہم اتنی کثیر تعداد میں تھے لیکن اس سے بات بھی نہ کر سکے نہ اس کی بات کا جواب دے سکے وہ ایک دراز قامت دبلا پتلا آدمی تھا سر کے بال جھڑ گئے تھے بدن کی کھال کھردری ہو گئی تھی بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ اور جبہ پہنے ہوئے تھا کانٹوں سے اس نے کرتے کا گریبان سی لیا تھا، آخر ہم آپ کے پاس لوٹ آئے غرض حضرت الیاس علیہ السلام کی بات انہوں نے بادشاہ کو پہنچا دی۔

بادشاہ کا فریب

اس کے بعد الیاس علیہ السلام کے زندہ رہتے ہوئے اُحب کو اپنی زندگی بے

سود معلوم ہونے لگی، لیکن بغیر دھوکے اور فریب کے الیاس علیہ السلام تک اس کی دسترس بھی ممکن نہ تھی اس لئے (اس نے ایک چال چلی) اپنی قوم کے پچاس طاقتور قوی آدمی مقرر کئے اور ان کو ذمہ دار بنا دیا اور حکم دے دیا کہ فریب سے کام لیں اور دھوکے میں ڈال کر الیاس علیہ السلام کو قتل کر دیں اور الیاس علیہ السلام کو جا کر لالچ دیں کہ ہم اور وہ لوگ جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں سب کے سب آپ پر ایمان لے آئیں ہیں ایسی باتیں سن کر الیاس علیہ السلام کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ دھوکا کھا جائیں گے اور اپنے آپ پر تم لوگوں کو قابو دیں گے تم ان کو لے کر بادشاہ کے پاس آ جانا، حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور جس پہاڑ میں الیاس علیہ السلام سکونت گزین تھے جب اس پر چڑھے تو منتشر ہو گئے اور انتہائی اونچی آواز سے الیاس علیہ السلام کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی آپ ہم پر کرم کیجئے اور ہمارے سامنے آ جائیے ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ کو سچا جانتے ہیں اور ہمارا بادشاہ اجب اور سارے لوگ بھی آپ پر ایمان لا چکے ہیں، تمام بنی اسرائیل آپ کو سلام کہتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا پیام ہم کو پہنچ گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اس کو جان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اب آپ ہمارے پاس آ جائیے اور ہمارے ساتھ قیام فرمائیے جو کچھ ہم کو آپ حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور جس بات سے روکیں گے اس سے باز رہیں گے اب جب کہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے فرمانبردار ہو گئے ہیں تو آپ کے لئے ہم سے الگ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس واپس آ جائیے۔

دھوکے بازوں پر آگ کا برسنا:

ان لوگوں کی یہ باتیں ایک دھوکہ تھیں، ایک فریب تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کے دل میں ان کا کلام بیٹھ گیا آپ کو ان کے مؤمن ہونے کا خیال بھی ہوا اور (ایسی حالت میں) برآمد نہ ہونے سے اللہ (کی ناراضگی) کا اندیشہ بھی ہوا لیکن اللہ کی طرف سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ابھی توقف کرنا چاہئے اور اللہ سے دعاء کرنی چاہئے چنانچہ آپ نے (دعا کی اور) کہا اے اللہ اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو مجھے برآمد ہونے کی اجازت عطا فرما دے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کو مجھ سے باز رکھ اور ان پر ایسی آگ برسا جو ان کو سوختہ کر دے، ابھی یہ لفظ پورے نہ ہونے پائے تھے کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور سب جل کر رہ گئے۔

دوسرا دھوکہ اور ہلاکت

اجب اور اس کی قوم کو جب یہ اطلاع ملی تب بھی اجب اپنے ارادۂ شر سے باز نہیں آیا اور دوبارہ فریب سے کام لیا اور پہلی جماعت کی برابر ایک اور جماعت مقرر کی، جو پہلی جماعت سے زیادہ طاقتور بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی، حسب ہدایت یہ لوگ چل دیے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پھیل گئے اور پکارنے لگے، اے اللہ کے نبی ہم اللہ کے غضب اور گرفت سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں وہ لوگ جو آپ کے پاس پہلے آئے تھے ہم ان کی طرح نہیں ہیں وہ تو منافق تھے ہمارے مشورے کے بغیر وہ آپ کو فریب دینے کیلئے آئے تھے اگر ہم کو ان کی حرکت کا علم ہو جاتا تو ہم ان کو قتل کر دیتے اور آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، اب اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، ان کو ہلاک کر دیا اور ہمارا اور آپ کا ان سے انتقام لے لیا حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر سابق کی طرح اللہ سے دعاء کی اللہ نے فوراً ان پر آگ کی بارش کر دی جس سے سب سوختہ ہو گئے۔

تیسری کارروائی

اس تمام کارروائی کے دوران شہزادہ کی بیماری کی مصیبت شدید ہوتی رہی بادشاہ نے جب دوسرے گروہ کے ہلاک ہو جانے کی خبر سنی تو اس کا غضب بالائے غضب ہو گیا اور خود الیاس علیہ السلام کی تلاش میں جانا چاہا لیکن بیٹے کی بیماری آڑے آئی اور خود نہ جا سکا۔

ایک شخص اجب کی بیوی کا میر منشی یا سیکرٹری تھا اور (در پردہ) مؤمن تھا (لیکن بادشاہ کو اس کا مؤمن ہونا معلوم تھا) بادشاہ نے اس کو بھیجنے کی تجویز اس خیال سے کی کہ الیاس علیہ السلام اس سے مانوس ہے۔ اس کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر آ جائے گا اور چونکہ سیکرٹری کا مؤمن ہونا بادشاہ کو معلوم تھا اور یہ جاننے کے باوجود اس نے سیکرٹری کی طرف سے چشم پوشی محض اس کی کارگزاری، امانت داری اور درستی رائے کی وجہ سے کر رکھی تھی اس لئے اس نے سیکرٹری پر یہی ظاہر کیا کہ میں الیاس علیہ السلام سے کوئی بدسلوک کرنا نہیں چاہتا۔ سیکرٹری کے ساتھ اس نے کچھ آدمیوں کی ایک جماعت اور بھی کر دی اور اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ اگر الیاس علیہ السلام ساتھ آنا نہ چاہے تو گرفتار کر کے باندھ کر لے آئے اور اگر سیکرٹری اعتماد کر کے ساتھ آ جائے تو پھر خوف زدہ کرنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں، سیکرٹری پر اس نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اب جب کہ میرے آدمی جل چکے اور میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور یہ سب مصیبتیں مجھ پر آ پڑی ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ الیاس علیہ السلام کی بددعاء کا نتیجہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ الیاس علیہ السلام ہم سب لوگوں کے لئے جو باقی رہ گئے ہیں بددعا کر دے گا تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس لئے تم الیاس علیہ السلام کو پاس چلے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے توبہ کر لی ہے اور (اللہ کی طرف) رجوع کر چکے ہیں اور ہماری توبہ اور رضاء رب کی طلب اور ترک اصنام کا عمل اسی وقت صحیح ہوگا جب الیاس علیہ السلام ہمارے پاس موجود ہوں اور امر و نواہی صادر کریں اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتائیں، بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی اور اس کے حکم کے مطابق علیحدگی میں انہوں نے بھی سیکرٹری کے سامنے

اعتراف کرلیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن بتوں کی ہم پہلے پوجا کرتے تھے ان کی پوجا ہم نے چھوڑ دی ہے اور الیاس علیہ السلام کے آنے تک ہم نے اس معاملہ کو ملتوی کر رکھا ہے تاکہ وہی آ کر ان کو جلا دیں اور برباد کر دیں ان باتوں میں سے کسی بات میں خلوص نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بادشاہ کا فریب تھا۔

غرض سکریٹری اور اس کے ساتھ ایک جماعت سب روانہ ہو گئے اور حضرت الیاس علیہ السلام والے پہاڑ پر سیکرٹری چڑھ گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام کو پکارا آپ نے اس کی آواز پہچان لی دل میں اس سے ملنے کا شوق پہلے ہی تھا، آواز سن کر ملاقات کی ایک موک اٹھی فوراً اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ باہر نکل آؤ اور اپنے صالح بھائی سے ملو اور اس سے (دوستی کے) عہد کی تجدید کرو وحی آتے ہی حضرت الیاس علیہ السلام سیکرٹری کے سامنے آ گئے سلام علیک اور مصافحہ کیا اور خبر دریافت کی مرد مؤمن نے کہا مجھے اس ظالم اور سرکش قوم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے بعد پوری سرگذشت بیان کر دی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہوں گے اور میں تنہا واپس جاؤں گا تو مجھے خوف ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا اب جیسا چاہیں آپ مجھے حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ چاہیں تو میں بادشاہ سے کٹ کر آپ کے پاس ہی رہنے لگوں اور اس کو بالکل چھوڑ دوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے ہم رکاب رہ کر میں اس سے مقابلہ کروں اور اگر آپ کا ارادہ کچھ پیام دے کر مجھے اس کے پاس بھیجنے کا ہو تو میں آپ کا پیام بھی پہنچا دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب سے دعاء کریں کہ وہ ہمارے اس (الجھے ہوئے) معاملہ میں کشائش کا کوئی راستہ نکال دے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی:

اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ جتنی حرکتیں کی ہیں سب قریب اور دھوکہ ہیں وہ تمہارے اوپر قابو پانا چاہتے ہیں، بادشاہ اجب کو اگر اس کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس جا کر خبر دیں گے کہ اس مرد (مؤمن) کی تم سے ملاقات ہو گئی ہے اور وہ تم کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا ہے تو وہ اس شخص پر (تم سے مل جانے کی) تہمت لگائے گا اور سمجھ لے گا کہ مرد مؤمن نے تمہارے معاملہ میں سستی سے کام لیا اس لئے اس کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم دونوں کی طرف سے اجب کو روک دوں گا، اس کے بیٹے کی مصیبت دوگنی کر دوں گا تاکہ بیٹے کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت ہی اس کی نظر میں نہ رہے پھر اسی بری حالت میں میں اس کے بیٹے پر موت کو مسلط کر دوں گا جب وہ مر جائے تو اس وقت تو اس کے پاس سے لوٹ آنا۔

شہزادے کی موت

حضرت الیاس علیہ السلام یہ حکم ملنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور سب لوگ اجب کے پاس پہنچ گئے جونہی یہ لوگ پہنچے اللہ نے اجب کے بیٹے کی بیماری شدید کر دی یہاں تک کہ موت اس کے گلوگیر ہو گئی اس طرح اللہ نے اجب اور اس کے ساتھیوں کو الیاس علیہ السلام کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور الیاس علیہ السلام بخیریت واپس آ گئے۔

سیکرٹری کی نجات:

جب اجب کا بیٹا مر گیا اور لوگ اس کے مسئلہ سے فارغ ہو گئے اور غم میں بھی کچھ کمی آ گئی تو اس وقت الیاس علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی آنکھیں کھلیں اور سیکرٹری جو حضرت الیاس علیہ السلام کو لایا تھا اس سے الیاس علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا، سیکرٹری نے کہا مجھے الیاس علیہ السلام کا کوئی علم نہیں، مجھے شہزادے کی موت اور اس کے غم نے فرصت ہی نہیں دی اور میرا خیال تھا کہ آپ نے الیاس علیہ السلام کے متعلق کچھ اعتماد کرایا ہوگا اس جواب پر سیکرٹری کی طرف سے اجب نے پہلو تہی کر لی کیونکہ (گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ سیکرٹری کو شہزادے کے مرنے کا) سخت غم تھا۔

حضرت الیاس کا حضرت یونس علیہ السلام کی ماں کے پاس جانا اور واپس ہونا

جب حضرت الیاس علیہ السلام کو پہاڑوں میں رہتے ہوئے ایک طویل مدت گذر گئی اور ان کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہنے کا شوق پیدا ہو گیا تو پہاڑ سے اتر کر چل دیے اور ایک اسرائیلی عورت کے گھر جا کر ٹھہرے، یہ عورت مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام بن متی کی ماں تھی اس عورت کے گھر آپ چھ ماہ چھپے رہے یونس علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچہ تھے یونس علیہ السلام کی ماں حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت خوب کیا کرتی تھی اور اپنے مال سے اس کی مدد کرتی تھی حضرت الیاس علیہ السلام تو پہاڑوں کی سکونت کے عادی ہو چکے تھے، یہاں گھروں کی تنگی میں رہنے سے اکتا گئے اور پہاڑ پر ہی چلا جانا آپ نے پسند کیا، آخر گھر سے نکل کر اپنی (کوہستانی) جگہ پر لوٹ آئے۔

یونس علیہ السلام کی موت اور حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش:

حضرت الیاس علیہ السلام کی جدائی سے یونس علیہ السلام کی ماں بے تاب ہو گئی اور آپ کے نہ ہونے سے وحشت زدہ ہو گئی پھر کچھ ہی مدت کے بعد جب اس نے اپنے یونس علیہ السلام کا دودھ چھڑایا تو یونس علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اب تو یونس علیہ السلام کی ماں پر مصیبت عظیم آ پڑی اور الیاس علیہ السلام کو تلاش کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور برابر پہاڑوں پر چڑھتی اور گھومتی پھری آخر آپ کو اس نے پا لیا اور عرض کیا آپ کے آ جانے کے بعد میرے بچہ کے مرنے کی مجھ پر بیتا پڑ گئی جس کی وجہ سے میری مصیبت میں بڑا اضافہ ہو گیا اور اس کے نہ ہونے سے میں بڑی دکھی ہو گئی میرا اس کے سوا کوئی اور بچہ بھی نہیں ہے آپ مجھ پر رحم کیجئے اور اللہ سے دعاء کر دیجئے کہ میرا بیٹا زندہ ہو جائے میں نے اس کو دفن نہیں کیا ہے اور یونہی (کپڑے

سے) ڈھانک دیا ہے اور اس کی موجودگی کو چھپا رکھا ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (یعنی مردے کو زندہ کرنے کی دعا کا حکم نہیں دیا گیا ہے) اور میں تو بندہ ہوں وہی کرتا ہوں جس کا مجھے حکم دیا جاتا ہے، عورت یہ جواب سن کر بے قرار ہوگئی اور گڑگڑانے لگی۔

یونس علیہ السلام کا زندہ ہونا:

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کے دل کو عورت کی درخواست کی جانب مائل کر دیا پوچھا تیرا بیٹا کب مرا ہے، عورت نے کہا سات روز ہوئے حضرت الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور سات روز چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے اور اسکے بیٹے کو ۷۰ روز کا مردہ پایا آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور دعا کی اللہ نے یونس علیہ السلام بن متی کو زندہ کر دیا یونس علیہ السلام زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے جونہی اٹھ کر بیٹھے فوراً حضرت الیاس علیہ السلام اچھل کر اٹھے اور یونس علیہ السلام کو چھوڑ کر چل دیے اور اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

تین سال کیلئے قحط:

جب قوم کی نافرمانی بہت طویل ہوگئی تو حضرت الیاس علیہ السلام ان کی نافرمانی سے بڑے تنگدل ہوگئے اللہ نے سات سال کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی آپ بزول وحی سے پہلے بڑے خوف زدہ تھے اللہ نے الیاس کو ندا دی اور فرمایا الیاس علیہ السلام یہ غم اور بے تابی جس میں تو مبتلا ہے کیا ہے کیا تو میری وحی کا امین اور زمین پر میری زبان اور (ساری) مخلوق میں میرا انتخاب کردہ نہیں ہے (جو کچھ چاہے) مجھ سے مانگ لے میں تجھے عطا کروں گا۔ میں وسیع رحمت اور بڑے فضل والا ہوں حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو مجھے موت دے دے اور میرے اسلاف کے ساتھ مجھے ملا دے میں بنی اسرائیل سے تنگ آ گیا ہوں اور بنی اسرائیل مجھ سے تنگ دل ہو گئے ہیں اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا یہ وہ زمین نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے خالی کر دوں زمین کا قیام اور بہبودی تو تیری اور تجھ جیسے دوسروں لوگوں کی (برکت کی) وجہ سے ہے اگرچہ تم لوگ تھوڑے ہو مجھ سے کچھ اور سوال کر، تیرا سوال پورا کر دوں گا حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اگر تو موت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل سے مجھے انتقام لینے کی قدرت عطا فرما دے اللہ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے، الیاس علیہ السلام نے عرض کیا سات سال تک بارش کے خزانے میرے قبضہ میں دے دے کہ میری دعا کے بغیر کوئی بدلی ان پر نہ پھیلے اور میری سفارش کے بغیر ایک بوند بارش کی ان پر نہ ہو، اس کے بغیر یہ فرمان جاری نہ ہوگے اللہ نے فرمایا الیاس علیہ السلام میں اپنی مخلوق پر بڑا رحیم ہوں اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں (مگر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو چھ سال (بارش روک دے) اللہ نے فرمایا میں اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہوں اللہ نے عرض کیا اچھا تو پانچ سال اللہ نے فرمایا یہ (مدت) بھی میرے تقاضا رحم سے زائد ہے البتہ تین سال میں (بارش روک کر اس کی نافرمانی کا) بدلہ میں تجھے دے دوں گا بارش کے خزانے تیرے قبضہ میں دے دوں گا۔

قحط کے دوران حضرت الیاس علیہ السلام کی غذا کا انتظام

حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا پھر میں کس طرح زندہ رہوں گا اللہ نے فرمایا میں پرندوں کی ایک جماعت تیری خدمت پر لگا دوں گا سبزہ زار اور شاداب زمین سے وہ تیرا کھانا چنا لا کر تجھے پہنچایا کریں گے اس کے بعد اللہ نے بارش روک دی نتیجہ میں جانور چوپائے اور زمین کے کیڑے مکوڑے مر گئے، درخت سوکھ گئے اور انسان سخت ترین مصیبت میں مبتلا ہو گئے، الیاس علیہ السلام اس مدت میں حسب سابق اپنی قوم سے چھپے رہے جہاں بھی ہوتے ان کا رزق وہاں رکھ دیا جاتا تھا قوم والوں کو بھی اس کا احساس ہو گیا اگر کسی گھر کے مدر سے روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی تو سمجھ جاتے یہاں الیاس علیہ السلام آیا تھا چنانچہ وہاں الیاس علیہ السلام کو تلاش کرتے (اور الیاس علیہ السلام نہ ملتے تو) گھر والوں کو ان کے ہاتھوں سے بڑا دکھ پہنچتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دعاء سے بڑھیا کے گھر میں برکت:

حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا تین سال تک بنی اسرائیل قحط کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے ایک روز کسی بوڑھیا کی طرف سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ کھانا ہے بڑھیا نے کہا ہاں! کچھ آٹا اور تھوڑا سا روغن زیتوں ہے راوی کا بیان ہے حضرت الیاس علیہ السلام نے دونوں چیزیں منگوالیں اور موجود چیزوں میں برکت کی دعا کی اور ان پر ہاتھ پھیر دیا، فوراً بوڑھیا کا بورا آٹے سے اور مٹکا روغن زیتوں سے بھر گئے (اور خود چل دیے) لوگوں نے جب بڑھیا کے پاس یہ چیزیں دیکھیں تو پوچھا یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں بڑھیا نے حضرت الیاس علیہ السلام کا پورا حلیہ بیان کیا اور کہا اس حلیہ کا ایک آدمی یہاں آیا تھا (اس کی دعاء سے ایسا ہوا) لوگ پہچان گئے کہ وہ الیاس علیہ السلام ہی تھے آخر آپ کو تلاش کر کے ایک سنگ پالیا لیکن آپ بھاگ گئے اور کسی اسرائیلی عورت کے گھر میں جا کر مقیم ہو گئے۔

ایک بیمار لڑکے کا صحیح ہونا اور ایمان لانا

اس عورت کا ایک لڑکا سخت بیمار تھا جس کا نام الیسع بن اخطوب تھا عورت نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مکان میں جگہ دی اور چھپا لیا، آپ نے اس لڑکے کے لئے دعا کی لڑکا تندرست ہو گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ ہو لیا پیچھے لگ گیا جہاں الیاس علیہ السلام جاتے وہ لڑکا بھی ساتھ جاتا، حضرت الیاس علیہ السلام اس وقت عمر رسیدہ اور کبیر السن ہو چکے تھے الیسع نوجوان تھا۔

وحی

اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے بہت مخلوق

کو بارش کو روک دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا وہ مواشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے جو بے قصور تھے بارش بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئے (بقول اہل روایت) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اب مجھے ہی تو اجازت دے دے کہ میں ہی ان کے لئے دعاء کروں اور جس دکھ میں یہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے رہائی میری ہی دعاء سے ان کو مل جائے اس طرح شاید یہ باز آ جائیں اور جس شرک میں مبتلا ہیں اس سے نکل آئیں جواب ملا اچھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء سے بارش برسنا اور قوم کی عہد شکنی

یہ جواب پانے کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس گئے اور فرمایا کوئی شک نہیں کہ تم لوگ بھوک اور دکھ سے ہلاک ہو گئے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی مر گئے اور درخت بھی مردہ ہو گئے تم سب ملاشبہ باطل پرست ہو اگر تم کو اس کا ثبوت درکار ہے تو اپنے بتوں کو میرے سامنے نکال لاؤ اگر وہ تمہاری دُعائیں قبول کر لیں (اور بارش ہو جائے) تو بے شک تمہاری بات سچی ہوگی اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو خود تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم باطل پرست ہو اس وقت تم اپنے خود ساختہ شرک سے نکل آنا پھر میں اللہ سے دُعاء کروں اور وہ تمہاری یہ مصیبت جس میں تم پھنسے ہوئے ہو دور کر دیگا قوم والوں نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی چنانچہ وہ اپنے بتوں کو باہر نکال کر لے آئے اور ان سے دُعائیں کیں جس مصیبت میں گرفتار تھے وہ دُور نہ ہوئیں۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام نے دعاء کی الیسع بھی آپ کے ساتھ شریک تھے فوراً سطح سمندر پر ایک ڈھال کے برابر بدلی اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف بڑھی اور آفاق پر چھا گئی پھر بحکم خدا اس سے اتنی بارش ہوئی کہ مردہ بستیوں میں جان پڑ گئی اور اللہ نے ان کی فریاد رسی کی جب اللہ نے ان کا دکھ دور کر دیا تب بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا اور کفر کو نہ چھوڑا اور اپنی بدترین حالت پر قائم رہے۔

حضرت الیاس کی قوم سے جدائی۔

الیاس علیہ السلام نے جب یہ حالت دیکھی تو (مایوس ہو کر) اللہ سے دعاء کی کہ اب مجھے ان لوگوں سے نجات دے (بقول اہل روایت) جواب ملا فلاں تاریخ کا انتظار کرو مقرر دن آ جائے تو فلاں مقام پر چلے جانا اور جو سواری تمہارے پاس آ جائے بے دھڑک اس پر سوار ہو جانا۔

حسب الحکم الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ الیسع نکل کر اس مقام پر پہنچے جہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا ایک آتشیں گھوڑا (اور بقول بعض) آگ کے رنگ کا گھوڑا پاس آ کر کھڑا ہو گیا الیاس علیہ السلام کود کر اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا آپ کو لے کر روانہ ہو گیا، الیسع علیہ السلام نے پکار کر کہا حضرت میرے متعلق آپ کا کیا حکم ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فضاء اعلیٰ کی بلندی سے اپنی ایک تحریر پھینک دی، یہ علامت تھی کہ الیسع کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت کا خلیفہ بنا دیا گیا، حضرت الیسع علیہ السلام کی حضرت الیاس علیہ السلام سے یہ آخری ملاقات تھی، اللہ نے الیاس علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے اندر سے نکال کر اوپر اٹھا لیا، الیاس علیہ السلام کو کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا اور (فرشتوں جیسے) پر دار بازو عنایت کر دیے اور ان کو ملکی انسان بنا دیا جو ارضی (انسان) بھی تھے اور سماوی (فرشتہ) بھی۔

بادشاہ اور ملکہ کی ہلاکت

شاہ اُجب اور اس کی قوم پر اللہ کے ایک غیبی دشمن کو مسلط کر دیا کہ لوگوں کی بے خبری میں اس نے ان پر حملہ کر دیا اور اُجب اور اس کی بیوی کو مزدکی کے باغ میں قتل کر دیا اور اسی باغیچہ میں ان کی لاشیں پڑی رہیں کہ گوشت پارہ پارہ ہو گیا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔

حضرت الیسع پر وحی اور قوم کا ایمان لانا

اللہ نے وحی کے ذریعے سے اس واقعہ کی اطلاع الیسع علیہ السلام کو دے دی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے پاس بھیجا بنی اسرائیل الیسع علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی عزت کی اور وفات تک آپ کی حکومت بنی اسرائیل پر قائم رہی۔

حضرت خضر و حضرت الیاس کی رفاقت۔

سری بن یحییٰ نے عبدالعزیز بن ابی الدرداء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج کے موقع پر ہر سال دونوں ملتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الیاس علیہ السلام بیابانوں اور خضر سمندروں (کی ڈیوٹی) پر مقرر ہیں (الیاس علیہ السلام جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی راہنمائی کرتے ہیں اور خضر بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں) کذا ذکر البغوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ و ان الیاس لمن المرسلین (تفسیر مظہری)

بعثت کا زمانہ اور مقام

قرآن و حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ یہودا یا یہودیہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ

نابلس) تھا، حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اُس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اسکا نام بائبل میں اخی اب اور عربی تواریخ وتفاسیر میں اجب یا اخیب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، یعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنو اسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۵۳، ج ۲۳ و ابن کثیر ص ۱۹ ج ۴ و تفسیر مظہری ص ۱۳۴ ج ۸ اور بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۶: ۲۹ تا ۳۳ و ۱۷: ۱)

حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ

تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخیاب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی مگر وہ ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور احتداد وغار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعاء فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں، تاکہ اس قحط سالی کو دور کرنے کیلئے آپ اُن کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخیاب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آ جاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے، میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن اُن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا جس کی قربانی کو آسمانی آگ آ کر بھسم کر دے گی، اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔

چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی، اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا، یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور اُن پر حق واضح ہو گیا، لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو وادی قیشون میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا لیکن سند ضعیف ہے یا اس لئے کہ جن اشخاص کی طرف سے یہ واقعات منسوب کئے گئے ہیں وہ مجہول ہیں"۔ (البدایۃ والنہایۃ)

بعل بت بعل کے لغوی معنی شوہر اور مالک وغیرہ ہیں، لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا، بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی اور یہ اُن کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن ص ۲۸ ج ۲) (معارف معنی عظیم)

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ
جو اللہ ہے رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ☆

حقیقی خالق کو کیوں چھوڑتے ہو

یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل وترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں مگر بہتر بنانے والا وہ ہے کہ جو تمام اصول وفروع، جواہر واعراض اور صفات وموصوفات کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر "بعل" بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسکا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ
پھر اس کو جھٹلایا سو وہ آنیوالے ہیں پکڑے ہوئے ☆

یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ
مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ☆

یعنی سب نے جھٹلایا مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی، لہٰذا وہ ہی سزا سے بچے رہینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ
اور باقی رکھا ہم نے اس پر پچھلے لوگوں میں کہ
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ
سلام ہے الیاس پر ☆
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ
ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
وہ ہے ہمارے ایماں دار بندوں میں

حضرت الیاس علیہ السلام پر سلامتی

''الیاس'' کو ''الیاسین'' بھی کہتے ہیں کہ جیسے ''طور سینا'' کو ''طور سینین'' کہہ دیا جاتا ہے یا الیاسین سے حضرت الیاس کے قبیلے مراد ہوں اور بعض نے ''آل یاسین'' بھی پڑھا ہے تو ''یاسین'' ان کے باپ کا نام ہوگا یا ان ہی کا نام ''یاسین'' اور لفظ آل مثلاً ہو جیسے ''کما صلیت علی ال ابراھیم'' میں یا اللھم صل علی آل ابی اوفی میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (تیسیر عثمانی)

الیاس علیہ السلام کو الیاسین بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ سینا کو سینین، اسماعیل کو سمعین اور میکائیل کو میکائین، فراء نے کہا الیاسین الیاس کی جمع ہے اس سے مراد ہی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت کے مؤمن ساتھی (یعنی الیاس والے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
اور تحقیق لوط رسولوں میں سے
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾
جب بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے سارے گھر والوں کو
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾
مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانیوالوں میں ☆

یعنی اس کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ ساز باز رکھتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
پھر جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو ☆

یعنی لوط اور اسکے گھر والوں کے مواد دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
اور تم گذرتے ہو ان پر صبح کے وقت
وَبِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
اور رات کو بھی پھر کیا نہیں سمجھتے ☆

مکہ والوں کیلئے عبرت

یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ ''مکہ'' سے ''شام'' کو جو قافلے آتے جاتے تھے قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گزرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا سو وہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علیھم یعنی ان کے گھروں پر سے گذرتے ہو جب ملک شام کا سفر کرتے ہو تو سدوم سر راہ واقع ہوتا ہے مُصْبِحِيْنَ وَبِالَّيْلِ یعنی صبح شام ہو، ہے دن رات یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کے کھنڈر مسافروں کی فرودگاہ کے قریب ہوں، فرودگاہ سے صبح کو کوچ کر کے الصبح کو ان بستیوں کی طرف سے گذرتا ہو اور جو فرودگاہ پر شام کو پہنچنے والا ہو وہ ان پر شام کو گزرتا ہو، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی کیا اہل عقل نہیں ہو کہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو، یہ جملہ معترضہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور قاضی ابوالسعود فرماتے ہیں کہ غالباً سدوم کا یہ علاقہ راستے کی ایسی منزل پر واقع تھا کہ یہاں سے کوچ کرنے والے صبح کے وقت روانہ ہوتے تھے اور آنے والے شام کے وقت آتے تھے۔ (تفسیر ابی السعود) (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے
اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾
جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر
فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾
پھر قرعہ ڈالا تو ہوا وہ ☆

کشتی دریا میں چکر کھانے لگی، لوگوں نے کہا کہ اس میں کوئی ملازم ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا، سب کے ناموں پر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا، ہر مرتبہ ان کا نام نکلا۔ یہ قصہ سورۂ ''یونس'' اور سورۂ ''انبیاء'' میں مفصل گذر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش

امام احمد نے زہد میں اور عبد الرزاق احمد بن حمید اور ابن المنذر نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب آنے کی دھمکی دی (اور نزول کا دن مقرر کر دیا اور اس مقرر وقت پر عذاب نہیں آیا عذاب آنے میں تاخیر ہوگئی) تو آپ اللہ کا حکم ملنے سے پہلے نکل کھڑے ہوئے اور بھاگ کر ایک کشتی پر جا کر سوار ہو گئے لیکن وہ کوشش کے بعد بھی) از کر کھڑی ہوگئی ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی عدا گا ہوا غلام موجود ہے چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی اور یونس علیہ السلام کا نام پر قرعہ نکل آیا (اور آپ مفرور غلام قرار پا گئے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور وہب بن منبہ کا قول آیا

ہے کہ تین بار لوگوں نے قرعہ ڈالا اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، نغوی نے لکھا ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ سمندر پر پہنچے تو آپ کے ساتھ بیوی اور آپ کے رفقاء کے تھے کشتی آئی آپ نے پہلے سوار ہونے کے لئے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن سوار کرتے کرتے ایک لہر بیچ میں آ گئی (جو بیوی کو بہا کر لے گئی) پھر دوسری ایک لہر آئی جو بڑے بیٹے کو پکڑ کر لے گئی چھوٹا بیٹا (کنارہ پر) اکیلا رہ گیا تھا اس کو بھیڑیا لے گیا اتنے میں ایک اور کشتی آ گئی آپ اس میں تنہا سوار ہو گئے اور لوگوں سے الگ ایک گوشہ میں بیٹھ گئے کشتی روانہ ہو گئی لیکن بیچ سمندر میں پہنچ کر اڑ کر رک گئی اور کشتی والوں نے قرعہ ڈالا۔ ہم نے سورۂ یونس میں پورا قصہ بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قرعہ اندازی کا حکم

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً قرعہ کے ذریعے کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے، اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے، مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اُسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے، تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کیلئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا ☆

الزام الزام یہی تھا کہ خلافِ اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کئے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء علیہم السلام کا مقام حضرات انبیاء کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے ان کی خطاء اجتہادی اور سہو و نسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اسکے لئے مکان حفاظت اور مسجد بنایا۔ تفسیر قرطبی (صاوی، جلالین)

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو

لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو رہتا اسی کے پیٹ میں جس دن تک کہ جی اٹھتے مدہ ہوں ☆

تسبیح کی برکت

یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لئے ہم نے اس کو جلدی نجات دے دی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتا (تنبیہ) "لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖ" "الی آخرہ" کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے اور یہ واقعہ دریائے "فرات" کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی "لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ"

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

پھر ڈالی دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور اُگایا ہم نے اُس پر ایک درخت بیل والا ☆

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا

مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونس کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا غالباً کافی غذا اور غیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ وحوش کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا مدام پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اگ آئی۔ اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت

ابن جریج کا قول اور عبید بن حمید و ابن المنذر کی روایت میں عکرمہ کا قول آیا کہ دن کے کچھ حصہ میں یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ ابن ابی حاتم، حاکم اور بغوی نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ چاشت کے وقت (دن چڑھے) مچھلی نے نگلا تھا اور شام کو اگل دیا۔

کیا انبیاء کی کسی لغزش کا بیان کرنا جائز ہے

کسی نبی کی کسی لغزش کا ذکر جائز نہیں کیونکہ انبیاء کی

لغزشیں تو اللہ کی طرف مزید رجوع کرنے اور مراتب میں ترقی پانے کی موجب ہوتی ہیں جس نے کسی نبی پر اعتراض کیا وہ کافر ہو گیا اللہ سے (مؤمنوں کو یہ کہنے کا حکم دیا اور) فرمایا سے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بندہ کیلئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں اس نے غلط کہا۔

افضلیت انبیاء کا مسئلہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم گالی گلوچ ہوئی مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو سارے عالم والوں پر برتری عطا فرمائی یہودی بولا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہان والوں پر فضیلت عنایت کی، یہ سنتے ہی مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیفیت واقعہ عرض کی اس کے اور مسلمان کے درمیان جو ماجرا ہوا تھا بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو طلب فرمایا اور واقعہ دریافت کیا مسلمان نے بتا دیا حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو کیونکہ قیامت کے دن جب (سب) لوگ بے ہوش ہو جائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک کنارہ پکڑے (کھڑے) ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں شامل تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا اس مخلوق میں شامل تھے جن کو اللہ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ علیہ السلام کو طور کے اوپر والی بے ہوشی کی بجائی دے دی گئی (اور قیامت کے دن صور کی آواز سے وہ بے ہوش نہیں ہوئے) یا مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کو باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے نبیوں کو باہم فضیلت نہ دو۔

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قائد المرسلین (پیغمبروں کا لیڈر) ہوں اور کوئی فخر نہیں میں ہی خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (رواہ الدارمی)

میں کہتا ہوں تفصیل بین الانبیاء کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک من جانب اللہ (وحی کے ذریعے سے) یقینی علم حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اپنی رائے اور گمان سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو لیکن جب وحی کے ذریعے سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت ہو جائے تو بعض کو بعض سے افضل قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ

قوم یونس کی تعداد

یعنی اگر صرف عاقل بالغ کو گنتے تو لاکھ تھے اور اگر سب چھوٹوں بڑوں کو شامل گنتے تو زیادہ تھے یا یوں کہو کہ ایک لاکھ سے گزر کر دو لاکھ نہیں پیچھے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہو اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں شک کا اظہار مقصود نہیں ہے، انہیں ایک لاکھ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی، اور وہ اس طرح کہ اگر کسر کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، اور اگر کسر کو بھی شمار کیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ۔ (بیان القرآن) (معارف ملتقی اعظم)

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾

پھر وہ یقین لائے، پھر ہم نے ان کو برتنے دیا ان کو ایک وقت تک

ایمان کی وجہ سے نجات

یعنی ایمان و یقین کی بدولت عذاب الٰہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا مزہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "وحی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لا رہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے ان کو بڑی خوشی ہوئی" یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورہ "یونس" اور سورہ "انبیاء" میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قادیانی کی تلبیس کا جواب

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے جو عذاب ٹلا دیا گیا وہ اس لئے کہ آپ کی قوم بروقت ایمان لے آئی تھی، اس سے پنجاب کے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تلبیس کا خاتمہ ہو جاتا ہے کہ جب اس نے اپنے مخالفوں کو یہ چیلنج کیا کہ اگر وہ اسی طرح مخالفت کرتے رہے تو تمہارا فیصلہ ہو چکا ہے کہ فلاں وقت تک عذاب الٰہی آ جائے گا لیکن مخالفین کی حد و جہد اور تیز ہو گئی کہ

کبھی عذاب نہ آیا، تب ناکامی کی ذلت سے بچنے کیلئے قادیانی نے کہنا شروع کر دیا چونکہ مخالفین دل میں ڈر گئے ہیں اس لئے ان پر سے عذاب ٹل گیا جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم پر سے ٹل گیا تھا، لیکن قرآن کریم کی یہ آیت اس تاویل باطل کو مردود و قرار دیتی ہے اس لئے کہ قوم یونس علیہ السلام تو ایمان کی وجہ سے عذاب سے بچی تھی، اس کے برعکس مرزا قادیانی کے مخالفین نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان کی مخالفانہ حد و جہد اور تیز ہو گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝

اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور ان کے یہاں بیٹے

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شَاهِدُوْنَ ۝

یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝

سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ

وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ☆

سب اللہ کی مخلوق اور محتاج ہیں:

یعنی انبیاء کا حال تو سن لیا کہ "حضرت نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام" سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا واہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اسطرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناطہ جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے بطور طوطیہ و تمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورۃ سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھیے کیا اتنی بڑی عظمت و قدرت والا خدا (معاذ اللہ) اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا ہے تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی، اور پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مونث (عورت) تجویز کیا۔ کیا جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اس جہالت کیا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فاسد خیالات

مشرکین نے جب یہ بکنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ ارے کم بختو بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں، بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسا کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسد ہیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دشمنان خدا (یعنی خوں) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا تفسیر ابن کثیر (معارف کاندھلوی)

کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور جنات کی سردار اور یاں فرشتوں کی مائیں ہیں، بقول علامہ واحدیؒ یہ عقیدہ قریش کے علاوہ تہیہ سوسلمہ، سوخراعہ اور ہوملیح کے یہاں بھی رائج تھا۔ (تفسیر بصرہ ص ۱۲۲ ج ۷) (معارف مفتی اعظم)

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝

کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

کیا ہو گیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو ☆

بے تکا عقیدہ۔ یعنی کچھ تو سوچو عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝

یا تمہارے ہاں کوئی سند ہے کھلی

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے!

مشرکین کے پاس دلیل بھی کوئی نہیں

یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل و فہم اور علمی اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ایسا ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۝

اور ٹھہرایا ہے انہوں نے خدا میں اور جنوں میں ناتا

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝

اور جنوں کو تو معلوم ہے کہ تحقیق وہ پکڑے ہوئے آئیں گے

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ

اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں ☆

جن اللہ سے ڈرتے ہیں

یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ (معاذ اللہ) داماد کی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں موقع ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے۔ کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف و مقابل سمجھتے تھے (۲) جیسے مجوس "یزدان" اور "اہرمن" کے قائل ہیں یعنی ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول:

جویبر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت قریش کے تین قبائل کے متعلق نازل ہوئی، بنی مخزاعہ اور جہینہ۔

جن کا معنی:

مجاہد اور قتادہ نے کہا الجنۃ سے مراد ملائکہ ہیں فرشتے (انسان کی) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے ان کو الجنۃ فرمایا (جن کا معنی ہے پوشیدہ ہونا) میں کہتا ہوں ملائکہ کو الجنۃ کے لفظ سے ذکر کرنا یہ بات بتا رہا ہے کہ وہ الہیت خدا کے سزاوار نہیں۔

مشرکین کے غلط خیالات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملائکہ کا ہی ایک خاص گروہ ہے جن میں سے ابلیس بھی ہے۔ جان کو جن کہا جاتا ہے انہیں کو وہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ کلبی نے کہا ان کا قول تھا کہ خدا نے کسی جنی عورت سے اپنا جوڑا لگایا اور اس سے ملائکہ پیدا ہو گئے۔ (نعوذ باللہ منہا)

بعض قریشیوں نے جب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان کی مائیں کون ہیں بولے جنات کی شریف ترین اعلیٰ عورتیں (یعنی پریاں) ان کی مائیں ہیں۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان مجاہد۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری اور ضحاک سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ بعض اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ معاذ اللہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے اور وہ خالق شر، یہاں اسی باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ (ملخصاً و تفسیر ابن کثیر و فتح القدیر و تفسیر کبیر)

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ (اور جنات کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ گرفتار ہوں گے) "وہ" سے مراد ایسے مشرکین بھی ہو سکتے ہیں جو جنات اور شیاطین کو خدا کا ہمسر قرار دیتے تھے اور خود جنات بھی، دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ جن شیاطین اور جنات کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کا برا حشر ہونے والا ہے، مثلاً ابلیس، کہ وہ اپنے انجام بد سے خوب واقف ہے، اب جو خود یقین رکھتا ہو کہ مجھے مبتلائے عذاب ہونا ہے اسے خدا کا ہمسر قرار دینا کتنی بڑی حماقت ہے۔ (معالم، مدنی، اشرف)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ☆

اخلاص و بندگی کام آئے گی

یعنی جن میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہوا وہاں کسی کا رشتہ ناتا نہیں۔ صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔ (تفسیر جلالی)

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ

سو تم اور جس کو تم پوجتے ہو

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ

کسی کو اس کے ہاتھ سے بہکا نہیں سکتے

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۙ

مگر اسی کو جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں ☆

سب اللہ کے اختیار میں ہے

بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچائیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شیاطین ان کی مفروضہ اختیارات کی بنا پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہوگا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیاطین کو تم پوجتے ہو سب مل کر یہ قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک جنس کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہوگا جسے اللہ نے اپنے سوئے استعداد کی بنا پر درجہ رحمی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے آتش دوزخ میں پہنچ گیا۔ (تفسیر جلالی)

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ

اور ہم میں سے جو ہے اس کا ایک ٹھکانا ہے مقرر ☆

فرشتوں کا کلام

یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے۔۔۔

جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائی ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ اس پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے اور فرشتے یوں کہتے ہیں کہ ان کو بھی حکم الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اور ملائکہ کا فرق

ابوبکر وراق نے کہا مقام عبودیت مراد ہے جیسے خوف، امید، محبت، رضا میں کہتا ہوں (یہ بات تو صرف ملائکہ کیلئے ہے) انسان مراتب قرب میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا ارشاد نقل کیا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے، الخ۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ملائکہ اپنے معین درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، حضرت ذر رارہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے جبرئیل علیہ السلام نے یہ سنتے ہی بازو پھڑ پھڑائے (یعنی خوف کی وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا) اور کہا محمد ﷺ میرے اور اس کے درمیان تو ستر ہزار نوری حجاب حائل ہیں ان پردوں میں سے اگر میں کسی کے قریب بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں، ہکذا فی المصابیح، ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بازو پھڑ پھڑانے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جب سے اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ برابر اپنے قدموں پر کھڑا ہے نظر اوپر نہیں اٹھاتا اس کے اور رب کے درمیان ستر نور (یعنی نوری پردے) حائل ہیں اگر ایک کے بھی قریب چلا جائے تو جل جائے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝
اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے ☆

نماز میں صف بندی

یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اس کا حکم سننے کے لئے کھڑا رہتا ہے، مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے یزید بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ منتشر طور پر نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی قطار نہیں بناتے تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم دے دیا۔

مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ کیسے صف بندی کرتے ہیں فرمایا ملائکہ اپنے رب کے سامنے اس طرح صف بندی کرتے ہیں کہ اگلی صفوں کو پورا (پورا) بھر دیتے ہیں اور باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادائے طاعت کے وقت ہم اپنے قدموں کو صف بستہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝
اور ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنے والے ☆

یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا، آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝
اور یہ تو کہا کرتے تھے
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝
اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہوتا پہلے لوگوں کا
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝
تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے ہوئے
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝
سو اس سے منکر ہو گئے، اب آگے جان لینگے ☆

بے حقیقت تمنائیں عرب لوگ انبیاء کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبردار نہ تھے تو یہ کہتے یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھلاتے اور معرفت و عبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص و منتخب بندوں میں شامل ہو جاتے۔ اب جو ان کے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول و قرار کچھ یاد نہ رکھا۔ سو اس انکار و انحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝
بے شک انہی کو مدد دی جاتی ہے
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝
اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی غالب ہے ☆

آخر کار فتح حق والوں کی ہوتی ہے

یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخر کار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کے لئے ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط و غلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ جند فی الواقع جند اللہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں آیت ہذا یعنی وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و مرسلین سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے اور بلاشبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رسل مراد ہیں جو کفار سے جہاد و قتال کے لئے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جن کے دل میں داعیہ نصرت رسل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہوا اور خواہ ان کے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ کے متبعین سے مظفر و منصور ہو جانے کا فرمایا تھا وہ دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیہ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر و منصور بھی ہوئے تو بالبداہت معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام جند اللہ کا مصداق تھے اور اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوئے اور آپ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئے وہ اسی سابقہ وعدہ نصرت و غلبہ کی تکمیل تھی۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

نفس اور شیطان سے جہاد:

جب انسان اپنے آپ کو "اللہ کے لشکر" کا ایک فرد بنا لے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اللہ کی اطاعت کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہو، یہاں "جندنا" (ہمارا لشکر) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے اُسے اپنی زندگی نفس اور شیطان کی طاقتوں سے جنگ کرنے میں خرچ کرنے کا معاہدہ ہوگا، اور اس کا غلبہ خواہ مادی ہو یا اخلاقی، دنیا میں ہو یا آخرت میں اسی شرط پر موقوف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۷۵﴾
سو تو ان سے پھر آ ایک وقت تک
وَأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۷۶﴾
اور ان کو دیکھتا رہ [illegible]

اہل باطل کی شکست قریب ہے

یعنی ابھی چند روز انہیں کچھ نہ کہیے صبر کے ساتھ آپ ان کا حال دیکھتے رہئے اور یہ اپنا انجام دیکھ لینگے چنانچہ دیکھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَبْصِرْهُمْ یعنی اپنے سامنے ان کو مقتول مغلوب اور عذاب میں ماخوذ دیکھ لیجئے مطلب یہ کہ یہ باتیں عنقریب ہونے والی ہیں گویا آپ کے سامنے ہو رہی ہیں فسوف یبصرون یعنی ہم نے جو آپ ﷺ کی مدد کرنے اور دنیا میں فتح عطا کرنے اور آخرت میں آپ کو ثواب عنایت کرنے اور ان کو عذاب میں ماخوذ کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۷۷﴾ فَإِذَا نَزَلَ
کیا ہماری آفت کو جلد مانگتے ہیں پھر جب اتریگی
بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۸﴾
ان کے میدان میں تو بری صبح ہوگی ڈرائے ہوؤں کی ؟؟

جب عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلیں گی

شاید فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ سن کر کہا ہوگا کہ پھر دیر کیا ہے ہم کو ہمارا انجام جلدی دکھلا دو، اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لاتے جانے کی جلدی مچا رہے ہو جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہوگا۔ عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہو اور صبح کے وقت یکایک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ عذاب آنے کا وقت یہی حشر ان لوگوں کا ہوگا جنہیں پہلے سے ڈر سنا کر ہوشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

صباح کا معنی صباح سے مراد ہے شبخون مارنے والے لشکر کے حملہ کرنے کی صبح عرب کا حملہ کرنے کا زیادہ قاعدہ یہی تھا کہ آخر تب میں صبح کے قریب چھاپہ مارتے تھے اس لئے چھاپہ مارنے اور لوٹنے کو صباح کہنے لگے خواہ غارت گری کسی وقت ہو۔

خیبر پر حملہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکل چلے اور رات کو وہاں پہنچے اور آپ کا قاعدہ تھا کہ رات کو اگر (دشمن) قوم پر پہنچ جاتے تھے تو صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی تو خیبر کے یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر (شہر کے باہر) نکلے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ہیں اور (ان کے ساتھ) پورا لشکر بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا، ہم جب ان کے صحن میں اتر گئے تو ان لوگوں کا دن بہت برا ہو گیا جن کو (پہلے سے) ڈرا دیا گیا تھا۔ (رواہ البغوی)

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو لے کر کسی قوم پر حملہ (کرنا) چاہتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے انتظار کرتے رہتے تھے صبح کو اگر (ان کی آبادی کی طرف سے) اذان کی آواز سن لیتے تھے تو حملہ سے باز رہتے تھے اگر اذان نہیں سنتے تھے تو ان پر حملہ کر دیتے

تھے چنانچہ جب ہم خیبر کی طرف چلے تو رات کو وہاں پہنچے (اور حملہ نہیں کیا) صبح ہوئی اور آپ نے (بستی کے اندر سے) اذان کی آواز نہیں سنی تو سوار ہو گئے میں بھی ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم سے لگ لگ جاتا تھا جب دوا پے تو کرے اور پھاوڑے لے کر نکلے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ ہیں اور پورا لشکر بھی ہے پھر جا کر قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر کی ویرانی ہو گئی جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کیلئے وہ دن بہت برا ہوتا ہے جن کو ڈرایا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝
اور پھر آپ اس سے ایک وقت تک
وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۝
اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے ☆

شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور یہ آخرت کے عذاب کا ہو، یعنی آپ دیکھتے جایئے اب آگے چل کر آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝
پاک ذات ہے تیرے رب کی جو صاحب عزت والا پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اور سلام ہے رسولوں پر اور سب حمد اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ☆

تمام مضامین کا خلاصہ

خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور تمام محاسن و کمالات کی جامع ہے۔ سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں اور انبیاء و مرسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے جو ان کی عظمت و عصمت اور سالم و منصور ہونے کی دلیل ہے (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے سورہ ہذا کے مؤلف کو ان ہی آیات مختصرہ پر ختم کرتا ہوں "اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجئو" سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "ست فوائد الصافات۔ (تفسیر عثمانی)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے امام شعبی تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اس کو ثواب دیا جائے گا تو اس کو چاہئے کہ اپنی ہر مجلس کے آخیر میں یہ کہہ لیا کرے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اور یہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے سبحان اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک تا کہ مجلس میں جو اس کی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے، اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۶ ج ۴ (معارف القرآن کاندھلوی)

نیز ان آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید اور رسالت کا صراحۃً اور آخرت کا ضمناً ذکر بھی آ گیا ہے جن کا اثبات سورت کا اصل مقصد تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم بھی دے دی گئی ہے کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ہر مضمون ہر خطبے اور ہر مجلس کا اختتام باری تعالیٰ کی ثنا و ثنا بیان کرنے اور اس کی حمد و ثناء پر کرے، چنانچہ علامہ قرطبیؒ نے یہاں اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے آنحضرت ﷺ سے کئی بار سنا ہے کہ آپ ﷺ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیات تلاوت فرماتے تھے، سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ الخ" (قرطبی) (معارف حق اعظم)

العزت غلبہ (عظمت) قوت، رب کی اضافت عزت کی طرف بتا رہی ہے کہ عزت اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے یا ان پیغمبروں اور مؤمنوں کو عزت (واقعی) حاصل ہے جو اللہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں آیت میں دلالت ہے اس امر پر بھی کہ اللہ کی صفات بذات خود واجب نہیں ذات خداوندی ان صفات کی مقتضی ہے۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی مشرکوں کے اس بیان سے اللہ پاک ہے جو اس سورت میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں اللہ نے اپنی سلبی اور صفات کا ذکر کر دیا ہے اور توحید پر بھی تنبیہ کر دی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو۔

یعنی ان تمام پیغمبروں پر سلام ہے جنہوں نے اللہ کی واقعی صفات بیان کی ہیں اس جملہ میں اللہ کے تمام پیغمبر داخل ہیں سب کیلئے سلامتی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العلمین ہے یعنی اللہ رب العالمین کیلئے حمد و شکر ہے جس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے اور انبیاء کی مدد کر کے اور کافروں کو تباہ کر کے اپنی ذات و صفات کی سچی معرفت مؤمنوں کو عطا فرمائی۔

حضرت علی ؓ کا قول مروی ہے آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ قیامت کے دن پورے ناپ سے اس کو اجر ناپ کر دیا جائے اس کا مجلس سے اٹھنے کے وقت آخری کلام سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہونا چاہئے۔ رواہ النسوی فی التفسیر و عبد بن رنجویہ فی الترغیب۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الصافات ختم ہوئی

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صٓ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

صٓ قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی بلکہ جو لوگ منکر ہیں

فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝

غرور میں ہیں اور مقابلہ میں ☆

قرآن کی شہادت ☆ یعنی یہ عظیم الشان عالی مرتبہ قرآن جو عمدہ نصیحتوں سے پر اور نہایت موثر طرز میں لوگوں کو ہدایت و معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے، با آواز بلند شہادت دے رہا ہے جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہیں، اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم و تفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ و تبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار و انحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور و نخوت، اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ورنہ اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابوطالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جن میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور ان کو بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں۔ ابوطالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں کہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جائے۔ اور عجم جزیہ دینے لگیں۔ یہ لوگ پوچھنے لگے۔ ایسی کونسی وہ بات ہے۔ ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ بتایئے تو وہ ایک بات کیا ہے آپ نے فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ۔ یہ سننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا اس پر یہ سورت آیۃ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ

بہت غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں پھر لگے پکارنے

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ

اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا ☆

ماضی کے متکبرین کا انجام ☆ یعنی ان کو معلوم رہنا چاہئے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے، پھر جب برا وقت آ کر پڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گزر چکا تھا اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکا کی طرف توجہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شاعر کہتا ہے۔

والعاطفون تحت ما من عاطف

والمطعمون زمان ما من مطعم

وہ ایسے وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربان موجود نہیں ہوتا اور ایسے وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کوئی شخص کھانا کھلانے والا نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار مکہ جب جنگ کرتے تھے تو لڑائی میں سرمست ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتا تھا مناص۔ اس پر اللہ نے فرمایا ولات حین مناص یعنی مناص کہنے کا وہ وقت نہ تھا یعنی نہ کوئی جائے پناہ تھی نہ بھاگ جانے کا مقام۔ (تفسیر مظہری)

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈر سنانے والا انہی میں سے

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ

اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

کافروں کا جھوٹا فلسفہ ☆ یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، یہ عجیب بات ہے۔ اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا کر کھڑا کر دیا ہے۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اس کا پیغمبر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی ایک انسان اور وہ بھی انہیں میں سے پیغمبر ہو کر ان کو ڈرانے آیا ہے۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اظہار غضب اور مذمت کے لئے اور اس بات پر تنبیہ

کرنے کے لئے کہ کفر تے ہی ان کو ایسا کہنے کی جرأت دلائی بجائے ضمیر کے الکافرون صراحت کے ساتھ فرمایا۔

هٰذَا سِحْرٌ یعنی اس کے معجزے اسکے جادو کے کرشمے ہیں۔ كَذَّابٌ یعنی نبوت کے دعوی میں پکا جھوٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ
کیا اس نے کر دی انہوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے
عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا
بڑے تعجب کی بات اور چل کھڑے ہوئے کئی ۝ ان میں سے کہ چلو اور جمے رہو
عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ
اپنے معبودوں پر ☆

☆ یعنی اور لیجیے اتنے بے شمار دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ اتنے بڑے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا کے سپرد کر دیا جائے۔ اور مختلف شعبوں اور محکموں کے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابو جہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابو طالب سے آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ ایک کلمہ کہتے ہیں، ہم آپ کے دس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا "زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے" لا الہ الا اللہ"۔ یہ سنتے ہی طیش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر اکیلا ایک خدا چلو جی! یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں تم بھی مصطفی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈہ کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

انوکھی بات اجعل یہ سوال بطور تعجب ہے یعنی متعدد اور کثیر معبودوں کی جگہ اس نے ایک خدا کی معبودیت کو دیدی یہ کیسی عجیب بات ہے۔ ان هذا یہ تو بڑی ہی انوکھی بات ہے ہمارے اسلاف کے اجماعی طریقہ کے خلاف ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک کا علم اور قدرت اس قدر ہمہ گیر ہو جو کثیر تعداد کی جگہ پوری پوری لے لے۔

عجیب اور عُجَابٌ کا فرق بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ انوکھی بات جس کی نظیر ہو عجیب کہلاتی ہے اور بے نظیر ہو تو اس کو عُجاب کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝
بیشک اس بات میں کوئی غرض ہے ☆

☆ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس قدر زور وشور اور عزم واستقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کرنے پر تلے ہوئے ہیں ضرور ان میں ان کو کوئی غرض ہے وہ یہ ہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم کو اپنا محکوم اور مطیع بنالیں اور دنیا کی حکومت وریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے "ان هذا لشیء یراد" کا مطلب یہ لیا ہے کہ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (معلوم ہوتا ہے) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہ ہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو لہذا جہاں تک ہو سکے صبر وتحمل سے اپنے قدیم دین اور آئین کی حفاظت کرتے رہو یا ممکن ہے کہ از راہ تحقیر کہا ہو کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سب کچھ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو چاہئے کہ ہم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ
یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں
اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝
اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے ☆

☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو یعنی آگے تو سنتے ہیں کہ اگلے لوگ ایسی باتیں کہتے تھے پر ہمارے بزرگ تو یوں نہیں کہہ گئے اور ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے کہ یعنی نصاری جو اہل کتاب ہیں ان کو بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک ہی خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو

مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا ہے کہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

بھذا یعنی یہ حقیر دعوت توحید جس کے محمد قائل ہیں۔ الملۃ الاخرۃ۔ حضرت ابن عباس یحییٰ اور مقاتل نے کہا لِلْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد عیسائیت سے آخری (سماوی) مذہب یہی تھا۔ عیسائی بھی توحید کے قائل نہیں (رہے) تھے بلکہ خدا کو تین (اقانیم) میں کا تیسرا کہتے تھے۔ مجاہد نے کہا لِلْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے قریش کا مذہب جس پر وہ چلتے تھے مراد ہے یعنی جس مذہب پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس میں بھی یہ بات نہیں سنی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جس مذہب کا انتظار کیا جا رہا تھا اس میں توحید کی تعلیم کا ہونا تو ہم نے نہ اہل کتاب سے سنا نہ کاہنوں سے۔ اختلاق جھوٹی من گھڑت۔ (تفسیر مظہری)

اَؤُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ
کیا اسی پر اتری نصیحت ہم سب میں سے ☆

☆ یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام ہی مان لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہ ہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا
کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی انہوں نے چکھی
عَذَابِ ؕ
نہیں میری مار ☆

کافروں کی تردید ☆ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یاوہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے۔ وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور پیش آ کر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدائی مار کا مزا نہیں چکھا جس وقت خدائی مار پڑے گی، تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ
کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے جو کہ زبردست ہے بخشنے والا

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوْا
یا ان کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے تو ان کو چاہئے کہ
فِي الْاَسْبَابِ
چڑھ جائیں رسیاں تان کر ☆

☆ یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان و زمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے۔ جس پر جو انعام چاہے کرے کون روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کر سکتا ہے اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ صاحب اس پر مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی۔ کیا رحمت کے خزانوں اور زمین و آسمان کی حکومت کے تم مالک و مختار ہو جو اس قسم کے لغو اعتراضات کرتے ہو۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب و وسائل کو کام میں لے آؤ اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ تاکہ وہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قابض ہو کر اپنی مرضی و منشاء کے موافق آسمان و زمین کے انتظام و تدبیر کا کام انجام دے سکو۔ اگر اتنا نہیں کر سکتے تو آسمان و زمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بے حیائی یا جنون کے اور کیا ہوگا۔

ع ایاز قدر خود شناس (تفسیر عثمانی)

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝
ایک لشکر یہ بھی وہاں تباہ ہوا ان سب لشکروں میں ☆

یہ مشرکین بے طاقت گروہ ہے ☆ یعنی کچھ بھی نہیں زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو یہ بیچارے کیا ہوتے۔ چند ہزیمت خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو اگلی تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر بدر سے لے کر فتح مکہ تک لوگوں نے دیکھ لیا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں اگر چڑھ جائیں تو ان میں یہ بھی برباد ہوں" گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلا دیا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے سامنے مشرک کچھ نہیں ما ھنالک میں ما اظہار قلت کے لئے ہے (ھنالک سے مراد ہے مکہ) مہزوم شکست خوردہ یعنی عنقریب ان کو شکست ہو جائیگی۔ الاحزاب سے مراد ہیں کافروں کی وہ جماعتیں جو اپنے پیغمبروں کے زمانہ میں ان کے خلاف فرقہ بند ہو گئی تھیں۔ مطلب یہ کہ گذشتہ کافر امتوں کے مقابلہ میں تو مکہ کے کافر ایک کم تعداد شکست پانے والی جماعت ہے پس گذشتہ اقوام کو مغلوب کر کے ہلاک

کر دیا گیا تو ان کے پاس ایسی طاقت کہاں سے آ سکتی ہے کہ اللہ کے انتظام عالم میں یہ دخل دے سکیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس حقیر جماعت کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ قتادہ نے کہا اللہ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہو جائیگی اور یہ پشت موڑ کر بھاگ جائیں گے چنانچہ اس کا ظہور بدر کے دن ہو گیا۔ ضحاک سے اشارہ بدر کی لڑائی میں کافروں کی قتل گاہوں کی طرف ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ

جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون

ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾

میخوں والا ☆

ذوالاوتاد کا مطلب ☆ یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومیخا کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام "ذوالاوتاد" (میخوں والا) پڑ گیا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون جب کسی پر عتاب کرتا تھا تو اس کو چت کر کے زمین سے کچھ اوپر ہر ہاتھ اور ٹانگ ایک ایک ستون میں ٹھونک دیتا تھا اس طرح وہ چت معلق رہتا تھا نہ اوپر جا سکتا نہ نیچے زمین پر گر سکتا تھا اسی طرح مر جاتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل کا (یہ بھی) بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹاتا پھر اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ پھیلا کر چومیخا کر دیتا تھا۔ سدی نے کہا چومیخا مضبوط کر کے بچھو اور سانپ اُس پر چھوڑ دیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ

اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ ☆

☆ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام جس کی طرف مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ

وہ بڑی بڑی فوجیں یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو

فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا ☆

☆ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں، تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً

اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی

مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾

جو بیچ میں دم نہ لے گی ☆

☆ یعنی صور کی آواز کے منتظر ہیں، پوری سزا اس وقت ملے گی اور ممکن ہے "صیحہ" سے یہیں کی ایک ڈانٹ مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کفار مکہ شقاوت و بدبختی سے یہ کہا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آیئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

اور کہتے ہیں اے رب خدا دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے ☆

☆ یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخراپن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دیدیجئے ابھی ہم اپنا اعمالنامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کا حصہ سعید بن جبیر نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد جس جنت کا ذکر کرتے ہیں اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے حسن قتادہ مجاہد اور سدی نے کہا ان کا مطلب یہ تھا کہ جس عذاب و آخرت کی محمد ہم کو دھمکی دیتے ہیں اس کا ہمارا مقرر حصہ یہیں دنیا میں ہم کو دیدے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے قط کا ترجمہ حساب کیا۔ (تفسیر مظہری)

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ

تو تحمل کرتا رہ اس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد

ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ

قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا ☆

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اس جگہ ان کو داؤد کا قصہ یاد دلوایا کہ انہوں نے بھی طالوت کے عہد حکومت میں بہت صبر کیا، آخر حکومت ان کو ملی اور جالوت وغیرہ مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر کا (تنبیہ) "ذا الاید" کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہاتھ کے بل والا کیا ہے یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ یا "ہاتھ کا بل" یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے دست و بازو سے کسب کر کے کھاتے اور "اواب" یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

عبادت کا پسندیدہ طریقہ چنانچہ صحیحین کی ایک حدیث میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے۔ اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے داؤد (علیہ السلام) کے ہیں وہ آدھی رات سوتے ایک تہائی رات عبادت کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے تھے اور جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو فرار اختیار نہ فرماتے تھے۔ اور ملاشدہ واللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

عبادت کے اس طریقہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ایک تو اس میں مشقت زیادہ ہے ساری عمر روزہ رکھنے سے آدمی روزے کا عادی ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی لیکن ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں تکلیف مسلسل رہتی ہے دوسرے اس طریقہ سے انسان عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق بھی پوری طرح ادا کر سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی ج ۲۳ میں امام احمد بن حنبل کا نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینار اس آیت وحسن مآب کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش الٰہی کے سامنے لا کر کھڑا کیا جائے گا پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ اے داؤد آج اس وقت تم میری تسبیح اور کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دنیا میں بیان کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار وہ بات تو دنیا کی زندگی میں تھی جواب نہیں رہی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے میں وہی صورت تم کو واپس کرتا ہوں اور وہی لحن داؤدی جس سے دنیا میں پہاڑ اور پرند تمہارے ہموا ہو جایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام ذکر تسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی جھوم جائیں گے۔ پھر ان تمام وجوہ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت و برتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ تو یہ عنوان مالک ایسا ہی ہے جیسے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى کہ اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو موسیٰ کی بات پہنچی ہے کہ موسیٰ کو ان کے پروردگار نے وادی مقدس طوی میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ہے الخصم "جو داؤد وعلیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت وفضیلت میں اسی طرح کا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ کا واقعہ کوہ طور۔ تو ظاہر ہے کہ جو قصہ اس عظمت و تقدس کے عنوان سے بیان کیا جا رہا ہے ہر گز واہیات فحش اور بیہودہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جس سے ہر ہوشیار سمجھے والا انسان نفرت کرتا ہو اور یہ قرآنی عظمت اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ ایسا قصہ اس اہمیت وخصوصیت سے بیان کیا جائے۔ غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی معنی گنجائش نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ

ہم نے تابع کئے پہاڑ اسکے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو

وَالْإِشْرَاقِ

اور صبح کو۔

☆ یعنی صبح وشام جب حضرت داؤد تسبیح پڑھتے پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ اس کے متعلق کچھ مضمون سورہ "سبا" میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تسہیل بیان)

نماز چاشت کا حکم بغوی نے اپنی سند سے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا اس آیت پر میرا (ایمان تو تھا لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا (مراد ی) معنی کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے فرمایا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور وضو کا پانی طلب کیا پھر وضو کیا اور چاشت کی نماز (یعنی دن چڑھے) پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے۔ الاوسط میں طبرانی نے اور ابن مردویہ اور ابن جریر و حاکم نے عمداللہ بن حارث کے سلسلے سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے مجھے چاشت کی نماز کا علم اسی آیت سے ہوا اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ چاشت کی نماز کونسی ہوتی ہے۔ سعید بن منصور نے بھی اس طرح تخریج کی ہے۔ (تفسیر معارف)

ایک لطیف توجیہ حضرت تھانوی نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر وشغل کا ایک خاص کیف پیدا ہو گیا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی وہمت پیدا ہوتی ہے اجتماعی ذکر کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ذاکرین کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ سمجھئے کہ امام کے یہاں ذکر وشغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ذکر کرتے ہوئے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر میں ہے اصلاح ماحول اور شوق عبادت میں اس طریقہ کی عجیب تاثیر ہے۔ اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے (احسن سبل)

نماز چاشت کی فضیلت جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی دو رکعتوں کی پابندی کرلے اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندری جھاگ جیسے ہوں اور حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ "جو شخص صلوٰۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنا دے گا۔ (ترغیب)

علماء نے فرمایا ہے کہ جوں تو دو سے لیکر بارہ تک جتنی رکعتیں پڑھی جا سکیں وہ ٹھیک ہیں لیکن تعداد کے لئے کوئی خاص معمول بنا لیا جائے تو بہتر

ہے۔ اور یہ معمول کم از کم چار رکعت ہو تو زیادہ اچھا ہے کیونکہ آپ کا عام معمول چار رکعتیں ہی پڑھنے کا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے یعنی ہم نے انہیں عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور "وَفَصْلَ الْخِطَابِ" کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے۔ چنانچہ حضرات داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے اور خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لفظ "اما بعد" سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ (۱۹)
اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اسکے آگے رجوع رہتے ☆

☆ یا سب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔ (تفسیر عثمانی)

والطیر محشورہ کا ترجمہ جمع ہو کر عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں محشورہ کا ترجمہ محبوست کیا ہے یعنی پرند ہوا میں اڑتے ہوئے حضرت داؤد کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح میں ہمنوا ہو جاتے۔ اسی طرح اونچے اونچے پہاڑ بھی نفخ داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے۔ یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

ملائکہ کے علاوہ کی قید اس وجہ سے واضح کی گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقہ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقہ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرند بھی شامل ہوتے تھے۔

(معارف کاندھلوی)

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
اور قوت دی ہم نے اسکی سلطنت کو ☆

☆ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھلا دی تھی اور اپنی اعانت و نصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دے کر خوب اقتدار جما دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر داؤد کو اقتدار عطا فرمایا تھا ان کے قلعہ (اور شاہی محل) کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کسی بڑے آدمی پر حضرت داؤد کے سامنے دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائیں چھین لی ہیں۔ حضرت داؤد نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کرونگا اللہ نے خواب میں حضرت داؤد نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب چلے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کرونگا اللہ نے خواب میں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دیا جائے بیدار ہونے کے بعد آپ نے خیال کیا یہ ایک خواب ہے میں فیصلہ میں جلدی نہیں کرونگا۔ دوسرے روز پھر یہی خواب دیکھا لیکن آپ نے خواب کی تعمیل نہیں کی تیسری بار خواب میں وحی آئی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دو یا سخت سزا دو بیدار ہونے کے بعد حضرت داؤد نے مدعی علیہ کو طلب کیا اور فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں تجھے قتل کرا دوں اس نے کہا کیا بغیر ثبوت کے آپ مجھے قتل کرا دینگے۔ حضرت داؤد نے فرمایا ہاں خدا کی قسم میں تیرے معاملہ میں اللہ کا حکم نافذ کر کے رہونگا جب اس شخص نے دیکھا کہ داؤد مجھے قتل ہی کرا دینگے تو بولا آپ عجلت سے کام نہ لیں میں آپ کو اصل واقعہ بتائے دیتا ہوں میرے لئے اس جرم کی یہ سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ میری یہ پکڑ ایک اور جرم میں ہوئی ہے میں نے اس مدعی کے باپ کو دھوکہ دے کر اچانک قتل کر دیا تھا اس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے حضرت داؤد نے اس اقرار کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد کی ہیبت چھا گئی اور آپ کی حکومت بڑی مستحکم ہو گئی۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اس بیان کی حضرت ابن عباسؓ کی طرف نسبت کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ
اور دی اسکو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا ☆

حضرت داؤد علیہ السلام کے اوصاف

☆ یعنی بڑے مدبر و دانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہر حال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت "حسن تدبیر" قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان و ابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعائے داؤدی: ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا۔ اللھم اکتب لی بھا

عندک اجرًا واجعلها لی عندک ذخرًا وضع بها عنی وزرًا واقبلها منی کما قبلتها من عبدک داؤد یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کر دے اور اسے مجھ سے قبول فرما۔ جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤدؑ کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدہ میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔

مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبیؑ نے ایک مرتبہ آپؑ سے چند سوالات کئے اور ان کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور ایمان۔ پھر پوچھا کہ سب سے بری چیز کیا ہے؟ سلیمانؑ نے عرض کیا کہ ایمان کے بعد کفر۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کا لوگوں سے درگذر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔ (ابن ابی حاتم)

الحکمۃ حکمت سے مراد ہے نبوت کامل علم اور عمل کا استحکام

فصل الخطاب: بغوی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فصل الخطاب اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ ہے (مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے حلف لیا جائے) یہ ضابطہ تمام جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے فریقین کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابیؓ ابن کعب کا قول بھی یہی روایت میں آیا ہے۔ حضرت ابیؓ نے فرمایا۔ فصل الخطاب گواہ اور قسم ہے۔ مجاہد۔ اور عطاء بن رباح کا یہی قول ہے۔

شعبی نے کہا حمد و ثناء کے بعد جب آدمی مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور بیان مقصد سے پہلے امّا بعد کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع کلام: توبہ میں ہم نے ہجرت کے واقعہ میں ام معبد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ ان کا کلام نہ اتنا کم تھا کہ مطلب فہمی میں خلل انداز ہو نہ اتنا زیادہ تھا کہ طبیعت کو اکتا دے لا بزرّ ولا ھذرّ نہ ناقص نہ بیکار بکواس۔ (تفسیر مظہری)

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ
اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں
اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ
جب گھس آئے داؤد کے پاس، تو ان سے گھبرایا ☆

حضرت داؤد کی آزمائش

حضرت داؤد نے تین دن کی باری رکھی تھی، ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل و عیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خالص اللہ کی عبادت کا اس دن خلوت میں رہتے تھے۔ دربان کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ کئی شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت و شوکت کے یہ ناگہانی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے آدمی ہیں تو ناوقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیواروں کو پھاندنے کی کیا سبیل کی ہوگی خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض اچانک یہ عجیب و مہیب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف ہٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہی قول عبد بن حمید کا بھی تھا حسن کے بیان میں اتنا زیادہ ہے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کا آپ نے مقرر کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر آپ ذکر خدا کرتے خود بھی روتے اور ان کو بھی رلاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

آزمائش کی تشریح حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرز مخاطبت میں انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے الٹی سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آ کر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو و تحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے لیکن اتنی سی فروگذاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا۔ جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً تنبہ ہوا اور سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترکہ طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھا اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

محراب محراب دراصل بالا خانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ

کو کہا جانے لگا' قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ مسجد کے دائرہ نما محرابیں جیسی آجکل معروف ہیں۔ یہ عہد نبویؐ میں موجود نہیں تھیں۔ (روح المعانی)

طبعی خوف **ففزع منهم** (بس حضرت داؤدؑ ان سے گھبرا گئے) گھبرانے کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ دو آدمیوں کا بے وقت پہرہ توڑ کر اس طرح گھس آنا عموماً کسی بری نیت ہی سے ہوتا ہے۔ طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے۔ (معارف۔ مفتی اعظم)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بلا تحقیق قصے

باسناد سعید بن المسیب اور حارث اعور حضرت علی رضی اللہ سے یہ روایت کیا ہے۔

انه قال من حدثكم بحديث داؤد على مايُرَبه القصاص جلدته مأة وستين جلدة وهو حد الفرية على الانبياء

انہوں نے فرمایا فرمایا جو شخص تم میں سے داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔

مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل ماخذ کتاب صموئیل ہے۔ اور آج تک جو اہل کتاب کو بھی اس کتاب کو پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ ایک بحیثیت تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلا وجہ الہامی کتاب فرض کر لیا۔ (معارف کاندھلوی)

عصمت انبیاء عصمت انبیاء دین کی بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اس کے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء خدا کے سفیر اور نمائندے ہوتے ہیں۔ اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر ان کی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہو سکتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام اور ان کا اسوۂ ہدایت اور فلاح و سعادت کیونکر ہو سکتا ہے۔ عصمت انبیاء کا مسئلہ تو ایسے اصول مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی تشریح اور واقعہ کی توضیح و تفصیل میں اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى
وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں۔ زیادتی کی ہے ایک نے
بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ
دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو
وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ۝
اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ ☆

آنے والوں نے کہا آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ کوئی بے راہی اور ٹالنے کی بات نہ ہو ہم عدل و انصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داؤدؑ اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں) (تفسیر عثمانی)

حاکم کے آداب **قالو الا تخف** (انہوں نے کہا ڈریئے نہیں) آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنی بات بیان کرنی شروع کر دی' اور حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے' اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اچانک کسی بے قاعدگی کا مرتکب ہو تو اُسے فوراً ملامت اور زجر و توبیخ شروع نہیں کر دینی چاہئے۔ بلکہ پہلے اس کی بات سن لینی چاہئے۔ تاکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس اس بے قاعدگی کا جواز تھا یا نہیں۔ کوئی امر ہوتا تو آنے والوں پر فوراً برس پڑتا' لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا انتظار فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ معذور ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اُسے چاہیے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے کہ یہی اسکے مرتبہ کا تقاضا ہے۔ خاص طور سے حاکم' قاضی اور مفتی کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (روح المعانی' معارف مفتی اعظم)

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
یہ جو بھائی ہے میرا اُسکے یہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے یہاں
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالہ کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے
الْخِطَابِ ۝
مجھ سے بات میں ☆

جھگڑا ☆ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کر لے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے' بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے' جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ
بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں ☆

☆ حضرت داؤد نے مقامہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بے شک (اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور ناانصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)

دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ طلب کرنا

قابل غور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کے محض ذہنی مانگنے کو ظلم قرار دیا، حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی، لیکن جس قولی اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جارہا تھا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب کی سی ہوگئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی آدمی کسی سے اس طرح کوئی چیز مانگے کہ مخاطب راضی ہو یا نا راض لیکن اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے لہٰذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مجلس میں اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کرسکتا ہو تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لئے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کا ہے۔ جو مدارس و مکاتب، مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لئے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال طیب ہے جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو۔ اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر یا کسی وقت آنکھوں آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کر لیا تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ۔

لا یحل مال امری مسلم الا بطیب نفس منہ

کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں (معنی اعظم)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى
اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر
بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک
وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ
اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے ☆

شراکت ☆ یعنی شرکا کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی۔ قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو کھا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنیٰ ہیں مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔ (تسہیل)

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ
اور سمجھا داؤد نے کہ ہم نے اس کو آزمایا پھر بخشوانے لگا اپنے رب سے
وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ
اور گر پڑا تعظیم کو اور رجوع ہوا پھر ہم نے معاف کر دیا اس کا کام ☆

آزمائش کا سبب ☆ یعنی اس قصہ کے بعد داؤد کو تنبہ ہوا کہ میرے حق میں یہ ایک نکتہ اور امتحان تھا اس خیال سے آتے ہی اپنی خطا معاف کرانے کے لئے نہایت عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے جھک پڑے۔ آخر خدا نے ان کی وہ خطا معاف کر دی۔ داؤد علیہ السلام کی وہ خطا کیا تھی جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصے بیان کئے ہیں مگر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ ان کی نسبت لکھتے ہیں **قد ذکر المفسرون ھھنا قصۃ اکثر ھا ما خوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت شیء منھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہ** اور حافظ ابوالفرج ابن جریر نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے، قاضی ابوحیان وغیرہ نے ان قصوں سے علیحدہ ہو کر آیات کا جو مفہوم بیان کیا ہے وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے کہ جو ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ ابتلا ایک طرح کے عجب کی بنا پر پیش آیا صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو (یہ سلسلے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر بوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید اپنے حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پا سکتا۔ (ہزار کوشش کرے، نہیں نبھا سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کر دوں گا (یعنی اپنی مدد بنالوں گا دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے۔ بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہو گئے (اخرجہ الامام الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی فی التلخیص) یہ روایت خلاصی سے کہ فتنہ کی

نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہئے کہ جس وقت داؤدؑ عبادت میں مشغول ہوں، باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤدؑ کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا، بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے تب داؤدؑ کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اُس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ لفظ "فتنہ" کا اطلاق اس جگہ تقریباً ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیض پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان کو اوپر اٹھا لیا اور فرمایا صدق اللہ "انما اموالکم و اولادکم فتنۃ" بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی" اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ کہتا ہے اور تو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کمائی (مدارج السالکین ص ۹۹ جلد ۱) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں، کیسے پسند آ سکتا تھا، بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے تا متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے رد یک آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے باقی حضرت شاہ صاحب نے اسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ مجاہد کا بیان ہے داؤدؑ چالیس روز تک یونہی سجدہ میں پڑے رہے سر اوپر نہ اٹھایا اور روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی جس نے آپ کے سر کو چھپا لیا۔ چالیس روز کے بعد ندا آئی داؤدؑ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دے دیا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلا دیا جائے یا ننگا ہے کہ تجھے لباس دے دیا جائے۔ میں تو بلا مانگے یہ چیزیں تجھے دیتا ہوں۔ داؤدؑ اتنا روئے کہ آپ کا سینہ کی گرمی سے لکڑی بھڑکنے لگی اور جل گئی اس کے بعد اللہ نے قبول توبہ اور مغفرت کا حکم نازل فرمایا۔

بعض اہل علم نے بیان کیا کہ داؤدؑ راکع ہونے کی حالت میں سجدہ میں گر گئے گویا انہوں نے نماز استغفار کی دو رکعتوں کے لئے احرام کیا تھا (نیت کی تھی اور تکبیر تحریمہ کہی تھی) پھر نماز میں ہی سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو بہ کی۔

احناف کا استدلال علماء حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ جس نے آیت سجدہ پڑھی پھر فوراً سجدہ تلاوت کی نیت سے رکوع کر لیا تو اس کے لئے کافی ہے (سجدہ تلاوت ہو گیا) کیونکہ آیت جہراً کھا میں رکوع کا سجدہ پر اطلاق کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سجدہ میں سجدہ مقصود نہیں ہے بلکہ تعظیم خداوندی مقصود ہے اور تعظیم کا مفہوم سجدے اور رکوع دونوں میں ایک جیسا ہے۔

اللہ کی تعظیم کی ضرورت یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی تعظیم کی ہے ان کی پیروی ہو جائے یا جن لوگوں نے اللہ کے سامنے غرور کیا ہے ان کی مخالفت ہو جائے تقاضائے قیاس یہی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے اس جگہ قیاس جلی کو استحسان پر ترجیح دی ہے کیونکہ اس جگہ قیاس کی تاثیر قوی ہے کیونکہ قیاس کی تائید اور تقویت ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے نماز کے اندر (آیت سجدہ پڑھنے کے بعد) رکوع کو سجدہ کی جگہ کافی قرار دیا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا اس سے اختلاف کسی روایت میں نہیں آیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجماعی فیصلہ ہے) (تفسیر مظہری ابو داؤد)

مسئلہ سورۃ صٓ کی یہ آیت پڑھنے سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے امام ہر سجدہ تلاوت کو سنت کہتے ہیں (واجب نہیں مانتے) اس لئے ان کے نزدیک اس جگہ بھی سجدہ تلاوت مسنون ہے امام شافعی اور امام احمدؒ کے مشہور قول میں یہ سجدہ شکر ہے جو نماز کے اندر نا جائز ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صٓ کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے (مگر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

بیہقی نے بیان کیا ہے کہ متعدد صحابہؓ نے صٓ میں سجدہ کیا۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے سورۃ صٓ پڑھی اور اس میں (تلاوت کا) سجدہ کیا نماز ختم ہونے کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا امیر المؤمنین کیا یہ واجب سجدوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سجدہ کرتے تھے۔ ابو مریم راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ جب شام میں آئے تو حضرت داؤدؑ کے عبادت خانہ میں بھی گئے وہاں آپ نے نماز پڑھی (اور سورت صٓ پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝

(اور اس کے لئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا ☆)

حضرت داؤدؑ کی شان

یعنی دستور مقرب بارگاہ ہیں۔ اس علمی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق

نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کر دی گئی۔ کیونکہ مقربین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ "حسنات الابرار سیئات المقربین"

گرچہ یک مو بدگنہ کو جستہ بود — لیک آں مو در دو دیدہ رستہ بود
بود آدم دیدۂ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

(تفسیر عثمانی)

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ
اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک
فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى
میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ
بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے اُن کے لئے سخت عذاب ہے ☆

خلافت کے تقاضے

☆ یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔ لہٰذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانا کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، کعبؓ اور سلیمان فارسیؓ سے پوچھا خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم کو نہیں معلوم۔ حضرت سلیمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے۔ اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسے آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کرے۔ حضرت کعبؓ نے کہا میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا اس مجلس میں کوئی بھی خلیفہ کا معنی نہیں جانتا۔ حضرت سلیمانؓ راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ حضرت سلیمانؓ نے کہا اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق (بیجا) مقام پر اس کو دیدیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔

سلیمانؓ ابوالعوجاء کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ ایک شخص نے کہا امیر المومنین ان دونوں میں فرق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا فرق ہے اس شخص نے کہا خلیفہ حق پر لیتا اور حق پر دیتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے (ظلماً) اس سے لیتا اور اس کو دیتا ہے حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ جب ممبر پر بیٹھتے تو کہتے لوگو! خلافت مال کو اکٹھا کرنے اور تقسیم کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ خلافت نام عمل بالحق کا انصاف سے حکومت کرنے کا اور لوگوں سے بحکم خدا مواخذہ کرنے کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے

اسلام چونکہ ایک ابدی دین ہے اس لئے اس نے سیاست و حکمرانی کے لئے ایسے انتظامی جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی۔ جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جائیں۔ بلکہ کچھ ایسی بنیادی ہدایات عطا فرمادی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جا سکتی ہیں۔ اسی لئے یہاں یہ بات تو بتادی گئی ہے کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل رائے مسلمانوں پر چھوڑی گئی ہیں۔

عدلیہ اور انتظامیہ کا رشتہ چنانچہ یہ بات کہ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل الگ رہے یا اس کے ساتھ وابستہ؟ اس مسئلہ میں کوئی ایسا متعین حکم نہیں دیا گیا۔ جو ہر دور میں ناقابل تبدیل ہو۔ اگر کسی زمانہ میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوئی کو مٹایا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر پورا بھروسہ نہ ہو تو عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان سے زیادہ امانت و دیانت کا کون دعویٰ کر سکتا تھا؟ اس لئے انہیں بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کا سربراہ بنا کر تنازعات کے فیصلے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلفاء راشدین میں بھی یہی طرز رہا کہ امیر المؤمنین خود ہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ بعد کی اسلامی حکومتوں میں اس طریقے کو بدلا گیا اور امیر المؤمنین کو انتظامیہ کا اور قاضی القضاۃ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا گیا۔

ذمہ داری کے عہدے یہیں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمے کا افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں اور اس کے اخلاق و کردار کی کیا حالت ہے؟ اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے دل پر خوف خدا کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر اور پختہ کار ہو۔ اسلام کی نظر میں وہ کسی اونچے منصب کا مستحق نہیں ہے۔

جس حاکم یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنی میں حق و انصاف قائم کرسکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو آپ اچھے سے اچھا قانون بنا لیجئے۔ نفس انسانی کے دسیسہ کاریاں ہر جگہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہیں اور ان کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون بھی حق و انصاف قائم نہیں کرسکتا۔ دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں۔

خدا کی یاد میں غفلت ہو تو اپنے اُوپر سزا مقرر کرنا دینی غیرت کا تقاضا ہے

کسی نیکی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے نفس پر ایسی سزا مقرر کرنا اصلاح نفس کا ایک نسخہ ہے اور اس واقعہ سے اس کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جہم نے ایک شامی چادر ہدیۃً پیش کی جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے آپ نے اس چادر میں نماز پڑھی اور واپس آکر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابو جہم کو واپس کردو کیونکہ نماز میں میری نگاہ اس کے نقش و نگار پر پڑ گئی تو قریب تھا کہ یہ نقش و نگار مجھے فتنہ میں ڈالدیں۔ (احکام القرآن بحوالہ موطا مالک)

اسی طرح حضرت ابوطلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک پرندے کو دیکھنے میں مشغول ہوگئے۔ جس سے نماز کی طرف دھیان نہ رہا تو بعد میں آپ نے پورا باغ صدقہ کردیا۔

ایسا کوئی کام درست نہیں جس سے اضاعت مال لازم آتی ہو صوفیاء میں سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اسی سزا کے طور پر اپنے کپڑے جلا دیئے تھے لیکن محقق صوفیا، مثلاً شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس عمل کو صحیح قرار نہیں دیا۔ (روح المعانی)

امیر کو بذات خود ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے

مملکت کے ذمہ دار یا اونچے درجہ کے افسر کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحت شعبوں پر بذات خود نگرانی رکھے اور انہیں اپنے ماتحتوں پر چھوڑ کر فارغ نہ ہو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ماتحتوں کی کثرت کے باوجود بہ نفس نفیس گھوڑوں کا معائنہ فرمایا۔ خلفائے راشدین اور خاص طور سے حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے

ایک موقت عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس کو بھی غلطی میں شمار کرکے اس کا تدارک فرمایا۔ اسی لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں خواہ وہ تلاوت قرآن یا نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

اس بات پر کہ بھلا دیا انہوں نے دن حساب کا ☆

خواہشات کی پیروی کا سبب ☆ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے "یوم الحساب" کا تعلق "لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ" کے ساتھ ہو "نسوا" کے ساتھ نہ ہو یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہوگا حساب کے دن۔ (تفسیر عثمانی)

عادل حکمران حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمن کی داہنی جانب ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل و عیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں عدل و انصاف کرتے ہیں اور حدیث میں یہ ہے کہ سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کے دوست اور سب سے زیادہ اس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں۔ اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب میں وہ ہوں گے جو حکمران ظالم ہوں۔ (قرطبی)

خلیفۂ وقت سے حساب حضرت ابورزعہ سے مادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ خلیفۂ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ سچ بتادوں خلیفہ نے کہا ضرور سچ ہی بتلاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے ہر دیک آپ سے بہت بڑا اور جو حضرت داؤدؑ کا تھا انہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کتاب خدا تعالیٰ ان سے کہتی ہے۔ یادَاوٗدُ اِنَّا الخ۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث سدی کہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو انکے بیچ میں ہے بیکار

ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

یہ خیال ہے اُن کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کے لئے

مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

آگ سے ☆

آخرت کو سامنے رکھو ☆ یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہٰذا یہاں رہ کر وہاں کے لئے کچھ کام کرنا چاہئے اور وہ کام یہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق و عدل کے اصول پر کاربند ہو۔ اور خالق و مخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھا پی کر ختم کر دیں گے، آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو اُن کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے سو ایسے منکروں کے لئے آگ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باطل کا معنی باطل خالی از مصلحت و حکمت۔ یا بے کار محض کھیل کے طور پر۔ یا باطل سے مراد ہے اتباع خواہشات جو حق کے مقابل ہے اس ساری کائنات سے خالق کے وجود پر استدلال اور اس کے احکام کی تعمیل کی صورت میں اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا حق ہے اور خواہشات نفس کا اتباع باطل ہے (پس اس کائنات کو اللہ نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ انسان اپنے نفس کے میلان و خواہش کا بندہ بن جائے نہ خالق کے وجود کو مانے نہ اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے بلکہ خواہش پرست بنا رہے۔ (تفسیر مظہری)

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کیا ہم کر دینگے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر

كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ أَمْ نَجْعَلُ

اُنکے جو خرابی ڈالیں ملک میں کیا ہم دینگے ڈر نیوالوں کو

الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

برابر دھیلے لوگوں کے ☆

قیام قیامت کی حکمت ☆ یعنی ہمارے عدل و حکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے اس لئے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب و کتاب اور جزا و سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے حیا موجیں اڑاتے ہیں۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی کی جو مخبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک و بد کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا پھر "یوم الحساب" کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی ایک عقلی دلیل اس آیت میں وجوب حشر کی ایک عقلی برہان ہے جو دلالت کر رہی ہے کہ اقرار حشر لازم ہے کیونکہ اس زندگی میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری نہیں بلکہ تقاضا حکمت کے خلاف اس دنیا میں کافروں کو موحدوں پر (مال دولت اولاد وغیرہ کے لحاظ سے) عموماً برتری حاصل ہے اس لئے ضروری ہے کہ کوئی دوسری زندگی میں ہر فریق کو اس کی (فکری و عملی) حالت کے موافق بدلہ ملے۔ (تفسیر مظہری)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ

یہ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تاکہ دھیان کریں

وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

لوگ اُسکی باتیں اور تاکہ سمجھیں عقل والے ☆

کتاب کے نزول کی حکمت

☆ یعنی جب نیک اور بد کا انجام ایک نہیں ہو سکتا تو ضروری تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مآب حق تعالیٰ کی طرف سے آئے، جو لوگوں کو خوب معقول طریقہ سے اس کے انجام پر آگاہ کر دے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن عظیم کہتے ہیں جس کے الفاظ، حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں۔ چنانچہ اس آیت سے پہلے ہی آیت میں دیکھ لو، کس قدر صاف، فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ (تنبیہ) شاید "تدبر" سے قوت علمیہ کی اور "تذکر" سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے ذیل میں آ گئی تھیں۔ آگے پھر اس کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تدبر آیات کتاب۔ یعنی یہ قرآن اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ مبارک یعنی اس کے اندر خیر و منفعت کثیر ہے۔ لیدبروا تاکہ لوگ غور کریں یعنی آپ اور آپ کی امت کے علماء غور کریں اس کے ظاہر کو پرکھیں اور صحیح تاویلات کو سمجھیں اور صحیح طور پر معانی کا استنباط کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام اہل دانش غور کریں اور سمجھیں کہ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے۔ انسان کی ساختہ پرداختہ ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا حسن سے کہا

تدبر آیات سے مراد ہے آیات کا اتباع کرنا (اور ان کے احکام پر چلنا) وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ یعنی صحیح دانش اور سلیم عقل والے نصیحت اندوز ہوں۔ خارجی دلائل کی روشنی میں معرفت خداوندی کے حصول پر سلیم عقل والوں کو فطری طور پر قدرت حاصل ہے۔ صحیح دانش والوں کی عقلوں میں دلائل سے معرفت کا حصول مرکوز ہے اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں سے ان افکار و احکام کا علم حاصل ہو جاتا ہے جو تنہا عقل کی رسائی اور دائرہ دانش سے خارج ہیں اور بغیر شرع کے صرف عقل اپنی فکری جولانی سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ
اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان ☆

☆ یعنی سلیمان بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٤٤﴾ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا جب دکھانے کو لائے
الصَّٰفِنَٰتُ الْجِيَادُ ﴿٤٥﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ
اُسکے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی
عَن ذِكْرِ رَبِّي ۖ حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٤٦﴾ رُدُّوهَا
محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا لوٹ میں پھیر
عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٤٧﴾
لاؤ اُن کو میرے پاس پھر لگا تھا رنے اُن کی پنڈلیاں اور گردنیں ☆

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی آزمائش

☆ یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز و سبک رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے اُن کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتیٰ کہ آفتاب غروب ہو گیا شاید اس شغل میں عصر کا وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں اس پر کہنے لگے کوئی مضائقہ نہیں۔ اگر ایک طرف ذکر اللہ (یا وخدا) سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمان غایت محبت و اکرام سے انکی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین نے کی ہے اور لفظ "حُبَّ الْخَيْرِ" سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا۔ الخیل معقود فی نواصیها الخیر الی یوم القیامة لیکن دوسرے علماء نے اسکا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمان کو گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہو کر اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں۔ فرمایا کہ دیکھو! مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتیٰ کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یہ مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص مقربین کو یہ فکر بھی رہتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو اور ہوتا ہے تو صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں (گو عذر سے ہو)

گر ز باغ دل خلالے کم بود ۔۔۔ بر دل سالک ہزاراں غم بود

"غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا ذنب آپ پر نہ تھا لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں "ملأ الله بیوتهم وقبورهم نارا" وغیرہ الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بے تاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں تاکہ سبب غفلت کو اپنے سے اسطرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی۔ اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہوگا اور لفظ فطفق مسحا سے یہ بھی لازم نہیں آیا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گذرے ہوں محض اتنا ہے کہ یہ کام شروع کر دیا واللہ اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب سے روایت کی ہے۔ (راجع روح المعانی وغیرہ) (تفسیر عثمانی)

الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ: الصافنات صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھی ٹانگ کے سم کی فقط ایک نوک (اس پر زور دیئے بغیر) زمین سے لگی ہوئی ہے یہ (گھوڑے کے اصیل ہونے کی علامت ہے اور) اچھی صفت مانی جاتی ہے۔

الجیاد۔ جواد کی یا جود کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیاد جید کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیاد

جید کی جمع ہے (کھرا گھوڑا) حضرت ابن عباسؓ نے کہا آیت میں گھوڑوں کی دونوں اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ صافن ہونا اور جودت۔ جب گھوڑا کھڑا ہو تو اس کی صفت صافن ہونا ہے کہ سکون و اطمینان کے ساتھ تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور جب چل رہا ہو تو سبک رفتار اور تیز رو ہو یہ جودت کی نشانی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے: عبد بن حمید فریابی بن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم نخعی کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ بیس ہزار گھوڑے تھے اور (پرندوں کی طرح) بازوؤں والے تھے ان کو حضرت سلیمان نے ذبح کرا دیا تھا۔

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے بروایت عوف بیان کیا کہ حسن نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جن گھوڑوں کو سلیمانؑ نے ذبح کیا تھا وہ (پرندوں کی طرح) پروں والے تھے اور حضرت سلیمان کے لئے سمندر سے برآمد کئے گئے تھے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دریائی گھوڑے نہیں ملے بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ وہ بیس ہزار پردار گھوڑے تھے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے۔ جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر میں ایک کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں۔ آپؐ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جسکے دو پر ہیں کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا گھوڑا ہے۔ فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف کپڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا گھوڑا بھی اچھا ہے اور اس کے پر بھی۔ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان کے پردار گھوڑے تھے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا استغفار: ابن المنذر نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سلیمانؑ نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں طبرانی نے الاوسط میں اور اسماعیل نے معجم میں اور ابن مردویہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں یا دن خدا کاٹ دیں۔ اس عمل کا باعث تھا ذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا۔ قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پالینے کا جذبہ۔

حسن نے کہا جب سلیمان نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتار تھی یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنا دیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا۔ گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا۔ ہماری شریعت میں بھی بقول جمہور حلال ہے صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان گھوڑوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیا تھا اور ان کی کونچوں اور پنڈلیوں پر قوف کی علامت کے طور پر داغ لگا دیا تھا۔

رہبری نے حضرت علی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سلیمان نے حو ق ذ وھ ق ل کہا تھا وہ فرشتوں سے کہا تھا یعنی آفتاب پہ جو مؤکل ملائکہ تھے تحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا
اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اُس کے تخت پر ایک دھڑ
ثُمَّ اَنَابَ ۝
پھر وہ رجوع ہوا ☆

آزمائش کی ایک اور صورت

☆ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القا کیا کہ "انشاء اللہ" کہہ لیجئے مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا۔ خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لو یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے۔ (اسی کو یہاں "جسد" (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور "انشاء اللہ" نہ کہنے پر استغفار کیا۔ مزید یکاں راہیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر انشاء اللہ کہہ لیتے تو بے شک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمانؑ کی انگشتری اور جنوں کے نقل کئے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں "وقد رویت ھذہ القصۃ مطولۃ عن جماعۃ من السلف رضی اللہ عنھم وکلھا منلفقۃ من قصص اھل الکتاب' واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ
بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب
لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝
نہ ہو کسی کے میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا ☆

بے مثال حکومت ☆ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے۔ نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرما لیا ہے یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ وہی دعا ہو آخر نبی راوے اور بادشاہ زاوے تھے۔ یہ دعا میں بھی یہ رنگ رہا کہ بادشاہت ملے۔ اور اعجازی رنگ کی ملے وورنہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا خلاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر و غالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں لہٰذا اس کو دنیاداروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔ (نصیر مثال)

انبیاء علیہم السلام کی درخواست کا طریقہ

انبیا اور صالحین کا طریقہ ہے کہ پہلے استغفار کرتے ہیں پھر اللہ سے کچھ مانگتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بھی ایسا ہی کیا پہلے درخواست مغفرت کی پھر حکومت کا سوال کیا۔ آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمان پر جو یہ مصیبت پڑی وہ محض اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا تاکہ دنیا اور آخرت میں آپ کا مرتبہ اونچا کیا جائے جس طرح کہ حضرت ایوب پر وقوع بلا، ترقی درجات کے لئے ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تھا نہ آپ سے کوئی لغزش ہوئی تھی ورنہ ندامت و استغفار بہت تن زاری کے ساتھ گڑگڑا کر کرتے اور درخواست مغفرت وتوبہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان پر بھی نہ لاتے (حکومت مانگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے) اور جس طرح اللہ نے حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا تھا ویسے ہی آپ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دیو (شریر جن) آج رات تھوک اڑاتا (مدبو پھیلاتا) ہوا میری نماز تڑوانے کے لئے آیا لیکن اللہ نے اس پر مجھے قابو دیدیا اور میں نے اس کو پکڑ کر چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ (صبح کو) تم سب اسکو دیکھ سکو پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آئی کہ انہوں نے درخواست کی تھی رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں اس جملہ کی یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ جو شخص مرتبہ میں میرے بعد ہے اس کو وہ حکومت میسر نہ ہو ایسی حکومت مجھے عطا فرما حضرت سلیمانؑ نے یہ درخواست لوگوں کی بھلائی اور انکی ہمدردی کے لئے کی تھی۔ مطلب یہ کہ میری طرح جس کی مشغولیت دیا سے نہ ہو اور ہر وقت اللہ سے ہی لو لگی ہوئی ہو اسکو تو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی، نہ اللہ سے کوئی شئے غافل بنا سکتی ہے اس کے لئے دنیا کا حصول نیکیاں حاصل کرنیکا مزید ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو ایسا نہ ہو اسکو، یا جو اسے غافل بناوتی ہے اور ایسے آدمی کے لئے وہ سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے مرتبہ سے اعلیٰ تھا لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی دعا کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت عطا نہیں کی گئی اللہ نے تو آپ کو اختیار دے دیا تھا کہ نبوت کے ساتھ چاہیں تو بادشاہ بھی بن جائیں یا غریب بندہ رہنا چاہیں (تو یونہی چھوڑ دیا جائے) آپؐ نے نبوت کے ساتھ (غریب) بندہ رہنا پسند کیا کیونکہ آپ کے مرتبہ یک بادشاہت سے فقیری افضل تھی۔ رہی دیو کو ستون سے باندھنے والی حدیث تو خود اس میں صراحت ہے کہ دیو کو اللہ نے آپ کے قابو میں کر دیا تھا اور آپ اس کو ستون سے باندھ سکتے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ کی دعا کا لحاظ کرتے ہوئے خود ہی نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو جن و انس سب پر چلتا تھا۔

تاتی مدعوۃ الاشجار صاجدۃ تمشی الیہ علی ساق بلا قدم

آپ کو بلاتے سے تو درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر قدموں کے صرف تنا کے سہارے سے چلتے ہوئے آپ کے پاس آ جاتے تھے۔

فقر، کی زندگی اور ان کا لباس آپ کو محبوب تھا علماء راشدین کی بھی یہی حالت تھی کہ قلت کے ساتھ فقراء کو پسند تھا اور دونوں گروہوں کے فضائل انہوں نے جمع کر لئے تھے۔

حکومت اور اقتدار کی دعا یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی باری تعالیٰ کی اجازت ہی سے مانگی تھی۔ اور چونکہ اس کا منشاء محض طلب اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور کلمہ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کے لئے کام کریں گے۔ اور تشنہ جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے۔ اس لئے انہیں اس دعا کی اجازت بھی دیدی گئی اور اسے قبول بھی کر لیا گیا۔ لیکن عام لوگوں کے لئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حب جاہ و مال کے

جذبات شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انسان کو اس قسم کے جذبات نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور وہ واقعۃً اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد سے اقتدار حاصل نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حکومت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ

پھر ہم نے تابع کر دیا اُسکے ہوا کو چلتی تھی اُس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچا

أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝

چاہتا اور تابع کر دیئے شیطان سارے عمارت کرنیوالے اور غوطے لگانیوالے ☆

☆ یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہوا اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورۂ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کی جنوں پر حکومت

حضرت سلیمانؑ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سمندروں کے موتی نکلوائے مقرنین زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کے دو گروہ کر دیئے تھے (۱) کچھ جنات کو بھاری دشوار کاموں پر لگا دیا تھا جیسے معمار اور غوطہ زن (۲) کچھ شریر تھے تو ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ تاکہ لوگ ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت سلیمانؑ کو ابلیس پر تسلط اس لئے عطا نہیں کیا کہ اس سے آزاد رہنے کا وعدہ کر لیا گیا تھا اور اللہ نے اس سے فرما دیا تھا إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (تفسیر مظہری)

وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝

بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں ☆

☆ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت و تمرد کی وجہ سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

جنات کی زنجیریں یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ سرکش جنات کو حضرت سلیمانؑ نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اب ان زنجیروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یہی نظر آنے والی لوہے کی زنجیریں ہوں، ہو سکتا ہے کہ جنات کو جکڑنے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہو۔ جسے آسانی سے سمجھانے کے لئے یہاں زنجیروں سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا ☆

عطائے الٰہی ☆ یعنی کسی کو بخش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیاوی اور مختار کر دیا۔ حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر"۔ (تفسیر عثمانی)

بے مثال حکومت ہم نے سلیمانؑ سے کہا کہ یہ حکومت اور ایسا تسلط جو کسی اور کو نہیں دیا گیا صرف تم کو دیا گیا ہے ہمارا خاص عطیہ ہے فامنن سو جسکو چاہو دو او امسک اور جس سے چاہو روک رکھو نہ دو۔

بغیر حساب تم سے اس کی حساب فہمی نہ ہوگی کہ کیوں دیا اور کیوں نہ دیا کیونکہ تصرف کا پورا اختیار تم کو دیدیا گیا ہے حسن نے کہا اللہ نے جس کسی کو نعمت سے سرفراز کیا آخر کار وہ نعمت اسکے لئے انجام بد بن گئی سوا حضرت سلیمانؑ کے کیونکہ ان کو اختیار دیدیا گیا کہ وہ کسی کو دیں تو انکو ثواب ملیگا نہ دیں تو انجام میں مواخذہ نہ ہوگا۔

بغیر حساب کا تعلق عطاء سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عطاء سے مراد عطاء کثیر ہوگی یعنی بے حساب ان گنت نعمت ہم نے تم کو دی ہے۔

مقاتل نے کہا هَٰذَا عَطَاؤُنَا کا یہ مطلب ہے کہ یعنی جنات کی تسخیر ہمارا خاص عطیہ ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے فامنن سو تم جسکو ان میں سے چاہو چھوڑ دو اور جس کو اپنی بندش میں رکھنا چاہو رکھو چھوڑنے اور بند رکھنے کا تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ

اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ ☆

☆ یعنی بادشاہت کے باوجود خود روحانی تقرب اور مرتبہ ہمارے ہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ ٹھکانا تیار ہے وہ بجائے خود رہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ

اور یاد کر ہمارے بندے ایوب کو جب اس نے پکارا اپنے رب کو کہ مجھ کو لگا دی

الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ

شیطان نے ایذا اور تکلیف ☆

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری

قرآن کریم کے تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن امور میں کوئی پہلو شر یا ایذا کا یا کسی مقصد صحیح کے فوت ہونے کا ہو ان کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (کہف۔ رکوع ۹) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کسی درجہ

میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدے سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری یا تکلیف و آزار کی نسبت شیطان کی طرف کی تو گویا تواضعاً و تادباً یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کچھ تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض و شدت میں شیطان القاء وساوس کی کوشش کرتا ہوگا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب و تکلیف اٹھاتے ہوں گے اس کو نصب و عذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ سورہ "انبیاء" میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے مگر واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے۔ کما قال تعالیٰ "لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا" (احزاب رکوع ۹) لہٰذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوۃ کے منافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا نصب سے مراد ہے جسمانی دکھ اور عذاب سے مراد ہے مالی تباہی حضرت ایوب کے دکھ اور تکلیف کا مفصل ذکر اور ان کا پورا قصہ ہے ہم نے سورۃ انبیاء میں بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کپڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ لے جا کر ڈال دیں۔ انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت و وجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصہ نبوت ہے۔ عوارض جسمانیہ اور امراض کا انبیاء پر ورود بے شک درست ہے۔ لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابل نفرت ہوں مثلاً جذام و برص عمی (نابینا پن) اور جنون و اپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑے پر ڈال دیا گیا تھا روایۃً و درایۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ (ملخص از روح المعانی و احکام القرآن)

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۲﴾
لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو اور بخشے ہم
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا
نے اس کو اسکے گھر والے اور انکے برابر انکے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی
وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾
سے اور بار رکھنے کو عقل والوں کے ☆

صبر کا پھل ☆ جب اللہ نے چاہا کہ ان کو چنگا کرے حکم دیا کہ زمین پر پاؤں ماریں۔ پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے وہ ہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے۔ اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کئے تاکہ عقلمند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس طرح کفالت و اعانت فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر کے بدلہ میں رحمت صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب ننگے ہو کر نہا رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں آپ نے جلدی جلدی ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا۔ آپ نے جواب دیا ہاں خدایا بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں۔ بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر کو نیک بدلے اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی۔ بلکہ حضرت حسن اور قتادہ سے تو منقول ہے کہ مردہ اولاد خدا تعالیٰ نے زندہ کر دی اور اتنی ہی مزید اولاد عطا کی۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کا رحم جو ان کے صبر و استقلال، رجوع الی اللہ اور تواضع و انکساری کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت و عبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت و راحت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ
اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو ☆

قسم پوری کرنے کی مخصوص ترکیب

☆ حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچا کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتلا دیا جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی (تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں جیسے اسقاط زکوٰۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اسکی اجازت ہے۔ والتفصیل یطلب من مظانہ۔

اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ
ہم نے اسکو پایا تھیلے والا بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا
عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ
اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب ہاتھوں والے اور
وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾
آنکھوں والے ☆

☆ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین وبصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

مقام صبر سے ترقی

(حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کا عجیب کلام)

اس مقام پر ہمارے شیخ شہید کا بہت اونچا کلام ہے آپ نے فرمایا جب حضرت ایوب علیہ السلام دُکھ اور مصیبت پر برسوں صبر کر چکے اور اللہ نے چاہا کہ اس کے دُکھ اور تکلیف کو دور کردے تو ان کے دل میں یہ بات خود ہی پیدا کر دی کہ اللہ تجھ سے دعا اور زاری کا خواستگار ہے تو بارگاہِ الٰہی میں اپنی عاجزی اور احتیاج کا اظہار کرتا کہ اللہ اس مصیبت کو دور کردے۔ چنانچہ آپ نے اپنے طبعی تقاضا کے خلاف حوصہ کا خواستگار تھا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لئے دعا اور زاری کو ترجیح دی اور طرح مقام صبر سے ترقی کر کے مقام رضا میں پہنچ گئے اور اللہ نے بھی آپ کے صبر کی قدر دانی کی اور فرمایا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا۔

اُولِي الْاَيْدِيْ یعنی اطاعت وعبادت میں اور دین ومعرفت الٰہیہ میں بصیرت مند تھے۔ حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور مجاہد نے یہی تشریح کی اطاعت اور بدنی اعمال کی تعبیر لفظ ایدی (ہاتھ) سے کی کیونکہ ہاتھوں سے اکثر اعمال کیے جاتے ہیں۔ اور ابصار سے معرفت خداوندی کی تعبیر کی کیونکہ آنکھیں ہی خدا شناسی میں قوی ترین ذریعہ ہیں خلاصہ یہ کہ تینوں حضرات عملی اور علمی قوتوں کے مالک تھے عملی قوت کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے اور علمی قوت سے معرفت خداوندی اور دینی دانش حاصل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾
ہم نے امتیاز دیا اُن کو ایک چُنی ہوئی بات کا وہ یاد اُس گھر کی ☆

☆ امتیاز کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾
اور وہ سب ہمارے نزدیک میں چنے ہوئے بہتوں
وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ وَكُلٌّ
میں اور یاد کر اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا
مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾
خوبی والا ☆

☆ حضرت اسمٰعیل اور ذوالکفل کا ذکر پہلے گزر چکا اور "الیسع" کہتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے۔ ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت الیسع علیہ السلام۔ تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے اللہ کی رفاقت میں رہتے تھے اس کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی بائبل کی کتاب سلاطین اوّل باب نمبر ۱۹ اور سلاطین دوم باب نمبر ۲ وغیرہ میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں آپ کے اسم گرامی الیشع بن سافط مذکور ہے۔ (معارف حقی اعظم)

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ
یہ ایک مذکور ہو چکا ہے

یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ
تحقیق ڈر والوں کیلئے ہے اچھا ٹھکانا باغ ہیں سدا بسنے کے کھول
مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾
رکھے ہیں اُن کے واسطے دروازے ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جب بہشت میں داخل ہوں گے، ہر کوئی مدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا" اور دے کر دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

محل عدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس بیس برج ہیں۔ جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ ہی رہیں گے (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ

تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ان میں منگوائیں گے اُن میں میوے بہت

وَّشَرَابٍ ۝

اور شراب ☆

☆ یعنی قسم قسم کے میوے پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش غلمان حاضر کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں کھانے کا مقصد اہل جنت کا کچھ کھانا محض لذت اندوزی کیلئے ہوگا۔ حصول غذائیت کے لئے نہیں ہوگا غذا کی ضرورت تو اس لئے ہوتی ہے کہ اجزاء جسم کو تحلیل شدہ قوت کا بدل مل جائے (اور جنت کے اندر قوت کے تحلیل ہونے اور کمزور پڑ جانے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے) (تفسیر مظہری)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝

اور اُن کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی ☆

یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر ہوں گی یا شکل و شمائل خوبو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی ایسی عورتیں جن کی نگاہیں شوہروں کے سوا دوسروں پر نہ پڑیں گی (یعنی ان کی نگاہ آوارہ نہ ہوگی)

اتراب۔ یہ ترب کی جمع ہے ہم عمر۔ سب کی عمر ۳۳ سال کی ہوگی۔ مجاہد نے کہا سب آپس میں بہنوں بہنوں کی طرح ہونگی۔ یہاں کی سوکنوں کی طرح ان میں جلن نہ ہوگی نہ حسد ہوگی۔

زوجین کے درمیان عمر کا تناسب

اور دوسری صورت میں جبکہ "ہم عمر" کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا۔ اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جا سکے گا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے کیونکہ اس سے باہمی اُنس پیدا ہوتا ہے۔ اور رشتہ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا

یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا حساب کے دن پر یہ ہے

لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

روزی ہماری دی ہوئی اسکو نہیں نبڑنا ☆

لازوال نعمتیں ☆ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ رزقنا اللہ منہا بفضلہ وکرمہ فانہ اکرم الاکرمین وارحم الراحمین (تفسیر عثمانی)

هٰذَا ؕ

یہ سن چکے ☆

☆ یعنی پرہیزگاروں کا انجام سن چکے۔ آگے شریروں کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ

اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں اُنکو ڈالیں گے

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ

سو کیا بری آرام کرنے کی جگہ ہے یہ ہے اب اُس کو چکھیں

یعنی لو یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝

گرم پانی اور پیپ

غساق کے معنی ☆ "غساق" سے بعض نے کہا کہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جن میں سانپوں بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک "غساق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جسکے پینے سے سخت اذیت ہو گویا "حمیم" کی پوری ضد۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایسی برفیلی سخت ٹھنڈک جو اس طرح دوزخیوں کو جلا دیگی جس طرح آگ اپنی گرمی سے جلائیگی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا جس چیز کی برودت انتہائی درجہ کی ہو وہ غساق ہے۔

العیاذ، العیاذ: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا مدبودار ہو جائے حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ، بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے پھر وہ گرم ہو کر پکنے لگتا ہے اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے اُن کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں یہ ایک فوج ہے دھستی آ رہی ہے

مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا

تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں وہ بولے

بَلْ أَنتُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۚ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ

بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا سو کیا بری

فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾

ٹھہرنے کی جگہ ہے ☆

دوزخیوں کی گفتگو ☆ یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی، جس وقت فرشتے کو یکے بعد دیگرے لا لا کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا بعدہٗ انکے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھنچی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آ رہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آ کر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو تمہی پر خدا کی مار ہو، خدا تم کو ہی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغواء واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح سو یہاں ہی سب مرو کھپو۔ (تفسیر عثمانی)

آیات کی لطیف تفسیر، میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء لوگوں کو پیچھے سے کمر پکڑ کر دوزخ میں گرنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں سے روکتے ہیں جن کا ارتکاب موجب جہنم ہے مگر لوگ نہیں مانتے خود ہی دوزخ میں گھسے پڑتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو جہنم میں لیجانیوالے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی ہو جب آگ روشن ہوگئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے آ آ کر اس میں گرنے لگے۔ وہ ہر چند گرنے سے روکتا تھا مگر آگے میں گرنے والے (پروانے اور کیڑے) اس پر غالب آ کر گھسے ہی چلے جاتے تھے (آخر سوختہ ہو جاتے تھے) میں بھی تم کو دوزخ میں گرنے سے ہر چند روکتا ہوں اور کہتا ہوں دوزخ سے ہٹ آؤ آگ سے بچ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آتے اور دوزخ میں گھسے پڑتے ہو (متفق علیہ)

قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ یعنی اتباع کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم نے جو کچھ کہا یا ہمارے متعلق جو کچھ کہا گیا اس کے تم زیادہ مستحق ہو تم خود بھی گمراہ ہوئے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔

أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا اس عذاب کو بلا واسطہ جہنم کو تم ہی ہمارے آگے لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا

وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ سو بڑھاوے اس

ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

کو دونا عذاب آگ میں ☆

ایک حسرت ☆ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دوگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا حالانکہ وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُم

اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان مردوں کو کہ ہم انکو نماز کرتے تھے

مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

برے لوگوں میں کیا ہم نے انکو ٹھٹھے میں پکڑا تھا یا چوک گئیں ان سے

الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾

ہماری آنکھیں ☆

☆ وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ ادنیٰ واعلیٰ دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو پہچانتے تھے اور سب سے زیادہ برا جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس جگہ نظر نہیں آتے تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا وہ اس قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے برابر رہیں یا اتنی جگہ نہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

فقراء مومنین کی آخرت قابل رشک

اشرار شریر کی جمع ہے شر خیر کی ضد ہے۔ خیر وہ چیز ہے جس کی طرف سب کو رغبت ہوتی ہے اور شر وہ چیز ہوتی ہے جس سے ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو برا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے آج وہ یہاں کیوں نظر نہیں آتے ان کی مراد یہ ہوگی کہ فقراء مومنین جیسے حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ یہاں کیوں نہیں دکھائی دیتے۔ دنیا میں وہ کافران مخلص غریب مومنوں کو رذیل جانتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

یہ بات ٹھیک ہوتی ہے جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا ☆

دوزخیوں کا جھگڑا حق ہے

یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں۔ عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ

تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

دباؤ والا رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہے

الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

زبردست گناہ بخشنے والا ☆

پیغمبر کا کام ☆ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم مار نہیں سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز وغالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اسکے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت وبخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کردے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اس کو دھیان میں نہیں لاتے ☆

بہت بڑا حادثہ ☆ یعنی قیامت اور اسکے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (نبا۔ رکوع ۱) مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے، اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾

مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو

اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر ☆

ملأ اعلیٰ ☆ "ملأ اعلیٰ" (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جنکے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

قیامت کا حتمی علم کسی کو نہیں

یعنی ملأ اعلیٰ میں نظام عالم کے فناء وبقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دیے۔ جو کچھ کہتا ہوں اسی کی وحی و اعلام سے کہتا ہوں مجھ کو یہ ہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لئے اسکی ضرورت ہے، نہ اسکی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہی جواب ملا آخر سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا فرمایا "وجہ الساعۃ" (عین قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا "ما المسئول عنھا باعلم من السائل" یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملأ اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث وتکرار اور قیل وقال ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا "فیم یختصم الملأ الاعلیٰ" اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الٰہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ ہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے تخاصم پر آپ کو اطلاع ہوئی اسی سے ملأ اعلیٰ کے اختصام کی خبر لگی اور جو تخاصم ابلیس کا آدم کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عالم بالا کی بحث حضرت عبدالرحمٰن بن عائش حضرمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میں نے اپنے رب کو نہایت ہی حسین شکل میں دیکھا رب نے مجھ سے فرمایا۔ محمد عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالا والے کس

بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے رب تو ہی خوب جانتا ہے یہ بات دو مرتبہ فرمائی میرے رب نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس کی خنکی مجھے سینہ کے اگلے حصہ میں بھی محسوس ہوگئی اور آسمان و زمین میں جو کچھ (ہو رہا) تھا مجھے معلوم ہو گیا پھر حضور نے آیت وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ تلاوت کی اور فرمایا اس کے بعد میرے رب نے پوچھا محمد عالم بالا والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کفارات کے متعلق بحث کر رہے ہیں (یعنی کن کن چیزوں سے گناہوں کا اتارا اور کفارہ ہو جاتا ہے) فرمایا کفارات کیا (کیا) ہیں میں نے عرض کیا پاؤں سے چل کر (نماز کی) جماعتوں کی طرف جانا۔ نماز کے بعد (دوسری نماز کے انتظار میں) مسجدوں میں بیٹھا رہنا اور ناگوار امور (مثلاً برفیلا ٹھنڈا پانی اور سخت سردی) کے باوجود پورا پورا وضو کرنا۔ فرمایا جو ایسا کریگا وہ بخیریت زندہ رہیگا بخیریت مریگا اور اس کے گناہ (معاف کر دیئے جائیں گے اور) ایسے (دور) ہو جائیں گے جیسے اس روز تھے جب کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور (کفارات کے بعد) درجات (کے حصول کے ذرائع) میں سے ہے (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور (مسلمانوں کو) سلام کرنا اور رات کو جب سب لوگ سوتے ہوں (نماز کے لئے) کھڑا ہونا۔ رب نے فرمایا (محمد) کہو اے اللہ! میں تجھ سے پاک چیزیں مانگتا ہوں اور بری چیزیں (ممنوع) کو چھوڑ دینے (کی توفیق چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت کا خواستگار ہوں اور اس بات کا طلبگار ہوں کہ تو مجھے بخشدے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے ہی وفات دیدے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بلاشبہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وتفسیرہ۔

ملاء اعلیٰ سے کفارات کا مطلب کفارات کے معاملہ میں ملاء اعلیٰ کی بحث سے شاید یہ مراد ہو کہ فرشتوں کی ایک جماعت ان نیکیوں کو لکھنے میں ایک دوسرے سے پیش دستی کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے سب سے پہلے وہی پیش کریں۔ جیسا کہ حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت میں آیا ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جو بھی آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا فوراً پیچھے (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نے ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کہا حضور نے نماز پوری کر لی تو فرمایا ابھی کس نے یہ بات کہی تھی۔ اس شخص نے کہا میں نے کہی تھی فرمایا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ پیش دستی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان
مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾
مٹی کا ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا۔" (تفسیر عثمانی)

اذ قال اذ یختصمون کا بدل ہے اور تشریح ہے سورۂ بقرہ میں ملائکہ اور ابلیس کی تخلیق آدمؑ اور ان کے استحقاق خلافت کے متعلق گفتگو اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا انجام حضرت آدم کے مقابلہ میں ابلیس نے غرور کیا اور راندۂ درگاہ ہو گیا مشرک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتے تھے ان کا بھی ابلیس کی طرح خوار و ذلیل ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ
پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اُس میں ایک اپنی جان ☆

روح ☆ یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "روحی" (اپنی جان) اسلئے فرمایا کہ آب و خاک سے نہیں بنی، عالم غیب سے آئی۔ کچھ مضمون روح کے متعلق سورہ "بنی اسرائیل" میں گزرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
تو تم گر پڑو اسکے آگے سجدہ میں پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے
اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ
اکٹھے ہو کر مگر ابلیس نے ☆

☆ یہ قصہ سورہ "بقرہ" "اعراف" وغیرہ کئی سورتوں میں گزر چکا۔ اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے۔ اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾
غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں ☆

ابلیس ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا

جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہیں لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ

فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اُس کو جس کو میں نے

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

بنایا اپنے دونوں ہاتھ سے ☆

قدرت ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی۔ (سورہ مائدہ میں پارہ ششم کے ختم کے قریب "بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ" کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے) ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقوی واحوط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیدا کیا۔ جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ "ہاتھوں" سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسی ہی ہاتھ ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء وجوارح کے احتیاج سے منزہ ہے لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عربی زبان میں لفظ "ید" بکثرت قدرت کے معنی میں مستعمل ہے مثلاً ارشاد ہے۔ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آدم کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور یوں تو کائنات کی ساری چیزیں قدرت خداوندی ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن جب باری تعالیٰ کسی چیز کا خصوصی شرف ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اُسے خاص طور سے اپنی طرف منسوب فرما دیتے ہیں۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے کی گئی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿۷۵﴾

یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں ☆

☆ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

بولا میں بہتر ہوں اُس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اُس کو

مِنْ طِيْنٍ

بنایا مٹی سے ☆

☆ سورہ اعراف میں اس کا بیان گزر چکا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آگ ہے گرم پر جوش اور مٹی ہے سرد خاموش ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا، اللہ نے اس مٹی کو پسند رکھا۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا ☆

☆ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جانا تھا اب نکالا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

منہا یعنی جنت سے یا آسمانوں سے نکل جا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا اس بناوٹ (اور خوبصورت تخلیق) سے نکل جا جس میں تو بنایا گیا ہے۔ حسن بن فضل نے کہا یہ تشریح اچھی ہے چنانچہ اس حکم کے بعد ابلیس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور خوبصورتی بدصورتی سے بدل گئی۔

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ رجیم۔ مردود۔ راندۂ درگاہ۔ یعنی تو آدم سے افضل نہیں ہے۔ یہ جملہ حکم خروج کی علت ہے (یعنی تجھے نکل جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اب تو راندۂ درگاہ ہو گیا) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اُس جزا کے دن تک ☆

☆ یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی بعدہ کیا ہوگا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے آگے آتا ہے "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" وہاں جو لعنت ہوگی یہاں کی لعنتیں اسکے سامنے گرد ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ کہنے سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ قیامت آنے پر لعنت ختم ہو جائیگی بلکہ مراد یہ ہی کہ قیامت تک تو پھٹکار میں مبتلا رہیگا اور اس کے بعد لعنت کے ساتھ عذاب میں بھی گرفتار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾

بولا اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اُٹھیں ☆

☆ یعنی صور کے دوسرے نفخہ تک۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے اُسی وقت کے دن تک جو

الْمَعْلُوْمِ ۝

معلوم ہے ☆

☆ یعنی پہلے نفخہ کے قریب تک اس کے بعد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ

بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۙ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝

ان میں چنے ہوئے فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں ☆

☆ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہی ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّتِكَ میں واؤ قسمیہ ہے۔ ابلیس کو مہلت مل جانا اس عزم اغواء کا سبب ہے اگر اللہ کی طرف سے اس کو مہلت نہ ملتی تو وہ اغواء پر قادر نہ ہوتا۔ ابلیس ملعون نے اللہ کی عزت یعنی علم کامل اور ہمہ گیر قدرت کی قسم کھائی تاکہ اس ذریعہ سے اسکو بنی آدم کے اغواء پر تسلط حاصل ہو جائے۔

المخلصین یعنی وہ لوگ جنکو اللہ نے اپنے طاعت کے لئے منتخب کر لیا ہے اور گمراہی سے محفوظ بنا دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلے ان سب سے

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلہ اور میں نہیں اپنے آپ کو

الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

بنانے والا یہ تو ایک نصیحت ہے سارے جہان والوں کو

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

اور معلوم کر لوگے اُس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے ☆

پیغمبر کی خیر خواہی

☆ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین خوارنی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو۔ میں کہنا مانو جو تمہاری بھی خواہی کے لئے آئے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے ایک فرمائش کی وہ تمہارے تک پہنچا دی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کر لوگے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔

تم سورہ ص بعون اللہ وحسن توفیقہ و للہ الحمد والمنۃ

(تفسیر عثمانی)

تکلف اور تصنع کی مذمت

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کر کے اپنی نبوت و رسالت اور علم و حکمت کا اظہار نہیں کر رہا۔ بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے چنانچہ اس کی مذمت میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد منقول ہے کہ "اے لوگو تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو وہ تو لوگوں سے کہہ دے لیکن جس کا علم نہ ہو تو وہ "اللہ اعلم" کہنے پر اکتفا کرلے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ" (روح المعانی)

(معارف مفتی اعظم)

الحمد للہ سورۃ ص ختم ہوئی

سورۂ زمر کی فضیلت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزے اس طرح بے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑیں گے نہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوتا کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بقرہ اور سورۂ زمر کی تلاوت کر لیا کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بروایت نحاس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی۔ بجز ان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشی کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔ (فتح البیان فتح القدیر دیں کثیر)۔ (معارف کاندھلوی)

سورۂ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

اتارنا ہے کتاب کا اللہ نے جو زبردست ہے حکمتوں والا ☆

قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا

چونکہ زبردست ہے اس لئے اس کتاب کے احکام چل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل و مزاحم اس کے شیوع و نفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

میں نے اُتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝

خالص کر کر اسکے واسطے بندگی سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے بندگی خالص ☆

اللہ کی بندگی اور دعوت میں لگے رہو

☆ یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہئے جو شوائب شرک و ریا وغیرہ سے پاک ہو اسی کی طرف قولاً و فعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لیے ہو۔ عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عمل کی مقبولیت اخلاص کے مطابق ہوتی ہے

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف و ثناء کریں گے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۔ (قرطبی)

متعدد آیات قرآنی اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوتا ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور آیات مذکورہ نے بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کی قدر اور وزن بقدر اخلاص ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کمال اخلاص بدون کمال ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اخلاص کامل یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع و ضرر کا مالک سمجھے نہ اپنے کاموں میں کسی غیر اللہ کو متصرف خیال کرے نہ کسی طاعت و عبادت میں غیر اللہ کا اپنے تصور سے دھیان آنے دے۔ غیر اختیاری وساوس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ (معارف ملتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے حمایتی کہ ہم تو انکو پوجتے ہیں

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

فیصلہ کر دیگا اُن میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں ☆

مشرکین کا فیصلہ ہو جائے گا

☆ عموماً مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جائیں گے اور وہ ہم پر مہربانی کریگا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ ان لچر پوچ حیلوں سے

توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول: جویبر کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول تین قبائل کے متعلق ہوا بنی عامر۔ بنی کنانہ اور بنی سلمہ۔ یہ قبائل بتوں کی پوجا کرتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں (یعنی ان کی پوجا کر کے ہم خدا کے مقرب بن جائیں)

بغوی نے لکھا ہے جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا رب کون ہے تم کو اور آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیتے تھے سب کو اللہ نے پیدا کیا اس پر کہا جاتا پھر بتوں کو کیوں پوجتے ہو تو جواب دیتے ہم تو ان کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ہم خدا کے مقرب ہو جائیں۔

مشرکین عرب کا حال

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى

یہ مشرکین عرب کا حال ہے اور اس زمانے کے عام مشرکین بھی تقریباً یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ خالق و مالک اور تمام کاموں میں متصرف تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شیطان نے ان کو بہکایا تو اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کی شکلوں پر بت تراشے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ بت ہمارے بنائے ہوئے ہیں انہیں کوئی عقل و شعور اور قدرت و قوت نہیں۔ انہیں عقیدہ یہ تھا کہ ان بتوں کی تعظیم و تکریم سے وہ فرشتے ہم سے خوش ہوں گے جنکی شکلوں پر بت بنائے گئے ہیں اور فرشتے اللہ کے نزدیک مقرب ہیں۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا کہ جیسے شاہی مقرب کسی سے خوش ہوں تو وہ بادشاہ کے پاس ان کی سفارش کر کے ان کو بھی بادشاہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ فرشتے بھی بادشاہی درباریوں کی طرح جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں مگر ان کے یہ سارے خیالات شیطانی تلبیس اور باطل ہی باطل تھے۔ اول تو یہ بت فرشتوں کی شکل پر واقع میں ہیں نہیں اور ہوں بھی تو اللہ کے مقرب فرشتے اپنی پرستش سے کب خوش ہونے والے ہیں۔ ان کو تو ہر اس چیز سے طبعی نفرت ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اس کے علاوہ بارگاہ خداوندی میں وہ از خود کسی کی سفارش نہیں کر سکتے جب تک ان کو کسی خاص شخص کے بارے میں سفارش کی اجازت نہ مل جائے۔

آج کے مادہ پرست کفار تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں براہ راست گستاخیاں کرتے ہیں۔ یورپ سے درآمد کیا گیا کفر خواہ اس کے رنگ مختلف ہوں۔ کوئی سرمایہ پرست ہو کوئی کمیونزم کا قائل۔ یہ بات سب میں قدر مشترک ہے کہ معاذ اللہ خدا کوئی چیز نہیں ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں اسی بدترین کفر اور ناشکری کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا سے امن و اطمینان سکون و راحت مفقود ہو چکا ہے راحت کے لئے نئے سامان بہت مگر راحت مفقود علاج معالجے کے جدید آلات اور تحقیقات کی بہتات مگر امراض کی اتنی کثرت جو پہلے کسی زمانے میں نہیں سنی گئی۔ پہرے چوکیاں پولیس۔ خفیہ پولیس قدم قدم پر مگر جرائم کی رفتار ہر روز بڑھ رہی ہے۔ یہ نئے آلات اور راحت و آرام کے نئے نئے طریقے جب غور کریں تو یہی خلق خدا کے لئے وبال جان بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کفر کی سزا تو آخرت میں سب ہی کفار کے لئے دائمی جہنم ہے۔ مگر اس اندھی ناشکری کی سزا کچھ دنیا میں بھگتنی پڑتی ہے۔ کہ جس کی دی ہوئی نعمتوں میں تصرفات کر کے آسمان پر چڑھنے کے حوصلے پیدا ہوئے۔ اسی کا انکار ہے۔

؎ درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ راہ (سعادت بیگ مظہر)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝
البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا ☆

سرکش و بدباطن تباہ ہوں گے

یعنی جس نے دل میں یہ ہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا جھوٹ اور ناحق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بدباطن کو فوز و کامیابی کی راہ نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا
اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو چن لیتا اپنی خلق میں سے
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ
جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے ☆

اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے

☆ یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسا کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں کا ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کسی درجہ میں بھی نوعی یا جنسی اشتراک نہیں پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق و خالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ بریں فرض

کیجئے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بنانا تو کسی طرح سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لئے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اولاد چھن کر تمہیں دے دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کو اللہ کی اولاد

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے ان کے اس خیال باطل اور محال کی بطور فرض محال کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے مجاز اللہ کوئی اولاد ہوتی تو وہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ہونا محال ہے کہ زبردستی اولاد اس پر مسلط نہیں ہو سکتی پھر اگر بالفرض اس کا ارادہ ہوتا تو اسکی ذات کے سوا سب اسکی مخلوقات ہی ہیں انہیں میں سے کسی کو اولاد بناتے۔ اور اولاد کا اپنے والد کی ہم جنس ہونا لازم ہے اور مخلوق خالق کی ہم جنس ہو نہیں سکتی۔ اس لئے مخلوق کو اولاد بنانے کا ارادہ کرنا محال ہوگیا۔ (معارف مفتی اعظم)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا ☆

یعنی ہر چیز اس کے سامنے ذلیل ہوتی ہے۔ اس پر کسی کا دباؤ نہیں نہ کسی چیز کی اسے حاجت، پھر اولاد بنانا آخر کس غرض سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ یعنی الوہیت تو وجوب پر مبنی ہے (جسے کوئی دوسرا واجب نہیں ہر موجود مخلوق ہے اور ہر مخلوق ممکن ہے) تو الہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ الہ اپنے ذات وصفات میں واحد ہو۔ اس کا کوئی مثیل ہو نہ شریک اور جب اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تو اس کی اولاد ہونا کس طرح ممکن ہے اولاد تو باپ کے بعض اجزاء سے بنتی ہے اس لئے اپنے والد کی ہم جنس ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک لپیٹتا ہے

الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر☆

نظام کائنات

مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو معلوم ہوگا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی ہوئی چلی آرہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آرہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ایک پردہ دوسرا چلا آتا ہے توڑا نہیں پڑتا"۔ (تفسیر عثمانی)

يُكَوِّرُ کا معنی یعنی لباس کی طرح ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے یا ایک کو دوسرے کی وجہ سے چھپا دیتا ہے جیسے لفافہ اپنے اندر رکھی ہوئی چیز کو چھپا لیتا ہے۔ یا عمامہ کے پیچوں کی طرح مسلسل ایک کو دوسرے کے بعد اور اس کے اوپر اتارتا رہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ

اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی

مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝

مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا☆

اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا ہے

یعنی اسی زبردست قدرت سے یہ انتظام قائم کیا اور تمام رکھا ہے۔ لوگوں کی گستاخیاں اور شرارتیں تو ایسی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگذر کرنے والا ہے اپنی شان عفو و مغفرت سے ایک دم ایسا نہیں کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اسی سے

مِنْهَا زَوْجَهَا

اس کا جوڑا☆

تخلیق انسانیت

یعنی آدم علیہ السلام اور ان کا جوڑا حضرت حوا۔ (تفسیر عثمانی)

نفس واحدۃ یعنی حضرت آدم جن کو اللہ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ

اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر مادہ☆

دوسری مخلوقات

یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لئے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کئے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جن کا ذکر سورۂ "انعام" میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

انزل۔ یعنی تمہارے نفع کے لئے چوپائے پیدا کرنے کا حکم دیدیا۔ اللہ کا فیصلہ اور حکم جو لوح محفوظ سے متعلق ہو کر جاری ہوتا ہے اس کو آسمان سے اترنا کہہ دیا جاتا ہے (کیونکہ لوح محفوظ سے وہ حکم اترتا ہے) یا یہ مطلب ہے کہ

ان اسباب کے ذریعہ سے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جو آسمان اور عالم بالا سے نیچے آتے ہیں جیسے ستاروں کی شعاعیں بارش۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم کے ساتھ اللہ نے جنت کے اندر چوپائے بھی پیدا کر دیئے تھے پھر آپ ہی کے ساتھ انکو نیچے اتارا۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔ آٹھ نر و مادہ (ملا کر) اونٹ اونٹنی۔ گائے بیل، بھیڑ بھیڑی، بکرا بکری۔ (تفسیر مظہری)

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ

بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر

بَعْدِ خَلْقٍ

دوسری طرح کے پیچھے ☆

انسانی پیدائش میں قدرت کے کرشمے

☆ یعنی بتدریج پیدا کیا مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔ (تفسیر عثمانی)

اس میں قدرت خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکم میں ایک وقت مکمل پیدا کر دیتے۔ مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں بلکہ خلقاً من بعد خلق تدریج اختیار کی کہ عورت جس کے پیٹ میں عالم اصغر رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔ دوسرے اس نے نظیر حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کی برابر رگیں خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں بلکہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (معارف مفتی اعظم)

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ

تین اندھیروں کے بیچ ☆

ایک پیٹ دوسرا رحم تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

وہ اللہ ہے رب تمہارا اُسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے

هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۚ

پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو ☆

جامع دلیل

یعنی جب خالق، رب، مالک اور ملک وہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی کیسی؟ مطلب کہ اتنا قریب پہنچ کر کدھر پھرے جاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ذلکم یعنی یہ تمام کام کرنے والا اللہ ہے۔ تمہارا رب ہے۔ ذلکم مبتداء ہے اللہ بدل خبر ہے۔ ربکم دوسری خبر۔ لہ الملک تیسری خبر لا الٰہ الا ھو چوتھی خبر لا الٰہ الا ھو یعنی کوئی مخلوق چونکہ ان افعال میں اس کی شریک اور حصہ دار نہیں ہے اس لئے عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ فانی تصرفون ۵ اس میں فا سببیہ ہے اور استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے کہ اس واضح و مکمل بیان کے بعد تم راہ حق سے پھرے جا رہے ہو؛ و اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف اپنا رخ کر رہے ہو۔ (میسر مظہری)

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے۔ جہاں تمہاری پیدائش ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا پھر گوشت پوست ہڈی رگ پٹھے پھر روح غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے۔ تین اندھیریوں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا سیہ پھیر ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری اُس کے اُوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کی اندھیری۔ یہ جس نے آسمان، زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلے پچھلوں کو پیدا کیا ہے وہی رب خالق ہے۔ اس کا ملک ہے وہی سب میں متصرف ہے وہی لائق عبادت ہے۔ اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری سمجھ اور عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۚ وَلَا

اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ

اپنے بندوں کا منکر ہونا ☆

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

☆ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات و حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر و منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز و ان کے لئے

ناپسند کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غنی عنکم یعنی اللہ تم سے اور تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے وہ تمہارا اور تمہارے ایمان کا حاجت مند نہیں۔ ان تکفروا الی جزا محذوف ہے ان اللہ غنی عنکم محذوف جزاء کے قائم مقام ہے اصل کلام اس طرح تھا اگر تم کفر کرو گے تو کفر کا وبال تم پر ہی پڑیگا اللہ پر نہیں پڑیگا کیونکہ اللہ تو تمہارا حاجتمند نہیں نہ تمہارے ایمان کا تم اس کے محتاج سو کفر سے تمہارا ہی ضرر ہوگا اور ایمان سے تمہارا ہی نفع ہوگا۔

یعنی اس کو کفر پسند نہیں اگرچہ کفر ایمان سب اسی کے ارادے (اور مشیت) سے ہوتا ہے اللہ نے خود فرمایا ہے۔ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اللہ جس کو ہدایت یاب کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (کشادہ دلی سے وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے) اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے (کہ اسلام اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہوتا) علماء اسلاف کا یہی قول تمام اہل سنت و جماعت کا اسی پر اجماع ہے۔

آیت کا ایک دوسرا مطلب

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بندے وہی ہیں جن کے متعلق اللہ نے (ابلیس سے) فرما دیا تھا ان عبادی لیس لک علیھم سلطان۔ اس تفسیر پر رضاء کو بمعنی ارادہ مجازاً اس جگہ قرار دیا جائیگا ورنہ حق بات یہ ہے کہ نہ رضا اور ارادہ ہم معنی لفظ ہیں نہ ارادہ کے لئے رضا ضروری ہے ارادہ کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اللہ نے جو چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہیں ہوا اللہ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گیا اس کا ہونا ضروری ہے نہ ہونا محال ہے اللہ نے خود فرمایا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایمان یا کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت یا ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے ہر چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ جل شانہ کا ارادہ شرط ہے۔ البتہ رضاء اور پسندیدگی حق تعالیٰ کی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے۔ کفر و شرک اور معاصی اس کو پسند نہیں۔ شیخ الاسلام نووی نے اپنی کتاب الاصول والضوابط میں لکھا ہے۔ مذھب اھل الحق الایمان بالقدر و اثباته وان جمیع الکائنات خیرھا وشرھا بقضاء اللہ وقدرہ وھو مرید لھا کلھا ویکرہ المعاصی مع انہ تعالی مرید لھا لحکمة یعلمھا جل و علا۔ (روح المعانی)

مذہب اہل حق کا تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہوں یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر وہ معاصی کو مکروہ ناپسند سمجھتا ہے۔ اگرچہ ان کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔ (معارف معنی اعظم)

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ
اور اگر اس کا حق مانو گے تو اسکو تمہارے لئے پسند کریگا ☆

اللہ کی پسندیدہ بات

یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع و شکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے جس کا نفع ان ہی کو پہنچتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى
اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ☆

اللہ عادل ہے

یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے ایسا اندھیر اس کے یہاں نہیں جو کرے گا سو بھرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وبال کفر تم پر ہی پڑے گا کسی اور پر نہیں پڑے گا تمہارے کافر رہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں دو تو تمہارے ہی فائدے کے لئے تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتلائیگا کہ تم کو
تَعْمَلُوْنَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
جو تم کرتے تھے مقرر اس کو خبر ہے دلوں کی بات کی ☆

سب کے عمل سامنے آئیں گے

یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام گم نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو اسے بھی جانتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا
اور جب آ لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اسکی

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ

طرف پھر جب بخشے اسکو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے اس کو

يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا

کہ جس کے لئے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کی برابر

لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

اوروں کو تاکہ بہکائے اس کی راہ سے ☆

انسان کی عجیب طبیعت

یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔ مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام واطمینان نصیب ہوا معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش وتنعم کے نشہ میں ایسا مست وغافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے اور من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول وفعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ

تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے تھوڑے دنوں تو ہے

النَّارِ ۝

دوزخ والوں میں ☆

مہلت کو نجات نہ سمجھو

یعنی اچھا کافر ہو کر چند روز یہاں اور عیش اڑا لے اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا

بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا ہوا

يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ

خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ

کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ سوچتے

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

وہی ہیں جن کو عقل ہے ☆

مومن کی شان ☆ یعنی جو بندہ رات کی غنودگی اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا۔ کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل میں بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے امید کا سہارا بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی کھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ایسا ہو تو یوں کہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یحذر الآخرۃ یعنی اپنے اعمال کی کوتاہی پر نظر کرتا ہے تو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اور (اگر اس کے اعمال اچھے بھی ہیں تب بھی) اعمال ہی پر اعتماد نہیں کر لیتا۔ بلکہ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ ڈرتا بھی ہے اور امید بھی رکھتا ہے نہ تنہا خوف اس پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اپنے رب سے ناامید ہو جائے کیونکہ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے ناامید تو صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ نہ صرف امید پر ہی جیتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مطمئن ہو جائے کیونکہ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

آیت کا شان نزول (۵) بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا نزول حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہوا۔ ابن ابی حاتم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ الحمانی نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا کہ وہ یہ آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ پڑھتے ہوئے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان ابن عفانؓ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گزر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔ (کاندھلوی)

علم تقویٰ کی بنیاد ہے الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی جو لوگ خدا شناس ہیں اللہ کی صفات جلالی وجمالی کو مانتے ہیں اس لئے عذاب سے ڈرتے ہیں اور رحمت سے آس باندھے رکھتے ہیں۔ حکم کی اطاعت کرتے اور گناہوں

سے بچتے رہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

رات کی عبادت آناء اللیل رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون و فرحت بھی اور موجب قرب خداوندی بھی ہے۔ قیام لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے باہم خصومت کرتے ہیں۔ ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔ (کما فی المعالی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ محشر کے موقف حساب میں اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمادیں اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رات کی اندھیری میں سجدہ اور قیام کی حالت میں پائے۔ اس طرح کہ اس کو آخرت کی فکر بھی ہو اور رحمت کی امید بھی۔ بعض حضرات نے مغرب و عشاء کے درمیان کے وقت کو بھی آناء اللیل کہا ہے (قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

کامیاب کرنے والی دو صفتیں

عبد بن حمید نے بسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے۔ آپ نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو۔ جواب دیا۔ انی أرجو اللہ وأخاف ذنوبی کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ دو صفتیں کسی مومن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرمائے جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو مامون و محفوظ نہ فرمادے جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ (جامع ترمذی۔ سنن نسائی) (معارف کاندھلویؒ)

قانت کا معنی لفظ قانت کے کئی ترجمے کئے گئے ہیں۔ سب کو جامع قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ اس کے معنی ہیں اطاعت گزار اور یہ لفظ جب خاص نماز کے لئے بولا جائے۔ جیسے قوموا للہ قانتین۔ تو وہاں مراد وہ شخص ہوتا ہے جو نماز میں اپنی نگاہ کو پست رکھے ادھر اُدھر نہ دیکھے نہ اپنے بدن یا کپڑوں سے کھیل کرے نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے نماز میں یاد کرے۔ بھول اور غیر اختیاری وسوسہ اس کے منافی نہیں۔ (قرطبی)

نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں اس کے نامۂ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ يٰعِبَادِ

تو کہہ اے بندہ میرے ☆

☆ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیام پہنچا دو۔ (تفسیر جلالین)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

جو لیقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ

اس دنیا میں ان کے لئے ہے بھلائی ☆

نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا

یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اسکے لئے بھلائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے اسی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔ (تفسیر جلالین)

احسان کیا ہے: احسنوا یعنی ایمان لائے اور خشوع خضوع کے ساتھ نیک اعمال کئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عمل اور عبادت کی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہو اگر یہ مشاہدہ تم کو حاصل نہ ہو تو (اتنا ہی سمجھ لو کہ پردۂ غیب سے) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ

اور زمین اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے

اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اُن کا ثواب بے شمار ☆

ہجرت کی فضیلت

یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے دوسرے ملک میں چلے جاؤ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجالا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت و طبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا لیکن یاد رہے کہ بے شمار ثواب بھی ملے گا۔ تو صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔ (تفسیر جلالین)

ہجرت اور جہاد اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کر سکتا تو پھر اس کو چاہئے کہ اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کر سکے۔ اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہو رہا ہے۔ کہ

اس دنیا میں نیکی کرنے والوں کی نیکی کا بدلہ ضرور ان کو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایسی جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ و تسلط ہے کہ نیکی اور عبادت کر ہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جا رہا ہے اگر یہ رمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا کہیں اور چلا جا۔ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ اللہ کی رمین تو بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مجاہد اس کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے۔ ھھا حروا فیھا وجاھدوا واعتزلوا الاوثان مجاہد کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کر دیا۔ مسلمانوں پر اگر کافروں کا غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لئے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو۔ تا کہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع رمین فتح کر اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

گناہوں اور فتنوں سے فرار: عطا کا قول ہے مراد یہ ہے جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جائے تو تم اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرو۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا اسی معنی اور علم کو ثابت کرنے کے لے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الذین الفرار من الفتن قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں اور فتنوں کی سر رمین سے انسان راہ فرار اختیار کرے۔ (معارف۔ کاندھلوی)

الصابرون۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہے اور کافروں کی ایذاء رسانی سے تنگ آ کر دین کو نہ چھوڑ بیٹھے۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے احباب اقارب اور وطن کی جدائی پر صبر کیا۔

آیت کا شان نزول۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا جو حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو چلے گئے تھے۔ دین کو نہ چھوڑا سخت دکھ اٹھائے مگر دین پر قائم رہے اور ہجرت کر کے چلے گئے۔

الفاظ میں عموم ہے مہاجرین حبشہ کو بھی شامل ہے اور تمام وہ لوگ اس میں داخل ہیں جو دکھوں پر صبر کریں۔ دینی مشقتیں برداشت کریں اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے رہیں۔

صابرین کی فضیلت۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہر اطاعت گذار کو تاپ تول کر (اس کے اعمال کا) ثواب دیا جائے گا سوائے صابروں کے ان پر تو اب بھر بھر بھی کر ثواب پھینکا جائے گا۔

اصبہانی سے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترازوئیں نصب کی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کے مطابق ان کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ اور صدقہ (خیرات فرض و نفل) دینے والوں کو لایا جائے گا ان کو بھی وزن کے موافق پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا ان کو بھی وزن کر کے پورا ثواب دیا جائے گا اور جو لوگ اہل بلاء (دکھی اور دین کی خاطر مصائب و شدائد اٹھانے والے) ہوں گے ان کو بلایا جائے گا لیکن ان کے اعمال تے وزن کشی کے لئے نہ کوئی ترازو کھڑی کی جائے گی نہ ان کے اعمال کی رجسٹر کھولا جائے گا ان پر تو بے گنتی ثواب کی بارش کی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی خود یہ میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے اجساد قینچیوں سے کاٹے جاتے یہ تمنا اس ثواب کو دیکھ کر کریں گے جو اہل بلاء کو ملا ہو گا اور یہی (مطلب) ہے اللہ کے قول کا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ بغوی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

طبرانی اور ابو یعلیٰ نے ناقابل اعتماد سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور حساب کے لئے اس کو کھڑا کیا جائے گا پھر جو آیا جائے گا اور حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا پھر اہل بلاء کو لایا جائے گا اور ان کے حساب کے لئے نہ کوئی ترازو نصب کی جائے گی نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی خوب بارش کی جائے گی یہاں تک کہ ان کے ثواب کو دیکھ کر لوگ مقام حساب میں تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ان کے اجسام کی قینچیوں سے کاٹا جاتا۔

ترمذی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بلاء کو جس وقت ثواب دیا جائے گا تو اس کو دیکھ کر (دنیا میں) عافیت سے رہنے والے خواستگار ہوں گے (یعنی آرزو کریں گے) کہ دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں (تو ان کو بھی اہل بلاء کا ایسا ثواب مل جاتا)

عاشقانِ الٰہی۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اہل بلاء سے مراد وہی عاشقان الٰہی کیونکہ حدیث میں شہداء کو اہل بلاء میں سے نہیں شمار کیا گیا باوجودیکہ سب سے بڑا دکھ قتل ہونا ہے اور شہید راہ خدا میں جان پر صبر کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کی خالص کر کے
الدِّیْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ
اُسکے لئے بندگی اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے
الْمُسْلِمِیْنَ ۝
حکم بردار ہوں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت۔ چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے

اللہ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر عثمانی)

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ یعنی تنہا اسی کی عبادت کروں۔ **لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ** یعنی مجھے اخلاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے آگے بڑھ جاؤں کیونکہ سبقت کا مدار اخلاص پر ہے۔

اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ کا مطلب

قریش اور اس کے ہم نوا لوگوں میں سے جو مسلمان ہوں ان سب سے پہلے میں مسلم ہوں۔

مطلب یہ ہوگا کہ پہلے خود مسلم ہو جائے اور خدا اپنے نفس کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ پہلے خود مسلم ہوں دوسروں کو دعوت دینے کی جہاد تو خود پہلے اس کو قبول کرنا ہے۔

اس اسلوب عبادت سے دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اس چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارے لئے بہتر ہے اگر یہ بہتر نہ ہوتی تو میں اپنے لئے اس کو اختیار نہ کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ

تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

بڑے دن کے عذاب سے ☆

نافرمانی موجب عذاب ہے

☆ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں۔ تامد گراں چہ رسد۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب۔ اِنْ عَصَيْتُ یعنی اگر میں اخلاص ترک کر دوں اور تمہاری طرح شرک اور اعمال بد کی طرف مائل ہو جاؤں تو مجھے عذاب کا ڈر ہے۔ سابق آیت کی طرح اس آیت میں مخالفین کو اسلام کی طرف مائل کرنا اور نافرمانی (کے نتیجہ) سے ڈرانا مقصود ہے۔

شان نزول۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝ فَاعْبُدُوْا

تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اسکے واسطے اب تم

مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

پوجو جس کو چاہو اس کے سوائے ☆

توحید پر استقامت

☆ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی اکیلے کی بندگی کرتا ہوں تم کو اختیار ہے جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ وہاں اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہوگا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو دھمکی پہلے حکم دیا تھا کہ عبادت کرنے اور عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص بنانے پر مامور ہونے کی اطلاع دیدی اب اس آیت میں حکم دیا کہ اپنی عبادت کے خاص اللہ کے لئے ہونے کی (کافروں کو) خبر کر دو۔ یہ ترتیب اس لئے رکھی کہ کافروں کو اپنے باپ دادا کے دین پر واپس آجانے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ امید تھی وہ بالکل منقطع ہو جائے اس لئے دھمکی کے لئے اور آس توڑ دینے کی غرض سے آخر میں فرمایا تم جس کی چاہو پوجا کرو۔

فاعبدوا محذوف شرط کی جزاء ہے مفصل کلام اس طرح تھا کہ تم اگر میری موافقت نہیں کرتے اور اللہ کی خالص عبادت نہیں کرتے تو پھر اللہ کے علاوہ جس کو چاہو پوجتے پھرو اس کے نتیجہ میں تم پر جو عذاب آئے گا اور نامراد ہو گے اس کو خود دیکھ لو گے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

تو کہہ بڑے ہارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے

الْمُبِيْنُ ۝

صریح نقصان ☆

مشرکین خسارے میں ہیں

☆ یعنی مشرکین تو اپنی جان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو۔ سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خسروا انفسهم یعنی گمراہ ہو کر خود اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا۔

واهليهم اور متعلقین کو گمراہ کر کے خود خسارہ پایا۔ اہل سے مراد ہیں متعلقین بیویاں اولاد اور خدمت گار وغیرہ۔

خسران کی دو صورتیں بعض لوگوں کا قول ہے کہ خسران اہل کی دو صورتیں ہیں اگر اہل وعیال دوزخی ہیں تو اس شخص کے گمراہ کرنے کی وجہ سے دوزخی ہوئے اور اگر جنتی ہیں اور یہ (کافر دوزخی ہے) ان سے جاتا رہا ہمیشہ کے لئے الگ ہوگیا۔

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ یعنی روز قیامت کا خسران ہی حقیقت میں خسران ہے (جو کبھی دور نہ ہوگا) (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ

اُن کے واسطے اُوپر سے بادل ہیں آگ کے اور

تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ

نیچے سے بادل☆

☆یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہوگی جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ظُلَلٌ آگ اور دھوئیں کے محیط بادل ہوں گے اور نیچے سے بھی انتہائی گہرائی تک آگ کا فرش اور بستر ہوگا۔ فرش کو سائبان (ظلل) اس لئے فرمایا کہ وہ فرش بھی دوسرے نیچے والوں کے لئے سائبان ہوگا۔

ذٰلِكَ یعنی یہ عذاب وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے بچتے رہیں جو عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

فَاتَّقُوْنِ یعنی وہ تقویٰ مجھ سے ڈرو کوئی ایسا کام نہ کرو جو میری ناراضگی اور عذاب کا موجب ہو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝

اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تم مجھ سے ڈرو☆

انجام بد سے ڈرو یعنی سمجھ لو یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یا نہیں اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا

اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ اُن کو پوجیں

وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ

اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف اُنکے لئے ہے خوشخبری☆

مومن کے لئے خوشخبری

☆یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہنا نہ مانا اور مست شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ان کے لئے ہے بڑی بھاری خوشخبری۔ (تفسیر عثمانی)

الطاغوت : طغیان (سرکشی) میں حد سے بڑھا ہوا چونکہ شیطان ہے اس لئے طاغوت کا لفظ شیطان کے لئے مخصوص ہو گیا۔ بغوی نے طاغوت سے مراد لئے ہیں بت کیونکہ ان بت دھما میں مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے۔

اٰمنوا اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اللہ کے سوا دوسروں سے کٹ گئے۔

آیت کا شان نزول حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آیت لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اتری تو ایک انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سات غلام ہیں میں نے ایک ایک دروازہ (میں داخلہ) کے لئے ایک ایک غلام کو (علیحدہ علیحدہ) آزاد کر دیا اس پر آیت فَبَشِّرْ عِبَادِ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ

سو تو خوشی سنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات

فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ

پھر چلتے ہیں اس پر جو اُس میں نیک ہے☆

اعلیٰ کردار والوں کے لئے بشارت

☆یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں پھر ان میں جو حرمات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایات اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت و اباحت کی ہے دوسری عزیمت کی تو عزیمت طرف چلتے ہیں رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ کرو کہ اللہ کا کلام سن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کما قال المخلصون۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے "چلتے ہیں اسکے نیک پر یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے اسکا نہ کرنا نیک ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقَوْلَ اور اَحْسَنَ کی مراد یعنی قرآن کو بھی سنتے ہیں اور دوسرے کلام کو بھی پھر قرآن کی ہدایتوں پر چلتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی سنتے ہیں اور کافروں کا کلام بھی مگر رسول اللہ کے فرمان پر چلتے ہیں (اس مطلب پر القول سے عام کلام مراد ہوگا۔ کسی کا کہا موعظہ کا رسول کا یا کسی اور کا اور احسن سے مراد ہوگا قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام) اس تفسیر پر احسن (اسم تفضیل) حسن (صفت مشبہ) کے معنی

میں ہوگا (یعنی احسن کا ترجمہ بہت اچھا ہوگا بلکہ اچھا ہوگا) کیونکہ کافروں کے کلام میں تو کوئی اچھائی نہیں ہوتی (کہ اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو بہت اچھا کہا جائے)

سدی نے کہا احسن سے مراد یہ ہے کہ جو احکام ان کو دیے جاتے ہیں ان میں سے سب سے اچھے حکم پر وہ چلتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ قرآن میں ظالم سے انتقام لینے کی اور معاف کر دینے کی ہر ایک کی اجازت ہے لیکن دونوں میں سے معاف کر دینا احسن ہے۔ قرآن میں عزائم کا بھی ذکر ہے اور رخصتوں کا بھی لیکن عزائم احسن ہے۔

آیت کا شان نزول: عطائے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر جب ایمان لے آئے تو حضرت عثمان حضرت عبدالرحمن بن عوف حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت زبیر بن عوام حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور مسلمان ہونے کی خبر معلوم کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں میں ایمان لے آیا اس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن زید کا قول ہے کہ ان دونوں آیات کا نزول تین آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ کے قائل تھے۔ (۱) زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید (۲) ابوذر غفاری (۳) سلمان فارسی۔ اور احسن القول سے مراد لا الٰہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لفظ "اَحْسَن" کا اشارہ

یہ لفظ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیمات رسول کا اتباع بے بصیرتی کے ساتھ نہیں کیا جیسا بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق و بصیرت کے اس کا اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخر آیت میں ان کو اولوالالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا - یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں۔

اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن یہ اُن میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ
وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں

أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾
عقل والے ☆

کامیابی کا راستہ

☆ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ باتیں تو سب کی سنتے ہیں کفار کی بھی مومنین کی بھی۔ حق بھی باطل بھی اچھی بھی اور بری بھی لیکن اتباع صرف اسی بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ تو حید و شرک میں سے تو حید کا حق و باطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات ہوں تو ان میں جو احسن اور راجح ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ پہلی هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اس لئے مختلف قسم کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں۔ دوسرے أُولُو الْأَلْبَابِ یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے برے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور حسن و احسن کو پہچان کر احسن کو اختیار کرے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنْتَ
بھلا جس پر ٹھیک ہو چکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کر سکے گا
تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾
اسکو جو آگ میں پڑ چکا ☆

بدبخت آدمی یعنی جن پر ان کی ضد و عناد اور بداعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا کیا وہ کامیابی کا راستہ پا سکتے ہیں۔ بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہیں کون آدمی راہ پر لا سکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کے حقدار حَقَّ عَلَيْهِ یعنی اللہ کے علم قدیم میں عذاب اس لئے مقرر ہو چکا۔ کذا قال ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ابولہب اور اس کا بیٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن
لیکن جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے اُنکے واسطے ہیں بالا خانے
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا
اُنکے اوپر اور بالا خانے چنے ہوئے اُن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝

ندیاں وعدہ ہو چکا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ ☆

جنت تیار ہے

☆ یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے محل اور ان کے حقدار۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جنت میں ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلامی کریں، کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائیں، نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں، کلام کو نرم رکھیں، پے در پے نفل روزے مکرر رکھیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے جنتی جنت کے بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے کہ مشرقی اور مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا۔ حضور! یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہتے ہیں اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں، لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری حالت وہ نہیں رہتی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہر وقت اسی حالت میں رہتے ہو جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ خدا تعالیٰ ان کو بخشے۔ ہم نے کہا حضور! جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے اس کی کنکریاں لولو یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا وہ مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں، وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں، نہ موت کا کھٹکا ہے۔ ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں ان کی جوانی ہمیشگی والی ہے۔ سنو! تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی عادل بادشاہ روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا اوپر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزۃ فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ: یہ اللہ نے وعدہ کیا ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کی خلاف ورزی عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ مشرقی اور مغربی افق پر باقی رہ جانے والے چمکدار جگمگاتے ستارے کو (دور سے) دیکھتے ہو یہ صورت اہل جنت کے باہمی فرق مراتب کی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مکان تو انبیاء کے ہوں گے جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہوگی فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور (تمام) پیغمبروں کو سچا مانا (وہ مکان ان کے بھی ہوں گے) اس موضوع کی جو احادیث آئی ہیں ہم سورۂ فرقان کی آیت اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی

فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ

پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے ☆

نظام آب پاشی

☆ یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے۔ باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

پانی کا محفوظ کر دینا، پانی سے بڑی نعمت ہے

ینابیع ینبوع کی جمع ہے جس کے معنی زمین سے پھوٹنے والے چشمے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو اگر زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو

انسان اس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صرف اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرما دیئے۔ کچھ تو زمین کے گڑھوں، حوضوں اور تالابوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت بڑا ذخیرہ برف بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑی رگوں کے ساتھ زمین میں اتر جاتا ہے اور جا بجا ابلنے والے چشموں کی صورت میں خود بخود بغیر کسی انسانی عمل کے پھوٹ نکلتا ہے اور ندیوں کی شکل میں زمین میں بہنے لگتا ہے اور باقی پانی پوری زمین کی گہرائی میں چلتا رہتا ہے جس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ

پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر ☆

☆ یا مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں، چاول وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ

پھر آئے تیاری پر تو دیکھے اس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اس کو چورا چورا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾

بیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے ☆

کھیتیوں میں نصیحت

☆ یعنی عقل مند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اس کی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہ ہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا۔ چاہئے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتون ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے۔ جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جز سے منتفع ہونا مدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانا پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھ لو کہ اس میں نیکی بدی، راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جائے پھر اس میں سے ہر ایک جز کو اس کے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ نیز مضمون آیت میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیئے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عقل والوں کے لئے نصیحت

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی پانی اتارنے اور اس کو محفوظ کر کے انسان کے کام میں لگاتے پھر اس سے قسم قسم کی نباتات اور درخت اگانے اور ان درختوں پر مختلف رنگ آنے کے بعد آخر میں زرد خشک ہو کر غلہ الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں بڑی نصیحت ہے عقل والوں کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کے دلائل ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت بھی پہچان سکتا ہے جو ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اپنے خالق و مالک کے پہچاننے کا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ

بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ

عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ

روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، سو خرابی ہے انکو جن کے دل

مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح

خوش بخت و بد بخت

☆ یعنی دونوں برابر کہاں ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک و شبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق و بصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی۔ جس کے اجالے میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بدبخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو، یوں ہی اوہام و اہوا اور رسوم و تقلید آباء کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔ (تفسیر عثمانی)

شرح صدر شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے بندہ کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور بغیر کسی تردد اور شک کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر سے اس

لئے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے جب دل اسلام کے تمام احکام کو قبول کر لیتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظرف ہے جو مظروف کو اپنے اندر سمانے کے لئے فراخ ہو گیا ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ تلاوت فرمائی۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول سینہ کشادہ کیسے ہو جاتا ہے فرمایا جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے ہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار الخلد (یعنی آخرت) کی طرف ہمہ تن رجوع اور دار الغرور (مقام فریب یعنی دنیا) سے دوری اختیار کرنی اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنی۔ رواہ البغوی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

قساوتِ قلبی سب سے بڑی سزا ہے۔

یعنی جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے یا اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے اور دلوں کی سختی شدید ہو جاتی ہے (گویا اللہ کا ذکر قساوتِ قلبی بڑھ جانے کی وجہ ہو جاتی ہے)

شرح کے لفظی معنی کھولنے پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اسکی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیات الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے اسی طرح جو آیات الٰہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں ان میں غور کر کے استفادہ کر سکے۔ اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اور اس جگہ اگلی آیت میں لِلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مالک بن دینار نے کہا قساوت قلب سے بڑھ کر کوئی سزا (عقوبت) بندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی اور اللہ کا غضب کسی قوم پر اسی وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مصداق: حضرت عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے۔ من شرح اللہ صدرہ للاسلام صدیق اکبرؓ ہیں۔ مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبرؓ سب سے مقدم ہیں۔ اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔ (معارف۔ کاندھلوی)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
اللہ نے اتاری بہتر بات کتاب☆

☆یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ "اللہ" کو مقدم کرنے کا فائدہ

نزل سے پہلے "اللہ" کہنے کے تین فائدے ہیں (۱) اللہ کی طرف قرآن نازل کرنے کی نسبت پختہ ہو گئی۔ (۲) نازل شدہ قرآن کی عظمت شان کا اظہار ہو گیا۔ (کہ یہ اللہ ہی کا بھیجا ہوا کلام ہے) (۳) قرآن کے حسن کی شہادت دے دی گئی (کہ اللہ ہی نے اس کلام کو اتارا اور اس کے احسن الحدیث ہونے کی شہادت دی ہے) (تفسیر مظہری)

مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ
آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی☆

قرآن میں صاف مضامین

☆یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع معقول اور فصیح و بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہے۔ مضامین میں کوئی اختلاف و تعارض نہیں بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القرآن یفسر بعضہ بعضاً اور مثانی یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ و قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ اچھی طرح دلنشین ہو جائیں۔ نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں اور بعض علماء نے متشابہ و مثانی کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ متشابہ ہوئیں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" یا "نَبِّئْ عِبَادِيْ اَنِّيْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ" یا "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ"۔ ایسی آیات کو مثانی کہیں گے کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ
ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
اللہ کی یاد پر☆

اولیاء اللہ کاملین کی حالت

☆ یعنی کتاب اللہ کو سن کر اللہ کے خوف اور اسکے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف و رعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا اگر کبھی ضعفاء ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات و احوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی اور نہ ان کی تفصیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً دلوں کی قوت اور مرور کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے۔ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ الی ذکر اللہ میں الی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون و اطمینان کا مفہوم داخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

مومنوں کا خوف اور فضیلت۔ آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جلد بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔ رواہ الطبرانی فی مسند ضعیف رواہ البغوی۔ بغوی کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ کے خوف سے بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لئے حرام کر دیتا ہے۔

صحابہؓ اور غیر صحابہ کا فرق۔ صحابہؓ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسولؐ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لئے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی صحابیوں کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے وہ وجہوں سے ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ (۱) یا نزول برکات ہی کم ہوتا ہے (۲) یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

جو صوفی افق اعلیٰ پر پہنچ گئے ہوں اور دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی تک ان کی رسائی ہو گئی ہو ان کی حالت میں تغیر (بیہوشی کی حد تک نہیں بلکہ) صحابہ کی طرح ہو جاتا ہے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ کرب سے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

فرشتوں کا خوف۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایسی آواز ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر گھسنے سے پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت دور ہو جاتی ہے تو (بعض ملائکہ بعض) سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ الحدیث۔ ایک اور آیت میں حضرت موسیٰؑ کے بیہوش ہو جانے کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

انسان کی ہمت فرشتوں سے زیادہ ہے

تنبیہ ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اسکے ثبوت کیلئے آیت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ سے فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ تک کافی ہے اسی وسعت حوصلہ اور قوت استعداد کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ یعنی وجہ ہے کہ فرشتوں نے جب بھی وحی (کا کلام) سنا تو ان پر غشی طاری ہو گئی لیکن آدمی کی حالت ایسی نہیں ہے اگر (عروج کے بعد) انسان کا رول بھی مکمل ہو جائے تو سوائے کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر نزول حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالات میں تغیر آ جاتا ہے (اور ناقص النزول عارف کلام اللہ سن کر بیہوش ہو جاتا ہے)

اولیاء اللہ کی صفات۔ عبدالرزاق سے مروی ہے کہ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں ان کے دل ذرجائیں ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (قرطبی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (قرطبی) (معارف معنی عظیم)

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اور جس کو راہ بھلائے اللہ اس کو کوئی نہیں سمجھانے والا ☆

ہدایت اللہ ہی سے مانگو

☆ یعنی جس کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں اور جس کو سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ

بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر برا عذاب دن

الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم

تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

کماتے تھے ☆

محشر میں کافر کی حالت

☆ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے اس لئے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھ جو دنیا میں کئے تھے کیا اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے منہ کو سپر کی طرح آگے بڑھا دے گا۔ قاعدہ ہے کہ ہر حملہ کو آدمی اپنے ہاتھوں پر روکتا ہے سامنے سے ہونے والے حملہ کو روکنے کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے تاکہ چہرہ محفوظ رہے لیکن کافر کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے چہرے کو بچا نہ سکے گا اور چہرہ پر ہی عذاب لیگا۔ مجاہد نے کہا منہ کے بل سرنگوں کر کے کافر کو آگ میں کھینچا جائے گا اس لئے سب سے پہلے آگ اس کے چہرے ہی کو لگے گی۔ مقاتل نے کہا کافر کے ہاتھ گردن میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا اور وہ عظیم کے برابر گندھک کی ایک چٹان اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہوگی فوراً اس پتھر میں آگ لگ جائے گی اور وہ بھڑک جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ کیا ایسا کافر جو اپنے منہ کو ہی عذاب سے بچنے کے لئے سپر بنائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہر عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے پھر پہنچا ان پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

ایسی جگہ سے کہ انکو خیال بھی نہ تھا پھر چکھائی ان کو اللہ

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ

نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی ☆

ماضی سے سبق حاصل کرو

☆ یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جا چکی ہیں اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی ذلت جیسے صورتیں بگڑ جانا، زمین میں دھنسایا جانا، مارا جانا، طوفان میں مبتلا ہو جانا، عین چیخ سے جگر پھٹ جانا، اس پر اوپر سے پتھر برسنا، غرق کیا جانا وغیرہ۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی کاش وہ تکذیب انبیاء کے برے نتیجہ کو سمجھ لیتے تو تکذیب نہ کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اہل مکہ اگر اہل بصیرت اور ارباب نظر ہوتے تو پہلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا

میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں قرآن ہے

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾

عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تاکہ وہ بچ کر چلیں ☆

قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں

یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثال اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تاکہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں، قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اسکے مضامین یا عبارت میں نہیں جن باتوں کو سمجھانا چاہتا ہے ان کا ماننا مشکل اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے ان پر عمل کرنا محال۔ غرض یہ ہے کہ لوگ سہولت اس سے مستفید ہوں اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں اور صاف صاف نصیحتیں اس کی کرالله سے ڈرتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خلق قرآن کا مسئلہ: بغوی نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے ستر تابعین کا (بالاتفاق) قول نقل کیا کہ قرآن نہ خالق ہے نہ مخلوق۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اللہ کی صفت (کلامیہ) ہے عین ذات خداوندی نہیں کہ خالق ہو جائے اور غیر ذات بھی نہیں کہ ذات سے جدا ہو اور حادث و مخلوق ہو جائے۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ تابعین کے نزدیک اللہ کا کلام لفظی بھی قدیم ہے اور اللہ کی ایک صفت ہے کیونکہ کلام نفسی (جس پر کلام لفظی دلالت کر رہا ہے) عربی نہیں ہو سکتا عربی اور عجمی ہونا تو الفاظ کی صفت ہے الفاظ کے معانی تو نہ عربی ہوتے ہیں نہ عجمی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کلام لفظی میں ایک حرف کے بعد دوسرا حرف بولا جاتا ہے (اور اس طرح پورا جملہ اور کلام بن جاتا ہے) اور ترتیب حروف حادث ہونے کی علامت ہے کیونکہ یہ ترتیب حروف تو مخلوق کے کلام کے لئے ضروری ہے محل کلام تنگ ہے اس لئے ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آتا ہے اور پورا کلام حادث ہو جاتا ہے اللہ کا کلام تو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے کلام میں تعاقب حروف کا تصور بھی غلط ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے حاضر پر غائب کو قیاس کر لیا جائے رویت خداوندی کا انکار کرنے والے اسی توہم میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدار مخلوق پر دیدار خالق کو قیاس کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ

اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک

مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ

ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا

یَسْتَوِيَانِ مَثَلًا

برابر ہوتی ہیں دونوں مثل ☆

مشرک و موحد کی مثال

☆ یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں اور سر حصہ دار اخلاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی اور ان آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات و خیالات اور دوڑ دھوپ کا ایک مرکز ہے وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک غلام جو کئی کا ہو کوئی اسکو اپنا نہ سمجھے تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے۔ یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

مشرک 'مشترک غلام کی طرح ہے

مشرک بھی متعدد معبودوں کا دعویٰ کرتا اور ان کی پوجا کرتا ہے، مشترک غلام بھی کشاکش میں مبتلا رہتا ہے کبھی کوئی مالک اس کو نچاتا ہے کبھی دوسرا مالک اپنے اپنے مختلف کاموں میں باری باری اس غلام کو تمام مالک لگائے رکھتے ہیں اور بیچارہ غلام حیران پریشان ہوتا ہے۔ اس کو سکون قلب حاصل نہیں ہوتا (وہ تمام آقاؤں کے مختلف کام کس طرح پورے کرے اور کس طرح سب کو راضی رکھے ہر وقت یہی پریشانی اس کو رہتی ہے)

مومن موحد کی مثال

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ یہ مثال مومن موحد کی ہے ایک مالک کا غلام پریشان نہیں ہوتا یہی حالت موحد کی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٩﴾

سب خوبی اللہ کے لئے ہے پر وہ بہت لوگ سمجھتے نہیں رکھتے ☆

اکثر لوگ نہیں سمجھتے

☆ یعنی سب خوبی اللہ کے لئے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب وحقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال وشواہد سے سمجھا دیتے ہیں مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ الحمد سے پہلے لفظ قل محذوف ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نعمت توحید عطا فرمائی اور یہ نعمت دینے والا خاص وہی ایک مستحق ستائش مالک کل ہے اس پر اس کے لئے ساری حمد رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ
بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝
قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے ☆

قیامت میں سب کا آمنا سامنا ہوگا

☆ یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اسکا اثر قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ظاہر ہوگا، جس وقت پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کئے جائیں گے اور کفار انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور حجتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین وآسمان کی اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت ہوگا" کہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ لفظ "اختصام" کو عام رکھا جائے تا احادیث وآثار کے خلاف نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

صفت مشبہ کا صیغہ لانے کی وجہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ ہر شخص کی موت یقینی ہے اسی لئے بجائے فعل مضارع (تموت اور یموتون) کے صفت مشبہ کا صیغہ جو دوام وثبوت پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا (یعنی میت اور میتون فرمایا) فراء اور کسائی کی تحقیق ہے کہ میت اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو ابھی مرا نہ ہو اور میت اس کو کہتے ہیں جس کی جان نکل چکی ہو اس لئے میت اور میتون مستشہد یدی فرمایا۔

آیت کا شان نزول محلی نے لکھا ہے کہ کفار مکہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد وفات پا جائیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ آپ بھی یقیناً مریں گے اور وہ یعنی کفار مکہ یا سب لوگ بھی مریں گے پھر رسول اللہ کی وفات سے ان کو خوشی نہ ہونا چاہئے۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بکواس بڑ قرار دے رکھا تھا انہوں نے میری تکذیب کی باوجودیکہ میں حق پر تھا توحید کو پیش کر رہا تھا اور یہ باطل پر تھے مشرک تھے میں نے ان کو راستہ دکھانے اور تیرے احکام پہنچانے کی بہت کوشش کی اور یہ اپنی سرکشی اور تکذیب پر اڑے رہے کفار اپنے عذر میں غلط باتیں کہیں گے کہیں گے ہم اللہ کی جو ہمارا رب ہے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر (پیغمبر) ہی نہیں آیا۔ یہ بھی کہیں گے ہم اپنے سرداروں کے اور بڑوں کے کہنے پر چلے اور اس چیز کی تقلید کی جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

لوگ آپس میں بھی اپنے حقوق کی بابت جھگڑیں گے سب سے پہلے آپس کی خون ریزیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے باہمی مقدمات میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترمذی اور ابن ماجہ اور طبرانی اور مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود حضور سے سنا کہ مقتول اپنے ایک ہاتھ میں اپنا سر لٹکائے اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا اس اس وقت اس کی گردن کی رگوں سے خون ابل رہا ہوگا اور عرش الٰہی کے پاس پہنچ کر رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کرے گا اس نے مجھے قتل کیا تھا اللہ قاتل سے فرمائے گا تو ہلاک ہو پھر اس کو دوزخ کو بھیج دیا جائے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقتول قاتل کو پکڑ کر لے آئے گا اس کی گردن کی رگوں سے اس وقت خون اچھل رہا ہوگا۔ عرض کرے گا اے میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ قاتل کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا کہ فلاں شخص کو عزت (غلبہ) حاصل ہو اللہ فرمائے گا عزت تو (ساری) اللہ ہی کے لئے ہے۔ ابن حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) قاتل اور مقتول دونوں کو لا کر رحمن کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور قاتل سے پوچھا جائے گا تو نے اس کو کیوں قتل کیا اگر اس نے اللہ کے لئے قتل کیا ہوگا تو کہہ دے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ غلبہ اللہ (کے دین) کا ہو جواب دیا جائے گا بیشک عزت (غلبہ) اللہ ہی کے لئے ہے اور اگر قاتل نے کسی مخلوق کے لئے قتل کیا ہوگا تو وہ کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ فلاں شخص کو غلبہ حاصل ہو ارشاد ہوگا اس کے لئے تو عزت نہیں۔ غرض جس ظالم نے کسی کو قتل

کیا ہوگا اس سے انتقام لیا جائے گا اور اتنے دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا جاتا رہے گا جتنے دنوں اس نے دنیا میں مقتول کو زندگی سے محروم کیا تھا۔

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ نے فرمایا جب آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارے آپس کے خاص خاص جرائم کو دوبارہ ہمارے سامنے لایا جائے گا فرمایا ہاں ضرور دوبارہ ان کو سامنے لایا جائے گا۔ یہاں تک کہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے گا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا واللہ معاملہ بڑا سخت ہوگا۔

مرد و عورت کا جھگڑا۔ طبرانی نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مرد و عورت کا جھگڑا پیش ہوگا خدا کی قسم مرد زبان سے کچھ نہ کہے گا بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں خود اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ یہ اپنے شوہر کی فلاں فلاں عیب چینی کرتی تھی پھر مرد کے ہاتھ پاؤں ان باتوں کی شہادت دیں گے یہ عورت پر وہ زیادتی کرتا تھا۔

ہمسائیوں کا مقدمہ: امام احمد نے بسند حسن نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے اول وہ ہمسائے (اپنا مقدمہ پیش کرنے) آئیں گے۔

دنیا ہی میں حقوق ادا کر دو بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی طرف اس کے بھائی کا کوئی حق ہو اس کو دنیا ہی میں اس سے خلاصی حاصل کر لینی چاہئے کیونکہ وہاں نہ دینار ہوگا نہ درہم اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے وہ عمل لے کر حقدار کو اس کے حق کے موافق دے دیا جائے گا اور اگر اس (ظالم) کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر لاد دیے جائیں گے۔

مفلس کون ہے: مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ سامان فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو نماز روزہ زکوٰۃ (سب کچھ) لے کر آئے گا (لیکن) کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خوں بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا چنانچہ اس کو پکڑا جائے گا اور اس کی کچھ نیکیاں ایک (حقدار) کو بطور بدلہ دے دی جائیں گی اور کچھ دوسرے کو اگر بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حقداروں کے کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے پھر اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اعمال کے تعین دین میں اہلسنت کا مسلک

میں کہتا ہوں مظلوم ظالم کی نیکیاں لے لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ ایمان کے دوسری نیکیوں کا ثواب لے لے گا کیونکہ کفر کے علاوہ ہر قسم کے حقوق اور گناہوں کی سزا غیر متناہی نہیں ہے (کبھی ختم ہو جائے گی) یہی قول اہل سنت کے مسلک کے مطابق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور ایمان کی جزا دوامی جنت ہے اور جنت کی کوئی حد نہیں لہٰذا جو چیز متناہی بدلہ والی ہے (یعنی اللہ کا گناہ یا بندوں کی حق تلفی) اس کا عوض دو چیز نہیں ہو سکتی جو غیر متناہی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر گناہوں کا بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائے گی اور صرف ایمان باقی رہ جائے گا تو کفر کے علاوہ مظلوموں کے گناہ ظالم پر لاد دیے جائیں گے (مظلوم کا کفر ظالم پر نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ کفر کی سزا غیر متناہی ہے اور گناہوں کی سزا متناہی ہے اور متناہی گناہوں کی سزا غیر متناہی سے نہیں بدل سکتی) پھر اگر مظلوم نہ کرے گا تو ظالم کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور اتنی مدت تک وہاں رکھا جائے گا جتنی مدت ان گناہوں کی سزا کے لئے مقرر ہوگی جب گناہوں کی سزا پوری ہو جائے گی تو اس ظالم کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں نے جو تشریح کی ہے وہی بیہقی نے بھی کی ہے۔

قیامت کے دن حقوق دلائے جائیں گے

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلائے جائیں گے یہاں تک کہ منڈی بکری کو بھی سینگوں والی بکری سے (اگر اس نے منڈی بکری کو مارا ہوگا تو) بدلہ دلوایا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے منڈی کو سینگوں والی سے اور (مظلوم) چھوٹی سرخ چیونٹی کو (ظالم) سرخ چیونٹی سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ (تفسیر سلیمی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ دو مکھیوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ حضور مجھے کیا خبر؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کریگا۔ (ابن کثیر)

صحابۂ کرام کا تعجب بیہقی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو ہم نے کہا تھا ہم آپس میں (قیامت کے دن) کیسے جھگڑیں گے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے یہاں تک کہ میں نے (اب) دیکھ لیا کہ ہم میں بعض بعض کے چہروں پر تلواریں مار رہے ہیں اب میں نے سمجھا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت

ابن عمرؓ کی روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہم کہتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے ہماری کتاب ایک ہے پھر (قیامت کے دن) یہ باہمی حق طلبی کیا ہوگی آخر جب جنگ صفین کا دن آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملے کئے تو ہم نے کہا ہاں یہ وہی ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو بھائی بھائی ہیں ہمارا باہم جھگڑا کس طرح ہوگا لیکن جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو لوگوں نے کہا یہ ہے ہمارا باہمی جھگڑا۔

ان تمام مقدمۃ بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ قتل وخون کے جھگڑے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوں گے (مسلمانوں کے آپس میں نہیں ہوں گے) لیکن جب بغاوتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے آپس میں فساد ہونے لگے اس وقت ظاہر ہوا کہ خصومت اور جھگڑا مسلمانوں کے آپس میں بھی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ انکم میں مومن وکافر اور مسلمان ظالم ومظلوم سب داخل ہیں یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے وہ کافر ہو یا مومن۔ اور صورت اس ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ آخرت میں درہم ودینا تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لیکر مظلوم کو دیدیئے جاویں گے۔ اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی سیئات اور گناہوں کو اس سے لیکر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (معارف ملتقی اعظم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ یعنی پھر اس دن تم سے خدائی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کونسی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے سوال کیا جائے گا۔ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نہیں ہیں تو کیا؟ عنقریب بہت سی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے آیت انک میت (۳۰ آیۃ) کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ وہاں قیامت میں دوسرے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرسش ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دوہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے دو بھائیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

جسم اور روح کا جھگڑا

حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا صرف انسانوں کے درمیان ہی نہیں ہوگا بلکہ روح اور جسم بھی ایک دوسرے کے ساتھ جھگڑتے ہوں گے۔ روح جسم سے کہے گی کہ یہ سب پکڑ تو نے کیا۔ جسم روح سے کہے گا نہیں میں تو بے قصور ہوں اصل حکم اور عمل کرانے والی طاقت تو تھی ہر ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیجے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ یہ فرشتہ ان سے آکر یہ کہے گا تمہارے واسطے ایک مثال ہے۔ اور تم دونوں کا حال اس کے مانند ہے۔ ایک اپاہج ومعذور شخص آنکھوں والا ہے۔ جس کو نظر تو سب کچھ آتا ہے لیکن چل کچھ نہیں سکتا۔ دوسرا شخص نابینا مگر چل پھر سکتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا اے میرے ساتھی میں یہاں باغ میں بہت سے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک پہنچ نہیں سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا کہ تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تو پھل دیکھ رہا ہے چنانچہ اپاہج اندھے پر سوار ہو کر پھل تک پہنچا اور پھل کھانے لگا۔ تو بتلاؤ ان میں سے کون ظالم ہے۔ جسم اور روح دونوں نے جواب دیا۔ ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے۔ ظالم تو دونوں ہی ہیں۔ فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اے جسم و روح بس تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ مجرم اور ظالم تو دونوں ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے اور جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال واعمال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے۔ لہٰذا جسم وروح دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى

پھر اس سے ظالم زیادہ کون جس نے جھوٹ باندھا

اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ

اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اسکے پاس،

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا منکروں کا،

سب سے بڑا ظالم

☆ اللہ پر جھوٹ بولا یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کی، یا دو صفات اسکی طرف منسوب کیں جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں اور جھٹلایا بھی بات کو جب سچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے ان کو سنتے ہی جھٹلانے لگا سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کا ٹھکانا دوزخ کے سوا اور کہاں ہوگا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے بڑا کون اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے بڑا کون گویا مَنْ کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ اور کَذَّبَ بِالصِّدْقِ کا مصداق الگ الگ قرار دیا اور ایسا ہی آگے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ میں آتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

سب سے بڑا بے انصاف

اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر دروغ بندی کی اور اللہ کی طرف سے رسول خدا کے ذریعہ سے جب سچائی (اللہ کی کتاب) اس کے پاس آگئی تو اس نے سچائی کو جھوٹا بتایا کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۔ اس میں ف سببی ہے' کافروں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرنا ان کے بے انصاف ہونے کا سبب ہے سوال انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے زیادہ بے انصاف اور کوئی نہیں۔

کَذَبَ عَلَی اللّٰہِ ۔ اللہ پر دروغ بندی کی اس کے لئے اولاد قرار دی اور دوسروں کو اس کا ساجھی بنایا۔

وَکَذَّبَ بِالصِّدْقِ ۔ اور جب سچ یعنی قرآن اور پیام خدا اس کو پہنچ گیا تو بغیر سوچے سمجھے فوراً اس کی تکذیب کی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی سچائی کے دلائل اور اس کے صادق ہونے کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

حضور کیلئے تسلی اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْكٰفِرِیْنَ ۔ سوئی اترنے کی جگہ ٹھیرنے کا مقام یہ استفہام تقریری ہے۔ الگ مبحث سے اس آیت تک پورا کلام اپنے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاص تسلی و اطمینان کا حامل ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں آپ کچھ غم نہ کریں' ان سے انتقام کی کوئی فکر کریں' ان کو ان کے اعمال کی سزا دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اس کو
بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ
وہی لوگ ہیں ڈر والے اُن کے
مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ
لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے
جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِیْنَ ۝
بدلہ نیکی والوں کا ☆

ڈرنے والوں کی شان

☆ یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں اور سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے۔ (تفسیر حقانی)

آیت کا مصداق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (صدق یعنی) لا الہ الا اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور آپ نے خود اس کی تصدیق کی یعنی لوگوں تک اس کو پہنچایا اس تفسیر پر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کی طرف یعنی سب کی طرف اشارہ ہوگا۔

کلبی اور ابوالعالیہ نے کہا قرآن لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ زجاج نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

حضرت حسانؓ کا شعر ہے۔

امن یهجو رسول اللہ منکم ویمدحہٗ وینصرہٗ سواء

کیا ان میں سے دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجو اور (وہ شخص جو) آپ کی تعریف کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِیُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ
تاکہ اُتار دے اللہ ان پر سے برے کام
عَمِلُوْا وَیَجْزِیَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ
جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے اُن کو ثواب بہتر کاموں کا

الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

جو وہ کرتے تھے ☆

غلطیوں کی معافی

☆ یعنی اللہ تعالیٰ متقین و محسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا معاف کرے گا (تنبیہ) شاید اسوا اور احسن صیغہ تفضیل اس لئے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بڑے گناہ بھی معافی کے قابل ہیں

اسوا (بہت برے) بطور مبالغہ (کلام کو پرزور بنانے کے لئے) فرمایا کیونکہ جب سب سے برے اعمال کو اللہ معاف فرما دے گا اور کم درجہ کے برے اعمال کی معافی تو بہرحال ہو ہی جائے گی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے پس معتزلہ کا قول غلط ہے جو عفو کبائر کے قائل نہیں اسوا الذی عملوا کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ دو ہر گناہ کو جو ان سے صادر ہو جائے (خواہ وہ چھوٹا ہو) سب سے برا سمجھتے ہیں گویا تمام (چھوٹے بڑے) گناہ ان کی نظر میں بڑے ہی ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ اللہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے گا اور برے اعمال کا بدلہ نہیں دیگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبدالرحمن بن زید بن اسلم فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پارسا اور پرہیزگار ہیں جو خدا سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے ان کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاکباز لوگوں کا۔ رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُس نے نجات پائی جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت بھی نصیب ہوئی (زندی وغیرہ)

حدیث شریف میں ہے اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اُسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا۔ آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ سختی کے وقت وہ تجھے کام آئے گا۔ جب کچھ مانگنے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اسی سے مدد طلب کر۔ یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور خدا کا ارادہ نہ ہو تو وہ سب تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور سب جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو خدا نے

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَیُخَوِّفُوْنَكَ

کیا اللہ بس نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں

بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ یُّضْلِلِ

اُن سے جو اُس کے سوائے ہیں اور جس کو راہ سجھائے

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ

اللہ تو کوئی نہیں اُس کو راہ دینے والا اور جس کو راہ سمجھائے اللہ

فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ

تو کوئی نہیں اُس کو بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست

ذِی انْتِقَامٍ ۝

بدلہ لینے والا ☆

اللہ کا بندہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا

☆ چند آیات پہلے وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ الخ میں شرک کار اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ اس پر مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے کہ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین نہ کرو کہیں ان کو غصہ نہ دلا دو کہیں تم کو معاذ اللہ بالکل نکمی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے۔ یہ بھی ان مشرکین کا تجاہل ضلال اور مستغل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستاروں کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا یا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے جب کسی شخص کو اسکی مدتمیزی اور کجروی کی بنا پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے دے اسی طرح جھٹلی اور پاگل ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا کوئی طاقت ہے جو دنیا بھر کا زور لگا کر بھی جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کر دی جائے گی غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لئے بدون نہ چھوڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُخَوِّفُونَكَ الخ آلوسی نے لکھا ہے کہ سب پرست لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی ناراضگی سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے ان کو برا کہنے سے زبان روکو ورنہ یہ تمہیں بدحواس اور پاگل بنا دیں گے۔ عبدالرزاق نے بھی یہ روایت بیان کی ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ یعنی اللہ جس کو بے مدد چھوڑ دے کہ وہ اللہ کو اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہونے سے غافل ہو جائے اور ایسی چیزوں سے ڈرانے لگے جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کہ سیدھے راستہ پر اس کو چلا سکے۔ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیونکہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ استفہام انکاری یعنی اللہ غالب ہے (اپنے فرماں برداروں کو) نفع بخشتا ہے اور انتقام لینے والا ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے (ان کو سزا دیتا ہے) (تفسیر مظہری)

آیت کا شانِ نزول اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔

اس لئے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔

جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کا محافظ ہے

جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لئے ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حاکم اور افسر یا جنگلے تم تماشا سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے اور تکلیف پہنچائیں گے۔ یہ بھی اسی میں داخل ہے اگر چہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس سے ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کے اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے افسروں کے عتاب و عقاب کے سزاوار بنیں۔

اس آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لئے کافی نہیں؟ تم نے خالص اللہ کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کر لیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم و افسر کی پروانہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہو گی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے۔ اور مومن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خود ہی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔ (معارف معنی العلم)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
اور جو تو ان سے پوچھے کس نے بنائے آسمان

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ
اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو

مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ
جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اگر چاہے اللہ مجھ پر

اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ
کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی

اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں

رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ
اسکی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اسی پر

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝
بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے ☆

جو خالق ہے وہی معبود ہے

☆ یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی اونی سے اونی تکلیف و راحت کو اسکی جگہ سے ہٹا نہیں سکتے۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ جسکا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے یہ دیا اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَي اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (سورہ رکوع ۵) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانعام۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

مشرکین سے سوال۔ افرء یتم یعنی تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ ہی خالق کائنات ہے اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں تو مجھے بتاؤ

تنہا اللہ کی خلاقیت کا اقرار کرنے کے بعد ان پر اس بات کا اقرار کرنا لازم ہو جاتا ہے کہ نہ دکھ کو دور کر سکتے ہیں نہ سکھ دے سکتے ہیں نہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں نہ اس کی عطا کردہ نعمت کو لوٹا سکتے ہیں۔

شانِ نزول مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آیت کے نزول کے بعد) مشرکوں سے یہ سوال کیا تھا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ آپ کہہ دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قوی اور غنی ہونے کا طریقہ ابن ابی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللہ عزوجل اوثق منہ بما فی یدیہ و من احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل

جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہئے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ ہے اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
تو کہہ اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر
اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ مَنْ
میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے
يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
کس پر آتی ہے آفت کہ اُس کو رسوا کرے اور اُترتا ہے اُس پر
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
عذاب سدا رہنے والا ☆

خدا پرست ہی غالب ہوگا

یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صدہا دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات صد بتاویں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخر کار سب ذلیل و خوار ہوئے (تنبیہ) عذاب یخزیہ سے دنیا کا اور عذاب مقیم سے آخرت کا عذاب مراد ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہر حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ ہوگا

انی عامل یعنی میں اپنی حالت پر عمل کر رہا ہوں یہاں مکانتی کا لفظ اختصاراً حذف کر دیا گیا اس سے وعید میں زور بھی پیدا ہو گیا (کہ میں کامیاب ہوں گا اور تم دنیا و آخرت میں تباہ ہو گے) مکانتی کے لفظ کو حذف کر دینے سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ حالت پر ہی نہیں ٹھہر جائیں گے بلکہ جتنا زمانہ گذرتا جائے گا آپ کو قوت اور نصرت زیادہ حاصل ہوتی جائے گی اسی لئے کافروں کو دھمکایا کہ میں دونوں جہان میں کامیاب رہوں گا۔

عذاب یخزیہ دشمنوں کی رسوائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب آ جانے کی دلیل ہے۔ بدر کی لڑائی میں اللہ نے کفار مکہ کو رسوا کر بھی دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ
ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ
واسطے سچے دین کے ساتھ پھر جو کوئی راہ پر آیا۔ سو اپنے بھلے کو
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے برے کو
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾
اور تو اُن کا ذمہ دار نہیں ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے

☆ یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع و نقصان سوچ لے نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنا ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے صرف پیام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فمن اهتدى یعنی اس کتاب سے جو ہدایت یاب ہوا۔

من ضل جس نے اپنے مناقع کے راستہ کو کھو دیا۔

پیغمبر کی ذمہ داری: مالست علیهم بوکیل یعنی آپ کو اس امر کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا کہ ہدایت یاب ہونے پر ان کو مجبور کریں آپ کو حکم صرف پیام الٰہی کو پہنچانے کا دیا گیا ہے اور آپ ایسا کر چکے پس ان کے گمراہ رہنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا
اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے
وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
کا، اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ
اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں ☆

نیند اور موت ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ بھی نشان ہے آخرت کا معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے جیسے موت میں اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی۔ وہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہری) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی (موضح الفرقان) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع و بقا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

توفی کا معنی: یتوفی الانفس یعنی بدنوں سے لے کر قبضہ میں کر لیتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کر دیتا ہے بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی۔ ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھینچ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ (۲) جانوں پر تعلق نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کر لیتا ہے۔ بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہو جاتا ہے نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ۔ اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا، اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشباہ) کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے باہر کے تعلق سے روح حالی ہو جاتی ہے اس کا رخ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالم مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات و احوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں) روح ان کا مطالعہ کرتی ہے کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں کبھی آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آ جاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ توفی کے دونوں معنی ہیں اول معنی (وفات دینا پورا پورا قبضہ کر لینا اور بدن سے بالکل نکال لینا) حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ یہاں عموم مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضا کی ارادی حرکت ختم ہو جائے) یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا (روح کا بدن سے تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا نہ اندرونی نظام زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس و حرکت یعنی موت آ جائے اور بدن سے روح نکل جائے)۔

یا الٰہی لہ محذوف سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کر لیتا ہے (بیرونی احساس و حرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے)۔

بعض اہل علم کا قول ہر انسان کا ایک نفس ہے اور ایک روح سونے کی حالت میں نفس بدن سے نکل جاتا ہے اور روح (یعنی جان) باقی رہتی ہے (اور مرنے کے وقت روح بھی نکل جاتی ہے) اس قول میں نفس سے مراد ہے سمجھنے اور تمیز کرنے کی قوت (یعنی بیرونی حواس و قوت شعور) مطلب یہ کہ سونے کے وقت حواس و شعور کی قوت سلب کر لی جاتی ہے اور روح جس سے زندگی اور احساس و شعور کی قوت وابستہ ہے باقی رہتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا۔ ان آدم میں نفس اور روح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے۔ نفس کے ذریعہ فہم تمیز اور احساس کا سلسلہ رہتا ہے اور روح سے حیات و حرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت روح اور نفس دونوں قبض کر لئے جاتے ہیں جس کے بعد حیات و حرکت کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل و ادراک اور تمیز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے (روح المعانی ج ۲۴ ص ۸)

یہی وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفر غزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لئے لیٹے تو آنکھ نہ کھلی تا آنکہ سورج نکل آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ ان اللہ تعالیٰ قبض ارواحکم حین شاء وردھا الیکم حین شاء (صحیح بخاری۔ سنن نسائی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ویرسلھا ایھا الناس ان ھذہ ارواح عاریۃ فی الا العباد فیقبضھا اللہ اذا شآء ویرسلھا اذا شآء (معارف کاندھلوی)

خواب کے سچا اور جھوٹا ہونے کی وجہ

سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فرمایا عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ سوتے میں کچھ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو ان کے تصور میں بھی نہ ہوتی (پھر بیدار ہوتے ہیں تو وہی بات سامنے آ جاتی ہے) ان کا خواب ایسا (صحیح اور واقعی) ہوتا ہے جیسے ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑ لیا اور بعض آدمیوں کا خواب کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا حضرت علیؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا امیر المومنین میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں اللہ نے فرمایا۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب یہ روحیں اللہ کے قریب میں آسمان پر ہوتی ہیں تو جو کچھ دیکھتی ہیں وہ سچا خواب ہوتا ہے اور جب ان کو جسموں کی طرف چھوڑ دیا جاتا اور واپسی میں شیطانوں سے ان کا سامنا ہو جاتا ہے تو شیطان ان سے کچھ جھوٹی باتیں کہہ دیتے ہیں اور بے حقیقت باتیں بتاتے ہیں پس یہ جھوٹا خواب ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کی یہ بات سن کر تعجب ہوا۔

اگر یہ اثر صحیح ہو تو میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونے کے وقت بدن سے روح کے نکلنے سے مراد یہ ہے کہ عالم ملکوت میں روح عالم مثال کے مطالعہ کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور عالم مثال بدن سے بہر حال باہر ہی ہے اور بدن کے اندر روح کی شعاع باقی رہنے سے یہ مراد ہے کہ حسب سابق بدن سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے خلاصہ یہ کہ خروج روح (یعنی عالم مثال کی طرف متوجہ ہونے سے) سے آدمی خواب دیکھتا ہے پھر آدمی بیدار ہو جاتا تو روح لوٹ آتی ہے یعنی پل بھر سے بھی پہلے روح کا تعلق بدن سے حسب سابق ہو جاتا ہے۔

یعنی سونے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے الی اجل مسمی یعنی اس وقت تک کے لئے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے۔

سونے اور جاگنے کا مسنون طریقہ

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو خواب گاہ (بستر) پر چلے جاتے تو (دائیں کروٹ پر لیٹ کر دائیں) ہاتھ کو رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے اللھم بک اموت واحیی اے اللہ میری زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے (بک میں ب اعانت اور قبضہ پر دلالت کر رہی ہے) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو موت دینے کے بعد زندگی عطا فرما دی اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھ کر جانا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی اپنے بستر کی طرف (لیٹنے کے ارادہ سے) جائے تو (پہلے) اپنی لنگی کے ایک پلو سے بستر کو جھاڑ دے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کی جگہ (بستر پر) کون آ موجود ہوا (یعنی سانپ بچھو کیڑے مکوڑے) پھر کہے اے میرے اللہ میں تیرے ہی نام کی برکت اور مدد سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اس کو اٹھاتا ہوں اگر تو میری جان کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اور اگر رہا کر دے تو جس چیز کے ساتھ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے اسی چیز کے ساتھ میری جان کی بھی حفاظت رکھنا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ الفاظ کہے۔ اور بستر کو جھاڑنے کے سلسلہ میں فرمایا تین بار اپنے کپڑے کے پلو سے جھاڑے۔

اہل فکر تفکروں جو غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ روحوں کا اجسام سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے پھر کس طرح مرنے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے (یا واپس کر دیا جاتا ہے) اور بدن کے قبضہ جانے کے بعد ان کا لقاء کیسے رہتا ہے پھر ان کی سعادت و شقاوت کے احوال کیسے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو کچھ دیر کے لئے ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کیلئے حس و شعور سے یہ معطل ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔ یہ آیت علت ہے آیت وعلیہ یتوکل المتوکلون کی۔ (تفسیر مظہری (دو) جلد دہم)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ
کیا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوائے کوئی سفارش والے ☆

بتوں کی سفارش کی حقیقت

☆ یعنی بتوں کی نسبت مشرکین دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان ہی کی سفارش سے کام بنتے ہیں اسی لئے ان کی عبادت کی

جاتی ہے سو اول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اسکے حق میں شفاعت کر سکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرضی ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں کہیں نہ اصنام بتوں کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضی ہونا لہٰذا ان کا دعوی غلط ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا
تو کہہ اگرچہ ان کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا اور نہ
يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾
سمجھ ☆

یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ پھر انکو شفیع ماننا عجیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ
تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش اسی کا راج ہے
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ
آسمان اور زمین میں پھر اسی کی طرف
تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾
پھیرے جاؤ گے ☆

سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے

☆ یعنی فی الحال بھی زمین و آسمان میں اسی کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اسکی اجازت و خوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یعنی اللہ کے روبرو سفارش ہے اللہ کے حکم سے نہ تمہارے کہے سے جب موت آئے کسی کے کہے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ
اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل
الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ
ان کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا
وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ
اور جب نام لیجئے اس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں

يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾
خوشیاں کرنے ☆

غیر اللہ کی محبت والے

☆ مشرک کا خاصہ ہے کہ کبھی وقت زبان سے اللہ کی عظمت و وحدت کا اعتراف کرتا ہے لیکن اس کا دل اکیلے خدا کے ذکر اور حمد و ثناء سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہ ہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت و عظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہروں پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات انا پیہ شاہ بیان کر دی جائے تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت و انبساط جوش مارنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیا سمجھا جاتا ہے۔ عالی اللہ المشتکی وھو المستعان۔ (تفسیر عثمانی)

اشمئزاز اور استبشار کا معنی

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اشمأزت اور یستبشرون دونوں لفظ انتہائی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں انشعار (چہرہ کھل جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل خوشی اور مسرت سے اتنا پر ہو جائے کہ اس کے آثار چہرہ پر نمودار ہو جائیں (اور چہرہ شگفتہ ہو جائے) اور اشمئزاز (بھنچ جانا منقبض ہو جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل غم و غصہ سے اتنا بھر جائے کہ چہرہ کی کھال سکڑ جائے مل پڑ جائیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین
عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ
کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے
بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ
اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
جھگڑ رہے تھے ☆

☆ یعنی جب ایسی معمولی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے تو ہی ان جھگڑوں کا فیصلہ فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ ہی سے دعا کیجئے

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور کافروں کے معاملہ میں سخت حیران ہو گئے اور ان کی دشمنی اور بدخلقی سے عاجز آ گئے تو اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اسی سے دعا اور التجا کریں کیونکہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تمام احوال سے وہی واقف ہے جو چیز ہم سے غائب ہے یا ہمارے مشاہدہ میں ہے وہ سب کا عالم ہے۔

انت تحکم یعنی اہل حق کو فتح یاب کرے گا اور باطل پرستوں کو بے مدد چھوڑ دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

ابوسلمہؒ بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کلام سے نماز شب کا آغاز کرتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اللّٰھمّ رب جبرئیل و میکائیل واسرافیل فاطر السّموٰت والارض عالم الغیب والشّھادۃ انت تحکم بین عبادک فی ما کانوا فیہ یختلفون اھدنی لما اختلف فیہ من الحق باذنک انک تھدی من تشاء الی صراط مستقیم (اے اللہ اے جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ کے رب اے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والے اسے باطن و ظاہر کو جاننے والے (قیامت کے دن) تو اپنے بندوں کے درمیان ان مسائل کا فیصلہ کر دیگا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے مجھے اپنے حق سے مختلف فیہ مسائل میں حق کے راستہ پر چلا تو جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے) (نصب الرایہ)

حضرت ربیع بن خثیمؒ کی دربار الٰہی میں فریاد

ربیع بن خثیم کی محفل میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارہ میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج و کرب کی کیفیت کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اللّٰھمّ فاطر السّموٰت والارض عالم الغیب والشّھادۃ انت تحکم بین عبادک فی ما کانوا فیہ یختلفون۔ (مدارک کامعنوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعاء

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا وہ کیا دعا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اللّٰھمّ فاطر السّموٰت والارض عالم الغیب والشّھادۃ انت ربّ کلّ شیء ومالکہ اشھد ان لّا الٰہ الّا انت وحدک لا شریک لک وان محمدًا عبدک ورسولک والملٰئکۃ ینشھدون اعوذ بک من شرّ نفسی وشرّ الشّیطان وشرکہ واعوذ بک ان اقترف علی نفسی سوءًا او اجرّہ الی مسلم (یعنی اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونہ پیدا کرنے والے چھپی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جاں پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں)۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو سکھلائی تھی وہ اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانیؒ نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا یہ سے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ! صبح و شام کیا پڑھوں! آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ اللّٰھمّ فاطر السّموات والارض عالم الغیب والشّھادۃ لا الٰہ الّا انت ربّ کلّ شیء ومالکہ اعوذ بک من شرّ نفسی وشرّ الشّیطان وشرکہ او اقترف علی نفسی سوءًا او اجرّہ الی مسلم (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں مجھے اس دعا کے پڑھنے کا اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صبح شام اور سوتے وقت حکم دیا ہے۔

جنت میں پہنچانے والی دعا

حضورؐ فرماتے ہیں جو بندہ ان دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے۔ اس عہد کو پورا کرو چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا وہ دعاء یہ ہے۔ اللّٰھمّ فاطر السّموات والارض عالم الغیب والشّھادۃ انی اعھد الیک فی ھذہ الدّنیا انی اشھد ان لّا الٰہ الّا انت وحدک لا شریک لک وان محمدًا عبدک ورسولک فانک ان تکلنی الی نفسی تقربنی من الشرّ وتباعدنی من الخیر وانی لا اثق الّا برحمتک فاجعل لی عندک عھدا توفینہ یوم القیمۃ انک لا تخلف المیعاد۔ (اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونے پیدا کرنے والے اے عالم غائب و حاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی

ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دیگا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور جا پڑوں گا۔ خدایا مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے یقیناً تو عہد شکن نہیں۔ اس حدیث کے راوی سہیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰنؒ سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اگر کفاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ

اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ

میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے ان کو

اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَبَدَا

اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے اور نظر

لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

آئیں ان کو بُرے کام اپنے جو کماتے تھے اور اُلٹ پڑے

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اُن پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

کافر کی نجات نہیں ہوگی

☆ یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہو گا۔ اگر اس روز فرض کیجئے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد ان کے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیں جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال و گمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کے لئے ناگہانی عذاب۔

اہل جنت کے لئے فرمایا تھا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اس کے مقابل دوزخیوں کے لئے فرمایا۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۔ یعنی انتہائی چوٹی کا ایسا سخت عذاب ان کے سامنے جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مقاتل نے کہا یعنی یہ ہیں ان کو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے عذاب سے آخرت میں دوچار ہوں گے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ مت ہماری سفارش کریں گے۔ یا یہ خیال تھا کہ حشر نشر کچھ بھی نہ ہوگا یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آخرت میں ہم مومنوں کے مقابلہ میں بہتر حالت میں ہوں گے قیامت کے دن ان تمام خیالات کے برعکس عذاب سامنے آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا

سو جب آلگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے☆

انسان کی جفا

☆ یعنی جس کے ذکر سے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جن کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ

پھر جب ہم بخشیں اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت، کہتا ہے یہ تو مجھ کو ملی

اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ

کہ پہلے سے معلوم تھی ☆

☆ یعنی قیاس یہ ہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے کیونکہ مجھ میں اسکی لیاقت تھی اور اسکی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و لیاقت معلوم تھی پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت اور عقل پر نظر کی اللہ کے فضل و قدرت پر خیال نہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا

کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ۝

سمجھتے ☆

نعمت امتحان ہے

☆ یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ اسے لے کر کہاں تک منعم حقیقی کو پہچانتا اور اسکا شکر ادا کرتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہی نعمت نقمت بن کر وبال جان ہو جائے گی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہ جانچ ہے کہ عقل اسکی دوڑنے لگتی ہے تا اپنی عقل پر بہکے وہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی لاعلمی اور ضد

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض کافروں کو خود یقین تھا کہ ہم باطل پر ہیں لیکن محض ضد اور عناد کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ پس اکثر کافر بے علمی کی وجہ سے کافر رہے اور بعض کافر باوجود جاننے اور سمجھنے کے محض بغض و ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہہ چکے ہیں یہ بات اُن سے اگلے

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

پھر کچھ کام نہ آیا ان کو جو کماتے تھے

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ

پھر پڑ گئیں اُن پر برائیاں جو کمائی تھیں ☆

چنانچہ قارون نے یہی کہا تھا اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ

اور جو گنہگار ہیں ان میں سے اُن پر بھی اب پڑتی ہیں

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

برائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے ☆

مشرک بھاگ نہیں سکتے

☆ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجود الوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اس کا تھکا نہیں سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے البتہ اس میں پتے ہیں

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اُن لوگوں کے واسطے جو مانتے ہیں ☆

روزی اللہ کی مرضی سے ملتی ہے

☆ یعنی دنیا میں محض روزی کا کشادہ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ روزی کا ملنا کچھ عقل و دہانت اور علم و لیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھ لو کتنے بیوقوف یا بدمعاش پھیں اڑا رہے ہیں اور کتنے عقل مند اور نیک آدمی فاقے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے ایک کو تنگ جان لو کہ صرف عقل کا کام نہیں کہ اپنے اوپر روزی کشادہ کر لے بلکہ یہ تقسیم رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔" (تفسیر عثمانی)

تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہیں

لقوم یومنون۔ یعنی ان لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بظاہر اسباب کا سلسلہ اپنے معمول پر چلتا ہے (یعنی بظاہر نتائج اسباب سے وابستہ ہیں اور اسباب نتائج کو پیدا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ

يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ

بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف

الرَّحِيْمُ ۝

کرنیوالا مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی

یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم

اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، مدمعاش، فاسق، فاجر، کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے۔ کوئی اسکا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامیدیوں ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اسکے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا کو لِمَنْ يَّشَآءُ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء رکوع ۱۸) اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے۔ اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے فقط صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلا دیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے مغفرت نہ ہو گی۔ چنانچہ آیت ہذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اگلی آیت کے فائدہ سے معلوم ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تے وحشی کو جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک شخص کو بھیجا وحشی نے جواب دیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کس طرح دے رہے ہیں۔ آپ کا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کرے گا یا شرک کرے گا یا زنا کرے گا اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب ہوگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے اس پر آیت اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ نازل ہوئی۔ وحشی نے کہا یہ شرط تو سخت ہے شاید میں ایسا نہ کر سکوں کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے اس پر آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ نازل ہوئی وحشی نے کہا اس آیت میں مغفرت کو مشیت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ میں اشتباہ میں پڑا ہوا ہوں معلوم نہیں کہ (اگر میں شرک سے توبہ کر لوں تو) میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی اس پر آیت قل یا عبادی الخ نازل ہوئی۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات صرف وحشی کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے عمومی (حکم) ہے حضور نے فرمایا (نہیں) بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے یہ عام ہے۔

حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم کہتے تھے کہ مسلمان ہونے اور ایمان لانے کے بعد جو لوگ معاصی میں مبتلا ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو ان ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ نازل فرمائی۔ بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا مرجع عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے حق میں ہوا کہ (ہجرت میں) وہ ایمان لے آئے تھے پھر جب ان کو دکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے یعنی اسلام چھوڑ بیٹھے ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا نہ نفل نہ فرض یعنی کسی طرح ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لوگ اول تو مسلمان ہو گئے پھر دکھ پڑنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھ کر عیاش بن ربیعہ ولید بن ولید اور دوسرے لوگوں کو بھیج دیں تحریر ملنے کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آ گئے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ کچھ مشرک ایسے تھے جنہوں نے بہت آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ارتکاب زنا بھی بہت کیا تھا۔ یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس امر کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو اچھا۔ کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے ہماری بداعمالیوں کا بھی کفارہ ہو جائے گا اس پر سورۂ فرقان کی آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ... غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک اور آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے اسند صحیح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے مرداویہ عطاء بھی اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی ہے۔

مقاتل بن حبان نے بتوسط مانع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم گروہ صحابہ خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری ہر نیکی ضرور قبول ہو گی اس کے بعد جب آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کے فرمان پر چلو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کر دو) نازل ہوئی تو ہم اپنے اعمال کو سوائے اس کے کہ کبیرہ گناہ کریں اور فواحش کا ارتکاب کریں اور کسی طرح باطل کر سکتے ہیں۔ یہ خیال کرنے کے بعد جب ہم کسی کو کوئی کبیرہ گناہ کرتے دیکھتے تو کہتے یہ شخص تباہ ہو گیا اس کے بعد یہ آیت (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا) نازل ہوئی تو ہم اپنے دونوں قولوں سے رک گئے اس کے بعد ہم کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھتے تو ہم کو اس کے متعلق (بربادیٔ اعمال کا) خوف ہو جاتا اور اگر کسی نے ارتکاب گناہ کیا ہوتا تو ہم کو اس کے متعلق (قبول اعمال کی) امید ہوتی۔

لوگوں کو مایوس نہ کرو، روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں تشریف

لے گئے وہاں ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور دوزخ کا اور دوزخ کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا آپ حاکر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے وعظ کرنے والے لوگوں کو ناامید کیوں کر رہا ہے پھر آپ نے آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ پڑھی۔

حضرت اسماءؓ بنت یزید کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ وَلَا اُبَالِیْ۔ (یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ سب گناہ معاف کر دے گا اور (کسی کے) گناہ کی پرواہ نہیں کرے گا۔) ولا ابالی کا لفظ حضورؐ نے آیت کے بعد خود بڑھا دیا یہ لفظ آیت کا جزء نہیں ہے۔

حضرت جبد راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا اللہ نے فرمایا یہ کون ہے جو میری قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کی میں مغفرت نہیں کروں گا میں نے اس شخص کو بخش دیا اور (اے کہنے والے) تیرے اعمال کو اکارت کر دیا۔ او کما قال علیہ السلام۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت اِلَّا اللَّمَمَ کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا اللہ لمم (صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ جن کو کرنے کے بعد ندامت ہوئی ہو) کو معاف کر دے گا سب (گناہوں) کو بخش دے گا (اے اللہ) تیرا کوئی بندہ ہے جس نے ارتکاب گناہ نہیں کیا ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

بنی اسرائیل کے گنہگار کی مغفرت

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ننانوے آدمیوں کا قتل کر چکا تھا پھر (توبہ کی غرض سے) ایک تارک الدنیا درویش کے پاس گیا اور اس سے (اپنی توبہ کے متعلق) مسئلہ دریافت کیا درویش نے کہا تیرے لئے کوئی توبہ (کی گنجائش) نہیں ہے۔ سائل نے یہ جواب سن کر اس درویش کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد لوگوں سے دریافت کرتا پھرا کہ اب میں کس سے مسئلہ پوچھوں ایک شخص نے کہا فلاں بستی میں جاؤں (وہاں ایک بڑا عالم ہے اس سے دریافت کر، حسب ہدایت یہ قاتل اس بستی کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں) اس کو موت آ پہنچی لیکن (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف اٹھا دیا یعنی بڑھا دیا (اور مر گیا) رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس شخص کے متعلق اختلاف ہو گیا اللہ نے ایک طرف (یعنی بستی کی طرف) والی زمین کو حکم دیا تو قریب ہو جا اور دوسری طرف والی زمین کو حکم دیا (یعنی جہاں سے وہ شخص چلا تھا اس زمین کا حکم دیا) تو دور (یعنی الٰہی) ہو جا فرشتوں سے (حسب الحکم) دونوں طرف کی زمین کو ناپا اور موازنہ کیا تو بستی کی طرف والی زمین کو ایک بالشت کم پایا پس اس شخص کی مغفرت ہو گئی (متفق علیہ)۔

مسلم ابن حجاج نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس روایت کے مطابق حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اس قاتل کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا قاتل نے اس راہب سے جا کر کہا میں نے ننانوے آدمیوں کا قتل کیا ہے کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ راہب نے کہا نہیں۔ اس شخص نے راہب کو بھی قتل کر دیا اس طرح سو کی تعداد پوری ہو گئی پھر لوگوں سے دریافت کیا (اب) اس زمین پر رہنے والوں میں سب سے بڑا کون ہے کسی نے ایک اور عالم کا پتہ بتا دیا اس قاتل نے اس عالم سے جا کر کہا میں نے سو قتل کئے ہیں کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ عالم نے جواب دیا ہاں توبہ قبول ہونے میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے تم فلاں مقام پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ملیں گے تم بھی اس کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جانا اور اپنے وطن کرا پنی بستی کو نہ جانا وہ بری (یعنی گناہوں کی) سرزمین ہے۔ یہ بات سن کر یہ قاتل عالم کی بتائی ہوئی بستی کی طرف چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ پہنچی اس کے متعلق رحمت اور زحمت کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا ایک فرشتہ اپنی صورت بدل کر (ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے) آ گیا فرشتوں نے اس کو پنچ مقرر کیا پنچ نے فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی زمین ناپ لو جس طرف کی زمین کم ہو اسی کے حکم میں اس شخص کو داخل کر لو۔ فرشتوں نے زمین کی پیمائش کی تو اس طرف کی زمین کم پائی جہاں (عبادت کے لئے) جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس روح پر قبضہ کر لیا۔

ڈرنے والے گنہگار کی مغفرت بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی جب مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلا ڈالنا پھر جلی ہوئی خاک کی آدھی سمندر میں اور آدھی خشکی میں اڑا دینا کیونکہ اگر خدا کا مجھ پر قابو چل گیا تو خدا کی قسم وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہیں دے گا جب وہ شخص مر گیا اور گھر والے وصیت کے موافق عمل کر چکے تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک سمیٹ کر روی جو اس میں اڑائی گئی تھی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کی ساری خاک جمع کر دی پھر اللہ نے اس شخص سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا اے میرے رب تیرے ڈر سے۔ تو خوب واقف ہے۔ اللہ نے اس کو بخش دیا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی نصیحت بعوی نے لکھا ہے ضمضم بن جوش نے کہا میں مدینہ کی مسجد میں داخل ہوا ایک بوڑھے آدمی نے (جس کو میں پہچانتا

نہ تھا) مجھے پکار کر کہا اے شخص کسی آدمی سے تو ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تیری مغفرت نہ کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ میں نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت ہو آپ کون ہیں ان بزرگ نے کہا میں ابو ہریرہؓ ہوں میں نے کہا یہ لفظ تو ایسا ہے جو نفرت کے وقت ہر شخص کہتا ہے غصہ ہوتا ہے تو اپنے گھر والوں کو بھی کہتا ہے اور بیوی کو بھی خدمتی آدمیوں کو بھی۔ بزرگ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو باہم دوست تھے ایک عبادت میں بڑی محنت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا رہتا تھا عابد اپنے گناہگار دوست سے کہتا تھا اب اپنی حرکتوں سے باز آجا۔ گناہگار جواب دیتا تھا میں جانوں اور میرا رب تو مجھے یوں ہی رہنے دے ایک روز عابد نے اپنے دوست کو کسی بڑی گناہ میں مبتلا پایا تو (حسب معمول) کہا اب باز آجا اس نے جواب دیا مجھے یوں ہی رہنے دے کیا تجھے میرا نگراں محتسب بنا کر بھیجا گیا ہے عابد نے کہا خدا کی قسم اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ جنت میں کبھی تجھے داخل کرے گا غرض اللہ کی طرف سے جب ملک الموت نے آکر دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں اللہ کے پاس جمع ہوئے تو اللہ نے اس گناہگار کو حکم دیا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندوں سے میری رحمت کو روک سکتا ہے بندے نے کہا نہیں پروردگار (ایسا تو ممکن نہیں) اللہ نے فرمایا اس کو دوزخ میں لے جاؤ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے جو بات کہی تھی اس نے دنیا اور آخرت میں اس کو تباہ کیا۔ امام احمد نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث یوں ہی بیان کی ہے۔

آیت کی فضیلت حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اس آیت کے مقابلہ میں پسند نہیں (سب ہیچ ہیں) یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ رواہ احمد سعید حسن وابن جریر والطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی شعب الایمان۔

مشرک کی بخشش نہیں ہے۔ بیہقی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جس نے شرک کیا ہو (کیا اللہ اس کو بھی معاف فرما دے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر تین بار فرمایا مگر جس نے شرک کیا (اور شرک پر آخر وقت تک قائم رہا اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندے کو ضرور بخش دے گا بشرطیکہ پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کیا فرمایا کسی شخص کا مشرک ہونے کی حالت پر مر جانا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث والمنشور۔

یہ بھی حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے ایسی حالت میں ملے (یعنی ایسی حالت میں مر جائے) کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ قرار دیتا ہو تو خواہ پہاڑوں کے برابر بھی اس کے گناہ ہوں اللہ معاف فرما دے گا۔ رواہ البیہقی فی کتاب البعث والمنشور۔

اپنے فوت شدہ آباء واجداد کے لئے دعا مغفرت کے ہدیے بھیجو

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر اللہ بعض نیک لوگوں کے درجات (ان کے اعمال سے زیادہ) اونچے کر دے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب یہ درجات ہمارے لئے کہاں سے (کیسے) مل گئے اللہ فرمائے گا تیرے لئے تیری اولاد کے دعا مغفرت کرنے سے۔ رواہ احمد

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریادی ہو (جو غرق ہونے سے بچنے کے لئے چلا رہا ہو) وہ انتظار کرتا ہے کہ باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے دعا مغفرت اس کو پہنچ جائے۔ یہ دعا اس کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے رہنے والوں کی دعا سے اللہ قبر والے کو اللہ پہاڑوں جیسا ثواب عنایت کرتا ہے۔ مردوں کی جانب سے مردوں کو ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اللہ نے جن انس چوپاؤں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اس نازل کردہ رحمت کی وجہ سے یہ آپس میں مہربانیاں اور رحم کرتے ہیں۔ وحشی جانور بھی اسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے لئے چھوڑ رکھی ہیں وہ رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر مبذول فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کچھ قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ ٹپک رہا تھا اور وہ (ادھر ادھر) دوڑتی پھر رہی تھی قیدیوں میں جو شیر خوار بچہ اس کو ملتا وہ اس کو لے کر اپنے پیٹ سے چمٹاتی اور دودھ پلاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچے کو کبھی آگ میں پھینک سکتی ہے (جب کہ وہ دوسروں کے بچوں سے اتنا پیار کر رہی ہے) ہم نے عرض کیا جب تک اس میں طاقت ہوگی وہ اپنے بچے کو آگ میں نہیں پھینکے گی حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ

مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عامرؓ کا بیان ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص چادر (یا کمبل) اوڑھے آیا کوئی چیز اس کے ہاتھ میں تھی جو چادر (کے کونے) میں لپٹی ہوئی تھی اس نے عرض کیا میں درختوں کی ایک جھاڑی کی طرف سے گذرا اس کے اندر کسی پرندے کے چوزوں کی آوازیں آ رہی تھیں میں نے ان کو پکڑ کر اپنی چادر میں رکھ لیا اتنے میں ان کی ماں آ گئی اور میرے سر کے آس پاس گھومنے لگی۔ میں نے چادر ہٹا کر بچوں کو اس کے سامنے کر دیا فوراً وہ بچوں پر ٹوٹ پڑی میں نے سب کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اب وہ سب میرے پاس یہ موجود ہیں حضور نے حکم دیا ان کو رکھ دو اس نے (چادر کھول کر) سب کو رکھ دیا مگر بچوں کی ماں بچوں سے چمٹی رہی حضور نے فرمایا کیا تم لوگوں کو تعجب ہو رہا ہے کہ ماں ان بچوں پر کیسی مہربان ہے (کہ بچوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر اڑ نہیں جاتی) قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جتنی ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جا ان کو لے جا اور جہاں سے تو نے ان کو پکڑا ہے وہیں لے جا کر رکھ دے حسب الحکم وہ شخص ان سب کو لے گیا۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے ہم کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے کچھ لوگوں کی طرف سے آپ کا گذر ہوا اور دریافت فرمایا کون لوگ ہو انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں ان میں ایک عورت بھی تھی جو ہانڈی میں سالن پکا رہی تھی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جب کوئی شعلہ اٹھتا تھا وہ بچہ کو الگ کر لیتی تھی وہ حضورؐ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کہنے لگی آپ پر میرے ماں باپ قربان کیا اللہ ارحم الراحمین نہیں ہے حضور نے فرمایا کیوں نہیں۔ کہنے لگی کیا ماں جتنی اپنے بچہ پر مہربانی کرتی اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان نہیں ہے۔ فرمایا کیوں نہیں کہنے لگی ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی یہ سن کر حضور اقدس سرنگوں ہو گئے اور رونے لگے کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا اللہ اپنے بندوں میں سے صرف اسی کو عذاب دے گا جو اس سے سرکشی اور سخت سرکشی کرنے والا ہو اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ رواہ ابن ماجہ۔

آخر کار مومن جنت میں جائے گا

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ نے لا الہ الا اللہ (یعنی اقرار توحید کیا) پھر اسی حالت میں مر گیا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے پھر کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو۔ (وہ ضرور جنت میں جائے گا) اگرچہ ابوذر کتنی ہی ناک زمین پر رگڑے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ممبر پر فرما رہے تھے۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان یہ میں نے خود سنا تھا۔ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) خواہ اس نے زنا کی ہو یا چوری کی ہو حضورؐ نے دوبارہ یہی آیت پڑھ دی میں نے دوبارہ کہا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو حضور نے تیسری بار یہی آیت پڑھ دی جب میں نے تیسری بار کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہ ابودرداءؓ کی ناک مٹی میں رگڑ جائے۔ (تب بھی زانی اور سارق کا داخلہ جنت میں ہوگا۔ ناک کا مٹی میں رگڑنا ایک محاورہ ہے یعنی چاہے ابودرداءؓ کیسی ہی ناک زمین پر رگڑے اور کیسا ہی اس کی مرضی کے خلاف ہو تب بھی اللہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا)۔ رواہ احمد۔

اس موضوع کی بکثرت احادیث آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مآل کار مومن جنت میں جائے گا۔

ثواب کے لئے ایمان شرط ہے

اہل سنت وجماعت ہی کا مسلک حق ہے کہ کفر کی موجودگی میں کوئی طاعت سودمند نہیں کیونکہ ایسی طاعت طاعت ہی نہیں ہے۔ طاعت تو وہی ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو اگر خلوص نہیں تو طاعت معصیت ہے۔ ایمان اسی طرح طاعت کی شرط ہے جس طرح وضو نماز کے لئے۔ البتہ معصیت کا ذاتی تقاضا عذاب ضرور ہے لیکن یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو معاصی کو معاف کر دے اور معاف کرنا نہ چاہے تو عذاب دے۔

معافی کے ذرائع: معافی توبہ سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا کسی ولی کی سفارش سے یا محض اللہ کی مہربانی اور رحمت سے۔ اگر گناہگار مومن کو اللہ عذاب بھی دے گا تو وہ عذاب دوامی نہ ہوگا کیونکہ اللہ نے ہر نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور ایمان سب سے بڑی نیکی ہے (ہر نیکی کا مدار ایمان پر ہے) اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے اور مقام ثواب صرف جنت ہے (لامحالہ ہر مومن جنت میں جائے گا عذاب پانے کے بعد یا بغیر عذاب کے)۔

گناہ! مومن اور کافر کے نزدیک: مومن اپنا ایک گناہ بھی ایسا سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور پہاڑ اوپر سے گرنے والا ہو اور کافر اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور ہاتھ کے اشارے سے اس کو اڑا دے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

سب سے زیادہ عظمت والی آیت

طبرانی میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں

سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیت الکرسی ہے اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الخ سے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی مخلصی خود خدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اسے گمان وخیال بھی نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے یہ سُن کر فرمایا کہ بے شک آپ سچے ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ کے انتقال کے وقت

حضرت ابوایوب انصاریؓ اپنے انتقال کے وقت فرماتے ہیں ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی اب بیان کر دیتا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہے اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عزوجل ایسی قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی پھر خدا انہیں بخشتا (صحیح مسلم وغیرہ)۔

حضرت آدم علیہ السلام کی درخواست

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا اے میری رب تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا ہے اور میں اس پر بعید اس کے کہ تو مجھے اس پر غلبہ دے غالب نہیں آ سکتا۔ جناب باری نے فرمایا جا تو ان پر مسلط ہے۔ اس نے کہا خدایا کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہو گی اُتنی ہی تیرے ہاں بھی ہو گی۔ اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی دے۔ پروردگار عالم نے فرمایا بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنا دوں گا اور تم ان کے جسم میں خون کی جگہ پھرو گے اس نے پھر فرمایا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا۔ اور ان کے مال واولاد میں اپنا ساجھا کر اور انہیں اُمنگیں دلا گو حقیقۃً تیرا اُمنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اُس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو نے اسے مجھ پر مسلط کر دیا اب میں اس سے بغیر تیرے بچائے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہو گی اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کر دوں گا جو شیطانی پنجے سے محفوظ رکھے۔ حضرت آدمؑ نے اور زیادتی طلب کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک نیکی کو دس گنی کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ اور برائی اس کے برابر رہے گی یا معاف کر دوں گا۔ آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی۔ رب العزت نے فرمایا توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اس وقت تک کھلا ہے جب تک روح جسم میں ہے۔ حضرت آدمؑ نے دعا کی خدایا مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں الخ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

کرم کی انتہاء۔ ربنا الذین قلتم المؤمنین والمؤمنات کی تفسیر میں فرمایا کرتے دیکھو اس خود کرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مومنین کو ستایا۔ اولیاء کو قتل کیا۔ انہیں کو رحمت اور مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر ترپ اور بے قراری کے ساتھ دور رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰی رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ
اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اُن کی حکمبرداری کرو
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا
پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ
تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾
آئے ☆

توبہ کی ترغیب ☆ مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جود وکرم سے شرما کر کفر وعصیان کی راہ چھوڑ دو اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکلیہ اسی کے سپرد کر دو۔ اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز واخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اس کے فضل سے ممکن ہے ہمارا رجوع وانابت بھی بدون اسکے فضل وکرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ لاریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہو گی دشمنی کی لڑائیاں لڑے اور کتنے خداپرستوں کے خون کئے۔ تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے۔ تا امید مت ہو، توبہ کرو اور رجوع ہو بیٹھے جاؤ کے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی، اس وقت کی توبہ قبول نہیں، نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کی توفیق۔ وانیبوا الی ربکم کے بعد واسلموا کا حکم حق تعالیٰ سبحانہ کے لئے اخلاص پر متوجہ وآمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کیلئے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات وکامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل وکرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴) (عارف کامل مولوی)

وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ
اور چلو بہتر بات پر جو اُتری تمہاری طرف تمہارے

رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب

بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ

اچانک اور تم کو خبر نہ ہو ☆

قرآن پر عمل کرو ☆بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے یعنی قرآنی ہدایات پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کرلو ورنہ معائنہ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہو سکے گا نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی۔ عذاب الٰہی اس طرح ایک دم آدبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آ گیا۔ (تیسیر خان)

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا

کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس اس بات پر

فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ

کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو

لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۙ

ہنستا ہی رہا ☆

کافر کی حسرت ☆یعنی ہوا و ہوس رسم و تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفار و عصاۃ کو عام رکھا جائے تو وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ کے معنی عملت عمل ساحر مسھریٰ کے ہوں گے کما فسرہ ابن کثیر۔ (تیسیر خان)

بے وقت توبہ: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرما دیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو کہ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے پہلے ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (معارف معنی اعظم)

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ کو راہ دکھاتا

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۙ

تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں ☆

عذر لنگ ☆جب حسرت و افسوس سے کام نہ چلے گا تو اپنا دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقیوں کے درجہ میں پہنچ جاتا۔ اس کا جواب آگے آتا ہے بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق اعتراض احتجاج نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس کے طور پر ہو یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بدتمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا اگر مجھ میں اہلیت و استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقین کے زمرہ میں شامل ہوتا۔ (تیسیر خان)

اور اگر ہدایت سے تخلیق ہدایت اور منزل مقصود تک پہنچا مراد ہو تو اس صورت میں لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ کا یہ مطلب ہوگا کہ میں مجبور تھا اللہ ہی نے مجھے ہدایت نصیب نہیں کی ایمان و طاعت کو اختیار کرنے کی میرے اندر طاقت ہی نہ تھی کیونکہ اللہ نے مجھے اس کی قدرت دی ہی نہ تھی۔ اللہ نے اس آیت بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ میں اس قول کی تردید کر دی اور فرمایا کیوں نہیں ہم نے تو تجھے قدرت دی تھی کہ جس راستہ کو اختیار کرنا چاہے اختیار کر لے اسی پر عذاب ثواب کی عمارت کی بناء ہے لیکن جب میری آیات تیرے پاس پہنچیں تو تو نے اپنے اختیار سے ان کی تکذیب کی۔ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے کہ بندوں کے افعال میں قدرت خداوندی دخیل اور اثر انداز ہے۔ (تیسیر مظہری)

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ

یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو

لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۙ

پھر جانا ملے تو میں ہو جاؤں نیکی والوں میں ☆

ناکام کوشش ☆جب حسرت اور اعتماد دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آ جائے گا۔ اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ (تیسیر خان)

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا

کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور غرور کیا اور تو تھا منکروں میں ☆

ہدایت کے مکمل اسباب موجود ہیں

☆ یعنی غلط کہتا ہے کہ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دے کر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہا۔ تیری شقی فطرت حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا۔ تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ رکوع ۳) ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ ان کو عروس کامیابی سے ہمکنار کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى

اور قیامت کے دن تو دیکھے اُن کو جو جھوٹ بولتے ہیں

اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ

اللہ پر کہ اُن کے منہ سوں سیاہ ☆

حق کو جھٹلانے کا انجام

☆ اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اس کو جھٹلانا یہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے۔ اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کا ☆

غرور کا انجام

☆ پہلے قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار و غرور یہاں بتلا دیا کذب و دروغ سے انکے منہ کالے ہوں گے اور غرور و تکبر کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر

ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کر دیے جائیں گے جس کا نام بولس ہے جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے جہنمیوں کے لہو پیپ اور گندگی انہیں پلائی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

اور بچائیگا اللہ اُن کو جو ڈرتے رہے اُنکے بچاؤ کی جگہ

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

نہ لگے اُن کو برائی اور نہ وہ غمگین ہوں ☆

متقین کا انعام

☆ یعنی اللہ تعالیٰ متقین کو ان کے ازلی فوز و سعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ

اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

چیز کا ذمہ لیتا ہے اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے ☆

تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں

☆ یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد اسکی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانہ نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ خَالِقُ یعنی غیر شر ایمان کفر سب کا وہی خالق ہے۔

وَكِيْلٌ یعنی تمام چیزیں اسی کی سپردگی میں ہیں اور وہی سب کا نگراں اور محافظ ہے۔

مقالید کی تفسیر کلبی نے کہا (مقالید السموت سے) مراد ہیں بارش کے خزانے اور (مقالید الارض سے مراد ہیں) سبزے کے خزانے حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقالید کی تفسیر پوچھی۔ حضورؐ نے فرمایا اس کی تفسیر ہے۔ لا الٰہ الا ھو واللہ اکبر و سبحان اللہ وبحمدہ واستغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ھو الاول والاخر والظاھر والباطن بیدہ الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عثمانؓ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب منقول ہے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جو شخص صبح شام یہ دعاء دس مرتبہ پڑھے گا اللہ اس کو چھ باتیں عطا فرمائے گا۔

(۱) ابلیس اور اس کے لشکر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

(۲) جنت کے اندر اس کو قنطار (ڈھیر ثواب) عنایت فرمائے گا۔

(۳) فراخ چشم حوروں کو اس کی زوجیت میں دے دیگا۔

(۴) اس کے گناہ بخش دے گا۔

(۵) وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

(۶) مرنے کے وقت بارہ فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور اس کو حق کی بشارت دیں گے اور قبر سے موقف حساب تک اس کو عزت کے ساتھ لے جائیں گے قیامت کے دن اگر اس کو کچھ خوف ہوگا تو فرشتے کہیں گے تو کسی چیز کا اندیشہ نہ کر تو بلاشبہ با امن رہے گا پھر اللہ اس سے حساب آسانی کے ساتھ لے لیگا پھر اس کو جنت میں لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا فرشتے موقف حساب سے جنت تک اس کو اس طرح عزت سے لے جائیں گے جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے آخر اس کو بحکم خدا جنت میں داخل کر دیں گے باقی سارے لوگ شدت میں مبتلا ہوں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جن صفات خداوندی کا مذکورہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ صفات مقالید (کنجیاں) ہیں یعنی جو ذات ان صفات سے موصوف ہے وہی آسمان و زمین کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ اس کے قبضہ میں سب کی حکومت ہے اور وہی ان خزانوں میں تصرف کر سکتا ہے۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اللہ کی ان صفات کا ذکر کرتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے دنیا میں یا آخرت میں ان خزانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ آیات اللہ سے مراد ہیں کلمات تمجید و توحید یا قرآن مجید یا اللہ کی قدرت مستقلہ کے نشانات و علامات۔

کافروں کے لئے خسارہ ہی ہے خسارہ کو کافروں میں ہی محصور کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کافروں کے علاوہ دوسروں کو رحمت و ثواب کا کچھ حصہ ضرور ملے گا دنیوی آسائش و نعمت سے وہ محروم بھی ہوں تب بھی آخرت میں دنیوی نعمتوں کا عوض ان کو ضرور حاصل ہوگا اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے ان کا ذکر سنا ہوگا (اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا) رہے کافر تو دنیا میں ان کو رزق اور رحمت کے خزانوں میں سے جب حصہ مل جاتا ہے تو شکر کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رحمت کا کوئی حصہ آخرت میں ان کو نصیب نہ ہوگا اور دنیا میں یہ خوش نصیبیاں آخرت میں ان کے لئے وبال بن جائیں گی۔

اہل ایمان کی فلاح

اسلوب ادا کا تغیر اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اہل ایمان کی فلاح اللہ کے فضل پر موقوف ہے اور کافروں کی ناکامی ان کے کفر سے وابستہ ہے اس میں وعدہ ثواب کی صراحت کر دی گئی ہے اور وعید عذاب کو اور پردہ بیان کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مطلب فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں۔ مغرب تک کے اس کو اقلید بنایا گیا پھر اس کی جمع مقالید لائی گئی (روح) کنجیوں کا کسی کے ہاتھ ہونا اس کے مالک و متصرف ہونے کی علامت ہے اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو خزانے نعمتوں کے مستور ہیں ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہیں وہی ان کا محافظ ہے اور وہی متصرف ہے کہ جب چاہے جس کو چاہے جس قدر چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔

تیسرے کلمے کی فضیلت اور بعض روایات حدیث میں کلمہ سوم یعنی سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کو مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمہ پڑھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرماتا ہے ان روایات کو ابن جوزی نے موضوع کہہ دیا ہے مگر دوسرے محدثین نے احادیث ضعیفہ قرار دیا ہے جن کا فضائل اعمال میں اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا

تو کہہ اب اللہ کے سوائے کسی کو بتلانے ہو کہ پوجوں اے

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

نادانو

انتہائی حماقت ☆ یعنی انتہائی نادانی وحماقت و جہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے معاذ اللہ یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آجائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلایا تھا اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مشرکین نے آپ سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے اس پر آیت قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ سے مِنَ الْخٰسِرِيْنَ تک نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ

اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

اگلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

جائیگے تیرے عمل اور تو ہو گا نوٹے میں پڑا

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہو حق ماننے والوں میں ☆

فقط اللہ کی عبادت کرو

☆ یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اسکے کوئی نہیں ہوسکتا اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) مشرک کے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اسکا شکر گزار و وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت وجلال کو سمجھے، عاجز وحقیر مخلوق کو اسکا شریک نہ ٹھہرائے، اس کو اسی طرح بزرگ و برتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک سے اعمال غارت ہو جاتے ہیں

اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گذرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیج دی گئی ہے کہ (اے عام مخاطب) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا' یہ کلام بھی برفرض ہے اس سے مراد ہے کافروں کو نا امید کرنا اور امت کو درپردہ متنبہ کرنا۔

مرتد ہونا نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے

اسی آیت کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے تمام گذشتہ نیکیوں کا ثواب ساقط کر دیا جاتا ہے جس طرح اسلام تمام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اسی طرح ارتداد ساری گذشتہ نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہوتے کے بعد مسلمان ہو گیا اور ایسے وقت مسلمان ہوا کہ نماز کا وقت باقی ہے تو ارتداد سے پہلے اگرچہ بحالت اسلام وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو پھر بھی دوبارہ اس کو اس وقت کی نماز پڑھنی لازم ہے (سابق نماز کالعدم ہو گئی) اسی طرح اگر پہلے حج فرض کر چکا ہے پھر مرتد ہو گیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہو گیا تو اس کو دوبارہ حج فرض کرنا ہوگا۔ کذا قال والامام ابن الہمام۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ

اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے ☆

مشرکین نے اللہ کی قدر نہیں کی

☆ یعنی مشرکین نے اس کی عظمت و جلال اور بزرگی و برتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا، اسکی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز محتاج مخلوق حتی کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اسکا شریک تجویز کر سکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ آگے اسکی بعض شئون عظمت وجلال کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان لوگوں نے عظمت الٰہی کو ویسا نہیں جانا جیسا عظمت کا حق تھا (جیسی عظمت ہونی چاہئے تھی) کہ دوسروں کو اس کا شریک قرار دیا اور ان صفات کا حامل اس کو جو اس کی شان کے لئے نازیبا ہیں نہ اس کی اس طرح عبادت کی جس طرح کرنی چاہئے تھی اور نہ اس کی نعمتوں کا ویسا شکر کیا جیسا کرنا لازم تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ جی کر اٹھنے کا انکار کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اسکی دن قیامت کے

وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ

اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اسکے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں ☆

عظمت شانِ الٰہی ☆ یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ اسکی عبادت میں بے جان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اسکی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے (تنبیہ) مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ کے متعلق سورہ انبیاء کی آیت یوم نطوی السماء الخ کا حاشیہ دیکھنا چاہئے اور یمین وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے بعض احادیث میں ہے وکلنا بیدیہ یمین اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اس سے تجسم تحیز جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی مراد یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے مقصود ہے اللہ کی عظمت عالیہ اور قدرت کاملہ پر تنبیہ کرنا اور یہ بتانا کہ وہ عظیم الشان کام جہاں انسانی فہم حیرت میں پڑ جاتی ہے اللہ کے لئے آسان ہیں اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس سارے جہان کی توڑ پھوڑ اس کے لئے دشوار نہیں۔

آیت کا شان نزول آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ یہودی نے جب آسمانوں کے اور زمینوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سلسلہ میں ایک بات کہی تھی تو یقیناً وہ توریت ہی سے نقل کی تھی اس آیت میں اس کی تصدیق کر دی گئی اللہ کی کتابیں باہم تصدیق ہی کرتی ہیں ایک دوسری کی تکذیب نہیں کرتیں۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت حدیث مذکور میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمدؐ قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور ثری (نمناک مٹی جو زمین کی تہ میں ہے) کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر پھر ان کو حرکت دے گا اور فرمائے گا میں ہوں بادشاہ میں ہوں اللہ اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کے لئے حضورؐ مسکرا دیئے پھر آپ نے پڑھا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر فرمائے گا (آج) میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑ کر فرمائے گا کہاں ہیں زبردست طاقتور والے کہاں ہیں غرور کرنے والے پھر زمینوں کو لپیٹ کر دوسرے بائیں ہاتھ (دوسری روایت میں بائیں کی جگہ دوسرے کا لفظ آیا ہے) میں لے کر فرمائے گا میں ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں زبردست طاقت والے کہاں ہیں غرور کرنے والے۔ ابو الشیخ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ کر فرمائے گا میں ہوں اللہ میں ہوں رحمان میں ہوں بادشاہ میں (تمام عیوب سے) پاک ہوں میں امن دینے والا ہوں میں نگران ہوں میں غالب ہوں میں بہت بڑی طاقت والا ہوں میں بڑائی والا ہوں میں نے ہی دنیا کو ابتدا میں پیدا کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھی اور میں ہی اس کا اعادہ کر رہا ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں (اور) بڑی طاقتوں والے کہاں ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا قبض طی اور اخذ تینوں کا معنی اکٹھا کرنا (اس وقت) آسمان پھیلے ہوئے ہیں زمین بھی بچھی ہوئی ہے۔ پھر ان الفاظ کا معنی ہو گیا۔ اٹھانا ہٹانا بدل ڈالنا۔ قرطبی نے کہا طے سے مراد ہے فنا کر دینا ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا کہ یہودیوں نے (پہلے مخلوق کی) گنتی کی اور آسمان و زمین و ملائکہ کی تخلیق پر غور کیا جب اس سے فراغت ہو گئی تو اللہ کا اندازہ کرنے لگے اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رب کی صفات میں کلام کیا اور صفات کے متعلق ایسی باتیں کہیں جن کا نہ ان کو علم تھا نہ انہوں نے اللہ کی ان صفات کو دیکھا تھا اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بروایت ربیع بن انس بیان کیا ہے کہ جب آیت وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ کرسی ایسی (وسیع) ہے تو عرش کی کیا کیفیت ہوگی اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

سبحانہ وتعالیٰ یعنی جس ذات کی ایسی (ہمہ گیر) قدرت ہے وہ ان مشرکوں کی شرک آفرینیوں سے بہت دور اور بالا ہے یا یہ مطلب ہے کہ شرک کی جو نسبت اسکی طرف کی جاتی ہے اس سے وہ پاک اور برتر ہے۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کیفیت کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپؐ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں میں متکبر ہوں میں مالک ہوں میں باعزت ہوں میں کریم ہوں۔ آپؐ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں مسرت آپ سمیت گر نہ پڑیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کی پوری کیفیت دکھا دی کہ کس طرح حضورؐ نے اسے حکایت کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے گا کبھی بند کرے گا اور آپ اس وقت ہل رہے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ کہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ آئے گئے واللہ اعلم۔

سورۃ کی آخری آیات کی فضیلت معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایک جماعت سے فرمایا میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا جسے ان سے رونا آ گیا وہ جنتی ہو گیا۔ اب آپ نے اس آیت سے لے کر ختم سورۃ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ہر چند رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں پھر پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے۔

تین چیزیں ایک اس سے بڑھ کر غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے تین چیزیں اپنے بندوں سے چھپائی ہیں اگر وہ انہیں دیکھ لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدی نہ کرتا۔ (۱) اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ کر خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے کیا کچھ کرتا ہوں جب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر کہوں میں بادشاہ ہوں میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ (۲) پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں سب ان کے سامنے کر دوں اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ (۳) اور میں انہیں جہنم دکھا دوں اور اس کے عذابوں کا معائنہ کرا دوں یہاں تک کہ انہیں یقین آ جائے لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے گا جو کوئی ہے
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
آسمانوں میں اور زمین میں مگر

شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا
جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار، تو فوراً
هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝
وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے ۝

صور اسرافیل حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ایک بار نفخ صور ہے عالم کے فنا کا دوسرا ہے زندہ ہونے کا یہ تیسرا بعد حشر کے ہوگا بے ہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا اس کے بعد اللہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی۔" تفسیر یسیر۔ لیکن علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندے تو مردہ ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ بعدہ دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے (تنبیہ) اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے بعض نے جبریل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت مراد لئے ہیں بعض نے انکے ساتھ حملۃ العرش کو بھی شامل کیا ہے بعض کے نزدیک انبیاء وشہداء مراد ہیں واللہ اعلم۔ بہر حال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اور قیامت کے دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو فوراً تمام آسمان والوں اور زمین والوں کے ہوش اڑ جائیں گے مگر جس کو خدا چاہے گا (وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعۃً سب کے سب (قبروں سے نکل کر) کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔

ونفخ۔ یعنی پہلی بار صور میں پھونک ماری جائے گی۔

فصعق۔ تو آسمان اور زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ بیہوشی کی حالت سے کون مستثنیٰ ہوگا اس کی تفصیل ہم نے سورۂ نحل کی آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ کی تفسیر میں کر دی ہے۔ حسن نے کہا من شاء اللہ سے تنہا ذات الٰہی مراد ہے۔

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ تو یکدم لوگ قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے اور حیرانی کے ساتھ ہر طرف نظریں گھما کر دیکھیں گے یا۔ ینظرون کا یہ

مطلب ہے کہ وہ انتظار کریں گے کہ آئندہ ہمارے متعلق کیا حکم صادر ہوگا اور ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

علامات قیامت مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امر مرد دیکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میری امت میں دجال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو بھیجے گا۔ وہ بالکل صورت شکل میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ جیسے ہوں گے اللہ آپ کو غالب کرے گا اور دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اس طرح ملے جلے رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخصوں کے درمیان بھی آپس میں رنجش و عداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف سے ایک ہلکی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے تمام ایمان والوں کی روح قبض کر لی جائے گی یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ یہ خواہ کہیں بھی ہوں یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑ کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ ان پر شیطان ظاہر ہوگا اور کہے گا شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے چنانچہ وہ اس کے بہکانے میں آ کر بت پرستی شروع کر دیں گے اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں اور ان کی معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا۔

قیام قیامت پھر صور پھونک دیا جائے گا جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی وہ ادھر گرے گا ادھر کھڑا ہوگا پھر گرے گا۔ سب سے پہلے کی آواز جس کے کان میں پڑے گی یہ وہ شخص ہوگا جو اپنا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا فوراً بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر تو ہر شخص بے ہوش اور خود فراموش ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اگ نکلیں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھیرا لو ان سے سوالات کئے جائیں گے۔ پھر فرمایا جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکال لو۔ پوچھا جائے گا کس قدر؟ جواب ملے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے۔ یہ دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور یہی دن ہوگا جس میں پنڈلی کھولی جائے گا (صحیح مسلم) صحیح بخاری میں ہے دونوں صحوں کے درمیان چالیس ہوں گے راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا میں جواب دینے سے انکاری ہوں۔ پوچھا گیا کیا چالیس سال؟ فرمایا نہ میں اس کا جواب دوں گا۔ کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں انسان کی سب چیز سڑ گل جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی اس سے مخلوق کو ترتیب دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں
الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝
اور فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا ☆

جلوہ افروزی

☆ یعنی اس کے بعد حق تعالیٰ حساب کے لئے اپنی شان کے مناسب اجلال فرمائیں گے کما ورد فی بعض روایات الدر المنثور اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور کے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی، حساب کا دفتر کھلے گا۔ سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ سنایا جائے گا کسی پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہوگی (تنبیہ) شہداء سے مراد علاوہ انبیاء علیہم السلام کے فرشتے امت محمدیہ کے لوگ اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہو سکتے ہیں اور حضرت شاہ صاحب نے ہر امت کے نیک آدمی مراد لئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کا نور: اپنے خالق کے نور سے۔ بغوی نے لکھا ہے جب اللہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ فرما ہوگا تو جس طرح کھلے ہوئے آسمان پر چمکتے سورج کو دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح نور رب کو دیکھنے میں لوگوں کو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

حسن بصری اور سدی نے کہا نور رب سے مراد ہے عدل و انصاف عدل سے آبادیوں کی زینت اور اظہار حقوق ہوتا ہے (اور نور سے بھی مقامات کا حسن اور انکشاف اشیاء ہوتا ہے) جیسے ظلم کو تاریکی کہا جاتا ہے اسی طرح عدل کو نور قرار دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ظلم (تہ بر تہ بہت سی تاریکیاں ہو جائے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابن عمر۔)

اعمال نامے بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا یعنی قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے لوگوں کو ایک میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں ان کو پہنچا دے گی۔ اعمالناموں میں سب سے پہلی تحریر یہ ہوگی اِقْرَأْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اپنا اعمالنامہ پڑھ لے تو ہی آج اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ابونعیم نے حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایت سے اور دیلمی نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مومن کے اعمال نامہ کا عنوان ہوگا حسن ثناء الناس۔

پیغمبروں کی شہادت وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ سیوطی کا قول ہے کہ علماء نے کہا کہ حساب انبیاء کی موجودگی میں ہوگا (یعنی انبیاء کے سامنے حساب فہمی ہو گی) ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت کو نہ لایا جاتا ہو آپ ان کی صورتوں کو اور ان کے اعمال کو پہچان لیتے ہیں اسی لئے قیامت کے دن ان کے متعلق شہادت دیں گے۔

امت محمدیہ کی گواہی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت والے پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیں گے کہ انہوں نے (اپنی امتوں کو) احکام خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ علماء نے الشہداء کہا سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے' اسی پر دلالت کرتی ہے بِجَاْیٓءَ بِكُلِّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَاۗىِٕقٌ وَّشَهِيْدٌ ۔ (تفسیر عثمانی)

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ
اور پورا ملے ہر جی کو جو اس نے کیا ☆

عمل کے مطابق بدلہ ملے گا

☆ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جسکا جتنا اچھا یا برا عمل ہے، سب خدا کے علم میں ہے، اسی کے موافق بدلہ ملے گا جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝
اور اس کو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

☆ یعنی گواہ آتے ہیں ان کے الزام کو ورنہ اللہ سے کیا چیز پوشیدہ ہے (کذا فی الموضح) (تفسیر عثمانی)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا
اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ ☆

کافروں کی ذلت

☆ یعنی تمام کافروں کو دھکے دے کر نہایت ذلت وخواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا اور چونکہ کفر کے اقسام ومراتب بہت ہیں، ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

زُمَرًا یعنی متعدد ومتفرق ٹولیاں۔ ایک کے پیچھے دوسری۔ گمراہ ہونے کے درجات کے لحاظ سے جماعت بندی اور ترتیب ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں اسکے دروازے ☆

☆ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھلوا کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ قال تعالیٰ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (ہمزہ) (تفسیر عثمانی)

جنت کے دروازے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں اپنے مال کا جوڑا دیگا (یعنی ایک قسم کی دو چیزیں) اس کو جنت کے دروازوں سے (اندر آنے کے لئے) پکارا جائے گا اور جنت کے (متعدد) دروازے ہیں جو اہل صلوٰۃ میں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو اہل صوم میں سے ہوگا اس کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اس کو باب المجاہد میں سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے فرمایا ہاں مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو گے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ
اور کہیں گے ان کو داروغے ☆

☆ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے

☆ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا آسان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ

پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم کو

لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ

اس تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت ہوا

كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

حکم عذاب کا منکروں پر ۲۲

اقرار بد بختی ☆ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے ضرور آئے ہم کو اللہ کی باتیں سنائیں اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا لیکن ہماری بدبختی اور نالائقی کہ ہم نے ان کا کہنا نہ مانا آخر حد کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم کافروں پر ثابت ہو کر رہا۔ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۔ (تفسیر عثمانی)

قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

حکم ہووے کہ داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے سدا رہو گے اس میں

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

سو برا ٹھکانہ ہے رہنے والوں کا ۲۲

تکبر کا نتیجہ ☆ یعنی تم نے شیخی اور غرور میں آ کر اللہ کی بات نہ مانی اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اسکا مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو ڈانٹ دوزخ کے کارندے ڈانٹ کر کہیں گے کہ جب تمہارے پاس پیغمبر بھی پہنچ گئے اور اللہ کا کلام انہوں نے تم کو پڑھ کر سنا بھی دیا تھا اور تمام حجتیں پوری ہو گئی تھیں تو پھر تم کیوں ایمان نہیں لائے اور یوں شرک سے مارتہ آئے بات یہ ہے کہ احکام خداوندی کو جاننے کے لئے اگرچہ تنہا عقل کافی نہیں ہے لیکن اللہ کے ایک ہونے پر دلالت کرنے والے براہین فطرت تو موجود ہیں اور ان دلائل فطرت کی روشنی میں عقل توحید خداوندی کو جاننے کے لئے کافی ہے پھر اس کے ساتھ جب اللہ نے پیغمبروں بھی بھیج دیا اور کتابیں بھی نازل کر دیں اور طریق حق بالکل واضح ہو چکا اب کسی طرح شرک، کفر کی معذرت کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی۔

جنتی اور جہنمی آدمی حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث بیان فرماتے ہوئے اس میں فرمایا کہ اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے اہل جنت کے کام کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے دوزخیوں کے عمل کراتا ہے یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والترمذی۔ (تفسیر عثمانی)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ

اور ہانکے جائیں وہ لوگ جو ڈرتے رہے تھے اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ گروہ ۲۲

☆ یعنی ایمان و تقویٰ کے مدارج چھ مختلف ہوں گے۔ ہر درجہ کے موحدین متقیین کی جماعت الگ ہوگی اور ان سب جماعتوں کو نہایت شوق، اعلیٰ علیین کی جنت کی طرف روانہ کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا یعنی جنت کی طرف متقیوں کو تیزی کے ساتھ چلایا جائے گا تاکہ مقام عزت تک ان کو جلد پہنچا دیا جائے بعض علماء نے کہا اہل جنت کی سواریوں کو جنت کی طرف جلد ہانکا جائے گا کیونکہ جنت میں ان کا داخلہ سوار ہونے کی حالت میں ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

روزہ داروں کا دروازہ بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں ہے جنت میں آٹھ دروازے ہیں جس میں سے ایک کا نام باب الریان ہے اس میں سے صرف روزے دار ہی داخل ہوں گے۔

اچھی طرح وضو کرنے والے صحیح مسلم میں ہے تم میں سے جو شخص کامل مکمل سنت اچھی طرح سے وضو کرے پھر اسھدان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے چلا جائے۔ اور حدیث میں ہے جنت کی کنجی لا الہ الا اللہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان صحیح مسلم کی حدیث میں ہے میں پہلا شخص ہوں جنت میں۔ اور روایت میں ہے میں وہ پہلا شخص ہوں جو جنت کا دروازہ کھلوایا جائے گا۔ مسند احمد میں ہے میں قیامت کے دن جنت کا دروازہ کھلوایا جاؤں گا تو وہاں کا داروغہ مجھ سے پوچھے گا آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔

جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت

مسند احمد میں ہے پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہوں گے۔ پھر جنت پیشاب پاخانہ والی نہ ہوگی نہ اس کے برتن اور سامان آرائش سونے چاندی کا ہوگا۔ ان کی انگیٹھیوں میں عود ہندی سلگتا ہوگا ان کا پسینہ مشک ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی جن کی پنڈلی کا گودا چھن کر باہر سے نظر آئے گا۔ نہایت حسن و جمال کی وجہ سے

کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ کسی دو میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا۔ سب کے دل مل جل رہے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل صبح شام اللہ کی تسبیح میں گزرے گی۔

۱۰ واقعہ میں صحیحین میں ہے کہ جنت کے ذرے جیسے لولو کے ہیں اور اس کی مٹی مشک خالص ہے۔ ان صاحب سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو اس نے کہا سفید میدے جیسی مشک خالص۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے۔ (مسلم)

جنتیوں کا استقبال حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمک رہے ہوں گے یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک انسان کی نگاہ جا سکتی ہے۔ یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی یہ پئیں گے جس سے ان کے پیٹ کی تمام فضولیات اور میل کچیل دھل جائے گا۔ دوسری نہر سے یہ غسل کریں گے پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔

جنت کی حوریں اب یہ جنت کے دروازوں پر آئیں گے دیکھیں گے کہ ایک کنڈا سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر آویزاں ہے یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب سریلی اور موسیقی صدا پیدا ہوگی اسے سنتے ہی ہر حور جان لے گی کہ اس کے خاوند آگئے یہ داروغہ کو حکم کرے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغہ کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا اپنا سر اٹھا میں تو تیرا ماتحت ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا جب یہ اس دروازہ یاقوت کے جیسے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور سے وہ یہ تابانہ دوڑ کر جیسے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی تم میرے محبوب ہو اور میں تمہاری چاہنے والی ہوں میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں تنگدستی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی کبھی ناراض نہیں ہوتے کی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں کبھی ادھر ادھر ہونگی نہیں پھر یہ گھر میں جائے گا جس کی چھت فرش سے ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی۔ اس کی کل دیواریں قسم قسم کے اور رنگ برنگ کے موتیوں کی ہوں گی اس گھر میں ستر تخت سونے کے اور ہر تخت پر ستر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی اور ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب غلوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آ جائے گا۔ ان کے ایک جماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا۔

باغ و بہار ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے۔ اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ خود دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہوگا۔ اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ ہر قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت اس کے چوطرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہوگا۔ یہ کھڑے کھڑے پھل لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں اگر یہ بیٹھے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یونہی لیں۔ یا یہ لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں تو شاخیں اور جھک آئیں گی۔ پھر آپ نے آیت و دانیۃ علیھم ظلھا الخ پڑھی یعنی ان قریب درختوں کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے میوے بہت قریب کر دیئے جائیں گے یہ کھانا کھانے کی خواہش کریں گے تو طشت رنگ یا ستر رنگ پرندان کے پاس آ کر اپنا پر اوچھا کر دیں گے۔ یہ جس قسم کا پرند کھانے کی پہلے خواہش کریں گے وہی بھنا بھنایا تیار ہو جائے گا۔ فرشتے ان کے پاس آئیں گے۔ سلام کریں گے اور کہیں گے کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنے چمک سے اور اپنی خوشبو سے تمام زمین کو روشن کر دے اور خوشبو سے بھر دے۔ اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے۔ آمین۔ (خصائص کبریٰ)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر اور کھولے جائیں اسکے دروازے
وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اسکے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو،
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝
سو داخل ہو جاؤ اسمیں سدا رہنے کو ۝

جنتیوں کا اعزاز یعنی جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے مہمان خانے کا دروازہ کھلا رکھا جاتا ہے حتی وہاں پہنچتے۔ جنت کے دروازے کھلے پائیں گے۔ کما قال فی موضع آخر مفتحۃ لھم الابواب (ص۔ رکوع ۳) اور رضوان کے فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و شادی وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔ (تفسیر ابن)

اہل جنت کی پاکیزگی طبنم یعنی گناہوں کے میل کچیل سے پاک

صاف ہو۔ یہ پاکیزگی یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کبھی لولی (قابل مواخذہ) گناہ کیا ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے بغیر عذاب دیئے ان کے گناہ معاف کر دیئے ہوں گے یا سزا دے کر ان کو پاک کر دیا ہوگا۔ قتادہ نے کہا جب اہل جنت دوزخ کے مسافت طے کر کے گذر جائیں گے تو جنت سے پہلے ان کو ایک پل پر روک لیا جائے گا تاکہ وہ آپس کے حقوق کا بدلہ باہم چکا سکیں جب ایک دوسرے سے اپنے حق کا بدلہ لے چکے گا اور سب صاف ستھرے اور پاک ہو جائیں گے تو رضوان اور اس کے ساتھی (بطور استقبال) کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا جب ان (اہل جنت) کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کے نیچے سے دو چشمے رواں ہوں گے ایک چشمہ میں مومن نہائے گا تو بیرونی جسم کی طہارت ہو جائے گی اور دوسرے چشمہ کا پانی پئے گا تو اندرونی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ فرشتے جنت کے دروازے پر اس کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ زجاج نے کہا طبتم کا یہ مطلب ہے کہ تم دنیا میں شرک اور معاصی کی گندیوں سے پاک تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا (یہ) مقام پاک ہے۔

فَادْخُلُوْهَا اس جملہ میں ف سببی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا پاک ہونا ہی جنت میں داخل ہونے اور وہاں ہمیشہ رہنے کا سبب ہوگا اس کی توجیہات وہی ہوں گی جو کفر کے سبب کافروں کی دوزخ میں داخل ہونے کی کی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر ہی توجیہ ہوگی کہ جنت چونکہ پاک مقام ہے اس لئے اہل جنت کی قیام گاہ ہونے کی اس میں صلاحیت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

اور وہ بولیں شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ ☆

☆ یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کئے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ (تفسیر عثمانی)

وقالوا الحمد للہ یعنی کارگذاران جنت جب مومنوں سے کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کے اندر وہ نعمتیں پائیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا ہوگا اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے الخ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا ☆

☆ یعنی جنت کی زمین کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ یعنی زمین جنت کا ہم کو مالک بنا دیا وارث بنانے سے مراد ہے مالک بنا دینا۔ (تفسیر مظہری)

تَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ

گھر لے لیویں بہشت میں سے جہاں چاہیں ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کو حکم ہے کہ جہاں چاہیں رہیں لیکن ہر کوئی وہی جگہ چاہے گا جو اسکے واسطے پہلے سے رکھی ہے۔" اور بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ جنت میں سیر و ملاقات کے لئے کہیں آنے جانے کی روک ٹوک نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں اہل جنت کی آپس میں ملاقات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

تَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کے لئے اپنے اپنے مکانات محلات اور باغات تو ہوں گے ہی ان کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ دوسرے اہل جنت کے پاس ملاقات و تفریح کے لئے جایا کریں۔ طبرانی۔ ابونعیم اور ضیاء نے سند حسن کے ساتھ حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ اپنے گھر بھی جاتا ہوں تو آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں اور جب تک پھر حاضر خدمت نہ ہو جاؤں مجھے صبر نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی موت کو یاد کرتا ہوں اور آپ کی وفات کو یاد کرتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کے مقامات عالیہ میں ہوں گے اور میں اگرچہ جنت میں پہنچ بھی گیا تو کسی نیچے کے درجے میں ہوگا مجھے فکر یہ ہے کہ میں آپ کو کیسے دیکھوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ اس آیت میں بتلا دیا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہو کہ مسلمان انبیاء و صدیقین وغیرہ کے ساتھ ہی ہوں گے۔ اور آیت مذکورہ میں اسکی تشریح ہوگی کہ ان کو مقامات عالیہ میں بھی جانے کی اجازت ہوگی۔ الحمد للہ تعالیٰ یہم بمنہ وکرمہ۔ (معارف مفتی اعظم)

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ

سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا اور تو دیکھے فرشتوں کو

حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
گھیرے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں
رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ
اور فیصلہ ہوتا ہے اُن میں انصاف کا اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا

عدالت الٰہی کا منظر

☆یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لیے نزول اجلال فرمائیں گے۔ اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کروایا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا نعرہ بلند ہوگا یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا اور فصی بینھم کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ فرشتوں میں فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملأ اعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے (کما یشیر الیہ اختصام الملأ الاعلیٰ وتفصیلہ فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک بات جاری کرتا ہے وہ ہی ہوتی ہے۔ حکمت کے موافق یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر بعون اللہ وتوفیقہ۔ وللہ الحمد (تفسیر عثمانی)

تخلیق کائنات اور انتہائے امور میں ربط

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی۔ جیسے کہ فرمان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ الزمر ختم ہوئی

المومن۔ جس نے خواب میں اس سورہ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والا ایمان دار اور مخلص ہوگا (علامہ ابن سیرین)

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ
سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچاس آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
شروع اللہ کے نام سے جو ہے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ
اُتارنا کتاب کا اللہ سے ہے
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۙ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ
جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول
التَّوْبِ
کرنیوالا ہے ☆

توبہ ☆یعنی توبہ قبول کر کے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دے کر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ مومن یہی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہی قول عطاء جابر اور عکرمہ کا ہے۔ قتادہ کا قول ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰہِ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

سورۂ غافر کی فضیلت

بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل حم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر سورۂ حم اپنے تلاوت کرنے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

ربط: اس سے قبل سورہ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور انتہا اس مضمون کی تھی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرنا حق تعالیٰ کی شان عزت وکبریائی اور علم وحکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اہل وعیال کی غرض سے (ریگستان بیابان میں) آب وگیاہ کی تلاش میں نکلا ہو تلاش کرتے کرتے اس کو کسی جگہ بارش کے نشانات مل گئے وہ برابر چلتا رہا اور تعجب کرتا رہا (کہ یہاں بارش کی علامات کیسی ہیں) اچانک ایک نرم زمین میں اسکو کچھ باغات دکھائی دئے اور وہ نشیب میں اتر کر باغات میں پہنچ گیا اور کہنے لگا مجھے تو بارش کے نشانات دیکھ کر ہی تعجب ہوا تھا ان باغوں کا وجود تو بہت تعجب آفریں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بارش کی مثال تو قرآن مجید ہے اور قرآن میں جو حٰمٓ ہیں وہ شاداب زمین کے باغوں کی طرح ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جب میں حٰمٓ (پڑھنے) میں مشغول ہوتا ہوں تو (گویا) باغوں میں تفریح کرتا ہوں۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حٰمٓ والی سورتیں ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ابراہیم نے کہا ہر حٰمٓ دلہنوں کی چنبیلی (کی طرح) ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول (موقوفاً) نقل کیا ہے کہ حٰمٓ والی سورتیں قرآن کی زینت ہیں۔

حٰمٓ کیا ہے حٰمٓ بغوی نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حٰمٓ اللہ کا اسم اعظم ہے عکرمہؒ سے منقول ہے کہ الرحمن (مرکب ہے اس) کے حروف مقطعہ الرحمن ہیں۔ سعید بن جبیر اور عطاء خراسانی نے کہا حٰمٓ (سے اللہ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے اس) کی ح آغاز ہے اللہ کے اسماء حکیم حمید حی اور حیان کا اور م آغاز ہے ملک مجید منان کا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہے اس کے گناہ بخشنے والا ہے اور جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے یا یوں کہو کہ اللہ کی ان دو صفتوں کا ظہور الگ مواقع پر ہوتا ہے۔ مومن جس نے توبہ نہ کی وہ (اور بغیر توبہ کے مرجائے) اللہ اس کے لئے غافر الذنب ہے یعنی اس کے گناہ پر (قیامت کے دن) پردہ ڈال دینے والا اس کے گناہ کا (مخلوق کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے والا ہے۔ غفر کا لغوی معنی ہے پردہ ڈالنا چھپا دینا۔ اور جس نے توبہ کرلی ہو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور حکیم نے حضرت ابی کی روایت سے اور ابن ابی کی روایت سے اور ابن البخاری نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن عساکر و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حدیث بیان کی اس تفسیر پر توبہ نہ کرنے والے (مومن) کی مغفرت کا جواز آیت سے ثابت ہو جائے گا۔ شَدِيدِ الْعِقَابِ یعنی جو لا الہ الا اللہ کا قائل نہ ہو اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان آیات کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح

یزید بن عاصم کی روایت ہے کہ ایک شامی شخص بڑا بہادر تھا حضرت عمرؓ اس کو اس کی بہادری کی وجہ سے کچھ گنتے تھے (یعنی پاس لحاظ کرتے تھے) کچھ مدت کے بعد وہ غائب ہو گیا حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق استفسار کیا آپ کو بتایا گیا کہ وہ اس مدت میں مسلسل شراب خوری میں منہمک رہا۔ حضرت عمرؓ نے کاتب کو طلب فرمایا اور حکم دیا لکھو۔ عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں شخص کے نام۔ میں تمہارے سامنے حمد کرتا ہوں اللہ کی جس کے سوا کوئی اور قابل عبادت نہیں۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا بڑی قدرت ونعمت والا۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر آپ نے دعا کی اور حاضرین کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ وہ دل سے توبہ کرے اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ جب یہ خط اس کو پہنچا تو وہ خط پڑھنے لگا۔ غافر الذنب۔ اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ وہ میرا قصور معاف فرمادے گا وَقَابِلِ التَّوْبِ (اللہ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا) شَدِيدِ الْعِقَابِ اللہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ذِي الطَّوْلِ اور طول خیر کثیر کو کہتے ہیں إِلَيْهِ الْمَصِيرُ وہ شخص بار بار یہ آیت پڑھتا تھا اور مذکور والفاظ کہتا تھا اور روتا تھا آخر اس نے گناہ سے توبہ کرلی اور اچھی توبہ کی (پھر وہ گناہ نہیں کیا) حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب دیکھو کہ تمہارے بھائی کے قدم راہ راست سے پھسلنے لگے ہیں تو اس کو سیدھا کردو اور اس کو نرمی سے سمجھاؤ اور اللہ سے دعا کرو کہ اس شخص کو توبہ کی توفیق عطا فرمادے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ۔ قتادہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک جوان بڑا عبادت گذار تھا حضرت عمرؓ کو بھی اس سے محبت تھی اتفاقاً وہ مصر چلا گیا وہاں جا کر بگڑ گیا (اور ہر طرح کی بدی میں پڑ گیا) کسی بدی سے اس کو گریز نہیں رہا۔ حضرت عمرؓ کے پاس اس کا کوئی گھر والا آیا تو آپ نے اس سے جوان کے متعلق دریافت کیا اس شخص نے جواب دیا مجھ سے اس کا حال نہ پوچھئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں اس شخص نے کہا وہ نوجوان تو بگڑ گیا اور اوباش ہو گیا حضرت عمرؓ نے اس کو ایک تحریر بھیجی عمرؓ کی طرف سے فلاں شخص کے نام حٰمٓ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ۔ آخر تک۔ اس جوان نے تحریر پڑھی اور بار بار پڑھتا

رہا۔ آخر کار اللہ سے توبہ کی اور بچ کر آ گیا۔ اسحاق حنبلی راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المومنین میں قتل کر چکا ہوں کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے آپ نے اس کے سامنے آیت حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ ۔ تلاوت فرمائی اور فرمایا عمل کرنا امید نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں تلاوت قرآن کرتے ہوئے آل حٰمٓ پر آ جاتا ہوں تو گویا ان میں میری بڑی تفریح ہوتی ہے۔

دشمن سے حفاظت ابوداؤد و ترمذی میں باسناد صحیح حضرت سہل بن ابی صفرہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی کہ جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے) فرما رہے تھے کہ اگر رات میں تم پر چھاپہ مارا جائے تو حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ پڑھ لینا جس کا حاصل لفظ حٰمٓ کے ساتھ یہ دعا کرنا ہے کہ ہمارا دشمن کامیاب نہ ہو۔ اور بعض روایات میں حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ بغیر لون کے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم حٰمٓ کہو گے تو دشمن کامیاب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰمٓ دشمن سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ (ابن کثیر)

ایک عجیب واقعہ حضرت ثابت بنانی فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ کوفے کے علاقہ میں تھا۔ میں ایک باغ کے اندر چلا گیا کہ دو رکعت پڑھ لوں۔ میں نے نماز سے پہلے حٰمٓ المؤمن کی آیتیں اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پڑھیں اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار کھڑا ہے۔ جس کے بدن پر یمنی کپڑے ہیں۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غَافِرِ الذَّنْۢبِ کہو تو اس کے ساتھ یہ دعا کرو يَا غَافِرَ الذَّنْۢبِ اغْفِرْ لِيْ یعنی اے گناہوں کے معافی کرنے والے مجھے معاف کر دے اور جب تم پڑھو قَابِلِ التَّوْبِ تو یہ دعا کرو يَا قَابِلَ التَّوْبِ اقْبَلْ تَوْبَتِيْ یعنی اے توبہ کے قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما۔ پھر جب پڑھیں شَدِيْدِ الْعِقَابِ تو یہ دعا کرو يَا شَدِيْدَ الْعِقَابِ لَا تُعَاقِبْنِيْ یعنی اے سخت عقاب والے مجھے عذاب نہ دیجئے اور جب ذِي الطَّوْلِ پڑھو تو یہ دعا کرو يَا ذَا الطَّوْلِ طَلْ عَلَيَّ بِخَيْرٍ۔ یعنی اے انعام و احسان کرنے والے مجھ پر انعام فرما۔

ثابت بنانی کہتے ہیں یہ نصیحت اس سے ملنے کے بعد جو ادھر دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا میں اسکی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے سب نے کہا کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ ثابت بنانی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس علیہ السلام تھے دوسری روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ (ابن کثیر)

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ
سخت عذاب دینے والا مقدور والا☆

☆ یعنی بے حد قدرت و سعت اور غنا والا جو بندوں پر انعام و احسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر ثنائی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ
کسی کی بندگی نہیں سوائے اُسکے اسی کی طرف پھر جانا ہے☆

☆ جہاں پہنچ کر ایک کو اپنے کئے کا مزہ ملے گا۔ (تفسیر حقانی)

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں جو
كَفَرُوْا
منکر ہیں☆

ناحق جھگڑا ☆ یعنی اللہ کی باتیں اور اسکی عظمت و قدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے مگر جس لوگوں نے یہ ہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل و براہین اور کھلی کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے وہ سچی باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔ (تفسیر ثنائی)

خطرناک بحثیں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضا فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالمه رواه البغوی۔ (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت و تردید کے حد۔ میں تعارض و تناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ (نہ کہ تردید و تکذیب) اس لئے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو۔ جو جانتے ہو وہ بیان کرو۔ اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کرو۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ نے دو شخصوں کی آواز سنی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو ان قدر ناگوار ہوئی کہ چہرۂ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہر کیف یہ جدال و خصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال و خصومت ہے جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا

مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اس شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو۔ علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔ (معارف کاندھلوی)

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ جدال آیات جس کی مذمت کی گئی ہے ان آیات سے تعلق رکھتا ہے جس میں تقدیر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے اہل کلام اہل بدعت اور رائے پرستوں کے درمیان ان آیات میں جدال کیا جاتا ہے۔ آیات احکام اور ابواب حلال و حرام میں اختلاف کی ممانعت نہیں ہے یہ اختلاف تو صحابہ میں بھی تھا اور بہت سے آنے والے علماء کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے اس کا مقصد صرف حقیقت مسئلہ کا انکشاف اور حق تک رسائی ہوتا ہے ایسے حریف پر غالب آ جانے کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ (از مفسر رحمہ اللہ)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ رواہ البغوی بیہقی نے شعب الایمان میں اور طیالسی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ابو داؤد اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝

سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں ☆

منکرین کا انجام ☆ یعنی ایسے منکرین کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے گو فی الحال وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال و استدراج ہے کہ چند روز چل پھر کر دنیا کے مزے اڑائیں یا تجارتیں اور سازشیں کر لیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں پوری طرح مخمور ہو کر پکڑے جائیں گے۔ اگلی قوموں کا حال بھی یہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّالْأَحْزَابُ

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی اور کتنے فرقے

مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ

ان سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر امت نے

بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ

اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑ لیں اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ

کہ اس سے ڈگا دیں سچے دین کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا، پھر کیسا

كَانَ عِقَابِ

ہوا میرا سزا دینا۔

حق کے منکر کبھی کامیاب نہیں ہوئے

☆ یعنی ہر ایک امت کے شریروں نے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے ڈھکوسلے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں اور حق کی آواز ابھرنے نہ دیں لیکن ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزائیں دیں پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی کہ ان کی بیخ و بنیاد باقی نہ چھوڑی۔ آج بھی ان تباہ شدہ قوموں کے کچھ آثار کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان ہی کو دیکھ کر انسان ان کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی میں فرمان رسول ہے کہ جس نے باطل کی مدد کی تاکہ حق کو کمزور کرے اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری الذمہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ

اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر

كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝

کہ یہ ہیں دوزخ والے ☆

ان منکروں پر بھی عذاب آئے گا

یعنی جس طرح اگلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری اتر چکی موجود الوقت منکروں پر بھی اتر کر سوئی سمجھو اور جس طرح پیغمبروں کے اعلان کے موافق کافروں پر دنیوی عذاب آ کر رہا تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا (تنبیہ) بعض نے "انهم اصحب النار" کو "لانهم" کے معنی میں لے کر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ گذشتہ منکروں کی طرح موجودہ منکروں پر بھی اللہ کی بات سچی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب النار میں سے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ

جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں اور اس پر یقین رکھتے ہیں

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے ☆

مومنین کا شرف

☆ پہلی آیات میں مجرمین ومنکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا یہاں ان کے مقابل مومنین تائبین کا فضل وشرف بیان کرتے ہیں۔ یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اسکے گرد طواف کرنے والے بے شمار فرشتے جن کی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین رکھتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں سبحان اللہ اس عزت افزائی اور شرف واحترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہو گئیں ملائکہ کروبین بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں اور جن کی شان میں ویفعلون مایؤمرون آیا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کے حامل فرشتے علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں۔ ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہو سکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں۔ اس روایت سے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن کریم کی آیہ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر یومئذ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اے اللہ تیری پاکی ہے حمد وثنا کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے۔ اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ یعنی تیری حمد وثنا ہے تیرے درگزر پر باوجود تیری قدرت کے۔ (معارف کاندھلوی)

من حولہ یعنی عرش کا طواف کرنے والے۔ حاملین عرش اور طوافین عرش تمام ملائکہ کے سردار ہیں انہیں کو کروبی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حاملین عرش کے ٹخنوں سے زیر قدم (یعنی تلوے) تک پانچ سو سال کی مسافت (کے بقدر فاصلہ) ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ان کے قدم زمینوں کی انتہائی حد تک قائم ہیں اور آسمان ان کی کمر تک آتے ہیں۔ (یعنی ان کا نصف اعلیٰ آسمانوں سے پار ہے) اور وہ (ہر وقت) کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ میسرہ بن عبدویہ نے کہا ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑ رہے ہیں (یعنی عرش کے اوپر ہیں) اور سب خشوع کی حالت میں ہیں نگاہ اوپر نہیں اٹھاتے اور ساتویں آسمان والوں سے زیادہ (اللہ کی ہیبت و جلال سے) خوف زدہ ہیں اور ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں سے زیادہ ترساں ہیں اور چھٹے آسمان والے اپنے (نیچے) متصل آسمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ خائف ہیں۔ مجاہد نے کہا ملائکہ اور عرش کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ محمد بن منکدر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا مجھ اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش میں سے (کسی) ایک فرشتہ کی (کچھ) حالت بیان کروں اس کے کان کی لو سے کاندھے تک سات سو برس کی راہ کے برابر فاصلہ ہے۔ رواہ ابوداؤد وایضاً بسند صحیح۔

حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد کے حوالہ سے دادا کا قول نقل کیا ہے کہ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کی دوسرے پائے سے مسافت اتنی ہے جتنی تیز اڑان والے پرندے کی تین ہزار برس کی راہ طیران عرش کے روزانہ ستر ہزار رنگ کے نور کے لباس پہنائے جاتے ہیں وہ نور ایسا ہے کہ کوئی مخلوق اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ نے تمام مخلوق کو عرش کے اندر ایسا پیدا کیا ہے جیسے بیابان میدان کے اندر کوئی چھلا پڑا ہو۔ مجاہد نے کہا ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب (ترتیب وار) ہیں ایک نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب پھر نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب۔ وہب بن منبہ نے کہا عرش کے گرد فرشتوں کی ستر ہزار قطاریں ہیں قطار در قطار۔ قطار کے پیچھے قطار۔ سب عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ کبھی یہ سامنے آتے ہیں کبھی وہ آتے ہیں جب ایک دوسرے کے سامنے آتا ہے تو ایک لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور دوسرا "اللہ اکبر" کہتا ہے۔ ان سے پچھلی صف والوں کو جب اگلی صف والوں کی تہلیل وتکبیر کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ مَا اَعْظَمَكَ وَاَجَلَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَنْتَ الْاَكْبَرُ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ رَاجِعُوْنَ اِلَيْكَ ملائکہ صف بستہ کھڑے ہیں ان کے ہاتھ گردنوں کی طرف ہیں اور کاندھوں پر رکھے

ہوئے ہیں۔ ان کی بھی ستر ہزار قطاریں ہیں ان سے پیچھے ملائکہ کی ایک لاکھ قطاریں ہیں جو دست بستہ ہیں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک تسبیح و تحمید میں مشغول ہے ان میں سے ہر فرشتے کے دونوں بازوؤں کے درمیان تین سو برس کی راہ کے بقدر دوری ہے اور کان کی لو سے کاندھے تک چار سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے جو ملائکہ عرش کے گرد اگرد ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان ستر حجاب آگ کے ستر حجاب تاریکی کے ستر حجاب نور کے ستر حجاب سفید موتی کے ستر حجاب یاقوت سرخ کے ستر حجاب زمرد سبز کے ستر حجاب برف ہی کے ستر حجاب پانی کے اور ستر حجاب اولوں کے حائل ہیں اور کچھ ایسی چیزیں حائل ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حاملین عرش اور حوالی عرش والوں کی صورتیں مختلف ہیں۔ کسی کا چہرہ بیل کا کسی کا شیر کا کسی کا گدھ کا اور کسی کا آدمی کے جیسا ہے ہر ایک کے چار بازو ہیں دو پنکھ تو چہرے پر اس ڈر سے رکھے ہوئے ہیں کہ عرش کی طرف نگاہ نہ اٹھ جائے اور وہ بیہوش ہو جائے دو بازو نیچے کی طرف (عاجزی کی وجہ سے) گرائے ہوئے ہیں اور سوا تسبیح و تحمید تکبیر اور تمجید کے ان کا کوئی کلام نہیں۔ (تفسیر مظہری)

عرش کی بناوٹ بہت سے علماء کے نزدیک عرش رحمٰن ایک یاقوت سرخ سے بنا ہے جس کا قطر اتنا بڑا ہے کہ دو پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح اس کا ارتفاع ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی مسافت تک ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ویؤمنون بہ یعنی وہ دل سے مانتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا تمام چیزوں کا خالق ہے ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

فرشتوں کی فضیلت: اللہ نے ملائکہ کی فضیلت اور عظمت کے اظہار کے لئے ان کے مومن ہونے کی صراحت کی اور اس طرف اشارہ کیا کہ بندگی عاجزی اور ایمان بالغیب کے لحاظ سے فرشتے بھی دوسری مخلوق کی طرح ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اس لئے کافروں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس سے فرقہ مجسمہ کے قول کی بھی تردید ہوگئی جو اللہ کا جسم قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غائبانہ دعاء صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ خدا تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے خدا سے مانگ رہا ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کے اشعار مسند احمد میں ہے کہ امیہ بن ابی الصلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ نے تصدیق کی جیسے یہ شعر ہے ؎

وَهَلْ وَثَوْرٌ تَحْتَ رَجْلِ يَمِينِهِ ... وَالنَّسْرُ لِلْأُخْرَى وَلَيْثٌ مُرْصَدُ

یعنی حاملان عرش چار فرشتے ہیں دو ایک طرف دوسری طرف۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر اس نے کہا ؎

وَالشَّمْسُ تَطْلُعُ كُلَّ آخِرِ لَيْلَةٍ ... حَمْرَاءَ تَصْبَحُ لَوْنُهَا يَتَوَرَّدُ

تَأْبَى فَمَا تَطْلُعُ لَهُ فِي رِسْلِهَا ... إِلَّا مُعَذَّبَةً وَإِلَّا تَجْلِدُ

یعنی سورج سرخ رنگ طلوع ہوتا ہے پھر گلابی ہو جاتا ہے اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے۔ اس کی سند بہت پختہ ہے۔ اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت حاملان عرش چار فرشتے ہیں ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے جیسے قرآن مجید میں ہے یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا
اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش اور خبر میں
فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ
سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ
اور بچا انکو آگ کے عذاب سے ☆

رحمت و بخشش ☆ یہ فرشتوں کے استغفار کی صورت بتلائی یعنی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس جو کوئی تیرے علم محیط میں برائیوں کو چھوڑ کر سچے دل سے تیری طرف رجوع ہو اور تیرے راستہ پر چلنے کی کوشش کرتا ہو اگر اس سے بمقتضائے بشریت کچھ کمزوریاں اور خطائیں سرزد ہو جائیں۔ آپ اپنے فضل و رحمت سے اس کو معاف فرما دیں۔ نہ دنیا میں ان پر دارو گیر ہو اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے، باقی جو مسلمان توبہ و انابت کی راہ اختیار نہ کرے اس کا یہاں ذکر نہیں آیت ہذا اس کی طرف سے ساکت ہے۔ بظاہر حاملین عرش ان کے حق میں دعا نہیں کرتے اللہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ یہ دوسری نصوص سے طے کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ
اے رب ہمارے اور داخل کر انکو سدا بسنے کے باغوں میں جن کا
وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو انکے باپوں میں

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

اور عورتوں میں اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

زبردست حکمت والا ☆

عزیز و اقارب کی وجہ سے نجات

☆ یعنی اگرچہ بہشت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی من صلح کی قید سے ظاہر ہے) مگر ان اپنے ایمان و صلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے کتنوں کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچا دے۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (طور۔ رکوع ۱) اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا مدلہ ہوں مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی جس اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام و مدارات ہی کی ایک صورت یہ ہو کہ اسکے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اسکے درجہ میں رکھے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

عزیز و اقارب کی وجہ سے نجات

امام العوفی نے سعید بن جبیرؓ سے ایک روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مومنین کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو اعزاز و اکرام سے اپنے باغات و محلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مومنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ' کہاں ہے میری ماں' کہاں ہے میرا بیٹا' کہاں ہے میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا۔ ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبہ کے نہیں ہیں تو یہ مومن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا۔ اس پر اعلان ہوگا کہ اچھا ان لوگوں کو بھی اسی مومن کے ساتھ الحق کر دو۔ اس مضمون کو بیان کر کے سعید بن جبیرؓ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت میارکہ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ میں ذکر فرمایا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

اور بچا ان کو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے

يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ۝

مراد پانی ☆

برائی سے حفاظت اللہ کا فضل ہے

یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سیئات سے اعمال سیئہ مراد لئے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرما دے اور ان کی خواہش کر دے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر موصنبد کا ترجمہ بجائے "اُس دن" کے "اس دن" ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے۔ اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تھوڑی سست برائی سے کون خالی ہے۔" یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ

جو لوگ منکر ہیں انکو پکار کر کہیں گے اللہ بیزار

اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ

ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت

تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ

تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے ☆

کفر کی سزا

☆ یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے تو دنیا میں جب کفر کرتے تھے (اسوقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اسی کا مدلہ آج پاؤ گے اور بعض مفسرین نے "مقتین" کا زمانہ ایک مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ تم کو دنیا میں بار بار ایمان کی

طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اس کی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم سے بیزار ہے۔ (تفسیر جلالین)

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا تو ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا
اثْنَتَيْنِ
دو بار☆

دو موتیں دو حیاتیں:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ پہلے مٹی تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے پھر مرے پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ کما قال تعالیٰ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ۔ رکوع ۳) و قیل غیر ذلک والاظہر ہو ہذا۔ (تفسیر جلالین)

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے☆

اعتراف جرم ☆ یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا کیسا حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی۔ آج بعث بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں اور بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔ (تفسیر عثمانی)

منکرین کا اقرار فاعترفنا۔ اس میں ف سببی ہے۔ جب وہ دوسری موت کے بعد دوسری زندگی کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے گناہ اور خطا کا اقرار کر لیں گے اس طرح دونوں موتوں اور دونوں زندگیوں کا مجموعہ اعتراف کا سبب ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ
پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ☆

حسرت ☆ یعنی افسوس اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں تاکہ اس مرتبہ وہاں سے ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ (تفسیر جلالین)

کافروں کی حسرت خُرُوْج۔ یعنی ایک بار نکلنے یا کسی طرح نکلنے کی کوئی راہ ہے کہ ہم اس پر چلیں اور تیز یا آہستہ رفتار سے چل کر دنیا میں لوٹ جائیں۔ یہ سوال بھی تمنا سو گا یعنی کاش ایسا ہو جاتا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ
یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے
وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ
اور جب اس کے ساتھ پکارے شریک دوڑ تم یقین لائے تکم دی ہوئی اللہ
الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ
سب سے اوپر بڑا☆

یعنی بے شک اب ہماری طرف واپس کے جانے کی کوئی صورت نہیں اب تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق ہلاکت ابدی کا یہ فیصلہ اس لئے سنایا گیا کہ تم نے اکیلے اللہ کی پکار پر کبھی کان نہ دھرا بلکہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً صدقنا کہہ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری دلی طبیعت کی افتاد کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے پھر وہی کفر و شرک کما کر لاؤ گے۔ بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہ ہی حسب دوام ہے جو اس بڑے رب سے خدا کی عدالت عالیہ سے جہاں کی گئی جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔ (تفسیر جلالین)

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ یعنی جب لا الہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو تم نہیں مانتے تھے اور کہتے تھے اجعل الآلهة الها واحدا کیا ان سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

تؤمنوا یعنی شرک کو مانتے تھے۔

فالحکم للہ یعنی آج یہ حکم صرف اللہ کا ہے جو حقیقتاً مستحق عبادت ہے اور شرک سے پاک ہے اسی نے تمہارے کفر کی وجہ سے تم کو دوامی شدید عذاب میں ماخوذ کیا ہے اگر تمہارا اور کوئی معبود اللہ کا شریک ہوتا تو آج تم کو اس عذاب سے بچا لیتا اور تم کو آگ سے نکلنے کا موقع مل جاتا ہے۔

العلی الکبیر۔ یعنی اللہ عالی شان ہے اور ہر شرک سے بالا ہے کسی کو اس کے برابر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ

وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اُتارتا ہے تمہارے

مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ

واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے

يُّنِيْبُ ۝۱۳

جو رجوع رہتا ہو ☆

عظمت و وحدانیت کی نشانی

☆ یعنی اس کی عظمت و وحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور و فکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ

سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اسے واسطے بندگی اور پڑے

كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴

برا مانیں منکر ☆

کافروں کی پرواہ نہ کرو

یعنی بندوں کو چاہئے کہ سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں بے شک مخلص بندوں کے اس توحیدانہ طرز عمل سے کافر و مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا مگر پکا موحد وہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے اور ان کے برا ماننے کی اصلاً پروا نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فرض نماز کے بعد کی دعاء

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکفرون۔ اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے۔

(مسند احمد) یہ حدیث مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي

وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے

الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے

عِبَادِهٖ

بندوں میں ☆

"بھید کی بات" سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر ضرورت کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے

مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے۔ رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کو عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔ تو اس ذات خداوندی کا ایسی بلند و بالا صفات سے متصف ہونا اور شان صمدیت (بے نیازی) اور اس امر کا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے۔ مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ جملہ امور اس کے مقتضی ہیں وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

روح سے مراد: روح سے مراد وحی الٰہی ہے جیسے آیت مبارکہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا میں وحی کو روح کے عنوان سے تعبیر کیا گیا روح سے مراد بعض نے جبرئیل امین لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں چنانچہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ باذن اللہ میں حضرت جبرائیل امین کا بھی اترنا بیان کیا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ کا معنی درجات سے مراد بعض حضرات نے صفات قرار دیا ہے جس سے رفیع الدرجات کے معنی ہوئے۔ رفیع الصفات یعنی اس کے صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں۔ ابن کثیر نے اسکو

اپنے ظاہر پر رکھ کر یہ معنی بیان کئے کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیم کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمان پر حاوی اور سب بمنزلہ چھت کے بلند ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے کہا رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ بمعنی رافع الدرجات ہے یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرمانے والا ہے۔ (معارف حقی عظیم)

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ یعنی اس کے درجات کمال بہت بلند ہیں کسی کا کمال اس کے کمال کے سامنے نمودار نہیں ہو سکتا۔ بعض اہل تفسیر نے اس فقرہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کے درجات قرب جنت کے اندر اونچا کرنے والا ہے سب کے درجات ترتیب کے ساتھ ہوں گے کوئی بہت اونچا کوئی اس کے قریب ذو العرش یعنی عرش کا خالق اور مالک ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝
تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ☆

یعنی جس دن تمام اولین و آخرین ملکر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ملاقات کا دن حاکم ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاہوال میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا حضرت ابن عباسؓ نے آیت یوم تشقق السماء بالغمام پڑھی پھر فرمایا قیامت کے دن ایک میدان میں اللہ (ساری) مخلوق کو جمع کرے گا۔ جن انسان چوپائے پرندے سب جمع ہوں گے پھر نچلا آسمان شق ہو جائے گا اور اس کے باشندے نیچے اتریں گے اور ان کی تعداد جن و انس سے زائد ہوگی اس طویل حدیث میں ساتوں آسمانوں کا شگافتہ ہونا اور ترتیب وار ہر آسمان کی مخلوق کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا اور (پھر) اللہ کا جلوہ افروز ہونا بیان کیا اللہ کا جلوہ فرما ہونا متشابہات میں سے ہے (جس کی کیفیت ناقابل فہم اور خارج از بیان ہے) ہم نے اس کی تشریح سورۂ فرقان کی آیت یوم تشقق السماء بالغمام اور سورۂ بقرہ کی آیت ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملئکۃ کی تفسیر میں کر دی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ ۝
جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہونگے ☆

☆ یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے کف دست میدان میں حاضر ہوں گے جہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ
چھپی نہ رہے گی اللہ پر ان کی کوئی چیز ☆

یعنی خوب سمجھ لو کہ اس حاکم اعلیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سب ظاہر و باطن احوال کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
کس کا راج ہے اس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا
الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۚ
آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ
بالکل ظلم نہیں آج بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

یعنی اس دن تمام وسائط و حجب اٹھ جائیں گے ظاہری اور مجازی رنگ میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اسی اکیلے شہنشاہ مطلق کا راج ہوگا جس کے آگے ہر ایک طاقت دبی ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منادی کی پکار ابن ابوداؤد نے البعث میں حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک منادی کھلی ہوئی بلند آواز سے پکار کر کہے گا لوگو تم پر وہ گھڑی آ گئی اس ندا میں وہ آواز کو اتنا کھینچے گا کہ زندے مردے سب سن سکیں گے اور اللہ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرمائے گا پھر ایک منادی پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے ایک مرفوع حدیث آیت وَنُفِخَ فِي الصُّورِ کے ذیل میں نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ تین ملائکہ (بیہوش ہونے اور مرنے سے) مستثنیٰ ہیں گے جبرئیل میکائیل اور ملک الموت پھر اللہ فرمائے گا (باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے پھر بھی پوچھے گا) موت کے فرشتے سے کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم اور تیرے بندے جبرائیل اور میکائیل اور ملک الموت۔ اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان قبض کر لے (ملک الموت میکائیل کی جان قبض کرے گا) پھر باوجود جاننے کے فرمائے گا ملک الموت اب کون باقی رہا۔ ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات مبارک اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت فرمان ہوگا جبرئیل کی جان بھی قبض کر لے (ملک الموت فوراً حکم کی تعمیل کرے گا) پھر اللہ باوجود جاننے کے پوچھے گا اب کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا صرف تیری ذات مبارک اور موت کا فرشتہ اور وہ بھی مرنے والا ہے۔ حکم ہوگا مر جا (ملک الموت مر جائے گا) اس کے بعد اللہ ندا دے گا میں نے اس شروع میں مخلوق کو پیدا کیا اور میں ہی دوبارہ پیدا کروں گا (آج) ظالم مغرور کہاں

ہیں پھر ندا دے گا لمن الملک الیوم آج کس کی حکومت ہے جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا للہ الواحد القہار بس اللہ ہی کی حکومت ہے جو یکتا اور قہار ہے۔ اس کے بعد دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی تو یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

سوال اور جواب قرطبی نے بحوالہ نحاس ایک حدیث کے پیش کی ہے جو ابووائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے وہ یہ کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کئے جائیں گے جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا لمن الملک الیوم یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات مؤمنین و کافرین یہ جواب دیں گے کہ للہ الواحد القہار مومن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی و تلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بنا پر رنج و غم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبار و متکبر کہاں ہیں عبداللہ بن عمر کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔ این الجبارون این المتکبرون این الملوک کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور و طاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور و نخوت والے۔ ہر طرف سے سکون ہوگا۔ خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ انا الملک انا الجبار بس میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی زور و طاقت والا میں ہی ہوں لڑائی والا۔ (معارف کاندھلوی)

الیوم یعنی اس روز جب کہ مجازی حکومت بھی کسی کی نہ ہوگی اور ظاہری حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی۔ لاظلم الیوم اس روز کسی کی حق تلفی نہ ہوگی یعنی نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ عذاب میں زیادتی جیسا اللہ نے وعدہ کیا ہے اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اس وقت حکومت صرف اللہ کی ہوگی اور اللہ کی حکومت میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ظلم کا تصور تو وہاں کیا جا سکتا ہے جو مالک کی اذن کے بغیر اس کی مملوک میں کیا جائے اللہ تو سب کا مالک ہے جو تصرف کرتا ہے اپنی ملک میں کرتا ہے۔

آدھے دن میں سب کا حساب

اِنَّ اللہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یعنی اس کی مشیت یہ ہے کہ سب لوگوں کا حساب اس دنیا کے نصف یوم کی برابر مدت میں کر دیگا اگرچہ وہ ایک آن میں بھی سب کا حساب کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کو کسی عمل میں ایسی مشغولیت ہی نہیں ہوتی جو دوسرا کام کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ
اور خبر سنا دے انکو اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل

لَدَى الْحَنَاجِرِ كَاظِمِيْنَ ۝
پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہونگے ☆

قیامت کی دہشت

☆ یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل دھڑک کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے ان کو پکڑ کر دبائیں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

لدی الحناجر یعنی دل اپنی جگہ چھوڑ دینگے اور اچھل کر گلے میں آ پھنسیں گے نہ نیچے اتریں گے کہ چین آ جائے نہ باہر ہی نکل پائیں گے کہ موت ہی آ جائے۔

کظمین بے چین خوف و غم سے بھرے ہوئے کظم کا معنی ہے غصہ خوف اور غم کی دل میں آمد و رفت جو قابل برداشت نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ
کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ
يُّطَاعُ ۝
جسکی بات مانی جائے ☆

سفارش ☆ یعنی ایسا کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی بات ضرور ہی مانی جائے سفارش وہ ہی کر سکے گا جس کو اجازت ہو اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی سفارشی ہی نہیں ہوگا۔ اس صورت میں صفت (یعنی یطاع) کا کوئی مفہوم نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ یطاع کا لفظ کافروں کے مسلمہ کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔ بت پرستوں کا خیال تھا کہ ہمارے معبود ہماری سفارش کریں گے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ بالفرض اگر کافروں کا کوئی سفارشی ہوگا بھی تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي
وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے
الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ
سینوں میں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے ☆

آنکھ کی خیانت ☆ یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کس انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا۔

اس میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔ (تفسیر جلالین)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا
اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوائے نہیں
يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
فیصلہ کرتے کچھ بھی بیشک اللہ جو ہے
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (۲۰) ع
وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ☆

فیصلہ کا اختیار ☆ یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا۔ (تفسیر جلالین)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کیونکہ اللہ ہی ملائکہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس جملہ سے حیات دنیا کے علم اور قضا ملحق کی تائید ہو رہی ہے اور کافروں کے لئے ان کے قول و فعل پر عذاب کی (در پردہ) وعید بھی ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان پر تعریض بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ
انجام کیسا ہوا ان کا جو تھے ان سے
قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً
پہلے وہ تھے ان سے سخت زور میں
وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ
اور نشانوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں ☆

☆ یعنی بڑے مضبوط قلعے عالی شان عمارتیں اور مختلف قسم کی یادگاریں۔ (تفسیر جلالین)

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ
پھر ان کو پکڑا اللہ نے انکے گناہوں پر اور نہ ہوا ان کو
مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ (۲۱)
اللہ سے کوئی بچانے والا ☆

یعنی جب دنیا کے عذاب سے نہ بچا۔ بچا، آخرت میں کون بچائے گا۔ (تفسیر جلالین)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
یہ اس لئے کہ ان کے پاس آتے تھے ان کے رسول
بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ
کھلی نشانیاں لے کر پھر منکر ہو گئے تو ان کو پکڑا اللہ نے
اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (۲۲)
بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا ☆

اللہ کا پیغمبر غالب ہوگا

یعنی تم بھی ان کی طرح رسول کی تکذیب کے علاج نہیں پا سکتے آخر سزا اور ہلاک ہو گے اور خدا قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب منصور فرمائے گا اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ
اور تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر اور کھلی
مُّبِيْنٍ (۲۳)
سند ☆

معجزات موسوی ☆ "نشانیوں" سے معجزات اور "کھلی سند" سے شاید ان میں کے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں یا "کھلی سند" معجزات کے سوا دوسری قسم کے دلائل و براہین کو فرمایا یا "آیات" سے تعلیمات و احکام اور "سلطان مبین" سے معجزات مراد لئے جائیں یا "سلطان مبین" اس قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جس کے آثار پیغمبر میں میں دیکھنے والے کو نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر جلالین)

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ
فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس ☆

فرعون و قارون ☆ ہامان وزیر تھا فرعون کا اور قارون بنی اسرائیل میں سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اسکا قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝

پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

☆ یعنی جادوگر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعوئے رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہوگا اور دوسروں نے اسکی تصدیق کی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

پھر جب پہنچا انکے پاس لیکر سچی بات ہمارے پاس سے

قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

بولے مار ڈالو بیٹے اُن کے جو یقین لائے ہیں اُسکے ساتھ

وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ

اور جیتی رکھو اُن کی عورتیں ☆

فرعون کی دہشت گردی

☆ یہ حکم اب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد دیا تاکہ بنی اسرائیل کی تذلیل و توہین کریں، ان کی تعداد گھٹائیں اور ان کے دلوں میں یہ خیال جما دیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ علیہ السلام کی مدولت آئی ہے۔ یہ خیال کر کے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہو جائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝

اور جو داؤ ہے منکروں کا سو غلطی میں ☆

منکرین کے منصوبے یعنی ایسے داؤ پیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ

اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں

مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ

موسیٰ کو اور پڑا پکارے اپنے رب کو ☆

فرعون کی چالبازی

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو شاید ان کے ارکان سلطنت مار ڈالنے کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کیونکہ معجزہ دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا رعب مدام نہ لے۔ فرعون خود بھی دل میں ڈرتا تھا اور سمجھتا تھا لیکن لوگوں پر اپنی قوت و شجاعت کا اظہار مرنے کے سے اچھا دیوبیں شقاوت اور بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اسکے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی سے لکھا ہے اس کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ فرعون کو موسیٰ کی نبوت کا یقین تھا اس لئے موسیٰ کو قتل کرنے سے ڈرتا تھا۔ یا سکو یہ خیال تھا کہ موسیٰ کو قتل کرنا اس کے لیے آسان نہیں اگر اس نے ایسا ارادہ کیا تو کامیابی نہ ہوگی اس بات کی تائید وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ کے الفاظ سے ہوتی ہے فرعون نے اس فقرہ میں اپنی جرأت کا اظہار کیا اور یہ بات بتائی کہ مجھے پرواہ نہیں موسیٰ اپنے رب کو پکارے اور وہ اس کی مدد کو آ جائے۔ فرعون نے جو اہل دربار سے کہا ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى یہ محض ان کا فریب اور خلق کا رنگی تھی وہ دکھانا چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی اور اس کی قوم والے اس کو موسیٰ کے قتل سے روک رہے ہیں حالانکہ موسیٰ کو قتل کر دینے کے حکم سے خود امر مانع تھا وہ موسیٰ کی لاٹھی کا ڈر تھا جو فرعون کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ (تیسیر مظہری)

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ

میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے تمہارا دین یا

يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝

پھیلائے ملک میں خرابی ☆

خوف اقتدار ☆ یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے فتنوں کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اپنے وعظ و تلقین سے تمہارے مذہبی طور و طریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی پھیلا دے۔ جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (یعنی قبطیوں) کی حکومت کا خاتمہ ہو کر ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ

اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے

وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ

اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے ۔

حضرت موسیٰ کا عزم

☆ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پرواہ نہیں فرعون اکیلا تو کیا ساری دنیا کے متکبرین و جبارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کیلئے کافی ہے۔ میں اپنے کو تنہا اسی کی پناہ میں دے چکا ہوں وہ ہی میرا حامی و مددگار ہے کما قال تعالیٰ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَکُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی (طٰہٰ۔ رکوع ۲) بھلا اس کی حمایت و امداد کے بعد کسی مغرور انسان کا کیا ڈر۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی جائز ہے کہ ربکم میں خطاب (مومنوں کو نہ ہو بلکہ) فرعون اور اس کی قوم کو ہو اور اس میں تنبیہ ہو اس بات پر کہ میرا اور تم سب کا رب ایک ہی ہے کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔

فرعون کا نام نہ لینے کی حکمت حضرت موسیٰ نے فرعون کا خصوصی نام نہیں لیا بلکہ بطور عموم ہر مغرور منکر آخرت کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی اس میں فرعون بھی آ گیا اور تمام مغرور منکروں کے شر سے بھی استعاذہ ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرعون کو شر پر آمادہ کرنے والا اس کا غرور اور انکار آخرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ
جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کاہے کو کرے گا۔" (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں
یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ
جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا
رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَکُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ
ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے
رَّبِّکُمْ ؕ وَاِنْ یَّکُ کَاذِبًا فَعَلَیْهِ کَذِبُهٗ ۚ
رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اس پر پڑیگا اس کا جھوٹ
وَاِنْ یَّکُ صَادِقًا یُّصِبْکُمْ بَعْضُ الَّذِیْ
اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑیگا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے

یَعِدُکُمْ
کرتا ہے ☆

مرد مومن ☆ یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے حالانکہ وہ اپنے دعویٰ کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا۔ اور اس کے قتل کی تم کو کچھ ضرورت بھی نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے لئے مضر ہو۔ فرض کرو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر ضرور اللہ اس کو ہلاک یا رسوا کر کے چھوڑے گا خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے پھلنے دے۔ دنیا کو التباس سے بچانے کے لئے یقیناً ایک روز اس کی قلعی کھول دی جائے گی۔ ایسے حالات بروئے کار آئیں گے کہ دنیا اعلانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشہ دیکھ لے گی اور تم کو خواہی نخواہی اس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع میں وہ سچائی پر ہے تو دنیا اور آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے بقیہ اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ لہٰذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہ ہی سزا دے رہے گا اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو" (تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مفتری کا کذب صریح ظاہر نہ ہوا ہو اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہو گا تو چونکہ اس کا یہ دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے لہٰذا اس کے متعلق کسی قسم کے تامل و تردد اور امہال و انتظار کی گنجائش نہ ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان

امم سابقہ میں جو فضائل و کمالات حق تعالیٰ نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد بھی بدرجہ اتم و اکمل پائے گئے ہیں۔ یہ کلمات اس مرد مومن کے اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ جو قرآن کریم سے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جبکہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی۔ سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عتبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مرد مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا۔ مگر امت محمدیہ کا یہ مرد مومن وہ تھا کہ جس نے روز اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثناء خطبہ یہ فرمایا۔ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا۔ میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں۔ انت جعلت الآلهة الها واحدة کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔ تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ اتفاق یہ کہ سامنے سے ابوبکرؓ آ گئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری کسی کے گھونسہ مارا اور بآواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ویلکم (ہلاکت ہو تمہاری) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مرد مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔ پھر یہ کہ اس مرد مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت و حمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی۔ تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

رجل مؤمن: مقاتل اور سدی کا بیان ہے کہ وہ مومن قبطی تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق سورۃ القصص میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى روایت میں آیا ہے کہ اس کا نام حبیب تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین ایذاء

عروہ بن زبیر کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا مجھے بتایئے کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ سخت تکلیف دہ برتاؤ کونسا کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آ گیا اور حضورؐ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا ڈال کر مروڑنے اور گلا گھونٹنے لگا اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے آپ نے عقبہ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو الگ کیا اور فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

چند صدیقین: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیقین چند ہیں ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورۂ یٰس میں ہے۔ دوسرا مومن آل فرعون تیسرے ابوبکر اور وہ ان سب میں افضل ہیں۔ (قرطبی)

مسئلہ یکتم ایمانہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے دل سے اعتقاد پختہ رکھے تو وہ مومن ہے مگر نصوص صریحہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کے مقبول ہونے کے لئے صرف دل کا یقین کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے جب تک زبان سے اقرار نہ کریگا مومن نہ ہوگا۔ البتہ زبان کا اقرار لوگوں کے سامنے اعلان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں۔ اس کی ضرورت صرف اس وجہ سے ہے کہ جب تک لوگوں کو اس کے ایمان کا علم نہیں ہوگا وہ اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا نہ کر سکیں گے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو ہو بے لحاظ
كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾
جھوٹا ☆

موسیٰ کی سچائی کی دلیل ☆ یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اگر بالفرض جھوٹا ہو تو ہرگز اس کا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل و ناکام کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
اے میری قوم آج تمہارا راج ہے چڑھ رہے

فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ

ہو ملک میں پھر کون مدد کریگا ہماری اللہ کی

بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا

آفت سے اگر آگئی ہم پر ☆

طاقت سے دھوکہ نہ کھاؤ

یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت ہو۔ آج تمہاری یہ شان و شکوہ ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آ گھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا

بولا فرعون میں تو وہی بات سمجھاتا ہوں تم کو

أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ

جو سوجھی مجھ کو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں

الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾

بھلائی ہے ☆

فرعون کی رائے ☆ یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ إِنِّي

اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم

أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ ﴿٣٠﴾

میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا

مِثْلَ دَأْبِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ

جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا

وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ

اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے اور اللہ نے انصافی نہیں

ظُلْمًا لِلْعِبَادِ

چاہتا بندوں پر ☆

تکذیب انبیاء کی سزا

☆ یعنی اگر تم اسی طرح تکذیب و عداوت پر جمے رہے تو سخت اندیشہ ہے کہ تم کو بھی کہیں وہ ہی دن دیکھنا نہ پڑے جو پہلی قومیں اپنے انبیاء کا مقابلہ کر کے دیکھ چکی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کے ہاں بے انصافی نہیں اگر ایسے سخت جرائم پر تم کو یا دوسری قوموں کو اس نے تباہ کیا تو وہ عین عدل و انصاف کے تقاضے سے ہوگا۔ کونسی حکومت ہے جو اپنے سفراء کو قتل اور رسوا ہوتے دیکھتی رہے اور قاتلین و معاندین سے انتقام نہ لے۔ (تفسیر عثمانی)

اخاف علیکم یعنی موسیٰ کی جو تم تکذیب کر رہے ہو اور اس کو قتل کرنا چاہتے ہو اس سے مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے کہ تم پر بھی ایسا ہی عذاب نہ آ جائے جیسا ان گذشتہ امتوں پر آیا تھا جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی جیسے قوم نوح پر اور عاد پر اور ثمود پر اور ان کے بعد والوں پر (مثلاً قوم لوط اور نمرود وغیرہ پر) عذاب آیا تھا ویسا ہی تم پر عذاب آنے کا مجھے ڈر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَا قَوْمِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣١﴾

اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن ہانک پکار کا

پکار کا دن ☆ عموماً مفسرین یوم التناد (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لئے سب کی پکار ہوگی۔ اور اہل جنت اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی یا اھل الجنۃ خلود لا موت ویا اھل النار خلود لا موت کما ورد فی الحدیث۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے یوم التناد" سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) یہ اس مرد مومن کو کشف سے معلوم ہوا ہوگا یا قیاس ہے کہ ہر قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

خوف دور کرنے کی دعاء حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے اللھم انا نعوذبک من شرورھم وندرأبک فی نحورھم یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس دن سے مراد ہے نفخہ بیہوشی سے پہلے

نفخہ افزع کا دن (یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کا دن جب صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا جائیں گے اس کے بعد نفخہ اصعق ہوگا کہ صور کی آواز سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے) ابن جریر نے المطولات میں اور ابو یعلی نے مسند میں اور بیہقی نے البعث میں اور ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں تین بار صور پھونکے جانے کا ذکر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرامی نے فرمایا اللہ اسرافیلؑ کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا اور فرمائے گا گھبراہٹ (پیدا کرنے) والی پھونک مار حسب الحکم اسرافیلؑ صور پھونکے گا جس کی آواز سے آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا جائیں گے ہاں جس کو اللہ چاہے گا (گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا) اسرافیلؑ صور کی پھونک کو برابر کھینچتا اور لمبا کرتا جائے گا بیچ میں سلسلہ منقطع نہیں کرے گا یعنی دم نہ لے گا یہاں تک کہ دودھ پلانے والیاں دودھ پیتے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور بچوں کے بال (شدت خوف سے) سفید ہو جائیں گے اور شیطان گھبراہٹ کی وجہ سے اڑے اڑے بھاگتے پھریں گے جب زمین کے کناروں پر پہنچیں گے تو ملائکہ ان کے چہروں پر ضرب رسید کریں گے اور لوٹا دیں گے لوگ پشت پھیر کر بھاگیں گے اور آپس میں پکار مچی ہوگی یہی وہ دن ہوگا جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ "یوم التناد" بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا قیامت کے دن ابن آدم کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو اس پر مامور کر دیا جائے گا (اور اعمال کا وزن کیا جائے گا) سو اگر اس کی نیکیوں کا وزن بھاری نکلا تو وہ فرشتہ اتنی بلند آواز سے ندا دے گا جو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر (نیکیوں کا) وزن ہلکا نکلا تو ایک فرشتہ ایسی آواز سے جس کو سب مخلوق سن لے گی ندا دے گا فلاں شخص بد بخت نکلا اس کے بعد کبھی خوش بخت نہ ہوگا اور اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا میں نے (تمہارا) ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے (اپنے لئے) دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا۔ (یعنی میں نے تقویٰ کو تمہارے لئے پسند کیا تھا اور اس کو تمہارا نسب قرار دیا تھا اور تم نے رشتہ تولید و قرابت کو اختیار کیا)

موت کے مر جانے کا اعلان طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ایک منادی کو یہ حکم دیگا سن لو میں نے ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا میں نے سب سے زیادہ معزز اس کو قرار دیا تھا جو تم میں سے سب سے بڑا پرہیزگار ہو مگر تم نے (اس کو ماننے سے انکار کر دیا سنو تم نے کہا تھا کہ فلاں بن فلاں فلاں بن فلاں سے بہتر ہے آج میں اپنے (قائم کردہ) نسب کو اونچا کروں گا اور تمہارے (قائم کردہ) نسب کو نیچے گرا دوں گا۔ کہاں ہیں تقویٰ والے۔ اور اس وقت جب کہ موت دو بچ کر دیا ہوگا ندا دی جائے گی اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور (کبھی) موت نہ ہوگی اور اے دوزخ والو (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور کبھی موت نہیں ہوگی۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت والے جنت کو اور دوزخ والے دوزخ کو چلے جائیں گے تو جنت و دوزخ کے درمیان موت کو لا کر ذبح کر دیا جائے گا پھر ایک منادی ندا دے گا۔ اے اہل جنت آئندہ موت نہیں اور اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں۔ یہ ندا سن کر اہل جنت کو فرحت بالائے فرحت حاصل ہوگی اور دوزخ والوں پر غم بالائے غم سوار ہو جائے گا۔ حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے اور حاکم و ابن حبان نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

منتشر ہونے کا دن حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی قرأت میں یوم التناد کی جگہ یوم التناد بتشدید دال (بھاگنے اور منتشر ہونے کا دن) آیا ہے جس طرح اونٹ اپنے مالکوں سے بھاگتے اور بدکتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوگ بھاگے بھاگے زمین پر پھریں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس نچلے آسمان کو حکم دے گا وہ پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے اس کے کناروں پر رہیں گے پھر بحکم الٰہی اتر کر زمین کو اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کی بھی یہی کیفیت ہوگی کہ آسمان پھٹتے جائیں گے اور ہر آسمان کے فرشتے قطار در قطار صف بستہ ہو جائیں گے پھر ملک اعلیٰ (شاہ اعلیٰ جاہ) نزول اجلال فرمائے گا جہنم اس کے بائیں جانب ہوگا (اور جنت دائیں جانب) دوزخ کو دیکھ کر زمین والے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات قطاریں (ایک کے پیچھے ایک) موجود پائیں گے۔ مجبوراً جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں گے ان کا بیان ہے آیات ذیل میں۔ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ اور وَجَآءَ رَبُّکَ وَمَلَکٌ صَفًّا صَفًّا وَّجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ اور یَمْشُرُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَئِذٍ وَّاهِیَةٌ وَّالْمَلَکُ عَلٰی اَرْجَآئِهَا (تفسیر مظہری)

خوش بختی اور بدبختی کا اعلان حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ایک منادی ندا دے گا کہ اللہ کے مخالف لوگ کھڑے ہو جائیں۔ ان سے

مراد وہ لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کرتے تھے۔ اور پھر اصحاب جنت دوزخ والوں کو اور دوزخ والے اصحاب جنت کو اور اصحاب اعراف دونوں کو ندا دیکر اپنی اپنی باتیں کریں گے۔ اور اس وقت ہر خوش نصیب اور بدنصیب کا نام مع الدیت لیکر ان کے نتیجہ کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں سعید و کامیاب ہو گیا اس کے بعد شقاوت کا کوئی احتمال نہیں رہا اور فلاں ابن فلاں شقی و بدبخت ہو گیا۔ اب اس کی نیک بختی کا کوئی احتمال نہیں رہا (رواہ ابن ابی عاصم فی السنۃ مظہری) مسند بزار و بیہقی میں حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت و شقاوت کا اعلان وزن اعمال کے بعد ہوگا۔

حضرت ابو حازمؒ کی حالت اور حضرت ابو حازم اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے اعرج قیامت کے روز ندا دیجائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہو جاویں تو ان کے ساتھ کھڑا ہوگا کہ پھر ندا دی جاویگی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا پھر ندا دی جاوے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر گناہ کے اعلان کے وقت تجھے ان کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا (کیونکہ تو نے ہر قسم کے گناہ جمع کر رکھے ہیں) (اخرجہ ابو نعیم۔ مظہری) (معارف حقی اعظم)

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ
جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر ☆

فضول بھاگ دوڑ ☆ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ
کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾
غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اس کو سمجھانے والا ☆

عناد کی سزا ☆ یعنی میں تم کو سب نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا، اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد و کجروی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ ہی کر لیا ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ غلطی اور گمراہی میں پڑا رہنے دے پھر ایسے شخص کے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ
اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر

فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ
پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لیکر آیا
حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ
یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے [illegible] بھیجے گا اللہ
مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ
اس کے بعد کوئی رسول ☆

حضرت یوسف علیہ السلام سے استدلال

☆ یعنی چلو قصہ ختم ہوا نہ یہ رسول تھا نہ اب اس کے بعد کوئی رسول آنے والا ہے گویا سرے سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار ہوا لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں (مصر والے ان کی نبوت کے) قائل نہ ہوئے انکی موت کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو کہنے لگے یوسف کا قدم اس شہر پر کیا مبارک تھا ایسا ہی (آئندہ) کوئی نہ آئے گا یا وہ انکار یا یہ اقرار۔ یہ ہی اسراف اور زیادہ گوئی ہے"۔ مرد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے فی الحال تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
اسی طرح بھٹکاتا ہے اللہ اس کو جو ہو بیباک
مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ
شک کرنیوالا وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں
اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا
میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو بڑی بیزاری
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
ہے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں کے یہاں ☆

سب سے بڑی زیادتی

☆ یعنی بدون حجت عقلیہ و نقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے ڈالتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بیباکی کیا ہوگی۔ اسی لئے اللہ اور اسکے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سب ہے ان کے انتہائی

ملعون ہونے کا۔ (تفسیر مثالی)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ

اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل

مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

پرغرور والے سرکش کے ☆

غرور کی سزا☆ جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سنکر سر نیچا نہ کریں آخر کار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (تفسیر مثالی)

ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مومن اور اس کی بیوی آسیہ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

سرکش: حضرت قتادہ فرماتے ہیں جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کر دے وہ جبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

خیانت کرنے والا حکمران: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو امام اپنی رعایا سے خیانت کھیل رہا ہو وہ مرکر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا۔ حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ الموفق للصواب۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا

اور بولا فرعون کہ اے ہامان بنا میرے واسطے

لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں رستوں میں رستوں آسمانوں کے

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى

پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو☆

فرعون کی بے شرمی☆ یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بے حیائی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شاید اللہ تعالیٰ کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہوگا کہ موسیٰ کا خدا آسمان پر رہتا ہے اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں۔ سورہ "قصص" میں اس مقام کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر مثالی)

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا

اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے☆

☆یعنی دعوئے رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص۔ رع ۴) (تفسیر مثالی)

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ

او راسی طرح بھلے دکھلا دیئے فرعون کو اس کے برے کام

وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ

اور روک دیا گیا سیدھی راہ سے☆

مسلسل برائی کا نتیجہ

برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے اور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہی حال فرعون کا ہوا۔ (تفسیر مثالی)

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾

اور جو داؤ تھا فرعون کا سو ناہ ہونے کے واسطے☆

بیکار منصوبے☆ یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے، سب بے حقیقت تھے۔ خود اپنی ہی تباہی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ (تفسیر مثالی)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ

اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ چلو

اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾

میری پہنچادوں تم کو نیکی کی راہ پر☆

☆چونکہ فرعون نے کہا تھا وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ اس کے جواب میں مرد مومن نے کہا کہ سَبِيْلَ الرَّشَادِ (بھلائی اور بہتری کا راستہ) وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے۔ بلکہ تم میرے پیچھے چلے آؤ تاکہ بہتری کے راستہ پر چلنا نصیب ہو۔ (تفسیر مثالی)

سبیل الرشاد ایسا راستہ جس پر چلنے والا منزل مقصود پر پہنچ جائے سبیل الرشاد کہلاتا ہے۔ اس میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے طریقہ پر تعریض ہے کہ وہ طریقہ رشاد کا طریقہ نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ

اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے جم کر رہنے کا گھر ☆

آخرت کو نہ بھولو ☆ یعنی فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو دنیا کی زندگی بہر حال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے، اسکے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں عاقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ ع

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

(تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلہ پائیگا

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

اس کے برابر اور جس نے کی ہے

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

جائیں گے بہشت میں روزی پائینگے وہاں

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

بے شمار ☆

آخرت کی ایک جھلک

☆ یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلاوی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال و متاع کو کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ عقلمند کو چاہئے کہ موقع ہاتھ سے نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

اور اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف

وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف ☆

عجیب معاملہ

☆ یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے میں چاہتا ہوں کہ تم کو ایمان کے راستہ پر لگا کر خدا کے عذاب سے نجات دلاؤں اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے ایسی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیر خواہی۔ (تفسیر عثمانی)

مالی یعنی مجھے بتاؤ عقل و دانش کے خلاف تمہاری یہ عادت کیوں ہے۔ (مظہری)

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ

تم بلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اس کا

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ

اس کو جس کی مجھ کو خبر نہیں ☆

قوم کی دعوت

☆ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کر دوں اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل اور علمی اصول سے ثابت نہیں، نہ مجھے خبر ہے کہ کیونکر ان چیزوں کو خدا بنا لیا گیا بلکہ میں جانتا ہوں کہ اسکے خلاف پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

اور میں بلاتا ہوں تم کو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف ☆

مرد مومن کی دعوت

☆ یعنی میرا منشاء یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ خطاؤں کو

معاف کرنیوالا بھی۔ محرم کو کپڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے۔ وہ ہی اسکا مستحق ہے کہ آدمی اس کے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یاد رکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جس کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ

آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو اس کا بلانا

دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ

کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں☆

قوم کی بے عقلی

☆یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع وضرر کی مالک ہو پھر ایسی بندگی اور علامی کا بلاوا دینا جہل وحماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (احقاف۔ رکوع ۱) آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے اور تماشہ یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَی اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ

اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ

وہی ہیں دوزخ کے لوگ☆

☆یعنی انجام کار ہر پھر کر اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بھلا اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دیدیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو☆

بے وقت پشیمانی

☆یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے۔ یہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا وہ ٹھیک تھا۔ لیکن اس وقت یاد کر کے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی

بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ

نگاہ میں ہیں سب بندے☆

ادائے فرض کے بعد خدا کے سپرد

☆یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا اور نصیحت کی بات کہہ چکا تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں، اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، اسی پر میرا بھروسہ ہے تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہ ہی خدا میرا حامی وناصر ہے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے، کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں۔ ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ

پھر بچا لیا موسیٰ کو اللہ نے بدے داؤ سے جو کرتے تھے اور الٹ پڑا

بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ

فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب☆

آخری نتیجہ

☆یعنی حق وباطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام (اور ان کے ہمراہیوں کو جن میں یہ مومن آل فرعون بھی تھا) فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا۔ کوئی داؤں کا چلنے نہ دیا۔ ملک ان کے داؤ پیچ خود ان ہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پر ستوں کا تعاقب کیا مارا گیا اور قوم کی قوم کا پیرا آخر قلزم میں غرق ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وحاق بال فرعون یعنی فرعون اور فرعونیوں پر بڑا تکلیف دہ عذاب نازل ہوا فرعون کا ذکر کرنا بیکار تھا کیونکہ وہ تو عذاب کا مستحق سب سے زیادہ تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سُوْٓءُ الْعَذَابِ یعنی دنیا میں پانی میں غرق کر دیا اور مرنے کے بعد دوزخ میں ڈال دیا۔

آل فرعون بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو فرعون نے عہد موسیٰ کی گرفتاری کے لئے بھیجا تھا اس صورت میں سوء

العذاب سے مراد ہوگا عذاب قتل۔ عبد مومن بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے جا کر دیکھا تو اس کو نماز میں مشغول پایا اور چاروں طرف گھیرا ڈالے صف بستہ جنگلی درندے اس کی حفاظت کر رہے تھے مجبور ہو کر لوٹ پڑے اس جرم میں فرعون نے ان کو قتل کرا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ

وہ آگ ہے کہ دکھلا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام ☆

عذاب قبر ☆ یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کئے جائیں گے ہر صبح و شام ان کو دکھلا دیا جاتا ہے تا نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح و شام پیش کیا جاتا ہے (تنبیہ) آیت ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ہو فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں "طیور خضر" کے "حواصل" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو "طیور سود" کے "حواصل" میں داخل کر کے ہر صبح و شام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عالم برزخ پر ایمان لانا ضروری ہے عالم برزخ اور وہاں کا ثواب و عذاب اور راحت و تکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب و عقاب پر ایمان ضروری ہے۔ اسی طرح برزخ کے ثواب و عقاب پر بھی ایمان و یقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

برزخ و قبر کیا ہے برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیان عالم کا نام ہے۔ جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھا لے۔ غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالم قبر ہی شمار کئے جاتے ہیں۔ اس عالم برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں موجود ہے۔ اسی لئے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دنیا اس جہان برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک ماں کا پیٹ تمام دنیائے عالم کے سامنے۔ جس طرح حالت نوم موت و حیات کے درمیان ایک حالت ہے۔ ایسے ہی اس عالم برزخ دنیا اور آخرت کے مابین عالم سمجھ لیا جائے۔ انسان کے مر جانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر اپنے بدن کے ساتھ پھر بھی ایک گونہ گو تعلق باقی رہتا ہے۔ اور محل دفن سے بھی علاقہ رہتا ہے۔

قبر کی حیات قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیا کی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں۔ ان ادراکات کو اسی طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعہ یہ ادراک حاصل ہوتا ہے۔ بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے۔

قبر میں مومن و کافر کی حالت حدیث میں آتا ہے کہ مومن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال و جواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مومن دریافت کرتا ہے۔ من انت الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آ رہی ہے۔ تو جواب یہ ہوگا۔ انا عملک الصالح کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس کے برعکس کافر اور فاسق و فاجر کے سامنے ڈراؤنی ہیبت ناک شکل آئے گی۔ اور یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شریک رہا ہے اس پر یہ شکل جواب دیگی انا عملک الخبیث میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ الغرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے۔ جیسا انجام نجات یا ہلاکت کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

نکیرین کا سوال کس سے ہوگا شیخ عبدالکریم شہرستانی نہایۃ الاقوام میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کا سوال و جواب کے لئے روح کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے۔ بعض اجزاء کا بدن سے تعلق کافی ہے۔ کیونکہ زندگی میں بھی ادراک و شعور اور فہم و مطلق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے اور نکیرین سے

سوال و جواب اور اصل اپنی اجزائے مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر نشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

ثواب وعذاب قبر کے دلائل

مہایۃ الاقوام الامام شہرستانی بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ بہر کیف یہ آیات اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا۔ برزخ میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور حبیب نجار کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا تو انکے متعلق ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہو گیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اور جنت میں داخل ہو گیا تو اس کو تمنا ہوئی کاش میری قوم کو بھی اس کی نعمت و کرامت کا علم ہو جائے تا کہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب قبر کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مؤمنین و مطیعین کے لئے ہو گا۔ اسی طرح آیت واقعہ وَاَمَّا اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور یہ سلسلہ انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

امام احمد بن حنبل کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتی۔ اور حضرت عائشہؓ اس کی مدد فرمایا کرتیں۔ تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ وقاك الله عذاب القبر (اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے) حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے۔ اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ کچھ دن گذرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز بلند فرما رہے تھے الفبر كقطع الليل المظلم کہ قبر تو رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو۔ اے لوگو پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے۔ کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔ اس حدیث کو اگرچہ بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انكم تفتنون في القبور قريباً من فتنة الدجال۔ امام بخاری و مسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشي ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله عزوجل الى يوم القيمه۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح و شام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھائے گا)

صبح و شام آگ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے جوف کے اندر داخل ہو کر روزانہ دو مرتبہ صبح شام ووزخ پر پیش ہوتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اے آل فرعون قیامت برپا ہونے تک تمہارا یہی ٹھکانہ ہے اس کی تائید حضرت عبداللہؓ بن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکورہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قیام گاہ صبح شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت والوں کی قیام گاہ اور اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ والوں کی قیام گاہ (اس کے سامنے لائی جاتی ہے) اور اس سے کہا جاتا ہے یہ ہی تیری رہنے کی جگہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ قیامت کے دن تجھے اٹھائے گا۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور قبر (یعنی برزخ) میں عذاب ہوتا ہے (متعدد) احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر اجماع علماء ہے۔

اَدْخِلُوْا۔ یعنی (عذاب کے) فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اشد العذاب سے مراد ہے طرح طرح کا عذاب۔ جو عالم برزخ کے عذاب سے بالکل الگ قسم کا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں تم میں سے جب کبھی کوئی مرتا ہے ہر صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصلی جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک طالب علمانہ اشکال اور اس کا حل

بعض حدیثوں میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے شریف کی

ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح شام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے یا جسم کو بھی؟ اس کا علم خدا کی طرف سے آپ کو دیئے شریف میں کرایا گیا اور آپ نے اسے بیان فرما دیا۔ پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ
اور جس دن قائم ہو گی قیامت حکم ہو گا داخل کرو
فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَاِذْ
فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں اور جب
يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا
آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ
غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع
تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا
پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھا لو گے
نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾
حصہ آگ کا ☆

جھوٹے لیڈروں کا انجام

☆ یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہئے۔ دیکھتے نہیں آج ہم کس قدر مصیبت میں ہیں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس مصیبت کا کوئی فرد ہم سے ہلکا کر دو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ
کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم بھی پڑے ہوئے ہیں اسمیں

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾
بیشک اللہ فیصلہ کر چکا بندوں میں ☆

☆ یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے حق کے مواقع سزا کا فیصلہ سنا دیا ہے جو ہرگز ٹلنے اور اٹل ہے۔ اب موقع نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے ہم اپنی ہی مصیبت کو ہلکا نہیں کر سکتے پھر تمہارے کیا کام آ سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ
اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں داروغ کے
جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا
داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کر دے
يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾
ایک دن تھوڑا عذاب ہم

داروغوں سے درخواست

☆ یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے ہر روز یہی اس تعطیل کا کرا دو جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ
وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول
بِالْبَيِّنٰتِ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ
کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو
وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾
اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا ☆

اب وقت نکل چکا ہے

یعنی اس وقت ان کی بات نہ ماننی اور انجام کی فکر نہ کی جو کچھ کام چلتا اب موقع ہاتھ سے نکل چکا کوئی سعی سفارش یا خوشامد و آمد کام نہیں دے

سکتی۔ بڑے بڑے چھانتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں نہ تمہاری سچ پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "دوزخ کے فرشتے کہیں گے۔ سفارش کرنا ہمارا کام نہیں ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں سفارش کام ہے رسولوں کا سو رسولوں سے تم برخلاف سی تھے" (تنبیہ) آیت ندا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہ ہوگا باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دیدیں وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک مہلت دیدی۔ (تسہیل)

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا

ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

کی دنیا کی زندگانی میں ☆

دنیا میں مدد ☆ یعنی دنیا میں اس کا بول بالا کرتا ہے جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں درمیان میں کتنا ہی اتار چڑھاؤ ہو اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ علمی حیثیت سے حجت و برہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں لیکن مادی فتح اور ظاہری عزت و رفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا بھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتا لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں کما قال تعالیٰ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران۔ رکوع ۱۴) مومنین کی خصلتیں قرآن میں جا بجا مذکور ہیں چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔ (تسہیل)

ضحاک نے کہا دنیا میں مدد کرنے سے مراد ہے دلیل و برہان سے مدد کرنا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔ بیضاوی نے کہا اگرچہ کبھی کافروں کو بھی غلبہ عطا کیا گیا لیکن اعتبار انجام و مآل اور اکثریت کا ہے (اور اکثر صورتوں میں پیغمبروں کو کافروں پر غلبہ ہی عطا کیا گیا ہے) بعض لوگوں نے کہا نصرت رسل سے مراد ہے دشمنوں سے انتقام (یعنی دنیا میں اللہ نے پیغمبروں کے دشمنوں سے وقتاً فوقتاً انتقام ضرور لیا) (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کی سنت الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنت قدیم ہمیشہ سے جاری ہے۔ ہی کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیم کو ابو مرثد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں۔ فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے۔ اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کر دیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خداوند عالم نے قوم نوحؑ، عاد و ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت و مقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے آخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی اللہ تعالیٰ کیسی مدد اور کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے کلمۃ اللہ ہی العلیا اور لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ کا منظر دکھایا۔ گو ایک وقت مغلوبیت کا گذرا مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی۔ مگر مظلومیت اور بے کسی کے اس دور کے ساتھ ہی ساتھ انصار کا گروہ مہیا فرما دیا جن کی بدولت اللہ کے رسولؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کے لئے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں۔ پھر اللہ نے کفار پر جنگ بدر میں غلبہ دیا۔ ان کے رؤسا اور سردار قتل کئے گئے۔ قیدی بنائے ذلت سامنے آنکھ فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی قوت و پستی کو اختیار کر لینا تھا۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ وہی سردار و رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں شرمسار آپ کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں۔ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرہ عرب اور یمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گذار ہو گئے۔ اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین کے دور فاروق و روم۔ افریقہ اندلس اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اسلام کا کلمہ اور دین کا علیہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا (تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

اور جب کھڑے ہونگے گواہ ☆

اہل حق کا اعزاز ☆ یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین و آخرین جمع ہوں گے حق تعالیٰ اپنے فضل سے علی رؤس الاشہاد ان کی سربلندی اور عزت و رفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے، وہاں ذرا بھی ابہام و التباس باقی نہ رہے گا۔ (تسہیل)

يَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے۔ اور الاشہاد کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی۔ جو بندوں کے نامہ ہائے اعمال لئے

میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

جس دن کام نہ آئیں منکروں کو اُن کے بہانے

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

اور اُن کو پھٹکار ہے اور اُنکے واسطے برا گھر ☆

☆ یعنی ان کی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہوگی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

سوء الدار کی تفسیر: بعض مفسرین مثلاً سدی یہ بیان کرتے ہیں۔ بئس المنزل والمقیل۔ یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بری آرام گاہ اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہی ہوگا جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا۔ اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا

اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۙ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى

بنی اسرائیل کو کتاب کا سمجھاتے اور سمجھاتے والی

لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

عقلمندوں کو ☆

قابل عبرت ☆ یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اسکی قوم کو باوجود اس قدر طاقت و جبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت و رہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو دنیا میں عقلمندوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ

سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا

لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو

وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

اور صبح کو ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور فتح ہوگی

☆ یعنی آپ بھی تسلی رکھئے جو وعدہ آپ کے ساتھ سے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے متبعین کو سربلند رکھے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شدائد و نوائب پر صبر کریں اور جن سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں اور ہمیشہ رات دن صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً و فعلاً ورد رکھیں تظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو سو بار استغفار کرتے ہر بندے کی تقصیر اس کے درجے کے موافق ہے اس لئے ہر کسی کو استغفار ضروری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر

سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو اور کوئی بات نہیں انکے دلوں میں

اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ

غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اس تک ☆

تکبر ☆ یعنی جو لوگ اللہ کی دلائل توحید اور کتب سماویہ اور اس کے پیغمبروں کے معجزات و ہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں، ان کے ہاتھ میں کچھ حجت و دلیل نہیں۔ نہ فی الواقع ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک و شبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکا لیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں یا کم از کم اسکے سامنے جھکنا نہ پڑے لیکن یاد رکھیں کہ وہ اس مقصد کو کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا ورنہ سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا

الْبَصِيْرُ ۝
دیکھتا ہے ☆

☆یعنی اللہ کی پناہ مانگ کر وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اس کو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔ (تیسیر مظہری)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ
البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے
خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں
يَعْلَمُوْنَ ۝
سمجھتے ☆

موت کے بعد زندگی ☆یعنی بظاہر مادی حیثیت سے آسمان و زمین کی عظمت و جسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا وہ ہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا اسے آدمیوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ (تیسیر مظہری)

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ
اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ
ایمان دار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار
قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ
تم بہت کم سوچ کرتے ہو تحقیق قیامت
لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
آنی ہے اس میں دھوکا نہیں ولیکن بہت
النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
لوگ نہیں مانتے ☆

مومن اور بدکار

☆یعنی ایک اندھا سے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ یا ایک نیکوکار مومن اور کافر مدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہیے جب ان کا باہمی فرق کھلے اور دونوں کے علم و عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔ (تیسیر مظہری)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ
اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو، میں قبول کروں تمہاری پکار کو ☆

☆یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اسکی جزاء دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو کہ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔ (تیسیر مظہری)

اس امت کے لئے مخصوص تین چیزیں

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں مگر تین کے۔ دیکھو نبی کو خدا کا فرمانا یہ ہوا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے۔ لیکن تمام لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا ہے۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں۔ لیکن اس امت سے فرمایا گیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ ہر نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرمایا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا (ابن ابی حاتم) امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبان اور حاکم بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان اللہ یغضب ان ترکت سؤالہ وبنی آدم حین یسئال یغضب یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ مسند میں ہے جو شخص خدا سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (تیسیر التیسیر)

چار باتیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ فرمایا حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہے۔ اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی

جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کر جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۝
اب داخل ہونگے دوزخ میں ذلیل ہو کر ☆

☆ بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا نہ مانگنا غرور ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے یہ بات تو بے شک برحق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کیا کرے یعنی جو مانگے وہ ہی چیز دیدے نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ کوئی چیز دینا اسکی مشیت پر موقوف اور حکومت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام۔ رکوع ۴) بہرحال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کئے جائیں گے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہوگی۔ انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی۔ انہیں جہنمیوں کا لہو پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

قابل تعجب آدمی: ابن ابی حاتم میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بآواز بلند کہہ رہا ہے خدایا! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ خدایا! اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پرزور آواز لگائی اور کہا پورا تعجب اس پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے جس سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دعاء کی حقیقت: دعاء کے لفظی معنے پکارنے کے ہیں اور اکثر استعمال کسی حاجت و ضرورت کیلئے پکارنے میں ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے۔ یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔ اور اسکی قبولیت کا وعدہ کیا گیا۔ اور جو دعا نہ مانگے اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہؒ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لئے عام کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الدُّعَآءَ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ یعنی دعاء عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ۔

(رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابوداؤد وغیرہم)

ہر دعا عبادت ہے اور ہر عبادت دعا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبادت نام ہے کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادت کا ہے۔ اس طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا اور آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد و ثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (یعنی اس کی حاجت پوری کر دوں گا)۔ (رواہ الجزری فی النہایہ) اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ من شغله القرآن عن ذكري و مسئلتي اعطيته افضل ما اعطي السائلين۔ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجات مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعا (یہ کلمہ ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ۔ مظہری)

اس میں عبادت اور ذکر اللہ کو دعا فرمایا ہے اور اس آیت میں عبادت بمعنے دعاء کے ترک کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے یعنی جو شخص بطور استکبار کے اپنے آپ کو دعاء سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑے یہ علامت کفر کی ہے اس لئے وعید جہنم کا استحقاق ہوا۔ ورنہ فی نفسہ عام دعا میں فرض و واجب نہیں ان کے ترک سے کوئی گناہ نہیں۔ البتہ باجماع علماء مستحب

اور افضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائل دعا

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔ (ترمذی۔ اس باب حاکم عن ابی ہریرۃ)

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الدعاء مخ العبادۃ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی عن انس)

حدیث: - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند فرماتا ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سختی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعود)

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر غضب ہوتا ہے۔ (ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعاء نہ مانگنے والے پر غضب الٰہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بنا پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ (ابن حبان۔ حاکم عن انسؓ)

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ (حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃؓ)

حدیث - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کیلئے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعاء اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے۔ (ترمذی۔ حاکم عن ابن عمرؓ)۔ لفظ عافیت بڑا جامع لفظ ہے جس میں ہر قسم کے تحفظ اور ہر ضرورت و حاجت کا پورا ہونا داخل ہے۔

مسئلہ - کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوتی۔ (صحیح الحدیث عن ابی سعید الخدریؓ)

قبولیت دعا کا وعدہ آیت مذکورہ میں اس کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی مگر بعض اوقات انسان یہ بھی دیکھتا ہے کہ دعا مانگی وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ٹھیک حدیث میں ہے جو حضرت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جو بھی دعا اللہ سے کرتا ہے اللہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعاء نہ ہو اور قبول فرمانے کی تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے ایک یہ کہ جو مانگا وہی مل گیا دوسرے یہ کہ اس کی مطلوب چیز کے بدلے اس کو آخرت کا کوئی اجر و ثواب دیدیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر کوئی آفت و مصیبت اس پر آنے والی تھی وہ ٹل گئی۔ (مسند احمد۔ مظہری)

قبولیت دُعاء کی شرائط - آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے۔ کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس کی دعاء تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہو گئی۔ نہ دعا کے لئے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام۔ پینا حرام۔ لباس حرام۔ ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)۔

اسی طرح غفلت و بے پروائی کے ساتھ بغیر دھیان دیئے دعا کے کلمات پڑھنے تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃؓ) (معارف ملتقی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا
اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اس میں
فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا
چین پکڑو اور دن سامنا دیکھنے کا ☆

رات اور دن رات کی ٹھنڈک اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اٹھ سکے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ (ابن کثیر)

رات اور دن کا نظام الاوقات بہت بڑی نعمت ہے

غور کیجئے کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ قدرت نے تمام طبقات انسان بلکہ جانوروں تک کے لئے فطری طور پر نیند کا ایک وقت معین کر دیا۔ اور اس وقت کو اندھیرا کر کے نیند کے لئے مناسب بنا دیا۔ اور سب کی طبیعت و فطرت میں رکھ دیا کہ اس وقت یعنی رات کو نیند آتی ہے ورنہ جس طرح انسان اپنے کاروبار کے لئے اپنی اپنی طبیعت و سہولت کے لحاظ سے اوقات مقرر کرتا ہے۔ اگر نیند بھی اسی طرح اس کے اختیار میں ہوتی۔ اور ہر انسان اپنی نیند کا پروگرام مختلف اوقات میں بنایا کرتا تو نہ سونے والوں کو نیند کی لذت و راحت ملتی نہ

جاگنے والوں کے کام کا نظم درست ہوتا۔ کیونکہ انسانوں کی حاجتیں باہم ایک دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اگر اوقات نیند کے مختلف ہوتے تو جاگنے والوں کے وہ کام مختل ہو جاتے جو سونے والوں سے متعلق ہیں اور سونے والوں کے وہ کام خراب ہو جاتے جن کا تعلق جاگنے والوں سے ہے اور صرف انسانوں کی نیند کا وقت متعین ہوتا۔ بہائم اور حیوانات کی نیند کے اوقات دوسرے ہوتے تو بھی انسانی کاموں کا نظام مختل ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

اللہ تو فضل والا ہے لوگوں پر

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ☆

ناشکری یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہ تھی کہ قول و فعل اور جان و دل سے اسکا شکر ادا کرتے بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ

وہ اللہ ہے رب تمہارا ہر چیز بنانے والا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے، پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو☆

معبودیت کی دلیل

☆ یعنی رات دن کی سب نعمتیں اس کی طرف سے مانتے ہو، تو بندگی بھی صرف اسکی ہونی چاہئے۔ اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ

اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ

سے منکر ہوتے رہتے ہیں اللہ ہے جس نے بنایا

لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً

تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت ☆

☆ یعنی قبہ کی طرح بنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ

اور صورت بنائی تمہاری، تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ

دی تم کو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا☆

☆ سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اسکی روزی ستھری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بہتر صورت اور سب سے بہتر رزق انسان کا ہے

انسان کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سب جانوروں سے ممتاز اعلیٰ اور بہتر ہیئت میں بنایا ہے۔ اس کو سوچنے سمجھنے کی عقل عطا فرمائی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ایسے بنائے کہ ان سے طرح طرح کی اشیاء و مصنوعات بنا کر اپنی راحت کے سامان پیدا کر لیتا ہے۔ اس کا کھانا پینا بھی عام جانوروں سے ممتاز ہے وہ اپنے منہ سے چرتے اور پیتے ہیں یہ ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔ عام جانوروں کی غذا مفردات سے ہے کوئی گوشت کھاتا ہے کوئی گھاس اور پتے اور وہ بھی بالکل سفرد بخلاف انسان کے کہ یہ اپنے کھانے کو مختلف قسم کی چیزوں پھلوں۔ ترکاریوں گوشت اور مصالحہ سے لذیذ و مرغوب بنا کر کھاتا ہے۔ ایک ایک پھل سے طرح طرح کے کھانے اور اچار مربے چٹنی تیار کرتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الْحَيُّ

وہ ہی زندہ رہنے والا☆

☆ جس پر کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوئی نہ ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ جب اس کی حیات ذاتی ہوئی تو تمام لوازم حیات بھی ذاتی ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ

کسی کی بندگی نہیں اسکے سوائے سو اس کو پکارو خالص کر کے اسکی

الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ☆

☆ کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں جو کی علی الاطلاق ہے وہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہوگا اسی لئے هُوَ الْحَيُّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہنا چاہئے۔ اسکا ماخذ یہی آیت ہے۔ (تفسیر حقانی)

حضرات سلف کا عمل لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی تفسیر میں ابن جریر سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی کہہ لیا کرے تاکہ اس آیت مبارکہ پر عمل ہو جائے بروایت اعمش مجاہد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی نقل فرمایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ولہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیٔ قدیر لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولا نعبد الا ایاہ لہ النعمۃ ولہ الفضل ولہ الثناء الحسن لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولو کرہ الکافرون۔ اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم۔ نسائی) (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ رابع۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ
تو کہہ مجھ کو منع کر دیا کہ پوجوں اُن کو
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ
جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جب پہنچ چکیں
الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ
میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾
جہان کے پروردگار کا ☆

☆ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی آدمی خدائے واحد کے سامنے سر نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔ (تفسیر حقانی)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے ☆

☆ یعنی تمہارے باپ آدم کو یا تم کو اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ غذا خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر حقانی)

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
پھر پانی کی بوند سے پھر خونوں جمے ہوئے سے

☆ یعنی بنی آدم کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہوا خون بنا دیا گیا۔ (تفسیر حقانی)

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا
پھر تم کو نکالتا ہے بچے پھر جب تک کہ پہنچو
اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا وَمِنْكُمْ
اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے
مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا
کہ مر جاتا ہے پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو
اَجَلًا مُّسَمًّى
لکھے وعدے کو ☆

☆ یعنی بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے اور بعض آدمی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گزر جاتے ہیں۔ بہرحال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ ؎

ز آنکہ زادنا چار بایدش نوشید
ز جام دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

(تفسیر حقانی)

وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور تاکہ تم سوچو ☆

☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی سوچو اتنے احوال (اور دور) تم پر گزرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گزرے۔ وہ بھی مر کر جینا ہے آخرت سے کیوں محال سمجھتے ہو۔" (تفسیر حقانی)

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاِذَا قَضٰٓى
وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے

اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۶۸

کسی کام کو تو یہی کہے اس کو کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے ☆

☆ یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ

تو نے نہ دیکھا اُن کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں

اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝۶۹ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

کہاں سے پھرے جاتے ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے

بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ

جھٹلایا اس کتاب کو اور اس کو کہ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۰

سو آخر جان لینگے ☆

☆ کہ اس تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ

جب طوق پڑیں اُن کی گردنوں میں اور زنجیریں بھی ☆

☆ زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لائے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُسْحَبُوْنَ ۝۷۱ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ

گھسیٹے جائیں جلتے پانی میں پھر آگ میں ان کو

يُسْجَرُوْنَ ۝۷۲

جھونک دیں ☆

☆ یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی کا اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائیگا (اعاذنا اللہ منھما) (تفسیر عثمانی)

حمیم کیا ہے جہنم ہی کے بہت سے طبقات ہوں گے جن میں قسم قسم کے عذاب ہوں گے۔ انہیں میں ایک طبقہ حمیم کا بھی ہو سکتا ہے جس کو بوجہ ممتاز اور الگ ہونے کے جہنم سے خارج بھی کہا جا سکتا ہے اور چونکہ یہ بھی ایک طبقہ جہنم ہی کا ہے اس لئے اس کو جہنم بھی کہا جا سکتا ہے۔ ابن کثیر نے فرمایا کہ اس جہنم زنجیروں میں جکڑے ہوئے کبھی کھینچ کر حمیم میں ڈال دیے جاویں گے کبھی جحیم میں۔ (معارف حتی المقدم)

ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

پھر انکو کہیں کہاں گئے جن کو تم

تُشْرِكُوْنَ ۝۷۳ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

شریک بتلایا کرتے تھے اللہ کے سوائے ☆

☆ یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا ہو سکے تو ان کو مدد کے لئے بلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا

بولیں وہ ہم سے چوک گئے

☆ یعنی ہم سے گئے گزرے ہوئے۔ شاید اس وقت عابدین اور معبودین الگ الگ کر دیے جائیں گے یا ضلوا عنا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ؕ

کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو ☆

غلطی کا اعتراف ☆ اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جن کو دنیا میں پکارتے تھے اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے گویا یہ بطور حسرت و افسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اولین منکر ہو چکے تھے کہ ہم سے شریک ٹھہرائے ہی نہیں اب گھبرا کر منہ سے نکل جائیگا ضلوا عنا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہوگا پھر کچھ سنبھل کر انکار کر دیں گے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۴

اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو ☆

☆ یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور گھبرا کر اقرار کر لیا۔ یہ ہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ

یہ بدلہ اُس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۷۵﴾

نا حق اور اس کا جو تم اکڑتے تھے ☆

☆ یعنی دیکھ لیا ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑ فوں گدھر گئی۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا معنی: مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور اس پر خوش ہونا یہ تو حرام و ناجائز ہے اور اس آیت میں یہی فرح مراد ہے جیسے قارون کے قصہ میں بھی فرح اسی معنی میں آیا ہے لا تفرح۔ (معارف ملتی اعظم)

اُدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ

داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے ☆

☆ یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى

سدا رہے گو اس میں سو کیا برا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ

غرور والوں کا سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا

اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

ٹھیک ہے پھر اگر ہم دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ

الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا

جو ہم ان سے کرتے ہیں یا قبض کر لیں تجھ کو ہر حالت میں ہماری ہی طرف

يُرْجَعُونَ ﴿۷۷﴾

پھر آئیں گے ☆

وعدۂ الٰہی ☆ یعنی اللہ نے ان کو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کہ کوئی وعدہ آپ کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ "بدر" اور "فتح مکہ" وغیرہ میں ہوا) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہو ہر حال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں ہے اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارہ کسی صورت سے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ

اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے

مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم

بعضے ان میں وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھ کو ان کا احوال

مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ

اور بعضے ہیں کہ نہیں سنایا ☆

یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا بعض کا نہیں کیا (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہر حال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ

اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا کوئی نشانی

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ

مگر اللہ کے حکم سے ☆

مختار کل اللہ تعالیٰ ہے ☆ یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں۔ رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں صرف وہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جس کی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ

پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہو گیا انصاف سے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۷۸﴾

اور ٹوٹے میں پڑے اس جگہ جھوٹے ☆

☆ یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور انکی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت رسول سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت و خسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا

اللہ ہے جس نے بنا دیئے تمہارے واسطے چوپائے تاکہ سواری کرو

مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا

بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو اور ان میں تم کو

مَنَافِعُ

بہت فائدے ہیں ☆

حلال ان کے چمڑے وبال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ

۔۔۔ کہ بیٹھو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو☆

سواری کرنا بجائے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعہ سے انسان بہت مقاصد دینی و دنیوی حاصل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور اُن پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو☆

یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۚ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور دکھلاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پھر کون کونسی نشانیوں کو

تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اپنے رب کی نہ مانو گے☆

یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کیسا انجام ہوا ان سے پہلوں کا

كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا

وہ تھے ان سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں

فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا اُن کے جو وہ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کماتے تھے☆

عذاب الٰہی ۔۔۔ یعنی پہلے بہت قومیں گزر چکیں جو حتے میں اور زور و قوت میں ان سے بہت زیادہ تھیں۔ انہوں نے ان سے نہیں بڑھ مرنے میں پرانی دکانیں اور نشانیاں چھوڑیں لیکن جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور سب ساز و سامان کچھ بھی کام نہ آ سکا۔ یوں ہی تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ (تسہیل)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا

پھر جب پہنچے انکے پاس رسول اُن کے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے

بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

اس پر جو انکے پاس تھی تجربہ اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

پیغمبروں پر استہزاء کا انجام ۔۔۔ یعنی وحی و معاش اور مادی ترقیات کا جو علم ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر دل جمائے ہوئے تھے ان پر اتراتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب ان کو اپنی علمی مذاق کی حقیقت کھل اور ان کا استہزا و تمسخر خود ان ہی پر الٹ پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

جہل مرکب جیسے یونانی فلاسفہ کے پیشتر علوم و تحقیقات جو الٰہیات سے متعلق ہیں اسی نمونہ کی ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں۔ ان کو جہل مرکب تو کہہ سکتے ہیں۔ ان کا نام علم رکھنا علم کی توہین ہے۔ یا پھر ان کے اس علم سے مراد دنیا کی تجارت، صنعت وغیرہ کا علم ہے جسمیں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے۔

یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور وہاں کی راحت و لذت سے جاہل و غافل ہیں۔ اسی لئے اپنے ان ظاہری سر پرجوش اور مگن ہو کر انبیاء کے علوم کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (ملخص) (عارف سلیقی عظم)

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ

اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو

مُشْرِكِيْنَ ۝

شریک بناتے تھے ☆

اب پچھتائے کیا ہوت ☆ یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آ گئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی وجھی اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے۔ جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا

پھر نہ ہوا کہ کام آئے اُن کو یقین لانا اُن کا جس وقت

رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ

دیکھ چکے ہمارا عذاب ☆

یعنی اب پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان و توبہ کا وقت گزر چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آ جاتا ہے مگر یہ یقین موجب نجات نہیں نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ (نساء رکوع ۳) وقال فی قصۃ فرعون اٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ وفی الحدیث ان اللّٰہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔ (تفسیر عثمانی)

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ

رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اُس

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

کے بندوں میں اور خراب ہوئے اُس جگہ منکر ☆

سُنَّۃَ اللّٰہ یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں اللھم احفظنا من الخسران واحفظنا من غضبک وسخطک فی الدنیا و الآخرۃ۔ (تم سورۃ المومن واللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

سورۃ حٰمٓ السّجدۃ

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

سورہ حٰمٓ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں چون آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایسی قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا جو بحکم الٰہی شریعت کے احکام پر عمل کریں گے۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سورۃ حٰمٓ سجدہ کے مضامین۔ اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے۔ اور ضمناً بعث بعد الموت اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا۔ بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اُتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ☆

نعمت کتاب ☆ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو انکی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

ایک کتاب ہے کہ جدا جدا کی ہیں اُسکی آیتیں ☆

مضامین قرآن ☆ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کیلئے ☆

قرآن کی زبان ☆ یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف و شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اسکے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی تاکہ ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اسکے باوجود بھی ظاہر ہے کہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔ نا سمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ

سنانے والا خوشخبری اور ڈر ☆

☆یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو تمجات وفلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔ (تفسیر جلالی)

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے ☆

اکثریت کا اعراض ☆یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے کہ ان میں کے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سنا کیوں چاہیں گے۔ اور فرض کیجئے کانوں سے سن بھی لیا لیکن گوش دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سنا ان سنا برابر ہے۔ (تفسیر جلالی)

قرآن پاک کا عتبہ پر اثر سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں۔ اگر وہ کسی بات کو قبول کر لیں تو ہم انہیں دیدیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اُس دن کا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہو گئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس پر رضامند ہوئے یہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادے! تم عالی نسب ہو تم ہم میں سے ہو ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو۔ افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب وغریب چیز لائے تم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ تم نے ان کے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دیا۔ تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا۔ اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں۔ میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے اور خدارا اس فتنے کو میٹ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا سنو اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مال دار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر، رعایا بننے کے لئے بھی تیار ہیں۔ اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آ جاتا ہے تو اسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے۔ اب عتبہ خاموش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی سب کہہ چکے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اب میری سنو وہ متنبہ ہو گیا۔ آپؐ نے بسم اللہ الخ پڑھ کر اس سورۃ کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا ابوالولید میں کہہ چکا اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا عتبہ کا حال بدل گیا۔ اس سے پوچھا کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو قریشیو میری مان لو اور میری بچی تلی بات کو قبول کر لو کہ اُسے اس کے خیالات پر چھوڑ دو نہ موافقت کرو نہ مخالفت جو دعوی اس کا ہے اس میں اور جو یہ کہتا ہے اس میں تمام عرب اس کا مخالف ہے دوا پنی تمام طاقت اس کے مقابلے میں صرف کر رہا ہے۔ یا تو وہ اس پر غالب آ جائیں گے تو تم سستے چھوٹے یا یہ ان پر غالب آئے گا تو اس کا ملک تمہارا ملک کہا جائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہو گی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سُن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید قسم خدا کی محمدؐ نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا سنو جو میری رائے تھی میں آزادی سے کہہ چکا اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جسکی طرف

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ

تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے

وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ

اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں ☆

اکثریت کا جواب ☆یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن کو سن

کرنا صحیح بالکلیہ مایوس ہو جائے۔ اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ ثقل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی، اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔ (کبیر ملخصاً)

مِمَّا تَدْعُوْنَآ - یعنی جس توحید کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو، اس کی طرف سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس لئے تمہاری بات ہم نہیں سمجھتے۔

وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ - وقر، ثقل، گرانی، ڈاٹ، مطلب یہ کہ ہمارے کان بند ہیں اس لئے تمہاری بات نہیں سنتے۔ یعنی تمہاری دعوت ہم قبول نہیں کرتے اس طرح جیسے کوئی بے عقل اور مکمل بہرا ہو جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ سنتا ہو۔

حجاب کا معنی: حجاب۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان دین کا اختلاف ہے جو ہم کو تمہارے ساتھ جڑ جانے اور مل جانے سے روکتا ہے اور یہ حجاب بھی ایسا ہے جو ہم دونوں کی درمیانی مسافت کو پر کر دینے والا ہے دونوں کے درمیان کوئی خلا نہیں ہے کہ ایک فریق دوسرے کی طرف بڑھ سکے اور حائل ہو سکے۔ آیات مذکورہ میں ترک قبول اور انقطاع کلی کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

فَاعْمَلْ۔ سو آپ اپنے مذہب کے مطابق کام کریں یا یہ مطلب کہ آپ ہمارے افکار و اعمال کے خلاف کام کئے جائیں۔

آیت کا شان نزول: حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ کچھ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان سے فرمایا تمہارے مسلمان نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اسلام لے آؤ گے تو عرب کے سردار بن جاؤ گے قریشیوں نے کہا ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے نہ ہم کو آپ کا کلام سنائی دیتا ہے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ابو جہل نے ایک کپڑا لے کر اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل کر کے کہا محمد **وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دو باتیں ماننے کی دعوت دیتا ہوں۔ شہادت دو کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساتھی نہیں (۲) اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کافروں نے جب یہ بات سنی تو پشت پھیر کر چل دیئے اور بولے کیا اس نے (ہمارے) تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود کو دے دی یہ بڑی عجیب بات ہے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا چلو (چلو) اپنے معبودوں (کی پوجا) پر جمے رہو مقصود یہی ہے ہم نے یہ بات تو پچھلی قوموں میں نہیں سنی تھی یہ محض من گھڑت ہے کیا نصیحت نامہ ہم میں (سب کو چھوڑ کر) اسی پر نازل کیا گیا۔ اس وقت جبرئیل نازل ہوئے اور انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور اس نے فرمایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے سے ان کے دل پردوں میں ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹیں کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا اگر ان کی یہ بات صحیح ہوتی تو قرآن سن کر بھاگتے کیوں بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں سنتے ہیں لیکن سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کو قرآن سے نفرت ہے (یہ واقعہ تو پہلے دن ہوا) جب دوسرا دن ہوا تو ان میں سے ستر آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمدؐ ہمارے روبرو اسلام پیش کیجئے (ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں حضورؐ نے اسلام پیش کیا) اور وہ سب مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا کل تم کہتے تھے کہ تمہارے دل میری دعوت کی طرف سے پردہ پوش ہیں اور تمہارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور آج صبح کو ہی تم مسلمان ہو گئے اللہ کا شکر ہے کہتے گئے اے اللہ کے رسول ہم نے کل جھوٹ کہا تھا اگر وہ بات سچ ہوتی تو ہم کو کبھی ہدایت نہ ملتی اللہ سچا ہے اور بندے جھوٹے ہیں اللہ غنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ

تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو

اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ

کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اس کی طرف

وَاسْتَغْفِرُوْهُ

اور اس سے گناہ بخشواؤ ☆

پیغمبر کا خطاب ☆ یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس و نوع کا ایک آدمی ہوں جس کی بات کا سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بناء پر آسان ہونا چاہئے، اور وہ آدمی ہوں، جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین وحی کے لئے چن لیا ہے بناء علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس انگیز باتیں کرو میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہٰذا سب کو لازم ہے کہ تمام شئون و احوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں اسکے راستہ سے ذرا

ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں اور پہلے اگر ٹیڑھے ترچھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اسکی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا مطلب: (۱) حسن نے کہا اللہ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یعنی میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے وہ علم حاصل نہ ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو میرے پاس وحی ہی تو آئی ہے جس نے بتایا ہے کہ تمہارا سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اس کو کان لگا کر سنو اور قبول کر لو (۲) یا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا یہ مطلب ہے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں نہ جن ہوں کہ تم اس سے تعلیم حاصل نہ کر سکو نہ خلاف عقل باتوں کی میں تم کو تعلیم دیتا ہوں بلکہ توحید کی طرف بلا رہا ہوں جو بالکل تقاضاء عقل کے بھی مطابق ہے اور نقل کے بھی موافق ہے۔ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھا باندھ لو اور اس سے معافی مانگو۔ یعنی خالص توبہ کے ساتھ اللہ کی طاعت کرو اور اللہ کی اطاعت سے رخ موڑ کر کسی دوسرے کی طاعت کی طرف نہ جاؤ اور ہر طرح کے شرک و گناہ کی معافی کی درخواست اللہ سے کرو۔ اس سے آگے نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا
اور خرابی ہے شریک کرنے والوں کو جو نہیں
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
دیتے زکوٰۃ اور وہ آخرت سے
هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝
منکر ہیں ☆

مشرکوں کا انجام ☆ جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں، اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے کے روادار نہیں ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی و بربادی کے اور کیا ہونا ہے۔

زکوٰۃ کا مطلب (تنبیہ) بعض سلف نے یہاں "الزکوٰۃ" سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے "زکوٰۃ" کے معنی پاکیزگی اور ستھرائی کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکوٰۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آ گیا

وھذا کما قال "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" وقال "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا" وقال "وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً" وغیر ذلک شاید یہ معنی اس لئے یہاں لئے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لئے کہ آیت مکی ہے اور زکوٰۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زکوٰۃ کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے

اس کا جواب قرطبی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ قریش عرب مالدار لوگ تھے۔ اور صدقہ و خیرات غریبوں کی امدادوں کا خاص وصف تھا۔ مگر جو لوگ مسلمان ہو جاتے۔ یہ لوگ ان کو اسی طرح کی خاندانی اور معاشرتی امداد سے بھی محروم کر دیتے تھے۔ اس کی مذمت کرنا مقصود ہے اس لئے زکوٰۃ کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

شرک باللہ اور انکار آخرت کے ساتھ اللہ نے آیت مذکورہ میں زکوٰۃ نہ دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ مال سے انسان کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایمان کی اول ترین علامت ہے۔ آیت میں (در پردہ) مومنوں کو ادا زکوٰۃ کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوٰۃ نہ دینے پر سخت تہدید کی گئی ہے۔

زکوٰۃ نہ دینے کا مطلب

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے توحید کا اقرار ہی نفس کی (زکوٰۃ یعنی) طہارت ہے مطلب یہ ہے کہ توحید کا اقرار کر کے وہ شرک کی نجاست سے اپنے نفسوں کو پاک نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ (زکوٰۃ مالی مراد ہو یا طہارت اعمال دونوں صورتوں میں) آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار (جس طرح ایمان کے مکلف ہیں اسی طرح) فروع ایمان کے بھی مکلف ہیں۔

یعنی زکوٰۃ نہ دینے کی علت یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں جو شخص آخرت کا منکر ہو اور زکوٰۃ کے اخروی ثواب کا عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ غریبوں کی مالی امداد کو تضیع مال کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام
لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝
ان کو ثواب ملنا ہے جو موقوف نہ ہو ☆

مومنین کا اجر ☆ یعنی کبھی منقطع نہ ہوگا ابدالآباد تک جاری رہے گا جنت

میں پہنچ کر ہمارے کفار کو فنا کر دیا ان کے ثواب کو۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مصداق: سدی نے کہا جو بیمار۔ اپاہج۔ اور بوڑھے لوگ (جوانی کی طرح) عبادت کرنے سے عاجز ہو گئے ہوں ان کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا مطلب یہ ہے کہ جوانی اور صحت کی حالت میں وہ نیک عمل کرتے تھے۔ کمزوری اور مجبوری کے زمانہ میں بھی ان کے اعمال ویسے لکھے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اچھے طریقہ سے عبادت کرتا رہتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اعمال نویس فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے ویسے ہی اعمال تحریر کرو جیسے وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا یہ حکم اس وقت تک کے لئے دیا جاتا ہے جب کہ اللہ اس کو بیماری سے آزاد کر دے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ و شرح السنۃ۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے ویسے اعمال لکھے جاتے ہیں جیسے وہ وطن میں قیام اور صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ رواہ البخاری۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے اس کے وہی نیک اعمال لکھو جو (صحت کی حالت میں) وہ کیا کرتا تھا اب اگر اللہ اس کو تندرستی دیدیتا ہے تو اللہ (اس بیماری کی مدت سے) اس کے گناہ دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت کر دیتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بیماری کی حالت میں بندہ کے لئے وہ ثواب لکھا جاتا ہے جو بیمار ہونے سے پہلے اس کے اعمال کا لکھا جاتا تھا اور اب بیماری کی مدت سے ان اعمال کو کرنے سے قاصر ہو گیا ہو رواہ رزین۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ
تو کہہ کیا تم منکر ہو اس سے جس نے
خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ
بنائی زمین دو دن میں اور
تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ
برابر کرتے ہو اسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب
الْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹﴾
جہان کا ☆

مقام تعجب ☆ یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اس کی برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا۔ یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اس حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کئے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ سے یہ کہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن۔ سورہ بقرہ رکوع ۳) (معارف حق و علم)

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا
اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اُوپر سے
وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا
اور برکت رکھی اُسکے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی ☆

زمین کی برکت ☆ "اور برکت رکھی اس کے اندر" یعنی قسم قسم کی کانیں درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں اور "ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اسکی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص انداز اور حکمت سے جس کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ضروریات کے موافق خوراکیں مہیا کر دی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ؕ

آیات توت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں۔ کما قالہ ابوسعید و ابن المسیب (ابن جریر رحمہ اللہ)

ہر خطۂ زمین کے الگ الگ خصوصیات کی حکمت

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اسکے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرما دی۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کر دیا کہ اس حصہ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہوا جائیں۔ اسی تقدیر

الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہو گئیں ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب۔ سابور میں سابوری رئے میں طیالسہ۔ کسی خطہ میں گندم کسی میں چانول اور دوسرے غلاف کسی جگہ میں روئی کسی میں جوٹ کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں اور ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔ باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہو سکتی ہے۔ عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کی برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

ضروریات انسانی کا بے مثال گودام

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات غذا مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے۔ جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں وہ زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا اور زمین کے باشندوں کی روزی زمین میں ہی مقرر فرما دی۔ اقواتها میں مضاف محذوف ہے یعنی اقوات اهلها۔ حسن نے کہا اللہ نے زمین میں انسانوں اور چوپایوں کی روزی الگ الگ مقرر کر دی جو چیز جس کے لئے مناسب اور ذریعہ زندگی تھی وہ اس کو دے دی۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا ہر شہر میں وہ چیز پیدا کی جو دوسرے شہر میں نہیں پیدا کی تاکہ ایک شہر والے دوسرے شہر کو لے جائیں اور اس طرح باہم تجارت کر کے زندگی بسر کریں کلبی نے کہا کہ کسی طرف والوں کو روئی کسی سمت والوں کو (صرف) جوار کسی کو چھوارے اور کسی جانب کے رہنے والوں کو مچھلیاں عطا کیں (یعنی ہر سمت کے رہنے والوں کو خاص خاص قسم کی کھانے کی چیزیں عنایت کی۔ (تفسیر مظہری)

فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾

چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو ☆

پیدائش زمین کی مدت ☆ یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدوں کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔"

دن کا مطلب

(تنبیہ) یہاں "دنوں" سے مراد ظاہر ہے معروف متبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں، لامحالہ ان دنوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ (حج۔ رکوع ۶) واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ

پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں سو رہا تھا ☆

☆ یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک تھا دھوئیں کی طرح۔ اس کو بانٹ کر سات آسمان کئے جیسا کہ آگے آتا ہے (تنبیہ) ممکن ہے "دخان" سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کا معنی ثم کا اس جگہ استعمال تاخیر زمانہ کے لئے نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے کے بعد ہوئی اس لئے تاخیر زمانی تو مراد نہیں ہو سکتی بلکہ دونوں تخلیقوں میں تفاوت کے اظہار کے لئے ثُمَّ کا استعمال کیا۔

دخان کیا ہے: وَهِيَ دُخَانٌ شاید دخان سے مراد مادۂ دخان اور وہ چھوٹے چھوٹے اجزا ہوں جن سے آسمان بنایا گیا ہے۔ آسمان کا مادہ دخان یعنی آبی بخارات ہیں کذا قال البغوی (فلاسفہ یونان اور علماء طبعیات کے نزدیک دخان نام ہے ارضی اور آتشی اجزاء کے مخلوط امتزاجی قوام کا اور بخار نام ہے آبی و ہوائی اجزاء کے مرکب امتزاجی کا لیکن بغوی کے قول پر دخان سے مراد آبی بخارات ہیں)۔ (تفسیر مظہری (پارہ ۲۴ جلد دہم)

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ

پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے

كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾

یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے ☆

نظام کائنات ☆ یعنی ارادہ کیا کہ ان دونوں (آسمانوں اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے۔ خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں (بہر حال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں

پیدا ہوئیں اور پہلے جو فرمایا تھا کہ "زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں" یعنی اس میں قابلیت اس چیزوں کے نکلنے کی یکجا دی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین و آسمان کو اللہ تعالیٰ کا حکم: جو تاثیر و تاثر میں نے تمہارے اندر پیدا کیا ہے اس کو لے کر آجاؤ اور جو مختلف اوضاع اور طرح طرح کی کائنات تمہارے اندر میں نے ودیعت کر دی ہیں ان کو ظاہر کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو میں تمہارے اندر سے پیدا کرنے والا ہوں اس چیز کو نمودار کر دو۔

طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول اس طرح نقل کیا ہے میں نے مندوں کی مصلحت کے لئے جو منافع تم دونوں کے اندر پیدا کئے ہیں ان کو ظاہر کرو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آسمان سے ارشاد فرمایا اے آسمان اپنے سورج چاند اور ستاروں کو نمودار کر اور اے زمین اپنے اندر دریاؤں کو رواں کر اور درختوں اور پھلوں کو برآمد کر۔

طَوْعًا اَوْ کَرْھًا۔ چاروناچار حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان و زمین سے ارشاد فرمایا میں نے جو حکم تم کو دیا ہے اس کی تعمیل کرو ورنہ میں تم کو مجبور کر کے اپنے حکم کی تعمیل کراؤں گا۔ آسمان و زمین نے اس کے جواب میں کہا۔

قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ طائعین جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ طائعتین بصیغۂ تثنیۂ مؤنث نہیں فرمایا اس لئے کہ حکم کی اطاعت کا قول کرنے والے آسمان و زمین اور ان کی ساری کائنات تھی اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب آسمان و زمین کی طرف قول کی نسبت کی اور قول کی نسبت ذی عقل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے آسمان و زمین کو ذی عقل مان کر وہ صیغہ استعمال کیا جو ذی عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام میں استعارہ ہے (حقیقی قول مراد نہیں ہے)۔

اتینا سے مراد ہے قدرت کاملہ کا اظہار اور مراد خداوندی کا یقینی قطعی وقوع اور اتینا سے مراد ہے فوراً متاثر ہو جانا جس طرح حاکم و فرماں روا کے حکم کی تعمیل فرماں بردار فوراً کرتا ہے اسی طرح آسمان و زمین نے فرمان پذیری کا مظاہرہ کیا آیت کُنْ فَیَکُوْنُ میں بھی یہی فوری فرمان پذیری ہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ

پھر کر دیے وہ سات آسمان دو دن میں ☆

تعیین ایام کی احادیث ☆ یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان سارے کل چھ دن ہو گئے، جیسا کہ دوسری جگہ "سِتَّۃِ اَیَّامٍ" کی تصریح ہے (تنبیہ) جن احادیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین و ترتیب آئی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے فلاں فلاں دن میں پیدا کی ان میں کوئی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گزری حتیٰ کہ ابوہریرہؓ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیر لکھتے ہیں "وھو من غرائب الصحیح و قد علله البخاری فی التاریخ فقال رواہ معمر عن ابی ھریرۃ عن کعب الاحبار وھو الصحیح" اور روح المعانی میں بنقل شافعی سے نقل کیا ہے "تفرد به مسلم و قد تکلم علیه الحفاظ علی ابن المدینی والبخاری وغیرھما وجعلوه من کلام کعب وان ابا ھریرۃ انما سمعه منه ولکن اشتبه علی بعض الرواۃ فجعله مرفوعاً"

تخلیق زمین و آسمان میں تقدیم و تاخیر کا مسئلہ

باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ بقرہ کی آیت ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو ظاہر ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے اور سورہ "نازعات" میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیے گئے ہیں احقر کو ابوحیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں "ثُمَّ" اور دوسری میں "بعد ذلک" تراخی زمان کیلئے ہو۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں جیسے "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" میں۔ یا دوسری جگہ "عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ" میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہرحال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تامل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کیلئے لکھ دیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین و آسمان کی تخلیق کے دن

صحیح یہ ہے کہ آغاز تخلیق اتوار کے دن سے ہوا لیکن اس حدیث میں سنیچر کے دن ابتداء تخلیق قرار دی گئی ہے آیت خلق الجبال رواسی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں وغیرہ کی پیدائش تیسرے اور چوتھے دن (منگل اور بدھ) ہوئی لیکن حدیث میں پہاڑوں کی پیدائش اتوار کے دن اور درختوں کی پیدائش پیر کے دن بتائی گئی ہے۔ تخلیق آدم کے قصہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت مدت کے بعد آدم کی تخلیق ہوئی اللہ نے فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً الخ پھر تخلیق آدم کے بیان میں آیا ہے کہ آدم کی مٹی چالیس روز گوندھی گئی اب حدیث مذکورہ کی رو سے اگر آدم کی پیدائش جمعہ کی آخری ساعت میں قرار دی جائے تو آغاز تخلیق جمعہ کے دن سے ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

اور اتارا ہر آسمان میں حکم اس کا ☆

☆یعنی جو حکم جس آسمان کے لئے مناسب تھا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یہ رب کو معلوم ہے کہ وہاں کون مخلوق بستی ہے اور اس کا کیا اسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے۔ اتنی زمین میں ہزاروں ہزار کارخانے ہیں تو اتنے بڑے آسمان کب خالی پڑے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کیا حکم دیا عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اللہ نے ہر آسمان کے اندر اس کی مخلوق یعنی ملائکہ دریا پہاڑ زمہریر اور وہ سب چیزیں پیدا کر دیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ اور سدی نے کہا یعنی آسمان میں سورج چاند اور ستارے پیدا کر دیئے۔ مقاتل نے کہا اللہ نے جو امر و نہی وحی کرنی چاہی وہ آسمان کو وحی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ ۖ
اور رونق دی ہم نے سب سے نیچے آسمان کو چراغوں سے
وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ
اور محفوظ کر دیا یہ ٹھہرایا ہوا ہے زبردست
الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾
خبردار کا ☆

آسمان کی زینت ☆یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قندیلوں چراغوں سے آسمان کیسا پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کی وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بمصابیح۔ مصابیح سے مراد ہیں ستارے۔

وحفظا۔ یعنی ہم نے آفات یا چوری کرنے والوں سے اس کو محفوظ کر دیا یا حفظا مفعول لہٗ ہے یعنی زینت اور حفاظت کے لئے ہم نے آسمان دنیا میں ستارے پیدا کر دیئے۔

العزیز۔ اپنی حکومت میں غالب۔

العلیم۔ اپنی مخلوق سے واقف۔ (تفسیر مظہری)

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً
پھر اگر وہ ٹالیں تو تو کہہ میں نے خبر سنا دی تمکو ایک سخت عذاب
مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾
کی جیسے عذاب آیا عاد اور ثمود پر ☆

کفار مکہ کو تنبیہ ☆یعنی کفار مکہ اگر ایسے عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید و اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی عاد و ثمود وغیرہ اقوام معاندین کی طرح ہو سکتا ہے۔ (تسہیل)

إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ
جب آئے ان کے پاس رسول آگے
أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
سے اور پیچھے سے ☆

جاءتھم الرسل کا مطلب ☆یعنی ہر طرف سے۔ شاید بہت رسول آئے ہوں گے مگر مشہور یہی دو رسول ہیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما وعلیہما الصلوٰۃ والسلام اور یا۔ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ ۔ سے مراد یہ ہو کہ ان کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے آئے۔ کوئی جہت اور کوئی پہلو نصیحت و تفہیم کا نہیں چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ ۔ جب قوم عاد و ثمود کے پاس ان کے پیغمبر آئے۔

آگے اور پیچھے سے کیا مطلب

ہر طرف سے پہنچ کر ان کو ہدایت کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے گذرا ہوا اور آنے والا زمانہ۔ گذشتہ کافروں پر کیا گذرا وہ بھی بتایا اور آئندہ آخرت میں ان پر کیا عذاب ہوگا اس سے بھی ڈرایا۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے پہلا پچھلا۔ پہلے لوگوں کو احوال کی اطلاع ان کو تھی اور حضرت ہود و حضرت صالح نے ان کو پچھلے لوگوں کے احوال سے بھی باخبر کر دیا اور اس طرح ایمان کی دعوت دی۔ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد ہے کثرت جیسے دوسری آیت میں آیا ہے۔ يَاْتِيَنَّهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ یعنی قوم عاد و ثمود نے جواب دیا۔

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ ۔ یعنی تم جو رسول ہونے کے مدعی ہو اور کہہ رہے کہ تم کو تبلیغ و توحید کے لئے بھیجا گیا۔ ہم اس کو نہیں مانتے تم بھی ہماری طرح آدمی ہی سو تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

عتبہ والے واقعہ کی تفصیل

بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو

جہل نے اور قریش کے کچھ سرداروں سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہماری سمجھ میں ٹھیک ٹھیک نہیں آتا۔ کسی ایسی آدمی کو تلاش کرو جو شاعری اور کہانت اور جادو سے واقف ہو وہ جا کر محمد سے گفتگو کرے اور پھر آ کر ہم کو صاف صاف بتائے عقبہ بن ربیعہ بولا والد میں نے شعر بھی سنے ہیں اور کہانت وسحر کے الفاظ بھی اور مجھے اس سے کچھ واقفیت بھی ہے اگر اس میں سے کوئی بات ہوئی تو مجھ سے چھپی نہیں رہے گی عرض عقبہ وہاں سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم بہتر ہو یا ہاشم بہتر ہو یا عبدالمطلب تم بہتر ہو یا عبداللہ تم ہمارے معبودوں کو کیوں برا کہتے ہو اور کیوں ہمارے اسلاف کو گمراہ قرار دیتے ہو اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم اپنے جھگڑے تم کو دے دیں گے اور اگر عورت کے خواہشمند ہو تو قریش کی دس عورتوں سے جن کو تم پسند کرو تمہارا نکاح کر دیں گے اور اگر تم مال کے طلبگار ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم بھی دولت مند ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد آنے والی نسل بھی۔ عقبہ کہتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے سنتے رہے جب وہ کہہ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات مثل صاعقہ عاد وثمود تک پڑھیں عقبہ نے (بارگر) فوراً حضور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کی قسم دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی پھر لوٹ کر سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا قریش کے پاس نہیں گیا۔ اپنے گھر بیٹھ رہا یہ حالت دیکھ کر ابوجہل نے کہا اے قریش واللہ وغدا کی قسم ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ عقبہ محمد کی طرف جھک گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پر ریجھ گیا اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے ذرا اس کے پاس چلو۔ قریش والے عقبہ کے پاس گئے اور ابوجہل نے اس سے کہا عقبہ خدا کی قسم ہم کو تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم تو ہمارے پاس نہیں آئے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارا جھکاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گیا اور تم ان کے کھانے پر ریجھ گئے اگر تم قرور تمند ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں محمد کے کھاتے سے تم کو بے نیاز کر دے یہ بات سن کر عقبہ کو غصہ آ گیا اور قسم کھا کر کہا آئندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات کبھی نہیں کرے گا اور لولاغم لوگ واقف ہو کہ میں قریش کے اندر بڑے مالدار لوگوں میں سے ہوں بات یہ ہوئی کہ میں ان کے پاس گیا تھا اور ان سے پورے حالات بیان کئے تھے لیکن انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ کہانت اور جادو (کے الفاظ) پھر عقبہ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی یہ کلام سن کر میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا کہ وہ چپ ہو جائیں تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتا ہے تو جھوٹ نہیں کہتا ان سے مجھے ڈر ہو گیا کہ کہیں تم پر عذاب آ جائے۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے ہم سے کہا گیا ہے کہ عقبہ بڑا دانشمند سردار تھا قریش کی مجلس میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تنہا مسجد (کعبہ) میں تشریف فرما تھے۔ تب کہا اے گروہ قریش کیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ان سے کچھ گفتگو کروں اور چند باتیں ان کے سامنے رکھوں شاید وہ ہماری کوئی بات قبول کر لیں اور ہم ان کی وہ بات پوری کر دیں اور وہ پھر ہم سے کچھ تعرض نہ کریں یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بڑھتے جا رہے تھے۔ قریش نے کہا ابوالولید ایسا ہی کرو۔ وہاں کے پاس جاؤ اور بات کرو عقبہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا میرے بھتیجے تم جانتے ہو کہ تمہارا کنبہ وسیع ہے اور نسبی لحاظ سے بھی تمہارا ایک خاص مقام ہے لیکن تم نے ایک بڑی بات کی ہے جس سے قریش کی جماعت میں تم نے پھوٹ ڈال دی اور سب کو بیوقوف قرار دیا اور ان کے معبودوں کی خرابیاں بیان کیں اور ان کے گذشتہ باپ دادا کو کافر بتایا ذرا کان لگا کر میری بات سنو میں چند چیزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں تم ان پر غور کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالولید کہو کیا بات ہے میں عتبہ نے کہا بھتیجے اگر تم جو کہتے ہو اس سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے اور اگر سرداری کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیں گے اور اگر تم کو کچھ دکھائی دیتا ہے (یعنی جنوں یا جن کا اثر ہے) تو ہم تمہارا علاج تلاش کریں گے اور ممکن ہے یہ شعر ہوں جو تمہارے سینہ سے ابلتے ہوں (اور تم ان کو روک نہ سکتے ہو) تو اے بنی مطلب تم کو اس (شاعری) پر وہ قدرت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے جب عتبہ بات ختم کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالولید کیا تم اپنی بات پوری کر چکے عتبہ نے کہا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو اب میری سنو عتبہ نے کہا سناؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ٹکائے ان پر سہارا لگائے خاموشی کے ساتھ کان لگائے سن رہا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور فرمایا ابوالولید یہ تمہاری بات کا جواب ہے۔ عتبہ فوراً اٹھ گیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ اہل مجلس میں سے ایک نے دوسرے سے خدا کی قسم کھا کر کہا ابوالولید جو خیال لے کر گیا تھا اس کے خلاف خیال لے کر واپس آ رہا ہے جب عتبہ آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا کیا خبر لائے ابوالولید۔ عتبہ نے کہا خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم

میں نے ویسا کلام کبھی نہیں سنا نہ وہ شعر ہے نہ جادو نہ کہانت پر اور ان قریش میرا کہا مانو اس شخص کو یونہی چھوڑ دو جو کچھ کر رہا ہے کرنے دو تم کچھ تعرض نہ کرو اس سے علیحدہ رہو جو بات میں نے اس سے سنی ہے خدا کی قسم اس کی کچھ حقیقت ہو کر رہے گی اگر عرب اس پر کامیاب ہو جائیں گے تو تمہارا کام ہو جائیگا اور اگر یہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی حکومت تمہاری حکومت اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اس کی وجہ سے تم بڑے خوش نصیب ہو جاؤ گے قریش نے کہا ابوالولید واللہ اس نے تیرے اوپر جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا میرا تمہارے لئے یہی مشورہ ہے اب تم جو چاہو کرو۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

کہ نہ پوجو کسی کو سوائے اللہ کے کہنے لگے اگر

رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

ہمارا رب چاہتا تو بھیجتا فرشتے سو ہم تمہارا دیا ہوا

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

نہیں مانتے ☆

☆ یعنی خدا کا رسول بشر کیسے ہو سکتا ہے اگر اللہ کو واقعی رسول بھیجنا تھا تو آسمان سے کسی فرشتہ کو بھیجتا بہرحال تم اپنے زعم کے موافق جو باتیں خدا کی طرف سے لائے ہو ہم ان کو ماننے کیلئے تیار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ

سو وہ جو عاد تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق

الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں

قوم عاد ☆ شاید رسولوں نے جو عذاب کی دھمکی دی ہوگی اس کے جواب میں یہ کہا ہو کہ ہم سے زیادہ زور آور کون ہے جس سے ہم خوف کھائیں۔ کیا ہم جیسے طاقتور انسانوں پر تم اپنا رعب جما سکتے ہو؟ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ان کے جسم بہت بڑے بڑے ہوتے تھے۔ بدن کی قوت پر غرور آیا غرور کا دم بھرنا اللہ کے ہاں وبال لاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ

کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ جس نے ان کو بنایا

هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

وہ زیادہ ہے ان سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں

يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

سے منکر ☆

☆ یعنی دل میں انکا حق ہونا سمجھتے تھے مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے چلے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ

☆ پھر بھیجی ہم نے ان پر ہوا بڑے زور کی کئی دن

اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ

جو مصیبت کے تھے تاکہ چکھائیں انکو رسوائی کا عذاب

الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

دنیا کی زندگانی میں ☆

عذاب ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "ان کا غرور توڑنے کو ایک کمزور مخلوق سے انکو تباہ کرا دیا۔ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا رہا۔ درخت، آدمی، مکان، مواشی کوئی چیز نہ چھوڑی۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد پر عذاب کس وقت اور کتنے وقت میں ہوا

ضحاک نے فرمایا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے تین سال تک بارش بالکل بند کر دی اور تیز و تند خشک ہوائیں چلتی رہیں اور آٹھ روز سات راتیں مسلسل ہوا کا شدید طوفان رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ واقعہ آخر شوال میں ایک بدھ کے روز سے شروع ہو کر دوسرے بدھ تک رہا۔ اور جس کسی قوم پر عذاب آیا ہے وہ بدھ ہی کے دن آیا ہے۔ (قرطبی و مظہری)

اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کی علامت

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر بارش برساتے ہیں اور زیادہ تیز ہواؤں کو ان سے روک لیتے ہیں۔ اور جب کسی قوم کو مصیبت میں مبتلا کرنا ہوتا ہے تو بارش ان سے روک لی جاتی ہے اور ہوا میں زیادہ اور تیز چلنے لگتی ہیں۔

کوئی وقت منحوس نہیں ہے

[illegible] اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے

کہ کوئی دن یا رات اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے۔ قوم عاد پر طوفان باد کے ایام کو نحسات فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دن اس قوم کے حق میں ان کی بد اعمالیوں کے سبب منحوس ہو گئے تھے اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ دن سب کے لئے منحوس ہوں۔ (مظہری و بیان القرآن) اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق کہ کوئی چیز اپنی ذات میں منحوس ہو سکتی ہے یا نہیں احقر کی کتاب احکام القرآن حزب خاص میں دیکھ لیں جو عربی میں طبع ہو چکی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

اور آخرت کے عذاب میں تو پوری رسوائی ہے

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور اُن کو کہیں مدد نہیں ☆

عذاب آخرت ☆ یعنی آخرت کی رسوائی تو بہت ہی بڑی ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلے گی نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا۔ ہر ایک کو اپنی فکر پڑی ہوگی۔ محبت و ہمدردی کے بڑے بڑے مدعی آنکھیں چرائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے اُن کو راہ بتلائی، پھر انکو خوش لگا

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى

اندھا رہنا راہ سوجھنے سے ☆

قوم ثمود ☆ یعنی نجات کا راستہ جو ہمارے پیغمبر نے بتلایا تھا اس سے آنکھیں بند کر لیں اور اندھا رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی پسند کی ہوئی حالت میں انہیں پڑا چھوڑ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فهدیٰهم ۔ یعنی خیر و شر دونوں کے راستے بتا دیئے اور پیغمبروں کی وساطت سے ان کو سیدھا راستہ دکھا دیا۔ کذا فسر ابن عباسؓ۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ۔ یعنی ایمان کے مقابلہ میں انہوں نے جہالت اور کفر کو پسند کیا۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ

پھر پکڑا اس کو لڑکے نے ذلت کے عذاب کی

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

بدلہ اُس کا جو کماتے تھے ☆

زلزلہ ☆ یعنی زلزلہ آیا جسکے ساتھ سخت ہولناک آواز تھی اس آواز سے جگہ پھٹ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور بچا دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے ☆

اہل ایمان ☆ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بدی کے راستہ سے بچ کر چلتے تھے انکو اللہ نے صاف بچا لیا۔ نزول عذاب کے وقت ان پر ذرا آنچ بھی نہیں آئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ

اور جس دن جمع ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر تو اُن کی

يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

جماعتیں بنائی جائینگی ☆

قیامت میں مجرموں کے گروہ ☆ یعنی ہر ایک قسم کے مجرموں کی الگ جماعت ہوگی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

یہاں تک کہ جب پہنچیں اُس پر بتائیں گے اُن کو

سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ

اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے چمڑے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

جو کچھ وہ کرتے تھے ☆

اعضاء کی گواہی ☆ دنیا میں کانوں سے آیات تنزیلیہ سنیں اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ دیکھیں، مگر کسی کو نہ مانا۔ ہر بن مو سے خدا کی نافرمانی کرتے رہے یہ خبر نہ تھی کہ گناہوں کا یہ سارا ریکارڈ خود انہی کی ذات میں محفوظ ہے جو وقت پر کھول دیا جائے گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر میں کفار اپنے جرائم کا زبان سے انکار کریں گے اس وقت حکم ہوگا کہ ان کے اعضا کی شہادت پیش کی جائے جس کے ذریعہ سے گناہ کیے تھے چنانچہ ہر ایک عضو شہادت دے گا اور اس طرح زبان کی تکذیب ہو جائے گی، تب مسوت و حیران ہو کر اپنے اعضا کو کہے گا (کم محتوا) دور ہو جاؤ! تمہاری ہی طرف سے تو میں جھگڑتا اور مدافعت کر رہا تھا (تم خود ہی اپنے جرموں کا اعتراف کرنے لگے) (تفسیر عثمانی)

کیا کیا چیزیں گواہی دیں گی

مقاتل نے کہا ہاتھ پاؤں بولیں گے۔ مسلم نے حضرت انس کی روایت سے لکھا ہے حضرت انس نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یکایک حضور مسکرائے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے فرمایا میں اس لئے مسکرا رہا ہوں کہ بندہ اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کرے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دے رکھی ہے (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہوگا) اللہ فرمائیگا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا پھر میرے خلاف شہادت دینے والا کوئی میرا ہی جزو ہو گا اور (باہر والے) کو میں اپنے خلاف شہادت دینے کی اجازت نہیں دوں گا اللہ فرمائے گا بس آج تیرا ہی نفس تیرے خلاف شہادت دے گا یا اعمال لکھنے والے ملائکہ شاہد ہوں گے ان کے بعد اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء کو حکم دیا جائے گا تم بولو ہاتھ پاؤں اس کے اعمال بول کر بتائیں گے پھر اس کو بات کرنے کی آزادی دے دی جائے گی (یعنی منہ پر سے مہر ہٹالی جائے گی) تو وہ (اعضاء سے) کہے گا دور ہو جاؤ تمہارا ناس جائے تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس طرح بیان کیا ہے اللہ اس کے منہ پر مہر کر دے گا اور اس کی ران کو بولنے کا حکم دے گا فوراً اس کی ران اس کا گوشت اور ہڈی بول پڑے گی اور اس کے اعمال بیان کرے گی۔ (ذکرہ البغوی)

دل کی گواہی اور حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ آنیوالا ہر انسان کو یہ ندا دیتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور جو کچھ تو میرے اندر عمل کرے گا قیامت میں میں اس پر گواہی دوں گا۔ اس لئے تجھے چاہئے کہ میرے ختم ہونے سے پہلے پہلے کوئی نیکی کر لے کہ میں اسکی گواہی دوں اور اگر میں چلا گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہ پائے گا۔ اسی طرح ہر رات انسان کو یہ ندا دیتی ہے۔ (ذکرہ ابو نعیم) (مواردہ بعد ختم سورۃ حم)

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ

اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں بتلایا ہم کو ☆☆

اعضاء کو ملامت (۲۱) یعنی جب میں زبان سے انکار کر رہا تھا تو تم پر ایسی کیا مصیبت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ بتلانا شروع کر دیا اور آخر یہ بولنا تم کو سکھلایا کس نے۔ (تنبیہ بلاغی)

کافر کی ہٹ دھرمی (ابن ابی حاتم) ابو یعلی میں ہے حضور فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بداعمالیاں لائی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں۔ کہے گا یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ ان سے قسم دلوائے گا وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرتا رہیگا۔ حد سب کو چپ کرا دے گا اور خود ان کی رہانیوں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائیگا۔

تعجب خیز بات حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے پوچھا تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے سوئے تھے ان کے علاقہ کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی اتنی میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی مکار! تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہو گا جب کہ اللہ تعالیٰ اپنی کرسی بچھائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے اور ایک ایک عمل کھل جائیگا اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے وہ سچ کہا اس نے سچ کہا۔ اس قوم کو خدا تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

وہ بولیں گے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو ☆☆

☆☆ یعنی جس کی قدرت نے ہر ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی، آج اسی نے ہم کو بھی گویا کر دیا۔ نہ بولتے اور بتلاتے تو لیا مرتے۔ جب وہ قادر ناطق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی کیا ہاتھ پاؤں میں نہیں رکھ سکتا۔ (تیسیر شنقیطی)

وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ

اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار اور اسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ (۲۱)

پھیرے جاتے ہو ☆☆

☆☆ یہ مقولہ یا اللہ تعالیٰ کا ہے کہ یا جلود کا ہے۔ دونوں احتمال ہیں۔ (تنبیہ جلالین)

تین کم سمجھ آدمی بخاری و مسلم میں نیز بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حبیب کے دو ثقفی اور ایک قریشی یا دو قریشی اور ایک ثقفی شخص جمع ہوئے ان تینوں کے پیٹ تو موٹے تھے جن پر چربی کی تہ تھی

ہوئی تھی اور دلوں میں سمجھ کم تھی ایک بولا کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ ہماری باتیں سنتا ہے دوسرا بولا ہم چلا کر بولیں تو سنتا ہے۔ اور چپکے چپکے بات کریں تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا اگر وہ چلا کر بات کرنے کو سنتا ہے تو چپکے کی بات بھی ضرور سنے گا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ ثقفی شخص عبد یالیل تھا اور دونوں قریشی آدمی ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ
اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس بات سے کہ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ
تم کو بتلائیں گے تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں
وَلَا جُلُوْدُكُمْ
اور نہ تمہارے چمڑے ☆

نادانی ☆ یعنی غیر سے چھپ کر گناہ کرتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں بتلا دیں گے۔ ان سے بھی پردہ کریں اور کرنا بھی چاہتے تو اس کی قدرت کہاں تھی۔ (تفسیر عثمانی)

تَسْتَتِرُوْنَ کا معنی: بغوی نے لکھا ہے اکثر علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے "تم چھپا نہیں سکتے تھے" مجاہد نے ترجمہ کیا تم ڈرتے نہ تھے۔ قتادہ نے کہا تم خیال بھی نہیں کرتے تھے کہ تمہارے ہاتھ اور پاؤں تمہارے خلاف شہادت دیں گے لیکن تمہارا خیال تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر نہیں ہے اسی لئے تم اپنے برے اعمال دنیا کی سے کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ
پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا
كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝
بہت چیزیں جو تم کرتے ہو ☆

دل کا چور ☆ یعنی اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تم کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہوگا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمام حرکات سے باخبر ہے اور اس کے ہاں ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ
اور یہ وہی تمہارا خیال ہے جو تم رکھتے تھے
بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ
اپنے رب کے حق میں، اسی نے تمکو غارت کیا پھر آج رہ گئے
الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
ٹوٹے میں پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا
اُن کا گھر ہے اور اگر وہ منایا چاہیں
فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝
تو ان کو کوئی نہیں مناتا ☆

عذاب کسی طرح نہ ٹلے گا ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی دنیا میں بعضے بلا صبر سے آسان ہوتی ہے۔ وہاں صبر کریں یا نہ کریں دوزخ گھر ہو چکا (جہاں سے کبھی نکلنا نہیں) اور بعض بلا مت خوشامد کرنے سے ٹلتی ہے وہاں بہتیرا چاہیں کہ منت کریں، کوئی قبول نہیں کرتا۔" (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا یعنی اگر وہ رب کو راضی کرنا چاہیں گے اور خواستگار عقبیٰ ہوں گے۔ عقبیٰ کا معنی ہے اپنی پسندیدہ حالت کی طرف لوٹنا۔

فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۔ تو ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

جیسا گمان ویسا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں حضرت حسنؒ اتنا فرما کر کچھ تامل کر کے فرمانے لگے جس کا جیسا گمان خدا کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔ مؤمن چونکہ خدا کے ساتھ نیک ظن ہوتا ہے وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے۔ اور کافر و منافق چونکہ خدا کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ
اور لگا دیے ہم نے اُنکے پیچھے ساتھ رہنے والے، پھر انہوں نے خوبصورت
مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
بنا دیا انکی آنکھوں میں اُس کو جو اُنکے آگے ہے اور جو اُنکے پیچھے ہے ☆

اعراض کا نتیجہ یعنی ان پر شیطان تعینات تھے۔ ان کو برے کام جو پہلے تھے یا آگے کرتے بھلے کر کے دکھلائیں اور تباہ کن ماضی و مستقبل کو خوبصورت سا کر ان کے سامنے پیش کریں۔ اور یہ شیطانوں کا تعینات کیا جانا بھی ان کے اعراض عن الذکر کا نتیجہ تھا کما قال تعالیٰ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (زخرف۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ
اور ٹھیک پڑ چکی ان پر عذاب کی بات ان فرقوں کے
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ
ساتھ جو گذر چکے اور ان سے پہلے جنوں
وَالْاِنْسِ ۚ
کے اور آدمیوں کے ☆

☆ یعنی وہ ہی بات جو شروع میں کہی گئی تھی لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (ھود۔ رکوع ۱۰)۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾
بیشک وہ تھے ٹوٹے والے ☆

☆ جب آدمی کو خسارہ آتا ہے تو اسی طرح آتا ہے اور ایسے ہی سامان ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا
اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو
لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾
کے پڑھنے میں شاید تم غالب ہو ☆

آواز حق ☆ قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دلوں میں اتر کرتی تھی جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اور اس سے روکنے کی تدبیر کفار نے یہ نکالی کہ جب قرآن پڑھا جائے ادھر کان مت دھرو، اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں۔ اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائیگی۔ آج بھی جاہلوں کو ایسی ہی تدبیریں سوجھا کرتی ہیں کہ کام کی بات کو شور مچا کر سننے نہ دیا جائے۔ لیکن صداقت کی سڑک مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے۔ ان سب تدبیروں کے باوجود حق کی آواز قلوب کی گہرائیوں تک پہنچ کر رہتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی بک بک

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کچھ لوگ دوسروں سے کہتے تھے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تم قرآن پڑھتے دیکھو تو ان کے سامنے رجز اور شعر خوب پڑھو اور بیہودہ باتیں کرو مجاہد نے کہا گڑبڑ کرنے سے مراد ہیں سیٹیاں اور تالیاں بجانا ضحاک نے کہا خوب باتیں کرو کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہوں اس میں گڑبڑ پیدا ہو جائے۔ سدی نے کہا ان کے سامنے جا کر شور مچاؤ چیخو چلاؤ۔ (تفسیر مظہری)

کفار جب قرآن کے مقابلہ سے عاجز ہو گئے اور اس کے خلاف ان کی ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو اس وقت انہوں نے یہ حرکت شروع کی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابوجہل نے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن پڑھا کریں تو تم ان کے سامنے جا کر چیخ و پکار اور شور و غل کرنے لگا کرو۔ تاکہ لوگوں کو پتہ ہی نہ چلے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ (قرطبی)

تلاوت قرآن کے وقت خاموش ہو کر سننا واجب ہے خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور و غل کرنا تو کفر کی علامت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاموش ہو کر سننا واجب اور ایمان کی علامت ہے۔ آجکل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کھولا جاتا ہے۔ جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں۔ اس کی صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرما دیں کہ یا تو ایسی مواقع میں تلاوت قرآن کیلئے کھولیں اگر کھولنا ہے اور برکت حاصل کرنا ہے تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس طرف متوجہ ہو کر سنیں دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں۔ (معارف ملتی اعظم)

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا
سو ہم کو ضرور چکھاتا ہے منکروں کو سخت عذاب
شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ
اور ان کو بدلہ دینا ہے برے سے برے کاموں

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کا جو وہ کرتے تھے ☆

☆ اس سے زیادہ برا کام کونسا ہوگا کہ خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے۔ (تفسیر جلالی)

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ

یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ

لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ

ان کا اسی میں گھر ہے سدا کو بدلہ اس کا

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے ☆

☆ یعنی دل میں سمجھتے تھے لیکن ضد اور تعصب وعناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے۔ (تفسیر جلالی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا

اور کہیں گے وہ لوگ جو منکر ہیں اے رب ہمارے تو کو دکھلا دے

الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ

وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن ہے

وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا

اور جو آدمی کہ ڈالیں ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے

لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

کہ وہ رہیں سب سے نیچے ☆

کافروں کی تمنا ☆ یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہیں لیکن آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا رکھا، اس آفت میں گرفتار ہونے سے ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت وخواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں تاکہ اتمام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔ (تفسیر جلالی)

برے کام کی بنیاد ڈالنے والوں کا حشر

الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا۔ یعنی جنات اور انسانوں میں سے جس نے ہم کو بہکایا اور گمراہ پر آمادہ کیا ان کو ہمارے سامنے لے آ۔ جنس کے نزدیک وہ بہکانے والوں سے مراد ہیں ابلیس اور حضرت آدم علیہ السلام کا قاتل کافر ومعصیت کی بنیاد ڈالنے والے یہی دونوں تھے۔ (معالم التنزیل)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

اسی پر قائم رہے اس پر اترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وعدہ تھا ☆

اہل ایمان واستقامت کا انعام

یعنی دل سے اقرار کیا اور اس پر قائم رہے اس کی ربوبیت والوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا نہ اس یقین واقرار سے مرتے دم تک ہٹے نہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلا جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضاء پر اعتقاد اور عمل رہے۔ اللہ کی ربوبیت کا مسکا حق پہچانا جو عمل کیا خالص اس کی خوشنودگی اور شکر گزاری کے لئے کیا اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق وفرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے راستہ پر چلے۔ ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین وتسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر وغم ختم ہوئے اور کسی آنے والی آفت کا اندیشہ بھی نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی وروحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے۔ اور جنت کے جو وعدے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کئے گئے تھے وہ اب تم سے ایفاء کئے جانے والے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ملنے کا یقین حاصل ہونے پر کوئی فکر اور غم آدمی کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (تنبیہ) بہت ممکن ہے کہ متقین واہل ابرار پر

اس دنیوی زندگی میں بھی ایک قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہے جو اللہ کے حکم سے ان کے دینی و دنیوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہیں۔ جوان کے شرح صدور اور تسکین واطمینان کا موجب ہو جاتا ہے جیسے ان کے بالمقابل ایک دوآیت پہلے نازل ہوتا ہے کہ کفار پر شیطان مسلط ہیں جو تزیین قبائح سے ان کے اغوا کا سامان کرتے ہیں چنانچہ دوسری جگہ شیاطین کے حق میں بھی لفظ 'تنزل' استعمال ہوا ہے قال تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (شعراء۔ رکوع ۱۲) بہرحال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقدیر پر اگلی آیت نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تسہیل)

استقامت کے معنی۔ پہلے جز کو لفظ استقامت سے تعبیر فرما کر ارشاد ہوا اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا۔ یعنی جن لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یقین کر لیا اور اس کا اقرار بھی کر لیا یہ تو اصل ایمان ہوا۔ آگے اس پر مستقیم بھی رہے یہ عمل صالح ہوا۔ اس طرح ایمان اور عمل صالح کے جامع ہو گئے۔ لفظ استقامت کا جو مفہوم خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ ایمان و توحید پر قائم رہے اس کو چھوڑا نہیں۔ یہ تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنیؓ سے منقول ہے انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ۔ الاستقامة ان تستقيم على الامر والنهي ولا تروغ روغان الثعالب۔ (مظہری) (استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام اور اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر ادھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نکالو) اس لئے علما نے فرمایا کہ استقامت تو ایک لفظ مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے جس میں تمام احکام البیہ پر عمل اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حاضرین سے فرمایا تم لوگ اس دونوں آیتوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو (اللہ نے فرمایا ہے) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (اس کا کیا مطلب ہے دوسری آیت میں فرمایا) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (ظلم سے کیا مراد ہے) حاضرین نے جواب دیا ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ اس پر قائم رہے اور اوامر کے پابند رہے اور پھر کوئی گناہ نہیں کیا اور لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایمان کے بعد انہوں نے گناہ نہیں کیا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آپ لوگوں نے آیت کی تفسیر میں بڑی شدت اختیار کی لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے پھر ایمان کو شرک کے ساتھ ملوث نہیں کیا اور ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرار ربوبیت و وحدانیت کے بعد اس پر قائم رہے ہٹ پرستی کی طرف نہیں لوٹے۔ کذا فی ازالۃ الخفا و شیخ ولی اللہؒ۔ نسائی بزار اور ابو یعلی وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الذین قالوا ربنا اللہ تلاوت فرمائی پھر فرمایا کچھ لوگوں نے یہ بات دہرا دی اور خوف کی وجہ سے کبھی پھرا کثر منکر ہو گئے جو مرتے وقت اس کا قائل رہا وہ صاحب استقامت ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفانؓ نے استقاموا کا ترجمہ کیا انہوں نے خالص اللہ کے لئے عمل کیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پھر انہوں نے فرائض ادا کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پھر وہ اوامر فرائض پر قائم رہے۔ حسنؒ نے کہا پھر وہ امر الٰہی پر قائم رہے اللہ کی اطاعت کرتے رہے اور نافرمانی سے بچتے رہے مجاہد اور عکرمہ نے کہا اللہ سے ملنے کے وقت یعنی مرتے دم تک لا الہ الا اللہ کی شہادت پر قائم رہے مقاتل نے کہا معرفت پر قائم رہے۔ پھر معرفت سے نہیں پھرے۔

یہ تمام اقوال اسی مضمون کی مختلف تعبیریں ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ان تمام امور کو شامل ہے جن کا سجالنا اللہ نے فرض کیا ہے اور ان امور کو بھی حاوی ہے جن سے احتراز رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے خواہ ان اوامر و نواہی کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق سے یا اعمال سے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا بیان کردہ مطلب بتا رہا ہے کہ شہرت کی طلب اور دکھاوا وہ نہیں کرتے مجاہد اور عکرمہ کے قول کا بھی یہی حاصل ہے غرض استقامت بغیر فنا نفس و قلب کے نہیں حاصل ہوتی اور معرفت الٰہیہ کا حصول جو مقاتل کے قول میں آیا ہے اسی طریقہ سے ہوتا ہے جو صوفیہ نے اپنی اصطلاحات میں بیان کیا ہے۔

قتادہ کا بیان ہے حضرت حسنؒ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہم کو استقامت نصیب کر۔ حسنؒ صوفیہ کے سرگروہ تھے اکثر سلسلوں کا سرچشمہ وہی تھے۔ (تفسیر مظہری)

مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضاء

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ یعنی ہم تمہارے ولی سرپرست اور دوست ہیں دنیا اور آخرت میں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ولایت اور محبت دنیا میں اور آخرت میں ایک ایسا عظیم العام ہے کہ دنیا اور ماٹیہا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ بلکہ اخروی نعمتوں میں بھی یہ بہت ہی بلند پایہ نعمت ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی جنت کی ہر نعمت اور راحت سے زائد اور بلند ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جنت میں اہل جنت کو تمام انعامات سے نوازنے کے بعد فرمائے گا۔ اے میری ہندو کیا تمہیں کچھ اور چیز مطلوب ہے۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہیے ہم کو تو وہ نعمتیں دیدی گئیں ہیں جو جہاں والوں میں کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس پر اعلان ہوگا۔ رضائی لا اسخط علیکم بعدہ ابدا۔ کہ میری رضامندی اور خوشنودی ہے تمہارے لئے۔ اب آئندہ میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ (سارے کا سارا حصہ)

سب سے آسان آیت

حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کون سی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید خدا پر تا عمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔

استقامت کی دعا

ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض خدا کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا فَارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَةَ خدایا تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اسلام کے بعد سب سے اہم بات

حضرت سفیان بن عبداللہؓ ثقفی نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے سلسلہ میں مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے ارشاد فرمایا کہو آمَنْتُ بِاللّٰهِ (میں اللہ پر ایمان لایا) پھر استقامت رکھو (یعنی اس پر جمے رہو یا سیدھی چال چلتے رہو) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ

ہم ہیں تمہارے رفیق دنیا میں

الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

اور آخرت میں ☆

دنیا و آخرت کی رفاقت ☆ بعض نے اس کو اللہ کا کلام بتلایا ہے یعنی فرشتوں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو چکا۔ اور اکثر کے نزدیک یہ بھی فرشتوں کا مقولہ ہے۔ گویا فرشتے یہ قول ان کے دلوں میں الہام کرتے ہیں اور ان کی ہمت بندھاتے ہیں۔ ممکن ہے اس زندگی میں بعض بندوں سے مشابہۃً بھی اتنے الفاظ کہتے ہوں اور ممکن ہے کہ موت کے قریب یا اسکے بعد کہا جاتا ہو اس وقت "نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے بالعلی طور پر تمہاری اعانت کرتے تھے اور آخرت میں بھی رفیق رہینگے کہ وہاں تمہاری شفاعت یا اعزاز و اکرام کا انتظام کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی دنیا میں ہم تمہارے ساتھی تھے اچھی باتیں تمہارے دل میں ڈالتے تھے اور شیطانوں سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت تک رہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

مومنوں کے لئے بشارتیں: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل خدا کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف چل اُس خدا کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اُسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابتؒ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے تو فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آئیں گے اور اس سے کہیں گے ڈر نہیں گھبرا نہیں غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے خدا کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائیگا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے اس سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و دلی تھے تمہیں نیکی کی راہ سجھاتے تھے خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے۔ قبر میں حشر میں میدان قیامت میں پل صراط پر غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے تمہیں ملے گا جو خواہش ہوگی پوری ہوگی۔ یہ مہمانی یہ عطایہ انعام یہ ضیافت اُس خدا کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

جنت کے بازار: حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش

ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کی باغیچی میں نور کے اور لولو اور یاقوت کے اور زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے۔ بعض اور جو نیکیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کم تر نہیں وہ مشک کے اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ ان اپنی جگہ اسے خوش ہوں گے کہ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔

دیدار الٰہی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح خدائے تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک وتعالیٰ باتیں تخصیص کرے گا۔ یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا یاد ہے فلاں دن تم نے میرا فلاں خلاف کیا تھا۔ وہ کہے گا کیوں جناب باری! تو تو نے وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اسی سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام واکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چوطرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہوں گے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں۔ نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لیگا خرید و فروخت وہاں نہ ہوگی بلکہ الغرض ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ ایک کم درجے کا جو اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا کہ وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے۔ وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال وخوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج خدائے تعالیٰ کی مجلس میں تھے۔ اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے (ترمذی وغیرہ) (ضمیر ابن کثیر)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ

اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾

اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو ☆

یعنی جس چیز کی خواہش ورغبت دل میں ہوگی یا جو زبان سے طلب کرو گے سب کچھ ملے گا، اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ (قرطبی جلالی)

جنت میں تفاوت درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ کا مدلول یہ ہے کہ اہل جنت جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ ان کو حاصل ہو جائے گی۔ حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے ان پر ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا جس سے یہ اشکال دور ہو گیا کہ جنت میں درجات مختلف ہوں گے اور بعض دوسرے بعض پر بلندی اور فضیلت رکھنے والے ہوں گے۔ تو کم تر درجے کے لوگ اگر اپنے سے بلند مرتبہ والوں کو دیکھ جائیں گے تو جہل لازم آئے گا۔ اور جہالت عیب اور نقصان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اہل جنت ناقص اور عیب دار ہوں۔ اور اگر جانے گا تو طبعی تقاضے کے باعث حسد ہوگا تو یہ بھی بری خصلت ہے تو فرمایا بھی شق اختیار کر لی جائے کہ بعض اہل جنت کو اپنے سے بلند درجات والوں کا علم ہوگا لیکن حسد ایک انسانی خصائل میں ایک مذموم اور بری خصلت ہے اور جنتی جنت میں جب داخل کئے جائیں گے۔

ان اوصاف وبشارات کے اولین مصداق

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا ان اوصاف کاملہ اور بشارات فاضلہ کے سب اولین مصداق خلفاء راشدین پھر مہاجرین اولین تھے جن کے ایمان واستقامت کی عظمت وبلندی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اللہ کی ربوبیت ان کے اعتقاد کامل کی پوری تصویر اور ان کی عملی زندگی تھی۔ پھر اطاعت وفرمانبرداری کا وہ مقام تھا۔ دنیا کی کوئی مشقت درکاہ ان کی راہ اطاعت میں حائل نہ ہو سکتی تھی۔ رہا للہ عقیدہ توحید کی تر جمانی ہے اور اس کے بعد استقامت طاعت وبندگی کا کمال ہے کیونکہ استقامت ہر مامور اور حکم کی تعمیل وپیروی اور ہر ممنوع اور خلاف شرع چیز سے پرہیز کے نام ہے جس میں اعمال قلوب اور افعال حسیہ وظاہر داخل ہیں اور اس عملی کیفیت کا نام ہے جو ایمان اسلام اور احسان کے مقام کو جامع ہو۔ اسی وجہ سے حضرات عارفین کا قول ہے کہ استقامت ہزار ہا کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آیہ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ سے زیادہ کوئی سخت آیت نہیں نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ

اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا

نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿٣٢﴾

مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے ☆

اللہ تعالیٰ کی مہمانی ☆ یعنی سمجھ لو اوہ غفور رحیم اپنے مہمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔ اور یہ کتنی بڑی عزت و توقیر ہے کہ ایک حقیر ضعیف رب العزت کا مہمان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی مہمانی بزار، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت کے اندر پرندوں کو دیکھ کر (ان کا گوشت کھانے کی) جو بھی خواہش کرو گے فوراً وہ تمہارے سامنے بھنے بھنائے گر پڑیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جنتی آدمی (جونہی) جنت کے اندر پرندہ (کا گوشت کھانے) کی خواہش کرے گا فوراً وہ پرندہ جو جنتی اونٹ کی طرح ہوگا جنتی کے خوان پر گر پڑے گا خدا اس کو رحموں کا نائہ آگ نے اس کو چھوا ہوگا جنتی آدمی اس میں سے پیٹ بھر کر کھا لے گا پھر وہ پرندہ صحیح سالم اصلی حالت میں اڑ جائے گا۔

جنت میں اولاد: بیہقی اور ترمذی نے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مومن جنت کے اندر بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا فوراً گھڑی بھر میں بچہ اس کی خواہش سے پیدا ہو جائے گا اس کی مدت حمل اور مدت پیدائش اور عمر سب کچھ ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔

بزار نے اثر ہد میں حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور تکملہ مسرت ہوتی ہے کیا جنت کے اندر جنتی کی اولاد ہوگی فرمایا جب جنتی بچے کی خواہش کرے گا۔ الخ

اصبہانی نے الترغیب میں غیر مرفوع حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ جنتی آدمی (جب) بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا (تو بچہ فوراً پیدا ہو جائے گا) اس کے حمل شیر خوارگی اور دودھ چھڑانے کی مدت بس ایک گھڑی ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ
اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا
اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ
اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾
حکم بردار ہوں ☆

اہل استقامت کا اعلیٰ مقام

پہلے "اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں انکے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اسکا قول، فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں موثر ہو۔ جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے۔ اسکا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونیکی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کیلئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

داعی کے آداب: حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک وعظ دعوت الی اللہ میں ان آیات کی تفسیر و تشریح میں عجیب لطائف و نکات بیان فرمائے۔ الحاصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور سانھ تواضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لئے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لئے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہئے۔

مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ الاسلام کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے مخالفین بھڑکیں نہیں، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھیگا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا۔ تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ نہ ال روا اور انتقام لینے کی فکر کرے۔ تو دشمن دوست بن جائے گا۔ اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں۔ اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تیرے بارے میں جو شخص خدا کی نافرمانی کرے تو اسکے بارے میں خدا کی فرمانبرداری کر۔ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کو خدا کا حکم ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر کریں اور دوسرے کی برائی سے درگزر کریں۔ ایسے لوگ شیطانی راؤں سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے دشمن بھی پھر تو ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اذان کی فضیلت

حضرت معاویہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قیامت کے دن مؤذن سب سے زیادہ دراز گردن ہوں گے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مؤذن کی (اذان کی) آواز جتنی مسافت تک جن وانس یا کوئی اور چیز (چوپایہ وغیرہ) سنے گی قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دے گی۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار ہے اللہ اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والشافعی۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بامید ثواب سات برس اذان دی اس کے لئے دوزخ سے برأت (نجات) لکھ دی گئی رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد وحضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شخص جنت کے ٹیلوں (یعنی بلند مقامات) پر ہوں گے ایک وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی دوسرا وہ شخص جس نے کسی قوم کی امامت کی اور لوگ اس (کی امامت) سے راضی رہے تیسرا وہ آدمی جس نے ہر رات دن میں پانچ نمازوں کی اذان دی۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور ہر تر و خشک اس کی شہادت دیتا ہے اور نماز میں حاضر ہونیوالے کے لئے پچیس نمازوں (کا ثواب) لکھا جاتا ہے (یعنی جماعت سے نماز پڑھنے والے کو پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے) اور ہر دو نمازوں کے درمیان کئے ہوئے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ہیں جن کو رد نہیں کیا جاتا یا فرمایا کم رد کیا جاتا ہے اذان کے وقت دعا کرنی اور جہاد کے وقت کی دعا جب لوگ باہم گتھے ہوئے (دست و گریباں) ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ہر اذان دینے سے روزانہ اس کی ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ رواہ ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مغرب کی اذان کے وقت ہم کو دعا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ رواہ البیہقی فی الدعوات۔

اذان کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو جو میرے لئے دعا کرے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو وسیلہ جنت کے اندر ایک خاص مقام ہے جس پر اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کو فائز کیا جائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں گا پس جو میرے لئے وسیلہ مانگے گا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔ رواہ مسلم۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور تم میں سے بھی کوئی (سننے والا) اللہ اکبر اللہ اکبر کہے (الحدیث) یعنی جو مؤذن کہے وہ (سننے والا بھی) وہی کہے اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو وہ (سننے والا) لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن ہم سے بڑھ جائیں گے فرمایا جیسا وہ کہتے ہیں تم بھی ویسے ہی الفاظ کہو پھر جب ختم کر چکو تو اللہ سے مانگو (جو مانگو گے) پاؤ گے۔ (رواہ ابوداؤد) (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس آیت میں بھی مؤذن کی تعریف ہے۔ اُس کا حیّ علی الصلوٰۃ کہنا خدا کی طرف بلاتا ہے۔ ابن عمرؓ اور عکرمہؓ فرماتے ہیں یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں اُتری ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے اس سے مراد اذان و تکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ اذانوں کے درمیان نماز ہے وہ اذانوں کے درمیان نماز ہے وہ اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی۔

محمد بن سیرینؒ اور سدی نے کہا من دعا الی اللہ الخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد ہے حسنؒ کے نزدیک ہر وہ مؤمن مراد ہے جس نے اللہ کی دعوت (اسلام) قبول کی اور نیک کام کئے اور اپنے مسلم ہونے کا اظہار کیا۔ (تفسیر مظہری)

اذان و اقامت کے درمیان نماز و دعا

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں سمجھتی ہوں کہ اس آیت کا رول مؤذنوں کے حق میں ہوا تھا۔ حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا دعا الی اللہ (اللہ کی طرف بلانا) اس سے مراد ہے اذان دی اور عمل صالحاً (نیک کام کئے) اس سے مراد ہے اذان و اقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھیں۔ قیس بن حازمؓ نے کہا نیک کام کرنے سے مراد ہے اذان و اقامت کے درمیان نماز ہے۔ حضرت معقل بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے تیسری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اس کے لئے جو چاہے (یعنی فرض نہیں ہے جو چاہے پڑھے) متفق علیہ۔ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم حضرت انسؓ راوی

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان (کی ہوئی) دعا رد نہیں کی جاتی رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ
اور برابر نہیں نیکی اور بدی
ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا
جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر
الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ
تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا
وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿٣٤﴾
دوست دار ہے قرابت والا☆

داعی کے اخلاق ☆ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی تاثیر جدا گانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے لہٰذا ایک مومن قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اسکے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہئے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب و شائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لو گے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائیگا اور گودل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئیگا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی و عداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں کما قال عسی اللہ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منھم مودۃ (سورۃ ممتحنہ رکوع ۲) ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتادی ساپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے کہ مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہرحال دعوۃ الی اللہ کے منصب پر فائز ہوتے والوں کو بہت زیادہ صبر و استقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برائی کے بدلے اچھائی کرو۔ بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بدیاں بھی سب ایک درجہ کی نہیں ہوتیں اسی طرح نیکیوں کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں اب اگر کوئی دشمن کوئی بدی کرے تو اس کے مقابلہ میں بہترین اعلیٰ درجہ کی نیکی سے کام لیا جائے مثلاً کسی نے اگر تمہارے ساتھ بدسلوکی کی ہو تو درگذر کرنا چاہئے (یہ ایک درجہ کی نیکی ہے) لیکن اگر بدی کے عوض دشمن سے بہترین سلوک کیا جائے تو یہ احسن ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا ۚ
اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو صبر رکھتے ہیں
وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٣٥﴾
اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہے☆

☆یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی نہج سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے ایسے پکے شیطانوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقین فرمائی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يُلَقَّاهَا یعنی بدی کے مقابلہ میں بھلائی کرنے کی خصلت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو نفسانیت اور خواہشات کی مخالفت پر جمے رہتے ہیں۔

ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ بڑا خوش نصیب۔ یعنی جس کو نہایات دانی وصفائی کا بڑا حصہ ملتا ہے اسی کو یہ اعلیٰ خصلت ملتی ہے نفس پر جب اعلیٰ صفات جلوہ پاش ہو جاتی ہیں تو بری صفات نکل جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ
اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ
کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بیشک وہی
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٦﴾
ہے سننے والا جاننے والا☆

شیطان کا مقابلہ ☆یعنی ایسے شیطانوں کے مقابلہ میں تری اور نرمی درگذر سے کام نہیں چلتا۔ بس اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خدا تعالیٰ

قدس کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں۔ اگر تم واقعی اخلاص وتضرع سے اللہ کو پکارو گے وہ ضرور تم کو پناہ دے گا کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس نے کتنے اخلاص وتضرع سے اس کو پکارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس آیت کا پہلی آیت سے ربط ظاہر کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں "یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آئے تو یہ شیطان کا وسوسہ ہے"۔ وہ کہیں چاہتا کہ تم حسن اخلاق بکار بند ہو کر دعوت الی اللہ کے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کی کوشش اور اس کا ازالہ

یَنْزَغَنَّكَ نَزْغٌ کچوکا دینا چبھونا شیطان کچوکا دیتا ہے یعنی گناہ پر ابھارتا ہے قاموس میں ہے نزغہ اس کے تیزہ چبھویا نزع بینھم ان کے درمیان فساد ڈلوایا دسوسہ پیدا کرو یا برانگیختہ کر دیا مطلب یہ ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں وسوسہ پیدا ہو اور انتقام لینے پر اور برائی کے عوض برائی کرنے پر شیطان آپ کو ابھارے۔ تو شیطان کے شر سے آپ اللہ کی پناہ کے خواستگار ہوں اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں اللہ خود اس ہدی کو آپ سے دفع کر دے گا۔ (تیسیر مظہری)

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ
اور اس کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ
اور سورج اور چاند ☆

عظمت الٰہی کے دلائل ☆ دعوۃ الی اللہ کے ساتھ چند دلائل سماویہ وارضیہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت، وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول وعمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند، سورج اور آسمان وزمین کا عظیم الشان نظم ونسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ ۔ وفی کل شیء لہ آیۃ تدل علی انہ واحد انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے ست فی قومیں رہ گئی ہیں بلکہ لازم ہے کہ اس لامحدود قدرت والے مالک کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے کہ اس پر بھی تنبیہ ہو۔ کہ جس طرح رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں ردّ وبدل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور داعی کی عظمت اور خوش اخلاقی کی بدولت مخاطبین کی کایا پلٹ کر دے اور تاریک فضا کو ایک روشن ماحول سے بدل دے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ
اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾
اگر تم اسی کو پوجتے ہو ☆

☆ سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہ ہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ مگر اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا خدائے واحد سے بغاوت کرنے کا مترادف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں

سجدہ صرف خالق کائنات کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا بعض تعظیم و تکریم کی نیت سے دونوں صورتیں باجماع امت حرام ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جاوے گا اور جس نے محض تعظیم وتکریم کے لئے سجدہ کیا اس کو کافر نہ کہیں گے مگر ارتکاب حرام کا مجرم اور فاسق کہا جائے گا۔

سجدۂ عبادت تو اللہ کے سوا کسی کو کسی امت، شریعت میں حلال نہیں رہا۔ کیونکہ وہ شرک میں داخل ہے اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے۔ البتہ کسی کو تعظیماً سجدہ کرنا یہ پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ (دیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے سب فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا۔ یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے مگر باتفاق فقہاء امت یہ حکم ان شریعتوں میں تھا۔ اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا اور غیر اللہ کو سجدہ مطلقاً حرام قرار دیا گیا۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "المقالۃ المرضیہ فی حکم سجدۃ التحیہ" میں مذکور ہے جو بزبان عربی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

توحید الٰہی کے دلائل چاند سورج اور پورا نظام کائنات

یعنی ان میں سے ہر ایک چیز اپنے بنانے والے کے واجب ہونے پر اور اس کی وحدانیت اور صفات کاملہ پر دلالت کر رہی ہے اس لئے چاند سورج کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس حدا کو سجدہ کرو جس نے ان چاروں کو پیدا کیا ہے۔ ھُنَّ کی ضمیر چاروں کی طرف راجع ہے مگر (دن رات کو تو کوئی سجدہ کرتا ہی نہیں) مراد ہے چاند سورج کو سجدہ کرنے کی ممانعت کرنی۔ رات دن کے ساتھ چاند و سورج کو سجدہ کرنے کی ممانعت میں رات دن کو شامل کرنے سے، پر وہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ بے علم اور غیر مختار ہونے میں چاند سورج بھی رات دن کی طرح ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ
پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے
رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
رب کے پاس ہیں پاکی بولتے رہتے ہیں اسکی رات اور دن
وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۩
اور وہ نہیں تھکتے ☆

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ☆ یعنی اگر غرور تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے اور باوجود وضوح دلائل توحید کے تدائے واحد کی عبادت کی طرف آنا نہیں چاہتے تو نہ آئیں، اپنا ہی نقصان کریں گے اللہ کو ان کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ علاوہ جس کی عظمت و جبروت کا یہ عالم ہو کہ بے شمار ملائکہ مقربین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، نہ کبھی تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں، اس کے سامنے یہ بیچارے کیا چیز ہیں اور اس کا غرور کیا چیز ہے۔ خواہ مخواہ کی جھوٹی شیخی کر کے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

وہ پروردگار عالم تو تمام جہانوں سے مستغنی و بے نیاز ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ "اولین و آخرین زندہ و مردہ جن و انس جان دار و بے جان چیزیں سب کی سب سراپا تقوی ہو جائیں تو خدا کی خدائی میں مچھر کے پر کے برابر اضافہ نہیں کر سکتے اور یہ سب حدا کی نافرمانی اور عداوت کا بیڑہ بن جائیں تو خدا کے ملک میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں کر سکتے۔ (معارف کاندھلوی)

سجدہ کس مقام پر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ دوسری آیت کے آخر یعنی لَا يَسْـَٔمُوْنَ پر سجدہ کرتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی یہی فرمایا کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کریں۔ مسروق، ابو عبید الرحمن سلمی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ جمہور فقہا، لَا يَسْـَٔمُوْنَ ہی پر سجدہ کرتے تھے۔ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کیا جائے کیونکہ اگر سجدہ پہلی آیت سے واجب ہو چکا ہے تو وہ اب ادا ہو جائے گا اور اگر اسی آیت سے واجب ہوا ہے تو اس کا ادا ہونا خود ظاہر ہے۔ (معارف حق اعظم)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ
اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو
خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ
دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا
تازی ہوئی اور ابھری بیشک جس نے اس کو زندہ کیا
لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
وہ زندہ کریگا مردوں کو وہ سب کچھ
قَدِيْرٌ ۝
کر سکتا ہے ☆

زمین کی خاصیات ☆ یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل و خوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ مگر جس وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا پھر اس کی تر و تازگی رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو وحی الٰہی کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی مانع و مزاحم نہیں۔ (تفسیر جلالین)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں
لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي
وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے

اَلنَّارُ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ
آگ میں وہ بہتر یا ایک جو آئیگا امن سے دن
الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ
قیامت کے کہئے جاؤ جو چاہو بیشک
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝
جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے ☆

ملحد کا انجام ☆ یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات تنزیلیہ سن کر اور قرطاس دہر پر خدا کی آیات کونیہ کو دیکھ کر بھی جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں کو وہ اپنی تاہی شبہات پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں، یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر اُن کا مطلب غلط لیتے ہیں، ایسوں کی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر اُن آیات کے مانے میں ہیر پھیر کرتے ہیں ایسے ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے اُن کی کوئی چال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت سامنے جائیں گے دیکھ لیں گے فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ اسی لیے آگے فرما دیا۔ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ" یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کیے جاؤ۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا انکھا جیاز و بھگتنا پڑے گا۔ اب خود سوچ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے، اور ایک جو اپنی شرافت و سلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن چین سے رہے۔ دونوں میں کون بہتر ہے؟ (تفسیر عثمانی)

الحاد کیا ہے عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان و تصدیق کا دعوی کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن و سنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی اُلٹ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں الحاد کے معنی یہی منقول ہیں فرمایا الا لحاد وضع الکلام علی غیر موضعہ۔ اور آیت مذکورہ میں ارشاد لا یخفون علینا بھی اس کا قرینہ ہے کہ الحاد کوئی ایسا کفر ہے جس کو یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم سے اپنا کفر نہیں چھپا سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الحاد ایک قسم کا کفر خفاق ہے کہ ظاہر میں قرآن اور آیت قرآن کو ماننے کا دعوی اور اقرار کرے لیکن آیات قرآنی کے معانی ایسے گھڑے جو دوسری نصوص قرآن و سنت اور اصول اسلام کے منافی ہوں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا۔

کذالک الزنادقۃ الذین یلحدون وقد کانوا یطھرون الاسلام (ایسے ہی وہ زندیق لوگ ہیں جو الحاد کرتے ہیں اور بظاہر اسلام کا دعوی کرتے ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملحد اور زندیق دونوں ہم معنی ہیں ایسے کافر کو کہا جاتا ہے جو ظاہر میں اسلام کا دعوی کرے اور حقیقت میں اس کے احکام کی تشکیل سے انحراف کا یہ بہانہ بنائے کہ قرآن کے معانی ہی ایسے گھڑے جو خلاف نصوص و خلاف اجماع امت ہوں۔

اسی لئے علماء و فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تاویل جو تکفیر سے مانع ہوتی ہے اُسکی شرط ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ضروریات دین سے مراد وہ احکام و مسائل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے ان پڑھ جاہلوں تک کو بھی ان سے واقفیت ہو جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا۔ صبح کی دو ظہر کی چار رکعت کا فرض ہونا۔ رمضان کے روزے فرض ہونا۔ سود شراب خنزیر کا حرام ہونا وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ان مسائل سے متعلق آیات قرآن میں ایسی تاویل کرے جس سے مسلمانوں کا متواتر اور مشہور مفہوم الٹ جائے۔ وہ بلاشبہ یا جماع امت کافر ہے کیونکہ وہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انکار ہے اور ایمان کی تعریف جمہور امت کے نزدیک یہی ہے کہ تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما علم مجیئہ بہ ضرورۃ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ان تمام امور میں جن کا بیان کرنا اور حکم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرورۃ ثابت ہو یعنی ایسا یقینی ثابت ہو کہ علماء کے سوا عوام بھی اس کو جانتے ہوں۔

اس لئے کفر کی تعریف اس کے مقابل یہ ہوگی کہ جن چیزوں کا لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔

تو جو شخص ایسی ضروریات دین میں تاویل کرے اُس حکم کو مدلے وہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انکار کرتا ہے۔

اس زمانہ میں کفر و الحاد کی گرم بازاری

اس زمانے میں ایک طرف تو دین اور احکام دین سے جہالت اور غفلت اتنا کو پہنچ گئی کہ نئے لکھے پڑھے لوگ بہت سی ضروریات دین سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید مغربی تعلیم جس کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر ہے۔ کچھ اس کے اثر سے اس پر مزید یورپ کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اسلام کے خلاف شبہات و اوہام سے متاثر ہو کر بہت سے ایسے لوگوں نے اسلام اور اصول اسلام پر بحث و گفتگو شروع کر دی ہے جن کو اسلام کے اصول و فروع، قرآن و حدیث کے علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہوں نے اسلام کے

متعلق اگر کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں تو اہل یورپ دشمنان اسلام سے حاصل کی ہیں۔ ایسے لوگوں نے قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ ضروریہ میں طرح طرح کی باطل تاویلیں کرکے شریعت اسلام کے متعلق علیہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ احکام کی تحریف کو اسلام کی خدمت سمجھ لیا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ کھلا کفر ہے تو وہ مشہور ضابطہ کا سہارا لیتے ہیں کہ ہم اس حکم کے منکر تو نہیں بلکہ ایک تاویل کررہے ہیں اس لئے ہم پر یہ کفر عائد نہیں ہوتا۔

اس لئے وقت کی اہم ضروریات سمجھ کر ہمارے استاد جید الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے اکفار الملحدین و المتأولین فی بعض ما ھو من ضروریات الدین۔ اس میں ہر طبقہ ہر مسلک کے علماء وفقہاء کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ضروریات دین میں کسی کی تاویل مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل ان کی تکفیر سے مانع نہیں۔ یہ کتاب بزبان عربی شائع ہوئی ہے احقر نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں بنام "کفر واسلام قرآن کی روشنی میں" شائع کردیا ہے۔ اور احکام القرآن حزب خامس میں اسکا خلاصہ بزبان عربی بیان کردیا ہے۔ اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی ایک تحریر سے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

الحاد کی دو قسمیں: حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ آیات قرآنی میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیت مذکورہ میں الحاد فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ دوسری یہ کہ دلیلی نصوص کے خلاف ہو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب بہ یقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے۔ کفر نہیں ان دو قسم کی تاویلوں کے علاوہ باقی تاویلات جو قرآن وحدیث کے الفاظ میں مختلف احتمالات ہونے کی بنا پر ہوں وہ تاویل عام فقہاء امت کا میدان اجتہاد ہے جو بتصریح حدیث ہر حال میں باعث اجر وثواب ہے۔

آیات مذکورہ کا خلاصہ: خلاصہ آیات مذکورہ کے مضمون کا یہ ہوگیا کہ وہ لوگ بظاہر مسلمان ہیں اس لئے کھل کر قرآن کا انکار تو نہیں کرتے مگر آیات قرآنی میں تاویلات باطلہ سے کام لیکر ان کو ایسے مطلب پر محمول کرتے ہیں جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی تصریحات کے خلاف ہے۔ ان کی تحریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ایسا محفوظ کردیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے معانی کسی کے چل نہیں سکتے۔ قرآن وحدیث کی دوسری نصوص اور علماء امت اُس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔

قیامت تک اہل حق کی جماعت موجود رہے گی

احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق قیامت تک مسلمانوں میں ایسی جماعت قائم رہے گی جو تحریف کرنے والوں کی تحریف کا پردہ چاک کرکے قرآن کے صحیح مفہوم کو واضح کردیں۔ اور دنیا سے وہ اپنے کفر کو کیسا ہی چھپائیں۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش سے باخبر ہے تو ان کو اس کی سزا ملنا بھی ضروری ہے۔ (محاسن التاویل اعلم)

مجاہد نے کہا یلحدون فی ایٰتنا سے مراد ہے سیٹیاں اور تالیاں بجانا شور وغل کرنا اور لغویات بکنا۔ قتادہ نے کہا یُلْحِدُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا یعنی ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ سدی نے کہا عناد اور مخالفت کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ **ملحدون** کا لفظ عام ہے تکذیب کرنے والے لغویات بکنے والے اور قرآن کی قرأت کے وقت سیٹیاں بجانے والے اور تفسیر سلف کے خلاف قرآن کے معانی میں تحریف کرنے والے اور باطل تاویلات کرنے والے سب ہی **ملحدون** کے ذیل میں آ گئے ہیں۔

بظاہر ترتیب عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کیا جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جو جنت میں داخل ہوگا (اس ترتیب سے جہنم کا جنت سے تقابل ہو جائے گا) لیکن کلام میں زور نہیں پیدا ہوگا کلام میں زور اسی طریقہ سے ہوتا ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کیونکہ دوزخ میں ڈالا جانے والا جب اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جو قیامت کے دن بے خوف اور مامون ہوکر آئے گا تو جنت میں داخل ہونے والے کے برابر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے جنت میں داخل ہونے والے کے برابر ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کی بخشش وسزا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک تنفس بھی نہیں سکتا تھا۔ اور اگر اس کی یکدم سخت عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہوکر ایک لمحہ کے لئے بھی خوف نہ کرتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالذِّکْرِ لَمَّا
جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے
جَآءَھُمْ ۚ
جب آئی ان کے پاس ☆

☆ یعنی وہ خود بخود اپنی گمراہی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کرتے ہیں حالانکہ اس میں ٹھوس کی گنجائش کسی طرف سے نہیں۔ وہ نصیحت کیا ہے؟ ایک صاف واضح اور مضبوط و محکم کتاب جس کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ
اور وہ کتاب ہے نادر اس پر

الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ
جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے
وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ
اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے
حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾
حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی☆

☆یعنی اُس کی اتاری ہوئی کتاب میں جھوٹ آئے تو کدھر سے آئے اور جس کتاب کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو، باطل کی کیا مجال ہے کہ اُس کے پاس پھٹک سکے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی تحریف میں کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا

قتادہ اور سدی نے کہا باطل سے مراد شیطان ہے شیطان قرآن میں کوئی کمی بیشی یا تبدیلی نہیں کر سکتا۔ شیطان انس ہو یا جن سب ہی کو لفظ باطل حاوی ہے۔ فرقہ شیعہ نے قرآن میں دس پاروں کا اضافہ کیا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوئے قرآن ان کے پاس بھی تیس ہی پاروں کا رہا پھر بعض آیات میں الفاظ کی کمی بیشی کی جیسے لکل قوم هاد کے آخر میں لفظ علی بڑھا دیا اور سعلموں الذین ظلموا کے آخر میں آل محمد کا لفظ زیادہ کیا لیکن اللہ نے ان کی اس کوشش کو مار آور نہیں ہونے دیا اور بڑھائے ہوئے الفاظ جزء قرآن نہ بن سکے۔

زجاج نے کہا کہ آگے سے باطل نہ آسکنے کا معنی ہے کمی نہ ہو اور پیچھے سے باطل نہ آنے کا معنی ہے زیادتی نہ ہونا۔ اس تفسیر پر باطل سے مراد ہوگی کمی بیشی۔ مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ کتب سابقہ سے اس قرآن کی تکذیب کہیں ہوتی نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی جو قرآن کو باطل اور منسوخ کر دے۔ (تفسیر مظہری)

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ
تجھے وہی کہتے ہیں جو کہہ چکے ہیں
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ
سب رسولوں سے تجھ سے پہلے تیرے رب کے
لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ
یہاں معافی بھی ہے اور سزا بھی ہے

اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾
دردناک☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے، یہی ہر زمانہ کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے پیغمبروں نے عیشہ خیر خواہی کی ہے۔ انہوں نے اس کے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں پھر جس طرح پیغمبروں نے تکلیفوں سے صبر کیا آپ بھی صبر کرتے رہنے چاہیے ہوگا کہ کچھ لوگ تو یہ کر کے راہ راست پر آجائیں گے جن کے لئے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا
اور اگر ہم اُسکو کرتے قرآن، اوپری زبان کا تو کہتے
لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ
اُس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب
وَّعَرَبِيٌّ ؕ
اور عربی لوگ☆

خوئے بدرا بہانہ بسیار☆ یعنی ایک بات کو نہ ماننا ہو تو آدمی ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ کفار مکہ نے اور کچھ نہیں تو یہ ہی کہنا شروع کر دیا کہ صاحب عربی پیغمبر کا معجزہ تو ہم اُس وقت سمجھتے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا لیکن فرض کیجئے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے کے لئے یوں کہنے لگتے کہ بھلا صاحب! کہیں ایسی بے جوڑ بات بھی دیکھی ہے، کہ رسول عربی، اور اس کی قوم بھی جو اولین مخاطب ہے عرب، مگر کتاب بھیجی جائے ایسی زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول: مقاتل نے کہا عامر حضرمی کا ایک یہودی عجمی غلام تھا جس کا نام یسار اور کنیت ابوفکیہہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے تھے یہ دیکھ کر مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ یسار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے یسار کے آقا نے اس کو مارا اور کہا تو محمد کو سکھلاتا ہے یسار نے کہا وہ تو مجھے تعلیم دیتے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى
تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوجھ ہے اور روگ

وَ شِفَآءٌ ؕ
کا دور کرنیوالا ☆

کتاب عمل ☆ یعنی لعو اور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہیں ہونگے ہاں اس قدر تجربہ ایک آدمی کر سکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لانے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت و بصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی اور ان کے قرنوں اور صدیوں کے روگ مٹا کر کسی طرح بھلا چنگا کر دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ
اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں
وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی ؕ
بوجھ ہے اور یہ قرآن ان کے حق میں اندھا پا ہے ☆

مسخ شدہ فطرت والے ☆ یعنی جس طرح خفاش (چمگادڑ) کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں، ان منکروں کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور ہے منکروں کو چاہئے کہ اپنی نگاہ کا ضعف و قصور محسوس کر کے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ
ان کو پکارتے ہیں دور کی
بَعِیْدٍ ﴿۴۴﴾
جگہ سے ☆

☆ یعنی کسی کو دور سے آواز دو تو نہیں سنتا اور سنے تو اچھی طرح سمجھتا نہیں۔ اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے دل کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ
اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب
فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ
پھر اس میں اختلاف پڑا ☆

☆ یعنی جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے پہلے تورات کے متعلق بھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے پھر دیکھ لو وہاں کیا انجام ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ
اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے
رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ
رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا ☆

☆ بات وہ ہی نکل چکی کہ فیصلہ آخرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۴۵﴾
اور وہ ایسے دھوکے میں ہیں اس قرآن سے جو چین نہیں لینے دیتا ☆

☆ یعنی مسلسل شکوک و شبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ
جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے
اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ
کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے
لِّلْعَبِیْدِ ﴿۴۶﴾
بندوں پر ☆

عمل کی اہمیت ☆ یعنی خدا کے ہاں ظلم نہیں، ہر آدمی اپنے عمل کو دیکھ لے۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ نہ کسی کی نیکی اس کے ہاں ضائع ہوگی نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی (ربط) چونکہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اس لئے آگے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ "اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ" الخ۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ
اسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کی خبر کا ☆

قیامت کا علم ☆ یعنی اسی کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اسکے وقت کی تعیین نہیں کر سکتا جس سے دریافت کرو گے یہی کہے گا "ما المسئول عنها باعلم من السائل"۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ

اور نہیں نکلتے کوئی میوے اپنے غلاف سے

مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

اور نہیں رہتا حمل کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے کہ جس کی اس کو خبر نہیں ☆

علم الٰہی ☆ یعنی علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہے کوئی کھجور اپنے گابھے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو بغیر کسی عورت یا کسی مادہ (جانور) کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے اور جو چیز وہ جن رہی ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اسی طرح سمجھ لو کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے کہ کب آئے گا کوئی انسان یا فرشتہ اس کی خبر نہیں رکھتا اور نہ اس کو خبر رکھنے کی ضرورت ضرورت اس کی ہے کہ آدمی قیامت کی خبر پر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے جب کوئی شریک کام نہ آئے گا اور کہیں مخلص نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ

اور جس دن آواز دے گا کہاں ہیں میرے شریک ☆

☆ یعنی جن کو میری خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اب بلاؤ کہاں ہیں۔ (تفسیر جلالین)

قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾

بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی اس کا اقرار نہیں کرتا ☆

کافروں کی دیدہ دلیری ☆ یعنی ہم تو آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی اقبالی مجرم نہیں جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو (گویا اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کر لے لیں گے) اور بعض نے شہید کو بمعنی شاہد لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (تفسیر جلالین)

ما منا من شہید۔ کہ ہم میں سے کوئی شرک کی شہادت دینے والا نہیں، مطلب یہ کہ جب عذاب آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے تو شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے بایں مطلب ہے کہ آج ہم میں سے کوئی بھی ان شریکوں کا مشاہدہ نہیں کرتا سب غائب ہو گئے کوئی سامنے نظر نہیں آتا۔ (تفسیر مظہری)

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ

اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے

قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

اور سمجھ گئے کہ ان کو کہیں نہیں خلاصی ☆

جھوٹے عابد و معبود ☆ یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک بنا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب محو ہو گئے۔ انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں اور گلو خلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطعاً بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۖ وَاِنْ

نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ

مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

جائے اس کو برائی تو آس توڑ بیٹھے ناامید ہو کر اور اگر ہم چکھائیں

رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ

اس کو کچھ اپنی مہربانی پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو پہنچی تھی

لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ

تو کہے گا یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ

اور اگر میں پھر بھی گیا اپنے رب کی طرف بے شک میرے لئے ہے

لَلْحُسْنٰى ۚ

اس کے پاس خوبی ☆

انسانی طبیعت کی نیرنگیاں ☆ یعنی انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش و آرام و تندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے کسی حد پر پہنچ کر اس کی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا اگر اس چلے تو ساری دنیا کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس اور ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی نظر صرف پیش آمدہ اسباب پر محدود ہوتی ہے اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر رکھ دے اس

مایوسی کے بعد اگر فرض کیجئے اللہ نے تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش و راحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے "هٰذَا لِيْ" یعنی میں نے فلاں تدبیر کی تھی میری تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے یوں ہی ہونا چاہئے تھا اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت، جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی اب عیش و آرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے اور فرض کرو ایسی نوبت آ ہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں میرا انجام بہتر ہوگا اگر میں خدا کے رد یک برا اور نالائق ہوتا تو دنیا میں مجھ کو یہ عیش و بہار کے مزے کیونکر ملتے لہٰذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ ۔ یعنی کافر آدمی نہیں اکتاتا اس کا جی نہیں بھرتا۔

مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۔ خیر کی طلب سے یعنی برابر مال و دولت صحت وغیرہ کی اللہ سے درخواست کرتا رہتا ہے۔ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ ۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف یعنی افلاس و بیماری (وغیرہ) پہنچ جائے۔ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ۔ تو اللہ کی رحمت اور رحمت ملنے سے ناامید ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا
سو ہم جتلاویں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے
وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾
اور چکھائیں گے ان کو ایک گاڑھا عذاب ☆

☆ یعنی خوش ہو لو کہ اس کفر و غرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے اور کس طرح عمر بھر کے کرتوت سامنے آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ
اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے
بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ
اپنی کروٹ اور جب لگے اس کو برائی تو دعائیں کرے
عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾
چوڑی ☆

☆ یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہوتے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گزاری سے اعراض کرتا اور بالکل بے پرواہ ہو کر ادھر سے کروٹ بدل لیتا ہے پھر جب کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے تو اسی خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارے اور تماشہ یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے اس حالت میں بھی مد حواس اور پریشان ہو کر دعا کے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں قلب میں نا امیدی بھی ہے اور زبان پر یا اللہ بھی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ سب بیان ہے انسان کے نقصان (قصور) کا سختی میں صبر ہے بندگی میں شکر"۔ (تفسیر عثمانی)

کافر اور مومن کی حالت: کافر پر جب کوئی دکھ آتا ہے تو وہ حلوس کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سچے دل سے دعائیں کرتا ہے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے اگر قبول دعا میں تاخیر ہو جاتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔ مومن صالح کی حالت اس سے بالکل جدا ہوتی ہے وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا قبول دعا میں تاخیر کو وہ مصلحت خداوندی سمجھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے دعا کرنے والوں کو یا تو اللہ جلد (یعنی اس دنیا میں) عطا فرما دیتا ہے یا ان کے لئے آخرت میں جمع رکھتا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ دل سے تو مایوس اور ناامید ہوتا ہے مگر زبان سے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حق کی طرف سے ناامید ہو جاتا ہے اور خدا سے دعائیں کرتا ہے۔

مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہئے کہ سکھ اور راحت کے وقت دعا زیادہ کرے ایک حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے
ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ
پھر تم نے اس کو نہ مانا پھر اس سے گمراہ زیادہ کون جو دور جا
شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾
جائے مخالف ہو کر ☆

انسانی امراض کا علاج: ☆ اوپر انسان کی طبیعت کا عجیب و غریب نقشہ صحیح کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی اب تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح سے

منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے تو کیا اس سے بڑھ کر گمراہی اور نقصان خسارہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود انکی جانوں میں
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ
یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے ☆

قدرت کے نمونے ☆ یعنی قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل و براہین تو جیسے حسب موقع ہے اب ہم ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے وہ نمونے کیا ہیں؟ وہی اسلام کے عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآن کی پیشینگوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں چنانچہ "بدر" میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور "فتح مکہ" میں مرکز عرب کے اندر اور خلفائے راشدین کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیات سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرتے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جبکہ وہ ان سنن الٰہیہ اور نوامیس فطریہ کے موافق ثابت ہوتے ہیں جو اس عالم تکوین میں کارفرما ہیں اس قسم کے تمام حقائق کونیہ اور آیات آفاقیہ و انفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرے سے پردہ اٹھتا رہتا ہے اس لئے "سَنُرِيْهِمْ" فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات آفاقی ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیات فی الآفاق یہ ہیں (۱) آئندہ واقعات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں (۲) گذشتہ حوادث و مصائب کے نشانات (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا کا بلاد شرق و غرب پر معجزانہ تسلط اور آیات فی انفسہم سے مراد ہیں۔ (۱) وہ واقعات جو اہل مکہ کو خود پیش آئے (مثلاً بدر کی شکست اور مکہ کی فتح) (۲) انسان کی جسمانی ساخت صنعت الٰہیہ کی عجیب کارفرمائیاں اور کمال قدرت کی مدرت آگیں انجمن بدرائیاں۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ
کیا تیرا رب تھوڑا ہے ہر

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝
چیز پر گواہ ہونے کیلئے ☆

☆ یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو کوئی نہ مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرتے سے اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کے مختلف معانی

اَوَلَمْ يَكْفِ اصل عبارت اس طرح تھی کیا اپنے کام کے انجام میں آپ کو کچھ شک ہے اور آپ کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ جن نشانات کا اس نے وعدہ کیا ہے ان کو آپ کے معاملہ میں ضرور پورا کرے گا۔ یا شہید ہونے سے مراد ہے۔ عالم ہونا یعنی القدان کے حال اور آپ کے حال کو جانتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انسان کو گمراہوں سے روکنے کے لئے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے کوئی بات اس سے چھپی نہیں ہے یعنی وہ ضرور ہر بات کا بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ
سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے
اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝
سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو ☆

فریب نفسی ☆ یعنی یہ اس دھوکہ میں ہیں کہ کبھی خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہیں کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل نہیں سکتے اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں یا پانی میں بہہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے ان کو جمع کر کے از سر نو زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں تمت سورۃ حم السجدہ ولہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۔ لقاء رب سے مراد ہے قیامت برپا ہونا اعمال کا عدلاً ملنا۔

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۔ یعنی ہر چیز اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم اس کو ہے۔ اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر چیز پر اس کا فرانی احاطہ ہے اور ذاتی احاطہ بے کیف ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے تو اس کا پڑھنے والا علم و عمل سے فائدہ اٹھائے گا۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں تریپن آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف

وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست

الْحَكِيْمُ ۝٣ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

حکمتوں والا اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝٤

زمین میں اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا ☆

شانِ حکمت ☆ یعنی جس طرح یہ سورۃ (جو نہایت اعلیٰ و اکمل مضامین پر مشتمل ہے) آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے۔ جس سے اس کی شان حکمت و حکومت کا اظہار ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جابر اور عکرمہ سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۂ حٰمٓ عسٓقٓ بھی کہا جاتا ہے۔ (معارف لاہوری)

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ کو الگ کرنے کی وجہ

حٰمٓ عسٓقٓ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بن فضل سے دریافت کیا گیا حٰمٓ۔ عسٓقٓ۔ کے دو ٹکڑے کیوں کئے (یعنی حٰمٓ کو عسٓقٓ سے جدا کیوں کیا گیا) اور کٓھٰیٰعٓصٓ کے دو ٹکڑے نہیں کئے گئے۔ حسن نے جواب دیا جن سورتوں کو حٰمٓ سے شروع کیا گیا ان میں سے یہ بھی ایک سورت ہے اس لیے دوسری سورتوں کی طرح اس کا آغاز بھی (مستقل طور پر) حٰمٓ سے کیا گیا (اور کٓھٰیٰعٓصٓ سے کسی سورت کا آغاز نہیں کیا گیا اس لئے کہ کو بعض سے ملا کر تہجیص کر دیا گیا۔

حٰمٓ ۝١ عٓسٓقٓ ۝٢ کا معنی: عکرمہؓ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حٰمٓ کا حکم اور م اللہ کی مجد اور ع اللہ کا علم اور س اللہ کی سناء (بزرگی یا نور) اور ق اللہ کی قدرت۔ اللہ نے ان کی قسم کھائی ہے۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا جاتا ہے کہ ہر صاحب کتاب کے پاس حٰمٓ عسٓقٓ وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اوپر سے ☆

پھٹ پڑنے کی وجہ ☆ یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے یا بے شمار فرشتوں کے بوجھ سے یا ان کے ذکر کی کثرت سے حاضر، تاثیر ہو اور پھٹ پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سر بسجود نہ ہو اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لئے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں ایسی سخت گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم "تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا" مگر اللہ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے ☆

فرشتوں کی دعاء ☆ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی خطا و لغزش کو معاف فرمائے اور کفار کو دنیا میں ایک دم پکڑ کر بالکلیہ تباہ و برباد نہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی تسبیح و تحمید یعنی کافر جو اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتے ہیں اور ایسی باتیں اس کی ذات میں مانتے ہیں جو کسی طرح اس کی شان کے مناسب نہیں ان سب سے فرشتے اللہ کے پاک ہونے کا اظہار کرتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عظمت البیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اور بھی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ ۔ یعنی مومنوں کے لئے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں کیونکہ مومنوں کے ساتھ ان کو ایمان میں شرکت حاصل ہے اور اس شرکت ایمانی کا تقاضا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

سنتا ہے وہی (اللہ) معاف کرنے والا مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ☆ یعنی اپنی مہربانی سے فرشتوں کی دعا قبول کر کے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ

اور جنہوں نے پکڑے ہیں اُس کے سوائے رفیق اللہ

حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ

کو وہ سب یاد ہیں اور تجھ پر نہیں ان کا

بِوَكِيْلٍ ۝

ذمہ ☆

اللہ تعالیٰ حفیظ ہیں ☆ یعنی دنیا میں منکرین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے ان کے سب اعمال واحوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کر دیئے جاتے آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغام حق پہنچا دینے کے ذمہ دار ہیں آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکا دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا

لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

کہ تو ڈر سنا دے بڑے گاؤں کو اور اُس کے آس پاس والوں کو ☆

اُمُّ الْقُرٰی ☆ ''ام القریٰ'' (بڑا گاؤں) فرمایا کہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی جگہ سے پھیلانا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے اور مکہ کے آس پاس سے اول ملک عرب اس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مکہ'' کو خطاب

امام احمد نے مسند میں حضرت عدی بن حمراء زہری سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت سنا جبکہ آپ (مکہ مکرمہ سے ہجرت کر رہے تھے اور) بازار مکہ کے مقام حزورہ پر تھے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الیّ ولولا انی اخرجت منک لما خرجت (وروی مثلہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح) (تو میرے نزدیک اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے اور ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے اس زمین سے نکالا نہ جاتا تو میں اپنی مرضی سے کبھی اس زمین کو نہ چھوڑتا)۔ (مظہری ملخصاً)

''مکہ'' علمائے محققین کی نظر میں

امام راغب فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کرۂ ارض اور تمام روئے زمین کے واسطے یہ حصہ زمین اصل نقطہ مرکزیہ ہے جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ پانی کی سطح پر اللہ رب العزت نے پہلے بلبلے کی طرح یہ ٹکڑا جاہد ظاہر فرمایا اور پھر اس سے ساری زمین بچھائی اور پھیلائی گئی تو تمام آبادی عالم اور خطہ زمین کے لئے یہی جگہ اصل ہوئی اور اصل کو ام یعنی ماں کہا جاتا ہے۔ امام جوہری اور شیخ قشیری نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہ کہ کعبہ سمت الارض یعنی زمین کی ناف ہے اور تمام دنیا اس کے ارد گرد پھیلائی گئی۔ اگرچہ جانب شمال میں آبادی زائد ہے۔ بہ نسبت جنوب کی جانب کے۔

آیہ مبارکہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیرؒ اور ابن جریر طبری نے بھی بیان کیا کہ روئے زمین دنیا کی آبادی کی اصل یہی سرزمین مکہ ہے جہاں کعبۃ اللہ سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اللہ نے ایک ہوا چلائی جس نے پانی کی لہروں کو شق کیا اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی سی شکل کا تھا۔ پھر اسی سے اللہ نے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور بنایا اور سطح زمین کو پانی پر بچھا دیا متعدد روایات سے ثابت ہے زمین کا جو ٹکڑا سب سے پہلے اللہ نے پیدا فرمایا وہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے تو یہ جگہ روئے زمین کے واسطے نقطہ مرکزیہ ہوا۔ اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اللہ نے اس کو شرعی مرکزیت بھی عطا کر دی۔ کہ روئے زمین کے انسانوں کو اسی کی طرف عبادت کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اسی جگہ جنت سے موتیوں کا خیمہ اتارا گیا تھا جس کا انہوں نے طواف کیا۔ پھر اسی جگہ بیت اللہ کی عمارت قائم ہوئی۔ تفصیل کے لئے ماجیز کی کتاب تاریخ الحرمین کا ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرزمین مکہ میں آمد اور اسکی آبادی

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جب

حضرت نوح کی اولاد زمین پر پھیلی تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار دو سو سینتالیس برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دوآب میں واقع تھا اور بقول بعض فرات کے کنارے پر تھا تو حضرت ابراہیم جو تارخ کے بیٹے جن کو آزر بھی کہا جاتا ہے۔ قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو شہر بابل کے کنارے واقع تھا اور بعض کا خیال ہے خاص شہر بابل میں پیدا ہوئے۔ وہاں کلدانی قوم آباد تھی جو بت پرست تھے۔ اور بت بنا بنا کر بیچا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ چیزوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی نمبر ۱۔ سب لوگوں کے لئے مجھے بھیجا گیا (یعنی تمام لوگوں کو میری امت (دعوت) بنایا گیا) (۲) میری امت کے لئے میری شفاعت جمع رکھی گئی۔ (یعنی قیامت کے دن امت کی شفاعت کا مجھے اختیار دیا گیا) (۳) ایک ماہ کی راہ تک آگے کی طرف اور ایک ماہ کی راہ تک پیچھے کی طرف میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈال دیا گیا اور اس طرح میری مدد کی گئی (۴) زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا (یعنی سوائے نجس مقامات کے ہر جگہ مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی) (۵) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح عن السائب بن یزید۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی وجہ سے مجھے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی (۱) مجھے کلام جامع عطا کیا گیا (یعنی ایسے مختصر الفاظ جو کثیر مضامین کو حاوی ہوں بولنے کا مجھے ملکہ عطا کیا گیا) (۲) دشمنوں پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی (یعنی مجھے فتح یاب کیا گیا) (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا (۴) میرے لئے (ساری) زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا (۵) مجھے تمام مخلوق (یعنی انسانوں) کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا (۶) مجھ پر (سلسلۂ) انبیاء کو ختم کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ
اور خبر سنا دے جمع ہونے کے دن کی اس میں دھوکا نہیں ایک فرقہ
فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ
بہشت میں اور ایک فرقہ آگ میں ☆

قیامت یقینی ہے

یعنی آگاہ کریں کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کے لئے جمع ہوں گے یہ ایک یقینی اور طے شدہ بات ہے۔ جس میں کوئی دھوکا فریب اور شک وشبہ کی گنجائش نہیں چاہئے کہ اس دن کے لئے آدمی تیار ہو جائے اس وقت کل آدمی دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے ایک فرقہ جنتی اور ایک دوزخی سوچ لو کہ تم کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہئے اور اس میں شامل ہونے کے لئے کیا سامان کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اثبات تقدیر

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبداللہؓ نامی صحابی بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کیلئے گئے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی موچھیں کم رکھا کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ اس پر صحابیؓ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو حدیث نرالا رہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کیلئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کیلئے ہیں یعنی جہنم کے لئے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ خدا کی کس مٹھی میں میں تھا۔ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

یَوْمَ الْجَمْعِ۔ تاکہ آپ ان کو قیامت کے دن سے ڈرائیں جب کہ اگلے پچھلے سب لوگ جمع ہوں گے۔

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ۔ یعنی جمع ہونے والوں میں سے ایک فریق جنتی اور دوسرا دوزخی ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مٹھیوں میں دو تحریریں دبائے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیا ہیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نہیں واقف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی (طرف سے) تحریر ہے۔ اس میں تمام اہل جنت کے ان کے باپوں کے ان کے قبائل کے نام ہیں اور ان کی گنتی ہے (رب العالمین کی یہ تحریر) اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھیرے تھے۔ جب لوگ (یعنی ان کے ضمیر) کنجکٹر میں پڑے ہوئے تھے ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی قیامت تک ہونے والے (جنتی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے دوزخیوں کے ان کے باپوں کے اور ان کے قبائل کے ناموں کی تحریر ہے ان کی گنتی ہے یہ اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی

پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھہرے تھے جب لوگ (یعنی ان کے ضمیر) کیچڑ میں پڑے ہوئے تھے ان میں سزا دیتی ہو سکتی ہے نہ کی۔ قیامت تک ہونے والے (دوزخی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا تو ایسی حالت میں عمل کی کیا ضرورت۔ فرمایا کہنے جاؤ سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ (زندگی بھر) اس نے کیسے ہی عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ (عمر بھر) اس نے کچھ بھی کیا ہو پھر فرمایا فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَفَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۔ اللہ کی طرف سے انصاف ہوگا۔ رواہ البیہقی والترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً

اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ

وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ

ولیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں

وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ

اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق

وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

اور نہ مددگار ☆

قدرت اور حکمت ☆ یعنی بے شک اس کو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت وغضب دونوں قسم کی صفات کا اظہار فرمائے اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف وتفاوت رکھا کسی کو اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنایا اور کسی کو اس کے ظلم وعصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا جو لوگ رحمت سے دور ہو کر عصب کے مستحق ہوئے اور حکمت الٰہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانا کہیں نہیں نہ کوئی رفیق اور مددگار ان کو مل سکتا ہے جو اللہ کی سزا سے بچا دے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ مقاتل نے کہا سب کو دین اسلام پر کر دیتا۔ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اس سے مقاتل کے قول کی تائید ہوتی ہے)۔

کافروں کا عذاب کوئی دفع نہ کر سکے گا

الظّٰلِمُوْنَ ۔ یعنی کافر۔ مطلب یہ کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا اس لئے ان کا کوئی حامی نہ ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکے نہ مددگار ہوگا کہ دوزخ سے بچا سکے۔ وعید میں زور پیدا کرنے کے لئے طرز کلام کو بدلا گیا۔ تقابل کا تقاضا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا لیکن مبالغہ کے طور پر فرمایا ان کا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار۔ (تفسیر مظہری)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ

کیا انہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کام بنانیوالے سو اللہ

هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ۫ وَهُوَ عَلٰی

وہی ہے کام بنانیوالا اور وہی جلاتا ہے مُردوں کو اور وہ

كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝

ہر چیز کر سکتا ہے ☆

اللہ کو مددگار بناؤ ☆ یعنی رفیق ومددگار بناتا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے حتی کہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز ومجبور رفیق تمہارا کیا ہاتھ بٹائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ

اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو

فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

اس کا فیصلہ ہی اللہ کے حوالے وہ اللہ ☆

☆ یعنی سب جھگڑوں کے فیصلے اسی کے سپرد ہونے چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام، عبادات ہوں یا معاملات جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ دلائل کونیہ کے ذریعہ سے یا اپنی کتاب میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر صراحۃ یا اشارۃ جس مسئلہ کا جو فیصلہ فرما دے بندہ کو حق نہیں کہ اس میں چون وچرا کرے تو حید جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ جب قولاً وفعلاً برابر اس کا حکم دیتا رہا ہے پھر کیونکر جائز ہوگا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑے ڈالے اور بے سود شبہات نکال کر اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔ (تفسیر مظہری)

حکم صرف اللہ کا ہے رسولؐ اولوالامر اور مفتی کا حکم بھی اسی کے تابع ہے

یعنی جس معاملہ جس کام میں بھی تمہارے آپس میں کوئی اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ کیونکہ اصل حکم صرف اللہ ہی کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔ اور دوسری اکثر آیات میں جو اطاعت کے حکم میں رسولؐ کو اور بعض آیات میں اولوالامر کو بھی شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ رسول یا اولوالامر جو کچھ فیصلہ یا حکم کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہوتا ہے۔ اگر بذریعہ وحی یا نصوص کتاب وسنت ہے تو اس کا حکم الٰہی ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن وسنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ بھی ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے۔ مجتہدین اُمت کے اجتہادات بھی اس حیثیت سے احکام الٰہیہ ہی میں داخل ہیں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن وسنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اُن کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ

رب میرا اُسی پر ہے مجھ کو بھروسہ اور اُسی کی طرف میری رجوع ہے ☆

☆ یعنی میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ

بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنا دیے تمہارے

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ

واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں

الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ

میں سے جوڑے ☆

☆ یعنی چوپایوں میں سے ان کے جوڑے نر اور مادہ بنا دیئے کہ وہ بھی تمہارے کام آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ

بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح ☆

☆ یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر ان کی کتنی نسلیں پھیلا دیں جو تمام روئے زمین پر اپنی روزی اور معیشت کی فکر میں جدوجہد کرتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ

نہیں ہے اُسکی طرح کا سا کوئی ☆

اس کی مثل کوئی نہیں

یعنی ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے نہ اسکا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔ (تفسیر عثمانی)

مثل کا لفظ زائد ہے مطلب یہ ہے کہ وہ کسی چیز کی طرح نہیں ہے مثل کے لفظ کی زیادتی مفید تاکید ہے جس طرح ایک اور آیت میں آیا ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ بعض کے نزدیک کلمہ میں کاف زائد ہے یعنی اس کی مثل کوئی شے نہیں جو اس کی ہم پلہ اور اس سے جوڑ کھانے والی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱۱﴾

اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ☆

اللہ کا دیکھنا سننا مخلوق کی طرح نہیں ہے

☆ یعنی بے شک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے مگر اسکا دیکھنا سننا بھی مخلوق کی طرح نہیں کمالات اس کی ذات میں سب ہیں پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جا سکے کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس ومنزہ ہے پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لیس کمثلہ سے ہونے والے ایک وہم کا ازالہ

جو چیز سننے کے قابل ہے اس کو سنتا ہے اور جو چیز دیکھنے کے قابل ہے اس کو دیکھتا ہے یعنی حقیقت میں سننے اور دیکھنے والا وہی ہے۔ دوسرے سننے اور دیکھنے والے تو سماعت وبصارت اسی سے مانگتے ہیں۔ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ میں نفی مثل کی صراحت ہے اس سے یہ شبہ یا توہم ہو سکتا تھا کہ جب اس کا مثل نہیں تو اس کے اندر کوئی بھی صفت نہیں ہوگی اس شبہ کو آیت مذکورہ میں زائل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

اُسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

پھیلا دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے ☆

تمام خزانوں کا مالک اللہ ہے

☆ تمام خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اسی کو قبضہ اور اختیار حاصل ہے کہ جس خزانہ میں سے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے تمام جاندار وں کو وہ ہی روزی دیتا ہے لیکن کم وبیش کی تعیین اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کتنی عطا کی مستحق ہے اور اس کے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہوگا جو حال روزی کا ہے وہ ہی دوسری عطایا میں سمجھو۔ (تیسیر حال)

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اسی کے ہیں آسمانوں کے اور زمین کے خزانے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کے خزانے کلمی نے کہا (آسمان میں) بارش اور (زمین میں) سبزہ کے خزانے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے۔ (ترجمہ تھانوی) یعنی اپنی مشیت کے موافق رزق کی وسعت بھی وہی کرتا ہے اور تنگی بھی وہی کرتا ہے اور یہ سب کچھ امتحان و آزمائش کے لئے کرتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ بلاشبہ وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی جیسا مناسب ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔ (تیسیر مظہری)

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ

راہ ڈالدی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا

نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا

نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا

وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو

وَعِيْسٰى

اور عیسیٰ کو☆

اولوالعزم انبیاء

آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں جبکہ کہنا چاہیے کہ فی الحقیقت تشریع احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلہ رسالت و نبوت منتہی ہوا درمیان میں جو انبیاء و رسل آئے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے ہیں ان پانچوں کو اولوالعزم پیغمبر کہتے ہیں۔ بہر حال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے کیونکہ عقائد، اخلاق اور اصول و دیانات میں تمام متفق رہے ہیں البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت زمانہ کچھ تفاوت ہوا اور دین کے قائم کرنے کے طور و طریق ہر وقت میں اللہ نے جدا ٹھہرا دیے ہیں جس کو دوسری جگہ فرمایا "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" (اٹھیرتی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت

حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام گرچہ بلحاظ ولادت و بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں ہیں مگر ازلی تقسیم نبوت و رسالت میں سب سے مقدم ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ میں سب انبیاء میں باعتبار تخلیق (ازلی) کے پہلے ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں ہوں۔

(اس حدیث کی تخریج ص ۸۸۲ پر حدیث نمبر ۵ کے ذیل میں ملاحظہ ہو)

نوح علیہ السلام کو ذکر میں مقدم کرنے کی وجہ

رہا یہ سوال کہ سب سے پہلے پیغمبر تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں ذکر انبیاء کو ان سے کیوں شروع نہ کیا گیا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو دنیا میں تشریف لائے۔ اصول عقائد اور سمجھات دین میں اگرچہ وہ بھی مشترک تھے مگر ان کے زمانہ میں شرک و کفر انسانوں میں نہیں تھا۔ کفر و شرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اس لحاظ سے نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے جو بعد کے انبیاء کو پیش آنے والے تھے اس لئے سلسلہ کو نوح علیہ اسلام سے شروع کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

دین اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے

یعنی دین اسلام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر کیا ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے حق (ہر زمانہ میں) ایک ہی ہوتا ہے اور حق کے بعد سوا گمراہی کے اور کیا رہ جاتا ہے (پس دین اسلام کے علاوہ ہر مذہب گمراہی ہے) اہل کتاب نے جو اسلام کا انکار کیا وہ محض دشمنی اور ضد کے زیر اثر کیا۔

یہ دین اسلام نام ہے ایک اللہ کی ذات اور صفات کو اور اس کے انبیاء کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے ملائکہ کو اور مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جانے کو اور جو کچھ انبیاء لے کر آئے سب کو ماننے کا اور اللہ کے حکم پر چلنے اور ممنوع باتوں سے باز رہنے کا۔ یہ ایمان و عمل تمام شریعتوں میں مشترک ہے سب شریعتیں اس پر متفق ہیں۔ بعض عملی احکام کا منسوخ ہو جانا دین میں اختلاف پر دلالت نہیں کرتا (یعنی بعض شرائع کے بعض عملی احکام اگر شریعت اسلامیہ یا شریعت عیسویہ میں منسوخ کر دیئے گئے تو اس سے دینی وحدت میں کوئی فرق نہیں آتا) ایسا نسخ تو ایک ہی نبی کے احکام میں (مختلف اوقات میں) ہوا ہے خود رسول اللہ ﷺ نے سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کعبہ کی طرف رخ کر کے آپ نماز پڑھنے لگے اس اختلاف حکم سے دین اسلام کی وحدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اسی طرح مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اگر بعض فروع احکام میں اختلاف ہے تو اس سے ادیان کا اختلاف لازم نہیں آتا سب کا مآل ایک ہی ہے یعنی اللہ کے اوامر کا امتثال اور منہیات سے اجتناب۔ (تفسیر مظہری)

اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ؕ
یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں ☆

☆ یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول عمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق و اختلاف کو روا نہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقامت دین فرض اور اس میں تفرق حرام ہے

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دین مشترک بین الانبیاء اصول عقائد یعنی توحید۔ رسالت۔ آخرت پر ایمان اور اصول عبادات۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کی پابندی ہے۔ نیز چوری ڈاکہ زنا خصوص فریب دوسروں کو بلا وجہ شرعی ایذا دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیان سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ اور یہ بھی نص قرآن سے ثابت ہے کہ فروع احکام میں سے انبیاء کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفرق کی ممانعت مذکور ہے وہ وہی احکام الٰہیہ ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ انہیں میں تفرق و اختلاف حرام اور موجب ہلاکت امم ہے۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس خط کے داہنے بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ داہنے بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کئے ہیں اور اس کے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۔ یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی کا اتباع کرو۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی۔ مظہری)

اس تمثیل میں صراط مستقیم سے وہی دین قیم کا راستہ ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آیا ہے۔ اس کے اندر شاخیں نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے۔ اور انہیں اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ رواہ احمد وابوداؤد یعنی جس شخص نے جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی جدائی اختیار کی اس نے اسلام کا حلقہ عقیدت اپنے گلے سے نکال دیا۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ید اللہ علی الجماعة (رواہ الترمذی بسند حسن) یعنی اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر۔ اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسانوں کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کے گلے کے پیچھے بھیڑیا لگتا ہے تو وہ اسی بکری کو پکڑتا ہے جو اپنی ڈار اور گلے سے پیچھے یا ادھر ادھر رہ جائے۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ جماعت کے ساتھ رہو علیحدہ نہ ہو۔

آئمہ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرق ممنوع میں داخل نہیں

اس سے واضح ہو گیا کہ فروعی مسائل میں جہاں قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوص قرآن و سنت میں کوئی ظاہری تعارض ہے۔ وہاں آئمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کر لینا جس میں باہم اختلاف ہونا۔ اختلاف رائے و نظر کی بنا پر لازمی ہے اس تفرق ممنوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرامؓ میں خود عہد رسالت سے چلا آتا ہے اور وہ باتفاق فقہا رحمت ہے۔

اور اقامت دین سے مراد اس پر قائم دائم رہنا اس میں کسی شک و شبہ کو راہ نہ دینا۔ اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ
بھاری ہے شرک کرنیوالوں کو وہ چیز جس کی طرف
اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ
تو انکو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع لائے ☆

جہالت اور بدبختی کی انتہا

یعنی آپ جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں مشرکین پر وہ بہت بھاری ہے گویا آپ کوئی نئی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہیں کی تھی بھلا توحید جیسی صاف معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب بھاری معلوم ہونے لگے اور اس میں بھی لوگ اختلاف ڈالے بدون نہ رہے تو جہالت اور بدبختی کی حد ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت و موہبت سے مقام قرب و اصطفا پر فائز فرما دے اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اس کی طرف رجوع ہوتے اور محنتیں کرتے ہیں ان کی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے قال اللہ تعالیٰ "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" (القصص رکوع ۷) وقال اللہ تعالیٰ "اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ" (حج رکوع ۱۰) وقال "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (عنکبوت رکوع ۷) بہرحال حکمت الٰہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہ ہی ہدایت پا سکتا اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ارشاد ہوا انبیاء علیہم السلام کی مثال ان بچوں جیسی ہے جن کا جوہر خود ہی صالح ہو اور ان کے متعلق کوئی بادشاہ یہ طے کر لے کہ ان کو وزیر بنایا جائے گا ایسے بچوں کو ابتدا ہی سے خاص تربیت دی جاتی ہے اور خاص خاص آداب کی ان کو تعلیم ہوتی ہے اور مخالف اور حقیر چیزوں سے ان کو پوری احتیاط کے ساتھ روکا جاتا ہے۔ ان کے برخلاف کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تربیت اگرچہ خاص توجہ سے نہیں ہوتی مگر وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے کسی خاص منصب پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے حضرات ہیں۔ جس کو ملی فرق مراتب۔ صدیقین شہداء اور صالحین کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ **وإليه الإشارة بقوله تعالى** اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب (سورہ شوریٰ۔ فوائد مدنی صفحہ ۵۱۲)

مُراد اور مرید: صوفیہ کہتے ہیں جس کو اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور آدمی بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتا ہے تو ایسا آدمی مراد خداوندی ہوتا ہے۔ یہ گروہ انبیاء اور صدیقین کا ہوتا ہے اور یہ جو شخص اپنے ارادہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر اللہ اس کو اپنی ذات تک رسائی کی توفیق دیتا ہے تو ایسا شخص مرید ہوتا ہے یہ گروہ اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور جنہوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آ چکنے کے بعد

الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

آپس کی ضد سے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل چکی ہے

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

تیرے رب سے ایک مقررہ وعدہ تک تو فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ

ہو جاتا اُن میں اور جن کو ملی ہے کتاب اُن کے

بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

پیچھے وہ البتہ اس کے دھوکے میں ہیں جو چین نہیں آنے دیتا ☆

نفسانیت کے کرشمے ☆ یعنی توحید اور اصول دین میں جنہوں نے اختلاف ڈالا اور کتب سماویہ میں تحریف کی وہ کچھ غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہ تھی ایسی صاف و صریح اور مجمع علیہ تعلیمات میں اشتباہ و التباس کیا ہو سکتا تھا۔ محض نفسانیت، ضد، عداوت، اور طلب مال و جاہ وغیرہ اسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق و اختلاف مذموم کا باعث ہوئے ہیں بعدہ جب اختلاف قائم ہو گئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچے بنا لئے تو پیچھے آنے والی نسلیں عجب خبط اور دھوکہ میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک و شبہات پیدا کر لئے گئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے مگر یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل دی اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض اصلی کے منافی تھا اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عمل اور دونوں فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں کیا جائے اگر یہ بات پہلے سے نہ نکل چکی ہوتی تو سب جھگڑے قصے اور ہاتھوں ہاتھ ختم کر دیئے جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ کا معنی۔ آپس کی ضد اصدی سے۔ عطاء نے کہا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ مغرور ہو گئے اور تکبر کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔ قاموس میں ہے فی علیہ بغیا او تجا ہو گیا۔ ظلم کیا انصاف کیا بڑھ چڑھ گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ

سو اسی طرف بلا اور قائم رہ جیسا کہ فرما دیا ہے تجھے کو

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ

اور مت چل ان کی خواہشوں پر اور کہہ میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری

اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۚ

اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا ہم کو ملیں گے ہمارے کام اور تم کو

اَعْمَالُكُمْ ۚ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۚ اَللّٰهُ

تمہارے کام کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں اللہ

يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض

یعنی جب دین حق کے متعلق تفریق و اختلاف کے طوفان چاروں طرف سے امنڈ رہے ہیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں جس کی دعوت آدم و نوح اور ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا ادھر ادھر نہ ہوں قولاً و فعلاً و عملاً و حالاً برابر اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں مکذبین اور معاندین کی خواہشات کی ذرا پرواہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ تورات ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی صحیفہ جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے یقین رکھتا ہوں میرا کام پہلی صداقتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں جو اختلاف تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں اور تبلیغ احکام و شرائع یا فصل خصومات میں عدل و مساوات کا اصول قائم رکھوں ہر وہ سچائی جو کسی جگہ یا کسی مذہب میں ملے اسے بے تکلف تسلیم کروں جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں تم سے پہلے میں خود احکام الٰہی کی پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے اس لئے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے۔ ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اسکے ساتھ ہے وہ ہی اس کے آگے آئے گا۔ چاہئے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث و تکرار کی ضرورت نہیں سب کو خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کچھ کما کر لایا ہے۔ (تنبیہ) یہ آیات مکی ہیں مثال کی آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول

ابن المنذر نے عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سورۃ اذا جاء نصر الله والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا نازل ہوئی تو مشرکوں نے مکہ میں ان مومنوں سے جو ان کے پاس موجود تھے کہا لوگ خدا کے دین میں گروہ گروہ داخل ہو گئے تم بھی یہاں سے چلے جاؤ کب تک ہمارے ہاں رہو گے۔ اس پر آیت ویل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ

اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو

مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ

مان چکے اُن کا جھگڑا باطل ہے اُن کے

رَبِّهِمْ ۚ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ

رب کے یہاں اور اُن پر غصہ ہے اور اُن کو سخت

شَدِيْدٌ ۝

عذاب ہے ☆

اہل کتاب کے جھگڑے

یعنی اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اسکی باتوں کی سچائی جب علانیہ ظاہر ہو چکی تھی کہ بہت سے سمجھدار لوگ اس کو قبول کر چکے اور بہتیرے قبول نہ کرنے کے باوجود ان کی سچائی کا اقرار کرنے لگے۔ اس قدر ظہور و وضوح حق کے بعد جو لوگ خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے یا ماننے والوں سے الجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور ان کے سب جھگڑے جھوٹے اور سب حجتیں پاور ہوا اور باطل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عبدالرزاق نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جھگڑا نکالنے والوں سے مراد یہود اور عیسائی (یعنی اہل کتاب) انہوں نے کہا تھا ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے اور ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہے اس لئے ہم تم سے بہتر ہیں یہی اہل کتاب کا جھگڑا تھا۔

مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيبَ لَهُ۔ بعد اس کے کہ لوگوں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے اور معجزات بیّنہ حسن دعوت کی وجہ سے دین حق میں داخل ہو گئے۔

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ۔ ان کا جھگڑا اور بحث کرنا باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کو وہ دلیل وحجت خیال کرتے ہیں حقیقت میں وہ ایک لغو بے ہودہ شبہ ہے (وہ وہم کو فہم سمجھ بیٹھے ہیں)

وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ۔ اور چونکہ وہ خواہ مخواہ عناد رکھتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا غضب آنے والا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۔ اور کفر کی وجہ سے ان پر سخت عذاب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ

اللہ وہی ہے جس نے اُتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی ☆

ترازو ☆ اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تولتے ہیں اور یہی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے عفت عدل وانصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق ومخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تعین کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ (تفسیر عثمانی)

میزان کا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے میزان کی تفسیر عدل وانصاف سے کی ہے۔ مجاہد امام تفسیر نے فرمایا کہ یہاں میزان سے مراد وہ عام ترازو ہے جس کو لوگ استعمال کرتے ہیں اور مراد اس سے سب کے حقوق کی پوری ادائیگی اور انصاف ہے۔ تو لفظ حق میں سب حقوق اللہ اور لفظ میزان میں سب حقوق العباد کی طرف اشارہ ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے پورا پورا تولنے کا حکم دیا اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت فرمائی۔

بعض علماء کے نزدیک میزان سے مراد شریعت ہے شریعت سے حقوق کا صحیح توازن ہوتا اور انسانوں کے باہمی معاملات میں انصاف ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ

اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو ☆

☆ یعنی اپنے اعمال واحوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لو کہاں تک کھرے اور پورے اترتے ہیں کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آ لگی ہو پھر کچھ نہ ہو سکے گا جو فکر کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک نحوی پیچیدگی کا حل: الساعۃ مؤنث ہے اور قریب مذکر ہے دونوں میں تو افق نہیں ہے اس لئے کسائی نے قریب کا فاعل حذوقہ قرار دیا یعنی قیامت کا آنا قریب ہے بعض نے کہا قریب کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن قرب والی (یعنی مونث) مراد ہے گویا اس قائل کے نزدیک وزن فعیل مؤنث کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے بعض نے کہا ساعت بمعنی بعث ہے (اور بعث مذکر ہے) اس لئے قریب بصیغہ مذکر ذکر کیا۔

آیت کا شان نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کا تذکرہ کیا اس وقت آپ کے پاس کچھ مشرک بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے طور تکذیب کہا تاؤ قیامت کب آئے گی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

جلدی کرتے ہیں اُس گھڑی کی وہ لوگ کہ یقین نہیں رکھتے

بِهَا ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا

اُس پر اور جو یقین رکھتے ہیں اُن کو اس کا ڈر ہے

وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ

اور جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے سنتا ہے جو لوگ

يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ

جھگڑتے ہیں اُس گھڑی کے آنے میں وہ بہک کر دور جا پڑے ہے ☆

مومن اور منکر ☆ یعنی جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں وہ تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا

مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ جو فرمایا کہ مومنین قیامت سے ڈرتے ہیں۔ مراد اس سے اعتقادی خوف ہے جو قیامت کے احوال سے ہے۔ نیز اپنی عملی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے لازمی ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات کسی مومن پر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق غالب ہو کر اس خوف پر غالب آ جاتا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ قبر میں بعض مردوں کا یہ کہنا ثابت ہے کہ قیامت جلد آ جائے۔ وجہ یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتوں کی طرف سے انسان کو بشارت رحمت و مغفرت کی پہنچائے گی تو قیامت کا خوف مغلوب ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

خدا اور رسول کی محبت قیامت کی تیاری ہے

ایک شخص نے بلند آواز سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے تو بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے۔ اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ یہ حدیث یقیناً متواتر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یُمَارُوْنَ۔ جھگڑتے ہیں اور وقوع قیامت میں شک کرتے ہیں۔ قاموس میں ہے مریۃ اور مریۃ شک جھگڑا کرنا۔ ماراہ ممارا تہ اس میں شک کیا اس کا اصل لغوی معنی ہے اونٹنی کے تھن کو دوہ دوہنے کے لئے سختی کے ساتھ دبانا جھگڑا کرنے والے دونوں فریق میں سخت کلامی کے ساتھ باہم جواب کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے اس جھگڑے کو مریۃ کہا جاتا ہے۔

لَفِیْ ضَلٰلٍ۔ یعنی حق سے بہت ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ قیامت اگرچہ بالفعل محسوس نہیں ہے لیکن قرآن حدیث اور صحیح عقل کی شہادت ہے کہ وار الجزاء کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ قیامت اس وقت ہمارا نظروں سے غائب ہے اور محسوس نہیں ہے مگر محسوس کی بہت زیادہ مشابہ ہے (گویا نظروں کے سامنے ہی ہے) اب جو شخص قیامت کو نہیں جانتا اور اللہ کی ہمہ گیر قدرت کے باوجود وقوع قیامت کو قدرت کے احاطہ سے خارج سمجھتا ہے وہ بہت ہی گمراہ ہے اور مابعد زندگی کی رو سے بھٹکا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ
اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر ☆

اللہ تعالیٰ کی نرمی ☆ یعنی باوجود تکذیب و انکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا بلکہ بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور نہایت نرمی اور تدبیر لطیف سے ان کی تربیت فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَطِیْفٌ کا مطلب۔ مقاتل نے کہا نیکوں اور بدوں پر سب پر مہربانی کرنے والا کہ بدکاروں کی خطاکاریوں کی وجہ سے کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ نفع پہنچانے اور مصائب کا رخ پھیر دینے کی تدبیر وہ اپنے مخفی علم سے کرنے والا ہے۔ بعض نے کہا اس کا علم و قیقہ رس ہے اس کا علم عظیم ہے وہ بندے کی اچھائیاں پھیلاتا اور عیوب پر پردہ ڈالتا ہے۔ بندے کی ضرورت سے زیادہ عطا کرتا اور بقدر برداشت طاعت کا حکم دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور
الْعَزِيْزُ ﴿١٩﴾
زبردست ☆

☆ جس کو چاہے بخشی چاہے دے۔ (تفسیر عثمانی)

رزق میں دو طرح کی مہربانی: حضرت جعفر بن محمدؒ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذا اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا یک وقت نہیں دے دیتا ورنہ اول تو اس کو حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور کتنی بھی حفاظت کرتا وہ پھر بھی سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچتا۔ (مظہری و مثلہ فی القرطبی)

ایک مجرب عمل مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔ اور فرمایا کہ بہت مجرب عمل ہے آیت یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ
جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی
نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ
زیادہ کریں ہم اُسکے واسطے اُس کی کھیتی ☆

ثواب میں زیادتی ☆ ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں بلکہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اور دنیا میں ایمان وعمل صالح کی برکت سے خوفِ الٰہی اور برکت ملے وہ الگ رہی۔ (تفسیر عثمانی)

حرث کا معنی۔ حرث اصل میں زمین میں دانہ بکھیرنے کو کہتے ہیں لیکن جو کھیتی تخم پاشی سے پیدا ہوتی ہے اس کو بھی حرث کہہ لیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے حرث کمائی۔ مال جمع کرنا کھیتی۔ اس جگہ ثواب آخرت مراد ہے۔ ثواب آخرت کو زرع سے تشبیہ دی کیونکہ آخرت میں ملنے والا ثواب دنیوی اعمال کا پھل ہے اسی لئے دنیا کو آخرت کا کھیت کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جو کام کیا جاتا ہے اس کا حاصل آخرت میں ملے گا تو گویا ثواب آخرت کمائی ہے۔ نوۡدِ لَهٗ فِیۡ حَرۡثِهٖ۔ یعنی اس کی کمائی یا کھیتی میں ہم ترقی دیں گے۔ ایک کے بدلے دس اور دس سے بھی زیادہ سات سو گنا تک عطا کریں گے۔ جیسے ایک دانہ سے ایک پودا پیدا ہوا اور پودے میں سات بالیاں ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ
اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اُس کو دیویں
مِنۡهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ
ہم کچھ اس میں سے اور اُس کے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ ☆

دنیا کے لئے محنت ☆ دنیا کے واسطے جو محنت کرے موافق قسمت کے ملے پھر اس محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہیں کما قال تعالیٰ ''عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ'' (بنی اسرائیل رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال صرف نیتوں کے ساتھ ہیں ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس کا ترک وطن اللہ اور رسول کی طرف آنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس کا ترک وطن دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ متفق علیہ۔

اس امت کیلئے خوشخبری

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو خوشخبری دے دو (نام) روشن ہونے کی اونچائی ہونے کی فتح یابی کی اور دین پر اقتدار حاصل ہونے کی۔ امت میں سے جو شخص آخرت کا کام دنیا کیلئے کرے گا اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ رواہ البغوی۔ (تفسیر مظہری)

اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ
کیا اُن کے لئے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے اُن
الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡ بِهِ اللّٰهُ ؕ
کے واسطے دین کی کہ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے ☆

ہدایت فقط اللہ کی طرف سے ہے ☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں کہاں سے نکال لیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ
اور اگر نہ مقرر ہو چکی ہوتی ایک بات فیصلہ کی تو فیصلہ
بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ
ہو جاتا اُن میں اور بیشک جو گنہگار ہیں
عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝
اُن کو عذاب ہے دردناک ☆

☆ یعنی فیصلہ کا وعدہ ہے اپنے وقت پر۔ (تفسیر عثمانی)

تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا
تو دیکھے گا گنہگاروں کو کہ ڈرتے ہونگے اپنی
كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ
کمائی سے اور وہ پڑ کر رہیگا اُن پر ☆

☆ یعنی اپنی کرتوت کے سزا سے خواہ آج نہ ڈریں مگر اس دن ڈرتے ہوں گے اور یہ ڈراں پر ضرور پڑ کر رہے گا کوئی بھیل رہائی اور فرار کی نہ ہوگی۔ (خلاصہ)

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے

فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ

باغوں میں ہیں جنت کے انکے لئے ہے جو وہ چاہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝

اپنے رب کے پاس یہی ہے بڑی بزرگی ☆

☆ یعنی جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی راحتیں اور اپنے رب کا قرب یہی بڑا فضل ہے دنیا کے عیش اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دوشیزاؤں کی بارش: حضرت ابوطیبہ فرماتے ہیں جنتیوں کے سروں پر ابر آئے گا اور انہیں ندا ہوگی کہ بتلاؤ کس چیز کا برسنا چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کا برسنا چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی۔ یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر اُبھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں۔ چنانچہ وہی برسیں گی۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیابی کامل نعمت یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ

یہ ہے جو خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایماندار بندوں کو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

جو کرتے ہیں بھلے کام ☆

☆ یعنی اللہ جو خوشخبری دے وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اُس پر کچھ بدلہ مگر

الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ

دوستی چاہئے قرابت میں ☆

دعوت کا عجیب انداز ☆ یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات و فلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی و خاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو میرا کہنا یہ ہے کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید و حمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی لیکن کم از کم قرابت و رحم کا خیال کر کے ظلم و اذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا میں پہنچاتا رہوں کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مودۃ فی القربیٰ کا معنی

(تنبیہ) آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں منقول ہیں بعض سلف نے "الا المودۃ فی القربیٰ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو اور حق و قرابت کو پہچانو اور بعض نے "قربیٰ" سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے بعض علماء نے "مودۃ فی القربیٰ" سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب اور جزو ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایات صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اہل بیت کی فضیلت: ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان و سلوک اور ان کا اکرام و احترام ضروری چیز ہے۔ روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانا اور نہیں۔ حسب و نسب میں اور فخر اور مباہات میں بلاشک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو منبع سنت نبی ہوں جیسے کہ اسلاف کی روش تھی یعنی حضرت عباس اور آل عباسؓ اور حضرت علیؓ اور آل علیؓ کی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آ جائیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہم سے ہنسی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسولؐ کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

لحاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں رکھو۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے بھی پیارا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ یزید بن حیان اور حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حصینؓ نے کہا اے حضرت! آپ کو تو بڑی بڑی خیر و برکت مل گئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اپنے کانوں سے سنیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ حق تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں بھی تو سنائیے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے فرمایا میرے بھتیجے سنو میری عمر اب بڑی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو عرصہ گزر چکا بعض چیزیں ذہن میں محفوظ بھی نہیں رہیں۔ اب تو یہی رکھو جو از خود سنا دوں اسے مان لیا کرو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو کہ تکلف سے بیان کرنا پڑے پھر آپ نے فرمایا (رضی اللہ عنہ) کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہ کے پاس جسے خم کہا جاتا تھا' کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول نے ہمیں یہ خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی وعظ و پند کیا۔ پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں' کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد خدا تعالیٰ پہنچ جائے اور میں اس کی مان لوں۔ سنو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ جس میں نور و ہدایت ہے۔ تم خدا تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس پر جنگل مارے رہو۔ پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تاکیدیں کیں۔ پھر فرمایا میری اہل بیت۔ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں خدا تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ سن کر حصینؓ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا۔ اے زید! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں کیا آپؐ کی بیویاں اصل بیت میں داخل نہیں فرمایا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی اپ کے اصل بیت میں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدقہ حرام ہے' پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علیؓ' آل عقیل' آل جعفر' آل عباس (رضی اللہ عنہم) پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت جابر ابن عبداللہ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفے والے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصواء کہا جاتا تھا' خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا' لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے لئے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے۔ کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ خدا کی نعمتوں کو مدنظر رکھ کر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ یہ حدیث اور اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔ اس مضمون کی اور احادیث ہم نے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت الخ۔ کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں' فالحمد للہ ایک ضعیف حدیث مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے ہوئے فرمایا' لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں' جو نہیں پہچانتے وہ اب پہچان لیں کہ میرا نام ابوذرؓ ہے۔ سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال مثل نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہے۔ اس میں جو چلا گیا اس نے نجات پائی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے۔ اگر اطاعت نہیں کی تو ایذا رسانی سے تو باز آ جاؤ۔ آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں۔ اس لئے میری بات سنو۔ اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن ۔۔۔ بر وجود خود ستم بیحد مکن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں الا المودۃ فی القربیٰ یہی معنی منقول ہیں۔

سعید بن جبیر نے فرمایا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو فرمایا۔

لا اسئلکم علیہ اجرا الا ان لا تؤذونی فی نفسی المودۃ فی القربیٰ لقرابتی منکم وتحفظوا القرابۃ التی بینی وبینکم۔ یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد رابع)

امام بیہقی نے دلائل میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے۔ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباسؓ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نہ ملتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی دعوت و تبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے۔ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم

سے کچھ نہیں طلب کرتا بجز (مودۃ فی القربیٰ) اس لئے کہ تم میری قرابت کا لحاظ کرو۔ اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچادوں (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

فرقہ شیعہ کی غلط تفسیر: فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے۔ چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ الا المودۃ فی القربیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قرابت والے صرف چار ہیں۔ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ۔

جواب۔ یہ عجیب غلطہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دیدیا جائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں بہر کیف شیعہ فرقہ کی تفسیر کی رو سے اجرت رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے۔ پھر یہ کہ قرابت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو خلیفہ اور بادشاہ بناؤ۔ جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں۔ میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ اقتدار حاصل ہو یعنی جو حکومت اس طرح سے قائم ہوئی جائے۔ وہ نسلاً بعد نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے۔ اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔ اور حضرت حسن بن علیؓ غزوہ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسنؓ و حسینؓ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں۔ بالخصوص اس سورت میں کہ القربیٰ معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا بھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف و معلوم کیسے ہو سکتا ہے۔ زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہؓ و حضرت علیؓ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے۔ تو اس سے اہل سنت کب منکر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت سیدہ حضرت حسنین اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض و لازم ہے۔ اور اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر اقارب نوی ہو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں۔ ہر شخص کی محبت و عظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لئے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہونی چاہئے۔ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ جو دیگر تین صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ کی اطاعت فرض ہونی چاہئے۔ اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہ کو امام بھی ہونا چاہئے۔ اور جب فاطمہؓ کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ بہر حال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں لہٰذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں۔ اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو۔ اور اس کا جواب دو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورین دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھتے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے بلکہ ان کا بغض و نفرت و تشیع کی حقیقت اور روح بنا؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جا سکتا۔ اور اس وجہ تفریق پر بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ **فَاْتُوْا بِبُرْهَانِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ** اہل بیت کے بارے میں وہ تمام احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں جو محدثین نے باب فضائل اہل بیت میں بیان فرمائیں۔ (معارف کاملوی)

امام حدیث سعید بن منصور اور ابن سعد اور رعید بن حمید اور حاکم اور بیہقی نے امام شعبی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امام شعبی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ہم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوالات کئے تو ہم نے حضرت ابن عباسؓ کو خط لکھ کر اس کی صحیح تفسیر

دریافت کی آپ نے جواب میں لکھا کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان وسط النسب فی قریش لیس بطن من بطونھم الا ولد ولدوہ فقال اللہ تعالیٰ قل لا اسئلکم اجرا علی ما ادعوکم علیہ الا المودۃ فی القربیٰ توددوبی لقرابتی منکم و تحفظونی بھا (روح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایسے نسب سے تعلق رکھتے تھے کہ اس کے ہر ویلی خاندان سے آپ کا رشتہ ولادت قائم تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "آپ مشرکین سے یہ کہئے کہ اپنی دعوت پر میں تم سے کوئی معاوضہ بجز اس کے نہیں مانگتا کہ تم مجھ سے قرابت داری کی مروت و مودت کا معاملہ کر کے بغیر کسی تکلیف کے اپنے درمیان رہنے دو اور میری حفاظت کرو۔

اور ابن جریر وغیرہ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

یا قوم اذا ابیتم ان تتابعونی فاحفظوا قرابتی منکم ولا تکونوا غیرکم من العرب اولی بحفظی و نصرتی منکم (روح) اے قوم! اگر تم میری اتباع سے انکار کرتے ہو تو تم سے جو میری قرابت کا رشتہ ہے اس کی پاسداری تو کرو اور ایسا نہ ہو کہ عرب کے دوسرے لوگ (جن کے ساتھ میری قرابت نہیں) میری حفاظت اور نصرت میں تم پر بازی لے جائیں۔

حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اسکی تعظیم و محبت بھی اسی پیمانے سے واجب و لازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قربت حاصل ہے اسلئے اُنکی محبت بلا شبہ جزو ایمان ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ارواح مطہرات اور دوسرے صحابہ کرام جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حب اہل بیت و آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا۔ باجماع و اتفاق ان کی محبت و عظمت لازم ہے۔ اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسبت کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی محبت و عظمت عین سعادت و اجر اور جن کو اللہ تعالیٰ نبوت و رسالت عطا فرماتے ہیں۔ ان کو معجزات بھی عطا فرماتے ہیں۔ اور ان کے معجزات کا ظہور روشن کرتے ہیں۔ اس طرح تکوینی اور تقدیری طور پر ان کی نبوت کو ثابت کر دیتے ہیں۔

دوسرے اپنے کلام کی آیات میں اُن کی تصدیق نازل فرما دیتے ہیں۔

جب یہ ضابطہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے کہ تمام دنیا کے جن و بشر اس کی ایک آیت کی مثال بنانے سے عاجز ہیں جن کا عجز رسالہ نبوت میں ثابت ہو چکا اور آج تک ثابت ہے۔ ایسا کھلا ہوا معجزہ کسی جھوٹے مدعی نبوت سے حسب ضابطہ مذکورہ صادر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ کا دعویٰ وحی رسالت صحیح اور حق ہے اس کو غلط اور افترا کہنے والے گمراہ مفتری ہیں۔

دوسری آیت میں منکرین اس وعید اندین کو نصیحت کی گئی ہے کہ اب بھی کفر و انکار سے باز آجائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔ (معارف معنی العلم)

شیعوں کا غلط استدلال۔ ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قرابت داروں سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا علیؓ اور فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔

فرقۂ شیعہ نے اس حدیث کی روشنی میں اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تینوں سابق خلفاء کی خلافت صحیح نہ تھی۔ خلیفہ صرف حضرت علیؓ تھے کیونکہ اللہ نے اس آیت میں اور اللہ کے رسول نے اس مذکورہ تشریح میں حضرت علی کی محبت فرض قرار دی ہے اور علیؓ کے سوا دوسروں کی محبت واجب نہیں ہے اور محبت کا لازمی تقاضا ہے کہ محبوب کی طاعت واجب ہو۔ اس لئے حضرت علیؓ کے سوا کسی کی خلافت صحیح نہیں ہوئی۔

ان کے استدلال کے جوابات

فرقۂ شیعہ کا یہ استدلال بعدہ ذیل غلط ہے۔

(۱) حدیث مذکورہ کی سند میں ایک راوی حسین اشعری ہے جو سخت شیعی ہے۔ اس لئے یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے پھر آیت کی ہے اور مکہ میں حضرت سیدہ کا کوئی لڑکا ہوا ہی نہ تھا۔

(۲) یہ تسلیم ہے کہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور دونوں صاحبزادوں کی محبت واجب ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دوسروں کی محبت واجب نہ ہو۔ دیکھو ابن عدی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت رکھنی ایمان ہے اور ان دونوں سے بغض رکھنا کفر ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کی محبت ایمانی کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور عرب کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی کفر ہے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ کی لعنت۔ اور جو ان کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھے گا میں قیامت

کے دل اس کا لحاظ رکھوں گا۔ رواہ ابن عساکر عن جابرؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اتصاد سے محبت ایمان کی نشانی اور انصار سے عداوت نفاق کی علامت ہے۔ رواہ النسائی عن انسؓ۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش سے محبت کرنی ایمان ہے اور ان سے دشمنی کرنا کفر ہے۔ عرب کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت کفر ہے جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عرب سے عداوت کی اس نے مجھ سے عداوت کی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انسؓ۔

پھر فرقہ شیعہ کا یہ قول کہ جس کی محبت واجب ہے وہی امام (خلیفہ) ہو گا۔ اور اس کی طاعت واجب ہوگی غلط ہے۔ بعض علماء کے نزدیک القربیٰ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابتدار جن کے لئے زکوٰۃ لینی ناجائز تھی یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ بنی مطلب بنی ہاشم سے جاہلیت کے دور میں بھی الگ نہ تھے اور اسلام کے بعد بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

بعض نے کہا حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عباسؓ کی نسل مراد ہے۔ انہیں کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ اول اللہ کی کتاب جس کے امد و ہدایت اور نور و ہے اس کو لو اور مضبوطی سے پکڑے رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے مسلمانوں کو کتاب اللہ کے موافق عمل کرنے پر برانگیختہ کیا اور ترغیب دی پھر فرمایا (دوئم) میرے اہل بیت ہیں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں میں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دہانی کراتا ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے دریافت کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون تھے فرمایا علیؓ، اور عقیلؓ، اور عباسؓ کی اولاد۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی اور اپنے اقرباء کی مودت طلب کی اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مودت طلب کرنے کا حکم دیا وہ صرف مومن کرنے والوں کے لئے فائدہ رساں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا محبت کرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے وہ اللہ کا محبوب مقرب اور دوست ہو جاتا ہے اور اس محبت سے اس کو کمال ایمان کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے میرے نزدیک آیت مذکورہ میں مودت فی القربیٰ کی یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقرباء میرے اہل بیت اور میری اولاد سے محبت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری نبی تھے آپ کے بعد اور کوئی نبی ہونے والا نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فرض تبلیغ کو ادا کرنے والے علماء امت ہی ہیں۔ علماء ظاہر ہوں یا علماء باطن (یعنی فقہاء اور محدثین ہوں یا آئمہ تصوف) اللہ نے اپنے نبی کو اسی لئے حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اپنے اہل بیت سے محبت رکھنے کی تبلیغ کریں کیونکہ امام المسلمین حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیت جو آپ کی نسل میں سے ہوئے کمالات ولایت کے قطب تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں ابو بکرؓ اسکی بنیاد اور عمرؓ اسکی دیواریں اور عثمانؓ اسکی چھت اور علی اس شہر (میں داخل ہونے) کا دروازہ ہیں۔ رواہ البزار والطبرانی عن جابرؓ۔ اس روایت کی تائید کی شواہد و حدیثیں بھی ہیں جن کے راوی حضرت ابن عمرؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ ہیں۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ اکثر مشائخ کے سلسلے آئمہ اہل بیت تک پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ سادات عظام میں بہت کثرت سے اولیاء ہوئے ہیں جیسے غوث الثقلین محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینیؒ۔ اور شیخ بہاء الدین نقشبند اور سید مودود چشتی اور سید معین الدین چشتی اور سید ابوالحسن شاذلی وغیرہ۔ یہی مراد ہے حدیث مبارک انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی کی۔ اکثر علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ الا المودۃ فی القربیٰ میں استثناء منقطع ہے (اور الا کا معنی ہے لیکن) اور اجرا اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضہ کا بالکل طلبگار نہیں لیکن میری قرابت جو تم سے ہے اس کی یاد دہانی کرتا ہوں اور مودت قرابت چاہتا ہوں۔ حضرت زید بن ارقم کی روایت کردہ حدیث اذکرکم اللہ فی اھل بیتی میں اسی مطلب کا اظہار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی اور اپنے اہل بیت کی محبت رکھنے کا حکم امت کو دیا تاکہ امت کو فائدہ پہنچے اس کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا

اور جو کوئی کمائے گا نیکی ہم اس کو بڑھا دیں گے اس کی

حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۲۳

خوبی بیشک اللہ معاف کرنیوالا حق ماننے والا ہے ☆

نیکی میں برکت ☆ یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے آخرت میں تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی عطا فرما کر اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے شاید یہاں اس مضمون کا ذکر اسلئے فرمایا کہ کم از کم قرابت کی محبت مطلوب ہے جس کا حاصل ایذا و ظلم سے روکنا تھا لیکن جو اس سے زائد نیکی دکھلائے وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر تکلیف پر نیکی ملتی ہے: صحیح حدیث میں ہے کہ مومن کو جو تکلیف

سخت غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی جب آیت قَدْ نَعْلَمُ مَنْ اَلْقٰى حَبَّاً الخ اتری اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ہر برائی کھلائی کا مدلہ دیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں خدا تعالیٰ کے پاس جمع شدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ما قبل سے ربط حسنہ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور نائبوں کی محبت ورنہ سابق عبارت اور اس جملہ میں کوئی ربط نہ ہوگا البتہ لفظ حسنہ عام ہے ہر نیکی کو شامل ہے۔

صوفیاء کے ہاں نیکی کے بڑھنے کی صورت

اللہ حسنہ میں اور خوبی بڑھا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آل رسول یعنی مشائخ طریقت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت رسول کی ترقی سے محبت خدا میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ صوفی کو پہلے فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر فنا فی الرسول کا اور آخر میں فنا فی اللہ کا۔ فنا سے مراد ہے اپنی شدت محبت کے محبوب کی یاد کے وقت نہ اپنا پتہ رہے نہ کسی دوسرے کا سوائے محبوب کے ہر نشان مٹ جائے۔

آیت کا مصداق بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں ہوا۔ بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اہل بیت رسول کے معاملہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ
کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ
فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ
سو اگر اللہ چاہے مُہر کر دے تیرے دل پر
وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ
اور مٹاتا ہے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو
بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اپنی باتوں سے اُس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے ☆

تصدیق رسالت ☆ یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے پھر فرشتہ یہ کلام لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے بلکہ بھلا دیا ہوا بھی سلب کر لیا جائے کما قال "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" (بنی اسرائیل رکوع ۱۰) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب و افتراء کا شائبہ نہیں اس لئے محض بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن اور تشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جا سکتا ہے شک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیامیٹ ہو اور حق ثابت ہو جائے تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں بالخصوص وہ آیات "انفسیہ و آفاقیہ" جس کا دور سورہ "حم السجدہ" کے آخر پر "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ ان آیات کے ظاہر ہونے پر سب کھرے اور کھوٹے دلوں کا حال علانیہ واضح ہو جائے گا (تنبیہ) آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں بندہ کے نزدیک بے تکلف یہ ہی مطلب ہے جو اوپر عرض کیا اس تفسیر پر "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" جملہ مستانفہ ہوا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے البتہ مضارع کے معنی مترجم رحمہ اللہ نے حال کے لئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں مگر بندہ کے خیال میں یہاں استقبال لینا زیادہ چسپاں ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" کا عطف "يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ" پر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ "یعنی اللہ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جس کو باندھ سکے اور چاہے تو کفر کو مٹا دے بے پیغام بھیجے مگر وہ اپنی باتوں سے دین کو ثابت کرتا ہے اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

باطل کو مٹانے اور حق کو ثابت کرنے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ اگر رسول افترا پرداز ہوتے تو اس کے افترا کو اللہ مٹا دیتا کیونکہ اللہ کا دستور ہمیشہ یہی ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو وحی کے یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ باطل کو مٹائے گا اور حق کو قرآن یا فیصلے کے ذریعے سے ثابت کرے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی روک نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ باطل کو مٹا دیا اور کافروں کے مقابلہ میں اپنے احکام بھیج کر اسلام کا بول بالا کر دیا۔

شیطانی خیال کا ازالہ بغوی نے اور طبرانی نے کمزور سند سے بیان کیا

ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب آیت قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى نازل ہوئی تو کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک شیطانی خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اپنے اقرباء کے اتباع پر ہم کو اس طرح سے آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت جبرئیل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق اس طرح کے جھوٹے خیال پیدا ہوئے ہیں اور اللہ نے آیت اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ نازل فرمائی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لوگوں کو سنائی تو غلط خیال رکھنے والوں نے توبہ کی اور کہا یا رسول اللہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نیچے ہیں اس پر آیت دلیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ

اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے

عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ

بندوں کی اور معاف کرتا ہے نافرمانیاں

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَيَسْتَجِيْبُ

اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور دعا سنتا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ

اور زیادہ دیتا ہے انکو اپنے فضل سے اور جو منکر ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝

اُن کے لئے سخت عذاب ہے ☆

اللہ کا معاملہ ☆یعنی نبی خدا کا پیغام پہنچاتا ہے تم جھوٹ سمجھو یا سچ اس کے بعد بندوں کا سارا معاملہ خدا سے ہے ہر ایک بندہ سے دنیا اور آخرت میں اسکے حال واستعداد کے موافق معاملہ ہوتا ہے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور باوجود سب کچھ جاننے کے کتنی برائیوں سے درگزر کرتا ہے جو ایماندار اور نیک بندے اس کی بات سنتے ہیں وہ ان کی دعائیں سنتا اور ان کی طاعات کو شرف قبول بخشتا ہے اور جس قدر اجر وثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے وہ گئے منکر اور کیے کافر جن کو مرتے دم تک رجوع وتوبہ کی توفیق میسر نہیں ہوئی ان کا انجام اگلے جملہ میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کی حقیقت۔ توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کردے دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہوا اُس پر نادم ہو اور تیسرے یہ کہ آئندہ اُسے ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثاء موجود ہیں تو ان کو لوٹائے اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے غیبت کی ہے یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کرکے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ کیلئے ہو اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔ اور شریعت میں اصل مطلوب توبہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہل سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک تو معافی ہو جائیگی۔ دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

توبہ کے چھ معانی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلے کے چھ معانی ہیں۔ (۱) فرائض کے ضائع کردینے پر پشیمانی (۲) فرائض کو دوبارہ ادا کرنا (۳) حقوق لوٹا کردے دینا (۴) جس طرح نفس کو گناہوں میں گھلایا ہوا اسی طرح نفس کو طاعت میں پگھلانا (۵) جیسے پہلے نفس کو گناہوں کی لذت چکھائی ہو اسی طرح نفس کو طاعت کی تلخی چکھانا (۶) جیسے پہلے ہنستا ہاتھا اسی طرح اب رونا۔

بغوی نے شرح السنہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے۔ ندامت توبہ ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔

اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے

حارث بن سوید کا بیان ہے میں حضرت عبداللہؓ کی عیادت کرنے گیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہلاکت آفرین صحرا میں ہو اور اس کی اونٹنی بھی اس کے ساتھ ہو جس پر یہ شخص اک جگہ اتر کر سو جائے اور اونٹنی

کسی طرف کو چلی جائے جب یہ شخص بیدار ہو تو اونٹنی موجود نہ ہو۔ یہ شخص اونٹنی کی تلاش میں (دور دور) گھومتا پھرے۔ یہاں تک کہ سخت پیاس لگنے لگے (مگر پانی نہ ملے) آخر وہ فیصلہ کرلے کہ اب مجھے اسی مقام پر جا کر مر جانا ہے جہاں اونٹنی تھی۔ یہ سوچ کر وہ واپس آ جائے اور (مرنے کے لئے) آنکھیں بند کرلے کچھ دیر کے بعد جو آنکھیں کھلیں تو اس کو اپنے پاس ہی اونٹنی کھانے پانی سے لدی ہوئی مل جائے ایسے آدمی کو جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ رواہ السبعی

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب (گناہ کا) اقرار کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

یہ بھی مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کیجانب سے سورج برآمد ہونے سے پہلے جو توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

توبہ کرنے والا: ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا جب وہ مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کر دی کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا (کر خاکستر کر) دینا پھر آدھی خاک خشکی میں اور آدھی دریا میں اڑا دینا کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ نے (مجھ پر) قابو پالیا تو وہ عذاب دے گا کہ کسی آدمی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔ غرض جب وہ مر گیا تو گھر والوں نے وہی کیا جیسا اس نے کہا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک جمع کر دی جو اس کے اندر تھی اور خشکی نے بھی حسب الحکم جو راکھ اس میں تھی وہ سمیٹ کر یکجا کر دی پھر اللہ نے اس سے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا تھا اس شخص نے عرض کیا اے میرے رب تیرے خوف سے ایسا کیا تھا تو خوب واقف ہے اللہ نے اسے بخش دیا۔

ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں

حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور میں نے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ولمن خاف مقام ربہ جنتان (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہوں گی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا ہو خواہ اس نے چوری کی ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تیسری بار بھی ولمن خاف مقام ربہ جنتان فرمایا۔ میں نے بھی تیسری بار یہی کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا ہو خواہ اس نے چوری کی ہو فرمایا ابودرداءؓ ناک مٹی میں رگڑے (تب بھی اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہوں گی) رواہ احمد۔

ویعلم ما نضمرون۔ اس میں خطاب مشرکوں کو ہے۔

اعلیٰ ترین دعا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سے اعلیٰ ترین دعا الحمد للہ ہے۔ اخرجہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ وابن حبان عن حدیث جابر۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجہ روایت میں آیا ہے کہ ابراہیم ابن ادہم سے کسی نے پوچھا کیا وجہ کہ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے جواب دیا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اللہ نے تم کو (طاعت کی) دعوت دی اور تم نے اس کی دعوت قبول نہیں کی۔

ویزیدھم۔ یعنی ان کی دعا یا استحقاق سے زائد دیتا ہے۔ ابوصالح کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے۔ یعنی ان کے بھائیوں (دوستوں) کے لئے ان کی سفارش قبول فرمائے گا اور زیادہ دینے کا مطلب ہے کہ ان کے بھائیوں کے دوستوں کے حق میں بھی ان کی شفاعت قبول کرے گا۔

لھم عذاب شدید۔ یعنی مومنوں کو جتنا ثواب ملے گا کافروں کو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی سخت عذاب دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا
اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو وہ ضرور
فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ
اٹھا دیں ملک میں ولیکن اتارتا ہے ماپ کر جتنی
مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۷
چاہتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا ہے ☆

حکمت کا تقاضا ☆ خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جائے ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان وتمرد اختیار کر کے دنیا میں اودھم مچا دیتے نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو عاطر میں لاتے جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی

جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرفہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں جتنا آجائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں کوشش اور تمنا ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت۔ ہم غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیساعام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی ہاں دنیا کے عام مذاق و رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کے طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا بہرحال دنیا' بحالت موجودہ جس نظام پر چلا ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ غناء عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب سمجھا جائے تول کر دیا جائے اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے کیونکہ سب کے اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول: امام بغویؒ نے حضرت خباب بن ارت کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے بنو قریظہ' بنو نضیر اور بنو قینقاع کے مال و دولت کو دیکھا تو ہمارے دلوں میں بھی مالداری کی تمنا پیدا ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے بعض حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مالدار بنا دے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی وغیرہ)۔

حکیمانہ نظام: مقصد یہ ہے کہ گو نظام عالم کی مصلحت سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مال و دولت میں وسعت عطا نہیں کی بلکہ ایک حکیمانہ انداز سے رزق کی تقسیم فرمائی ہے لیکن کائنات کی جو نعمتیں عمومی فائدے کی ہیں اُن سے ہر شخص کو بہرہ اندوز کیا ہے بارش' بادل' زمین' آسمان اور ان کی مخلوقات سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور یہ سب چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں

اس کے بعد کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ لہٰذا اُسے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہئے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ کا یہی مطلب ہے۔ حضرت حسنؒ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جس شخص کو کسی لکڑی سے کوئی خراش لگتی ہے یا کوئی رگ دھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے۔ یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔

عارفانہ نکتہ: حضرت اشرف المشائخ نے فرمایا کہ جس طرح جسمانی بیماریاں اور تکلیفیں گناہوں کے سبب آتی ہیں اسی طرح باطنی امراض بھی کسی گناہ کا نتیجہ ہوتے ہیں آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد ہو گیا تو وہ سبب بن جاتا ہے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کا' جیسا کہ حافظ ابن قیم نے الدواء الشافی میں لکھا ہے کہ گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے' اسی طرح نیکی کی ایک نقد جزا یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی بندے کے گناہ زائد ہو جائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ان گناہوں کے کفارہ کے واسطے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم اور فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

تقسیم رزق میں حکمت الٰہی معیار ہے

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے تقسیم الرزق میں معیار اپنی حکمت و مشیت کو بیان فرمایا۔ کہ وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے جس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ کسی کو زائد عطا فرماتا ہے اور غنی کرتا ہے تو اس کا غنا بھی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس پر رزق کی تنگی فرماتا ہے اس پر فقر بھی حکمت خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ ایک زمانہ ایک شخص پر تنگی کا گذرتا ہے تو پھر اس کو فراخی اور غنا عطا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کا عکس ہوتا ہے اور ایک زمانہ فراخی و وسعت کا گذرا۔ پھر اس کو فقیر و تنگدست کر دیا گیا۔

حضرت آدم کی تمنا: احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا تو آدم علیہ السلام نے ان میں دیکھا کہ کچھ غنی ہیں اور کچھ فقیر تو عرض کیا۔ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ کہ اے پروردگار تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات و برابری (رزق میں) کیوں نہ کر دی جواب دیا گیا۔ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ یعنی میں نے یہ چاہا کہ میرا شکر ادا کیا جایا کرے۔ اور یہ بات اسی پر موقوف ہے تفاوت مراتب ہو۔

علامہ طیبی کی رائے: علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ عباد سے کل بندے مراد ہیں بلکہ اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ولایت و قرب کی کرامت سے نوازنا تھا کہ اللہ نے ان پر رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق

پھیلا دیا جاتا تو وہ بغاوت و سرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ اپنے اولیاء و مقربین کو غنا و تونگری کی بجائے فقر و تنگدستی میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ اِذا احبّ اللّٰہ عبدًا احماہ الدّنیا کما یظلّ احدکم لحمیٰ سقیمہ الماء۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنا لیتا ہے تو اس کو دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اس بیمار کو پانی سے بچاتا ہو جس کو پانی نقصان دیتا ہو۔ (معارف کاندھلوی)

نعمتوں کی تقسیم میں حکمت قدسی کے بارے میں مفصل حدیث

بغوی نے حضرت انس بن مالک کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحوالہ جبرئیل باری تعالیٰ کا یہ قول بیان فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کے لئے میرا مقابلہ کرتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت کے لئے ایسا غضبناک ہوں جیسا غضبناک شیر غصب میں آجاتا ہے۔ میرا مومن بندہ میرا مقرب (اور کسی طریقہ سے) اتنا نہیں ہوتا جتنا میرا مفترض فرائض ادا کرنے سے ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ سے میرا مومن بندہ برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے کان اور آنکھیں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مددگار بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس کے کرنے میں مجھے ایسا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے اگر وہ مرنے کو ناگوار جانتا ہو تو مجھے اس کو دکھ دینا پسند نہیں ہوتا مگر مرنے کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا (اس لئے قبض روح کی تکلیف اس کو دیتا ہوں) میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جو مجھ سے باب عبادت (کھولنے) کی درخواست کرتے ہیں لیکن میں ان کو اس سے روک دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اندر غرور پیدا ہو جائے اور اس سے ان کی حالت بگڑ جائے میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو صرف مال ہی درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو محتاج بنا دوں تو ان کا ایمان بگڑ جائے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ افلاس ہی ان کے ایمان کو درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو غنی کر دوں تو مال ان کے ایمان کو خراب کر دے۔ میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صرف جسمانی تندرستی ہی صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ بیماری ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو تندرست کر دوں تو صحت ان کے ایمان کو خراب کر دے میں اپنے بندوں کے کاموں کا اپنے علم کے مطابق انتظام کرتا ہوں مجھے ان کے دلوں کی حالت معلوم ہے میں بخوبی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ
اور وہی ہے جو اُتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ
مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ
آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا
الْحَمِيْدُ ۝
سب تعریفوں کے لائق ☆

باران رحمت ☆ یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب و حالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار و برکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے تا بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت و صواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں اور ہر قسم کی کارسازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔ (تنبیہ) اللہ کی رحمت و قدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا "فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا" (یوسف رکوع ۱۰) اور "حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ" (یوسف رکوع ۱۲) (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
اور ایک اُس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا
وَالْاَرْضِ
اور زمین کا ☆

مخلوق خالق کے کمال کی دلیل ہے ☆ یعنی جس طرح رزق پہنچانا اور اس کے اسباب (بارش وغیرہ کا) مہیا کرنا اسکے قبضہ میں ہے ان اسباب کے اسباب سماویہ و ارضیہ اور ان کے آثار و نتائج بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ ۔ اور اللہ کے وجود و وحدانیت قدرت اور صفات کاملہ کی نشانیوں میں سے آسمان و زمین کو پیدا کرنا بھی ہے آسمان و زمین کی ذات

کیفیات اور حالات اللہ کے وجود پر اور خالق و صانع اور قادر و دانا ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ

اور جس قدر کھیرے ہیں ان میں جانور ☆

☆ آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

دآبّہ کا معنی لفظ دابہ ہر قسم کے جاندار کو شامل ہوگا ملائکہ ہوں یا جن وانس یا جانور یا دابہ سے مراد ہیں زمین پر چلنے والے جانور اس صورت میں فیھما کی ضمیر تثنیہ اگرچہ آسمان و زمین کی طرف راجع ہے لیکن ہر اوز مین ہے کیونکہ زمین میں جو چیز موجود ہوگی وہ زمین و آسمان کے مجموعہ میں ضرور موجود ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَآءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾

اور وہ جب چاہے ان سب کو اکٹھا کر سکتا ہے ☆

☆ یعنی جس نے کھیر سے وہ ہی سب کو اکٹھا کر سکتا ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا

اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ

كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ﴿٣٠﴾

بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ ☆

مصائب کی علت ☆ یعنی جتنی مصیبتیں ایک خاص اندازہ اور حاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں مصائب کا نزول بھی خاص اسباب اور ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اسکا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بدپرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلے اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے یہ ہی حال روحانی اور باطنی بدپرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھ لو۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچاتی ہے اور اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگزر کرتی ہے اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ بچتا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک مگر نبی اس میں داخل نہیں اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں۔ ان کے واسطے اور کچھ ہوگا اور سختی دنیا کی بھی آ گئی۔ اور قبر کی اور آخرت کی"۔ (تفسیر عثمانی)

بہت بڑھیا آیت بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو کتاب اللہ کی بہت بڑھیا آیت بتاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت ہے وَمَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ۔ میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ مَآ أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ یعنی کوئی بیماری یا عذاب یا کوئی دنیوی بلاء۔ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (دنیا میں پاداش عمل کے بعد) اللہ آخرت میں دوہری سزا نہیں دے گا اس کی شان اس سے برتر ہے۔ اور جس جرم سے دنیا میں درگزر فرما دی تو معافی کے بعد پھر لوٹ کر اس کی آخرت میں سزا نہیں دے گا وہ اکرم الاکرمین ہے۔ رواہ احمد وغیرہ۔

آیت کے مخاطب بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں خطاب مجرموں کو ہے اور مجرموں ہی کے لئے آیت کا حکم خاص ہے کیونکہ جو گنہگار نہ ہوں ان پر مصیبت دوسری وجوہ سے آتی ہے مثلاً یہ مقصد ہوتا ہے کہ مومن صبر کرے تاکہ اجر عظیم کا مستحق ہو جائے۔

تکلیف آنے کی حکمت

بغوی نے عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے بندہ کے جو ذرا سی کھرونچ لگ جاتی ہے وہ یا تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ اس کے بغیر اس کا گناہ معاف کرنے والا نہیں ہوتا یا کسی مرتبہ پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے کہ بغیر اس دکھ کے اللہ اس مرتبہ پر اس کو پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِى ٱلْأَرْضِ ۖ

اور تم تھکا دینے والے نہیں بھاگ کر زمین میں

وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ

اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوائے کام بنانے والا

وَلَا نَصِيرٍ ﴿٣١﴾

اور نہ مددگار ☆

☆ یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا حمایت و

امداد کے لئے لڑا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ
اور ایک اس کی نشانی ہے کہ جہاز چلتے ہیں
كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾
دریا میں جیسے پہاڑ ☆

☆ یعنی جیسے رین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ
اگر چاہے تھام دے ہوا کو پھر رہیں
رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ
سارے دن ٹھہرے ہوئے اس کی پیٹھ پر ☆

ہوا بھی اللہ کے تابع ہے ☆ یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے اگر ہوا کو ٹھہرا رکھے چلنے نہ دے تو تمام مال و بانی جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرماں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ
بیشک مقرر اس بات میں پتے ہیں ہر قائم رہنے والے کو
شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾
جو احسان مانے ☆

☆ دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ اس لئے بہت ضرورت ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ
یا تباہ کر دے انکو سبب ان کی کمائی کے اور معاف بھی
عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾
کرے بہتوں کو ☆

☆ یعنی چاہے تو مسافروں کے بعض اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر ڈالے اور اس تباہی کے وقت بھی بعض کو معاف فرما دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ
اور تا جان لیں وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں
مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾
میں کہ نہیں ان کے لئے بھاگنے کی جگہ ☆

☆ یعنی جانے اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے بعض اعمال کا مدلہ ہوا اور بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ ہاں خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جو لوگ ہر چیز اپنی تدبیر سے سمجھتے ہیں اس وقت عاجز رہ جائیں گے" کوئی تدبیر بن نہ پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ قرآن کی تکذیب کرتے اور آیات خداوندی سے سبق اندوز نہیں ہوتے قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے جائیں گے تو ان کو معلوم ہو جائے کہ عذاب سے بھاگنے کا اب کوئی راستہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ
سو جو کچھ ملا ہے تم کو کوئی چیز ہو سو وہ بدت لینا ہے دنیا کی
الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى
زندگانی میں اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾
واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ☆

دنیا کے سامان سے دھوکہ میں نہ پڑو

☆ یعنی یہ تمام باتیں سننے کے بعد انسان کو چاہئے کہ اللہ کو راضی رکھنے کی فکر کرے اس چند روزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور نہ ہو اور خوب سمجھ لے کہ ایسا مداروں کو جو عیش و آرام اللہ کے ہاں ملے گا وہ اس دنیا کے عیش و آرام سے بہتر بھی ہے اور پائدار بھی نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہوگی نہ فنا و زوال کا کھٹکا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فما اوتیتم۔ یعنی دنیا میں جو کچھ تم کو دیا گیا ہے۔
فمتاع الحیوۃ۔ سو وہ دنیوی زندگی میں برتنے کا سامان ہے اس

زندگی میں اس سے فائدہ اندوز ہو سکتے ہو لیکن دنیوی زندگی فنا پذیر ہے یہ سامان آخرت کے لئے توشہ نہیں ہے اسلئے بقدر ضرورت اس میں سے لے لو جو چیز آخرت سے غافل بنائے اس کو چھوڑ دو۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی آخرت میں جو ثواب اللہ کے پاس ہے۔

خَيْرٌ۔ بہتر ہے مقدار کیفیت فائدہ ہر لحاظ سے بہتر ہے وہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول: لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا کچھ لوگوں نے اس فعل پر آپ کو ملامت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے
وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ
يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
معاف کر دیتے ہیں ☆

☆اس کا بیان سورہ نساء کی آیت ''اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ'' کے فوائد میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے شاید یہاں ''کبائر الاثم'' سے وہ بڑے گناہ مراد ہوں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً عقائد مدعیہ اور ''فواحش'' وہ گناہ جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کو دخل ہوا آگے ''وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ'' میں تو ظاہر ہے کہ قوت غضبیہ کی روک تھام کی گئی ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ: یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل فاضل آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہیں۔ وہ جائز ناجائز حق و باطل اور اپنے کئے کے نتائج پر غور کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ جس پر غصہ آتا ہے اس کی کوشش یہ ہونے لگتی ہے کہ مقدور بھر اس پر غصہ اتار جائے۔ متقین و صالحین کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ غصے کے وقت حق و ناحق کی حدود پر قائم رہیں بلکہ اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں۔ (معارف حق اعظم)

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا
اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا

الصَّلٰوةَ ۪ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپ کے ☆

مشورہ ☆ مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات امور میں برابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں مشورہ کرتے تھے حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل واحکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن وسنت میں منصوص نہ ہوں جو چیز منصوص ہو اس میں رائے ومشورہ کے کوئی معنی نہیں اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو۔ ورنہ اسکی بے وقوفی یا بددیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

استجابت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملے اسکو فوراً بے چون وچرا اور بے تامل قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے وہ اپنی طبیعت کے مطابق ہو یا مخالف ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔ اس میں اسلام کے تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام محرمات ومکروہات سے بچنے کی پابندی شامل ہے مگر فرائض میں چونکہ نماز سب سے اہم فرض ہے۔ اور اس میں یہ خاصہ بھی ہے کہ اس پر عمل کرتے سے دوسرے فرائض کی پابندی اور ممنوع چیزوں سے بچنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اس لئے اس کو ممتاز کر کے فرمایا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ یعنی یہ لوگ نماز کو اس کے تمام واجبات اور آداب کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مومن کا مشورہ اور مشورہ کا ادب:

یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے مومن سے کسی معاملہ میں مشورہ کرتا ہے تو وہی مشورہ دیتا ہے جس سے مشورہ لینے والے کو دونوں جہان میں بہبودی حاصل ہو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار (یعنی خیر خواہ) ہو (خیانت کار یعنی بدخواہ نہ ہو) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃؓ والترمذی عن ام سلمۃؓ وابن ماجہ عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہو وہی مشورہ دے جو اپنے لئے اختیار کرنے والا ہو یعنی جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہو وہی مشورہ دے ومشورہ طلب کرنے والے کو دے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں سے مشورہ کر لیا کرتے تاکہ ان کے جی خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے کسی کو میرا جانشین مقرر کریں۔ ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پس سب نے متفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

والذین استجابوا لربھم ۔ خصوصیت کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں وہ سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ثابت ہوئے۔ اجابت حق تسلیم و انقیاد اور اقامت صلوٰۃ آپ کا معروف اور نمایاں وصف تھا اور اقامت صلوٰۃ کا یہ نمایاں وصف اس امر کا باعث بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں انہی کو اپنی جگہ امامت کے لئے مامور فرمایا۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ بار بار اس کو ٹالتی رہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے **مروا ابابکر فلیصل بالناس** یعنی کہو ابوبکرؓ کو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور لفظ **امرھم شوریٰ بینھم** میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپؓ معروف وصف شوریٰ تھا آپؓ اپنے زمانہ خلافت میں کوئی امر مدون فقہاء صحابہؓ کے مشورہ کے نافذ نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ وہ ذخیرہ اجماعیات یعنی وہ امور ہیں جن پر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اجماع ہو چکا تھا **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ والرسول ولذی القربیٰ** ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجماعیات اللہ کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ بلکہ قابل مدح و تحسین ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جس کو حق تعالیٰ نے بطور مدح ذکر فرمایا۔ (سارہ کاندھلوی)

اسلام حقیقی جمہوریت کا بانی ہے:

ابن کثیر نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے۔ جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے اس کی تفصیل معارف القرآن جلد دوم ص ۲۱۵ سے ص ۲۲۲ تک میں دیکھ جس طرح چاہیں کریں۔ اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ (روح المعانی) (معارف القرآن اعظم)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

اور وہ لوگ کہ جب اُن پر ہو دے

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝

چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں ☆

مومن کی شان ☆ یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لیا انہوں نے معاف کر دیا یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا۔ مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زور سے دبانے کی کوشش کرے یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے جرم سے نہ زائد سزا نہیں دیتے۔ (تفسیر جلالین)

عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ سلف صالحین یہ پسند نہ کرتے تھے کہ مؤمنین اپنے آپ کو فساق فجار کے سامنے ذلیل کریں اور ان کی جرأت بڑھ جائے۔ اس لئے جہاں یہ خطرہ ہو کہ معاف کرنے سے فساق فجار کی جراءت بڑھے گی وہ اور بیک لوگوں کو ستائیں گے وہاں انتقام لے لینا بہتر ہوگا اور معافی کا افضل ہونا اس صورت میں ہے جبکہ ظلم کرنے والا اپنے فعل پر نادم ہو اور ظلم پر اس کی جرأت بڑھ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ عفو و انتقام کے دونوں حکم مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جو ظلم کرنے کے بعد شرمندہ ہو جائے اس سے عفو افضل ہے اور جو اپنی ندامت اور ظلم پر اقرار کر رہا ہو اس سے انتقام لینا افضل ہے۔

اور حضرت اشرف المشائخ نے بیان القرآن میں اس کو اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مؤمنین مخلصین اور صالحین کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ **ھم یغفرون** ۔ میں تو یہ بتلایا کہ یہ غصہ میں مغلوب نہیں ہوتے۔ بلکہ رحم و کرم ان کے مزاج میں غالب رہتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔ اور **ھم ینتصرون** میں یہ بتلایا کہ یہ بھی انہیں صالحین کی خصوصیت ہے کہ اگر کبھی ظلم کا بدلہ لینے کا داعیہ ان کے دل میں پیدا بھی ہوا اور بدلہ لینے لگیں تو اس میں حق سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگرچہ معاف کر دینا

ان کے لئے افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے یہی ان کا امتیازی وصف تھا اور اسی انفاق فی سبیل اللہ کے باعث بشارت عظیم سے فائز ہوئے۔

اور والذین اذا اصابھم البغی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر منطبق ہے۔ کیونکہ آپؓ اپنے عہد خلافت میں باغیوں سے بغاوت پر جہاد و قتال کیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا

اور برائی کا بدلہ ہے برائی ویسی ہی ☆

بدلہ ☆ بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقۃً نہیں محض صورۃً برائی ہوتی ہے "سیئۃ" کا اطلاق اس پر مشاکلۃً کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی وضاحت سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا آیت وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کا کیا یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو یا جو عمل کوئی تمہارے ساتھ کرے تم بھی ویسا ہی عمل اس کے ساتھ کرو ثوری نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے ہشام بن حجیرہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا (مراد یہ ہے کہ) اگر زخمی کرنے والا زخمی کر دے تو اس سے بدلہ لیا جائے یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو ہشام کے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ دو شخص جو باہم گالی گلوچ کرتے ہیں وہ شیطان ہیں جو بیہودہ جھوٹی بکواس کرتے اور جھوٹ کہتے ہیں۔ رواہ احمد والبخاری بسند صحیح عن عیاض بن حمار۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکثرت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ (گزشتہ امتوں پر) شہادت دینے والے ہوں گے نہ (کسی کی) سفارش کرنے والے (یعنی نہ ان کی شہادت قابل ہوگی نہ شفاعت) رواہ مسلم وابوداؤد عن ابی الدرداء۔

گالی گلوچ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باہم گالی گلوچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا (اس سے دونوں کی برائی برابر ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے) دونوں میں جو ابتدا کرنے والا ہے وہ بڑا مجرم ہے البتہ مظلوم اگر اس (برابری کی حدود سے) تجاوز کر جائے تو وہ بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد عن ابی ہریرۃ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ ابتدا کرنے والا بڑا مجرم ہے اور جواب دینے والے کو (برابر کا) جواب دینے کی ایک طرح کی اجازت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى

پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا ثواب ہے

اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اللہ کے ذمہ بیشک اس کو پسند نہیں آتے گنہگار ☆

معاف کرنا ☆ یعنی ظلم اور زیادتی تو اللہ کے ہاں کسی حالت میں پسند نہیں بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگزر کرے بشرطیکہ درگزر کرنے میں بات سنورتی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم سے بڑھ جائے وہ خدا کا دشمن ہے۔ پھر برائی کی ابتدا اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

معاف کرنے کی فضیلت بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا دے گا جس کا کوئی ثواب اللہ کے ذمہ ہو تو وہ کھڑا ہو جائے اس ندا کو سن کر صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے (اپنے حق تلفی کرنے والے سے) درگزر کی ہوگی یہ بیان کر کے حسن نے یہی آیت پڑھی۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ یعنی اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دوسروں کو گالی دینے کی ابتداء کرتے ہیں یا انتقام لینے میں برابری کی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ظلم کرنے کی ابتداء کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو کوئی بدلہ لے اپنی مظلوم ہونے کے بعد سو ان

مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝

پر بھی نہیں کچھ الزام ☆

☆ یعنی مظلوم ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اس میں الزام اور گناہ کچھ نہیں ہاں معاف کر دینا افضل و احسن ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص نے آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کو گالی دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچنبھے میں آ گئے اور مسکرانے لگے جب اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو زیادہ برا کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس کی بعض باتیں لوٹا دیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے سے حضرت ابوبکرؓ بھی جا پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا تو آپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بعض گالیاں لوٹا دیں تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے (اس کی کیا وجہ ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ (یعنی تمہاری حمایت کے لئے) ایک فرشتہ تھا وہ تمہاری طرف

سے جواب دے رہا تھا جب تم نے اس کی بعض باتیں لوٹا دیں (یعنی جو اس نے تم کو کہا وہی تم نے اس کو کہا) تو شیطان آ پڑا اور میں شیطان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پھر فرمایا ابوبکرؓ تین باتیں ہیں اور تینوں سچی ہیں۔ نمبر ۱ اگر کسی بندہ پر کوئی کسی طرح کا ظلم کرے اور وہ اللہ کے واسطے اس کو معاف کر دے تو اللہ اس کو عزت فرماتا ہے اور اپنی نصرت عطا کرتا ہے۔ نمبر ۲۔ اور جو شخص خیرات کا دروازہ کھول دے اور اس سے اس کا مقصد ہو امداد تو اللہ اس کے مال میں ترقی دیتا ہے۔ نمبر ۳۔ اور جو شخص سوال کا دروازہ اس غرض سے کھولے کہ مانگ مانگ کر مال کو بڑھائے تو اللہ اس کی وجہ سے مال میں کمی کر دیتا ہے۔ (رواہ احمد) (تفسیر مظہری)

ما علیھم۔ یعنی انتقام لینے والوں کے خلاف کوئی راہ نہیں مطلب یہ ہے کہ نہ ان کو برا کہا جائے گا نہ ان سے مواخذہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ
الزام تو اُن پر ہے جو ظلم کرتے ہیں
النَّاسَ
لوگوں پر ☆

☆ یعنی ابتداء ظلم کرتے ہیں یا انتقام لینے میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور انما السبیل علی الذین یظلمون سے اشارہ امراء بنی اُمیہ کی جانب ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری اُمت کی ہلاکت چند لڑکوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ (معارف کاندھلوی)

وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
اور دھوم اُٹھاتے ہیں ملک میں ناحق
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَمَنْ
اُن لوگوں کے لئے ہے عذاب دردناک اور البتہ
صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ
جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام ہمت
الْاُمُوْرِ ۝
کے ہیں ☆

☆ یعنی غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگزر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اس کی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صبر کرنیوالا شخص افضل ہے:

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے (تو وہ افضل ہے) یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی جس نے ظالم کے ظلم پر صبر کیا انتقام نہیں لیا معاف کر دیا تو یہ صبر و عفو ان امور میں سے ہے جو شرعاً مطلوب ہیں۔ عزم بمعنی معزوم ہے۔ اور معزوم کا مطلب ہے مطلوب۔ مراد مطلوب شرعی۔ ایسا آدمی افضل الناس ہے۔

زجاج نے کہا صابر کو صبر کا ثواب دیا جائے گا اور ثواب کی طلب مکمل طلب ہے۔ مقاتل نے کہا یعنی ان امور میں سے ہے جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فضیل بن عیاض کی اپنے خادم کو نصیحت

حافظ ابن کثیرؒ نے فضیل بن عیاض کے ایک خادم عبدالصمد بن یزید سے نقل کیا کہ میں نے فضیل بن عیاض سے سنا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لیکر آئے تو تم یہ کہہ دیا کرو اے میرے بھائی اس کو معاف کر دو۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کو معاف کروں تو پھر اس کو یہ کہو کہ اگر بدلہ ہی لینا ہے تو اس طرح لو جیسے اللہ نے اس کی اجازت دی۔

اور آیہ سیئۃ سیئۃ مثلھا سے انتقام کی اجازت دی گئی مگر عفو اور اصلاح چشم پوشی اور درگذر کو افضل اور بہتر فرمایا گیا عجب نہیں کہ اس لفظ واصلح سے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے امیر معاویہؓ کے ساتھ فرمائی۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یعنی ان ابنی ھذا سید ویصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین۔ یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرے گا۔ اور چونکہ لفظ واصلح مسلمانوں کے درمیان اتفاق واقع ہونے اور باہمی نزاع و تفرقہ اٹھ جانے پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس میں ایک لطیف اشارہ حضرت معاویہؓ کی امارت و حکومت کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ واصلح کا مقام مدح میں ذکر کرنا اسکی دلیل ہے کہ وہ صلح عنداللہ صحیح اور معتبر ہوگی تو اس طرح اس مصالحت کے نص قرآنی کے اشارہ سے حق ہونا معلوم ہوا۔

اور آخیر میں ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور سے ایسے ثابت قدم علماء ربانیین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے امراء و

سلاطین کے جور و ظلم پر صبر کیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ امت انتشار و افتراق کا شکار نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کو امیر وقت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے منع کیا اور باوجود کراہت کے اطاعت قبول کی۔ اور اس گروہ کے سرخیل اور امام علی بن الحسین تھے رضی اللہ عنہ وعن ابائہ والکرام (حضرات قارئین تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء از ص ۵۹۲ مراجعت فرمائیں)۔ (معارف کاندھلوی)

علامہ بن زیاد کی گورنر کو نصیحت

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مکہ میں جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ابو عبد اللہ! تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کیا علامہ بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے تیرے ہاتھ مسلمانوں کے خون و مال سے آلودہ نہ ہوں۔ تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

اور جس کو راہ نہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اُس کا کام

وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

بنانے والا اُس کے سوا ☆

توفیق اللہ کی طرف سے ہے ☆ یعنی اللہ کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی کو عدل و انصاف اور صبر و غفر کی اعلیٰ خصلتیں حاصل ہو سکتی ہیں وہ ان بہترین اخلاق کی طرف راہ نہ دے تو کون ہے جو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور رسوائی کے گڑھے سے ہم کو نکال سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ

اور تو دیکھے گنہگاروں کو جس وقت دیکھیں گے عذاب

يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ

کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہو گی کوئی راہ ☆

کافروں کی حسرت ☆ یعنی کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیئے جائیں اور اس مرتبہ وہاں سے خوب نیک بن کر حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ

اور تو دیکھے ان کو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے آنکھیں جھکائے ہوئے

الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ

ذلت سے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے ☆

☆ یعنی ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف اور ذلت و ندامت کے مارے نیچی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

گنہگاروں کی حالت۔ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ۔ پوشیدہ چوری کی نظر سے دیکھیں گے جیسے وہ شخص جو رسیوں سے بندھا اور جکڑا ہوا ہو خوف زدہ ہو کر عاجزی کے ساتھ چوری کی نظر سے جلاد کی تلوار کو دیکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ

کہیں وہ لوگ جو ایماندار تھے مقرر ٹوٹنے والے وہی ہیں جنہوں نے

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

گنوایا اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن ☆

☆ یعنی بدبخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے سبھی کو تباہ و برباد کر کے چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں نے ایمان نہ لا کر اپنی حوریں کھو دیں

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اہل سے مراد حوریں ہیں اگر کافر ایمان لے آتے تو ان کو وہ حوریں مل جاتیں جو جنت میں ان کے لئے مقرر کر دی گئی ہیں لیکن کفر کی وجہ سے وہ ان حوروں تک نہیں پہنچ سکے اور اس طرح خسارے میں رہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۱۸﴾

سنتا ہے گنہگار پڑے ہیں سدا کے عذاب میں

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ

اور کوئی نہ ہوئے اُن کے حمایتی جو مدد کرتے اُن کی

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا

اللہ کے سوائے اور جس کو بھٹکائے اللہ اس کے

لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝

لئے کہیں نہیں راہ ☆

☆ یعنی نہ دنیا میں ہدایت کی نہ آخرت میں نجات کی۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

مانو اپنے رب کا حکم اس سے پہلے کہ آئے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ

وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے ☆

☆ یعنی جیسے دنیا میں عذاب موخر ہوتا اور ٹلتا چلا جاتا ہے اس دن نہیں ٹلے گا۔ (تفسیر عثمانی)

استجیبوا لربکم۔ یعنی محمد حواللہ کی طرف بلانے والے ہیں تم ان کی نافرمانی نہ کرو۔

لا مرد لہ من اللہ۔ یعنی اللہ جب اس روز کے آنے کا حکم دے چکے گا تو پھر اس حکم کو واپس نہیں لے گا۔ (تفسیر مظہری)

مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

نہیں ملے گا تم کو بچاؤ اُس دن اور نہ ملے گا الوپ ہو جانا ☆

☆ یعنی مکر جانے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا اور ابن کثیرؒ نے یوں معنی کئے ہیں کہ کوئی موقع ایسا نہ ملے گا جو تم بچا لے جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

یومئذ۔ سے مراد ہے مرنے کا، اس یا روز قیامت۔

ملجاء۔ مفر (بھاگنے کی جگہ) جہاں پناہ پکڑ سکو۔

ما لکم من نکیر۔ یعنی تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا انکار نہ ہو سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر

حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ

نگہبان تیرا ذمہ تو بس یہی ہے پہنچا دینا ☆

☆ یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں آپ کا فرض بیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر رہے ہیں یہ نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً

اور ہم جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت

فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا

اُس پر پھولا نہیں سماتا اور اگر پہنچتی ہے اُن کو کچھ برائی

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝

بدلے میں اپنی کمائی کے تو انسان بڑا ناشکر ہے ☆

انسانی طبیعت ☆ یعنی ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے (الا من شاء اللہ) اللہ العام و احسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے پھر جہاں اپنی کرتوت کی کوئی افتاد پڑ گئی بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی اپنی حد پر قائم نہیں رہتا الا ماشاء اللہ مومنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ سختی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اس کے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

مصیبت رحمت کا تقاضا نہیں ہے

اذقنا کے ساتھ لفظ اذا استعمال کیا۔ لیکن مصیبت کا آنا بھی علماء رحمت نہیں۔ نہ اللہ کا یہ دستور ہی ہے کہ (بے وجہ بغیر جرم کے) مصیبت میں مبتلا کر دے اس لئے فصنھم کے ساتھ لفظ ان (اگر جو شک کے لئے آتا ہے) استعمال کیا۔ (تفسیر مظہری)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا

اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کرتا ہے جو

يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

چاہے بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے

لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ

جس کو چاہے بیٹے یا اُن کو ملا دیتا ہے جوڑے

ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ

بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ

إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝

وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا ☆

اللہ ہی مالک ومختیار ہے ☆ یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جسکو چاہے دے جسکو چاہے نہ دے دنیا کے رنگارنگ حالات کو یہ دیکھ لو کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں کسی کو بیٹے کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ اس میں کسی کا کچھ دعویٰ نہیں وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہی اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق وتقسیم پر حرف گیری کر سکے عاقل کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم وگرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر یا کفران نعمت سے باز رہے۔ (تفسیر عثمانی)

لله ملك السموات۔ جب ساری کائنات پر اس کی حکومت ہے تو اسی کو اس میں جیسا چاہے تصرف کرنے کا حق ہے نعمت دے یا جرم کا انتقام لے۔

يخلق ما يشاء یہ کلام سابق کی علت ہے۔

يهب لمن يشاء إناثا۔ بعض اہل علم نے کہا یہ آیت خلق ما يشاء کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو لڑکیاں عطا فرماتا ہے ان کے کوئی لڑکا نہیں ہوتا۔ اور بعض کو لڑکے دیتا ہے۔ ان کے کوئی لڑکی نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے

أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا

یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانیوالا

فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ

پھر پہنچاوے اسکے حکم سے جو وہ چاہے ☆

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی صورتیں

☆ کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں (الف) بلاواسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا (ب) بواسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صوت کا ہوتا ہو۔ حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے میرے خیال میں یہ صورت ہے کہ جس کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "یاتینی فی مثل صلصلة الجرس" سے تعبیر فرمایا ہے اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے اسی کو حدیث میں "وهو اشده علی" فرمایا اور شاید وحی قرآن بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ" اور "فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ" میں لفظ "قلبک" سے اشارہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا۔ پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لئے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ "وحیا" سے تعبیر کیا کیونکہ لغت میں "وحی" کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے (ج) تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آ جائے اور اس طرح خدا کا کلام وپیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان ان کی آواز سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے یہ دوسری صورت ہے اور میرے خیال میں اسی کو آیت ہذا میں "أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات کا شانِ نزول:

یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام نہیں کرتے اور کیوں نہیں بالمشافہ اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر آپ نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہ راست کلام کریں اور موسیٰ کی طرح اللہ کو دیکھیں جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو خدا کو نہیں دیکھا (تم غلط کہتے ہو اور اسی طرح

انھوں نے اللہ سے براہ راست بلاواسطہ تو کلام نہیں کیا بلکہ ان پر پس پردہ کلام ہوا تھا) اور یہ آیات نازل ہوئیں وما کان لبشر ان یکلمہ (تفسیر فخر الدین رازی ج ۲۷ ص ۱۳۲)

وحی کا مفہوم امام راغب نے مفردات میں لفظ وحی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا اشارۃ سریعۃ فی خفیۃ یعنی پوشیدہ اور مخفی طور سے ایک سریع اشارہ اور رمز۔ لفظ خفیۃ سے تو یہ ظاہر کیا کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادراک اور احساس سے نہیں یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے۔ اور لفظ سریعۃ کی دلالت یہ بتا رہی ہے۔ کہ وہ ایک آن کی آن میں عرش الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے۔ اور فی خفیۃ کا یہ نتیجہ تھا کہ مجلس میں حضرات صحابہ موجود ہوتے اور نزول وحی ہو جاتا اس طرح کہ کسی کو کوئی خبر بھی نہ لگتی۔ اکثر ایسا ہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ کا فرشتہ بظروں کے سامنے محسوس ہوتا اور وہ کوئی کلام کرتا تو دوسرے بھی اس کو سنتے جیسے کہ حدیث ایمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جبرئیل امین کا نوواردشخص کی شکل میں آنا اور ان کے سوالات کا قصہ مذکور ہے۔

نزول وحی کی کیفیت میں شدۃ کی وجہ امام راغب نے اشارۃ سریعۃ کی قید و تری۔ اور یہی وجہ صوت کے پیش آنے کی ہوتی تھی جیسے کہ ارشاد ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا حتی کہ سردیوں کے زمانہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہے۔

کیونکہ عالم خواب باطنی قوتوں اور مدرکات سے متعلق ہے تو اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ کسی چیز کے سننے اور جاننے کے اعتبار سے ورنہ ظاہر ہے کہ خواب ایک ذہنی چیز ہے۔ اور وحی الٰہی امر قطعی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وحی کی ابتدا خوابوں سے ہوئی۔ جیسے کہ آفتاب کے طلوع سے قبل آسمان پر صبح کی سپیدی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وحی سے قبل چھ ماہ تک سچے خوابوں کا سلسلہ آفتاب رسالت سے قبل تمہید ہوت تھی۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں بنا پر ان کا خواب بھی وحی کی طرح قطعی اور امر خداوندی ہوتا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

وحی کی حقیقت بہر کیف عالم روحانیت اور ملاء اعلیٰ کے امور کا القاء اللہ کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہو اور نہ کان سے سن سکتا ہو اور نہ عقل سے اس کا ادراک کر سکتا ہو اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

غرض وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبہ اور عطیہ خداوندی ہے کہ کوئی کسبی و اکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار و کیفیات کا نام نہیں جیسے کہ فلاسفہ اور ملحدین کا گمان ہے۔ فلاسفہ وحی کی حقیقت میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک فطری ملکہ ہے۔ یعنی انسانی فطرت کی ایک اعلیٰ حالت کا نام ہے اور نبی کے لئے طبعۃ کا ایک عمل ہے۔

آیت میں مذکور تین صورتوں کی وضاحت

اللہ کا کلام پیغمبر سے یا بہ شکل وحی یعنی اشارہ خفیہ کی صورت میں ہوگا۔ یا ان پس پردہ ہوگا۔ یا کسی قاصد کے ذریعے ہوگا کہ وہ آکر اللہ کا پیغام اور کلام پہنچا دے۔ ان ہی تین صورتوں کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ الا وحیا کی شکل تو وہ ہوگی کہ اندر ہی اندر القی یلقی یلقون الا یلقون علی فلیلقہ میں بیان فرمایا گیا کہ ظاہری طور پر نہ آنکھ کسی متکلم کو دیکھتی ہو اور نہ ظاہری کان کوئی آواز سنتے ہوں اور قلب پر اللہ کی وحی اور کلام نازل ہو جائے کہ حواس ظاہرہ کے دخل کے بغیر ہی قلب اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لے۔ عارفین کہتے ہیں حواس اصل میں تو اندر ہیں۔ جب عالم ظاہر سے تجرد ہوتا ہے تو حواس باطنہ اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ جیسے عالم خواب میں مدرکات اپنا عمل اس وقت شروع کرتے ہیں جب انسان پر نوم (نیند) طاری ہو جائے۔

اور حواس عالم ظاہر کے انسان و ادراک معطل اور غافل ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن کریم کی یہ آیت ظاہر کر رہی ہے وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۔ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ دوسری صورت کا حاصل یہ ہے کہ قوت سامعہ کا تو دخل اور توسط ہو مگر قوت باصرہ اور آنکھوں کا درمیان میں دخل و توسط نہ ہو اور اس پر وحی کی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ کا کلام سنا۔ آنکھوں سے کوئی متکلم نظر آ رہا تھا اور نہ خدا اور عدد قدوس کا دیدار تھا تیسری شکل کا حاصل یہ ہے کہ کسی قاصد اور فرشتہ کے ذریعہ وحی الٰہی آئے۔ اور خدا کا پیغمبر اس فرشتہ اور قاصد کو آنکھوں سے دیکھتا بھی ہو اور کانوں سے اس کے کلام کو سنتا ہو جیسے کہ بسا اوقات جبریل امین حضرت دحیۃ الکلبی کی شکل میں اترتے اور اللہ کی وحی پہنچا دیتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں جو چیز ذکر فرما رہی ہیں وہ وحی کی ان تین شکلوں میں سے دو کو مشتمل ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ احیانا یاتینی مثل صلصلۃ الجرس وھو اشدہ علی واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول یعنی بسا اوقات وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے گھنٹہ یا ٹالی کی جھنکار اور کوچ کی طرح اور یہ مجھ پر زیادہ شدید ہوتی ہے اور بسا اوقات میرے سامنے فرشتہ بشری شکل میں متشکل ہو کر رونما ہوتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے تو مثل صلصلۃ الجرس کی مشکل الاوحیا کی ہوتی تھی اور تمثیل لی الملک رجلا کی صورت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن کریم نے اَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ میں بیان فرمایا۔ یہی دو صورتیں غالب تھیں اور من وراء حجاب نادر اور قلیل تھی اس وجہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو صراحۃً نہیں فرمایا گیا اور الا وحیا کی صورت

شدید اس پیچ سے ہوتی تھی کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت بشریت سے مسخ ہو کر ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا بخلاف اس صورت کے کہ فرشتہ ہی بصورت بشر نزول کر کے پیغام خداوندی پہنچا دے تو اس میں اپنے قوی میں تصرف کی منقصت نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے یہ دوسری صورت سہل ہوتی تھی بہ نسبت پہلی صورت کے یہ صورتیں تو وحی الٰہی کی وہ تھیں کہ ملاء اعلیٰ سے عالم دنیا کی طرف پیغمبر پر اللہ کا کلام اتارا جائے گویا یہ نزول وحی کا درجہ ہوا۔ ایک درجہ ایسا کہ یہ موسیٰ الہیہ کو اوپر بلایا جائے۔ جیسے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی بلندیوں کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک اور پھر وہاں سے مزید بلندیوں تک پہنچایا گیا کہ قاب قوسین کی صورت ہو گئی اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی جیسے کہ فرمایا گیا۔ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى یعنی جنہیں سے مکالمہ ہوا۔ اگر چہ رؤیت میں اختلاف ہے لیکن برتقدیر ثبوت یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیدار اور کلام جدا جدا ہوگا۔ رؤیت مع الکلام کا جمع ہونا اس آیت کی رو سے بظاہر مشکل ہے کیونکہ بیان کردہ تین شکلوں کو انفصال کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کلام خداوندی ان صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کلام من وراء حجاب یعنی از پس پردہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ عیاناً اور بالمشافہ دیدار خداوندی کے ساتھ کلام بھی نتیجہ ہو جائے؟ تو یہ نہیں ہوگا۔

الہام اور اس کی صورتیں

الہام بھی ملاء غیب سے علوم و ہدایات کے القاء کا نام ہے جو انبیاء کے سوا دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قلب پر ہو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ الہام۔ جو علم کے قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہ یا ملاء اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قال تعالیٰ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا پھر اللہ نے اس کو فجور اور تقویٰ کا اس کا الہام فرمایا شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ نفس اس پر عمل کرے اور فجور کا الہام اس لئے فرمایا تا کہ اس سے پرہیز کرے۔

حصین بن منذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِىْ رُشْدِىْ وَاَعِذْنِىْ مِنْ شَرِّ نَفْسِىْ (اے اللہ مجھ کو رشد و ہدایت کا الہام فرما اور شر نفسی سے مجھ کو پناہ دے)

وقال تعالیٰ شانہٗ

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ (سورہ قصص) (اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ)

وقال تعالیٰ شانہٗ

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

وقال اللہ جل جلالہٗ

فَلَمْ يَدْعُ لَهٗ بِذٰلِكَ فَاَلْهَمَهٗ اَنْ يَّقُوْلَ فِيْهِ فَرَحَتْ (اور دوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ انکو عذاب دو یا انکے ساتھ احسان کرو) (سورہ کہف)

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست سب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں کما قال تعالیٰ شانہ۔ وعلمناہ من لدنا علما چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں۔

ولعل الذی هو الذی لا واسطة فی حصوله بین النفس و بین الباری وانما هو کالضوء من سراج الغیب یقع علی قلب صاف فارغ لطیف (کذا فی الرسالۃ القدسیہ ص ۲۸)

علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ جو سراج غیب سے قلب صاف و شفاف پر واقع ہوتی ہے (رسالہ قدسیہ ص ۲۸)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منکرین علم لدنی سے یہ فرمایا کرتے تھے۔

قد احدثتم علمکم میتا عن میت وحی احدثا علما عن الحی الذی لا یموت (کذا فی الیواقیت والجواہر (ص ۹۱ ج ۲) تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم میتا عن میت حاصل کیا ہے اور ہم نے علم حی لا یموت سے لیا ہے۔

اور کبھی ملاء اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القا کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروع کہتے ہیں۔ ملک الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها الحدیث وقال تعالیٰ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (سورہ انفال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا روح القدس یعنی جبرئیل نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مریگا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واعظ اللہ فی قلب کل مومن جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی نے نواس بن سمعان سے روایت کیا ہے اس واعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطہ الملائک مراد ہے جیسا

کہ حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے۔

فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ لینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر محاطت اور سلام کرنے لگے۔

اور عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین بڑے جلیل القدر تھے اور فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران سے ناقل ہیں کہ وہ کرامات کاتبین کو دیکھا کرتے تھے۔ اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ لیا۔ (کرانی الاصابح ۲۶ ج ۳)

حجۃ الاسلام قدس اللہ سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں ایک عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہادت کی طرف۔ ظاہری علوم اور معارف ظاہری باب یعنی حواس خمسۂ ظاہرہ سے قلب میں داخل ہوتے ہیں۔ اور علم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کے علوم باطنی دروازہ سے قلب میں آتے ہیں۔

حسن بصری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے۔ بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سر الٰہی ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر کسی فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میں سے محدث اور معلم اور مکلم ہوں گے۔ اور عمرؓ ان میں سے ہیں۔ اور ابن عباسؓ کی قراءت میں ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا مُحَدَّثٍ اور محدث وہ ملہم من اللہ ہے کہ جسکے باطن قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم و معارف کیلئے کوئی دوسرا راستہ کھل گیا ہو یا یہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں کہ جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لئے کہ اکثر وہ اسکو بھول جائے تو جاہل رہ جائے گا۔ عالم حقیقۃ وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جسوقت چاہے علم حاصل کرتا ہو بغیر حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے اور عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس سے ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے۔ علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود ہو قلب میں من جانب اللہ آتا ہو۔

حجۃ الاسلام قدس سرہٗ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانیکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی لایا جاوے۔ دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اسکو آلات سے صاف کر کے اس میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا۔ اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے تو کبھی علم اس میں حواس کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت و عزلت مجاہدہ و ریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں مگر اس باطنی باب کا انفتاح تحصیل علوم اور صلاح وتقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدہ کبیرہ اور مراقبہ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے چشمے اسکے قلب سے اسکی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک گھنٹی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے میں متفکر جب صبح راستہ پر چلے تو وہ عند اللہ اولوالالباب میں سے ہوتا ہے اور عالم غیب سے ایک روزن اُس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔ (رسالہ لدنیہ ص ۳۷)

الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعتمد فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطا سے معصوم نہیں ہوتا اور یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رؤیاء صالحہ میں۔ انبیاء کا رؤیا صالح وحی ہوتا ہے۔ اولیاء کا نہیں۔

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

والہام کہ اولیاء راست منتمس از انوار نبوت است واز برکات و فیوض متابعت انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات

(مکتوب ۲۳ جلد ۳ ص ۳۱)

اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔ فافہم واستقم۔

یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد و ورع قناعت و توکل۔ رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام ہی کے ایمان اور صفات کا ایک عکس ہوتا ہے مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاء کے ایمان اور زہد و ورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء کا ایک ادنیٰ سا پرتو اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اُس

کے میسر ہو سکتا ہے ابن العربی من العزیا۔

نیز الہام اولیا و فقط کسی بشارت یا تفہیم پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور الہام انبیاء میں امر و نہی اور احکام الٰہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر آپ الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اُس کا اخفاء اولیٰ ہے جب تک کوئی ضرورت شرعیہ دوبیہ داعی نہ ہو۔

وحی و الہام کی تحقیق و تفصیل میں حضرت والد محترم کا یہ کلام نہایت جامع اور اسرار و حکمت پر مشتمل تھا جو ہدیہ ناظرین کیا گیا۔ بحمد اللہ قدم تفسیر سورۃ الشوریٰ۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ۝

تحقیق وہ سب سے اُوپر ہے حکمتوں والا ہے☆

☆ یعنی اسکا علو مانع ہے کہ بے حجاب کلام کرے اور حکمت مقتضی ہے کہ بعض صورتیں ہم کلامی کی اختیار کی جائیں۔ (تفسیر جلالی)

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ

مِّنْ أَمْرِنَا

اپنے حکم سے☆

روح سے مراد ☆ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اس جگہ روح سے مراد فرشتہ لیا ہے یعنی جبریل امین اور یہ بعض مفسرین کی رائے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا کیونکہ اسکی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں اور انسان کو ابدی حیات نصیب ہوتی ہے دیکھ لو جو قومیں کفر و ظلم اور بداخلاقی کی موت مر چکی تھیں کس طرح قرآن نے ان میں جان تازہ ڈال دی۔ (تفسیر جلالی)

رُوحًا روح سے مراد ہے کتاب یعنی قرآن مجید کذلک قال الکلبی و مالک بن دینار۔ سدی نے کہا جس طرح روح سے بدن کی زندگی ہوتی ہے اسی طرح قرآن دلوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے قرآن کو روح فرمایا۔ ربیع نے کہا روح سے مراد ہیں جبریل اور اوحینا کا معنی ہے ارسلنا یعنی ہم نے جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا روح (سے مراد) نبوت ہے۔ حسن نے کہا رحمت مراد ہے ان دونوں سے مراد بھی قرآن ہی ہے نبوت اور رحمت کا نشان قرآن ہی ہے۔

من امرنا اپنے حکم سے۔ یعنی اپنے حکم سے ہم نے وحی بھیجی یا یہ مطلب کہ یہ روح ہمارے امر سے ہے (ہمارے امر کا نتیجہ ہے)۔ (تفسیر مظہری)

روح القدس کی بات: صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کرے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو یا پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ سے کلام ہوا۔ کیونکہ انہوں نے کلام سن کر جمال دیکھنا چاہا لیکن وہ پردے میں تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ

تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ☆

تفاصیل وحی کے ذریعہ معلوم ہوئیں

☆ یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں کون ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے۔ (تفسیر جلالی)

مَا كُنتَ تَدْرِي۔ یعنی وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔

ایمان سے کیا مراد ہے

یعنی ان احکام و شرائع سے واقف نہ تھے جن کو جاننے کا طریقہ (عقلی نہیں بلکہ) محض نقلی ہے ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا اس جگہ ایمان سے نماز مراد ہے دوسری آیت میں آیا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ اللہ ایسا نہیں کہ تمہاری (گذشتہ) نمازوں کو اکارت کر دے۔ اس تفسیر کی بناء اہل علم کے اس متفق علیہ خیال پر ہے کہ انبیاء کا اللہ پر ایمان (فطری) الہامی ہوتا ہے وہ فطری طور پر یا الہام خداوندی اس عالم کا ایک صانع جو تمام نقائص سے پاک اور تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے مانتے ہیں۔

یہ بات ضرور ہے کہ وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت پسند تھے تنہائی کی طرف راغب تھے۔ میں کہتا ہوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن کامل تھے حقیقت ایمان کا یقین رکھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اسی حالت کا نام ایمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن

لیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اُس سے راہ سجھا دیتے ہیں

نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا

جس کو چاہیں اپنے بندوں میں☆

نور ہدایت ☆ یعنی قرآن کی روشنی میں جن بندوں کو ہم چاہیں سعادت و فلاح کے راستہ پر لے چلتے ہیں۔ (تفسیر جلالی)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لیکن اس ایمان کو نور بنا دیا سدی نے کہا۔ قرآن کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی اس قرآن کو نور بنا

دیا۔ نور سے مراد ہے جہالت کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی۔

تھدی بہ۔ یعنی دنیا میں قرآن کے ذریعہ سے صحیح عقیدہ تک اور آخرت میں جنت اور مقام قرب تک ہم جس بندہ کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں۔

وانک لتھدی۔ یعنی اے محمد آپ تمام لوگوں کو سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں سیدھے راستہ سے مراد ہے اسلام جو جنت میں پہنچانے والا ہے۔ اس جملہ میں ہدایت سے مراد ہے راستہ دکھانا۔ راہنمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور بیشک تو سمجھاتا ہے سیدھی راہ ☆

☆ یعنی آپ تو سب بندوں کو قرآن کریم کے ذریعہ سے اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ (تفسیر عثمانی)

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

راہ اللہ کی اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور زمین میں ☆

☆ یعنی سیدھی راہ وہ ہے جس پر چل کر آدمی خدائے واحد تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے ہٹتا خدا سے الگ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کی مملوک اور اسی کی مخلوق ہے۔ الامور یعنی مخلوق کے تمام امور براہ راست بلا واسطہ قیامت کے دن اللہ ہی کے پاس منتقل ہوں گے تمام درمیانی تعلقات اور وسائط ختم ہو جائیں گے۔

اس آیت میں اطاعت گزاروں کے لئے (اچھے انجام کا) وعدہ اور مجرموں کے لئے (عذاب کی) وعید ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

سنتا ہے اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام ☆

انجام کو سوچو ☆ یعنی جب سب کاموں کا انجام اسی کی طرف ہے تو چاہئے کہ آدمی شروع سے اس انجام کو سوچ لے اور اپنے اختیار سے ایسے راستہ پر چلے جو سیدھا اسی کی بارگاہ تک پہنچنے والا ہو۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم وثبتنا علیہ تم سورۃ الشوریٰ۔ (تفسیر عثمانی)

تمت سورۃ شوریٰ

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے رزق میں سختی پیش آئے اور آخری عمر میں اس کا حال تنگ ہو اور اس کے حق دنیوی میں کمی آ جائے۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ زخرف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نواسی آیتیں ہیں اور سات رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ

قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے رکھا اس کو

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو

☆ کیونکہ عربی تمہاری مادری زبان ہے اور تمہارے ذریعہ سے دنیا کی قومیں اس کتاب کو سیکھیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا لطیف معنی انا جعلناہ۔ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔ قرآن حقیقت میں اللہ کی صفت کلامیہ ہے جو مخلوق (یعنی مجعول) نہیں ہے (بنائی ہوئی نہیں ہے) اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عربی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے تاکہ تم پڑھ سکو اور اس کے معانی کو سمجھو۔ (تفسیر مظہری)

یہ سورت مکی ہے البتہ حضرت مقاتل کا قول ہے کہ آیت وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا الخ مدنی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورت معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئی (روح المعانی) واللہ اعلم۔

قسم کھانے کا مطلب والکتب المبین۔ (قسم ہے کتاب واضح کی) اس سے مراد قرآن کریم ہے اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو عموماً وہ چیز بعد کے دعوے کی دلیل ہوا کرتی ہے یہاں قرآن کریم کی قسم کھا کر اس طرف اشارہ فرما دیا گیا ہے قرآن بذات خود اپنے اعتبار کی وجہ سے اپنی حقانیت کی دلیل ہے۔

قرآن کو واضح کہنے کا مطلب قرآن کو واضح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے وعظ و نصیحت پر مشتمل مضامین بآسانی سمجھ میں آ جاتے ہیں لیکن جہاں تک اس سے احکام شرعیہ کے استنباط کا تعلق ہے وہ بلاشبہ ایک مشکل کام ہے اجتہاد کی پوری صلاحیت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا چنانچہ دوسری

جگہ یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟) اسمیں فرمایا دیا گیا ہے کہ قرآن نصیحت اندوزی کیلئے آسان ہے لہٰذا اس سے اجتہاد و استنباط کا آسان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کام کے لئے متعلقہ علوم میں پوری مہارت شرط ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٤﴾

اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے برتر مستحکم ☆

برتر و محکم کتاب ☆ یعنی وجود اعجاز اور اسرار عظیمہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت بلند مرتبہ اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے اس کے دلائل و براہین نہایت مضبوط اور اسکے احکام غیر منسوخ ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کی اعلیٰ ترین ہدایات پر مشتمل اور حکیمانہ خوبیوں سے مملوء ہیں اور قرآن کے ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی شاہد ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب"۔ (تنبیہ) قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُمّ الکتاب۔ (تمام کتابوں کی اصل) یعنی لوح محفوظ دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے بل هو قرآن مجيد في لوح محفوظ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور جس مخلوق کو آئندہ پیدا کرنا چاہتا تھا اس کو لکھ دینے کا قلم کو حکم دیا اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ وانه في ام الكتب۔

لدینا۔ ہمارے پاس۔ اللہ کے پاس ہونا بے کیف اور تصور مکاتیب سے پاک ہے (قرب الٰہی نہ مکانی ہے نہ کسی جسمانی کیفیت کا حامل) بعض علماء نے لدینا سے پہلے محفوظاً کا لفظ محذوف فرمایا ہے یعنی قرآن ہمارے پاس ہر تغیر سے محفوظ ہے۔

لعلی۔ بڑے رتبہ والا کسی کا ادراک وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی شان بلند ہے کیونکہ تمام کتب سماویہ میں یہ ہی معجز ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا نظر کشف سے دکھائی دیتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کے دائرہ میں قرآن مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس طرح مرکز اصل اور دائرہ کا سمٹا ہوا نقطہ ہوتا ہے بلکہ پورے دائرہ سے مرکز افضل اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح نگاہ کشف سے دکھتا ہے کہ قرآن بہت ہی اجمالی مرکز ہے مگر شان سب سے اونچی رکھتا ہے یوں سمجھو کہ جس طرح چاند ہالہ کے اندر دیکھنے والے کو ہالہ سے چھوٹا نظر آتا ہے لیکن واقع میں ہالہ کے دائرے سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے قرآن کی بھی یہی حیثیت ہے۔

حکیم۔ حکمت کاملہ سے بھرا ہوا یا محکم جس کو کوئی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔ (تفسیر مظہری)

قرآن کے اُمّ الکتاب ہونے کا تقاضا

ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب ان ہی سے ہے تو انہیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہئے کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے اور بلند پایہ اور با حکمت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن

کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس

كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ ﴿٥﴾

سبب سے کہ تم ہو ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے ☆

کسی کی شرارت کے سبب نزول ہدایت بند نہیں ہو سکتی

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے کیا حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے" یعنی ایسی توقع مت رکھو اللہ کی حکمت و رحمت اسی کو مقتضی ہے کہ باوجود تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا جائے کیونکہ بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوتی ہیں اور منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا ایک اور مطلب: بغوی نے قتادہ کا تفسیری بیان نقل کیا ہے کہ ابتداء وحی کے زمانہ کے کافروں نے جب قرآن کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اگر اسی زمانہ میں قرآن اٹھا لیا جاتا تو سب لوگ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ نے اپنی رحمت و مہربانی سے بیس سال تک یا جب تک اس نے چاہا قرآن کو نازل کیا اور ارسال وحی کو قائم رکھا۔

مجاہد اور سدی نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کیا ہم تم سے رخ گردان جائیں گے اور تم کو بغیر سزائے کفر کے یونہی چھوڑ دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِن نَّبِيٍّ فِي الْأَوَّلِينَ ﴿٦﴾

اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ
اور نہیں آتا لوگوں کے پاس کوئی پیغام لانیوالا جس سے
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٧﴾
ٹھٹھا نہیں کرتے ☆

☆یعنی پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا مگر اس کی وجہ سے پیغامبری کا سلسلہ مسدود نہیں ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وما یاتیھم ۔ گزشتہ حال کا بیان ہے یعنی ان کے پاس کوئی بھی ایسا نہ آتا تھا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

من نبی ۔ من زائد ہے یعنی کوئی نبی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیغام تسکین

الا کانوا بہ یستھزءون ۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے (یعنی صرف آپ ہی کے ساتھ کافر یہ معاملہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ تمام انبیاء کے ساتھ ان کا سلوک یہی ہوتا رہا ہے) (تفسیر مظہری)

فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ
پھر برباد کر ڈالے ہم نے ان سے سخت زور والے اور چلی آئی ہے
مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾
مثال پہلوں کی ☆

سامان عبرت ☆یعنی عبرت کے لئے ان مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آ چکیں اور پہلے مذکور ہو چکیں جو زور و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے بچ نہ سکے تو تم کا ہے پر مغرور ہوتے ہو آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت اور کمال حکمت کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک ان کے مزدیک بھی مسلم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
اور اگر تو اُن سے پوچھے کس نے بنائے آسمان
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ
اور زمین تو کہیں بنائے اس زبردست
الْعَلِيمُ ﴿٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
خبردار نے وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے لئے زمین

مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
کو بچھونا اور رکھ دیں تمہارے واسطے اُس میں راہیں تاکہ تم
تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾
راہ پاؤ ☆

زمین کی ناقعیت ☆یعنی جہاں تک انسان بستے ہیں آپس میں مل سکیں ایک دوسرے تک راہ پائیں اور چل پھر کر دنیوی و اخروی مقاصد میں کامیابی کا راستہ معلوم کر لیں۔ (تفسیر عثمانی)

ولئن سالتھم ۔ یعنی کفار مکہ سے اگر آپ دریافت کریں۔

مھدا ۔ یعنی فرش جیسے بچہ کا بستر ہوتا ہے۔

سبلا ۔ یعنی چلنے کے لئے اس نے زمین میں راستے بنا دئے۔

لعلکم تھتدون ۔ تاکہ ان راستوں پر چل کر تم اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ زمین میں پیدا کی ہوئی راہوں پر غور کر کے حکمت صانع کو سمجھنے کی تمہاری ذہنی رسائی ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

زمین کا گول ہونا جعل لکم الارض مھدا ۔ (تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا) مطلب یہ ہے کہ زمین کو ظاہری صورت اور اسکا آرام فرش کا سا ہے۔ لہٰذا یہ زمین کے گول ہونے کے منافی نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ
اور جس نے اُتارا آسمان سے پانی ماپ کر ☆

☆یعنی ایک خاص مقدار میں جو اس کی حکمت کے مناسب اور اس کے علم میں مقدر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بقدر ۔ ایک اندازہ کے ساتھ یعنی اتنی مقدار میں جو مفید ہو مضر رساں نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذَٰلِكَ
پھر اُبھار کھڑا کیا ہم نے اُس سے ایک ویران مردہ کو اسی طرح تم کو
تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾
بھی نکال لیں گے ☆

بعث بعد الموت ☆یعنی جس طرح مردہ زمین کو بذریعہ بارش کے زندہ اور آباد کر دیتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔ (عثمانی)

فانشرنا۔ پھر ہم نے زندہ کیا۔ یعنی جس طرح ہم نے پانی سے زمین کو زندہ کیا اسی طرح تم کو بھی قبروں سے نکالا جائے گا یعنی تم کو زندہ کیا جائے گا۔

دو نفخوں کے درمیان مدت شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے مرتبہ صور پھونکنے اور دوسری بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کیا چالیس دن کی مدت ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں اس کا اقرار نہیں کر سکتا لوگوں نے کہا پھر کیا چالیس ماہ مراد ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا مجھے اس سے بھی انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی مدت ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کا بھی اقرار نہیں کیا۔

آبِ حیات کی بارش: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اللہ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے مردے (زمین سے) ایسے اگیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے آدمی کی ہر چیز سوا ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے اور وہ ہڈی دم گزے کی ہڈی ہے اسی سے جسمانی بناوٹ جوڑی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ اصل عرش سے ایک وادی بہہ نکلے گی جس سے روئے زمین پر رینگنے والا ہر جاندار (سبزے کی طرح) اگے گا پھر روحوں کو حکم ہوگا کہ اڑ کر (اپنے اپنے) جسموں میں داخل ہو جائیں اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ فِیْ رَبِّكِ۔

امام احمد اور ابو یعلیٰ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا اور آسمان سے ان پر ہلکی بارش ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا
اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے ☆

سب کا خالق ☆ یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو خدا ہی نے پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ
اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو
مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ
جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو تم اس کی پیٹھ پر ☆

☆ یعنی خشکی میں بعض چوپایوں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتی پر سوار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

جانوروں اور سواریوں کی نعمت

چوپایوں کا نعمت ہونا تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ انسان سے کئی گنا زائد طاقتور ہوتے ہیں لیکن اللہ نے انہیں انسان کے آگے ایسا رام کر دیا ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے منہ سے لگام یا ناک میں نکیل ڈال کر جہاں چاہتا ہے انہیں لے جاتا ہے۔ اسی طرح وہ سواریاں بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں جن کی تیاری میں انسانی صنعت کو دخل ہے ہوائی جہاز سے لیکر معمولی سائیکل تک یہ ساری سواریاں اگرچہ بظاہر انسان نے خود بنائی ہیں لیکن ان کی صنعت کے طریقے سجھانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے؟ یہ وہ قادر مطلق ہی تو ہے جس نے انسانی دماغ کو وہ طاقت عطا کی ہے جو لوہے کو موم بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اسکے علاوہ ان کی صنعت میں جو خام مواد استعمال ہوتا ہے وہ اس کے خواص و آثار تو براہ راست اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہیں۔ (معارف معنی اعظم)

ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا
پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب
اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
بیٹھ چکو اس پر اور کہو
سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا
پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کر دیا ہمارے
وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ۙ﴿۱۳﴾
اسکو اور ہم نہ تھے اسکو قابو میں لا سکتے ☆

انسانی صلاحیت کی نعمت ☆ یعنی چوپایوں یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو کہ ہم کو اس نے اس قدر قوی اور ہنرمند بنا دیا کہ اپنی عقل و تدبیر وغیرہ سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے یہ محض خدا کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت کہاں تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے نیز دلی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ "سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ" اور بھی اذکار و ادعیہ احادیث میں آئی ہیں جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوار ہونے کے اذکار و دعائیں

چنانچہ کتاب الاذکار والادعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ

کلمات دعائیہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر فرماتے اور تین بار سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ پڑھتے۔ اس کے بعد یہ کلمات فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِیْ هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ وَاطْوِ لَنَا الْبُعْدَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا وَاخْلُفْنَا فِیْ اَهْلِنَا۔ (معارف کاندھلوی)

سفر سے واپسی کی دعاء جب سفر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنیوالے ان شاء اللہ عبادتیں کرنیوالے اپنے رب تعالیٰ کی تعریفیں کرنے والے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ)۔

سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت

ابوالاشعث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنالو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسند احمد)۔ حضرت ابولاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فعل

ابوداؤد ترمذی نسائی اور بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے جب اپنا قدم رکاب میں رکھا تو فوزا بسم اللہ کہا پھر جب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر فرمایا۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ اس کے بعد تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہا پھر کہا لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ اس کے بعد مسکرا دیئے عرض کیا گیا امیر المومنین آپ کس وجہ سے مسکرائے فرمایا بندہ جب لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا هُوَ کہتا ہے تو اللہ اس کے اس فعل کو پسند کرتا ہے (اوکما قال) اس موقعہ پر حضور مسکرائے تھے تو حضرت علی بھی مسکرائے۔ (ضیاء مطہری)

صاحب عقل کا کام لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ (اور تاکہ تم یاد کرو اپنے پروردگار کی نعمت کو) اس سے اشارۃً فرمایا کہ ایک صاحب عقل وہوش انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے غفلت سے پروانی اور استغفار کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس بات پر دھیان دے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لہٰذا مجھ پر اسکے شکر کی ادائیگی اور عجز و نیاز کا اظہار واجب ہے۔

کافر و مومن کا فرق ایک کافر اور مومن میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں لیکن کافر انہیں غفلت اور بے پروائی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے انعامات و مستحضر کر کے اپنا سر بریز داں کے حضور جھکا دیتا ہے اسی مقصد سے قرآن و حدیث میں مختلف کاموں کی انجام دہی کے وقت صبر و شکر کے مضامین پر مشتمل دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ اور اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنائے تو اسکا ہر مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے۔ یہ دعائیں علامہ جزریؒ کی کتاب حصن حصین اور حکیم الامت حضرت تھانوی کی "مناجات مقبول" میں دیکھی جا سکتی ہے۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے ☆

سفر آخرت کی یاد ☆ یعنی اس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تو یہی تسبیح کہتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (اور بلاشبہ ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں) ان الفاظ کے ذریعہ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ انسان اپنے دنیوی سفر کے وقت آخرت کا وہ کٹھن سفر یاد کرنا چاہئے جو ہر حال میں پیش آ کر رہے گا اور اسے سہولت کے ساتھ طے کرنے کے لئے اعمال صالحہ کے سوا کوئی سواری نہیں ہوگی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ

اور ٹھہرایا ہے انہوں نے حق تعالیٰ کے واسطے اولاد اپنے

الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ۙ اَمِ اتَّخَذَ

بندوں میں سے تحقیق انسان بڑا ناشکرا ہے صریح کیا اس نے

مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ

رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے چھانٹ کر بیٹے ☆

ناشکری ☆ یعنی چاہئے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرے یہ صریح ناشکری پر اتر آیا اور انکی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کیلئے اولاد تجویز کی جائے وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں اول تو اولاد و باپ کے وجود کا ایک جز ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادثہ ہونا ضروری دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہئے دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یا والد کے حق میں عیب ہے یہاں مخلوق و خالق میں مجانست کا تصور بھی نہیں ہوسکتا تیسرے لڑکی باعتبار قوائے جسمیہ و عقلیہ کے عموماً لڑکے سے ناقص اور کمزور ہوتی ہے گویا معاذ اللہ خدا نے اپنے لئے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا اور ناقص کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔ (تفسیر جلالین)

مشرکین کے دعوی کی عقلی تردید وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (اور انہوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جزو ٹھہرایا) یہاں جزو سے مراد اولاد ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور "اولاد" کے بجائے "جزو" کا لفظ اختیار کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی عقلی تردید کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (معالم معنی عظیم)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ
اور جب ان میں کسی کو خوشخبری ملے اُس چیز کی جس کو
لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
رحمٰن کے نام لگایا تو سارے دن رہے منہ اُس کا سیاہ
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾
اور وہ دل میں گھٹ رہا ہے ☆

مشرکین کی بے عقلی ☆ یعنی جو اولاد اناث خدا کے لئے تجویز کر رہے ہیں وہ ان کے زعم میں ایسی عیب دار اور ذلیل و حقیر ہے کہ اگر خود انہیں اس کے ملنے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے تیور بدل جائیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہیں اس کی پوری تقریر سورۂ "صافات" کے اخیر رکوع میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر جلالین)

مثلا کا ایک اور مفہوم مثل سے مراد ہے صفت۔ یعنی جب اس کو اس وصف کی بشارت دی جاتی ہے جس کو اس نے رحمٰن کا وصف قرار دیا ہے" انتہائی غم سے اس کا چہرہ تخت کالا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي
کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ
الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾
جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے ☆

ضعیف الرائے ☆ یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشو و نما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی اور وجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نذر کھے چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کا کافی بیان سے ثابت کر سکیں نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں ہمیشہ اوھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملا دیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تبیین مقصود میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آئی تھی وہ گئی تھی قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عورتوں کیلئے زیور کی اجازت اور مردوں کیلئے ممانعت کی حکمت

يُنَشَّؤُا (باب تفعیل) یعنی پرورش پاتا ہے۔ اس سے عورتیں مراد ہیں حسن صورت عورت کا طرۂ امتیاز ہے اسی لئے عورت کو زیور کی ضرورت مند ہے تاکہ اس کے حسن ظاہری میں اضافہ ہو مردوں کا امتیاز اوصاف باطنی اور کمالات ذاتی پر موقوف ہے اور یہ زیور سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے مردوں کو زیور کی ضرورت نہیں۔ آیت میں در پردہ ایماء ہے اس طرف کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور زیور سے آراستگی عیب ہے مردوں کو اس سے پرہیز رکھنا اور لباس تقوی سے آراستہ ہونا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ
اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں
الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ﴿۱۹﴾
رحمٰن کے عورتیں ☆

مشرکوں کا جھوٹ ☆ یعنی یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے کہ فرشتوں کو عورتوں کی صف میں داخل کرتے ہیں حالانکہ وہ عورت نہ مرد جنس کی علیحدہ ہے۔ (تفسیر جلالین)

مشرکین کی طرف سے فرشتوں کی توہین

اورانہوں نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں عورتیں قرار دے رکھا ہے۔ یعنی مشرکوں نے نادانیا اوصاف ہی خدا کے لئے ثابت نہیں کیے اور خدا کو صرف صاحب اولاد ہی نہیں قرار دیا اور محض خدا ہی کی توہین نہیں کی بلکہ فرشتوں کی بھی تحقیر کی وہ فرشتے جو اللہ کے برگزیدہ بندے اور مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور ان کا قرب ناقابل بیان ہے ان کو عورتیں قرار دے رکھا ہے۔

آیت کا شان نزول: ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ کچھ منافق اللہ کا رشتہ روحیت جنات سے جوڑتے تھے اور ملائکہ کو ان سے مانتے تھے ان کی تردید میں نازل ہوا وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا۔ بغوی نے بحوالہ کلبی ومقاتل بیان کیا ہے کہ جب مکہ والوں نے یہ بات کہی (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کو کیسے معلوم کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں سے ایسا ہی سنا ہے اور ہم کو یقین ہے کہ انہوں نے غلط نہیں کہا اس پر آیت سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ۔ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ سَتُكْتَبُ
کیا دیکھتے تھے ان کا بنانا اب لکھ رکھیں گے
شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ۝
ان کی گواہی اور ان سے پوچھ ہوگی ☆

مشرکین کے دعوے بلا دلیل ہیں

یعنی کوئی دلیل عقلی ونقلی تو ان کے پاس اس دعوے پر نہیں پھر کیا اللہ نے جب فرشتوں کو بنایا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے بہت اچھا ان کی یہ گواہی دفتر اعمال میں لکھ لی جاتی ہے خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اسکے متعلق ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا اور کہاں سے کہا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْ شَاۗءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۭ
اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمن تو ہم نہ پوجتے ان کو ☆

بے ہودہ دلیل ☆ اور لگے اپنی ان مشرکانہ گستاخیوں کے جواز واستحسان پر ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم کو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بھتر ہیں اور اسکو پسند ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ هُمْ
کچھ خبر نہیں ان کو اس کی یہ سب
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝
اٹکلیں دوڑاتے ہیں ☆

جواب ☆ یعنی یہ تو سچ ہے کہ جدھر خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہو سکتی لیکن اس چیز کا ہمارے حق میں بھتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ ایسا ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے سارا عالم خیر محض ہو جائے شر کا نام ہی دستیاب نہ ہو سوا ایک جھوٹے اور ظالم وخون خوار یہ ہی کہدے گا کہ خدا چاہتا تو مجھے ایسا ظلم وستم نہ کرنے دیتا جب کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے بہر حال مشیت اور رضا میں لزوم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں محض اٹکل کے تیر ہیں جس کا بیان آٹھویں پارہ کے نصف سے پہلے آیت "سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا" کے حواشی میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

ان لوگوں کو اس کا (یعنی ملائکہ کے بنات اللہ ہونے کا یا اس بات کا کہ ملائکہ اپنے معبود ہونے پر راضی ہیں کوئی حسی یا عقلی) علم نہیں۔ یہ محض من گھڑت باتیں کرتے ہیں۔

تخرصون یعنی بے خیالی غلط بات محض اپنے تخیل اور گمان کی بنا پر کرتے ہیں۔

ربط آیات الخ سے پہلے مشرکوں کے فاسد خیالات کی وجوہ بیان کیں اور ان کے غلط شبہات کو نقل کیا پھر فرمایا کہ ان کے پاس کوئی (حسی یا عقلی) علم نہیں ہے پھر نقلی علم کی نفی کے لئے آئندہ آیت ام اتیناھم الخ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ
کیا ہم نے کوئی کتاب دی ہے ان کو اس سے پہلے سو انہوں نے
مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ
اسکو مضبوط پکڑ کر رکھا ہے بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ
اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انہی کے قدموں پر ہیں

تُهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾
راہ پائے ہوئے ☆

مشرک نقلی دلیل سے بھی خالی ☆ عقلی دلیل کا حال تو سن چکے اسے چھوڑ کر کیا کوئی نقلی دلیل اپنے دعوے پر رکھتے ہیں؟ یعنی خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے؟ جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں پھر آگے باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کیا باقی رہ گیا وہ بھی ان کی سب سے زیادہ زبردست دلیل ہے جس کو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں آگے اسی کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

امت کا معنی علی ملّۃ۔ یعنی ایک دین اور طریقہ پر پایا ملت کو امت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ملت کی طرف قصد کیا جاتا ہے جیسے رحلہ۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ سفر کر کے جاتے ہیں۔ مجاہد نے امت کا ترجمہ امام کیا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ
اور اسی طرح جس کسی کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے
قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ
ڈر سناتے والا کسی گاؤں میں سو کہنے لگے وہاں کے خوشحال
اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا
لوگ ہم نے تو پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم
عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ
انہی کے قدموں پر چلتے ہیں وہ بولا اور جو میں
جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ
لادوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر تم نے پایا
عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ
اپنے باپ دادوں کو ☆

پیغمبر کی دعوت ☆ یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تم کو بتلا دوں تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾
تو یہی کہنے لگے ہم تمہارا لایا سوا نہیں مانیں گے ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی ☆ یعنی کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
پھر ہم نے اُن سے بدلہ لیا سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ
جھٹلانے والوں کا اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور
قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِلَّا الَّذِيْ
اس کی قوم کو میں الگ ہوں اُن چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو مگر جس نے
فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾
مجھ کو بنایا سو وہ مجھ کو راہ بتلائے گا ☆

حضرت ابراہیمؑ کی عزیمت

یعنی صرف ایک خدا سے مجھے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہ ہی مجھے منزل مقصود کے راستہ پر آخر تک لے چلے گا۔

قصہ کا مقصد:

(تنبیہ) یہاں یہ قصہ اس پر بیان کیا کہ دیکھو تمہارے مسلم پیشوا نے باپ کی راہ غلط دیکھ کر چھوڑ دی تھی تم بھی وہ ہی گمراہ اور اگر آباء واجداد کی تقلید ہی پر مرتے ہو تو اس باپ کی راہ پر جو حس نے دنیا میں حق وصداقت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا اور اپنی اولاد کو وصیت کر گیا تھا "میرے بعد ایک خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا کما قال تعالیٰ" وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ "(بقرہ رکوع ۱۶) (تفسیر عثمانی)

کلمہ "ما" کی توجیہات

مَا۔ مصدری ہے یعنی تمہاری اس پوجا سے میں بیزار ہوں یا موصولہ ہے یعنی تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کا ذکر کرو جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے یہ بات کہی تھی تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیمؑ نے باپ دادا کی تقلید سے کیسا اظہار بیزاری کیا تھا اور تقلید سے بیزاری کو کس طرح دلیل سے ثابت کیا تھا۔

تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کرو

اگر اپنے آباء واجداد ہی کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے اشرف ترین جد اعلیٰ ہیں اور جن کیساتھ نسبی وابستگی کو تم خود اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے ہو۔ وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے اور اپنی اولاد کو بھی اسکی وصیت کر کے گئے بلکہ خود ان کا طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ کھلے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں۔ جب وہ، نبا میں مبعوث ہوئے تو اُن کی ساری قوم اپنے آباؤ اجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی لیکن انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے دلائل واضحہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ (جن چیزوں کی عبادت تم کرتے ہو میں اُن سے بری ہوں)۔

بدعمل و بدعقیدہ لوگوں سے برأت کا اظہار ضروری ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بدعمل یا بدعقیدہ گروہ یا جماعت کے درمیان رہتا ہے اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہے کہ اس کو بھی اس گروہ کا ہم خیال سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل کا درست کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس گروہ کے عقائد و اعمال سے اپنی براءت کا اظہار بھی ضروری ہے چنانچہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ایسے عقائد و اعمال کو مشرکین سے مثلاً صتار گر لیا بلکہ زبان سے بھی برأت کا برملا اظہار فرمایا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ
اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
تاکہ وہ رجوع کریں ☆

☆ یعنی ایک دوسرے سے توحید کا بیان اور دلائل سن کر راہ حق کی طرف رجوع ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

کلمۃً باقیۃً کا مطلب، مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدۂ توحید کو انہوں نے اپنی ذات ہی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی چنانچہ آپ کی اولاد میں ایک بڑی تعداد موحدین کی ہوئی اور خود مکہ مکرمہ اور اسکے گردونواح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تک ایسے سلیم الفطرت حضرات موجود تھے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی دین ہی پر قائم رہے۔

اولاد کی اصلاح کی فکر ضروری ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند کرنے اور رکھنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال و اخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے اور انبیاء کی سنت بھی۔ اور یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اولاد کی اصلاح کا کارگر عمل

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف المنن والاخلاق میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لئے دعا کا اہتمام کریں۔ افسوس ہے کہ اس آسان تدبیر سے آج کل غفلت عام ہوتی جا رہی ہے اور اس کے انجام بد کا مشاہدہ خود والدین کرتے رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى
کوئی نہیں برمیں نے برتنے دیا اُن کو اور اُن کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾
پہنچا اُنکے پاس دین سچا اور رسول کھول کر سنا دینے والا ☆

مشرکین پر افسوس ☆ یعنی افسوس ابراہیم علیہ السلام کی ارث حاصل نہ کی اور انکی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان دہا تھا اس کے مزوں میں پڑ کر خداوند قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جس کی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے اس نے سچا دین پہنچایا قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ کے احکام پر نہایت صفائی کے ساتھ مطلع کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مبین کا معنی رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ معجزات کے ذریعہ سے رسالت کو ظاہر کرنے والا یا ایات و براھین کی روشنی میں توحید کو ظاہر کرنے والا یا اللہ کے احکام کو ظاہر کرنے والا۔

شان نزول ابن جریر نے ضحاک کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا تو عرب نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کسی انسان کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجنے سے اللہ کی

شان بلند وبالا ہے (یعنی وہ کسی انسان کو اپنا رسول نہیں بنا سکتا) اس پر اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ اور وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اِلَّا بِقَدَرٍ جب بار بار آیات کا (کمتر) نزول ہونے لگا تو کہنے لگے اگر آدمی کا ہی پیغمبر ہونا ضروری تھا تو محمد کے علاوہ دوسرے لوگ رسالت کے لئے زیادہ اہل تھے ان کو پیغمبر ہونا چاہئے تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ

اور جب پہنچا اُن کے پاس سچا دین کہنے لگے یہ جادو ہے

وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۰

اور ہم اُس کو نہ مانیں گے ☆

☆ یعنی قرآن کو جادو بتلانے لگے اور پیغمبر کی بات کو ماننے سے انکار کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى

اور کہنے لگے کیوں نہ اترا یہ قرآن کسی

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝۳۱

بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے ☆

مشرکین کا اعتراض ☆ یعنی اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترنا چاہئے تھا یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کے لئے ایک شخص کو چن لیا جو حور یاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت روحانی مرتبہ ہے اسکا دولت سے کوئی واسطہ نہیں

جل عظیم سے مراد ہے بڑی عزت والا دنیوی آبرو دار اور بڑا مالدار کافروں نے یہ سمجھا کہ رسالت بہت بڑا منصب ہے اور بڑا منصب بڑے آدمی کو ہی ملنا چاہئے انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ نبوت ایک روحانی مرتبہ ہے جس کا دنیوی وجاہت و دولت سے کوئی تعلق نہیں یہ مرتبہ چاہتا ہے کہ جس کو اس درجہ پر فائز کیا جائے وہ فضائل اور کمالات قدسیہ کا حامل ہو ذاتی اور صفاتی تجلیات کا جلوہ گاہ بننے کی اس میں صلاحیت ہو۔

کافروں کے نامزد عظیم آدمی

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ پر اور طائف میں عبد یالیل پر نازل ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی حبیب بن عمرو ثقفی یا کنانہ بن عبد یالیل کے نام پیش کئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

کافروں کا اعتراض

ان آیات باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیا کرتے تھے دراصل شروع میں تو وہ یہ باور کرنے پر ہی تیار نہ تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم رسول کیسے مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں جتنے رسول اور انبیاء آئے ہیں وہ سب انسان ہی تھے تو اب انہوں نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مال اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں یہ منصب جمہور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولتمند اور صاحب جاہ و منصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟۔ (معارف مفتی اعظم)

مال و دولت کی زیادتی فضیلت کا سبب نہیں ہے

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنا دیا گیا۔ ان آیات میں اسکا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اسکا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لئے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بناء پر کسی کو نبوت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة ماء (یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لئے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں دوسرا رد عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اسلئے یہ اعتراض بالکل لغو اور باطل ہے۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ

کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو؟

مالک اللہ ہے تم نہیں ☆ یعنی نبوت و رسالت کے مناصب کی تقسیم کیا تمہارے ہاتھ میں دی گئی ہے جو انتخاب پر بحث کر رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اعتراض کا الٰہی جواب

نبوت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی کو نبی بنانے سے پہلے تم سے رائے لیجائے یہ کام کلیۃً اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اپنی عظیم مصلحتوں کے مطابق اسے انجام دیتا ہے۔ تمہارا وجود اور عقل و شعور اس عظیم کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ تقسیم نبوت کا کام تمہارے سپرد کر دیا جاتا اور نبوت کی تقسیم تو بہت اونچے درجہ کی چیز ہے تمہاری حیثیت وجود و شعور تو اسکی بھی متحمل نہیں کہ خود تمہاری معیشت اور سامان معیشت کی تقسیم کا کام تمہارے سپرد کیا جا سکے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو تم ایک دن بھی نظام عالم کو نہ چلا سکو گے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائیگا اسلئے اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی میں تمہاری روزی کی تقسیم بھی تمہارے ذمہ نہیں رکھی بلکہ تقسیم معیشت کا کام خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب یہ ادنیٰ درجہ کا کام تمہارے حوالہ نہیں کیا جا سکتا تو نبوت کی تقسیم جیسا عظیم کام تمہارے حوالہ کیسے کر دیا جائے۔ آیات کا مقصود کلام تو اتنا ہی ہے لیکن مشرکین کو جواب دینے کے ضمن میں باری تعالیٰ نے دنیا کے نظام معیشت سے متعلق جو اشارے کر دیئے ہیں ان سے متعدد معاشی اصول مستنبط ہوتے ہیں یہاں انکی مختصر توضیح ضروری ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي
ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دیئے درجے بعض کے بعض
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ
پر کہ ٹھہراتا ہے ایک دوسرے کو خدمت گار ☆

☆ یعنی کسی کو غنی کسی کو فقیر کر دیا ایک کو بے شمار دولت دیدی ایک کو اس سے کم کوئی تابع ہے کوئی متبوع۔ (تفسیر عثمانی)

معاشی مساوات کی حقیقت وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ درجٰتٍ (اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کے تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے نہ ممکن العمل اسکی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق دیئے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے جسکے ذمہ جتنے فرائض ہیں اسکے اتنی ہی حقوق ہیں انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے مکلف نہیں ہیں اسلئے ان کے حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کیساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کر کھاتا ہے بعض پر سواری کرتا ہے بعض مخلوقات کو پامال کرتا ہے مگر اسے ان مخلوقات کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا اسلئے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض کم ہیں اسلئے ان کے حقوق بھی بہت کم ہیں۔

فرائض و حقوق کا تعین انتہائی نازک مشکل کام ہے

البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں اور ان کی مناسبت سے اسے کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اسباب کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجینئر نے ایک گھنٹہ میں اتنی آمدنی حاصل کر لی ہے جو ایک غیر ہنرمند مزدور نے دن بھر منوں مٹی ڈھو کر بھی حاصل نہیں کی لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطع نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی آزاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہو سکتی جو انجینئر نے اٹھا رکھا ہے۔ انجینئر کی یہ آمدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اسمیں سالہا سال کی اس دماغ سوزی عرق ریزی اور جانفشانی کے صلے کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اسنے انجینئرنگ کی تعلیم و تربیت اور پھر اسمیں تجربہ و مہارت حاصل کرنے میں برداشت کی ہے۔

اشتراکیت کا نقص اشتراکیت نے اپنے ابتدائی دور میں آمدنی کے اس تفاوت کو تسلیم تو کر لیا ہے چنانچہ تمام اشتراکی ممالک میں آبادی کے مختلف طبقات کے درمیان تنخواہوں کا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے لیکن ٹھوکر یہاں کھائی ہے کہ تمام وسائل پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دیکر وسائل کے لئے فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان پر آمدنی کی تقسیم بھی تمام تر حکومت ہی کے حوالہ کر دی ہے۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ ۔ (ہم نے تقسیم کیا ہے انکے درمیان انکی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہے اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔

تقسیم معیشت کا کام کسی ادارے کا نہیں ہے

اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم

معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی بااختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کیساتھ کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اسکے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔

تقسیم حقوق وفرائض اللہ کے ذمہ ہے

اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ عمل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے اسی طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈالدیا ہے جو اسکے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ لِكُلِّ جَنْبٍ هُمْ قَاسِمُوْنَ البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دیں بلکہ رائج آمدنی میں حلال و حرام کی تمیز کر کے سٹہ قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔

اسلامی مساوات کا مطلب: مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون معاشرت اور ادائے حقوق کی مساوات ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریق کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی تمدنی اور معاشرتی حقوق میں سب برابر ہیں اس بات کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ منصب انسان اپنا حق عزت کیساتھ باآسانی حاصل کر لے اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اور ذلیل وحقیر ہونا پڑے۔ قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یار و مددگار چھوڑ دے اسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

والله ما عدى القوى من الضعيف حتى اخذ الحق له ولا عدى الضعيف من القوى حتى اخذ الحق منه "خدا کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تاوقتیکہ میں اسے حق دلوادوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی زیادہ کمزور کوئی نہیں جبتک کہ میں اس سے (کمزور کا) حق وصول نہ کر لوں"۔

اسلام کے معاشی نظام میں مساوات کا مطلب

اسی طرح بحیثیت معاشی نقطۂ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولتمند مال و دولت کے دہانوں پر قابض ہو کر اپنی اجارہ داریاں قائم کر لیں اور چھوٹے تاجروں کے لئے بازاروں میں بیٹھنا دوبھر بنا دیں چنانچہ سود سٹہ قمار ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دیکر نیز زکوٰۃ عشر خراج نفقات صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت محنت اور سرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کر سکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے اسکے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہے اور جس طرح انسانوں کے درمیان حسن وجمال قوت وصحت عقل وذہانت اور آل واولاد کے تفاوت کو مٹانا ممکن نہیں اسی طرح اس تفاوت کو بھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ (معارف حنی اعظم)

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں ☆

☆ یعنی نبوت ورسالت کا شرف تو ظاہری مال و جاہ اور دنیوی ساز و سامان سے کہیں اعلیٰ ہے جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی پیغمبری ان کی تجویز پر کیونکر دے۔ آگے دنیا کے مال و دولت اور مادی سامان کا اللہ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان کرتے ہیں۔ (تنبیہ خانی)

نبوت میں کسی کی مرضی کو دخل نہیں

علامۂ بیان یہ کہ دنیا میں جب کوئی بزرگی و برتری خود حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور کسی کو اس انتخاب میں دخل نہیں ہے تو نبوت میں جو انسانیت کا اعلیٰ مقام ہے کیسے ان کی مرضی اور مشیت کو دخل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں۔ بڑا آدمی اسباب دنیوی کی کثرت سے نہیں بنتا بلکہ نبوت عظمت انسانی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ دنیوی متاع تو اللہ کی نظر میں بے قدر حقیر اور قابل نفرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں

وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ

ایک دین پر تو ہم دیتے اُن لوگوں کو جو منکر ہیں

بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ

رحمن سے اُن کے گھروں کے واسطے چھت

فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا

اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر

يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ؕ

ٹیک لگا کر بیٹھیں اور سونے کے☆

اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی

یعنی اللہ کے ہاں اس دنیوی مال و دولت کی کوئی قدر نہیں نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب و جاہت عند اللہ کی دلیل ہے یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے چوکھٹ قفل اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی اس لئے ایسا نہیں کیا گیا حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت و وجاہت عند اللہ اور نبوت و رسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا کہیں تو اس کو آرام دے آخرت میں دائمی عذاب ہے کہیں تو آرام ملتا مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر کا راستہ پکڑ لیں۔" (تفسیر عثمانی)

اور مذکورہ آیات میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر کافروں پر مال و دولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ کافر ہو جاتے اس میں مراد لوگوں کی بھاری اکثریت ہے ورنہ اللہ کے کچھ نیک بندے آج بھی ایسے موجود ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کفر اختیار کر کے وہ مال و دولت سے نہال ہو سکتے ہیں لیکن وہ مال و دولت کی خاطر کفر کو اختیار نہیں کرتے ایسے کچھ لوگ شاید اس وقت بھی ایمان پر قائم رہ جاتے لیکن اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ

اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر برتنا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ

دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے

رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾

یہاں اُنہی کے لئے ہے جو ڈرتے ہیں☆

☆ یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماء و آلاء کے متقیوں کے لئے مخصوص ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومنین کے لئے آخرت ہے

صحیحین میں ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے جس زمانہ میں نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک ماہ تک کے لئے ازواج مطہراتؓ سے ملنے جلنے بات چیت سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اور بالا خانہ پر مقیم تھے تو عمر فاروقؓ جب وہاں حاضر ہوئے۔ اور یہ دیکھا کہ آپ کھردری چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جسکی پتیوں سے آپ کے پہلو مبارک پر نشان ڈال رکھا ہے تو اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیصر و کسریٰ جس حال میں ہیں ظاہر ہے کہ جن کے پاس دنیا کی نعمتوں کی کوئی حد انتہا نہیں اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں (جو اس حالت میں ہے) تو آپ اپنی امت کے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ ان کو فراخی عطا کر دے۔ روایات میں ہے کہ آپؐ عمر فاروقؓ کی یہ بات سنتے ہی چونک کر آگے کو ہو بیٹھے۔ اور دو بار آپؐ نے یہ فرمایا **افی شک انت یا ابن الخطاب** کہ اے ابن خطاب تو ابھی شک ہی میں پڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ تو وہ ہیں وہ دنیا کی لذتیں انہیں دنیا میں جلدی ہی دیدی گئیں۔ جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دنیا ہو۔ اور ہمارے واسطے آخرت ہو۔ (معارف کاندھلوی)

دنیا کی قیمت

حضرت مستورد بن شداد فہری کا بیان ہے میں ان سواروں میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ایک مردہ بکری کے بچہ پر جمع تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ دیکھ

رہے ہو کہ اس کو بے قدر سمجھ کر گھر والوں نے یہاں پھینک دیا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں بے قدر سمجھ کر اس کو پھینکا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا جتنا یہ گھر والوں کی نظر میں بے قدر ہے اس سے زیادہ اللہ کے نزدیک دنیا بے قدر ہے۔ رواہ البیہقی۔

ابونعیم نے لکھا ہے کہ داؤد بن ہلال اجنی نے کہا حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ دنیا تو نیکوں کے سامنے آراستہ ہو کر آتی ہے لیکن تو ان کی نظر میں بہت حقیر ہے میں نے ان کے دلوں میں تیری نفرت اور تیری طرف سے بے رخی ڈال دی تجھ سے زیادہ ذلیل میں نے اور کوئی مخلوق نہیں پیدا کی تو ہر حالت میں حقیر ہے (تیرا انجام فنا ہے) فنا کی طرف تو جا رہی ہے جس روز میں نے تجھے پیدا کیا تھا اسی روز فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو کسی کے لئے ہمیشہ رہے گا نہ کوئی تیرے لئے ہمیشہ رہے گا خواہ تیرا حامل کتنا ہی تیرا حریص ہو اور کتنا ہی تیرے سلسلہ میں کنجوس ہو خوشی ہو ان نیکوں کاروں کے لئے جو (میری) خوشنودی پر قائم رہ کر اندرون قلب سے مجھے دیکھتے اور صدق و استقامت پر قائم رہ کر اپنے ضمیر سے میری طرف جھانکتے ہیں خوب ہے کہ ان کے لئے وہ ثواب جو میرے پاس ہے جب وہ قبروں سے اٹھ کر میری طرف آئیں گے تو ان کا نور ان کے آگے آگے (اور دائیں طرف) دوڑتا ہوا آئے گا اور ملائکہ ان کو گھیرے ہوئے ہوں گے اس وقت میں ان کو اپنی اس رحمت تک پہنچا دوں گا جس کے وہ امیدوار تھے۔

حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے سوائے اس چیز کے جو اللہ کی طرف سے ہے (یعنی ہدایت ایمان اسلام کتب انبیاء ملائکہ وغیرہ) رواہ الضیاء

دنیا کو بے عقل جمع کرتا ہے

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں (بہشت کے اندر) کوئی گھر نہیں اور یہ اس کے لئے مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کے اندر عقل نہیں۔

حدیث کی مراد یہ ہے کہ مومن خواہ کتنے ہی عیش دنیوی میں ہو لیکن آخرت میں ثواب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ عیش دنیا ایک قید خانہ ہے اور کافر اس زندگی میں خواہ کتنے ہی دکھ اور مصیبت میں ہوں لیکن آخرت میں جو عذاب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی دکھ اس کے لئے جنت ہے۔ واللہ اعلم۔

اہل اللہ کا بلند مقام:

مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اہل آخرت کے لئے حرام ہے اور آخرت اہل دنیا کے لئے حرام ہے اور دنیا و آخرت (دونوں) اہل اللہ کے لئے حرام ہیں اس کا کیا مطلب۔

میرے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اہل آخرت یعنی مومنوں کے لئے دنیا کی محبت حرام ہے یہ معنی نہیں کہ دنیا سے بہرہ اندوز ہونا حرام ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (اللہ نے اپنے بندوں کے لئے دنیوی زیبائش اور پاکیزہ رزق حرام نہیں کیا ہاں قیامت کے دن یہ عیش و لذت مومنوں کے لئے مخصوص ہے) اب جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے پیار کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا تم غیر فانی (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دو۔ (یعنی آخرت کو اختیار کرو) رواہ احمد والحاکم فی المستدرک عن ابی موسیٰؓ۔

آخرت سے مراد ہیں آخرت کی خوش نصیبیاں لذتیں اہل دنیا یعنی کفار حرمان کا مقصد صرف دنیا کا حصول ہے آخرت کی لذتیں ان کے لئے حرام ہیں آیت مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ میں یہ ہی لوگ مراد ہیں۔

باقی دنیا و آخرت یعنی دونوں کی محبت اہل اللہ کے لئے حرام ہے۔ اہل اللہ کے دلوں میں اللہ کی محبت ایسی رچی بسی ہوتی ہے کہ دوسری طرف وہ گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتے ان کے دلوں کی توجہ کسی اور طرف ہوتی ہی نہیں روایت میں آیا ہے کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا کوئی برتن اور دوسرے ہاتھ میں آگ کا ٹکڑا پکڑے جا رہی تھیں کسی نے پوچھا آپ کہاں جا رہی ہیں فرمایا میں چاہتی ہوں کہ اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھا دوں اور اس آگ سے جنت کو جلا دوں تاکہ جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے کوئی شخص اللہ کی عبادت نہ کرے بلکہ محض لوجہ اللہ عبادت کرے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد:

مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا رابعہ کا یہ قول سکر پر مبنی تھا سلوک کی دنیا میں تو مومن کا فرض ہے کہ جنت کا خواہش مند ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ رحمت خداوندی کا مقام ہے اور دوزخ سے اللہ کی پناہ کا طلب گار ہو کیونکہ دوزخ اللہ کی ناراضگی اور غضب کا محل ہے مومن کو فی نفسہ نہ جنت کی تمنا ہوتی ہے نہ دوزخ کا ڈر اس کی خواہش و تیم کی بناء اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک مرکز رحمت اور دوسرا مقام غضب ہے۔

طلب معیشت: سامان دنیا سے بہرہ اندوز ہونا جائز ہے بشرطیکہ اللہ اور اس کے بندوں کی حق تلفی نہ ہو اور طلب معاش جائز بلکہ فرض ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے حلال (روزی) کی طلب فرض (الٰہی) اور فرض کے بعد فرض ہے۔ رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ

اگر تحصیل مال سے مقصد اپنی اور اپنے اہل و عیال کی پرورش اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہو یا عبادت کے لئے جسمانی قوت حاصل کرنا یا اللہ کی راہ میں مستحقوں کو دینا مقصود ہو تو کسب معاش مکروہ نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب اور بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں مباح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی حلال مال کمائے پھر اس میں سے خود کھائے یا پہنے اور اس کے بعد اللہ کی اس مخلوق کو کھلائے پہنائے جو اس سے قریبی تعلق رکھتی ہے تو یہ عمل اس کے لئے (گناہ سے) پاکی کا ذریعہ ہو جائے گا۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی سعیدؓ۔

لیکن طلب دنیا میں اعتدال مسنون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلب دنیا میں اعتدال رکھو کیونکہ ہر شخص کو وہ چیز آسانی سے مل جائے گی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ رواہ احمد وابن ماجۃ والحاکم۔

دنیا کی محبت کا مطلب دنیا کی محبت کا یہ مطلب ہے کہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے لگے دنیا کمانے اور دنیوی عیش حاصل کرنے میں اتنا انہماک ہو جائے کہ حصول ثواب اور خوف عذاب سے غفلت ہو جائے مال جمع کرنے کی اتنی حرص پیدا ہو جائے کہ لمبی لمبی آرزوؤں میں گرفتار ہو جائے دولت مندوں کو نادانوں سے بہتر سمجھنے لگے اہل ثروت کی تعظیم محض اس وجہ سے کرنے لگے کہ وہ سرمایہ دار ہیں کسی مصرت کو دفع کرنے یا احسان کا بدلہ دینے یا کسی اور جائز شرعی مقصد کے ریا اثر امیروں کی تعظیم نہ ہو محض ان کی دولت کی وجہ سے ہو یا امراء کی تعظیم و تکریم کر کے (ان کا قرب حاصل کرنے کے بعد) اپنا عروج اور بالادستی چاہتا ہو یا تعمیر کو تخریب سے بدلنے کا خواستگار رہا ہو اور ملک میں تباہی پھیلانا چاہتا ہو۔ تو یہ سب صورتیں ناجائز ہیں لیکن جو لوگ تجارت اور خرید و فروخت میں پھنس کر اللہ کی یاد اور ادا بصلوٰۃ و زکوٰۃ سے غافل نہ رہتے ہوں اور روز حشر سے ہر وقت خوف زدہ رہتے ہوں ان کے لئے کسب معاش حرام نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

جو کوئی آنکھیں چرائے رحمٰن کی یاد سے

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

ہم اس پر مقرر کر دیں ایک شیطان پھر وہ رہے اس کا ساتھی ☆

حق سے منہ موڑنے کا عذاب ☆ یعنی جو شخص سچی نصیحت اور یاد الٰہی سے اعراض کرتا رہتا ہے اس پر ایک شیطان خصوصی طور سے مسلط ہو جاتا ہے جو ہر وقت اغوا کرتا اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے یہ شیطان دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر مظہری)

پس شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے اس سے الگ نہیں ہوتا گمراہیوں اور بدکاریوں کو آراستہ کر کے اس کی نظر کے سامنے لاتا ہے اور یہ خیال اس کے ذہن میں پیوست کر دیتا ہے کہ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔

آیت کا شان نزول محمد بن عثمان مخزومی کا بیان ہے کہ قریش نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ محمد کے ہر ساتھی پر اپنا ایک آدمی مقرر کر دیا جائے کہ وہ جا کر محمد کے رفیق کو دھر پکڑے۔ حسب مشورہ حضرت ابوبکرؓ کے لئے طلحہ بن عبید اللہ کو مقرر کیا گیا طلحہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دیکھتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تم مجھے کس بات کو مانے کی دعوت دے رہے ہو۔ طلحہ نے کہا ہم تم لات اور عزیٰ کی پوجا کی طرف بلا رہے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لات کیا ہے طلحہ نے کہا ہمارا رب۔ پوچھا عزیٰ کیا ہے۔ طلحہ نے کہا لڑکیاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا ان کی ماں کون تھی۔

طلحہ لاجواب ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا جواب دو۔ سب خاموش رہے اس پر طلحہ نے کہا ابوبکرؓ اٹھ کھڑے ہو اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔ اس پر آیت ومن يعش عن ذكر الرحمن نقيض له شيطانا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

معلوم ہوا کہ اللہ کی یاد سے اعراض کی اتنی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے کہ انسان کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور شیاطین خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے اس کو بھلائیوں سے دور اور برائیوں کے قریب کرتے رہتے ہیں وہ کام سارے گمراہی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے (قرطبی)۔

اور یہاں جس شیطان کو مسلط کرنے کا ذکر ہے وہ اس شیطان کے علاوہ ہے جو ہر مومن و کافر کے ساتھ لگا دیا گیا ہے کیونکہ وہ موسس سے خاص اوقات میں ہٹ بھی جاتا ہے اور یہ ہمیشہ ساتھ لگا رہے گا۔ (بیان القرآن از معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

اور وہ ان کو روکتے رہتے ہیں راہ سے

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں ☆

عقل کے دشمن ☆ یعنی شیاطین ان کو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں مگر ان کی عقلیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں مدی

اور نیکی کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ
یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح
بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو شرق مغرب کا سا
فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾
کہ کیا بُرا ساتھی ہے ☆

بے وقت حسرت ☆ یعنی عدا کے ہاں پہنچ کر کھلے گا کہ کیسے برے ساتھی تھے۔ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لمحہ تیری صحبت میں نہ گزرتا کم بخت! اب تو مجھ سے دور ہو حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا ہے اور وہاں اس کی صحبت سے پچتائے گا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو جن ملتا ہے کسی کو آدمی"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ جب کافر کو قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس کے ساتھ اس کے شیطان کو ملا کر جوڑ دیا جائے گا شیطان اس سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ
اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے
اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
اس بات سے کہ تم عذاب میں شامل ہو ☆

کسی صورت عذاب میں تخفیف نہ ہوگی

☆ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں عام طور پر چھوٹے بڑے سب شریک ہوں تو کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے مشہور ہے کہ "مرگ انبوہ جشنے دارد" مگر دوزخ میں تمام شیاطین الانس والجن اور تابعین ومتبوعین کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی سنگلی باتوں سے تسلی اور تخفیف نہیں ہو سکتی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کافر کہیں گے کہ انہوں نے ہم کو عذاب میں ڈلوایا، خوب ہوا یہ بھی نہ بچے لیکن اگر دوسرا بھی پکڑا گیا تو اس کو کیا فائدہ"۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى
سو کیا تو سنائیگا بہروں کو یا سجھائے گا
الْعُمْىَ وَمَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ
اندھوں کو اور صریح غلطی میں ہوؤں کو
مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا
کو پھر اگر کبھی ہم تجھ کو یہاں سے لے جائیں
مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ
تو ہم کوئی سے بدلہ لینا ہے یا تجھ کو دکھادیں جو ان سے وعدہ
وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾
ٹھہرایا ہے تو یہ ہمارے بس میں ہیں
فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْٓ اُوْحِىَ اِلَيْكَ
سو تو مضبوط پکڑے رہ اُسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا
اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾
تو ہے بیشک سیدھی راہ پر ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یعنی اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا یا بہروں کو حق کی آواز سنا دینا اور جو صریح غلطی اور گمراہی میں پڑے بھٹک رہے ہوں ان کو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہاں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر دے۔ بہرحال آپ اس غم میں نہ پڑیے کہ یہ سب لوگ حق کو کیوں قبول نہیں کرتے اور کیوں اپنا انجام خراب کر رہے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے وہی ان کے اعمال کی سزا دے گا اگر آپ کی وفات کے بعد ہی سہی، اور آپ کو دکھلا دی تب بہرصورت نہ ہمارے قابو سے نکل کر جا سکتے ہیں اور نہ ہم ان کو سزا دیے بغیر چھوڑیں گے آپ کا کام یہ ہے کہ جو وحی آئے اور جو حکم ملے اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں اور برابر اپنا فرض ادا کئے جائیں کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے، آپ اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں نہ کسی ہوا پرست کی خواہش و آرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت مذکورہ میں مشرکین مکہ مراد ہیں بدر کی لڑائی میں اللہ نے ان سے انتقام لے لیا۔ اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ امت اسلامیہ مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو امت مسلمہ کے درمیان آپس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکلیف رساں اور رنجدہ ہوتی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی امت محمدیہ شدید عذاب (باہمی جدال وقتال اور نفاق وشقاق) میں مبتلا ہوگئی۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں جو حوادث دکھلائے گئے جو امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آنے والے تھے اس خواب کے بعد وقت وفات تک آپ کو کبھی خنداں وفرحاں نہیں دیکھا گیا۔

عبدالرحمٰن بن مسعود عدی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا اللہ کے نبی تو چلے گئے اور اللہ کا عذاب اس کے دشمنوں کے لئے باقی رہ گیا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا حاصل مقصود۔ مقصود یہ ہے کہ پیغمبر بعضے وعدے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دکھلا دیں گے اور بعض وعدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ خدا نے جو وعدے کئے ہیں وہ ضرور بالضرور پورے ہوں گے۔ کوئی دیر سے کوئی سویر سے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ بعضے وعدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورے ہو گئے جیسے فتح خیبر اور مکہ کا اور بعضے وعدے جیسے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ سو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں واقع نہیں ہوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں پورا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء بعثت سے تا عیں وفات فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیتے۔ اور فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو کیا اھل قری و امصار اور کیا اہل بادیہ وصحراء غرض سب کے گھروں میں پہنچا دے گا۔ خواہ عزت اور خواہ مذلت عزت تو یہ کہ مشرف باسلام ہوں گے اور ذلت یہ کہ جزیہ اور خراج دیتے ہوئے اسلام کا باج گذار بنیں گے اور ظاہر ہے کہ فتح فارس اور روم کی فتح کا وعدہ زمانہ نبوت سراپا سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا اور جس کے ہاتھ پر اللہ کے وہ وعدے پورے ہوں جن کا اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا تھا۔ وہی اس کے نبی کا خلیفہ خاص ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ

اور یہ مذکور رہیگا تیرا اور تیری قوم کا ☆

اعزاز وترقی کا سامان ☆ یعنی قرآن کریم تیرے اور تیری قوم کے لئے خاص فضل وشرف کا سبب ہے۔ اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی کہ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات وفلاح کا ابدی دستور العمل ان کی زبان میں اترا اور وہ اس کے اولین مخاطب قرار پائے۔ اگر عقل ہو تو یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔ اور قرآن جو ان سب کے لئے بیش بہا نصیحت نامہ ہے اس کی ہدایت پر چل کر سب سے پہلے دنیوی واخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مستقبل کیلئے بشارت اور جملہ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر۔ جماعت قریش میں سے چند وہ لوگ ہونگے جو ظاہر وباطن کی شرافت سے مشرف وممتاز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مددگار ہوں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۹۵) (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا شرف حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حنیف سوا تھا حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے دل میں جو اپنی قوم کی محبت ہے وہ اللہ کو معلوم تھی اس لئے اس نے مجھے مع قوم کے شرف عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ۔ اللہ نے اپنی کتاب میں (اس آیت میں) میری قوم کو ذکر اور شرف عنایت فرمایا اس کے بعد فرمایا وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ۔ پس اللہ کا شکر ہے کہ اس نے صدیق کو میری قوم سے بنایا شہید کو میری قوم سے کیا اور اماموں کو میری قوم سے کیا۔ بیشک اللہ بندوں کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے اس نے قریش کو تمام عرب سے بہتر کر دیا قریش ہی وہ ہار کہ درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ۔ سماء سے مراد ہے شرف اسلام جسکی ہدایت اللہ نے قریش کو کی اور انکو اور انکو اس شرف کا اہل بنایا۔ اسکے بعد قریش کے حق میں اللہ نے سورۃ الایلاف نازل فرمائی۔

حضرت عدی ابن حاتم کا بیان ہے میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی ذکر خیر آیا ہو اور آپ خوش نہ ہوئے ہوں اتنے خوش کہ چہرۂ مبارک پر مسرت کے آثار سب لوگوں کو دکھ جاتے تھے اور آپ اکثر آیت وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ پڑھا کرتے تھے۔

قریش اور عرب کی فضیلت حضرت معاویہؓ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ امر قریش میں رہے گا جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا جب تک وہ دین کو سیدھا رکھیں گے (یعنی دین پر قائم رہیں گے)۔

مجاہد نے کہا قوم سے مراد ہیں عرب قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا عام عرب کو یہ شرف حاصل ہے پھر درجہ بدرجہ جس جس عرب میں خصوصیت بڑھتی گئی اس کے لئے شرف بھی خاص ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ (خصوصی) شرف سب سے زیادہ قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو حاصل ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾
اور آگے تم سے پوچھ ہوگی ☆

قرآن کے بارے میں پوچھ ہوگی

☆ یعنی آگے چل کر پوچھ ہوگی کہ اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی؟ اور اس فضل و شرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قیامت کے دن تم سب سے قرآن کے متعلق بار پرس ہوگی اور دریافت کیا جائے گا کہ قرآن کی پابندی جو تم پر لازم تھی تم نے کس قدر کی۔ (تفسیر مظہری)

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے
مِنْ رُّسُلِنَآ ۖ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ
کبھی ہم نے رکھے ہیں رحمن کے
الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ ع
سوائے اور حاکم کہ پوجے جائیں ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کوئی انوکھی نہیں

☆ یعنی آپ کا راستہ وہی ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا تھا شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے اور یہ ارشاد کہ "پوچھ دیکھو" یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو (جیسے شب معراج میں ہوئی) یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو بہر حال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام انبیاء کا اجتماع

عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا تو حضرت آدمؑ اور آپ کی نسل میں جو انبیاء ہوئے سب کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بھیجا گیا حضرت جبرئیل نے اذان اور اقامت کہی اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد جبرئیل نے کہا محمد وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (محمد آپ سے پہلے جو انبیاء ہم نے بھیجے تھے ان سے دریافت کرو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

زہری سعید بن جبیر اور ابن زید کا قول بھی یہی ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء کو اللہ نے جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا۔ لیکن حضور کو کوئی شک نہ تھا اس لئے آپ نے کسی سے کچھ سوال نہیں کیا۔

سوال کا مطلب

(اپنے شک کا ازالہ نہیں بلکہ) مشرکین قریش کو یہ بتانا اور یقین دلانا مقصود ہے کہ ہر پیغمبر جو اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے بھیجا گیا اس نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دینے کی ممانعت کی۔ (تفسیر مظہری)

سوال کرنے کا ایک اور مطلب

خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کے جو صحیفے اب موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم

موجودہ تورات میں ہے۔ "تاکہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں" (استثناء ۴: ۵)

اور "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے" (استثناء ۶: ۴)

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے۔

"میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں میرے سوا کوئی خدا نہیں تاکہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں" (یسعیاہ ۴۵: ۶)

اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول موجود انجیلوں میں مذکور ہے۔

"اے اسرائیل! سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی پیاری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷: ۳) (معارف معنی اعظم)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى
اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ

فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس تو کہا میں بھیجا ہوا ہوں

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ

جہان کے رب کا پھر جب لایا اُن کے پاس ہماری نشانیاں

اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

وہ تو لگے اُن پر ہنسنے ☆

☆ یعنی معجزات کا مذاق اڑانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ

اور جو دکھلاتے گئے ہم اُن کو نشانی سو پہلی سے

مِنْ اُخْتِهَا

بڑی ☆

☆ یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشان اپنی قدرت کا اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)

اَكْبَرُ کا مطلب

ہر معجزہ اعجاز کی چوٹی پر پہنچا ہوا تھا ہر معجزہ کو دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ معجزہ سب سے بڑا ہے کیونکہ ہر معجزہ انتہائی بڑا تھا جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

من تلق منهم فقد لاقیت سیدهم
مثل النجوم التی یسری بها الساری

ان میں سے جس سے تمہاری ملاقات ہو تم یہی سمجھو گے کہ ان کے سردار سے ملاقات ہوئی (یعنی ہر ایک کے اندر سرداری کے اوصاف کامل طور پر موجود ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

اور پکڑا ہم نے اُن کو تکلیف میں تاکہ وہ

یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

باز آئیں ☆

☆ یعنی آخر وہ نشان بھیجے جو ایک طرح کے عذاب کا رنگ اپنے اندر رکھتے تھے جیسا کہ سورہ "اعراف" میں گزرا "فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ" (اعراف ۱۳) غرض یہ تھی کہ ڈر کر اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ

اور کہنے لگے اے جادوگر

ساحر ☆ "ساحر" ان کے محاورات میں عالم کو کہتے تھے۔ کیونکہ بڑا علم ان کے نزدیک یہی سحر تھا۔ شاید اس خوشامد اور لجاجت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہو اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی کیا ہو کہ ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے۔ صرف ایک ماہر جادوگر سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا سکھلا رکھا ہے تجھ کو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے ☆

قوم کی فرمائش ☆ یعنی تیرے رب نے جو طریقہ دعا کا بتلایا ہے اور جو کچھ تجھ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق ہمارے حق میں دعا کر کہ یہ عذاب ہم سے دفع ہو۔ اگر تیری دعا سے ایسا ہو گیا تو ہم ضرور راہ پر آ جائیں گے۔ اور تیری بات مان لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فرعونیوں کی دھوکہ بازی فرعونیوں نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ دعا کر کے عذاب کو ان سے دور کرا دیں اور لالچ یہ دیا کہ ہم آپ کی ہدایت پر چلیں گے اور آپ پر ایمان لے آئیں گے لیکن اس (مجبوری کی) درخواست کے بعد بھی نبی نہیں کہا بلکہ حسب سابق جادوگر ہی کہا کیونکہ ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا اور انتہائی حماقت ان پر مسلط تھی۔ پہلے انہوں نے معجزات کو سحر قرار دیا تھا اور حضرت موسیٰ نے ان کے جواب میں کہا تھا "تَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ"۔ بعض نے کہا کہ یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اے وہ شخص جو جادو کے زور سے ہم پر غالب آ گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ

پھر جب اٹھالی ہم نے اُن پر سے تکلیف تبھی

یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

وہ وعدہ توڑ ڈالتے ☆

بنی اسرائیل کی بدعہدی

یعنی جہاں تکلیف رفع ہوئی اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی ایک دم

اپنے قول و قرار سے پھر گئے گویا کچھ وعدہ کیا ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ

اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا

يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ

اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ

الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا

نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم

تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۱﴾

نہیں دیکھتے ☆

حاکم مصر ☆ اس گردوپیش کے ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا اور نہریں اسی نے بنائی تھیں دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت ایسی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے معمولی حیثیت والے آدمی کے سامنے گردن جھکا دیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عذاب دور ہونے کے بعد فرعون نے قوم کے مجمع میں پکار کر کہا کیونکہ اس کو اندیشہ پیدا ہوا کہ کوئی شخص کہیں ایمان نہ لے آئے۔

نیل کی نہریں نیل سے متعدد نہریں نکلی تھیں جن میں چار بڑی تھیں۔ نہر شاہی۔ نہر طولون، نہر دمیاط۔ نہر تنیس۔

تجری من تحتی۔ یعنی میرے محلات کے نیچے جاری ہیں یا میرے زیر حکم بہہ رہی ہیں یا میرے سامنے باغوں میں جاری ہیں۔ افلا تبصرون کیا تم یہ چیزیں نہیں دیکھ رہے ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ

بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جس کو کچھ عزت نہیں

وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ﴿۵۲﴾

اور صاف نہیں بول سکتا ☆

فرعون کا تجزیہ ☆ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ، نہ حکومت، نہ عزت، نہ کوئی ظاہری کمال، حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے بھی زبان پوری طرح صاف نہیں چلتی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ

پھر کیوں نہ آپڑے اس پر کنگن سونے کے

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

یا آتے اسکے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر ☆

اہل مصر کا دستور ☆ کہتے ہیں کہ وہ خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر و وزیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا اور اس کے سامنے فوج پرا باندھ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسا کرتے ہیں۔ کیا خدا کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے تو اسکے ہاتھ میں سونے کے کنگن اور جلو میں فرشتوں کی فوج بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا اہل مصر کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اپنا سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور طوق پہناتے تھے سردار ہونے کی یہ علامت تھی اسی لئے فرعون نے کہا کہ موسیٰ کے رب نے جب موسیٰ کو واجب الاطاعت سردار بنایا ہے تو اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے۔ (تفسیر مظہری)

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ

پھر عقل کھو دی اپنی قوم کی پھر اسیکا کہنا مانا مقرر

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۴﴾

وہ تھے لوگ نافرمان ☆

فرعون کی عیاری ☆ یعنی اپنی ابلہ فریب باتوں سے قوم کو الو بنا لیا وہ سب احمق اسی کی بات ماننے لگے حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طبائع میں خدا کی نافرمانی پہلے سے رچی ہوئی تھی اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ کا معنی اپنی قوم یعنی قبطیوں کو جاہل پایا یا ان کو سبک سر اور جاہل ہونے پر آمادہ کیا۔ استخفاف رائے کسی کی رائے کو بے وقوف بنانا اور صحیح راستہ سے ہٹا دینا۔ بعض علماء نے کہا فرعون نے قوم سے اپنی اطاعت میں خفت (اور تیزی) کی خواہش کی چنانچہ موسیٰ سے جو لوگوں نے ایمان کا وعدہ کیا تھا فرعون کے حکم کو مان کر اس وعدہ کو توڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا

پھر جب ہم کو غصہ دلایا ☆

☆ یعنی وہ کام کئے جن پر عادۃً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسفونا یعنی جب عناد اور نافرمانی میں وہ حد سے بڑھ گئے تو ان کی اس نافرمانی نے ہم کو غضبناک کر دیا۔ اسف فلاں فلاں شخص سخت غضبناک ہو گیا۔ پھر جب انہوں نے ہم کو سخت غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو (نیل میں) ڈبو دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ
تو ہم نے ان سے بدلہ لیا پھر ڈبو دیا
اَجْمَعِيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا
اُن سب کو پھر کر ڈالا اُن کو گئے گذرے
وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۝ ع
اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے☆

عبرت ☆ یعنی پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔ (تیسیر مثال)

انتقام کی صورتیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو خدا دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ایماندار پر یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کو پڑھ سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا
اور جب مثال لائے مریم کے بیٹے کی تبھی
قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا
قوم تیری اُس سے چلانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں
ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ
ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ☆

مشرکین کا واویلا ☆ حضرت مسیح علیہ السلام کا جب ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا "لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر" کہنے لگے کیا مسیح میں بھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں؟ ظاہر ہے کہ آیت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب ان چیزوں سے متعلق تھا جس کی پرستش لوگ کرتے ہیں اور وہ ان کو اس سے نہیں روکتے۔ اور اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر ان معترضین کا مشاء تو محض جھگڑے نکالنا اور کٹ حجتی کر کے حق کو رد کرنا تھا۔ اس لئے جان بوجھ کر ایسے بے تکے اعتراض پیدا کرتے تھے جو مراد متکلم کے مخالف ہوں۔ کبھی کہتے تھے کہ کس معلوم ہو گیا کہ آپ بھی اسی طرح ہم سے اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی کرتے ہیں شاید کبھی یہ بھی کہتے ہوں گے کہ خود قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مثل یہ بیان کی ہے "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (آل عمران رکوع ۶) اب دیکھو تو ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح؟ انہیں کیوں بھلائی سے یاد کرتے ہو؟ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہوں گے ان سب باتوں کا جواب آگے دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ
یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو بلکہ
هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ
یہ لوگ ہیں جھگڑالو وہ کیا ہے
اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ
ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا
مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝
دیا اس کو بنی اسرائیل کے واسطے☆

مشرکین کی عادت بد ☆ یعنی کچھ اسی ایک مسئلہ میں نہیں ان کی طبیعت ہی جھگڑالو واقع ہوئی ہے۔ سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یوں ہی مہمل بحثیں اور دور از کار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ بھلا کہاں وہ شیاطین حواریوں سے اپنی "عادت" اتارتے اور اس پر خوش ہوتے یا وہ پتھر کی

بے جان مورتیں جو کسی کو کفر و شرک سے روکنے پر اصلاً قدرت نہیں رکھتیں اور کہاں وہ خدا کا مقبول بندہ جس پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا جس کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اسی چیز کی طرف بلاتا تھا کہ "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ" "کیا اس مقبول بندہ کو العیاذ باللہ" حصب جهنم "یا" لیس فیه خیر" کہا جا سکتا ہے؟ یا یہ پتھر کی مورتیاں اسکی ہمسری کر سکتی ہیں۔ یاد رکھو! قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا اسکا تو سارا جہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے ہاں یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب و مقبول بندہ کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

الّا جدلًا کا مطلب

یہ لوگ جانتے ہیں کہ آیت مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں مراد بت اور بے جان معبود ہیں۔ عیسیٰ عزیر اور ملائکہ مراد ہی نہیں ہیں آیت میں مَا تَعْبُدُوْنَ کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص البعض ہے۔

جھگڑے کی نحوست

حضرت ابو امامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت پر ہونے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر (اس وجہ سے کہ) ان کو جدل (جھگڑا یا جھگڑے کرنے کی طاقت) دے گئی (یعنی جن ہدایت یافتہ لوگوں نے باہم جھگڑے کرنے شروع کئے وہ گمراہ ہو گئے) پھر آپ نے آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی رواہ البغوی واحمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم فی المستدرک۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرت آفرین شخصیت

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا۔ یعنی ہم نے ان کو عجیب انسان بنایا کہ دوسری کہاوتوں کی طرح ان کا قصہ بھی عجیب ہوا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کے واقعہ کو عبرت آفرین کر دیا جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی تھی کہ اللہ بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی
اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے رہیں
الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝
زمین میں تمہاری جگہ ☆

کسی چھوٹی سی بات سے کوئی معبود نہیں بن جاتا

☆ یعنی عیسیٰ علیہ السلام میں آثار فرشتوں کے سے تھے (جیسا کہ مورد مائدہ، آل عمران، اور کہف کے فوائد میں اشارہ کیا جا چکا ہے) اتنی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا کریں یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں ہی کو لا کر زمین پر آباد کر دیں ہم کو سب قدرت حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اگرچہ تعجب آگیں ہے لیکن اس سے بڑھ کر اچنبھا پیدا کرنے والے واقعات پیدا کرنے پر قادر ہیں اور فرشتے تم جیسی مخلوق ہیں ان کی پیدائش بسلسلہ تولید و تناسل بھی ہو سکتی ہے (ایسا ممکن ہے) اور بطور ایجاد بھی (جیسا کہ اب ہے) ان کو استحقاق الوہیت کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی نسبی نسب اللہ کی طرف کیسے ہونا ممکن ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
اور وہ نشان ہے قیامت کا ☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ... نشان ہدایت

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا ان کے نزول سے لوگ معلوم کر لیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آگئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے۔ کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہوگی تو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی آدم میں سے ہیں اور بعض اعتبارات سے اپنے باپ آدم کا نمونہ ہیں۔ اس لئے اول انکو خدا تعالیٰ کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معینہ کیلئے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور چونکہ کوئی انسان آسمان پر فوت نہ ہوگا۔ بلکہ زمین ہی پر مریگا۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام کی اجل مقررہ اور مدت حیات اختتام کو پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے زمین پر نازل کرے گا۔ تاکہ ان کی موت زمین پر آئے اور جس نبی آخر الزمان کی بشارت دینے کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗ احمد ان ہی کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو چنانچہ قیامت کے قریب دجال کے قتل کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے اور پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں جا کر وفات پائیں گے۔ اور روضۂ اقدس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔ اور بعض مؤرخین کی نقول سے مثلاً علامہ سمہودی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حجرۂ شریفہ میں جو ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ وہ آنحضرت کی قبر مبارک سے آگے یعنی آپ کے قدمین شریفین سے سمت مشرق میں واقع ہے۔

دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۵ ج ۶ اور زاد المسیر ص ۳۲۵ جلد ۷ تفسیر ابن جریر و تفسیر ابن کثیر جلد رابع و دیگر مشہور تمام تفاسیر میں صحابہ و تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اس کے خلاف کسی سے منقول نہیں۔

علاوہ ازیں نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ ائمہ محدثین نے تو ان احادیث کو بھی متواتر فرمایا ہے۔ جو تیس سے پچاس تک شمار کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے احادیث نزول کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں۔ اس لحاظ سے مسئلہ نزول مسیح دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

فقہ اکبر صفحہ ۱۳ میں امام ابوحنیفہ کا ارشاد ہے۔

وخروج الدجال ویاجوج ومأجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عیسی علیه السلام من السماء وسائر علامات القیامة علی ماوردت به الاخبار الصحیحة حق کائن والله تعالی یهدی من یشاء الی صراط مستقیم

خروج دجال اور خروج یاجوج و ماجوج اور آفتاب کا مغرب سے طلوع اور حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نزول اور باقی علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے یہ اور وہ سب حق ہیں اور ضرور ہو کر رہیں گی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

امام بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خوشی کا کیا حال ہوگا جبکہ عیسیٰ بن مریم تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو لوگ دجال کا اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہونگے اُن کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسوقت جبکہ دجال خروج کرے گا۔ تو اس وقت عیسیٰ بن مریم کو وہ اثنیہ پر آسمان سے نازل ہوں گے اور وہ اس امت کے حق میں امام اور ہادی اور عالم مصنف ہونگے۔ (کبیر طبرانی ص ۲۶۸ ج ۷)

یہ حدیث نزول میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ شرقیہ پر اتریں گے۔ (معارف کاندھلوی)

قیامت کی دس نشانیاں: حضرت حذیفہؓ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ ہم لوگ کچھ باہم گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضورؐ والا برآمد ہوئے اور فرمایا تم لوگ کیا تذکرہ کر رہے تھے صحابہ نے عرض کیا ہم قیامت کا ذکر کر رہے تھے فرمایا قیامت سے پہلے جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہوں قیامت نہیں آئے گی ان کے بعد آپ نے دس چیزوں کا ذکر کیا۔ (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) مغرب سے آفتاب کا طلوع (۵) عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) زمین کا تین جگہ دھنسنا مشرق میں (۸) مغرب میں (۹) جزیرۃ العرب میں (۱۰) ایک آگ کا یمن سے نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ دسویں علامت ایک ہوا ہوگی جو لوگوں کو سمندر میں جا پھینکے گی۔ رواہ مسلم۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

حضرت نواس بن سمعان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ایک طویل بیان میں ذکر فرمایا، جال کا قصہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ مسیح ابن مریم کو بھیجے گا آپ دمشق کے شرقی جانب منارۂ بیضاء کے قریب دو رنگ کپڑے پہنے دو فرشتوں کے بازوؤں کا سہارا لئے اتریں گے جب سر نیچے جھکا میں گے تو پینے کے قطرے چاندی کے موتیوں کی طرح ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو (بھی) چاندی کے موتی لڑھک کر گریں گے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے عنقریب تمہارے اندر عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل ہو کر اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ کو ساقط کر دیں گے مال بہائیں گے یہاں تک کہ کوئی مال قبول نہیں کرے گا اس وقت ایک سجدہ دنیا اور تمام سامان دنیا سے بہتر ہوگا۔ (صحیحین)

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ابن مریم حاکم عادل بن کر نازل ہوں گے صلیب کو ملا شہ توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور حربیہ کو ساقط کریں گے اور اونٹنیوں کو (یونہی ناکارہ سا) چھوڑ دیں گے ان سے کام نہیں لیا جائے گا۔ آپس کا بغض دور کر دیں گے اور مال لینے کے لئے لوگوں کو بلائیں گے لیکن کوئی مال قبول نہیں کرے گا۔ مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) تمہارا امیر (عیسیٰ علیہ السلام سے) کہے گا آیئے آپ ہم کو نماز پڑھایئے عیسیٰ علیہ السلام اس امت کی عزت و عظمت کے پیش نظر کہیں گے (آج) تم میں سے ہی بعض بعض کے امیر ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس جائیں گے اس وقت لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے امام حضرت عیسیٰ کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹے گا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی کو آگے بڑھائیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق

(خود بھی) شمار پر ہیں گے خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کو منہدم کر دیں گے اور سوا ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئیں گے باقی عیسائیوں کو قتل کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا
سو اُس میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ
یہ ایک سیدھی راہ ہے اور نہ روک دے تم کو
الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝
شیطان وہ تو تمہارا دشمن ہے صریح ☆

☆ یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور جو سیدھی راہ ایمان و توحید کی میں بتلا رہا ہوں اس پر چلے آؤ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا۔ یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قیامت سے رپا ہونے پر دلالت کر رہی ہے تو اب تم کو وجود قیامت میں شک نہ ہونا چاہئے۔ کھلا دشمن ہے تم کو جنت سے نکلوانے کا سبب بنا اور مصائب کے گھر میں تمہارے آنے کا موجب ہوا اور اب بھی اتباع حق سے تم کو روک رہا ہے اور جنت میں داخل ہونے سے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَاۗءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ
اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر بولا میں
جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ
لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں☆

☆ یعنی پکی باتیں دانائی اور حکمت کی۔ (تفسیر عثمانی)

الْبَيِّنٰتِ۔ یعنی معجزات یا انجیل کی آیات یا واضح احکام۔ (تفسیر مظہری)

وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ
اور بتلانے کو بعض وہ چیز
تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ
جس میں تم جھگڑتے تھے☆

☆ یعنی دینی باتیں یا بعض وہ چیزیں جن کو شریعت موسویہ نے حرام ٹھہرایا تھا انکا حلال ہونا بیان کرتا ہوں کما قال ''وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ'' (آل عمران رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میل نفسانی کے زیر اثر یہودیوں کے اکہتر فرقے بن گئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو غلط عقائد سے روکا اور راہ حق پر چلنے کی ہدایت کی۔

امتوں کے فرقے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بیشک اللہ
رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا
جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اُسی کی بندگی کرو
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝
یہ ایک سیدھی راہ ہے☆

عیسیٰ کی تعلیم ☆ یہ تعلیم تھی حضرت مسیح علیہ السلام کی۔ دیکھ لو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی توحید اور انقاد و اطاعت رسول کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ ف سببیہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پر حکمت تعلیم کا لانا حصول تقویٰ کا سبب ہے۔

وَاَطِيْعُوْنِ۔ یعنی اللہ کی طرف سے جو کچھ میں تم کو پہنچا رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

فَاعْبُدُوْهُ۔ اسی کی پوجا کرو کسی اور کی پرستش نہ کرو۔

هٰذَا۔ یعنی توحید اور شرعی احکام کی پابندی۔ یہ حضرت عیسیٰ کے کلام کا ختم ہے یا اللہ کا فرمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ
پھر پھٹ گئے کتنے فرقے اُن کے بیچ سے ☆

فرقہ بندی ☆ یعنی اختلاف پڑ گیا۔ یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ

قائل ہوئے۔ پھر نصاریٰ آگے چل کر کئی فرقے بن گئے، کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتلاتا ہے، کوئی ان کو تین خداؤں میں ایک کہتا ہے کوئی کچھ اور کہتا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم پر ایک بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امت عیسیٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئی یا من جملہ ان کے یہودیوں اور عیسائیوں کا مجموعہ مراد ہے۔ ویل بس بڑی ہلاکت (اور خرابی) ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ

سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دکھ

يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٦٥﴾ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا

والے دن کی اب یہی ہے کہ راہ دیکھتے ہیں

السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ

قیامت کی کہ آ کھڑی ہو اُن پر اچانک اور اُن کو

لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

خبر بھی نہ ہو ☆

منکرین کی ہلاکت کا اعلان ☆ ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایات کے باوجود بھی جو لوگ نہیں مانتے آخر وہ کاہے کے منتظر ہیں۔ ان کے احوال کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اس قیامت ایک دم ان کے سر پر آ کھڑی ہو تب مانیں گے حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۔ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خواہشات کی پیروی کر کے اور کتاب وسنت کو ترک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

من عذاب یوم الیم۔ یعنی آتش جہنم۔

ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے

حضرت عبداللہؓ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدم بقدم میری امت پر وہی بات آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے علی الاعلان اپنی ماں سے زنا کیا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا کرے گا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی کہ سوا ایک فرقہ کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ (برحق نجات یافتہ) کونسا گروہ ہوگا فرمایا جو اس راستہ پر چلتا ہوگا جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

جتنے دوست ہیں اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے

عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾

مگر جو لوگ ہیں ڈر والے ☆

قیامت کی ہیبت ☆ اُس دن دوست سے دوست بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیاں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی۔ آدمی پچھتائے گا کہ فلاں شریر آدمی سے دوستی کیوں کی تھی جو اس کے اکسانے سے آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا اسوقت بڑا گر محبوش محب محبوب کی صورت دیکھنے سے بیزار ہوگا۔ البتہ جن کی محبت اور دوستی اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے خوف پر مبنی تھی وہ کام آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اچھے اور برے دوست بغوی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت علی کا ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا دو دوست مومن اور دو دوست کافر ہوتے ہیں ایک مؤمن مر جاتا ہے وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کرنے کا مشورہ دیتا تھا مجھے نیک کام کرنے کا حکم دیتا تھا اور برے کام سے روکتا تھا وہ مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دن مجھے تیرے سامنے آنا پڑے گا اے میرے رب میرے بعد تو اس کو گمراہ نہ کر دینا اور جیسے تو نے مجھے راہ راست پر چلنے کی توفیق دی ایسے ہی اس کو بھی ہدایت پر قائم رکھنا اور جس طرح تو نے میری عزت افزائی کی اسی طرح اس کی بھی عزت افزائی کرنا جب اس کا دوست مر جاتا ہے تو اللہ دونوں کو یکجا کر کے فرماتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کی تعریف کرو چنانچہ ہر ایک دوسرے کے متعلق کہتا ہے یہ اچھا بھائی ہے اچھا دوست ہے اچھا ساتھی ہے۔

اور جب دونوں کافر دوستوں میں سے ایک مر جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی طاعت سے منع کرتا تھا برے کام کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ اور اچھے کام سے روکتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ مجھے تیرے پاس آنا نہیں ہے۔ وہ برا بھائی برا دوست اور برا ساتھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میری عظمت و بزرگی کے ساتھ باہم دوستی کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا آج میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں۔ رواہ مسلم۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے واسطے دو بندے باہم محبت کرنے والے ہوں ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ قیامت کے دن، دونوں کو یکجا کر دیگا اور فرمائے گا یہی وہ شخص ہے جس سے تو

میرے لئے محبت کرتا تھا۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان) (تفسیر مظہری)

دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو

اس آیت سے یہ بات کھول کر بتا دی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دُنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کر ڈالتا ہے قیامت کے روز یہ صرف یہ کچھ کام نہ آئیں گی بلکہ عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت حضرت علیؓ کا یہ ارشاد مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی حاتمؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ دو دوست مؤمن تھے اور دو کافر مؤمن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اُسے جنت کی خوشخبری سُنائی گئی تو اُسے اپنا دوست یاد آیا اس نے دُعا کی کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپکی آپ کے رسولؐ کی اطاعت کی تاکید کرتا بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے لہٰذا یا اللہ! اسکو میرے بعد گمراہ نہ کیجئے گا تا کہ وہ بھی (جنت کے) وہ مناظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اسی طرح اُس سے بھی راضی ہو جائیں۔ اس دُعاء کے جواب میں اس سے کہا جائیگا کہ جاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے تمہارے اُس دوست کے لئے کیا اجر وثواب رکھا ہے تو تم رو دُھو اور ہنسو رہا وہ۔ اسکے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہو چکے گی تو دونوں کی ارواح جمع ہونگی باری تعالیٰ اُن سے فرمائیگا کہ تم میں سے ہر شخص دوسرے کی تعریف کرے تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہیگا کہ وہ بہترین بھائی بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب وہ کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائیگا کہ اسکو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اُسے بھی اپنا دوست یاد آئے گا اُس وقت وہ یہ دُعا کرے گا کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسولؐ کی نافرمانی کرنیکا حکم دیتا تھا، بُرائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہونگا۔ لہٰذا یا اللہ! اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجئے گا تا کہ وہ بھی (دوزخ کے) وہ مناظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اسی طرح اُس سے بھی ناراض ہوں۔ اسکے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہو جائیگا تو دونوں کی رُوحیں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جائیگا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی تعریف کرے تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا یہ بدترین بھائی بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔ (ابن کثیر ۴/۱۳۴) اسی لئے دُنیا وآخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ جن دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لئے محبت ہو اُن کے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہونگے اور اللہ کے لئے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بناء پر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے

چنانچہ علوم دین کے استاذ، شیخ ومُرشد، علماء اور اہل اللہ سے نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت اس میں داخل ہے۔ (معارف ملتی اعظم)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ
اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۚ
غمگین ہوگے ☆

☆ یعنی نہ آگے کا ڈر نہ پیچھے کا غم۔ (تفسیر عثمانی)

نحوی ترکیب یا عباد یہ جملہ مستانفہ ہے یقول فعل محذوف ہے یعنی اللہ ان تقویٰ رکھنے والے دوستوں سے فرمائے گا اے میرے بندو آج تم کو کوئی خوف ہے نہ تم غمگین ہوگے۔

مومنوں کیلئے اعلان۔ معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا۔ معتمر کے باپ نے کہا میں نے سنا ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ہر ایک گھبرایا ہوا ہوگا اس وقت (اللہ کی طرف سے) ایک منادی ندا دیگا۔ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ یہ سن کر لوگوں کو کچھ امید بندھے گی لیکن پھر وہی منادی اس کے بعد کہے گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ یہ سن کر سوا مطاعت گزار مومنوں کے سب مایوس ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۚ
جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکم دار ☆

ایمان واسلام ☆ یعنی دل سے یقین کیا اور جوارح سے اس کے حکم دار رہے۔ یہاں سے ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں اس کا مفصل بیان ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں
تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ
کہ تمہاری عزت کریں لئے پھریں گے اُنکے پاس رکابیاں
مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ
سونے کی اور آبخورے ☆

☆ یعنی عمدہ لئے پھریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

تحبرون۔ یعنی اتنی خوشی پاؤ گے کہ اس کا اثر چہروں سے نمودار ہوگا اس مطلب پر تحبرون حبار سے مشتق ہوگا اور حبار کا معنی ہے اثر' نشان' یا تحبرون کا ترجمہ ہے تم آراستہ کئے جاؤ گے سجائے جاؤ گے اس وقت تحبرون کا مادہ حبر ہوگا اور حبر کا معنی ہے زینت۔ خوبصورتی۔ یا اس کا ترجمہ ہے تمہاری پوری پوری عزت افزائی کی جائے گی۔

یطاف علیھم۔ یعنی غلمان جو ہمیشہ ہی امرد رہیں گے۔ اہل جنت کے لئے بڑے بڑے پیالوں اور کوزوں کا دور کریں گے صحاف صحفۃ کی جمع ہے صحفۃ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔ اکواب' کوب کی جمع ہے۔ کوب کوزہ یعنی ایسا گول برتن جس کا گلا بھی مدور ہو اور قبضہ نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ
اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے
الْأَعْيُنُ ۖ
آنکھیں آرام پائیں ☆

دیدار الٰہی ☆ سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں آرام پائیں گی وہ دیدار ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا (رزقنا اللہ بفضلہ ومنہ) (تفسیر مظہری)

صوفی کی طلب۔ یعنی ہر شخص کو جنت میں وہ چیز ملے گی جس کا وہ خواستگار ہوگا۔ صوفی طلبگار ہے ایسے وصل کا جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور ایسے دیدار کا جو کبھی غائب نہ ہو چنانچہ یہ نعمت حاصل ہوگی صوفیہ کے علاوہ دوسرے لوگ جو جنت کی نعمتوں کے خواستگار ہوں گے ان کو وہ نعمتیں ملیں گی۔

جنت میں گھوڑے اور اونٹ۔ بغوی نے حضرت عبدالرحمن بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں۔ کیا جنت میں گھوڑے ملیں گے۔ فرمایا اگر اللہ تم کو جنت میں داخل کردے پھر تم چاہو کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ کر جنت کے اندر جہاں جانا چاہو پہنچ جاؤ تو ایسا کر سکو گے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اونٹ کو پسند کرتا ہوں کیا جنت میں اونٹ ملیں گے فرمایا اے اعرابی اگر اللہ تجھے جنت میں داخل کردے گا تو تجھے وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تیرا دل چاہے گا اور آنکھوں کو جس سے فرحت حاصل ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَتِلْكَ
اور تم اُن میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی
الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ
بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے میں اُن کاموں
تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾
کے جو کرتے تھے ☆

☆ یعنی تمہارے باپ آدم کی میراث واپس مل گئی تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔ (تفسیر مظہری)

وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ رخی کو اس کا جنت والا مقام (یعنی وہ مقام اگر وہ مومن ہوتا تو اس کو وہ مقام ملتا) دکھایا جائے گا تاکہ اس کو حسرت ہو اس وقت وہ کہے گا۔ لو ان اللہ ھدانی لکنت من المتقین اگر اللہ مجھے ہدایت یاب بناتا تو میں متقیوں میں ہو جاتا۔ اور ہر جنتی کو اس کا دوزخ والا مقام (یعنی وہ مقام کہ اگر وہ مومن نہ ہوتا تو اس مقام پر ہوتا) دکھایا جائے گا تاکہ وہ شکر کرے۔ جنتی بطور شکر کہے گا۔

وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔ یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کا ایک گھر جنت میں اور ایک گھر دوزخ میں ہے کافر کے جنت والے مکان کا مومن وارث ہوگا۔ یہی مطلب ہے (آیت) تلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون کا۔ (تفسیر مظہری)

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾
تمہارے واسطے اُن میں بہت میوے ہیں اُن میں سے کھاتے رہو ☆

☆ یعنی چن چن کر۔ (تفسیر مظہری)

جنت کے پھل۔ بزار اور طبرانی نے بیان کیا کہ حضرت ثوبان نے فرمایا میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جنتی جس پھل کو توڑے گا اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا۔

بزار نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جب آدمؑ کو جنت سے نکالا تو ان کو طور توشہ کچھ جنت کے پھل بھی دے دیئے اور ہر ایک کے اوصاف بھی بتا دیئے تو یہ تمہارے پھل جنت کے پھلوں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ خراب ہو جاتے ہیں اور وہ تغیر پذیر نہیں ہیں۔

ابن ابی الدنیا کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود شام میں تھے لوگوں نے جنت کا تذکرہ کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جنت کا ایک خوشہ (انتہا بڑا ہوگا جتنی مسافت) یہاں سے صنعاء (یمن) تک ہے۔

ابن ابی الدنیا نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے پھلوں میں سے ایک ایک پھل کی لمبائی بارہ ہاتھ ہوگی اور ان کے اندر گٹھلی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ
البتہ جو لوگ کہ گنہگار ہیں وہ دوزخ کے عذاب میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۷۵﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ

ہمیشہ رہنے والے ہیں نہ ہلکا ہوتا ہے اُن پر سے اور وہ اُسی میں

مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۶﴾

پڑے ہیں آس ٹوٹے☆

دوزخیوں کی ناامیدی

یعنی عذاب نہ کسی وقت ملتوی ہوگا نہ ہلکا کیا جائے گا دوزخی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

المجرمین۔ یعنی پکے مجرم۔ مراد ہیں کافر کیونکہ مومنوں کے مقابل مجرموں کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مجرموں سے کافر مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن تھے وہی بے انصاف☆

اپنے اوپر خود ظلم کیا☆ یعنی ہم نے دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیئے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر حجت تمام کر دی تھی۔ کوئی معقول عذر ان کے لئے باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ ایسوں کو سزا دی جائے تو ظلم کون کہہ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ

اور پکاریں گے اے مالک کہیں ہم پر فیصل کر چکے تیرا رب☆

دروغہ جہنم☆ ''مالک'' نام ہے فرشتہ کا جو دوزخ کا داروغہ ہے دوزخی اس کو پکاریں گے ہم نہ مرتے ہی ہیں نہ چھوٹتے ہیں اپنے رب سے کہہ کہ ایک دفعہ عذاب دے کر ہمارا کام ہی تمام کر دے گویا نجات سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخیوں کی بدحالی ہناد طبرانی ابن ابی حاتم حاکم بیہقی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے۔ یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ۔ مالک چالیس برس تک ان کو کوئی جواب نہیں دے گا۔ یونہی چھوڑے رکھے گا پھر جواب دے گا تو کہے گا اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۔ (تفسیر مظہری)

قٰلَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

وہ کہے گا تم کو ہمیشہ رہنا ہے☆

☆یعنی چلانے سے کچھ فائدہ نہیں تم کو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے کہتے ہیں۔ دوزخی ہزار برس چلائیں گے تب وہ یہ جواب دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہزار برس تک مالک ان کو جواب نہیں دے گا۔ ہزار برس کے بعد کہے گا۔ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۔

دوزخیوں کی پانچ دعائیں

سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ دوزخی پانچ بار دعائیں کریں گے۔ چار دعاؤں کا تو اللہ جواب دیدے گا اور پانچویں دعا کے بعد پھر وہ کبھی کوئی کلام نہیں کریں گے۔ دوزخی کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ اس جواب میں اللہ فرمائے گا۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ پھر اہل جہنم کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۔ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ وَّسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ پھر وہ دوزخی کہیں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ پھر وہ دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اِخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۔ اس کے بعد وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین پر تم

اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

بہت لوگ سچی بات سے بُرا مانتے ہو☆

☆یعنی وہ سزا اس جرم پر ملی کہ تم میں کے اکثر سچائی سے چڑتے تھے (اور بہت سے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے)۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرائیں گے☆

کفار کی تدبیریں ☆ کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی آئندہ جو اس دین میں آوے اسی کے رشتہ دار اسکو مار مار کر الٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسکو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھنے یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا ان کو ذلیل و رسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ مُّوْا ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی مضبوط خفیہ تدبیر کی ہے یا یہ مطلب ہے کہ حق کی تکذیب و تردید کی کوئی پوشیدہ اسکیم بنا رکھی ہے اور صرف حق سے نفرت پر بس نہیں کیا ہے۔

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۔ یعنی ہم نے بھی ان کو سزا دینے کی تدبیر درست کر لی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے اُن کا بھید

وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ

اور اُن کا مشورہ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے

يَكْتُبُوْنَ ۝

اُنکے پاس لکھتے رہتے ہیں ☆

ہم سب جانتے ہیں ☆ یعنی ان کے دلوں کے بھید ہم جانتے اور ان کے خفیہ مشورے ہم سنتے ہیں اور حکومت کے انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے (کراماً کاتبین) ان کے سب اعمال و افعال لکھتے جاتے ہیں یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول ۔ ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان تین آدمی جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی تھے اور ایک قریشی۔ ایک بولا تم لوگوں کے خیال میں کیا خدا ہمارا کلام سنتا ہے دوسرے نے کہا جب ہم پکار کر بات کرو تو سنتا ہے اور چپکے چپکے بات کرو تو نہیں سنتا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا

تو کہہ اگر ہو رحمٰن کے واسطے اولاد تو میں

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝

سب سے پہلے پوجنوں ☆

عقیدۂ اولاد کی تردید ☆ یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں۔ آپ کہہ دیجئے اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اسکی اولاد کی پرستش کرے کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جس کو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہئے پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پہچانو گے (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو کہ میں تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی عبادت کرنے والا ہوں خواہ لڑکا وغیرہ سے منزہ مقدس ہے بعض نے "عابد" کے معنی لغۃ جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک "اِنْ" نافیہ ہے یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں اور بھی احتمالات ہیں جن کے استعباب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۔ یعنی تم سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں نبی خوب واقف ہے کہ اللہ کے لئے کونسا وصف زیبا ہے اور کونسی صفت نامناسب ہے اور کس کی تعظیم واجب ہے اس کا علم پیغمبر سے زیادہ کسی کو نہیں ہو سکتا پس اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے پیغمبر اس کی تعظیم کرتا جو شخص والد کی تعظیم کرتا ہے وہ والد کی اولاد کی بھی تعظیم ضرور ہی کرتا ہے۔

آیت کا مقصد ۔ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کے صاحب اولاد ہونے کا انکار کر رہے ہیں تو اس انکار کی بنیاد کوئی ذاتی مخالفت نہیں (کہ خدا کے بیٹے سے آپ کو عناد ہو اس لئے آپ انکار کر رہے ہوں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی خدا زادہ ہوتا تو آپ اس کا اعتراف سب سے پہلے کرتے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ رحمٰن کی کوئی اولاد نہیں ہے میں سب سے پہلے اس کی شہادت دیتا ہوں۔ یعنی ان شرطیہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور عابدین کا معنی ہے گواہی دینے والے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ

پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾

عرش کا اُن باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں ☆

پاک ذات ☆یعنی جن باتوں کی نسبت یہ لوگ اس کی طرف کرتے ہیں مثلاً اولاد وغیرہ اس سے خدا تعالیٰ کی ذات برتر اور منزہ ہے اس کی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ کسی کا باپ یا بیٹا بنے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا

اب چھوڑ دے اُن کو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۸۳﴾

اپنے اُس دن سے جس کا اُن کو وعدہ دیا ہے ☆

عنقریب گرفت ہوگی ☆یعنی غفلت وحماقت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے یہ لوگ چند روز اور دنیا کے کھیل تماشے میں گزار لیں، آخر وہ موعود دن آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي

اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اُس کی

الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾

بندگی ہے زمین میں اور وہی ہے حکمت والا سب سے خبردار ☆

معبود فقط اللہ ہے ☆نہ آسمان میں فرشتے اور نہ حضرت عیسیٰ وغیرہ معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام واوثان وغیرہ سب زمین وآسمان والوں کا معبود اکیلا وہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور بڑی برکت ہے اُس کی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ

اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے اور اُسی کے پاس ہے خبر قیامت کی ☆

☆یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اسی مالک کو ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۵﴾

اور اُسی تک پھر کر پہنچ جاؤ گے ☆

☆یعنی وہاں پہنچ کر سب کی نیکی بدی کا حساب ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ

اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں

الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

سفارش کا مگر جس نے گواہی دی سچی اور اُن

يَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾

کو خبر تھی ☆

سفارش ☆یعنی اتنی سفارش کر سکتے ہیں کہ جس نے ان کے علم کے موافق کلمہ اسلام کہا اس کی گواہی دیں بغیر کلمہ اسلام کسی کے حق میں ایک حرف سفارش کا نہیں کہہ سکتے اور اتنی سفارش بھی صالحین کریں گے جو سچائی کو جانتے اور اس کو زبان ودل سے مانتے ہیں۔ دوسروں کو اجازت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ اُن کو کس نے بنایا تو کہیں گے

اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۸۷﴾

اللہ نے پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں ☆

توحید کی دلیل ☆یعنی جب بنانے والا ایک اللہ ہے تو بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو گیا ہے عبادت نام ہے انتہائی تذلل کا وہ اسی کا حق ہونا چاہئے حوالہ انتہائی عظمت رکھتا ہے عجیب بات ہے مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے ☆

نبی کی مخلصانہ التجا ☆یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اسکی اس مخلصانہ التجا اور دردبھری آواز کی اللہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ اور اپنی رحمت سے اس کو غالب ومنصور کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں پر غضب کے متعدد اسباب: یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہٖ سخت ہیں دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور یہ فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی۔ ورنہ معمولی تکلیف پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ
سو تو منہ پھیر لے انکی طرف سے اور کہہ سلام ہے ☆

☆ یعنی غم نہ کھا، اور زیادہ ان کے پیچھے نہ پڑ۔ فرض تبلیغ ادا کر کے ادھر سے منہ پھیر لے اور کہدے کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا سلام لو۔ (تفسیر عثمانی)

داعی حق کا وطیرہ: آخر میں وہی تلقین کی گئی ہے جو ہر داعی حق کو ہمیشہ کی گئی کہ مخالفین کے دلائل و شبہات کا جواب تو دیدو لیکن وہ جو جہالت و حماقت یا دشنام طرازی کی بات کریں اسکا جواب انہی کی زبان سے دینے کے بجائے سکوت اختیار کرو۔

سلام کہنے کا مطلب: یہ جو فرمایا کہ کہدو تم کو سلام کرتا ہوں اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ انہیں السلام علیکم کہا جائے کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جس کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "میری طرف سے سلام" یا "تمہیں سلام کرتا ہوں"۔ اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝
اب آخر کو معلوم کر لیں گے ☆

☆ یعنی آخر کار ان کو پتہ لگ جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں لگ گیا اور پوری تکمیل آخرت میں ہونے والی ہے۔

تم سورۃ الزخرف بعون اللہ و توفیقہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ظالموں کے ظلم اور عذاب قبر و عذاب جہنم اور ضعف یقین سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرین)

فضیلت سورت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دخان پڑھ لے تو صبح کو اسکے گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اور حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ دخان پڑھ لی اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (قرطبی بروایت ثعلبی)

ترمذی نے ضعیف سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو حٰمٓ الدخان پڑھتا ہے صبح ہوتی ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

ضعیف سند سے یہ بھی ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب جمعہ میں جو شخص حٰمٓ الدخان پڑھے گا اس کو بخش دیا جائے گا۔ ابن ضریر نے مرسلاً حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ شب جمعہ میں جو شخص سورۂ دخان پڑھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات یا دن میں حٰمٓ الدخان پڑھے گا اللہ اس کے لئے جنت کے اندر ایک گھر بنا دے گا۔ (تفسیر مظہری)

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ دخان مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ
قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے اس کو اتارا
فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
ایک برکت کی رات میں ☆

شب براءت: ☆ "برکت کی رات" شب قدر ہے۔ کما قال تعالیٰ "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" (قدر رکوع ۱) جو رمضان میں واقع ہے

قولہ تعالیٰ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" (بقرہ رکوع ۲۳)
اس رات میں قرآن کریم "لوح محفوظ" سے سمائے دنیا پر اتارا گیا پھر بتدریج تیئس سال میں پیغمبر علیہ السلام پر اترا نیز اسی شب پیغمبر پر اس کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ (تفسیر جلالین)

ابن صیاد کا دخ کے جھوٹ کا ظاہر ہونا

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کیلئے دل میں خَبَأْتُ لَهُ وَهِيَ الدُّخُّ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا دُخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلنے کی۔ اس میں بھی ایک قسم کا ارشاد ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کی زبان سے بتانے کا عادی تھا اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ کلام صرف چرا لیتا ہے اور اس سے زیادہ پر قدرت نہیں پاتے کا۔

دُخان علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے

حضرت علیؓ فرماتے ہیں دُخان گزر نہیں گیا بلکہ اب آئے گا۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت میں (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے رات کو میں بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دُم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دُخان نہ ہو پس صبح تک میں نے آنکھ نہیں لگائی۔ اس کی سند صحیح ہے اور حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ صحابہؓ اور تابعین بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دُخان ایک علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رات میں برکت کی وجہ

برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اسی رات میں وہ قرآن نازل ہوا جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

مبارک رات کونسی ہے

مبارک رات سے مراد ہے شب قدر۔ قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا پھر بیس سال میں حضرت جبرئیل کی وساطت سے تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات مراد ہے مگر یہ خیال غلط ہے اللہ نے خود فرمایا ہے۔ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ"۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" (اس سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہے)۔

قاسم بن محمد نے بوساطت اپ عن جد بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصف شعبان کی رات کو اللہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ہر شخص کو بخش دیتا ہے سوائے اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا وہ مشرک ہو۔ رواہ البغوی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن کا نزول نصف شعبان کی رات میں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان مبارک کے آخری قرآن کی سورۂ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلۃ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداء دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت قتادہ نے بروایت واثلہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارھویں میں، انجیل اٹھارویں میں اور قرآن چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا (قرطبی)

قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن سماء دنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا پھر تیئس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دنیا میں نازل کر دیا جاتا تھا۔ (قرطبی) (معارف ملتقی اعظم)

جمہور مفسرین کے نزدیک بھی متعین ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیاء پر اتارا گیا اور پھر تیئس سال کی مدت میں بتدریج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا گیا۔ تو اس وجہ سے اس موقعہ پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ برأت مراد لیا جانا مشکل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قسم کا مقصود

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ اسکو ہم نے ایک مبارک رات میں نازل فرمایا جس کا مقصد غافل انسانوں کو بیدار کرنا ہے اسی طرح کی قسم انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ زخرف کے شروع میں بھی گزر چکی ہے وہاں اسکا بیان آچکا ہے۔ (معارف ملتقی اعظم)

نزول قرآن کے مختلف مراحل

نزول قرآن پاک کے بارے میں تین طرح قرآن حکیم میں وارد

ہوئے ہیں فی لیلۃ مبارکۃ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔

لیلۃ القدر اس سال شہر رمضان میں ہوئی اس لئے ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءت ہے۔ نزول قرآن کے بھی تین دفعات ہیں۔ دفعہ اول وہ ہے کہ امر الٰہی ملائک کو ہوا کہ ام الکتاب اور لوح محفوظ سے اتنا حصہ اخذ کریں۔

ن والقلم وما یسطرون دفعہ ثانیہ ملائک نے بیت العزت میں اس کلام کو ودیعت کیا اور دفعہ ثالثہ بیت العزت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا لیلۃ مبارکہ یعنی لیلۃ البراءت یعنی جس میں ملائک عالم اسفل کو خدمات سپرد ہوتی ہیں۔

فیہا یفرق کل امر حکیم پس فی لیلۃ مبارکۃ میں نزول اول مراد ہے کہ ملائک کو ام الکتاب سے نقل کرنے کا حکم ہوا اور "لیلۃ القدر" میں نزول ثانی مراد ہے کہ بیت العزت کی جانب نزول ہوا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اور بہت سے مفسرین کا رجحان یہی ہے کہ مضمون ایک ہی ہے صرف تعبیریں مختلف اختیار کی گئی ہیں۔ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ نزول قرآن کا آغاز شب قدر میں ہوا۔ اس سال شب قدر رمضان شریف میں تھی۔ اسی شب کو لیلۃ مبارکۃ فرمایا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لیلۃ مبارکۃ (سورۂ دخان) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "رات برکت کی شب قدر ہے"

جس شب کو سورۂ دخان میں "لیلہ مبارکہ" فرمایا گیا ہے اس کی خصوصیت یہ ارشاد ہوئی ہے۔ "اس میں جانچے تولے اور خاص خاص اندازوں (تقدیروں) سے مقرر کئے ہوئے کام امر الٰہی اور حکم خداوندی کی حیثیت میں جدا جدا کئے جاتے ہیں اور ہر کام کے لئے فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور "لیلۃ القدر" کی خصوصیت سورۂ انا انزلنا میں یہ بتائی گئی ہے کہ اس شب کو فرشتے اور روح (روح القدس) کا نزول ہوتا ہے امن و سلامتی کے پیغام پہنچائے جاتے ہیں۔ جمعیت خاطر اور عبادت میں خاص قسم کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"نصف شب (شعبان کی پندرھویں شب) میں سال بھر کے امور طے کر کے کارگذاری کے لئے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں وفات پانے والوں کے نام الگ درج کر دیئے جاتے ہیں پھر ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی"۔

یہی مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۸ بحوالہ بغوی۔ از ادارات مدنی)

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝
ہم ہیں کہہ سنانے والے ☆

دستور الٰہی ☆ یعنی کہہ سنانا ہمیشہ ہمارا دستور رہا ہے۔ اسی کے موافق یہ قرآن اتارا۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا
اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر
مِّنْ عِنْدِنَا ؕ
ہمارے پاس سے ☆

شب قدر اور شب براءت میں کیا ہوتا ہے

☆ یعنی سال بھر کے متعلق قضاء و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالہ کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جسے شب براۃ کہتے ہیں ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہا ہوتی ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت بتا رہی ہے کہ قرآن شب قدر کی برکات میں بہت بڑی برکت ہے اور شب قدر میں پُر حکمت محکم امور کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے قرآن کا نزول بھی اسی رات میں ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات لوح محفوظ سے نقل کر لئے جاتے ہیں۔ خیر و شر، رزق اور میعاد زندگی یعنی موت یہاں تک کہ یہ بھی لکھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس سال حج کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا یعنی شب قدر اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال میں پیدا ہونگے، کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا، یہی تفسیر دوسرے آئمہ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ (معارف معنی اعظم)

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝
ہم ہیں بھیجنے والے ☆

فرشتوں کے کام

☆یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہو چنانچہ جبریل کو قرآن دے کر محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ (تفسیر عثمانی)

ہم ہی (پیغمبروں کو) بھیجنے والے ہیں یعنی ہمارا ضابطہ یہی ہے کہ ہم بندوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں اور پیغمبروں کو تسلیاں دے کر بھیجتے ہیں۔ اسی لئے جب آسمان کی طرف نظر آنے والا دھواں پیدا ہوگا سب لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ
رحمت سے تیرے رب کی وہی ہے سُننے
الْعَلِيمُ ﴿٦﴾
جاننے والا ☆

رحمت وحکمت الٰہی ☆یعنی تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اسی لئے عین ضرورت کے وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دے کر عالم کے لئے رحمت کبریٰ بنا کر بھیج دیا۔ (تفسیر عثمانی)

رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے
إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ ﴿٧﴾
بیچ ہے اگر تم کو یقین ہے ☆

ربوبیت الٰہی ☆یعنی اگر تم میں کسی چیز پر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی ربوبیت عامہ ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں روز روشن سے زیادہ ہویدا ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
کسی کی بندگی نہیں سوائے اُسکے جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب
آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾
تمہارے اگلے باپ دادوں کا ☆

بے شبہ حقیقت ☆یعنی جس کے قبضہ میں مارنا جلانا اور وجود وعدم کی باگ ہو اور سب اولین وآخرین جس کے زیر تربیت ہوں۔ کیا اس کے سوا دوسرے کی بندگی جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی صاف حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾
کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے ☆

مشرکین کی بے توجہی ☆یعنی ان واضح نشانات اور دلائل کا اقتضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ مان لیتے، مگر پھر بھی نہیں مانتے، بلکہ وہ تو حید وغیرہ عقائد حقہ کی طرف سے شک میں پڑے ہیں اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور وفکر سے کام لیں۔ یہ اس دھوکے میں ہیں کہ ہمیشہ یوں ہی رہنا ہے خدا کے سامنے کبھی پیشی نہیں ہوگی اسی لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ
سو تو انتظار کر اُس دن کا کہ لائے آسمان دھواں
مُّبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ
صریح جو گھیر لیوے لوگوں کو یہ ہے عذاب
أَلِيمٌ ﴿١١﴾
دردناک ☆

واضح دھواں ☆"دھواں" سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے زکام سا ہو جائے گا۔ اور کافر ومنافق کے دماغ میں گھس کر سے بوش کر دے گا۔ وہ ہی یہاں مراد ہے شاید یہ دھواں وہ ہی سادات کا مادہ ہو جس کا ذکر "ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ" میں ہوا ہے گویا آسمان تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہو گی واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ زور شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے بلکہ قریش کے تمرد وطغیان سے تنگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آ گئی غالباً اسی دوران میں "یمامہ" کے دیہی

ثمامہ ابن آثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی: لکڑی غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں جو یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد و غبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کو یہاں دخان سے تعبیر فرمایا۔ اس تقریر پر "یغشی الناس" میں لوگوں سے مراد مکہ والے ہوں گے گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی (کما یدل علیہ قولہ "فارتقب") جو پوری ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی سب سے اول علامات ابن جریر' طبرانی اور بغوی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سب سے اول (قیامت کی) نشانی دھواں اور عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور ایک آگ ہوگی جو عدن کے کسی غار سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہنکا کر لے جائے گی' دوپہر کو لوگ جہاں ٹھہریں گے آگ بھی ٹھہر جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

تین چیزیں جن سے ڈرایا گیا۔ ابن جریر نے ابو مالک اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں تین چیزوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک دخان (یعنی دھواں) جو مومن کے لئے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کرے گا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اسکے ہر مسمع اور مسام سے نکلنے لگے گا اور دوسری چیز دابۃ (یعنی دابۃ الارض کوئی عجیب قسم کا جانور زمین سے نکلے گا) اور تیسرے دجال' اس روایت کو ابن کثیر نے نقل کر کے فرمایا (ہذا اسناد جید) (معارف سنی اعظم)

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا
اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم
مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾
یقین لاتے ہیں☆

بے موقع پچھتاوا☆ یعنی اس عذاب میں مبتلا ہو کر یوں کہیں گے کہ اب تو اس آفت سے نجات دیجیے آگے کو ہماری توبہ! ہم کو اب یقین آ گیا۔ پھر شرارت نہ کریں گے۔ پکے مسلمان بن کر رہیں گے آگے اسکا جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ
کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ان کے پاس
رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا
رسول کھول کر سنانے والا پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے
مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ﴿١٤﴾
سکھایا ہوا ہے باؤلا☆

اب پچھتائے کیا ہوت ☆ یعنی اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کر لی ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آ کر خود درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجئے بعض روایات میں ہے کہ ابوسفیان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ تو کہتے ہیں کہ میں رحمت ہوں اور یہ آپ کی قوم قحط و خشک سالی سے تباہ ہو رہی ہے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم اور قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کیجئے اگر ایسا ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے حوض روک دیا تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلوا دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں "اَنّٰی لَھُمُ الذِّکْرٰی" (ثم یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں، اس قسم کی چیزوں میں ہزار تاویلیں گھڑ لیں جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب سے زیادہ روشن تھی یعنی آپ کی پیغمبری اسی کو نہ مانا۔ کوئی مجنون بتلانے لگا کسی نے کہا کہ صاحب فلاں رومی علام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبارت میں ادا کر دیتے ہیں ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ
ہم کھولے دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تم پھر
عَائِدُونَ ﴿١٥﴾
وہی کرو گے☆

مشرکین کی بدکرداری

یعنی اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب ہٹا لیں، پھر وہی حرکتیں کریں گے جو پہلے کرتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر یہ مطلب ہوگا کہ

لو! اچھا ہم تھوڑی مدت کے لئے یہ عذاب ہٹا لیتے ہیں۔ پھر دیکھ لینا وہ ہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا
جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ تحقیق ہم
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾
بدلہ لینے والے ہیں ☆

بڑی پکڑ ☆ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت میں ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ٹلتا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ "بدر" کا واقعہ مراد ہے۔ "بدر" میں ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ
اور جانچ چکے ہیں ہم اُن سے پہلے فرعون کی قوم کو
وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾
اور آیا اُن کے پاس رسول عزت والا ☆

قوم فرعون کی آزمائش

☆ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کا امتحان کیا گیا کہ اللہ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ
کہ حوالے کرو میرے بندے خدا کے ☆

دعوت موسوی

☆ یعنی خدا کے بندوں کو اپنا بندہ مت بناؤ۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دو اور میرے حوالہ کر دو۔ میں جہاں چاہوں لیجاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا
میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر اور یہ کہ چڑھے
تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ
نہ جاؤ اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تمہارے پاس سند

مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾
کھلی ہوئی ☆

کھلی سند ☆ "کھلی سند" وہ معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھلائے "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾

اِنِّيْ رَسُوْلٌ ۔ یعنی اللہ کی طرف سے میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ اَمِيْنٌ ۔ اللہ کی وحی کا امین ہوں۔ معجزات میری سچائی پر دلالت کر رہے ہیں جھوٹا ہونے کی تہمت مجھ پر نہیں لگائی جا سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ
اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے
تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾
کہ تم مجھ کو سنگسار کرو ☆

فرعونی دھمکیوں کا جواب

☆ یہ ان کی دھمکیوں کا جواب دیا یعنی میں تمہارے ظلم و ایذا سے خدا کی پناہ حاصل کر چکا ہوں وہ میری حمایت پر ہے اور اسی کی حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾
اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ ☆

☆ یعنی اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذا دے کر اپنے جرم کو سنگین مت کرو "مرا بخیر تو امید نیست مدمرساں" اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اپنی قوم کو لے جاؤں تم راہ نہ روکو"۔ (تفسیر عثمانی)

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾
پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گنہگار ہیں
فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾
پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے ☆

حضرت موسیٰ کی دعاء اور حکم الٰہی

☆ یعنی آخر مجبور ہو کر اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں اب آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ وہاں کیا

دیے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعونیوں کو اطلاع کیے بغیر ہی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ دن ہونے پر جب انہیں اطلاع ہوگی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے لیکن یاد رہے راستہ میں سمندر پڑے گا اس پر عصا مارنے سے پانی ادھر ادھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشک و صاف راستہ نکل آئے گا اسی راستہ سے اپنی قوم کو لے کر گزر جانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۖ إِنَّهُمْ جُنْدٌ
اور چھوڑ جا دریا کو تھما ہوا البتہ وہ لشکر
مُّغْرَقُونَ ﴿٢٤﴾
ڈوبنے والے ہیں ☆

فرعون کی ہلاکت کا سامان یعنی اس کی فکر مت کرو کہ دریا میں خدا کی قدرت سے جو راستہ بن گیا وہ باقی نہ رہے اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے یہ راستہ دیکھ کر ہی تو فرعون کے لشکر اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے چنانچہ وہ سب خشک راستہ دیکھ کر اندر گھسے اسکے بعد خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آ کر مل گیا سارا لشکر اس طرح غرقاب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام دریاؤں کا سردار

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں جب اس کی روانی اللہ تعالیٰ کی منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ جہاں تک رب تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے اس میں پانی آ جاتا ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دے دیتا ہے کہ اب اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَمْ تَرَكُوا مِن جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٥﴾
بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے
وَزُرُوعٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٢٦﴾ وَنَعْمَةٍ
اور کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام کا سامان
كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ ﴿٢٧﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا
جس میں باتیں بناتے کرتے تھے یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا
قَوْمًا آخَرِينَ ﴿٢٨﴾
ہم نے ایک دوسری قوم کے ☆

بنی اسرائیل کے لئے غنیمت

☆ یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں دے دیا جیسا کہ سورۂ "شعراء" میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے غرق ہونے بعد مصر میں بنی اسرائیل کا داخل ہونا اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جس قسم کے سامان فرعونیوں نے چھوڑے تھے اسی طرح کے ہم نے بنی اسرائیل کو دیدیے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرعونیوں کے باغات

ان فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے اسوان سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں۔ خلیج اسکندریہ' خلیج۔ دمیاط' خلیج سردوس' خلیج منف' خلیج فیوم' خلیج منھی' اور ان سب میں اتصال تھا ایک دوسرے سے متصل تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ
پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین ☆

مومن اور کافر کی موت

☆ روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اسکا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا کچھ بھی نہیں پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا "شخص کم جہاں پاک"۔ (تفسیر عثمانی)

کافر پر آسمان زمین نہیں روتے

ابن جریر نے حضرت شریح بن عبیدہ حضرمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن سفر کی حالت میں مر جاتا ہے کہ اس کے متعلقین اس کے پاس نہیں ہوتے تو آسمان و زمین اس پر نوحہ کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کافر پر آسمان زمین نہیں روتے۔ (تفسیر مظہری)

آسمان میں ہر بندہ کے لئے دو دروازے ہیں

مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک سے اس کی روزی اترتی ہے۔ دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں۔ جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل و رزق کو گمشدہ پاتے ہیں تو روتے ہیں۔ پھر اسی آیت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی۔

کسی کی موت پر آسمان کے رونے یا نہ رونے کی وجہ

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان و زمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا آج تو نے وہ بات دریافت کی کہ تجھ سے پہلے مجھ سے

اس کا سوال کسی نے نہیں کیا۔ سلوہر بلدے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے اور آل فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے اس وجہ سے نہ تو زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا اور نہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بچا لاسکیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا
اور نہ ملی ان کو ڈھیل اور ہم نے بچا نکالا
بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿٣٠﴾
بنی اسرائیل کو ذلت کی مصیبت سے
مِنْ فِرْعَوْنَ
جو فرعون کی طرف سے تھی ☆

☆ یعنی فرعون کا وجود ایک مجسم مصیبت تھا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٣١﴾
بیشک وہ تھا بڑھ رہا حد سے بڑھ جانے والا ☆

☆ یعنی بڑا متکبر اور سرکش تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى
اور ان کو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر
الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾
جہان کے لوگوں سے ☆

بنی اسرائیل کی فضیلت ☆ یعنی اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں بھی ہم کو معلوم تھیں تاہم ان کو ہم نے اس زمانہ کے تمام لوگوں سے فضیلت دی۔ اور بعض فضائل جزئیہ تو وہ ہیں جو آج تک کسی قوم کو میسر نہیں ہوئے مثلاً اتنے بے شمار انبیاء کا ان میں اٹھایا جانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ
اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں جن میں تھی
مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾
بڑی جانچ ☆

نشانیاں ☆ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے مثلاً من وسلویٰ کا اتارنا، باول کا سایہ کرنا وغیرذالک۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ
یہ لوگ کہتے ہیں اور کچھ نہیں
إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ
ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہم کو پھر
بِمُنْشَرِينَ ﴿٣٥﴾
اٹھنا نہیں ☆

انکار بعث ☆ درمیان میں حضرت موسیٰ کی قوم کا ذکر عنظر اذاً آ گیا تھا یہاں سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آخری حالت بس یہی ہے کہ موت آجائے موت کے بعد سب قصہ ختم۔ موجودہ زندگی کے سوا دوسری زندگی کوئی نہیں۔ کہاں کا حشر اور کیسا حساب کتاب۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٦﴾
بھلا لے تو آؤ ہمارے باپ داداؤں کو اگر تم سچے ہو ☆

اہل مکہ کی دلیل ☆ یعنی پیغمبر اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ داداؤں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو تب ہم جانیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ
بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم ☆

تُبَّع ☆ "تبع" لقب تھا یمن کے بادشاہ کا، جس کی حکومت" سبا اور حضر موت وغیرہ سے پر تھی" "تبع" بہت گزرے ہیں۔ اللہ جانے یہاں کونسا مراد ہے۔ بہرحال اتنا ظاہر ہوا کہ اس کی قوم بہت قوت و جبروت والی تھی جو اپنی سرکشی کی بدولت تباہ کی گئی۔ ابن کثیرؒ نے اس سے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورہ سبا میں گزر چکا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بادشاہوں کے القاب ☆ یہ قوم تبع عرب قحطان تھے جب کہ قریش عرب عدنان تھے تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ کسریٰ شاہ فارس کو اور قیصر شاہ روم کو اور فرعون بادشاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو کہتے تھے۔

تبع کا ایمان لانا

یمن میں اس لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے جس تبع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام بعض روایات میں اسعد بیان کیا جاتا ہے اور بعض احادیث سے اس کا ایمان لانا بھی ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

قوم تبع اگرچہ بالعموم اپنے تاریخی ادوار میں کافر گزری اور ان کا بادشاہ فرعون اور قیصر و کسریٰ کی طرح کافر ہوتا تھا لیکن اہل یمن کے بعض فرمانبردار اور تبع کا یمن سے نکل کر بلاد سمرقند میں جانے کا بعض تواریخ میں ذکر ملتا ہے اور یہ کہ یہ تبع شاہ یمن جب یمن سے نکلا اور سمرقند وغیرہ پہنچا تو اس زمانہ میں اس کا ملک نہایت ہی وسیع اور مضبوط ہو چکا تھا اور رعایا بھی بڑی تعداد میں تھی اس نے جیرہ شہر آباد کیا تھا۔

اہل مدینہ کی عجیب شرافت

ایام جاہلیت میں جب اس کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا۔ تو اس نے اہل مدینہ سے قتال کا ارادہ کیا اہل مدینہ نے مقابلہ کیا اور اس کے باوجود کہ دن کے وقت اس کے ساتھ قتال کرتے اور جب رات ہوتی تو مہمان نوازی کرتے اس طرز عمل پر یہ بادشاہ شرمایا اور قتال کے ارادہ سے باز آیا اور مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں میں سے دو علماء کو اپنا مصاحب بنا لیا جنہوں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ اے تبع تیرا یہ طرز صحیح نہیں اور تو ہرگز اس شہر کے باشندوں پر غالب نہیں آ سکتا کیوں کہ شہر اس نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے جو دیار زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ تو شاہ تبع اس ارادہ سے باز آ گیا تھا اور ان دونوں کو اپنا مصاحب بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ پھر یہ بادشاہ جب مکہ کی طرف پہنچا تو وہاں بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیل نے بنایا تھا اور اس کعبہ کی بہت ہی بڑی شان ہوگی ان ہی نبی آخر الزماں کی وجہ سے تو بادشاہ یہ سن کر بیت اللہ کی عزت و تکریم و تعظیم کرنے لگا۔ طواف کیا اور قیمتی غلاف چڑھایا اور جب یمن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کو یہودی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین ہی آسمانی ہدایت اور دین تھا اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو اس وقت اہل یمن بالعموم اس بادشاہ تبع کے ساتھ یہودی ہو گئے تھے محمد بن اسحاق نے اس قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بعض مزید چیزیں ذکر کیں۔ تبع کے بارہ میں بعض روایات ابن عباس اور کعب احبار سے مروی ہیں کہ اس نے دین حق قبول کر لیا تھا۔

کعبۃ اللہ پر غلاف کی ابتداء

حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ تبع نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جس سے قبل بیت اللہ پر غلاف کا دستور نہیں تھا۔

بعض تاریخی نقول سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تیس سو چھبیس (۳۲۶) برس حکومت کی اور قوم حمیر میں اس سے زیادہ کوئی طویل العمر نہیں ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً سات سو سال قبل مرا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ جب ان دو علماء یہود نے مدینہ منورہ کے بارہ میں یہ بتایا کہ یہ شہر رسول آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے اور وہ اس شہر میں آ کر بسیں گے جن کا نام احمد مجمد ہو گا تو اس نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے۔

شهدت على احمد انه ... رسول الله باری النسم
فلو مد عمری الی عمره ... لکنت وزیرا وابن عم
وجاهدت بالسیف اعدائه ... وفرجت عن صدره کل غم

یعنی میں گواہی دیتا ہوں احمد کے بارہ میں کہ وہ اس پروردگار کے رسول ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور اگر میری عمر ان کے وقت تک دراز کر دی جائے تو میں ان کا وزیر اور چچازاد بھائی ہوتا اور میں تلوار اٹھا کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا اور ان کے دل سے ہر غم و پریشانی کو دور کرتا۔

بعض تاریخی نقول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے بعض علماء یہود نے اس علم و معرفت کی بناء پر یہ سرزمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے مدینہ میں قیام کی اجازت طلب کی تو شاہ تبع نے سب کو اجازت دی ان کو بہت سا مال و دولت بھی دیا اور ایک خاص مکان تیار کرایا کہ نبی آخر الزماں جب ہجرت کر کے آئیں تو وہ اس مکان میں قیام پذیر ہوں اور ایک خط بھی لکھا جس میں آپ سے ملاقات کی تمنا کا اظہار تھا اور مذکورہ اشعار بھی اس میں تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں تھے اور یہ مکان وہی ہے جو تبع نے اسی غرض سے بنوایا تھا چنانچہ خدا کے حکم سے وہ اونٹنی اسی مقام پر آ کر ٹھہری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے یہاں مقیم رہے۔

(روض الانف بحوالہ سیرت المصطفیٰ جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ زین الدین مراغی بیان کیا کرتے تھے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاری کے مکان پر نہیں اترے تھے بلکہ اپنے مکان پر اترے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا ابوایوب انصاری کا قیام تو اس مکان میں آپ کے انتظار میں تھا۔ (معارف کاندھلوی)

تبع کی دو بہنیں

ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صنعاء شہر میں اتفاق سے قبر کھد گئی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفون ہیں جن کے جسم بالکل صحیح سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قمریٰ اور کیس کی ہے۔ اور ایک روایت میں ان کے نام حبی اور تماضر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت پر رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ دونوں خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

تبع کو برا بھلا مت کہو

ابن ابی حاتم، امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لا تسبوا تبعا فانه قد کان اسلم" تبع کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ وہ اسلام لے آیا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ ۚ اِنَّهُمْ

اُن سے پہلے تھے ہم نے اُن کو غارت کر دیا بیشک وہ

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

تھے گنہگار ☆

عاد و ثمود کا حشر ☆ مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ کیا تم ان سے بہتر یا ان سے زیادہ طاقتور ہو کہ تم کو ہلاک نہ کرے گا یا نہ کر سکے گا؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو

بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

اسکے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا اُن کو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

پر بہت لوگ نہیں سمجھتے ☆

کارخانہ کائنات ☆ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ بلکہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ ایک دن نکل کر رہے گا وہی نتیجہ آخرت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر لوگ آسمان و زمین میں غور نہیں کرتے

اکثر لوگ چونکہ طلب دنیا میں غرق ہیں اور غور نہیں کرتے اس لئے ان کو معلوم نہیں کہ اس آسمان و زمین اور درمیانی کائنات کی تخلیق اللہ کی ہستی اور توحید کو ثابت کرنے اور انسان کی جانچ کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾

تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے اُن سب کا ☆

☆ یعنی اس دن سب کا حساب ایک وقت ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا

جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور نہ اُن کو مدد پہنچے ☆

☆ یعنی نہ کسی اور طرف سے مدد پہنچ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ

مگر جس پر رحمت کرے اللہ بیشک وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

رحم والا ☆

رحمت الٰہی ☆ یعنی بس جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہ ہی بچے گا۔ کما ورد فی الحدیث "الا ان یعمدنی اللہ برحمۃ" (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ - ہاں وہ لوگ جن پر اللہ رحم فرما دے اور خود معاف کر دے یا شفاعت کی وجہ سے گناہوں سے درگذر کر دے۔ مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ - سے مراد مومن ہیں' مومنوں کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی اور بعض مومن دوسرے مومنوں کی شفاعت کریں گے۔

الْعَزِيْزُ - یعنی اللہ ایسا غالب ہے کہ جب وہ کسی کو عذاب دینا چاہے گا تو کوئی عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾

مقرر درخت سیہنڈ کا کھانا ہے گنہگار کا ☆

زقوم ☆ کسی اونی مشابہت کی وجہ سے اس کو "زقوم" (سیہنڈ) کہا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سیہنڈ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسے بعض نعمائے جنت اور نعمائے دنیوی میں اشتراک اسی ہے اسی طرح جہنم کے متعلق سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

آگ میں درخت اُگنا ممکن ہے

درخت زقوم کا آگ میں اُگنا کوئی قابل تعجب امر نہیں ممکن ہے اس کا مزاج نار ہی ہو جیسے بعض کیڑے آگ میں پلتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سہارنپور یوپی کے کمپنی باغ میں ایک درخت تھا جس سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کھجور جیسے تھے جن کی نشوونما آگ کے ذریعے ہوئی تھی۔ (معارف کاندھلوی)

كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ

جیسے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے

الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ

کھولتا پانی پکڑو اُس کو اور دھکیل کر لے جاؤ بیچوں بیچ

الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾

دوزخ کے ☆

☆ یہ حکم فرشتوں کو ہوگا جو تعذیب محرم میں پر مامور ہیں۔ (تفسیر جلالین)

شان نزول سعید بن منصور نے بحوالہ ابو مالک بیان کیا کہ ابوجہل چھوارے اور مکھن لے کر آتا اور (حاضرین سے) کہتا تم رقوم تحاد (رقوم عربی میں چھوارے کے ساتھ مکھن کو ملا کر مکس کرتے تھے) یعنی وہ رقوم سے جس سے تم محمد ﷺ کو ڈراتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر معالم)

المہل۔ پگھلی ہوئی دھات یا تیل کی کالی تلچھٹ (قاموس)

فی البطون۔ یعنی کافروں کے پیٹوں میں۔

زقوم کی تلخی

نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو اللہ سے ڈرو حقاً ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کی ایک بوند زمین پر ٹپکا دی جائے تو دنیا والوں کی زندگی تلخ کر دے۔ پھر کیا حال ہوگا اس لوگوں کا جن کا کھانا ہی زقوم میں ہوگا۔ زقوم کے سوا ان کا کوئی کھانا نہ ہوگا۔

ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ ابن ابی حاتم۔ ابن حبان۔ حاکم اور بیہقی وغیرہ نے اپنی اپنی حد تک بیان کی اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

خُذُوْهُ۔ یعنی داروغہ کا فرشتوں سے (جن کو زبانیہ کہا جاتا ہے) کہا جائے گا ان کافروں کو پکڑو۔

وَعُتُلُّوْهُ۔ اور زبردستی دھکیلتے ہوئے اس کو وسط جحیم تک لے جاؤ۔ عتل کا معنی ہے کہ کسی چیز کو کھڑ پوجھ پر مضبوطی کے ساتھ پکڑنا اور زبردستی کھینچ کر لے جانا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ
الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾

☆ ان کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب ☆

حمیم ☆ وہ پانی وغیرہ جو اتنا گرم ہو کہ آنتوں کو کاٹتا ہوا باہر نکل آئے گا۔ (العیاذ باللہ من ہذا العذاب)

نحوی نکتہ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ۔ عذاب کی اضافت حمیم ہی کی طرف ہے۔ مبالغہ کے لئے کہ اصل کلام اس طرح تھا۔ صبوا فوق راسہ عذاما ھو الحمیم۔

ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

☆ چکھ تو ہی ہے بڑا عزت والا بڑا کرم والا ☆

کافروں کی ذلت

یعنی تو بھی وہی ہے جو دنیا میں بڑا معزز و مکرم سمجھا جاتا اور اپنے کو سردار ثابت کیا کرتا تھا۔ اب وہ عزت اور سرداری کہاں گئی۔ (تفسیر مظہری)

ذق۔ یعنی عذاب دینے والے فرشتے اس عذاب کا مزہ چکھ تو تو اپنے خیال میں بڑی عزت اور سرداری والا تھا۔ مغوی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخ کا کوئی فرشتہ کافر کے سر پر آہنی ضرب لگائے گا۔ سر پھٹ کر بھیجا دکھنے لگے گا۔ پھر اس کے اندر اتھائی گرم کھولتا ہوا پانی ڈالے گا اور کہے گا۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۔ ابوجہل کہا کرتا تھا میں اس وادی (مکہ) کا سب سے عزت والا اور بزرگ شخص ہوں اور توہین و توبیخ کے طور پر کہتا تھا یہ ہیں دو رح کے کارندے۔ (تفسیر مظہری)

ابوجہل کا دعویٰ اور اس کی تذلیل

اموی نے مغازی میں عکرمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل سے ملے اور فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ سے کہوں۔ وَيْلٌ لَّكَ فَوَيْلٌ (تیرے لئے ہلاکت در ہلاکت ہو) ابوجہل نے اپنے ہاتھ سے کپڑا اتارا اور کہا تو اور تیرا ساتھی (یعنی خدا) میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تو جانتا ہے کہ میں اس وادی کے تمام باشندوں سے زیادہ طاقتور رئیس اور میں ہی سب سے بزرگ اور عزت والا ہوں۔ آخر بدر میں یہ مارا گیا اور اللہ نے اس کو ذلیل کیا اور اس کے زبانی دعوی پر مار دائی اور فرمایا۔ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۔ ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بھی یہ قصہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

☆ یہ ہے جس میں تم جھگڑتے تھے ☆

کافروں کی ذلت

یعنی تم کو یہاں یقین تھا۔ یہ ہیں بھی دیکھ لو۔ سامنے ہے۔ اسی بھروسہ میں تھے کہ اس یوم حساب کو ٹال جائیں گے۔ آخر ٹلی میں کل رسمی بحثیں ہی تو آگے کچھ بھی نہیں۔ اب دیکھ لیا کہ وہ باتیں سچی تھیں جو پیغمبر نے یہاں کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾

☆ بیشک ڈرنے والے امن میں ہیں جگہ کے ☆

اللہ سے ڈرنے والے

یعنی جو یہاں اللہ سے ڈرتے رہے وہاں انہیں ہر طرح کا خوف و غم پاس نہ آئے گا۔ (تفسیر عثمانی) جنت میں ابدی نعمتوں کا اعلان۔ اسحاق نے بروایت ابوسلمہ از ابوہریرہؓ

سعید خدری اور ابو ہریرہ سے روایت لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اعلان کیا جائے گا۔ یا اھل الجنۃ ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا و ان لکم ان تحیوا فلا تموتوا ابدا وان لکم ان تنعموا فلا تبئسوا ابدا و ان لکم ان تشبوا فلا تھرموا ابدا۔ کہ اہل جنت (آگاہ ہو جاؤ) تمہارے واسطے (اب) یہ ہے کہ تم تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے اور یہ کہ تم ہمیشہ خوش رہو گے کبھی تنگی اور تنگی میں نہیں پڑو گے اور تمہارے واسطے یہ بھی ہے کہ تم ہمیشہ نوجوان اور مضبوط رہو گے کبھی بوڑھے اور کمزور نہ ہو گے۔ (معارف کاندھلوی)

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ

باغوں میں اور چشموں میں پہنتے ہیں پوشاک

سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝

باریک پتلی اور گاڑھی ایک دوسرے کے سامنے ☆

جنت کا لباس ۔ یعنی ان کی پوشاک باریک اور دبیز ریشم کی ہوگی اور ایک جنتی دوسرے سے اعراض کرتے ہوئے تکلف دستاں کی طرح آمنے سامنے بیٹھیں گے۔ (تسہیل البیان)

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے سعید بن ابی ہلال سے روایت کی ہے کہ جنت کے پردوں میں سے دو پردے پڑے ہوئے ہیں جو دنیا میں بولی بیچنے والوں کی دکان دیکھنے والے بے ہوش ہو جائیں ان کی آنکھوں کو برداشت نہ ہو سکے۔

صاحب روح المعانی میں ہے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ جنتی آدمی جنت کے اندر جو لباس پہنے گا وہ لباس اس کے جسم سے چمٹ جائے گا۔ (تسہیل تفسیر)

كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝

اسی طرح ہوگا اور بیاہ دیں گے ہم ان کو بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے ☆

(یعنی ان سے جوڑا ملائیں گے حور عین سے)

زَوَّجْنٰهُمْ ۔ سے نکاح کرانا مراد نہیں ہے بلکہ جوڑ لگانا یہ مراد ہے۔

حُوْرٌ ۔ حوراء کی جمع ہے یعنی صاف گوری عورتیں جن کے رنگ کی صفائی اور گورے پن کو دیکھ آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔

عین ۔ عیناء کی جمع ہے فراخ چشم حوریں۔

حور کی بناوٹ اور حسن ۔ طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے یوں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حور عین لونڈی ان سے بنایا گیا ہے۔ بیہقی نے حضرت انس کی مرفوع اور حضرت ابن عباس کی موقوف حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے اور مجاہد سے بھی یہ روایت آئی ہے۔

ابن مبارک نے زید بن اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے حوروں کو مشک سے کیوں بنایا مگر اس کا تخلیقی قوام مشک کا نور اور زعفران کا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حور مندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب سے سمندر کی شیرینی سے سمندر میٹھا ہو جائے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اگر حور اپنی ہتھیلی زمین آسمان کے درمیان برآمد کرے تو اس کے حسن کی وجہ سے دنیا والی ہو جائے اور اگر حور اپنی اوڑھنی نکال دے تو سورج اس کے سامنے ایسا معلوم ہو جیسے سورج کے سامنے ایک بے نور بتی اور اگر حور اپنا چہرہ نمودار کر دے تو اس کے حسن سے زمین و آسمان کے درمیان کی ساری فضا جھلک جائے۔

دنیا کی عورتوں کا حسن ۔ سلمہ نے حسان بن عطیہ کا قول نقل کیا ہے کہ دنیا والی عورتیں جب جنت میں جائیں گی تو (حسن میں) حور عین سے بڑھ جائیں گی۔ (تسہیل تفسیر)

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝

منگوائیں گے وہاں ہر میوہ دلجمعی سے ☆

(یعنی جیسے میوے کو جی چاہے گا فوراً حاضر کرا دیا جائے گا کوئی فکر نہ ہوگی۔ پوری دلجمعی سے کھائیں پئیں گے۔ (تسہیل البیان)

جنت میں ہر قسم کا پھل ہوگا

ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباس سے حوالے سے لکھا ہے کہ دنیا میں کوئی پھل میٹھا ہو یا کڑوا ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو یہاں تک کہ حنظل بھی (جنت میں ہوگا)۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے جنت میں جو چیزیں ہیں دنیا میں بس ان کے نام ہی نام ہیں۔ (تسہیل تفسیر)

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ

نہ چکھیں گے وہاں موت مگر جو

الْاُوْلٰى ۚ

پہلے آ چکی ☆

دائمی زندگی ۔ یعنی جو موت پہلے آ چکی، وہ چکی اب آگے کبھی موت نہیں (تسہیل البیان)

وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ فَضْلًا

اور بچایا ان کو دوزخ کے عذاب سے فضل سے

مِّنْ رَّبِّكَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

تیرے رب کے یہی ہے بڑی مراد ملنی ☆

بڑی کامیابی ☆ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے اور امداد آباد کے لئے مورد الطاف و افضال بنے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ پر کسی کا حق نہیں جنت کا ملنا اللہ کی رحمت ہے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۔ یعنی اہل تقویٰ کو جو کچھ ملے گا اللہ کی مہربانی سے ملے گا۔ اللہ اپنے فضل و رحمت سے ان کو عطا کرے گا حق کسی کا خدا پر نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ دوزخ سے پناہ دے گا اور نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا) بغیر اللہ کی رحمت کے۔ رواہ مسلم۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ یعنی بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ تمام مکروہات سے نجات اور مقصد تک رسائی یہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے اعمال بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اس کو تیری بولی میں تاکہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

وہ یاد رکھیں ☆

تیسیر قرآن ☆ یعنی اپنی مادری زبان میں آسانی سے سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اب تو راہ دیکھ وہ بھی راہ تکتے ہیں ☆

وقت بتا دے گا ☆ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپ چندے انتظار کیجئے۔ ان کا بدانجام سامنے آ جائے گا یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے لیکن آپ دیکھتے جائیے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔

تم سورۃ الدخان بفضل اللہ ورحمتہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

سورة الجاثيه

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ زاہدوں میں سے ہوگا۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ جاثیہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ

اتارنا کتاب کا ہے اللہ کی طرف سے

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

جو زبردست ہے حکمتوں والا بیشک آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

اور زمین میں بہت نشانیاں ہیں ماننے والوں کے واسطے

ایمان کی دلیل ☆ یعنی آدمی ماننا چاہے تو اسی آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کر کے مان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے جس نے کمال حکمت و خوبی سے ان کو بنایا اور لامحدود قدرت سے ان کی حفاظت کی۔

العزة تدل على التعزز والاقدام تدل على المسير فكيف لا يدل هذا النظام العجيب الغريب على الصانع اللطيف الخبير (تفسیر عثمانی)

العزیز۔ انتقام لینے (یعنی عذاب دینے) میں غالب اور تدبیر و انتظام خلائق حکمت سے کرنیوالا۔ (تفسیر مظہری)

حدیث شریف میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بے قدری کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ

اور تمہارے بنانے میں اور جس قدر پھیلا رکھے ہیں جانور

اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ۝

نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں ☆

☆ یعنی انسان خود اپنی بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو درجہ عرفان و ایقان تک پہنچانے والی ہزار ہا نشانیاں اس کو ملیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی تدریجی بناوٹ۔ وفی خلقکم یعنی تم میں سے ہر ایک کے پیدا کرنے میں قدرت و وحدانیت کی نشانیاں ہیں ہر انسان کی تخلیق نطفہ سے ہوئی۔ نطفہ جم کر لوتھڑا بنا پھر لوتھڑا بوٹی بنا یہاں تک کہ (تدریجی مراحل طے کر کے) انسان بن گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ

اور بدلنے میں رات دن کے اور جو

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ

جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی ☆

رزق کا جوہر ☆ یعنی پانی آسمان کی طرف سے اتارا جو ادھ ہے روزی کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

پھر زندہ کر دیا اُس سے زمین کو اُس کے مر جانے کے بعد

وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ

اور بدلنے میں ہواؤں کے نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے

یَّعْقِلُوْنَ ۝

واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں

غور کی ضرورت ☆ یعنی ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ

یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں

بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ

تجھ کو ٹھیک ٹھیک پھر کونسی بات کو

اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝

اللہ اور اس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے ☆

اللہ کی بات سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ ☆ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے اور کس کی باتیں چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے جب اس بڑے مالک کی ایسی سچی اور صاف باتیں بھی کوئی بد بخت قبول نہ کرے تو آخر کس چیز کا منتظر ہے جسے قبول کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ

خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے کہ سنتا ہے باتیں

اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

اللہ کی کہ اُسکے پاس پڑھی جاتی ہیں پھر ضد کرتا ہے غرور سے

كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا ۚ

گویا سنا ہی نہیں ☆

ضد اور غرور ☆ یعنی ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا اس کی شیخی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کے رموز: لفظ ثم عربی میں تراخی کے لئے آتا ہے) سماع آیات کے بعد کفر پر جمار ہا بہت ہی بعید ہے۔ اسی بُعد کو ظاہر کرنے کے لئے اس جگہ لفظ ثم استعمال کیا گیا ہے (یعنی بعد زمانی کے قائم مقام بُعد مرتبہ کو قرار دیا اور لفظ ثم سے اس کا اظہار کیا) مستکبرًا۔ ایمان کو (ذلیل حرکت سمجھ کر اس سے) تکبر کرنیوالا۔ (تفسیر مظہری)

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَاِذَا

سو خبر دے اُسکو ایک عذاب دردناک کی اور جب

عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا

خبر پائے ہماری باتوں میں سے کسی کی اُس کو ٹھہرائے

هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ

ٹھٹھا ایسوں کو ذلت کا عذاب

مُّهِيْنٌ ۝۹

ہے ☆

غرور کی سزا ☆ یعنی جس طرح وہ آیات اللہ کے ساتھ اہانت واستخفاف کا معاملہ کرتا ہے سزا بھی سخت اہانت ودلت کی ملے گی جو آگے آرہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ

پرے ان کے دوزخ ہے اور کام نہ آئیگا ان کے

مَّا كَسَبُوْا شَيْـــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ

جو کمایا تھا ذرا بھی اور نہ وہ کہ جن کو پکڑا تھا

دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ

اللہ کے سوائے رفیق

کوئی چیز کام نہ آئے گی ☆ یعنی اموال اولاد وغیرہ کوئی چیز اس وقت کام نہ آئے گی نہ وہ کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا معبود یا رفیق ومددگار بنا رکھا تھا اور جن سے بہت کچھ اعانت وامداد کی توقعات تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۱۰ هٰذَا هُدًى ۚ

اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے یہ سمجھا دیا

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ

اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے ان کے لئے

عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝۱۱

عذاب ہے ایک بلا کا دردناک ☆

عظیم ہدایت ☆ یعنی یہ قرآن عظیم الشان ہدایت ہے جو سب طرح کی برائی بھلائی انسان کو سمجھانے کے لئے آئی ہے جو اس کو نہ مانیں وہ سخت غلیظ اور دردناک عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو

لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ

کہ چلیں اس میں جہاز اس کے حکم سے ☆

تسخیر کائنات ☆ یعنی سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ تم بے تکلف اپنی کشتیاں اور جہاز اس میں لئے پھرتے ہو میلوں کی گہرائیوں کو پایاب کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

اور تاکہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تاکہ

تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲

تم حق مانو ☆

☆ یعنی بحری تجارت کرو یا شکار کھیلو یا اس کی تہ میں سے موتی نکالو اور سب منافع وفوائد حاصل کرتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولو اس کا حق پہچانو زبان و دل اور قلب وقالب سے شکر ادا کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ

زمین میں سب کو اپنی طرف سے ☆

☆ یعنی اپنے حکم اور قدرت سے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا یہ اسی کی مہربانی ہے کہ ایسی ایسی عظیم الشان مخلوقات انسان کی خدمت گذاری میں لگی ہوئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سخر۔ یعنی سمندر کی سطح چکنی ہموار بنائی۔ تختہ۔ لکڑی وغیرہ اس کے اندر گھس جائے تو پھر ابھر کر تیرنے لگتی ہے اور اس کے اندر غوطہ لگایا جا سکتا ہے۔

بامرہ۔ اپنے حکم سے یعنی اپنے تسخیری حکم سے۔

من فضلہ۔ یعنی تجارت۔ غوطہ زنی اور شکار کے ذریعہ سے خدا داد رزق تم طلب کرو۔

ما فی السموت۔ یعنی چاند سورج ستارے پانی برف وغیرہ۔

ما فی الارض۔ یعنی حیوانات نباتات معدنیات چشمے نہریں دریا وغیرہ۔
منہ۔ اپنی طرف سے یعنی ان سب چیزوں کو اپنی طرف سے مسخر بنالیا ہے
یا یہ مطلب ہے کہ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں۔
حضرت ابن عباسؓ نے جمیعا منہ کی تشریح میں فرمایا یہ سب
چیزیں اللہ کی طرف سے رحمت ہیں زجاج نے کہا یہ سب چیزیں اللہ کی طرف
سے مہربانی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں ☆

غور کرو ☆ آدمی دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیز اس کے بس کی نہ تھی
محض اللہ کے فضل اور اس کی قدرت کاملہ سے یہ اشیاء ہمارے کام میں لگی ہوئی
ہیں تو لامحالہ ہم کو بھی کسی کے کام میں لگنا چاہئے وہ کام یہی ہے کہ اس منعم حقیقی
اور محسن علی الاطلاق کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں اپنی حیات مستعار
کے لمحات صرف کردیں تاکہ آئندہ چل کر ہمارا انجام درست ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا

کہہ دے ایمان والوں کو درگذر کریں ان سے جو امید نہیں

یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ

رکھتے اللہ کے دنوں کی ☆

ایام اللہ ☆ "ایام اللہ" (اللہ کے دنوں) سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ اپنے
دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے یا اپنے فرمانبرداروں کو کسی خصوصی انعام واکرام سے
سرفراز فرمائے۔ لہٰذا "لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ" سے وہ کفار مراد ہوئے جو
اس کی رحمت سے ناامید اور اسکے عذاب سے بے فکر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول (۱) بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور قتادہ کا بیان نقل کیا
ہے کہ مکہ میں ایک غفاری شخص نے حضرت عمرؓ کو گالی دی حضرت عمرؓ نے اس
کی پکڑ (یعنی اس پر حملہ) کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔
(۲) بغوی نے قرظی اور سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حکم جہاد سے پہلے مکہ
میں مسلمانوں کو مشرک سخت اذیتیں دیتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے اس کا شکوہ کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر آیت جہاد سے
اس آیت کا حکم منسوخ کردیا گیا۔
یغفروا۔ یعنی آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے معاف کردو اگر آپ ان کو
معافی کا حکم دیدیں گے تو وہ معاف کردیں گے۔
لا یرجون۔ جو امید نہیں کرتے اور خوف نہیں کرتے۔
ایام اللہ۔ یعنی ان واقعات سے جو اللہ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ
کئے۔ مطلب یہ کہ ان اوقات کے آنے کی ان کو امید بھی نہیں جو اللہ نے
مومنوں کی نصرت وکامیابی کے لئے مقرر کر رکھے ہیں۔
(۳) غزوۂ بنو المصطلق کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن
ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا۔ اس نے اپنے غلام کو کنویں سے پانی
بھرنے کیلئے بھیجا اُسے واپسی میں دیر ہوگئی عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس
نے کہا کہ حضرت عمرؓ کا ایک غلام کنویں کے ایک کنارے پر بیٹھا ہوا تھا اس نے کسی
کو اس وقت تک پانی بھرنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے مشکیزے نہیں بھر گئے۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا
"ہم پر اور ان لوگوں پر تو وہی مثل صادق آتی ہے سمن کلبک یاکلک
(اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا) حضرت عمرؓ کو اسکی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار
سنبھال کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس روایت کے
مطابق یہ آیت مدنی ہے (قرطبی وروح المعانی) (معارف ابن کثیر)

درگذر کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ
یہ حکم ابتداء اسلام میں سے تھا کہ مسلمان کافروں کی ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کریں اور
درگزر سے کام لیں اور اہل کتاب سے بھی ایسا ہی معاملہ رکھیں تاکہ تالیف قلبی ہو اور وہ
اسلام سے قریب ہوسکیں۔ لیکن جب کافروں پر اس مروت اور حسن خلق کا کوئی اثر نہ
ہوا بلکہ وہ پہلے سے زائد عناد ودشمنی برتنے لگے تو جہاد کا حکم نازل ہوا۔ قتادہ ومجاہد اور
حضرت عبداللہ بن عباس سے یہی منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) (معارف کاندھلوی)

لِیَجْزِیَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

تاکہ وہ سزا دے ایک قوم کو بدلہ اس کا جو کماتے تھے ☆

صبر وتحمل کا صلہ ☆ یعنی مسلمان آپ ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں اللہ
پر چھوڑ دیں، وہ ان کی شرارتوں پر کافی سزا اور مومنین کے صبر وتحمل اور عفو
ودرگزر کا مناسب صلہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ

جس نے بھلا کام کیا تو اپنے واسطے اور جس نے

اَسَآءَ فَعَلَيْهَا
برا کیا سو اپنے حق میں ☆

بھلائی اور برائی ☆ یعنی بھلے کام کا فائدہ کام کرنے والے کو پہنچتا ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا سچ کر رہا ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی غرض ہر شخص اپنے نفع و نقصان کی فکر کرے اور جو عمل کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا سود و زیاں اسی کی ذات کو پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾
پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے ☆

☆ یعنی وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آ جائے گی اور ہر ایک اپنی کرتوت کا پھل چکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ
اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ
اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری
الطَّيِّبٰتِ
چیزیں ☆

بنی اسرائیل پر روحانی و جسمانی انعامات

☆ یعنی تورات دی اور سلطنت یا قوت فیصلہ یا دانائی کی باتیں یا دین کی سمجھ عطا کی اور کس قدر کثرت سے پیغمبران میں سے اٹھائے یہ تو روحانی غذا ہوئی، جسمانی غذا دیکھو تو وہ بھی بہت افراط سے دی گئی حتیٰ کہ من و سلویٰ اتارا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾
اور بزرگی دی اُن کو جہان پر ☆

☆ یعنی اس زمانہ میں سارے جہان پر ان کو فضیلت کلی حاصل تھی اور بعض فضائل جزئیہ کے اعتبار سے اس زمانہ کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَضَّلْنٰهُمْ۔ اور مراتب قرب عطا کر کے ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو یعنی انبیاء کو ان کے زمانے کے لوگوں پر فوقیت عطا کی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ان کے زمانے میں اللہ کا محبوب اور اللہ کے نزدیک معزز کوئی بھی ان سے زیادہ نہ تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ
اور دیں اُن کو کھلی باتیں دین کی ☆

☆ یعنی نہایت واضح اور مفصل احکام یا کھلے کھلے معجزات جو دین کے باب میں بطور حجت و برہان کے پیش کیے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ۔ امر دین کی کھلی دلیلیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان تمام امور کا علم عطا فرما دیا تھا جن کو جاننا اور ان پر عقیدہ رکھنا ضروری تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور بعثت کی نشانیاں بھی بتا دی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی یقینی طور پر جانتے پہچانتے تھے جتنا اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
پھر انہوں نے پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آ چکنے کے بعد
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
آپس کی ضد سے بیشک تیرا رب فیصلہ کریگا
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ
اُن میں قیامت کے دن جس بات میں وہ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾
جھگڑتے تھے ☆

امتوں میں فرقہ بندی کی علت

☆ یعنی آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر بے شمار فرقے بن گئے۔ جس کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ ان کا منشاء نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَا اخْتَلَفُوْٓا۔ یعنی امور دین میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ان کا باہمی اختلاف اسی وقت ہوا جب ان کو حقیقت کا علم ہو گیا اور یہ اختلاف محض آپس کی عداوت، حسد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہوا کسی محکم دلیل کی روشنی میں یہ اختلاف نہیں تھا۔ آیت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے

کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اکثر معتبر فرقے کسی دلیل کی روشنی میں نہیں بنے گئے تھے بلکہ محض آپس کی ضد اور حسد سے بنے تھے۔ امت اسلامیہ کے تہتر فرقے بھی کسی محکم دلیل کی بنا پر نہیں ہو گئے بلکہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں صرف اتباع وہم کی وجہ سے ہو گئے۔ (اسی وہم کو ہر فرقہ والا فہم و دانش قرار دیتا ہے) جیسے فرق معتزلہ نے فلاسفہ کے اتباع میں بہت سے مسائل (دینی) کا فیصلہ کرنے اور حق کو باطل سے ممتاز بنانے کے لئے عقل کو کافی قرار دیا (اور ظاہر نصوص کی مخالفت کی۔ مترجم) یا مجسمہ نے خیال کر لیا کہ ہر موجود کا جسم ہونا ضروری ہے (اس لئے خدا کا بھی جسم ہے) یا محض حسد و عناد سے کچھ فرقے (اجماع امت سے الگ ہو کر) بن گئے۔ جیسے خارجی اور شیعہ۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ

پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا

سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

نادانوں کی☆

صراط مستقیم ☆ یعنی ان اختلاف اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپ کو دین کے صحیح راستہ پر قائم کر دیا تو آپ کو اور آپ کی امت کو چاہئے کہ اس راستہ پر برابر مستقیم رہے کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے مثلاً ان کی خواہش یہ ہے کہ آپ ان کے طعن و تشنیع اور علم و قدمی سے تنگ آ کر دعوت و تبلیغ ترک کر دیں یا مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف و تفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں اندریں صورت واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔ (تفسیر حقانی)

شَرِيْعَةٍ۔ حق راستہ صراط مستقیم جس پر چلنے کا انبیاء کو حکم دیا گیا تھا۔

مِّنَ الْاَمْرِ۔ الامر سے مراد ہے امر دین۔

فَاتَّبِعْهَا۔ یعنی اے محمد آپ شریعت حق پر چلئے۔

وَلَا تَتَّبِعْ۔ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ لیکن خطاب کا اصل رُخ امت کی طرف ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ کا مطلب علم تو ان کو تھا وہ جانتے تھے لیکن قصداً انہوں نے اللہ کی کتاب پر عمل ترک کر دیا تھا اور آیات کتاب کی غلط تاویلیں کرتے تھے تو گویا وہ علم ہی سے محروم تھے جیسے علماء یہود تھے اسی طرح مسلمانوں میں سے دو فرقے بھی جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے تھے اور اپنی خواہشات کے تابع تھے۔ (تفسیر مظہری)

قانونِ شریعت کے اجزاء : قانون شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ بصیرت ہدایت اور رحمت ترتیب طبعی بھی ایسی ہی ہے انسان کی پہلے آنکھیں کھلتی ہیں تو صحیح راستہ نظر آتا ہے اور منزل مقصود پہچان کر اس کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے تو بصیرت راستہ نظر آتا ہوا اور ہدایت منزل تک پہنچانے والے راستہ پر چل پڑتا ہے اور رحمت حصول مقصد اور وصول منزل پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا نام ہے۔ (سعادت کا ندھلوی)

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ

وہ ہرگز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے ذرا بھی☆

☆ یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔ (تفسیر حقانی)

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ رفیق ہے ڈرنے والوں کا☆

سچے مسلمان ☆ یعنی منصف اور راستی پسند مسلمان ظالم اور بے راہ رو کافروں کے رفیق نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اللہ کے مطیع بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا رفیق و مددگار ہے۔ لازم ہے کہ اسی کی راہ چلیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ (تفسیر حقانی)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے پس آپ تقویٰ اختیار کیجئے اور شریعت پر چلیے۔ دونوں جملوں سے در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کافر آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے اور دونوں کی دوستی میں عظیم الشان فرق ہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى

یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے اور راہ کی

وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں☆

بصیرت افروز حقائق ☆ یعنی یہ قرآن بڑی بڑی بصیرت افروز حقائق پر مشتمل ہے لوگوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہ سجھاتا ہے اور جو خوش قسمت اس کی ہدایت و نصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے حق

میں حصہ بھی اور پر قرآن رحمت و برکت ہے۔ (تفسیر حقانی)

لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۔ یعنی یقین کرنے والوں کے لئے۔ اس سے دونوں جہاں میں کامیاب ہونے کے طریقے ظاہر ہو جاتے ہیں **هُدًى وَرَحْمَةٌ** ۔ اللہ کی طرف سے راہنمائی اور رحمت ہے۔ **لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ** ۔ ان لوگوں کے لئے جو اس کے اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن
کیا خیال رکھتے ہیں جنہوں نے کمائی ہیں برائیاں کہ ہم
نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
کر دیں گے ان کو مانند ان لوگوں کے جو کہ یقین لائے اور کئے بھلے کام
سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَاءَ مَا
ایک سا ہے ان کا جینا اور مرنا برے دعوے ہیں
يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾
جو لگے ہیں

مومن و کافر ☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیون حکمت پر نظر کرتے ہوئے کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ ایک بدمعاش آدمی، اور ایک مرد صالح کے ساتھ خداوند تعالیٰ یکساں معاملہ کرے گا۔ اور دونوں کا انجام برابر کر دے گا، ہرگز نہیں نہ اس زندگی میں دونوں برابر ہو سکتے ہیں نہ مرنے کے بعد جو سیئات طیہ مومن صالح کو یہاں نصیب ہوتی ہے اور جس نصرت، رعایت اور رفعت کے وعدے دنیا میں اس سے کئے گئے وہ ایک کافر بدکار کو کہاں میسر ہیں اس کے لئے دنیا میں معیشت ضنک اور آخرت میں لعنت و خسران کے سوا کچھ نہیں الغرض یہ دعویٰ بالکل غلط اور یہ خیال بالکل مہمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں کا مرنا اور جینا برابر کر دے گا۔ اس کی حکمت اس کو مقتضی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ دونوں کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا اور ہر ایک نیکی یا بدی کے آثار فی الجملہ یہاں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل معائنہ موت کے بعد ہو۔ (تفسیر حقانی)

شان نزول اس آیت کا نزول مکہ کے ان مشرکوں کے حق میں ہوا جنہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو یعنی قیامت اگر واقع میں ہوئی بھی تب بھی ہم تم سے آخرت میں برتر رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم کو برتری حاصل ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا ۔ یعنی کیا کافر ایمان والوں کی مثل ہم ان کو کر دیں گے۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ ہاں جس طرح دنیوی زندگی کے اندر رزق اور صحت میں کافر و مومن، ابرار و فجار یکساں ہیں یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد بھی عزت اور نجات میں یہ لوگ مومنوں کی طرح ہو سکیں گے یا یہ مطلب ہے کہ دنیا اور آخرت میں مومن اللہ کا محبوب ہے اور کافر سے دونوں جہاں میں اللہ کی نفرت ہے دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ **سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ** ۔ یعنی دونوں فریق کے متعلق کیسا برا فیصلہ ہے (خلاصہ)۔

حضرت تمیم داریؓ کا قیام اللیل مسروق کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ کے بھائی تمیم داریؓ کی قیام گاہ سے ایک رات صبح تک یا جب صبح ہونے والی ہی تھی اس وقت تک دو آیت **أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَن نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** الخ برابر پڑھتے رہے اور رکوع اور سجدے کرتے رہے اور روتے رہے۔ (تفسیر مظہری)

نیک لوگ بروں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں

حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس طرح پھول سے درخت سے اگور پیدا نہیں ہو سکتے اسی طرح بدکار و بد کا دل سے کوئی وجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ نیز بہت سے اہل علم میں ہے کہ اللہ کی بندوں میں سے ایک چھ لاکھ کی مخلوق پر لعنت سوا تھا تم پر ایمان لانے والے نیکیوں کی امید رکھتے ہوئے بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص انگور بیجتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ
اور بنایا اللہ نے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں
وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ
اور تاکہ بدلہ پائے ہر کوئی اپنی کمائی کا اور ان پر
لَا يُظْلَمُونَ
ظلم نہ ہوگا ☆

زمین و آسمان کا پیغام ☆ یعنی زمین و آسمان کو یونہی بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد کے لئے بنایا ہے۔ تا ان کے احوال میں غور کر کے لوگ معلوم کر سکیں کہ بے شک جو چیز بنائی گئی ٹھیک موقع سے بنائی اور تا اندازہ کر لیا جائے کہ ضرور ایک دن اس کارخانہ ہستی کا بڑی عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ جہاں ہر ایک کو اسکی کمائی کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

؎ گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافات عمل غافل مشو (مسنون)

چار چیزیں دین کی اصل ہیں: مسند ابو یعلیٰ میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چار چیزوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنا رکھی ہے جو ان سے ہٹ جائے اور ان پر عامل نہ بنے وہ خدا سے فاسق ہو کر ملاقات کرے گا۔ پوچھا گیا کہ وہ چاروں کیا ہیں؟ فرمایا یہ کہ کامل عقیدہ رکھے کہ حلال وحرام، حکم وممانعت یہ چاروں صرف خدا کی اختیار میں ہیں۔ اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام بتائے ہوئے کو حرام ماننا اس کے حکموں کو قابل تعمیل اور لائق تسلیم جاننا اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے باز آ جانا اور حلال وحرام امر ونہی کا مالک صرف اسی کو جاننا بس یہ دین کی اصل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ولتجزی: اللہ کی ہستی اس کی قدرت تامہ انصاف اور صفات کاملہ پر استدلال اس کائنات کا مقصد ہے اور یہ بھی غرض ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا یعنی تا کردہ گناہ کو عذاب یا جرم سے زیادہ عذاب نہ دیا جائے گا نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ
بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
اور راہ سے بچلا دیا اُسکو اللہ نے جانتا بوجھتا ☆

بدبخت: یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور اسی قابل ہے کہ سیدھی راہ سے ادھر ادھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھنے بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابن جریر اور ابن المنذر کا بیان ہے اور بغوی نے سعید بن جبیر کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے کہ عرب پتھروں کی اور سونے چاندی کی پوجا کرتے تھے جب کوئی پتھر پہلے سے اچھا مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے توڑ ڈالتے اور دوسرے کو پوجنے لگتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

سب سے برائت: حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوی ہے یعنی خواہش نفسانی۔

عقل مند کون ہے: حضرت شداد ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور مابعد الموت کے واسطے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو اپنے نفس کو اسکی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اسکے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے۔

ایک بیماری جو خود اپنی دوا بھی ہے

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا کہ تمہاری بیماری تمہاری نفسانی خواہشات ہیں۔ ہاں اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے (یہ سب روایات قرطبی سے لی گئی ہیں) (معارف مفتی اعظم)

اَفَرَءَيْتَ: فرأیت سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا آپ اس کو ہدایت کرنا چاہتے ہیں اور آپ نے دیکھ بھی لیا ہے کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ایسے آدمی کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ یہ اللہ کے اوامر ونواہی کو ترک کر کے اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے گویا اس نے خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، حسن اور قتادہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے اس کافر نے اپنا دین نفسانی ہوا وہوس کو بنا رکھا ہے پس جس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کو اختیار کرتا ہے کیونکہ اللہ پر اس کا ایمان نہیں وہ خدا سے ڈرتا نہیں اور جس کام سے اللہ نے روکا ہے اس سے رکتا نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے اس نے اپنا معبود ہوا اور ہوس کو بنا رکھا ہے اپنی نفسانی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔

شعبی نے کہا ہوی کو ہوا اس لئے کہا جاتا ہے (کہ ہوی کا معنی ہے لڑھکانا نیچے گرانا اور) خواہشات اپنے پرستار کو دوزخ میں گرا دیتی ہیں۔

علی علم: یعنی اللہ اس کی گمراہی اور (فطری) استعداد کی خرابی کو جانتا تھا اس بناء پر اس کو گمراہ کیا یا یہ مطلب ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے اللہ کو علم تھا کہ یہ گمراہ ہوگا۔

علم کی وجہ سے صحابی رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت ابوعبداللہ صحابیؓ کی عیادت کے لئے لوگ گئے تو آپ کو روتا پایا۔ دریافت کیا آپ کیوں روتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اپنی لبیں لے لو پھر اس پر قائم رہو یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) مجھ سے آ کر ملو۔ حضرت ابوعبداللہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے لیکن یہ بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ نے اپنی دائیں مٹھی میں کچھ (روحوں کو) لیا اور کچھ (روحوں) کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں لیا اور فرمایا یہ اس کے لئے (یعنی جنت کے لئے) ہیں اور یہ اس کے لئے (یعنی جہنم کے لئے) ہیں اور میں (سب سے) بے پرواہ ہوں اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
اور مہر لگا دی اُسکے کان پر اور دل پر اور ڈال دی
عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ
اُس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اُس کو
مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾
اللہ کے سوائے سو کیا تم غور نہیں کرتے ☆

خواہش پرستی ☆ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرالے، جدھر اس کی خواہش لے چلے ادھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اسکے پاس یہی خواہش نفس رہ جائے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کے اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کی کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے کونسی طاقت ہے جو اس کے بعد اسے راہ پر لے آئے۔ (تیسیر حقانی)

عالم آخرت اور اس میں جزا و سزا: یہ بات تو ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کسی کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ دنیا میں اچھے برے اعمال کا بدلہ پورا نہیں ملتا بلکہ عام طور سے کفار فجار دولت دنیا اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کے اطاعت شعار بندے فقر و فاقہ اور مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول تو دنیا میں بدکردار مجرموں کے جرم کا علم ہی اکثر نہیں ہوتا۔ علم بھی ہو گیا تو اکثر پکڑے نہیں جاتے' کبھی پکڑے بھی گئے تو حلال حرام جھوٹ سچ کی پروا کئے بغیر سزا سے بچنے کے راستے ڈھونڈ لیتے ہیں اور سینکڑوں میں کسی ایک کو سزا ہو بھی گئی تو وہ بھی اسکے عمل کی پوری سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے باغی اپنی خواہشات کے پیرو اس دنیا کی زندگی میں دندناتے پھرتے رہتے ہیں اور بیچارے مومن پابند شریعت بہت سی دولت اور لذتوں کو تو حرام سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور مصائب و آفات سے بچنے کے لئے بھی صرف جائز طریقے اختیار کرتے ہیں اس لئے دنیا میں ان کا بڑی راحتوں اور لذتوں سے محروم رہنا ظاہر ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اعمال کی پوری جزا نہیں ملتی تو اب اگر اس دنیا کے بعد دوسرا عالم آخرت اور آئیں دوبارہ زندگی اور جزا و سزا کا نظام نہ ہو تو پھر دنیا میں کسی چوری ڈاکے زنا قتل وغیرہ کو جرم کہنا حماقت کے سوا کیا ہے۔ یہ لوگ تو اکثر دنیا میں بڑی کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ ایک چور ڈاکو رات بھر میں اتنی دولت حاصل کر لیتا ہے جو ایک گریجویٹ سالوں کی ملازمت اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا' تو اگر آخرت اور اسکا حساب کتاب کچھ نہ ہو تو اس چور ڈاکو کو اس شریف گریجویٹ سے بہتر اور افضل کہنا پڑے گا جو کوئی ذی عقل گوارا نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہنا کہ ان لوگوں پر دنیا میں سخت سزائیں ہر حکومت میں مقرر ہیں مگر آجکل کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ مجرم صرف دو پکڑا جاتا ہے جو بے وقوف ہو' ہوشیار عادی مجرم کے لئے سزا سے بچنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں ایک رشوت ہی کا چور دروازہ اسکے فرار کیلئے کافی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ

اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے ☆

بے وقوفانہ استدلال ☆ یعنی اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں بس یہ ہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ رئین سے اگا' خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا، یہ ہی حال آدمی کا سمجھو ایک وقت آتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک زندہ رہتا ہے' آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے۔ یہ ہی سلسلہ موت و حیات کا دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔ (تیسیر حقانی)

مشرکین اور فلاسفہ کی نادانی. فلاسفہ کے نزدیک زمانہ حرکت فلکیہ کا نام ہے تو اس نوع کے لوگ فلک کو برا بھلا کہہ کر اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لا تسبوا الدهر فان الله هو الدهر کہ زمانہ کو گالیاں نہ دیا کرو اللہ ہی کی قدرت دارادو زمانہ اور زمانہ کے تغیرات ہیں ایک حدیث میں آپ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص یہ کہے افسوس زمانہ کی بدنصیبی و ناکامی یا نحوست' اور ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی قبضہ میں رات دن ہے جس طرح چاہوں، زمانہ کو لوٹاتا پلٹاتا رہتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ روح المعانی جلد ۲۵۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ (معارف کاندھلوی)

دہر کا معنی اور مشرکین کا استدلال. لفظ دہر در اصل اس تمام مدت کے مجموعہ کا نام ہے جو اس عالم کی ابتدا سے انتہا تک ہے۔ اور کبھی بہت بڑی مدت کو بھی دہر کہہ دیا جاتا ہے۔ کفار نے یہ قول بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ ہماری موت و حیات کا خدا کے حکم و مشیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسباب طبعیہ کے تابع ہے جسکا مشاہدہ موت کے متعلق نسب کرنے ہیں کہ اعضاء انسانی اور اسکی قوتیں استعمال کے سبب کٹتی رہتی ہیں اور ایک زمانہ دراز گزر جانے کے بعد وہ بالکل معطل ہو جاتی ہیں اسی کا نام موت ہے اسی پر حیات کو بھی قیاس کر لو کہ وہ بھی کسی خدائی حکم سے نہیں بلکہ مادہ کی طبعی حرکتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ (معارف ملتی اعظم)

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ

اور اُن کو کچھ خبر نہیں اس کی محض

هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝

اٹکلیں دوڑاتے ہیں☆

زمانہ کو برا کہنے کا نتیجہ ☆ یعنی زمانہ نام ہے دہر کا۔ وہ کچھ کام کرنے والا نہیں کیونکہ نہ اس میں حس ہے نہ شعور نہ ارادہ، لامحالہ وہ کسی اور چیز کو کہتے ہوں گے جو معلوم نہیں ہوتی لیکن دنیا میں اس کا تصرف چلتا ہے پھر اللہ ہی کو کیوں نہ کہیں جسکا وجود اور متصرف علی الاطلاق ہونا دلائل فطریہ اور براہین عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے، اور زمانہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی معنی سے حدیث میں بتلایا گیا کہ دہر اللہ ہے اس کو برا نہ کہنا چاہئے کیونکہ جب آدمی دہر کو برا کہتا ہے اسی نیت سے کہتا ہے کہ حوادث دہر اسکی طرف منسوب ہیں حالانکہ تمام حوادث و ہر اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہیں تو دہر کی برائی کرنے سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ (تفسیر عثمانی)

علم کے حصول کے دو طریقے: (۱) بغیر غور وفکر اور بلا سوچ وبچار کے (اس علم کو مدہی کہتے ہیں)۔ (۲) اور غور وفکر کے بعد (اس علم کو برہانی اور استدلالی کہتے ہیں)۔ اور زمانہ کا مؤثر حقیقی ہونا نہ بداہۃً معلوم ہے نہ کوئی دلیل ایسی ہے جس سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہو اس لئے کافروں کو اس کا علم ہی نہیں ہے بلکہ ایک صانع حکیم کی ہستی کا ثبوت مختلف دلائل سے ملتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا
اور جب سنائی جائیں اُنکو ہماری آیتیں کھلی کھلی
كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا
اور کچھ دلیل نہیں اُن کی مگر یہی کہ کہتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾
دادوں کو اگر تم سچے ہو ☆

مشرکین کا مطالبہ ☆ یعنی جب قرآن کی آیات یا بعث بعد الموت کی دلائل اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو تب ہم تسلیم کریں گے، بے شک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بینٰت۔ یعنی واضح آیات جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر کھلے طور پر دلالت کر رہی ہیں اور منکرین کے عقیدے کے خلاف کھلا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ یا بیّنات سے مراد ہیں کھول کر بیان کرنے والی آیات۔

حُجَّتَهُمْ۔ یعنی کوئی ایسی بات حس سے استدلال کر سکیں۔ مشرکوں اور منکروں کے قول کو حجت صرف اس کے خیال کے اعتبار سے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ
تو کہہ کہ اللہ ہی جلاتا ہے تم کو پھر مارے گا تم کو پھر
يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا
اکٹھا کریگا تم کو قیامت کے دن اس میں
رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
کچھ شک نہیں پر بہت لوگ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾
نہیں سمجھتے ☆

جواب ☆ یعنی جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا، اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

یُحْیِیْکُمْ۔ یعنی جس وقت چاہتا ہے تم کو زندہ رکھتا ہے۔ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ۔ پھر جب چاہتا ہے تم کو موت دیتا ہے۔ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ۔ پھر سزا جزا کے لئے تم کو جمع کرے گا۔ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ اس میں الی زائد ہے لِ یعنی لام ہے یعنی لیوم القیمۃ۔ قیامت کے دن۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ یعنی وقوع قیامت میں ذرا شک نہیں کیونکہ اللہ کا وعدہ حق ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا جو ایجاد (آغاز آفرینش) پر قادر۔ وہ دوبارہ زندہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور سزا جزا حکمت کا تقاضا ہے (عقل چاہتی ہے کہ اعمال کا بدلہ ضرور ہو)۔ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ لیکن اکثر لوگ چونکہ کوتاہ نظر ہیں قلیل التفکر ہیں اس لئے اللہ کی قدرت کو نہیں جانتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
اور اللہ ہی کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں
وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَخْسَرُ
اور جس دن قائم ہو گی قیامت اُس دن خراب
الْمُبْطِلُونَ ﴿٢٧﴾
ہوں گے جھوٹے ☆

قیامت میں حقیقت کھلے گی ☆ اس دن ذلیل وخوار ہو کر پتہ لگے گا کہ کس دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ؕ

اور تو دیکھے ہر فرقہ کو کہ بیٹھے ہیں گھٹنوں کے بل ☆

☆ یعنی خوف و ہیبت سے۔ (تفسیر جلالین)

جَاثِيَةً کا معنی جثو سے مشتق ہے جس کے معنی گھٹنوں کے بل بیٹھنے کے ہیں اور حضرت سفیان نے فرمایا۔ جثوا اس طرح بیٹھنے کو کہتے ہیں جس طرح رکین پر صرف گھٹنے اور پاؤں کے پنجے ٹک جائیں اس طرح کی نشست ہول اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔

تمام اہل محشر پر خوف طاری ہوگا اور خاص کُلَّ اُمَّةٍ کے لفظ سے یہ ہے کہ یہ صورت خوف تمام اہل محشر مومن کافر فریق، مدعی کو پیش آئے گی اور بعض دوسری آیات اور روایات میں جو محشر کے خوف افزع سے انبیاء و صلحاء کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے یہ اسکے منافی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ دہشت و خوف تھوڑی مدت کے لئے انبیاء و صلحاء پر بھی طاری ہو مگر تھوڑی و قلیل ہونے کی بناء پر اسکو نہ ہونے کے حکم میں رکھا گیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کُلَّ اُمَّةٍ سے مراد عام اہل محشر تہ ہوں بلکہ اکثر مراد ہوں جیسا کہ لفظ کل بعض اوقات اکثر کے لئے بولا جاتا ہے اور بعض حضرات مفسرین نے جاثیہ کے معنی ایسی نشست کے کئے ہیں جیسے نماز میں ہوتی ہے تو یجثو، اسکال خوفہ ہی مفسر وحاتم نے کہا کہ یہ نشست خوف کی نہیں ادب کی نشست ہے۔ (روح، معنی ظہر)

جاثیہ کا ایک اور مفہوم یغوی نے لکھا ہے جاثیہ وہ لوگ بیٹھنے والی فریق معاملہ جب حاکم کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرتا ہے تو وہ لوگ بیٹھ کر پیش کرتا ہے اور فیصلہ کا انتظار کرتا ہے۔ حضرت حسن نے فرمایا میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں گا جو دوزانوں ہو کر اللہ کے روبرو اپنا جھگڑا پیش کرے گا۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ کی آیت هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ کی تفسیر میں اس کی وضاحت کر دی ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا قیامت کے دن ایک ساعت ایسی ہوگی جو دس سال کی ہوگی سب لوگ اس مدت کے دوران دوزانوں پڑے ہوں گے۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم بھی پکار اٹھیں گے نفسی نفسی۔ میں صرف اپنے نفس کے بچاؤ کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ

ہر فرقہ بلایا جائے اپنے دفتر کے پاس آج

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

بدلہ پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے ،

سب کو اعمال نامے دیئے جائیں گے

☆ یعنی اعمالنامہ کی طرف بلایا جائے گا کہ آؤ اسکے موافق حساب دو آج ہر ایک کو اسی کا بدلہ ملے گا جو اس نے دنیا میں کمایا تھا۔ (تیسیر ہنی)

اتنا سے مراد اس جگہ اکثر مفسرین کے نزدیک وہ نامہ اعمال ہے جو فرشتے دنیا میں لکھتے رہے تھے اور اس محشر میں یہ سب نامہ اعمال ان کو دیئے جائیں گے۔ ایک آدمی کا نامہ اعمال اسکے ہاتھ میں پہنچ جائیگا اور اس سے کہا جائے گا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا یعنی اپنا نامہ اعمال پڑھو اور خود ہی حساب لگاؤ کہ تمہیں ان اعمال کا کیا بدلہ ملنا چاہئے۔ اور اس اعمال نامہ کی طرف بلانے کا مطلب اسکے حساب کی طرف بلانا ہے جیسا کہ حاشیہ تفسیر میں آ چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ (روح، معنی ظہر)

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ

یہ ہمارا دفتر ہے بولتا ہے تم سے ٹھیک ٹھیک ☆☆

☆☆ یعنی جو کام تم نے کیا ہمارا فرشتہ لکھتا رہا ان میں ذرا بھی کمی بیشی نہیں۔ (تیسیر ہنی)

حضرت سفیان ثوریؒ کی معافی کو نصیحت

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ سے کسی معاقری ایک ظریف شخص نے کہا کہ لوگ آپ سے علم سیکھنے آتے ہیں تو آپ نے انہیں نصیحت کی اور فرمایا کیوں جناب میاں آپ کو معلوم نہیں تو ایک دن آئے گا جس میں پاؤں والے خسارے میں پڑیں گے۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا، حضرت معافیؒ سنتے ہی رو پڑے اور کہنے لگے کہ ہو سکے اس نصیحت کو نہ بھولے (اتحاف السادۃ المتقین)

نامۂ اعمال اور لوح محفوظ کا تقابل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں سے کہ آسمان پر چڑھتے ہیں۔ آسمان کے دیوان عمل کے فرشتے اس نامہ اعمال کو لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں جو ہو بہو اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ علامہ ثعلبی نے لکھا ہے جسے خدا نے اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی لکھ دیا تھا تاکہ فرشتے اس میں کمی بیشی نہ پاتے پھر آپ نے اسی آخری آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ابن کثیر)

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ

ہم لکھوا لیتے تھے جو تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

کرتے تھے ،

اعمال کی رپورٹ یعنی ہمارے علم میں تو ہر چیز ازل سے ہے۔ مگر ضابطہ میں ہمارے فرشتے لکھنے پر مامور تھے ان کی لکھی ہوئی مکمل رپورٹ آج تمہارے سامنے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے یستنسخ کا ترجمہ کیا ہم اعمالناموں کی نقل کرا لیتے تھے۔ اعمال لکھنے والے دونوں فرشتے آدمی کے اعمال اوپر لے جاتے ہیں اللہ ان میں سے ایسے اعمال کو قائم رکھتا ہے جن پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے اور جو اعمال بیکار ہوتے ہیں ان کو ساقط کر دیتا ہے جیسے کوئی کسی سے کہتا ہے آ۔ جا وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
سو جو لوگ یقین لائے ہیں اور بھلے
الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ
کام کئے ہوں ان کو داخل کرے گا ان کا رب
فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ
اپنی رحمت میں یہ جو ہے یہی ہے صریح
الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾
مراد ملنی ☆

مؤمنین کا انعام ☆ یعنی جنت میں جہاں اعلیٰ درجہ کی رحمت اور ہر قسم کی مہربانیاں ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۫ اَفَلَمْ تَكُنْ
اور جو منکر ہوئے کیا تم کو سنائی
اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ
نہ جاتی تھیں باتیں میری پھر تم نے غرور کیا
وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾
اور ہو گئے تم لوگ گنہگار ☆

کافروں کا حال ☆ یعنی ہماری طرف سے نصیحت فہمائش اور اتمام حجت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا گیا۔ اس پر بھی تمہارے غرور کی گردن نیچی نہ ہوئی۔ آخر بکے مجرم بن کر رہے یا "وکنتم قوما مجرمین" کا مطلب یہ لیا جائے کہ تم پہلے ہی سے جرائم پیشہ تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ
اور جب کہئے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے
وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا
اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں تم کہتے تھے
نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا
ہم نہیں سمجھتے کیا ہے قیامت ہم کو آتا تو ہے
ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾
ایک خیال سا اور ہم کو یقین نہیں ہوتا ☆

مشرکین پر اتمام حجت

☆ یعنی ہم نہیں جانتے قیامت کیسی ہوتی ہے۔ تم جو کچھ قیامت کے عجیب و غریب احوال بیان کرتے ہو ہم کو کسی طرح ان کا یقین نہیں ہوتا۔ یوں سنی سنائی باتوں سے کچھ ضعیف سا امکان اور دھندلا سا خیال کبھی آ جائے وہ دوسری بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
اور کھل جائیں ان پر برائیاں ان کاموں کی جو کیے تھے اور الٹ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾
پڑے ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے ☆

☆ یعنی جب قیامت آئے گی ان کی تمام بدکاریاں اور ان کے نتائج سامنے آ جائیں گے اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے وہ خود ان ہی پر الٹ پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِیْتُمْ
اور حکم ہوگا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا
لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا
اپنے اس دن کی ملاقات کو ☆

بھولنے کی سزا ☆ یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہ رکھا تھا آج ہم تم

کو مہربانی سے یاد نہ کریں گے ہمیشہ کے لئے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بھولنے کا مطلب: جس طرح تم نے آج کی ملاقات کی تیاری ترک کر دی تھی اور اس کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔ لقاء یوم میں مصدر کی اضافت ظرف کی طرف ہے۔ یعنی اپنے رب سے ملنے کے دن کی تیاری یا اعمال کا مدلہ پانے کے ان کی تیاری تم نے ترک کر دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ

مددگار یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی

اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ

باتوں کو ٹھٹھا اور بہکے رہے دنیا کی زندگانی پر ☆

غلط خیال ☆ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا اور خدا کے سامنے پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کی تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں وہاں بھی ہمارا یہی زور رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا

سو آج نہ ان کو نکالنا منظور ہے وہاں سے اور نہ

هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

ان سے مطلوب ہے توبہ ☆

قیامت آنے پر کافروں کے لئے تمام مواقع ختم ہو جائیں گے

☆ یعنی نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا نہ یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اب خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان سے اس بات کی طلب نہیں کی جائے گی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لو۔ کیونکہ توبہ کا وقت گذر چکا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موت کے بعد طلب رضامندی (کی گنجائش) نہ ہوگی۔ کیونکہ رضامندی کا حصول اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال کا وقت (مرنے کے بعد) گذر چکا ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے غضبی گناہ اور بدکاری سے لوٹ جانا (توبہ کرنا) لغوی نے (اسی معنی کے لحاظ سے) لکھا ہے ان سے طلب نہیں کی جائے گی کہ اللہ کی طاعت کی طرف لوٹ آئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ

سو اللہ ہی کے واسطے ہے سب خوبی جو رب ہے آسمانوں کا اور رب

الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ

ہے زمین کا رب سارے جہان کا اور اسی کے لئے بڑائی ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ

آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

زبردست حکمت والا ☆

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو ☆ چاہئے کہ آدمی اسی کی طرف متوجہ ہو اس کے احسانات وانعامات کی قدر کرے اس کی ہدایات پر چلے سب کو چھوڑ کر اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے اور اس کی بزرگی وعظمت کے سامنے ہمیشہ بااختیار خود مطیع ومنقاد رہے۔ کبھی سرکشی وتمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے "الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحدا منهما قذفته فی النار" (کبریائی میری چادر اور عظمت میرا تہبند ہے لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا۔ میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا اللهم اجعلنا مطیعین لامرک وحسا عصمک وقنا عذاب النار انک سمیع قریب مجیب الدعوات۔ تم سورۃ الجاثیہ لعونہ وصونہ فللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ۔ (تفسیر عثمانی)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اللہ ہی کے لئے تعریف ہے کہ اس نے مومنوں اور کافروں سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ۔ اللہ کی ربوبیت اس کی ایک مستقل نعمت ہے جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کر رہی ہے اسی لئے لفظ کو مکرر ذکر کیا۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ کی عظمت وبزرگی کے آثار آسمان وزمین میں ظاہر ہیں۔ الْعَزِيْزُ۔ ایسا زبردست جس پر کوئی غالب نہ آ سکے۔ اس کے مقابلہ میں بڑا ہونے کا دعویٰ کسی کے لئے جائز نہیں۔ الْحَكِيْمُ۔ اس کا انداز اور فیصلہ پُر حکمت ہے۔

الحمد للہ سورۂ جاثیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کی خواب میں تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان ہوگا لیکن آخری عمر میں اس کو اچھی توبہ نصیب ہوگی۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

اتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست

الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

حکمت والے کی طرف سے ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور جو اُن کے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر ☆

کارخانہ کائنات بے مقصد نہیں

☆ یعنی آسمان و زمین اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض و مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرائے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو قیامت کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کائنات کا پیغام حال: یہ ساری کائنات پکار رہی ہے کہ ان کا ایک بنانے والا ہے جو قدیم ہے اور حکمت والا ہے۔ یہ سارا جہان یہ بات بھی بتا رہا ہے کہ حسب تقاضائے حکمت و انصاف سزا جزا دینے کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا

اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کو سن کر

مُعْرِضُوْنَ ۝

منہ پھیر لیتے ہیں ☆

کافروں کی بے فکری ☆ یعنی برے انجام سے ڈرتے نہیں، اور آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سے سنی دوسرے کان سے نکال دی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ

یا اُن کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں ☆

زمین و آسمان کس نے بنائے: ☆ یعنی خداوند قدوس نے تو آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی کیا جے دل سے کہہ سکتے ہو کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ پھر ان کو خدا کیسا سمجھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کے سب دلائل بے کار ہیں: ان آیات میں مشرکین کے دعوائے شرک کو باطل کرنے کے لئے اُن سے اپنے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ کوئی دعویٰ بغیر شہادت و دلیل کے عقلاً یا شرعاً قابل عمل نہیں ہوتا پھر اتنیں جتنی قسمیں دلائل کی ہو سکتی ہیں سب کو جمع کر دیا ہے اور بتلایا ہے کہ تمہارے دعوے پر کسی قسم کی بھی دلیل و شہادت موجود نہیں اس لئے اس بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے۔

دلائل کی قسمیں: دلائل کی اس آیت میں تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک عقلی دلیل جس کی نفی کے لئے فرمایا اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ دوسری قسم دلیل نقلی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دلیل نقلی وہی معتبر ہو سکتی ہے جو وحی الٰہی تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے آسمانی کتابیں تورات انجیل اور قرآن وغیرہ یا اُن حضرات کے اقوال جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی منتخب کیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے۔

اَرَءَيْتُمْ ۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنا مقصود ہے۔

مَا تَدْعُوْنَ ۔ یعنی جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو اس سے بت مراد ہیں۔

مِنَ الْاَرْضِ ۔ یہ مَا کا بیان ہے یعنی کیا زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ ۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کرنے میں کیا ان کی شرکت اور دخل ہے۔

ایک باطل گمان کی تردید: ایک گمان کیا جا سکتا تھا کہ عالم سفلی یعنی

کائنات عنصری میں جو حوادث و واقعات ہوتے ہیں ان کی تخلیق میں عالم علوی یعنی کائنات سماوی کی شرکت ہے۔ اس گمان کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ تخلیق سماوات میں کیا تمہارے معبودوں کا کوئی دخل ہے یا ان کی شرکت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ
لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا
اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝
کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے ☆

اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ ☆ یعنی اگر اپنے دعوے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو۔ جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

دلیل نقلی کی دونوں قسموں سے مشرک خالی ہیں

دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کی نفی تو اس سے فرمائی ﴿اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ﴾ یعنی اگر تمہارے پاس بت پرستی کی کوئی دلیل نقلی موجود ہے تو کسی آسمانی کتاب کو پیش کرو جس میں بت پرستی اور شرک کی اجازت دی گئی ہو اور دوسری قسم یعنی اقوال انبیاء کی نفی کیلئے فرمایا۔ ﴿اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ﴾ یعنی اگر اللہ کی کسی کتاب میں تم شرک و بت پرستی کی کوئی دلیل و شہادت نہیں دکھا سکتے تو کم از کم انبیاء میں سے کسی کا قول دکھلاؤ جو سند معتمد کیساتھ ان سے ثابت ہو، اور جب تم یہ بھی پیش نہیں کر سکتے تو تمہارا قول و عمل بجز گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لفظ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ میں اَثٰرَة مصدر ہے بروزن شجاعت سماعت وغیرہ جس کے معنی نقل و روایت کے ہیں اسی لئے حضرت عکرمہ اور مقاتل نے اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کی تفسیر میں روایت عن الانبیاء فرمایا اور قرطبی نے اس کی تفسیر اسناد حسن کے ساتھ فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دلیل نقلی کی دو قسمیں معتبر ہیں، ایک آسمانی کتاب جو اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر پر نازل فرمائی، دوسرے پیغمبر کا قول جو اسناد معتبر کے ساتھ پیغمبر ثابت ہو اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کا یہی مفہوم ہے یہ سب مضمون تفسیر قرطبی سے لیا گیا ہے اور یہی تفسیر مختار اور بے غبار ہے۔ (معارف حق اعظم)

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ
اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے

دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ
سوائے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کو پکار کو
اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ
اس قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے
غٰفِلُوْنَ ۝
پکارنے کی ☆

سب سے بڑی گمراہی ☆ یعنی اس سے بڑی حماقت اور گمراہی کیا ہو گی کہ خدا کو چھوڑ کر ایک ایسی بے جان یا بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت برآری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی مورتوں کا تو کہنا ہی کیا، فرشتے اور پیغمبر بھی وہ ہی بات سن سکتے اور وہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت اور قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وھُمْ اَصْلٌ۔ (سوال انکاری ہے) یعنی اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں۔ جو ﴿مِمَّنْ یَّدْعُوْا﴾ اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کی عبادت کرتا اور ان سے مرادیں مانگتا ہے۔ ﴿مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ﴾ جو بالفرض اگر پکارنے والوں کو پکار سن بھی لیں تو ان کا مطلب نہ سمجھیں اور نہ مرادیں پوری کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہو۔ ﴿اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ﴾۔ روز قیامت تک۔ یعنی جب تک دنیا قائم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ
اور جب لوگ جمع ہونگے وہ ہونگے ان کے
اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ۝
دشمن اور ہونگے ان کے پوجے سے منکر ☆

کافروں کے معبود کے نہ دنیا کے کام کے نہ آخرت کے

☆ یعنی محشر میں جبکہ امداد و اعانت کی زیادہ حاجت ہو گی یہ بیچارے معبود اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکتے ہیں الٹے ان کے اس کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ "ما کانوا ایانا یعبدون" (قصص رکوع ۷) یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے اس وقت سوچ کیسی حسرت و ندامت کا سامنا ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

دو معبودان پجاریوں کے دشمن ہو جائیں گے۔ فائدہ پہنچانے کی جگہ ضرر پانے کا ذریعہ بن جائیں گے اور ان پجاریوں کی پوجا کی تکذیب کریں گے۔ اور کہیں گے اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے (بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے) مطلب یہ کہ ان کے معبودانہ دنیا میں ان کے کام آ سکتے ہیں اور نہ آخرت میں بلکہ آخرت میں تو ضرر رساں (ضرر پہنچنے کا ذریعہ) ہو جائیں گے لہٰذا ایسے معبودوں کی پوجا کرنے والوں اور اللہ سمیع و بصیر خبیر قادر عجیب کی عبادت کو شرک کرنے والوں سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے آیت وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ معبودان باطل کے یہ پجاری قیامت کے دن باطل معبودوں کی پوجا کرنے سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے قسم ہے معبود برحق کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ
اور جب سنائی جائیں اُن کو ہماری باتیں کھلی کھلی
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا
کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب
جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۭ
اُن تک پہنچی یہ جادو ہے صریح ☆

کافروں کی بے رواہی ☆ یعنی ان لوگوں کو فی الحال انجام کی کچھ فکر نہیں کہ کسی نصیحت و فہمائش پر کان نہیں دھرتے بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلْحَقِّ۔ یعنی حق کی بابت حق کو حق سے مراد ہیں آیات۔ کفروا کے ساتھ صراحۃً للحق کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آیات حق اور سچی ہیں اور یہ لوگ بلا شبہ کافر گمراہ اور حق کے منکر ہیں۔ لَمَّا جَآءَهُمْ۔ یعنی جونہی آیات ان کو پہنچیں انہوں نے بغیر سوچے اور غور کئے فوراً کہہ دیا کہ یہ قرآن صریح جادو ہے اس کا جادو ہونا کھلا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ
کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے ☆

بہتان طرازی ☆ یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ
تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں
لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ
کر سکتے اللہ کے سامنے ذرا بھی ☆

بہتان کا جواب ☆ یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے۔ اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر اپنے کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کیلئے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا، رائے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم خدا کے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے مجھ کو نجات دے سکو گے؟ اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا، تم میرا کچھ بھلا کر سکو گے؟ آخر میرے چہل سالہ حالات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں اس قدر بے خوف اور بے باک نہیں ہوں اور نہ ایسا ہے عقل ہوں کہ بعض انسانوں کو خوش کرنے کے خداوند قدوس کا غصہ مول لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کاذب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى
اُس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے
بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ
حق بتانے والا میرے اور تمہارے بیچ ☆

اللہ سب کو خوب جانتا ہے ☆ یعنی جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے لہٰذا لغو اور دور از کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو اگر خدا کے بھیجے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو سمجھ لو اس کا حشر کیا ہوگا خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتلا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا، افترا کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِهٖ ۚ كَفٰى بِهٖ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۔ یعنی اللہ کی آیات کی تکذیب۔ اور اس کے کلام کو جادو اور افترا کہنے میں تم گھس رہے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ کفی بہ ۔ یہ فاعل کا قائم مقام ہے یعنی اللہ کافی ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۔ میرے اور تمہارے درمیان شہادت دینے کے لئے ۔ یعنی معجزات عطا فرما کر اس نے میری سچائی اور تبلیغ کی شہادت دی اور تمہارے جھوٹے ہونے کی۔ اور اسی کی شہادت کافی ہے یہ کافروں کے لئے وعید ہے کہ تم کو اس تکذیب کی سزا ملے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اور وہی ہے بخشنے والا مہربان ☆

تباہی سے بچنے کا موقع ☆ یعنی اب بھی باز آؤ تو بخشے جاؤ۔ اور یہ بھی اس کی مہربانی اور بردباری سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تم کو فوراً ہلاک نہیں کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۔ یہ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ ہے جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں۔

آیت میں در پردہ اشارہ ہے کہ اللہ بڑا حلیم ہے کہ باوجود بڑے مجرم ہونے کے کافروں کو فوراً عذاب نہیں دیتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ

تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا ☆

میں کوئی انوکھی چیز نہیں لایا ☆ یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے وہ ہی میں کہتا ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جس کی طرح پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں اس حیثیت سے بھی یہ کوئی نئی بات نہ رہی بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا پھر اس کے ماننے میں اشکال کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت کی نبوت کے بے شمار دلائل موجود ہیں

بدع اور مدیع دونوں ہم معنی ہیں جیسے نصف اور نصیف۔ یعنی میں پہلا پیغمبر نہیں ہوں کہ جو دعویٰ مجھ سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کیا وہ میں کر رہا ہوں مجھ سے پہلے بہت پیغمبر ہو چکے ہیں پھر تم لوگ میری نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو جب کہ معجزات بھی میری نبوت کی تصدیق کر رہے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں انوکھا پیغمبر نہیں ہوں کہ تمہارے مطالبات اور مطلوبہ فرمائشیں پوری کر دوں جو پہلے پیغمبر نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۖ

اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا

میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام

اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

تو یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر ☆

پیغمبر کا کام ☆ یعنی مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور نظم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب۔ بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں اور کافر دوزخ میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جب صحابہؓ پر تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو ایک روز مکہ میں ہی خواب دیکھا جیسے سوتا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ ایک ہموار (غیر مزروعہ) زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں اور آپ ترک وطن کر کے اس کی طرف گئے ہیں۔ جو خواب سن کر صحابہؓ نے عرض کیا آپ ہجرت کر کے وہاں کب جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر آیت مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۔ نازل ہوئی۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ میں اسی جگہ جاؤں گا یا میں اور تم یہاں سے نکل کر اس سرزمین میں چلے جائیں گے جو میرے سامنے (خواب میں) لائی گئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا حاصل امور غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت

کے مؤمن وکافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا اگلی مجھے کچھ خبر نہیں۔ امور غیبیہ کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب وحی الٰہی سے کہتا ہوں چنانچہ قرآن کریم میں خود مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار علوم امور غیبیہ کے متعلق عطا فرمائے ہیں تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ کا یہی مطلب ہے۔ اُمور آخرت دوزخ، جنت، حساب کتاب، سزا جزاء سے متعلق تو تفصیلات احادیث صحیحہ متواترہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ میں اُمور غیبیہ کے علم محیط میں خدا تعالیٰ کی طرح نہیں اور اُن کے علم میں خود مختار نہیں بلکہ مجھے بواسطہ وحی خداوندی جو کچھ بتلا دیا جاتا ہے وہ میں درکر دیتا ہوں۔

تفسیر روح المعانی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اُس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت اور دنیا میں پیش آنیوالے اہم معاملات سے آپکو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا۔ رہا اشخاص وافراد کے جزوی شخصی حالات ومعاملات کا علم کہ زید کل کیا کام کریگا اور اسکا انجام کیا ہو گا عمر بکر اپنے گھروں میں کیا کیا کام کر رہے ہیں یا کریں گے ان اُمور غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے نہ اُنکے نہ ہونے سے کمال نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمور غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں نفی علم صرف اُمور دنیویہ سے متعلق ہے آخرت کے متعلق علم غیب کی نفی اس میں شامل نہیں (کما ذکرہ القرطبی) انہوں نے غالباً جملہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کو بھی استثناء قرار نہیں دیا اس لئے نفی علم غیب کو اُمور دنیا کیساتھ مخصوص فرمایا کیونکہ آخرت کے متعلق تو کھلے طور پر آپ نے بتلا دیا کہ کافر دوزخ میں اور مؤمن جنت میں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ آیا ہو

عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ

اللہ کے یہاں سے اور تم نے اُس کو نہیں مانا

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ

اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا

وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى

اور تم نے غرور کیا بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

گنہگاروں کو ☆

علمائے یہود کی گواہی ☆ اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علمائے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا غرض یہ تھی کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات ہاتھ آ جائے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے، خدا تعالیٰ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتائید کرائی۔ نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت موسیٰ کو پیغمبر کہتے تھے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہتی بلکہ اس طرح کہ بعض علمائے یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بے شک ہمارے ہاں اس ملک (عرب) سے ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہ ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی۔ علمائے یہود کی شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو باوجود ہزارہا تحریف وتبدل کے آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آتی ہیں جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہزاروں برس پہلے خود گواہی دے چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل رکوع ۱) یہ ہی سبب تھا کہ بعض منصف وحق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے کہ "ان هذا الوجه ليس بوجه كاذب" (یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں) انہوں نے قرآن جیسی واضح الاعجاز کتاب کے حق ہونے کی گواہی دی پھر جب موسیٰ علیہ السلام ایک چیز پر وقوع سے ہزاروں برس پہلے ایمان رکھیں، علمائے یہود اسکے صدق کی گواہی دیں۔ بعض احبار یہود زبانی وقلبی شہادت دے کر مشرف باسلام ہو جائیں اور ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور گناہ کیا ہوگا اور ایسے ظالم اور گنہگار کی نجات وفلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابو یعلیٰ طبرانی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ عوف بن مالک الاشجعی سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے نکل کر) باہر جانے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کی عید کا دن تھا ان لوگوں کو اس روز ہمارا وہاں پہنچنا کچھ پسند نہیں آیا آپ نے اندر جانے کے بعد فرمایا اے یہودیو! مجھے وہ بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دیتے ہوں کہ لا اله الا الله محمد رسول الله تو آسمان کے نیچے جو بھی یہودی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنا غضب دور فرما دے گا یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا تو بھی کسی نے جواب نہ دیا آپ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا تب بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا اگر تم جواب نہیں دیتے تو سن لو میں البتہ حاشر ہوں میں ہی عاقب ہوں اور میں ہی مقفی ہوں اگر اب خواہ تم ایمان لاؤ یا انکار کرو یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنیسہ سے لوٹنے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا ہم باہر نکلنے ہی والے تھے کہ ایک شخص آپ کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذرا آپ اسی جگہ ٹھہریں آپ نے اس شخص کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا اے گروہ یہود تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ سب نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص تم سے زیادہ کتاب اللہ کا نہ عالم ہے نہ تم سے زیادہ کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ تمہارے باپ سے اور نہ تمہارے دادا سے۔

جب یہودی یہ کہہ چکے تو اس شخص نے کہا تو پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے برحق رسول ہیں میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کو تم تورات وانجیل میں پاتے ہو یہ سن کر سب یہودی غیظ وغضب سے مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو تم ہمارے میں سب سے برے اور سب سے برے آدمی کے بیٹے ہو راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو میں اور عبداللہ بن سلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے باہر چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِن كَانَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَكَفَرْتُم بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ الخ۔

علامہ آلوسی نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اس سے یہی معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

أَرَءَيْتُمْ۔ مجھے بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا شاہد سے مراد ہیں حضرت ابو یوسف عبداللہ بن سلام بن حارث۔ آپ حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم کی نسل میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے گھر والوں کے اسلام لانے کے تفصیلی واقعات

بخاری اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے اور محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن سلام کی اولاد میں سے کسی شخص کی روایت سے نیز بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ اور زہری کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا تذکرہ سنا اور آپ کے اوصاف نام اور شکل اور ان باتوں کو جن کی (آنے والے نبی کی بابت) ہم کو توقع تھی پہچان لیا تو میں خاموش رہا اور دل میں اس بات کو چھپائے رہا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے تو ایک شخص نے آپ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنی (زور سے) اللہ اکبر کہا پھوپھی نے آواز تکبیر سن کر کہا۔ اگر حضرت موسیٰ بن عمران کی آمد کی خبر سنتا تو اس سے بڑھ کر اظہار مسرت نہ کرتا۔ میں نے پھوپھی سے کہا خدا کی قسم یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور انہی کے دین کے پیرو ہیں اور جو دین دیکر ان کو بھیجا گیا تھا وہی دین دے کر ان کو بھیجا گیا ہے۔ پھوپھی نے کہا یہ تو سنی ہوئی بات ہے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گیا اور چہرۂ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

سب سے پہلی بات جو عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی

حضرت عبداللہ نے جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے سنی وہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! (غریبوں محتاجوں وغیرہ) کو کھانا کھلاؤ سلام (کا رواج) پھیلاؤ قرابتداروں کی قرابت کو جوڑے رکھو اور رات میں جب اور لوگ سوتے ہوں تو تم نماز پڑھو (یہ عمل کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ۔

تین باتیں جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا

حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہو سکتا۔ قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہوگی؟ اہل جنت کو سب سے پہلے کون سا کھانا دیا جائے گا؟ اولاد باپ یا ماں کی طرف کیوں کھینچتی ہے (یعنی باپ یا ماں کے ہم شکل کیوں ہوتی ہے) اور (جو تیسری بات ایک یہ ہے کہ) چاند میں یہ سیاہی کیسی ہے؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے ابھی جبرئیل نے بتایا ہے' حضرت عبداللہ نے کہا جبرائیل نے بتایا ہے؟ فرمایا' ہاں' عبداللہ نے کہا وہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی اول ترین نشانی ایک آگ ہوگی جو مشرق سے برآمد ہوگی اور لوگوں کو مغرب کی طرف لائے گی۔ اور اہل جنت سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کی نوک ابھار' ہوگی۔ اور مرد کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کو اپنی شکل کی طرف کھینچ لیتا ہے اور عورت کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اور وہ سیاہی جو چاند میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سورج (یعنی چمکدار) تھے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ۔ پس یہ سیاہی وہی محو ہے (یعنی اللہ نے اتنی جگہ کی چمک مٹا دی ہے) حضرت عبداللہ یہ سن کر فوراً بول اُٹھے اشھد ان لا الہ الا اللہ والک محمد رسول اللہ پھر لوٹ کر گھر جا کر سب کو مسلمان ہو جانے کا مشورہ دیا۔ سب گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس وقت آپ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

پھر کچھ وقت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور ان کا سب سے بڑا عالم ہوں' اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں مگر یہ لوگ ہیں بڑے جھوٹے' آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کریں اگر آپ کی دریافت کرنے سے پہلے ان کو میرے مسلمان ہو جانے کا علم ہو جائے گا تو یہ مجھ پر دروغ بافی کریں گے اور میرے اندر وہ عیوب نکالیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپ اپنے گھر کے اندر کسی کوٹھری میں چھپے جانے کی اجازت دیجئے پھر ان کو بلوا کر میرے متعلق دریافت کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو اپنے گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپ جانے کی اجازت دیدی پھر یہودیوں کو طلب فرمایا' یہودی آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "اے گروہ یہود' اللہ سے ڈرو قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' تم لوگ بلاشبہ جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں حق دین اور شریعت لے کر آیا ہوں' تم مسلمان ہو جاؤ (مان لو)

یہودیوں نے کہا ہم آپ کے دین کو حق نہیں جانتے۔ حضور نے فرمایا' عبداللہ تمہارے اندر کیسا آدمی ہے؟ یہودیوں نے کہا وہ ہم سے بہتر ہے اور سب سے افضل آدمی کا بیٹا ہے۔ ہمارا سردار ہے اور ہمارا سردار زادہ ہے' ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا اگر وہ اسلام لے آیا (تو تم مسلمان ہو جاؤ گے) کہنے لگے اللہ اس کو بچائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (آواز دے کر) حضرت عبداللہ سے فرمایا۔ باہر آ جاؤ۔ فوراً عبداللہ باہر آ گئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں' اے گروہ یہود' اللہ سے ڈرو اور جو دین تمہارے پاس آ گیا ہے اس کو قبول کرو بخدا تم بلاشبہ جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں' تمہارے پاس جو توریت ہے اس میں تم ان کا نام اور ان کے اوصاف لکھے ہوئے پاتے ہو اس لئے میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں میں ان پر ایمان رکھتا ہوں' اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں' یہودی بولے تو جھوٹا ہے تو ہم میں سب سے زیادہ برا اور سب سے زیادہ برے باپ کا بیٹا ہے غرض یہودیوں نے حضرت عبداللہ کے نقائص بیان کئے (یعنی تہمت تراشی کی) حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ کو پہلے ہی سے بتا نہیں دیا تھا کہ یہ لوگ بڑے جھوٹے' عہد شکن' دروغ گو اور بدکار ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ آپ کی پھوپھی بنت حارث بھی مسلمان ہو گئیں اور اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی فضیلت:

شیخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن ابی وقاص نے فرمایا' میں نے نہیں سنا کہ سوا عبداللہ بن سلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر چلنے والے کسی (زندہ) شخص کے متعلق فرمایا ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔ عبداللہ ہی کے متعلق آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ

اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اس پر ہم سے پہلے ☆

کافروں کی خود رائی ☆ یعنی کمزور ذلیل اور لونڈی غلام مسلمان

ہوتے ہیں اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے کیا یہ اچھی ہوتی تو اسکے حاصل کرنے میں ہم جیسے عقل مند اور عزت و دولت والے ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔ (تفسیر حقانی)

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی اہل ایمان کی بابت کافروں نے کہا۔

وَكَانَ ۔ یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اچھا ہوتا۔

شان نزول (۱) ابن جریر نے قتال کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ مشرکوں سے کہا تھا ہم بڑی عزت والے ہیں ہم (ان مسلمانوں سے) افضل ہیں اگر یہ مذہب بہتر ہوتا تو فلاں فلاں شخص ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن المنذر نے بروایت عون بن ابی شداد بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک باندی جس کو زنین کہا جاتا تھا آپ سے پہلے ایمان لے آئی تھی۔ حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو اتنا مارتے تھے کہ اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے اور کفار قریش کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی اچھی چیز ہوتا تو زنین ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتی اس پر زنین کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن سعد نے ضحاک اور حسن کی روایت سے بھی اس طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مطلب بغوی نے لکھا ہے اگر آیت سابقہ کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق جانا جائے تو آیت موجودہ کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار یہود نے مؤمن یہودیوں کی بابت کہا کہ اگر محمد کا دین بہتر ہوگا۔ تو یہ (عبداللہ بن سلام وغیرہ) ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ
اور جب راہ پر نہیں آئے اُس کے بتلانے سے تو اب کہیں گے
هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾
یہ جھوٹ ہے بہت پرانا ☆

☆ یعنی ہمیشہ کچھ لوگ ایسی باتیں بناتے چلے آئے ہیں۔ شاید یہ جواب ہوگا "وَيُشْهَدُ بِهٖ بَنُوْ اِسْرَآءِيْلَ" اور "مَا شُهِدَ عَلٰى مِثْلِهٖ" کا۔ (تفسیر حقانی)

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۔ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ گذشتہ زمانہ والوں نے اس کو از خود گڑھ لیا تھا پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لیا۔ (اور جو بات سابق لوگوں نے کہی تھی وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا
اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی تھی راہ ڈالنے والی

وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ
اور رحمت اور یہ کتاب ہے اُس کی تصدیق کرتی ☆
لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ
عربی زبان میں تاکہ ڈر سنائے
ظَلَمُوْا ۣ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾
گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو ☆

قدیم سچائی ☆ یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہی دی تھی جس کی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے اور اس سے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستے و ہدایت کی راہ ڈال دی اور رحمت کے دروازے کھول دیئے اب قرآن اترا تو اس کو سچا ہادی کرتا ہو غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہ ہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ قَبْلِهٖ ۔ اور قرآن سے پہلے۔ كِتٰبُ مُوْسٰٓى ۔ یعنی توریت۔ اِمَامًا ۔ رہنما، پیشوا۔ وَرَحْمَةً ۔ اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر رحمت تاکہ لوگ دونوں جہان میں فلاح حاصل کر لیں۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ ۔ اور یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ مُّصَدِّقٌ ۔ یعنی موسیٰ کی کتاب کو سچا بتاتی ہے یا معجزہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کر رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ
مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر
اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾
وہ غمگین ہوں گے ☆

☆ اس طرح کی آیت "حم سجدہ" چوبیس پارہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر حقانی)

اس آیت میں بڑی بلاغت کے ساتھ پورے اسلام و ایمان اور اعمال صالحہ سب کو جمع کر دیا گیا "ربنا اللہ" کا اقرار پورا ایمان ہے اور اس پر استقامت میں ایمان پر تادم مرگ قائم رہنا بھی شامل ہے اور اسکے مقتضیات پر پورا پورا

عمل بھی لفظ استقامت اور اس کی اہمیت کی تشریح و تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ میں بیان ہو چکی ہے۔

ایمان واستقامت پر بشارت آیت مذکورہ میں ایمان واستقامت پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی تکلیف دہ پریشانی کا خوف ہوگا نہ ماضی کی تکلیف پر رنج وافسوس رہے گا۔ بعد کی آیت میں اس بے نظیر راحت کی دائمی اور غیر منقطع ہونیکی بشارت دی گئی ہے اسکے بعد کی چار آیتوں میں انسان کو اسکے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت اور اس کے حلاف کرنے کی مذمت اور ضمن میں انسان پر اس کے ماں باپ کے احسانات فا اور اولاد کے لئے سخت محنت ومشقت برداشت کرنے کا تذکرہ اور بڑی عمر کو پہنچنے کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت کی خاص تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف منتی اعظم)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ
وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے
فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾
اُس میں بدلہ ہے اُن کاموں کا جو کرتے تھے ☆

مومنوں کا انعام ☆یعنی اپنے نیک کاموں کے سبب حق تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ
اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے
إِحْسَانًا
بھلائی کا☆

والدین کے حقوق ☆قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ موحد حقیقی تو اللہ ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے "ان قالوا الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا" میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب والدین کا حق بتلا دیا یعنی انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے ان کی تعظیم ومحبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے دوسری جگہ بتلایا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گذاری کہ بعض وجوہ سے اسکا حق باپ سے بھی فائق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے شروع آیت میں حسن سلوک کا حکم ماں اور باپ دونوں کے لئے ہے مگر اس جگہ صرف ماں کے محنت ومشقت کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی محنت ومشقت لازمی اور ضروری ہے۔ حمل کے زمانے کی تکلیفیں، پھر وضع حمل اور دودھ کی تکلیف ہر حال ہر بچہ کے لئے لازمی ہے، جو صرف ماں ہی کی محنت ہے باپ کے لئے پرورش پر محنت اٹھانا اتنا لازمی وضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی باپ کو اولاد کی تربیت میں کوئی بھی محنت مشقت اٹھانی پڑے جبکہ وہ مالدار صاحب حشم وخدم ہو دوسروں سے اولاد کی خدمت لے یا وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا اور خرچ بھیجتا رہا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد پر ماں کے حق کو سب سے زیادہ رکھا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے **امک ثم امک ثم امک ثم ابا ک ثم ادناک فادناک** (مظہری) یعنی صلہ رحمی اور خدمت کرو اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی، اسکے بعد اپنے باپ کی اور اس کے بعد قریب تر رشتہ دار ہوا کی پھر جو اس کے بعد ہو۔ (معارف منتی اعظم)

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا
پیٹ میں رکھا اُس کو اُس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اُس کو تکلیف سے ☆

ماں کی مشقت ☆یعنی حمل جب کئی مہینہ کا ہو جاتا ہے اس کا ثقل محسوس ہونے لگتا ہے اس حالت میں اور تولد کے وقت ماں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔ پھر دودھ پلاتی ہے اور برسوں تک اس کی ہر طرح نگہداشت رکھتی ہے اپنی آسائش وراحت کو اس کی آسائش وراحت پر قربان کر دیتی ہے۔ باپ بھی بڑی حد تک ان تکلیفوں میں شریک رہتا ہے اور سامان تربیت فراہم کرتا ہے۔ بے شک یہ سب کام فطرت کے تقاضے سے ہوتے ہیں مگر اسی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی شفقت ومحبت کو محسوس اور ان کی محنت وایثار کی قدر کرے۔ (تنبیہ) حدیث میں ماں کی خدمت گذاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمتگاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ آیہ ہذا میں والدہ کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ "والدیہ" میں ہوا۔ اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر آیا لفظ "والدیہ" میں پھر "حملتہ امہ" میں پھر "وضعتہ" میں۔ (تفسیر عثمانی)

ماں سے حسن سلوک کی وجہ کرھا۔ یہ اچھا سلوک کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ کرہ کا معنی ہے مشقت یعنی مشقت والا بوجھ کرہ اور کرہ دونوں ہم معنی ہیں اور لغت میں دونوں لفظ آئے ہیں بعض نے کہا ضم کاف اسم مصدر ہے اور فتح کاف مصدر ہے۔

آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

اور حمل میں رہنا اُس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے ☆

دودھ پلانے کی مدت ☆ شاید یہ بطور عادت اکثریہ کے فرمایا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے میں حمل کے" یا یوں کہو کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے اور دو برس میں عموماً بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اس طرح کل مدت تیس مہینے ہوئے مدت رضاع کا اس سے زائد ہونا نہایت قلیل و نادر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فصال بمعنی فطام دودھ چھڑانا مراد دودھ پلانا ملزوم کو لازم کی نام سے موسوم کیا گیا۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے وفصالہ فی عامین اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے اور اس جگہ حمل و فصال کی مجموعی مدت ۳۰ ماہ بیان کی گئی جب دو سال فصال کے مجرا کر دیئے گئے تو حمل کی مدت چھ ماہ رہ گئی۔

عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مدت حمل پوری نو مہینے ہو جائے تو عورت بچہ کو دودھ ۲۱ مہینے پلائے گی (یعنی مدت رضاعت نو ماہ ہوگی) اور اگر چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو ۲۴ مہینے دودھ پلائے گی (مدت رضاعت دو سال ہوگی)۔

ایک عورت کا واقعہ:

قتادہ نے بروایت ابوالحرب بن اسود دئلی بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت کو پیش کیا گیا جس کے ششماہہ بچہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اس پر رجم نہ ہوگا دیکھئے اللہ نے فرمایا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور دوسری آیت میں آیا ہے وفصالہ فی عامین (حمل اور فصال کی مجموعی مدت تیس ماہ فرمائی۔ اور صرف دودھ چھڑانے کی مدت دو سال۔ دو سال مجرا کرنے کے بعد) حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہی حضرت عمرؓ نے یہ استدلال سننے کے بعد عورت کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ایک بچہ اور ہوا۔ نافع بن جبیر نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ میں اس عورت کے ساتھ تھا جس کے ششماہہ بچہ پیدا ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا لوگوں پر اس ششماہی ولادت کا برا اثر ہوا (یعنی انہوں نے عورت کو زنا کا مجرم سمجھا) میں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ ظلم کیسے کر سکتے ہیں۔ فرمایا ظلم کیسا میں نے کہا پڑھئے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ۔ فرمایئے سال کے کتنے مہینے ہوتے ہیں فرمایا بارہ۔ میں نے کہا چوبیس مہینے کے دو سال پورے ہو گئے (اب چھ ماہ باقی رہے) اور اللہ حمل کو جتنا چاہتا ہے موخر مقدم کر دیتا ہے یہ سن کر حضرت عمرؓ کا تردد جاتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ

چالیس برس کو ☆

عقلی اور اخلاقی تکمیل کی مدت: ☆ چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

چالیس سال کی زندگی: وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۔ میں انسان کی جوانی اور قومی کی مضبوطی بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا اور پہنچ گیا چالیس سال کی عمر کو جو قوائے عقلیہ اور فکریہ کا کمال اور اس کا بلوغ ہے انسان کا فہم اور فکر جس حالت پر چالیس برس کی عمر میں پہنچ جاتا ہے اس کے بعد بالعموم اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نشوونما کا دور مکمل ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے حضرات انبیاءؑ کو خلعت نبوت و رسالت چالیس برس عمر پر عطاء فرمایا گیا۔

حافظ موصلی نے حضرت عثمان غنیؓ کی روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان بندہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا فرما دیتا ہے اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کی رجوع الی اللہ کی صلاحیت و توفیق نصیب ہوتی ہے اور جب ستر برس کا ہو جائے تو آسمانوں میں ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی برس کا ہو جائے تو اس کی خطاؤں کا کفارہ ہونے لگتا ہے اور اس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ ثابت فرما دیتا ہے اور اگر نوے برس کا ہو گیا تو اس کے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ اس کی شفاعت بھی اس کے گھر والوں کے لئے قبول کر لی جاتی ہے اور آسمان والے اس کو کہتے ہیں۔ اسیر اللہ فی ارضہ (تفسیر ابن کثیر) وقد طعن المحدثون علی اسنادہ ۱۲ (معارف کاندھلوی)

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی: یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہیں انہیں کا بیان بلفاظ عام اس حکمت سے کیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسکی ترغیب ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جو قرطبی نے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کا قصد فرمایا اور ملک شام کا سفر کیا تو اس سفر میں ابوبکر صدیق آپ کے ساتھ تھے اس وقت اُن کی عمر اٹھارہ سال کی تھی جو مصداق ہے بَلَغَ اَشُدَّهٗ کا۔ پھر اس سفر میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ایسے حالات دیکھے کہ وہ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ سفر سے واپسی کے بعد ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا شرف عطا فرمایا اس وقت ابوبکرؓ کی عمر اڑتیس سال تھی۔ مردوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا پھر جب اُن کی عمر چالیس سال کی ہو گئی اس وقت یہ دعا مانگی جو اوپر آیت میں مذکور ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اور یہی مصداق ہے بَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کا اور جب یہ دعا مانگی اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اُن کو نو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی توفیق بخشی جو مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کے مالک اُن کو اسلام لانے پر طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے اسی طرح اُن کی دعا وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ بھی قبول ہوئی اُن کی اولاد میں کوئی ایسا نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو۔ اسی طرح صحابہ کرام میں یہ خصوصیت حق تعالیٰ نے صدیق اکبر ہی کو عطا فرمائی کہ وہ خود بھی مسلمان ہونے والدین بھی اولاد بھی اور سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ
کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں
نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی
تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے
وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام
تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ
جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری
اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ
میں نے توبہ کی کہ تیری طرف اور میں ہوں
الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾
حکم بردار ☆

سعادت مندی ☆ یعنی سعادت مند آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جو احسانات اللہ تعالیٰ کے اس پر اور اسکے ماں باپ پر ہو چکے ہیں انکا شکر ادا کرنے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگے جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی ہو اس سے توبہ کرے اور از راہ تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبودیت و فرمانبرداری کا اعتراف کرے (تنبیہ) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود ان کو ان کے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف میسر ہوا صحابہ میں یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ابوبکرؓ کی دعا قبول فرمائی اللہ نے ایسی توفیق دی کہ آپ نے نو مسلمان (باندی غلاموں) کو جو اللہ کی راہ میں طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے (خرید کر) آزاد کیا اور جس کار خیر کو کرنے کا آپ نے ارادہ کیا اللہ نے اس کو پورا کرنے میں مدد فرمائی۔ دوسری دعا اولاد کے صالح ہونے کی آپ کی سب اولاد اسلام کی حلقہ بگوش ہوئی اس طرح ماں باپ اولاد سب کے سب مسلمان ہو گئے حضرت ابو قحافہ حضرت ابوبکر حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیقؓ اور ابو عتیق بن عبدالرحمٰن سب صحابی ہوئے۔ یہ شرف آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہ ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ
یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں
اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم
سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ
برائیاں اُن کی رہنے والے جنت کے لوگوں میں
الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
سچا وعدہ جو اُن سے کیا جاتا تھا ☆

☆ یعنی ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عثمانؓ کی فضیلت: حضرت یوسف بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ اہل بصرہ پر غالب آ گئے اُس وقت میرے پاس (حضرت)

محمد بن حاطب آئے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علیؓ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ حضرت اشترؓ حضرت محمد بن ابوبکرؓ بھی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی حضرت علیؓ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ الخ قسم خدا کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے ساتھی۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ کہو تمہیں خدا کی قسم تم نے خود حضرت علیؓ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم خدا کی میں نے خود حضرت علیؓ سے یہ سنا ہے۔

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ ۔ ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں یعنی ان کو کسی برائی کی سزا نہیں دیں گے (سب معاف کردیں گے)۔

فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۔ یعنی اہل جنت میں ان کا شمار ہوگا یا جنتیوں کے ساتھ ان کو بھی ثواب دیا جائے گا۔ وَعْدَ الصِّدْقِ ۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لئے یعنی اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے۔ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۔ یعنی دنیا میں جو ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ
اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے ☆

نافرمان اولاد ☆ سعادت مند اولاد کے مقابلہ میں یہ بے ادب، نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا کہ ماں باپ اس کو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں وہ نہیں سمجھتا اور نہایت گستاخانہ خطاب کرکے ایذاء پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق ابن ابی حاتم نے عبدالرحمن بن ابی بکر سے روایت کیا ہے کہ مروان جس وقت خطبہ دے رہا تھا تو میں مسجد میں تھا وہ کہنے لگا کہ میں۔ امیر المومنین یزید کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہوں اگر امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو ابوبکر و عمر نے بھی تو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا یعنی ابوبکر نے عمر فاروق کو متعین کیا تھا اور عمر فاروق نے چھ حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کرکے ان ہی میں سے کسی ایک کو خلافت کے واسطے طے فرمادیا تھا۔ لہٰذا یہ تو ابوبکر و عمر کو طریقہ اور انکی سنت ہوئی۔ عبدالرحمن بن ابی بکر کہنے لگے کیا یہ طریقہ اور میراث ہرقل کی نہیں ہے؟ خدا کی قسم ابوبکر و عمر نے نہ تو اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی اپنے خاندان کے کسی فرد کو اور فرمایا کیا تو وہ ابن المعین نہیں ہے کہ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لعنت فرمائی تھی تو اس کی پشت میں تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور فرمایا اے مروان کیا تو عبدالرحمن بن ابی بکر کے بارہ میں ایسا کہتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ یہ تو فلاں ابن فلاں کے متعلق اتری ہے اور اگر میں چاہوں تو ان کے نام بھی بتا سکتی ہوں۔ (روح المعانی ج ۲۶ تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کردی اور ایک شخص کا نام لے کر فرمایا یہ آیت فلاں شخص کے حق میں اتری تھی۔ حافظ ابن حجر نے کہا حضرت عائشہؓ تے جو مروان کے قول کی تردید اور حضرت عبدالرحمن کے حق میں نزول آیت سے انکار کیا یہ روایت زیادہ صحیح الاسناد اور قابل قبول ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ
کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤنگا
خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ
قبر سے اور گذر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے ☆

ناقرمان کی گستاخ کلامی ☆ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گذر چکی ہیں کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہوکر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یونہی سنتے چلے آتے ہیں مگر آج تک تو اس خبر کا تحقق ہوا نہیں پھر میں کیونکر اعتبار کرلوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ
اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی
اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ
تیری تو ایمان لے آ بیشک وعدہ اللہ کا سچا ہے ☆

والدین کی کاوش ☆ یعنی اس کی گستاخیوں پر ایک طرف اللہ سے فریاد کرتے اور دعا مانگتے ہیں کہ اسے قبول حق کی توفیق ملے اور دوسری طرف اس کو سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیاناس! اب بھی باز آجا دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے ضرور اپنے وقت پر پوری ہوکر رہے گی اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَيَقُوْلُ مَاهٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۷﴾

پہلوں کی ☆

☆یعنی ایسی کہانیاں بہت سی ہیں پرانے وقتوں کے قصے اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں اور واقع میں انکا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت ہوئی بات عذاب کی شامل

فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور فرقوں میں جو گذر چکے ہیں ان سے

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ

پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے ☆

بدبختوں کا انجام ☆عذاب کی بات وہ ہی ہے" لاملان جھنم من الجنۃ والناس اجمعین "(السجدہ رکوع ۲) یعنی جس طرح بہت سی جماعتیں جنوں اور آدمیوں کی ان سے پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں یہ بدبخت بھی ان ہی میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حقّ۔ واجب ہو گیا ثابت ہو کر رہا۔

فی اُمم۔ گزشتہ کافر امتوں کے بارے میں۔

مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ یہ امم کا بیان ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے اللہ نے دوزخی ہونا ظاہر فرمایا اور ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کا برابر اہل اسلام میں تھے اس لئے آپ کے متعلق آیت کا نزول نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

بیشک وہ تھے نوٹے میں پڑے ☆

بدبختوں کا نقصان ☆اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر جو حق ایمان و سعادت کا کھیر اتھا وہ بھی ان بدبختوں نے ضائع کر دیا اس سے زیادہ ٹوٹا اور خسارہ کیا ہوگا کہ کوئی شخص تجارت میں بجائے منافع حاصل کرنے کے اس المال کو بھی اپنی غفلت حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

اور ہر فرقہ کے کئی درجے ہیں اپنے کئے کاموں کے موافق ☆

اہل جنت و اہل دوزخ کے درجات ☆یعنی اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل جنت کے کئی درجے ہیں اور اسی طرح اہل دوزخ کے بھی۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان ہونے میں تقدیم و تاخیر کا اعتبار

لغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جو پہلے اسلام لایا وہ بعد کو مسلمان ہونے والے سے افضل ہے۔ خواہ یہ تقدیم تاخیر ایک ساعت کی ہو۔

ابن زید نے اس آیت کی تشریح میں کہا اور نیکیوں کے لئے درجات (زینے۔ سیڑھیاں) ان کو نیچے کی طرف لے جائیں گے اور اہل جنت کے درجات ان کو اوپر چڑھائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ

اور تاکہ پورے دے اُن کو کام اُن کے اور اُن پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

ظلم نہ ہوگا ☆

☆نہ کسی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ کسی جرم کی سزا عدد مناسب سے زائد کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى

اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے کنارہ پر

النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

ضائع کئے تم نے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ

اور اُن کی برت چکے ☆

کافر کی نیکیوں کا اجر ☆کافر کے کسی نیک کام میں ایمان کی روح نہیں ہوتی۔ محض صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے۔ ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی

ہے جو اس زندگی میں مال، اولاد، حکومت، تندرستی، عزت و شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ تم اپنی ساری نیکیوں کے مزے دنیا میں لے چکے اور وہاں کی لذتوں سے تمتع کر چکے۔ خویش و آرام ایمان لانے کی تقدیر پر آخرت میں ملتا، گویا اسکی جگہ بھی دنیا میں مزے اڑا لئے اب یہاں کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جس لوگوں نے آخرت نہ چاہی فقط دنیا ہی چاہی ان کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں مل چکا"۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ ۔ یعنی جس دن کافروں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ بطور مبالغہ جملہ کی ساخت ایسی وضع کی گئی۔ کافروں کی آگ پر پیشی ہوگی یعنی کافروں کے سامنے آگ لائی جائے گی۔ طَيِّبٰتِكُمْ ۔ یعنی تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیوی زندگی میں لے لیں مطلب یہ کہ عیش ولذت کا حصہ تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا تھا وہ تم نے دنیا میں حاصل کر لیا۔ وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ اور دنیاوی زندگی میں ان سے بہرہ اندوز ہو گئے مزے اڑا لئے اور تمہارا کوئی حصہ عیش باقی نہیں رہا۔ (تفسیر مظہری)

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
اب آج مزا پاؤ گے ذلت کا عذاب
بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بدلہ اس کا جو تم غرور کرتے تھے ملک میں
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝
ناحق اور اس کا جو تم نافرمانی کرتے تھے ☆

☆ یعنی آج تمہاری جھوٹی بیجی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ یہ ہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں ماتی ہے آگے بعض زور آور اور متکبر قوموں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ان کا انجام کیا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا كُنْتُمْ ۔ مَا مصدری ہے یعنی باطل طور پر بڑا بننے اور اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے کی وجہ سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا حال

نووی نے لکھا ہے اللہ نے دنیوی لذت اندوزی اور عیش کوشی پر تنبیہ و تزجر کی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے دنیوی لذتوں سے اجتناب کیا اور ثواب آخرت کے امیدوار رہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کبھی دو روز متواتر جو کی روٹی (بھی) پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

بخاری نے بروایت ابوسعید مقبری بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے سامنے بھونا ہوا بکری کا گوشت رکھا تھا۔ ادھر سے حضرت ابوہریرہؓ گزرے ان لوگوں نے آپ کو بھی کھانے کے لئے بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی بھی (کبھی) پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے ہم پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ (ہمارے گھر میں) آگ نہیں جلتی تھی صرف پانی اور چھوارے سوتے تھے (جس پر سارا وقت ہوتی تھی) ہاں۔ اللہ جزاء خیر دے انصار کی عورتوں کو وہ کبھی بطور ہدیہ ہم کو دودھ بھیج دیا کرتی تھیں۔

امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ مسلسل راتیں ایسی گزر جاتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے رہتے تھے (کچھ کھانے کو نہیں ہوتا تھا) گھر والوں کے بھی شام کا کھانا نہیں ملتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو روٹی اکثر جو کی ہوتی تھی۔

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا جب کہ (اور) کسی کو نہیں ڈرایا جاتا تھا اور مجھے ایذائیں دی گئیں جب کہ اور کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا۔ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے کہ نہ میرے پاس نہ بلالؓ کے پاس ایسا کھانا تھا جو کوئی زندہ شخص کھاتا ہے ہاں بلالؓ نے اپنی بغل میں کچھ چھپا لیا تھا (وہی ہم کھا لیا کرتے تھے) ترمذی نے کہا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے بھاگ کر چلے گئے تھے بلال کے پاس کس اتنا کھانا تھا کہ انہوں نے بغل کے اندر چھپا لیا تھا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا جن میں کسی ایک کے بدن پر بھی چادر نہ تھی یا لنگی (تہہ بند) تھی یا کمل ہے جس کو گلے میں انہوں باندھ رکھا تھا۔ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک تھی کسی کے ٹخنوں تک۔ اپنے ہاتھ سے وہ اس کو سمیٹے رہتا تھا تا کہ ستر عورت نہ کھل جائے۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ جو کی روٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھوا کر گھر والوں کے لئے جو لئے تھے اور میں نے خود یہ فرماتے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گیہوں رات کو (کبھی) نہ رہے اور نہ ایک صاع دانے (یعنی اناج) اور (اس زمانے میں) آپ کی نو عورتیں (یعنی بیبیاں) تھیں۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ہر ایک کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول

کر رکھا یا جس پر وہ پتھر بندھے تھے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

مسلم نے بروایت عبدالرحمن بیان کیا۔ عبدالرحمٰن نے کہا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ تین آدمی آپ کے پاس آئے اور عرض کیا ابومحمد! واللہ ہم بالکل بے طاقت ہیں نہ ہمارے پاس کھانے پینے کو ہے نہ سواری ہے نہ کوئی سامان ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو اگر تم چاہتے ہو تو ہمارے پاس آؤ' اللہ نے جس چیز کی آپ لوگوں کے لئے ہم کو توفیق دی وہ دے دیں گے۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہارے واقعہ کا سلطان سے ذکر کر دیں اور اگر چاہو تو صبر کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ ان لوگوں نے کہا تو اب ہم صبر کریں گے کوئی چیز نہیں مانگتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ کو نصیحت

امام احمد نے حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا عیش پرستی سے بچنا' اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ کی روایت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہوگا اللہ (اس کے) تھوڑے عمل سے راضی ہوگا۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا روزہ تھا شام کو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا' فرمایا مصعبؓ بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے کفن دیا گیا (چادر اتنی چھوٹی تھی کہ) سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

راوی نے کہا' میرا خیال ہے (کہ حضرت عبدالرحمن نے یہ بھی فرمایا) اور حضرت حمزہؓ شہید ہوگئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے پھر ہمارے لئے دنیا پھیلا دی گئی جتنی بھی پھیلائی گئی یا یہ فرمایا پھر ہم کو دنیا دے دی گئی ہم کو ڈر ہے کہ ہمیں ہماری (ساری) نیکیوں کا بدلہ (یہیں) جلد ہم کو نہ دے دیا گیا ہو یہ کہہ کر رونے لگے اور کھانا موقوف کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میرے ہاتھوں میں گوشت لٹکا ہوا دیکھا تو فرمایا جابرؓ یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت ہے۔ گوشت کو میرا دل چاہا تھا اس لئے خرید کر لایا ہوں' فرمایا جو بھی تمہارا دل چاہے گا خرید لو گے کیا تم کو آیت اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا کا کوئی خوف نہیں۔ ایک روایت میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ (حضرت عمرؓ نے فرمایا) کیا تم میں کوئی شخص اس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ اپنے ہمسائے اور اہل چچا کے بیٹے کے لئے خود بھوکا رہے۔ پورا قصہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے۔

رزین نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ پانی پیش کیا گیا مگر اس میں شہد ملا ہوا تھا (یعنی شہد کا شربت تھا) فرمایا بیشک یہ پاکیزہ ہے لیکن میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے ان لوگوں سے (جنہوں نے اپنی خواہشات کو پورا کیا) طیبات کی نفی کر دی اور فرمایا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا مجھے ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ فوراً (مذ) دے دیا گیا ہو۔ یہ بیان فرمانے کے بعد حضرت عمر نے وہ شربت نہیں پیا۔

حضرت عمرؓ کی حالت ۔ سالم بن عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے لذات زندگی سے ہماری مراد (صرف) یہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے حکم سے بکری کے چھوٹے بچوں کا گوشت بریان کرائیں' میدے کی روٹیاں پکوائیں کھلوں میں خشک انگور (کشمش منقی) اتنی دیر بھگوئیں کہ چاند بکورکی آنکھ کی طرح ہو جائے پھر ہم ان چیزوں کو کھائیں پئیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی لذتوں کو (آخرت کے لئے) باقی رکھیں کیوں کہ ہم نے سن لیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔

قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانے کھاتا اور سب سے اعلیٰ نرم لباس پہنتا لیکن میں اپنی لذتیں آخرت کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہوں۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام میں تشریف لائے تو آپ کے لئے ایسا کھانا تیار کیا گیا جیسا آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا' یہ (لذیذ کھانے ہمارے لئے تیار کئے گئے ہیں) ان محتاج مسلمانوں کے لئے کیا ہے جن کو مرتے دم تک پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں ملی حضرت خالدؓ بن ولید نے عرض کیا (ان کے لئے) جنت ہے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا اگر ہمارا حصہ یہ حقیر بے قدر چیز ہے اور وہ جنت کے مالک ہیں تو وہ ہم سے بہت دور (بہت آگے) ہوگئے۔ حمید بن ہلال کا بیان ہے کہ مخنف اکثر شام کو حضرت عمرؓ کے پاس رہتے تھے لیکن جب کھانا سامنے لایا جاتا تو آپ کھانے سے انکار کر دیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا بات ہے کہ تم ہمارا کھانا نہیں کھاتے۔ مخنف نے جواب دیا' امیر المؤمنین میرے گھر والے جو کھانا تیار کرتے ہیں وہ آپ کے کھانے سے زیادہ نرم (زیادہ لذیذ) ہوتا ہے میں آپ کے کھانے کے مقابلے میں اس کو پسند کرتا ہوں فرمایا تیری ماں تجھے روئے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر میں چاہوں تو ایک موٹا تازہ بکری کا بچہ (ذبح کرا کے اسکی) کھال بالوں سے صاف کرا کے بریان کرا لوں پھر کپڑے میں چھنے ہوئے آٹے کی چپاتیاں بنالوں اور ایک صاع کشمش (یا منقی) لے کر کشتی (کٹھلا) میں بھگونے کا حکم دوں اور اتنی دیر بھگا رکھوں کہ

اس کا پانی ہرن کے خون کی طرح (سرخ) ہو جائے۔ حفص نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ لذیذ کھانے سے واقف ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے تیری ماں روئے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر قیامت کے دن مجھے اپنی نیکیاں کم ہو جانا پسند نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو لذیذ کھانے میں شریک کر لیا کرتا یعنی خود بھی لذیذ کھانا کھاتا اور تم کو بھی کھلاتا۔

حسن کی روایت ہے کہ اہل بصرا کا وفد حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ کی روٹی روزانہ کسی چیز سے آلودہ ہوتی تھی۔ کبھی ہم دودھ کے سالن سے اس کو آلودہ پاتے کبھی خشک گوشت کا ابلا ہوا قیمہ ہوتا کبھی تازہ گوشت کا سالن ہوتا لیکن ایسا کم ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہم سے فرمایا 'خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو میرا کھانا ناپسند ہے اور تم اس سے تفرت کرتے ہو لیکن بخدا اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانا کھاتا اور بڑے مزے کی زندگی گزارتا خدا کی قسم میں مرغ آبیوں پر بٹیروں سے ناواقف نہیں ہوں لیکن اللہ نے عار دلائی ہے (لذت کوش) لوگوں کو اور فرمایا ہے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ (مہ برد اللہ مضجعہ) (تفسیر مظہری)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو ☆

☆ یعنی ہود علیہ السلام جو 'عاد' کے قومی بھائی تھے۔ (تفسیر جلالین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دینا

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔

ہوا کے وقت کی دعا' مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی آسمان کے کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا فَاِنْ حَبَسْتَهَا فَارْحَمْنَا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا فَاِنْ كَشَفْتَهَا فَاغْفِرْ لَنَا۔ یا اللہ میں تجھ سے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُرْسِلَتْ بِهٖ یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب ابر اٹھتا تو آپ کے رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ حوف اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا ہوا دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کر دیگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ

جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں ☆

احقاف ☆ مولف 'ارض القرآن' ''بلاد الاحقاف'' کے تحت میں لکھتا ہے ''یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم 'الدہنا' یا 'ربع خالی' کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں۔ تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیان حصہ میں ''عاد ارم'' کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا''۔ (تفسیر جلالین)

احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شحر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرموت میں ایک وادی کا نام احقاف ہے قتادہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات مشہور ہے کہ عادیمن میں رہنے والی ایک قوم تھی جو رکیبہ نامی علاقہ میں ساحل سمندر پر آباد ہوئی اور اسی کے قرب و جوار میں ان کی بستیاں بھی آباد ہو گئیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ

اور گذر چکے تھے ڈرانے والے اس کے آگے سے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی

اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اللہ کے سوائے میں ڈرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۲۱

آفت سے ایک بڑے دن کے☆

یہود کی دعوت ☆یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور پیچھے بہت ڈرانے والے آئے سب نے وہی کہا جو حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا یعنی ایک خدا کی بندگی کرو اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرو۔ ممکن ہے قوم عاد میں بھی حضرت ہود علیہ السلام کے علاوہ اور نذیر آئے ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے تھے اور سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا کے لخت انچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازیوں کے سوراخوں سے وہ نکل جا رہی تھی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ

بولے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیر دے

اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

ہم کو ہمارے معبودوں سے سو لے آ ہم پر جو وعدہ کرتا ہے

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۲۲

اگر ہے تو سچا ☆

کافروں کا مطالبہ ☆یعنی ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں اگر تو اپنی دھمکیوں میں سچا ہے تو دیر کیا ہے۔ جو فرمان سے کہتا ہے، کر کے دکھلا دے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ

کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا میرے ہاتھ

وَلٰكِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝۲۳

لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو☆

مطالبہ کا جواب ☆یعنی اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں جو پیام میرے ہاتھ بھیجا گیا وہ پہنچا رہا ہوں اس سے زائد کا نہ مجھے علم نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ منکر قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْعِلْمُ۔ یعنی وقت عذاب کا علم۔

عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب مقرر وقت پر آئے گا۔ اگر اس وقت تک نہیں آیا تو اس سے یہ لازم نہیں کہ میں جھوٹا ہوں ہاں مجھے عذاب لانے میں کوئی دخل نہیں کہ جلد لانے کا طلب گار ہوں۔

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ۔ یعنی پیام توحید احکام اور تمہارے ایمان نہ لانے کی صورت میں نزول عذاب کی اطلاع دے کر جو مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے میں وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ علیم و قدیر اللہ ہے پیغمبروں کو صرف تبلیغ توحید و احکام اور ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے پیغمبر نہ خود عذاب دینے والے ہوتے ہیں نہ نزول عذاب کی (بغیر وحی کے) تفتیش و طلب کرنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ

پھر جب دیکھا اس کو ابر سامنے آیا

اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ

اُن کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے

مُّمْطِرُنَا ۭ

ہم پر برسے گا☆

قوم عاد پر عذاب کے آنے کی کیفیت ☆یعنی سامنے سے

بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ سمجھے کہ سب ندی نالے بھر جائیں گے کہنے لگے۔ کہ بہت برساؤ گھٹا اٹھی ہے اب کام بن جائے گا۔ اس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے پانی کی بہت ضرورت تھی۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد پر دو سال سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ جب بادل کو سامنے سے آتے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے یہ جو ہم کو نظر آ رہا ہے بادل ہے جو برسے گا پانی برسائے گا۔ اللہ نے یا حضرت ہودؑ نے فرمایا یہ ابر باراں نہیں ہے بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس کے اندر عذاب الیم ہے۔

سب سے پہلے عذاب ہونے کی شناخت ان کو اس وقت ہوئی جب بستی کے باہر کی چیزیں انہوں نے ہوا میں اڑتی ہوئی دیکھیں یہ سماں دیکھ کر وہ اپنے گھروں میں گھس گئے اور دروازے بند کر لئے لیکن طوفان نے ان کے دروازے توڑ دیئے اور سب لوگوں کو زمین پر دے پٹکا پھر بحکم خدا طوفانی ریت ان پر آ پڑی اور سب ریت کے نیچے دب گئے یہ آندھی ساری رات اور آٹھ دن چلتی رہی ایک ہفتہ کے بعد طوفانی ریت اڑ گئی اور ان کی لاشوں کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ہودؑ کو جب طوفان کا احساس ہوا تو فوراً مؤمنوں کو لے کر ایک حصار میں داخل ہو گئے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے سند غریب سے ایک روایت امام احمد بن حنبل کی مسند سے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عاد ایک دفعہ قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا جس کو قیل کہا جاتا تھا وہ وفد معاویہ بن بکر پر سے گزرا تو ایک ماہ اس کے یہاں ٹھہرا جو اس کو شراب پلاتا اور دو گانے والی لونڈیاں اس کو اپنے نغمہ و سرود میں مست کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا تو وہ مہرہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوا اور کہا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ نہ تو میں کسی مریض کی جانب آیا ہوں کہ اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کی طرف کہ اس کا فدیہ ادا کروں۔

اے اللہ (بس یہی طلب ہے) تو عاد کو سیراب کر دے جس چیز سے بھی تو سیراب کرنے والا ہو تو اچانک چند بادل سیاہ رنگ کے سامنے سے گذرنے لگے تو ان میں سے ایک آواز آئی ان میں جو بادل چاہے اختیار کرے اس نے ان بادلوں میں سے سیاہ ترین بادل اختیار کر لیا فوراً اس میں سے آواز آئی خذھا ماذا ترمد الخ یعنی لے لے یہ بادل اس طرح کہ جلا کر راکھ کر دینے والے شعلے اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کہ قوم عاد میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑے تو ایک آندھی چلی جس نے پوری بستی ہلاک کر دی اور کوئی مکان باقی نہ بچا کہ وہ منہدم نہ ہو گیا ہو اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور یہ تن آور اور طاقت ور ڈیل ڈول والے زمین پر پچھڑے ہوئے پڑے تھے جیسے کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں گے

کانھم اعجاز نخل خاویۃ۔ یہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ تک چلتی رہی۔ سبع لیال وثمانیۃ ایام حسوما۔

علامہ آلوسیؒ نے ایک روایت کے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اس عذب کو ایک عورت نے دیکھا کہ ایک ہوا کا جھونکا ان کی بستی کی طرف اٹھا جس میں دہکتی ہوئی آگ کے شعلے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ آندھی عذاب خداوندی لے کر آ رہی ہے تو ایک خط اپنے پر کھینچ لیا اور ایک خط اس جگہ پر جہاں مؤمنین تھے تو ان پر یہ ہوا نہایت لطیف و خوشگوار ہو کر لگ رہی تھی حالانکہ یہی ہوا قوم عاد کو ان کی بستی درختوں اور مکانات کو اکھاڑ پھینک رہی تھی اور یہ نظر آ رہا تھا کہ ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے (ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر روح المعانی) (معارف کاندھلوی)

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ

کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے

فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿۲۴﴾

ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک ☆

☆ یعنی یہ برساؤ بادل نہیں۔ بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے وہ ہی جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا

اکھاڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے

لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ

کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے اُنکے گھروں کے یوں ہم

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو ☆

عذاب ☆ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہو گئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ ان

واقعات کو ذہن کر ہوش میں آ ڈورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ
اور ہم نے مقدور دیا تھا اُن کو اُن
اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ
چیزوں کا جن کا تم کو مقدور نہیں دیا ☆

کفار مکہ کو نصیحت ☆ یعنی مال، اولاد، جتھے اور جسمانی طاقت جو ان کو دی گئی تھی تم کو نہیں دی گئی، مگر جب عذاب آیا، کوئی چیز کام نہ آئی، پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّ
اور ہم نے اُن کو دیے تھے کان اور آنکھیں اور
اَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ
دل پھر کام نہ آئے اُن کے کان اُن کے
وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ
اور نہ آنکھیں اُن کی اور نہ دل اُن کے
شَيْءٍ
کسی چیز میں ☆

بد نصیبی ☆ یعنی نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے گئے تھے پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہو گئے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ یہ قوتیں سب موجود رہیں اور عذاب الٰہی نے آگھیرا، کوئی اندرونی یا بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ
اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے اور اُلٹ پڑی
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
اُن پر جس بات سے کہ وہ ٹھٹھا کرتے تھے ☆

استہزاء کا نتیجہ ☆ یعنی جس عذاب کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان پر واقع ہوا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کو دل اور کان اور آنکھ دی تھی، یعنی دنیا کے کام میں عقل مند تھے، وہ عقل نہ آئی جس سے آخرت بھی درست ہو"۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى
اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں ☆

قوم ثمود اور قوم لوط ☆ یعنی "عاد" کے سوا "قوم ثمود" اور "قوم لوط" وغیرہ کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کی جا چکی ہیں جو تمہارے آس پاس واقع تھیں، یہ مکہ والوں کو فرمایا کیونکہ سفروں میں ان کا گذر ان مقامات کی طرف ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ
اور طرح طرح سے پھیر کر سنائیں اُن کو باتیں
يَرْجِعُوْنَ ۝
تاکہ وہ لوٹ آئیں ☆

☆ مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کو عبرت کی دعوت: اور ہم نے دوسرے آس پاس کے اور بستیاں بھی تباہ کر دیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بتا دی تھیں تاکہ وہ باز آ جائیں سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے وہ محض ان کی من گھڑت اور تراشی ہوئی بات تھی۔

ما حولکم۔ یعنی اے اہل مکہ تمہارے آس پاس کی بستیاں جیسے قوم ثمود کی بستی حجر اور قوم لوط کی بستی سدوم وغیرہ۔ بستیوں کو ہلاک کرنے سے مراد ہے اہل بستی کو ہلاک کرنا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا
پھر کیوں نہ مدد پہنچی اُن کو اُن لوگوں کی طرف سے جن کو پکڑا تھا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ
اللہ سے ورے معبود بڑے درجے پانے کو ☆

اب بتوں کو بلاؤ ☆ یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بڑے درجے دلائیں وہ

اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے۔ اب وہ ان کو بلایا ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

قُرْبَانًا اٰلِهَةً یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا کہ ان کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرلیں کیوں کہ انہوں نے کہا تھا هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ

کوئی نہیں گم ہو گئے ان سے ☆

اب بت کہاں گئے ☆ یعنی آج ان کا کہیں پتہ نہیں، نہ عذاب کے وقت ان کو پکارا جاتا ہے آخر وہ گئے کہاں جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ۔ یعنی غائب ہو گئے (کھو گئے) مطلب یہ کہ عذاب نازل ہونے کے وقت غائب ہو گئے اور جس طرح کسی غائب سے طلب مدد ناممکن ہے اسی طرح ان معبودوں سے مدد طلب کرنی بھی محال تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور یہ جھوٹ تھا اُن کا اور جو اپنی جی سے باندھتے تھے ☆

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ☆ یعنی ظاہر ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے کیسے (ربط) اوپر کی آیات میں انسانوں کے تمرد و سرکشی کی داستان تھی۔ آگے اسکے مقابل جنوں کے اطاعت و فرمانبرداری کا حال سناتے ہیں۔ تا معلوم ہو کہ جو قوم طبعی طور پر سخت متمرد اور سرکش واقع ہوئی ہے اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ فوک سے اشارہ عدم امداد کی طرف سے یعنی امداد نہ ہونا ان کے جھوٹ یعنی افتراء کا نتیجہ ہے۔

وما کانوا۔ ما مصدری ہے یعنی ان کا افتراء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ

اور جس وقت متوجہ کر دیئے ہم نے تیری طرف کتنے اک لوگ جنوں میں

يَّسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى

بولے چپ رہو پھر جب ختم ہوا اُلٹے پھرے

قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝

اپنی قوم کو ڈر سناتے ہوئے ☆

جنات کا مسلمان ہونا ☆ بعثت محمدی سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ یکلخت بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی، جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جسکی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو کے لئے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت 'بطن نخلہ' کی طرف گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لئے ادھر پھیر دیا قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اسکی عظمت و ہیبت دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو آخر قرآن نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و ایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔ ان کی مفصل باتیں سورہ "جن" میں آئیں گی۔ احادیث میں معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا۔ ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرایا گیا۔ کما قال تعالیٰ "قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن الخ" (جن رکوع ۱) بعدہ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لئے ان کے وفود حاضر خدمت ہوئے۔ خطابی نے روایات کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے ملاقات کی۔ اس لئے روایات میں جو اختلاف ان کے عدد یا دوسرے امور کے متعلق معلوم ہوتا ہے اس کو تعدد وقائع پر حمل کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل مکہ جنوں سے بھی بڑھ کر سرکش ہیں

کفار مکہ باوجودیکہ اس قسم بنی آدم اشرف المخلوق ہیں اور خدائے تو ع بشر میں علم و بردباری اور تاثر انفعال کی صلاحیت بہت زائد رکھی ہے اس کے بالمقابل نوع جن میں اس وجہ سے کہ وہ مخلوق ناری ہیں شدت و تمرد اور سرکشی اور غارتی

تاثرات سے متاثر نہ ہونے کا وصف ان میں زائد ہے لیکن اس جماعت نے جب قرآن کریم کی توجہ کی اور غور وفکر کے ساتھ سنا تو فوراً ہی حق کی طرف قلوب مائل ہو گئے اور قرآن کریم کی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکا دیا اور نہ صرف یہ کہ خود ہدایت قبول کی بلکہ اپنی قوم کی طرف ہادی وراہنما اور داعی بن کر لوٹے تو اس قصہ سے اہل مکہ کے عناد اور تمرد وسرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر متنفر وبرگشتہ تھے۔ (معارف کاندھلوی)

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ: مسند احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ یہ سب جنات سمٹ آپ کے اردگرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ جنات صیبین کے تھے تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا اب تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جاؤ تلاش کرو پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کی کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ خدا کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری ومسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء: سیرت ابن اسحٰق میں محمد بن کعبؒ کا ایک لمبا بیان منقول ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف جانا انہیں اسلام کی دعوت دینا ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس دعاء کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی صَدِیْقٍ قَرَّبْتَہٗ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ بِکَ غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یُّنْزِلَ بِیْ سَخَطَکَ اَوْ یَحُلَّ بِیْ غَضَبُکَ لَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کس مپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو دراصل سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے۔ میرا پالنہار بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کو سونپ رہا ہے۔ کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قریب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس ورد وکھ کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھے تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین ودنیا کے تمام امور کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے۔ مجھے تیرے ہی رضا مندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے۔

رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنوں کے پاس تشریف لے جانا

حضرت علقمہؒ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا۔ آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دیدیا خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا۔ چنانچہ آپ ہمیں لیکر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضور نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قرآن سننے کے لئے آنے والے ہیں اس میں ہدیٰ اور لید کے ساتھ کوئلے کا لفظ بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے

کی جگہ ہے اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدحام ہو گیا تو ان کے سردار وردان نے کہا یا رسول اللہ میں انہیں ادھر ادھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا۔ آپ مجھے لیکر چلے جب مکہ شریف کے اونچے والے حصہ میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر جماعت آپ کے اردگرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کے قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے رہ گئے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے وہ نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔

نصیبین کے جن: مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے۔ نصیبین کے تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار کو اہل نصیبین سے ان کے نام یہ ہیں حسی، حسا، ہنسی، ساصر، ناصر، الاردوبیان، الاحتم، ابوحمزہ، شمالیؒ فرماتے ہیں انہیں سوشیصیان کہتے ہیں یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔

ایک کاہن کی گواہی: صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس چیز کی نسبت جب کبھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہو گی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حسین شخص گذرا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانے میں ان لوگوں کا کاہن تھا جانا ذرا اسے لے آنا جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا۔ وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا۔ اس نے کہا بہت اچھا سنئے میں جاہلیت کے زمانے میں ان کا کاہن تھا میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنئے۔ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا کہ وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا کیا تو نے جنوں کی بربادی، مایوسی اور ان کا پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی ذرگت نہیں دیکھی؟

حضرت عمرؓ کی گواہی: حضرت عمرؓ فرمانے لگے یہ سچا ہے ایک مرتبہ میں ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے صلح نجات دینے والا امر آ چکا ایک شخص نے جو فصیح زبان سے لا الہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آواز اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ بھی آ گیا ہے لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا واللہ اعلم۔ امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا۔ جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے واللہ الحمد والمنۃ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔

سواد بن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر نبوی پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد ابن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ کہہ سناؤ۔ آپ نے فرمایا ہاں سنئے میں ہند گیا ہوا تھا میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا۔ مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے۔ قبیلہ لوئی بن غالب میں سے خدا کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں جنات کی حس اور ان کے بودیہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منہ دکھڑے

پر نظریں تو ڈال لے مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرتے اور جلد جلد پالان اور تھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو کے کا قصد کر۔

تو اٹھ اور جلدی جلدی خونہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا مجھے جنات کے باخبر ہو جانے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب ہو رہا ہے۔ وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ان میں کے بُرے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ تو بھی اٹھ اور اس خونہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو مؤمن جنات کافروں کی طرح نہیں۔ تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی وقعت اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور محبت سے دل پُر ہو گیا۔ میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال مجھے دیکھتے ہی یک بارگی اللہ کے پیغمبر نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو آؤ ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا حضور! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک کچی خبر پہنچائی تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوئی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں پہنچ ہی گیا اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں اور آپ خدا کے امانت دار رسول ہیں۔ آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد سے تمام رسولوں سے بہتر رسول جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو ناممکن ہے کہ ہم اسے ٹال دیں۔ آپ قیامت کے دن ضرور میری سفارش بنتا کیوں کہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہو گا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پائی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی تیرے پاس آتا ہے؟ اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی زبانی لیلۃ الجن کا قصہ

اب جس حدیث کو ہم حافظ ابونعیم کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار یاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن عیلان ثقفیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا اس رات حضور کے ساتھ آپ بھی تھے جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنایئے فرمایا صفہ والے مساکین صحابہ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کو کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا کہ تم بھی کھا لیتے؟ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں لے گیا۔ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ ہو لیا آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے۔ میں باہر ہی ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضور فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا لپیٹ پر لپیٹ کر سو گیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول خدا آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں ساتھ ہو لیا اور اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا حضور اللہ نے چاہا تو میں مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس کی اسناد غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جن کا نام مذکور نہیں۔

ایک شہید جن صحابی:

ابونعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المؤمنین میں ایک جنگل میں تھا میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا۔ دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعضوں سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا۔

یہاں تک۔ کہ ایک زرد رنگ کا دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا۔ اب میں چلا جا رہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے خدا کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ کوشعبان اور سوقیس میں سے تھے ان دونوں میں جن ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہیں میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجیب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔

مؤمن جنوں کے جنت میں جانے کا مسئلہ

جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مؤمن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے؟ جو مقام فضل ہے بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل میں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے مثلاً اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا وغیرہ وغیرہ یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن جنت میں تو یہ پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے نہیں صرف تسبیح و تمجید و تقدیس ان کا طعام ہوگا جیسے فرشتے اس لئے کہ یہ بھی نہیں کی جنس سے ہیں۔ لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چھ مرتبہ جنات حاضر ہوئے

طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔ خفاجی نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں (کذا فی الروح واخذہ عن بیان القرآن)۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا
بولے اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب

اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى
جو اتری ہے موسیٰ کے بعد ☆

توراۃ کی گواہی

کتب سابقہ میں حضرت موسیٰ کی کتاب (توراۃ) کی برابر کوئی کتاب احکام و شرائع کو حاوی نہیں تھی۔ اسی پر انبیائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہ ہی فرمایا کہ میں توراۃ کو بدلنے کے لئے نہیں آیا بلکہ اسکی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت سے جنوں میں توراۃ ہی مشہور چلی آتی تھی۔ اس لئے اس موقع پر انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کیا خود توراۃ میں بھی جو پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ (اے موسیٰ علیہ السلام) ''تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا''۔ (تفسیر عثمانی)

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو ☆

☆ شاید اس وقت قرآن کا جو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا تھا اس میں ایسا مضمون آیا ہوگا۔ یا قرائن سے سمجھے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ
بھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝
سیدھی ☆

قرآن کی رہنمائی

یعنی سچے عقیدے اور عمل کا سیدھا راستہ۔ (تفسیر عثمانی)

یَهْدِیْ اِلَی الْحَقِّ۔ الحق سے مراد ہیں صحیح عقائد۔ اور طریق مستقیم سے مراد ہیں عملی احکام۔ (تفسیر مظہری)

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ
اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانیوالے کو اور اس پر یقین لاؤ ☆

جنوں کی اپنی قوم کو دعوت ☆ یعنی اس کی بات مانو جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اور اسکی رسالت پر یقین کرو۔ (تفسیر عثمانی)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ

کہ بخشے تم کو کچھ تمہارے گناہ ☆

اسلام سے گناہ معاف ہو جاتے

☆ یعنی جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو۔ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے۔ آئندہ سے نیا کھاتہ شروع ہوگا لیکن یاد رہے کہ یہاں ذنوب کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کا معاف ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ (تفسیر عثمانی)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا یعنی وہ گناہ معاف کر دے گا جن کا تعلق حق اللہ سے ہوگا۔ حقوق العباد ایمان لانے سے معاف نہیں ہوتے۔ جنات کی اس تبلیغ سے ستر جن مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بطحاء میں تھے آپ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ فرائض ادا کرنے کا حکم دیا اور ممنوعات سے باز داشت کی اس واقعہ میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن دانس دونوں کے لئے بھیجا گیا تھا۔ سورۃ جن میں ہم نے مؤمن جن کے متعلق علماء کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣١﴾ وَمَن

اور بچا دے تم کو ایک عذاب دردناک سے اور جو کوئی

لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ

نہ مانے گا اللہ کے بلانیوالے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا

فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِن دُونِهِ

بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اس کا اسکے سوائے

أَوْلِيَاءُ ۚ

مددگار ☆

خدا کے باغی کا کہیں ٹھکانہ نہیں

یعنی نہ خود بھاگ کر خدا کی مار سے بچ سکے نہ کوئی دوسرا بچا سکے۔ حضرت شاہ صاحب "فی الارض" کی قید پر لکھتے ہیں کہ "شیاطین کو" اوپر سے فرشتے مارتے ہیں تو زمین ہی کو بھاگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ ۔ یعنی زمین پر اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتا اگر اللہ اس کو عذاب دینا چاہے تو وہ اللہ کی دسترس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ (تفسیر مظہری)

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٢﴾ أَوَلَمْ

وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح کیا نہیں

يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ

اور زمین اور نہ تھکا ان کے بنانے میں ☆

یہود کے عقیدہ کی تردید

اس لفظ میں "یہود" کے عقیدے کا رد ہے جو کہتے تھے کہ چھ دن میں اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے "ثم استراح" (پھر ساتویں دن آرام کرنے لگا) العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ ۔ اور ان کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا اور نہ عاجز ہو گیا کیوں کہ اس کی قدرت ذاتی ہے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے اس میں نقص نہیں آ سکتا۔ (تفسیر مظہری)

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ

وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مردوں کو

إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٣﴾

کیوں نہیں وہ ہر چیز کر سکتا ہے ☆

موت کے بعد زندگی

یعنی بڑا عذاب مرنے کے بعد ہوگا اور اس دھوکا میں نہ رہیں کہ مر کر کہاں زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کو یہ کچھ مشکل نہیں۔ جو آسمان و زمین کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، اسکو تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى

اور جس دن سامنے لائیں منکروں کو آگ کے

النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ

کیا یہ ٹھیک نہیں کہیں کہیں کے کیوں نہیں

وَرَبِّنَا

قسم ہے ہمارے رب کی ☆

کافروں کا اقرار ☆ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دوزخ کا وجود اور اسکا عذاب کیا واقعی چیز نہیں؟ آخر سب دلیل ہو کر اقرار کریں گے کہ بے شک واقعی ہے (ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے) (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کہا تو چکھو عذاب بدلہ اس کا

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

جو تم منکر ہوتے تھے ☆

☆ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار و تکذیب کا مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ

سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے

الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

رسول اور جلدی نہ کر اُنکے معاملہ میں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی

یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے۔ آخرت میں ملے یا دنیا میں بھی۔ تو آپ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک میعاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے (تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا من بیانِ جنس کے لئے ہوگا واللہ اعلم۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

فَاصْبِرْ۔ یعنی اے محمد آپ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کیجئے۔ مطلب یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ کافروں کو دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا تو آپ صبر کیجئے۔ انتقام کا ارادہ نہ کیجئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد:

شیخ احمد مجدد الف ثانی نے فرمایا' عزم والے چھ تھے آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مؤخر الذکر پانچ کا ذکر تو خصوصیت کے ساتھ آیت میثاق (مذکورہ بالا) میں کر دیا گیا ہے یہ حضرات (الگ الگ) شریعتوں کے حامل بھی تھے ان کے بعد جو پیغمبر ہوئے وہ انہیں کی شریعتوں کے پابند تھے رہے حضرت آدمؑ تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے پہلے تھے ان کی شریعت سب سے اول تھی (جس پر وہ عامل تھے)۔

اہل عزم کا مقام:

بغوی نے لکھا ہے کہ مسروق نے کہا مجھ سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' عائشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آل محمد کے لئے دنیا مناسب نہیں عائشہ! اللہ نے اہل عزم کے لئے دنیا کے مکروہات پر صبر کرنے اور مرغوبات سے صبر (اعراض۔ گریز) کرنے ہی کو پسند فرمایا اور مجھے بھی اسی امر کا مکلف کیا جس کا مکلف دوسرے اولوالعزم کو کیا تھا میرے لئے اسی بات کو اس نے پسند کیا۔ اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور واللہ میرے لئے بھی طاعت خداوندی کے سوا کوئی چارہ نہیں' جیسے انہوں نے صبر کیا میں بھی صبر کروں گا اور جیسے انہوں نے جگہیں برداشت کیں میں بھی ویسی ہی محنت کروں گا۔ ولا قوۃ الی باللہ

ایک نبیؑ کا صبر:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا' گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا لیکن وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ لوگ نادان ہیں متفق علیہ (غالباً نبی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات مبارک تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو مبہم الفاظ میں بیان فرمایا)۔ (تفسیر مظہری)

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ

یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اُس چیز کو جس کا اُن سے وعدہ ہے

لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ

جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی ☆

جب عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا

''ڈھیل نہ پائی تھی دنیا میں'' یعنی اب تو دیر سمجھتے ہیں کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا اس دن جانیں گے کہ بہت شتاب آیا دنیا میں ہم ایک ہی گھڑی رہے یا عالم قبر کا رہنا ایک گھڑی معلوم ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ گذری ہوئی مدت تھوڑی معلوم ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً سختی اور مصیبت کے وقت عیش و آرام کا زمانہ بہت کم نظر آنے لگتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَمْ يَلْبَثُوْٓا ۔ یعنی دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر گھڑی بھر۔ روز قیامت اور عذاب کی ہولناکی کی وجہ سے دنیوی زندگی ان کو بہت ہی تھوڑی محسوس ہو گی کیوں کہ جو مدت گزر گئی وہ کتنی ہی طویل ہو لیکن جب گذر چکی تو گویا تھی ہی نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
یہ پہنچا دینا ہے اب وہی غارت ہونگے جو لوگ
الْفٰسِقُوْنَ ۝
نافرمان ہیں ☆

حجت پوری ہو چکی ☆ یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہ ہی تباہ و برباد ہوں گے ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے تم سورۃ الاحقاف بفضل اللہ وحسن توفیقہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

بَلٰغٌ ۔ یعنی یہ نصیحت جو کی گئی یا یہ سورت یا یہ قرآن اور جو بیان اس کے اندر ہے اللہ کی طرف سے تم کو پہنچانا ہے یعنی بس اس کا پہنچا دینا ہی کافی ہے یا ہذا سے تبلیغ رسول کی طرف اشارہ ہے۔ بلاغ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے یعنی یہ بلاغ عظیم ہے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ ۔ سوال انکاری ہے یعنی سوا نافرمان لوگوں کے عذاب سے کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

الْفٰسِقُوْنَ ۔ یعنی نصیحت پذیری یا طاعت سے خارج ہو جانے والے۔ زجاج نے اس کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی رحمت اور کرم کی موجودگی میں عذاب سے ہلاک ہونے والے صرف نافرمان لوگ ہوں گے (باقی لوگوں پر اللہ کی رحمت ہوگی) اسی لئے کچھ لوگوں نے کہا کہ رحمت خداوندی سے امید رکھنے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ اس آیت سے زیادہ قوی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پاس فرشتہ اچھی صورت میں آئے گا۔

اس سورۃ کا نام ''قتال'' ہونے کی وجہ

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام قتال بھی ہے کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی یہ سورت نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کی ایک آیت كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ وہ مکی آیت ہے کیونکہ اسکا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی بستی اور بیت اللہ پر نظر کر کے آپ نے فرمایا کہ ساری دنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں خود اپنے اختیار سے مکہ مکرمہ نہ چھوڑتا۔ (معارف مفتی اعظم)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اڑتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو
سَبِيْلِ اللّٰهِ
اللہ کی راہ سے ☆

راہ حق سے روکنا ☆ جیسا کہ رؤسائے کفار کی عادت تھی کہ جان، مال اور ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
کھو دیے اللہ نے اُنکے کام ☆

خود فریبی ☆ یعنی جن اعمال کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں بلکہ ان میں سے بعض کام اور الٹے موجب عتاب ہوتے ہیں جیسے لوگوں کو اسلام سے روکنے میں پیسہ خرچ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اعمال بغیر ایمان کے مقبول نہیں

اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت اور نابود کر دیا۔ اعمال سے مراد ہیں وہ اعمال جو بظاہر بہت اچھے دکھائی دیتے ہیں جیسے غریبوں کو کھانا کھلانا۔ قرابت داروں کے رشتہ قرابت کو جوڑے رکھنا اور ان سے حسن سلوک کرنا اور قیدیوں کو رہا کرانا اور ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔ چونکہ کافروں کے اچھے اعمال کا مقصود خوشنودیٔ خدا کا حصول نہیں ہوتا اس لئے آخرت میں اللہ ان کا کوئی ثواب نہیں دے گا۔ اللہ کی مہربانی سے دنیا میں ان کا اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔

دوسرا ترجمہ ضحاک نے اضل اعمالھم کا ترجمہ کیا اللہ نے ان کی خفیہ تدبیروں کو اکارت کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی سیہ کاریوں کو نابود کر دیا اور ان کی مکاریوں کا چکرا انہیں پر الٹ دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام
وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ
اور مانا اُس کو جو اُترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین
مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
اُن کے رب کی طرف سے اُن پر سے اتاریں اُن کی برائیاں
وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝
اور سنوارا اُن کا حال ☆

سچا دین ☆ یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ ان کا حال سنوار دیتا ہے کہ "یوما فیوما" نیکی میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور آخرت میں ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کی مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہان کو ایک حکم ہے اب سچا دین یہی ہے اور برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی، لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف، اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم"۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ میں تو تمام وہ امور داخل ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے خاص طور پر اس شریعت پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ایمان لانا لازم قرار دیا اس سے شریعت محمدیہ پر ایمان لانے کی عظمت کا اظہار اور اس امر کی صراحت کرنی مقصود ہے کہ اس شریعت پر ایمان لائے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی اور اصل ایمان یہی ہے تمام ایمانیات اس میں داخل ہیں۔

ایک لطیف مفہوم۔ بعض اہل علم نے کہا اسکی حقانیت یہ ہے کہ سب کا ناسخ ہے منسوخ نہیں ہے۔

نحوی نکتہ: وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور کلام مفید حصر ہے۔

كَفَّرَ۔ ایمان اور اچھے اعمال کی وجہ سے اللہ ان کے گناہوں کو چھپا دے گا ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

اصلاح حال: وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ۔ اور دنیا میں ان کے حالات درست رکھے گا دشمنوں پر فتح عنایت کرے گا گناہوں سے بچنے اور شیطان کے تسلط سے محفوظ رہنے کی اور طاعت الٰہیہ کی توفیق عطا فرمائے گا پھر آخرت میں دوامی راحت اور خوشنودی خدا مرحمت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا یعنی زندگی بھر ان کی حفاظت رکھے گا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد مکہ کے مشرک ہیں۔ اور الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد انصار ہیں۔ میں کہتا ہوں لفظ عام ہے (اس میں ہر کافر اور ہر مؤمن صالح داخل ہے) (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا
یہ اس لئے کہ جو منکر ہیں وہ چلے
الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے
اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ
انہوں نے مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں
يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝
بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو اُن کے احوال ☆

واضح بیان ☆ یعنی اسطرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے تا باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کو پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ
سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو

الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو اُن کو

فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ

تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجئے

وَاِمَّا فِدَآءً

اور یا معاوضہ کیجئے ☆

باطل سے مقابلہ کی ہدایات

یعنی حق اور باطل کا مقابلہ تو رہتا ہی ہے جس وقت مسلمان اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری طرح مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہئے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیئے جائیں۔ اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل مستی، بزدلی اور توقف و تردد کو راہ نہ دو اور دشمنان خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے قال تعالیٰ "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ" (انفال رکوع ۹) یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے۔ اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔ شد و شد وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں یا مصلحت سمجھو تو مدون کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کر دو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوش اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زر فدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو۔ اس میں کئی طرح فائدے ہیں بہر حال اگر ان اسیران جنگ کو ان کے وطن کی طرف واپس کرو تو دو ہی صورتیں ہیں معاوضہ میں چھوڑنا یا مالا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت نام کے نزدیک اصلح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اسی طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنا لینا یا قتل کر دینا احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ضیاء القرآن)

فَاِذَا لَقِيْتُمُ۔ لقی لقاء سے مشتق ہے اور لقاء (کا معنی ہے مقابلہ۔ اس سے مراد ہے لڑائی۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ اصل جملہ تھا فاضربوا الرقاب ضرباً۔ خوب گردنیں مارو۔ گردن مارنے سے مراد ہے قتل کر دینا دوسرے اعضاء کو زخمی کر دینے سے کبھی ہلاکت ہو جاتی ہے کبھی نہیں ہوتی اور گردن کاٹنے سے عام طور پر موت ہو ہی جاتی ہے اس لئے گردنیں کاٹنے کا حکم دیا یعنی قتل کر دو۔ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ۔ یہاں تک کہ جب تم خوب قتل کر چکو۔ اثخنتم۔ ثخین سے ماخوذ ہے ثخین کا معنی ہے دبیز موٹا قتل کر چکو یعنی کثرت سے خون ریزی کر چکو۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔ یعنی قتل سے رک جاؤ اور گرفتار کر لو اور مضبوطی کے ساتھ باندھ لو تاکہ بھاگ نہ جائیں وثاق اور وثاق عدس جس سے کسی چیز کو باندھا جاتا ہے۔ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ۔ یعنی گرفتار کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کے بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دو۔ وَاِمَّا فِدَآءً سو اور یا وہ فدیہ جو رہائی کے لئے معاوضہ ادا کریں۔ (تفسیر مظہری)

جنگی قیدیوں کا مسئلہ خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورۂ محمد کی آیت مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اسلئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی اس آیت نے سورۂ انفال کی آیت کو منسوخ کر دیا تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری شافعی احمد اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس وقت من وفداء کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورۂ محمد میں من وفداء کی اجازت دیدی گئی۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ھ غزوۂ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۂ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔ (معارف حق اعظم)

جنگی قیدیوں کے متعلق امام المسلمین کو چار اختیار

مذکورہ الصدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنا لینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام اُمت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلاف ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ انکے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کرا لئے جائیں اور یہ بھی کہ اُن سے کچھ مال لیکر چھوڑ دیا جائے' دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں۔

مسئلہ غلامی کے بارے میں اسلام پر اعتراض اور اس کا جواب

رہا یہ اشکال کہ اسلام نے جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے' اُس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو درحقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں' مشہور مستشرق موسیو گستاو لیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے۔

غلام کا لفظ جب کسی ایسے یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تیس سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں اُن مسکینوں کا تصور آ جاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' اُن کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انہیں کوڑے مار مار کر ہنکایا جا رہا ہے' ان کی غذا اتنی مدرق کے لئے بھی کافی نہیں اور انہیں رہنے کے لئے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں' مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصاریٰ کے یہاں غلام کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔ (منقول از دائرۃ معارف فرید وجدی ص۲۷۹ ج۳ مادۃ استرقاق)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں۔ یا قتل کر دیا جائے یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں' قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دارالحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے' اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں' یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آجکل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟۔

غلاموں کے بارے میں اسلام نقطۂ نظر

غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ ذیل بیان فرمایا ہے۔

اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه فان کلفه ما یغلبه فلیعنه (بخاری مسلم' ابوداؤد وغیرہ)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے' پس جسکا بھائی اسکے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اسکو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اسکو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو' اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

اسلام نے غلاموں کو تمام معاشرتی حقوق دیئے

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے' چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ والی آیت کے ذریعہ اسکی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے' مال غنیمت میں اسکا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اسکا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا' قرآن و حدیث میں اس کیساتھ حسن سلوک کے کتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالق حقیقی سے جا ملے' وہ یہ الفاظ تھے۔ الصلوٰة الصلوٰة' اتقوا الله فیما ملکت ایمانکم (ترجمہ) نماز کا خیال رکھو نماز کا خیال رکھو' اپنے زیر دست غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو (ابوداؤد۔ باب فی حق المملوک)

اسلام میں غلاموں کی تعلیم و تربیت کے مواقع

غلاموں کے لئے تعلیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جسکا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

غلاموں کی آزادی کے فضائل و مواقع

مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گئے

ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارۂ ظہار، کفارۂ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ مار دیا تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صحبۃ المالیک)

بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد

صاحب انعام الوہاج نے بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ	۶۹	حضرت عباسؓ	۷۰
حضرت حکیم بن حزامؓ	۱۰۰	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۰۰۰
حضرت عثمان غنیؓ	۲۰	حضرت ذوالکلاع حمیریؓ	۸۰۰۰
حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ	۳۰۰۰۰ (صرف ایک دن میں)		

(فتح الملہم شرح صحیح مسلم المعروف بہ صدیق حسن خانصاحب ص ۲۳۲ ج ۳ کتاب العتق)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہؓ نے ۳۹۳۵۹ غلام آزاد کئے اور ظاہر ہے کہ دوسرے ہزاروں صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔

غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکام غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔

اسلام نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانا فرض نہیں کیا صرف جواز ہے

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو انہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم اُن کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے لہٰذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔ (معارف ملفوظ)

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ

جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار ☆

☆ یعنی یہ حرب وضرب اور قید و بند کا برابر جاری رہے گا تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حرب اور آوزار کا مطلب

اپنے بوجھ یعنی اسلحہ مراد یہ ہے کہ لڑائی ختم ہو جائے اور سوائے مسلم کے یا صلح کرنے والوں کے اور کوئی باقی نہ رہے بعض نے کہا اوزار سے مراد ہیں گناہ یعنی جنگی مشرک اپنے گناہوں کا بار اپنے اوپر سے اتار دیں مطلب یہ کہ کفر سے توبہ کر لیں مسلمان ہو جائیں۔ بعض اہل علم نے کہا (حرب سے مراد ہے تمہاری حرب اور اوزار سے مراد ہیں مشرکوں کے گناہ اور اعمال بد) مطلب یہ ہے کہ تمہاری لڑائی اور تمہارا جہاد مشرکوں کے گناہوں اور بد کرداریوں کا بار اتار دیں، وہ مسلمان ہو جائیں یعنی مشرکوں کو خوب قتل اور قید کرو تا کہ تمام ملتوں والے ملت اسلام میں داخل ہو جائیں۔

احکام اسلام کا مقصد:

اللہ نے ضرب یا قید یا بلا معاوضہ رہائی اور معاوضہ لے کر آزادی یا ان تمام احکام کے مجموعہ کا نتیجہ انقطاع جنگ کو قرار دیا یعنی یہ احکام اس لئے جاری کئے گئے کہ لڑائی کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور مشرکوں کی کمر ٹوٹ جائے تو جنگ ہی کا خاتمہ ہو جائے اور ایسا حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہو جائیگا۔

ظلم کے خلاف جہاد جاری رہے گا

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جنگ کرتا رہے گا اپنے مقابلوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال مسیح سے جنگ کرے گا۔ رواہ ابوداؤد بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ ۚ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ

یہ سن چکے اور چاہے اللہ تو بدلہ لے اُن سے

وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ

پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو ☆

قتال و جہاد کی حکمت ☆ یعنی خدا کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد و ثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال مشروع کر کے اسے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھنا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفار میں

سے کتنے لوگ ان تعطیلی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر استیصال نہیں کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد کی ایک حکمت: تاکہ کافروں سے جہاد کرا کے مومنوں کی جانچ کر لے اور جہاد کر کے وہ ثواب کے مستحق ہو جائیں اور مؤمنوں سے جنگ کرا کے کافروں کی جانچ کر لے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دے دے تاکہ کچھ لوگ کفر سے باز آ جائیں اور بعض لوگ کفر پر قائم رہ کر دوزخ کے مستحق قرار پائیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ اگر چاہتا کافروں کے بیچ بن سے اکھاڑ پھینکنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس نے جو جہاد کا حکم دیا ہے یہ حکم بر حکمت اور مبنی بر مصلحت ہے اور مصلحت یہ ہے کہ مؤمنوں اور کافروں کی جانچ ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

مشروعیت جہاد کی دوسری حکمت

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ 'اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے۔ کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے اُمت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس اُمت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا' اسکے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد' عورت' بچے سبھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو ماموں ہیں ہی' مرد بھی صرف وہی اسکی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنیوالوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے آ کھڑے ہوں' پھر اُس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے' اُن میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ
تو نہ ضائع کریگا وہ اُنکے کئے کام اُن کو راہ دیگا
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝
اور سنواریگا اُن کا حال ☆

شہید کامیاب ہیں ☆ یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں' لیکن حقیقتہً وہ کامیاب ہیں اللہ ان کے کام کو ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا ان کو جنت کی طرف راہ دے گا۔ اور آخرت کے تمام منازل و مواقف میں انکا حال درست رکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین شہید: اصفہانی نے ترغیب میں اور بزار و بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید تین ہیں۔ نمبر ۱۔ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ با امید ثواب لڑنے کے لئے اور مسلمانوں کے گروہ کی تعداد بڑھانے کے لئے نکلتا ہے اور چاہتا ہے کہ راہ خدا میں مارا جائے' یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور (قیامت کے دن) بڑی گھبراہٹ سے مامون رہے گا بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا جوڑا لگایا جائے گا عزت کا لباس اس کو پہنایا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص (شہید) ہے جو با امید ثواب اپنی جان و مال کے ساتھ (راہ خدا میں) نکلتا ہے اور قتل کرنا چاہتا ہے لیکن مارا جانا نہیں چاہتا یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو وہ ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ اللہ کے سامنے ایک با اقتدار بادشاہ کی مجلس صدق میں ہوگا تیسرا وہ شخص ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ با امید ثواب نکلا وہ چاہتا ہے کہ (دشمنوں کو) قتل کرے اور خود بھی مارا جائے یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو قیامت کے دن تلوار سونتے ہوئے کندھے پر رکھے ہوئے آئے گا جس لوگ دوزخ میں جھکے ہوں گے اور یہ شہدا کہیں گے ہم نے راہ خدا میں اپنے خون اور مال خرچ کئے ہیں ہمارے لئے جگہ کشادہ چھوڑ دو چنانچہ یہ سب عرش کے نیچے پانچ کرنور کے منبروں پر بیٹھ جائیں گے اور لوگوں کے فیصلے ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور نہ ان کو مرنے کا غم ہوگا نہ برزخی فتنہ میں مبتلا ہوں گے نہ (صور اسرافیل سے) ان کو گھبراہٹ ہوگی نہ میزان حساب اور پل صراط کی فکر ہوگی جو کچھ مانگیں گے ان کو دیا جائے گا جس معاملہ میں سفارش کریں مانی جائے گی جنت کا جو حصہ پسند کریں گے ان کو دیا جائے گا جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

اُحد کے دن کی صورتحال

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ آیت اَلَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ احد کے دن نازل ہوئی مسلمانوں میں زخمی اور شہید پھیلے ہوئے تھے اور مشرکوں نے پکار کر کہا تھا اُعْلُ هُبَل (اہبل سربلند یا ہبل کی جے) اس کے جواب میں مسلمانوں نے نعرہ بلند کیا اللہ اَعْلٰی وَاَجَلّ (اللہ سب سے اونچا اور سب سے زیادہ بزرگی والا ہے) مشرکوں نے کہا اِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ (عزیٰ دیوی ہماری ہے تمہاری کوئی عزیٰ نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

شہید کے لئے دو نعمتیں۔

ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کر دیگا۔ دوسرے اُن کے سب حالات درست کر دیگا۔ حالات سے مُراد دُنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگر چہ وہ شہید نہ ہوا سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہو گیا۔ اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اسکے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اسکی خلاصی کرا دیں گے۔ (کما ورد فی حدیث ابی نعیم والبزار والبیہقی۔ مظہری) (معارف ملتقی اعظم)

تین قسم کے آدمی جن کا قرض اللہ تعالیٰ ادا کریں گے

ابونعیم نے حلیہ میں حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز بزار نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمیوں کی طرف سے قیامت کے دن اللہ (ان کا قرضہ) ادا کر دے گا۔

نمبر ۱۔ وہ شخص جس کو اندیشہ ہو کہ دشمن مسلمانوں کے ممالک عروسہ پر حملہ کر دے گا اور اس کے پاس قوت نہ ہو اس لئے قرض لے کر ہتھیار خرید کر قوت حاصل کرے اور قرض ادا کرنے سے پہلے مر جائے تو اللہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے گا۔

نمبر ۲۔ وہ شخص جس کا مسلمان بھائی مر جائے اور اس کے پاس کفن دینے کو نہ ہو اس لئے قرض لے کر کفن خرید لے اور اداء قرض کی قدرت حاصل نہ ہو پائے اور اسی حالت میں مر جائے اس کا قرض بھی اللہ ادا کر دے گا۔

نمبر ۳۔ وہ شخص جس کو (نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر) ارتکاب زنا کا اندیشہ ہو اس لئے (کچھ قرض لے کر) کسی عورت سے نکاح کر لے اور اس طرح پاک دامن رہے اور ادائیگی قرض (پر قدرت حاصل ہونے) سے پہلے مر جائے تو اس کا قرض بھی اللہ ادا کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝
اور داخل کریگا انکو بہشت میں جو معلوم کرا دی ہے اُن کو ☆

☆ یعنی جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہو گی جہاں اس کو رہنا ہے (تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "عرفها لهم" کے معنی "طيبها لهم" کے لئے ہیں یعنی جنت ان کے لئے خوشبوؤں سے مہکا دی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کو اپنی بیویوں اور گھروں کی صحیح شناخت ہوگی

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قسم ہے اس کی جس نے مجھے (دین) حق دے کر بھیجا ہے تم لوگ دنیا میں اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کو اس سے زیادہ شناخت نہیں کرتے جتنی شناخت اہل جنت اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کی رکھتے ہوں گے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کو بیان کیا ہے بیہقی نے البعث میں اور طبرانی نیز ابویعلی وغیرہ نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

خوشبو سے مہکائے ہوئے مکان

حضرت عبداللہ بن عباسؓ عرفها لهم کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے طيبالهم۔ طیب کے معنی خوشبو کے ہیں یعنی وہ مکانات جنتیوں کے واسطے خوشبوؤں سے مہکائے ہوئے ہوں گے۔ (معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی ☆

☆ یعنی اللہ کے دین کی اور اس کے پیغمبر کی۔ (تفسیر عثمانی)

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝
تو وہ تمہاری مدد کریگا اور جما دے گا تمہارے پاؤں ☆

مومنوں کی ہمت افزائی ☆ یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور اسلام و طاعت پر ثابت قدم رہو گے جسکے نتیجہ میں "صراط" پر ثابت قدمی نصیب ہوگی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے پر یہ بھی منظور نہیں، جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۔ یعنی کافروں سے جہاد کرنے اور حقوق اسلام ادا کرنے میں تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ
اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل
وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
اور کھو دیے اُن کے کئے کام ☆

کافروں کی بربادی ☆ یعنی جس طرح مومنین کے قدم جما دیے

جاتے ہیں اس کے برعکس منکروں کو منہ کے بل گرا دیا جاتا ہے۔ اور جیسے خدا کی طرف سے مؤمنین کی مدد کی جاتی ہے اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیئے جاتے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کا اجر کر دیئے کیونکہ وہ شیطان کی اطاعت کے دریا تھے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
یہ اس لئے کہ اُن کو پسند نہ ہوا جو اتارا اللہ نے
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝
پھر اکارت کر دیئے انکے کئے کام ☆

ہلاکت کا سبب

یعنی جب انہوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ نے ان کے کام کیوں پسند کرے گا۔ اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔ (تفسیر جلالین)

ذٰلِكَ ۔ یہ ہلاکت اور تباہی۔ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ ۔ یعنی قرآن کو انہوں نے پسند نہیں کیا تھا کیونکہ قرآن کے اندر جو توحید کی تعلیم اور ان کی مرغوبات و نفسانی خواہشات کے مخالف اور امر بالواہی میں وہ ان کو ناپسند ہیں۔

فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۔ اس کو دوبارہ ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حبط عمل کفر کے لئے لازم ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
کیسا ہوا انجام اُن کا جو اُن سے
قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
پہلے تھے ہلاکی ڈالی اللہ نے اُن پر اور منکروں کو ملتی رہتی ہیں
اَمْثَالُهَا ۝
ایسی چیزیں ☆

اہل مکہ کے لئے عبرت ☆ یعنی دنیا میں ہی دیکھ لو منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ کیا آج کل کے منکروں کو ایسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا ۔ یعنی اہل مکہ کیا ملک میں چلے پھرے نہیں۔ استفہام انکاری اور اس کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کیا یہ (گھروں) سے باہر نہیں گئے اور ملک میں چلے پھرے نہیں۔

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ یعنی گزشتہ پیغمبروں کی کافر امتیں۔

دَمَّرَ اللّٰهُ ۔ اللہ نے ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

عَلَيْهِمْ ۔ یعنی ان کو اور ان کے اہل و عیال و مال کو۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ ۔ یعنی مکہ کے کافروں کے لئے۔

اَمْثَالُهَا ۔ اس سابق انجام سے یا اس عذاب سے یا اس ہلاکت سے چند گونہ مدانجامی یا عذاب یا ہلاکت ہونے والی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے اُن کا جو یقین لائے
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝
اور یہ کہ جو منکر ہیں ان کا رفیق نہیں کوئی ☆
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مقرر اللہ داخل کریگا اُن کو جو یقین لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اور کئے بھلے کام باغوں میں جن کے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ
نیچے بہتی ہیں نہریں ☆

اللہ مومنین کا مددگار ہے

یعنی اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر ان کی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آ سکے۔ غزوہ احد میں ابوسفیان نے پکارا تھا "لنا العزی ولا عزی لکم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکارو "اللہ مولانا ولا مولی لکم" (تفسیر جلالین)

ذٰلِكَ ۔ یہ یعنی مؤمنوں کی مدد اور کافروں پر قہر۔

بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی اللہ مؤمنین کا کارساز ہے مددگار ہے ان کی مدد کرے گا۔ ان کو توفیق دے گا ان کے کاموں کو راست کر دے گا

شیطانی حظرات کو ان سے دفع کر دیگا دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ۔ (تیرا تسلط میرے بندوں پر نہ ہوگا)۔

وَاَنَّ لِلْكٰفِرِیْنَ ۔ یعنی جن لوگوں کے لئے کفر اور شیطان کا تسلط مقرر کر دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُحد کے دن رجز یہ تعروں کا تبادلہ

احد والے دن مشرکین کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب تے فخر کے ساتھ جب ہی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو کہنے لگا کہ یہ سب ملاک ہو گئے۔ پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدلے کا دن ہے اور لڑائی تو مثل ڈولوں کے ہے کبھی کوئی اوپر کبھی کسی کا اوپر۔ تم اپنے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ لئے گئے ہیں۔ میں نے ایسا حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھے کچھ برا بھی نہیں لگا۔ پھر اس نے رجز کے اشعار فخریہ پڑھنے شروع کئے کہتے لگا اُعْلُ هُبَل اُعْلُ هُبَل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے پوچھا حضور! کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اللہ اعلی و اجل جس پر وہ کہتا تھا اہل ہبل بت کا بول بالا ہو سکے جواب میں کہا گیا سب سے زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت و کرم والا اللہ ہی ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لنا العزی ولا عزی لکم ہمارا عزی (بت) ہے اور تمہارا نہیں۔ اس کے جواب میں فرمان حضور کہا گیا اللہ مولانا ولا مولا لکم اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْكُلُوْنَ

اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں

كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾

جیسے کہ کھائیں چوپائے اور آگ ہے گھر ان کا ☆

حیوانوں جیسی زندگی ☆

یعنی دنیا کا سامان برت رہے ہیں اور مارے حرص کے بہائم کی طرح اناپ شاپ کھاتے چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں کہ کل یہ کھایا پیا کس طرح نکلے گا اچھا چند روزہ مزے اڑا لیں آگے جہان کے لئے آگ کا گھر تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَتَمَتَّعُوْنَ ۔ یعنی کچھ دنوں دنیا کے مزے اڑاتے ہیں۔

كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ ۔ یعنی جانوروں کی طرح کھانے کی حرص کرتے ہیں منعم سے غافل ہیں اس کا شکر نہیں کرتے اور انجام بد سے نہیں ڈرتے۔

مَثْوًى ۔ فرودگاہ جائے قیام (ٹھکانہ) (تفسیر عثمانی)

وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً

اور کتنی تھیں بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں

مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ

اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکالا

اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

ہم نے ان کو غارت کر دیا پھر کوئی نہیں ان کا مددگار ☆

یہ کافر کس پر اترا تے ہیں ☆

یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اتراتے ہیں (تنبیہ) ''قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ'' سے مراد مکہ معظمہ ہے وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن مالوف و محبوب چھوڑنا پڑا۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے وقت مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا خدا کی قسم تو تمام شہروں میں اللہ کے نزدیک اور میرے نزدیک محبوب ترین شہر ہے۔ اور اگر میری قوم مجھ کو تیرے اندر سے نہ نکالتی میں تجھ کو نہ چھوڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بھلا ایک جو چلتا ہے واضح راستہ پر اپنے رب کے

كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْۤا

برابر ہے اسکے جس کو بھلا دکھلایا اُس کا برا کام اور چلتے ہیں

اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾

اپنی خواہشوں پر ☆

☆ یعنی ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں حتیٰ کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے، اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی شان حکمت وعدل کے منافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن و کافر برابر نہیں ہو سکتے

اَفَمَنْ كَانَ ۔ استفہام انکاری ہے یعنی دونوں فریق ایک جیسے نہیں ہو سکتے مؤمن کا کارساز اللہ ہے اور کافر کا کوئی کارساز نہیں مؤمن کا یقین (یعنی ایمان) دلیل یعنی قرآن پر مبنی ہے جو اس کے رب کی طرف سے آیا ہے چنانچہ ہر دلیل بھی مراد ہو سکتی ہے خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی اور کافر کی نظر کے سامنے شرک اور بد اعمالی خوبصورت شکل میں شیطان لے آتا ہے اور وہ اپنی تعمالی خواہشات پر چلتا اور بتوں کی پوجا کرتا ہے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ اول فریق کو دوسرے فریق پر بلاشبہ عقلاً برتری حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ

احوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہوا ہے ڈرنے والوں سے

فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ

اس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کرتا ☆

جنت کا پانی ☆ یعنی طول مکث یا کسی چیز کے اختلاط سے اس کی بو نہیں بدلی۔ شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید۔ اسی طرح کے تغیر کو اس کی طرف راہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ ترین جنت کی دعا مانگو

ایک حدیث میں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے لوگو جب تم اللہ سے جنت کے لئے دعا مانگو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین مقام ہے جس سے تمام نہریں جنت کی بہہ رہی ہیں اور اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔ (معارف کاندھلوی)

جنت کا پانی' دودھ اور شراب

جنت کے پانی اور دودھ اور شراب کے بارے میں بتلایا گیا کہ وہ دست تغیرات اور مدمرگی کی آفات سے خالی ہیں اور جنت کا دوسری مضرتوں اور مفاسد سے خالی ہونا سورۂ صافات کی آیت میں آیا ہے۔ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۔ اسی طرح دنیا کے شہد میں موم اور میل کچیل ملا ہوتا ہے جنت کی نہر میں شہد کا پاک صاف ہونا بتلایا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہار جنت کی چاروں قسمیں پانی' دودھ' شراب' شہد اپنے حقیقی معنی میں ہیں بلا وجہ مجازی معنے لینے کی ضرورت نہیں البتہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں کی ہر چیز کی لذت کیف کچھ اور ہی ہوگا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جنت میں دریاء حضرت معاویہ بن حیدہ نے بیان کیا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جنت کے اندر پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر (ہر ایک سے) نہریں نکالی گئی ہیں۔ رواہ البیہقی والترمذی۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی نہریں مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ رواہ ابن حبان والحاکم والبیہقی والطبرانی وابن ابی حاتم

جنت کی نہریں سطح زمین کے اوپر ہیں

مسروق کا بیان ہے کہ جنت کی نہریں بغیر گڑھے کے (ہموار سطح پر) بہتی ہیں۔ رواہ ابن المبارک والبیہقی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم خیال کرتے ہو کہ جنت کی نہریں زمین کے گڑھے (میں بہتی) ہوں گی۔ نہیں خدا کی قسم۔ وہ روئے زمین پر رواں ہوں گی اس کے دونوں کنارے موتیوں کے جیسے ہوں گے اور اس کی مٹی خالص مشک ہوگی۔

سیحون' جیحون' فرات اور نیل

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیحون اور جیحون اور فرات اور نیل سب جنت کی نہروں سے ہیں۔ رواہ مسلم۔ حضرت عمرو بن عوف راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (دریا) جنت کی نہریں (دریا) ہیں نیل' فرات' سیحون اور جیحون اور چار پہاڑ جنت کے پہاڑ ہیں' اُحد' طور' لبنان' اور ورقان' کعب احبار نے کہا جنت کے اندر دریائے نیل شہد کا دریا ہے اور دریاء دجلہ دودھ کا دریا ہے فرات شراب کا دریا ہے اور دریائے سیحون پانی کا دریا ہے (یعنی جنت کے اندر جن دریاؤں کے یہ دنیوی نام ہیں ان کی حقیقت شہد و دودھ شراب اور پانی ہے) رواہ البیہقی۔

بغوی نے کعب احبار کا قول اس طرح بیان کیا ہے دریاء دجلہ (جو جنت میں ہے) جنتیوں کے پانی کا دریا ہے اور فرات (نام) کا دریا ہے ان کے دودھ کا دریا ہے اور مصر کا دریا (یعنی نیل مراد صحتی نیل) جنتیوں کی شراب کا دریا ہے اور دریائے سیحون ان کے شہد کا دریا ہے اور یہ چاروں (جنتی) دریا دریاء کوثر سے نکلتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ

اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا ☆

☆ یعنی دنیا کے دودھ پر قیاس نہ کرو۔ اتنی مدت گزرنے پر بھی اس کے مزے میں فرق نہیں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ

اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے ☆

☆ یعنی وہاں کی شراب میں خالص لذت اور مزہ ہی ہے۔ نہ نشہ ہے نہ شکستگی نہ تلخی نہ سرگرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا دودھ شراب' شہد

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کر دیں دماغ کشادہ کریں۔ جو شراب نہ تو مدبودار ہے نہ تلخی والی نہ مدمنظر ہے بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت لذیذ نہایت خوشبودار' جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ بھٹکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں کی کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ' پانی' شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ سے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

جنت کا نہری نظام: ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ طبرانی میں حضرت لقیط بن عامر جب وفد میں آئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والی دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوے جات عجیب و غریب بے مثل و بالکل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی' دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ

اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا ہوا ☆

جوہر حیات' غذائے لطیف' سامان سرور اور شفاء

☆ یعنی صاف و شفاف شہد جس میں تکدر تو کہاں ہوتا جھاگ تک نہیں (تنبیہ) یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا جن میں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور و نشاط کی چیز ہے اور شہد کو "شفاء للناس" فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

اور اُن کے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں ☆

☆ مشروبات کے بعد یہ ماکولات کا ذکر فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ

اور معافی ہے اُن کے رب سے ☆

☆ یعنی سب خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کریں گے وہاں پہنچ کر کبھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو ان کی کلفت کا سبب بنے۔ اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً

یہ برابر ہے اُس کے جو سدا رہے آگ میں اور پلایا جائے اُنکو کھولتا

حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

پانی تو کاٹ نکالے اُن کی آنتیں ☆

☆ یعنی کھولتا ہوا پانی جب دوزخیوں کو پلائیں گے تو آنتیں کٹ کر باہر آ پڑیں گی (اعاذنا اللہ منہ) (تفسیر عثمانی)

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ۔ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا وہ شخص جو اس جنت میں ہمیشہ رہے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے۔ جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

كَمَنْ هُوَ۔ میں لفظ کے لحاظ سے مَنْ مفرد ہے اس لئے هُوَ ضمیر مفرد راجع کر دی گئی لیکن معنی کے اعتبار سے مَنْ جمع ہے اس لئے سُقُوْا کی ضمیر جمع لوٹائی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى

اور بعض اُن میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ

إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ

جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو جن کو

أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ

علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی ☆

منافق ☆ اوپر مومنوں اور کافروں کا حال مذکور تھا۔ ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر میں اسلام کا دعویٰ اور باطن میں اس سے انحراف اس آیت میں اسکا ذکر ہے یعنی یہ لوگ بظاہر پیغمبر کی بات سننے کے لئے کان رکھتے ہیں مگر۔ دلی توجہ ہے نہ سمجھ نہ یاد جب مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی پیغمبر علیہ السلام) نے ابھی ابھی کیا بیان کیا تھا۔ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود ادھر تعریض کرنا ہوگا ہم تو ان کی بات کو لائق اعتنا نہیں سمجھتے نہ توجہ سے سنتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کا سننا اور منافق کا سننا

ابن المنذر نے بحوالہ ابن جریج بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مومن اور منافق سب ہی جمع ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے مومن تو اس کو (کان لگا کر) سنتے اور یاد رکھتے تھے اور منافق سنتے تھے مگر یاد نہیں رکھتے تھے (دل میں جگہ نہیں دیتے تھے) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منافق نکل کر آتے تو مومنوں سے پوچھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کیا فرمایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ

یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ

قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٦﴾

نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر ☆

منافقت کی سزا ☆ یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى

اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھ گئی اس سے سوجھ

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾

اور انکو اس سے ملا پرہیزگاری۔ چلنا ☆

سچائی کی برکت

یعنی سچائی کے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی روز بروز ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اسکی سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو ان کے تقوی کی توفیق دیتا ہے۔

زَادَهُمْ هُدًى ۔ یعنی اللہ اپنے رسول کے ہر کلام مبنی وحی سے ان کے اندر علم بصیرت اور شرح صدر بڑھاتا ہے۔

وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ۔ یعنی حکم کے موافق عمل کرنے کی ان کو توفیق عطا کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ دوزخ سے محفوظ رہنے کے طریقے ان پر واضح کر دیتا ہے۔ سعید بن جبیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ ان کو ان کی پرہیزگاری کا ثواب عنایت فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ

اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آ کھڑی ہو

تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ

ان پر اچانک سو آ چکی ہیں اس کی نشانیاں

فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ﴿١٨﴾

پھر کہاں نصیب ہوگا انکو جب وہ آ پہنچے ان پر سمجھ پکڑنا ☆

قرآن کے وعظ بلیغ کے بعد کس چیز کا انتظار ہے؟ قیامت آنے کو ہے

☆ یعنی قرآن کی نصیحتیں گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت اور دوزخ کے وعدہ وعید سن چکے اب ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بے کار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی کا پیدا ہونا ہے سب نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کی راہ دیکھتے تھے جب وہ آ چکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے" حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "انا والساعۃ کھاتین" (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے شرح صحیح مسلم میں ہم نے اسکی مفصل تقریر کی ہے یہاں گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ میں تاخیر نہ کرو

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ (توبہ کرنے کے لئے) بس انتظار کرتے رہتے ہیں ایسے دولت مند ہو جانے کا جو سرکش بنا دے یا ایسی ناداری کا جو (تمام فرائض کو) فراموش کرا دے یا ایسی بیماری کا (جو ساری صحت کو) تباہ کر دے یا ایسے بوڑھاپے کا جو خبطی بنا دے یا ایسی موت کا جو (ہر ایک کے لئے) تیار کر دی گئی ہے یا دجال (کے سامنے آ جانے) کا اور دجال ایک ایسی شر ہے جو غائب ہے (اور جب تک وہ غائب رہے بہتر ہی ہے) یا قیامت کا اور قیامت بہت سخت مصیبت اور بڑی تلخ (حقیقت) ہے۔

قیامت قریب ہے "فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا" ۔ یعنی قیامت کی نشانیاں اور علامات آ چکی ہیں۔ (۱) چاند پھٹ چکا اللہ نے فرمایا ہے اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۔ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ (۲) دھواں (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت ہو گئی مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت سہل ابن سعد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو جو انگوٹھے اور متصل ہے جوڑ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں قیامت کے ساتھ ان دونوں (انگلیوں) کی طرح (متصل) بھیجا گیا ہوں۔ احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

قیامت کی نشانیاں: حضرت انسؓ نے فرمایا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے سوا کوئی اور تم سے نہیں بیان کرے گا۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھا لیا جائے گا جہالت کی کثرت ہو جائے گی زنا بڑھ جائے گی شراب خوری کثیر ہو جائے گی مرد کم ہو جائیں گے عورتیں اتنی زیادہ ہو جائیں گی کہ پچاس (پچاس) عورتوں کا سر دھرا ہو گا دوسری روایت میں ایا ہے علم کم ہو جائے گا اور جہالت کا غلبہ ہو جائے گا (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران گفتگو میں ایک مدوی آیا اور عرض کیا قیامت کب ہو گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار رکھ۔ اس نے عرض کیا امانت کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا جب معاملات (حکومت) ایسے لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں جو اہل نہیں ہیں تو قیامت ہونے کا منتظر رہ۔ بخاری۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال فئے کو دولت اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے لیا جائے اور تحصیل علم کی غرض دین کے علاوہ (کچھ اور) ہو اور مرد اپنی بی بی کے کہے پر چلے اور ماں کی نافرمانی کرے دوست کو اپنا مقرب بنا لے اور باپ کو دور کر دے اور مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں (یعنی جھگڑے ہونے لگیں) اور فاسق قوم کے سردار ہو جائیں اور قوم کا کرتا دھرتا وہ ہو جو سب سے زیادہ رذیل ہو اور آدمی کی عزت اس غرض سے کی جائے کہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور گانے والی عورتیں اور باجے کثیر ہو جائیں اور شرابیں (بکثرت) پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو ایسے وقت انتظار کرو سرخ آندھیوں اور زلزلوں کا زمین کے اندر (بستیوں کے) دھنس جانے کا صورتیں مسخ ہو جانے کا اور پتھر برسنے کا بہ کثرت پے در پے نشانیوں کا جو اس طرح آئیں گے جیسے کسی بار کا دھاگا کاٹ دیا جائے (اور اس کے دانے بکھر جائیں) رواہ الترمذی۔

وہ کام جن کی وجہ سے مصیبت آئے گی

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی تو ان پر مصیبت کا نزول ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گنتی بتائی اور فرمایا دین کے علاوہ کسی اور غرض سے علم حاصل کیا جائے گا اور دوست سے حسن سلوک کیا جائے گا اور باپ پر ظلم کیا جائے گا اور شراب پی جائے گی اور ریشمی لباس پہنا جائے گا۔ (ترمذی)

(تفسیر مظہری)

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ
وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ
کے اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں
وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ
اور عورتوں کے لئے ☆

ہر ایک کا گناہ اس کے مرتبہ کے موافق ہے

☆ ہر ایک کا ذنب (گناہ) اسکے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا

پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حد درجہ جواز و استحسان میں ہو بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے یہ ہی معنی ہیں حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے۔ (تنبیہ) "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے اور اگر خاص نبی کریم صلی اللہ وسلم مخاطب ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس علم پر برابر جمے رہیے اور استغفار کرتے رہیئے اور "فاعلم" کی تفریع ماقبل پر اس طرح ہے کہ قیامت آنے کے بعد کسی کو ایمان و توبہ وغیرہ نافع نہیں، تو آدمی کو چاہئے کہ اسکے آنے سے قبل صحیح معرفت حاصل کرے۔ اور ایمان و استغفار کے طریق پر مستقیم رہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ تو آپ یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں ہے۔ فاعلم ۔ میں ف سببیہ ہے یعنی جب اپ کا مومنوں کا خوش نصیب ہونا اور کافروں کا بدنصیب ہونا معلوم ہو گیا تو آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی وحدانیت اور نفس کے اصلاح احوال و اعمال کا جو علم حاصل ہو گیا ہے اس پر جمے رہیے قیامت کے دن یہی علم آپ کے لئے مفید ہوگا۔

آنحضرت کو استغفار کا حکم دینے کا مطلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر گناہ سے معصوم تھے کسی گناہ کا ارتکاب آپ سے ممکن ہی نہ تھا لیکن بندہ کی عبادت اللہ کی عظمت و جلال کے مقابلے میں بہر حال قاصر ہے (عبادت کا حق کون ادا کر سکتا ہے) اسی لئے حکم دیا کہ اپنے کو حق عبادت ادا کرنے سے قاصر سمجھتے ہوئے استغفار کیجئے اور آپ کی امت کو بھی آپ کی پیروی کرنی چاہئے۔

ابلیس کا مقولہ: حضرت ابوبکر صدیق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت تم لوگوں پر لازم ہے کیوں کہ ابلیس کا مقولہ ہے میں نے گناہوں (کا ارتکاب) کرا کے لوگوں کو تباہ کر دیا لیکن انہوں نے لا الہ الا اللہ اور استغفار (کی کثرت) سے مجھے تباہ کر دیا جب میں نے یہ دیکھا تو (ان کے دلوں میں) نفسانی خود پسندیاں (پیدا کر کے اس ذریعہ) سے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ ہی سمجھتے رہے۔

کلمہ لا الہ الا اللہ پر مرنے والا

حضرت طلحہ بن عبید اللہ کے بیٹے یحییٰ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کیوں کیا بات ہے حضرت طلحہؓ نے فرمایا میں نے اللہ کے رسول سے سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ مجھے ایک ایسی بات معلوم ہے کہ اگر مرتے وقت (کوئی) اس کو کہے گا تو اللہ موت کی سختی اس سے دور کر دے گا اس کا رنگ چمک جائے گا (یعنی چہرہ نورانی ہو جائے گا) اور وہ (کیفیات) اس پر وارد ہوں گی جو اس کے لئے مسرت بخش ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو بات میں نے صرف اس لئے دریافت نہیں کی کہ مجھے (دریافت کرنے پر) قدرت حاصل تھی لیکن اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے وہ بات معلوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کوئی بات اس جملہ سے بڑھ کر نہیں ہے جو چچا (ابو طالب) کے مرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ (کا اقرار) حضرت طلحہؓ نے فرمایا واللہ یہی بات تھی یہی تھی حضرت عثمان راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ لا الہ الا اللہ پر اس کو یقین ہو وہ جنت میں (ابتداءً یا انتہاءً) جائے گا (از مفسرؒ)

ایک حدیث اور اس کی صوفیانہ تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دل پر (بعض اوقات) کچھ زنگ آ جاتا ہے اور روزانہ سو مرتبہ میں اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم و احمد و ابوداود و النسائی من حدیث الاغر المازنی۔

میں کہتا ہوں دل پر زنگ (میل) آنے سے شاید وہ کیفیت مراد ہے جو امکان کی تاریکیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر صوفی اپنے تمام (وجود اور اس کے تابع) کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ (اور اس طرح امکان کی تاریکی مغلوب ہو کر دل سے دور ہو جاتی ہے)۔

مجدد الف ثانی نے ایک بار فرمایا جو شخص اپنے نفس کی فرنگی کا فر سے بھی برا نہیں جانتا اللہ کی معرفت اس کے لئے حرام ہے سوال کیا گیا یہ کیسے ممکن ہے صوفی تو اپنے آپ کو کم سے کم پکا سچا مومن جانتا اور کافر کو لامحالہ کافر سمجھتا ہے اور کفر پر ایمان کی فضیلت دین کی ضرورت میں سے ہے۔ حضرت مجدد نے جواب دیا ہر ممکن موجود ہے ظلمت امکان سے کوئی ممکن خالی نہیں۔ وجود اور اس کے تابع کمالات کا نور تو بارگاہ منان سے بطور مستعار ملا ہوا ہے وجود اور دوسرے وجودی کمالات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صوفی جو کرتا ہے وہ آیت "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" کے حکم کی تعمیل میں کرتا ہے صوفی جانتا ہے کہ جو وجود مستفاد من الرحمن ہے اس کا پہلو غالب ہے اور وہ اس کا نفس (ممکن بالذات ہونے کی وجہ سے) ہر ماسوا سے ریا دہ برا ہے چونکہ حیثیت اور لحاظ کا اختلاف ہے اور علم و ادراک کے درجات کا تفاوت ہے اس لئے اپنے نفس کو فرنگی کافر سے بھی بدتر جاننا فضیلت ایمان علی الکفر کے عقیدہ سے نہیں ٹکراتا ہاں جو لوگ غافل ہیں وہ اپنے وجود کو کمالات کو اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے ہیں اور پکارتے ہیں اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (میں کافر سے بہتر ہوں)۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ "ذنب" کی توجیہ

اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہر لحظہ مدارج کی ترقی اور

بلندی کا ہوتا ہے اور ہر آنیوالی گھڑی گزشتہ گھڑی کی نسبت عظمت و بلندی کے مقام پر پہنچانے والی ہوئی تھی۔ اور آپ کے قلب و ذہن میں جن مدارج و مقامات کی آرزو ہوتی تھی ان تک آپ کا اپنے تخیل کے لحاظ سے محسوس کرنا کہ نہیں عروج ہوا تقصیر کا درجہ ہے جس کو ذیب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس پر گویا یہ حکم ہے اور اسی کی تعمیل میں آپ کا یہ دستور العمل تھا جسکو ارشاد فرماتے ہیں۔ انی لا استغفر اللہ کل یوم ماۃ مرۃ کہ ہر روز میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ سو مرتبہ (مسند احمد بن حنبل۔ جامع ترمذی) امام مسلم ابوداؤد و نسائی نے اغر مزنی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انہ لیغان قلبی و انی لا استغفر واللہ کل یوم ماۃ مرۃ۔ کہ میرے قلب پر ایک قسم کی رکاوٹ یا تکدر محسوس ہوتا ہے اور البتہ میں اللہ رب العزت سے استغفار کرتا ہوں ہر روز ایک سو مرتبہ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے تھے آپ نے فرمایا جب بھی میں صبح کرتا ہوں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ میں سو مرتبہ استغفار نہ کرلوں۔ معلوم ہوا کہ کل یوم سے ہر دن کی صبح کے وقت اس کی پابندی مراد ہے وگرنہ آپ کی تو ایک ایک مجلس ہی میں ایک ہی دن میں متعدد بار ایک سو مرتبہ سے زائد استغفار کی تعداد ہو جاتی تھی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم ایک ہی نشست میں آپ کے استغفار شمار کرتے تو سو مرتبہ سے زائد ہو جاتا تھا۔

دل پر رکاوٹ آنے کی وضاحت

اور یہ جو رکاوٹ یا مراتب عالیہ کی عروج و بلندی میں کمی کا ذکر حدیث میں وارد ہوا۔ اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کی ظاہر اشتغال کے لحاظ دو جانبیں ہیں ایک اشتغال الی الحق اور دوسری جانب اشتغال مع الخلق ہے اگرچہ آپ کے اشتغال مع الخلق بھی جو کہ امت کی تعلیم و تربیت کی صورۃ اشتغال الی الحق سے بظاہر تعطل نظر آتا ہے تو اسی کو آپ تقصیر و کوتاہی فرما رہے ہیں اور اسی پر سلسلہ استغفار ہے اور یہی وہ ہے جسکو وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ میں فرمایا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع
اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت تمہاری اور گھر تمہارا ☆

اصلی گھر ☆ یعنی جتنے پردوں میں پھرو گے پھر بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے جو تمہارا اصلی گھر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُتَقَلَّب اور مَثْوٰی کا معنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا متقلب یعنی مشاغل دنیوی میں گھومنا پھرنا اور پھلنا اور مثوی سے مراد ہے آخرت میں جنت یا دوزخ کی طرف جانا۔ مقاتل اور ابن جریر نے کہا متقلبکم سے مراد ہے دن میں کاروبار میں مصروف رہنا اور مثواکم سے مراد ہے رات کو خوابگاہوں میں بستروں پر چلا جانا۔ عکرمہ نے کہا متقلبکم یعنی پشت پدر سے رحم مادر میں آنا اور مثواکم سے مراد ہے زمین پر ٹھہرنا۔ قیام کرنا۔ ابن کیسان نے کہا متقلبکم یعنی پشت سے شکم میں آنا اور مثواکم یعنی قبروں میں قیام کرنا۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہارے تمام احوال کو جانتا ہے اس سے تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں اس لئے اس سے ڈرتے رہو۔ خطاب تمام انسانوں کو ہے مؤمن ہوں یا کافر۔ (تفسیر مظہری)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا
اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ
نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ
اُتری ایک سورت ☆

☆ یعنی ایسی سورت جس میں جہاد کی اجازت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی جہاد کی انتہائی خواہش کی وجہ سے مسلمان کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ۔ یعنی کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
پھر جب اُتری ایک سورت جانچی ہوئی ☆

سورۃ محکمہ ☆ یعنی جچے تلے احکام پر مشتمل ہے جو غیر منسوخ ہیں اور ٹھیک اپنے وقت پر اترتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُحْكَمَةٌ کا معنی محکمہ کے لفظی معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت محکمہ ہے لیکن اصطلاح شرع میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے یہاں سورۃ کے ساتھ محکمہ کی قید کا اضافہ اس لئے ہے کہ عمل کا شوق تو جبھی پورا ہو سکتا ہے جبکہ وہ سورت منسوخ نہ ہو۔ اور قتادہؒ نے فرمایا کہ جتنی سورتوں میں قتال و جہاد کے احکام آئے ہیں وہ سب محکمہ ہیں۔ یہاں چونکہ اصل مقصود حکم جہاد اور اس پر عمل ہے اسلئے سورت کے ساتھ محکمہ کا لفظ بڑھا کر ذکر جہاد کی طرف اشارہ کر دیا جس کی آگے تصریح آرہی ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ
انکو جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں

اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

تیری طرف ایسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت

فَاَوْلٰى لَهُمْ ۝

سو خرابی ہے اُن کی ☆

منافقوں پر حکم جہاد کا اثر ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "مسلمان سورت مانگتے تھے یعنی کافروں کی ایذا سے عاجز ہو کر آرزو کرتے کہ اللہ جہاد کا حکم دے تو جوبن سے ہو سکے کر گزریں۔ جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا، خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں بے حد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی۔ جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد کا حکم: قتادہ نے کہا جس صورت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ محکم ہے ناقابل منسوخ ہے بلکہ اس کے نزول سے پہلے جو صلح اور ملاپ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو سب کو حکم جہاد منسوخ کرنے والا ہے۔ حکم جہاد قیامت تک جاری رہے گا جہاد کا حکم جس صورت میں نازل ہوا منافقوں پر اس سورت کا نزول سارے قرآن سے زیادہ شاق اور دشوار ہوا۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ مرض سے مراد بزدلی اور ضعف۔ ایسے ڈرپوک لوگ۔ (تفسیر عثمانی)

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۚ فَاِذَا عَزَمَ

حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو

الْاَمْرُ ۚ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا

کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے تو اُن کا بھلا

لَّهُمْ ۝

ہے ☆

مخلص ہونے کا تقاضا ☆ یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اقرار اور زبان سے اسلام و احکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آ پڑے اس وقت اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یعنی حکم شرع کو نہ ماننے سے کافر ہو جاتا ہے اللہ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہئے پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو کیوں لڑوائے۔ ہاں جب بہت ہی تاکید آ پڑے اسی وقت لڑنا ضروری ہوگا نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

ترکیب نحوی الامر سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اصحاب الامر یعنی جن کو قتال کا حکم دیا وہ لوگ جب جہاد پر سنجیدگی سے مستعد ہو گئے۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ یہ لو صدقوا کی جزا ہے بعض اہل تفسیر کے نزدیک شرط کی جزا محذوف اور یہ جملہ علیحدہ ہے پورا کلام اس طرح تھا جب جہاد لازم ہو گیا تو انہوں نے اپنے قول کو سچ نہ کر دکھایا اور حکم جہاد کو ناگوار سمجھا اور اگر وہ اپنی رغبت جہاد کو سچ کر دکھاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ

پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے

تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا

تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو

اَرْحَامَكُمْ ۝

اپنی قرابتیں ☆

اگر اقتدار ملے تو فساد نہ پھیلاؤ ☆ یعنی حکومت و اقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال و انصاف پر قائم نہیں رہا کرتے۔ دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے پھر جاہ و مال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں جن کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے عام فتنہ و فساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو اور اگر اللہ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا" (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "تولیتم" کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔ دوسرے علماء "تولی" کو بمعنے اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے کہ دنیا میں امن و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن و انصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ذاتی ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو

تم سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروا نہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار ہوگے۔ (تفسیر عثمانی)

تَوَلَّيْتُمْ کا معنی: اگر تم لوگوں کے حاکم بن جاؤ اور ان کے امور کے متولی بنا دیئے جاؤ تو تم سے بعید نہیں کہ ظلم کر کے ملک میں تباہی پیدا کر دو گے (اس مطلب پر تولیتم کا معنی ہوگا تم متولی ہو جاؤ حاکم ہو جاؤ) یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے حق میں نازل ہوئی۔ اس بات کی تاکید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی کی قراءت میں تَوَلَّيْتُمْ بصیغہ مجہول آیا ہے۔ (گویا اس جگہ باب تفعل بمعنی تفعیل ہے اور تولیتم بمعنی ولیتم ہے) مطلب اس طرح ہوگا کہ اگر تم ظالم حاکم مقرر کر دو گے تو ملک میں تباہی پھیلاؤ گے اور فتنہ انگیزی میں ان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ: حضرت بریدہؓ کا بیان ہے میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے کسی کی چیخ کی آواز سنی فرمایا یرفا دیکھو تو یہ آواز کیسی ہے یرفا نے کہا ایک لڑکی ہے جس کی ماں کو فروخت کیا جا رہا ہے فرمایا مہاجرین اور انصار کو بلا کر لا۔ تھوڑی ہی دیر میں (سب آ گئے اور) حجرہ بھر گیا حضرت عمرؓ نے اول اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ جو (شریعت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس میں رشتہ داریاں منقطع کرنے کا حکم ہے حاضرین نے کہا نہیں (ہے) فرمایا تو تمہارے اندر یہ قطع قرابت پیدا ہو گیا ہے پھر آپ نے آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ تلاوت فرمائی قطع قرابت اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ تمہارے اندر کسی شخص کی ماں فروخت کی جائے حالانکہ اللہ نے تمہارے لئے (اس فروخت کے علاوہ دوسری) گنجائش عطا فرما دی ہے حاضرین نے کہا پھر آپ کی جو رائے ہو کیجئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اطراف ملک میں لکھ بھیجا کہ کسی آزاد شخص کی ماں نہ فروخت کی جائے یہ قطع رحم ہے جائز نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

کفر فسادِ عالم کا ذریعہ: آج کی دنیا میں یہ بات مشاہدہ اور تجربہ میں بخوبی آ چکی ہے دنیا کے امن و سکون کو تباہ کرنے والی ایٹمی طاقتیں سرزمین کفر ہی سے تمام عالم میں پھیل رہی ہیں اور اس امر کا اعتراف ہر صاحب عقل کرنے پر مجبور ہے کہ کفر ہی درحقیقت تمام فتنوں کا سرچشمہ اور امن عالم کو تباہ کرنے والا ہے ایک طرف کفر فساد عالم کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف حق تلفی اور ظلم و استبداد کا بھی باعث ہے بعض ائمہ مفسرین نے "ان تولیتم" کا ترجمہ ولایت سے مشتق قرار دیتے ہوئے حکومت و ولایت کے حاصل کرنے کا کیا ہے یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے۔

صلہ رحمی کی فضیلت: یہ بھی ارشاد ہے کہ میں رحمٰن و رحیم ہوں رحم (قرابت) کو میں نے اپنے نام میں سے نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ نے فرمایا قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا جلد از جلد دیتا ہوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ اور صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی عزیز و قریب قرابت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی حق قرابت کی ادائیگی کا معاملہ کیا جائے گا بلکہ صلہ رحمی کی حقیقت وہ ہے جس کو فرمایا گیا لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمة وصلها۔ یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو مکافات اور بدلہ کا معاملہ کر رہا ہو۔ (معارف کاندھلوی)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیرے پناہ میں آنے کا اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں؟ کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اور سند سے ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا برا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی برائی آخرت میں بہت بری پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہ اور یاد رکھ کہ جب تک تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناتے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹتا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کی وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائیگا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر خدا بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والوں کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خود خدا توڑ دیتا ہے۔

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلۂ رحمی کی ہے۔ اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں زدھیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں بگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رچی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب رہائی دھوے پڑ جائیں عمل گھٹ جائیں رہائی میل جول ہو دلی بغض و عداوت ہو رشتہ دار سے بدسلوکی کرے اور اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر دی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے

فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

پھر کر دیا اُن کو بہرا اور اندھی کر دیں اُن کی آنکھیں ☆

فسادیوں اور ظالموں پر لعنت

یعنی حکومت کے غرور میں اندھے بہرے ہو کر ظلم کرنے لگے۔ پھر کسی کا سمجھانا نہ سمجھے خدا کی پھٹکارنے بالکل ہی سنگدل بنا دیا اور یہ سب کچھ ان ہی کے قصور استعداد سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ۔ یعنی یہی رہزن میں تباہی پھیلانے والے اور قرابت داریاں منقطع کرنے والے۔

الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ خارج کر دیا ہے۔

فَأَصَمَّهُمْ۔ اور کلام حق سننے سے بہرا کر دیا ہے اور تصویر حق دیکھنے سے اندھا بنا دیا ہے (اس لئے گوش حق نیوش سے وہ بہرے ہیں اور چشم حقیقت بیں سے محروم ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استنباط:

حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی آیت سے ام الولد کی بیع کو حرام قرار دیا یعنی وہ مملوکہ کنیز جس سے کوئی اولاد پیدا ہو چکی ہو اس کی فروخت کرنا اس اولاد سے قطع رحمی کا ذریعہ ہے جو موجب لعنت ہے اس لئے ام ولد کی فروخت کو حرام قرار دیا (رواہ الحاکم وصححہ وابن المنذر عن بریدہ)۔

کسی معین شخص پر لعنت کا حکم اور لعن یزید کی بحث

اور حضرت امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے ان سے یزید پر لعنت کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ میں نے تو قرآن کو پورا پڑھا اس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یزید سے زیادہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ و قرابت کی بھی رعایت نہیں کی مگر جمہور امت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اسکا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ ہاں عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے لعنت اللہ علی الکاذبین' لعنت اللہ علی المفسدین و لعنت اللہ علی قاطع الرحم وغیرہ (روح المعانی میں اس جگہ اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے (روح ص ۲۷ ج ۲۶) (معارف مفتی اعظم)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ

کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا

قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾

دلوں پر لگ رہے ہیں اسکے قفل ☆

☆ یعنی منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔ اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو بآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیوی و اخروی فوائد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی وضاحت علم معانی کی روشنی میں

یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ قلوب کو خزانہ سے تشبیہ دی اور ہر خزانہ کا مقفل ہونا لازم نہیں تو مناسب ضرور ہے مشبہ بہ کی مناسبات کو مشبہ کے لئے ثابت کیا ہے پھر اقفال کی قلوب کی طرف وضاحت کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دلوں پر جو قفل پڑے ہیں وہ یہ مستعمل معمولی قفل نہیں ہیں بلکہ غیر معمولی تالے ہیں جو قلوب کے مناسب ہیں (یعنی غفلت کے تالے ہیں لوہے پیتل وغیرہ کے نہیں ہیں) گویا بصورت کنایہ یہ بات بتائی کہ ان کے اندر استعداد ہی نہیں ہے ان کے دل نصیحت پذیری کی قابلیت ہی نہیں رکھتے اگر بالفرض یہ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔

ایک نوجوان کا واقعہ

بجوی نے بروایت ہشام بن عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا۔ تلاوت فرمائی ایک یمنی جوان نے یہ آیت سن کر کہا کیوں نہیں بلاشبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں اللہ ہی ان کو دور نہ کر دے یہ تالے دلوں پر پڑے رہیں گے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوان کی یہ بات کھب گئی اور آپ کے دل میں جم گئی جب آپ خلیفہ ہوئے تو اس کو اپنا مددگار مقرر کیا۔ حضرت سہیل بن سعد راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا تلاوت فرمائی۔ ایک جوان بولا کیوں نہیں بلا شبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں اللہ ہی ان کو دور کرنے والا ہے حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو کوئی ملازمت دینے کے لئے اس جواں کی بابت دریافت کیا لیکن اطلاع ملی کہ اس کا انتقال ہو چکا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ

بیشک جو لوگ الٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ

بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی اُن پر سیدھی راہ

الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَ اَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾

شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے کئے

منافقین شیطان کے چکر میں ہیں

یعنی منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اسکی سچائی ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھر جاتے ہیں۔ اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ شیطان نے ان کو یہ بات سجھا دی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ کچھ بھاتا اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے" وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا "(تفسیر عثمانی)

ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ۔ یعنی سابق کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت عروہؒ نے کہا ان لوگوں سے مراد وہی کفار اہل کتاب۔ توریت میں انہوں نے رسول اللہ کے اوصاف پڑھے تھے اس لئے بعثت سے پہلے ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ، ضحاک اور سدی کے نزدیک منافق مراد ہیں۔

الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ۔ سوّل سوال سے مشتق ہے اور سوال کا معنی ہے استرخاء یعنی شیطان نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنا ان کے لئے آسان بنا دیا بعض کے نزدیک سوّل سول سے مشتق ہے یعنی ان کو خواہشات پر آمادہ کیا سول کا معنی ہے آرزو۔

اَمْلٰی لَهُمْ۔ یعنی شیطان نے ان کی امیدیں اور آرزوئیں بہت لمبی بڑھا دیں۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کے دو کام

شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی۔ ایک تسویل جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بری چیز یا برے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کر دے۔ دوسرا املاء جس کے معنی امہال اور مہلت دینے کے ہیں مراد یہ ہے کہ شیطان نے اول تو انکے بُرے اعمال کو اُن کی نظروں میں اچھا اور مزین کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور اُمیدوں میں اُلجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔ (معارف ملتی اعظم)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا

یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا اُن لوگوں سے جو بیزار ہیں

مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ

اللہ کی اتاری کتاب سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے

الْاَمْرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

کاموں میں اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا ☆

منافقوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ

☆ منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہو کر تم سے نہ لڑیں گے۔ ملکہ موقع ملا تو تم کو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یعنی شیطان کی طرف سے یہ فریب دہی طویل ترین ہوا و ہوس کی ترغیب اس سبب سے ہے۔

کہ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا۔ یعنی یہودی کافروں نے منافقوں سے یا منافقوں نے یہودی کافروں سے یا ایک فریق نے مشرکوں سے کہا۔

سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ یعنی بعض امور میں ہم تمہارے کہے پر چلیں گے یا تمہارے بعض مشوروں پر عمل کریں گے جیسے تمہارے کہنے کے مطابق ہم جہاد میں (مسلمانوں کے ساتھ) شریک نہیں ہوں گے یا تمہارے کہنے سے تمہارے ساتھ مل کر ہم بھی نکلیں گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ہم تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔

وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ۔ یہودیوں یا منافقوں کی پوشیدہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی جو اللہ نے ظاہر کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ

پھر کیسا ہوگا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے ان کے مارتے جاتے ہوں

وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

ان کے منہ پر اور پیٹھ پر ☆

نفاق کا مزہ ☆یعنی اس وقت موت سے کیونکر بچیں گے۔ بیشک اس وقت نفاق کا مزہ چکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ ۔استفہام تعجبی ہے (پس تعجب ہے بچنے کی یہ کیا تدبیر کریں گے جب کہ) ملائک ان کی روحیں قبض کریں گے (لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے) ان کے چہروں اور پیٹھوں پر چوٹیں لگاتے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ

یہ اس لئے کہ وہ چلے اُس راہ جس سے

اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ

اللہ بیزار ہے اور ناپسند کی اُس کی خوشی پھر اُس نے اکارت

اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

کر دیے انکے کیے کام ☆

اعمال غارت کرنے والا راستہ

☆یعنی اللہ کی خوشنودی پسند نہ کیا اسی راہ پر چلے جس سے وہ ناراض ہوتا تھا اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑا، اور اللہ نے انکے کفر و طغیان کی بدولت سب عمل بے کار کر دیئے۔ کسی عمل نے ان کو دوسری زندگی میں فائدہ نہ پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ ۔ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ یہ اس بات پر چلے جو اللہ کی ناراضگی اور غضبناکی کی موجب تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی توریت کی صراحتوں کو انہوں نے چھپایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔

وَكَرِهُوْا ۔اور ایسے کاموں سے نفرت کی جو اللہ کی خوشنودی کے موجب ہیں یعنی ایمان جہاد اور دوسری طاعتوں سے نفرت کی۔ اسی وجہ سے اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداءً فرض یا واجب نہیں تھے مگر کسی نے ان کو شروع کر دیا تو اب انکی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہوگئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو اگر کسی نے ایسا عمل شروع کر کے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کر دیا تو وہ گنہگار بھی ہوا اور اسکے دسہ قضا بھی لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

کہ اللہ ظاہر نہ کر دے گا اُن کے کینے ☆

منافقوں کا خبث باطن ظاہر ہو کر رہے گا

☆یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حاسدانہ عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے؟ اللہ ان کو شامت از ہام نہ کریگا؟ اور مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا اور ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا بالکل الگ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ ام منقطعہ ہے کلام سابق سے اعراض پر دلالت کر رہا ہے اور استفہام انکاری ہے۔ مرض سے مراد ہے نفاق یعنی منافق خیال کرتے ہیں۔

اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۔کہ اللہ اپنے رسول اور مسلمانوں پر ان (منافقوں) کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے کینے ظاہر نہیں کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ

اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے

بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ

اُن کو اُنکے چہرہ سے اور آگے پہچان لیگا بات کے

الْقَوْلِ ؕ

ڈھب سے ☆

اللہ تعالیٰ کے علم اور پیغمبر کے نور فراست سے منافق چھپ نہیں سکتے

☆یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو بالشخاص معین کر کے آپ کو دکھلا دے، اور نام بنام مطلع کر دے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں مگر اسکی حکمت بالفعل اس دو ٹوک اظہار کو مقتضی نہیں۔ ویسے اللہ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں۔ اور آگے چل کر ان لوگوں کے طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہو جائے گی۔

کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو رد و شوکت پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے۔ منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کر سکتا۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "فلعرفنهم" کو "لو نشاء" کے نیچے رکھا عامہ مفسرین اس کو "لو نشاء" کے تحت میں رکھ کر "لا ریناکھم" پر متفرع کرتے ہیں یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ پھر تو ان کو پہچان جائے صورت دیکھ کر احقر کے خیال میں مترجم رحمہ اللہ کی تفسیر زیادہ لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا ممکن ہے وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

لَاَرَيْنٰكَهُمْ۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو آگاہ کر دیں واقف بنا دیں۔

لَاَعْرِفَنَّهُمْ بِسِيْمٰهُمْ۔ پھر علامات اور نشانات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہچان لیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا اس آیت کے اترنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقوں کی کوئی حرکت پوشیدہ نہیں رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو ان کی خصوصی علامات دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔

لَحْنِ الْقَوْلِ۔ کلام کو اس کے اصلی رخ سے ہٹا کر تعریض اور توریہ کی طرف موڑ دینے کو لَحْنِ الْقَوْلِ کہتے ہیں۔ منافق ایسا ہی کرتے تھے بصورت تعریض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عیب چینی کرتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اور مذمت بدلیا اس مدح کرتے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے اس کے بعد جو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی اصلی غرض کو) پہچان جاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

مختلف روایتوں میں تطبیق اور تفسیر روح المعانی میں حضرت انسؓ سے بیان کیا کان علیہ السلام یعرفهم بسیماهم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نشانی سے ان کو پہچان لیتے تھے۔ یہاں اس آیت میں ایک پہچان تو سابق بتائی فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ اور ایک معرفت و پہچان مستقبل کے بارہ میں فرمائی گئی۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ کی لب و لہجہ سے پہچان لیں گے ان دونوں لَحْنِ الْقَوْلِ ایک حسی مشاہدہ ہے۔

اور بہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نام بنام منافقین کا بتا دینا تو وہ اشخاص معینہ کی حیثیت سے تھا جن کو گویا بارگاہ رب العالمین سے طے کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہیں ان کے علاوہ باقی منافقین کے بارہ میں یہ فرما دیا گیا کہ آپ ان کو ان کے لب و لہجہ سے پہچان لیں گے۔ (مدارک کامد علوی)

حدیث میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔

چھتیس منافقوں کے نام

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو جا اے فلاں کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لے کر پھر فرمایا تم میں یا "تم میں سے" منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمرؓ گزرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کہ کیا ہے؟ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝

اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے سب کام ☆

☆ یعنی بندوں سے کوئی بات چھپی رہے ممکن ہے۔ مگر اللہ کے علم میں تمہارے سب کام ہیں خواہ کھل کر کرو یا چھپا کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے یعنی اللہ تمہارے اچھے برے اعمال سے واقف ہے کیونکہ کفر اور زنا اور ان ہی کی طرح کے دوسرے اعمال جن کی برائی فی نفسہ اور ذاتی ہے ان کی خرابی کو تو سب ہی پہچانتے لیکن اس کے علاوہ دوسرے اعمال کی خرابی نیت سے وابستہ ہے اور نیت سے سوا خدا کے کوئی واقف نہیں وہی ارادے اور نیت کے مطابق بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ

اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تا معلوم کر لیں جو تم میں لڑائی کرنیوالے

مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ

ہیں اور قائم رہنے والے ☆

امتحان ☆ یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستہ میں لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝

اور تحقیق کر لیں تمہاری خبری ☆

یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت و انقیاد کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہو جائیں (منہ) "حتی نعلم" الخ سے جو شبہ حدوث علم کا ہوتا ہے اس کا مفصل جواب "پارہ سیقول" کے شروع "اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ" الخ کے حواشی میں ملاحظہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک اشکال اور اس کا دفعیہ

امتحان اور جانچ وہ شخص کرتا ہے جس کو امتحان لینے سے پہلے علم نہ ہو لیکن اللہ کو تو پہلے ہی تمام آئندہ واقعات کا علم ہے اس کو امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے اس کے جواب کے لئے مفسر نے علماء بعد الوجود کی مراد کی قید کا اضافہ کیا۔ اللہ کو ہر چیز کا علم قبل از وجود ویسا ہی ہے جیسے وجود کے بعد لیکن جو علم قبل الوجود ہے اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے اور امتحان کے بعد جو علم ہوتا ہے وہ حادث بھی ہے اور اس پر احکام کا ترتب بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ
جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ
اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ
سے اور مخالف ہو گئے رسول سے بعد اُس کے کہ ظاہر ہو چکی اُن پر
الْهُدٰی ۙ لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْـًٔا ؕ وَسَیُحْبِطُ
سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دیگا
اَعْمَالَهُمْ ۝
اُنکے سب کام ☆

کافر و منافق اپنا ہی نقصان کرتے ہیں

☆ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کیا نقصان ہے۔ نہ اس کے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں وہ قدرت والا ان کے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کرے گا اور سب کوششیں خاک میں ملا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ یعنی ایمان لانے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے روکا۔

وَشَآقُّوا اللّٰهَ۔ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی۔ اس جگہ الذین کفروا الخ سے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور وہ (مکی) کافر مراد ہیں جنہوں نے بدر کی لڑائی میں کافروں کے لشکر کو باری باری سے کھانا کھلایا تھا۔ یہ بارہ سردار تھے ہر سردار نے اپنے باری کے دن پورے لشکر کو کھانا دیا تھا۔

لَنْ یَّضُرُّوا اللّٰهَ۔ یعنی اپنے کفر سے وہ اپنے آپ کو ہی ضرور پہنچائیں گے اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَسَیُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ۔ اور یقیناً اللہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا ان کو آخرت میں ثواب نہیں دے گا نہ دنیا میں ان کو کوئی فائدہ حاصل ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بدر کے زمانے میں (کافروں کے لشکر کو) کھانا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

کفار قریش کی مدد کرنے والے منافق

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ ان منافقین کے متعلق ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے بارہ آدمیوں نے اُن کے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا تھا ہر روز اُن میں سے ایک آدمی لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو تم پر چلو اللہ کے
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا
اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے
اَعْمَالَكُمْ ۝
کام ☆

اعمال کی مقبولیت کی شرط ☆ یعنی جہاد، یا اللہ کی راہ میں اور کوئی محنت و ریاضت کرتا اس وقت مقبول ہے جب اللہ و رسول کے حکم کے موافق ہو محض اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو۔ ورنہ ایسا عمل یوں ہی بیکار ضائع جائے گا۔ مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کر چکا یا کر رہا ہے اس کو کسی صورت سے ضائع ہونے دے نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑ دے نہ ریا و نمود اور اعجاب و غرور و تکبر سے اسکو برباد کرو بھلا ارتداد کا تو ذکر کیا ہے جو ایک دم تمام اعمال کو غارت کر دینا ہے العیاذ باللہ۔ (تفسیر جلالین)

شانِ نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی خیال کرتے تھے کہ جس طرح شرک کی موجودگی میں کوئی اچھا عمل مفید نہیں۔ اسی طرح لا الٰہ الا اللہ کے قائل کو کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا سبب نزول ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ ابو العالیہ بیان کیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہؓ کو اندیشہ ہوا۔ (اور وہ جان گئے) کہ گناہ سے نیک عمل باطل ہو جاتا

ہے۔ لعوی نے بھی ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

کام ضائع نہ کرو کا مطلب حضرت ابن عباسؓ اور عطا نے کہا یعنی شک اور نفاق یا غرور سے اپنے اعمال کو برائیگاں نہ کرو۔ کلبی نے کہا ریا اور دکھاوٹ سے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ حسن نے کہا کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی نیکیاں برباد مت کرو۔

مقاتل نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ (اپنے ایمان اور خدمت اسلام کا) رسول پر احسان نہ رکھو ورنہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

مسئلہ ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول آیا ہے کہ نماز روزہ حج عمرہ یا کوئی دوسری عبادت اگر شروع کر لی گئی ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے بلا عذر شرعی حج میں سے منقطع کر دینا جائز نہیں۔ کذا ذکر صاحب الهداية والقدوري وغيرهما۔

ضیافت کے لئے نفلی روزہ توڑنا کیا ضیافت بھی ایسا عذر ہے جس میں شریک ہونے کے لئے نفلی روزہ توڑا جا سکتا ہے کسی نے اس کو عذر تسلیم کیا ہے کسی نے نہیں تسلیم کیا بعض کا قول ہے کہ زوال سے پہلے اس کو (روزہ توڑنے کا) عذر مانا جائے گا زوال کے بعد نہیں مانا جائے گا ہاں اگر زوال کے بعد نفلی روزہ نہ توڑنے میں والدین کی نافرمانی ہو رہی ہو تو اس کو عذر تسلیم کیا جائے گا۔ اگر نفل روزہ یا نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دی تو امام ابوحنیفہ کے اور امام مالک کے نزدیک قضا واجب ہے مشفی کی روایت میں آیا ہے کہ نفل روزہ بغیر عذر کے توڑ دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے مگر اس کا بدل بطور قضا ادا کرنا (یعنی روزہ رکھنا) ہوگا۔

احناف کے دلائل حضرت عائشہ کا بیان ہے۔ عروہ نے اس کو نقل کیا ہے کہ حفصہؓ کے پاس بطور ہدیہ بکری کا کچھ گوشت آیا ہم دونوں کا روزہ تھا ہم نے روزہ توڑ دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو ہم نے اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں (اس) روزہ کے عوض دوسرا روزہ رکھنا۔ رواہ احمد من طریق سفیان من حسین عن عروہ۔ ورواہ الترمذی من طریق حضر بن یرقان عن عروۃ۔ ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں کچھ کھانا ہمارے سامنے لایا گیا ہم کو خواہش ہوئی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا پھر (جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مجھ سے پہلے حفصہ نے آگے بڑھ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم (دونوں) روزہ دار تھیں کھانا سامنے آیا ہم کو اشتہا تھی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا فرمایا اس کی جگہ کسی اور دن قضا رکھ لینا۔

ابوداؤد اور نسائی نے یہ حدیث رمیلہ بن عروہ کی روایت سے نقل کی ہے لیکن بخاری نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے کیوں کہ رمیلہ کا عروہ سے سماع ثابت ہے نہ یزید کا رمیلہ سے۔

طبرانی نے سب طریقوں سے جداً الاوسط میں اس طرح بیان کیا ہے۔ موسیٰ بن ہارون از احمد بن مہرون جمال از محمد بن ابی سلمہ کی از محمد بن عمرو بیہ از ابو سلمہ از ابوہریرہ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس کوئی ہدیہ آیا دونوں روزے دار تھیں لیکن دونوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی بجائے اور ایک دن روزہ رکھ لینا اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

ابن ہمام نے کہا اس حدیث کا ثبوت ناقابل تردید ہے خواہ ہر طریق روایت ضعیف ہو لیکن طرق روایت کی کثرت اس کو ناقابل تردید بنا رہی ہے پھر ہر طریق ضعیف بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوحنیفہ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؑ کا حضرت ابودرداءؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارا کرا دیا (ایک روز) حضرت سلیمانؑ حضرت ابودرداءؓ کی ملاقات کو گئے (اندر جا کر) حضرت ابودرداءؓ کی بیوی کو میلی کچیلی حالت میں دیکھا دیکھا کہا بات ہے ام درداءؓ اے کہا آپ کے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا کی کوئی رغبت نہیں (پھر میں کس کے لئے سنگھار کروں) اتنے میں حضرت ابودرداءؓ بھی آ گئے اور حضرت سلمانؑ کے لئے کھانا بنایا (کھانا آ گیا تو) حضرت ابودرداءؓ نے حضرت سلمانؑ سے کہا میرا تو روزہ ہے آپ کھا لیجئے حضرت سلمانؑ نے کہا جب تک آپ نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ حضرت ابودرداءؓ نے بھی کھا لیا جب رات ہوئی ابودرداءؓ نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے حضرت سلمانؑ نے کہا اب سو جایئے حضرت ابودرداءؓ سو گئے پھر (رات میں کسی وقت) نماز پڑھنے اٹھ بیٹھے حضرت سلمانؑ نے کہا سو جایئے جب آخر رات ہوئی تو حضرت سلمانؑ نے کہا اب اٹھ جایئے۔ چنانچہ دونوں اٹھ کر نماز پڑھنے لگے حضرت سلمانؑ نے حضرت ابودرداءؓ سے کہا تم پر اپنے رب کا بھی حق ہے اور اپنی جان کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو حضرت ابودرداءؓ (صبح کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا تذکرہ کیا حضور نے فرمایا سلمانؑ نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ (نفل) روزہ توڑ دینا جائز ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توڑے ہوئے روزے کی قضا واجب نہیں ہے۔

ابوداؤد اور دارمی وغیرہ نے بروایت جریر از یزید بن زیادہ از عبداللہ بن حارث بیان کیا کہ حضرت ام ہانی نے فرمایا جب فتح مکہ کا دن ہوا تو فاطمہؓ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں میں داہنی طرف بیٹھی تھی ایک خادم ایک برتن میں کچھ شربت لائی میں نے لے کر کچھ اس میں سے پیا پھر (روزہ دار ہونے کا خیال آیا تو) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

سلم میرا تو روزہ تھا میں نے روزہ توڑ دیا فرمایا کیا تم نے قضا کا روزہ رکھا تھا میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اگر نفلی تھا تو (توڑنے میں) کوئی حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں لا تبطلوا کا مصدر ابطال ہے (اور لا تبطلوا کسی خاص ابطال پر دلالت نہیں کر رہا ہے بلکہ اس سے عام ابطال سمجھا جاتا ہے) اور یہ ابطال نکرہ ہے جو نہی (لا) کے بعد لایا ہے اس لئے ہر ابطال کی ممانعت اس سے معلوم ہوتی ہے اب جو شخص شروع کرنے کے بعد نفل نماز کو توڑ دے یا نفل روزے کو بہر حال وہ عمل (خیر) کا ناقص ہوگا رہا قضا کا مسئلہ تو یہ الگ عمل ہے جس سے پہلے عمل (یعنی نقص عمل) کا تدارک کیا جاتا ہے لہٰذا علا عذر (نفل نماز روزہ وغیرہ کو توڑنا) اس آیت سے ہی ممنوع قرار پاتا ہے۔ ہاں احادیث سے ضرور ابطال کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن تعارض کے وقت احادیث آحاد پر آیت کی تقدیم لازم ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ آیت نقص عمل کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے اور احادیث حلت پر اور تحریم کو اختیاطاً تحلیل پر مقدم رکھنا واجب ہے۔ اس لئے قیاس بھی تحریم ہی کو چاہتا ہے کیوں کہ نفل حج اور عمرہ کو توڑنا (کسی کے نزدیک) جائز نہیں اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہے (پس نفل نماز روزہ کا توڑنا بھی جائز نہیں ہوگا اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو

سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

اللہ کی راہ سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے

فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

تو ہرگز نہ بخشے گا اُن کو اللہ ☆

محارب کافر ☆ یعنی کسی کافر کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۚ

سو تم بودے نہ ہو جاؤ اور لگو پکارنے صلح ☆

مسلمانو! کم ہمت نہ بنو ☆ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں، ورنہ دشمن شیر ہو کر دبا تے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے سورہ "فتح" میں آتا ہے بہر حال صلح کی بنا اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَهِنُوا ۔ یعنی جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ ۔ یعنی اول کافروں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اس مطلب پر تدعوا کا عطف تهنوا پر ہوگا اور دونوں فعل نہی کے ذیل میں آجائیں گے۔ آیت میں کافروں سے صلح کی درخواست کرنے کی ممانعت فرمادی کیوں کہ اس سے اپنی کمزوری اور بزدلی کا اظہار ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صلح اور اس کی شرط صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداءً صلح کرنا بھی جائز ہے جبکہ مصلحت مسلمانوں کی آمیں دیکھی جائے۔ محض بزدلی اور عیش کوشی اسکا سبب نہ ہو اور اس آیت کے شروع میں فلا تهنوا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جسکا منشاء بزدلی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو اسلئے اسمیں بھی کوئی تعارض نہیں کہ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ کی آیت کے حکم کو اس صورت کیساتھ مقید کیا جائے جس میں صلح جوئی کا سبب دبنس اور سستی رائی نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۗ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ

اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ اور

يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٥﴾

نقصان نہ دیگا تم کو تمہارے کاموں میں ☆

گھبراؤ نہیں ☆ یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ ۔ یعنی اللہ کی مدد سے تم غالب ہو گے اللہ نے نیک مؤمنوں کی مدد کا وعدہ فرمالیا ہے۔

وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزاء میں کوئی کمی نہیں کریگا اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا میں کوئی تکلیف بھی پہنچ گی تو اسکا اجر عظیم آخرت میں ملنے والا ہے اسلئے مؤمن تکلیف کی حالت میں بھی ناکام نہیں۔

إِنَّمَا الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا ۔ چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی

محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت اہل وعیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونے والی ہیں اس وقت ان کو بچا بھی لیا تو پھر کیا؟ دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اسلئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ
یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم
تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ
یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے دیگا تم کو تمہارا بدلہ
وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝
اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے ☆

دنیا پرست نہ بنو تقویٰ اختیار کرو

☆ یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشا جیسی ہے۔ اگر تم ایمان وتقوی اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تم کو اسکا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا اسے کیا حاجت ہے۔ وہ تو خود دینے والا ہے کما قال ''مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ'' (ذاریات رکوع ۳) اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہی ہے تمام مال اسی کا ہے پھر اسکے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ۔ حضرت کو شاد صاحب لکھتے ہیں'' حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیئے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ) سے پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سو سو گنا ہاتھ لگا اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ کو قرض دو''۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۔ اور تمہارے مال تم سے طلب نہیں کرے گا یعنی وہ تمہارے مال کا محتاج نہیں ہے تم کو ایمان وطاعت کا حکم اس لئے دے رہا ہے کہ اس کے عوض میں تم کو جنت عطا فرما دے۔ یہ مضمون دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے۔ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ۔

آیت کا ایک اور مطلب۔ بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ صدقات وخیرات کی شکل میں تم سے تمہارا سارا مال نہیں طلب کرے گا بلکہ ایک حقیر قلیل حصہ یعنی چالیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم طلب کرے گا۔ جیسے ۲۰۰ بکریوں میں ایک بکری لہٰذا تم کو غم نہ کرنا چاہئے۔ ابن عیینہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ رفتار آیت بھی اسی مطلب کی مؤید ہے کیوں کہ ایمان وتقوی کی ترغیب اور دنیوی زندگی کی مذمت سے (بے فوقوں کے دماغ میں) یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید اللہ اپنے راستہ میں ہمارا سارا مال صرف کرانا چاہتا ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا اللہ تمہارا سارا مال طلب نہیں فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا
اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو
وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝
اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں ☆

اللہ تم سے مال طلب نہیں کرتا

یعنی اگر اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ کل مال طلب کرنے لگے جو تم کو دے رکھا ہے تو کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور نگدلی کا ثبوت دیں گے اور مال خرچ کرنے کے وقت ان کے دل کی خفگی باہر ظاہر ہو جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ ۔ یعنی اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرتا اور تم کو دشواری میں ڈال دیتا۔ احفاء کسی کام کو آخری حد تک پہنچانا مبالغہ کرنا' حدیث میں آیا ہے اَحْفُوا الشَّوَارِبَ یعنی لبوں کو جڑ سے کاٹو۔

تَبْخَلُوْا ۔ اور تم بخل کر دیتے اور مال نہ دیتے۔

وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۔ اللہ تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے کینوں کو برآمد کر دیتا یا تمہارا بخل تمہارے کینوں کو ظاہر کر دیتا۔ قتادہ نے کہا اللہ کو معلوم تھا کہ مال طلب کرنے سے کینہ سامنے آجائے گا۔ (تفسیر مظہری)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا
سنتے ہو تم لوگ تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
اللہ کی راہ میں ☆

اللہ کے دیئے میں مخصوص حصہ خرچ کرو

☆ یعنی ایک حصہ خدا کے دیئے ہوئے مال کا اس کے راستہ میں اپنے نفع کی خاطر۔ (تفسیر عثمانی)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ یعنی تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اسکے بعد فرمایا کہ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ یعنی جو شخص اس میں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل سے وہ یہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اس بات کو زیادہ وضاحت سے فرمایا وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجتمند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری حاجت کا پورا کرنا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ

پھر تم میں کوئی ایسا ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دیگا

فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ

سو نہ دے گا آپ کو ☆

دینے کا نفع تمہیں ہے ☆ یعنی تمہارا دینا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے نہ دو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اللہ کو تمہارے دینے نہ دینے کی کیا پرواہ۔ (تفسیر مدنی)

اپنا مال اور وارثوں کا مال۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے (مملوکہ) مقبوضہ مال سے زیادہ اپنے وارثوں (کی ملک اور قبضہ میں پہنچے ہوئے) مال سے زیادہ محبت ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے تو ہر ایک کو اپنے (کام میں آنے والے) مال سے زیادہ محبت ہوتی ہے فرمایا تو اپنا مال وہی ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور وارثوں کا مال وہ ہے جو (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ گیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔

دو فرشتوں کی دعاء حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں اور ایک کہتا ہے اے اللہ راہ حق میں خرچ کرنے والے کو بدل عنایت فرما دوسرا کہتا ہے اے اللہ روک کر رکھنے والے (بخیل) کے مال کو تلف کر دے متفق علیہ۔

خرچ کرتے رہو حضرت اسماءؓ راوی ہیں کہ (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گنتی نہ کرو ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا اور بھر کر (یعنی جمع کر کے) نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تم سے سد کر لے گا۔ اور تھوڑا تھوڑا دیتی رہ جہاں تک ہو سکے متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے اے آدم زاد خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (یعنی تجھے روں گا) متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو ☆

اللہ محتاج نہیں تم ہو ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اس کا رسول مانگتا ہے نہیں۔ یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے۔ ورنہ اللہ کو اور اسکے رسول کو کیا پرواہ ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ ۔ یعنی اللہ کو تمہاری عبادت و صدقات کی ضرورت نہیں۔

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۔ اور تم دنیا و آخرت میں اس کے محتاج ہو اس لئے اس نے جو چاہا تم کو حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ

غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝

تمہارے سوائے پھر وہ نہ ہونگے تمہاری طرح کے ☆

اللہ تمہارا محتاج نہیں ☆ یعنی اللہ تعالیٰ جس حکمت و مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل مونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کیجئے کہ تم اگر بخل کرو اور اس کے حکم سے روگردانی کرو گے تو تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی بلکہ نہایت فراخ دلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی راہ میں خرچ کرے گی۔ بہر کیف اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس کی قوم اور فرمایا "خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔" الحمد للہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بے نظیر ایثار و جوش ایمان کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو وقت ضرورت عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی ہزار ہا علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا وجود ہی اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے۔ بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کامل اور

اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر حقانی)

امام اعظم رحمہ اللہ کی فضیلت:

شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے کہا کہ شیخ شافعی یعنی جلال الدین سیوطی کے قول کے بموجب اس حدیث میں ابوحنیفہؒ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ علم کی جس چوٹی پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی پہنچ گئے کوئی فارسی اس چوٹی تک نہیں پہنچا امام ابوحنیفہؒ کے دادا اہل فارس میں سے ہی تھے۔ ابوحنیفہؒ کی اولاد دین کی بڑی اونچی مسلّم پر فائز ہوئی آپ ہی کی اولاد میں ابوعلی شرف الدین قلندر پانی پتی اور قطب جمال اور قطب برہان ہانسوی اور قطب عبدالقدوس گنگوہی تھے۔ (از مفسر قدس سرہ)

اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ اس خیر پر ہو جس پر حضور ختم المرسلین کے برگزیدہ لوگوں کا ہوا۔ اے اللہ اس تفسیر کے ختم ہونے کا ثواب اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور اولاد اور ازواج مطہرات کی پاک روحوں کو اور اولیاء امت محمدیہ خصوصاً شیخ شمس الدین حبیب اللہ مظہر اور آپ کے تمام مشائخ کو پہنچا دے۔ آمین! (تفسیر مظہری)

دین کا قیام کسی خاص قوم پر موقوف نہیں ہے

خدا کا دین کسی جماعت پر موقوف نہیں کہ بس وہی دین خدا کی حفاظت و اعانت کر سکتے ہیں ان کے سوا اور کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتا یہ خیال باطل ہے وہ اپنی حکمت سے جس قوم اور طبقہ کو چاہے اقامۂ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے منتخب کر لے اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

؎ منت سنہ کی خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت مداشتت

(معارف کاندھلوی)

اللہ تعالیٰ غنی الاغنیاء ہے

اس آیت میں حق تعالیٰ کے غنی الاغنیاء ہونے کو اس طرح واضح کیا ہے کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں اگر تم سب کے سب ہمارے احکام کی تعمیل چھوڑ دو تو جب تک ہمیں دنیا کو اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے ہم اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کیلئے دوسری ایسی قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری طرح احکام شرعیہ سے گریز اور اعراض نہ کرے گی بلکہ ہماری مکمل اطاعت کریں گی۔ (معارف مفتی اعظم)

تم سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتوفیقہ واعانتہ فلہ الحمد المحمۃ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو محبوب رکھے گا۔ (ابن سیرین)

سورۃ کا شان نزول اور فضیلت

امام احمدؒ بخاریؒ ترمذیؒ نسائیؒ ابن حبان اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ میں نے ایک بات کے متعلق تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا لیکن حضور نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے (اپنے دل میں) کہا عمر! تیری ماں تجھے روئے تو نے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بار جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر میں نے اپنے اونٹ کو بڑھایا اور دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ گیا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میرے بارے میں قرآن میں کوئی آیت نازل ہو گی۔ (جس میں شاید مجھ پر عتاب ہو) کچھ دیر نہ گذری تھی کہ میں ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو مجھے پکار رہا تھا۔ میں فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو ہر اس شے سے مجھے پیاری ہے جس پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی تلاوت فرمائی۔

حاکم وغیرہ نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ سورۃ فتح اول سے آخر تک مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حدیبیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی صحابہؓ آپ کو مبارکباد دینے لگے اور کہا حضور! یہ تو ہوئی آپ کے لئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے عَظِيْمًا تک نازل ہوئی (بخاری و مسلم) حضرت مجمع بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ جو قاریٔ قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آ رہے تھے جو میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو سجائے لئے جا رہے ہیں پوچھا کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تو ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یہ فتح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے

آتے ہوئے ایک جگہ رات گذارنے کے لئے ہم اترے سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوئے ہوئے ہیں ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے جو آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کیا کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں گم ہوگئی ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ وہیں کھڑی ہے۔ اسے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا۔ ماگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی۔ وحی کے وقت آپ پر بہت وشواری ہوتی تھی جب وحی بند ہوگئی تو آپ نے ہمیں بتلایا کہ آپ پر سورۂ انا فتحنا الخ اتری ہے (ابوداؤد، نسائی، مسند وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی اس کی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۙ﴿۱﴾

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ

سورۃ کے مضامین کا خلاصہ

اس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بغرض سہولت فہم ان کو مختصراً یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی مگر شدت اشتیاق سے اکثروں کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہوگا۔ اور اتفاقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد بھی عمرہ کا ہوگیا (ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور "ھدی" بھی آپ کے ساتھ تھی یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نہ آنے دیں گے حالانکہ ان کے ہاں حج وعمرہ سے دشمن کو بھی روکا نہیں جاتا تھا بہرحال حدیبیہ پہنچ کر جو مکہ سے قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حبسها حابس الفیل اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا (اسی مقام کو آج کل "شمسیہ" کہتے ہیں (ج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہم کو آنے دو عمرہ کر کے چلے جائیں گے جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہ ہی پیام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ اب عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا ان کی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیئے گئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے سب صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا (د) پھر مکہ کے چند رؤسا بغرض صلح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث وتکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمالیں اور مسلمانوں سے بھی بے انتہا ضبط وتحمل سے کام لیا اور صلح نامہ تیار ہوگیا جس میں ایک شرط گذار کی طرف سے یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیے اور سال آئندہ پھر صلح آکر عمرہ کر لیجئے اور یہ کہ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی۔ اس مدت میں جو مرد ہمارے ہاں سے تمہارے پاس جائے اسے آپ اپنے پاس نہ رکھیں اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں آئے گا ہم واپس نہ کریں گے صلح کا تمام معاملہ طے ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حدیبیہ" ہی میں ھدی کا جانور ذبح کیا اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے (و) راستہ ہی میں یہ سورۃ "الفتح" نازل ہوئی اور یہ سب واقعہ اواخر ۶ھ میں پیش آیا۔ (و) حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر اوائل ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمالی جانب چار منزل پر شام کی سمت پہلو کا ایک شہر تھا۔ اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے علاوہ شریک نہ تھا۔ جو حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے (ز) سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معاہدہ عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ (ح) عہد نامہ میں جو دس سال تک لڑائی نہ رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۸ھ میں اس کو فتح کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے

ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ

تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے ☆

صلح حدیبیہ فتوحات کا دیباچہ

☆ ''حدیبیہ'' کی صلح بظاہر ذلت و مغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر ہادی المنظر میں یہ ہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی صلح کی ظاہری صلح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرف داروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کر دیا جاتا مگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھیں اس احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال استقلال اور توکل و تحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللہ و رسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام فتح مبین رکھا۔ لوگ اس پر بھی تعجب کرتے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے فرمایا ہاں بہت بڑی فتح۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کی ہیبت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو و درگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بے ہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا۔ یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد و رحمت کے استخلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر اسلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے تو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن خطرے دل سے فرصت میں پیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کر دیا ہے کہ یہ صلح اسوقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری و باطنی کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال و اطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح ''حدیبیہ'' سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے۔ خالد بن الولید اور عمرو بن العاص جیسے نامور صحابہؓ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے۔ یہ جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کر لینا اس صلح حدیبیہ کی عظیم ترین برکت تھی۔ اب جماعت اسلام چاروں طرف اسقدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کر کے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہو گیا۔ ''حدیبیہ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جاںباز تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ کے ہم رکاب تھا یہ تو ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر، بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زریں دیباچہ کے تھی۔ اور اس تحمل و توکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی۔ جن علوم و معارف قدسیہ اور باطنی مقامات اور مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اسکا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے۔ یعنی جیسے سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز و اکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز ''غفران ذنوب'' ہے (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لئے نہیں فرمائی صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا فرماتے ''افلا اکون عبداً شکوراً'' (تو کیا میں اسکا شکر گزار بندہ نہ ہوں) ظاہر ہے اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو شکر نہ کرنے سے بجائے بلکہ اور زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت پہلے ہی آ چکی بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ (تفسیر جلالین)

اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب۔ عطاء خراسانی نے کہا ماتقدم

سے مراد ہیں حضرت آدم اور حضرت حوا کی غلطیاں ماتاخر سے مراد ہیں امت کے گناہ یعنی آپ کی برکت سے اللہ آدم وحوا کی غلطیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گناہ معاف کردے۔ (تفسیر مظہری)

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور پورا کردے تجھ پر اپنا احسان ☆

اتمام انعامات ☆ یعنی صرف تقصیرات سے درگزر نہیں بلکہ جو کچھ ظاہری و باطنی اور مادی و روحی انعام واحسان اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل وتتمیم کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۙ

اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ ☆

راہ ہدایت میں ترقی ☆ یعنی تجھ کو ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر ہمیشہ قائم رکھے کامعروف وشہود کے غیر محدود مراتب پر فائز ہونے اور امداد وقلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنے کی راہ میں تیرے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو سکے گی۔ لوگ جوق در جوق تیرے ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے۔ اور اسطرح تیرے اجور وحسنات کے ذخیرہ میں بے شمار اضافہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد ☆

بے مثال مدد ☆ یعنی اللہ کی ایسی مدد آئے گی جسے کوئی نہ روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اسی کی مدد سے فتح وظفر تیرے قدموں کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ سورہ نصر میں فرمایا کہ جب خدا کی طرف سے مدد اور فتح آجائے اور لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو اللہ کی تسبیح وتحمید اور اس سے استغفار کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح مبین پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیا ہوگا تو اس کے جواب میں "لیغفرلک اللہ" الخ کا مضمون اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔ نیز علیہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر عثمانی)

نَصْرًا عَزِيْزًا ۔ جس میں عزت ہی عزت ہے۔ یعنی جس کی وجہ سے وہ شخص عزت یاب ہو جائے جس کی نصرت کی گئی ہو۔ اصل میں عزت پانے والا وہ شخص ہوتا ہے جس کی مدد کی جائے نصرت کو عزت والا قرار دینا طور مبالغہ ہے یا عزیز اسے مراد ہے ایسی نصرت جس میں غلبہ اور قوت ہو۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ

وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ

ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ ☆

نزول اطمینان ☆ اطمینان اتارا یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جمے رہے ضدی کافروں کیساتھ ضد نہیں کرنے لگے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان ویقین میں ترقی ہوئی انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اسکے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پر جوش جذبات و عواطف کو زور سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کر دی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان بڑھنے کا مطلب ضحاک نے کہا (پہلے) یقین کے ساتھ (تازہ) یقین یعنی عقیدہ کا جماؤ اور دل کا اطمینان کلبی نے کہا' ایسا حدیبیہ میں ہوا تھا جب کہ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیے (اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے) کے لئے بھیجا جب لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی اور ایمان لے آئے تو پھر نماز کی فرضیت کا اضافہ کر دیا پھر زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج پھر جہاد کا مزید حکم دیا پھر ان کے دین کو (پورے احکام دے کر) مکمل کر دیا اس طرح جو حکم مزید آتا تھا اور لوگ اس کی تصدیق کرتے تھے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور اللہ ہے خبردار حکمت والا ☆

حالات واحکام کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے

☆ یعنی وہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے ہاتھ روکنا اور صلح کرنا حکمت ہے تم کو اگر قتال کا حکم ہو تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس وپیش نہ کرنا کیونکہ آسمان وزمین کے لشکروں کا مالک وہی ہے جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے بھی لشکروں سے

مدد کر سکتا ہے جیسے "بدر" "احزاب" اور "حنین" وغیرہ میں کی۔ اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم دے تو اسی کی تعمیل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہو گئی اور کفار بچ نکلے ان کو سزا نہ ملی اگر قتال کا حکم ہو جاتا تو ہم ان کو ہلاک کر ڈالتے۔ کیونکہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک اگر صلح کا حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

تا کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں ہمیشہ رہیں

فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

اُن میں اور اتار دی اُن پر سے اُن کی برائیاں ☆

صحابہ کیلئے انعام ☆ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم "انا فتحنا لک فتحا مبینا" پڑھ کر صحابہ کو سنائی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مبارک باد عرض کی اور کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے" اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی اللہ نے اطمینان و سکینہ اتار کر مؤمنین کا ایمان بڑھایا تا انہیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور انکی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرما دے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے حدیبیہ میں بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ (تنبیہ) مؤمنات کا ذکر تعمیم کے لئے ہے یعنی مرد ہو یا عورت کسی کی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں جاتی احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی ☆

نقال صوفیوں کی تردید ☆ بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہی بڑا کمال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ

اور تا کہ عذاب کرے دغا باز مردوں کو اور دغا باز عورتوں کو

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ

اور شرک والے مردوں اور شرک والی عورتوں کو ☆

منافقوں اور مشرکوں کے لئے سزا ☆ یعنی مؤمنین کے دلوں پر صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات و ترقیات کا دروازہ کھول دیا جو انجام کار سبب ہے۔ کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور ان کو پوری طرح سزا ملنے کا۔ (تفسیر عثمانی)

الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ

جو انکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری انکلیں ☆

منافقوں کی انکلیں ☆ "بری انکلیں" یہ کہ مدینہ سے چلتے وقت منافق (بجز ایک جد بن قیس کے) مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے، بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ دل میں سوچا کہ مٹھی بھر لوگ ضرور ہو کر رہے گی یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا کیونکہ وطن سے دور، فوج کم، اور دشمن کا دبدبہ ہوگا ہم کیوں ان کے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اور کفار مکہ نے یہ خیال کیا کہ مسلمان اطاہر "عمرے" کے نام سے آ رہے ہیں اور فریب دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ

اُنہی پر پڑے پھیر مصیبت کا ☆

ان کی بیس بندیاں بیکار ہیں ☆ یعنی زمانہ کی گردش اور مصیبت کے چکر میں آ کر رہیں گے کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرا مطلب۔ مسلمانوں کے متعلق جو ان کا گمان ہے اور مسلمانوں کی تباہی کے وہ منتظر ہیں اس بدگمانی اور امید ہلاکت کا چکر انہیں پر پڑے گا۔

وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

اور غصہ ہوا اللہ اُن پر اور لعنت کی اُن کو

وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٦﴾

اور تیار کی اُن کے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے

وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ

اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اللہ زبردست حکمت والا ☆

حکمت خداوندی کو کمزور نہ سمجھو ☆ یعنی وہ سزا دینا چاہے تو کون بچا سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں پیس کر رکھ دے مگر وہ زبردست ہوتے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے حکمت الٰہی مقتضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ الخ یعنی اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں سارے جہان کے لشکر پس وہ چاہے تو ابی اور مؤمنوں کے دشمنوں کے سارے شوں کو جس طرح چاہے گا واقع کر دے گا اور وہی سب پر غالب ہے اس لئے اس کے عذاب کو کافروں سے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اور وہی حکمت والا ہے جس طرح چاہتا ہے انتظام وتدبیر کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی

وَّنَذِيْرًا ۝

اور ڈر سنانیوالا ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام

یعنی آپ اللہ کے فرمانبرداروں کو خوشی اور نافرمانوں کو ڈر سناتے ہیں اور خود اپنے احوال بتلاتے ہیں جیسے "انا فتحنا" سے یہاں تک تینوں قسم کے مضامین آچکے اور آخرت میں بھی اپنی امت پر نیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام امت کے تمام اعمال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے

یہ گواہی تمام اُمت کے اعمال طاعات ومعاصی پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق اُمت کے اعمال صبح شام رسول اللہ کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں اسلئے آپ تمام اُمت کے اعمال سے باخبر ہونگے (ذکرہ القرطبی عن سعید بن المسیبؒ) (معارف مفتی اعظم)

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

تاکہ تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اسکی مدد کرو

وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ

اور اسکی عظمت رکھو ☆

اللہ اور رسول اللہ کی مدد کرو

"تعزروہ" "اور" "توقروہ" کی ضمیریں اگر اللہ کی طرف راجع ہوں تو اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اگر رسول کی طرف سے راجع ہوں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

اور اُس کی پاکی بولتے رہو صبح اور شام ☆

☆ یعنی اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ خواہ نمازوں کے ضمن میں یا نمازوں سے باہر۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا

تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ

يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اُوپر اُن کے ہاتھ کے ☆

حضور کے ہاتھ میں بیعت گویا اللہ سے بیعت ہے

☆ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل دتاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے لہٰذا کما قال مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء رکوع ۱۱) وکما قال "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (انفال رکوع ۲) جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست تصرف و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوگا۔

مشائخ طریقت کی بیعت

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں "وعلی الخیر" کا لفظ آیا ہے مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی "حدیبیہ" میں اس بات پر بیعت لی گئی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں جو آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت (معاہدہ) کر رہے ہیں کہ میدان جنگ سے فرار نہیں کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے کہ فتح یاب ہوں یا مارے جائیں۔

یَدُ اللّٰہ کے اوپر ہونے کا مطلب

اوپر کی آیت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا اور بیعت کا مشہور معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا ہی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں سے اسی طرح بیعت لی تھی تو گویا اللہ کے ہاتھ کا (بوقت بیعت) ان کے ہاتھ پر ہونے کا تخیل پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' اللہ نے جو ان سے خیر کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے والا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ میں کہتا ہوں' جب ید اللہ سے (بقول حضرت ابن عباسؓ) ایفائے وعدہ کا ہاتھ مراد ہوگا تو اس وقت ید اللہ' اللہ کی ایک خاص صفت قرار پائے گی جس کی کیفیت ناقابل تصور ہے۔

کلبی نے کہا ید اللہ یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی نعمت فوق ایدیھم یعنی انہوں نے جو بیعت کی تھی مطلب یہ کہ انہوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس سے بالاتر اللہ نے ہدایت کی نعمت ان کو عطا کی۔

واقعہ حدیبیہ کی تفصیلات

عبد بن حمید اور ابن جریر نے بروایت مجاہد و قتادہ اور بیہقی نے صرف مجاہد کی روایت سے اور ابن جریر نے ابن یزید اور محمد بن عمرو کے حوالہ سے بیان کیا کہ حدیبیہ کو روانگی سے پہلے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ کچھ لوگوں کے سر منڈے ہوئے ہیں اور کچھ نے بال کتروا لئے ہیں اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی کنجی لے لی اور بیت اللہ میں داخل ہو گئے۔ کذا قال البغوی و محمد بن یوسف الصنا لحی فی سبیل الرشاد۔

جنگ کی تیاری اور روانگی ابن سعید اور محمد بن عمرو وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے صحرا نشین لوگوں کو اور (دوسرے) عربوں کو اپنے ساتھ نکل چلنے کی ترغیب دی لیکن آپ کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ قریش ضرور تعرض کریں گے اور کعبہ تک پہنچنے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔ (آپ کی طلب کے باوجود) بکثرت بادیہ نشین لوگ نہیں آئے۔

امام احمد' بخاری عبد بن حمید' ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے بروایت زہری بیان کیا اور محمد بن اسحاق نے بروایت زہری از عروہ از مسعود بن مخرمہ اور مروان بن حکم بیان کیا کہ (حدیبیہ کو روانہ ہونے سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے اندر جا کر غسل کیا' پھر صحابہؓ کے بنے ہوئے دو کپڑے (چادر اور لنگی) پہنے پھر دروازے کے پاس سے ہی تصویر اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا ام منیع' اسماء بنت عمرو اور ام عمارہ اشہلیہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ مہاجرین' انصار اور دوسرے عرب بھی آپ کے ساتھ آ کر مل گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے کسی کو فتح میں شک بھی نہیں تھا۔ ان حضرات کے پاس تلواروں کے علاوہ اور اسلحہ بھی نہیں تھے اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور پہلے سے بھجوا دیئے تھے یکم ذوالقعدہ ۶ھ بروز دوشنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے دوپہر کو ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی قربانی کے لئے ستر اونٹ تھے سب کو جھولیں پہنائی گئیں اور ان میں سے چند کو قبلہ رخ کھڑا کر کے دائیں پہلوں پر خود زخم لگائے (اشعار کیا) اور باقی اونٹوں کو اشعار کرنے کا حکم ناجیہ بن جندب کو دیا اور ایک ایک جوتہ (قربانی کے) ہر اونٹ کی گردن میں ڈال دیا۔ مسلمانوں نے اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور ان کی گردنوں میں ایک ایک جوتہ لٹکا دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان کو (قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے) بطور جاسوس پہلے بھیج دیا اور عباد بن بشر کو بیس سواروں کے ساتھ بطور ہراول آگے روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے ہراول دستہ کا کمانڈر سعد بن زید اشہلی کو مقرر کیا تھا۔

عمرہ کا احرام باندھنا: پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازہ سے اونٹنی پر سوار ہو گئے اونٹنی قبلہ رخ تھی جب اونٹنی اٹھی تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا تاکہ لوگوں کو یہ خطرہ نہ ہو کہ آپ لڑائی کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہیں بلکہ سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا ارادہ کعبہ کی زیارت کا ہے۔

حضور نے لبیک کہی آپ کے احرام کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ اور اکثر صحابہؓ نے بھی احرام باندھ لیا بعض صحابہؓ نے جحفہ پہنچ کر احرام باندھا آپ بیدار کے راستے سے چلے مکہ اور مدینہ کے درمیان قبائل بنی بکر' مزینہ اور جہینہ کی آبادیاں تھیں آپ کا گذر ان کی طرف سے ہوا تو آپ نے ان کو بھی چلنے کی ترغیب دی لیکن وہ اپنے مالی مشاغل میں مشغول رہے اور آپس میں ایک نے دوسرے سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے لے جا رہے ہیں جو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بالکل تیار ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی سب لقمہ بن جائیں گے نہ کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ کر آئیں گے نہ ان کے ساتھی۔ یہ نہتے لوگ ہیں نہ ان کے پاس اسلحہ ہیں نہ ان کی کوئی (معقول) تعداد ہے نہ سر و سامان۔ اسی سفر میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت قتادہؓ نے جو احرام میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا کچھ حصہ پیش کیا۔ یہ واقعہ مقام ابواء کا ہے۔ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

مقام جحفہ پر آنحضرت کا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جحفہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کا حکم دیا اور فروکش ہونے کے بعد لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا میں تمہارا پیش خیمہ (ہراول) بننے والا ہوں اور تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کی سنت اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اہل مکہ مشورہ اور لڑائی کی تیاری (مکہ کے) مشرکوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی عمرہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو لے کر ہم پر آنا چاہتے ہیں عرب سنیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی ہم پر چڑھ آئے جب کہ ہمارے اور ان کے درمیان جو لڑائی ہے وہ سب کو معلوم ہے (تو ہماری کمزوری ظاہر ہو گی) ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اس کے بعد دو سو سواروں کا کمانڈر بنا کر خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو بھیجا خالد بن ولید مختلف قبائل کی نولیوں کو بھی ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور بنی ثقیف بھی ان کے ساتھ تعاقب کرتے گئے اس طرح سب لوگ بلدح کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں ڈیرے خیمے نصب کر دیئے عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ تھے بلدح میں فوجی اجتماع ہو گیا سب نے اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے اور مکہ میں ان کو گھسنے نہیں دیں گے دس آدمیوں کو جاسوسی کے لئے پہاڑیوں پر مقرر کر دیا پہلا جاسوس دوسرے کو اور اشارہ آواز سے کہتا تھا کہ محمد اب یہ کر رہے ہیں دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے یہی کہتا تھا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل و حرکت کی قریش تک اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

بشر بن سفیان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینا

بشر بن سفیان جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوس مقرر کر کے بھیجا تھا مکہ سے لوٹ آئے اور عسفان کی عقب میں غدیر الاظاط کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور عرض کیا قریش کو آپ کی روانگی کی اطلاع مل گئی وہ (مکہ) سے نکل آئے ہیں ان کے ساتھ نور ائیدہ بچے بھی ہیں۔ (اس وقت) وہ مقام ذی طوی میں فروکش ہیں اور سب نے خدا کی قسمیں کھا کر معاہدہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اندر گھسنے نہیں دیں گے خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو پہلے بھیج دیا ہے یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس قریش کے حال پر۔ ان کو لڑائیاں کھا گئیں مجھے اگر عرب کے لئے یہ لوگ آزاد چھوڑ دیتے (اور میرے اور عرب کے معاملے میں دخل نہ دیتے) تو اس کا کیا نقصان ہو جاتا اگر عرب مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کی مراد پوری ہو جاتی اور اگر اللہ مجھے عرب پر غالب کر دیتا تو یہ بھی (ہماری جماعت میں) داخل ہو جاتے اور تعداد کو بڑھا دیتے اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے (مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہ ہوتے) تب بھی ان میں طاقت ہوتی اور وہ (دشمنوں سے) لڑ سکتے۔ قریش کا کیا خیال ہے خدا کی قسم میں ان سے اس دین کی بنیاد پر برابر جہاد کرتا رہوں گا جو مجھے اللہ نے عطا فرمایا کیا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا یہ گردن تمہارہ جائے۔

مسلمانوں کا باہم مشورہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں (کے حلقہ) میں کھڑے ہو کر اول خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا امابعد اے گروہ اہل اسلام! مجھے مشورہ دو تمہاری کیا رائے ہے کیا میں ان لوگوں کے بال بچوں کی طرف اپنا رخ موڑ دوں اور ہم ان کو پکڑ لیں اس پر اگر (چپ ہو کر) یہ لوگ بیٹھ رہے تو بغیر انتقام لئے بیٹھ رہیں گے اور اگر ہمارے مقابلہ پر آئیں گے تو اللہ ان میں سے کچھ لوگوں کی گردن کاٹ دے گا یعنی ان میں کی ایک جماعت ماری جائے گی اور یا تمہاری یہ رائے ہے کہ ہم کعبہ (کی زیارت) کے ارادے سے چلیں پھر جو لوگ ہم کو کعبہ سے روکیں ہم اُن سے لڑیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ کعبہ کے ارادہ سے چلے ہیں آپ کا ارادہ نہ کسی سے قتال کرنے کا تھا نہ لڑنے کا لہٰذا آپ کعبہ کا رخ کیجئے اگر کسی نے ہم کو راستہ میں روکا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کی تائید کی۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے کلام کے بعد حضرت مقداد بن اسود نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے کہی تھی کہ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ (بھی) جائیں آپ کا رب بھی جائے اور دونوں جا کر (مشرکوں سے) لڑیں ہم بھی آپ کی معیت میں لڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر بسم اللہ کہہ کر چل پڑو۔

صف بندیاں: خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ اتنے قریب آ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان کو دکھائی دینے لگے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبیلہ کے درمیان صف بندی کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عباد بن بشر کو آگے بڑھ کر صف بندی کرنے کا حکم دے دیا عباد نے بھی آگے بڑھ کر خالد کے مقابل اپنے سواروں کو صف بند کر دیا اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا بلال نے آذان دی اور اقامت کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی خالد نے کہا یہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے اگر نماز میں ہم ان پر حملہ کر دیتے تو کامیاب ہو جاتے خیر ابھی ان کی دوسری نماز کا وقت آئے گا جو ان کو جان و اولاد سے زیادہ پیاری ہے (اس وقت حملہ کریں گے)۔

نماز خوف کا حکم حضرت جبرائیلؑ ظہر اور عصر کے درمیان آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ الخ لے کر آ گئے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسب مضمون آیت)

صلوۃ خوف پڑھی اس کی تفصیل سورت نساء میں گزر چکی ہے۔

لڑائی سے احتراز: محمد بن عمر اور یزار نے معتبر قابل اعتماد راویوں کی سند سے حضرت ابوسعید خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دائیں طرف حمص کے سامنے کے راستے پر چلو کیوں کہ خالد بن ولید دوسروں سمیت قریش کے ہراول کے طور پر کراع الغمیم میں موجود ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ پر بڑے مہربان تھے آپ خالد سے تصادم نہیں چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے حنظل والی گھاٹی سے کون واقف ہے بریدہ بن حصیب نے جواب دیا میں واقف ہوں۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابونعیم نے حضرت ابوسعیدؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب عسفان میں پہنچے تو پچھلی رات میں چل کر حنظل والی گھاٹی کے سامنے پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات اس گھاٹی کی مثال اس دروازہ کی سی ہے جس میں داخل ہونے کا حکم اللہ نے بنی اسرائیل کو دیا تھا اور فرمایا تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ الخ۔ آج رات اس گھاٹی کو جو شخص عبور کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو اندیشہ ہے کہ قریش ہماری جلائی ہوئی آگ دیکھ لیں گے (یعنی جب گھاٹی میں ہم آگ جلائیں گے تو قریش ہم کو دیکھ لیں گے) فرمایا وہ تم کو ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

سب کی مغفرت: پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمام سواروں کو (یا سارے قافلے کو) سوا اس ایک شخص کے جو سرخ اونٹ پر سوار ہے بخش دیا گیا۔

ایک بدقسمت شخص: (لوگوں نے جستجو کی کہ وہ بدقسمت کون ہے جس کی مغفرت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ) وہ بنی صمرہ کا ایک شخص ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے اس شخص سے کہا چل ہم رسول اللہ سے درخواست کریں کہ تیرے لئے حضور دعاء مغفرت کر دیں کہنے لگا اگر میری گمشدہ اونٹنی مجھے مل جائے تو آپ لوگوں کے ساتھی کی دعاء سے مجھے زیادہ پسند ہے اسی اثناء میں جب ہم مراوح کے سامنے پہنچ گئے تو اس کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور وہ گر کر مر گیا اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا جب تک درندوں نے اس کو کھا نہ لیا۔

حدیبیہ میں قیام حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا اگلا پاؤں زمین میں پڑ گیا (یعنی بیٹھ گئی) لوگوں نے کہا حل حل لیکن اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور جمی بیٹھی رہی مسلمانوں نے کہا قصوی اڑ گئی حضور نے کہا قصوی اڑی نہیں ہے اور نہ یہ (اڑ کر بیٹھنا) اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اسی نے روک رکھا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا تھا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج قریش جس بات کا مجھ سے مطالبہ کریں گے شرطیکہ اس میں حرامات خداوندی کی تعظیم ہو میں منظور کر لوں گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو ڈانٹا اونٹنی فوراً اچھل کر کھڑی ہو گئی اس کے بعد حضور رخ موڑ کر چلے اور حدیبیہ کے آخری کنارہ پر جہاں تھوڑا سا پانی تھا پہنچ کر اتر پڑے۔

آنحضرت کا معجزہ صحابہ کو خیال ہوا کہ پانی تھوڑا ہے لوگ اس کو (جلد) ختم کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں نے تھوڑی ہی دیر میں سارا پانی (اس تالاب یا کنویں) کا کھینچ کر ختم کر دیا کچھ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کی قلت کی شکایت کی آپ نے فوراً اپنی ترکش میں سے ایک تیر نکال کر حکم دیا کہ اس تیر کو اس جگہ گاڑ دو جہاں گڑھے میں پانی جمع ہو۔ (حکم کی تعمیل کی گئی) پھر تو سیراب ہو ہو کر لوگ اس سے باہر نکلنے لگے حضرت مسعود کا بیان ہے کہ (پانی اتنا ہوا کہ) لوگ کنارے پر بیٹھے بیٹھے اپنے برتن بھرنے لگے اور تیر لے کر پانی کے اندر اترنے والے ناجیہ بن جندب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو ہنکانے والے تھے۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ ابومروان نے کہا مجھ سے چودہ صحابیوں نے بیان کیا کہ تیر لے کر پانی میں اترنے والے ناجیہ بن کعب تھے ناجیہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے جب پانی کی کمی کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرما کر ترکش میں سے ایک تیر کھینچ کر مجھے دیا اور (کم پانی والے اس) کنویں سے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا میں ڈول بھر کر لایا حضور نے وضو کیا اور منہ میں کلی لے کر ڈول میں تھوک دیا سخت گرمی پڑ رہی تھی اور وہ کنواں ایک ہی تھا مشرک پہلے ہی بلدح میں پہنچ گئے تھے اور وہاں کے تمام پانیوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈول کو لے کر نیچے اتر جانا اور کنویں میں اس کو الٹ دینا اور تیر کو اس میں گاڑ دینا میں نے حکم کی تعمیل کی قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا میں نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ پانی میرے اوپر آ گیا اور ہانڈی کے ابال کی طرح اٹھنے لگا یہاں تک کہ اچھل اچھل کر کناروں کے برابر آ گیا لوگ اس کے کنارے ہی سے چلو بھر بھر کر لینے لگے۔

بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور اور مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹی سی چھاگل (یا پانی پینے کا چمڑے کا پیالہ) رکھی ہوئی تھی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پانی نہیں کہ وضو کریں نہ پینے کے لئے پانی ہے بس اتنا ہی پانی ہے جو آپ کے کٹورے میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھا ہوا تھا (حسب الحکم) ہم نے وہ پانی اس پیالے میں الٹ دیا اور حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال دیئے فوراً آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی جوش

مارکر چشموں کی طرح اُبلنے لگا تم نے وہ پانی (خوب) پیا اور وضو بھی کیا حضرت جابرؓ سے دریافت کیا گیا آپ لوگ اس روز کتنے تھے حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم تھے تو چودہ سو لیکن اگر ایک لاکھ ہوتے تب بھی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

بدیل بن ورقاء کی آمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں مطمئن ہو گئے تو بدیل بن ورقاء خزاعہ قبیلہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آیا (بعد کو بدیل مسلمان ہو گیا) اس کے ساتھیوں میں عمرو بن سالم حراس بن امیہ خارجہ بن کرز اور یزید بن امیہ بھی تھے سب لوگوں نے آ کر سلام کیا پھر بدیل نے کہا ہم آپ کے پاس آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی (یعنی قریش) کی طرف سے آئے ہیں وہ آپ کے مقابلہ کے لئے تمام قبائل کے لوگوں کو اور ان سب لوگوں کو نکال کر لے آئے ہیں جو ان کی بات مانتے ہیں اور حدیبیہ کے پانیوں پر یہ تمام لوگ اترے ہوئے ہیں ان کے ساتھ نوزائیدہ بچوں کی مائیں بھی ہیں اور چھوٹے بچے بھی ہیں سب لوگوں نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ وہ آپ کو کعبہ تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف اس کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں جو کوئی ہم کو اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے قریش کو لڑائی ہی نے انتہائی کمزور کر دیا اگر وہ قریش چاہتے ہوں تو ہم ان سے ایک مقررہ مدت کے لئے امن کا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں (شرط یہ ہے کہ) وہ ہمارے اور دوسرے لوگوں کے معاملہ میں دخل نہ دیں دوسرے لوگوں کی تعداد قریش سے زائد ہے (ان کو ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں) اگر وہ لوگ مجھ پر غالب آ جائیں گے تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر میری بات غالب آئی تو قریش کو پھر بھی اختیار ہو گا کہ چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوں اور چاہیں تو (ہم سے) سب اکٹھے ہو کر لڑیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اس پر بھی نہیں مانیں گے تو خدا کی قسم میں اپنے کام کی کوشش میں اس حد تک لگا رہوں گا کہ میری گردن اکیلی رہ جائے یا اللہ اپنا حکم نافذ کر دے (یعنی میں کامیاب ہو جاؤں) بدیل نے کہا آپ کی یہ باتیں میں قریش کو پہنچا دوں گا۔

بدیل کی قریش کے پاس واپسی: چنانچہ بدیل نے قریش سے آ کر کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ رہے ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی گفتگو کے متعلق اطلاع دینا چاہتے ہیں عکرمہؓ بن ابوجہل اور حکم بن عاص (یہ دونوں آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا ہم کو ان کی گفتگو کی اطلاع دینے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان سے جا کر ہماری بات کہہ دو کہ اس سال جب تک ایک آدمی بھی باقی ہے وہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے عروہ بن مسعود ثقفی نے مشورہ دیا کہ یا بات سنو پھر چاہو مانو یا پسند نہ ہو نہ مانو صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام (یہ دونوں بھی آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا اچھا تم نے جو کچھ سنا ہے بیان کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا بدیل نے وہ بیان کر دیا اس کے بعد عروہ نے کہا اے میری قوم کیا تم (میرے) بچے نہیں ہو لوگوں نے کہا کیوں نہیں عروہ نے کہا کیا میں تمہارا باپ نہیں لوگوں نے کہا کیوں نہیں (عروہ بن مسعود غالباً ان عبد شمس کی سات قریشی شاخوں سے رشتہ رکھتا تھا) عروہ نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں اہل عکاظ کو تمہاری مدد (کے لئے) نکال کر لایا تھا لیکن جب انکے پاس میں نے کچھ نہیں پایا تو اپنے اہل دادلا کو اور ان لوگوں کو تمہارے پاس لے آیا جنہوں نے میرا کہنا مانا۔ لوگوں نے کہا بیشک عروہ نے کہا تو اس شخص نے ایک اچھی بات تمہارے سامنے رکھی ہے تم یہ بات قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں (اور بات کروں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عروہ بن مسعود کے مابین گفتگو اور صحابہ کی جاں نثاری کے مظاہرے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی عروہ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو اگر تم نے اپنی قوم کی جڑ اکھاڑ پھینکی (تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہو گی) کیا تم نے سنا ہے کہ کسی عرب نے تم سے پہلے خود اپنی قوم کی جڑ کاٹی ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (یعنی تم مغلوب ہوئے تو بعید نہیں کیوں کہ) خدا کی قسم میں (تمہارے گرد گرد) کچھ رذیل لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے یہ بات سن کر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا تو لات کی شرمگاہ کو چوستا رہ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر ہیں عروہ نے کہا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تیرا سابق احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کی اطلاع میں نے تجھے بھی نہیں دی ہے تو میں تیری بات کا جواب دیتا۔ عروہ نے ایک بار کسی قتل کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا بار اپنے اوپر اٹھایا تھا اس کی امداد میں کسی نے ایک حصہ کسی نے دو حصے کسی نے تین سہام دیئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے دس سہام دیئے تھے عروہ پر حضرت ابوبکرؓ کا یہی احسان تھا (جو عروہ کو یاد تھا اور اسی کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا) اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگا اور بات کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک (ہاتھ بڑھا کر) پکڑنے لگا۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ تلوار لئے خود اور مغفر پہنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پیچھے کھڑے تھے جب عروہ رسول اللہ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا آپ تلوار کا نچلا اس کے ہاتھ پر مارتے تھے اور فرماتے تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ الگ رکھ کسی مشرک کے لئے ریش مبارک کو چھونا مناسب نہیں عروہ نے سر اوپر

اٹھا کر پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا مغیرہ بن شعبہ عروہ نے کہا او غدار کل ہی تو تو نے اپنے سرپنوں کی نجاست عکاظ میں دھوئی ہے اور ہمیشہ کے لئے تو نے ہی بنی ثقیف کی عداوت ہمارے اندر پیدا کر دی ہے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ دور جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ تھے موقع پا کر آپ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لوٹ لیا پھر آ کر مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کو تو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں (میں اس کا ذمہ دار نہیں) اس کے بعد عروہ اپنی آنکھوں سے صحابہ کرام کی حالت کا مشاہدہ کرنے لگا اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناک کی ریزش جو پھینکتے ہیں اس کو زمین پر گرنے سے پہلے کوئی صحابی اپنے ہاتھ پر لے کر منہ اور جلد پر مل لیتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو صحابی باہم اس کام کو کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمال پانی لینے کے لئے صحابی ایسی چھینا جھپٹی کرتے ہیں جیسے باہم لڑ پڑیں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بولنے کے وقت سب لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور تعظیم وادب کی وجہ سے نظر اٹھا کر آپ کی طرف نہیں دیکھتے۔

عروہ کی اپنے رفقاء کی طرف واپسی اور تاثرات

یہ دیکھ کر عروہ اپنے رفقاء کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا میری قوم والو! خدا کی قسم میں بادشاہوں کے پاس گیا۔ قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں بھی حاضر ہوا لیکن بخدا کسی کے ساتھیوں کو بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناک کی ریزش پھینکتے ہیں تو وہ (زمین پر پہنچنے سے پہلے) کسی صحابی کے ہاتھ پر پڑتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو ان کے ساتھی اس کام کے کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمال پانی لینے کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ لڑ پڑیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھی اپنی آوازیں نیچی کر لیتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے انہوں نے اب ایک اچھی بات پیش کی ہے تم اس کو قبول کر لو قریش نے جواب دیا نہیں۔ ہاں اس سال تم ان کو واپس کر دو آئندہ سال وہ لوٹ کر آ جائیں (اور عمرہ کر لیں) عروہ نے کہا تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم پر مصیبت آ پڑنے ہی والی ہے یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کو لے کر طائف کو واپس چلا گیا۔

جلیس بن علقمہ کی طرف
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد اور واپسی

مختلف قبائل کے متعدد افراد جو قریش کی حمایت کے لئے آئے تھے ان کی جماعت کا کمانڈر اس روز جلیس بن علقمہ تھا عروہ کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کو آتا دیکھا تو فرمایا یہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور حد اپرست ہیں تم لوگ اس کے سامنے سے قربانی کے اونٹوں کو لے کر گزرو کہ وہ دیکھ لے جب جلیس نے قربانی کے جانوروں کا سیلاب وادی کے عرض سے آتا ہوا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور طول بھس کی وجہ سے اس کے بال اڑ گئے تھے ان کو روکنا جائز نہیں۔

جلیس اور قریشیوں کا باہمی تکرار

قریش نے کہا بیٹھ جا۔ تو جاہل ہے تجھے کچھ علم نہیں اس بات پر جلیس کو غصہ آ گیا اور بولا اے گروہ قریش اس بات پر ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ وعدہ کیا تھا کہ جو خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے آئے گا تم اس کو روکو گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں جلیس کی جان ہے یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مقصد آمد کے درمیان تم حائل نہ ہو گے یا یہ مختلف قبائل کی پوری جماعت یک نفس ہو کر بھاگ جائیگی (یعنی میں اس ساری جماعت کو لے کر چلا جاؤں گا) قریش نے کہا جلیس خاموش ہو جا ہمارے معاملہ میں دخل نہ دے ہم اپنے لئے جو بات پسند کریں گے اسی کو اختیار کریں گے۔

مکرز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ جانا

ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا کھڑا ہوا اور بولا مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو (لوگوں نے اجازت دے دی) مکرز روانہ ہو گیا) جب صحابہؓ کے سامنے پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مکرز ہے یہ غدار آدمی ہے یا فرمایا یہ مکار آدمی ہے جب مکرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے اس سے وہی فرمایا جو مدیل اور عروہ سے فرمایا تھا مکرز لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جواب دیا تھا اس کی اطلاع دے دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریشیوں
کے پاس اپنا قاصد بھیجنا

محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر جس کو ثعلب کہا جاتا تھا خراش بن امیہ کو سوار کر کے سرداران قریش کے پاس بھیجا تا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی غرض معلوم ہو جائے مکرمہ بن ابی جہل نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا

لیکن مخلف قبائل کے گروہ نے خراش کو بچا لیا اور راست کی رکاوٹ ختم کر دی خراش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر سرگزشت بیان کر دی۔

بیہقی نے حضرت عروہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں فروکش ہو گئے تو قریش خوف سے گھبرا گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو بطور قاصد بھیجنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب کو بھیجنے کے لئے طلب فرمایا عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے قریش نے اپنی جان کا اندیشہ ہے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کا (کتنا سخت) دشمن ہوں بنی عدی میں سے کوئی وہاں میری حفاظت کرنے والا بھی نہیں ہے میں ایک ایسا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ معزز اور محفوظ ہے یعنی عثمان بن عفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قریش کے پاس جاؤ اور ان کو اطلاع دے دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ مکہ میں جو مؤمن مرد اور عورتیں ہیں ان کے پاس جا کر ان کو فتح کی بشارت دینا اور خبر پہنچا دینا کہ اللہ مکہ میں اپنے دین کو غلبہ عطا فرمائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص مکہ میں اپنے ایمان کو پوشیدہ نہ رکھے گا۔

حضرت عثمانؓ قریش کے پاس جانے کے لئے بلوح کی طرف سے گزرے بلدح والوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دوں اور اللہ کی طرف بلاؤں اور تم سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ کیوں کہ اللہ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے نبی کو عزت عطا فرمائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ تم کو (مخالفت کرنے کی) ضرورت ہی نہیں ہے وہ یہ کہ دوسرے لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گئے تو تمہارا یہی مقصد ہے جو پورا ہو جائے گا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے تو تم کو اختیار ہو گا اور لوگوں کی طرح دین میں داخل ہو جانا یا جنگ کرنا تمہاری تعداد تو (بہر حال) بہت ہے لڑائی نے تم کو انتہائی کمزور کر دیا اور تمہارے بزرگوں کو فنا کر دیا۔ ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے لڑنے نہیں آئے عمرہ کرنے آئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کرنے کے اونٹ ہیں جن کی گردنوں میں قلادے ہیں قربانی کے بعد وہ واپس چلے جائیں گے مشرکوں نے کہا جو کچھ آپ نے کہا ہم نے سن لیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہو گا آپ واپس جا کر اپنے ساتھی سے کہہ دیں کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے حضرت عثمانؓ سے ابان بن سعید کی ملاقات ہوئی۔ ابان آئندہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابان نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنی حفاظت میں لے لیا اور کہا آپ اپنے کام میں کوتاہی نہ کریں پھر ابان گھوڑے سے جس پر سوار تھے اتر آئے حضرت عثمانؓ آگے زین پر سوار کیا اور خود پیچھے بیٹھ گئے اور حضرت عثمان سے کہا آپ آئیں جائیں کسی سے خوف نہ کریں۔ سعید کے بیٹے حرم میں بڑی عزت والے تھے ابان حضرت عثمانؓ کو مکہ میں لے گئے۔

حضرت عثمان کی سرداران قریش سے ملاقات اور ان کا جواب

آپ سرداران قریش کے ایک ایک فرد کے پاس گئے (اور گفتگو کی) لیکن سب نے آپ کی بات پلٹ دی اور یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مکے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمانؓ کفرور مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس گئے جو کمزوری کی وجہ سے مکہ میں رہ گئے تھے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عنقریب مکہ میں (فتح یاب ہو کر) آنے والا ہوں مکہ کے اندر کوئی بھی اپنے ایمان کو چھپا کر نہیں رکھے گا (یعنی کسی مؤمن کو خوف نہیں ہو گا) مسلمان یہ پیغام سن کر خوش ہوئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہماری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہہ دینا۔

حضرت عثمان کی وفا شعاری

حضرت عثمانؓ جب پیام رسانی سے فارغ ہو گئے تو قریش نے کہا اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کر لیں آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کر لیں میں ایسا نہیں کر سکتا حضرت عثمانؓ تین روز مکہ میں رہے اور قریش کو اسلام کی دعوت دیتے رہے ادھر حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمانؓ تو ہمارے پاس سے نکل کر بیت اللہ پہنچ گئے اور طواف کرنے لگے اور حضورؐ نے فرمایا اگر اتنے اتنے سال بھی وہاں رکے رہیں تب بھی جب تک میں طواف نہیں کروں گا وہ بھی نہیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مامور کر دیا تھا کہ رات کو پہرا دیں چنانچہ پہرے اور تین شخص نائے گئے جو باری باری سے چوکیداری کرتے تھے اوس بن ابی عباد بن بشر محمد بن مسلمہ۔

قریش کے خفیہ لشکر کے سردار کی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتاری

ایک رات جب کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں تھے حضرت محمد بن مسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکیداری کر رہے تھے قریش نے پچاس آدمی مکرز بن حفص کی زیر قیادت مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد چکر لگائیں شاید مسلمانوں کی طرف سے غفلت کا موقع مل جائے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں) محمد بن مسلمہ نے ان کو پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکرز کو غدار کہا تھا وہ بات پوری ہو گئی۔

چند مسلمانوں کے چند آدمیوں کی مکہ میں گرفتاری

کچھ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت عثمانؓ کی امان کے ذیل میں یا پوشیدہ طور پر مکہ میں داخل ہو گئے تھے۔ کرز بن جابر فہری' عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبدالشمس' عبداللہ بن حذافہ سہمی' ابوالروم بن عمیر بن عمرو نضر بن وہب جمحی۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور عبداللہ بن ابی سرح کے مکہ میں داخل ہونے کی قریش کو اطلاع مل گئی اور ان کو گرفتار کر لیا گیا قریش کو یہ بھی اطلاع مل گئی تھی کہ محمد بن مسلمہ نے ان کے آدمیوں کو پکڑ لیا ہے اس لئے قریش کی ایک جماعت (خفیہ طور پر) مسلمانوں کی طرف آئی (مسلمانوں کو بھی اطلاع مل گئی) اور دونوں جماعتوں میں سنگ باری اور تیر اندازی ہونے لگی مسلمانوں نے بارہ سواروں کو گرفتار کر لیا حضرت ابن رنیم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے تھے مشرکوں نے تیر مار کر ان کو شہید کر دیا۔

بیعت رضوان۔ اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا یہ خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت عروہ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے زہری کی روایت سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا۔ حضرت سلمہؓ نے کہا ہم درخت کے پیچھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی لوگو! روح القدس نازل ہو گیا۔ بیعت کرو بیعت کرو اللہ کا نام لے کر نکل کھڑے ہو صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ کا قول نقل کیا سب لوگوں سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی پھر دوسرے نے پھر تیسرے نے یہاں تک کہ جب آدھے آدمی بیعت کر چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمہ! بیعت کر میں نے کہا (یا رسول اللہ) میں تو بیعت کر چکا فرمایا اور بھی میں نے دوبارہ بیعت کر لی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں سے بیعت لی جب آخر آدمی بھی بیعت کر چکا تو فرمایا کیا تو بیعت نہیں کرے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو سب سے پہلے اور درمیان میں بیعت کر چکا فرمایا اور بھی چنانچہ میں نے تیسری بار بھی بیعت کر لی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ دریافت کیا گیا تم لوگ کس بات پر بیعت کرتے تھے حضرت سلمہؓ نے کہا موت پر۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ایک پھل دار درخت کے نیچے جب کہ حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے ہم نے حضور کی بیعت سوا جد بن قیس کے اور سب نے کی جد اپنے اونٹ کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے شعبی کی روایت سے اور ابن مندہ نے دیلم بن حُمیش کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا تو سب سے پہلا شخص جو (بیعت کرنے کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ابوسنان اسدی تھا ابو سنان نے عرض کیا ہاتھ پھیلایئے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بات پر بیعت کرو جو تمہارے دل میں ہے حضرت اس عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ابوسنان نے کہا میرے دل میں کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمہارے دل میں یہ ہے کہ) تلوار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتنا لڑوں گا کہ یا اللہ غالب کر دے یا میں مارا جاؤں ابوسنان نے بیعت کر لی اور ابوسنان کی بیعت کے موافق دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا اس وقت حکم دیا جب حضرت عثمانؓ کا صدر رسول اللہ کی حیثیت سے مکہ والوں کے پاس گئے ہوئے تھے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ عثمانؓ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گیا ہے یہ فرما کر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مار اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک عثمانؓ کے لئے اور لوگوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔

قریش کی معذرت اور گرفتار شدگان کا تبادلہ

قریش نے سہیل بن عمرو اور حویطب بن عزیٰ اور مکرز بن حفص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا (اول الذکر دونوں شخص آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) سہیل نے کہا آپ کے آدمیوں کو جو روک لیا گیا تھا اور کچھ لوگوں نے آپ سے قتال بھی کیا تھا وہ ہمارے اصحاب الرائے کے مشورہ سے نہیں ہوا تھا نہ ہم کو یہ بات پسند تھی ہم کو تو اس کا علم بھی اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ہم کو خبر نہیں پہنچی یہ تعل ہمارے کچھ بیوقوفوں کا تھا اس لئے ہمارے جن ساتھیوں کو آپ نے پہلی بار اور دوسری بار گرفتار کیا ہے ان کو چھوڑ دیجئے عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا معاملہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ خبر غلط تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم لوگ میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑو گے میں تمہارے آدمیوں کو نہیں چھوڑوں گا سہیل اور اس کے ساتھیوں نے کہا آپ نے یہ بات انصاف کی کہی اس کے بعد سہیل اور اس کے ساتھیوں نے قریش کے پاس مکرز بن عبد مناف فہری کو بھیجا اور قریش نے جو قیدی ان کے پاس تھے ان کو بھیج دیا یہ گیارہ اشخاص تھے ایک حضرت عثمان اور دس ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کے آدمیوں کو جو مسلمانوں کے پاس قیدی تھے چھوڑ دیا۔

سہ رکنی وفد کی مکہ واپسی اور قریش کی صلح پر آمادگی

صحیحین میں سہیل بن حنیف کی روایت سے آیا ہے اور بخاری و اصحاب السنن

نے مروان بن حکم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب عثمانؓ اور ان کے ساتھی مکہ سے آ گئے تو سہیل بن عمرو اور حویطب اور مکرز لوٹ کر قریش کے پاس چلے گئے اور مسلمانوں نے جس تیزی سے جہاد پر بیعت کی تھی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے تھے اس کی اطلاع قریش کو دی یہ خبر قریش پر بڑی شاق گذری اور ان میں سے جو اہل الرائے تھے انہوں نے کہا سب سے بہتر بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کر لی جائے کہ اس سال وہ واپس چلے جائیں بیت اللہ تک نہ پہنچیں تاکہ جن عربوں نے ان کے آنے کی خبر سنی ہے وہ یہ بھی سن لیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا آئندہ سال وہ آ کر تین روز قیام کریں اور قربانی کریں اور لوٹ جائیں۔ سب کا اتفاق اس پر ہو گیا۔

صلح کی شرائط اور صلح نامہ: سہیل کو مامور کیا گیا کہ وہ جا کر اسی شرط پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لے صلح میں یہ شرط ضرور ہو کہ وہ اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں گے تاکہ عرب یہ نہ کہہ سکیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا وہ لوگ صلح کے خواستگار ہیں اسی لئے انہوں نے سہیل کو بھیجا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں حضورؐ نے فرمایا تمہارا کام آسان ہو گیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چار زانو بیٹھے ہوئے تھے سر کے پیچھے عباد بن بشر اور سلمہ اور اسلم کھڑے ہوئے تھے۔ (اول الذکر) دونوں حضرات لوہے سے ڈھکے ہوئے تھے سہیل آ کر دو زانو بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات شروع کی اور لمبی بات کی دونوں کی گفتگو کا رد و بدل ہوتا رہا آوازیں اونچی نیچی ہوتی رہیں عباد بن بشر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز نیچی رکھو بات ہوتی رہی آخر صلح ہو گئی سہیل نے کہا لائیے آپس میں (صلح نامہ) تحریر کر لیں حضورؐ نے حضرت علی کو طلب فرمایا بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا رحمن رحیم کو تو میں جانتا نہیں کہ یہ کیا ہے باسمک اللّٰھم لکھو جیسے آپ لکھا کرتے تھے مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہم یہ نہیں لکھیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ باسمک اللّٰھم ہی لکھ دو پھر فرمایا لکھو یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے۔ سہیل بولا اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو کعبہ سے نہ روکتے نہ آپ سے لڑتے محمد بن عبداللہ لکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ (کے لفظ) کو مٹا دو حضرت علیؓ نے جواب دیا میں تو مٹانے والا نہیں۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا محمد رسول اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ لکھیں ورنہ تلوار ہمارا اور ان (مشرکوں) کا فیصلہ کرے گی آوازیں اونچی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رسول اللہ کا لفظ) مجھے دکھاؤ حضرت علیؓ نے دکھا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا اور فرمایا محمد بن عبداللہ لکھ دو بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت براءؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے پس اس خط میں لکھا یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا اور دس سال تک لوگوں کے باامن رہنے اور لڑائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اس مدت میں جنگ بندی رہے گی لوگ پرامن رہیں گے ہر شخص دوسرے سے باز رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے فرمایا یہ (مصالحت) اس شرط پر ہے کہ تم ہمارے اور کعبہ کے درمیان حائل نہ ہو گے ہم طواف کریں گے سہیل نے کہا نہیں خدا کی قسم (اس سال آپ طواف نہیں کر سکتے) آئندہ سال آپ کو اس کا اختیار ہو گا یہ بات لکھ دی گئی سہیل نے کہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت بغیر تمہارے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہو گا خواہ وہ مسلمان ہی ہو مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے لکھا جا سکتا ہے مشرکوں کے پاس اس کو کیسے واپس کیا جائے گا وہ مسلمان ہو کر آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہم میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا اللہ نے اس کو دور کر دیا (یعنی وہ مسلمان ہی نہ تھا چلا گیا تو اچھا ہوا) اور ان میں سے جو کوئی ہمارے پاس آ جائے گا (اور ہم اس کو واپس کر دیں گے) تو اللہ اس کے لئے کوئی کشائش پیدا کر ہی دے گا۔

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شرطوں پر صلح کی تھی مشرکوں میں سے جو شخص کٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر مل جائے گا آپ اس کو واپس مشرکوں کو دے دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہیں دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئندہ سال داخل ہو سکیں گے اور تین روز قیام کریں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے تو اسلحہ تلوار کمان وغیرہ غلاف پوش لے کر داخل ہوں گے۔ فریقین میں مصالحت ہو گئی اور یہ شرط ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ معاہدہ سربند صندوق ہو گا نہ اس میں چوری چھپے کوئی حرکت ہو گی نہ خیانت۔

قبائل کی حمایت: جو شخص (اس معاہدہ کی رو سے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں جانا پسند کرے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائے اور جو قریش سے ملنا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے فوراً بنی خزاعہ کود کر سامنے آئے اور کہا ہم محمد کے معاہدوں اور ذمہ داری میں شامل ہیں اور بنی بکر نے کہا ہم قریش کے عہد اور ذمہ داری میں ہیں جب صلح پختہ ہو گئی اور سوائے تحریر کے اور کوئی کام باقی نہیں رہا۔

حضرت عمرؓ کی گفتگو: حضرت عمرؓ تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر آپ ہم کو ہمارے دین میں یہ ذلت کیوں دے رہے ہیں ابھی تک اللہ نے ہمارا اور ان کا فیصلہ نہیں کیا (یعنی لڑائی نہیں ہوئی) اور ہم واپس چلے جائیں (یہ بڑی ذلت کی بات ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اللہ مجھے تباہ نہیں کرے گا وہی میرا مددگار ہے حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم کعبہ پہنچیں گے اور یقیناً طواف کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو نہیں فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یقیناً تم بیت اللہ پہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے اس کے بعد حضرت عمرؓ غصہ کی حالت میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور صبر نہ کر سکے اور بولے ابوبکرؓ کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم لوگ سچائی پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیوں یہ ذلت آپ ہم کو ہمارے دین میں دے رہے ہیں (یہ مصالحت تو ہمارے دین کی ذلت ہے) اللہ نے ہمارا ان کا فیصلہ نہیں کیا اور ہم لوٹ جائیں (یہ تو بڑی ذلت ہے) حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے شخص وہ اللہ کے رسول ہیں اپنے رب کے حکم کے خلاف نہیں کرتے وہی ان کا مددگار ہے تم مرتے دم تک ان کی کمر (یعنی دامن) کو پکڑے رہو بلاشبہ وہ سچائی پر ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کیا وہ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ بیت اللہ پر پہنچیں گے اور طواف کریں گے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں لیکن کیا انہوں نے تم کو یہ بھی بتایا تھا کہ اسی سال تم بیت اللہ پر پہنچو گے حضرت عمرؓ نے کہا نہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا تو پھر یقیناً تم کعبہ کو پہنچو گے اور طواف کرو گے۔

مذکورہ بالا شرائط صلح حضرت عمرؓ پر بڑی شاق تھیں چنانچہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب سے میں مسلمان ہوا مجھے اس روز کے علاوہ کبھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں) شک نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دہی کر رہے تھے (یہاں تک کہ) ابوعبیدہؓ بن جراح نے کہا اے خطاب کے بیٹے کیا تم نہیں سنو گے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ پڑھو حضرت عمرؓ کا بیان ہے میں نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ کہا ابن اسحاق اور ابن عمر واسلمی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روز جو مجھ سے حرکت ہوئی اس کی معافی کے لئے میں (بطور کفارہ) خیرات کرتا یا روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

معجزہ: احمد نسائی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن معقل کی مذکور بالا حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا ہم اسی حالت میں تھے کہ تیس مسلح جوان (پہاڑی گھاٹی سے) نکلے اور سیدھے ہماری طرف انہوں نے چڑھائی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی اللہ نے ان کو بہرا کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے اللہ نے ان کو اندھا کر دیا اور ہم نے اٹھ کر ان کو پکڑ لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کسی کی ذمہ داری میں آئے ہو کیا تم کو کسی نے امان دی ہے انہوں نے کہا نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اس پر آیت وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ نازل ہوئی۔

امام احمد مسلم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل مکہ کے اسی (۸۰) مسلح آدمی کوہ تنعیم کی جانب سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اچانک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بددعا دی وہ اندھے بہرے ہو گئے ان کو گرفتار کر لیا گیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا۔ (چھوڑ دیا)

رہزی کی حدیث میں مروان ومسور کی روایت سے اور مسلم واحمد وعبید بن حمید کے بیان میں خود حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے آیا ہے حضرت سلمہؓ نے فرمایا جب میں نے ابن زنیم کے شہید ہونے کی خبر سنی تو تلوار سونت کر چار مشرکوں کی طرف گیا وہ سو رہے تھے میں نے ان کے ہتھیار لے لئے اور پکڑ کر بٹھاتا ہوا رسول اللہ کی خدمت میں لے آیا (یہی ہے آیت) وَھُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ (کی مراد)۔

حضرت ابوجندلؓ کا واقعہ اسی اثناء میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے قیدیوں کی چال سے (وادی کے) نشیب سے نکل کر آ پہنچے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے ان کے باپ سہیل نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا تھا مسلمان فوراً ان کے خیر مقدم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور (بھاگ کر رہائی پانے کی) مبارکباد دی۔ سہیل نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر بیٹے کی طرف گیا اور اس کے منہ پر خاردار لکڑی ماری اور گریبان پکڑ لیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا پہلا واقعہ ہے جس پر میں نے اور آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ (جو شخص ہم میں سے آپ کے پاس آ جائے گا) آپ اس کو واپس

کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تک تو تحریر پوری نہیں ہوئی کہنے لگا تو پھر خدا کی قسم میں کبھی مصالحت نہیں کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو میری صحابت میں دیدو کہنے لگا میں آپ کی صحابت میں نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ایسا کردو۔ کہنے لگا میں نہیں کروں گا اس پر مکرز اور حویطب نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا ہم اس کو آپ کی وجہ سے اپنی ذمہ داری میں لیتے ہیں یہ کہہ کر دونوں نے اس کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور خیمے میں چلے گئے اور باپ بے تعلق ہو گیا ابوجندل سے کہا اے گروہ ہائے اہل اسلام کیا مجھے مشرکوں کے ہاتھ میں واپس دیا جا رہا ہے میں تو مسلمان ہو کر آیا تھا دیکھو میں نے کیسے دکھ جھیلے میں سہیل کے ابوجندل کو سخت ترین تکلیفیں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا ابوجندل صبر کر ثواب کی امید رکھ اللہ تیرے لئے مع ان کمزور لوگوں کے جو تیرے ساتھ ہیں کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ ضرور پیدا کردے گا ہم نے ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو وعدہ دے دیا ہے اس لئے ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب (یہ حالت دیکھ کر) ابوجندل کے برابر گئے اور کہا صبر کر اور ثواب کی امید رکھ یہ مشرک ہیں ان کا خون کتے کے خون کے برابر ہے (یعنی ان کو قتل کرنا نہ گناہ ہے نہ قابل مواخذہ) حضرت عمرؓ اس بات کے کہنے کے درمیان تلوار کا قبضہ ابوجندل کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے خیال تھا کہ ابوجندل تلوار لے کر اس سے باپ کو مار ڈالے گا اس لئے میں نے تلوار کا قبضہ اس کی طرف بڑھا دیا تھا آخر ابوجندل کو باپ کے سپرد کر دیا گیا۔

صحابہؓ کی اداسی۔ صحابہؓ جوش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے ان کو فتح میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ صلح ہو گئی اور واپس جانا پڑے گا تو اس سے ان کو بڑا رنج ہوا قریب تھا کہ موت سے ہمکنار ہو جائیں پھر ابوجندل کے واقعہ نے ان کا رنج اور بڑھا دیا۔ جب صلح کی بات طے ہو گئی (اور صلح نامہ لکھ دیا گیا) تو کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکوں نے اس پر اپنی شہادت ثبت کی۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت محمودؓ بن سلمہ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور مشرکوں میں سے مکرز بن حفص نے شہادت دی۔ تحریر سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو قربانی کرو سر منڈواؤ (یہ حکم سن کر بھی) خدا کی قسم کوئی نہیں اٹھا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا (لیکن کسی نے جنبش نہیں کی)۔

حضرت ام سلمہؓ کی دانائی۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا اور اندر حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ام المؤمنین سے فرمایا مسلمان ملاک ہو گئے میں نے ان کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے تعمیل نہیں کی ام المؤمنین نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلمانوں کو برا نہ کہیں ان پر بڑا صدمہ پڑا ہے آپ نے صلح کرنے اور بغیر فتح کرنے کے واپس ہو جانے کی حس دشواری میں خود اپنے کو ڈالا ہے اس کا مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا ہے یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے ایک بات بھی نہ کیجئے جا کر اپنے قربانی کے اونٹوں کو نحر کیجئے اور کسی کو طلب فرما کر اپنا سر منڈوا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور کسی سے کوئی بات کہے بغیر بلند آواز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر قربانی کی اونٹوں کو نحر کیا اور ایک شخص کو بلوا کر سر منڈوایا۔ صحابہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے قریب تھا کہ ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے دن کچھ لوگوں نے سر منڈوائے اور کچھ لوگوں نے بال کتروائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتروانے والوں پر بھی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وجہ کہ آپ نے منڈوانے والوں کے لئے دو بار دعاء رحمت فرمائی فرمایا اس لئے کہ وہ شک میں نہیں پڑے (یعنی ان کو یقین ہو گیا کہ حالت احرام ختم ہو گئی اور اب آگے بڑھنا نہیں ہے) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ہم کو طواف کرنے کا موقع مل جائے اس لئے وہ سر منڈوانے سے رکے رہے (اور کچھ بال کتروا دیئے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ۱۹ یا ۲۰ رات قیام کیا محمد بن عمر کا یہی بیان ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ کا احرام

حدیبیہ کے قیام کے زمانہ میں (احرام کھولنے اور قربانی کرنے کے حکم سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا تھا تم کو کیا سر کے کیڑوں (جوؤں) سے تکلیف ہو رہی ہے حضرت کعب کے سر سے جوئیں گرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی تھیں کعب نے عرض کیا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سر منڈوانے اور فدیہ دینے کا حکم دیا فدیہ کی تین صورتیں تھیں روزے رکھنے یا خیرات یا قربانی۔ اس وقت آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ الخ ہم نے سورۂ

بقرہ کی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں احصار (راستہ کی رکاوٹ) اور کسی عذر کی وجہ سے سر منڈوانے اور اس سے تعلق رکھنے والے مسائل بیان کر دیئے ہیں۔

معجزہ: مسلم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بزار و طبرانی و بیہقی نے حضرت ابوعبیس کی روایت سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی) مرُّ الظہران میں اور اس کے بعد (دوسری منزل) عسفان میں کی یہاں پہنچ کر لوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی اور عرض کیا کیا ہم گدھوں کو ذبح کر لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا نہ کیجئے لوگوں کے پاس سواریاں رہنا زیادہ مناسب ہیں اگر کل کو دشمن سے مقابلہ ہو گیا اور ہم بھوکے بھی ہوئے اور پیدل بھی تو کیا ہو گا میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ صحابہؓ کے پاس کھانے کی چیز رہ گئی ہو آپ وہ طلب فرمائیں پھر برکت کی دعا کریں امید ہے کہ اللہ آپ کی دعا سے ہم کو (منزل مقصود تک) پہنچا دے گا اس مشورہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان کھانے کا (کسی کے پاس) باقی رہ گیا تھا طلب فرمایا اور چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا سب سے زیادہ لانے والا وہ شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً چار سیر) چھوارے لایا غرض لوگوں کے پاس کھانے کی جو چیز تھی وہ چرمی دسترخوان پر جمع کر دی گئی پھر حضور نے کھڑے ہو کر جو کچھ اللہ نے چاہا (پڑھ کر) دعا کی نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا یا اور اپنے برتن بھی بھر لئے اور چیزیں جتنی تھیں اتنی ہی رہیں۔ حضور والا یہ دیکھ کر ہنس دیئے اتنے کہ کچلیاں دکھ گئیں حضرت سلمہؓ کا بیان ہے میں نے اندازہ کیا کہ ہم اس روز تقریباً ۱۴۰۰ آدمی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ ان دونوں (توحید و رسالت) پر ایمان رکھے گا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

ابوبصیر کا واقعہ: امام احمد بخاری ابوداؤد اور نسائی نے حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے اور بیہقی نے زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے مدینہ میں آگئے تو ابوبصیر عتبہ بن اسد ثقفی (مکہ سے بھاگ کر) مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ خاندان بنی ثقیف قبیلۂ بنی زہرہ کا حلیف تھا اسی بن شریف ثقفی اور اخنس بن عبد عوف زہرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط حبیس بن جابر عامری کے ہاتھ بھیجا جس میں گذشتہ مصالحت کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ ابوبصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔ ابوبصیر کے پہنچنے سے تین دن بعد عامری اپنے غلام کے ساتھ جس کا نام کوثر تھا خط لیکر پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو حکم دیا کہ ان دونوں کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔ تم واقف ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے معاہدہ کر لیا ہے اور ہمارے مذہب میں عہد شکنی جائز نہیں اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھی دوسرے مسلمانوں کے لئے کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ پیدا کر دے گا غرض دونوں شخص ابوبصیر کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچ گئے یہاں پہنچ کر ابوبصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز قصر پڑھی اور نماز کے بعد جو کچھ کھانے کا سامان ساتھ لائے تھے کھانے لگے اور عامری کو اور اس کے ساتھی کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی وہ دونوں بھی اتر آئے اور چھوارے کھانے لگے عامری کے پاس اس وقت تلوار تھی دونوں باتیں کرتے رہے۔ بقول عروہؒ عامری نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا میں اپنی اس تلوار سے کسی دن رات تک اوس اور خزرج کو ماروں گا ابوبصیر نے کہا کیا تمہاری تلوار بران بھی ہے عامری نے کہا ہاں ابوبصیر نے کہا مجھے تو دکھاؤ عامری نے ابوبصیر کے ہاتھ میں تلوار دے دی ابوبصیر نے جب تلوار کا قبضہ پکڑ لیا تو اسی سے عامری کے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا کوثر بھاگ کر مدینے پہنچا اور مسجد میں گھس گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے کوثر نے کہا میرا ساتھی ختم ہو گیا اور میں بھی مارا جاتا غرض کوثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور اس کو پناہ دیدی ابوبصیر عامری کے اونٹ پر سوار ہو کر آ گیا۔ اونٹ کو مسجد سے باہر بٹھایا اور خود حشت زدہ حالت میں تلوار سمیت مسجد میں آ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور اللہ نے آپ سے یہ ذمہ داری پوری کرا دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا لیکن میں اپنے دین کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے سے محفوظ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔ کاش کوئی اس (کو مکہ پہنچانے) کے لئے ہوتا ابوبصیر نے عامری کا مال جس پر اس نے قتل کرنے کے بعد قبضہ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس میں سے حصہ لے لوں گا تو وہ لوگ خیال کریں گے کہ میں نے ان سے کیا ہوا معاہدہ پورا نہیں کیا تم جانو اور یہ چھینا ہوا مال اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا اثر قریشیوں کا خود اپنی شرط سے دستبردار ہونا

صحیح روایت میں آیا ہے کہ ابوبصیر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکائے گا الخ تو اس نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور واپس کریں گے اس لئے ابوبصیر اور اس کے ساتھ وہ پانچ آدمی جو مکہ سے بھاگ کر اس کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے اور کسی نے ان کی تلاش بھی نہیں کی تھی نکل کر چل دیئے اور ساحل سمندر میں پہنچ کر عیص اور ذی

المروۃ کے درمیان قریش کے قافلہ کے راستہ پر مقیم ہو گئے مکہ میں جو مسلمان بند تھے ان کو جب ابوبصیر کے واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی چپکے سے چوری چھپے نکل کر ابوبصیر کے پاس پہنچ گئے۔

محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مکہ کے مسلمانوں کو لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کے متعلق فرمایا تھا افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے کاش اس کے لئے کچھ لوگ ہوتے (یعنی کچھ لوگ اس کو پکڑ کر واپس کر دیتے) حضرت عمرؓ نے یہ بھی اطلاع دے دی تھی کہ وہ اب سمندر کے ساحل پر مقیم ہے۔ ادھر ابوجندل بن سہیل جس کو حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس مشرکوں کو دے دیا تھا چھوٹ گیا اور ستر سوار جو مسلمان ہو گئے تھے ابوجندل کے ساتھ ہو گئے اور سب آ کر ابوبصیر سے مل گئے جوں ہی ابوجندل ابوبصیر سے ملے ابوبصیر نے جماعت کی سرداری ابوجندل کے سپرد کر دی کیوں کہ ابوجندل قریشی تھے یہ ہی نماز کی امامت کرتے تھے ابوجندل کی خبر سن کر قبائل غفار و اسلم و جہینہ اور متفرق قبائل کے کچھ لوگ فرار ہو کر ابوجندل سے جا ملے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی بیہقی نے بروایت زہری یہی بیان کیا ہے قریش کا جو قافلہ ادھر سے گذرتا تھا یہ لوگ اس کا مال چھین لیتے تھے اور قافلہ والوں کو قتل کر دیتے تھے قریش کو انہوں نے تنگ کر دیا قریش کا جو آدمی ان کے ہاتھ لگتا اس کو قتل کر دیتے آخر قریش نے ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ ابوبصیر اور اس کے ساتھیوں کو آپ (اپنے پاس) بلوا لیں آئندہ ہمارا جو آدمی آپ سے جا کر مل جائے آپ اس کو روک لیں آپ کے لئے روک لینا جائز ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ابوبصیر و ابوجندل کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر اور ابوجندل کو لکھ بھیجا کہ تم دونوں میرے پاس آ جاؤ اور دوسرے مسلمان جو تمہارے ساتھ ہیں ان کو حکم دے دو کہ وہ اپنی اپنی بستیوں کو اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں آئندہ یہ قریشی یا قافلہ ان کی طرف سے گذرے اس سے کوئی تعرض نہ کریں ابوبصیر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ گرامی اس وقت پہنچا جب ان کا آخری وقت تھا نامۂ گرامی انکے ہاتھ میں تھا اس کو پڑھ رہے تھے اسی حالت میں وفات ہو گئی ابوجندل نے ان کو اسی جگہ دفن کر دیا اور ان کی قبر کے قریب مسجد بنا دی۔ اس کے بعد ابوجندل اپنے کچھ رفقاء کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور باقی لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے صلح حدیبیہ کا قضیہ طے ہونے کے بعد جب ابوجندل بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آ گئے تو کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ ابوجندل کو باپ کے حوالے نہ کیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تھا اب جب کہ قریش کی درخواست پر ابوجندل ساحل سمندر سے مدینہ میں آ گئے تو ان مشورہ دینے والوں پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ہر معاملہ میں ان کے لئے بہتر ہے خواہ ان کو پسند ہو یا ناگوار۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کا پورا ہونا:

جب یہ واقعہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جو تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا وہ یہی ہے اور جب فتح مکہ کے دن کعبہ کی کنجی حاصل کر لی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا۔ اور حجۃ الوداع کے زمانہ میں عرفات میں قیام کے وقت بھی حضرت عمرؓ سے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا۔

صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں ہوئی حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رب کے درمیان جو خصوصی علاقہ تھا لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر تھی بندے جلدی کرتے ہیں لیکن اللہ ان کی عجلت (پسندی) کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا جب تمام امور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو جاتے ہیں تو وہ کرتا ہے میں نے حجۃ الوداع میں قربان گاہ کے قریب سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لاتے تھے اور آپ اپنے ہاتھ سے ان کو نحر کرتے تھے اور حجام کو طلب فرما کر آپ نے سر منڈوایا تھا میں نے یہ بھی دیکھا کہ سہیل بن عمرو ان بالوں کو چن چن کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہے تھے اور مجھے یاد ہے کہ حدیبیہ کے دن بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنے سے انہوں نے انکار کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کا شکر کیا کہ اللہ نے ان کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ

پھر جو کوئی قول توڑ دے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو

وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ

فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰

سے تو وہ اس کو دیگا بدلہ بہت بڑا☆

☆یعنی بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ و رسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا

ملے گی اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد و پیماں کو مضبوطی کے ساتھ پورا کیا تو اسکا بدلہ بھی بہت پورا ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ اَوْفٰى ۔ یعنی جو بیعت پر قائم رہے گا۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ۔ یعنی جنت اور اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار۔ (تفسیر مظہری)

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ
اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانیوالے
الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا
گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے
وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ
اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشوا ☆

منافقوں کے اندیشے اور بہانے

☆ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے ابھارا تھا شاید قرائن سے آپ کو بھی لڑائی کا احتمال ہو۔ اس پر دیہاتی گنوار جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا جان چرا کر بیٹھ رہے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مدینہ میں آ کر ان کے کتنے ساتھیوں کو قتل کر گئی اب ہم اسکے گھر جا کر اس سے لڑیں گے؟ تم دیکھ لینا اب یہ اور ان کے ساتھی اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں کھیت رہیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کے نفاق کا پردہ فاش کیا ہے۔ آپ کو مدینہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بتلا دیا گیا کہ تمہارے صحیح و سالم جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ کیا کہئے ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی، کوئی ہمارے پیچھے مال اور اہل و عیال کی خبر لینے والا نہ تھا بہرحال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو اُن کے
قُلُوْبِهِمْ ۭ
دل میں نہیں ☆

جھوٹی ظاہرداری ☆ یعنی دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہرداری کے لئے ہے سچے دل سے نہیں وہ دل میں اس کو گناہ سمجھتے ہیں نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے
شَيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ
واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے
بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا
تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝
سب کاموں سے خبردار ☆

حیلہ تراشی کا جواب ☆ یعنی ہر طرح کا نفع و نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے جس کی مشیت و ارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا اسکو منظور نہیں تھا کہ تم کو اس سفر مبارک کی شرکت کے فوائد نصیب ہوں۔ تو اب یہ منظور ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں اس نے تمہاری حیلہ تراشی سے قبل ہی ہم کو ان جھوٹے اعذار پر مطلع کر دیا تھا۔ بہرحال اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے اعمال و حرکات کی بدولت غزوۂ "حدیبیہ" کی گونا گوں برکات فوائد کی طرف سے تم کو نقصان اور گھاٹے میں رکھے اور ہاں تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جا سکے تو کیا خدا اگر تمہارے مال و اولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے۔ یا فرض کرو اللہ تم کو کچھ فائدہ مال و عیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے۔ جب نفع و نقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا محض حماقت و ضلالت ہے، ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال و احوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ آئے گا رسول

وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ

اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب

ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ

گیا تمہارے دل میں یہ خیال اور اُلٹی کی تم نے بری اُلٹی میں

وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ⑫

اور تم لوگ تھے تباہ ہونیوالے ☆

منافقوں کے دل کا چور ☆ یعنی واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں جو بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے۔ یہ ہی تمہاری دلی آرزو تھی اور یہ غلط اُلٹا اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا اسی لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی۔ حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ جانتا تھا کہ یہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَزُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی مسلمانوں کو اور رسول کی تباہی کی پسندیدگی تمہارے دلوں میں پیدا تو اللہ نے کی تھی مگر شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ خیال دل پسند بنا دیا تھا۔ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔ یعنی تم نے خیال کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مشرکوں کا لقمہ بن جائیں گے اسی طرح کے اللہ اور اس کے رسول کے متعلق برے برے گمان تم رکھتے تھے۔ قَوْمًۢا بُوْرًا۔ عند اللہ ہلاک ہونے والے تباہ اعتقاد اور برے گمان رکھنے کی وجہ سے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر

فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ⑬ وَلِلّٰهِ

تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے بھڑکتی آگ اور اللہ کیلئے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ

راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے ' جس کو

يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

چاہے اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ⑭

بخشنے والا مہربان ☆

☆ یعنی جس کو وہ بخشنا نہ چاہے، میں کیسے بخشواؤں ہاں اسکی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے اور اسکی رحمت بہر حال غضب پر سابق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی اس پر نہ مغفرت واجب ہے نہ سزا دینا لازم۔

وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔ یعنی اللہ کی ذاتی صفات تو مغفرت اور رحمت ہیں اور عذاب دینے کا فیصلہ عارضی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں

مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ

چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے

لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ

تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے

قَبْلُ ۚ

پہلے سے ☆

غزوۂ خیبر سے متعلق منافقوں کا رویہ

☆ ''حدیبیہ'' سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ''خیبر'' پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا جہاں غدار یہود آباد تھے جو بد عہدی کر کے جنگ ''احزاب'' میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ حق تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر دی کہ وہ گنوار جو حدیبیہ نہیں گئے اب ''خیبر'' کے معرکہ میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیں کہ تمہاری استدعا سے پیشتر اللہ ہم کو کہہ چکا ہے کہ تم (اس سفر میں) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے اندریں صورت کیا تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے

کہ گویا اللہ کا کہا مان لیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک اشکال اور اس کا جواب

رہی یہ بات کہ جب مسلمان اتنے بہادر تھے تو مکہ میں زبردستی کیوں داخل نہ ہو سکے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش پر اللہ نے رحم فرمایا کہ اپنے رسول کو اور مسلمانوں کو داخل ہونے سے روک دیا جیسے قریش پر رحم کرنے کے سبب ہاتھی والے حبشیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا پھر اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ قریش کے اکثر آدمی مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی نسل سے بہت سی مؤمن روحیں پیدا ہوں گی ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمان مکہ میں زبردستی گھستے اور جنگ ہوتی تو وہاں کچھ مسلمان مرد اور عورتیں بھی پوشیدہ تھے اور حملہ کرنے والوں کو معلوم نہیں تھا اس لئے نادانستگی میں ممکن تھا وہ روندے جاتے یہی وجوہ تھیں کہ مسلمانوں نے زبردستی داخل ہونے کی کوشش نہیں کی اور اللہ نے انکو حدیبیہ میں ہی روک دیا۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا۔ اللہ کی طرف سے بطور معجزہ یہ ایک پیشین گوئی ہے کہ باوجودیکہ وہ اعراب مال غنیمت کی لالچ میں مخلص مومنوں کے ساتھ جانے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے مگر اللہ نے پہلے سے خبر دے دی کہ یہ ساتھ نہیں جائیں گے۔ گویا دو مرتبہ پیشین گوئی فرمائی ایک بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے اور دوسری بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا

پھر اب کہیں گے نہیں تم تو چلتے ہو ہمارے فائدہ سے ☆

منافقوں کی چرب زبانی ☆ یعنی اللہ نے کچھ بھی نہیں فرمایا محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلا شرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا

کوئی نہیں پردہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا ☆

منافق احمق ہیں ☆ یعنی بہت تھوڑی سمجھ ہے احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد و قناعت کا کیا حال ہے کیا وہ مال کے حریص ہیں؟ جو تم پر حسد کریں گے؟ اور پیغمبر از راہ حسد خدا پر جھوٹ بول دے گا؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ

کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے

سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ

آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے

شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ

یا وہ مسلمان ہو گئے تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو گئے

فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا

پھر اگر حکم مانو گے دیگا تم کو اللہ بدلہ اچھا ☆

منافقوں کے جھوٹے شوق کی تسکین ☆

یعنی ذرا صبر کرو، اس لڑائی میں تو نہیں جا سکتے لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میدان میں آ کر داد شجاعت دینا۔ اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا (تنبیہ) ان جنگجو قوموں سے "بنو حنیفہ" وغیرہ مراد ہیں جو "مسیلمہ کذاب" کی قوم تھی یا "ھوازن و ثقیف" وغیرہ جن سے "حنین" میں مقابلہ ہوا یا وہ مرتدین جن پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی۔ یا فارس و روم اور کرد وغیرہ جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت آیا۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام کی تین شرطیں (۱) اسلام (۲) لڑائی (۳) جزیہ

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ۔ یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی۔ قتال یا اسلام۔ مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ہونی ضرور ہے یا تو ان سے جنگ کرتے رہو یا وہ اسلام لے آئیں تیسری بات نہیں ہو سکتی ان سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ یہ حکم صرف عرب کے مشرکوں اور مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کے لئے خاص تھا۔ اہل روم اور دوسری محکمیوں کے لئے تین صورتیں تھیں جنگ یا اسلام یا جزیہ۔

شیخینؓ کی خلافت کی طرف اشارہ

اس تفسیر پر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا برحق ہونا اس آیت سے ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ مرتدوں سے جہاد کرنے کی آپ ہی نے مسلمانوں کو دعوت دی لیکن حضرت ابن عباسؓ مجاہد عطاء اور ابن جریج کے نزدیک قوم سے مراد

اہل فارس ہیں اس صورت میں حضرت عمرؓ کی خلافت (حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر مبنی تھی) کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ آپ نے ہی اہل فارس سے جہاد کیا مگر اس تفسیر پر یسلمون کا معنی ہوگا یسلمون یعنی قوم ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ تمہارے مطیع ہو جائیں اور جزیہ ادا کرنا قبول کرلیں۔

اَجْرًا حَسَنًا۔ یعنی جنت۔ (تفسیر مظہری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ مبارک اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہو سکتا۔ بچند وجوہ اول یہ کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں تین لڑائیاں ہوئیں۔ جمل، صفین، نہروان، یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان و اسلام سے تھیں اور یسلمون اس پر صادق نہیں آتا یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں دوم یہ کہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔ سوم یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدوؤں کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے دعوت جہاد دی ہو۔

واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکرؓ خلیفہ بنا لئے گئے ان کے عہد میں مسیلمہ بن قیس مارا گیا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور انہیں نے حنفیہ سے قتال کیا۔ نیز انہیں کے زمانے میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہو گیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور ان کی توجہ غزوہ روم کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت میں کیا ہے اور تمہارے ایمان و یقین کو ترقی دی ہے اور کھلا کھلا تمہاری مدد کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے کہ الیوم اکملت لکم یعنی آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین اور یہ بھی واضح رہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ نے ان کو اٹھا لیا اور ان کے لئے اپنا قرب پسند کیا (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کر کے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق و مغرب سب میرے لئے لپیٹ دی گئی ہے اور جس قدر حصہ زمین کا میرے لئے لپیٹا گیا وہاں تک میری امت کی سلطنت پہنچے گی پس اب تم لوگ (اس بارے میں) کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ (ہمارا بولنا آپ کے سامنے کیا مناسب ہے) آپؓ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے چنانچہ فرمایا۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ بہت مسرور ہوئے اور خوش ہوئے اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور بادسا ہاں یمن اور سرداران عرب اور اہل مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط کا مضمون یہ تھا۔

مسلمانوں کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ (ملقب بہ) ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام۔ سلام ہو تم پر۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک شام کی طرف بھیجوں تاکہ تم لوگ اس کو فتح کر دو پس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ سبقت کرے اطاعت خدا اور اطاعت رسول پر خط کے آخر میں یہ آیت لکھی تھی۔ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ وَاُمِّهٖ الخ اس کے بعد یہ خط سب کے پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب کا انتظار کیا۔ سب سے پہلے جو شخص یمن سے بھیجا گیا وہ حضرت انسؓ بن مالک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ واقدی کا کلام ختم ہوا۔

آپؓ کے خط کا اثر: حضرت صدیق اکبرؓ کا اس بلانے میں مثل جارح کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ (ان کے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا جو بنیادی عقل سے بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ غزوۂ موتہ میں چالیس ہزار آدمی جمع ہو گئے اور ان کے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دو گنا اور چوگنا نتیجہ حاصل ہوا حضرت صدیق کا یہی کام حضرت فاروق اعظمؓ کے لئے دستور العمل بن گیا انہوں نے اس طریقہ سے غزوۂ قادسیہ میں اعراب کی دعوت دی۔ روضۃ الاحباب میں ذکر غزوۂ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدجرد کو بادشاہ بنایا ہے تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جس کو تم جانتے ہو کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت و شجاعت بھی رکھتا ہے اور فن حرب سے واقفیت ہے اس کو فوراً سامان درست کر

کے مدینہ روانہ کردو۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کی کمک کے لئے جبکہ انہوں نے دنبال کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی اعراب کو بلایا۔ اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے تو یہ تمام تفصیلات اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انہی خلفائے ثلثہ کا ہے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ راشد تھے ان کی طرف سے جہاد کی دعوت حکم شرعی تھا اور ان کا حکم ماننا قرآنی فیصلہ تھا جس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا اور ان کے حکم کی خلاف ورزی عذاب خداوندی کا سبب تھا۔ (معارف کاندھلوی)

جنگجو قوم سے مراد: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی ان کے منہ مثل تہہ بہ تہہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بالوں دار ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے خراسانی لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنگجو قوموں سے مقابلے دورِ خلافت میں ہوئے

ارشاد فرمایا سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ' یعنی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جبکہ تمہیں جہاد کی دعوت دی جائے گی اور یہ جہاد ایک بڑی سخت جنگجو قوم کے ساتھ ہوگا۔ اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش نہیں آیا کیونکہ اگر ایسا تو آپ کا اس کے بعد اعراب کو کسی غزوہ میں دعوت شرکت دینا ثابت نہیں ثانیاً اسکے بعد کسی ایسی قوم سے مقابلہ بھی نہیں ہوا جسکے بہادر اور سخت ہونیکا قرآن نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ غزوہ تبوک میں اگرچہ مقابلہ ایسی قوم سے تھا مگر نہ اُس غزوہ میں اعراب کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ انمیں قتال کی نوبت آئی کیونکہ مقابل آدمیوں پر اللہ نے رعب ڈالدیا وہ مقابلہ پر نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بغیر قتال کے واپس آئے اور غزوۂ حنین میں بھی نہ انکو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اُس وقت مقابل کوئی ایسی قوم تھی جو سخت اور ساز و سامان والی ہو۔ (معارف ملتقی اعظم)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ
اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے
قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶﴾
پہلی بار دیگا تم کو ایک عذاب دردناک ☆

دشمنی ☆ یعنی جیسے پہلے "حدیبیہ" جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ سخت دردناک سزا دے گا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر
الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ
تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف ☆

☆ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ
اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اُس کے رسول کا اُس کو
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ
داخل کریگا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں
وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾
اور جو کوئی پلٹ جائے اُس کو عذاب دیگا دردناک ☆

☆ یعنی تمام امور اور معاملات میں عام ضابطہ یہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے ☆

بیعت رضوان ☆ وہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ میں غالباً۔

"لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ" الخ فرمانے کی وجہ سے ہی اسے اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں شروع سورت میں اسکا مفصل قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کی تعریف۔ اس آیت سے مقصود مؤمنوں کی تعریف اور مدح ہے اور گذشتہ کلام سے ایفاء بیعت پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا ہم حدیبیہ کے دن ایک

ہزار چار سو تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔
مسلم نے حضرت ام بشر کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ جو کوئی اس درخت کے نیچے بیعت کر چکا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اہل عراق کا جھوٹ اور حضرت عثمانؓ کی فضیلت

عراقی لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عظمت پر جب جرح وتنقید اور طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے حضرت عثمان پر الزامات اور تہمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہوئی تھی اور طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مجمع میں ایک یہ بات بھی کہتے کہ عثمان وہ ہیں جو بیعت الرضوان میں غیر حاضر رہے تو ایک عراقی نے عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے بھی ان الزامات کو دہراتے ہوئے پوچھا۔ بتاؤ کیا عثمان وہ شخص نہیں ہیں۔ جنہوں نے بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کی۔ فرمایا میں تجھے اس کی حقیقت بتاتا ہوں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے لگے۔ اس بیعت میں جو لوگ حاضر تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی تھی مگر جب عثمان کی بیعت کی نوبت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ کو عثمانؓ کے ہاتھ قائم مقام بنایا۔ خدا کی قسم ہم سب کی بیعت سے افضل اور بڑھ کر عثمان کی بیعت تھی۔ صحیح بخاری جلد۲۔ کتاب التفسیر ص۷۱۱ (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام پر طعن وتشنیع اور انکی لغزشوں میں غور وبحث اس آیت کیخلاف ہے

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن کبار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران ومغفرت کا یہ اعلان فرمایا ہے اگر اُن سے کوئی لغزش یا گمراہی بھی ہے تو یہ آیت اس کے معافی کا اعلان ہے۔ پھر انکے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور وفکر اور بحث ومباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر وعمرؓ اور دوسرے صحابہؓ پر کفر ونفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرۃ رضوان شجرہ جسکا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک ببول کا درخت تھا اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پچھلی اُمتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق ابن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گذر ایسے لوگوں میں ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی میں اسکے بعد حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر اُن کو دی انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ین ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہوگئی اسکا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے اُن کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہوگیا عجیب بات ہے کیا تم اُن سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلائے شرک کا لاحق ہوگیا اس لئے اس کو قطع کروا دیا سو کیا بعید ہے۔ (معارف ملتی اعظم)

فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

پھر معلوم کیا جو اُن کے جی میں تھا ☆

صحابہ کی دلی کیفیت ☆ یعنی ظاہر کا اندیشہ اور دل کا تو حل، حسن نیت، صدق واخلاص اور حب اسلام وغیرہ (تیسیر) عموماً مفسرین نے "ما فی قلوبھم" سے یہ ہی مراد لیا ہے مگر ابوحیان کہتے ہیں کہ صلح اور شرائط صلح کی طرف سے دلوں میں جو رنج وغم اور اضطراب تھا وہ مراد ہے اور آگے "فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ" "اس پر اُنہ وہ چسپاں ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ

پھر اُتارا اُن پر اطمینان

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

اور انعام دیا اُن کو ایک فتح نزدیک

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ

اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے ☆

☆ یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہؓ آسودہ ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ۔ یعنی ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا کہ حضور قلب

کے ساتھ وہ دکر خدا میں مشغول ہو گئے اور نفسانی پسندیدگی کو چھوڑ کر اللہ کے حکم پر راضی ہو گئے۔

فتح خیبر کتنے عرصہ بعد ہوئی: ابن عائذ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپس آ کر دس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں قیام فرمایا سلیمان تیمی نے چند روز قیام بتایا ہے ابن عقبہ نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ بیس روز قیام فرمایا۔ ابن اسحاق نے بحوالہ مسور و مروان بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذی الحجہ میں مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور محرم تک قیام پذیر رہے محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے اور فتح خیبر صفر کے مہینہ میں ہوئی۔ کذا فی المغازی لِلْواقدی۔ حاکم نے کہا یہی روایت راجح ہے۔ حاکم نے بھی واقدی سے یہی نقل کیا ہے۔

خیبر کی غنیمتیں بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر چھوارے کھائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جب تک خیبر کی فتح نہ ہو گی ہم نے پیٹ بھر کر چھوارے نہیں کھائے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحی نے کہا خیبر میں کا ایک قلعہ تھا جس میں قلعے تھے کثیت تھے بکثرت نخلستان تھے حدیبیہ سے تین روز کی مسافت پر شمالی جانبوں کے بائیں ہاتھ کو واقع تھا۔

مغانم کثیرۃً کی وضاحت کی وجہ: صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان مکہ سے واپس آ گئے اور (بظاہر) فتح حاصل نہیں ہوئی (اس سے کچھ دل شکستگی پیدا ہو گئی اس کو دور کرنے اور مومنوں کو تسلی دینے کے لئے مغانم کثیرہ حاصل ہونے کی صراحت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور ہے اللہ زبردست حکمت والا ☆

☆ یعنی اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حنین میں ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً

وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا

تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ

کہ تم ان کو لو گے سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت ☆

مستقبل کے تقشے ☆ یعنی آگے چل کر بے شمار غنیمتیں ملنے والی ہیں ان میں کا یہ ایک حصہ غزوہ خیبر میں دلوا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وحی الٰہی صرف قرآن میں منحصر نہیں قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں علماء نے فرمایا کہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اسکا قرآن میں کہیں صراحۃً ذکر نہیں بلکہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔

جو ظالمین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت و دین نہیں مانتے یہ آیتیں ان کے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اس کے غنائم اہل حدیبیہ کے ملنے کا وعدہ آ گیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر ادکا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہو گی دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلا شبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے۔ (معارف حقی اعظم)

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ

اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے ☆

غیبی مدد ☆ یعنی عام لڑائی نہ ہونے دی اور حدیبیہ یا خیبر میں کفار کے ہاتھوں سے تم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے دیا اور تمہاری غنیمت میں تمہارے اہل و عیال وغیرہ پر کوئی دست درازی نہ کر سکا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنی غطفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہودیوں کے مددگار تھے جب انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب فروکش ہیں تو یہودیوں کی مدد کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے لیکن اثناء راہ میں انہوں نے (اپنی بستی کے اندر) اپنے اہل و عیال میں کچھ آہٹ سی محسوس کی تو خیال کیا کہ مسلمان وہاں جا پہنچے فوراً پچھلے قدم لوٹ پڑے اور بال بچوں کی حفاظت میں لگے رہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیبر تک پہنچنے کا راستہ خالی کر دیا۔

ابن قانع لغوی اور ابونعیم نے بروایت سعید بن مسیّب بیان کیا کہ سعید کے باپ عیینہ بن حصن کے لشکر میں جو غطفان کے سواروں کے ساتھ تھے ایک آواز سنی لوگوا اپنے گھر والوں کی خبر لو ان پر حملہ کر دیا گیا ہے یہ آواز سنتے ہی لوگ لوٹ پڑے کسی نے کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ آواز آسمان کی طرف سے آئی تھی۔

بعض اہل تفسیر نے کَفَّ اَیْدِیَھُمْ کا یہ مطلب بیان کیا کہ صلح کی وجہ سے اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور تاکہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے ☆

مسلمانوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانی

☆ یعنی مسلمان سمجھیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور ان کا وعدہ اس کے ہاں کیا ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر جلالین)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ﴿۲۰﴾

اور چلائے تم کو سیدھی راہ ☆

یعنی اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اس کی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہوگا تو اور زیادہ طاعت و فرمانبرداری کی ترغیب ہوگی۔ یہ ہی سیدھی راہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غزوۂ خیبر کے واقعہ کی تفصیلات

امام احمد ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سباع بن عرفطہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

یہود مدینہ کی پریشانی: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے (خیبر کو روانہ ہونے کی) تیاری کر لی تو مدینے کے یہودیوں کو یہ تیاری بڑی شاق گذری اور مدینہ کے جس یہودی کا جس مسلمان پر کچھ حق (قرض) تھا وہ یہودی اس مسلمان سے چمٹ گیا (کہ میرا قرض دے کر جانا)۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوجبیر کا بیان نقل کیا ہے۔ ابوجبیرؓ نے فرمایا کہ ابوالہیثم یہودی کے مجھ پر پانچ درہم تھے وہ مجھ سے چمٹ گیا میں نے کہا مجھے مہلت دے دے امید ہے کہ واپس آ کر میں تیرا قرض ادا کر دوں گا کیوں کہ اللہ نے اپنے نبی سے خیبر کے مال غنیمت کا وعدہ فرما لیا ہے کہنے لگا کیا تیرا یہ گمان ہے کہ خیبر کی لڑائی بھی ایسی ہی ہوگی جیسی تم کو دیہاتیوں مدویوں کی طرف سے پیش آتی ہے (اور تم اس کے عادی ہو) توریت کی قسم خیبر میں وس ہزار جنگ جو بہادر رہتے ہیں غرض دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا حق ادا کر دو چنانچہ میں نے ایک کپڑا یا تین درہم کو فروخت کر دیا۔ الحدیث۔

مقام اصہباء میں قیام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام اصہباء میں پہنچے تو ہم (سب) سے کھانے کی چیزیں (جتنی جس کسی کے پاس تھیں) طلب فرمائیں لیکن حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کئے گئے (کسی کے پاس اور کچھ تھا ہی نہیں) آپ نے ستوں کو پانی سے تر کیا خود بھی کھائے اور ہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستو کھائے پھر آپ نے نماز پڑھی (جدر) وضو نہیں کیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے پھر حضور یہاں سے چل کر اس پڑاؤ پر پہنچے جہاں خیبر کا بازار تھا یہ جگہ (فتح کے بعد) حضرت زید بن ثابتؓ کے حصہ میں آئی تھی پچھلی رات کو اس جگہ پہنچ کر فروکش ہوئے اور (پچھلی) شب کے کچھ حصہ میں یہاں ٹھہرے رہے۔

یہودیوں کی خام خیالی: یہودیوں کا پہلے یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کریں گے کیوں کہ یہودیوں میں قوت تھی اسلحہ بھی تھے اور تعداد بھی (بہت) تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے ہیں تو روزانہ دس ہزار جنگجو بہادر (خیبر سے) نکل کر قطار در قطار ہو کر باہر آتے تھے اور جب مسلمانوں کے نہ پاتے تو واپس ہو کر کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بدل گیا وہ کہاں آئیں گے ان کا آنا بہت دور کی بات ہے روزانہ ان کا یہی معمول تھا۔

جس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میدان میں اترے اس رات کو انہوں نے کوئی حرکت ہی نہیں کی (سب غافل بے غم پڑے سوتے رہے) مرغ نے بھی بانگ نہیں دی یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگے اور قلعوں کے دروازے کھول کر وہ باہر آ گئے۔

حملہ صبحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کو روانہ ہو کر رات کو پہنچے اور آپ کا دستور تھا کہ اگر کسی قوم پر (حملہ کرنے کے لئے) رات کو پہنچتے تھے تو دھوکہ سے اچانک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہو جاتی اور بستی سے اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ نہیں کرتے تھے اور اذان کی آواز نہ آتی تو حملہ کرتے تھے۔ ہم نے فجر کی نماز تڑکے سے پڑھ لی اذان کی آواز سنائی نہ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے مسلمان بھی سوار ہو گئے بستی والے اپنے نوکر اور کسان لے کر کھیتوں پر جانے کے لئے باہر نکلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پشت پھیر کر بھاگ پڑے اور بولے محمد آ گئے اور پورا لشکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اللہ اکبر خیبر تباہ ہو گیا ہم جب (کسی قوم کے) میدان میں اترتے ہیں (اور ان کو

تباہی سے ڈراتے ہیں لیکن وہ نہیں مانتے) تو جن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے ان کی صبح بری ہوتی ہے (یعنی وہ غارت کر دیئے جاتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز جہاد طاۃ کے باشندوں سے کیا۔ مسلمانوں کی صف بندی کی اور ان کو نصیحت کر دی کہ میری اجازت سے پہلے لڑائی شروع نہ کرنا۔

نافرمان کے لئے جنت نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر بنی اشجع کے ایک آدمی نے ایک یہودی پر حملہ کر دیا اس یہودی نے حملہ کیا اور مسلمان کو قتل کر دیا لوگوں نے کہا فلاں شخص شہید ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ کی میں نے ممانعت کر دی تھی اس کے بعد اس شخص نے یہودی پر حملہ کر دیا مسلمانوں نے کہا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا کر دے کسی نافرمان کے لئے جنت حلال نہیں۔

عافیت کی دعا مانگو۔ طبرانی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو کیوں کہ تم کو معلوم نہیں کہ (جنگ میں) تم کو کیا صورت پیش آئے گی ہاں جب مڈبھیڑ ہو ہی جائے گی تو دعاء کرو اے اللہ ہمارے اور ان کے مالک ہماری اور ان کی پیشانیاں تیرے قبضہ میں ہیں تو ہی ان کو قتل کرے گا پھر زمین سے چمٹ کر بیٹھ جاؤ اور جب وہ تم پر حملہ کر دیں تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہو۔ الحدیث۔

سب سے پہلا محاصرہ: ابن اسحاق اور محمد بن عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے تقسیم کر دیئے (ہر دستہ کا ایک جھنڈا مقرر کر دیا) اور لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی اور جمے رہنے کی ترغیب دی۔ سب سے اول جس قلعہ کا محاصرہ کیا وہ ناعم علاقہ نطاۃ کا قلعہ تھا یہاں سخت جنگ ہوئی اہل نطاۃ نے شدید ترین جنگ کی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجیع کو لوٹ آئے اسی طرح صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھنڈے لے کر نکلتے تھے (اور شام کو واپس آ جاتے تھے) آخر اللہ نے وہ قلعہ فتح کرا دیا۔

بخار اور اس کا علاج: بیہقی ابونعیم اور محمد بن عمر کی روایت ہے کہ جب مسلمان خیبر میں پہنچے تو ان ایام میں کھجوریں کچی تھیں مسلمانوں کو ان کے کھانے سے بخار آ گیا لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو فرمایا پانی مشکیزوں میں بھر لو اور صبح کو دونوں اذانوں کے درمیان بسم اللہ کر کے پانی (اپنے اوپر) بہاؤ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی فوراً (ایسے) چست ہو گئے جیسے ایک بندش تھی اور وہ کھل گئی (گویا اونٹ کا زانو بند کھل گیا اور وہ چستی کے ساتھ کھڑا ہو گیا)۔

دوسرا محاصرہ: ناعم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے صعب بن معاذ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محمد بن عمر نے ابوالیسر کعب بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ بڑا مضبوط قلعہ تھا مسلمانوں نے تین روز تک اس کا محاصرہ کیا۔

غذائی سامان کی قلت اور دعا کی قبولیت

ابن اسحٰق نے قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی کے حوالہ سے اور محمد بن عمر نے معتب اسلمی کے بیان سے نقل کیا ہے اسلمی شخص نے کہا ہمارے قبیلۂ اسلم والوں کو سخت بھوک نے ستایا تھا یہاں تک کہ ہم خیبر میں پہنچے اور دس روز تک حصن طاۃ (کے محاصرہ) پر جمے رہے لیکن کوئی ایسا مقام جہاں کھانے کی کوئی چیز ہوتی فتح نہیں ہوا لوگوں نے اسماء بن حارثہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اسماء نے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ والوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ ہم سخت بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ میں ان کو کھانے کے لئے دے سکوں پھر فرمایا اے اللہ سب سے بڑا قلعہ جس میں سب سے زیادہ چربی ہو فتح کرا دے یہ دعا کرنے کے بعد جھنڈا حباب بن منذر کو عطا فرمایا اور لوگوں کو حباب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی راوی کا بیان ہے کہ ہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے) لوٹے بھی نہ تھے کہ اللہ نے صعب بن معاذ کے قلعہ کی فتح عنایت کر دی خیبر میں اس سے بڑھ کر (غذائی رسد یعنی) غلہ اور چربی والا کوئی قلعہ نہیں تھا۔

دو بدو مقابلہ: حباب کا مقابلہ کرنے کے لئے یوشع یہودی باہر نکلا تھا حباب نے اس کو قتل کر دیا پھر زیال نکل کر آیا اس کو عمارہ بن عقبہ غفاری نے جا لیا اس پر لوگوں نے کہا اس کا جہاد بیکار گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا (کہ اس نے حباب کے حریف کو حباب سے پہلے ہی قتل کر دیا) بلکہ اس کو اجر ملے گا اور اس کا فعل قابل ستائش ہے۔

صعب قلعہ سے غذائی اشیاء کا ملنا: محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ صعب کے قلعہ کے اندر مسلمانوں کو اتنی کثرت سے کھانے کی چیزیں ملیں جن کا ان کو گمان بھی نہیں تھا جو چھوارے گھی شہد زیتون کا تیل اور چربی (ہر چیز بافراط ہاتھ آئی) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کھاؤ اور لے لو لیکن اپنے ساتھ لادنا مت یعنی یہاں سے اٹھا کر اپنی بستیوں میں نہ لے جانا۔

تیسرا محاصرہ اور یہودی کا فتح کے لئے راستہ بتانا

بیہقی نے محمد بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہودی حصن ناعم اور حصن صعب سے منتقل ہو کر قلعہ زبیر کو چلے گئے (پہاڑ کی وہ چوٹی جو حضرت زبیرؓ کے حصہ میں آئی تھی قلعہ زبیر سے وہی چوٹی مراد ہے) اس چوٹی پر ایک قلعہ تھا مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور تین روز محاصرہ قائم رکھا۔ ایک یہودی

جس کا نام عزال تھا (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ابوالقاسم میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے اہل حصن کے جھگڑے سے آپ کو فراغت مل جائے گی بشرطیکہ مجھے مع اہل وعیال یہیں سے امن کے ساتھ شق کو چلے جانے کی آپ اجازت دے دیں کیوں کہ شق میں رہنے والے آپ کے رعب سے مرے جارہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مع اہل وعیال امن دینے کا وعدہ فرمالیا یہودی نے کہا اگر آپ ایک مہینہ تک یہاں پڑے رہیں گے تب بھی اہل حصن کو کچھ پرواہ نہ ہوگی کیوں کہ زمین کے اندر ان کے پاس پانی جمع ہے رات کو نکل کر وہاں جا کر وہ اپنے لئے پانی لے آتے ہیں اگر آپ پانی تک پہنچنے کا ان کا راستہ کاٹ دیں تو وہ (بیتاب ہو کر) ماہر نکل پڑیں گے (حسب مشورہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جا کر ان کے پانی کا سلسلہ منقطع کر دیا پانی کا سلسلہ کٹ گیا تو وہ لوگ فوراً باہر نکل آئے اور سخت ترین مقابلہ کیا اس روز کی لڑائی میں چند مسلمان شہید ہو گئے دس یہودی مارے گئے اور قلعہ فتح ہو گیا۔ نطاۃ کا یہ آخری قلعہ تھا۔

سموان چھاؤنی پر حملہ نطاۃ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شق کی طرف متوجہ ہوئے شق میں قلعہ کے اوپر ایک چھاؤنی تھی جس کو سموان کہا جاتا تھا سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا رخ کیا چھاؤنی والوں نے سخت ترین مقابلہ کیا۔ ایک یہودی جس کو غزدل کہا جاتا تھا مقابلہ کے لئے باہر آیا حباب بن منذر نے اس کو قتل کر دیا ایک اور یہودی نکل کر آیا اس کو ابو دجانہ نے قتل کر دیا اور اس کی زرہ اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زرہ اور تلوار ابو دجانہ کو ہی عنایت فرمادی۔ اس کے بعد یہودی میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے سے رک گئے۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور چھاؤنی پر حملہ کر دیا اور اندر گھس گئے۔ حضرت ابو دجانہ آگے آگے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو بڑا مال اسباب بکریاں بھیڑیں اور غلہ ملا وہاں جو جنگی جو لوگ تھے سب بھاگ کر عزال (قلعہ کا نام) میں چلے گئے۔ نطاۃ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ بھی عزال میں آگئے اور انتہائی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بند ہو گئے۔

قلعہ عزال پر حملہ اور معجزۂ نبوی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھیوں کو لے کر (عزال کی طرف) حرکت کی اور سخت ترین جنگ کی اہل شق نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کر دی کچھ تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی آئے جو آپ کے کپڑوں میں الجھ کر رہ گئے آپ نے ان کو جمع کر لیا پھر ایک مٹھی کنکریاں لے کر قلعہ پر پھینک ماریں جس سے قلعہ میں لرزہ پیدا ہو گیا اور دیواریں زمین پر آگئیں مسلمان اندر داخل ہو گئے اور قلعہ والوں کو گرفتار کر لیا طاۃ اور شق کے قلعے فتح ہو گئے تو جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ کتیبہ کی چھاؤنیوں کی طرف بھاگ گئے۔

قموص پر حملہ کتیبہ کی چھاؤنیوں میں سب سے بڑی چھاؤنی قموص تھی یہ بڑی مضبوط اور محفوظ تھی ابن ابی عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا محاصرہ بیس روز جاری رکھا یہ سر زمین صحت کے لئے مضر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف

شیخین نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بخاری و ابونعیم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے اور ابونعیم نے حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عمرانؓ بن حصین اور حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے اور مسلم و بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد ابو یعلی و بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور نعیم و بیہقی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (درد) شقیقہ (آدھے سر کا درد) اٹھا کرتا تھا جس کی وجہ سے ایک دو روز آپ باہر تشریف نہیں لاتے تھے جب خیبر میں فروکش ہوئے تو (حسب عادت) درد شقیقہ شروع ہو گیا۔

لڑائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلوا کر اپنا جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جھنڈا لے کر سخت ترین جنگ کی پھر وہ واپس آگئے لڑائی کی اور پہلی جنگ سے زیادہ شدید حملہ کیا لیکن کامیابی کے بغیر واپس آگئے فتح نہ ہو سکی حضرت علیؓ کی روایت میں آیا ہے کہ (شروع) دو دن کی لڑائی میں یہودیوں کا پلڑہ بھاری رہا۔

فاتح کے ہاتھ میں جھنڈا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عنایت فرمائے گا وہ میدان سے بھاگنے والا نہ ہوگا اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہوگا اور زبردستی فتح حاصل کرے گا۔ حضرت بریدہ کا بیان ہے اس فرمان نبوی کے بعد ہمارے دلوں کو یقین ہو گیا کہ کل کو فتح حاصل ہو جائے گی لیکن لوگوں کو رات بھر یہی سوچ رہا کہ کل جھنڈا کس کو دیا جائے گا صبح ہوئی تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جھنڈا عطا فرمائیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روز کے علاوہ مجھے کبھی خواہش نہ ہوئی کہ مجھے امیر بنایا جائے صبح کو فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا طلب فرمایا اور سیدھے کھڑے ہو کر (حسب روایت زہری) لوگوں کو نصیحت فرمائی پھر فرمایا علیؓ کہاں ہیں لوگوں نے کہا ان کی آنکھیں آگئی ہیں لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا گیا حضرت سلمہ کا بیان ہے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔

معجزہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کیا ہو گیا حضرت علیؓ نے جواب

دیا میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں اتنی کہ سامنے کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتا حاکم کی روایت میں حضرت علیؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر اپنی گود میں لیا پھر اپنا لعاب دہن دست مبارک میں لے کر میری آنکھوں میں مل دیا صحابہ کا بیان ہے ملتے ہی آنکھیں ایسی ہو گئیں گویا کبھی یہ دکھی ہی نہ تھیں اس کے بعد وقت وفات تک حضرت علیؓ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں۔

حضرت علیؓ کو نصیحتیں۔ اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کو عنایت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان یہودیوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آہستہ چال سے چل کر جاؤ جب ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ اللہ کا حق ان پر کیا ہے اور اللہ کے رسول کا حق کیا ہے اگر تمہارے ذریعہ سے اللہ ایک کو بھی ہدایت کر دے تو خدا کی قسم سرخ اونٹوں سے بھی تمہارے لئے زیادہ بہتر (مفید) ہوگا حضرت علیؓ جھنڈا لے کر نکل کر چلے اور قلعہ کے نیچے پہنچ کر جھنڈا زمین میں گاڑ دیا ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سر باہر نکال کر دیکھا اور پوچھا تو کون ہے حضرت علیؓ نے فرمایا میں علیؓ ہوں یہودی یہ سنتے ہی بول اٹھا قسم ہے اس کی جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی تم غالب آ گئے آخر حضرت علیؓ فتح کر کے ہی لوٹے۔

دو بدو مقابلہ حضرت علیؓ کی شجاعت محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ خیبر کے قلعہ سے جو سب سے پہلے باہر نکل کر آیا حضرت علیؓ سے مقابلہ کرنے وہ مرحب کا بھائی حارث تھا حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا اس کے ساتھی قلعہ کے اندر لوٹ کر چلے گئے پھر عامر قلعہ سے برآمد ہوا یہ بڑا دراز قامت جسیم آدمی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عامر باہر نکلا ہے تم دیکھ رہے ہو یہ پانچ ہاتھ کا آدمی ہے اور دعوت مقابلہ دے رہا ہے حضرت علیؓ اس کے مقابلہ پر گئے اور اس کو قتل کر دیا اس کے بعد باسر نکل کر آیا حضرت علی اس کے مقابلہ کے لئے بھی جانے لگے تو حضرت زبیرؓ بن عوام نے کہا میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس سے تنہا نبٹ لینے دیجئے حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کی بات مان لی جب حضرت زبیرؓ مقابلہ کے لئے برآمد ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میرا بیٹا مارا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا ان شاء اللہ اس کو قتل کر دے گا چنانچہ حضرت زبیرؓ نے باسر کو قتل کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت زبیرؓ سے فرمایا) تجھ پر میرا چچا قربان۔ ہر نبی کا حواری (مخلص قلبی دوست) ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع راوی ہیں کہ مرحب رجز (وزمیہ اشعار) پڑھتا ہوا باہر آیا حضرت علیؓ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ امام احمد نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے مرحب کو قتل کر دیا تو اس کا سر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بیہقی اور محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت محمد بن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا لیکن صحیح روایت مسلم کی ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابورافع نے بیان کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جھنڈا دے کر) حضرت علیؓ کو بھیجا تو میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھا آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو اہل قلعہ باہر نکل آئے حضرت علیؓ ان سے لڑنے لگے ایک یہودی نے حضرت علیؓ کی تلوار پر ضرب لگائی جس سے ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی ایک کواڑ قلعہ کے پاس پڑا ہوا تھا آپ نے فوراً اس کو اٹھا لیا اور اس کو ڈھال بنا لیا اور برابر لڑتے رہے آخر اللہ نے فتح عنایت فرمادی لڑائی سے فارغ ہو کر وہ کواڑ اپنے ہاتھ سے پھینک دیا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا ہم سب نے کوشش کر کے اس کو کواڑ پلٹنا چاہا لیکن پلٹ نہ سکے۔

بیہقی نے دو طریقوں سے حضرت محمد بن علی (محمد حنیفہ) کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ نے خیبر کے دن وہ دروازہ اٹھا کر (قلعہ سے) لگا دیا کہ مسلمان اس پر چڑھ کر قلعہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کھول دیا ہم نے بطور آزمائش اس کو اٹھانا چاہا مگر چالیس آدمی اس کو اٹھا نہ سکے۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں صرف لیث بن سلیم غیر معتبر ہے۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ستر آدمیوں نے جمع ہو کر کوشش کی کہ اس دروازے کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں۔ صالحی نے کہا کہ حاکم نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

قیدی عورتیں اور حضرت صفیہؓ

قموص میں ابوالحقیق کے قلعہ کے اندر سے کچھ عورتیں گرفتار ہو کر آئیں جن میں سے حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ بھی تھیں۔ حضرت بلالؓ ان کو اور ان کے ساتھ ایک اور عورت کو اس راستہ سے لے کر آئے جہاں یہودیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی عورت ان کو دیکھ کر چیخ پڑی اور منہ پیٹ لیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا اس شیطانہ کو الگ لے جاؤ پھر حضرت صفیہ کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا اور اپنی چادر ان پر ڈال دی چادر ڈالنے سے مسلمان سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے منتخب فرمالیا۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی یہودن کی بے قراری دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کیا تمہارے (دل کے) اندر سے رحم بالکل نکال لیا گیا (یعنی کیا تمہارے دل میں رحم بالکل نہیں رہا) کہ تم ان رونوں عورتوں کو ادھر سے لے کر آئے جہاں ان کے مرد مقتول پڑے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کا خواب: حضرت صفیہؓ کی شادی جب کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے ہوئی اسی زمانہ میں آپ نے خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گودی میں آ گرا ہے۔ یہ خواب آپ نے اپنے شوہر سے بیان کیا "تو شاہ حجاز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مند ہے" یہ کہہ کر ایک طمانچہ اس نے آپ کے منہ پر ایسا مارا کہ آنکھ پر نیل پڑ گیا جب حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں ہیں تو طمانیہ کا نشان آپ کی آنکھ پر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب دریافت کیا تو آپ نے واقعہ بیان کر دیا۔

شادی ایک روایت میں آیا ہے کہ دحیہ (کلبی) نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جاؤ کوئی لونڈی لے لو حضرت دحیہ نے حضرت صفیہ بنت حیی کا انتخاب کر لیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے حیی کی بیٹی صفیہ جو (سارے) بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہے دحیہ کو عطا فرما دی وہ تو صرف آپ کے لئے زیبا تھی رسول نے حکم دیا دحیہ کو مع صفیہ کے بلاؤ دحیہ مع صفیہ کے آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو دیکھ کر حضرت دحیہ سے فرمایا اس کی سخاے قیدیوں میں کوئی اور لونڈی لے لو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کر لیا واپس میں راستہ میں ہی تھے کہ ام سلمہؓ نے حضرت صفیہ کو سر و سامان سے تیار کر کے رات ہی کو خدمت گرامی میں بھیج دیا۔

دعوت ولیمہ اور مہر صبح ہوئی تو فرمایا جس کسی کے پاس کچھ (کھانے کی چیز) ہو وہ لے آئے یہ حکم دیکھ کر چمڑے کا دستر خوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھوا دیا چنانچہ کوئی کھجور لے آیا کوئی گھی لایا کوئی ستو لایا اور سب کو ملا کر لوگوں نے حلوا بنا لیا "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طعام ولیمہ تھا۔ ثابت نے انہ حزہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو مہر کیا دیا انہ حزہ نے کہا ان کو آزاد کیا اور نکاح کر لیا۔ (آزادی ہی مہر قرار پائی)۔

بعض چیزوں کی ممانعت صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا خیبر کے (قیام کے) زمانہ میں ہم سخت بھوک میں مبتلا ہو گئے (کھانے کی بڑی قلت تھی) خیبر کی جنگ کے دن کچھ پالتو گدھے ہمارے ہاتھ لگ گئے ہم نے انہیں کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں ہانڈیوں میں ابال آیا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی "ہانڈیاں الٹ دو گدھوں کا گوشت یا بالکل نہ کھاؤ"۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو فروخت کرنے کی ایک وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے صحبت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی اور فرمایا کیا وہ دوسرے کی کھیتی کو تم اپنے پانی سے سیراب کرو گے اور پالتو گدھے کے گوشت اور ہر لوک وار دانت (یعنی کیلوں) والے جانور کا گوشت سے بھی منع فرما دیا ہے رواہ الدار قطنی محمد بن عمرو کا بیان ہے ہمیں یاد نہیں گدھے ذبح کے تھے۔

آخری دو قلعے صلح غنیمت ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال پر مال لیتے اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ دو قلعے وطیح اور سلالم رہ گئے یہ دونوں آخری قلعہ تھے جو فتح نہیں ہوئے تھے یہودی باہر نہیں آتے تھے قلعہ بند ہو گئے تھے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کرانے کا ارادہ کر لیا (یہ کہ سنگ باری کر کے دیوار توڑ دی جائے) جب یہودیوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا اور ان کا محاصرہ ہو گیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی کو جس کا نام شاف تھا پیام صلح دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرطوں پر مصالحت تسلیم کر لی کہ جتنے لوگ قلعہ بند ہیں ان کی اور ان کے اہل و عیال کی جانیں محفوظ رہیں گی وہ جیسی سرزمین سے نکل جائیں سارا مال متاع سونا چاندی کپڑے زمین گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ سب چھوڑ جائیں اور جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں بس وہی پہنے ہوئے جا سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کچھ چھپا کر رکھو گے تو اللہ کی اور میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی اس شرائط پر یہودیوں نے صلح کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب وار ہر چیز پر قبضہ کر لیا ان دو قلعوں میں سو زرہیں چار سو تلواریں اور پانچ سو عربی کمانیں مع تیروانوں کے دستیاب ہوئیں اور کتیبہ میں پانچ سو کھا میں تیروانوں سمیت پہلے مل چکی تھی۔

کنانہ اور ربیع کا معاملہ ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مصالحت کی یہی تفصیل بیان کی ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہودیوں نے وعدہ کیا تھا کہ کوئی چیز چھپائیں گے نہیں اگر چھپائیں گے تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری ختم۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت صفیہ کے سابق شوہر کنانہ بن ابی الحقیق کو اور اس کے بھائی بیچ کو اور اس کے چچا کے بیٹے کو لایا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا حیی کا چمڑے کا (سونے سے بھرا ہوا) تھیلا کیا ہوا جو بنی نضیر لے کر آئے تھے دونوں بھائیوں نے کہا (ادا دی) مصارف اور لڑائیوں نے ان کو ختم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ تو تھوڑا ہی گذرا ہے اور مال بہت تھا (اتنی قلیل مدت میں سب سونا کیسے خرچ ہو گیا) تم دونوں نے یقیناً اس کو چھپا رکھا ہے اگر تم مجھ سے کچھ بھی چھپائے رکھو گے

اور پھر مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی تو تم دونوں کا قتل اور تمہارے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانا میرے لئے جائز ہو جائے گا کنانہ نے کہا ہاں۔ سبحٰی نے عروہ اور محمد بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس خزانہ کا مقام بتا دیا اور حضور نے کنانہ سے فرمایا بتلاؤ تم آسمانی تو جھوٹا ہے پھر ایک انصاری کو طلب فرما کر حکم دیا فلاں میدان میں جاؤ ایک درخت خرما دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ملے گا (دونوں کے بیچ میں زمین کے اندر ایک خزانہ ملے گا) جو کچھ وہاں ملے میرے پاس لے آؤ انصاری جا کر ایک برتن اور کچھ مال لے آئے جس کی قیمت دس ہزار دینار جانچی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی گردنیں مارنے اور دونوں کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانے کا حکم دے دیا کیوں کہ ان دونوں نے عہد شکنی کی تھی۔

خیبر کی ترمینیں: بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عمر اور موسیٰ بن عقبہ اور عروہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہودیوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہیں رہنے دیجئے ہم یہیں رہیں گے اور اس زمین کی خدمت انجام دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے پاس کاشت کاری سے واقفہ غلام نہ تھے اور خود اتنی فراغت نہ تھی کہ زمین کی (کھیتی باڑی) کا کام انجام دے سکتے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر اس کی درخواست منظور فرمائی کہ اناج اور کھجوروں کی پیداوار میں سے ان کو نصف دیا جائے گا اور باقی حصہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو (اسلوب پر) برقرار رکھیں گے۔ دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے۔

پیداوار کی منصفانہ تقسیم: ہر سال حضرت عبداللہؓ بن رواحہ جا کر وہاں کی پیداوار نکلوا کر ایک جگہ جمع کر کے نصف نصف تقسیم کر دیتے تھے یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شکایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی اور حضرت عبداللہ کو رشوت دینی چاہی حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اے دشمن خدا کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی طرف سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اور تم میری نظر میں بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ قابل نفرت ہو لیکن تم سے یہ نفرت اور ان سے یہ محبت مجھے تمہارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی یہودیوں نے کہا اسی عدل پر تو آسمان و زمین قائم ہیں غرض یہودی اپنی زمینوں پر بدستور قائم رہے۔

یہودیوں کی غداری اور خیبر سے جلاوطنی

جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو یہودیوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بکان کے اوپر سے پھینک دیا پھر دونوں ہاتھوں (کے پھونچیں) کو موڑ دیا گویا اکھاڑ دیا بعض روایت میں آیا ہے رات کو جب حضرت عبداللہؓ سو رہے تھے تو یہودیوں نے آپ پر جادو کیا صبح کو اٹھے تو ایسا معلوم ہوا کہ پہونچے انگوٹھوں کی طرف مڑ گئے ہیں گویا بندھے ہوئے ہیں جب آپ کے ساتھی آئے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو ٹھیک کیا یہ حالات دیکھ کر حضرت عمرؓ نے برسر عام ایک تقریر کی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سلسلہ میں یہودیوں سے مالی پیداوار کا ایک معاملہ کیا تھا اور فرمایا تھا جب تک اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے عبداللہ بن عمرؓ اپنے مال کے سلسلہ میں وہاں گئے تھے ان پر رات کو حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھوں کو موڑ دیا گیا یا اکھاڑ دیا گیا وہاں سوا ان یہودیوں کے اور کوئی ہمارا دشمن نہیں ہے (اس جرم میں) انہیں لوگوں کی اہمیت ہماری نظر میں ہے اس لئے میں ان کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں جس جس کا حصہ خیبر میں ہو وہ آ جائے اور (ارض خیبر کو) تقسیم کرا لے جب حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو قبیلہ بنی الحقیق کا ایک سردار آیا اور اس نے کہا آپ ہم کو جلاوطن نہ کیجئے ہم کو یہیں رہنے دیجئے جیسے ابوالقاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ نے ہم کو رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کیا تو بھول گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے فرمایا تھا تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تیز رفتار اونٹنی شباشب تجھے لئے از رہی ہوگی کہنے لگا یہ تو ابوالقاسم کا ایک مذاق تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو جھوٹا ہے عرض آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔

یہودیہ عورت کی چالبازی: شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن سعد و ابونعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور بعض دوسرے علماء نے حضرت جابرؓ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے میز ہری نے بیان کیا کہ مرحب کی بھتیجی سلام بن مسکم کی بیوی زینب نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے کدھ کا گوشت پسند ہے لوگوں نے کہا دست کا۔ زینب نے پوری بکری کا گوشت زہر آلود کر کے بھون کر حضرت صفیہؓ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا اور دست میں زیادہ زہر ملا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لائے حضرت بشر بن براء بن معرور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضرت صفیہؓ نے بھونی ہوئی (پوری) بکری خدمت میں پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دست لے کر کچھ گوشت اس میں سے نوچا (اور منہ میں رکھ کر) تھمایا اور بشر نے ہڈی لے کر اس میں سے گوشت نوچ کر حلق میں لیا ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بشر نے تو اس کو نگل لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا۔ زہری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور حضرت بشر نے بھی ایک لقمہ لیا حضور نے فرمایا ہاتھ کھینچ لو یہ بکری مجھے اطلاع دے رہی

ہے کہ وہ زہر آلود ہے حضرت بشر نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو عزت بخشی ہے میں نے بھی اپنے نوالہ میں یہ بات محسوس کی تھی لیکن آپ کے سامنے میں نے کھانے کو منہ سے پھینک دینا پسند نہیں کیا جب آپ نے اپنے منہ کے اندر نوالہ کو ناگوار محسوس نہیں کیا تو میں آپ کی جان سے اپنی جان کو عزیز رکھتا ایسا نہیں کر سکتا تھا مجھے یہی خیال تھا کہ نوالہ میں خرابی ہونے کے باوجود آپ نے توڑا ہو ایسا ہو نہیں سکتا حضرت بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے کہ طیلسان (چادر سبز یا زرد) کی طرح آپ کا رنگ ہو گیا اور وفات ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہند کو بلوا کر اپنے کندھے پر پچھنے (خون بھری سینگھی) لگوائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچ تو گئے لیکن یہ دکھ وقت وفات تک رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زہریلی بکری کا جو لقمہ خیبر کے دن میں نے کھایا تھا اس کا اثر میں برابر محسوس کرتا رہا (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درگذر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودن کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کیا تو نے بکری (کے گوشت) کو زہر آلود کیا تھا یہودن نے کہا جی ہاں فرمایا تو نے یہ حرکت کیوں کی کہنے لگی میری قوم کی جو درگت آپ نے بنائی آپ سے پوشیدہ نہیں ہے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص بادشاہ ہے تو میں اس سے نجات پا جاؤں گی اور اگر نبی ہے تو اس کو اطلاع مل جائے گی (اس اقرار کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگذر فرمائی۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بوساطت معمر زہری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا سلیمان تیمی نے اسی پر جزم کیا ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے کہا اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو میرے ذریعہ سے لوگوں کو آپ (کی اس فتنہ انگیزی) سے سکھ مل جائے گا اب مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ آپ سچے ہیں میں آپ کو اور آپ کے پاس جو لوگ موجود ہیں ان کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کا بیان ہے جب وہ مسلمان ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

مختلف روایات میں تطبیق: محمد بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ (سارا) گوشت جلا دیا گیا حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جب حضرت بشر بن براء کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس یہودن کو قتل کرا دیا گیا رواہ ابوداؤد عن محمد بن عامر باسانید لہ۔ اس روایت میں ہے کہ اس یہودن کو بشر کے اولیاء کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ بیہقی نے کہا احتمال ہے کہ پہلے چھوڑ دیا ہو (پھر قتل کرا دیا ہو) سہیلی نے کہا آپ اپنی ذات کا انتقام لینا نہیں چاہتے تھے اس لئے (پہلے) چھوڑ دیا پھر حضرت بشر کے قصاص میں قتل کرا دیا حافظ نے کہا چونکہ وہ مسلمان ہو گئی تھی اس لئے چھوڑ دیا پھر جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو قصاص واجب ہو گیا اس لئے قتل کرا دیا۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے فرمایا ہم یمن میں تھے وہاں ہم کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے (مدینہ کو) روانہ ہو گئے ہم بھی وطن سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کے ارادہ سے چل پڑے (لیکن) کشتی نے ہم کو حبشہ میں جا پھینکا وہاں حضرت جعفر بن ابی طالب سے ہماری ملاقات ہو گئی حضرت جعفرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں بھیجا تھا اور یہیں قیام کرنے کا حکم دیا تھا تم بھی ہمارے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤ۔ ہم بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ یہیں قیام پذیر ہو گئے (پھر کچھ مدت کے بعد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے تو ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت میں) ہمارا بھی حصہ لگا دیا سواء اصحاب سفینہ (یعنی حضرت جعفرؓ حضرت موسیٰؓ اور دوسرے مہاجرین حبشہ) کے اور کسی ایسے شخص کو خیبر کے مال میں حصہ دار نہیں بنایا جو فتح خیبر کے وقت وہاں موجود نہ تھا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں نہیں جانتا کہ دونوں باتوں میں سے کسی سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی خیبر کی فتح یا جعفرؓ کے واپس آنے سے۔ حضرت جعفرؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھائی تو (آپ پر) کچھ خجالت طاری ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے ساتھیوں سے فرمایا تمہارے لئے دو ہجرتیں ہیں (مکہ سے حبشہ کو جانا اور ترک وطن کرنا پھر حبشہ سے مدینہ میں آنا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا (یعنی پیشانی چوم لی) رواہ البیہقی۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور قبیلہ دوس والوں کا آنا

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں اور قبیلہ دوس کے اسی گھر مدینہ میں آئے پھر خیبر میں اس وقت پہنچے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نطاۃ کو فتح کر چکے تھے اور کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ہم سب وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ اللہ نے فتح عنایت فرما دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مسلمان کے ساتھ مال غنیمت میں ہمارے حصے بھی لگا دیئے۔ رواہ احمد البخاری فی التاریخ والحاکم والبیہقی وابن خزیمۃ والطحاوی۔

فدک کا قصہ

خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو (خیبر والوں کے ساتھ) معاملہ کیا تھا فدک والوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے درخواست صلح کے لئے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور گذارش کی کہ ہماری جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ لے لیں اور ہم کو چلا جانے دیں ہم سارا مال یہیں آپ کے لئے چھوڑ جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عرض داشت قبول فرمالی لیکن شرط یہ لگادی کہ (اب تو تم یہیں ٹھہرو اور کام کرو) آئندہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے اہل فدک اس پر راضی ہوگئے۔ (چونکہ خیبر پر قہقہ جنگ کے بعد ہوا تھا اس لئے) خیبر (کے مال) میں سب مسلمان مجاہد شریک ہوئے اور فدک (پر قہقہ بغیر جنگ کے ہوا تھا اس لئے) خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت رہا مسلمانوں کو فدک پر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے (یعنی لشکر کرنے) کی ضرورت نہیں پڑی۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کی طرح ان کو بھی جلاوطن کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ

اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی تھی

اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ

اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر

شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾

چیز کر سکتا ہے ☆

فتح مکہ کی بشارت ☆ یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خیبر دی۔ اور مکہ کی فتح جو اسوقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کرلیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح حدیبیہ کا ہے۔ (تفسیر جلالی)

یا احاطہ سے مراد ہے علمی احاطہ یعنی اللہ کا علم ان کو محیط ہے اللہ ان کو تمہارے لئے فتح کرانا جانتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۔ یعنی اگرچہ تم ان پر قدرت نہیں رکھتے مگر اللہ ہر چیز پر قادر رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا

اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے

الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ

پیٹھ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور

لَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾

نہ مددگار ☆

اس وقت صلح ہی قرین حکمت تھی ☆ یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے کوئی مدد کر کے ان کو آفت سے نہ بچا سکتا مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہو جائے اور اسکی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ

رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے

قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾

پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے ☆

سنت اللہ ☆ یعنی جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کئے جاتے ہیں یہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدیل و تغیر نہیں ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بہیات مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں اور بعض نے "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا" کے معنی یوں گئے ہیں کہ اللہ کی عادت کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہئے تھا۔ (تفسیر جلالی)

یعنی اللہ نے یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری کر دیا ہے کہ اللہ کے اولیاء و انبیاء اللہ کے دشمنوں پر غالب رہینگے۔ دوسری آیت میں آیا ہے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ میں اور میرے رسول بلاشبہ غالب آئیں گے۔ دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اللہ کا گروہ ہی فلاح یاب ہوگا۔ تیسری جگہ ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ

اور وہی ہے جس نے روک رکھا اُن کے ہاتھوں کو تم سے

وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے بیچ شہر مکہ کے

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ؕ

بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو ☆

مشرکین کی فتنہ انگیزی ☆ مشرکین کی کچھ نوبیاں "عدیبیہ" پہنچتی نہیں کہ موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں اور یا اکیلے اکیلے مسلمانوں کو ستائیں چنانچہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر ڈالا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا آیت ہذا میں اس قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے اور "بِبَطْنِ مَكَّةَ" (بیچ شہر مکہ کے) یعنی شہر کے قریب گویا شہر کا بیچ ہی سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول وَهُوَ الَّذِيْ الخ۔ سابق میں حضرت انس کی روایت گزر چکی ہے کہ اسی یا ستر کفار مکہ کو تنعیم سے اتر کر (مسلمانوں پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنے کے لئے) آئے تھے لیکن پکڑے گئے (اور حملہ نہ کر سکے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایات میں آیا ہے کہ تیس جوان ہم پر (حملہ کرنے کے لئے کوہ تنعیم) سے نکل کر آئے تھے۔ حضرت مسلم بن اکوع کی روایت ہے کہ میں نے چار آدمیوں پر اپنی تلوار سونت لی تھی۔ الحدیث۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

دیکھتا ☆

☆ یعنی ان کی شرارتیں اور تمہارا ضبط و تحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ

یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ

مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی

مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنے جگہ تک ☆

مشرکین کی زیادتیاں ☆ یعنی حرم کے اس حصہ تک قربانی کے جانور پہنچنے نہ دیے جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے حدیبیہ میں ہی رکے پڑے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ

اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں

مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ

ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے

فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بیخبری سے

لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ

کہ اللہ کو داخل کرتا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے ☆

مکہ میں موجود مومنین کے تحفظ کی حکمت عملی

☆ یعنی کچھ مسلمان مرد و عورت جو کہ مکہ میں معلوم و مشہور تھے اور مسلمان ان کو پوری طرح جانتے نہ تھے وہ لڑائی میں نادانستہ خبری سے پیس دیئے جائیں گے اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دے دیا جاتا لیکن ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو! مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تاوہ مسلمان محفوظ رہیں اور تم پر اس بے مثال صبر و تحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے ان کو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اس تمام قصے میں ساری ضد اور کعبہ کی بے ادبی ان (مشرکین) سے ہوئی۔ تم باادب رہے انہوں نے عمرہ والوں کو منع کیا اور قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچنے دی۔ بے شک وہ جگہ اس قابل تھی کہ اسی وقت تمہارے ہاتھ سے فتح کرائی جاتی، مگر بعض مسلمان مرد و زن مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور بعض لوگ جن کا مسلمان ہونا اب مقدر تھا اس وقت کی فتح مکہ میں وہ پیسے جاتے آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے کو تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکہ فتح کرا دیا"۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ ابن زید نے معرہ کا ترجمہ کیا گناہ کیونکہ قتل خطا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا اسی لئے قتل خطا کا کفارہ واجب ہے۔

شانِ نزول۔ طبرانی اور ابو یعلی راوی ہیں کہ حضرت ابو حمید بن سعد نے بیان کیا "دن کے ابتدائی (نصف) حصہ میں جب میں کافر تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کافروں کی طرف سے) لڑا اور پچھلے دن میں جب میں مسلمان ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہو کر (کافروں سے) لڑا۔ ہم تین مرد اور سات عورتیں تھے ہمارے ہی متعلق آیت وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ نازل ہوئی۔

نحوی نکتہ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ۔ رفتارِ کلام بتا رہی ہے کہ اس فقرہ کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی زبردستی مکہ میں داخل ہونے کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت یعنی اپنے دین یا جنت میں داخل کر دے۔

مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی کفار مکہ میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل فرما دے چنانچہ فتح مکہ کے دن بہت سے مشرک مسلمان ہو گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کمزور بے بس مسلمانوں کو اپنی دنیوی رحمت یعنی عافیت میں طویل مدت تک زندہ رکھے۔ (تفسیر مظہری)

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آدت ڈالتے ہم منکروں پر
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝
عذاب دردناک کی ☆

☆ یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں لے ملے نہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ
جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں
الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
کد نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اپنی طرف اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر ☆

جاہلیت کا تعصب ☆ نادانی کی ضد یہ ہی کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو اور ہتھیار کھلے نہ لاؤ۔ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھوا اور بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف محمد بن عبداللہ تحریر کرو۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب باتیں قبول کیں اور مسلمانوں نے سخت انقباض و اضطراب کے باوجود پیغمبر کے ارشاد کے آگے سر تسلیم جھکا دیا اور بالآخر اسی فیصلہ پر ان کے قلوب مطمئن ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَعَلَ۔ اذ ظرف (زمان) ہے اس کا تعلق عذّبنا سے ہے یا صدّوا سے۔ یا محذوف فعل کا یہ مفعول ہے کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو جما لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف سے روک دیا تھا اور معاہدہ کے کاغذ پر بِسْمِكَ اللّٰهُمَّ الْخَ لکھنے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا انہوں نے ہمارے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ اب ہم پر چڑھ آنا چاہتے ہیں۔ عرب کہیں گے کہ یہ ہم کو ذلیل کر کے اندر گھس پڑے ہیں لات اور عزیٰ کی قسم یہ لوگ (اس سال) مکہ میں نہیں داخل ہو سکتے حمیت جاہلیت سے یہی مراد ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو اطمینان خاطر عطا فرمایا انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور جنگ پر قدرت رکھنے کے باوجود لڑائی سے باز رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا
اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے
اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ
اسکے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر
شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
چیز سے خبردار ☆

صحابہ کرامؓ کی عظمت ☆ یعنی اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے اور کیوں نہ رہتے۔ وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے زبردست حامل تھے ایک پکا موحد اور پیغمبر کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات و رجحانات کو عین جوش و خروش کے وقت اللہ کی خوشنودی اور اسکے شعائر کی تعظیم پر قربان کر سکتا ہے۔ حقیقی توحید یہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت و عزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے شاید اسی لئے

حدیث میں "کلمۃ التقوی" کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے کیونکہ تمام تر تقویٰ وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا اور بلا شبہ اللہ کے علم میں وہ ہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ (تفسیر عثمانی)

کَلِمَةَ التَّقْوٰى ۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ، سدیؒ، ابن زیدؒ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ کلمۃ التقوی سے مراد ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر۔ عطاء بن ابی رباحؒ نے کہا کلمۃ التقوی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر۔ ہے عطاء خراسانی کے نزدیک لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مراد ہے۔ زہری نے کہا کلمۃ التقوی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے مآل سب کا ایک ہی ہے (یعنی کلمہ توحید مراد ہے)۔

کلمہ توحید ہر تقوی کی بنیاد اور سبب ہے۔ کلمۃ التقوی سے مراد ہے اہل تقوی کا کلمہ۔

الزوم سے مراد یہ ہے کہ ان کو کلمہ تقویٰ پر جمائے رکھا اور حمیت جاہلیت کو اُن سے دور کر دیا۔

اَحَقَّ بِهَا۔ یعنی کفار مکہ سے کلمہ تقوی کے زیادہ مستحق تھے۔

روافض کی تردید وَاَهْلَهَا ۔ یعنی اللہ کے علم میں وہ کلمہ تقوی کے اہل تھے۔ اس لئے اللہ نے اپنے دین کی مدد کرنے اور اپنے رسول کا صحابی بنانے کے لئے ان کا انتخاب کر لیا۔ روافض کہتے ہیں کہ صحابہ کرام کافر اور منافق تھے (نعوذ باللہ منہا)۔ اس آیت سے نیز آیت لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ سے روافض کے قول کی قطعیت ثابت ہوتی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۔ یعنی صحابہؓ کے دلوں میں جو ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مخفی ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا
اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب
بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
تحقیق کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ
اگر اللہ نے چاہا آرام سے ہاں مونڈتے ہوئے

رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ
اپنے سروں کو اور کترتے ہوئے بے کھٹکے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ☆ ابتدائے سورت میں ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ اتفاق سے آپ کا قصد اسی سال عمرہ کا ہو گیا صحابہ نے عموماً یہ خیال جما لیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ جس وقت صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہوئی اور بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امسال ایسا ہو گا عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بے شک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر کوئی بال کتروا کر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہو گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال یوں ہی ہوا آیندہ امن اسی کو فرمایا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا خواب دکھلایا باقی "ان شاء اللہ" فرمانا ابن کثیرؒ کے نزدیک تحقیق وتاکید کے لئے ہے اور سیوبہ کے نزدیک اس قسم کے مواقع میں قطعی طور پر ایک چیز کا تالنا کسی مصلحت سے مقصود نہیں ہوتا اور کرنا منظور ہوتا ہے وہاں یہ عنوان اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ
پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی
دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾
اُس سے دور ایک فتح نزدیک ☆

تعبیر خواب میں تاخیر کی مصالح ☆ یعنی پھر اللہ نے اپنے علم محیط کے موافق واقعات کا سلسلہ قائم کیا وہ جانتا تھا کہ خواب کی تعبیر ایک سال بعد ظاہر کرنے میں کس قدر مصالح ہیں جنکی تمہیں خبر نہیں اسلئے خواب کا وقوع امسال نہ ہونے دیا اور اس کے وقوع سے قبل تم کو لگتے ہاتھ ایک اور فتح عنایت کر دی۔ یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جسے صحابہ فتح مبین کہتے تھے جیسا کہ سورہ ہذا کے پہلے فائدہ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى
وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر

وَدِيْنِ الْحَقِّ

اور سچے دین پر ☆

اسلام ہر لحاظ سے سچا ہے ☆ یعنی اصول وفروع اور عقائد واحکام کے اعتبار سے یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

تاکہ اوپر رکھے اس کو ہر دین سے ☆

غلبہ کامیابی اسلام ہی کا مقدر ہے ☆ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت ودلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مرظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور! آپ کی عادت تو عہد توڑنے کی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آرہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ہم نے تو وہ سب یاجج بھیج دیئے۔ اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی نیکی اور وفاداری کرنے والے ہیں۔ سرداران کفار تو بوجہ غیظ وغضب اور رنج وغم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہوگئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور اونٹنی قصواء پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھے۔ ؎

بِاسْمِ الَّذِیْ لَا دِیْنَ اِلَّا دِیْنُهٗ بِاسْمِ الَّذِیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُهٗ
خَلُّوْا بَنِی الْكُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِهَا لِیَوْمِ نَضْرِبُكُمْ عَلٰی تَاْوِیْلِهٖ
كَمَا ضَرَبْنَاكُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِهٖ ضَرْبًا یُّزِیْلُ الْهَلْمَ عَنْ مَّقِیْلِهٖ
وَیُذْهِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِهٖ قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِهٖ
فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِهٖ بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِهٖ
یَا رَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِهٖ

یعنی اس خدا کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اے کافروں کے بچو! حضور کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا کہ آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹاوے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو ان صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرالظہران میں پہنچے تو صحابہؓ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اسے جمع کرو چنانچہ جمع کیا دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف میں آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریشی حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحابؓ سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں۔ اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجر اسود تک پہنچے۔ قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اسی طرح کئے چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالات کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اسکے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کے زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس

میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرے پر ہوتا ہے پس مؤمن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اوڑھا دیتا ہے اگر وہ پوشیدہ بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دیگا۔ برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ اچھا خلق اور میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے چڑتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل میں اور ان کے لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور اس سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝
اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنیوالا ☆

☆ یعنی اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنے فعل سے اسکو حق ثابت کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ
محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ
زور اور ہیں کافروں پر ☆

معاندین اسلام کے لئے صحابہ کی سختی

☆ یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" (توبہ رکوع ۱۶) وقال تعالیٰ "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ" (توبہ رکوع ۱۰)، قال تعالیٰ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ رکوع ۸) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ" علماء نے لکھا ہے کہ کسی کافر کے ساتھ احسان اور حسن سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو کچھ مضائقہ نہیں مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

شیعوں کی تردید اسی مضمون کی ایک اور آیت میں فرمایا ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ باہم عداوت و بغض رکھتے ہیں ان کو دولت نصیب ہو۔ ان کے مفر، طلبہ کے خلاف یہ آیت نص قطعی ہے۔ (تفسیر مظہری)

چار جگہ نام مبارک کا ذکر پورے قرآن میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے کے بجائے عموماً آپ کا ذکر اوصاف و القاب کیساتھ کیا گیا خصوصاً ندا کے موقع پر یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ، یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے نام کیساتھ ندا کی گئی یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ۔ پورے قرآن میں صرف چار جگہ آپ کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرمایا ہے جہاں اس کا نام کے ذکر ہی میں کوئی مصلحت تھی۔ اس مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں آپ کے نام کے ساتھ جب حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربانی اس کو منظور کر لینا قبول کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کیساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں لا کر اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا لکھا جائے گا۔

کافروں پر سخت ہونے کا مطلب صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ من احب للہ وابغض للہ فقد استکمل ایمانہ یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض و عداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اسی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کے کفار کے مقابلہ پر سخت ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ و رسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں ان کو اپنے رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کے علاقے اس کام میں مانع نہیں اور جہاں تک ان کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے وہ تو خود قرآن نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ (الی) اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ یعنی جو کفار

مسلمانوں کے درپے آزار اور مقاتلہ پر نہیں اُن کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے بیشمار واقعات ہیں جن میں ضعیف و مجبور یا ضرر مند کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کئے گئے ہیں اور انکے معاملہ میں عدل و انصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدان کارزار میں بھی عدل و انصاف کیخلاف کوئی کارروائی جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
نرم دل ہیں آپس میں ☆

آپس میں نرمی و محبت ☆ یعنی اپنے بھائیوں کے ساتھ مہربان ان کے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع و انکسار سے پیش آنے والے" حدیث" میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ "۔ (تفسیر ابن کثیر)

آپس میں محبت کی وجہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔ یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے زیر اثر وہ آپس میں نرمی اور دوستی کا سلوک کرتے ہیں محبوب کا دوست بھی محبوب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے میری عظمت کے زیر اثر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ (عاطفت) میں داخل کروں گا جبکہ میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ مرفوعا)

آگے ایک حدیث آئے گی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ان سے محبت کرے گا وہ میری ہی محبت کے زیر اثر کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
تو دیکھے اُن کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
اللہ کا فضل اور اُسکی خوشی ☆

خدا پرستی ☆ یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع و سجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت انکسار کے ساتھ وظیفۂ عبودیت ادا کر رہے ہیں۔ ریا و نمود کا شائبہ نہیں۔ بس اللہ کے فضل اور اُسکی خوشنودی کی تلاش ہے۔ (تفسیر جلالین)

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ۔ یعنی اکثر اوقات نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے کبھی رکوع میں ہوتے ہیں کبھی سجدہ میں۔ نماز اہل ایمان کی معراج ہے۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کی طرف سے جنت اور دیدار الٰہی۔ (تفسیر مظہری)

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
نشانی اُن کی اُن کے منہ پر ہے
اَثَرِ السُّجُوْدِ
سجدہ کے اثر سے ☆

چہروں کا نور ☆ یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت و خشوع اور حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال و ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔ (تفسیر جلالین)

سجدوں کی نشانی: عکرمہؒ نے اور سعید بن جبیر نے کہا پیشانیوں پر مٹی کے نشان مراد ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا اس کی وجہ سے تھی کہ وہ قروتی کے طور پر مٹی پر سجدہ کرتے تھے' کپڑے پر نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی نماز اُن کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار اُن کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مراد ان آثار سے وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع و خضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرہ پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ پیشانی میں جو نشان سجدہ کا پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں۔ خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں بروایت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں ہے۔ من كثر صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اسکا چہرہ حسین پُر نور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

مجاہد نے اس کی تفسیر میں حضرات صحابہ کا خشوع اور تقویٰ بیان کیا ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے ان للحسنة نورا فى القلب وضياء فى الوجه وسعة فى الرزق کہ نیکی کا نور قلب میں ہوتا ہے اور اس کی رونق چہرہ پر ہوتی ہے اور وہ رزق میں فراخی کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالک سے یہ منقول ہے فرمایا حضرات صحابہ کی خلوص نیت اور ان کے محاسن اعمال کا یہ اثر تھا۔ کہ جو بھی انکو دیکھتا اس کا دل گواہی دیتا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور نصاریٰ نے تو صحابہ کو دیکھ کر ہی شام کے راستے ان کے لئے کھول دیئے تھے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ لوگ تو عیسیٰ کے حواریوں سے بھی اچھے ہیں۔ ۱۲ تفسیر ابن کثیر۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ
یہ شان ہے اُن کی تورات میں اور مثال اُن کی

فِی الْاِنْجِیْلِ

انجیل میں ☆

☆یعنی پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور وطریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تورات وانجیل میں صحابہؓ کی مثال

امام بغویؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں ہے کہ شروع میں قلیل ہونگے پھر بڑھیں گے اور قوی ہونگے جیسا کہ حضرت قتادہؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ "ایک قوم ایسی نکلے گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی اور وہ نیک کاموں کا حکم اور بُرے کاموں سے منع کیا کرے گی (مظہری) موجودہ زمانہ کی تورات وانجیل میں بھی بیشمار تحریفات کے باوجود اسکی پیشین گوئی کے حسب ذیل الفاظ موجود ہیں۔

تورات باب استثنا ۱۲۳۔ ۱ تا ۳ کے یہ الفاظ ہیں۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اسکے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت اسکے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اسکے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بات مانیں گے"۔

پوری تفصیل مع دوسرے حوالوں کے اظہار الحق جلد سوم باب ششم ص ۲۵۶ میں ہے یہ کتاب عیسائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پادری فنڈ کے مقابلہ پر تحریر فرمائی تھی اس کتاب میں انجیل کی تمثیل کا اسطرح ذکر ہے۔ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ اس نے ایک اور تمثیل انکے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔ اور انجیل مرقس ۴ ۲۶ کے یہ الفاظ ہیں جو الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آ پہنچا (اظہار الحق جلد ۳) باب ششم ص ۳۱۰ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی آخر الزماں کا ہونا انجیل کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اُس کی کمر

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر ☆

چند افراد سے لاکھوں تک

☆حضرت شاہ صاحب کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا۔ پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں بعض علماء کہتے ہیں کہ "اخرج شطاہ" میں عہد صدیقی "فازرہ" میں عہد فاروقی "فاستغلظ" میں عہد عثمانی اور "فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ" میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" کو علی الترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہ ہیئت مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے مردوں میں صدیق اکبرؓ عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ ان کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو ☆

☆کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اسلئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ جب ایک چیز کا مبصر اسکو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ یعنی موٹی اور قوی اور خوبصورت ہو جانے کی وجہ سے وہ کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔

اللہ نے دونوں بیانوں میں صحابہ کرامؓ کی حالت بیان کی ہے پہلی تمثیل میں صلحاء امت اور تمام اولیاء ملت بھی شریک ہیں لیکن دوسری تمثیل صرف

صحابۂ کرامؓ کے اوصاف خصوصی کے ساتھ مختص ہے۔

مرحلہ بہ مرحلہ ترقی

اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مبعوث فرمایا' جیسے کاشتکار بیج زمین میں بوتا ہے' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ ایمان لائے۔ ان حضرات کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ، حضرت سعیدؓ حضرت حمزہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات مسلمان ہوئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ چالیسویں نمبر پر ایمان لائے شروع میں اسلام بے وطن (بے مددگار) تھا اسلام کو مٹانے کے لئے ہر طرف سے ٹھٹ کے ٹھٹ چڑھ آئے اگر اللہ کی حمایت نہ ہوتی تو ابتدائی پودے کی بالیدگی ہی نہ ہوتی' لیکن مہاجرین اور انصار کی کوششوں سے اللہ نے اس پودے کو قوی کر دیا' صحابہؓ نے اس نونہال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنے خون سے سینچا اور یہ سینچائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جاری رہی خصوصاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سینچائی برابر مسلسل چلتی رہی یہاں تک کہ اسلام پورا قوی مستحکم اور اپنے تنہ پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمام مذاہب پر غالب آ گیا اور کسی کی حمایت کا محتاج نہیں رہا آخر اللہ نے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ نازل فرما دی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "میری امت (کبھی) گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

حضور نے یہ بھی فرمایا 'میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کو قائم رکھے گا کسی کی مدد نہ کرنا اور کسی کی مخالفت کرنا اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام میدان فضیلت میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو ان کے کسی مرتبہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص (بالفرض کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے گا تو صحابی کا ایک سیر بلکہ آدھا سیر سونا راہ خدا میں صرف کرنے کے برابر نہ ہوگا۔ (صحیح بخاری و مسلم) امام احمد نے یہ حدیث اسی طرح حضرت انس کی روایت سے بیان کی ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرامی نے ارشاد فرمایا' اگر میرا کوئی صحابی کسی سرزمین میں مر جائے گا تو قیامت کے دن اس زمین کے رہنے والوں (کو جنت کی طرف لے جانے والا) قائد اور نور بنا کر اس کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ الترمذی عن بریدہؓ یہی مادۂ صحابیت اکثر صحابہؓ کے درمیان تفاوت مرتبہ کا ذریعہ تھا۔ جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے جیسے حضرت ابوبکرؓ یا دین کے ضعف کے زمانہ میں اسلام کو قوی کرنے اور مستحکم بنانے میں زیادہ حصہ لیا جیسے حضرت عمرؓ وہ دوسری صحابیوں سے افضل قرار پائے۔

ہم نے اپنی کتاب السیف المسلول میں عام صحابہؓ کے اور ان میں سے خاص حضرات کے فضائل کامل طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ تمام روایات اور شہادت عقل کو واضح طور پر ذکر کر دیا ہے۔

انجیل میں صحابہ کی مثال

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے انجیل میں صحابہؓ کی ایک مثال بیان کی ہے کہ شروع میں وہ تھوڑے (اور کمزور) ہوں گے پھر بڑھتے جائیں گے۔

قتادہ نے کہا' اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل انجیل میں اس طرح دی گئی ہے۔ ان لوگوں کی روئیدگی کھیتی (کے پودے) کی طرح ہوگی وہ بھلائی کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے باز داشت کریں گے۔

بعض لوگوں کے نزدیک کھیتی (کے پودے) سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور اس پودے کی سوئیاں ہیں صحابۂ کرامؓ اور دوسرے مؤمن۔

تمثیل کی تطبیق

مبارک بن فضالہ راوی ہیں کہ حسن نے فرمایا' محمد اللہ کے رسول ہیں اور اَلَّذِيْنَ مَعَهٗۤ ابوبکرؓ ہیں اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ عمر بن خطاب ہیں اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ عثمان بن عفان ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا علی بن ابی طالبؓ ہیں اور يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا باقی عشرہ مبشرہ (سعدؓ سعیدؓ ابوعبیدہؓ طلحہؓ زبیرؓ عبدالرحمن) ہیں یعنی جن اوصاف کا ذکر آیت کے مذکورہ فقروں میں کیا گیا ہے ان کے حاملین کے امام عشرہ مبشرہ ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیج کی کاشت کی' ابوبکرؓ نے اس کی ابتدائی کونپل نکالی' عمر بن خطابؓ نے اس کو قوت پہنچائی' عثمانؓ کے اسلام کی وجہ سے اس میں موٹائی آ گئی اور علی بن ابی طالب کی وجہ سے وہ پودا سیدھا اپنے تنہ پر کھڑا ہو گیا' حضرت علیؓ کی تلوار سے اسلام میں استقامت آ گئی۔

مدارک میں عکرمہ کا قول منقول ہے کہ ابوبکرؓ کی وجہ سے (اسلام کے بیج نے) اپنی سوئی برآمد کی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد فرمایا' آئندہ (کافروں کے ڈر سے) اللہ کی عبادت چھپ کر نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ

تا کہ جلائے اُن سے جی کافروں کا ☆

کافروں کا بغض

یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے۔ (تنبیہ رحمانی)

صحابۂ کرامؓ سے بغض کافروں کا کام ہے

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ ہم کی ضمیر الَّذِينَ مَعَهُ کی طرف راجع ہے یا معنوی طور پر منطا کی طرف راجع ہے کیونکہ پہلی سوئی جو اتا سے برآمد ہوئی ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو (آغاز اسلام کے زمانہ میں ہی) مسلمان ہو گئے۔ یعنی کافروں کو جلانے کے لئے اللہ نے اہل ایمان کو کافروں کے لئے سخت اور آپس میں مہربان اور نرم دل بنا دیا۔

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا صحابہؓ کے خلاف جس کے دل میں کوئی جلن اور ہو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو خدا کا خوف کرو خدا کا خوف کرو میرے بعد ان کو ہدف (نشانہ) نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ حقیقت میں مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا جس نے ان کو دکھ پہنچایا اس نے حقیقت میں مجھے دکھ پہنچایا اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو عنقریب اللہ اس کو پکڑے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابوعروہ زبیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالکؒ یہ آیت پوری تلاوت کر کے جب لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پر پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی (قرطبی) حضرت امام مالکؒ سے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو جاوے گا مگر یہ فرمایا کہ یہ وعید اس کو بھی پہنچے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
وعدہ کیا ہے اللہ نے ان سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں
الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
بھلے کام معافی کا اور بڑے

عَظِيْمًا ع ۲۹
ثواب کا ☆

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے وعدہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ وعدہ دیا ان کو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب ایسے ہی تھے۔ مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں۔ اس مالک سے اتنی شاباش بھی غنیمت ہے تم سورہ الفتح بفضل اللہ ورحمتہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (فیر رحمانی)

روافض کا کفر

مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام مالکؒ نے اس آیت سے روافض کی تکفیر پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان سے بعض نص قرآنی سے کفر ہے۔ امام مالکؒ کے اس قول اور فتوی کی تائید بہت سے اکابر۔ فقہاء اور ائمہ سے منقول ہے۔ امام مالکؒ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صحابہ کی شان میں تنقیص و توہین کرتا ہے تو اس پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا جو شخص بھی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ اس کے دل میں صحابہ سے بغض ہے تو یقیناً یہ آیت اسی پر منطبق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے رسول خدا کے اصحاب اس امت کے سب سے زیادہ مرگزیدہ اور متقی افراد تھے جن کا علم نہایت عمیق تھا اور ان میں تکلیف کا نام ونشان نہ تھا۔ اللہ نے ان کو اپنے پیغمبر کی مرافقت کے لئے اور اپنا دین قائم کرنے کے واسطے چنا تو ان کی فضیلت و عظمت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو جہاں تک بھی تم سے ہو سکے۔ روح المعانی۔ سنن نسائی۔ جامع ترمذی۔ ۱۲ (معارف کاندھلوی)

تمام صحابہ عدول ہیں

اہل السنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابی عادل تھے (کوئی فاسق اور غیر صالح نہ تھا) اور سب مغفور تھے (اللہ نے ان کی مغفرت فرمادی)۔ (تفسیر مظہری)

ابن عبدالبر نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ وہ رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدًا یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی بناء پر ارشاد فرمایا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی آگ میں نہ جائیگا تو یہ وعدہ جو صالحۃ انہی کے لئے کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا مستثنی ہونا قطعاً باطل ہے اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب عادل وثقہ ہیں۔

صحابۂ کرام سب کے سب اہل جنت ہیں اُن کی خطائیں مغفور ہیں اُن کی تنقیص گناہِ عظیم ہے

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہے جن میں چند آیات تو اسی سورت میں آ چکی ہیں سورۂ انبیاء میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے خسنی کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم (بخاری) یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اسکے بعد اُس زمانے کے لوگ بہتر ہیں جو میرے زمانے کے متصل ہیں پھر وہ جو اُسکے متصل ہیں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ (اُن کی قوت ایمان کی وجہ سے ان کے حال یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کر دے تو وہ اُسکے خرچ کئے ہوئے کے ایک مد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف مد کی برابر۔ مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آٹھ سیر کے برابر ہوتا ہے (بخاری) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہان میں سے پسند فرمایا ہے پھر میرے صحابہ میں میرے لئے چار کو پسند فرمایا ہے۔ ابوبکر عمر عثمان علی رضی اللہ عنہم (رواہ البزار بسند صحیح) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد ان کو طعن تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اُس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اُس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اسکو عذاب میں پکڑ لے گا۔ (رواہ الترمذی عن عبداللہ بن المغفل ارجح الفوائد) (معارف مفتی اعظم)

الحمد للہ سورۃ الفتح ختم ہوئی

سورة الحجرات

جو شخص حواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا اللہ کے بندوں کے دلوں میں صلح آشتی پیدا کرے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيْ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ
اے ایمان والو آگے نہ بڑھو
يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
اللہ سے اور اُسکے رسول سے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق

یعنی جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کرو۔ جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون وچرا اور بلا پس وپیش عامل بن جاؤ اپنی اغراض اور اہواو آراء کو ان کے احکام پر مقدم رکھو۔ بلکہ اپنی خواہشات وخواہات کو احکام سماوی کے تابع بناؤ (تنبیہ) اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھلائے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط ومستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر تنازعات ومناقشات خودرائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جسکا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی سی تکلیف اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اگر آپ چل رہے ہیں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپکی تصریح یا قرائن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنت میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

علمائے دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور وائل اسکی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہوا جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر و افضل ہو (روح البیان از کشف الاسرار) اسلئے علماء نے فرمایا کہ اپنے اُستاد اور مرشد کیساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَا تُقَدِّمُوْا۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش دستی نہ کرو نہ قول میں نہ فعل میں۔

بَيْنَ يَدَيْ۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان سے پہلے اپنا فیصلہ نہ کرو نہ قولی نہ فعلی۔

ضحاک نے کہا یعنی جہاد اور قوانین دین کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے فیصلہ نہ کرو۔

ابوعبیدہ نے کہا عرب کہتے ہیں لا تقدم بين يدي الامام لا تقدم بين يدي الاب یعنی حکم دینے ممانعت کرنے اور جھڑکنے میں عالم اور باپ سے عجلت نہ کرو۔

آنحضرت کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے

بعض اہل علم نے کہا کہ اصل مقصد ہے اللہ کے رسول کے سامنے پیش دستی کرنے کی ممانعت اللہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف ایماء کرنا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول پر تقدیم گویا اللہ پر تقدیم ہے۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور آپ سے بے ادبی کرنی اللہ سے بے ادبی کرنی ہے۔

عید نماز سے پہلے قربانی نہ کرو:

حضرت براءؓ بن عازب کا بیان ہے کہ قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطاب کیا اور فرمایا آج سب سے پہلے ہم نماز ادا کریں پھر واپس آ کر قربانی کریں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پالیا اور جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی تو یہ (قربانی نہیں بلکہ) معمولی گوشت ہے جو گھر والوں کے لئے اس نے پہلے سے تیار کر لیا ہے قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں (متفق علیہ) حضرت جندبؓ بن عبداللہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی۔ پھر فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے (متفق علیہ)

احادیث مذکورہ کی روشنی میں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ امام کی نماز سے پہلے قربانی کرنی جائز نہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا وبیات میں چوں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے فجر صادق کے طلوع کے بعد قربانی کرنی جائز ہے باقی تینوں اماموں کا قول اس کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل:

یہ ہے کہ نماز سے قربانی کو مؤخر کرنے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز سے پہلے قربانی کی جائے گی تو ممکن ہے کہ قربانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز سے کچھ غفلت ہو جائے لیکن وبیات میں چوں کہ عید کی نماز ہی نہیں ہے۔ اس لئے قربانی کی تاخیر کی کوئی مصلحت ہی نہیں۔

شان نزول: طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ ماہ رمضان شروع ہوتے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھتے سے بھی اول روزے رکھ لیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ نے آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل فرمائی۔

رمضان سے پہلے روزے رکھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان شروع ہونے سے دو ایک روز پہلے روزے رکھنے نہ شروع کر دیا کرو۔ ہاں وہ شخص رمضان سے دو ایک روز سے پہلے روزہ رکھ سکتا ہے جو برابر روزے رکھتا چلا آیا ہے۔ رواہ اصحاب الصحاح والسنن الاربعۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اور ڈرتے رہو اللہ سے سنتا ہے جانتا ہے ☆

سچی فرمانبرداری کی شرط

یعنی اللہ و رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہو سکتی ہے

جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں ڈر نہیں تو بظاہر دعوی اسلام کو بجا ہے کے لئے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر ان کے احکام کو آگے رکھے گا لیکن فی الحقیقت ان کو اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ اور آلہ کار بنائے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ اسے سنتا اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے پھر اسکے سامنے یہ فریب کیسے چلے گا چاہئے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ

اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ

نبی کی آواز سے اوپر اور اُس سے نہ بولو کھل کر

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

جیسے کھلتے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں

اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو ۲

مجلس نبوی کے آداب

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا خوش گپیاں کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لہجہ میں ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکلیف پہنچ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

احادیث کی مجلس اور روضۂ نبوی کے آداب

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہئے اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہوں وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء، علمائے ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہئے تاجماعتی نظام قائم رہے۔ فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام جس طرح حیات مبارکہ میں تھا اب بھی ضروری ہے

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام و توقیر اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ونبوی حیات مبارکہ میں لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کی حرمت و ممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے۔ اس لئے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور سخت لب و لہجہ اختیار کرنا ممنوع ہے وقار و سکون اور تعظیم و تکریم ملحوظ رکھتے ہوئے بات کرے۔ (تفسیر ابن کثیر) (معارف کاندھلوی)

مجلس نبوی کا ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے چنانچہ اس آیت کے نزول سے صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح باتیں کریں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (درمنثور عن البیہقی) اور حضرت عمرؓ اسقدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیس طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا (بیان القرآن از درمنثور)

روضۂ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ممنوع ہے

قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر اسکا سننا واجب و ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

پیغمبر کی گستاخی کفر ہے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ۔ اس ڈر سے کہ کہیں تمہارے سارے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔ یہ ممانعت کی علت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے آپ کی آواز سے اپنی آواز کو اونچا کرنا توہین نبی پر دلالت کرتا ہے اور توہین نبی کفر ہے اور کفر حبط اعمال کا موجب ہے پس نبی کے آواز سے اپنی آواز اونچی کرنی اگر اہانت نبی کی ارادہ سے ہو تو کفر ہے اور اگر لاپرواہی اور نگہداشت ادب کے فقدان کے زیر اثر ہو تو برکات صحبت سے محرومی کی موجب ہے۔ صحابیت کے فائدہ سے محرومی ہو جائے تو ایسی صحابیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ
دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے ☆

ادب کی بنیاد ☆ یعنی جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تواضع اور ادب تعظیم سے بولتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست کرتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے پرکھ لیا ہے اور مانجھ کر خالص تقویٰ و طہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں قرآن، پیغمبر، کعبہ، نماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو" وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ " (الحج رکوع ۴) یہاں سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ؟ جواب دیا سنت رسول اللہ کے ساتھ فرمایا اگر نہ پاؤ۔ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو یہ توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو (ابوداؤد)

حضرت سفیان ثوری کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

حضرت ثابت بن قیس کا حال ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے ادھر حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہؓ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابتؓ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن جب عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابتؓ وہاں تھیں مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں یہاں آ کر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز کو آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ الخ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اس طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔

نافرمانیوں سے بچنے والے امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفسار لیا گیا کہ اے امیر المؤمنین ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا ان میں

اصل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُولٰٓئِکَ - یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ کی تعظیم کی وجہ سے پست آواز سے کلام کرنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے اور ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے کلام کرنا (اور شور غل مچانا) اللہ کے نزدیک بہت ہی برا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ ہم اپنے سامنے ضخی یعنی ثابت بن قیس کو جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی چلتے پھرتے دیکھتے تھے (اور جانتے تھے کہ یہ دوزخی ہیں) اور ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تم قابل ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا تو ثابتؓ کو (شروع میں) مسلمانوں میں کچھ شکست کی حالت نظر آئی بلکہ ایک جماعت تو شکست کھا کر بھاگ بھی پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ثابتؓ نے کہا۔ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ پھر حضرت سالمؓ سے فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں تو ہم اللہ کے دشمنوں سے اس طرح نہیں لڑتے تھے اس قول کے بعد دونوں حضرات نے توبہ کی۔ پھر اناسخت قتال کیا کہ حضرت ثابتؓ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں آپ نے اس صحابی کو بتایا کہ میری زرہ ایک مسلمان اتار کر لشکر کے کنارہ پر ایک جگہ لے گیا۔ وہاں گھوڑا رسی سے بندھا ہوا ہے اور زرہ پر پتھر کی ایک ہانڈی رکھ دی ہے۔ تم خالدؓ بن ولید سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ سے جا کر یہ بات کہہ دو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے۔ اور میرا فلاں غلام آزاد ہے (یعنی میں آزاد کرتا ہوں) اس صحابی نے حضرت خالدؓ سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ حضرت خالدؓ نے جا کر دیکھا تو زرہ اور گھوڑا ایسے ہی پایا جیسا بیان کیا تھا آپ نے زرہ واپس لے لی حضرت خالدؓ نے یہ خواب حضرت ابوبکرؓ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے حضرت ثابتؓ کی وصیت پوری کر دی حضرت مالکؓ بن انس نے فرمایا اس وصیت کے علاوہ مجھے کوئی ایسی دنیاوی وصیت معلوم نہیں جس کو پورا کیا گیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

انکے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا ☆

☆ یعنی اس اخلاص احترام شناسی کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ

بے شک جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو

الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ

اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا

اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ

ان کی طرف تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بخشنے والا مہربان ہے☆

واقعہ بنو تمیم ☆ بنی تمیم ملنے کو آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے لگے "یا محمد اخرج الینا" (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر آیئے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے کیا معلوم ہے اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ یا کسی اور مہم کام میں مشغول ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور کا مرکز و ملجا تھی کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے چاہیئے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہئے تھا ایسا کیا جاتا تو ان کے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور نادانستگی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا

ہے۔ چاہئے کہ اپنی تقصیر پر نادم ہو کر آئندہ ایسا رویہ اختیار نہ کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں اور منتشر جذبات جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی وہ ایمانی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوۃ کا نظام قائم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف فرما ہوتے تھے۔

حجرات امہات المؤمنین ابن سعد نے بروایت عطاء خراسانی لکھا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر موٹے سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے مسقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہوگا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی ساتھ آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات امہات المؤمنین ولید بن عبدالملک کی حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ مدینہ میں اس روز لوگوں پر گریہ و بکا طاری تھی۔

تنبیہ صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابیؓ سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو انکے مکان پر پہنچ کر ان کو آواز یا دروازہ پر دستک دینے سے پرہیز کرتا اور دروازہ کے باہر بیٹھ جاتا تھا کہ جب وہ خود ہی باہر تشریف لائیں گے اس وقت ان سے دریافت کروں گا۔ وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی آپ نے دروازہ پر دستک دیکر یوں نہ اطلاع کر دی تو ابن عباس نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اسکا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات کروں گا (روح المعانی)

مسئلہ آیت مذکورہ میں حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ میں اِلَیْهِمْ کی قید بڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر و انتظار اسوقت تک کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات و گفتگو کے لئے باہر تشریف لائیں اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہر تشریف لانا کسی دوسری ضرورت سے ہو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اسکا انتظار کریں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں۔ اگر واقعات متعدد مانے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ کبھی ایک حجرہ کے باہر سے اور کبھی دوسرے حجرہ کے باہر سے پکارتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ اکثر بے سمجھ ہیں۔

سبب نزول ثعلبی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حجروں کے باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیینہؓ بن حصین اور اقرع بن حابس نے پکارا تھا۔ یہی دونوں ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بی بی کے حجرہ میں سو رہے تھے۔ انہیں دونوں نے پکار کر کہا تھا۔ محمد! باہر آؤ۔ ابن جریر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اقرعؓ بن حابس نے کہا تھا۔ محمد ہمارے پاس باہر آؤ۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عبدالرزاق نے بوساطت معمر قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ محمد میں جس کی تعریف کر دوں تو اس کے لئے میری تعریف جمال آفریں ہو جاتی ہے اور کسی کو برا کہہ دوں تو میرا برا کہنا اس کے لئے موجب عیب ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا تو صرف اللہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے (کسی صحابی کا نام اس روایت میں نہیں ہے) لیکن اس کی شاہد وہ حدیث ہے جو نزول آیت کے متعلق حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے مرفوعاً آئی ہے ابن جریج نے حسن کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

بغوی نے قتادہ اور جابرؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ آیت (یعنی یہ آیت اور اس کے بعد کی عبارت) بنی تمیم کے کچھ خانہ بدوش بدویوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے دروازہ پر (پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) آوازیں دی تھیں۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے پکار مچائی۔ محمد! باہر نکل کر آؤ۔ ہماری طرف سے (کسی کی) تعریف (اس کے لئے) باعث زینت ہے اور ہماری طرف سے (کسی کی) مذمت موجب عیب ہے آواز سن کر حضور یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ایسا تو بس اللہ ہے۔ جس کی طرف سے کسی کی ستائش موجب زینت اور مذمت موجب عیب ہے۔ دیہاتی بولے ہم اپنے شاعر اور خطیب کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔

خطیب اور شاعر آمنے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس سے فرمایا۔ آٹھو ان کو جواب دو۔ حضرت ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ حسب الحکم آپ نے بنی تمیم کے خطیب کو جواب دیا۔ پھر ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو حکم دیا۔ اٹھو ان کو جواب دو۔ حضرت حسانؓ نے اٹھ کر جواب دیا۔ یہ بات دیکھ کر اقرعؓ بن حابس (تمیمی) نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو ہر خیر جمع ہے۔ ہمارا خطیب بولا (تو ان کا

خطیب بھی بولا اور ہمارے خطیب پر غالب آیا۔ پھر ہمارے شاعر نے کچھ اشعار پڑھے تو ان کے شاعر نے جواب دیا) پس (ہمارے شاعر سے) تمہارا شاعر احسن ثابت ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا اور بول پڑا۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسوله۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے پہلے (تجھ سے) جو جرائم ہو گئے ہیں (وہ سب معاف ہو گئے) ان کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔ (یعنی کوئی مواخذہ نہیں کیا جائے گا) اس کے بعد ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ نقد اور) لباس عطا فرمایا۔ قافلہ میں ایک (بچہ) کم سنی کی وجہ سے رو گیا تھا۔ جس کا نام عمرو بن اصم تھا۔ قافلہ کے مال اور جانوروں کی نگرانی کے لئے یہ لوگ اس کو چھوڑ آئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اتنا ہی (حصہ) دیا۔ بقیہ ان لوگوں میں سے ایک ایک کو دیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس لڑکے کو (اپنے مغالبہ میں) حقیر قرار دیا (اور پورا حصہ دینے پر اعتراض کیا)۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قبیلہ) بنی العنبر کی طرف ایک جہادی دستہ عیینہؓ بن حصین فزاری کے زیر کمان روانہ کیا۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ عیینہ کا رخ ہماری طرف ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ نے ان کے اہل وعیال کو قید کر لیا اور لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ان کے مرد اپنے بچوں کو زر فدیہ ادا کر کے رہا کرانے کے لئے آ گئے۔ جس وقت وہ آئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بی بی کے حجرہ میں قیلولہ کر رہے تھے۔ ان کے بچوں نے جب اپنے باپوں کو دیکھا تو بیتاب ہو کر رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بی بی کا ایک مخصوص حجرہ تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے سے پہلے ہی جلدی میں پکارنے لگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! باہر آیئے۔ غرض (شور مچا کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ لے کر ہمارے اہل وعیال کو رہا کر دو۔ اس وقت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان کسی تیسرے شخص کو (بطور ثالث) مقرر کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی پانے کے بعد فرمایا۔ سبرہ بن عمرو تمہارا ہم مذہب ہے۔ کیا تم لوگ اس کو میرے اور اپنے درمیان ثالث بنانا پسند کرو گے؟ ان لوگوں نے جواب دیا جی ہاں سبرہ نے کہا۔ جب تک میرا بھانجا اعور بن بشامہ یہاں موجود نہ ہو گا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا یعنی اعور سے فیصلہ کراؤں گا۔ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ لوگ راضی ہو گئے۔ اعور نے فیصلہ ان کے آدھے اہل وعیال کو بغیر معاوضہ کے آزاد کیا جائے اور باقی نصف کو فدیہ لے کر رہا کیا جائے حضور نے فرمایا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ نصف کو بلا معاوضہ اور نصف کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اور اللہ نے آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ نازل فرما دی۔

عقلمندی کا تقاضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملنے کی ضرورت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی حاجت تھی۔ اس لئے عقل کا تقاضا تھا کہ ایسی شخصیت جن کی عظمت مرتبہ اللہ کی طرف سے بے مثال تھی۔ اس کی وہ لوگ تعظیم کرتے اور نفسانی اغراض کے زیر اثر جو کار برداری میں عجلت پسندی کی تھی۔ اس سے اپنے آپ کو روکے رکھتے اور اس وقت تک اپنے مقصد کو پیش کرنے سے رکے رہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (مقررہ وقت پر قیلولہ کے بعد اٹھ کر) باہر تشریف لے آتے اور خود ہی کلام کا آغاز فرماتے تو یہ فعل ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بے ادبی نہ ہوتی اور اللہ کے رسول کی تعظیم بھی ہوتی۔ اور پھر اس کا ثواب بھی ملتا اور ان کے عمل کو قابل ستائش قرار دیا جاتا اور کام بھی پورا ہو جاتا۔ مقاتل نے بہتر ہونے کا یہ مطلب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ

اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار

بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ

خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

پھر کل کو اپنے کئے پر پچھتانے ☆

نزاعات کا انسداد ☆ اکثر نزاعات و مناقشات کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے اول اختلاف و تفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کر و فرض کیجئے ایک بے راہرو اور تکلیف دہ آدمی اپنے کسی خیال اور جذبہ سے۔ بے تکا ہو کر کسی قوم کی شکایت کی تم شخص اس کے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے بعد ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا۔ تو خیال کرو اس وقت کس قدر پچھتانا پڑے گا اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہو گی اور اسکا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے ان پر کوئی الزام لگائے تو اسکی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلقہ احکام و مسائل

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس آیت میں ایک قراءت فَتَثَبَّتُوْا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اسکا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے اس لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں۔ البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔

مسئلہ یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل کیا جائز ہے اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الاحکام وغیرہ میں ہے۔

صحابہؓ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا بنصوص قرآن وسنت کی بناء پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ الآیۃ (معارف معنی اعظم)

سبب نزول احمد وغیرہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا کہ حارثؓ بن ضرار خزاعی نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اقرار کر لیا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضور نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دی میں نے اس کا بھی اقرار کر لیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی قوم کے پاس واپس جاؤں گا اور ان کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا جو شخص میری دعوت قبول کرے گا میں اسکی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ اب میرے پاس فلاں فلاں اوقات میں تم کسی کو بھیج دیں کہ وہ زکوٰۃ کا مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ (یہ کہہ کر حارث چلے گئے اور) زکوٰۃ جمع کر لی۔ جب مقررہ وقت آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد نہیں پہنچا پایا تو حارث نے خیال کیا کہ میرے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ناراضگی ہو گئی۔ اس لئے انہوں نے سرداران قوم کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے قاصد بھیجنے کا ایک وقت مقرر فرما دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے معلوم ہوتا ہے کہ قاصد کو راستہ لینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی وجہ سے ہی قاصد کو نہیں بھیجا ہے) اس لئے تم سب چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود (مال لے کر) حاضر ہو جائیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کو حارثؓ کے پاس بھیج چکے تھے۔ تاکہ زکوٰۃ کا جو مال حارثؓ نے جمع کیا ہوا اس کو وصول کر لیں۔ ولید راستہ تو ہو گئے لیکن ڈر کر (راستہ ہی سے) لوٹ آئے۔ اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ حارثؓ نے تو زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کر دینا چاہا (اس لئے میں بھاگ آیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کا ایک دستہ حارث کے پاس بھیجا۔ حارثؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے آتے ہوئے مل گئے۔ اس دستہ کے استقبال کے لئے وہ بیچ سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حارثؓ نے دریافت کیا تم لوگوں کو کس طرف بھیجا گیا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ تمہارے پاس۔ حارثؓ نے کہا۔ کیوں؟ ان لوگوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس ولید بن عقبہ کو بھیجا تھا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ حارثؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور ولید کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ حارث نے کہا۔ نہیں قسم ہے اس کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ولید کو دیکھا بھی نہیں نہ وہ میرے پاس آیا۔ غرض حارثؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اور میرے قاصد کو قتل کر دینا چاہا تھا۔ حارثؓ نے کہا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا ہے ایسا تو (بالکل) نہیں ہوا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو اگر کوئی شریف آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (کہیں) کسی قوم کو اتجانے میں ضرر نہ پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے اور عاصمہ ابن ثابتہ اور حضرت ام سلمہ کے حوالہ سے نقل کی ہے ابن جریر نے بھی بوساطت عوفی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کو بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بنی مصطلق اور ولید کے درمیان عداوت تھی۔ بنی مصطلق کے لوگوں نے جب ولید کے آنے کی خبر سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے احترام میں ولید کے استقبال میں نکل آئے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ وہ لوگ ولید کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے راستہ سے ہی لوٹ آیا اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے کہہ دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ بنی مصطلق کو جب ولید کے لوٹ جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ جب ہم نے آپ کے قاصد (کے روانہ ہو جانے) کی خبر سنی تو ہم اس کے استقبال واحترام کے لئے اور اللہ کا جو حق ہم نے قبول کیا تھا اس کو ادا کرنے کے واسطے نکل آئے۔ لیکن واپس لوٹ پڑنا ہی اس کو مناسب معلوم ہوا۔ اس سے ہم کو اندیشہ ہوا کہ شاید راستہ سے لوٹ پڑنے کی یہ وجہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا کوئی خط راستہ میں اس کو پہنچ گیا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔ ہم اللہ کے اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ کے خواستگار ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی المصطلق کی صداقت کا یقین نہیں آیا اور آپ نے خالد بن ولید کو کچھ فوج کی معیت میں پوشیدہ طور پر تحقیق کے لئے بھیج دیا اور یہ حکم دے دیا کہ تم جا کر دیکھنا اگر تم کو ان کے مسلمان ہونے کی کوئی علامت معلوم ہو تو ان کے مال کی زکوٰۃ لے لینا۔ ورنہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ حکم کی تعمیل کی۔ جب وہاں پہنچے تو مغرب وعشاء کی اذاں کی آواز سنی اور (حسب الحکم) ان سے زکوٰۃ وصول کر لی اور سوا طاعت اور بھلائی کے ان کی طرف سے کوئی بات بھی نہیں دیکھی۔ پھر واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل خبر بتا دی اس وقت آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا الخ نازل ہوئی۔

فَتَبَیَّنُوْٓا۔ یعنی تحقیق حال کر لو۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم چاہتا ہے کہ اگر ایک عادل (صالح) شخص کوئی خبر دے تو اس کی اطلاع کو قبول کر لیا جائے کیوں کہ قبول خبر سے کوئی مانع نہیں ہے۔

لغت میں فسق کے معنی ہے نکلنا۔ عرب کہتے ہیں۔ فسقت الرطبة عن قشرها کھجور اپنے چھلکے سے نکل آئی۔ اصطلاح شرع میں کبھی کافر پر اطلاق ہوتا ہے کیوں کہ وہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ قرآنی استعمال میں فاسق اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو صغیرہ گناہوں پر جما رہے اور توبہ نہ کرے۔ آیت میں باجماع اہل تفسیر مرتکب کبیرہ ہی مراد ہے۔

حضرت ولید بن عقبہؓ کا معاملہ: میں کہتا ہوں۔ ولید بن عقبہ صحابی تھے اور اس دروغ گوئی سے پہلے ان کا فسق ظاہر بھی نہیں ہوا تھا اور اس دروغ بیانی کا سبب بھی ان کی بدگمانی اور ان لوگوں کے متعلق غلط خیال بندی تھی جو اسلام سے پہلے ان کے دشمن تھے۔ اس لئے آیت میں فاسق سے مراد شاید ایسا شخص ہو جس کی سچائی اور عدالت ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اس تفسیر پر وہ شخص جس کی حالت ظاہر نہ ہو مستور الحال ہو۔ اس میں داخل ہو جائے گا۔ یا فاسق سے مراد ایسا شخص ہے جس نے کوئی ایسی خبر دی ہو۔ جس کے غلط ہونے پر قرینہ دلالت کر رہا ہو۔ خواہ محرر بظاہر صالح ہو۔ بنی مصطلق اپنی خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور اسلام کے احکام قبول کئے تھے۔ ان کا مرتد ہو جانا بہت زیادہ بعید از عقل تھا۔ ولید کا قصداً یا سوءِ ظن کی بنا پر دروغ بیانی کرنا اتنا بعید از قیاس نہیں تھا۔ (تفسیر مظہری)

ابولؤ دترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ واللہ لعشهد رجل منهم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعمرفیه وجهه خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح۔ یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اُن کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمہاری عمر بھر کی طاعت وعبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دیدی گئی ہو۔ اسلئے ان سے صدور گناہ کے وقت اگر یہ سزا وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اسکے باوجود بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے اسلئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہوا اور اسوقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کو انکے لئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذا فی الروح)

اور یہ آیت اگرچہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ اُن کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق اُن کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں۔

خبر کی تحقیق۔ آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ولید کو سچا جان کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مصطلق پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ نہیں مانا اور خالد بن ولید کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں لوگوں کو مخاطب کر کے تحقیق حال کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس لئے حکم دیا کہ آخرت میں ندامت اُٹھانی نہ پڑے۔ (تفسیر مظہری)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ
اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا
لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ
اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں
لَعَنِتُّمْ
تو تم پر مشکل پڑے ☆

حق کو اپنی رائے کے تابع نہ بناؤ

یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کسی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہوسکتا۔ ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔ کما قال تعالیٰ "وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ" (المومنون رکوع ۴) الغرض خبروں کی تحقیق کیا کرو اور حق کو اپنی خواہش اور رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔ اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو رسول عمل کرتا ہے اللہ کے حکم پر، اسی میں تمہارا بھلا ہے، اگر تمہاری مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے، پھر کس کس کی مانا کرے چلے"۔ (خلاصہ تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول ہی کی اطاعت ضروری ہے

پچھلی آیت میں قرآن کریم نے اسکو قانون بنا دیا کہ جس شخص کی خبر میں قرائن قویہ سے کوئی شبہ ہو جاوے تو قبول اور تحقیق اس پر عمل جاری نہیں۔ اس آیت میں صحابۂ کرام کو ایک اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگرچہ بنی المصطلق کے متعلق خبر ارتداد دے کر تمہارا جوش غیرت دینی کے سبب تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی۔ اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار کی وہ ہی بہتر تھی (مظہری) مقصد یہ ہے کہ مشورہ و طلب امور میں کوئی رائے دیدینا تو درست ہے لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق ہی عمل کریں یہ درست نہیں کیونکہ امور دنیویہ میں اگرچہ شاذ و نادر رسول کی رائے خلاف مصلحت ہونیکا امکان ضروری ہے جو شان نبوت کیخلاف نہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے اسلئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان و مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔

لَعَنِتُّمْ ۔ یعنی تم گناہ اور ہلاکت میں پڑ جاتے۔

صحابہؓ نے چونکہ سن لیا تھا کہ ولید بن عقبہ سے بنی مصطلق کے مرتد ہو جانے کی خبر سنی تھی (اور ان کو یقین آ گیا تھا) اس لئے بنی مصطلق پر ان کو غصہ تھا اور یہ غصہ صرف اللہ کے دین کی حمایت کے لئے تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ

پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی

وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ

اور کھبا دیا اس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ

تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی

اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا

وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل

مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ

سے اور احسان سے ☆

ایمان کی محبت ☆ یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری مرادات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے مومنین قانتین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا۔ اور کفر و معصیت کی نفرت ڈالدی جس سے وہ ایسی بے ہودگی کے پاس بھی نہیں جا سکتے۔ جس مجمع میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔ آج گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں نہیں مگر حضور کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث و نائب یقیناً موجود ہیں اور ہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

کفر، فسوق اور عصیان کا معنیٰ اور آیت کا مطلب

بظاہر سیاق کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ فسوق کا درجہ عصیان سے اونچا اور کفر سے نیچا ہے کفر بہت ہی قبیح ہے۔ اس سے کم تر فسق سے کم عصیان ہے۔ اس صورت میں فسوق سے مراد ہوگا۔ جماعت سے نکل جانا اور بدعتی عقیدہ اختیار کرنا لیکن اعتقادی بدعت کے باوجود کفر کی حد تک نہ پہنچ جانا اور عصیان سے مراد ہے۔ عملی گناہ اور اعضاء جسم کی نافرمانی جب کہ عقیدہ جمہور اہل سنت کے موافق ہو عقیدہ میں بدعت نہ ہو اس تشریح کی روشنی میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے جو تامل اور تحقیق خبر سے کام نہیں لیا۔ یہ قابل ملامت نہیں۔ کیوں کہ تم کو کفر سے نفرت اور ایمان سے محبت ہے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کا پیار اور کفر سے بغض پیدا کر دیا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا ☆

☆ یعنی وہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اسکی استعداد کے مناسب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور اگر دو فریق مسلمانوں کے

اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ

آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں ملاپ کرا دو پھر اگر

بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى

چڑھا چلا جائے ایک اُن میں سے دوسرے پر

فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى

تو تم سب لڑو اُس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے

اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا

اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرا دو

بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ

اُن میں برابر اور انصاف کرو بیشک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے ☆

باہمی اختلاف ختم کرنے کا لائحہ عمل

☆ یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف سے رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے اس وقت چاہیے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرا دیں کسی ایک کی طرفداری میں جادہ حق سے ادھر ادھر نہ ہٹیں۔ (تنبیہ) آیت کا نزول صحیحین کی روایت کے موافق "انصار" کے دو گروہوں اوس و خزرج کے ایک وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرا دی۔

جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عموم آیت میں داخل ہیں چنانچہ قدیم سے علماء سلف بغاۃ کے مسئلہ میں اسی سے استدلال کرتے آئے ہیں لیکن جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و مشاجرات کو شامل ہے۔ باقی باغیوں کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل فقہ میں دیکھنا چاہئے۔ (تسہیل)

عام مسلمان کیا کرے؟ جہاں کوئی امام و امیر یا بادشاہ وقت نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کے خلاف کرے نہ موافقت۔ کذا فی بیان القرآن۔

مسائل متعلقہ۔ مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں یا ایک ہے ایک نہیں۔ پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنت سے روکیں۔ اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آ گئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہوں گے۔ اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور ایک باز آ گیا دوسرا ظلم و تعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے اسکے ساتھ باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال انکے ہتھیار چھین لئے جاویں گے اور ان کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے اور حین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد اُن کی ذریت کو غلام یا لونڈی نہ بنا دیں گے اور ان کا مال مال غنیمت نہیں ہوگا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو محبوس رکھا جائیگا توبہ کے بعد واپس دیدیا جائے گا۔ آیات مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آ جائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسباب جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تاکہ دلوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لئے بھائی چارے کی فضا قائم ہو جائے۔ اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لئے ہو سکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہو سکے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل و انصاف کی پابندی کی جائے (یہ سب تفصیل بیان القرآن سے لی گئی ہے اور انھیں ہدایہ کے حوالہ سے ہے)۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی طاقتور جماعت امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جائے تو امام المسلمین پر لازم ہے کہ اول اُن کی شکایات سنے ان کو

کوئی شبہ یا غلط فہمی پیش آئی ہے تو اسکو دور کرے۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں ہمارا رویہ

یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اسلئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طور عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھی' یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ ضروری کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے۔ "اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا۔

ان طلحة شهيد يمشي على وجه الارض یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے' اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جاسکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا' کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جسکا اوپر ذکر کیا گیا۔

اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "زبیر کا قاتل جہنم میں ہے"۔

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دیدو"۔ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے' اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہؓ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیر کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا تذکرہ عشرہ مبشرہ میں ہے جس کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے انہیں بھی تاویل میں خطاکار نہیں کہا جاسکتا' بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا اس سے براءت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا' ان کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ "یہ ایک امت تھی جو گزر گئی' اسکے اعمال اسکے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں' اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا۔ "ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو ان میں رنگنے سے بچایا' اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا"۔ مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورک فرماتے ہیں۔ "ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے انکی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کی' وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے۔ بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کا بھی ہے"۔

اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ۔ "ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ خود ہو تھے اور ہم غائب' وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے جس معاملہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں' اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں"۔

حضرت محاسبی فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصریؒ نے فرمائی ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں' اور جسمیں انکا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں' ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ (معارف القرآن)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوْا

مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرا دو

بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ۝

رحم ہو ☆

اصلاح کی پوری کوشش کرو ☆ یعنی صلح اور جنگ کی ہر ایک حالت میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے، دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کسی کی بے جا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ یعنی تمام مومنوں کی اصل ایک ہے یعنی سب کو (مشترک) اصل ایمان ہے اور ایمان ہی حیات ابدی کا موجب ہے۔ اس لئے تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اور چونکہ اس اصل کی پیدائش گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنوں کے باپ اور آپ کی گھر والیاں تمام مسلمانوں کی مائیں قرار پائیں۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ یعنی اس امید پر تقوی پر قائم رہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا کیونکہ باہم اتحاد الفت محبت اور آپس میں رحم کرنے کا سبب تقوی ہے اور آپس کی محبت و تراحم اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے (رواہ البخاری) صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ یہ روایت حضرت جریر بن عبداللہ کی ہے۔

سبب نزول بغوی نے لکھا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو سب مسلمانوں نے باہم صلح کر لی اور ہر شخص دوسرے کے ساتھ لڑنے سے رک گیا۔

سعید بن منصور اور ابن جریر نے حضرت ابو مالک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دو مسلمانوں میں باہم کچھ کلامی گلوچ ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہر ایک کا قبیلہ دوسرے پر جھڑک اٹھا اور ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ شروع ہو گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی شاید یہ قصہ بعینہ اسی واقعہ کا بیان ہے جو اوپر درج کیا جا چکا ہے۔

ابن جریر ابن ابی حاتم نیز بغوی نے سدی کا بیان نقل کیا ہے۔ ایک انصاری تھے۔ جن کو عمران کہا جاتا تھا ان کی بیوی ام زید نے اپنے مائکے جانے کا ارادہ کیا۔ شوہر نے روک دیا اور ایک بالا خانہ پر عورت کو رکھ دیا۔ عورت نے اپنے مائکے کو خبر کر دی وہاں سے اس کا قبیلہ والے آ گئے اور عورت کو بالا خانہ سے نیچے اتار کر لیجانے لگے۔ شوہر باہر گیا ہوا تھا اس نے اپنے کنبے والوں سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا کے بیٹے آ گئے اور عورت کو لے جانے میں مزاحمت کی آخر دونوں فریقوں میں دھکم دھکا ہونے لگی اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی۔ انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر ان میں صلح کرا دی اور سب اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

بغوی وغیرہ نے بوساطت سالم بیان کیا کہ سالم کے والد یعنی حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کی حق تلفی نہ کرے نہ گالی دے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے۔ اللہ روز قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دے گا۔ جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہ کرے اس کو بے مدد نہ چھوڑے اور اس کی تحقیر نہ کرے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ تقوی یہاں ہوتا ہے۔ آدمی کا یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

باغی گروہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا

دونوں آیتیں دلالت کر رہی ہیں کہ باغی گروہ (دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس) پر مومن کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اسی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ اثر جو حارث اعور نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی سے دریافت کیا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے۔ کیا وہ مشرک تھے؟ فرمایا نہیں۔ شرک سے تو وہ بھاگ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ سوال کیا گیا۔ تو کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا نہیں۔ منافق تو اللہ کی یاد نہیں کرتے۔ عرض کیا گیا تو پھر وہ کون تھے فرمایا۔ وہ ہمارے بھائی تھے۔ جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔

باغی گروہ کے قلع قمع کے مسائل

مسئلہ اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ امام (خلیفہ) کے خلاف جمع ہو جائے اور اس کے پاس اجتماعی قوت اور لڑنے والی طاقت بھی ہو تو خلیفہ کو چاہئے کہ اول اس کو اطاعت کی دعوت دے اور اس کے اعتراضات کو دور کر دے پھر اگر وہ کوئی ایسی وجہ ظاہر کریں جس کی وجہ سے انہوں نے امام کے خلاف صف آرائی کی ہے۔ مثلاً امام نے ان پر یا ان کے علاوہ دوسروں پر کچھ ظلم کیا ہو تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنی امام کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان علم پر اور ان بغاوت کی مدد کریں۔ تا کہ امام ان کے ساتھ انصاف کرے اور ظلم سے باز آ جائے (کذا قال ابن الہمام) لیکن بغاوت کو جائز قرار دینے والی کوئی معقول وجہ ظاہر نہ کر سکیں اور لڑنے کے لئے جتھے بند ہو جائیں تو امام کے لئے ان کو قتل کرنا اور ان سے لڑنا جائز ہے۔ (ھدایہ فی الحنفیہ)

امام شافعی کہتے ہیں کہ جب تک وہ خود جنگ شروع نہ کریں۔ ان کو قتل

کرنا جائز نہیں۔ مسلمانوں کو قتل کرنا صرف دفاعی صورت میں جائز ہے اور وہ مسلمان ہیں اللہ نے فرمایا ہے وَإِنْ بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا امام احمد امام مالک اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ لغت میں بغی کا معنی ہے طلب کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ۔ (یہی وہ ہے جس کے ہم طلب گار تھے) اس جگہ بغی سے مراد ہے ان چیزوں کی طلب جو انتظام (اور امن و انصاف) میں مخل ہو۔ جیسے جور، ظلم، احکام شروع کو قبول کرنے سے انکار۔ اس طرح دوسری آیات میں آیا ہے۔ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا۔ اگر وہ عورتیں تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے خلاف کسی طرح کی راہ ظلم تلاش نہ کرو۔

اس لئے مذکورۂ بالا باغیوں سے قتال کرنے کے لئے یہ شرط ضروری نہیں کہ ابتداء قتال باغیوں کی طرف سے ہو۔ رہی یہ بات کہ باغیوں کے پاس فوج اور قوت جنگ ہونا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پاس عسکری طاقت نہ ہو تو پھر ان سے جنگ کرنی غیر ضروری ہے ہم ان کو قید کر سکتے ہیں اور ان کو مار سکتے ہیں۔ اگر ہم جواز قتال کے لئے یہ شرط لازم قرار دیں کہ ابتداء جنگ باغیوں کی طرف سے ہو تو ممکن ہے کہ آئندہ ان کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ہم ان کا دفاع بھی نہ کر سکیں۔

مسئلہ اگر باغیوں کا ایک گروہ ہو تو زخمی باغی پر حملہ کیا جائے (کہ وہ مر جائے) اور جو باغی منہ پھیر کر بھاگ رہا ہو۔ اس کا پیچھا کیا جائے تاکہ وہ اپنی جماعت سے جا کر مل نہ جائے۔ امام شافعیؒ امام مالک اور امام احمد کا قول ہے کہ زخمی باغی پر حملہ نہ کیا جائے نہ بھاگتے ہوئے کا تعاقب کیا جائے۔ کیوں کہ جب ان دونوں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ نا دیا تو اب ان کا قتل دفاعی نہیں رہا اور دفاع شر کے لئے ہی ان کے قتل کا جواز تھا۔ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا۔ پشت پھیر کر بھاگتے ہوئے کا تعاقب نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے اس پر حملہ نہ کرنا وہ امن یافتہ ہے۔ یہ جملہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

ہم کہتے ہیں یہ (زخمی باغی اور پشت پھیر کر بھاگنے والے) جب اپنے گروہ سے جا کر مل جائیں گے تو شر کا اندیشہ بہر حال باقی رہے گا۔ رہا اہل جمل کے متعلق حضرت علیؓ کا حکم تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمل والوں کا کوئی (مرکزی) گروہ (کہیں جمع) نہیں تھا۔

حاکم نے مستدرک میں اور بزار نے مسند میں بتوسط کوثر بن حکیم بروایت نافع از ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن ام عبد! کیا تم کو معلوم ہے کہ اس امت میں سے اگر کوئی بغاوت کرے تو اللہ نے اس کے متعلق کیا حکم دیا ہے؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا۔ زخمی پر حملہ نہ کرو۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے مال کو غنیمت سمجھ کر تقسیم نہ کیا جائے۔ کوثر بن حکیم کی وجہ سے اس روایت کو بزار نے معلل قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم پر (اس روایت کی وجہ سے) گرفت کی ہے۔

مسئلہ علماء کا بالاجماع فیصلہ ہے کہ باغی کے بیوی بچوں کو باندی غلام نہ بنایا جائے۔ نہ اس کے مال و متاع کو تقسیم کیا جائے بلکہ مال کو قرق کر لیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے مال کو روکے رکھا جائے۔ ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دے دی تو ایک ندا دینے والے کو حکم دیا۔ اس نے ندا کر دی کہ اب نہ سامنے سے آنے والے کو قتل کیا جائے نہ پشت پھیرنے والے کو۔ یعنی شکست دینے کے بعد یہ منادی کرا دی۔ کسی کا دروازہ نہ کھلوایا جائے اور کسی کی شرم گاہ کو حلال نہ سمجھا جائے نہ کسی کے مال کو (مال غنیمت سمجھ کر حلال سمجھا جائے) عبد الرزاق نے اس روایت میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ مقتول (باغی) کا مال نہیں لیتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص (مقتول کے مال میں سے) کوئی چیز اپنی شناخت کر لے وہ لے لے۔

تاریخ واسط میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا پشت پھیرنے والے کا پیچھا نہ کرو اور کسی زخمی پر (اس کو قتل کر دینے کے ارادہ سے) سخت حملہ نہ کرو اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو اور (باغیوں کی) عورتوں سے الگ ہو خواہ ہو تم کو سخت سست کہیں اور تمہارے حاکموں کو گالیاں ہی دیں۔

مسئلہ اگر باغیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعہ سے باغیوں سے لڑنے کی ضرورت ہو تو امام کی طرف داروں کو ان ہتھیاروں سے کام لینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح باغیوں کی سواریوں پر سوار ہو کر بھی باغیوں سے جنگ کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ امام مالک اور امام احمد کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان بزرگوں کے نزدیک باغیوں کے ہتھیاروں اور سواریوں کا استعمال ناجائز ہے۔ ہمارے قول کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے مصنف کے آخر میں بیان کی ہے کہ جمل میں جن اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر باغی آئے تھے اور جو ہتھیار انہوں نے استعمال کئے۔ حضرت علیؓ نے (باغیوں کی شکست کے بعد) وہ اپنے لشکر کو تقسیم کر دیئے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے۔ یہ تقسیم استعمال کرنے کے لئے تھی مال بنانے کے لئے نہیں تھی کیونکہ باتفاق علماء باغیوں کے مال کا (فاتح لشکر یا خلیفہ) مالک نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ باغیوں نے دوران جنگ وفاداران امام کا جو جانمالی نقصان کر دیا ہو اور اس کی کوئی وجہ شرعی (باغیوں کے خیال میں) ہو اور ان کے پاس (فوجی و انتظامی) طاقت بھی ہو تو امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا (آخری راجح) قول نیز امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ شافعیؒ اور احمدؒ کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

ابن شہاب زہری نے لکھا ہے کہ اس فتنہ میں بڑی خوں ریزی ہوئی جس

میں بعض موقعوں پر قاتل اور مقتول کی شناخت بھی ہوگئی اور بکثرت مال بھی ضائع ہوا لیکن جب لڑائی ختم ہوگئی اور فتنہ ٹھنڈا پڑ گیا اور باغیوں پر خلیفہ کا اقتدار ہو گیا تو میں نہیں جانتا کہ کسی سے قصاص لیا گیا ہو یا کسی سے تلف شدہ مال کا تاوان وصول کیا گیا ہو۔

مسئلہ اگر کسی باغی نے امام کے کسی وفادار کو قتل کر دیا اور وہ مدعی ہے کہ میں نے یہ قتل ٹھیک کیا اور میرا یہ فعل برحق ہے تو قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہے تو وارث نہ ہوگا اور اگر امام کا کوئی وفادار کسی باغی کو قتل کر دے تو باجماع علماء قاتل مقتول کا وارث ہو سکتا ہے۔

مسئلہ اطاعت امام سے خارج ہونے والوں کے پاس (ان کے خیال میں بھی) لوگوں کو قتل کرنے، رہزنی کرنے اور مال لوٹنے کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو تو ان کے پاس خواہ فوجی طاقت ہو مگر رہزن اور ڈاکو قرار دیا جائے گا۔ ان کا حکم سورۃ مائدہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے اور صلیب پر لٹکایا جائے یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور بستی سے نکال دیا جائے۔

مسئلہ اطاعت امام سے سرکشی کرنے والے کے پاس اگر فوجی اور انتظامی طاقت نہ ہو تو مطابق حکم خدا اس کو قید کر دیا جائے۔ جسمانی مار لگائی جائے اور اس طرح کی دوسری سزا دی جائے مگر قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے سنا کوئی شخص مسجد کے گوشہ میں کہہ رہا تھا لا حکم الا للہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم جائز نہیں) فرمایا۔ بات تو سچی ہے لیکن اس کا مطلب غلط نکالا گیا ہے۔

تمہارے ہم پر تین حق ہیں۔ مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے (یعنی نماز پڑھنے) سے ہم تم کو نہیں روکیں گے۔ جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہوں گے۔ (یعنی جب تک تم ہمارے وفادار رہو گے) ہم مال غنیمت میں حصہ دار ہونے سے تم کو نہیں روکیں گے۔ ہم تم سے لڑنے (اور تم کو قتل کرنے) کی ابتدا نہیں کریں گے امام محمدؒ نے کہا ہم کو بھی حضرت علیؓ کا یہ اثر اسی طرح پہنچا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ

اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ

مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى

اُن سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید

اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا

وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ

اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ

ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے ☆

آداب معاشرت ☆ اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں پھر بتلا دیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور مؤثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخالفت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ننھی مذاق اڑانا شروع کر دیا حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اسکو بہتر سمجھتا ہوتا ہے مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور قلوب میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح و اتحاد کی کوئی امید باقی نہیں رہتی آیت ہذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخراپن کرے نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ فساد کی آگ زیادہ تیزی سے بھڑکتی ہے سبحان اللہ کیسی بیش بہا ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم سلسلہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد) پھر فرمایا یہ کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ القاب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بری بات ہے۔ اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم بنتے جاؤ گے۔

مومن کی عزت ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے۔ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے۔ تو

کس قدر عظمت والا ہے اور کیسی بڑی حرمت والا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔

بول چال اور میل جول نہ چھوڑو۔

مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو' ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کر لیا کرو ایک دوسرے سے حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔

شگون' حسد اور بدگمانی کا علاج

طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا۔ حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضور پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرو تو استغفار کر لے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر۔ اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک' اسے پورا کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہو گئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔

مسلمان کی پردہ داری کا ثواب۔

مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب وجیں حضرت عقبہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں' میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کروا دوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کر بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ' ڈانٹ ڈپٹ کر دو۔ پھر کچھ دنوں بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلواؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو۔ سنو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو جلا لیا۔

پوشیدگیاں نہ ٹٹولو'

ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کی پوشیدگیاں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہو گا تو تو انہیں بگاڑ دیگا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گھرانا تانا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا۔

حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تو مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدگیوں کو ظاہر کر دے گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔

تجسس' تحسس اور تدابر'

حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض رکھو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' امام ابوداؤد فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ حجرات کے مضامین سورۂ حجرات کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب کا بیان پھر عام مسلمانوں کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا بیان شروع ہوا سابقہ دو آیتوں میں انکی اجتماعی و جماعتی اصلاح کے احکام بیان ہوئے' مذکور الصدر آیتوں میں اشخاص و افراد کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا ذکر ہے۔ ان میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کرنا' دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا' تیسرے کسی کو ایسے لقب سے یاد کرنا جس سے اسکی توہین ہوتی ہو یا وہ اس سے برا مانتا ہو۔

تمسخر: پہلی چیز تمسخر یہ یا تمسخر ہے۔ قرطبی نے فرمایا کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو سخریہ تمسخر۔ استہزا کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اسکی نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح بھی کہ اسکا کلام سن کر بطور تحقیر کے ہنسی اڑائی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سخریہ و تمسخر کسی شخص کے سامنے اسکا ایسی طرح ذکر کرنا ہے کہ اس سے لوگ ہنس پڑیں اور یہ سب چیزیں بنص قرآن حرام ہیں۔

سخریہ کی ممانعت کا قرآن کریم نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اس میں مردوں کو الگ مخاطب فرمایا عورتوں کو الگ' مردوں کو لفظ قوم سے تعبیر فرمایا' کیونکہ اصل میں یہ لفظ مردوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ مجازاً و توسعاً عورتوں کو اکثر شامل ہو جاتا ہے اور قرآن کریم نے عموماً لفظ قوم مردوں عورتوں دونوں ہی کے لئے استعمال کیا ہے۔

کتے کے ساتھ بھی استہزاء نہ کرو: اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قد و قامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آوے تو کسی کو اس پر ہنسنے یا استہزاء کرنے کی جرأت نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق و اخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو۔ اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہو گیا تھا کہ عمرو بن شرجیل نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اس پر مجھے ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (قرطبی)

ظاہر پر حکم نہ لگاؤ: صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور انکے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ اُن کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ایک ضابطہ اور اصل یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اسکے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم لگا دینا درست نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال و افعال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اسکے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال بُرے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات اسکے اعمال بد کا کفارہ بن جائیں اسلئے جس شخص کو بُری حالت یا بُرے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اُس کی اس حالت کو تو بُرا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں۔

لُمز: لمز کے معنی ہیں کسی میں عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں آیت میں ارشاد فرمایا لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو دونوں جگہ اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے عیب نکالنے سے مراد یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ اور اس عنوان سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا ایک حیثیت سے اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ اکثر تو ایسا واقع ہو ہی جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا دوسرے کے حمایتی لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اپنے بھائی کو قتل کرنا گویا خود اپنے آپ کو قتل کرنا اور لے دے دست و پا جانا ہے یہی معنی ہیں لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں کہ تم خود دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو اور سمجھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادۃً خالی نہیں ہوتا تم اسکے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وفیک عیوب و للناس اعین یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو اُن کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کرو گے تو وہ تم پر بھی عمل کریں گے اور بالفرض اگر اس نے صبر بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل و تحقیر ہے۔

انسان کی خوش نصیبی علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے اُن کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور جو ایسا کریگا اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہان میں کوئی بُرا نہ رہا

برے لقب سے پکارنا: کسی کو لنگڑا لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اشارۃً ذکر کرنا اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اُس نام سے اُس کو پکارنا۔ حضرت ابوجمیرہ انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا بعض اوقات وہی بُرا نام لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا بُرا عمل کیا ہو اور پھر اُس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد اس کو اُس بُرے عمل کے نام سے پکارنا مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ۔ جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اُس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اسکو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہٖ بُرے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا

احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے روایت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کیساتھ کچھ ایسے القاب آتے ہیں مثلاً حمید الطویل۔ سلیمان الاعمش۔ مروان الاصفر وغیرہ تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (قرطبی) (معارف ملخصاً)

سنت یہ ہے کہ لوگوں کو اچھے القاب سے یاد کیا جائے

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرے مومن پر یہ ہے کہ اسکا ایسے نام ولقب سے ذکر کرے جو اس کو زیادہ پسند ہو اسی لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔ صدیق اکبرؓ کو عتیق اور حضرت عمرؓ کو فاروق اور حضرت حمزہؓ کو اسد اللہ اور خالد بن ولیدؓ کو سیف اللہ فرمایا ہے۔

سبب نزول کا دوسرا واقعہ حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس کے کانوں میں کچھ گرانی تھی (یعنی گراں گوش اور بہرے تھے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے اور پہلے سے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہوتے اور جگہ تنگ ہوتی تو لوگ آپ کو (آگے) جگہ دے دیتے تھے تاکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن سکیں۔ ایک روز آپ فجر کی نماز میں اس وقت آئے۔ جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو صحابہ کرام جگہ کی تنگی کی وجہ سے اپنے اپنے مقام پر جم کر بیٹھے رہے۔ مجلس اتنی تنگ تھی کہ کوئی (خود سمٹ کر) دوسرے کے لئے گنجائش نکال نہیں سکتا تھا۔ آنے والے کو جب بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو وہ کھڑا رہتا تھا۔ حضرت ثابتؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گردنین پھلانگتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے اور لوگوں سے فرمایا۔ جگہ دو گنجائش کرو۔ لوگ آپ کو دیکھ کر سمٹنے اور گنجائش دینے لگے۔ اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تک پہنچ گئے۔ آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک آدمی رہ گیا۔ حضرت ثابتؓ نے اس سے بھی فرمایا مجھے جگہ دے اس شخص نے کہا۔ آپ کو جگہ تو مل گئی۔ یہیں بیٹھ جایئے۔ حضرت ثابتؓ اس آدمی کے پیچھے غصہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ بات آپ کو کھلی بہت جب تاریکی چھٹ گئی اور روشنی ہوگئی تو ثابتؓ نے اس شخص کو پایا اور پوچھا۔ یہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا۔ میں فلاں شخص ہوں۔ ثابتؓ نے کہا فلاں عورت کا بیٹا۔ حضرت ثابتؓ نے اس شخص کے وہ ماں کی معیوب بیان کئے جو جاہلیت کے زمانہ میں بطور عار پر اس کے لئے کہے جاتے تھے۔ اس شخص نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ

برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے ☆

کسی کو برا نام دینا گناہ ہے ☆ یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے اسے تو واقع میں عیب لگایا نہ لگا لیکن اسکا نام متہذب فاسق گنہگار مردم آزار پڑ گیا خیال کرو "مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا اس کو مسلمان ہونے سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا مثلاً یہودی یا نصرانی اغیرہ کہہ کر۔ یکبارگی نہایت مذموم حرکت ہے اسی طرح جو شخص کسی عیب میں مبتلا ہو اور وہ اسکا اختیاری نہ ہو ایک گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے چڑانے کے لئے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾

بے انصاف ☆

پچھلے گناہ پر توبہ کر لو ☆ یعنی جو پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو اگر یہ احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان حرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم یہ ہی ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کو کفر اور فسق سے منسوب کرنا

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی کو فسق یا کفر کی طرف منسوب کرے گا (یعنی فاسق یا کافر کہے گا) اگر وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر لوٹ پڑے گا (یعنی کہنے والا فاسق یا کافر ہو جائے گا) رواہ البخاری۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو دونوں میں سے ایک پر یہ کلمہ لوٹے گا۔ (یعنی یا کہنے والا کافر ہو جائے گا یا جس کو کافر کہا ہے وہ واقع میں کافر ہوگا۔ متفق علیہ)۔

حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی کو کفر کی طرف منسوب کیا یا دشمن خدا کہا اور واقع میں وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر پڑ جائے گا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ کبیرہ) ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔ متفق علیہ۔

تہمت لگانے کی سزا: کسی محصن (پاک دامن) آزاد مسلمان کو زنا کی طرف منسوب کرنا (اور پھر ثابت نہ کر سکنا) حد قذف اسی کوڑے کا موجب ہے اور اگر غیر محصن مثلاً غلام یا کافر ہو اور اس کو متہم بالزنا کیا جائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی۔ تعزیر کی جائے گی۔ کیوں کہ غیر محصن کا درجہ محصن سے کم ہے اور تہمت زنا سے آبرو ریزی ہوتی ہے اور بڑی بات پھیلتی ہے۔

اگر محصن کو زنا کے علاوہ کسی اور حرام فعل کی طرف منسوب کیا جائے تو تعزیر واجب ہے۔

کسی کو برا بھلا کہنے کی سزا: کسی نے مسلمان (صالح) کو فاسق یا کافر یا خبیث یا چور یا فاجر یا مخنث کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تعزیر جاری کی۔ بکذا روی۔

اگر کسی کو اے گدھے یا سؤر یا کتا یا میندھا یا پیچھے لگانے والا کہا تو تعزیر جاری ہوگی۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ صورت مذکورہ میں تعزیر نہ ہوگی۔ ہاں اگر کسی عالم یا علوی یا نیک صالح آدمی کو ایسا کہا تو تعزیر ہوگی۔ اگر کسی کو گونے باز (شطرنج باز۔ چوسر باز وغیرہ) یا محصل نیکس کہا تو تعزیر نہ ہوگی۔ اگرچہ یہ فعل شرعاً ممنوع ہیں لیکن عرف عام میں ان کو عیب نہیں شمار کیا جاتا۔

تعزیر کیا ہے؟ تعزیری سزا کتنی ہونی چاہئے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے کہا۔ تعزیری سزا اونی حد سے بھی کم ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک شراب پینے کی اونی حد غلام کے لئے چالیس تازیانہ ہے (اس سے تعزیری مزا لم ہونی چاہئے) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شراب کی حد آزاد مسلمان کے لئے اسی تازیانے ہے (لہٰذا اسی تازیانوں سے تعزیر کم ہونی چاہیے) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اونی حد تیس تازیانے ہے (تعزیر اس سے کم ہونا چاہئے) امام مالکؒ نے فرمایا۔ حاکم وقت کو اختیار ہے۔ تعزیر میں جتنے تازیانے مناسب سمجھے لگوائے کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اگر تہمت گاہ کے علاوہ جماع کیا تو امام احمدؒ کے نزدیک اعلیٰ حد اور اونی حد کے درمیان تعزیری سزا دی جائے۔ اونی حد سے زائد اور اعلیٰ سے کم۔

اجنبی عورت کا بوسہ لینے۔ کسی کو گالی دینے یا نصاب سرقہ سے کم چوری کرنے پر تعزیر کی جائے گی لیکن اتنی کہ اعلیٰ حد تک نہ پہنچے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا

اے ایمان والو بچتے رہو بہت سی بدگمانیوں

مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم

اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک

بَعْضًا

دوسرے کو☆

بدگمانی اور اس کے نتائج ☆ اختلاف و تفریق باہمی کو بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا مخالف کی کوئی بات سو اس کا محمل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اسی برے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کر دے گا پھر نہ صرف یہ ہی کہ ایک بات حسب اتفاق پہنچی کسی بدگمانی سے اسکو غلط معنی پہنا دیئے گئے انہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر ہم خوب حاشیے چڑھا کیں اور اسکی ہیبت سے اپنی مجلس گرم کریں ان تمام خرافات سے قرآن کریم منع کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں۔ تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آجاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر ہیبت محدود ہو جائے بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں مگر جہاں اس میں کچھ دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو" وہاں اجازت ہے جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کا معمول رہا ہے کیونکہ اسکے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ظن ممنوع اور ظن مشروع۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث' یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد بلا نفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے اور حکام ایسے ہیں کہ ان میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور انکے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں' وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم اور قاضی جسکی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اس پر اسکا فیصلہ دینا واجب و ضروری ہے اور اس خاص معاملے کے لئے کوئی نص قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اسکے لئے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اس وقت جھوٹ بولا ہو اس لئے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں مست قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا

واجب ہوا تو اس ضائع شدہ چیز کو قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہوا تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جاوے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دے کر چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (جمال ملخصاً)

قرطبی نے فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ، اس میں حسن ظن بالمومنین کی تاکید آئی ہے۔

ایک مشہور مقولہ کا مطلب اور یہ جو مشہور ہے کہ ان من الحزم سوء الظن یعنی احتیاط کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمانی رکھے اسکا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے بدگمانی کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ بدون قوی اعتماد کے اپنی چیز کسی کے حوالہ نہ کرے نہ یہ کہ اس کو چور سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو چور یا غدار سمجھے بغیر اپنے معاملے میں احتیاط برتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے۔

؎ نگہ دار و آں شوخ در کینہ در
واندیشہ خلق را کینہ بر

تجسس اور تحسس تحس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانا ہے۔ اس میں قرأتیں دو ہیں ایک لَا تَحَسَّسُوْا بالحاء دوسرے لَا تَجَسَّسُوْا بالجیم اور حدیث صحیحین میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے یہ دونوں لفظ آئے ہیں ارشاد ہے لَا تَحَسَّسُوْا - وَلَا تَجَسَّسُوْا اور ان دونوں لفظوں کے معنی متقارب ہیں۔ اخفش نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ تجسس بالجیم کسی ایسے امر کی جستجو اور تلاش کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہو اور تحسس بالحاء مطلق تلاش اور جستجو کے معنی میں آتا ہے۔ سورۂ یوسف میں فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ اس معنی کے لئے آیا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جو چیز تمہارے سامنے آجائے اسکو پکڑ سکتے ہو اور کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا تعنابوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم فان من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه في بيته (قرطبی) (مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے)۔

بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سنانا ہوا بنا کر باتیں سنانا بھی تحسس میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ تیسری چیز جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے وہ کسی کی غیبت کرنا ہے یعنی اس کی غیر موجودگی میں اسکے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سنتا تو اس کو ایذاء ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو کیوں کہ جو غلط الزام لگائے وہ تہمت ہے جس کی حرمت الگ قرآن کریم سے ثابت ہے اور غیبت کی تعریف میں اس شخص کی غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں ایسی رنج دہ بات کہنا جائز ہے۔ کیونکہ غیبت تو نہیں مگر ضرور میں داخل ہے جس کی حرمت اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے۔ (معارف ملتقی ملخصاً)

غیبت کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا (ہوتی) ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں آپ نے فرمایا۔ (اگر) تم اپنے بھائی کا (غائبانہ) اس طرح ذکر کرو جو اس کو ناگوار ہو (تو غیبت ہے) عرض کیا گیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے اگر میرے بھائی میں وہ (عیب) ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی فرمایا۔ اگر اس کے اندر وہ (بری) باتیں ہیں جو تم کہہ رہے ہو تو یہ غیبت ہوئی اور اگر جو باتیں تم کہہ رہے ہو اسمیں نہیں ہیں تو تم نے اس پر تہمت لگائی (یہ تہمت ہے) متفق علیہ۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور کہا جب تک اس کو کھلا یا نہ جائے وہ کھاتا نہیں اور جب تک اس کو سوار نہ کیا جائے وہ سوار نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اس کی غیبت کی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم نے وہی بات کہی جو اس میں ہے۔ فرمایا۔ غیبت ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تم ان باتوں کا ذکر کرو جو اس کے اندر ہیں۔ رواہ البغوی۔ (نصیر ملتقی)

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ
بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت
اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ
اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے ☆

غیبت کی گندگی ☆ یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی

انسان پسند کرے گا؟ پس سمجھ لو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غیبت کی تمثیل اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا۔ یہ غیبت کرنے کی قباحت کی پُر زور تصویر کھینچی گئی ہے اور غیبت کرنے والا جو دوسرے کی آبرو اور عزت برباد کرتا ہے اس کو قبیح ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

غیبت کی سزا: حدیث میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ شب معراج کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتلایا گیا تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے ہیں میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور اُن کی آبروریزی کرتے تھے (رواہ البغوی۔ مظہری) اور حضرت ابوسعید اور جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' الغیبۃ اشد من الزنا' یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اس کا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ۔ مظہری)

حضرت میمون کا واقعہ میمون کا بیان ہے (ایک روز) میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک جہنمی کی سڑی ہوئی لاش میرے سامنے لائی گئی اور کسی نے مجھ سے کہا' اس کو کھا۔ میں نے کہا کیوں کھاؤں کہنے والے نے کہا' تو نے فلاں شخص کے غلام کی غیبت کیوں کی تھی۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے تو نہ اس کی اچھائی کا ذکر کیا نہ برائی کا کہنے والے نے کہا۔ مگر تو نے اس کی برائی کا ذکر سنا تو تھا اور (دل سے) اس کو پسند کیا تھا۔ (اس کے بعد) میمون کسی کی غیبت نہ خود کرتے تھے نہ کسی کو کسی کی غیبت اپنے سامنے کرنے دیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

غیبت کی تلافی: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اسلئے جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معاف کرانا ضروری ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ غیبت کی خبر جب تک صاحب غیبت کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ حق العبد نہیں ہوتی اس لئے اُس سے معافی کی ضرورت نہیں (نقلہ فی الروح عن الحسن والحیاطی وابن الصباغ والقوی و ابن الصلاح والزمخشری و ابن عبدالسلام وابن المبارک) مگر بیان القرآن میں اسکو نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس صورت میں گو اس شخص سے معافی مانگنا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اسکے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شخص مر گیا ہے یا اسکا پتہ نہیں تو اسکا کفارہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من کفارۃ الغیبۃ ان یستغفر لمن اغتابہ تقول اللّٰھم اغفرلنا ولہ (رواہ البیہقی۔ مظہری) یعنی کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔

مسئلہ بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذاء بھی حرام ہے اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ انکی ایذاء حرام نہیں مگر بلا وقت ضائع کرنے کیوجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔

مسئلہ: غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگڑے کی چال بنا کر چلنا جس سے اُس کی تحقیر ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض مخصوص صورتیں. بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی عام حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص البعض ہے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوئی ہے مثلاً کسی شخص کی برائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے یا کسی کی اولاد یا بیوی کی شکایت اس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو ان کی اصلاح کر سکے یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا یا کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اسکا حال ذکر کرنا۔ یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بناء پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ روح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی برائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اسکی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ معاف کرنیوالا ہے مہربان ☆

تقویٰ فرمانبرداری کی بنیاد ہے ☆ یعنی ان نیکیوں پر کاربند وہ ہی ہوگا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں چاہیے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر اس خداوند قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ

اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد

ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ

اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور

قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ

قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت

عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

اللہ کے یہاں اُسی کو بڑی جس کو ادب بڑا☆

بہتری اور برتری کا معیار ☆ اکثر غیبت طعن وتشنیع اور عیب جوئی کا منشا کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اسکو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا چھوٹا یا معزز وحقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، صوم اور پرہیزگار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز ومکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم وحوا کی اولاد ہیں، شیخ، سید، مغل، پٹھان، اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم وحوا پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کردے وہ ایک موہوب شرف ہے جیسے کسی کو خوبصورت بنادیا جائے۔ لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں شکر کرنا چاہئے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور وتفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کسب اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہرحال مجد وشرف اور فضیلت وعزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ وطہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو طن سہیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد وثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے سماج اور جاہلیت کی باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے۔ پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول۔ یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں جو اذان دے۔ ابوسفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دیگا چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو ملا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کر لیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور ان کی قوم والوں کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیس کو آگے بڑھنے کا موقع ایک شخص نے نہیں دیا تو حضرت ثابتؓ نے اس سے فرمایا۔ تو فلاں عورت کا بیٹا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ فلاں عورت کا نام کس نے لیا (اور کس نے اس شخص کو اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی) ثابتؓ بن قیس نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے عورت کا کہا تھا۔ فرمایا۔ قوم کے چہروں پر غور سے دیکھو۔ ثابتؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا دیکھا۔ ثابتؓ نے عرض کیا کسی کو گورا دیکھا کسی کو لال کسی کو کالا۔ فرمایا۔ تم صرف دین اور تقویٰ کی وجہ سے ان پر فضیلت رکھتے ہو۔ (نسبی برتری ہیچ ہے یہ معیار فضیلت نہیں) اس پر ثابتؓ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جس شخص نے حضرت ثابتؓ کو جگہ نہیں دی تھی اس کے حق میں آیت يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا نازل ہوئی۔

نسب پر اترانے والوں کا انجام۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے ایک ندا دینے والا ندا دے گا خوب سن لو میں نے ایک نسب مقرر کیا تھا اور تم نے بھی ایک نسب مقرر کیا تھا۔ میں نے تو سب سے بڑے متقی کو سب سے زیادہ عزت والا قرار دیا تھا پر تم نے اس کو نہیں مانا۔ بلکہ تم کہتے رہے فلاں ابن فلاں فلاں ابن فلاں سے بہتر ہے۔ سو آج میں اپنے قائم کئے ہوئے نسب کو سربلند کرتا ہوں اور تمہارے قائم

کرو نسب کو نیچے گراتا ہوں کہاں ہیں اہل تقویٰ۔ (تفسیر مظہری)

اسلام چھوت چھات سے بیزار ہے:

مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام چھوت چھات سے بیزار ہے وہ تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے۔ فرق ہے تو صرف اسلام اور کفر کا۔ پھر جس طرح مسلمانوں میں ذات پات کی بنا پر اونچ نیچ نہیں ہے حتیٰ کہ سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

اسی طرح غیر مسلموں میں بھی شودر اور برہمن وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے اگر ایک برہمن ہمارے پاس بیٹھ سکتا ہے۔ ہمارے پاندان سے پان لگا کر کھا سکتا ہے ہمارے کنویں سے پانی بھر سکتا ہے تو انسانیت کے یہ سب حقوق ایک بھنگی اور چمار کو بھی حاصل ہیں۔ مگر ہماری صدہا سالہ معاشرت جو برہمنوں اور اونچ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ رہی اس نے ہمیں کم از کم عملی طور پر چھوت چھات کا عادی بنا دیا ہے۔ (از افادات مدنی)

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾
اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار ☆

اللہ دلوں کے حال سے باخبر ہے ☆ یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مودب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا" انما العبرۃ للخواتیم" (تفسیر عثمانی)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ
کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم
تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا
ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے
وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ
اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں ☆

ایمان کی کمزوری کی علامت

یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان و یقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت اور عیب جوئی وغیرہ کی خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو سمجھ لو کہ ابھی تک ایمان اسکے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا۔

ایک حدیث میں ہے" یا معشر من امن بلسانہ ولم یفض الایمان الی قلبہ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتھم" الخ (ابن کثیر ص ۲۴/۸) حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں" ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمانی ہم نے قبول کیا اس کا مضائقہ نہیں اور ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے جو یقین پورا ہے تو اسکے آثار کہاں؟ جس کو واقعی پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے" (تنبیہ) اس آیت سے ایمان و اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہی بات حدیث جبریل وغیرہ سے ثابت ہوئی۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسد کے چند آدمی قحط کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن باطن میں وہ مومن نہیں تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ کے راستے (قضائے حاجت کی) گندگیوں سے بھر دیئے اور مدینہ میں چیزوں کے نرخ گراں کر دیئے۔ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے تھے۔ دوسرے عرب آپ کے پاس اسٹیشنوں پر سوار ہو کر تنہا آئے ہیں اور ہم سارا سامان اور اہل و عیال کو لے کر آئے ہیں۔ فلاں فلاں قبائل نے آپ سے جنگ کی (پھر مسلمان ہوئے) لیکن ہم آپ سے کبھی نہیں لڑے اس کلام سے وہ رسول اللہ پر (اپنے اسلام کا) احسان رکھنا چاہتے تھے اور مال صدقات کے طلب گار تھے۔ (تفسیر مظہری)

ایمان کیا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو اور روز قیامت کو مانو اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرو (یعنی اس بات کی دل سے تصدیق کرو کہ دنیا میں ہر خیر و شر اللہ کے مقرر و اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر اچھی بری چیز کا اللہ نے پہلے ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے) سوال جبرئیل کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا۔ کذا فی الحسین من حدیث عمر بن الخطاب مرفوعاً۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا
اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اس کے رسول کے
یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ؕ
کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾
اللہ بخشنے ہے مہربان ہے ☆

مہلت عمل ☆یعنی اب بھی اگر فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کے ثواب میں کمی نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر
وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا
اور اس کے رسول پر پھر شبہ نہ لائے اور لڑے
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے
اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾
وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے ☆

سچے مومن کی شان ☆یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی تین قسمیں: مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا شک و شبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ خدا میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پایا نہ یہ کسی کا مال مارے نہ کسی کی جان لے (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھانکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا الخ یعنی خلوص قلب سے ایمان لائے اور احکام کی تعمیل کی۔ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ان کو کبھی شک واقع نہیں ہوا۔ لفظ ثُمَّ دلالت کر رہا ہے کہ شروع ایمان کے وقت جس طرح شرک نہ کرنا لازم تھا اسی طرح آئندہ پوری زندگی مرتے دم تک کبھی شک میں نہ پڑنا ضروری ہے۔ آیت ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا سے بھی یہی مراد ہے۔

ترکیب نحوی فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کی طاعت میں۔ جاهدُوْا کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جنگجو دشمن سے یا شیطان سے یا ناجائز خواہشات نفس سے انہوں نے جہاد کیا۔

مجاہد کی شان جو شخص اصلاح عالم کے لئے اور تباہی و بربادی کو دور کرنے کے لئے اور اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کو پھیلانے کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی دیتا ہے وہ بدرجۂ اولیٰ اپنے نفس کی قربانی کرے گا اور تمام احکام شریعت کا پابند ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۶﴾
اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ☆

اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا

یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہوگا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے عمدہ سند سے حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفی کی روایت سے اور بزار نے بطریق سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ کچھ بدویوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم (خود) مسلمان ہو گئے اور آپ سے (کبھی) نہیں لڑے لیکن فلاں قبیلہ والوں نے آپ سے جنگ کی (اور پھر مسلمان ہوئے) بقول حسن یہ بات فتح مکہ ہو جانے کے بعد کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ
تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے ☆

بعض نادانوں کی نافرمانی

بعض گنوار آ کر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو مدوں لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے گویا احسان جتلاتے تھے اس کا جواب آگے دیتے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی اپنے دل سے اللہ

تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا۔ اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی اطاعت کرنے کا لیکن شریعت میں تصدیق قلبی اسوقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اسکا اثر جوارح کے اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اسوقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آجائے ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس طرح اسلام وایمان مبدأ اور منتہی کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہو کر ظاہر اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام اعمال ظاہرہ سے شروع کر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں شریعت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مؤمن نہ ہو یا مؤمن موسلم نہ ہو مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مؤمن نہ ہو جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام کی بناپر مسلم کہلاتے تھے مگر دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب مؤمن نہ تھے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ
تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾
راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو ☆

نادانوں کو جواب

یعنی اگر واقعی تم دعوائے اسلام وایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "نیکی اپنے ہاتھ سے ہو اپنی تعریف نہیں رب کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی" گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کے احسان واکرام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(معارف کاندھلوی)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾
کرتے ہو ☆

خدا کے سامنے باتیں نہ بناؤ

یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے اسکے سامنے باتیں نہ بناؤ۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول

ابن سعد نے بروایت محمد بن کعب قرظی اور سعید بن منصور نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا کہ ۹ھ میں قبیلہ بنی اسد کے دس آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں طلحہ بن خویلد بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے ان لوگوں نے آکر سلام کیا پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں یا رسول اللہ ہم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنا کوئی نمائندہ ہمارے پاس نہیں بھیجا تھا ہم اپنے ان لوگوں کے لئے جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں پیام مصالحت لے کر آئے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الحجرات کی تفسیر ختم ہوئی

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا علم اچھا ہوگا اور اس کے شہر والے اس کے محتاج رہیں گے اور اس کی عمر کا آخری حصہ اول سے بہتر رہے گا اور نہایت قوی ہوگا۔

سورۂ قٓ کی خصوصیات:

سورۂ قٓ میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور حساب و کتاب سے متعلق ہیں اور یہی مناسبت ہے اس کو اس سے پہلی سورۂ حجرات سے کہ اس کے آخر میں انہی مضامین کا ذکر تھا۔

سورۂ قٓ کی ایک خاص اہمیت اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ ام ہشام بنت حارثہ بن النعمان کہتی ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب میرا مکان تھا) دو سال کے قریب ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور (جس میں روٹی پکتی تھی) ایک ہی تھا مجھے سورۂ قٓ پوری اس طرح حفظ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرماتے تھے (رواہ مسلم ابن قرطبی)۔

اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو واقد لیثیؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں کونسی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بکثرت سورۂ قٓ تلاوت فرماتے تھے۔ (یہ سورت خاصی بڑی ہے) مگر اس کے باوجود نماز ہلکی رہتی تھی (قرطبی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تلاوت کا خاص اثر تھا کہ بڑی سے بڑی سورت اور طویل سے طویل نماز بھی پڑھنے والوں پر ہلکی رہتی تھی۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت اوس فرماتے ہیں میں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل پھر سات سورتوں کی ایک منزل پھر نو سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں۔ پھر اس کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۂ قاف پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی یہ ہے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورۂ بقرہ' سورۂ آل عمران' سورۂ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ' انعام' اعراف' انفال اور برأت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس' ہود' یوسف' رعد' ابراہیم' حجر اور نحل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان' کہف' مریم' طٰہٰ' انبیاء' حج' مؤمنون' نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء' نمل' قصص' عنکبوت' روم' لقمان' الم سجدہ' احزاب' سبا' فاطر' اور یٰسین ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور سورۂ قٓ ہے اور یہی تم نے کہا تھا فالحمد للہ۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۂ قٓ اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سال تک یا ایک سال کچھ ماہ تک ایک ہی تنور رہا میں نے سورۂ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ رسول اللہؐ کی زبانی سن کر یاد کر لی اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کیلئے منبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے۔ جمعہ ہے' اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں بنداء خلق کا' مرنے کے بعد جینے کا' خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا حساب و کتاب کا' جنت و دوزخ کا' ثواب و عذاب کا اور رغبت و ڈرانے کا ذکر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ كُوْعَاتٍ

سورۂ قٓ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا

قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی بلکہ ان کو تعجب ہوا

اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ

کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانیوالا انہی میں کا تو کہنے

الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ

لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ

کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی یہ پھر آنا

بَعِيْدٌ ۚ

بہت دور ہے ☆

قرآن کی عظمت و اعجاز ☆یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آ کر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لاکھ دو اسرار و معارف سے دنیا کو تحیرت بنا دیا۔ یہ ہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص و عیب نہیں نہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے لیکن منکرین پھر بھی اسکو قبول نہیں کرتے اسلئے نہیں کہ ان کے پاس اسکے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل و حماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور پڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے کیا پھر زندگی کی طرف واپس کئے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان و عادت سے بالکل بعید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قٓ کیا ہے۔ بعض نے کہا قٓ سے اشارہ ہے جملہ قضی الامر یا قضی ما ھو کائن کی طرف۔ حق بات یہ ہے کہ (دوسرے مقطعات و متشابہات کی طرح) اس کی اصلی مراد سوا اللہ اور اس کے رسول اور رسوخ علمی رکھنے والوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے۔ فرمایا عکرمہؒ نے قاف زمرد سبز کا ایک پہاڑ ہے جو زمین کو محیط ہے اور اس پر آسمان قبہ کی طرح ڈھانکا ہوا ہے۔ ترجمہ یوں ہوا قسم ہے قٓ کی اور قرآن کی۔

یعنی کفار مکہ نے بلا شبہ تعجب کیا اس بات پر کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس ایسی بات لے کر آیا جو تعجب انگیز نہیں تھی یہ امر تعجب آفرین نہ ہونا چاہئے کہ انہیں میں کا ایک شخص جس کو وہ سچا جانتے تھے اور اس کی سچائی کا اقرار کرتے تھے ان کی خیر خواہی کرتا ہے اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کو دکھ پہنچ جائے ایسے بھی خواہ قوم سچے مخلص آدمی کو تو کسی خوفناک امر سے قوم کو ڈرانا ہی چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ
ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین
مِنْهُمْ ۚ
اُن میں سے☆

موت فنائے محض نہیں

یعنی ساری مٹی نہیں ہو جاتی جان سلامت رہتی ہے اور بدن کے اجزاء تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں اس کو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ اس میں جان ڈال دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝
اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے☆

اللہ کا قدیم علم ☆یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتی کہ ان میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو لوح محفوظ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے پس اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے وہ دفتر جس میں سب کچھ لکھا ہے حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے یا اس کو پہلے جملہ کی تاکید سمجھو کیونکہ جو چیز کسی کے علم میں ہو اور قلم بند بھی کر لی جائے وہ لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ موکد سمجھی جاتی ہے اسی طرح یہاں مخاطبین کے محسوسات کے اعتبار سے متنبہ کر دیا کہ ہر چیز خدا کے علم میں ہے اور اس کے ہاں لکھی ہوئی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا
فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝
سو وہ پڑ رہے ہیں اُلجھی ہوئی بات میں☆

سچ تکذیب ☆یعنی صرف تعجب نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ حضرت کی نبوت قرآن اور بعث بعد الموت ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں بے شک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک و اضطراب اور تردد و تحیر کی الجھنوں میں پڑ جایا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَّرِيْجٍ۔ امر مشتبہ۔ مضطرب۔ مے یقینی۔ ان کے قول میں اضطراب اور بے یقینی تکذیب نبوت کی وجہ سے ہی تھی۔ قتادہ اور حسن نے کہا جو حق کو چھوڑ دیتا ہے اس کو اپنے معاملہ میں اور دین میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے زجاج نے کہا ایک قول پر ان کو قرار نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر کبھی دوسروں کو سکھایا پڑھایا ہوا کبھی دیوانہ کبھی دروغ تراشی کرنے والا اور یہ سارے اقوال باہم مختلف اور متضاد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کا بعث بعد الموت کو محال سمجھنے کی وجہ

پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل صل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آجانے کے بعد اس کا انکار کر دیں ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ

کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر

كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا

کیسا ہم نے اس کو بنایا اور رونق دی اور اس میں نہیں

مِنْ فُرُوْجٍ ۝

کوئی سوراخ ☆

آسمان کی بناوٹ ☆ یعنی آسمان کو دیکھ لو نہ بظاہر کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون اتنا بڑا عظیم الشان جسم کیسا مضبوط و مستحکم کھڑا ہے اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل اور جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا نہ کوئی کنگرہ گرا نہ پلاسٹر ٹوٹا نہ رنگ خراب ہوا۔ آخر کونسا ہاتھ ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور بنا کر اسکی ایسی حفاظت کی۔ (تفسیر عثمانی)

کیا آسمان نظر آتا ہے؟

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ اسے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے یہ ہوا کا رنگ ہے مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو۔ (معارف معنی اعظم)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

بوجھ اور اگائی اس میں ہر ہر قسم کی

زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

رونق کی چیز سمجھانے کو اور یاد دلانے کو

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

اس بندہ کے لئے جو رجوع کرے ☆

دانائی کا سامان ☆ یعنی جو آدمی خدا کی طرف رجوع ہو محض ان ہی محسوسات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے اس کے لئے آسمان و زمین کی تخلیق و تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں ادنیٰ غور کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آ سکتے ہیں پھر خدا جانے ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ لوگ کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرات کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ۔ مخلوق پر غور کر کے اپنے رب کی طرف لوٹنے والے بندے کے لئے چونکہ "عبد منیب" کے لئے ہی یہ تخلیق نشیب و فراز بصیرت آفریں ہے اس لئے منیب کا لفظ خاص طور پر ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝

پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے ☆

☆ اناج وہ ہے جس کے ساتھ اسکا کھیت بھی کٹ جائے اور باغ پھل ٹوٹ کر قائم رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝

اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ پر تہ ☆

☆ یعنی بڑی کثرت و افراط سے جن کا خوشہ دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باسقات کا معنی

لمبے لمبے کھجور کے درخت یا باسقات کا معنی بوجھ اٹھانے بکری کا بھن ہو جائے تو کہتے ہیں بسقت الشاۃ۔ کھجور کا درخت بہت اونچا بھی ہوتا ہے اور اس کے منافع بہت ہیں اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

کھجور کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسلمان۔ بتاؤں وہ کونسا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال صحرائی درختوں کی طرف گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ رواہ البخاری من حدیث ابن عمر۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنی پھوپھی یعنی کھجور کے درخت کی عزت کرو تمہارے باپ آدم کی جسمانی ساخت سے جو مٹی بچ رہی

تھی اس سے اس (درخت) کو بنایا گیا اور جس درخت کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے (عیسیٰؑ کی) پیدائش ہوئی اس سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک اور کوئی درخت نہیں پس تم اپنے اہل وعیال کو کھجوریں کھلاؤ اور اگر کھجوریں نہ ہوں تو چھوارے کھلاؤ۔ رواہ ابن حاتم وابو یعلی فی المسند وابن عدی فی الکامل وابن انس وابو نعیم فی الطب وابن مردویہ عن علی رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر مظہری)

رِزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً

روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اس سے ایک

مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

مردہ دیس کو یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا ☆

سبزہ کی طرح انسانی جسم اُگے گا

یعنی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیا اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دونوں صور پھونکنے کے درمیان فاصلہ چالیس کا ہوگا۔ حاضرین نے پوچھا' ابو ہریرہؓ! کیا چالیس دن (کا فاصلہ ہوگا) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' مجھے اس لفظ کے کہنے سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا تو کیا پھر چالیس مہینوں کی (مدت ہوگی) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' میں یہ بھی نہیں کہتا۔ لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی (مدت ہوگی) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' میں یہ بھی نہیں کہتا۔ لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی (مدت آپ کہنا چاہتے ہیں) فرمایا' مجھے کہنے سے بھی انکار ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پھر اللہ آسمان سے (پانی) نازل فرمائے گا' جس سے لوگ ایسے اُگیں گے جیسے سبزہ اُگتا ہے۔ آدمی (کے بدن) کا ہر حصہ سوائے ایک ہڈی کے یعنی سوائے دم گزے کی ہڈی کے فنا ہو جاتا ہے قیامت کے دن اسی دم گزے (عُصْعُص) کی ہڈی سے جوڑ کر انسانی جسم بنایا جائے گا۔ ابن ابی داؤد سے بھی اسی طرح کی حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ آئی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ (بھی) آئے ہیں کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عرش کے نیچے سے پانی کا ایک نالہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت میں بہکر آئے گا اور یہ درمیانی مدت چالیس سال کی ہوگی۔ اس پانی سے وہ تمام انسان جو پانی اور پرندے جو بوسیدہ فرسودہ ہو کر گل گئے ہوں گے (دوبارہ سبزہ کی طرح) اُگیں گے جو شخص ان کو پہلے (دنیا میں) پہچانتا ہوگا جب دوبارہ پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف سے گذرے گا تو پہچان نہ سکے گا۔ اس کے بعد روحوں کو بھیجا جائے گا اور جسموں کے ساتھ ان کا جوڑ لگا دیا جائے گا۔ یہی مطلب ہے آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا۔ (تفسیر مظہری)

اسرافیلؑ کی نداء: احادیث میں ہے کہ جب قیامت قائم کرنے کے لئے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ یہ ندا کریں گے۔ ایتھا العظام البالیہ والاوصال المتقطعہ والشعور المتمرقۃ ان اللہ یامرکن ان تحتمعن۔ کہ اے بوسیدہ ہڈیوں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جوڑو اور منتشر بالوں تم سب کو اللہ کا حکم ہے کہ جمع ہو جاؤ چنانچہ اس ندا ہی کے ساتھ انسانی اجزاء جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں گے ایک جا جمع ہو جائیں گے اور اس طرح دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

ایک آدمی کا واقعہ: صحاح ستہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے پہلی امتوں میں سے جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلانا اور جلا کر راکھ کر دینا اور جب میں حل کر راکھ ہو جاؤں تو اس میں سے نصف راکھ سمندر میں بہا دینا اور نصف ہواؤں میں اڑا دینا اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس روز تیز ہوا میں چل رہی ہوں اس روز راکھ ہوا میں اڑا دینا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر دوبارہ اٹھانے کی قدرت ہوگئی تو وہ مجھ کو ایسا عذاب دے گا کہ جہاں والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا (گویا اس کے نزدیک یہ شکل عدم محض کے درجہ میں ہو جانے کی تھی اور اس حالت کے بعد اس کو تصور نہ تھا کہ پھر دوبارہ زندگی کا امکان ہوگا وہ قدرت خداوندی پر یقین تو رکھتا تھا مگر اس کے احاطۂ نظر میں قدرت خداوندی کی یہی حد تھی کہ کوئی مردہ اپنے جسم کے ساتھ زمین میں موجود ہو تو بس اس کو دوبارہ اٹھایا جائے گا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔ حق تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا۔ اس میں جو اجزاء تھے وہ اس نے جمع کر لئے۔ ہواؤں کو حکم ہوا' ہونے جو ریزے اس میں منتشر تھے انکو جمع کر لیا اور حق تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے سوال فرمایا۔ اے میرے بندے یہ بات تو نے کس وجہ سے کی عرض کرے گا اے پروردگار تیرے ڈر سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بارگاہ خداوندی سے اس کے اس تقویٰ اور خشیت پر مغفرت فرما دی جائے گی۔ ۱۲۔

عبرت و نصیحت بارش برسنے سے زمین بنجر کے شاداب ہونے اور زمین کی تہوں سے سبزے' غلے' پھل اور پھول کی پیدائش کے مناظر کو دیکھ کر اقرار کر لینا چاہئے کَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی بس اسی طرح زمین سے یا جہاں بھی ہوں قیامت کے روز میدان حشر میں اٹھائے گا اور جمع کرے گا۔ (معارف کاندھلوی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّاَصْحٰبُ

جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں

الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۙ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ

والے اور ثمود اور عاد اور فرعون

وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ

اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور

وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ

تبع کی قوم☆

☆ان اقوام کے قصے سورہ حجر، فرقان، دخان وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟

اصحاب الرس لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے مشہور معنی یہ ہیں کہ کچے کنویں کو رس کہا جاتا ہے۔ جو اینٹ پتھر وغیرہ سے پختہ نہ کیا گیا ہو' اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے' ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے' یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضر موت میں جا کر مقیم ہو گئے' حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے' ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے' اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی' اس لئے اس جگہ کا نام حضر موت (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے۔ یہ لوگ یہیں رہ پڑے' پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی' ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا' جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا' ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا' ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا۔ اور عمارتیں ویراں ہو گئیں' قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے بَئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ ۔ ایکہ گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں' یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے' حضرت شعیب علیہ السلام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے' انہوں نے نافرمانی کی بالآخر عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ (معارف مفتی اعظم)

حبیب مقاتل اور سدی نے کہا رس الطا کیہ میں ایک کنواں تھا جس میں حبیب نجار کو (لوگوں نے پھینک کر) شہید کر دیا تھا' انہیں لوگوں کا ذکر سورہ یٰسین میں آیا ہے۔

بعض علماء نے کہا' اصحاب الاخدود ہی اصحاب الرس تھے' انہوں نے ہی دو کنواں کھودا تھا۔ عکرمہ نے کہا' ان لوگوں نے کنوئیں میں اپنے نبی کو پانا دیا تھا۔

قوم ثمود: اس قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی' ان کے بھائی صالح (پیغمبر) نے ان سے کہا تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تمہاری ہدایت کے لئے امانتدار پیغمبر (بنا کر بھیجا گیا) ہوں' یہ میرا کہا مانو اللہ سے ڈرو کہنے لگے تیرے اوپر تو جادو کر دیا گیا ہے تو ہم جیسا آدمی ہے (پیغمبر نہیں ہے) اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی پیش کر' حضرت صالح کی دعا سے ایک دس ماہ کا بھن اونٹنی ایک پتھر سے برآمد ہو گئی اور اس کا بچہ بھی اسی جیسا پیدا ہو گیا۔

یہ اونٹنی ایک دن سارا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن دوسرے جانوروں کے لئے چھوڑ دیتی تھی (اس طرح ایک دن کا پانی اونٹنی کا اور ایک دن کا پانی قوم کے جانوروں کا مقرر کر دیا گیا تھا) حضرت صالح نے کہہ دیا پانی کا ایک مقرر حصہ (یعنی ایک دن کا پانی) اونٹنی کا ہے اور ایک دن کا تم لوگوں کا۔ اس کو تکلیف دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا' ورنہ سخت عذاب تم کو آ پکڑے گا' لیکن ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر پشیمان بھی ہوئے (مگر بیکار) حضرت صالح نے کہہ دیا تین روز تک اپنے گھروں میں مرے اڑاؤ (اس کے بعد عذاب نازل ہو جائے گا) یہ دھمکی جھوٹی نہیں ہے غرض عذاب آ گیا' صالح اور ان کے ساتھ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے عذاب سے محفوظ رہے اور ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور سب کے گھروں میں زمین سے چپٹے ہوئے مردہ ہو گئے۔

قوم عاد: اور قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا ان کے بھائی ہود (پیغمبر) نے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے' میں رسول امین ہوں' تمہاری ہدایت کے لئے آیا ہوں' اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو غرض اللہ نے ایک تیز طوفان بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا طوفان ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہا جس نے ان کو جڑ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا لمبے لمبے زمین پر ایسے پڑے تھے جیسے درخت کھجور کے کھوکھلے تنے۔

فرعون اور اس کی قوم: اور فرعون اور اس کی قوم عمالقہ نے (تکذیب کی) اللہ نے موسیٰ' اور ہارون کو اس کے پاس بھیجا اور فرمایا' فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اس سے کہو کیا تو پاک ہونے کا خواہشمند ہے اور کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیرے رب تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں اور تیرے اندر خشیت پیدا ہو جائے موسیٰ نے اس کو بڑا معجزہ دکھایا' رمین پر اپنی لاٹھی کو پھینک دیا وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگی اور ایک اور نشان نبوت بھی دکھایا اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو بغیر کسی بیماری دو گورا (آفتاب کی

طرح چمکیلا) ہو کر برآمد ہوا۔ لیکن فرعون نے موسیٰ کی تکذیب کی اور منہ پھیر کر (اپنے درباریوں سے) کہنے لگا میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو باہر نکال کر (مصر سے) لے جاؤ (موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی) جب دریا پر پہنچے تو متحیر ہو گئے کہ دریا کو عبور کیسے کریں اللہ نے فرمایا) اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ موسیٰ نے پانی میں لاٹھی ماری پانی پھٹکر، ادھر اُدھر بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور راستہ پایاب نکل آیا موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر دریا میں گھس پڑے اس طرح اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دیدی۔

فرعون اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور موسیٰ کے پیچھے وہ بھی دریا میں گھس گئے۔ فوراً دریا کی ایک عظیم الشان موج آئی اور ان پر چھا گئی۔ جب فرعون ڈوبنے لگا تو اول اُفتاد میں ہی مان لیا کہ سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور کوئی معبود نہیں اور میں اس کے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب ایمان لایا اور اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تباہی پھیلانے والوں میں سے تھا آج تیرا رب تیری لاش کو بچالے گا تاکہ آنے والے لوگوں کے لئے تو عبرت بن جائے۔ الخ

اخوان لوط: اور لوطؑ کے بھائی بندوں یعنی قوم والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں امانت دار قاصد ہوں تمہارے پاس مجھے بھیجا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو سارے جہان میں کیا (تم ہی ایسے بے حیا ہو کہ) مردوں پر چڑھ بیٹھتے ہو اور تمہارے رب نے جو (عورتیں) تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان سے ترک تعلق کرتے ہو بلکہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو کہنے لگے۔ لوط! اگر تو اپنی اس نصیحت سے باز نہیں آیا تو بستی سے نکال دیا جائے گا لوط نے کہا مجھے تمہارے عمل سے سخت نفرت ہے آخر اللہ نے لوط کو اور سوا دو بیوی کے باقی اہل وعیال کو نجات سے محفوظ رکھا۔ بیوی پیچھے رہنے والوں (یعنی کافروں) میں سے تھی (اس لئے ہلاک کر دی گئی) اللہ نے ان پر کنکر یلے پتھر تو (ہر ایک کے لئے الگ الگ) نشان زدہ تھے برسائے۔

وَقَوْمَ تُبَّعٍ ۔ بغوی نے لکھا ہے قتادہ نے بیان کیا تبع یمن کے بادشاہوں میں سے ایک حمیری بادشاہ تھا یہ اپنی فوجیں لے کر جزیرہ اور سمرقند تک گیا تھا اس کے تابع بہت زیادہ لوگ تھے اسی لئے اس کو تبع کہا جاتا تھا۔ تبع بھی بہت تھے اور چونکہ ایک دوسرے کے پیچھے (بغیر فصل) کے بادشاہ ہوتا تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو تبع کہا جاتا ہے۔ تبع پہلے آتش پرست تھا پھر اسلام لے آیا اور اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

محمد بن اسحاق وغیرہ نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آخری تبع اسعد بن ابو کرب بن ملیک بن یکرب تھا اسعد مشرق سے آتے ہوئے مدینہ پر سے گذرا اور مدینے میں اپنے ایک بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر خود چلا گیا بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا یہ خبر پا کر اسعد مدینہ کو اس بات کا پتہ ارادہ کر کے آیا کہ مدینہ کو جڑ و بن سے اکھاڑ دے گا۔ انصار کے اس قبیلہ (یعنی اوس اور خزرج) کو جب اسعد کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو اسعد سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ کے باہر جمع ہو گئے۔

قبائل انصار اسعد کے لشکر سے دن میں تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمانی کرتے (یعنی کھانا کھلاتے) تھے۔ اسعد کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہنے لگا یہ بڑے شریف لوگ ہیں۔

انہی ایام میں بنی قریظہ کے دو یہودی عالم کعب اور اسد اسعد کے پاس آئے اور عرض کیا بادشاہ سلامت آپ کو اپنے ارادے سے باز آ جانا چاہئے اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تب بھی آپ کو مراد حاصل نہ ہوگی۔ کوئی (غیبی) رکاوٹ پڑ جائے گی۔ اس صورت میں آپ کی (غیبی) فوری مصیبت سے مامون نہیں رہیں گے۔ یہ ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے جو اس قبیلہ قریش میں پیدا ہوگا اس کا نام محمد ہوگا مکہ اس کی جائے پیدائش اور مدینہ مقام ہجرت ہے۔ یہاں جس جگہ آپ اُترے ہیں اسی جگہ اس نبی کے ساتھیوں کی اور اس کے دشمنوں کی لڑائی ہوگی جس میں کچھ لوگ مجروح و مقتول ہوں گے اسعد نے کہا جب وہ نبی ہوگا تو اس سے لڑے گا کون؟ کعب اور اسد نے کہا اس کی قوم والے یہاں آ کر اس سے لڑیں گے۔

یہودیوں کی یہ باتیں سن کر اسعد اپنے خیال سے باز آ گیا۔ دونوں عالموں نے اس کو اپنے دین یعنی اصل یہودی مذہب کی طرف بلایا تو اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور یہودی دین اختیار کر لیا۔ اور دونوں عالموں کی بڑی عزت کی اور مدینہ سے واپس چلا گیا۔ واپسی میں ان دونوں کو اور کچھ اور یہودیوں کو ساتھ لے کر یمن جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ واپسی میں ان دونوں کو اور کچھ اور یہودیوں کو ساتھ لے کر یمن جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں قبیلہ بنی ہذیل کے کچھ آدمی اس سے ملے اور کہنے لگے ہم آپ کو ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس کے اندر موتیوں اور زبرجد اور چاندی کا خزانہ (مدفون) ہے اسعد نے کہا مکہ میں ایسا کونسا گھر ہو سکتا ہے؟ حقیقت میں بنی ہذیل نے اسعد کو ہلاک کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے متعلق برا ارادہ رکھنے والا ہلاکت سے بچ نہیں سکتا۔

یہودی علماء سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا اس (کعبہ) کے علاوہ کوئی اور ایسا گھر ہمارے علم میں نہیں ہے (جس کے متعلق برا ارادہ کرنے والا ہلاک نہ کر دیا گیا ہو) آپ اسی گھر کو عبادت خانہ بنالیں۔ اس کا حج کریں قربانی کریں اور اس کے پاس سر منڈوائیں۔

یہودی عالموں سے جب اسعد نے یہ بات سنی تو ہذیل کے ان آدمیوں کو جنہوں نے اسعد کو اغوا کرنا چاہا تھا پکڑ کر ہاتھ پاؤں کٹوا کر آنکھوں میں سلائی پھیر کر صلیب پر لٹکوا دیا پھر مکہ میں جا کر شعب مصالح میں اُترا اور کعبہ

کو غلاف پہنایا۔ اسعد ہی پہلا شخص تھا جس نے کعبہ کو غلاف پوش کیا۔ شعب میں چھ ہزار اونٹوں کی قربانی کی چھ دن یہاں قیام کیا' طواف کیا اور سر منڈوایا' پھر واپس چلا گیا۔ جب یمن کے قریب پہنچا اور حدود یمن میں داخل ہونا چاہا تو قبیلہ حمیر والوں نے یمن میں داخلہ سے روکا اور کہا' تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا۔ اس لئے یمن کے اندر تم داخل نہیں ہو سکتے' اسعد نے حمیر والوں کو مذہب یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ حمیر والوں نے کہا' چلو آگ کے پاس یہ معاملہ رکھو آگ سے فیصلہ کرواؤ۔

یمن کے اندر ایک پہاڑ کے نشیب میں ایک آگ تھی لوگ نزاعی معاملات اس کے پاس لے جاتے تھے۔ آگ (غار کے اندر سے) نکل کر ظالم کو کھا جاتی تھی اور مظلوم کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچاتی تھی۔ تبع نے کہا' تم نے یہ بات انصاف کی کہی۔ چنانچہ حمیر والے اپنے بتوں کو اور ان کے دین پر جو چیزیں چڑھی ہوئی تھیں ان سب کو لے کر نکلے اور دونوں یہودی عالم اپنی مذہبی کتابیں گلے میں ڈال کر برآمد ہوئے اور یہ سب لوگ اس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں سے آگ نکلتی تھی کچھ دیر کے بعد آگ نکلی اور سب کو ڈھا تک لیا۔ بتوں کو اور چھپے کے سامان کو تو کھا لیا اور یہودی عالم جن کی گردنوں میں مذہبی صحیفے آویزاں تھے برابر ان کو پڑھتے رہے۔ پیشانی سے پسینہ تو بہنے لگا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا آگ جہاں سے نکلی تھی وہیں واپس چلی گئی اس کے بعد حمیر والوں نے بھی بالاتفاق اصل دین یہودیت اختیار کر لیا۔

ابو حاتم نے رقاشی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو کرب اسعد حمیری تابعہ میں سے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو برس پہلے ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ کعب نے کہا اللہ نے تبع کی قوم کی تو مذمت کی تبع کی مذمت نہیں کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں تبع کو نہ امت کہو اوہ اسلام لے آیا تھا' حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھے یا نہ تھے۔

کُلٌّ ۔ یعنی ہر ایک شخص نے یا ہر امت نے یا سب نے پیغمبروں کی تکذیب کی تمام پیغمبروں کی تکذیب سے اس لئے **کَذَّبَ الرُّسُلَ** (صیغہ جمع) فرمایا' یا یوں کہا جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا تھا' سب کے سب توحید ہی کے منکر تھے اس لئے پیغمبروں کے آنے کے منکر بدرجۂ اولیٰ تھے۔ (تفسیر مظہری)

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا ☆

تکذیب انبیاء کا انجام ☆ یعنی تکذیب انبیاء پر جس انجام سے ڈرایا گیا تھا وہ ہی سامنے آ کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ

اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں

فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾

اُن کو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں ☆

غلط گمان ☆ یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذاللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہوگا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ترکیب نحوی **أَفَعَيِينَا** ۔ میں ہمزہ انکاری ہے اور ف عاطفہ تعقیبیہ ہے آیت **أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ** الخ پر اس کا عطف ہے اور **كَذَّبَتْ قَبْلَهُم** سے آخر تک معترضہ جملے ہیں۔

خلاصۂ آیت: ہم نے آسمان کو بغیر کسی شگاف اور رخنہ کے بنایا۔ زمین کو پھیلایا' پہاڑوں کو جمایا' آسمان سے پانی برسایا۔ پانی سے کھیتوں کو اُگایا اور تمہارا مشاہدہ اور اعتراف ہے کہ ہم پہلی مرتبہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تو دوبارہ تخلیق سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں۔ تخلیق اول' تخلیق دوئم سے آسان نہیں تھی' پھر کیا وجہ کہ تخلیق اول کا اعتراف کرنے والے تخلیق ثانی کے منکر ہیں۔

فِي لَبْسٍ ۔ لبس کا معنی ہے مخلوط ہو جانا' مشتبہ ہو جانا' اس جگہ مراد ہے شک۔ لبس کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ شک کی حالت میں بھی باطل حق کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے اور حق کو چھپا لیتا ہے۔

ابن آدم کی نا لائقی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ فرماتا ہے۔ آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی۔ اور یہ تکذیب اس کو سزاوار نہ تھی۔ اس نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا' خدا نے پہلی مرتبہ جو مجھے پیدا کر دیا اب دوبارہ مجھے پیدا نہیں کر سکے گا۔ حالانکہ تخلیق اول میرے لئے تخلیق ثانی سے آسان نہیں تھی اور مجھے گالی اس نے اس طرح دی (کہ اس نے میرے لئے اولاد قرار دی) اور اس نے کہا کہ اللہ نے اپنے لئے صاحب اولاد ہونا اختیار کیا۔ حالانکہ میں اکیلا ہوں' بے نیاز ہوں' نہ کسی کا والد ہوں نہ مولود نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ وابن عباسؓ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ

اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں

مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ

جو باتیں آتی رہتی ہیں اُسکے جی میں ☆

وسوسہ کا معنی و مراد ☆ یعنی اس کے ہر قول و فعل سے ہم خبردار ہیں حتیٰ کہ جو وساوس و خطرات اس کے دل میں گزرتے ہیں انکا بھی ہم کو علم ہے" اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ " ۔ (تفسیر عثمانی)

مَا تُوَسْوِسُ ۔ وسوسہ کا لغوی معنی ہے پوشیدہ (چپکے کی) آواز۔ اس جگہ مراد ہے دل میں پیدا ہونے والا خیال۔ یعنی ہم نے انسان کو اور ہر چیز کو خواہ جو ہر ہو یا عرض اپنے ارادہ اور اختیار سے پیدا کیا اور تخلیق بالارادہ اُسی وقت ہو سکتی ہے جب اس سے پہلے اس کا علم ہو (علم کے بغیر ارادے کا کوئی معنی نہیں) (ضیاء مطری)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

اور ہم اس سے نزدیک ہیں رگ کی

الْوَرِيْدِ ۝

رگ سے زیادہ ☆

قرب علمی ☆ گردن کی رگ مراد ہے جسے "شہ رگ" کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مر جاتا ہے شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اسکی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں یعنی صبا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم تو اس سے بھی زیادہ ہے نیز ملائکہ کو معلوم اور ہماشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلوم اور ہاشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا اس کا کچھ مختصر بیان" اَلَیْسَ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ " کے حواشی میں ہو چکا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے" والعلم مائل۔

ے جان نہاں در جسم و او در جاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

(تفسیر عثمانی)

عام و خاص قرب: آیت میں انسان سے خدا کا قرب جو مستقلاً ہو رہا ہے اس میں کوئی خصوصیت نہیں نہ کافر کو نہ مومن کی نہ کسی اور مخلوق کی۔ ساری کائنات سے اللہ قریب تر ہے یہاں تک کہ کافروں سے بھی کے علاوہ اللہ کا ایک اور قرب خاص بھی ہے مذکورہ قرب عمومی اور اس قرب خصوصی میں صرف نام کا اشتراک ہے (دونوں کو قرب ہی کہا جاتا ہے) لیکن حقیقت دونوں کی جدا جدا ہے۔ اس قرب کا ادراک بھی تو فراست اور کتابت وسنت سے ہوتا ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ وَاقْتَرِبْ دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ تیسری آیت میں فرمایا۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ ۔ ایک اور آیت میں آیا ہے عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ اور اور جگہ آیا ہے عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ایک دوسرے مقام پر فرمایا فَاِنِّیْ فَکَّانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ نوافل کے ذریعہ سے بندہ برابر میرے قرب ہوتا جاتا ہے اسی مقام قرب کو ولایت کہتے ہیں اس کے مدارج و مراتب بے شمار ہیں اس کے برعکس وہ بعد (دور) ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۔ اَلَا بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔

ترکیب نحوی: حبل (رسی) یعنی رگ ۔ ورید حبل کا بیان ہے جیسے شجرۃ الاراک اور یوم الجمعہ میں اضافت بیانیہ ہے۔

ورید۔ گلے کے دائیں بائیں دو رگیں ہیں جن کا تعلق اور اتصال دل کی رگ سے ہے ان دونوں کو ورید کہا جاتا ہے۔ ورید کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ دونوں سر سے اُتر کر گردن کی طرف آتی ہیں۔ بعض نے کہا روح اس رگ کی طرف اترتی ہے (معلوم نہیں روح سے کونسی روح مراد ہے طبعی یا نفسانی یا حیوانی یا شرعی روح)۔

قرب سے کیا مراد ہے: قریب ہونے سے کیا مراد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک قرب علمی مراد ہے (کیونکہ ذات خداوندی تو ہر مکان سے بالا اور منزہ ہے۔ وہ نہ جسم ہے نہ جسمانی ہر قرب و بعد مکانی سے پاک ہے)۔

بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے مطلب یہ ہے کہ حبل اور ورید سے قریب ترین شخص سے بھی زیادہ قریب ہمارا علم ہے۔ ہم انسان کو اس شخص سے بھی زیادہ جانتے ہیں جو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو۔ قرب ذات سے مراد مجازاً قرب علمی ہے کیونکہ قرب شخصیت سے قرب علمی حاصل ہوتا ہے (مسبب بول کر سبب مراد لینا مجاز کی ایک قسم ہے) حبل الورید کو قرب کامل ظاہر کرنے کے لئے بطور مثال بیان کیا جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ موت ورید سے بھی زیادہ میرے قریب ہے۔

بغوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کو اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں جانتا کیونکہ انسان کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے علم کے لئے حاجب اور مانع ہو جاتے ہیں لیکن اللہ کے علم کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں ہو سکتی۔ اس مطلب پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ طبیب حبل الورید سے بھی زیادہ مریض کے قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ طبیب مریض کی صحت و بیماری کی حو

حالت جانتا ہے دو مریض خود اپنی نہیں جانتا اگر چہ طبیب کا علم استدلالی ہوتا ہے۔ (اور مریض کا علم وجدانی) خصوصاً اگر کوئی چیز بالکل معدوم العلم اور مفقود العقل ہو تو وہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا دوسرا شخص اس کے کچھ حالات جانتا ہے' مثلاً آسمان مفقود العلم محروم الفہم ہے اپنے آپ کو کچھ نہیں جانتا تو وہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں آسمان سے اتنا قریب ہوں کہ آسمان خود اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ پس اگر اللہ کے اقرب ہونے کے یہی معنی ہیں کہ مخلوق اپنے نفس کو اتنا نہیں جانتی جتنا اس کو اللہ جانتا ہے تو یہ خدا کے علم پر محمد دد نہیں ہے (ہر علم والا معدوم العلم کے احوال اتنے جانتا ہے جتنا وہ خود نہیں جانتا اس لئے کہنا پڑے گا کہ ہر علم رکھنے والا مفقود العلم سے اتنا قریب ہے کہ وہ اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے) اللہ کی اقربیت بایں معنی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

صوفیاء کا قول: صوفیہ کہتے ہیں مخلوق سے اللہ کی اقربیت ذاتی ہے نہ زمانی ہے نہ مکانی نہ کیفی (نہ مقداری) اللہ کی اس اقربیت کا ادراک نور فراست سے حاصل ہوتا ہے۔ حواس یا عقلی استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔

زیادہ سے زیادہ اقربیت خداوندی کو قابل فہم سمجھانے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ سارا جہان اپنے وجود اور بقائے وجود کے لئے واجب کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے سایہ اصل کا محتاج ہوتا ہے۔

میر باقر نے افق المبین میں صراحت کر دی ہے کہ ثبوت وجود للماہیۃ تقرر ماہیت کی فرع ہے۔

صوفیہ تمام عالم کی نسبت واحدہ خلاق کی جانب اور خلال کی نسبت صفات کی جانب اور صفات کی نسبت ذات کی جانب کرتے ہیں۔ اور خلال کے مدراج بہت ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان للہ سبعین الف الخ اللہ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں اگر وہ کھول دے تو اس کے چہرے کے چمکارے (جلوے) حد نظر تک ساری مخلوق کو جلا ڈالیں۔ اسی طرح صفات کے مدارج غیر متناہی ہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے۔ اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی ہو جائیں اور سات سمندر اور (روشنائی بننے میں) ان کی مدد کریں (اور صفات الٰہیہ کو لکھیں) تو کلمات اللہ (یعنی صفات خداوندی ختم نہیں ہوں گی کی) ایک اور آیت میں فرمایا ہے' جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی رہنے والا (یعنی غیر فانی اور غیر مختتم) ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا۔ اللہ سبحانہ وراء الورا، ہے پھر ورا، لوراء ہے' پھر وراء الورا ہے' اس کے جہت میں قرب ہے دوری نہیں ہے۔ یعنی خلال صفات کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے اور صفات خداوندی کا ممکن سے قرب اتنا زائد ہے کہ نہ اتنا قرب ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ خلال کا ممکن کی ذات سے اور اللہ کا قرب ممکن سے اتنا زیادہ ہے کہ اتنا قرب نہ ممکن کا اپنی ذات سے ہے' نہ خلال صفات کا نہ صفات کا۔ (تفسیر مظہری)

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے یہ صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے اور ایسے مؤمنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں' جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مؤمن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے' غرض مذکورہ آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں' مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے۔

؎ اتصالے بے مثال و بے قیاس
ہست رب الناس را با جانہا ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ فراست ایمانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تفسیر مظہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے۔ (معارف معنی اعظم)

اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ
جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا
وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝
اور بائیں بیٹھا ☆

کراماً کاتبین ☆ یعنی دو فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت اسکی تاک میں لگے رہتے ہیں جو لفظ اسکے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں نیکی داہنے والا اور بدی بائیں والا۔ (تفسیر عثمانی)

اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے: حضرت حسن بصری نے آیت مذکورہ یعنی اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ الخ تلاوت فرما کر کہا۔

"اے ابن آدم! تیرے لئے نامۂ اعمال بچھا دیا گیا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں' ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب' جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو' اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ' یہاں تک کہ جب تو سرے کا خط یعنی نامہ اعمال لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا اور رہے گا' یہاں تک کہ جب تو

قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔ یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا اب اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔

روایت میں ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ گناہ و ثواب اس میں ہو یا نہ ہو مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ
نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اُسکے پاس
رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾
ایک راوِ دیکھنے والا تیار☆

☆ یعنی لکھنے کو تیار ہے (ہمہ یہ) دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ اور علاوہ اقوال کے کیا کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اسکی تفصیل احادیث و آثار سے ملے گی۔ (تسہیل)

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ ۔ انسان اپنے منہ سے کوئی لفظ نکالتا بھی نہیں ہے کہ۔ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔ رقیب سے مراد نگران فرشتہ خواہ آدمی کے عمل کی چوکسائی کرتا رہتا ہے۔ عَتِيدٌ (موجود) حسن نے کہا فرشتے دو حالتوں میں انسان سے الگ ہو جاتے ہیں رفع حاجت کے وقت اور جماع کے وقت۔

امام احمد بن حنبل کا فرمان ہلال بن حارث مزنی سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندہ کبھی ایک کلمہ اللہ کی خوشنودی کا بول دیتا ہے۔ جسکو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک کلمہ اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو اسی ایک کلمہ کی بدولت اس کے واسطے قیامت تک کے لئے اللہ کی رضامندی کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک کلمہ اللہ کی ناراضگی کا بول دیتا ہے حالانکہ اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ اس درجہ تک پہنچا دے گا تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی قیامت تک کے واسطے لکھ دی جاتی ہے۔

علقمہ اس روایت کو نقل کر کے کہا کرتے تھے کہ بہت سی باتیں ہیں جنکو میں اسی وجہ سے کہنے سے باز رہتا ہوں یعنی اس فرمان کا تصور محض کو ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرنے کی حالت پر تامل پر آمادہ کرتا ہے اور میں انتہائی احتیاط اختیار کرتا ہوں۔

دونوں فرشتے ایک دوسرے کے نگران ہیں

احنف بن قیس کہا کرتے تھے دائیں ہاتھ والا فرشتہ جو خیر لکھتا ہے دوسرے فرشتے پر نگران رہتا ہے کہ اگر بندہ نے کوئی خطا کر لی تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں جانب والے کو کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جا ابھی اس کی یہ برائی نہ لکھ تاکہ اس مہلت میں بندہ استغفار کر لے لیکن بندہ نے اگر استغفار نہ کیا تو پھر لکھ لیتا ہے۔ حسن بصری یہ آیت عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ پڑھ کر فرمایا کرتے اے ابن آدم تیرا نامۂ اعمال میں نے کھول رکھا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا میں بائیں جانب۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں لکھ رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے اب تیری مرضی جو عمل چاہے کر۔ کم کر یا زیادہ کر۔ یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے یہ صحیفے لپیٹ کر تیری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے روز تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت کہا جائے گا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔ اس کے بعد فرمایا کرتے خدا کی قسم تیرے بارہ میں اس ذات نے عدل و انصاف کیا جس نے خود تیرے نفس کو تیرا محاسب بنایا۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے۔ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا ۔ (معارف کاندھلوی)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ
اور وہ آئی بے ہوشی موت کی تحقیق ☆

انتہائی مربوط نظام

یعنی لو ادھر مسل تیار ہوئی ادھر موت کی گھڑی آ پہنچی اور مرنے والا نزع کی بے ہوشیوں اور جاں کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو گئیں جن کی خبر اللہ کے رسول نے دی تھی اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا اور ایسا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا کیونکہ حکیم مطلق کی بہت سی حکمتیں اس سے متعلق تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ربط کافروں کو دوبارہ جی اٹھنا بعید از عقل معلوم ہوتا تھا اللہ نے ان کے اس خیال کا ازالہ اس طور پر کر دیا کہ اپنی قدرت اور علم کی ہمہ گیری کو اول بیان کیا تخلیق عالم اور انسان کی ہستی و معاش کی تخلیق کا ذکر کیا اس کے بعد آئندہ آیت میں تہدید و تخویف کے لئے موت کے قریب ہونے اور قیامت برپا ہونے کا بیان کیا اور فرمایا۔ (تسہیر مقبری)

اسرار و رموز ان آیات میں حالات اور نفح اور کشفاً تمام صیغے ماضی کے ذکر کئے گئے حالانکہ یہ واقعات مستقبل میں پیش آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات یقینی ہیں ضروری پیش آئیں گے اور ایسے موقع پر ماضی کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعات اتنے یقینی الوقوع ہیں کہ گویا ان کا وقوع ہو ہی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرۂ مبارک پر ملتے اور فرماتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سکرۃ الموت موت کی بے چینی کا نام ہے جو جسمانی طور پر نزع روح کے وقت پیش آتی ہے یہ سکرۃ الموت ہر ایک کے حق میں ہے حدیث صحیح میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی کیفیت واقع ہونے لگی تو آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے سبحان اللہ ان للموت سکرات۔

موت ہر انسان کی قیامت ہے

اس آیت میں ہر انسان کی موت کا ذکر ہے اور ہر انسان کی موت اس کے حق میں قیامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اِنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ کہ جو شخص مر گیا بس اس کی تو قیامت شروع ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

امام احمد کا حال:

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے اپنی موت کے وقت اُف بھی نہ کی۔

حضرت ابوبکرؓ کی حالت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا ؎

مرّ لا یرائ ذمّۃ فمضا فانّہ لا یُذمرّۃ مذ فوق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس طرح خدا نے فرمایا وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ الخ۔ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ۝

یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا ☆

موت ٹلنے والی نہیں

یعنی آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناخوشگوار وقت سے بہت کچھ بھاگتا اور کترا تا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر اور حیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔ (تفسیر عثمانی)

موت سے بھاگنے والے کی مثال

معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اُس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چلنا چور ہوگئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی (زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا لا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال بُرا ہو رہا تھا آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مر گئی الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھی اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۝

اور پھونکا گیا صور یہ ہے دن ڈرانے کا ☆

بڑی قیامت ☆ چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آ چکی تھی اس کے بعد بڑی قیامت حاضر ہے بس صور پھونکا گیا اور وہ ہولناک دن آ موجود ہوا جس سے انبیاء و رسل برابر ڈراتے چلے آتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتہ تیار کھڑا ہے: حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

جب صور پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو جائیں گے

ابونعیم نے حلیہ میں لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا جو لوگ سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ لاشوں کا گوشت مچھلیاں چاٹ لیتی ہیں۔ صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں سمندر کی لہریں ہڈیوں کو خشکی پر لا ڈالتی ہیں۔ پھر ہڈیاں خشک ہو کر اتنی بوسیدہ ہو جاتی ہیں کہ ان کو اونٹ چبا جاتے ہیں اور اونٹ کے پیٹ کے اندر پہنچ کر انگنیاں بن جاتی ہیں اونٹ مینگنیاں کر دیتا ہے مینگنیوں کے مقام پر کوئی مسافر آ کر اترتا ہے وہ مسافر مینگنیاں لے کر ان کو بطور ایندھن استعمال کرتا ہے۔ مینگنیاں دہکنے لگتی ہیں پھر آگ بجھ جاتی ہے اور مینگنیاں راکھ بن جاتی

ہیں۔ پھر اس خاک کو ہوا رمین پر پھیلا دیتی ہے اور منتشر کر دیتی ہے جب صور پھونکی جائے گی تو وہ لوگ (جو اتنے مراحل طے کرنے کے بعد منتشر خاک بن گئے ہوں گے) پھر زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ

اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا

وَّشَهِيْدٌ ﴿٢١﴾

اور ایک احوال بتلانیوالا☆

محشر کی پیشی ☆یعنی محشر میں اس طرح حاضر کئے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کی طرف دھکیلتا ہوگا اور دوسرا اعمالنامہ لئے ہوگا جس میں اس کی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے شاید یہ وہی دو فرشتے ہوں جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں اور جن کی نسبت فرمایا تھا "اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ" الخ اور ممکن ہے کہ کوئی اور ہوں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہانکنے والا اور گواہ: سعید بن منصور عبدالرزاق ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں حضرت عثمان کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہنکانے والا ہر شخص کو اللہ کے حکم کی طرف ہنکا کر لے جائے گا اور ایک شاہد اس کے اعمال کی شہادت دے گا ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہو۔ اور شہید آدمی کا عمل۔

سیوطی نے کتاب الہورائخ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے جب قیامت برپا ہوگی کہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور گناہ لکھنے والا فرشتہ آدمی پر ٹوٹ پڑیں گے اور زبردستی کے ساتھ اس تحریر پر قبضہ کر لیں گے جو آدمی کے گلے میں بندھی ہوگی۔ پھر دونوں اس کے ساتھ (میدان حساب میں) آئیں گے ایک ہنکانے والا ہوگا اور دوسرا گواہ۔

ابونعیم اور ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ یحییٰ نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہوگا اور گواہ آدمی کے ہاتھ پاؤں۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

تو بے خبر رہا اس دن سے

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ

اب کھولدی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ

اَلْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿٢٢﴾

آج تیز ہے ☆

محشر کی ڈانٹ ☆یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ تو دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔ (تفسیر عثمانی)

غطاء کا معنی۔ امور معاد کو مخفی رکھنے والا پردہ اس سے مراد ہے غفلت۔ محسوسات میں ڈوب جانا اور ان سے عبرت نہ کرنا اور غور کرنے سے نظر کو کوتاہ رکھنا اور دل کی سیاہی اور زنگ۔ اللہ نے اسی **غطاء** کو **غشاوہ** اور **رین** (زنگ) فرمایا ہے۔ ایک آیت میں آیا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ دوسری آیت ہے كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔

اَلْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۔ آج تیری نظر خوب تیز ہے کہ دنیا میں جس چیز کا تجھے انکار تھا اور دیکھتی نہ تھی آج اس کو دیکھ رہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا (نظر تیز ہونے کا یہ مطلب ہے) کہ جب تیری نیکیاں اور بدیاں تولی جاری ہیں تو ترازو کی زبان (جس کو ہاتھ میں پکڑ کر تولا جاتا ہے) کو تیزی سے دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ﴿٢٣﴾

اور بولا فرشتہ اسکے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر☆

یعنی فرشتہ اعمالنامہ حاضر کرے گا اور بعض نے قرین سے مراد شیطان لیا ہے یعنی شیطان کہے گا کہ یہ مجرم حاضر ہے جس کو میں نے اغوا کیا اور دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں مطلب یہ کہ اغوا تو میں نے کیا مگر میرا ایسا زور و تسلط نہ تھا کہ زبردستی اس کو شرارت میں ڈال دیتا بلکہ اپنے ارادہ و اختیار سے گمراہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾

ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ﴿٢٥﴾

نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شک ڈالنے والا☆

جہنم میں ڈالنے کا حکم ☆بارگاہ ایزدی سے یہ حکم دو فرشتوں کو ہوگا کہ ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو (اعاذنا اللہ منہا) (تفسیر عثمانی)

اَلْفَیَا ۔ تم دونوں ڈال دو ۔ دونوں سے مراد ہیں سائق اور شہید یا دوزخ پر مامور فرشتوں میں سے دو فرشتے یا مخاطب حقیقت میں کوئی ایک ہے لیکن بصیغۂ تثنیہ امر کرنے سے تثنیۂ فعل مراد ہے ۔ عَنِیْدٍ ۔ حق سے عناد رکھنے والا ۔ مُعْتَدٍ ۔ حق سے مراد ہے فرض زکوٰۃ اور ہر وہ مالی حق جس کا ادا کرنا واجب ہے ۔ مُرِیْبِ ۔ ظالم جو اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا ۔ مُرِیْبِ ۔ اللہ کی ذات صفات اور اس کے دین میں شک کرنے والا ۔ (تفہیم مظہری)

اَلَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو پوجنا
فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾
سو ڈال دو اُس کو سخت عذاب میں ☆

سخت ترین عذاب کے مستحق

یعنی ایسے لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں ۔ (تفہیم عثمانی)

قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُهٗ
بولا شیطان ان کا ساتھی ۲ اے رب ہمارے میں نے
وَلٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾
اُسکو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تھا راہ کو بھولا دور پڑا ہوا ☆

اعمال لکھنے والے فرشتے اور شیطان

☆ یعنی میری کچھ زور زبردستی اس پر نہ چلتی تھی ذرا شہ دی تھی کہ یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر نجات و فلاح کے راستہ سے دور جا پڑا ۔ شیطان یہ کہہ کر گویا اپنا جرم ہلکا کرنا چاہتا ہے ۔ (تفہیم عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ مقاتل اور سعید بن جبیر کے نزدیک اس جگہ قرین سے مراد ہے وہ فرشتہ جو انسان پر مقرر ہے ۔ سعید بن جبیر نے کہا فرشتہ یہ بات اس وقت کہے گا ۔ جب کافر کہے گا فرشتہ نے لکھنے میں مجھ پر زیادتی کر دی ہے ۔

(اپنی طرف سے) میں نے اس کی طرف کفر اور طغیان کی نسبت نہیں کی (یعنی اپنی طرف سے غلط طور پر اس کو کافر اور طاغی نہیں لکھا) اور نہ لکھنے میں اس پر کوئی زیادتی کی ہے ۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ قرین سے اس جگہ وہ شیطان مراد ہے جو اس کافر پر مسلط کیا گیا تھا ۔ یعنی کافر کہے گا "میرے شیطان نے مجھے گمراہ بنا دیا تھا" شیطان کہے گا "میں نے اس کو نہ گمراہ کیا نہ گمراہ بنایا بلکہ یہ خود پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا تو میں نے اس کی مدد کر دی" (یعنی گمراہی میں اس کو اور بڑھاوا دیا) ۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ شیطانی اغواء اسی وقت آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے جب آدمی کا عقیدہ خود ہی غلط ہو اور گناہ کی طرف اس کا طبعی میلان ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان کہے گا کہ میری تیرے اوپر کوئی زبردستی نہیں تھی ۔ میں نے تو (گمراہ کی طرف) تم لوگوں کو بلایا تھا تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا اس لئے مجھے برا مت کہو اپنی جانوں کو ملامت کرو ۔

صوفیاء کی مستعدی

یہی وجہ ہے کہ اونچے درجہ والے صوفیا اپنے نفسوں سے جہاد کرنے کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں اور اپنی پوری طاقت نفسوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف کر دیتے ہیں تاکہ شیطان کا راستہ بند ہو جائے ۔ (شیطان نفس کے راستہ سے ہی آتا ہے)

بعض متاخرین کے نزدیک دونوں جگہ قرین سے مراد شیطان ہے جو کافر پر مسلط ہوتا ہے شیطان کافر کا ساتھی ہوتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان کہے گا یہ شخص جو میرے پاس ہے اور میرے زیر تسلط (رہا) ہے دوزخ کے لئے حاضر ہے ۔ میں نے اغواء کر کے دوزخ کے لئے تیار کیا ہے لیکن میں نے اس کو زبردستی طائی نہیں بنایا ۔ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں تھا اپنے اختیار سے میری پیروی کی اور میری دعوت کو قبول کیا اور فرشتے کی دعوت کو قبول نہیں کیا ۔ (تفہیم مظہری)

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ
فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں پہلے ہی
قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾
ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے ☆

گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی سزا ملے گی

☆ یعنی بک بک مت کرو دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا گیا تھا اب ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا اور جس نے اغوا کیا سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے ۔ (تفہیم عثمانی)

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا
بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾
ظلم نہیں کرتا بندوں پر ☆

اللہ کے ہاں ظلم نہیں ہے ☆ یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا اور بات نہیں بدلتی یعنی کافر بخشا نہیں جاتا بھلا شیطان اکھر کی بخشش تو کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ۔ یعنی میرے قول کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ میں کہہ چکا ہوں لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ؛ اس لئے اب میری طرف سے مغفرت کی امید نہ رکھو۔

کلبی نے کہا اور فراء نے اس کو پسند کیا کہ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ کا یہ مطلب ہے کہ میرے سامنے جھوٹ نہیں بولا جاسکتا' کلام کو مدلا نہیں جاسکتا۔ میں غیب کو جانتا ہوں (مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ

جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی

وَتَقُولُ هَلْ مِن مَّزِيدٍ

اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے ☆

جہنم کی طلب ☆ یعنی دوزخ کا پھیلاؤ اس قدر لوگوں سے نہ بھرے گا اور شدت غیظ سے زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب کرے گی۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ استفہام زیادتی کی طلب کو ظاہر کر رہا ہے' کیونکہ شیخین نے صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جہنم کے اندر برابر مسلسل مخلوق ڈالی جاتی رہے گی اور وہ کہتی رہے گی هَلْ مِنْ مَزِيدٍ آخر رب العزت اپنا قدم اس میں رکھ دے گا۔ رب العزت کے قدم رکھتے ہی دوزخ سمٹنے لگے گی۔ اس کے اجزاء باہم سکڑنے لگیں گے اور وہ کہے گی بس! بس تیری عزت اور کرم کی قسم (میں بھر گئی) اور جنت کے اندر ایک حصہ برابر خالی رہے گا (اس کے اندر کوئی رہنے والا نہیں ہوگا) آخر اللہ ایک اور مخلوق کو پیدا کرے گا جس کو اس خالی حصہ میں آباد کرے گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے' اللہ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات اور انسانوں سے سب سے بھروں گا۔ جب قیامت کے دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا اور گروہ در گروہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو سب اندر چلے جائیں گے اور دوزخ کسی چیز سے پر نہ ہوگی۔ دوزخ عرض کرے گی کیا مجھے بھرنے کی تو نے قسم نہیں کھائی تھی؟ اللہ اپنا قدم دوزخ پر رکھ دے گا اور فرمائے گا' اب کیا تو بھر گئی۔ دوزخ کہے گی' بس بس اب زیادتی (کی گنجائش) نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ

اور نزدیک لائی جائے بہشت ڈرنیوالوں کے واسطے دور نہیں ☆

جنت کا نظارہ ☆ یعنی جنت ان سے دور نہ ہوگی' بہت قریب سے اس کی تروتازگی اور بناؤ سنگار دیکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هَذَا مَا تُوعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ

یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک رجوع

حَفِيظٍ مَّنْ خَشِيَ الرَّحْمَٰنَ

رہنے والے یاد رکھنے والے کے واسطے جو ڈرا رحمٰن

بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ

سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونیوالا

ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ

چلے جاؤ اس میں سلامت ☆

جنت کے مستحقین ☆ یعنی جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے محفوظ ہو کر اس کی طرف رجوع ہوئے اور بے دیکھے اس کے قہر و جلال سے ڈرے اور ایک پاک و صاف رجوع ہونے والا دل لے کر حاضر ہوئے۔ اس جنت کا وعدہ ایسے لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آ گیا ہے کہ سلامت و عافیت کے ساتھ اس میں داخل ہوں' فرشتے ان کو سلام کریں اور ان کے پروردگار کا سلام پہنچائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بن دیکھے کا مطلب۔ یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرتا تھا جب کہ وہ اللہ سے غائب تھا۔ یعنی دنیا میں تھا' اللہ کو نہیں دیکھا تھا' یا اللہ کے عذاب سے غائب تھا' اللہ کے عذاب کو نہیں دیکھا تھا' یا دوسرا غائب تھا کسی کی نظر کے سامنے نہیں تھا۔

ضحاک' سدی اور حسن نے کہا' یعنی وہ تنہائی میں اللہ سے ڈرتا تھا' جب کہ کوئی بھی اس کو نہیں دیکھتا تھا۔ (الجبار یا المنتقم کی جگہ) الرحمٰن کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کو وسیع دیکھتے ہوئے بھی عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ نہ اللہ

کی رحمت کو دیکھ کر فریب خوردہ ہوتے ہیں اور نہ گناہوں پر جرأت کرتے ہیں (کہ بلا خوف وخطر گناہ کرتے رہیں)۔

اِسْلِمْ ۔ یعنی عذاب' افکار اور زوال نعمت سے مامون رو کر' یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور ملائکہ کی طرف سے ان کو پیام سلامتی ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

اواب' حفیظ اور منیب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور شعبیؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ اواب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے اور حضرت عبید بن عمیر نے فرمایا کہ اواب وہ شخص ہے جو ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے' اور فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ اواب اور حفیظ وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا اَصَبْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ هٰذَا** (پاک ہے اللہ اور اسی کی حمد ہے' یا اللہ میں مغفرت مانگتا ہوں اس برائی سے جو میں نے اس مجلس میں کی ہو)

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے وہ سب گناہ معاف فرما دیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے' دعاء یہ ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ** (یعنی یا اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد وثناء ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں)

اور حَفِیْظٌ کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتلائے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے' اور ان سے ایک روایت میں حَفِیْظٌ کے معنی **هُوَ الْحَافِظُ لِاَمْرِ اللّٰهِ** کے بھی منقول ہیں' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں (اشراق کی) پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے (قرطبی)

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِۨ ۔ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾
یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس دن جس کو جو کچھ ملا سو ہمیشہ کے لئے ہے اس سے پہلے ایک بات پر ٹھہراؤ نہ تھا"۔ (تفسیر عثمانی)

خلود کا اعلان: شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں' پھر دونوں کے درمیان ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ اے دوزخ والو! (آئندہ) موت نہیں اور اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں ہر شخص اسی میں ہمیشہ رہے گا جس میں وہ ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ کہا جائے گا۔ اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے۔ موت نہیں (آئے گی) اور اے دوزخ والو! (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے موت (آئندہ) نہیں (آئے گی)۔ (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ ﴿۳۵﴾
اُنکے واسطے ہے وہاں جو وہ چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی ☆

بے گمان و بے قیاس انعام ☆ یعنی جو چاہیں گے وہ ملے گا اور اسکے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو ان کے خیال میں بھی نہیں مثلاً دیدار الٰہی کی لذت بے قیاس اور ممکن ہے کہ "وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ" سے یہ غرض ہو کہ ہمارے پاس بہت سے جنتی کتنا ہی مانگیں سب دیا جائے گا۔ اللہ کے ہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آتی' نہ اسکے لئے کوئی رکاوٹ ہے پس اتنی بے حساب و بے شمار عطایا کو مستبعد نہ سمجھو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

"مزید" کا مطلب: ایسی نعمتیں ہیں جن کا تصور نہ کسی کے دل میں آیا نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان سے (ان کا بیان) سنا' حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنت کے اندر تمہارا کم سے کم یہ مرتبہ ہوگا کہ (اللہ کی طرف سے) حکم ہوگا اپنی (اپنی) تمنا کرو' مخاطب اپنی تمنا (اپنے دل میں) کرے گا ارشاد ہوگا کیا تم نے اپنی تمنا کر لی بندہ کہے گا جی ہاں اللہ فرمائے گا تمہارے لئے وہ سب کچھ (دیا جاتا) ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی (تم کو دیا جاتا) ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو سعید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی' جس میں یہ بھی بتایا کہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ جس آدمی کو میں جنت میں داخل کروں گا اس کے لئے وہ تمام چیزیں مہیا کر دوں گا جن کو اس کا دل چاہے گا اور اتنی ہی اور بھی۔

حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ نے فرمایا' مزید سے مراد ہے اللہ کا دیدار۔ مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو اور کچھ عطا کروں' اہل جنت عرض کریں گے (پروردگارا) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا کہ تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا کیا تو نے دوزخ سے ہم کو محفوظ نہیں رکھا۔ (اس سے زیادہ اور کونسی

نعمت ہو سکتی ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر اللہ حجاب کھول دے گا (اور چودھویں کے چاند کی طرح جلوہ بے حجاب سامنے آجائے گا) تو دیدار رب سے بڑھ کر کوئی نعمت اہل جنت کو محبوب نہیں ہوگی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ذیل تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔

ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے حضرت انس کی روایت سے اور ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا اور یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق حضرت ابن عباس حضرت حذیفہ اور حضرت ابن مسعود وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ایک ندا کرنے والے کو یہ ندا کرنے کا حکم دے گا اس کی ندا کو اول سے آخر تک سب لوگ سنیں گے اے اہل جنت اللہ نے تم سے اچھی جزا اور زیادتی کا وعدہ کیا تھا تو اچھی جزا جنت ہے اور رحمٰن کا دیدار مزید (نعمت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن مردویہ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اس وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذیؒ اسے غریب حسن بتلاتے ہیں اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا۔ اور آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۔ صہیب بن سنان رومیؓ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہوگا' یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نقطہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی۔ تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کا نام یَوْمُ الْمَزِيْد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ مکان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں' جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اترتا ہے۔ اس کے ارد گرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں۔ شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا ہے اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا۔ میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کہ خواہشمند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں' یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح اسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے جس میں بہت ہی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہوگی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں' وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہوگی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہوگا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے۔ وہ سلام کرے گی یہ جواب دیکر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر غلبے ہوں گے' لیکن تاہم اس کو خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کیچہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا' اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں

هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا

کہ ان کی قوت زبردست تھی ان سے پھر لگے کریدنے

فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

شہروں میں کہیں ہے بھاگ جانے کو ٹھکانہ ☆

کفار اقوام کی بربادی ☆ پہلے کفار کی تعذیب اخروی کا بیان تھا درمیان میں ان کے مقابلہ پر اہل جنت کے نعم کا ذکر آ گیا۔ اب پھر کفار کی سزا دہی کا ذکر کرتے ہیں یعنی آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ہم کتنی شریر و سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ اقوام کفار سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانا نہ ملا یہ مطلب ہے کہ

عذاب کے وقت اپنی بستیوں میں کھوج لگانے لگے کہ کہیں پناہ ملے مگر کوئی ٹھکانہ پایا" وھذا ھو الظاھر من الترجمۃ والاول ما اختارہ جمھور المفسرین"۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ
اس میں سوچنے کی جگہ ہے اُس کو
كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ
جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان
وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾
دل لگا کر ☆

نصیحت پانے والے ☆یعنی ان عبرتناک واقعات میں غور وفکر کر کے وہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہشیار ہو جائے۔ جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے اس کا درجہ اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں کون سا دل مراد ہے: یعنی اس شخص کے لئے جس کا دل تمام کدورتوں سے پاک صاف ہو تجلیات صفات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ کی یاد میں دوبار رہتا ہو اور غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس مضمون کی تائید ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ (اللہ نے فرمایا) نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے ہاں مومن بندے کے دل کے اندر میری سما سکتی ہو سکتی ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح میں ایسا دل فنا کے بعد ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' قلب سے مراد عقل ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یا درکھنے والا (عبرت پذیر) دل مراد ہے جو حقائق پر غور کرتا ہے (سطحی نظر سے نہیں دیکھتا)

شہید کا معنی یعنی یہ سورہ اس شخص کے لئے عبرت وموعظت ہے جس کے قلب سلیم ہو یا قرآن کو بحضور قلب سنے خواہ حضور قلب بناوٹی ہو (یعنی صورت حضور قلب والے کی ایسی بنالے) غافل نہ ہو۔

یا شہید بمعنی شاہد ہے یعنی کانوں سے سن کر دل اس کی گواہی دے اور تصدیق کرے۔ ظاہر قرآن سے نصیحت اندوز ہو اور تنبیہات فرقانیہ سے اثر پذیر ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد: اول (قلم سلیم ہونا) کاملوں کا بیان اور دوسرا (کانوں کو متوجہ ہونا) مخلص مردوں کا درجہ ہے۔ اسی مضمون کی طرح دوسری حدیث کا مضمون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبادت کی خوبی یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا (عبادت کے وقت) تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو (اتنا خیال رکھو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا تصور رکھا جائے خواہ خود اس کو دیکھ رہا ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قلب سے مراد حیات ہے وہ بھی اس لئے کہ حیات کا مدار قلب ہے' معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اس سورت قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نصیحت وعبرت کا فائدہ اسی شخص کو پہنچ سکتا ہے جس میں عقل ہو یا زندگی ہو۔ بے عقل یا مردے کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور ہم نے بنائے آسمان دوو رمین
وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ
اوو جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں ☆

☆اس کا بیان پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾
اوو ہم کو نہ ہوا کچھ تکان ☆

دوبارہ پیدائش ☆جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے اور تباہ و برباد کر دینا تو بنانے سے کہیں آسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے کہ کچھ یہودیوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر آسمان و زمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے زمین کو اتوار کے دن اور سمندروں کو سوموار کے دن اور پہاڑوں کو اور جو کچھ ان کے اندر وغائدہ بخش چیزیں ہیں سب کو منگل کے دن اور درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو بدھ کے دن اور آسمان کو جمعرات کے دن اور ستاروں کو اور چاند سورج کو اور ملائکہ کو جمعہ کے دن اس وقت تک پیدا کیا جبکہ یوم جمعہ کی تین ساعتیں باقی تھیں۔ (بقیہ) پہلی ساعت میں اوقات موت کو پیدا کیا جن میں مرنے والے مرتے ہیں اور دوسری ساعت میں ان مصائب کو پیدا کیا جن کا نزول انسان کو فائدہ پہنچانے والی ہر چیز پر ہوتا ہے اور تیسری ساعت میں آدمی کو پیدا کیا اور اس کو جنت کا ساکن بنایا اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرے اور تیسری ساعت کے آخر میں آدم کو اور ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔

یہودیوں نے دریافت کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر اللہ عرش پر مستوی ہو گیا۔ یہودیوں نے کہا (آپ نے پورا بیان نہیں کیا' بیان میں نقص ہے) اگر آپ بیان مکمل کر دیتے تو صحیح ہو جاتا۔ اس کے بعد اللہ نے آرام لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آ گیا اور آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
سو تو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتا رہ
بِحَمْدِ رَبِّكَ
خوبیاں اپنے رب کی

آپ صبر کرتے رہیں ☆ یعنی ایسی موٹی باتوں کو یہ لوگ نہ سمجھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین نہ ہوں بلکہ ان کی بے ہودہ بکواس پر صبر کرتے رہیں اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں جو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کے بنانے اور بگاڑنے پر قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ۔ یعنی یہودیوں کے اس قول پر کہ اللہ تھک گیا' پھر اس نے آرام لیا۔ صبر کیجئے۔ یا مشرک جو انکار قیامت کرتے ہیں اس پر صبر کیجئے۔ کیونکہ جو خدا ابتدائی تخلیق عالم پر قادر ہے' وہ ان کو دوبارہ زندہ کرنے اور ان سے انتقام لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
پہلے سورج کے نکلنے سے اور پہلے
الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ
ڈوبنے سے اور کچھ رات میں تو اس کی پاکی ☆

عبادت و قبولیت کے اوقات ☆ یہ وقت اللہ کی یاد کے ہیں ان میں دعا اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہی نمازیں فرض تھیں فجر اور عصر اور تہجد بہرحال اب بھی ان تینوں وقتوں کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہے۔ نماز یا ذکر و دعا وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے حدیث میں ہے "علیکم بالغدوۃ والروحۃ و شیء من الدلجۃ" بعض نے کہا "قبل الطلوع" سے نماز فجر' "قبل الغروب" سے ظہر و عصر اور "من اللیل" سے مغرب و عشاء مراد ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

نماز فجر اور عصر کی تاکید: مسند احمد میں ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دقت نہیں پس اگر تم سے ہو سکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز میں مغلوب ہو جایا کرو' پھر آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ پڑھی۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز تہجد: اور تہجد (قیام لیل) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت پر واجب کیا گیا تھا جو ایک سال تک رہا جس کے بعد قیام لیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ کر دیا گیا اور جب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہو گئیں تو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ہر ایک سے اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ گو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پابندی ایسی ہی کرتے تھے جیسے کہ امر واجب کی کی جائے حتیٰ کہ کسی رات اگر ضعف یا بیماری کے باعث قیام لیل نہ فرما سکے تو اس کی قضا کے طور پر طلوع شمس اور زوال کے درمیانی وقت بارہ رکعت ادا فرما لیتے۔ (معارف الحدیث)

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۝
اور پیچھے سجدہ کے ☆

☆ یعنی نماز کے بعد کچھ تسبیح و تہلیل کرنا چاہئے یا نوافل مراد ہوں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ۔ حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ سجود سے مراد فرض نمازیں ہیں' اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد وہ تسبیحات پڑھنا ہے جس کی فضیلت ہر نماز کے بعد حدیث مرفوع میں آئی ہے۔

فرض نماز کے بعد تسبیحات کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمد للہ' ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیء قدیر' پڑھ لیا کرے تو اس کی خطائیں معاف کر دی جائیں گی' اگرچہ وہ دریا کی موجوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری و مسلم) اور ادبار السجود سے مراد وہ سنتیں بھی ہو سکتی ہیں جو فرض نمازوں کے بعد احادیث صحیحہ میں آئی ہیں (مظہری) (معارف الحدیث)

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ
اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی

قَرِيْبٍ ۙ
جگہ سے ☆

ندا عقریب ☆ کہتے ہیں صور پھونکا جائے گا بیت المقدس کے پتھر پر اس لئے نزدیک کہا یا یہ مطلب ہے کہ اس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی اور سب کو یکساں سنائی دے گی باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی تدابیں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی بعض نے آیت سے وہ مراد لی ہے مگر ظاہر نفخ صور ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر حقانی)

پکارنے والے کی پکار ابن عساکر نے بروایت زید بن جابر شافعی اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ (قیامت کے دن) اسرافیل صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ فیصلہ حساب کے لئے جمع ہو جاؤ۔

کلبی نے کہا زمین کے دوسرے حصے آسمان سے جتنے فاصلہ پر ہیں ان سب سے اطہرہ میل زائد صخرہ آسمان کے قریب ہے۔

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ ۔ یعنی اس روز بحکم خدا مردے سنیں گے مردے ہوں یا جمادات (پتھر وغیرہ) بحکم خدا سننے کے معاملے میں زندوں کی طرح ہیں۔ تمام موجودات کو (خواہ بے حس بے شعور اور غیر نامی ہوں یا نامی باحس یا با شعور) کسی نے کسی طرح کی زندگی تو حاصل ہی ہے۔

عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

علمائے (اہل سنت) کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے شیخین نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا جو وعدہ (یعنی وعدۂ عذاب) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا کیا تم نے اس کو صحیح پالیا ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ (یعنی فتح و نصرت کا وعدہ) کیا تھا ہم نے تو اس کو صحیح پالیا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے جان جسموں کو کس طرح خطاب کر رہے ہیں؟ فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔

قرطبی نے کہا صور کی آواز جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے پھیلتی اور بڑھتی جائے گی ابتدائی آواز تو زندہ کرنے کے لئے ہوگی اور اس کے بعد کی آواز قبروں سے باہر نکالنے کے لئے زندہ کرنے والی آواز تو وہ (مردے) نہیں سنیں گے۔ لیکن قبروں سے نکالنے کی آواز کو سنیں گے۔ سیوطی نے کہا احتمال ہے کہ جو روحیں صور اسرافیل میں ہوں وہ شروع سے ہی سن لیں۔

میں کہتا ہوں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسرافیل ہڈیوں اور کھالوں کو خطاب کریں گے روحوں کو خطاب نہیں کریں گے۔ ارواح کو سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ
جس دن سنیں گے چنگھاڑ محقق وہ ہے
يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۝
دن نکل پڑنے کا ☆

نفخۂ ثانیہ ☆ یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر حقانی)

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۝
ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا ☆

موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے

☆ یعنی بہر حال موت و حیات سب خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہر پھر کر آخر کار اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔ (تفسیر حقانی)

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ
جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے
ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝
سیا کھٹا کرنا ہم کو آسان ہے ☆

یوم حشر ☆ یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔

یَوْمَ تَشَقَّقُ ۔ یعنی مردوں کو زندہ کر کے اور روز قیامت اٹھایا جائے گا جب حساب فہمی کے لئے ان کو پکارا جائے گا اور زمین پھٹ کر وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل آئیں گے۔

ذٰلِكَ ۔ یہ یکدم سب کا نکل آنا۔ ہمارے لئے آسان ہے۔ **عَلَيْنَا** سے پہلے **عَلَيْنَا** کا ذکر اظہار خصوصیت کے لئے ہے حشر اموات اسی کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو بذات خود عالم اور قادر ہو۔ اور کسی کام میں مشغولیت دوسرے کاموں سے اس کو غافل نہ بنا سکے۔ اور ایسی ذات صرف اللہ ہی کی

ہے اس لئے حشر اموات اس کے لئے دشوار نہیں۔ اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔ (تفسیر مظہری)

دوڑنا کس طرف ہوگا: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوڑنا ملک شام کی طرف ہوگا جہاں صخرۂ بیت المقدس پر اسرافیل علیہ السلام نداء کرتے ہوں گے۔

جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

یہاں سے اُس طرف (یعنی شام کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار کچھ پیدل اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (از قرطبی)

حضرت قتادہؒ کی دعاء: حضرت قتادہؒ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعاء مانگتے تھے اللّٰھم اجعلنا ممن یخاف وعیدک ویرجوا موعودک یا بارُّ یا رحیم "یعنی یا اللہ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما دیجئے جو آپ کی وعدی عذاب سے ڈرتے ہیں اور آپ کے وعدے کے امیدوار ہیں اے وعدہ پورے کرنے والے اے رحمت والے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ
ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں
عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ
ہے اُن پر زور کرنیوالا سو تو سمجھا قرآن سے
مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾
اُس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے ☆

آپ قرآن سناتے رہیں ☆ یعنی جو لوگ حشر کا انکار کرتے اور وہی تباہی کلمات بکتے ہیں بکنے دو، ان کا معاملہ ہمارے سپرد کرو ہم کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ کا یہ منصب نہیں کہ زور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں ہاں قرآن سنا سنا کر بالخصوص ان کو نصیحت اور فہمائش کرتے رہیے جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں ان معاندین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: عمرو بن قیس ملائی کی وساطت سے ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر آپ ہم کو (عذاب سے) ڈراتے رہیں تو بہتر ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ سے مرسل روایت بھی اس طرح آئی ہے۔

تم سورۃ ق والحمد للہ۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا زمین کی نباتات میں سے جس قدر چاہے حاصل کرے گا اور ہر مذہب کی طرف دو مائل رہے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۃ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۲﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۳﴾
قسم ہے اُن ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اُڑا کر پھر اٹھانے والیاں بوجھ
فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۴﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾
کو پھر چلنے والیاں نرمی سے پھر بانٹنے والیاں حکم سے ☆

قیام قیامت کی شہادتیں ☆ اول زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں پھر ان میں پانی بنتا ہے اس بوجھ کو اٹھائے پھرتی ہیں پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں ان ہواؤں کی اللہ قسم کھاتا ہے۔ بعض علماء نے "ذاریات" سے ہوائیں "حاملات" سے بادل "جاریات" سے ستارے اور "مقسمات" سے فرشتے مراد لئے ہیں گویا مقسم بہ کی ترتیب نیچے سے اوپر کو ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ "ذاریات" ہوائیں "حاملات" بادل "جاریات" کشتیاں اور "مقسمات" فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبیغ کا قصہ بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا اور اسے میں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مقسمات؟ فرمایا فرشتے اور اسے بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ اُسے دُرّے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے اور سوار کرا کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے

پائے۔ کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی ہے اب میرے دل میں وہ بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابو موسیٰؓ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کہ پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیدی جائے۔ امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دراویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں امیر المؤمنینؓ نے جو اسے پڑوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝

بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے سچ ہے

وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝

اور بیشک انصاف ہونا ضرور ہے ☆

انجام کائنات ☆یعنی یہ ہواؤں اور بارش وغیرہ کا نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا اور انصاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں ہوا تک نے بیہودہ نہیں چلتی تو کیا اتنا بڑا کارخانہ یوں ہی بے نتیجہ چل رہا ہے؟ یقیناً اسکا کوئی عظیم الشان انجام ہوگا اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝

قسم ہے آسمان جال دار کی ☆

آسمان کا نظم و نسق ☆یعنی صاف و شفاف، خوبصورت، مضبوط، اور پر رونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس پر ستاروں کی اور فرشتوں کی راہیں پڑی ہوئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حبک کا معنیٰ صاحب قاموس نے لکھا ہے حبک مضبوط بناوٹ والے حبک الثوب کپڑے کی ساخت میں خوبصورت آثار صنعت۔ حبک الرمل ریت کی دھاریاں حبکہ کا واحد حباک ہے جیسے کتب کا واحد کتاب۔ حبک الماء پانی کی شکنیں لہریں حبک الشعر گھونگریالے بال حبک السماء ستاروں کی گزرگاہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریرؒ کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگر والے ہیں ابوصالح فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا۔ ضحیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علمائے ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝

تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں

يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝

اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا ☆

قیامت میں جھگڑنا حماقت ہے ☆یعنی قیامت اور آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں اسکو وہ ہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر و سعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم و نسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُتِلَ الْخَرَّاصُونَ ۝

مارے پڑے اٹکل دوڑانے والے ☆

اٹکل دوڑانے والے ☆یعنی دین کی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور محض اپنے ظن و تخمین سے قطعیات کو رد کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝

وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے ☆

غفلت کے اسباب ☆یعنی دنیا کے مزوں نے آخرت سے اور خدا سے غافل کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَسْأَلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ۝

پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا ☆

کافروں کی ہنسی ☆ یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئے گا؟ آخر تانی و پیر کیوں ہو رہی ہے؟ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٣﴾

جس دن وہ آگ پر اگلے سیدھے پڑیں گے

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا الَّذِي

چکھو مزا اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی

كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾

تم جلدی کرتے تھے ☆

کافروں کو تنبیہ ☆ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا یعنی ذرا صبر کرو وہ دن آیا چاہتا ہے جب تم آگ میں اگلے سیدھے کئے جاؤ گے اور خوب جلا تپا کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور استہزاء کا مزہ چکھو جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حکیم الامت یہ کہ جس قیامت کی دھمکی دی جا رہی ہے وہ کہاں آئے گی تو اس طبعی شتاب کے باعث جواب میں تنبیہ اور سخن کا رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے وا سطے پھانسی کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق باوجود قیام براہین کے محض اسبعد سے کہ تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جائے اور یہی کہتا رہے اچھا وہ دن کب آئے گا چونکہ یہ سوال از راہ تعنت ہے اس لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا بھی نہایت ہی مناسب ہوگا وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے تو اسی طرح یہاں يَوْمَهُمْ الَّذِينَ کے جواب میں بھی مناسب ہوا کہ فرمایا جائے يَوْمَهُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾

البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں

آخِذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ

لیتے ہیں جو دیا اُن کو اُن کے رب نے ☆

متقیوں کو خوشخبری ☆ یعنی خوشی خوشی ان نعمتوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے پروردگار نے ارزانی فرمائی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾

وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے ☆

محسنین ☆ یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُحْسِنِیْن ۔ حضور خاطر اور خلوص قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس کی خوشنودی کے طلب گار تھے۔ (تفسیر مظہری)

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا

وہ تھے رات کو تھوڑا

يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ

سوتے اور صبح کے وقتوں میں

يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾

معافی مانگتے ☆

متقیوں کی نیکیاں ☆ یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت و خوف بڑھتا جاتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يَهْجَعُوْنَ ۔ میں ما زائدہ ہے۔ ہجوع کا معنی ہے رات کو سونا۔

قَلِيْلًا ۔ مفعول فیہ ہے یا مفعول مطلق یعنی رات کو تھوڑے وقت وہ سوتے ہیں یا رات کے کچھ حصہ میں وہ تھوڑی سی نیند لے لیتے ہیں یعنی رات کے زیادہ حصہ میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

پوری رات عبادت کرنے والے سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ کمتر رات ایسی گزرتی ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ میں نماز نہ پڑھتے ہوں شروع رات میں پڑھتے ہیں یا درمیان شب میں پڑھتے ہیں یا آخر رات میں یعنی پوری رات کم ہی سوتے ہیں۔ مراد یہ کہ پوری رات نہیں سوتے۔

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ کی عنایتیں ۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر رات کو جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں کون ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہو اور میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔ (متفق علیہ)۔

مسلم کی روایت میں ہے پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو روک سکتا ہو ایسی ذات کو جو نہ نادار ہے نہ ظالم یہاں تک کہ فجر نکل آتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد اور استغفار

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات سے اٹھ کر تہجد پڑھتے استغفار کرتے اور کہتے تھے اے اللہ! تیرے ہی لئے ستائش (زیبا) ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کی کائنات کا تو ہی مدبر ہے تیرے ہی لئے حمد ہے۔ آسمانوں کا زمین کا اور ان کی موجودات کا تو ہی حاکم ہے تیری ہی تعریف (زیبا) ہے تو ہی حق ہے تیرا ہی وعدہ حق ہے تیرا (ہمیشہ) باقی رہنا حق ہے تیرا کلام حق ہے دوزخ حق ہے انبیاء حق ہیں محمد حق ہیں قیامت حق ہے اے اللہ میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں تجھی پر ایمان رکھتا ہوں تجھی پر میرا بھروسہ ہے تیری ہی طرف میں رجوع کرتا ہوں تیری مدد سے میں دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوں تیری ہی جانب میں اپنا معاملہ (فیصلہ کے لئے) لے جاتا ہوں تو ہمارا رب ہے تیری ہی طرف منتقل ہونا ہے۔ میرے اگلے پچھلے اور پوشیدہ و ظاہر گناہ اور وہ تصور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرما دے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانیوالا ہے (یا سب سے پہلے اور سب کے بعد تو ہی ہے) تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے علاوہ کوئی قابل پرستش نہیں (متفق علیہ)۔

قبولیت دعاء کا عمل: حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات سے اٹھ کر کہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اس کے بعد کہے رب اغفرلی یا فرمایا پھر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھے گا تو نماز قبول کی جائے گی (رواہ البخاری) ترجمہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی حکومت ہے اس کے لئے ہر تعریف (زیبا) ہے اور وہ ہر شئے پر قابو رکھتا ہے۔ اللہ پاک ہے اللہ کے لئے ہر تعریف زیبا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے سوا اللہ کی مدد کے جو بزرگ اور عظمت والا ہے نہ طاقت ہے نہ قوت پھر کہے اے میرے رب مجھے معاف کر دے یا فرمایا پھر دعا کرے الخ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء شبانہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے بیدار ہوتے تو کہتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُکَ رَحْمَتَکَ اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (رواہ ابوداؤد) (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملے کا مطلب حرف ھَا کو اس میں نفی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو تھوڑا سا حصہ ان پر ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصہ میں عبادت کر لیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں۔

اس آیت کا مصداق

حضرت انسؓ اور ابوالعالیہؒ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں اور امام ابوجعفر باقرؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سوویں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

اپنے عمل کا اہل جنت وجہنم کے اعمال سے موازنہ

حضرت حسن بصریؒ نے احنف بن قیس سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے عمل کا اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کیا تو یہ دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ہم سے بہت بلند و بالا اور ممتاز ہے۔ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ ہمارے اعمال ان کے درجہ تک نہیں پہنچتے کیونکہ وہ لوگ راتوں میں سوتے کم ہیں عبادت زیادہ کرتے ہیں پھر میں نے اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کیا تو دیکھا کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والے قیامت کا انکار کرنے والے ہیں (جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا) اس لئے ہمارے اعمال موازنہ کے وقت نہ اصل اہل جنت کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور نہ (بحمد اللہ) اہل جہنم کے ساتھ ملتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہمارا درجہ عمل کے اعتبار سے وہ ہے جن کا قرآن کریم نے ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اچھے برے اعمال خلط ملط کر رکھے ہیں تو ہم میں بہتر آدمی وہ ہے جو کم از کم اس طبقے کی حدود میں رہے۔

حضرت زیدؓ کا فرمان: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابواسامہؓ ہم اپنے اندر وہ صفت نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے ذکر فرمائی ہے۔ یعنی (کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ) کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ قلیلا من اللیل ما نقوم "یعنی رات میں بہت کم جاگتے اور عبادت کرتے ہیں میرے

والد نے اس کے جواب میں فرمایا "بشارت ہے اس شخص کے لئے جس کو نیند آوے تو سو جاوے مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے۔ (معارف ملی رحمہ)

سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا عمل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے میں اس مجمع میں تھا دا اللہ آپ کے مبارک چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کر لیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نمازا دا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

جنت کے محلات کس کے لئے ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے یہ سن کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوتے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اور اُن کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا ☆

متقیوں کی انسان دوستی

"ہارا ہوا" وہ جو محتاج ہے اور مانگتا نہیں پھرتا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کے علاوہ اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو التزام کی وجہ سے گویا ایک حق لازم سمجھا گیا۔ (تفسیر ماجدی)

سبب نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حسن بن محمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ ان مجاہدوں کے ہاتھ (کافروں کی) کچھ بکریاں لگ گئیں جب یہ لوگ بکریوں کے حصے نجرے کر کے فارغ ہو گئے تو کچھ (غریب) لوگ آ پہنچے ان مجاہدوں نے ان کو بھی کچھ حصہ دے دیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

محروم کون ہے؟ ابو داؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑے سوار ہو محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خواہ اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو صنعت و حرفت یاد نہ ہو۔ جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال اس کا تباہ ہو گیا۔ چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہا لے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین وہ نہیں جو چکر لگاتے رہتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے نہ اپنا حال و قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری و مسلم) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔ یعنی حاصل نہ کر سکا ہو کمانے کمانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوجھتا نہیں ☆

غور و فکر ☆ یعنی یہ شب بیداری استغفار اور محتاجوں پر خرچ کرنا اس یقین کی بنا پر ہونا چاہئے کہ خدا موجود ہے اور اسکے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جاتی اور یہ یقین وہ ہے جو آفاقی و انفسی آیات میں غور کرنے سے بسہولت حاصل ہو سکتا ہے انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور و فکر کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک و بد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی جلد یا بدیر۔ (تفسیر عثمانی)

آیات آفاقی: مطلب یہ ہے کہ زمین میں ان محسنین کے لئے (اللہ کی قدرت تامہ علم محیط اور ربوبیت والوہیت کی) نشانیاں ہیں و ان نشانہائے قدرت کو اندھوں بہروں کی طرح دیکھ کر گزر نہیں جاتے بلکہ بینا آنکھوں سے دیکھ کر غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ زمین کیسے پیدا ہوئی کیسے بچھائی گئی آدمیوں کے رہنے کے لئے اس کا کچھ خشک حصہ کیسے ابھار دیا گیا ہے۔ زمین کے مختلف

اجزاء کی مختلف کیفیات حالات اور متضاد خاصیات کیسے اور کیوں ہیں چشمے پھوٹ کر نہریں بن کر دریا کس طرح اور کس حکمت کے ماتحت بہتے ہیں۔ زمین کے اندر قیمتی جواہر کی کانیں کیسے بن جاتی ہیں۔ زمین کے اوپر غیر محدود ان گنت نباتات اور حیوانات کا پھیلاؤ کتنا ناقابل فہم ہے یہ سب انواع اجناس کیفیات خاصیات اشکال اور الوان کا تعدد دلالت کر رہا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا واجب الوجود خالق کل ہمہ گیر علم اور قدرت کا مالک ہے۔ اسی نے اپنی رحمت اور حکمت سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ دو دیکھتے ہیں کہ زمین پر اور زمین کی موجودات پر اللہ کی رحمت کی کیسی بارش ہو رہی ہے۔ وجود اور بقائے وجود کی اللہ کی طرف سے کس قدر رکتیں نازل ہو رہی ہیں اور موجودات ارضی کی ہر چیز اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے اللہ کی رحمت کے سامنے دست سوال پھیلا رہی ہے۔ کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَانٍ۔

آیاتِ انفسی: انسان عالم صغیر (چھوٹی دنیا) ہے اللہ کی قدرت حکمت صنعت اور ربوبیت کی حیرتناکیاں عالم کبیر میں ہیں ابتداء تخلیق سے لے کر آخری انجام تک وہ ساری آیات انسان کے اندر ہیں۔ آغاز میں تخلیق انسانی بصورت نطفہ تھی۔ پھر نطفہ بستہ خون بنا۔ پھر ایک گوشت کا لوتھڑا ہوا۔ پھر ہڈیاں بنالی گئیں۔ پھر ہڈیوں کے ڈھانچے کو گوشت کا لباس پہنایا گیا۔ پھر اس میں روح ڈالی گئی پھر بصورت باہر آنے کا راستہ بنایا گیا۔ باہر آنے کے بعد فوراً ہی غذا کا انتظام کیا گیا۔ پستان مادر سے دودھ پینا سکھایا گیا اور رفتہ رفتہ دوسری غذاؤں کی طرف آنے اور کھانے کی رہنمائی کی گئی بول و براز اور دوسرے فضلے کو اس کے راستوں سے باہر پھینکا گیا۔

یہ تمام تدبیریں لقاء جسمانی کے لئے کی گئیں۔ اس سے آگے لقاء نسل بھی ضروری تھی تو قوت تولید کو پیدا کیا گیا اور ایک جوڑے کے اختلاط سے سابق کی طرح تیسرے انسان کو بنایا اور پیدا کیا گیا۔ پھر پیغمبروں کو بھیج کر اور آسمان سے کتابیں اتار کر معاد کی طرف جانے کا صحیح راستہ دکھایا گیا۔

انسانوں کی زبانوں یا صورتوں کا رنگوں کا طبقوں اور مزاجوں کا عقل و دانش کا۔ قبول حق کی صلاحیتوں کا راہ حق پر چلنے کی استعدادوں کا۔ پھر درجات قرب اور مراتب معرفت پر فائز ہونے کا عظیم الشان تفاوت اور تعدد۔ صانع کی نادر صنعت اور مدبع نقوش ہیں جو اہل بصیرت اور معرفت کوش قلوب نظارہ کرتے اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں تبارک اللہ احسن الخالقین۔

آیات میں غور کرنے کا نتیجہ: پھر ان اہل عرفان کے سامنے سے تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ اور انوار جلالیہ کے چہروں سے اسرار کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی کی تعبیر حدیث قدسی میں اس طرح فرمائی ہے بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے آخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ الحدیث

اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف کہتا ہے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو اس کی راہ بتائی اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا

رزق اور جنت آسمان میں ☆ یعنی سائلوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے اس لئے نہیں ڈرنا چاہئے کہ خرچ کر کے ہم کہاں سے کھائیں گے اور نہ خرچ کر کے ان مساکین پر احسان جتلائے کیونکہ تمہاری سب کی روزی اور اجر و ثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکنے سے نہیں رک سکتی۔ اور خرچ کرنے والوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آنے والی جو بات ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا دوسرا معنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے کہ رزق سے مراد ہے رزق کے پیدا ہونے کا سبب یعنی بارش۔ اس تفسیر کی بنا اس مسلمہ پر ہے جو (ظاہر) شریعت میں آیا ہے کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔

تیسرا معنی رزق کا اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ میں یا تو اللہ کی قدرت کی آفاقی اور انفسی نشانیاں مراد ہوں گی جیسے چاند سورج ستارے اور ان کی رفتار طلوع و غروب اور پھر ان سے پیدا ہونے والے مفید و مضر آثار اور موسموں کے اختلافات وغیرہ ان ارضی و سماوی آیات میں غور کرنا اور ان سے اللہ کی قدرت پر استدلال کرنا اور حقیقت نیکو کار اہل ایمان ہی کا حصہ ہے۔ پھر اس استدلال اور فہم و دانش پر جس رحمت اور برکات کا اللہ کی طرف سے فیضان ہوتا ہے اور اہل عرفان پر جو تجلیات کی بارش ہوتی ہے وہ بھی انہیں محسنین موقنین کا نصیب ہے اور جن کے دلوں پر اور گوش ہوش پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور جن کی آنکھوں پر غفلت و جہالت کے پردے پڑے ہیں وہ بے نصیب ہیں اور فیضان و عرفان سے محروم ہیں۔ عارف رومی نے کہا ہے۔

گر نخواہد بے مدد جان تو زیست
فی السماء رزقکم روزی کیست

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کا ارشاد

ان علماء کے یہ تینوں اقوال اس امر پر مبنی ہیں کہ خطاب کا رخ مومنوں

کی طرف بھی ہو اور کافروں کی طرف بھی اور دونوں گروہوں کو مخاطب مانا جائے اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ کہ تمہارا رزق اور وعدہ ثواب عذاب یا وعدہ خیر و شر یا وعدۂ جنت و دوزخ آسمان میں لکھا موجود ہے۔ یہ مطلب نہ ہوگا کہ خیر و شر اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ آسمان میں ہیں کیونکہ یہ غلط ہے جنت آسمان پر ہے اور دوزخ زمین کے نیچے اس کی صراحت احادیث میں آ چکی ہے لیکن اگر مخاطب صرف محسنین کو قرار دیا جائے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ نیکو کاروں سے جنت اور ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور جنت آسمان میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ

سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے

مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾

جیسے کہ تم بولتے ہو ☆

یقینی چیزیں ☆ یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں ویسا ہی اس کلام میں شبہ نہیں یقیناً روزی پہنچ کر رہے گی قیامت قائم ہوگی آخرت آ کر رہے گی اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہوں گے آگے "وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" کی مناسبت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا قصہ سناتے ہیں جو تمہید ہے لوط علیہ السلام کے قصہ کی۔ دونوں قصوں سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا میں محسنین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین کے ساتھ اس نے کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتی کا قصہ رحمتی کا بیان ہے میں بصرہ کی جامع مسجد سے آ رہا تھا سامنے سے ایک اعرابی آیا اور مجھ سے پوچھا تم کس قبیلے سے ہو میں نے کہا بنی اصبع سے بولا کہاں سے آ رہے ہو میں نے کہا وہاں سے جہاں اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ کہنے لگا مجھے بھی کچھ سناؤ میں نے سورت والذاریات تلاوت کی جب آیت وَفِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ پر پہنچا تو اعرابی نے کہا بس کرو پھر خود اٹھ کر اپنی اونٹنی کے پاس گیا اس کو نحر کیا اور گوشت آنے جانے والوں کو بانٹ دیا اور پھر اپنے کمان اور تلوار توڑ دی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔

اس کے بعد جب میں ہارون رشید کے ساتھ حج کو گیا اور (مکہ مکرمہ میں) گھومنے نکلا تو اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی کمزور آواز سے مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا۔ میں قریب گیا تو اس نے سلام کیا اور وہی سورت (الذاریات) سنانے کی فرمائش کی جب میں نے پڑھ کر سنائی اور اسی آیت پر پہنچا تو اس نے ایک چیخ ماری اور بولا ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو حق پایا پھر کہنے لگا کیا اور کچھ (آپ پڑھیں گے)۔

میں نے اس سے آگے پڑھا فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اعرابی نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور کہا سبحان اللہ رب علیل کو کس نے غضب ناک کر دیا کہ اس نے قسم کھائی لوگوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا اور اس کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا یہ الفاظ اس نے تین بار کہے اور یہی کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ (مدارک)

نکتہ۔ بلاغت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کا انکار جس درجہ کا ہوتا ہے خبر دینے والا کلام کو اسی قدر تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اللہ نے اس جگہ کلام کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کیا قسم کھائی۔ ان (تحقیقیہ) کا استعمال کیا۔ لام تاکید بھی ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بات حق ہے اور آخر میں حقانیت کلام کو نطق انسانی سے تشبیہ دی جو کھلی ہوئی محسوس حقیقت ہے۔ گویا اللہ کی طرف سے رزق کا جو وعدہ کیا گیا ہے انسان اس کا شدید منکر ہے اور روزی کمانے کے لئے انتہائی مشقتیں جھیلتا ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اللہ نے انسان کو جس چیز کا مکلف کیا ہے اور ابدی ثواب و عذاب کو جس سے وابستہ کیا ہے آدمی اس کی طرف سے غافل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ یعنی جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں انسان کے محسوسات جو دیکھنے سننے چکھنے چھونے اور سونگھنے سے متعلق ہیں ان سب میں سے اس جگہ نطق یعنی بولنے کو خاص طور سے انتخاب شاید اس لئے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض وغیرہ کے سبب سے التباس ہو جاتا ہے دیکھنے سننے میں فرق ہو جانا معروف ہے بیماری میں دائقہ بعض اوقات خراب ہو کر میٹھے کو کڑوا بتلانے لگتا ہے مگر نطق و گویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ (قرطبی) (معارف ملتی مظہر)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ

کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی

الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

جو عزت والے تھے ☆

حضرت ابراہیمؑ کے مہمان ☆ یعنی فرشتے تھے جن کو ابراہیم علیہ السلام اول انسان سمجھے ان کی بڑی عزت کی اور اللہ کے ہاں تو فرشتے معزز و مکرم ہیں ہی۔ کما قال "بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ"۔ (تفسیر عثمانی)

مہمانوں کی تعداد بغوی نے لکھا ہے ان مہمانوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباسؓ اور عطاء نے فرمایا تین فرشتے تھے جبرئیل میکائیل اسرافیل۔
محمد بن کعب نے کہا جبرئیل اور ان کے ساتھ سات اور تھے (کل آٹھ)۔
ضحاک نو ہونے کے قائل ہیں مقاتل نے کہا بارہ فرشتے تھے سدی نے کہا گیارہ
ملائکہ تھے امرد لڑکوں کی شکل میں جن کے چہرے چمکیلے (نورانی) تھے۔

مہمان کا اکرام

یعنی پہچاننے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کی عزت کی تھی حضرت نے
خود نفس نفیس اور آپ کی بی بی نے ان کی خدمت کی تھی اور طعام مہمانی پیش کیا
تھا پیغمبروں کا طریقہ یہی ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کا یہی معمول ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر
ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرے۔
دوسری روایت میں آیا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کو دکھ نہ دے اور جو شخص
اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے مہمان کی خاطر کرنی چاہیے اور جو شخص
اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ بھلائی کی بات کرے یا خاموش
رہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ۔
حضرت ابو شریح کعبی کی روایت سے صحیحین میں حدیث مذکور اس طرح
آئی ہے جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے
مہمان کی خاطر تواضع کرے۔ ایک دن رات کی میزبانی کرے اور (انتہائی)
مہمانی تین روز تک ہے۔ اس کے بعد خیرات ہے اور مہمان کے لئے جائز
نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ وہ نکال باہر کرے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ
جب اندر پہنچے اُس کے پاس تو بولے سلام
قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے ☆

☆ یعنی سلام کا جواب سلام سے دیا اور دل میں یا آپس میں کہا کہ یہ
لوگ کچھ اوپرے سے معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)
ابو العالیہ نے کہا اس شہر میں سلام کا دستور نہ تھا اس لئے حضرت ابراہیم
نے سلام میں غیرت محسوس کی۔ سلام تو اسلام کی علامت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ
پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا
سَمِيْنٍ ۝ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا
گھی میں تلا ہوا پھر اُنکے سامنے رکھا کہا کیوں
تَاْكُلُوْنَ ۝
تم کھاتے نہیں ☆

☆ یعنی نہایت اہتمام سے مہمانی شروع کر دی اور نہایت مہذب و شائستہ
پیرایہ میں کہا کہ کیوں حضرات! تم کھانا نہیں کھاتے؟ وہ فرشتے تھے کھاتے
کس طرح آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آداب مہمانی: ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے
چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا
نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں بلکہ چپکے چپکے سے کھسک گئے اور
ان کی مہمانی کے لئے اپنے پاس جو سب سے اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچھڑا
ذبح کیا۔ اس کو بھونا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو
اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے
وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ تیسرے یہ کہ مہمانی پیش
کرنے کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ
(کیا آپ کھائیں گے نہیں) اشارہ اس طرف ہوا کہ اگرچہ آپ کو حاجت
کھانے کی نہ ہو مگر ہماری خاطر سے کچھ کھائیے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا
پھر جی میں گھبرایا ان کے ڈر سے بولے
لَا تَخَفْ ؕ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ
تو مت ڈر اور خوشخبری دی اُسکو ایک لڑکے ہشیار کی ☆

☆ یہ قصہ سورہ "ہود اور حجر" میں گزر چکا ہے وہاں تفصیل ملاحظہ کر لی
جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ کا اندیشہ

جب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف مائل نہیں ہیں
اور اعراض کر رہے ہیں تو دل میں اندیشہ پیدا ہوا (کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں)
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ
یہ ملائکہ ہیں ان کو عذاب کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ

پھر سامنے سے آئی انکی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا

وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۝۲۹

اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا بانجھ ☆

حضرت سارہ کا تعجب ☆حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی سن رہی تھیں لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (کیا خوب) ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی اب بڑھاپے میں کیا جنے گی؟ (تفسیر عثمانی)

صَكَّتْ ۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا اس سے اپنے ہاتھ سے اپنا منہ پیٹ لیا۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی غیر معمولی عجیب بات سن کر یا دیکھ کر منہ پیٹ لیتی ہیں۔ بعض اہل روایت نے لکھا ہے اس نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور شرم سے منہ پیٹ لیا۔

عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ۔ کہ اول تو میں بڑھیا پھر بانجھ یعنی جوانی میں بھی اولاد کے قابل نہیں تھی اب بڑھاپے میں یہ کیسے ہوگا۔ جس کے جواب میں فرشتوں نے فرمایا کذٰلک یعنی اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے یہ کام یونہی ہوگا۔ چنانچہ جس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہؓ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی۔ (قرطبی) (حاشیہ معنی اعظم)

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ

وہ بولے یوں ہی کہا تیرے رب نے

هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۳۰

وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار ☆

فرشتوں کا جواب ☆العلیم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے بلکہ تیرے رب نے ایسا ہی فرمایا ہے وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینا چاہیے (پھر تم بیت نبوت سے ہو کر اس بشارت پر تعجب کیا کرتی ہو) (تنبیہ) مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں جن کی بشارت ماں اور باپ دونوں کو دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝۳۱

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ ☆

حضرت ابراہیم کا سوال ☆یعنی ابراہیمؑ نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم کس مہم کے لیے آئے ہو۔ اندازہ سے سمجھے ہونگے کہ ضرور کسی اور اہم مقصد کے لیے ان کا نزول ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ ۝۳۲

وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک گنہگار قوم پر

لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ ۝۳۳

کہ بھیجیں ہم ان پر پتھر مٹی کے ☆

فرشتوں کا مقصد ☆یعنی قوم لوطؑ کی سزا دہی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ تا کنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کریں۔ من طین کی قید سے معلوم ہو گیا کہ یہ اولوں کی بارش نہ تھی جس کو توسعاً پتھر کہہ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم لوطؑ ۔ یہ لوگ لواطت کے بانی تھے۔ رہزن تھے لٹیرے تھے اور عام جلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان ہی کے ایک برادر وطن حضرت لوطؑ کو بھیجا لیکن قوم نے لوطؑ کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا اور لولے اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔ لوطؑ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ اور ان مفسدوں کے مقابلہ میں میری مدد کر اور فتح عنایت فرما۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کو ان مدکاروں کی حالت کے لئے بھیج دیا۔

حجارۃ من طین ۔ یعنی کنکر۔ وہ مٹی جو منجمد ہو کر پتھر بن جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ ۝۳۴

نشان پڑے ہوئے تیرے رب کے یہاں سے حد سے نکل چلنے والوں کے لئے ☆

عذاب ☆یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ عذاب کے پتھر خاص ان ہی کو لگیں گے جو عقل، دین اور فطرت کی حد سے نکل چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُسَوَّمَةً ۔نشان دار۔ جس پتھر سے جس شخص کو ہلاک کرنے کا حکم تھا اس شخص کا نام اس پتھر پر مقرر تھا۔

الْمُسْرِفِيْنَ ۔ مکاری میں حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی مشرکوں کے لئے کیوں کہ شرک سب سے بڑا اور حد سے زیادہ گناہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ
پھر بچا نکالا ہم نے جو تھا وہاں
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا
ایمان والا پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ
غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝
سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے ☆

نجات والا گھرانا ☆یعنی اس بستی میں صرف ایک حضرت لوطؑ کا گھرانہ مسلمانی کا گھرانا تھا۔ اس کو ہم نے عذاب سے محفوظ رکھا اور صاف بچا نکالا۔ باقی سب تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی لوطؑ پر ایمان لانے والوں میں سے۔ یعنی ملائکہ نے کہا لوطؑ ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ان کی دست رس تم تک نہ ہو سکے گی تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جاؤ تم میں سے کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھے ہاں تمہاری بیوی منہ پھیر کر دیکھے گی اس لئے جو پتھر اوروں پر گریں گے اس پر بھی ویسا ہی پتھر آ پڑے گا۔

غَيْرَ بَيْتٍ ۔ یعنی ایک گھر والوں کے سوا۔ اس سے مراد ہیں حضرت لوطؑ اور آپ کی بیٹیاں اللہ نے پہلے ان کو مومن فرمایا پھر مسلم کیوں کہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ
اور باقی رکھا ہم نے اس میں نشان ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝
عذاب دردناک سے ☆

سامان عبرت ☆یعنی اب تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور انکی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ
اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اسکو فرعون کے
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
پاس دے کر کھلی سند ☆

☆یعنی معجزات و براہین۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝
پھر اس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ☆

فرعون کا پاگل پن ☆یعنی زور و قوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے دو حال سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے معجزات صادر ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کو جادوگر کہا اور چونکہ اس کی بیمار کور بصیرت والی عقل میں موسیٰؑ کی دعوت توحید نہیں آتی تھی۔ اس لئے آپ کو پاگل کہنے لگا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات کو دیکھ کر فرعون نے آپ کو آسیب زدہ سمجھا پھر سوچنے لگا کہ ان افعال کے اظہار میں موسیٰؑ کے اپنے اختیار اور کوشش کو دخل ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ جادوگر ہے اور بے اختیار ہے تو پاگل ہے وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اظہار معجزات میں موسیٰ کے ارادے اور اختیار کو دخل ہے یا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا انکو
فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝
دریا میں اور اس پر لگا الزام ☆

فرعون کو کئے کی سزا ملی

یعنی ہم نے زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر اور سرکشی اختیار کی سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہی کاٹا۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ
اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے ان پر ہوا

الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ
خیر سے خالی نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر
عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾
گذرے کہ نہ کر ڈالے اُس کو جیسے چورا ☆

عذاب کی آندھی

☆ یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر و برکت سے یکسر خالی تھی اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۔ یہ ہوا بچھوا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پروا ہوا بھیج کر میری مدد کی گئی اور بچھوا ہوا سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

كَالرَّمِيْمِ ۔ رَمّ کے معنی بوسیدہ فرسودہ اور ریزہ ریزہ ہو جانا۔ یعنی بچھوا ہوا جس چیز پر گئی اس کو راکھ سا بنا دیا۔ (سب کو ہلاک و تباہ کر دیا) (تفسیر مظہری)

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا
اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا اُن کو برت لو
حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾
ایک وقت تک ☆

حضرت صالح کی تنبیہ

یعنی حضرت صالح نے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑا لو اور یہاں کا سامان برت لو آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ ثَمُوْدَ ۔ یعنی قوم ثمود کو ہلاک کرنے میں بھی ہم نے (اپنی قدرت کی) نشانی چھوڑی۔ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ ۔ یعنی جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا تو حضرت صالح نے ان سے کہا۔ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۔ یعنی اپنے گھروں میں صرف تین روز تک مزے اڑاتے رہو۔ (تفسیر مظہری)

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ
پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا اُن کو
الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا
کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے۔ پھر نہ

اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا
ہو سکا اُن سے کہ اُٹھیں اور نہ ہوئے کہ
مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾
بدلہ لیں ☆

قوم ثمود کی تباہی

☆ یعنی ان کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی آخر عذاب الٰہی نے آلیا ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طاقت اور متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے۔ اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ ۔ یعنی تین دن گزرنے کے بعد صاعقہ نے انکو آ پکڑا۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے صاعقہ موت ہر مہلت عذاب اور عذاب کی چیخ اور صعق کا معنی ہے آواز کی کڑک۔

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۔ یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے گھروں کے اندر زمین سے چت کر بیٹھ گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ
اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو اس سے پہلے تحقیق
كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾
وہ تھے لوگ نافرمان ☆

قوم نوح

☆ یعنی ان اقوام سے پہلے نوح کی قوم اپنی بغاوت اور سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی ہے۔ وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا
اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو
لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾
سب مقدور ہے ☆

دلیل قدرت

☆ یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی اور اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرے تو کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ ایدٍ' قوت وقدرت کے معنی میں آتا ہے' اس جگہ حضرت ابن عباسؓ نے ایدٍ کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم ☆

خدا کا مجرم کہاں بھاگے گا ☆ یعنی زمین وآسمان سب خدا کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کے قبضہ میں ہیں پھر اس کا مجرم بھاگ کر کہاں پناہ لے سکتا ہے۔ غیر خالق کائنات کی عجیب وغریب کارگیری میں آدمی غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ

اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

تاکہ تم دھیان کرو☆

ہر چیز کے جوڑے ☆ یعنی نر و مادہ جیسا کہ ابن زید نے کہا اور آج جدید سائنسداں اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا "زوجین" سے متقابل ومتضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن' زمین آسمان' اندھیرا اُجالا' سیاہی سفیدی' صحت ومرض' کفر وایمان' غیر ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

زوجین یعنی دو صنفیں میں کہتا ہوں دو صفتوں سے مراد ہیں متضاد (دو عدد مراد نہیں ہیں) اللہ نے ہر مخلوق کی ایک سے زیادہ قسمیں پیدا کی ہیں بلکہ ہر اکائی میں بھی دو رخ رکھے ہیں۔ اچا ہرا معدوم بالذات واجب بالغیر' عاجز بالذات' قادر بالغیر ہر ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے لیکن واجب بالغیر بھی ہے۔ الشیٔ ما لم یجب لم یوجد۔ مسلمہ مسئلہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾

سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اِنِّیْ لَكُمْ

اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو

مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر☆

اللہ کی طرف دوڑو ☆ یعنی جب زمین وآسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر حکومت ہے تو بندہ کو چاہیے ہر جانب سے سمٹ کر اسی کی طرف بھاگے۔ اگر اسی کی طرف نہ بھاگا اور رجوع نہ ہوا تو سمت ذکر کی چیز ہے یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بھی ڈر کی بات ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ممکنات کے احوالی اور واجب کی خصوصیت کو سمجھنے اور جاننے کا تقاضا ہے کہ تم ہر چیز سے منہ موڑ اور بھاگو اور اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر لو۔ اسی کی محبت میں ڈوب جاؤ اسی کے احکام کی تعمیل میں غرق ہو جاؤ تاکہ ہر نقص اور شر سے آزاد ہو جاؤ اور ہر خیر وسعادت کے حاصل ہو کر قرب وکمال کے زینہ پر چڑھتے چلے جاؤ۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ۔ یعنی میں اللہ کے عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں' اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرکشی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے اور اس کا غضب آتا ہے اور اس کے غضب کا نتیجہ عذاب کی شکل میں نازل ہوتا ہے۔

مُّبِیْنٌ۔ یعنی اللہ کی طرف سے معجزات کی روشنی میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں یا مبین کا معنی ہے کھول کر ڈرانے والا۔

واجب الوجود ہونے میں یا استحقاق معبودیت میں یا مقصود اصلی اور محبوب ذاتی ہونے میں کسی کو اس کا شریک مت بناؤ۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اس جملہ کی تکرار تاکید کے لئے ہے یا پہلے جملہ میں خواص کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے سے محبت کریں نہ اپنا رخ کسی اور کی طرف کریں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی طرف دوڑنے کا مطلب حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے بھاگو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ' ابو بکر رزاق اور جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ نفس وشیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں' اور بہکانے والے ہیں' تم ان سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے (قرطبی) (مدارک' معنی' مظہر)

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

جو رسول آیا اُس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

دیوانہ☆

ایک تاریخی حقیقت ☆ یعنی ایسی صاف تنبیہ وانذار پر اگر یہ منکرین کان نہ دھریں تو غم نہ کیجئے۔ ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف کوئی پیغمبر آیا اسی طرح جادوگر یا دیوانہ کہہ کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝
کیا یہی وصیت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں ☆

☆ یعنی ہر زمانہ کے کافر اس بات میں ایسے متفق اللفظ رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑ دینا۔ اور واقع میں وصیت تو کہاں کرتے البتہ شرارت کے عنصر میں سب شریک ہیں اور یہ ہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلواتا ہے جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۝ وَّذَكِّرْ
سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے اب تجھ پر نہیں ہے الزام اور سمجھاتا
فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو ☆

آپ کام جاری رکھیں ☆ یعنی آپ فرض دعوت وتبلیغ کما حقہ ادا کر چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہے گا ان ہی معاندین پر رہیگا ہاں سمجھانا آپ کا کام ہے سو یہ سلسلہ جاری رکھیے۔ جس کی قسمت میں ایمان لانا ہوگا اس کو یہ سمجھانا کام دیگا۔ جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن منیع۔ ابن راہویہ۔ ابن ہیثم بن طیب نے بروایت مجاہد حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ نازل ہوئی تو ہم میں سے ہر شخص کو ہلاک ہونے کا یقین ہو گیا کیونکہ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو لوگوں کی طرف سے بے رخی اختیار کرنے کا حکم دے دیا اس کے بعد جب وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو ہم سب خوش اور مطمئن ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝
اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ☆

تخلیق جن وانس کا مقصد

یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لیے ان میں خلقۃً ایسی استعداد رکھی ہے کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔ یوں ارادہ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کرینگے بہر حال آپ سمجھاتے رہیے کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ترجمہ:

حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لئے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں یعنی اپنے احکام کا مکلف بناؤں اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کذا ذکر البغوی قول علی رضی اللہ عنہ۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول:

مجاہد نے لیعبدون کا ترجمہ کیا لیعرفن مجھے پہچانیں اور کافر بھی اللہ کے وجود کو تو پہچانتے ہی ہیں اللہ نے فرمایا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر آپ ان (مشرکوں) سے دریافت کریں کہ تم کو کسی نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

بعض حضرات کی رائے

بعض اہل تفسیر نے کہا عبادت سے مراد ہے اقرار توحید یعنی اپنی توحید کے لئے تمام جن وانس کو پیدا کیا۔ مومنین تو ہر دکھ سکھ اور تکلیف وراحت میں تنہا اللہ کو پکارتا ہی ہے لیکن کافر پر بھی جب ناقابل تدبیر دکھ آتا ہے تو وہ خدا ہی کو پکارتا ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ صاحب مدارک نے کہا ہے سارے کافر بھی آخرت میں توحید کا اقرار سب ہی کر لیں گے۔

اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اگر کفار دنیا میں توحید کے منکر ہوں تب بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ توحید کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے (کیوں کہ قیامت کے دن تو توحید کا اقرار سب ہی کر لیں گے)

میں کہتا ہوں صحیح قول حضرت علیؓ کا ہے باقی دوسرے اقوال کمزور ہیں۔ (تفسیر مظہری)

زیادہ بہتر توجیہ: زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ انہیں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت

میں یہ استعداد فطرتی موجود ہے پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کُلُّ مولودٍ یولدُ علی الفطرۃ فابواہُ یھوّدانہ او یُمجّسانہ (یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو (اس فطرت سے ہٹا کر کوئی) یہودی بنا دیتا ہے کوئی مجوسی' فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام پر پیدا ہونا ہے) تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں اسی طرح اس آیت میں (اَلّا یَعْبُدُوا) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن و انس کی ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

مَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ

میں نہیں چاہتا اُن سے روزینہ اور نہیں چاہتا

اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ

کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا

ذُو الْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ ۝

زور آور مضبوط ☆

اللہ روزی رساں ہے

یعنی انکی عبادت سے میرا کچھ فائدہ نہیں' انہی کا نفع ہے' میں دو مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لیے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے میں ان سے اپنے لیے روزی کیا طلب کرتا' خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے رزاق اور قادر توانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہو سکتی ہے بندگی کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت و کبریائی کا قولاً و فعلاً اعتراف کر کے میرے خصوصی الطاف و مراحم کے مورد و مستحق ہو۔

؎ من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی برتر شان

اللہ کا اپنے بندوں سے تعلق ایسا نہیں ہے جیسے دوسرے آقاؤں کا اپنے غلاموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آقا چاہتے ہیں کہ ان کے غلام ان کو کما کر کھلائیں۔ ان کے مالک ہونے کی یہی غرض ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے کمائی کرائیں اور حود لے لیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کھلانا پلانا:

ایک حدیث مبارک میں آیا ہے۔ اللہ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا پر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کھانا کیسے دیتا تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پر تو نے اس کو نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا دے دیتا تو مجھے اس کے پاس (موجود) پاتا۔ رواہ مسلم عن حدیث ابی ہریرۃ۔

اس حدیث کی دوسری روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔

عیادت میں سستی نہ کرو

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا' میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پُر کر دوں گا اور تیری فقیری روک دونگا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دونگا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس تو اس سے غفلت نہ کر' تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر' مجھے ڈھونڈ تا کہ مجھے پالے۔ جب تو نے مجھے پالیا تو یقیں مان کر تو نے سب کچھ پالیا۔ اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا۔ میں تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔

رزق کے لئے کوشش:

خالد کے دونوں لڑکے حضرت جبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے ہم بھی اُسی کام میں لگ گئے۔ جب کام ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعا دی اور فرمایا مرنے جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا دیکھو انسان

جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک پھلکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اُسے سب کچھ دیتا ہے۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَنُوبًا مِّثْلَ

سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے

ذَنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ ﴿٥٩﴾

ڈول بھرا اُنکے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں ☆

ان کو بھی سزا ملے گی

یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھو لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو تدریجی سزا کا حصہ پہنچا ان کو بھی پہنچ کر رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ظَلَمُوا۔ یعنی شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اور فطرت سلیمہ کو ضایع کر کے اور بجائے عبادت کے جس کا ان کو مکلف کیا گیا تھا اور جس کی تخلیقی صلاحیت ان کو دی گئی تھی کفران نعمت کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُونِ۔ یعنی جب کافروں کے متعلق آپ نے میری وعید سن لی تو وہ آپ کی تسلی کے لئے کافی ہے اس لئے کافروں کو عذاب جلد دینے کی مجھ سے مسلمان درخواست ان نہ کریں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں نے جو کہا تھا مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔ اللہ نے اس کا یہ جواب دے دیا۔ اس صورت میں یہ خطاب کافروں کو ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن يَوْمِهِمُ

سو خرابی ہے منکروں کو اُن کے اُس دن سے

الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٦٠﴾

جس کا اُن سے وعدہ ہو چکا ہے ☆

سزا کا دن

یعنی قیامت کا دن۔ یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آجائے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو "بدر" میں خاصی سزا مل گئی۔ (تفسیر جلالین)

تم سورۃ الذاریات واللہ الحمد۔

تفسیر سورۂ طور مکیہ

سورۂ طور کی فضیلت: حضرت جبیر بن معظم فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ الطُّور پڑھتے ہوئے سُنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش آواز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا (مؤطا امام مالک)۔ حضرت اُم سلمہ فرماتی ہیں رمانہ حج میں میں بیمار تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور وَالطُّورِ وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری) (تفسیر ابن کثیر)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو سخت مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَالطُّورِ ﴿١﴾

قسم ہے طور کی ☆

کوہ طور ☆ یعنی کوہ "طور" جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ (تفسیر جلالین)

کوہ طور کی فضیلت: یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارض مقدس میں واقع ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے (قرطبی) طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آنے ہیں جن کی پابندی اُن پر فرض ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ ﴿٢﴾ فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ ﴿٣﴾

اور لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں ☆

لکھی ہوئی کتاب ☆ اس کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا

اعمالنامہ یا قرآن کریم یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ۔ سب احتمالات ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾

اور آباد گھر کی ☆

بیت معمور ☆ شاید کعبہ کو کہا ہو ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے۔ اس کو "بیت معمور" کہتے ہیں صیحا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۔ کعبہ کی بالکل سیدھ میں ساتویں آسمان پر ایک عبادت خانہ ہے جس کو صراح کہا جاتا ہے آسمان پر اس کی ایسی ہی تعظیم کی جاتی ہے۔ جیسی زمین پر کعبہ کی۔

مسلم نے حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث معراج میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ساتویں آسمان پر میں نے ابراہیم کو دیکھا جو بیت معمور سے اپنی پشت لگائے ہوئے تھے بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے (عبادت کے لئے) داخل ہوتے ہیں خود دوبارہ (کبھی) نہیں آتے۔ یعقوبی کی روایت ہے وہ بیت معمور کا طواف کرتے ہیں اور اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں پھر لوٹ کر دوبارہ کبھی نہیں آتے (ہر وقت) ملائکہ اس پر چھائے رہتے ہیں (یعنی نئے نئے ملائکہ آتے رہتے ہیں) بیضاوی نے لکھا ہے بیت معمور سے کعبہ مراد ہے حج و اعتکاف کرنے والوں سے کعبہ معمور (آباد) ہے یا مومن کا دل مراد ہے جس کی آبادی معرفت اور اخلاص سے ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾

اور اونچی چھت کی ☆

اونچی چھت ☆ یعنی آسمان کی قسم جو زمین کے اوپر ایک چھت کی طرح ہے اور "سقف مرفوع" عرش عظیم کو کہا جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور روایات سے ثابت ہوا ہے کہ وہ جنت کی چھت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾

اور ابلتے ہوئے دریا کی ☆

ابلتے ہوئے دریا ☆ دنیا کے ابلتے ہوئے دریا مراد ہوں یا وہ عظیم الشان دریا مراد ہو جس کا وجود عرش عظیم کے نیچے اور آسمانوں کے اوپر روایات سے ثابت ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کیا ہے: محمد بن کعب اور ضحاک نے کہا **الْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ** "وہ سمندر جس کو آگ کی طرح بھڑکایا اور گرم کیا جائے گا جیسے گرم کیا ہوا تنور۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے" حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تمام سمندروں کو آگ بنا دے گا جس سے دوزخ کی آگ میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے مجاہد اور حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے کے اور کوئی شخص سمندر میں سفر نہ کرے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یا (فرمایا) آگ کے نیچے سمندر ہے۔

حضرت علی بن امیہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر جہنم ہے۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور بیہقی نے بطریق سعید بن مسیب بیان کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا "میں نے فلاں شخص سے زیادہ سچا کسی یہودی کو نہیں دیکھا اس نے (مجھ سے) کہا تھا کہ اللہ کی عظیم ترین آگ سمندر ہے (یعنی سمندر عظیم ترین آگ بن جائے گا) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس میں سورج اور چاند اور ستاروں کو جمع کر دے گا (یعنی سب کو سمندر میں پھینک دے گا) پھر پچھوا ہوا بھیج کر اس کو بھڑکائے گا اس طرح سارا سمندر جہنم کی آگ بن جائے گا۔

ربیع بن انس نے کہا شیریں اور شور کا مخلوط (یعنی میٹھا اور نمکین سمندر سب مخلوط ہو جائیں گے اسی مجموعے کو **بحر مسجور** کہا گیا ہے) ضحاک نے بحوالۂ نزال بن سبرہ بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا **بحر مسجور** عرش کے نیچے ایک سمندر ہے اس کی گہرائی اتنی ہے جتنا سات آسمانوں کا سات زمینوں سے فاصلہ۔ اس میں گاڑھا پانی بھرا ہوا ہے اس سمندر کو بحر حیوان (بحر حیات) کہا جاتا ہے۔ پہلا صور پھونکا جانے کے بعد چالیس صبح اس سے مخلوق پر بارش ہوگی جس سے لوگ اپنی اپنی قبروں میں (غلہ کے دانوں کی طرح) اگیں گے۔ مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت علیؓ سے کسی یہودی نے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا سمندر ہے یہودی نے کہا جو کتب سابقہ کا عالم تھا اس کی تصدیق کی (قرطبی) اور حضرت قتادہ وغیرہ نے مسجور کے معنی ممتلئ کے کئے ہیں۔ یعنی پانی سے بھرا ہوا ابن جریر نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے (ابن کثیر) (معارف معنی اعظم)

امام احمد بن حنبل نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی کہ سمندر تین مرتبہ اپنی گردن بلند کر کے اللہ رب العزت سے پھیل جانے کی اجازت نہ طلب کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو روکتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ رواہ احمد بن حنبل فی المسند بحوالہ ابن کثیر۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ پر اللہ کے کلام کا اثر ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک

رات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ والطور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے پھر اپنے گدھے سے اُتر پڑے۔ اور دیوار سے ٹیکیہ لگا کر مہینہ گئے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھ رہے کے بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراؤنی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے کہ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے کو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝
بیشک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا
مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝
اُس کو کوئی نہیں ہٹانے والا ☆

قدرت و عظمت الٰہی ☆یعنی یہ تمام چیزیں جن کی قسم کھائی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت و عظمت والا ہے پھر اس کی نافرمانی کرنیوالوں پر عذاب کیوں نہیں آئیگا اور کس کی طاقت ہے جو اسکے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

جبیر بن مطعم پر اس آیت کا اثر

حضرت جبیر بن مطعم فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی جب یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا میں نے فوراً اسلام قبول کیا' مجھے اُس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا' کہ مجھ پر عذاب آ جائے گا (قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

عذاب کی تاکید: یعنی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ کہ اے مخاطب تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے اور قیامت ضرور آئیگی حساب اور جزا و سزا کا مرحلہ انسان سے ٹل نہیں سکتا تو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس خبر اور بیان کے لئے پانچ عظیم الشان چیزوں یعنی کوہ طور' کتاب مسطور' بیت معمور' سقف مرفوع اور بحر مسجور کی قسم کھائی کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی عظمت کا مخاطب اپنے ذہن میں استحضار کرتے ہوئے آئندہ بیان کی جانے والی خبر پر نہ حیرت کرے نہ اس میں تردد کرے بلکہ بلا کسی جھجک اور تامل اس پر ایمان لائے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝
جس دن لرزے آسمان کپکپا کر ☆

قیامت کی دہشت ناکیاں

یعنی آسمان لرز کر اور کپکپا کر پھٹ پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝
اور پھریں پہاڑ چل کر ☆

☆یعنی پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دینگے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
سو خرابی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کو جو
هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝
باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے ☆

غافلوں کی ہلاکت

یعنی جو آج کھیل کود میں مشغول ہو کر طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کیلئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝
جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر
هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝
یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ☆

ذلت کے ساتھ جہنم میں داخلہ

یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائیگا یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝
اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا ☆

اب بتلاؤ ☆ یعنی تم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ورا اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا اب بھی نہیں سوجھتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَسِحْرٌ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۔ یعنی کیا تم کو یہ آگ دکھائی نہیں دیتی جس طرح تم کو دنیا میں مخبرات دکھائی نہیں دیتے تھے اور تم کہتے تھے ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔

سزا آیۃ۔ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی دونوں چیزیں تمہارے لئے برابر ہیں تمہارے اعمال کی سزا، تو ضرور ملنی ہے کفر کی سزا کی وعید اللہ کی طرف سے تم کو مل چکی تھی اور کفر کی سزا بھی اللہ کی واجب کردہ ہے (اس لئے نہ وعید کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے نہ اللہ کی مقرر کردہ سزا بدل سکتی ہے) (تفسیر مظہری)

اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ
چلے جاؤ اُس کے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا
وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾
کرتے تھے ☆

اب کسی صورت چھٹکارا نہیں ہے ☆ یعنی دوزخ میں پڑ کر اگر گھبراؤ اور چلاؤ گے تب کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اور بفرض محال صبر کر کے چپ ہو رہو تب تم پر کوئی رحم کھانے والا نہیں غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لیے کوئی سبیل نہیں جو کر توت دنیا میں کئے ان کی سزا یہ ہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ ﴿۱۷﴾
جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہیں اور نعمت میں
فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ
میوے کھاتے ہوئے جو اُن کو دیئے اُن کے رب نے اور
وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾
بچایا اُنکے رب نے دوزخ کے عذاب سے ☆

مومنین کا انعام ☆ یعنی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہونگے۔ ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان ان کے لیے حاضر ہیں گے۔ اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ
کھاؤ اور پیو رچتا ہوا بدلہ اُن کاموں کا
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ
جو تم کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بچھے ہوئے
مَّصْفُوْفَةٍ ۚ
قطار باندھ کر ☆

جنتیوں کی مجلس ☆ یعنی جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہونگے اور ان کی ترتیب نہایت قرینہ سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

هَنِيْٓـًٔا۔ خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو یا خوشگوار کھانا کھاؤ اور خوشگوار مشروب پیو۔ (تفسیر مظہری)

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ
اور بیاہ دیں ہم نے انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں اور جو لوگ
اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ
یقین لائے اور اُن کی راہ پر چلے اُن کی اولاد ایمان سے
اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ
پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُن کی
مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ
اُن سے اُن کا کیا ذرا بھی ☆

صالحین کی صالح اولاد ☆ یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں گے اور ان ہی کاملوں کی راہ پر چلیں۔ جو علامات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی اس کی تکمیل میں ساعی ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دیگا۔ گو ان کے اعمال و احوال ان کے اعمال

واحوال سے کماحقہ کیفا فروتر ہوں۔ تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لیے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائیگا اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کمر ذریت کو دیدیا جائیگا۔ نہیں یہ محض اللہ کا فضل واحسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا ابھار کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ (تسہیل) احقر نے "واتبعتهم ذرياتهم" کا جو مطلب لیا ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث اس کے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ "قالت الانصار (يا رسول الله) ان لكل قوم اتباعا وانا قد اتعناك فادع الله ان يجعل اتباعنا منا قال النبى صلى الله عليه وسلم اللهم اجعل اتباعهم منهم". (تفسیر عثمانی)

بچوں کا کیا ہوگا: ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے نسل انسانی کے ان (بچوں) کے متعلق مانگ کی جو کھیلنے والے ہوں اللہ نے مجھے وہ عطا فرما دیے (یعنی ان کو جنتی بنا دیا) ابن عبدالبر نے کہا کھیلنے والوں سے مراد ہیں بچے کیونکہ ان کے کام بے عقلی کے کھیل کود کی طرح ہوتے ہیں عزم کے ساتھ نہیں ہوتے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت سمرہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ جنت والوں کے خادم ہوں گے۔ ابن جریر نے ایسی ہی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً بھی بیان کی ہے طیالسی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ مشرکوں کے بچوں کی جانچ کی جائے گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ (جوان ہو کر کیا کرنے والے ہوتے) متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مَآ اَلَتْنٰهُمْ ۔ یعنی ان کے باپوں کے اعمال کے ثواب میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مطلب یہ کہ مومن اولاد کو ان کے باپوں کے ساتھ شامل کر دینے اور درجہ میں ان کے ساتھ ملا دینے سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

بزرگوں کے ساتھ نسبی تعلق آخرت میں بھی نفع دے گا: بشرطیہ ایمان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کی ذریت اولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ (رواہ الحاکم والبیہقی فی سننہ وابونعیم فی الحلیۃ وابن المنذر وابن جریر وابن ابی حاتم)۔ (تفسیر مظہری)

اور طبرانی نے حضرت سعید بن جبیرؓ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں) اس سے کہا جائیگا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں اُن کے ساتھ رکھا جائے گا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

اولاد کے استغفار و دعا کا اثر: مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں اس کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کر دیں گے۔ تو یہ دریافت کرے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا) تو جواب دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار و دعاء کی اس کا یہ اثر ہے۔ (رواہ الامام احمد وقال ابن کثیر اسنادہ صحیح ولم یخرجوہ ولکن لہ شاہد فی صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ) (معارف مفتی اعظم)

تین عمل جو مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے ہیں

ایک روایت صحیح مسلم میں اس طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اُس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔ صدقۂ جاریہ علم دین جس سے نفع پہنچتا رہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعاء خیر کرتی رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝

ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے ☆

عدل کا ضابطہ

اوپر فضل کا بیان تھا یہاں عدل کا ضابطہ بتلا دیا۔ یعنی عدل کا مقتضا یہ ہے کہ جس آدمی نے جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا اسی کے موافق بدلہ پائے۔ آگے اللہ کا فضل ہے کہ وہ کسی کی تقصیر معاف فرما دے یا کسی کا درجہ بلند کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۔ یعنی ہر انسان اپنے عمل میں محبوس ہوگا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے یعنی جس طرح آیت سابقہ میں اولاد صالحین کو صالحین کی خاطر سے درجہ بڑھا دیا گیا یہ عمل سیئات میں تو ہوگا۔ سیئات میں ایک کے گناہ کا کوئی اثر دوسرے پر نہ پڑیگا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ

اور تار گے دیا ہم نے ان پر میووں کا اور گوشت کا

مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾
جس چیز کو جی چاہے☆

دلخواہ میوے ☆یعنی جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے کو دل چاہے ملا تو تف لگا تار حاضر کیے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا
جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے اُس شراب میں
وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾
اور نہ گناہ میں ڈالنا☆

شراب طہور ☆یعنی شراب طہور کا دور جب چلے گا تو جنتی بلور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرینگے لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی۔ نشہ بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ
اور پھرتے ہیں اُن کے پاس چھوکرے اُن کے
كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾
گویا وہ موتی ہیں اپنے غلاف کے اندر☆

غلمان ☆یعنی جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف وشفاف رہتا ہے گرد وغبار کچھ نہیں پہنچتا۔ یہی حال ان کی صفائی اور پاکیزگی کا ہوگا (تفسیر عثمانی)

کم ترین درجہ کا جنتی ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل جنت میں کم ترین درجہ کا وہ شخص ہوگا جس کی خدمت کے لئے صبح شام پانچ ہزار خادم ایسے کم بستہ ہوں گے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی (کھانے پینے کا) وہ برتن نہ ہوگا جو کسی دوسرے کے پاس ہوگا (یعنی ہزاروں قسم کے کھانے کے برتن جدا جدا ہوں گے)۔

خادم ومخدوم کا حسن بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب خادم (حسن وچمک میں) موتی کی طرح ہوں گے تو ان کے مخدوم کی کیا حالت ہوگی، فرمایا مخدوم کی خادم پر آب وتاب چمک اور خوبصورتی میں بڑی ایسی ہوگی جیسے چودھویں رات کے چاند کی باقی ستاروں پر۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
اور منہ کیا بعضوں نے دوسروں کی طرف
يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ
آپس میں پوچھتے ہوئے بولے ہم بھی تھے اس سے پہلے
اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا
اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر
وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ
اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے ہم پہلے سے
قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾
پکارتے تھے اُس کو بیشک وہی ہے نیک سلوک والا مہربان☆

جنتیوں کی شاہانہ ملاقاتیں ☆یعنی جنتی اس وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرینگے اور غایت مسرت واطمینان سے کہیں گے کہ بھائی ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے کیسا مامون ومطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہیں لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر کر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو اُدھر اُس دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی اُس کا تخت اُڑے گا اور راستے میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر چھڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعاء

مسروق سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز یہ آیت فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ الخ تلاوت کی اور پھر اسی طرح دعائیہ کلمات فرمانے لگیں۔ اے اللہ تو ہم پر احسان فرما اور ہم لو وحشتی سوئی دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ (معارف کاندھلوی)

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ

اب تو سمجھاتا رہ کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہے

وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝

اور نہ دیوانہ ☆

کافروں کی بے وقوفی ☆ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دیوانہ کہتے کبھی کاہن یعنی جنوں اور شیطانوں سے کچھ جھوٹی سچی خبریں لیکر چلتی کر دیتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس طرح کے صاف شستہ اور شائستہ طرز میں بیان کیے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے ان کی بکواس سے دلگیر نہ ہوں جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ مجنون بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ

کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں

بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝

اُس پر گردش زمانہ کے ☆

☆ یعنی پیغمبر جو اللہ کی باتیں سناتا اور نصیحت کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لیے قبول نہیں کرتے کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مرمرا کر ختم ہو گئے۔ یہ بھی ٹھنڈے ہو جائینگے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: آیت کا مدلول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو مکہ کے پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں الگ الگ ہٹ کر بیٹھ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور ساحر اور شاعر کہتے تھے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے قریش دارالندوہ (چوپال) میں جمع ہوئے بعض لوگوں نے کہا یہ بھی زہیر اور نابغہ کی طرح ایک شاعر ہے اس کو قید کر دو یہاں تک کہ خود اپنے وقت پر مر جائے جیسے دوسرے شاعر مر گئے اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ

الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝

منتظر ہوں ☆

☆ یعنی اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائیگا۔ کہ کون کامیاب ہے، کون خائب و خاسر۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ

کیا اُن کی عقلیں یہی سکھلاتی ہیں اُن کو یا یہ لوگ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝

شرارت پر ہیں ☆

مشرکین کی بے عقلی ☆ یعنی پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں کیا انکی عقل و دانش نے یہ ہی سکھلایا ہے کہ ایک انتہائی صادق امین عاقل و فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن یا دیوانہ قرار دیکر نظر انداز کر دیا جائے۔ مگر شاعروں اور پیغمبروں کے کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تو کیسے عقلمند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر محض شرارت اور کجروی سے باتیں بناتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کیا ان کی عقلیں ان متضاد اقوال کا حکم دے رہی ہیں۔ کاہن تو بڑا زیرک اور دقیق النظر ہوتا ہے اور مجنون بے عقل خبط الحواس اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا کلام بلیغ موزوں اور تخیل کا حامی ہوتا ہے اور مجنون کے کلام میں نہ وزن ہوتا ہے نہ بلاغت نہ خیال کی پرواز۔ قریش کے بڑے لوگ بہت دانش مند مانے جاتے تھے اللہ نے فرمایا کہ تو زیرک دانا اور پاگل میں بھی امتیاز نہیں ہے حق و باطل میں بھی تمیز نہیں کر سکتے پھر کیسے عقلمند ہیں کیا اس تضاد بیانی کا حکم ان کی عقلیں دے رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنا لایا کوئی نہیں پروہ یقین نہیں کرتے

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا

پھر چاہئے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ

صٰدِقِيْنَ ۝

سچے ہیں☆

نہ ماننے کے ہزار بہانے

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ پیغمبر کو جو کچھ سنا رہا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا؟ سو نہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی مانتا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنا لانا بھی محال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ

کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں

الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ

بنانے والے یا انہوں نے بنایا آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝

اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے☆

پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے

یعنی پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے، کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو کیا بغیر کسی پیدا کرنے والے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں؟ یا یہ خیال ہے کہ آسمان و زمین ان کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین و آسمان کو ہست سے ہست کیا۔ مگر اس علم کے باوجود جو ایمان و یقین شرعاً مطلوب ہے اس سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ

کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی

الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝

داروغہ ہیں ☆

کیا یہی منکر خزانوں کے مالک ہیں

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین و آسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے؟ یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے پھر ایسے صاحب تصرف و اقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع و منقاد کیوں بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ

کیا انکے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں

فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ

تو چاہئے لے آئے جو سنتا ہے اُن میں ایک

مُّبِيْنٍ ۝

سند کھلی ہوئی ☆

کیا یہ منکر کوئی سند رکھتے ہیں

یعنی کیا یہ دعویٰ ہے کہ وہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہوتو کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو تو بسم اللہ اپنی سند اور حجت پیش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ۝

کیا اُسکے یہاں بیٹیاں ہیں اور تمہارے یہاں بیٹے☆

☆ یعنی کیا (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں جیسا کہ بیٹے اور بیٹیوں کی اس تقسیم سے مترشح ہوتا ہے اور اس لیے اس کے احکام و ہدایات کے سامنے سر تسلیم جھکانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

کیا تو مانگتا ہے ان سے کچھ بدلہ سو اُن پر تاوان کا

مُّثْقَلُوْنَ ۝

بوجھ ہے☆

کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں

☆ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لیے نہیں مانتے کہ خدانخواستہ آپ ان سے

اس ارشاد و تبلیغ پر کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں۔ جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤١﴾

کیا اُن کو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں ☆

کیا ان پر وحی آتی ہے ☆ یعنی کیا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے اس لیے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثناء نے کہا یہ جواب ہے کافروں کے قول کا۔ کافروں نے کہا تھا نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ اللہ نے اس کا جواب دیا کیا ان کو علم غیب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے مر جائیں گے اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾

کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا سو جو منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں ☆

ان کے داؤ پیچ الٹا انہیں پر پڑیں گے

☆ یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں تو کیا پھر یہی ارادہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکر و فریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ داؤ پیچ سب ان ہی پر الٹنے والے ہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ لَهُمْ إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾

کیا اُن کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے اُنکے شریک بتاتے سے ☆

کیا کوئی اور حاکم و معبود ہے؟ ☆ یعنی کیا خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے پر ان کی مدد کریگے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے زار کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل و مزاحم ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ

اور اگر دیکھیں ایک ٹکڑہ آسمان سے

سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾

گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے کا ڈھا ☆

یہ صرف ضدی اور عنادی ہیں ☆ یعنی حقیقت میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ صرف ایک چیز ہے "ضد اور عناد" جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر انکی فرمائش کے موافق فرض کیجئے آسمان سے ایک تختہ ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی تاویل کر دینگے مثلاً کہیں گے کہ یہ آسمان سے ٹکیس آیا۔ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور مجمد ہو کر گر پڑا ہے جیسے بڑے بڑے اولے کبھی گرتے ہیں بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ

سو تو چھوڑ دے ان کو یہاں تک کہ وہ دیکھیں اپنے اس دن کو جس میں اُن پر

يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ

پڑیگی بجلی کی کڑک جس دن کام نہ آئیگا اُن کو ان کا داؤ

شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾

ذرا بھی اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی ☆

ان معاندوں پر قہر برسے گا ☆ یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں چھوڑ دیجئے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنا لیں۔ آخر وہ دن آتا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہینگے اور بچاؤ کی کوئی تدبیر کام نہ دیگی نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی (غالباً اس سے آخرت کا دن مراد ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ

اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اس سے

ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

ورے پر بہت اُن میں کے نہیں جانتے ☆

ان بے خبروں کو پتہ چل جائے گا

یعنی ان میں سے اکثروں کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کیلئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ شاید یہ معرکہ "بدر" وغیرہ کی سزا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے ☆

آپ انتظار کریں ☆ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم تکوینی، تشریعی کا انتظار کیجئے جو عنقریب آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ

اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے ☆

آپ تسبیح و تحمید میں لگے رہیں ☆ یعنی صبر و تحمل اور سکون و اطمینان کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تحمید اور عبادت گزاری میں لگے رہیے۔ خصوصاً جس وقت آپ سو کر اٹھیں یا نماز کے لئے کھڑے ہوں یا مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جائیں۔ ان حالات میں تسبیح وغیرہ کی مزید ترغیب و تاکید آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب اور کفارۂ مجلس

سعید بن جبیر اور عطاء نے کہا (مجلس سے اٹھنے کا وقت مراد ہے یعنی) جب اپنی مجلس سے تم اٹھا کرو تو اس وقت پڑھا کرو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ پس اگر وہ مجلس خیر کی مجلس تھی تو اس کی خیر میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر اس مجلس میں کوئی بری بات ہوگی تو یہ تسبیح و تحمید اس کا کفارہ ہو جائے گی۔

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی شور و شر کی جگہ بیٹھا ہو پھر اٹھنے سے پہلے کہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (اے اللہ! میں تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں اور تیری ثناء کرتا ہوں میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں) تو جو کچھ مجلس میں ہوا ہوگا یہ دعا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ رواہ البغوی۔ بیہقی نے دعوات کبیر میں اور ترمذی نے کان کفارۃ کی بجائے غفر لہ ما کان فی مجلسہ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے آخر دور میں جب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوتے اور آپ مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ عَمِلْتُ سُوْءًا (یا فرماتے) ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ تو آپ نے فرماتے ہیں پہلے تو مجلس سے اٹھتے وقت یہ الفاظ نہیں کہتے تھے) فرمایا ہاں میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور کہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ (الفاظ) مجلس (کی بری باتوں) کا کفارہ ہیں۔ رواہ النسائی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے تینوں معاجم میں اس کو مختصر نقل کیا ہے۔ (بعض اہل تفسیر کے نزدیک مجلس خیر کے آخر میں پڑھنا مراد ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا چند الفاظ ہیں جو کوئی مجلس خیر اور مجلس ذکر (کے آخر) میں ان کو پڑھے گا اس کے لئے یہ (مجلس کی) مہر بن جائیں گے جیسے کسی تحریر پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ رواہ ابوداؤد وابن حبان فی صحیحہ۔

گناہ والی مجلس حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ اللہ کا ذکر کریں نہ نبی پر درود پڑھیں تو یہ بیٹھنا ان کے لئے گناہ ہوگا۔ اللہ چاہے گا عذاب دے گا اور چاہے گا معاف کر دے گا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ۔ وابن ابی الدنیا والبیہقی)

ابوداؤد کی روایت میں آیا ہے جو شخص کسی جگہ بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اللہ کی طرف سے یہ بیٹھک موجب انتقام ہوگی۔ اور جو کسی جگہ لیٹے اور اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ لیٹنا اللہ کی طرف سے باعث انتقام ہوگا اور جو شخص ایسے راستہ میں چلے جن میں اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ چلنا اللہ کی طرف سے ہو جب انتقام ہوگا۔ (یعنی اللہ ایسے بیٹھنے اور لیٹنے اور چلنے سے نفرت کرتا ہے اور پسند نہیں کرتا)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنا مراد ہے ضحاک اور ربیع نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو کہو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ رواہ ابن ماجہ عن ابی سعید۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث ہم کو صرف حارثہ کی روایت سے معلوم ہوئی اور حارثہ کی قوت حافظہ میں کلام کیا گیا ہے۔

قلبی نے کہا بستر سے اٹھ کر نماز شروع کرنے کے وقت تک زبان سے ذکر خدا کرنا مراد ہے۔ حامد بن حمید کا بیان ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو (بستر سے) اٹھتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے۔ فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے

تھے نو دس مرتبہ اللہ اکبر دس بار الحمد للہ اور دس بار استغفر اللہ کہتے تھے اور کہتے تھے اللّٰھُمَّ اعْفِرْلِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ اور قیامت کے دن جائے قیام کی تنگی سے (اللہ کی) پناہ چاہتے تھے۔ ابوداؤد نے شریق ہوزنی کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات سے اٹھتے تو دس بار تکبیر کہتے اور دس بار الحمد کی حمد کرتے اور دس بار سبحان اللہ وبحمدہ کہتے اور دس بار سبحان الملک القدوس کہتے۔ اور دس بار استغفار کرتے اور دس بار تہلیل کرتے (یعنی لا الہ الا اللہ کہتے) پھر دس بار کہتے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا وَضِیْقِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (اے اللہ! میں تیری پناہ پکڑتا ہوں دنیا کی تنگی سے اور روز قیامت کی تنگی سے)۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ۔ یعنی نماز پڑھو۔ مقاتل نے کہا مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔ میں کہتا ہوں بظاہر تہجد۔ مراد لینا زیادہ اچھا ہے۔ مراد لینا زیادہ اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں بظاہر تہجد مراد لینا زیادہ اچھا ہے۔ آیت میں نماز شب کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ رات کی عبادت نفس پر بڑی شاق ہوتی ہے اور دکھاوٹ کا شبہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْہُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ پھیرتے وقت تاروں کے ☆

☆ ''رات کے حصہ'' سے مراد شاید تہجد کا وقت ہو اور تاروں کے پیٹھ پھیرنے کا وقت صبح کا وقت ہے کیونکہ صبح کا اجالا ہوتے ہی ستارے غائب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فجر کی دو سنتیں

اکثر اہل تفسیر کے نزدیک صلوٰۃ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ رواہ مسلم

یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی پابندی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے اور کسی (سنت) نماز کی نہیں کرتے تھے۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

تم سورۃ الطور وللہ الحمد والمنۃ

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی اولاد ہیبت ہو گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی میں مریں گے اور وہ شخص صاحب علم و تقویٰ ہوگا۔ (ابن سیرین)

سورۂ نجم کی خصوصیات

سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا (رواہ عبداللہ بن مسعودؓ قرطبی) اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا۔ اور اس سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سجدہ کرتے ہیں سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا' تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے' صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے' ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا' مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگائی اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے' حضرت عبداللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا ہے (رواہ البخاری و مسلم واصحاب السنن ابن کثیر ملخصاً)۔ (معارف ملفوظ اعظم)

سُوْرَۃُ النَّجْمِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ اِحْدٰی وَخَمْسُوْنَ اٰیَۃً وَّاَرْبَعُ رُکُوْعَاتٍ

سورۂ نجم مکہ میں نازل ہوئی اس کی باون آیتیں ہیں اور تین رکوع

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

☆ شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ☆

وَالنَّجْمِ اِذَا ھَوٰی ۙ

قسم ہے تارے کی جب گرے ☆

☆ یعنی غروب ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ثریا ستارہ والی اور عوفی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جب ثریا گر جائے (غائب ہو جائے) ھوی کا معنی ہے غائب ہو جانا۔ عرب ثریا کو النجم کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) زمین پر جو آفت ارضی (کیڑے مکوڑے

وغیرہ) ہوتی ہے۔ نجم یعنی ثریا کے نکلتے ہی وہ جاتی رہتی ہے۔ رواہ السلمی۔

امام احمد کی روایت میں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی (ارضی) آفت برپا ہو اور نجم صبح کو نکلے اور وہ آفت دور نہ کر دی گئی ہو یا ہلکی نہ کر دی گئی ہو۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

نجم کے معنی مختلف اقوال

امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جب شب معراج میں آسمان سے نیچے اترے تھے۔ طوی کا معنی ہے اترنا۔

بعض علماء نے کہا۔ النجم سے مراد ہے مسلمان اور ھوی سے مراد ہے اس کا قبر میں دفن ہونا۔ نجم کے وقت ہوی کو قسم کے لئے اس وجہ سے مخصوص کیا کہ یہ وقت نجم کے اوقات میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر نجم سے مراد ثریا یا عام ستارے ہوں اور ہوی سے مراد ہو ستاروں سے شعلہ نکلنا اور شیطانوں پر انگارے پڑنا تو ظاہر ہے کہ نجوم کی پیدائش کی اصل غرض رجم الشیطان ہی ہو گی اور اگر ہوی سے مراد قیامت کے دن ستاروں کا بکھرنا اور جھڑنا مراد ہو تو تکمیل مقصد یعنی ستاروں کے گرنے کا وہی وقت ہو گا۔ اور اگر ہوی سے غروب نجم مراد ہو تو ظاہر ہے کہ ستاروں کا چھپنا اور غروب ہونا وجود صانع کا واضح ثبوت ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیم نے ستاروں کے ڈوبنے اور چاند سورج کے غروب ہونے سے صانع برتر کی ہستی پر استدلال کیا تھا اور کہا تھا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔

(۲) اور اگر نجم سے نجم القرآن اور ہوی سے نزول قرآن مراد ہو تو یقینی امر ہے کہ نزول قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوا۔

(۳) اور اگر نجم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت اور ہوی سے مراد شب معراج میں آپ کا آسمان سے نیچے اترنا ہو تو ناقابل شک ہے یہ حقیقت کہ عروج کے بعد آپ کا ہدایت خلق کے لئے نیچے اترنا اللہ کا اتنا بڑا احسان اور انعام ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔

(۴) اور اگر نجم سے مسلمان اور ہوی سے مراد قبر میں (دفن کیا جانا) ہو تو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ شیطانی اغواء اور نفسانی وسوسہ سے محفوظ رہ کر مسلمان کا مرنا اور دفن ہونا عظیم الشان تحفہ خداوندی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قسم کھانے کا مقصد یہاں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھائی جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ستارے اندھیری رات میں سمتیں اور راستے بتانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان سے سمت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے راستے کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔ (معارف معنی اعظم)

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝

بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا ☆

آفتاب اللہ کے راستہ ہی پر ہے

"رفیق" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر راستہ سے بھٹکے نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لیکر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی عصمت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و مستحکم ہونا چاہئے۔ جس سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ

اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو

اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

حکم ہے بھیجا ہوا ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حرف بھی اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں

☆ یعنی کوئی کام تو کیا۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو کو "قرآن" اور غیر متلو کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کی قسمیں وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے

نازل ہوتے ہیں' جس کا نام قرآن ہے' دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث اور سنت ہے' پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے' کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے' جس سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں' اس اجتہاد میں اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے' مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ خواہ حاکم وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے۔ بخلاف دوسرے علماء مجتہدین کے کہ ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطاء بھی عنداللہ صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی وہ خرچ کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک ثواب ملتا ہے (کما فی الاحادیث الصحیحۃ المعروفۃ)

بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے' جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے' چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے' واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ ذُوْ مِرَّةٍ

اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے زور آور نے ☆

وحی لانے والا فرشتہ ☆ یعنی وحی پہنچنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ کو سکھلاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا' بڑا زور آور حسین و جمیل فرشتہ ہے جسے "جبریل امین" کہتے ہیں۔ چنانچہ "سورۃ التکویر" میں جبریل کی نسبت فرمایا۔ "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِيْ قُوَّةٍ" الخ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نجم کے دو واقعات: قرآن کریم نے اپنے عام اسلوب کے مطابق سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے ایک واقعہ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھنے کا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں کسی جگہ جا رہے تھے اور یہ واقعہ اسراء و معراج سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ شب معراج کا ہے۔ جس میں جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنے سے کہیں زیادہ دوسرے عجائب اور اللہ تعالیٰ کی آیات کبریٰ کا دیکھنا مذکور ہے ان آیات کبریٰ میں خود حق تعالیٰ جمالہ کی رویت کا شامل ہونا بھی محتمل ہے۔

فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ

پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے ☆

حضرت جبرئیلؑ ☆ "اونچے کنارے" سے اکثروں نے افق شرقی مراد لیا ہے۔ بدھ سے صحیح صادق نمودار ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبریل اپنی اصلی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ آپ نے دیکھا۔ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ "مدثر" اتری۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ جبرئیلؑ کو دیکھا

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریلؑ سے فرمایا۔ آپ مجھے اپنے اصل شکل دکھلا دیجئے۔ حضرت جبریلؑ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اصل شکل دو مرتبہ دکھائی۔ ایک بار زمین پر اور ایک بار آسمان پر۔ زمین پر تو مشرق کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اس وقت حضور حراء میں تھے۔ جس وقت جبریلؑ مشرقی افق سے برآمد ہوئے تو مشرق سے مغرب تک پورے افق پر چھا گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جبریلؑ فوراً آدمی کی شکل میں اتر کر آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمٹا لیا اور چہرۂ مبارک سے غبار صاف کرنے لگے۔ دوسری بار آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شب معراج میں آپ نے جبریلؑ کی اصل شکل دیکھی۔ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی نے حضرت جبرئیل کو اس شکل میں نہیں دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ

پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى

دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک' پھر حکم بھیجا اللہ نے

عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۭ

اپنے بندہ پر جو بھیجا ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل سے قرب

☆ یعنی جبریل اپنے اصل مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر نزدیک ہو گئے کہ دونوں کے درمیان دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی بھیجی۔ غالباً اس سے مراد سورۃ "مدثر" کی یہ آیات ہیں۔ "یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ الخ" یا اور کچھ احکام ہونگے۔ (تنبیہ) "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" میں محققین کے نزدیک "او" شک کے لئے نہیں۔ بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ زیادہ کی نفی کے لئے ہوتی ہے یعنی تعیین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ "قوسین" کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم، ہاں اتنا ظاہر کر دینا ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا۔ وفیہ اقوال آخر ذکرہا المفسرون۔ (تفسیر عثمانی)

کس کا قریب ہونا مراد ہے بغوی نے لکھا ہے قصہ معراج میں شریک بن عبداللہ بن انس کی روایت سے ہم سے بیان کیا گیا کہ رب العزت قریب ہوا۔ پھر نیچے آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہو گیا جیسے دو کمانوں کا فاصلہ بلکہ اس سے بھی قریب۔

شیخ محمد حیات سندی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ نے بھی بیان کیا جس کو ابوسلمہ نے نقل کیا ہے۔

صوفیہ کا قول صوفیہ نے کہا کہ دو کمانوں سے مراد ہے قوسِ امکان اور قوسِ وجوب۔ صوفی مرتبہ قرب میں قَابَ قَوْسَيْنِ کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر دونوں قوسوں (دائرۂ امکان اور دائرہ وجوب) کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن مرتبہ ادنیٰ (اقرب) پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر سے قوس امکان پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اس کو اپنی ہستی کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔

عرب کا رواج تھا کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے تھے اور خلوص و مودت کا اظہار کرنا چاہتے تھے تو ہر ایک اپنی کمان لاتا اور دوسرے کی کمان سے چمٹا کر رکھ دیتا تھا۔ اس سے اس امر کا اظہار مقصود ہوتا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے حمایتی اور ہر طرح مددگار ہیں اور اتنے ہی قریب ہیں جیسے یہ دونوں کمانیں۔ یہاں قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ سے مراد باری تعالیٰ کے قرب کا مرتبہ ہے جس کا ادراک ایک عارف ہی کر سکتا ہے جس نے مرتبہ قرب کا مزا نہ چکھا ہو وہ کیا جانے۔ کتب تصوف میں ان درجات کا ذکر ان گنت الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ قَابَ قَوْسَيْنِ یعنی دو ہاتھ (شرعی دو گز) کی مقدار۔ سعید بن جبیرؒ اور شقیق بن سلمہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قوس ایک ذراع ہوتی ہے جس سے ہر چیز ناپی جاتی ہے۔ بخاری نے اس آیت کی تشریح میں حضرت عائشہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آنا اور نازل ہونا اور اتنا پاس آ جانا جتنا قوسین کا فاصلہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث کمال نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو حضرت جبرئیلؑ سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "آسمان میں میرے دو وزیر ہیں۔ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ۔

یہ آیت متشابہات سے ہو سکتی ہے قرآن میں تو کچھ آیات متشابہات بھی ہیں۔ جن کی مراد سوا اللہ کے کوئی نہیں جانتا پھر اس آیت کو بھی اگر متشابہات میں سے قرار دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ اللہ کا استواء، قرب، نزول سب کے معانی تو معلوم ہیں لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ صرف ارباب القلوب ان صفات کا اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے زیادہ مناسب قول اول ہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾

جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا ☆

فرشتہ کی معرفت ☆ یعنی جبریل کو آپ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبریل کو دیکھ رہی ہے۔ کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رؤیت اللہ تعالیٰ کی ہوئی یا جبریلؑ کی

حضرت انسؓ، حسنؒ، اور عکرمہؒ کا قول ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو خُلّت کے لئے چن لیا (اور خلیل اللہ فرما دیا) اور موسیٰؑ کو کلام کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی) رویت کے لئے۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا میں نے اپنے دل سے اس کو دیکھا۔ ترمذی نے بروایت شعبی بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا "اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو بار کلام کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار (اس کو) دیکھا۔

کون سا دیکھنا مراد ہے

میں کہتا ہوں جس روایت میں اختلاف علماء ہے وہ قلبی رویت نہیں، چشم سر کی رویت میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ رویت قلبی جس کو مشاہدہ بھی کہا جائے (انبیاء تو درکنار) بعض اولیاء امت کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اولیاء

نے تو رویت چشم کے حصول کا بھی دعویٰ کیا ہے مگر یہ خلاف اجماع ہے۔ اتفاق علماء ہے کہ رویت چشم سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض صوفیہ کو اشتباہ ہو جاتا ہے وہ بیداری کی حالت میں مشاہدۂ قلبی میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ باوجود آنکھیں کھلی ہونے کی قوت بصر معطل ہو جاتی ہے۔ وہ غلبۂ حال کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے رب کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی بینائی چشم معطل ہوتی ہے دل سے مشاہدہ میں غرق ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں اگر رویت چشم ثابت بھی ہو جائے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور کعب احبار کا مکالمہ میں ہے۔ تب بھی آیت میں رویت قلبی ہی مراد ہوگی۔ کیونکہ مروجی کے وقت قلبی رویت کا ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ رویت چشم مراد نہ ہوگی کیوں کہ (اگر اس کا وقوع ہوا ہے تو) اس کی خصوصیت شب معراج کے ساتھ ہے۔

ابو جعفر اور بشام کی قرأت میں بحوالۂ ابو عباس کذب (باب تفعیل سے) آیا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی آنکھ یا اپنے دل سے دیکھا۔ دل نے اس کی تصدیق تکذیب نہیں کی بلکہ یقین کر لیا محقق مان لیا۔ بات یہ ہے کہ امور قدسیہ کا ادراک سب سے پہلے قلب سے ہوتا ہے۔ پھر یہ ادراک چشم بصیرت کی طرف منتقل ہوتا ہے (یعنی بصر و بصیرت اس کا ادراک کرتے ہیں) پس اگر ادراک قلبی کے موافق ادراک چشم و بصیرت ہو تو دل اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن بصر و بصیرت کی رسائی ادراک قلبی تک نہ ہو۔ بلکہ اس کے خلاف ہو تو قلب اس کی تکذیب کرتا ہے۔ سچے علوم رحمانی اور جھوٹے خیالات اور اشتباہات شیطانی میں یہی فرق ہے۔

کیا تصدیق قلبی، رویت قلبی سے کوئی الگ چیز ہے؟

بے شک دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ تنقیح مسئلہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جب اللہ کو مومن بندے سے بے کیف ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو مومن کو اللہ کی بے کیف ذاتی معیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ کو اللہ کی ذات و صفات کا ادراک میسر ہو جاتا ہے لیکن رویت حاصل نہیں ہوتی۔ رویت کا تعلق صرف مرتبۂ ظلیت سے ہے (یعنی رویت ظلال کی ہوتی ہے ذات و صفات کی نہیں ہوتی) قلب تو ممکنات ذات کو بھی نہیں دیکھتا بلکہ اس کے عمل اور شبیہ کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ ذہن میں کسی چیز کی ذات حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی صورت اس شبیہ حاصل ہوتی ہے۔ ہاں نفسی شئ اور ذات شئ کی رویت قوت باصرہ کی دساطت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ذات خداوندی کی رویت تو دنیا میں ممکن نہیں (معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یا نہیں دیکھا اس اختلاف کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا ہے) کیونکہ دنیا میں حاسۂ بصری اس کی طاقت نہیں رکھتا البتہ آخرت میں (قوت باصرہ میں) اس کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے گی اس لئے عام مومنوں کو دیدار الٰہی ہو سکے گا اور ادراک کا تعلق چونکہ صرف دل سے ہے بصارت چشم سے نہیں ہے۔ اس لئے نہ دنیا میں ادراک ذات باری کا ہو سکتا ہے۔ نہ آخرت میں ممکن ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝
اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس سے دیکھا ☆

اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے ☆ یعنی وحی بھیجنے والا اللہ لانے والا فرشتہ جس کی صورت و سیرت نہایت پاکیزہ اور فہم و حفظ وغیرہ کی تمام قوتیں کامل بھرا تا قریب ہو کر وحی پہنچائے پیغمبر اس کو اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اس کا صاف اور روشن دل اس کی تصدیق کرے۔ تو کیا ایسی دیکھی بھالی چیز میں تم کو حق ہے کہ اس سے فضول بحث و تکرار کرو اور جھگڑے نکالو۔

؎ اذا لم تر الهلال فسلم لناس رأوه بالابصار

(تفسیر عثمانی)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کے دیکھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ تمہیں اس کا انکار اور جھگڑا نہ کرنا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ
اور اُس کو اُس نے دیکھا ہے اُترتے ہوئے ایک بار اور بھی
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ
سدرۃ المنتہی کے پاس اُس کے پاس ہے بہشت
الْمَاْوٰى ۝
آرام سے رہنے کی ☆

دوسری مرتبہ دیکھنا ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "دوسری بار جبرئیل کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا۔ معراج کی رات میں سات آسمان سے اوپر جہاں درخت ہے بیری کا وہ حد ہے نیچے اور اوپر کی نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے نہیں اترتے۔ اس کے پاس بہشت کو دیکھا" (خلاصہ) جس طرح جنت کے انگور انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے محض اشتراک اسمی ہے۔ اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا جائے الٰہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہو گی۔ بہر حال وہ درخت ادھر اور ادھر کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ ادھر

سے چڑھتے ہیں اور جو احکام وغیرہ اوپر سے اترتے ہیں سب کا منتہیٰ وہی ہے۔ مجموعہ روایات سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ رَاٰهُ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو یا جبرائیلؑ کو ان کی اصل شکل میں دیکھا۔

نَزْلَةً اُخْرٰى۔ یعنی ایک اور نزول کے وقت۔ نزلۃ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس مارو رویت نزول اور قرب کی حالت میں ہوئی۔ کیونکہ ممکن واجب کو اسی وقت دیکھ سکتا ہے جب دیکھنے والا انسان امکان کے مرتبہ انس اور افق اعلیٰ میں ہو اور واجب مرتبہ تنزیہ سے پکھا تر کر درجہ تشبیہ کی طرف آ جائے اور حجاب صفات یا پردۂ ظلال کی آڑ سے اس کو دیکھا جا سکے۔ اس قول سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ واجب کی ذات میں کوئی نئی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تغیرات سے پاک ہے۔ بلکہ آئینہ قلب میں جب صفائی پیدا ہو جاتی ہے تو مرتبہ علم میں نزول و عروج ہوتا ہے۔ یہ تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں ہم نے درج کر دی ہے۔

ضروری نہیں کہ رؤیت صرف دو ہی دفعہ ہوئی ہو

اخریٰ کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رویت صرف دو مرتبہ ہوئی بلکہ اس سے مراد بے تعداد اور تعدد کا اولیٰ درجہ، چونکہ دو کا عدد ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباسؓ اور کعب الاحبار کے مکالمہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

اس آیت میں اس رؤیت کا ذکر ہے جو شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

عتبہ کی بدبختی۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں۔ چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمدؐ! جو قریب ہوا اور اتر اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا میں تو اس کا منکر ہوں۔ (چونکہ یہ نا ہنجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے۔ یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا! اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا اس کی دعا رد نہ جائے گی۔ اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا۔ شام کی سرحدوں میں ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس پڑاؤ کیا۔ راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں کے ریوڑ تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابو لہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں اب آج میں تم سے ایک عرض کرتا ہوں امید ہے کہ تم سب اسے قبول کرو گے۔ بات یہ ہے کہ مذکی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے مدد عائی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے۔ تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرا دو۔ لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ یہ سب اپنے تھن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا۔ جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس چبان پر پہنچ گیا وہاں جا کر اس کا منہ بھی سونگھا اور گویا کہ وہی اس کا مطلوب تھا۔ پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد عا سے بچ نہیں سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

معراج کا قصہ

شق صدر۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بحوالہ حضرت مالک بن صعصعہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا آیا۔ اس نے اس جگہ سے اس جگہ تک یعنی ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک (میرا سینہ) شق کیا پھر ایک سنہری طشت ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا اور (اس سے) میرے دل کو دھویا گیا۔ پھر (ایمان کو) دل میں بھر کر اس کی جگہ دوبارہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ پھر آب زمزم سے اس کو دھویا گیا۔ اس کے بعد ایمان اور حکمت سے اس کو بھر دیا۔

بُراق۔ پھر ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا جس کو براق کہا جاتا تھا۔ حد نظر تک اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ اس کے بعد جبرئیل مجھے لے کر روانہ ہوئے۔

آسمان تک پہنچنا اور انبیاء سے ملاقات

یہاں تک کہ آسمان دنیا تک اور (دروازہ) کھلوایا جاتا۔ دریافت کیا گیا۔ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا۔ جبرئیلؑ۔ پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دریافت کیا گیا۔ کیا ان کے پاس تم کو بھیجا گیا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا ہاں۔ (دروازہ) فوراً کھول دیا گیا اور کہا گیا مرحبا خوش آمدید!۔ جب میں ادھر پہنچا تو وہاں آدمؑ کو موجود پایا۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں ان کو سلام کرو! میں نے سلام کیا۔ آدمؑ نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا۔ صالح بیٹے کے لئے مرحبا! اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے

دوسرے آسمان تک چڑھا کر لے گئے اور (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان دنیا کے مذکرہ میں جس (سوال جواب) کا ذکر کیا وہی دوسرے آسمان تک بلکہ ہر آسمان تک پہنچنے کا سلسلہ میں بیان فرمایا۔ چنانچہ فرمایا۔ جب میں اوپر پہنچا تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو پایا جو آپس میں خالہ کے بیٹے تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ یحییٰؑ ہیں اور یہ عیسیٰؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو میں نے دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا صالح بھائی اور صالح نبی کے کے لئے مرحبا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے آسمان پر یوسفؑ (کے ہونے) کا اور چوتھے پر ادریسؑ کا اور پانچویں پر ہارونؑ کا اور چھٹے پر موسیٰؑ (کے موجود ہونے) کا ذکر کیا۔ ہر ایک نے صالح بھائی اور صالح نبی کے لئے مرحبا کہا۔ جب میں آگے بڑھا یعنی موسیٰؑ سے تو موسیٰؑ رو دیئے پوچھا گیا۔ آپؑ کے رونے کی کیا وجہ۔ موسیٰؑ نے کہا میں اس لئے رویا کہ ایک لڑکے کو میرے بعد (نبی بنا کر) بھیجا گیا۔ جس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ پھر مجھے چڑھا کر ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ اس جگہ بھی حضور نے دروازہ کھلوانے وغیرہ کا حسب مذکور بالا ذکر فرمایا۔ اور وہاں ابراہیمؑ کے موجود ہونے کا بھی بیان فرمایا جبرئیلؑ نے کہا یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ صالح بیٹے کے لئے مرحبا۔

اس کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اٹھا کر میرے سامنے لایا گیا اس کے بیر ایسے تھے جیسے ہجر کے مٹکے اور پتے ایسے تھے۔ جیسے ہاتھی کے کان۔ جبرائیل نے کہا۔ یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ وہاں سے چار دریا نکل رہے تھے۔ دو اندرونی و بیرونی میرے دریافت کرنے پر جبرائیلؑ نے کہا۔ دو اندرونی دریا تو وہ ہیں جو جنت کے اندر ہیں اور دو بیرونی دریا نیل و فرات ہیں۔

اس کے بعد بیت المعمور میرے سامنے لایا گیا پھر ایک برتن شراب کا بھرا ہوا ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا اور ایک برتن شہد سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبرائیلؑ نے کہا۔ یہی وہ (دین) فطرت ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔

نمازوں کا فرض ہونا۔ اس کے بعد مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں لوٹ کر آیا اور موسیٰؑ کی طرف سے گذرا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم دیا گیا۔ میں نے کہا ہر روز پچاس نمازوں کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ میں واللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں میں بنی اسرائیل کی درستی کی بھی سخت کوشش کر چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جا کر اپنی امت کے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا (اور تخفیف کی درخواست کی) اللہ نے دس نمازیں ساقط کر دیں۔ میں لوٹ کر موسیٰؑ کی طرف آیا۔ موسیٰؑ نے وہی پہلے کی طرح بات کی۔ میں پھر لوٹ کر گیا اور اللہ نے دس نمازیں (اور) ساقط کر دیں۔ میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰؑ نے وہی بات کہی آخر مجھے دس نمازوں کا حکم دیا گیا اور میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰؑ نے وہی پہلی بات کہی میں لوٹ کر پھر گیا تو مجھے روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ میں موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کیا حکم ملا۔ میں نے کہا۔ مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل سے میرا سخت واسطہ پڑ چکا ہے۔ آپ واپس جا کر اپنی امت کے لئے تخفیف کی اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں نے کہا میں اتنی مرتبہ درخواست کر چکا کہ اب (مزید درخواست کرنے سے) مجھے شرم آتی ہے لیکن میں خوشی و رضا سے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں (موسیٰ کے پاس سے) آگے بڑھا تو ایک ندا کرنے والے نے پکار کر کہا۔ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لئے تخفیف کر دی۔

بیت المقدس پہنچنا مسلم نے بوساطت ثابت بنانی حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس براق لایا گیا وہ ایک چوپایہ تھا۔ سفید دراز قامت گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ اس کی (ایک) ٹاپ وہاں پڑتی تھی جہاں تک اس کی نظر پہنچتی تھی۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ جس حلقہ سے دوسرے انبیاء (اپنے جانوروں کو) باندھ دیتے تھے۔ اس سے میں نے براق کو باندھ دیا۔ ابن جریرؒ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ہم بیت المقدس پہنچ گئے تو جبرئیلؑ نے اشارہ کر کے پتھر میں شگاف کر دیا اور اس سے براق کو باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی باہر نکلا تو جبرئیلؑ ایک برتن شراب سے بھرا ہوا اور ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا میرے پاس لائے۔ میں نے دودھ کو پسند کر لیا۔ جبرئیل نے کہا آپ نے فطرت کو پسند کر لیا۔ اس کے بعد ہم کو چڑھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔ باقی حدیث روایت اول کے موافق ہے۔

گھر کی چھت میں شگاف:

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت ابوذرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے گھر کی چھت میں شگاف کر دیا گیا۔ اس وقت میں مکہ میں تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کا حسب روایت سابق ذکر کیا لیکن براق کا ذکر نہیں کیا۔

براق کی شوخی معمر نے بوساطت قتادہؓ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا

کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے براق لایا گیا جو زین پوش اور لگام بردوش تھا۔ براق نے کچھ شوخی کی۔ حضرت جبرائیل نے فرمایا۔ کیا محمد کے ساتھ تو ایسی حرکت کر رہا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی اللہ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت والا تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ براق یہ بات سن کر پسینے پسینے ہو گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ: مسلم کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک پہنچایا گیا۔ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر چڑھتے ہیں وہ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے (اللہ کی طرف سے) ان کو لے لیا جاتا ہے اور جو کچھ (حکم) اوپر سے اترتا ہے وہ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک آتا ہے اور یہاں سے ملائکہ کے قبضہ میں اس کو دے دیا جاتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ہلال بن یسار نے کہا۔ میں موجود تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب (احبار) سے سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کے متعلق دریافت کیا۔ کعب نے کہا۔ سدرہ عرش کی جڑ میں ہے مخلوقات کے علم کی رسائی بس وہیں تک ہے۔ اس کے پرے غیب ہے۔ جس سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔

میں کہتا ہوں۔ اس قول میں مخلوقات سے مراد ملائکہ ہیں۔ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى تک ملائکہ کی رسائی ہے۔ اس سے آگے کوئی فرشتہ نہیں بڑھ سکتا۔ اس سے پرے مکمل غیب ہے۔ خود سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اگرچہ بعض آدمیوں کے لئے غیب ہے مگر بعض ملائکہ کے لئے غیب نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى کا ذکر سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اس کی شاخ کا سایہ ایسا ہے وایک سوار سو برس اس کے نیچے چلتا رہے اور ایک لاکھ سوار اس کے سایہ میں آ سکتے ہیں۔ اس کا فرش سونے کا ہے اور اس کا پھل مٹکوں کی طرح (مقدار میں) ہیں۔

مقاتل نے کہا۔ وہ ایک درخت جو زیور اور لباس اور پھلوں سے اور تمام رنگوں سے آراستہ ہے۔ اگر اس کا پتہ زمین پر گر جائے تو زمین کے سارے رہنے والوں کو روشن کر دے۔ یہ ہی طوبیٰ ہے۔

جنت الماویٰ: عطاء کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ وہ ایسی جنت ہے جو جبرائیل اور ملائکہ کی قرارگاہ (جائے رجوع) ہے۔ مقاتل اور کلبی نے کہا۔ شہداء کی روحیں یہیں اقامت گزیں ہوتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ
جب چھا رہا تھا اس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا ☆

دیدار الٰہی ☆ یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے۔ اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ "مَا يَغْشٰى" سنہری پروانے تھے۔ یعنی نہایت خوش رنگ جن کے دیکھنے سے دل کھنچا جائے۔ اس وقت درخت کی بہار اور رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔ شاید ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے موافق معراج میں جو اللہ کا دیدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اس کا بیان اسی آیت کے ابہام میں منطوی و مندرج ہو۔ کیونکہ پہلی آیتوں کے متعلق تو عائشہ صدیقہؓ کی احادیث میں تصریح ہو کر ان سے رویت رب مراد نہیں۔ محض رؤیت جبریل مراد ہے۔ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے اخص اصحاب میں سے ہیں اسی آیت کے تحت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "كان اغصان السدرة لؤلؤا وياقوتا و زبرجدا فراها محمد صلى الله عليه وسلم ورأى ربه بقلبه" اور یہ روایت چونکہ صرف قلب سے نہ بھی بلکہ قلب اور بصر دونوں کو دیدار سے حصہ مل رہا تھا جیسا کہ "مازاغ البصر" سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا۔ "رآه مرتين مرة بقلبه و مرة ببصره" یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہو کہ ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا (كما قالوا في حديث انشق القمر بمكة مرتين) ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی لیکن یاد رہے کہ یہ روایت وہ نہیں جس کی نفی "لاتدركه الابصار" میں کی گئی ہے کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جب سوال کیا گیا کہ دعویٰ رویت آیت "لاتدركه الابصار" کے مخالف ہے تو فرمایا "ويحك ذاك اذا تجلى بنوره الذي هو نوره" (رواه الترمذي) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات و انوار متفاوت ہیں۔ بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور رویت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رویت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رویت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔ نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں۔ اور اسی طرح ابوذرؓ کی روایات "رأيت نورا" اور "نور انى اراه" میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝
بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی ☆

جو دیکھا پورے یقین سے دیکھا ☆ یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے تمکن و اتقان سے دیکھا نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر داہنے بائیں ہٹی نہ مصر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔ آپ ان دونوں سے پاک تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا طَغٰی کا ایک صوفیانہ مفہوم:

اور نہ نظر محبوب سے ہٹی۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

آہ من العشق وحالاتہا خرق قلبی بحرارتہ

ما نظر العین الی غیرکم اقسم باللہ وآیاتہ

آہ عشق اور کیفیات عشق کی گوناگوں تپش نے میرے دل کو سوختہ کر دیا۔ اللہ اور کلام اللہ کی قسم میری آنکھ نے تو تمہارے سوا (کسی چیز کو) دیکھا بھی نہیں"۔ بعض علماء نے ما طغی کا یہ مطلب بیان کیا کہ جن عجائبات قدرت کو دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان سے نگاہ دوسری طرف نہیں مڑی۔ (تفسیر مظہری)

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ اُسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رویت باری کا مسئلہ: تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت و عام مؤمنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں البتہ عالم دنیا میں میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے اس لئے دنیا میں کسی کو رویت و زیارت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائیگی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا تقریباً یہی مضمون قاضی عیاضؒ سے بھی منقول ہے اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّكُمْ حَتّٰى تَمُوتُوا (فتح الباری ص ۴۹۳ ج ۸) اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطہ سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں نہیں ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

بیشک دیکھے اس نے اپنے رب کے بڑے نمونے ☆

☆ "إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ" کے فائدہ میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ جو اور نمونے دیکھے ہونگے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

(تفسیر عثمانی)

عجائب ملکوتی: آیات کبریٰ سے مراد ہیں۔ عجائب ملکوتی جنکی سیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں دوران آمد و رفت کی تھی۔ براق آسمان انبیاء ملائکہ سدرۃ المنتہیٰ سب کا شمار عجائب ملکوت میں ہے۔

آیات کبریٰ کہنے کی وجہ: عجائب ملکوت کو آیات کبریٰ کہنے کی خصوصیت اس بنا پر ہے کہ مذکورہ آیات قدرت برکت و رحمت کی مردود گاہ تھیں اور انوار و تجلیات کی خصوصی بارش ان پر ہو رہی تھی۔ ورنہ ہر ممکن وجود صانع کی روشن برہان اور واضح دلیل ہے۔

معراج کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے کہ سیر معراج بیداری میں ہوئی (لیکن کہاں سے کہاں تک اور کیسے ہوئی اس میں اقوال مختلف ہیں) اہل علم نے صراحت کی ہے کہ مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جانا تو قطعی ہے۔ قرآنی صراحت سے ثابت ہے۔ اللہ نے سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا تصریح کے ساتھ فرما دیا ہے۔ اس لئے اس کا منکر تو کافر ہے۔ لیکن ساتویں آسمان تک اور اس سے اوپر جانا قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (اور احادیث آحاد قطعی نہیں ظنی ہوتی ہیں) اس لئے اس کا منکر فاسق (بحسب العقیدہ) ہے کافر نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا تو

اسی آیت سے ثابت ہے اور قطعی ہے اس لئے معراج سماوی کا منکر بھی کافر ہے۔

تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ سیر معراج نبوت سے تقریباً بارہ سال بعد ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔

محدثین کا قول

بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ (معراج دو بار ہوئی ایک بار) نبوت سے پہلے خواب میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سو رہے تھے اور (دوسری بار) بیداری کی حالت میں ہجرت سے پہلے نبوت کے بارہ سال بعد آپ کو سیر معراج کرائی گئی تاکہ نبوت سے پہلے خواب کی عملی تصدیق ہو جائے جیسا کہ ۶ سے ۸ میں حدیبیہ کے سال خواب میں فتح مکہ دکھائی گئی۔ پھر اس کی عملی تصدیق سے میں ہوگئی اور اللہ نے فرما دیا۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ رویت رب و آیات رب کو ذکر کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی تصدیق کی صراحت کے بعد اللہ نے آئندہ آیت میں بطور مذمت کافروں کا ذکر فرمایا جو کوتاہ نظر تھے ان کی نظر مجاز سے آگے حقیقت تک رسائی نہیں رکھتی تھی۔ (تفسیر سلیمی)

أَفَرَءَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ﴿١٩﴾ وَمَنَوٰةَ

کھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ کو اور منات

الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٢٠﴾

تیسرے پچھلے کو ☆☆

لات، عزیٰ اور مناۃ کفار کے بت

یعنی اس لامحدود عظمت و جلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لیتے ہے شرم آنی چاہئے۔ (تنبیہ) "لات" "عزیٰ" "مناۃ" ان کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔ ان میں "لات" طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا۔ "مناۃ" اوس و خزرج اور خزاعہ کے ہاں۔ اور "عزیٰ" کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ادل "عزیٰ" جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ پھر "لات" جو طائف میں تھا۔ پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں "مناۃ" جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک واقع تھا۔ علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ "اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى هٰؤُلَاءِ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَ اِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑ بڑ مچا دیں کما قال تعالیٰ "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ" (حم السجدہ۔ رکوع ۴) جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب و لہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہونگے جو ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ "تلک الغرانیق العلی" الخ آگے تعبیر واوا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے ہی کی زبان پر شیطان کو ایسا تسلط کب حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔ (تفسیر عثمانی)

عُزّیٰ کا قیام ضحاک کا بیان ہے کہ عزیٰ بنی غطفان کی آبادی میں ایک بت تھا۔ جس کو سعید بن ظالم غطفانی نے قائم کیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ سعید بن ظالم مکہ کو گیا۔ وہاں اس نے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں دیکھیں۔ جن کے درمیان لوگ سعی کیا کرتے تھے۔ جب مکہ سے وادی نخلہ میں واپس آیا تو اس نے اپنی قوم والوں سے کہا۔ مکہ والوں کا صفا اور مروہ سے اور تمہارے پاس کوئی صفا اور مروہ نہیں ہے اور ان کا ایک معبود ہے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں اور تمہارا کوئی معبود نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آپ کا کیا حکم ہے۔ سعید نے کہا۔ میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی بنا دوں گا۔ چنانچہ وہ ایک پتھر صفا کا اور ایک پتھر مروہ کا لایا۔ صفا کے پتھر کو ایک جگہ رکھ دیا اور کہا یہ تمہارے لئے صفا ہے اور مروہ والے پتھر کو کچھ حاصلہ سے رکھ کر کہا۔ یہ تمہارا مروہ ہے پھر ایک درخت کے سہارے سے تین پتھر کھڑے کئے اور کہا یہ تمہارا رب ہے۔ اس طرح لوگ دونوں پتھروں کے درمیان چکر لگانے اور پتھروں کی پوجا کرنے لگے۔

حضرت خالدؓ کے ہاتھ "عزیٰ" کا مارا جانا

بیہقی نے حضرت ابوالطفیل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت خالد بن ولیدؓ وہاں گئے اور کیکر کے درختوں (یعنی جھاڑیوں) کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو ڈھا دیا پھر واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم کو وہاں کچھ نظر آیا۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ تو تم نے اس کو نہیں ڈھایا۔ حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور برابر چوکنے رہے۔ جب مجاوروں نے خالد کو دیکھا تو پہاڑوں پر پھیل گئے اور کہنے لگے عزیٰ اس کو لے اس کو ہلاک کر دے ورنہ ذلت کے ساتھ مر جا۔ فوراً ایک کالی بھجنگ ننگی سر بکھیرے ہوئے سر اور منہ پر خاک اڑاتی ہوئی عورت برآمد ہوئی۔ خالدؓ نے تلوار

سونت لی اور فرمایا۔ میں تجھے نہیں مانتا۔ میں تجھے پاک نہیں جانتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے تجھے ذلیل کیا ہے۔ پھر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آ کر اطلاع دیدی۔ فرمایا ہاں وہ غلامی تھی۔ اب وہ تمہارے شہر میں پوجی جانے سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہو گئی۔

منات کا قتل محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو فتح کے درمیان ہی سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف جو کہ مشلل پر تھا بھیجا۔ مشلل وہ پہاڑ تھا۔ جس سے اتر کر وادی قدید میں آتے ہیں۔ منات اوس، خزرج اور غسان کا (بت) تھا' ایک مجاور اس پر مقرر تھا' سعد بن زید بیس سواروں کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے' مجاور نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ سعد نے کہا منات کو ڈھا دینا' مجاور نے کہا تم جانو اور وہ جانے۔ سعد پیدل چل کر منات کی طرف بڑھے' ایک عورت برہنہ بدن سیاہ فام' پراگندہ سر پیٹتی اور موت کو پکارتی برآمد ہوئی' حضرت سعدؓ اس کو تلوار سے مارنے لگے' یہاں تک کہ قتل کر دیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر بت کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کو ڈھا دیا۔ (تفسیر مظہری)

لات وعزیٰ کا قسم کھانا کفر ہے۔ صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات و عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہیے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آؤ تمہیں اسے صدقہ کرنا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد بھی اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ایک مرتبہ اسی طرح لات عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ پڑھ لو اور تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾
کیا تم کو تو ملے بیٹے اور اس کو بیٹیاں
تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾
یہ بانٹا تو بہت بھونڈا ☆

نظریۂ ولدیت کی تردید ☆ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سوال تو خدا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ہے اور بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور مہمل ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ
یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے ہیں
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا
تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری
مِنْ سُلْطٰنٍ
اُن کی کوئی سند ☆

محض نام ہیں حقیقت کچھ نہیں

یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدائی کی کوئی سند نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لیجئے یا اور کچھ محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى
محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کی
الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ
امنگ ہے اور پہنچی ہے اُن کو اُن کے رب سے
الْهُدٰى ﴿۲۳﴾
راہ کی سوجھ ☆

عقل کے اندھے ☆ یعنی باوجود یکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آ چکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا مگر یہ احمق ان ہی اوہام واہوا کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آ گیا اور وہ دل میں امنگ پیدا ہوئی کر گذرے۔ تحقیق و بصیرت کی راہ سے کچھ سروکار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۖ
کہیں آدمی کو ملتا ہے جو کچھ چاہے'
فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾
سو اللہ کے ہاتھ ہے سب بھلائی پچھلی اور پہلی ☆

آرزوؤں کے پجاری ☆ یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزو میں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہی مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بت پوجے سے کیا ملتا ہے ملے وہی جو اللہ دے"۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَمْ مِّن مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي
اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنۢ بَعْدِ أَن يَأْذَنَ
اُن کی سفارش مگر جب حکم دے
اللَّهُ لِمَن يَشَآءُ وَيَرْضَىٰٓ
اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے ☆

اللہ کے سامنے ان کی سفارش کام نہ دے گی

☆ یعنی ان بتوں کی حقیقت کیا ہے، آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دے اور اس سے راضی ہو تو وہاں سفارش بیشک کام دیگی۔ ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ (تیسیر عثمانی)

إِنَّ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْـَٔاخِرَةِ
جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا
لَيُسَمُّونَ ٱلْمَلَٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ ٱلْأُنثَىٰ وَمَا
وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام اور
لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا
اُن کو اس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر
ٱلظَّنَّ وَإِنَّ ٱلظَّنَّ لَا يُغْنِى مِنَ ٱلْحَقِّ
چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک
شَيْـًٔا ۝
بات میں ☆☆

بے یقینی کا نتیجہ

☆ یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے کیا واسطہ اور خدا کے لئے اولاد کیسی۔ کیا سچی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی اٹکلوں اور پادر ہوا وہم سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

دلائل کی قسمی اور ترتیب

جہاں تک ممکن ہو قطعی دلائل سے علم حاصل کرنا واجب ہے لیکن اگر قطعی دلیل نہ مل سکے تو مثل فیصلہ کن ہوگی اور دلیل ظنی سے جو حکم مستفاد ہو (یا خبر معلوم ہو) اس پر احتیاطاً عمل کرنا واجب ہوگا۔ دلیل ظنی سے مراد ہے ایسی دلیل جو صحیح طریق سے غلبہ ظن پیدا کر دے۔ مثلاً دلیل ظنی سے ثابت ہو گیا ہے کہ وتر واجب ہیں اور چاشت کی نماز سنت ہے اور بھنگ حرام ہے اور بیع کو اگر فاسد شرط کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو ایسی بیع ممنوع ہے اور اس کے خلاف حکم دینے والی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا مضطر احتیاطاً عمل کالمحرم فیصلہ ہے کہ وتر کو نہ چھوڑا جائے، بھنگ نہ پی جائے۔ شرط فاسد بیع نہ کی جائے اور بامید ثواب چاشت کی نماز پڑھی جائے کیونکہ جب تعمیل حکم میں ضرر نہ ہونے کا یقین ہو تو حصول نفع کا احتمال بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے کافی ہے اور اگر مضرت کا احتمال بھی ہو تو اس عمل سے پرہیز رکھنے کے لئے یہ احتمال بھی کافی ہے کسی سوراخ میں سانپ کے موجود ہونے کا احتمال اس میں انگلیاں نہ ڈالنے کا موجب ہے۔

اگر کوئی قطعی دلیل معارض نہ ہو یعنی احادیث آحاد اور قیاس سے ٹکرانے والی کوئی بھی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو جو حکم احادیث آحاد اور قیاس سے ٹکرانے والی کوئی بھی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو جو حکم احادیث آحاد یا قیاس سے مستفاد ہو رہا ہے اس پر عمل کرنا اور نفقہ سے کام لینا ان احادیث سے بھی ثابت ہے جو باجماع امت متواتر المعنی ہیں اور قرآنی آیات سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ دوسری آیت ہے فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔ (تفقہ اور اعتبار کا معنی ہی قیاس کرنے کے ہیں)۔

مسائل فقہیہ میں دراصل ظن طریق (استنباط) میں ہوتا ہے لیکن جب ظن کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بدلیل قطعی اس پر عمل واجب ہے اسی طرح مبدا اور معاد کے متعلق جو خبریں اخبار آحاد میں آئی ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں لیکن تمام آحاد میں یہ قدر مشترک ہے اتنی حد تک تو وہ قطعی اور موجب عمل ہیں باری ان کی تفصیل تو اگر زیادہ قوی دلیل یعنی نص قطعی سے اس کا تصادم نہ ہوتا ہو تو اس سے ترغیب و ترہیب کا استفادہ جائز ہے (کیونکہ اس صورت میں وعظ و نصیحت سے فائدہ حاصل ہونے کی امید ہے اور کسی نص کی مخالفت نہیں ہے) واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

ظن کے مختلف اقسام اور ان کے احکام

لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شک وشبہ کی راہ نہ ہو جیسے قرآن کریم یا احاد بہت متواترہ سے حاصل شدہ علم اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعیات اور یقینیات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ظنیات اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے قرآن وحدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے آیت مذکورہ میں ظن کو جو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد و بے دلیل خیالات ہیں اس لئے کوئی اشکال نہیں (معارف مفتی اعظم)

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا

سو تو دھیان نہ کر اس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے

وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ

اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا بس یہیں

مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ

تک پہنچی ان کی سمجھ ☆

مادہ پرستی ☆ یعنی جس کا اوڑھنا بچھونا یہ ہی دنیا کی چند روزہ زندگی ہو کہ اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے۔ آپ اس کی پکو اس کو دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور کجروی کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے مدعیت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس اسی دنیا کے فوری نفع نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ ان کی تمام تر علمی جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت فرو کرنے کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم نے یہ اُن کفار کا حال بیان کیا ہے جو آخرت وقیامت کے منکر ہیں افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوا وہوس نے آج کل ہم مسلمانوں کا یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف محاشیات کے گرد گھومنے لگیں معادیات (معاملات آخرت) کا بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں مگر حالت یہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے (نعوذ باللہ منہ) (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جو (آخرت میں) کنگال ہو اسے جمع کرنے کی ذہن میں وہ رہتا ہے جو عقل سے خالی ہو۔ ایک منقول دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ اللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا پروردگار! تو ہماری اہم کوشش کو منجانب نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ

تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اُس کو جو بہکا اُس کی

سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝

راہ سے اور وہی خوب جانے اُس کو جو راہ پر آیا ☆

اللہ خوب جانتا ہے ☆ یعنی جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا۔ ان سب کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہو کر رہیگا۔ ہزار حشر کرو اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہو سکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا۔ لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ

اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ

تاکہ وہ بدلہ دے بدائی والوں کو اُن کے کئے کا اور بدلہ دے

الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝

بھلائی والوں کو بھلائی سے ☆

ہر چیز کا مالک وہی ہے ☆ یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی سارے جہان کا خالق اور مالک اللہ ہی ہے وہ معبود برحق ہے۔ جو چاہتا اور جیسا اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ۔ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور گمراہوں سے ہدایت یافتہ لوگوں کو الگ کر دیا اور ان کے اچھے برے احوال کو محفوظ رکھا تاکہ مشرکوں اور گنہگاروں کو ان کے کئے کی سزا دے اور مخلص نیکوکاروں کو اچھا ثواب یعنی جنت عطا کرے۔ یا بِالْحُسْنٰى کا یہ مطلب ہے کہ ان کے سب سے اچھے عمل یعنی اخلاص کی جزا دے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے
وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ
اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی ☆

لَمَم کا معنی ☆ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورۃ "نساء" کے فوائد میں مفصل گذر چکا "لمم" کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ "لمم" ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔ ہمارے نزدیک بہترین تفسیر وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے سورۃ "نساء" کے فوائد میں اختیار کی ہے لیکن یہاں ترجمہ میں دوسرے معانی کی بھی گنجائش رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لمم سے وہ گناہ مراد ہیں جو کبھی آدمی سے صادر ہو جائیں پھر وہ ان پر جما نہ رہے بلکہ توبہ کر لے گناہ اس کا معمول نہ بن جائے۔ عادت نہ ہو جائے۔ کبھی کبھی صدور ہو جائے۔ کذا قال الجوہری بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ مجاہد اور حسن کا یہی قول ہے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی مقولہ منقول ہے۔

سدی کا بیان ہے کہ ابو صالح نے کہا مجھ سے اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر پوچھی گئی۔ میں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی گناہ کے قریب تو ہو جائے بار بار نہ کرے (عادی نہ ہو جائے) پھر میں نے اپنے اس قول کا حضرت ابن عباسؓ سے تذکرہ کیا۔ فرمایا معزز فرشتے نے آیت کا مطلب بیان کرنے میں تمہاری مدد کی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا تھا

ان تغفر اللّٰهم تغفر جمًّا وایُّ عبدٍ لک لا الما

اے اللہ! اگر تو معاف کر دے گا تو بہت گناہ معاف کر دے گا۔ تیرا کونسا بندہ گناہ پر نہیں اترا (یعنی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے لمم چھوٹے گناہ۔ صغیرہ گناہ کی مثال بیان کی گئی ہے جیسے نامحرم پر ایک نظر آنکھ کا اشارہ بوسہ یعنی زنا سے کم درجہ گناہ۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، مسروقؒ اور شعبیؒ کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول قرار دیا ہے۔ بخاریؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لمم کی تشریح میں ابو ہریرہؓ کے اس قول سے زیادہ صحیح قول میں نے نہیں پایا۔

کلبی نے کہا لمم کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) وہ گناہ جس کی دنیوی سزا اللہ نے نہیں بیان کی نہ آخرت میں اس کا عذاب کی کوئی صراحت کی۔ ایسا گناہ اگر کبیرہ اور فاحش کی حد تک نہ پہنچے تو نماز سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

(۲) وہ بڑا گناہ جس میں ایک بار مسلمان مبتلا ہو جاتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے یہ بھی لمم میں داخل ہے۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی معافی کا قانون

حافظ ابن کثیر نے بروایت ابن جریر مجاہد سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ قانون مغفرت میں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کو اصولیین نے بنیاد سمجھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں فواحش اور ظلم کی حد میں شمار کئے جائیں اور ان کی مغفرت کا قانون یہ ہے کہ انسان نادم و شرمندہ ہو کر معافی مانگے اور ندامت و شرمندگی یہ ہے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا اعادہ نہ کرے۔

کبائر کی معافی توبہ پر موقوف ہے اور صغائر جن کو سیئات کہا جاتا ہے ان کی معافی حسنات کے ذریعہ فرمائی گئی اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ علماء متکلمین کے یہاں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ سیئات کی معافی آیا بذریعہ حسنات اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا مطلقاً نیکیاں انسان کے صغائر کو معاف کر دیتی ہیں دونوں قول منقول ہیں۔ امام غزالیؒ کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ معمولی گناہ بمنزلہ امراض ہیں اور طاعات و عبادات بمنزلہ علاج اور دوائیں۔ اور اجتناب عن الکبائر بمنزلہ پرہیز کے ہیں۔ دوا اور

علاج کی تاثیر پرہیز کے ساتھ پوری طرح باقی رہتی ہے اور بد پرہیزی کی صورت میں دوا کی تاثیر یا ختم ہو جاتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے۔ (تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں احیاء العلوم) (معارف کاندھلوی)

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ
بیشک تیرے رب کی بخشش میں بڑی سمائی ہے ☆

اللہ کی مغفرت وسیع ہے ☆ اسی لئے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ گنہگار کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانا کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وہ تم کو خوب جانتا ہے، جب بنا نکالا تم کو زمین سے
وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
اور جب تم بچتے تھے ماں کے پیٹ میں
فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ
سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو
اتَّقٰى ☆
جو بچ کر چلا ☆

شیخی نہ مارو ☆ یعنی اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ نے دی تو شیخی نہ مارو۔ اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہئے کہ اپنی اصل کو نہ بھولے۔ جس کی ابتداء مٹی سے تھی پھر بطن مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد کتنی جسمانی اور روحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں۔ جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے۔ الا من عصمہ اللہ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: کلبی اور مقاتل نے کہا لوگ اچھے عمل کرتے تھے پھر (بطور غرور) کہتے تھے ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واحدی، طبرانی، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ثابتؓ بن حارث انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ مر جاتا تھا تو وہ اس کی صدیق کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا۔ یہودی جھوٹے ہیں۔ ماں کے پیٹ کے اندر ہی اللہ جس جان کو پیدا کرتا ہے اس کو اسی وقت خوش نصیب یا بدبخت لکھ دیا جاتا ہے اس پر اللہ نے آیت هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ الخ نازل فرمائی۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ پشت آدم سے باہر لانے سے پہلے ہی اللہ جانتا تھا کہ کس کا خاتمہ تقویٰ اور خلوص عمل پر ہوگا۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی پیدائش

امام مالکؒ، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل (یعنی روحوں) کو برآمد کیا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے پھر آدمؑ کی پشت پر اپنا بایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل کو برآمد کیا اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عمل کس کام کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے کام بھی جنت والوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے عمل بھی دوزخیوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ مرتے وقت تک دوزخیوں کا کوئی عمل کرتا ہے اور اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

تقدیر: مسلم نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے اللہ نے مخلوق کی تقدیریں لکھ دی تھیں اور اس کا تخت پانی پر تھا۔

ترمذی نے حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ لکھ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھ حسب الحکم قلم نے ان تمام چیزوں کو جو ہو چکیں اور جو آخر تک ہونے والی ہیں لکھ دیا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ اللہ کے سچے رسول نے ہم سے بیان فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا مادہ تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع ہوتا ہے پھر اتنی ہی مدت بستہ خون کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت تک بوٹی کی شکل میں رہتا ہے پھر چار باتیں لکھنے کے لئے اللہ فرشتے کو بھیج دیتا ہے فرشتہ اس کے (ہونے والے) عمل کو اس کی مدت زندگی کو اس کے رزق کو اور اس بات کو لکھ دیتا ہے کہ وہ خوش نصیب ہے

یا بدبخت۔ پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔ پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک ذرائع کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھنا غالب آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں اور تم میں کچھ لوگ ساری عمر دوزخیوں کے کام کرتے ہیں۔ اور دوزخ کے اتنے قریب پہنچ جاتے کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ آخر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ اہل جنت کا عمل کرتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

نیک ہونے کا دعویٰ نہ کرو

حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کا نام ان کے والدین نے بزہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکوکار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ ابن کثیر)

امام احمدؒ نے عبدالرحمن بن ابی بکرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی مدح و تعریف کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہیں کسی کی مدح و ثناء کرنا ہی ہو تو ان الفاظ سے کرو کہ میرے علم میں یہ شخص نیک متقی ہے ولا ازکی علی اللہ احدا یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی پاک صاف ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾
بھلا تو نے دیکھا اس کو جس نے منہ پھیر لیا ☆

☆ یعنی اپنی اصل کو بھول کر خالق و مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول درمنثور میں بروایت ابن جریر یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا۔ تو عذاب سے بچ جائے گا چنانچہ اس نے کچھ دیدیا اس نے اور مانگا تو کچھ کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا۔ اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی روح المعانی میں اس شخص کا نام ولید بن مغیرہ لکھا ہے جس کا اسلام کی طرف میلان ہو گیا تھا اس کے دوست نے ملامت کی اور عذاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی (معارف مفتی اعظم)

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾
اور لایا تھوڑا سا اور سخت نکلا ☆

ولید بن مغیرہ ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا پھر اس کا دل سخت ہو گیا"۔ مجاہدؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے۔ ایک کافر نے کہا کہ ایسا مت کر میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا۔ بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں "وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى" کے معنی یہ ہونگے کہ کچھ مال دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے بارے میں ہوا۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اس قول کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا تھوڑا دینے کا یہی مطلب ہے کہ کسی قدر حق کا اس نے اقرار کیا اور اکدی سے مراد ہے ایمان نہ لانا۔ (تفسیر مظہری)

خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے انسان غور کرے تو قرآن کا یہاں ارشاد صرف مال اور پیسہ کے معاملہ میں نہیں بلکہ ہر قوت و توانائی جو وہ دنیا میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں اس کا بدل مایتحلل پیدا کرتے رہتے ہیں ورنہ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو اگر فولاد کا بھی بنا ہوتا تو ساٹھ ستر سال کام لینے سے کبھی کا گھس گھسا کر برابر ہو جاتا جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء میں جو کچھ محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے خودکار مشین کی طرح اس کا بدل اندر سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مال کا بھی معاملہ یہی ہے کہ انسان خرچ کرتا رہتا ہے اس کا بدل آتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا انفق یابلال ولا تخش من ذی العرش اقلالا "یعنی بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا" (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾
کیا اس کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے ☆

کیا یہ عالم الغیب ہے ☆ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ
کیا اس کو خبر نہیں پہنچی اس کی جو ہے ورقوں میں

مُوْسٰى ۙ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ

موسیٰ کے اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا اتارا ☆

حضرت ابراہیمؑ کی وفاداری ☆ یعنی ابراہیم اپنے قول و قرار اور عہد و پیمان کی پابندی میں پورا اترا اور اللہ کے حقوق پوری طرح ادا کئے اور اس کے احکام کی تعمیل میں ذرہ بھر تقصیر نہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی تھی۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رب کے پیام مخلوق تک پہنچائے طرح طرح کی تکلیفیں لوگوں کے ہاتھوں سے اٹھائیں اور صبر کیا یہاں تک کہ غرور کی آگ میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ نے متعدد احکام دے کر آزمائش کی اور تمام احکام کو آپ نے پورا پورا ادا کیا۔ توفیہ (باب تفعیل) کا معنی ہے کسی کام کو پورا پورا کرنا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لئے "وفّٰی" کہنے کی وجہ

بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وابراهيم الذي وفى کے سلسلے میں فرمایا کہ دن کے اول حصہ میں ابراہیم نے چار رکعتیں پڑھیں۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذؓ بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ نے ابراہیم خلیل اللہ کے متعلق الذی وفی کیوں فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم ہر صبح اور شام کو فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الی آخر الآیات) پڑھا کرتے تھے۔

ترمذی نے حضرت ابوذرداءؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے اے ابن آدم دن کے ابتدائی حصہ میں تو میرے لئے چار رکعتیں پڑھ میں پچھلے دن کے تیرے کام پورے کر دوں گا۔ ابوداؤد اور دارمی نے یہ حدیث نعیم غطفانی کی وساطت سے نیز امام احمد نے بھی بحوالہ سابقہ نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ

کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانیوالا بوجھ کسی دوسرے کا ☆

صحف ابراہیم و موسیٰ کا ایک مضمون ☆ یعنی موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی بذات خود کرنا ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

دور جہالت کے غلط رواج بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے لوگ مجرم کے جرم کی پاداش میں غیر مجرم کو پکڑ لیتے تھے اور اگر کسی کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بیوی یا غلام نے قتل کیا ہو تو اس کے عوض اس شخص کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو اس حرکت سے روکا اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ کسی کے جرم کا بار دوسرے پر نہ ڈالا جائے۔

میں کہتا ہوں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کا رواج کوئی شرعی قانون نہیں تھا۔ بلکہ ایک جاہلی رواج تھا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قبائل اوس و خزرج کا رواج تھا ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلہ سے زیادہ باعزت اور مالدار ہوتا تھا اور اس کی کسی عورت کو حریف قبیلہ مار ڈالتا تھا تو شریف قبیلہ والے کمزور قبیلہ کے کسی مرد کو مقتول عورت کے عوض قتل کرتے تھے اور غلام مارا جاتا تھا تو دوسرے قبیلے کے کسی آزاد مرد کو قتل کرتے تھے۔ اور ایک مرد مارا جاتا تھا تو انتقام میں دو آدمیوں کو قتل کرتے تھے۔ اس رواج کو منسوخ کرنے کے لئے آیت اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى نازل ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں ہم نے اس آیت کی تشریح کر دی ہے۔

جس نے برائی ایجاد کی تو سب کرنیوالوں کا گناہ اسکو بھی ہوگا

امام احمد اور امام مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهُ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر خود اس طریقہ پر عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا۔

آیت مَنْ قَتَلَ نَفْسًا الخ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً الخ کا مقصد یہ ہے کہ مرتکب قتل اور سنت سیئہ کا موجد خود تو گناہگار ہوتا ہی ہے لیکن اس کا فعل چونکہ دوسروں کے مجرم اور گناہگار بننے کا سبب ہوتا ہے اس لئے اس کا جرم دو گونہ ہو جاتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ آنے والے مجرموں کا جرم اس پر ڈال دیا جائے گا اور ان کو گناہ سے آزاد کر دیا جائے گا) اسی لئے حدیث کے آخر میں فرمایا ہے من غير ان ينقص من اوزارهم شيئا (بغیر اس کے کہ آئندہ اس طریقہ قبیحہ پر چلنے والوں کے بارے میں کوئی تخفیف کی جائے)۔

آیت ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً (اس عذاب سے ڈرو جو صرف ظالموں پر ہی نہیں آئے گا۔ بلکہ عمومی ہوگا ظالم اور غیر ظالم سب پر آئے گا)۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں آیا ہے جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو (اچھے برے) جو لوگ بھی ان کے اندر ہوتے ہیں سب پر وہ عذاب آتا ہے۔ پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کے موافق (الگ الگ) ان کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ البخاری و مسلم من حدیث ابن

عمر حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے اصحاب السنن الاربعہ نے ایک حدیث نقل کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم کو ظلم کرتے دیکھ کر جب لوگ اس کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کا عذاب سب پر عموماً آ جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا اور آیت وَتَقُوا فِتْنَةً الخ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود تو گناہوں کا ارتکاب نہیں کیا لیکن امر بالمعروف کو ترک کر دیا اور مجرموں کو گناہ سے نہیں روکا وہ بھی عذاب کے دائرے میں آ جائیں گے۔

مسئلہ:- کیا میت کے گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے؟

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ملیکہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کی ایک لڑکی کا مکہ میں انتقال ہو گیا ہم جنازہ کی شرکت کے لئے گئے وہاں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباس بھی موجود تھے حضرت ابن عمرؓ نے عمر بن عثمانؓ سے کہا کیا تم رونے سے باز نہیں آؤ گے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے تو تھے پھر حضرت ابن عباسؓ نے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہو گئے تو صہیبؓ رونے لگے اور کہنے لگے ہائے بھائی ہائے ساتھی حضرت عمرؓ نے فرمایا صہیب کیا تم مجھ پر رو رہے ہو باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے بعض گریہ کرنے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی تو میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کیا ام المومنین نے فرمایا عمرؓ پر اللہ کی رحمت ہو خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ کافر کے گھر والوں کے رونے سے اللہ کافر کا عذاب بڑھا دیتا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ تمہارے لئے قرآن کی یہ آیت کافی ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے اس پر حضرت ابن عمرؓ نے کچھ نہیں کہا (یعنی تردید نہیں کی)۔

میں کہتا ہوں حضرت عائشہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے بیان کی تغلیط کی وہ کمزور ہے کیونکہ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ سے زیادہ فقیہ (واقف شریعت) تھے اور حضرت عمرؓ کی شہادت شہادت اثبات ہے (جو شہادت نفی کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے) اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی روایت کی تائید دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس پر نوحہ کیا جاتا ہے اس نوحہ کی بقدر اس پر عذاب ہوتا ہے۔

ابو یعلی نے حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مردہ کے) کنبہ والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر گرم پانی ڈالا جاتا ہے اسی قسم کی احادیث ابن حبان کی صحیح میں حضرت انسؓ اور حضرت عمران بن حصین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے اور ابو یعلی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ والی حدیث صحیح ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ عذاب دینے سے مراد ہے ملائکہ کا میت کو زجر و تنبیہ کرنا۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ نے فرمایا بیان کیا ہے کہ جس میت پر نوحہ کرنے والی عورت نوحہ کرتی اور کہتی ہے واجبلاہ، واسیداہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ تو اللہ کی طرف سے دو فرشتے اس پر مقرر کئے جاتے ہیں جو میت کو جھڑکتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تو ایسا تھا۔

میں کہتا ہوں اس تاویل پر بھی تعارض دفع نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے کے فعل پر میت کو جھڑکنا بھی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کے خلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ متعلقین کے فعل سے میت کو رنج اور دکھ ہوتا ہے۔ طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے قیلہ بنت مخرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے مرے ہوئے لڑکے کا ذکر کیا اور رونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو اس چیخنے والی کو زبردستی چپ کرا دے اللہ کے بندو اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور تمام ائمہ نے جن میں ابن تیمیہ بھی ہیں اسی تاویل کو اختیار کیا ہے۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ عورتوں کو ایک جنازہ کے ساتھ دیکھا فرمایا لوٹ جاؤ، بار گناہ اٹھانے والیوں، ثواب نہ پانے والیو زندوں سے آگے بڑھ کر مردوں کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

دفع تعارض کو صحیح صورت یہ ہے کہ حدیث میں میت پر عذاب ہونے سے اس میت پر عذاب ہونا مراد ہو جو (اپنی زندگی میں) مردے پر رونے کا عادی تھا یا جس نے اپنے مرنے کے بعد گھر والوں کو نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو یا وصیت نہ بھی کی ہو لیکن اس کو معلوم ہو کہ میرے مرنے کے بعد گھر والے نوحہ کریں گے اور باوجود اس علم کے ان کو پس مرگ نوحہ کرنے سے منع نہ کیا ہو اس توجیہ پر میت پر جو عذاب ہوگا وہ میت کے اپنے جرم کی وجہ سے ہوگا۔ دوسرے کے گناہ کا بار اس پر نہ ہوگا۔ امام بخاری نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ

اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا ☆

ہر کوئی اپنے کئے کا مالک ہے ☆ یعنی آدمی جو کچھ کوشش کر کے کماتا ہے

وہ ہی اس کا ہے۔ کسی دوسرے کی نیکیاں لے لڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل حدیث وفقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایصال ثواب کا مسئلہ: آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض ایمان ونماز وروزہ کو ادا کر کے دوسرے کو سبکدوش نہیں کر سکتا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو پہنچ سکے ایک شخص کی دعاء اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام اُمت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر)

صرف اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا اور پہنچایا جا سکتا ہے یا نہیں' امام شافعیؒ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت مذکورہ کا مفہوم عام لے کر اس سے استدلال فرماتے ہیں' جمہور ائمہ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دعاء اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جا سکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا' قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے' تفسیر مظہری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جس سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

صُحُفِ موسیٰ وابراہیم کے دو حکم: اوپر صحف موسیٰ وابراہیم علیہما السلام کے حوالے سے جو دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص کے گناہ کا عذاب کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا' اور ایک کے گناہ میں دوسرا کوئی نہ پکڑا جائیگا۔ دوسرا یہ کہ ہر شخص پر جن اعمال کی شرعی ذمہ داری ہے اس سے سبکدوشی خود اس کے اپنے عمل سے ہوگی' دوسرے کا عمل اس کو سبکدوش نہ کرے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

اس آیت کا منسوخ ہونا: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' آیت وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۔ دوسری آیت اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الخ سے منسوخ ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ کی امتوں کے لئے مخصوص تھا۔ امت اسلامیہ کو تو اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کا بھی ثواب ملے گا اور ان نیکیوں کا بھی جو ان کے دوسرے کریں۔

ایصال ثواب کی احادیث

(۱) ابونعیم نے لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا' میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ جب اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کر لیتا ہے تو وہ فرشتے اس کو آسمان تک چڑھا کر لے جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے ہم کو اس مؤمن کے اعمال لکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا' اب تو نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ ہم کو اجازت عطا فرما کہ ہم زمین میں حاضر رہیں' اللہ فرماتا ہے۔ میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری پاکی بیان کرتی ہے۔ اب تم دونوں جا کر میرے (اس) بندے کی قبر پر قیام کرو اور میری تسبیح وتہلیل اور تکبیر میں قیامت تک مشغول رہو اور اس کا ثواب میرے (اس) بندے کے لئے لکھ دو۔

(۲) مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا (سلسلہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (مثلاً دینیات کا درس تصنیفات وغیرہ) یا صالح اولاد جو اس (میت) کے لئے دعا کرے۔

(۳) طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوسعیدؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا' بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میرے یہ درجہ کی بلندی کیسے ہوئی اللہ فرمائے گا تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کر دیا گیا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسا کوئی ڈوبتا آدمی ہوتا ہے باپ یا ماں یا اولاد یا کسی معتمد دوست کی دعا کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کسی کی دعا اس کو پہنچ جائے' جب دعا اس کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دعا دنیا اور مافیہا سے اس کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے باشندوں کی دعا سے اللہ قبر والوں کے لئے پہاڑوں جیسا (ثواب) قبروں کے اندر پہنچا دیتا ہے' مردوں کے لئے زندوں کا ہدیہ استغفار ہے۔ رواہ البیہقی والدیلمی۔

(۵) طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری امت مرحومہ امت ہے گناہ اپنے ساتھ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہو کر نکلے گی مومن اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے خالق (پاک) ہو جائے گی۔

(۶) حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں بغیر کچھ وصیت کئے اچانک مر گئی اور میرا غالب خیال ہے کہ اگر وہ بات کر سکتی تو کچھ خیرات کرتی' اب اگر میں اس کی طرف سے کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو ثواب پہنچے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ متفق علیہ۔

(۷) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی غیر حاضری میں ان کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ میں موجود نہ تھا اگر اس کی طرف سے میں کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو کچھ فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا ہاں۔ سعدؓ نے عرض کیا تو میں آپ کو گواہ

بتاتا ہوں کہ میرا باغ میری ماں کی طرف سے خیرات ہے۔ رواہ البخاری۔

(۸) امام احمد اور چاروں اصحاب السنن نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کا انتقال ہو گیا اب اس کے لئے کونسی خیرات سب سے بہتر ہوگی فرمایا پانی یہ فرمان سن کر حضرت سعدؓ نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔

(۹) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی نفلی خیرات کرے تو ماں باپ کی طرف سے کرے اس خیرات کا ثواب اس کے ماں باپ کو ملے گا۔ اور خود اس کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۱۰) حضرت انسؓ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس گھر میں کوئی مر جائے۔ پھر گھر والے اس کے لئے کچھ خیرات کریں تو جبرئیل نور کے ایک طباق میں اس کو لے کر میت کے قبر کے کنارے کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔ اے گہری قبر والے یہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا ہے۔ اس کو لے لے اس طرح وہ مردہ وہ تحفہ لے کر قبر میں جاتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن اس کے برابر قبروں والے جن کو کچھ نہیں بھیجا جاتا وہ غمگین ہوتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

(۱۱) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرتا ہے اللہ دوزخ سے آزادی اس کے والدین کے لئے لکھ دیتا ہے اور ان کے لئے حج کامل ہو جاتا ہے لیکن حج کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

(۱۲) ابو عبداللہ ثقفی نے حضرت زیدؓ بن ارقم کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جس کے ماں باپ نے حج نہ کر پایا ہو اور وہ ماں باپ کے لئے حج کر لے تو کیا حکم ہے۔ فرمایا اس کے ماں باپ آزاد ہو جائیں گے۔ اور آسمان میں ان کی روحوں کو بشارت دی جائے گی اور اللہ کے ہاں اس کو (ماں باپ کے ساتھ) نیکی لکھا جائے گا۔

(۱۳) حضرت عقبہ بن عامر راوی ہیں کہ ایک عورت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا میری ماں مر چکی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بتا کہ اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہو اور تو (اس کی طرف سے) ادا کر دے (تو کیا ادا ہو جائے گا عورت نے عرض کیا کیوں نہیں حضور نے اس کو ماں کے لئے حج کرنے کا حکم دیدیا۔ (رواہ الطبرانی)

(۱۴) حضرت انسؓ کی روایت ہے ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میرا باپ مر گیا اور حج اسلام (یعنی فرض حج نہ کر پایا (کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں) فرمایا یہ بتا کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہو (اور وہ ادا نہ کر سکا ہو تو) کیا تو اس کی طرف سے ادا کر دے گا؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا تو یہ بھی اس پر قرض تھا تو ادا کر دے۔ رواہ البزار والطبرانی بسند حسن۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی میت کی طرف سے حج کرے گا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنا میت کو ملے گا (یا میت کو بھی اتنا ہی ثواب پہنچ جائے گا جتنا حج کرنے والے کو ملے گا) رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

(۱۶) عطاء اور زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ مر چکا ہے میں (اس کو ثواب پہنچانے کے لئے) اس کی طرف سے غلام آزاد کر دوں؟ فرمایا ہاں۔ ابن ابی شیبہ نے یہ دونوں حدیثیں بیان کی ہیں۔

(۱۷) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص کہہ رہا تھا لبیک عن شبرمۃ۔ (یعنی اس نے احرام حج شبرمہ کے لئے یا شبرمہ کی طرف سے باندھا تھا) فرمایا شبرمہ کون؟ اس شخص نے جواب دیا میرا بھائی یا میرا عزیز فرمایا کیا تو اپنا حج کر چکا ہے اس نے عرض کیا نہیں فرمایا تو پہلے اپنا حج کر پھر شبرمہ کے لئے۔ رواہ ابو داؤد وابن ماجہ والدارقطنی والبیہقی۔ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۱۸) ابو الشیخ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن عاص نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عاص نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے کوئی بردے آزاد کئے جاتے ہیں (یعنی کافر کو نہ خیرات کا ثواب پہنچتا ہے نہ حج کا نہ غلام آزاد کرنے کا)۔

(۱۹) حضرت حجاج بن دینار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی بالائے نیکی (یعنی دوہری نیکی) یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھے اور اپنے لئے خیرات کرنے کے ساتھ ان کے لئے بھی خیرات کرے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔

(۲۰) حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری ماں پر دو ماہ کے روزے ہوں (اور مر جائے) اور میں اس کی طرف سے رکھ لوں تو کیا کافی ہو جائے گا۔ فرمایا ہاں اس عورت نے عرض کیا میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ فرمایا ہاں۔ رواہ مسلم۔

(۲۱) حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ متفق علیہ۔

(۲۲) حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص قبرستان سے گذرے اور قل ہو اللہ احد گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشدے اللہ اس قبرستان کے (تمام) مردوں کی تعداد کے موافق اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔ رواہ ابو محمد السمرقندی۔

(۲۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور

تَهْدُكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر کہے۔ میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دیا تو اللہ کی بارگاہ میں وہ فرد سے اس کی شفاعت کریں گے۔ رواہ ابوالقاسم۔ سعد بن علی۔

(۲۴) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورۂ یٰسین پڑھے تو اللہ ان مردوں سے عذاب ہلکا کر دے گا اور اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے موافق اس شخص کے لئے نیکیاں (لکھ دی جائیں گی) اخرجہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسند۔

(۲۵) ابن سعد نے قاسم بن محمد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کے لئے ان کے مورثی غلاموں میں سے ایک غلام کو آزاد کیا آپ کو امید تھی کہ اس کا فائدہ حضرت عبدالرحمن کو مرنے کے بعد پہنچے گا۔

امت کا اجماع حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے کہا لوگ ہمیشہ سے ہر شہر میں جمع ہو کر اپنے مردوں کے لئے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور کسی نے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا خلالی نے شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انصار میں جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو لوگ اس کی قبر پر آتے جاتے قرآن پڑھا کرتے تھے۔ احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبل کی روایت سے آیا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور قل ہو اللہ احد پڑھا کرو اور اس کا ثواب اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا کرو تمہارا پڑھنا (یعنی پڑھنے کا ثواب) ان کو پہنچ جائے گا۔

زندوں کی دعاء سے مردوں کو فائدہ سیوطی کا قول ہے کہ متعدد لوگوں نے اس بات پر اجماع کا ہونا بیان کیا ہے کہ (زندوں کی) دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔

میں کہتا ہوں یہ امر ظاہر ہے کہ زندوں کی دعا سے مردوں اور زندوں دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور یہ بات صرف اسی امت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ حضرت ابراہیمؑ نے آزر سے فرمایا تھا۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے باپ سے درخواست کی تھی يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

آیت کی توجیہ میں بیہقی نے لکھا ہے کہ جو شخص حج اور خیرات کرنے کی نیت رکھتا ہو (اور بغیر کئے مر جائے تو وہ توبہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے (متعلقین کا اس کے لئے حج اور خیرات کرنا گویا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے اس نے خود کیا ہو) بعض علماء نے آیت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ مومن کا دوسرے کی سعی سے فائدہ اندوز ہونا اس کے ایمان پر مبنی ہے اور ایمان اس کا اپنا فعل ہے لہٰذا اس کے لئے دوسروں کا کوئی عمل خیر کرنا خود اس کی اپنی سعی کے تابع ہوا۔ (تفسیر مظہری)

دفن کے وقت آیات کا پڑھنا

سیوطی نے لکھا ہے دفن کے وقت میت کے سرہانے سورۂ فاتحہ اور پاؤں کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات پڑھنا دارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت علاء بن الجلاج کی مرفوع روایت میں پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا پڑھنا آیا ہے۔ ایک حدیث ہے اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو قرطبی نے کہا جمہور کے نزدیک اس کا مطلب ہے مرنے کے وقت سورۂ یٰسین کا پڑھنا۔ عبدالواحد مقدسی نے کہا اس کا مطلب ہے قبرستان میں داخل ہونے کے وقت یٰسین پڑھنا۔ محب طبری نے کہا دونوں حالتوں میں پڑھنا مراد ہے۔

ابن ابی شیبہ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے آدمی کے مرنے کے بعد (اس کے متعلقین کی طرف سے اس کے لئے) غلاموں کو آزاد کرنا اور حج کرنا اور خیرات کرنا اس کے پیچھے پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ زبیدیؒ کا قول: علامہ زبیدی شرح احیاء میں فرماتے ہیں کہ علماء اہلسنت ایصال ثواب پر متفق ہیں اور یہ خیال غلط ہے کہ اموات کو زندوں کی طرف سے کسی عمل صالح اور خیر کا ثواب نہیں پہنچتا۔

یعنی انسان اپنی ہی سعی کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی سعی کا ہاں اگر اپنی سعی اور عمل کسی اور کو ہدیہ اور ہبہ کر دے تو یہ شک دوسرا بھی اس سے منتفع ہو سکتا ہے جیسے کہ مال و دولت جس کا انسان مالک ہوتا تو دوسرے کو ہبہ کر دینے سے دوسرا اس سے مستفید و منتفع ہو جاتا ہے۔

زعم باطل کی تردید انسان کو اپنے آباؤ اجداد کے عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے کہ ان کے صلاح و تقویٰ سے میری نجات ہو جائے گی بلکہ اس کو چاہئے کہ خود بھی عمل کرے ورنہ اگر ترک عمل کر کے آباؤ اجداد پر امید لگائے بیٹھا رہے گا تو قرآن کریم نے اس زعم فاسد کا رد کر دیا ہے فرمایا تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى۔

قرآن کریم سے مردوں کے لئے دعا و استغفار ثابت ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ

اور یہ کہ اس کی کمائی اُس کو دکھلائی ضرور ہے پھر

يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اس کو بدلہ ملنا ہے اُس کا پورا بدلہ ☆

☆یعنی ہر ایک کی سعی و کوشش اس کے سامنے رکھ دی جائیگی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مطلب یعنی انسان اگر مومن ہے تو قیامت کے دن دیں اعمال کے وقت اس کی سعی سامنے آجائے گی اور دیکھ لی جائے گی۔ لیکن کافر کے اعمال اکارت جائیں گے۔ کیونکہ اعمال کے بار آور ہونے کی اولین شرط خلوص نیت ہے اور اس کا عمل غیر لوجہ اللہ ہوتا ہے یا اعمال کے اکارت جانے کی یہ وجہ ہوگی کہ دنیا میں ہی وہ اپنی بھلائیوں کا بدلہ پا چکتا ہے (کوئی نیکی باقی ہی نہیں رہتی)۔ میں کہتا ہوں اولیٰ یہ ہے کہ اس جگہ سعی کا ترجمہ ارادہ کرنا کیا جائے۔

(۲) بعض محققین نے کہا کہ سعی کا (لغوی) معنی ہے تیز چلنا اور کسی کام کی کوشش کرنے کیلئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو وہی ملے گا جس کے لئے اس نے اپنے عمل سے ارادہ کیا ہو (یعنی عمل کی نیت کے موافق عمل کا نتیجہ ہوگا) ایک صحیح حدیث ہے انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی الدنیا یصیبھا او المرءۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ (متفق علیہ) اعمال (کا نتیجہ) نیتوں کے مطابق ہوگا۔ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت بے شک اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کی طرف ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ (بخاری و مسلم) بصورت مذکورہ آیت کا مطلب بھی اسی حدیث کے موافق ہوگا۔ اس مطلب پر یہ لازم نہیں آتا کہ ایک کا عمل دوسرے کے لئے فائدہ بخش نہ ہو دیکھو جنازہ کی نماز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود پڑھنا واجب ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی ان کو واجب کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾

اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے ☆

نیکیوں کا پھل اللہ ہی سے ملتا ہے

☆یعنی تمام علوم و افکار اور مسلسل وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا۔ (تفسیر جلالین)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنا بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى کی تشریح میں فرمایا رب (کی ذات وصفات) میں کوئی غور نہیں یعنی ہر سوچ اور غور کی انتہا رب پر ہے وہاں تک پہنچ کر ہر غور و فکر کی رفتار ختم ہو جاتی ہے حوی کی اس حدیث کا مضمون اس حدیث کے مفہوم کی طرح ہے جو حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق میں غور کرو خالق (کی ذات و صفات) میں غور مت کرو کیونکہ خالق کا احاطہ کوئی عقل نہیں کر سکتی۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور بغوی نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے ہر چیز میں تو غور کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اوپر اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور (کے طبقات) ہیں اور اللہ سب سے بالا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فکر اللہ کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کی ذات تک رسائی پانے کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔

ابو نعیم نے الحلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات وصفات) میں غور مت کرو۔

ابو الشیخ نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے لکھا ہے اللہ کی مخلوق پر غور کرو اللہ پر غور نہ کرو۔

غور نہ کرنے کی وجہ میں کہتا ہوں فکر و غور کے معنی ہیں کسی نامعلوم نتیجہ کو معلوم کرنے کے لئے مقدمات (اور مبادی) کو مرتب کرنا اور ظاہر ہے کہ صرف اللہ کی آیات نشانات اور آثار صنعت و حکمت میں ترتیب کا تصور ممکن ہے اور مطلوب اللہ کی ذات ہے یہاں پہنچ کر ہر غور و فکر ختم ہو جاتا ہے (آثار و آیات کی ترتیب سے فکر آگے نہیں بڑھتی) کیونکہ اللہ وہ حقیقت صمدیہ ہے جس کی گہرائی تک غور و خوض کی رسائی نہیں۔

ذات الٰہی تک بے کیف رسائی ممکن ہے

خوض فی ذات اللہ کی ممانعت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ذات الٰہیہ تک بے کیف رسائی بھی ناممکن ہے۔ الیٰ ربک المنتھیٰ کے الفاظ تو دلالت کر رہے ہیں کہ انتہاء سیر ذات تک ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سیر فی اللہ کا معنی ہے صفات شیون اور اعتبارات کی سیر۔ ذات محض جس کو لاتعین سے تعبیہ کیا جاتا ہے مراد نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کی حرکت صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے اس میں

ہے کہ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اور اُسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اور جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اعوذ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کر دے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ
اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رلاتا اور یہ کہ
هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ
وہی ہے مارتا اور جلاتا اور یہ کہ اُس نے بنایا
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ﴿۴۵﴾
جوڑا ر اور مادہ ☆

مقتضاد کیفیات کا خالق ☆ یعنی اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اسی نے پیدا کئے ہیں۔ خیر و شر کا خالق وہ ہی ہے خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا' ہنسانا' رلانا' مارنا' جلانا اور کسی کو رکسی کو مادہ بنانا اُسی کا کام ہے۔ (تفسیر جلالین)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی خوش دلی

بغوی نے حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہ کرام (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) بیٹھ کر باہم شعر خوانی کرتے اور جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کے ساتھ مسکرا دیتے تھے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں لوگ باتیں کرتے تھے۔ جاہلیت کی کسی بات کا ذکر شروع کر دیتے تھے پھر ہنستے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرا دیتے تھے۔

بغوی نے شرح السنۃ میں قتادہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہنستے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا' ہاں باوجودیکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی بڑا (اور مضبوط) تھا۔

بلال بن سعد کا بیان ہے (دن میں) صحابہ کرام مختلف اغراض میں خوب مشغول رہتے تھے لیکن جب رات ہوتی تو وہ راہب (تارک الدنیا عابد) ہو جاتے تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا منہ بھر کر ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا مجھے نظر آ جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرا دیتے تھے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت جریرؓ نے فرمایا' جب سے میں مسلمان ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کی اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا مسکرا دیئے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن الحارث بن الجزء نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۙ﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ
ایک بوند سے جب ٹپکائی جائے اور یہ کہ اُس کے ذمہ ہے
النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۙ﴿۴۷﴾
دوسری دفعہ اٹھانا ☆

دوبارہ پیدا ہونا ☆ یعنی جس نے ایک قطرہ آب سے نر و مادہ پیدا کر دیئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے (بہ درمیان میں ایک پیدائش سے دوسری پیدائش پر متنبہ کر دیا) (تفسیر جلالین)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ﴿۴۸﴾
اور یہ کہ اُس نے دولت دی اور خزانہ ☆

غنی و فقیر ☆ یعنی مال' خزانہ' جائیدادیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اور بعض نے "اقنیٰ" کے معنی افقر" کے ہیں۔ یعنی اسی نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیہ بنا دیا۔ یہ معنے پہلے سیاق کے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ متقابل چیزوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اور اگر پہلا مطلب لیا جائے تو اس کے مقابل اہلاک کو رکھا جائے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی خزانے اور مال و دولت دے کر وہی بڑھاتا ہے اور وہ ہی بڑی بڑی دولت مند اور طاقتور قوموں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ (تفسیر جلالین)

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ﴿۴۹﴾
اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا ☆

شعریٰ کیا ہے ☆ "شعریٰ" ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ "شعریٰ" کا رب بھی اللہ ہے۔ دنیا کے تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ "شعریٰ" غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجا لاتا ہے۔ اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر جلالین)

شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے واقع ہوا ہے۔ شعریٰ دو ستارے ہیں ایک کو عبور کہتے ہیں اور دوسرے کو قمیص۔ اس جگہ عبور مراد

ہے۔ بنی خزاعہ عبور کی پوجا کرتے تھے۔

شعریٰ کی پوجا کا موجد

کوئی شخص تھا کبشہ۔ یہ بنی خزاعہ کا ایک سردار تھا۔ اسی نے اس رسم بد کی ایجاد کی اور قریش کے ست پرستی کے رواج کی مخالفت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عرب اسی مناسبت سے ابن ابی کبشہ کہتے تھے کیونکہ آپ نے بھی عرب کی بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ شعریٰ کے رب ہونے کا خصوصی ذکر اس وجہ سے کیا کہ وہ لوگ شعریٰ کو پوجتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ۙ﴿۵۰﴾

اور یہ کہ اُس نے غارت کیا عاد پہلے کو ☆

☆یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم۔ (تفسیر جلالین)

یعنی قوم ہود کو جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَثَمُوْدَا فَمَاۤ اَبْقٰى ۙ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ

اور ثمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نوح کی قوم کو

مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ

پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم

وَاَطْغٰى ؕ﴿۵۲﴾

اور شریر☆

قوم نوح ☆ کہ ساڑھے نو برس تک خدا کے پیغمبر نوح علیہ السلام کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے رہے جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹتا ہے اور آنے والوں کے لئے بری راہ ڈال گئے۔ (تفسیر جلالین)

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۙ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا

اور الٹی بستی کو پٹک دیا پھر آ پڑا

مَا غَشّٰى ۚ﴿۵۴﴾

اُس پر جو کچھ کہ آ پڑا☆

☆یعنی پتھروں کا مینہ (یہ قوم لوط کی بستیوں کا ذکر ہے) (تفسیر جلالین)

ما غشی۔ یعنی اوپر سے نامزد کنکر برسائے۔ لفظ ما کا ابہام عظمت عذاب اور تباہی کو ہولناکی پر دلالت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا☆

ظالموں کی تباہی ☆ یعنی ایسے مفسد ظالموں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر بھی انسان اپنے رب کو جھٹلاتا ہی رہے گا۔ (تفسیر جلالین)

خطاب عام: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے کہ سابقہ آیات اور صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور اقوام سابقہ کی ہلاکت و عذاب کے واقعات سنکر مخالفت سے باز آ جانے کا اچھا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑتے اور خلاف کرتے رہو گے۔ (جواہر منتی اعظم)

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾

یہ ایک ڈر سنانیوالا ہے پہلے سنانیوالوں میں کا ☆

نذیر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ☆

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسے ان سے پیشتر دوسرے نبی ڈرا چکے ہیں۔ (تفسیر جلالین)

حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا ہوا آ جائے اور قوم کو دفعۃً متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے فوراً تدارک کر لو اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب سے بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ قیامت قریب آ چکی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو۔ سنو! چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اترا سب ادھر اُدھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے۔ تو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں

ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر اُن کا فاصلہ دکھایا۔ میری اور قیامت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے۔ میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو طلائے پر بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اُسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا ہلا ہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے۔ پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ الکسوف یعنی سورج گہن کی نماز میں جنت و جہنم کے مناظر پیش کئے گئے اور آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! خداوند عالم بڑا ہی غیور ہے اور اسی وجہ سے اس نے فواحش اور بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے۔ مراد یہ تھی کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے شخص کو اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ وہ خداوند عالم کی غیرت کو پامال کر کے خدا کے قہر و غضب کو دعوت دے رہا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے انجام سے بے فکر نہ ہونا چاہیے۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم وہ بات جان لو جو مجھے معلوم ہے تو تم لوگ ہنسنا بھول جاؤ گے اور کثرت سے رویا کرو گے اور حتیٰ کہ تمہیں اپنے بستروں پر چین نہ آئے گا اور تم جنگلوں میں نکل جاؤ گے۔ (معارف کاندھلوی)

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ
آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اس کو
دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اللہ کے سوائے کھول کر دکھانیوالا ☆

قیامت قریب ہے ☆ یعنی قیامت قریب ہی آ لگی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا اور جب وقت متعین آ جائے تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی چاہے تو ہٹے مگر وہ چاہے گا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾
کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوتا ہے

وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ
اور ہنستے ہو اور روتے نہیں
سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾
اور تم کھلا ڑیاں کرتے ہو ☆

قرب قیامت کا تقاضا ☆ یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہئے تھا خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے برخلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور غافل و بے فکر ہو کر کھلا ڑیاں کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾
سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی ☆

عقل مند کا فرض ☆ یعنی عاقل کو یہ نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت و فہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اور مطیع و منقاد ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے (تنبیہ) روایات میں ہے کہ سورۂ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمان اور مشرک جو حاضر تھے سجدہ میں گر پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت سب کو ایک غائبۂ الٰہیہ نے گھیر لیا تھا۔ گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرہاً سب کو سر بسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک مدبخت جس کے دل پر سخت مہر تھی اس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے بھی پیشانی کو لگا لی اور کہا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے۔ (تم سورۃ النجم واللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

ایک بد بخت بوڑھا: حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والنجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا اور لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے شخص نے (سجدہ نہیں کیا بلکہ) ایک ہاتھ میں پتھریاں یا مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گیا اور بولا میرے لئے یہی کافی ہے' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ نجم ختم ہوئی

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس پر جادو کیا جاوے گا اور وہ اس سے نجات پائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَثَلَاثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی اس کی پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝

پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند ☆

معجزہ شق القمر ☆ ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم 'منیٰ' میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا۔ انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمد نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے اس معجزہ کو "شق القمر" کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔ طحاوی اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو معجزہ کون کہے گا۔ (ملاحظہ ہو ہمارا مستقل مضمون جو معجزات و خوارق عادات کے متعلق "الجھوڑ" میں شائع ہوا ہے) باقی یہ کہنا کہ "شق القمر" اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے بعض ملکوں میں تو باختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہوگا اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی لوگ عموماً سوتے ہونگے اور جہاں بیدار ہونگے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہونگے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی۔ بشرطیکہ مطلع صاف ہو' اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے' لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس زمانہ میں آج کل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ ماایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ' مالیبار' کے راجہ کے سامنے اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے بوساطت شیبانی قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ چاند کے شق القمر ہو جانے کا معجزہ حضور نے دو مرتبہ دکھایا۔ ترمذی میں بھی لکھا ہے کہ مکہ میں چاند دو مرتبہ پھٹا' اس پر آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ الی قولہ۔ سحر مستمر۔ نازل ہوئی۔ بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے مکہ میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا یہ دیکھ کر کافروں نے کہا چاند پر جادو کر دیا گیا اس پر آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر نازل ہوئی۔ ابونعیمؒ نے بوساطت مسروق حضرت عبداللہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند پھٹ گیا لوگوں نے کہا ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے مسافروں سے دریافت کرنا مسافروں سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی چاند کو پھٹتا دیکھا تھا۔ اس پر آیت اقتربت الساعۃ نازل ہوئی۔

ابوکبشہ ابوکبشہ عرب کے قبیلہ خزاعہ کا ایک سردار تھا جس نے بت پرستی کو ترک کر کے ستارہ پرستی شروع کی تھی یعنی عام مشرکوں کا مذہب چھوڑ دیا تھا اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بت پرستی کی مخالفت کی اور عام عرب کے مسلک سے بیزاری کا اظہار کیا تھا اس لئے اہل مکہ آپ کو اس کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

معجزہ شق القمر کے وقوع میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے

معجزہ شق القمر کا وقوع قرآن کریم' احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہد بھی ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی' احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو اس کا انکار یا اس کی تاویل خلاف عقل ہے اس پر بالاتر دو ایمان لانا لازم ہے جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت و جہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر نہ تو ایمان بالآخرہ رہے گا اور نہ جنت و جہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے تو جس قرآن عظیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور

ہمارا اس پر ایمان ہے تو اسی قرآن نے ہمیں شق القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی تو جب قیامت پر ایمان ہے تو پھر شق القمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شے نہیں اس پر ایمان لانے میں کیا تامل کیا جا سکتا ہے امام طحاوی اور حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

فلاسفہ وملحدین کی بے عقلی

فلاسفہ ارملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔ فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے۔

معجزۂ ردِّ شمس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے معجزہ ردِّ شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور جنابِ حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا آفتاب کو واپس بھیج دیں تاکہ نماز عصر ادا کر سکے۔ اسماء بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور مستند ہونا ثابت کیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ
اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹال جائیں اور کہیں یہ جادو ہے
مُّسْتَمِرٌّ ۝۲
پہلے سے چلا آتا☆

☆ یعنی اس طرح کے جادو مدعیان نبوت نے پہلے بھی کئے ہیں پھر جس طرح وہ جاتے رہے یہ بھی جاتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَكُلُّ
اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر
اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳
کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر☆

☆ یعنی ان کا عذاب بھی اپنے وقت پر آئے گا۔ اور اللہ کے علم میں ان کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت سے ٹلنے والی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْرٌ مُّسْتَقِرٌّ کے بارے میں علماء کے اقوال

بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر مقدر امر ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔ جس بات کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے وہ ضرور واقع ہو گی۔ بعض نے کہا ہر امر ایک حقیقت ہے دنیا میں لوگوں کی طرف سے جو بات ہو گی اس کا ظہور ہو جائے گا۔ اور آخرت میں اللہ کی طرف سے جو کچھ ہو گا وہ معلوم ہو جائے گا۔ حق دو نے کہا جس امر کا استقرار خیر میں ہے وہ اہل خیر کیساتھ رہیگا۔ اور جس امر کا استقرار شر میں ہے وہ اہل شر کے ساتھ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
اور پہنچ چکے ہیں اُن کے پاس احوال
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝۴
جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے☆

☆ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور کریں تو خداوند قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی آمد آمد ہے

ولید بن عبدالملک کے پاس جب حضرت ابوہریرہؓ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے کی حدیث کا سوال کیا جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضور سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو۔ اس کی شہادت اُس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو۔ حضرت جبیرؓ کی روایت سے مروی ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا یہ صور پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ باقی لگا پلا رہ جائے اسی طرح دنیائی عمر کا کل حصہ نکل چکا صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے۔ تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو ہیرا برستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن تلے تک نہ پہنچے گا۔ خدا کی قسم جہنم کا یہ گہرا گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے۔ تم اس پر تعجب نہ کرو۔ ہم نے یہ ذکر بھی سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پر ہو گی کہ بھیڑ محسوس نظر آئے گی الخ (مسلم)

حضرت حذیفہؓ کا خطبۂ جمعہ ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدائن گیا اور بہستی میں تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے۔ جمعہ کے لئے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہؓ خطیب تھے۔ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو سنو اللہ تعالیٰ کا فرماں ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا ہے شک قیامت قریب آ چکی ہے بے شک چاند پھٹ گیا ہے۔ بے شک دنیا جدائی کا الارم بجا چکی ہے آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہو گا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کیا کل دوڑ ہو گی؟ جس میں آگے نکلنا ہو گا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہؓ کو اسی کے قریب فرماتے ہوئے سنا اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ذکر ہے جیسے کہ متواتر حدیثوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝
پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانیوالے
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ
سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے ☆

☆ یعنی قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا ایک نیکی سے خود کرے تو دل میں اترتی چلی جائیں مگر افسوس اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں ان پر کچھ اثر نہیں۔ کوئی نصیحت و فہمائش وہاں کام نہیں دیتی۔ کتنا ہی سمجھاؤ پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ لہٰذا ایسے سنگدل بدبختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیے۔

آپ فرض تبلیغ و دعوت باحسن اسلوب ادا کر چکے۔ اب زیادہ تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو ان کے ٹھکانے کی طرف چلتے دیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ
جس دن پکارے پکارنے والا ایک ناگوار چیز کی طرف ☆

☆ یعنی میدان حشر کی طرف حساب دینے کو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسرافیلؑ کی پکار پکارنے والے اسرافیل سوں گے جو صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر پکاریں گے۔ اے کھوکھلی بوسیدہ مڈیوں اے پارہ پارہ کھالو اور اے ٹوٹے ہوئے بالو اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ آخری فیصلے کے لئے جمع (اکٹھی) ہو جاؤ رواہ ابن عساکر عن زید بن جابر الشافعی۔

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ
آنکھیں جھکائے ☆

☆ یعنی اس وقت خوف و ہیبت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
نکل پڑیں قبروں سے
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝
جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی
مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ
دوڑتے جائیں اس پکارنیوالے کے پاس ☆

☆ یعنی تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑیں گے اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری، لینے کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ
کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا ☆

☆ یعنی اس دن کے ہولناک احوال و شدائد اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے۔ دیکھئے آج کیا گذرے گی۔ آگے بتلاتے ہیں کہ قیامت اور آخرت کا عذاب تو ایسے وقت پر آئے گا بہت سے ملحد بین کے لئے اس سے پہلے دنیا میں ایک سخت دن آ چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا

جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا

عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّازْدُجِرَ ۝

ہمارے بندہ کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک لیا اسکو ☆

☆ کہنے لگے اے نوح! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو تم کو سنگسار کر دیا جائیگا۔ گویا دھمکیوں سے بھی اس کی بات رلا دی۔ اور بعض نے "وازدجر" کے معنی یوں کئے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے آسیب زدہ۔ جن اسی کی عقل لے اڑے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (العیاذ باللہ) (تفسیر حقانی)

ساڑھے نو سو سال حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب ہوتی رہی

فکذبوا عبدنا۔ یعنی انہوں نے نوح کی متواتر تکذیب کی تکذیب کرنے والوں کی ایک نسل جب مر جاتی تھی تو آنے والی دوسری نسل تکذیب کرتی تھی اور دوسری کے بعد تیسری نسل مکذبین کی پیدا ہو کر حضرت نوح کو جھوٹا کہتی تھی اور یہ تکذیب کا سلسلہ تو سو پچاس برس جاری رہا۔ (تفسیر مظہری)

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝

پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلہ لے ☆

☆ یعنی سینکڑوں برس سمجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو بددعا کی اور کہا اے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا ہوں۔ ہدایت و فہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ (تفسیر حقانی)

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝

پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے پانی توڑ کر برسنے والے سے

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ

اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا سب پانی

عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝

ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا ☆

☆ یعنی پانی اس قدر ٹوٹ کر برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے سوتے پھٹ پڑے، اتنا پانی ابلا گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن گئی پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا جو پہلے سے اللہ کے ہاں ٹھہر چکا تھا یعنی قوم نوح کی ہلاکت اور غرقابی۔ (تفسیر حقانی)

مُنْهَمِر۔ سخت برسنے والا چالیس روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی کسی وقت منقطع نہیں ہوئی۔ بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ آسمان و زمین کے درمیان کی خلاء پانی سے بھر گئی۔

وفجرنا الارض عیونا۔ یعنی ہم نے زمین کو چشمے ہی چشمے بنا دیا۔ (اتنے چشمے زمین سے برآمد کر دیئے کہ پوری زمین چشمہ ہی ہو گئی)

فالتقی الماء۔ یعنی آسمان اور زمین کا پانی آپس میں مل گیا۔ الماء کا اطلاق ایک پانی پر بھی ہوتا ہے اور ایک ہی زیادہ پر بھی۔ اس جگہ یہی مؤخر معنی مراد ہے۔

قد قدر کے دو مطلب:

اس امر کے مطابق جو اللہ نے ازل میں مقدر کر دیا تھا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا یا قدر سے مراد یہ ہے کہ دونوں پانی مقدار میں برابر کر دیئے گئے۔ آسمان سے برسنے اور زمین سے نکلنے والے پانی کی مقدار برابر کر دی گئی۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ نے جو امر مقرر کر دیا تھا یعنی طوفان سے قوم نوح کا ہلاک ہونا اس کے مطابق پانی مل گیا (اور قوم نوح غرق ہو گئی) (تفسیر مظہری)

اس آیت سے تقدیر پر استدلال

حضرات متکلمین اور ائمہ اہلسنت اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر امر اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہر چیز کا علم اللہ کو اس کے وجود سے قبل ہے تابعین کے دور میں کچھ لوگ تقدیر خداوندی پر جب انکار کرنے لگے تو حضرات صحابہ اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات سے فرقہ قدریہ اور منکرین قدر کا رد کیا کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچا جبکہ وہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے اور کپڑے نیچے کی طرف سے بھیگے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اے ابن عباس مسئلہ تقدیر میں لوگ کچھ حجت بازی اور قیل وقال کرنے لگے ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم یہ آیت "ذوقوا مس سقر انا کل شیء خلقنہ بقدر" سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے بارہ میں نہیں نازل ہوئی اور اس کے بعد فرمایا اولئک شرار الخلق یہ اللہ کی مخلوق میں بدترین مخلوق ہے۔ (محاربی کا حاشیہ)

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝

اور ہم نے اُسکو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی پر

تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا

بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے ☆

☆ یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلی جا رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝۱۴

بدلہ لینے کو اس طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی ☆

☆ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا یہ اس کی سزا ملی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر نبی اپنی امت کے لئے رحمت اور نعمت ہوتا ہے

جزاءً۔ ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہوتا ہے۔ نوح بھی اپنی قوم کے لئے اللہ کی نعمت تھے لیکن اس نعمت کا قوم کی طرف سے کفران کیا گیا پس اس نعمت کی (جو بصورت نوح اللہ نے عطا کی تھی) ناشکری کی وجہ سے اللہ نے قوم کو طوفان میں غرق کر دیا اور نوح کو کشتی پر سوار کر کے بچا لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵

اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشانی کیلئے پھر کوئی ہے سوچنے والا ☆

☆ یعنی سوچنے والوں کے لئے اس واقعہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ آج کشتی کا وجود دنیا میں اس کشتی کے قصہ کو یاد دلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے اور بعض نے کہا کہ بعینہٖ وہ ہی کشتی نوح کے بعد مدت تک رہی۔ "جودی" پہاڑ پر نظر آتی تھی اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝۱۶

پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا ☆

☆ یعنی دیکھ لیا۔ میرا عذاب کیسا ہولناک اور میرا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

پھر ہے کوئی سوچنے والا ☆

☆ یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف، سہل اور مؤثر ہیں پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق و غوامض نہیں۔ اس علیم و خبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے غیر متناہی علوم سے کورا ہو جاتا ہے؟ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہری حقائق اور باریکیاں ہوں گی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے اسی لئے حدیث میں آیا لاتنقضی عجائبہ" (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونے والے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و اسرار کا پتہ لگانے اور ہزارہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں تب بھی اس کی آخری تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کیا گیا ہے نہ کہ اجتہاد اور استنباط احکام کے لئے

اس آیت میں یسّرنا کے ساتھ للذکر کی قید لگا کر یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کر دیا گیا ہے۔ جس سے ہر عالم و جاہل چھوٹا اور بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو وہ اپنی جگہ ایک مستقل اور مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء راسخین کو ہی حصہ ملتا ہے ہر ایک کا وہ میدان نہیں۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو قرآن کریم کے اس جملہ کے سہارا لے کر قرآن کی مکمل تعلیم اس کے اصول و قواعد سے حاصل کئے بغیر مجتہد بننا اور اپنی رائے سے احکام و مسائل کا استخراج کرنا چاہتے ہیں کہ وہ کھلی گمراہی کا راستہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ

جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب

وَنُذُرِ ۝۱۸ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

اور میرا کھڑکھڑانا ہم نے بھیجی ان پر

رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ

ہوا تند ایک نحوست کے دن

مُّسْتَمِرٍّ ۝۱۹

جو چلے گئے ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک تمام نہ ہو چکے اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کو" وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں۔ جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کونسا رہے گا۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صَرْصَرًا۔ بہت تیز برفیلا گرج دار طوفان باد نحس دشمنوں کیلئے منحوس۔

مُسْتَمِرٍّ۔ مسلسل نحوست والا یا یہ مطلب کہ وہ دن اتنی مدت تک قائم رہا جب تک ان کو ہلاک نہیں کر دیا گیا۔ یا وہ چھوٹوں بڑوں بوڑھوں بچوں سب کے لئے منحوس تھا کسی کو باقی نہیں چھوڑا یا مُسْتَمِرٍّ کا معنی ہے انتہائی تلخ بدمزہ بغوی نے لکھا ہے کہ مہینہ کی آخری تاریخ تھی مدھ کا دن تھا۔ (تفسیر مظہری)

تَنْزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ
اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی
مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾
اکھڑی پڑی ☆

☆ "قوم عاد" کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنا جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

طوفان کی شدت: طوفان ان لوگوں کو ان کے گھروں سے اکھاڑ کر (باہر لا کر) سر کے بل پٹک دیتا تھا کہ گردنیں ٹوٹ جاتی تھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے لوگ پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں اور غاروں میں گھس گئے اور باہم چمٹ گئے لیکن طوفان ان کو وہاں سے بھی اکھاڑ لایا۔ اور باہر لا کر زمین پر پٹک دیا کہ سب مر گئے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ طوفان مُردوں کو قبروں سے اکھاڑ لایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَ
پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا اور
لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی
مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾
سوچنے والا جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو ☆

☆ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ۔ عذاب کی عظیم ہولناکی بتانے کے لئے یہ آیت مکرر کر کی عذاب دنیا نے ان کو گھیر لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

قرآن کی آسانی اللہ کی ایک نعمت ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں گزر چکی کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق والفاظ ہم نے پہلے جمع کر دیئے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی طالب علم جو اس خدائی علم کو حاصل کرے جو بالکل آسان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ
پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا اکیلا ہم اس کے کہے پر چلیں گے
اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾
تو تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں ☆

☆ یعنی کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں بلکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی اور وہ بھی اکیلا جس کے ساتھ کوئی قوت اور جتھا نہیں چاہتا ہے کہ ہمیں دبا لے اور سب کو اپنا تابع بنا لے۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر ہم اس پھندے میں پھنس جائیں تو ہماری بڑی غلطی اور حماقت بلکہ جنون ہوگا وہ تو ہم کو ڈراتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے تابع ہو جائیں تو گویا خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا۔ یعنی ہم اپنی ہی جنس کے ایک آدمی کا (جو فرشتہ نہیں ہے) یا اپنی جماعت ہی کے ایک معمولی آدمی کا جس کو نہ مال میں ہم پر برتری حاصل ہے نہ مرتبہ میں۔

نَّتَّبِعُهٗ۔ ہم اتباع کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے اور انکار اتباع سے نہیں ہے اگر کوئی فرشتہ یا بادشاہ متبوع ہوتا تو وہ اتباع کر لیتے۔

وَاحِدًا۔ یعنی اکیلا تنہا جس کا کوئی تابع نہیں یا ہم میں سے ایک معمولی فرد جس کا شمار سرداروں میں نہیں ہے۔

اِنَّآ اِذًا۔ یعنی اگر ہم نے اس کا اتباع کیا تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی

اور دیوانہ پن میں جو چاہیں کہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ
کیا اُتری اُسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں
هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾
یہ جھوٹا ہے بڑائی مارتا ہے ☆

☆ یعنی پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ سب جھوٹ ہے خوامخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے اپنا رسول بنا دیا اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ۔ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے اللہ پر اس نے دروغ بافی کی ہے۔

اَشِرٌ۔ شیخی باز (اترانے والا) ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے اونچا بننا چاہتا ہے گویا ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اخلاق پر عیب لگایا اور ایک قبیح خصلت کو آپ کی طرف منسوب کیا۔ پہلے حضرت صالح علیہ السلام کی برتری کا انکار کیا پھر ایک بری خصلت کا حامل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ
اب جان لینگے کل کو کون ہے جھوٹا
الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾
بڑائی مارنے والا ☆

☆ یعنی بہت جلد معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا۔ کل کو جان لیں گے یعنی جس وقت ان پر عذاب نازل ہوگا۔ (غد سے مراد ہے یوم عذاب) کلبی نے کہا روز قیامت مراد ہے۔

جب ثبوت نبوت کے لئے قوم والوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت تجویز بھی کر دی کہ پتھر کو چٹان کے اندر ایک دس ماہ کی گابھن سرخ رنگ کی اونٹنی برآمد کر دو تو اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام سے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ
ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اُن کے جانچنے کے واسطے ☆

☆ یعنی ان کی فرمائش کے موافق ہم پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعے سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾
سو انتظار کر اُن کا اور سہتا رہ ☆

☆ یعنی دیکھتا رہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ
اور سنا دے اُنکو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں
كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾
ہر باری پر پہنچنا چاہئے ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ اونٹنی جس پانی پر جاتی" سب جانور بھاگتے" تو اللہ نے باری ٹھہرا دی۔ ایک دن وہ جائے اور ایک دن سب جانور"۔ (تفسیر عثمانی)

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾
پھر پکارا انہوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک مددگار عورت تھی اس کے مواشی بہت تھے اپنے ایک آشنا کو اکسا دیا۔ اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ
پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکانا ہم نے
اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً
بھیجی اُن پر ایک چنگھاڑ
فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾
پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کانٹوں کی ☆

☆ فرشتے نے ایک چیخ ماری کلیجے پھٹ گئے اور سب چورا ہو کر رہ گئے۔ جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز کے بعد پامال ہو کر اس کا چورا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صَيْحَةً وَّاحِدَةً ایک چیخ جو حضرت جبرئیل نے نکالی تھی۔

فَكَانُوْا۔ پس وہ ہو گئے۔

كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کفار اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بکریوں کے لئے درختوں اور کانٹوں کا باڑہ بنا لیتا ہے تاکہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت ہو جائے اگر کوئی حصہ اس کا گر جاتا ہے اور بکریاں اس کو پامال کر دیتی اور روندڈالتی ہیں (اور اس کا چورا ہو جاتا ہے) تو اس کو هشیم کہتے ہیں۔ (تفسیر طبری)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے

مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ

کوئی سوچنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے

بِالنُّذُرِ ﴿۱۸﴾

ڈر سنانے والوں کو☆

☆ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ

ہم نے بھیجی ان پر آندھی پتھر برسانے والی

اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً

سوائے لوط کے گھر کے انکو ہم نے بچا لیا پچھلی رات سے فضل سے

مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ

اپنی طرف سے ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو

شَكَرَ ﴿۳۵﴾

جو حق مانے☆

☆ یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آنچ نہ لگنے دی اور یہ ہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور شکر گذار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حاصب وہ تند ہوا جو پھولے سنگریزوں کو اڑا کر لے جاتی اور برساتی ہے۔ حصباء پھولے سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا اسے (پھولے) پتھر جو مکھی کے پر سے کم ہوں حصباء کہلاتے ہیں حاصب کبھی (پتھر) پھینکنے والے کو کہتے ہیں اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا پتھر برسانے والا۔

سحر۔ رات کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔

نعمۃ۔ یعنی انعام دینے کے لئے۔

من شکر۔ جو اللہ کی نعمت کا شکر کرتا ہے یعنی اللہ کی توحید کا قائل اور اطاعت گذار ہے اس کو ہم ایسی جزا دیتے ہیں جیسی لوط کے گھر والوں کو دی اور اس کو مشرکوں کے ساتھ عذاب نہیں دیتے۔ کذا قال مقاتل۔ (تفسیر طبری)

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا

اور وہ ڈرا چکا تھا ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے

بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾

جھگڑنے ڈرانے کو☆

☆ یعنی اس کی باتوں میں دانا جانی شبہے اور جھگڑنے کھڑے کر کے ٹھٹھا لے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ

اور اس سے پیچھے لگے اس کے مہمانوں کو پس ہم نے مٹا دیں

اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

ان کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا☆

☆ یعنی فرشتے جو حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے ان کو آدمی سمجھ کر اپنی خواہش بد سے آبرو لینا چاہا۔ ہم نے ان کو اندھا کر دیا کہ ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور کہا لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان
قوم کی بدتمیزی اور عذاب الٰہی

قوم والوں نے ان مہمانوں سے جو واقع میں فرشتے تھے اور جبرئیل بھی ان میں شامل تھے لیکن لڑکوں کی شکل میں ہو کر آئے تھے بدکاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت لوط علیہ السلام سے کہا تم ان مہمانوں کے معاملہ میں کوئی تعرض نہ کرو ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ اللہ نے ان فرشتوں کو قوم لوط علیہ السلام پر کنکریلے پتھر برسانے کے لئے بھیجا اور ہر پتھر کو ایک کافر کے لئے نامزد کر دیا۔ جب قوم

والوں سے نہ مانا اور لوط علیہ السلام کے گھر میں دروازہ توڑ کر گھس جانا چاہا (اور حضرت لوط علیہ السلام بہت پریشان ہوئے) تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ان کو اندر آنے دیجئے ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ گھر کے اندر گھس آئے۔

بغوی نے ابن اسحٰق اور ابن عساکر کا بیان بطریق جریر مقاتل حسب روایت ضحاک نقل کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوط علیہ السلام نے مہمانوں سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر لیا اور دروازہ کے اندر سے قوم والوں سے جھگڑنے لگے۔ وہ لوگ پھلانگ کر اندر آ گئے۔ ملائکہ نے جب لوط علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی تو کہا (آپ پریشان نہ ہوں) ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں۔ آپ تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل نے اپنے ایک پر کی جھپٹ ماری جس سے وہ اندھے ہو گئے۔ ہر چند ادھر اُدھر چکر کاٹتے اور گھومتے تھے لیکن دروازے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام نے خود ان کو اسی ماجرائی کی حالت میں نکال باہر کر دیا آیت فطمسنا اعینھم سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ
اور پڑا اُن پر صبح کو سویرے عذاب
مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾
جو ٹھہر چکا تھا پھر چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا ☆

☆ یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔ (تفسیر عثمانی)

مستقر۔ یعنی وہ عذاب جو مرنے کے بعد بھی قائم رہا۔ دنیوی عذاب سنگ باری اس کے بعد عذاب قبر اور پھر دوامی دوزخ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ
اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو
فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ
پھر ہے کوئی سوچنے والا اور پہنچے فرعون والوں
فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾
کے پاس ڈرانے والے ☆

☆ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ اور ان کے ڈرانے والے نشان۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کے تکرار کا مقصد: ہر قصہ کے بعد اس آیت کا تکرار حقیقت میں از سر نو تنبیہ ہے۔ نصیحت پذیری پر اور ترغیب ہے عبرت اندوزی کی۔

النذر۔ بعض علماء کے نزدیک وہ معجزات مراد ہیں جو فرعون اور فرعونیوں کو ڈرانے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے پیش کئے تھے۔ صرف آل فرعون کا ذکر کیا فرعون کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اصل فرعون ہی تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

ماضی کی سپر طاقتیں اور ان کا حشر: یہ پانچوں اقوام دنیا کی قوی ترین اور قابو یافتہ قومیں تھیں، جن کو کسی طاقت سے رام کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا، آیات مذکورہ میں ان پر اللہ کا عذاب آنا دکھلایا گیا اور ہر ایک قوم کے انجام پر قرآن کریم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا (فکیف کان عذابی ونذر) یعنی اتنی بڑی قومی اور بھاری تعداد والی قوم پر جب اللہ کا عذاب آیا تو دیکھو کہ وہ کس طرح اس عذاب کے سامنے مکھیوں، مچھروں کی طرح مارے گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ
جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے انکو
أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾
پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر ☆

☆ یعنی خدا کی پکڑ بڑے زبردست کی پکڑ تھی جس کے قابو سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ دیکھ لو تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق کیا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ پر نازل شدہ نو احکام۔

دو یہودیوں کا قصہ:

حضرت صفوان بن عسال راوی ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ ساتھی نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر وہ سن پائے گا (کہ تم نے بھی اس کو نبی کہا ہے) تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تسعٰی ایٰت بینٰت (نو واضح احکام) کے متعلق سوال کیا کہ وہ نو احکام کون سے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نو احکام یہ تھے) کسی چیز کو

اللہ کا شریک نہ قرار دو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ کسی بے قصور کو حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ۔ جادو نہ کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ جہاد کے معرکہ سے بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو (ایک حکم) تمہارے لئے خاص طور پر یہ تھا کہ ہفتہ کے دن (کی حرمت) میں حد سے تجاوز نہ کرو (یعنی ہفتہ کے دن کی حرمت قائم رکھو۔ اس روز دنیوی کاروبار نہ کرو) یہ سنتے ہی دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم لئے اور بولے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے (سچے) نبی ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لئے کیا مانع ہے کہنے لگے حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعاء کی تھی کہ (اے میرے رب) میری ہی نسل میں سے ہمیشہ نبی ہوتا رہے (اور حضرت داؤدؑ کی دعاء کا قبول ہونا یقینی ہے) اور ہم کو یہ ڈر ہے کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو مار ڈالیں گے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ
اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں اُن سب سے یا تمہارے لئے فارغ
بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
خطی لکھدی گئی ورقوں میں کیا کہتے ہیں
نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾
ہم سب کا مجمع بدلہ لینے والا ☆

☆ گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں کے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر و طغیان کی سزا میں تباہ نہیں کئے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو سزا نہیں ملے گی؟ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ یعنی اے اہل مکہ کیا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے عذاب سے امان لکھی ہوئی ہے کہ تم میں اگر کفر اور پیغمبروں کی تکذیب بھی کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ بدر (کی لڑائی) کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعاء کی) اور کہا اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں اگر تیری مشیت یہی ہے (کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو) آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی (یعنی مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو تیری عبادت کرنے والا باقی ہی نہیں رہے گا) حضرت ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب (سے مانگنے) پر بہت اصرار کر لیا اب بس کیجئے (اتنا ہی کافی ہے) اس کے بعد حضور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کہتے ہوئے (خیمہ سے) برآمد ہوئے۔ مجھے اس وقت معلوم نہ ہوا کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد کون سی جماعت تھی (مسلمان کی یا کافروں کی)۔ (تفسیر مظہری)

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾
اب شکست کھائیگا یہ مجمع اور بھاگیں پیٹھ پھیر کر ☆

☆ یعنی عنقریب ان کو اپنے مجمع کی حقیقت کھل جائے گی جب مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ "بدر" اور "احزاب" میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ آیت جاری تھی "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ"۔ (تفسیر عثمانی)

بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنے ڈیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرما رہے تھے اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت واحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے۔ بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے بہت الحاح کر لی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں سَيُهْزَمُ الخ دونوں جاری تھیں۔

کون سی جماعت مراد ہے: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس آیت کے اُترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کون سی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے اُس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ

بلکہ قیامت ہے انکے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی

اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾

آفت ہے اور بہت کڑوی ☆

☆ یعنی یہاں کیا شکست کھائیں گے ان کی شکست کا اصلی وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بل الساعۃ الخ اتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقعہ پر مطول مروی ہے۔ مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ادھی۔ بہت سخت مصیبت جس کو کسی طرح دفع کرنا ممکن نہ ہو۔

امر۔ یعنی عذاب دیتا ہے زیادہ بدمزہ اور تلخ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾

جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى

جس دن کھینچے جائیں گے آگ میں

وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

اوندھے منہ چکھو مزا آگ کا ☆

☆ یعنی اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں۔ یہ سودا دماغ میں سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں کھینچے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فی ضلل۔ یعنی دنیا میں حق سے بھٹکے ہوئے۔

وسعر۔ یعنی آخرت میں (بھڑکتی) آگ کے اندر بعض اہل تفسیر میں فی ضلال کی تشریح میں کہا آخرت میں جنت کے راستہ سے کٹے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾

ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر ☆

☆ یعنی ہر چیز جو پیش آنے والی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول۔ مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ قریشی مشرک تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑا کرنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں آئے تھے اس وقت آیت اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ تک نازل ہوئی۔

تقدیر کا ماننا ضروری ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے تمام مخلوق کے اندازے لکھ دیے تھے اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ رواہ مسلم۔

بغوی نے اپنی سند سے طاؤس بن مسلم کا بیان نقل کیا ہے۔ طاؤس بن مسلم یمنی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابی ایسے پائے جو کہہ رہے تھے کہ ہر چیز اندازہ کے مطابق ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی۔ حسب تقدیر خداوندی ہے۔

منکرین تقدیر: حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میری امت کے جو لوگ تقدیر کے منکر ہوں گے ان پر خسف (زمین میں دھنسا دینے) اور مسخ (صورتیں اور شکلیں بگاڑ دینے کا عذاب) ہوگا رواہ ابوداؤد و روی الترمذی نحوہ۔

حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فرقۃ) قدریہ (جو تقدیر خداوندی کا منکر ہے اور انسان کے اچھے برے افعال کا خالق انسان ہی کو جانتا ہے) اس امت کے مجوسی ہیں (مجوسی دو خالق مانتے ہیں ایک شر کا خالق جس کو اہرمن کہتے ہیں دوسرا خیر کا خالق جس کو یزدان کہتے ہیں) اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شرکت مت کرو۔ رواہ احمد و ابوداؤد۔

حضرت ابو خزامہ کے باپ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم (بیماری وغیرہ کے لئے) کچھ افسوں پڑھتے ہیں دواء کے ذریعہ سے علاج بھی کرتے ہیں اور بچاؤ کی تدبیر (یعنی پرہیز) بھی کرتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر خداوندی کو پلٹ سکتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تقدیر (کا جزء) ہی ہیں رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے۔ فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اُس کے پاس چل کر کیا کریں گے۔ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ ہوظہ کی عورتیں خزرج کے ارد گرد طواف کرتی پھرتی ہیں ان کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ مشرکہ عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اُس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اُن کی بے بھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک دوست شامی تھا جس سے آپ کی خط و کتابت تھی حضرت عبداللہ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے۔ آپ نے جھٹ سے اُسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط و کتابت کی امید نہ رکھنا۔ آج سے بند سمجھنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو تم اُن کے جنازے نہ پڑھو (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

وَمَآ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۭ
اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے پلک
بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾
نگاہ کی ☆

☆ یعنی ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔ (تفسیر جلالین)

وما امرنا۔ یعنی کسی چیز کو پیدا کرنے اور معدوم کرنے اور دوبارہ موجود کرنے کا حکم۔

الا واحدۃ۔ یعنی بغیر دشواری کے یکدم ایک فعل ہے خواہ موجود کرنا ہو یا معدوم کرنا یہ مطلب ہے کہ ہمارا حکم بس ایک کلمہ ہے پیدا کرنے کے لئے لفظ کُنْ (ہو جا) اور معدوم کرنے کے لئے ایک مخت آواز۔

کلمح بالبصر۔ یعنی تیزی اور جلدی کے اعتبار سے بس پلک جھپکنے کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر اس طرح کی قیامت آ جانے کا امر اتم سرعت میں ایسا ہوگا جیسے پلک جھپکنا (رواہ البیہقی) اس مضمون کو دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا ہے 'وَمَآ اَمۡرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمۡحِ الۡبَصَرِ اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ' (حکم قیامت اتنا تیز ہوگا جیسے پلک جھپکانا یا اس سے بھی تیز) (تفسیر مظہری)

وَلَقَدۡ اَهۡلَكۡنَاۤ اَشۡيَاعَكُمۡ فَهَلۡ
اور ہم برباد کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے
مِنۡ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾
کوئی سوچنے والا ☆

☆ یعنی تمہاری قماش کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کر چکے ہیں پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ ان کے حال سے عبرت حاصل کر سکے۔ (تفسیر جلالین)

وَكُلُّ شَىۡءٍ فَعَلُوۡهُ فِى الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾
اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں ☆

☆ یعنی ہر ایک نیکی بدی عمل کے عدان کے اعمال ناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کر دی جائیگی۔ (تفسیر جلالین)

وَكُلُّ صَغِيۡرٍ وَّكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ ﴿۵۳﴾
اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا ☆

☆ یعنی اس سے قبل ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل "لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ" میں لکھی جا چکی۔ تمام دفاتر ما قاعدہ مرتب ہیں کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی ادھر ادھر نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر جلالین)

چھوٹے گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھو:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو خدا کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ و بیہقی)۔ حضرت سلیمان بن مغیرہؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا جسے میں نے حقیر سمجھا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان!

لا تحقرن من الذنوب صغيرا
إن الصغير غدا يعود كبيرا
إن الصغير ولو تقادم عهده
عند الله مسطر تسطيرا
فازجر هواك عند البطالة لا تكن
صعب القياد وشمرن تشميرا
إن للحب إذا أحب إلهه
طار الفؤاد وألهم التفكيرا
فاسأل هدايتك الإله فتنتذ
فكفى بربك هاديا ونصيرا

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کئے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا ہو نہ جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اُڑنے لگتا ہے اور اُسے خدا کی جانب سے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥١﴾ فِي

جو لوگ ڈرنے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں

مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٢﴾

بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے☆

☆ محرمین کے بعد یہ متقین کا انجام بیان فرما دیا کہ وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا۔ "اللهم انك مليك مقتدر ماتشاء من امر يكون فاسعدني في الدارين و كن لي ولاتكن علي و اتني في الدنيا حسنة و في الاخرة حسنة و في عذاب النار" تم سورۃ القمر وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں اللہ نے مقام کی صفت صدق کے لفظ سے کی ہے پس اس مقام پر اہل صدق ہی بیٹھیں گے۔

قرب خداوندی بے کیف اور فہم سے ماوراء ہے

قرب خداوندی بے کیف ہے دانش و فہم کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں اگر اللہ کسی کا پردہ بصیرت ہٹا دے تو اس کے قرب خداوندی کا وجدان ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم) (تفسیر مظہری)

تمت سورۃ القمر

الحمد للہ چھٹی جلد ختم ہوئی